گردش

ابو اوصاف ایم اے، شہناز بانو

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

گردش

ابو اوصاف ایم اے، شہناز بانو

کتابی شکل: پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

گردش

میں پچھلے دو گھنٹوں سے مسلسل بھاگتے بھاگتے نڈھال ہوچکا تھا۔ موسم سرد ہونے کے باوجود میرا پورا جسم پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ ٹانگوں نے بہ مشکل میرا بوجھ اٹھا رکھا تھا اور تھکاوٹ کے مارے میرا بدن کسی پکے ہوئے پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ قدم رکھتا کہیں تھا اور پڑتا کہیں تھا۔ دل چاہتا تھا اسی ویرانے میں کہیں لمبی تان کر سو جاؤں مگر میں دل کا یہ احمقانہ مشورہ ماننے کے لیے قطعی تیار نہیں تھا۔ میں اگر دل کی مان کر ستانے کے لیے کہیں لیٹ جاتا تو مجھے کامل یقین تھا کہ میں لمحوں میں نیند کی آغوش میں پہنچ جاتا لیکن یہ نیند دائمی ثابت ہونے میں بھی مجھے کسی قسم کا شبہ نہیں تھا۔ موت کے

ہر کارے جدید اسلحے سے لیس میرے تعاقب میں تھے۔گو کہ اب ان کی اور ان کے خون خوار کتوں کی آوازیں میری سماعتوں تک نہیں پہنچ رہی تھیں لیکن وہ اس ویرانے میں مجھے ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔میں گزشتہ چوبیس گھنٹوں سے نہیں سویا تھا۔تھکاوٹ اور نیند کے بوجھ سے میری پلکیں جڑی جا رہی تھیں۔میں ایک لمبی نیند لینا چاہتا تھا مگر نیند سے کہیں زیادہ مجھے اپنی زندگی پیاری تھی۔فطرتاً ہر جاندار کو اپنی زندگی سے بے حد پیار ہوتا ہے۔اگر چہ وہ سسک سسک کر ہی کیوں نہ جی رہا ہو مگر کسی بھی قیمت پر مرنا نہیں چاہتا۔مجھے بھی مزید جینے کی ہوس تھی لیکن اس ہوس کے پیچھے زندگی سے پیار کا جذبہ کار فرما نہیں تھا۔میں صرف اپنے دشمنوں کے لیے جینا چاہتا تھا۔ابھی تو میرے انتقام کا آغاز ہوا تھا۔اس آغاز کو انجام تک پہنچائے بغیر میں کسی بھی قیمت پر مرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔مجھے آخری دشمن کی موت تک جینا تھا۔اس کے بعد زندگی مجھ سے جو بھی تاوان طلب کرتی ہیں میں ہنسی خوشی دے دیتا لیکن زندگی کو تاوان میں دینے کے لیے میرے پاس اکلوتی

جان ہی بچی تھی اور جان موت لے سکتی ہے زندگی نہیں۔اس لیے میں بے خوف تھا۔

میرے سب خونی رشتے تو ایک سال قبل ہی دشمنوں نے خون کی ہولی کھیلتے ہوئے مجھ سے چھین لیے تھے۔ان کی آخری چیخیں اب بھی میری سماعتوں میں گونج رہی تھیں۔میری معصوم اور اکلوتی بہن کتنا چلائی تھی زندگی کے لیے۔کیسے کیسے گڑ گڑائی تھی ان درندوں کے سامنے کتنی ہی مجھے اس نے آوازیں دی تھیں مگر میں اسے نہیں بچا سکا تھا۔اس نے میری آنکھوں کے سامنے دم توڑا تھا۔میں چلا چلا کر رو رہا تھا لیکن میری چیخیں ان درندوں کے فلک شگاف قہقہوں میں دب کر رہ گئی تھیں۔بے بسی، مجبوری اور کمزوری کے وہ دو گھنٹے مجھ پر قیامت بن کر گزر گئے تھے مگر اب میری کمزوری دشمنوں کے ہاتھ باقی نہیں رہی تھی۔

بھاگتے بھاگتے میں ایک گھاٹی تک پہنچ گیا۔پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے زمین سنگلاخ تھی۔مگر کہیں کہیں سبزہ اور جھاڑیاں موجود تھیں۔گھاٹی سے آگے راستا نیچے نشیب کی طرف جا رہا تھا۔نشیب کو دیکھ کر اچانک ہی میری پیاس

بھڑک اٹھی تھی۔گزشتہ کئی گھنٹوں سے میں نے پانی کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔حلق میں اب کانٹے سے چبھنے لگے تھے۔نشیبی علاقہ کافی گنجان اور سر سبز نظر آرہا تھا۔سبزہ اور پانی لازم و ملزم ہوا کرتے ہیں۔مجھے امید سی بندھ چلی تھی کہ نشیبی علاقے میں ضرور کہیں نہ کہیں پانی موجود ہوگا۔

میری رفتار میں ایک دم تیزی آگئی تھی۔میں نے کندھے سے آٹو میٹک گن اتار کر ہاتھ میں پکڑی تھی۔اس کے میگزین میں ابھی بیس گولیاں باقی تھیں۔میگزین میں تیس گولیوں کی گنجائش تھی۔مگر میرے پاس فاضل گولیاں نہیں تھیں۔دس گولیاں میں دشمنوں پر داغ چکا تھا۔ان دس گولیوں نے تین
آدمیوں کو جہنم رسید کیا تھا۔گن کے علاوہ میرے بیلٹ میں ایک ریوالور بھی اڑسا ہوا تھا۔جو پوری طرح لوڈ تھا۔ایک تیز دھار خنجر چمڑے کے نیام میں محفوظ میری بائیں پنڈلی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔

نشیب میں اترتے ہی میں نے پانی کی تلاش میں چاروں طرف نگاہیں دوڑانا شروع کر دیں۔زمین نرم مٹی کی تھی۔میری امید کے بر آنے کی توقع کی جاسکتی تھی۔وہاں یقیناً پانی موجود تھا۔بس اسے تلاش کرنے کے لیے تگ و

دو کی ضرورت تھی۔میں چاروں طرف محتاط انداز میں دیکھ رہا تھا۔میری جان کے دشمن میرے تعاقب میں تھے۔غفلت کا مظاہرہ کر کے میں اپنی جان گنوانا نہیں چاہتا تھا۔وہ علاقہ ایک چھوٹی سی پیالہ نما وادی کی مانند تھا۔مجھے ابھی تک وہاں کوئی انسان نظر نہیں آیا تھا لیکن وادی کی سر سبزی اور شادابی دیکھ کر وہاں انسانوں کی موجودگی کی توقع کی جا سکتی تھی۔

مزید آگے بڑھتے ہوئے درختوں کے ایک وسیع جُھنڈ کے نزدیک پہنچ گیا مگر پھر ایک دم ٹھٹک گیا۔روسی ساخت کی گن پر میری گرفت مضبوط ہو گئی اور میں کسی بھی ممکنہ خطرے سے نمٹنے کے لیے تیار ہو گیا۔

میرے چونکنے کی وجہ درختوں کے جُھنڈ میں واقع وہ جھونپڑا نما مکانات تھے جن میں سے اکثر منہدم ہوچکے تھے۔تاہم کچھ مکانات سلامت بھی نظر آرہے تھے۔میں وہاں کسی انسان کی موجودگی کے امکان کو نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔وہ تمام مکانات نیم دائرے کی شکل میں بنے ہوئے تھے۔میں نے آگے بڑھ کر دو تین مکانوں کے اندر جھانکا مگر وہاں کسی قسم کی آبادی کے آثار نظر نہ آئے۔ان کی حالت دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے مکین ہمیشہ کے لیے وہاں سے

ہجرت کر کے کہیں جا چکے ہوں۔مکانوں کے احاطوں میں گھریلو استعمال کا ٹوٹا پھوٹا سامان بکھرا پڑا تھا۔اس سامان میں کوئی بھی قابل توجہ چیز موجود نہیں تھی۔

میں واپس پلٹا اور ایک بار پھر پانی کی تلاش میں نظریں دوڑانے لگا۔دفعتاً تیس چالیس گز دور میری نگاہیں ایک تالاب ڈھونڈنے میں کامیاب ہو گئیں۔

دوسرے ہی لمحے میں دوڑتا ہوا تالاب تک پہنچ گیا۔یہ تالاب مربع نما تھا اور اس کی پختہ دیوار زمین سے لگ بھگ چار فٹ بلند تھی۔تالاب کے عین درمیان میں تھوڑا سا پانی موجود تھا۔جس کی رنگت کائی زدہ ہونے کی وجہ سے تبدیل ہوچکی تھی۔عام حالات میں شاید ایسے پانی کو چھونا بھی گوارا نہ کرتا لیکن اس وقت وہ پانی میرے لیے آبِ حیات سے کم نہیں تھا۔تالاب کے کناروں کو جنگلی پودوں اور گھاس وغیرہ نے گھیر رکھا تھا۔کائی زدہ پانی کے نیچے کیچڑ کی ایک موٹی تہہ جمی ہوئی تھی اور تالاب کسی جوہڑ کا منظر پیش کر رہا تھا۔

بنیادی طور پر میں نہایت ہی نفاست پسند انسان تھا مگر اس وقت پیاس کی شدت میری نفاست پسندی پر غالب آچکی تھی۔میں نے گن کو تالاب کی پختہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

دیوار پر رکھ دیا اور پھر آگے بڑھ کر چلو بھر بھر کر پانی پینے لگا۔جب پیاس بجھ گئی تو میں وہیں تالاب کی پختہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔تھکاوٹ نے میرے تمام اعضاء مضمحل کردیے تھے۔دیوار سے ٹیک لگاتے ہی مجھ پر سستی غالب آنے لگی تھی اور یہ سستی میرے لیے بے حد خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔خونخوار دشمنوں کے روپ میں موت میرے تعاقب میں تھی اور میں موت کے آگے دوڑتا پھر رہا تھا۔وہ علاقہ میرے لیے قطعی اجنبی تھا۔میں وہاں سے سیکڑوں میل دور نتھیا گلی کا رہنے والا تھا۔گو کہ میں زندگی کی پچیس بہاریں دیکھ چکا تھا لیکن اس علاقے میں کبھی نہیں آیا تھا۔میں صرف اتنا جانتا تھا کہ یہ علاقہ صوبہ سرحد میں واقع ہے اور اس سے آگے علاقہ غیر شروع ہو جاتا ہے۔دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لیے علاقہ غیر میرے لیے بہترین پناہ گاہ ثابت ہو سکتا تھا۔بشرطیکہ میں دشمنوں سے بچ کر وہاں تک پہنچ جاتا۔

جسم کو ذرا آرام ملا تو مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔کوشش کے باوجود میری پلکیں جُڑی جا رہی تھیں۔میں نے کہیں پڑھا تھا کہ نیند کانٹوں پر بھی

آجاتی ہے۔اس وقت مجھے یہ بات بہت عجیب لگی تھی اور میں نے ذہنی طور پر اسے تسلیم نہیں کیا تھا مگر آج یہ بات سچ ثابت ہو رہی تھی۔آج مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ انسان کو کانٹوں پر کیسے نیند آتی ہے۔

میں کٹھن زندگی سے نا آشنا تھا۔گزشتہ پچیس سال میں نے نہایت ہی سکون و آرام کے ساتھ گزارے تھے۔مجھے دنیا کی تمام نعمتیں میسر رہی تھیں۔کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوئی تھی مگر آج حالات نے مجھے در بدر کردیا تھا۔کل کا ڈاکٹر شاہ زمان امراض ناک‘کان‘ حلق کا ماہر آج ایک قاتل اور مفرور تھا۔میں نا صرف قانون کو تہرے قتل کی واردات میں مطلوب تھا بلکہ سردار شیر افضل خان کے خونخوار غنڈے بھی موت بن کر میرے تعاقب میں تھے۔

آپ یقیناً حیران ہوں گے کہ ایک معزز ڈاکٹر مفرور اور قاتل کیسے بن گیا؟ لیکن حیران ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔اس ملک میں سب کچھ ممکن ہے۔جہاں قانون سرمایہ داروں اور اہل اقتدار کے گھر کی لونڈی بن کر رہ جائے وہاں میرے جیسے کئی مجبور قانون ہاتھ میں لے کر خود ہی منصف بن جاتے ہیں۔جہاں کمزور کی آواز انصاف کی سماعتوں تک نہ پہنچ سکے‘ وہاں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

سڑکوں پر خون بہانا رواج بن جاتا ہے۔قانون اور انصاف کی یہ کمزوری ہی ہم جیسوں کو قلم چھوڑ کر بندوق اٹھانے پر مجبور کردیتی ہے۔

میں نیند سے لڑنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔سر جھٹک کر میں نے آنکھوں کو مسلا‘ انہیں کھولنے کی کوشش کی لیکن خود کار انداز میں بار بار بند ہوجاتی تھیں۔پھر مجھے پتا ہی نہ چلا کہ میں کب نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ ہر خوف اور غم سے آزاد ہو کر... شاید نیند کو مہربان اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ وقتی طور پر انسان کو ہر دکھ سے آزاد کردیتی ہے۔

...☆☆☆...

دفعتاً میری سماعتوں سے کتوں کے بھونکنے کی آواز ٹکرائی۔میں نے ہڑ بڑا کر آنکھیں کھول دیں اور جھپٹ کر تالاب کی پختہ دیوار پر پڑی ہوئی گن اٹھالی۔ میری نگاہیں سرچ لائٹ کی طرح چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔اس پیالہ نما وادی میں کتوں کی آوازیں گونج رہی تھیں مگر کتے میری نگاہوں سے اوجھل تھے۔پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ آوازیں کس جانب سے آرہی ہیں۔سردار شیر افضل خان کے پاس درجنوں تربیت یافتہ ساغ رساں کتے تھے۔ان خونخوار

کتوں کی قوتِ شامہ عام کتوں سے بہت زیادہ تیز تھی وہ اپنے شکار پر کسی آدم خور درندے کی طرح جھپٹ کر منٹوں میں اسے چیر پھاڑ کر رکھ دیتے تھے۔شکار تک پہنچنے کے لیے انہیں شکار کا استعمال شدہ لباس سنگھا دیا جاتا تھا۔لباس سونگھنے کے بعد وہ خونخوار کتے اپنے شکار کو پاتال سے بھی ڈھونڈ لاتے تھے۔

کسی بھی لمحے وہ مجھ تک پہنچنے والے تھے اور پھر ایک اذیت ناک موت میرا مقدر بن جاتی۔میرا دماغ تیزی سے سوچ رہا تھا۔اس خطرناک صورتِ حال سے چھٹکارا پانے کی کوئی ترکیب مجھے سجھائی نہیں دے رہی تھی۔کتوں کی آواز لمحہ بہ لمحہ بلند ہوتی جا رہی تھی۔وہ جس طرف سے بھی آ رہے تھے۔میری بُو پا چکے تھے۔اب اس پختہ تالاب سے نکل کر بھاگنا اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔وہ تالاب میرے لیے بہترین مورچہ ثابت ہوسکتا تھا۔جب تک میری گن میں گولیاں باقی تھیں، وہ میرے نزدیک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ہاں گولیاں ختم ہونے کے بعد میں نہیں جانتا تھا کہ میرا انجام کیا ہوگا۔وہ مجھے زندہ پکڑلیں گے یا پھر ایک اذیت ناک موت ماریں گے؟

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں بد ستور تالاب کی پختہ دیوار کے ساتھ جھکا ہوا چاروں طرف نگاہیں دوڑا رہا تھا۔اچانک اس بلندی سے مجھے پانچ آدمی تیزی سے نیچے نشیب کی طرف اترتے ہوئے نظر آئے۔جس سے اتر کر میں یہاں تک پہنچا تھا۔آگے والے دو آدمیوں نے کتوں کی رسیاں تھام رکھی تھیں اور وہ کتوں کے عقب میں تقریباً بھاگنے کے انداز میں چل رہے تھے۔کتوں کا جوش و خروش دیدنی تھا۔شاید اپنے قرب و جوار میں شکار کی بو پا کر وہ رسیاں تڑانے پر تلے ہوئے تھے۔

میرے دل کی دھڑکن معمول سے بڑھ چکی تھی۔میرے ہاتھ روسی ساخت کی خود کارگن پر بڑی مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے تھے۔اس کے خم دار میگزین میں پوری بیس گولیاں موجود تھیں۔

”دو کتے اور پانچ آدمی۔“ میں نے دل ہی دل میں اندازہ لگایا۔

اگر میری چلائی گئی ہر گولی نشانے پر لگتی تو یہ چند لمحوں کا کھیل ہوتا مگر ان میں سے دو ٹانگوں والے انسان نما کتے مجھے آسانی سے یہ موقع دینے والے نہیں تھے۔وہ بظاہر انسان ہی نظر آتے تھے مگر کتوں سے زیادہ خون خوار

تھے۔کتوں کی طرح وہ بھی شیر افضل خان کے مطیع و فرماں بردار تھے۔انہیں کی طرح اس کے تلوے چاٹتے تھے اور شاید دم ہوتی تو وہ بھی ضرور ہلاتے۔ وہ اپنے مالک کے معمولی سے اشارے پر کسی بھی انسان کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتے تھے۔

میں تالاب کی پختہ دیوار سے لگ کر کھڑا ہوا تھا اور میری نگاہیں تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے ان دشمنوں پر جمی ہوئی تھیں جو مجھے زندہ یا مردہ حالت میں اپنے جلاد صفت آقا کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے۔جوں جوں وہ میرے قریب پہنچتے جا رہے تھے، میرے اعصاب کشیدہ ہوتے جا رہے تھے۔ جب وہ نشانہ کی حدود میں پہنچ گئے تو میں نے سرعت کے ساتھ خود کار گن کی پوزیشن سنگل فائر پر کرتے ہوئے آگے والے کتے کا نشانہ لیتے ہوئے ٹریگر دبا دیا۔ایک دھماکا ہوا اور کتا اچھل کر بلندی سے نشیب کی طرف لڑھکتا چلا گیا۔

اس اچانک افتاد سے ان میں کھلبلی مچ گئی اور وہ آڑ کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسرے کتے پر فائر کردیا

لیکن گولی خطا گئی۔کتے کے مالک نے حواس باختہ ہو کر رسی چھوڑ دی اور خود چھلانگ لگا کر ایک بڑے پتھر کی آڑ میں چھپ گیا۔کتا میرے نشانے پر تھا۔میں نے اس کی کھوپڑی کا نشانہ لیتے ہوئے تیسرا فائر کردیا جو کارگر ثابت ہوا اور پہلے کتے کی طرح وہ بھی تڑپتا ہوا نشیب میں چلا گیا۔

اس دوران وہ پانچوں پتھروں کی آڑ لے کر مجھ پر اندھا دھند فائرنگ کرنے لگے تھے۔کچھ گولیاں میرے سر کے اوپر سے گزر رہی تھیں اور کچھ تالاب کی پختہ دیوار سے ٹکرا رہی تھیں۔تالاب کی یہ پختہ دیوار میرے لیے کسی مورچے سے کم نہیں تھی۔جوابی فائرنگ کرنے کے بجائے میں ان کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔میرے پاس گولیاں بہت کم تھیں اور میں ایک بھی گولی ضائع کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔مجھے اپنی چلائی ہوئی ہر گولی کے بدلے ان میں سے ایک کی جان چاہیے تھی۔

وہ چند لمحے بے تحاشا فائرنگ کرتے رہے مگر پھر ایک دم گہرا سکوت چھا گیا۔انہوں نے فائرنگ بند کردی تھی۔شاید انہیں گولیاں ضائع کرنے کا احساس ہوگیا تھا۔میری نگاہیں سرچ لائٹ کی طرح ان پتھروں پر گھوم رہی تھیں

جن کی آڑ میں وہ پانچوں چھپے ہوئے تھے۔مجھے ان میں کسی کے بھی سامنے آنے کا انتظار تھا لیکن ان کی طرف سے کوئی نقل و حرکت نظر نہیں آ رہی تھی۔لگتا تھا اپنے کتوں کا انجام دیکھ کر وہ کتے کی موت مرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

ان کا فائرنگ بند کرکے سامنے آنا میرے لیے پریشانی کا سبب بن رہا تھا۔گو کہ میں ایک محفوظ پناہ گاہ میں تھا۔وہ مجھے اتنی آسانی سے نشانہ نہیں بنا سکتے تھے لیکن منصوبہ بندی کر کے مجھے گھیر ضرور سکتے تھے۔انہیں میری اس جائے پناہ کا اندازہ تھا کہ نہیں، میں اس بات سے لا علم تھا۔وہ الگ الگ ہو کر مجھے بڑی آسانی کے ساتھ نرغے میں لے سکتے تھے۔مجھے زندہ یا مردہ اپنے خونخوار آقا کے سامنے پیش کر سکتے تھے۔وہ اگر موت کے خوف سے چھپے ہوئے تھے تو مجھے بھی موت کا سامنا تھا۔ویسے بھی میں اکیلا تھا اور وہ پانچ ان کے مزید ساتھی بھی وہاں پہنچ سکتے تھے۔اس جدید دور میں وہ موبائل فون کے ذریعے اپنے ساتھیوں کو وہاں بلا سکتے تھے۔موبائل فون تو میرے پاس بھی تھا مگر اس کی بیٹری جواب دے چکی تھی۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا میری پریشانی اور تشویش بڑھتی جا رہی تھی۔یہ اگر دن کا وقت نہ ہوتا تو میں اب تک اس جگہ کو چھوڑ کر جا چکا ہوتا۔اب مجھے سورج ڈھلنے کا انتظار تھا جو تیزی سے مغرب کی طرف گامزن تھا۔میں اندھیرا پھیلنے کے بعد ہی اس جگہ سے نکل کر آگے بڑھ سکتا تھا۔اس دوران وہ مجھ پر کسی بھی جانب سے وار کرسکتے تھے۔میں نہ مرنے کے لیے تیار تھا اور نہ ہی زندہ ان کے ہاتھ لگنا چاہتا تھا۔میری گن میں اب بھی سترہ گولیاں باقی تھیں، جو انہیں سامنے آنے پر جہنم رسید کر سکتی تھیں۔

وادی میں موت کا سا سکوت تھا۔حتیٰ کہ جنگلی پرندوں کی آوازیں بھی معدوم ہوچکی تھیں۔تھوڑی دیر قبل ہونے والی فائرنگ نے انہیں وہاں سے بھگا دیا تھا۔یہ وادی ان کا پر سکون ٹھکانا تھا۔سماعتوں کو مجروح کردینے والی فائرنگ کی آوازیں وہ کیسے برداشت کرسکتے تھے۔سو وقتی طور پر وہ وہاں سے دور نکل گئے تھے۔گولیوں کی سماعت شکن آوازیں انسانوں ہی کو نہیں بلکہ چرند پرند کر بھی دور بھاگ جانے پر مجبور کر دیتی ہیں۔

میں چوکنے انداز میں سامنے اور دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔دشمن کے ارادوں سے مکمل طور پر لا علم ہونے کے باوجود میرے حوصلے پست نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت میری حالت کسی زخم خوردہ شیر کی سی تھی جو اپنے شکار پر جھپٹنے کے لیے ایک لمحہ کا منتظر ہوتا ہے۔انتقام کی آگ نے مجھے جلا کر کندن بنا دیا تھا۔ایک شریف اور امن پسند ڈاکٹر کو سردار شیر افضل خان جیسے شخص کے گلے میں پھنسی ہڈی بنا دیا تھا۔اس ہڈی کو نہ وہ چبا سکتا تھا' نہ اگل اور نہ ہی نگل سکتا تھا۔میرے پر سکون ٹھکانے کو نذر آتش کرنے کے بعد وہ کیسے چین کی نیند سو سکتا تھا؟ میں اس کی موت تھا۔اپنی معصوم بہن فائزہ اور چھوٹے بھائی ارمان خان کی لاش پر کھڑے ہو کر میں نے اسے نیست و نابود کردینے کی قسم کھائی تھی اور میں اس قسم کو پورا کیے بغیر کسی صورت بھی موت کو گلے لگانے کے لیے تیار نہیں تھا۔میری بہن کی دلدوز چیخیں اب بھی میری سماعتوں میں گونج رہی تھیں۔شیر افضل خان کے بیٹے اور اس کے پالتو غنڈوں نے اس کی عزت تار تار کرنے کے بعد اسے تڑپا تڑپا کر مارا تھا اور میرا بھائی ارمان خان کیسا گھبرو جوان تھا' گاؤں کے لوگ اس کی مثالیں دیا

کرتے تھے۔وہ واقعی شیر دل تھا۔گاؤں کی دس ہزار کی آبادی میں کوئی بھی نوجوان اس کی ٹکر کا نہیں تھا۔دست بدست لڑائی میں وہ دس لوگوں پر بھاری پڑ جاتا تھا۔گاؤں کے لوگ اسے ”سورما“ کہہ کر پکارتے تھے۔ظالموں نے اسے مسجد کی سیڑھیاں اترتے ہوئے گولیوں سے چھلنی کر ڈالا تھا۔اس کی خون آلود لاش اب بھی میری نگاہوں میں گھوم رہی تھی۔اس کی بے نور ہوتی ہوئی آنکھوں میں ایک بے بسی تھی' ایک سوال تھا کہ مجھے کس جرم کی سزا دی گئی ہے؟ میں نے کیا بگاڑا تھا شیر افضل خان کا؟ ایک التجا تھی اس کی آنکھوں میں کہ ”شاہ زمان لالہ! میرے قاتلوں کو تڑپا تڑپا کر مارنا' ان کے لیے یہ زمین تنگ کردینا۔“ میں نے اس وقت یہ قسم کھائی تھی کہ میں اس کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لوں گا۔انہیں چن چن کر ماروں گا۔دنیا کے لیے انہیں عبرت بنا کر رکھ دوں گا۔

میں ان جان لیوا یادوں میں کچھ دیر کے لیے کھو کر رہ گیا تھا کہ میری چھٹی حس نے مجھے خطرے کا احساس دلایا۔میں برق رفتاری سے پیچھے پلٹا اور سیکنڈوں کے ہزارویں حصے میں گھٹنوں کے بل جھک گیا۔میرے عقب میں

آنے والے دو آدمیوں نے ایک ساتھ گولی چلائی تھی۔گولیاں میرے سر کے بالوں کو چھوتی ہوئی گزر گئی تھیں۔بر وقت جھکنا ہی مجھے بچا گیا تھا۔ان کے دوبارہ گولی چلانے سے قبل ہی میری خود کار گن نے دو شعلے اگلے اور وہ دونوں چیختے ہوئے ڈھیر ہوگئے۔ان کے تڑپنے کا نظارا دیکھنے کے بجائے میں نے دائیں بائیں دیکھنا شروع کردیا۔تین دشمن اب بھی باقی تھے اور وہ کسی طرف

سے بھی مجھ پر وار کرسکتے تھے۔میری نگاہیں ایک بار پھر سرچ لائٹ کی طرح تیزی سے چاروں طرف گھوم رہی تھیں لیکن وہ تینوں کسی طرف سے بھی نظر نہیں آرہے تھے۔تاہم میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کہیں اریب قریب ہی چھپے ہوں گے۔اپنے دو ساتھیوں کا انجام دیکھ کر وہ اندھا دھند آگے بڑھنے کی غلطی نہیں کرسکتے تھے البتہ میری نقل و حرکت پر ان کی نظر ضرور ہوگی اور وہ موقع ملنے کے منتظر ہوں گے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں بدستور گھٹنوں کے بل تالاب کی دیوار کے ساتھ چپکا رہا تھا۔سورج اب تقریباً مغربی پہاڑی کے عقب میں روپوش ہونے والا تھا۔مجھے تاریکی چھانے سے قبل ہی ان تینوں کو جہنم رسید کرنا تھا۔اس کے بعد ہی میں اس تالاب سے نکل کر آگے بڑھ سکتا تھا۔انہیں ٹھکانے لگائے بغیر اس تالاب سے باہر نکلنا خودکشی کرنے کے مترادف تھا۔مجھے اگر خودکشی ہی کرنا ہوتی تو میرے لیے شیر افضل خان کی محل نما کوٹھی میں گھسنا مشکل نہیں تھا۔

ماحول پر ایک بار پھر سکوت طاری ہوچکا تھا۔مگر یہ موت کا سکوت تھا۔آنے والے طوفان کا پیش خیمہ تھا۔اردگرد کی ہر چیز ساکت تھی۔کچھ بھی متحرک نظر نہیں آرہا تھا سوائے میرے دل کی دھڑکنوں کے جن کی آواز برابر میری سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی۔دھک دھک کی یہ آواز معمول سے کچھ زیادہ تیز تھی۔میرے اعصاب تنے ہوئے تھے اور نگاہیں چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔سورج اب مکمل طور پر پہاڑی کے پیچھے روپوش ہو چکا تھا۔اندھیرے کی چادر پھیلنے میں گھڑی بھر کا وقفہ باقی تھا۔اس گھڑی بھر کے وقفہ میں کئی طوفان چھپے ہوئے تھے۔موت کی سنائی نہ دینے والی آہٹ پوشیدہ تھی۔کسی بھی لمحے یہ

موت جھپٹنے والی تھی مگر کس پر... ان تینوں پر یا پھر مجھ پر...؟ اس بارے میں ہم سب کو تو کیا' خود موت کو معلوم نہیں تھا یہ وہ خالقِ کائنات ہی جانتا تھا' موت جس کی باندی تھی۔ارض وسما میں وقوع پزیر ہونے والا ہر واقعہ جس کی "کن" کا محتاج ہوتا ہے۔جس کی منشا کے بغیر ایک پتا تک نہیں ہلتا' جس کی نگاہ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔جو سمندر کی تہہ سے لے کر آسمان کی وسعتوں تک سب جانتا ہے۔اسی لیے تو علیم و خبیر کہلاتا ہے۔

اچانک یہ جان لیوا سکوت موبائل ٹون کی آواز سے ٹوٹ گیا۔ٹون کی یہ آواز میرے دائیں ہاتھ موجود جھاڑیوں کے عقب سے آ رہی تھی۔میں نے بجلی کی سی تیزی سے خود کار گن کو گھمایا اور یکے بعد دیگرے جھاڑیوں پر تین فائر جھونک دیے۔

ایک چیخ سنائی دی اور پھر کوئی چلا کر بولا "جھک جاؤ فتح خان! ورنہ مارے جاؤ گے۔"

بولنے والے کی آواز میں تحکم کے بجائے حواس باختگی تھی' موت کا خوف تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

یہ آواز میرے بائیں طرف سے آئی تھی۔میں نے اندازے سے دو فائر اُدھر بھی جھونک دیے مگر اس بار جواب میں چیخ کے بجائے سنسناتی ہوئی گولیاں آئی تھیں۔جو میرے اوپر سے گزر گئی تھیں۔ان کی فائرنگ کا جواب دینے کے بجائے میں تالاب کی دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا۔میرا دماغ تیزی سے صورتِ حال پر غور کر رہا تھا۔اب تک کی یہ خونی جنگ میرے حق میں نہیں رہی تھی مگر آگے کی کچھ خبر نہیں تھی۔دشمنوں میں سے دو اب بھی زندہ تھے اور میری تاک میں تھے۔دائیں جانب والے کی اکلوتی چیخ نے یہ ثابت کردیا تھا کہ وہ جہنم سدھار چکا ہے یا پھر شدید زخمی ہو کر سدھارنے والا ہے۔تاہم بائیں طرف والے دونوں نہ صرف زندہ تھے بلکہ مجھے یقین تھا کہ اب وہ مجھے زندہ پکڑنے کی بجائے اوپر بھیجنا زیادہ پسند کریں گے۔ویسے بھی اب مجھے زندہ پکڑنا ممکن نہیں رہا تھا۔وہ مجھ سے خوف زدہ ہو چکے تھے اور خوف زدہ آدمی دشمن پر وار کرنے کے بجائے اپنے دفاع پر اکتفا کرتا ہے۔

یہی سوچ کر میں نے انہیں پکارنے کا ارادہ کرلیا۔ایک تو میں انہیں یہاں سے نکل بھاگنے کا موقع دینا چاہتا تھا اور دوسرا ان کا رد عمل بھی دیکھنا چاہتا تھا۔اس

تالاب کے اندر وہ مجھے کسی طرح بھی شکار نہیں کر سکتے تھے۔تاہم میری آواز سن کر اندازے سے میری جانب فائرنگ ضرور کر سکتے تھے۔ان کی فائرنگ سے مجھے ان کی سمت کا پتا بھی چل سکتا تھا۔

ایک ثانیے کے بعد میں نے انہیں بلند آواز سے پکارا۔"فتح خان! تم اپنے تین ساتھیوں اور دو کتوں کا انجام دیکھ چکے ہو، اگر تم دونوں بھی اپنے ساتھیوں کی طرح کتوں کی موت مرنا نہیں چاہتے تو یہاں سے بھاگ جاؤ۔میں وعدہ کرتا ہوں کہ پیچھے سے تم لوگوں پر گولی نہیں چلاؤں گا۔"

"شاہ زمان!" جواب میں فتح خان کی پاٹ دار آواز گونجی۔"تم اگر ہتھیار پھینک کر خود کو ہمارے حوالے کردو تو میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں خان جی تک زندہ لے کر جاؤں گا۔"

"احمق انسان! تمہارے خان جی کے دن اب گنے جا چکے ہیں۔بہت جلد وہ میرے سامنے ناک رگڑ کر رحم کی بھیک مانگ رہا ہوگا۔" میں نے طیش کے عالم میں جواب دیا۔

"چیونٹی کے پَر بھی نکل آئیں تو وہ شاہین نہیں بن سکتی۔" وہ طنزیہ انداز میں بولا۔"اور نہ ہی آج تک کبھی کسی گیدڑ نے شیر کا شکار کیا ہے۔"

"شیر اکیلا شکار کے لیے نکلتا ہے فتح خان!" میں نے کہا۔"وہ شکار پکڑنے کے لیے کتوں کی مدد کا محتاج نہیں ہوتا۔تمہارا خان جی صرف اس لیے طاقت ور کہلاتا ہے کہ اس نے تم جیسے سیکڑوں خونخوار کتے پال رکھے ہیں، مگر میں بھی یہ قسم کھا چکا ہوں کہ اس کے تمام پالتو کتوں کو چاہے ان کا تعلق دو ٹانگوں والے کتوں سے ہویا چار ٹانگوں والے سے، ایک ایک کو جہنم رسید کر کے ہی دم لوں گا۔اب تک آٹھ کتے جہنم واصل کر چکا ہوں۔جن میں سے چھ کتے تیری طرح کے تھے۔"

"مگر وہ کتے ابھی زندہ ہیں جنہوں نے تیری خوب صورت بہن کو تیری آنکھوں کے سامنے نوچا اور بھنبھوڑا تھا۔" اس نے میرے طیش کو ہَوا دینے والا جواب دیا تھا۔

"فکر مت کرو۔" میں ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔"ان کتوں کے لیے میں نے کچھ اور سوچ رکھا ہے۔وہ مجھ سے ہاتھ جوڑ کر موت کی بھیک مانگیں گے لیکن انہیں بھیک میں بھی موت نہیں ملے گی۔"

"ہمت ہے تو سامنے آؤ۔" وہ مجھے اکساتے ہوئے بولا۔"بزدلوں کی طرح چھپ کر باتیں کیوں بنا رہے ہو؟"

میں نے جواب دینے کے بجائے اندازے سے ان کی سمت ایک فائر جھونک دیا اور پھر اچھل کر تالاب سے باہر آگیا۔میرا ارادہ ان کے عقب میں پہنچنے کا تھا۔ایک لمبا چکر کاٹ کر میں ان کے عقب میں پہنچ سکتا تھا۔مگر اس کے لیے بہت احتیاط کی ضرورت تھی۔ذرا سی اندازے کی غلطی مجھے اوپر پہنچا سکتی تھی۔

دائیں طرف سے ایک طویل چکر کاٹ کر میں ان کے عقب میں پہنچ گیا۔

میرے اندازے کے مطابق وہ دونوں وہیں کہیں چٹانوں یا جھاڑیوں کے عقب میں چھپے ہوئے تھے۔یا یہ بھی ممکن تھا کہ وہ مجھے گھیرنے کے لیے تالاب کی جانب بڑھ چکے ہوں۔کیوں کہ دماغ ان کے پاس بھی تھا۔میں اگر منصوبہ بنا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

سکتا تھا تو وہ بھی میرے خلاف یہ قدم اٹھا سکتے تھے۔ویسے بھی ان کی زندگی انہی کاموں میں بسر ہو رہی تھی۔مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ اس قسم کی صورتِ حال سے بارہا گزر چکے ہوں گے۔تاہم مجھے یہ بھی اطمینان تھا کہ وہ کرائے کے مہرے تھے انتقام کی جو آگ میرے سینے میں بھڑک رہی تھی۔ وہ اس کی تپش سے انجان تھے۔میں اپنے راستے میں آنے والی ہر چیز کو جلا کر راکھ کردینا چاہتا تھا۔فتح خان نے ابھی تھوڑی دیر قبل مجھے میری معصوم بہن کا انجام یاد دلا کر میرے سینے میں جلتی ہوئی آگ پر پیٹرول چھڑک دیا تھا۔اگر چہ وہ ان درندوں میں شامل نہیں تھا' جنہوں نے میری آنکھوں کے سامنے میری معصوم بہن کو خونخوار درندوں کے مانند نوچ کھسوٹ کر مار ڈالا تھا۔لیکن پھر بھی وہ ان کا ساتھی تو تھا۔میں اسے تڑپا تڑپا کر مارنا چاہتا تھا۔ اپنے سینے میں بھڑکتی ہوئی آگ کو اس کے خون سے سرد کرنا چاہتا تھا۔

میں نے آس پاس کی چٹانوں اور جھاڑیوں کو غور سے دیکھا۔ہر طرف گہرا سکوت طاری تھا۔اندھیرا اب تیزی سے پھیلنے لگا تھا۔میرے لیے وہاں سے نکلنے کا یہ بہترین موقع تھا لیکن فتح خان کے طعنہ نے میرے قدم روک رکھے

تھے۔میں اسے زندہ چھوڑ کر جانے کے لیے تیار نہیں تھا۔میری بہن کی مدد کے لیے پکارتی ہوئی آواز جیسے اب بھی میری سماعتوں میں گونج رہی تھی۔اس وقت اس کے معصوم چہرے پر ایک ایسی بے بسی تھی جسے بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ ہی نہیں تھے۔خود میری حالت ایسی تھی کہ مجھے آج تک اپنے زندہ بچ جانے پر تعجب ہے۔نہ جانے درد کے اس پل صراط سے میں کیسے گزر گیا تھا۔میں اپنی اس وقت کی کیفیت احاطہ تحریر میں نہیں لا سکتا۔بس یوں سمجھیے کہ ان دو گھنٹوں میں میں پل پل ایک نئی موت مرتا رہا تھا۔اس وقت بے بسی کا وہ بحرِ بیکراں عبور کرتے کرتے میں بے ہوش ہو گیا تھا۔

میرا دماغ تیزی سے صورت حال پر غور کر رہا تھا اور آنکھیں کسی شکاری باز کی طرح چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔میں ان دونوں پر جھپٹ پڑنے کے لیے تیار تھا مگر وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے۔تاہم اتنا مجھے یقین تھا کہ وہ میرے دائیں بائیں، آگے یا پیچھے کہیں نہ کہیں موجود ضرور ہیں بس مجھے کسی ترکیب کے ذریعے انہیں سامنے لانا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں نے ایک کرکٹ بال جتنا پتھر اٹھایا اور ایک قد آدم چٹان کی آڑ لیتے ہوئے اسے سامنے والی جھاڑیوں میں اچھال دیا۔فوراً ہی پتھریلی زمین سے ٹکرانے کی آواز آئی۔میں رد عمل کا منتظر تھا لیکن کسی جانب سے بھی تحریک نظر نہ آئی، یا تو آواز ان دونوں کی سماعتوں تک نہیں پہنچی تھی یا پھر وہ میری توقع سے کہیں زیادہ ہوشیار تھے اور میرے سامنے آنے کے منتظر تھے۔چند لمحے میں اس چٹان کے عقب میں چھپا رہا پھر دبے پاؤں جھکے انداز میں ایک اور چٹان کی طرف بڑھ گیا۔موت ایک بار پھر میرے چاروں طرف خونی جبڑے کھولے کسی نہ کسی کو نگلنے کے لیے تیار تھی۔ہم تینوں میں سے کوئی ایک اس کا شکار ہونے والا تھا۔کسی ایک کی سانسوں کی ڈور ٹوٹنے والی تھی۔میں موت کی آہٹ محسوس کر رہا تھا۔پچھلے چند گھنٹوں میں، میں چھ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔دو کتے اس کے علاوہ تھے۔موت اگرچہ بے آواز قدموں سے چلتی ہے مگر مرنے یا مارنے والے کو چند لمحے قبل اپنا آپ محسوس کرا دیتی ہے۔میں بھی اس وقت موت کو اپنے آس پاس محسوس کر رہا تھا۔

دوسری چٹان کے عقب میں پہنچ کر میں نے ایک اور پتھر اٹھا کر دائیں طرف والی جھاڑیوں میں اچھال دیا یہ پتھر پہلے والے پتھر سے دگنے حجم کا تھا۔ اس لیے گرنے کی آواز کافی بلند تھی۔اس کے فوراً بعد جھاڑیوں میں تحریک پیدا ہوئی اور میرے اعصاب یکدم تن گئے۔اب بس لمحوں میں میری گن کا دہانہ شعلے اگلنے والا تھا۔اس وقت میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔مگر میں بالکل بھی خوف زدہ نہیں تھا۔میں نے کہیں پڑھا تھا کہ لڑنے والے فریقین میں سے اکثر موت اس فریق پر جھپٹتی ہے جس کی دھڑکنوں میں موت کا خوف جا گزیں ہوتا ہے اور جسے موت کی آہٹ ڈرا دیتی ہے مرتا وہی ہے۔ میدانِ جنگ میں فاتح وہی کہلاتا ہے جو موت کا ہم رکاب ہوتا ہے۔

کچھ قارئین شاید میرے اس فلسفے سے متفق نہ ہوں مگر گزشتہ چند گھنٹوں نے مجھ پر اس فلسفے کی سچائی ثابت کردی تھی۔میں نے موت کے خوف کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیا تھا۔اس لیے اب تک زندہ تھا اور مجھے موت کے گھاٹ اتارنے والے ایک ایک کر کے موت کا نوالا بنتے جا رہے تھے۔

میری نگاہیں ہلتی ہوئی جھاڑیوں پر مرکوز تھیں گن کے ٹریگر پر رکھی ہوئی انگلی ایک معمولی اشارے کی منتظر تھی۔گن میں اب نو گولیاں رہ گئی تھیں۔میں ایک ایک گولی کا حساب رکھ رہا تھا۔ان نو گولیوں پر نہ جانے کس کس کا نام درج تھا۔یہ اوپر والے کو معلوم تھا جس کے قبضۂ قدرت میں موت اور زندگی دونوں ہیں۔معاً مجھے سبز جھاڑیوں میں سفید لباس کی معمولی سی جھلک دکھائی دی۔میں نے ٹریگر پر رکھی ہوئی انگلی کو یکے بعد دیگرے تین بار حرکت دی۔ نتیجہ میری توقع کے عین مطابق نکلا تھا۔شکار کے حلق سے بر آمد ہونے والی آخری چیخ بہت بھیانک تھی۔چیخ لمحہ بھر کے لیے وادی میں گونجتی رہی تھی۔ اس کے بعد ایک بار پھر ماحول پر سکوت مرگ طاری ہو گیا تھا۔اب ان میں سے صرف ایک باقی بچا تھا۔میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے، فتح خان ہے یا اس کا ساتھی...؟

یہ جاننے کے لیے میں نے اسے پکارا۔"فتح خان! اگر زندہ ہو تو ہاتھ اٹھا کر سامنے آجاؤ۔ہوسکتا ہے رحم کھا کر میں تجھے بھیک میں زندگی دے دوں۔"

"میں نے چند ثانیے رد عمل کا انتظار کیا مگر جب کچھ بھی وقوع پزیر نہ ہوا تو میں دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا۔میں اس جنگل میں اب مزید ٹھہرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔میری منزل علاقۂ غیر تھا۔وہیں رہ کر میں سردار شیر افضل خان جیسے طاقت ور اور درندہ صفت انسان سے انتقام لینے کے قابل ہوسکتا تھا۔وہاں قانون کی کوئی رٹ گولی کا مقابلہ نہیں کر پاتی تھی۔وہاں شیر افضل خان کی سیاست اس کی مدد نہیں

کر سکتی تھی۔

علاقہ غیر میں میرا ایک کالج کے زمانے کا دوست رہتا تھا۔وہ خیبر میڈیکل کالج پشاور میں میرا ہم جماعت رہا تھا۔احتشام اللہ محسود نامی وہ نوجوان میڈیکل کی تعلیم تو مکمل نہیں کرسکا مگر انسان بہت اعلیٰ ظرف کا تھا۔یاروں کے لیے وقت پڑنے پر اپنی جان تک لٹانے کے لیے تیار ہوجاتا تھا۔چونکہ اس کا تعلق محسود قبیلے سے تھا۔اس لیے اپنا نام احتشام اللہ محسود لکھتا تھا۔تاہم ہم یار دوست اسے شامو محسود کہہ کر پکارا کرتے تھے اور وہ قطعی اس نام کا برا نہیں منایا کرتا تھا۔وہ شمالی وزیرستان کی ایک ایجنسی کا رہنے والا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں سامنے والی مغربی پہاڑی کو پار کر کے شمالی وزیرستان میں داخل ہوسکتا تھا۔اس پہاڑ کی دوسری جانب ان آزاد لوگوں کا بسیرا تھا جن پر حکومتِ برطانیہ بھی اپنا قانون لاگو کرنے میں ناکام رہی تھی۔جب ہندوستان کے طول و عرض میں انگریز کی حکمرانی کا دَور دورہ تھا اور قریب قریب تمام ہندوستانی ذہنی اور جسمانی طور پر اس کے غلام بن چکے تھے۔اس وقت بھی کہساروں کے یہ باسی خود کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام گردانتے تھے اور وہ آج بھی اپنے اس وعدے پر قائم ہیں۔وہاں آپ کو کوئی ایک فرد بھی سیکولر ازم کا داعی نہیں ملے گا اور نہ ہی خود کو لبرل کہنے والا کوئی مسلمان نظر آئے گا۔ان کے لیے آج بھی اسلام وہی اسلام ہے جو چودہ سو بتیس سال قبل شاہِ عرب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا تھا۔

قبائلی علاقہ جات میں ایف سی آر (فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن) کا قانون نافذ ہے۔انگریزوں نے 1848ء میں صوبہ سرحد کے لیے یہ ضابطہ بنایا تھا۔اس قانون کے تحت انگریز حکمرانوں نے صوبۂ سرحد میں پولیٹیکل ایجنٹس تعینات کردیے تھے۔یہ پولیٹیکل ایجنٹ انگریز سرکار کے نمائندے ہوتے تھے اور ان کے

پاس وسیع اختیارات ہوتے تھے اور یہی اختیارات ایف سی آر کہلاتے تھے۔ان اختیارات کو قانونی شکل وائسرائے لارڈ کر زن نے دی تھی۔اس نے 1901ء میں صوبہ سرحد اور فاٹا کے علاقوں کو پنجاب سے الگ کر کے ایک نیا صوبہ بنا دیا تھا اوراس نئے صوبے کو شمال مغربی سرحدی صوبہ (این' ڈبلیو' ایف' پی) کا نام دے دیا اور ایف سی آر کو اس صوبے کا قانون بنا دیا۔آج ایک سو دس برس گزرنے کے بعد بھی قبائلی علاقہ جات میں یہی قانون نافذ ہے۔ایف سی آر کے تحت قبائلی علاقوں میں سول اور فوج داری مقدمات کی سماعت عدالتوں میں نہیں ہوسکتی بلکہ یہ مقدمات بذریعہ جرگہ نمٹائے جاتے ہیں اور پولیٹیکل ایجنٹس کی مرضی کے فیصلوں کو حتمی سمجھا جاتا ہے اور انہیں کسی بھی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ان قبائلیوں پر کوئی بھی طاقت کے ذریعے حکومت نہیں کرسکتا۔امریکا جتنے بھی ڈرون حملے کرتا پھرے چاہے جدید اسلحے کے ساتھ اپنی فوجیں یہاں اتار دے۔ایڑی چوٹی کا زور لگا دے مگر ان لوگوں کو نہیں مٹا سکتا اور نہ ہی ان پر حکومت کرسکتا ہے۔ان آزاد فضاؤں کے باسی' پٹھان کہلانے والے یہ سادہ دل لوگ صرف پیار اور محبت کی زبان سمجھتے

ہیں۔وائسرائے لارڈ کر زن نے یہاں سے رخصت ہوتے وقت ان پٹھانوں کے بارے میں کہا تھا۔”آپ پیار سے ان لوگوں کی گردن بھی اتار سکتے ہیں مگر زبردستی انہیں سونے کا نوالہ بھی نہیں کھلا سکتے۔جب تک آپ لوگ پٹھانوں کو عزت اور محبت نہیں دیتے تب تک ان پر حکومت نہیں کرسکتے۔“

امریکا چاہے تو آج بھی لارڈ کرزن کے اس تجربے سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔کیونکہ پٹھان کی فطرت نہ کل بدلی تھی نہ آج بدلی ہے اور نہ آئندہ بدلے گی۔پٹھان آج بھی محبت اور عزت کے بے دام غلام ہیں۔

...☆☆☆...

بغیر کسی خطرے کا سامنا کیے میں ایک بار پھر اس پختہ تالاب تک پہنچ گیا تھا۔اس دوران میں کسی چیتے کی طرح چوکنا رہا تھا۔میں اس پانچویں شخص سے غافل نہیں تھا۔جو میرے اندازے کے مطابق فتح خان ہی تھا۔تاہم میرا یہ اندازہ غلط بھی ہوسکتا تھا۔فتح خان کے بجائے وہ اس کا ساتھی بھی ہوسکتا تھا۔بہر کیف وہ جو کوئی بھی تھا۔مجھے اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت تھی۔میں اس کے چار ساتھیوں کو جہنم رسید کر چکا تھا۔موقع ملنے پر شاید وہ مجھے دوسرا

سانس بھی نہ لینے دیتا۔تالاب کے قریب پہنچ کر میں چند لمحوں کے لیے ٹھہر کرارد گرد کا جائزہ لینے لگا۔میری چھٹی حس مجھے برابر خطرے کا احساس دلا رہی تھی۔لیکن خطرہ میری نگاہوں سے اوجھل تھا۔ویسے بھی اب مکمل طور پر رات کا اندھیرا چھا چکا تھا۔اس لیے میری نگاہیں زیادہ دور تک کام نہیں کر رہی تھیں۔البتہ میری سماعتیں ہلکی سے ہلکی آہٹ پر لگی ہوئی تھیں۔سردی نے الگ سے میرا مزاج پوچھنا شروع کردیا تھا۔گو کہ میں نتھیا گلی جیسے ٹھنڈے مقام کا رہنے والا تھا۔قدرتی طور پر مجھ میں سردی برداشت کرنے کی صلاحیت زیادہ تھی لیکن یہ کھلے علاقے کی سردی تھی۔میرے بدن پر پینٹ شرٹ کے علاوہ چمڑے کی جیکٹ بھی موجود تھی تاہم میرے کان اور سر کھلا ہوا تھا۔ مجھے کوئی مفلر یا ٹوپی مل جاتی تو اس سردی سے بچاؤ ممکن تھا۔

مفلر اور ٹوپی کا خیال آتے ہی میں اس شخص کی طرف بڑھ گیا جس کی لاش جھاڑیوں میں موجود تھی۔ہاں مجھے موبائل فون' گولیاں اور نقدی بھی مل سکتی تھی۔ایسے حالات میں مجھے ان چیزوں کی اشد ضرورت تھی۔میں ان تمام کی لاشوں کو چیک کرنا چاہتا تھا۔ان کی تمام چیزیں میرے لیے مالِ غنیمت

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تھیں۔میں یہ مالِ غنیمت باقی بچ جانے والے دشمن یا کسی قبائلی آوارہ گرد کے لیے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔تھوڑی دیر کے بعد میں تین لاشوں کی تلاشی لے چکا تھا۔ان سے مجھے دو عدد موبائل فون وافر مقدار میں فاضل گولیاں' چند ہزار روپے کے کرنسی نوٹ ' گرم ٹوپی اور مفلر بھی مل گیا تھا۔چوتھی لاش چونکہ وہاں سے کافی فاصلے پر موجود تھی اس لیے میں نے وہاں جا کر اس کی تلاشی لینے کا خطرہ مول لینا مناسب نہ سمجھا۔گرم ٹوپی سر پر پہن کر میں نے مفلر لپیٹ لیا۔اب میرے کان اور چہرہ بھی سردی سے تقریباً محفوظ ہوچکے تھے۔

گن کا میگزین لوڈ کرنے کے لیے میں ایک بار پھر تالاب کی پختہ دیوار کی آڑ میں چلا گیا۔میگزین لوڈ کرنے کے بعد میں نے ایک موبائل فون پر ٹائم چیک کیا تو رات کے تقریباً آٹھ بجنے والے تھے۔میں نے موبائل فون کو بند کر کے جیکٹ کی اندرونی جیب میں ڈال دیا۔دوسرا موبائل فون پہلے سے ہی بند تھا جب کہ میرے اپنے موبائل فون کی بیٹری ختم ہوچکی تھی۔

اب مجھے وہاں سے نکلنا تھا۔مجھے مغربی جانب والی پہاڑی عبور کر کے علاقۂ غیر میں پہنچنا تھا۔میری منزل شامو محسود کا گھر تھا۔باقی بچ جانے والے شخص پر لعنت بھیجتا ہوا میں اٹھا اور تالاب کی دیوار پھاند کر دبے پاؤں منزل کی جانب روانہ ہوگیا۔کافی دیر تک اندھیرے میں رہنے کے بعد اب میری نگاہیں ارد گرد کا ماحول دیکھ سکتی تھیں۔ویسے بھی اب دسویں رات کا چاند آسمان پر چمکنے لگا تھا۔میں نے ایک نظر چاند کی طرف دیکھا تو وہ مجھے اپنی طرح ہی اداس اور شکستہ دلِ نظر آیا۔جیسے میں اکیلا تھا وہ بھی ویسا ہی تنہا تھا۔میری طرح اس کا بھی کوئی نہیں تھا۔وہ آسمان کی بیکراں وسعتوں میں آوارہ بھٹک رہا تھا اور میں زمین پر بھاگتا پھر رہا تھا۔اس کا سفر بھی لا متناہی تھا اور شاید میرا بھی۔سرما کا وہ اداس چاند آج مجھے اپنا ساتھی نظر آرہا تھا۔یوں لگتا تھا جیسے وہ بھی میری بربادی پر نوحہ کناں ہو‘ زود رنج ہو۔

اس کی زبان ہوتی تو یقیناً مجھ سے استفسار کرتا کہ۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”ڈاکٹر شاہ زمان! تم پر کون سی قیامت ٹوٹی ہے۔تیرے مسیحا ہاتھوں میں جان لیوا ہتھیار کس نے تھما دیے؟ مجھے اپنے لٹنے کی کہانی سناؤ میں تمہارا دکھ بانٹنا چاہتا ہوں‘ میں بھی تمہاری طرح تنہا ہوں۔“

چاند مجھ سے میری کہانی سننے کی گزارش تو نہ کرسکا لیکن اس کی خاموش التجا میرے ماضی کے ورق الٹنے لگی اور میں چاہتے ہوئے بھی خیالات کی اس یلغار کو نہ روک سکا۔

...☆☆☆...

ان دنوں میں ہاؤس جاب سے فارغ ہونے کے بعد راولپنڈی کے ایک پرائیویٹ اسپتال میں سروس کررہا تھا۔میرے شب و روز بہت مصروف گزر رہے تھے۔دو بجے تک میں اسپتال میں خدمات سر انجام دیتا تھا۔اس کے بعد اپنے ذاتی کلینک کو وقت دیا کرتا تھا۔میرا کلینک راولپنڈی کے ایک مصروف علاقے میں واقع تھا۔اس لیے اکثر اوقات وہاں مریضوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔شام تک مجھے سر کھجانے کی فرصت بھی نہیں ملا کرتی تھی۔کبھی کبھار تو مجھے کلینک میں رات کے دس گیارہ بج جایا کرتے تھے۔کلینک سے چند قدم دور ہی

میں نے دو کمروں کا ایک فلیٹ کرائے پر لے رکھا تھا۔جدید طرز تعمیر کا نمونہ یہ فلیٹ میرے لیے کسی بنگلے سے کم نہیں تھا۔اس کا کچن نہایت شاندار تھا اور دونوں کمروں میں اٹیچ باتھ رومز موجود تھے۔راہداری کے سامنے ایک چھوٹا سا لان بھی تھا۔جس کے فرش پر امریکن گھاس بچھی ہوئی تھی۔لان کے دونوں اطراف موجود کیاریوں میں پھول دار پودے فضا کو مہکائے رکھتے تھے۔ ان میں کچھ پھل دار پودے بھی موجود تھے۔جیسے لیموں وغیرہ۔

صبح صبح جب میں لان میں چہل قدمی کیا کرتا تھا تو طبیعت ہشاش بشاش ہوجایا کرتی تھی۔کھانا پکانے میں کوئی خاص تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے میں اکثر کھانا قریبی ہوٹل سے منگوالیا کرتا تھا۔تاہم جب کبھی موڈ بنتا تو میں کچن میں کوشش کر کے خود کھانا بنا لیتا تھا۔خصوصاً پکوڑے وغیرہ تلنا اور کوئی میٹھی ڈش تیار کرنا تقریباً میرا مشغلہ بن چکا تھا۔کوئی خاص دوست نہ ہونے کی وجہ سے مجھے میزبان بننے کا شرف کبھی کبھار ہی حاصل ہوتا تھا اور وہ بھی اس وقت جب میرے فلیٹ میں لیڈی ڈاکٹر مہوش راجا قدم رنجہ فرمایا کرتی تھی۔وہ بھی میرے ساتھ اسی پرائیویٹ اسپتال میں کام کرتی تھی۔کافی مشہور

ماہر امراض نسواں تھی وہ۔ایک مہینے کے اندر وہ مجھ سے اس حد تک بے تکلف ہوگئی کہ میں اسے "مشی" کہہ کر پکارنے لگا تھا۔دل ہی دل میں میں اسے آئندہ زندگی کے لیے چن چکا تھا لیکن دل کی بات ابھی تک زبان پر نہیں لایا تھا۔اس کے رویے سے میرے لیے پسندیدگی صاف جھلکتی تھی مگر اظہار کرنے سے وہ بھی ابھی تک کترا رہی تھی۔اس کا تعلق راولپنڈی کے ایک امیر ترین گھرانے سے تھا۔اس کا والد راجا اظہار الحق نا صرف ایک بڑا زمیندار تھا بلکہ مل اونر بھی تھا۔کروڑ پتی باپ کی بیٹی ہونے کے باوجود مشی کو غرور چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔وہ بے حد منکسر المزاج اور ہنسنے ہنسانے والی لڑکی تھی۔ہم دونوں کی اس پسندیدگی سے راجا اظہار لاعلم تھا۔شاید یہی وجہ تھی کہ میں مشی سے اظہار محبت کرتے ہوئے گھبراتا تھا۔مجھے معلوم تھا کہ راجا اظہار الحق جیسا متکبر اور نخوت پسند شخص کبھی بھی اپنی اکلوتی بیٹی کے لیے میرے جیسے درمیانے طبقے کے شخص کو بطور داماد قبول نہیں کرے گا۔راجا صاحب اگر چہ مجھے جانتے تھے مگر صرف مشی کے ساتھی کے طور پر۔چند ایک بار مشی کے بلاوے پر میں ان کی محل نما کوٹھی پر تقریبات میں شرکت

کرنے کے لیے جا چکا تھا۔مگر وہاں میری کوئی خاص پزیرائی نہیں ہوئی تھی۔ راجا صاحب صرف مجھ سے ہاتھ ملایا کرتے تھے اور وہ بھی بڑی سرد مہری کے ساتھ۔مشی کو بھی معلوم تھا کہ اس کا کروڑ پتی باپ نا صرف مجھے نا پسند کرتا ہے بلکہ حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔پھر بھی اس نے مجھ سے ملنا ملانا نہیں چھوڑا تھا۔وہ ہفتے میں کم از کم دو بار میرے فلیٹ پر ضرور آیا کرتی تھی۔ہم گپ شپ لگانے کے ساتھ ساتھ مل کر کچن میں کھانا تیار کرتے تھے۔ایک معروف ڈاکٹر اور کروڑ پتی باپ کی اکلوتی بیٹی ہو کر بھی وہ امورِ خانہ داری میں ماہر تھی۔اتنے لذیذ کھانے پکاتی تھی کہ کسی فائیو اسٹار ہوٹل کا خانساماں بھی شاید تیار نہ کرپاتا ہو گا۔میرے لیے وہ ایک بہترین شریک حیات بن سکتی تھی۔اگر اس کا تعلق میری طرح درمیانے طبقے سے ہوتا۔

اس روز ہفتہ وار تعطیل تھی اور میں کلینک جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک ہی غیر متوقع طور پر وہ میرے فلیٹ پر آدھمکی۔اس کے ہاتھ میں دو عدد شاپنگ بیگ بھی موجود تھے۔جو مختلف چیزوں سے بھرے ہوئے تھے۔سلام دعا کے بعد وہ بولی۔

”ڈاکٹر صاحب! آج اتوار ہے کم از کم ہفتہ میں ایک بار تو مریضوں کو معاف کردیا کرو۔“

میں نے کہا۔

”میں تو انہیں معاف کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن وہ مجھے معاف کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔پچھلے آدھے گھنٹے میں تین لوگوں کا فون آچکا ہے۔ایک کا گلا خراب ہے، دوسرے کا کان اور...؟“

”اوہ خدایا!“ حسبِ عادت اس نے آنکھیں نکال کر مجھے ٹوک دیا۔”تم کہیں نہیں جا رہے سنا تم نے؟“

”پلیز مشی!“ میں نے التجائیہ انداز میں کہا۔”آج مجھے جانے دو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگلے اتوار کہیں نہیں جاؤں گا۔آج میں مریضوں کو ٹائم دے چکا ہوں اور تم جانتی ہو کہ میں پیشہ ورانہ بد دیانتی کا قائل نہیں ہوں۔“

”یہ دیکھو!“ وہ ہاتھ میں پکڑے تھیلے میری نگاہوں کے سامنے جھلاتے ہوئے بولی۔”میں نے اتنی صبح صبح یہ محنت تمہارے لیے کی ہے اور بل بھی اپنی

جیب سے ادا کیا ہے۔یار کچھ تو شرم کرو گھر آئے مہمان سے کوئی ایسا سلوک کرتا ہے؟"

"تم یہاں مہمان نہیں ہو مشی! یہ فلیٹ تمہارا ہی ہے۔تم اپنی کسی دوست کو بلا کر سارا دن یہاں مزے کر سکتی ہو۔میں بس وہی تین مریض نمٹا کر واپس آجاؤں گا۔"

"نہیں، نہیں!" وہ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔"تم نے اگر فلیٹ سے قدم بھی باہر رکھا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔شرافت سے بیٹھ جاؤ۔"

"دیکھو مشی...!" میں نے اسے سمجھانے کے لیے لب کشائی کی مگر موبائل فون کی ٹون نے مجھے کچھ کہنے کا موقع ہی نہ دیا۔

میں نے کال ریسیو کرتے ہوئے "یس" کہا تو دوسری طرف سے بابا جان کی پریشان کن آواز سنائی دی۔

"شاہو پتر! پہلی فرصت میں گھر پہنچنے کی کوشش کرو' یہاں تمہاری اشد ضرورت ہے۔" انتہائی پریشان ہونے کے باوجود انہوں نے میرا گھریلو نام لے کر مجھے پکارا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"بات کیا ہے بابا جان! آپ بہت پریشان لگ رہے ہیں۔کیا ارمان نے پھر کسی سے لڑائی کی ہے؟" میں نے اندازہ لگاتے ہوئے استفسار کیا۔

"میں تجھے فون پر کچھ نہیں بتا سکتا پتر!" وہ بدستور پریشانی کے عالم میں بولے۔"تم بس آج ہی پہنچ جاؤ۔یہاں آکر تمہیں سب معلوم ہوجائے گا۔"

"پلیز بابا جان!" میں نے التجائیہ انداز میں کہا۔"آخر ایسی کون سی بات ہے جو آپ فون پر نہیں بتا سکتے۔فائزہ تو ٹھیک ٹھاک ہے نا؟"

"ہاں' وہ بالکل ٹھیک ہے لیکن ارمان...!"

"کیا ہوا ارمان کو...؟" میں نے چلا کر پوچھا۔بابا جان کی شکستہ آواز سن کر میرا دل ہَولنے لگا تھا۔

"وہ... وہ بہت بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہے شاہو!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔"پتر! اب تم ہی اسے اس مصیبت سے نکال سکتے ہو' وہ... وہ... گزشتہ چار روز سے حوالات میں بند ہے۔"

"مگر کیوں...؟" میں نے چیخ کر پوچھا۔"کیا' کیا ہے اس نے؟"

"وہ بالکل بے گناہ ہے پتر! اسے پھنسایا گیا ہے۔اس پر بہت ہی شرم ناک الزام لگایا گیا ہے۔پورا گاؤں اس کا مخالف ہوچکا ہے۔میں نے الزام لگانے والوں کے سامنے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قسمیں کھائی ہیں۔اپنی... اپنی پگڑی بھی اتار کر ان کے قدموں میں رکھ دی تھی لیکن کسی نے میری قسموں کا اعتبار نہ کیا۔میری پگڑی انہوں نے اپنے قدموں تلے روند ڈالی ہے پتر! میں اکیلا ان سے نہیں لڑ سکتا۔بس تم پہنچ جاؤ خدا کے لیے جلدی پہنچ جاؤ۔" اتنا کہنے کے بعد انہوں نے رونا شروع کردیا۔

"بابا جان!" میں تڑپ کر بولا۔"آپ روئیں مت' میں ہوں نا۔سب ٹھیک کردوں گا۔بس میں آرہا ہوں۔آج ہی آرہا ہوں۔آپ ہمت نہ ہاریں اور... اور فائزہ کو خالہ کے ہاں ایبٹ آباد بھجوادیں۔"

بابا کی بات سن کر میں بہت کچھ سمجھ چکا تھا۔اس لیے فائزہ کو گھر سے دور بھیجنا چاہتا تھا۔وہ میری لاڈلی بہن تھی۔اس پر کوئی آنچ آجاتی تو شاید میں جیتے جی ہی مر جاتا۔

بابا نے میری آخری بات کا جواب دینے کے بجائے کال منقطع کردی۔میں نے موبائل فون جیب میں رکھا اور مشی کی طرف متوجہ ہوگیا جو اس دوران نہایت پریشانی کے عالم میں میری گفتگو سنتی رہی تھی۔تاہم اس نے ایک طرف کی گفتگو سنی تھی۔اس لیے اصل معاملے سے لا علم تھی۔

"تمہارے بابا کا فون تھا؟" میری پریشانی دیکھ کر اس نے استفسار کیا۔

"ہاں۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

"تمہیں گھر بلایا ہے نا انہوں نے؟" اس نے دوبارہ پوچھا۔

"ہاں مشی!" میں نے شکستہ انداز میں کہا۔"وہاں میری سخت ضرورت ہے۔ میرا چھوٹا بھائی ارمان پولیس لاک اپ میں بند ہے۔"

"کیوں...؟ کس لیے...؟" وہ ایک دم پریشان ہوگئی۔"کیا اس نے کوئی جرم کیا ہے؟"

"نہیں۔" میں نڈھال انداز میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔"کوئی جرم نہیں کیا اس نے۔بالکل بے گناہ ہے۔وہ تو ابھی پڑھ رہا ہے۔"

"پھر کیوں پکڑ لیا ہے اسے پولیس نے؟" اس نے متحیر انداز میں سوال کیا۔

"بابا نے مجھے پوری بات نہیں بتائی مشی! لیکن معاملہ کسی لڑکی کا ہے۔شاید گاؤں کی کسی لڑکی نے اس پر کوئی الزام لگا دیا ہے۔"

"اس کا چکر تھا کسی لڑکی کے ساتھ؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" میں نے کہا۔"اس نے مجھے کبھی ایسی بات نہیں بتائی تھی۔وہاں جا کر ہی معلوم ہوگا کہ معاملہ کیا ہے؟"

"کیا آج ہی جاؤ گے؟" اس نے قدرے پریشانی کے عالم میں دریافت کیا۔

"ہاں آج ہی، بلکہ ابھی جاؤں گا۔بابا جان بہت پریشان ہیں اور نہ جانے فائزہ کا کیا حال ہوگا۔"

"تو پھر تیاری کرو میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔اسی بہانے فائزہ سے ملاقات بھی ہوجائے گی۔"

"نہیں مشی!" میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔"تمہارے باپ کو پتا چل گیا تو بہت برا ہوگا۔وہ تو پہلے ہی مجھے سخت نا پسند کرتے ہیں۔"

"یہ میرا مسئلہ ہے ڈاکٹر شاہو!" اسے میرا گھریلو نام معلوم تھا۔اس لیے اکثر اوقات مجھے "شاہو" کہہ کر ہی پکارتی تھی۔"تمہیں پریشان ہونے کی قطعی

ضرورت نہیں ہے۔" وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔"اپنے باپ سے میں خود بات کرلوں گی۔"

"مجھے وہاں کے حالات کا کوئی پتا نہیں ہے۔تم کسی مصیبت میں بھی پڑ سکتی ہو۔"

"تم میری فکر مت کرو، بس چلنے کی تیاری کرو۔مجھ پر جو مصیبت پڑنی ہوگی وہ یہاں بھی تو پڑ سکتی ہے۔حادثات کہیں بھی وقوع پزیر ہوتے ہوئے وقت اور مقام نہیں دیکھتے۔" اس نے کسی دانش ور کی طرح جواب دیا۔

"دیکھو مشی!" میں نے اسے سمجھانا چاہا۔"تم پبلک ٹرانسپورٹ پر کیسے سفر کرو گی اور پھر سفر بھی تو...؟"

"میری گاڑی میں جائیں گے۔" اس نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔"ایسے حالات میں پبلک ٹرانسپورٹ پر سفر کرنا مناسب نہیں ہوگا۔تمہیں وہاں جلدی پہنچنے کی ضرورت ہے۔"

"مشی! سمجھنے کی کوشش کرو، تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہوگا۔یہ ہم...!"

"تمہیں میرے ڈیڈی کا خوف ہے نا۔" اس نے دوبارہ قطع کلامی کرتے ہوئے پوچھا اور موبائل فون نکال کر نمبر دبانے لگی۔

"نہیں، یہ بات نہیں ہے۔" میں نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔ "بلکہ یہ ہم پٹھانوں کی روایات کے خلاف ہے تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر شاید میرے بابا جان بھی یہ بات نا پسند کریں۔"

"بے وقوف نہ بنو شاہو! تمہیں اس عالم میں بھی روایات کی پڑی ہوئی ہے۔"

اس کے بعد اس نے میری ہر دلیل رد کردی اور راجا صاحب سے فون پر بات کر کے اجازت بھی حاصل کرلی کہ وہ ایک سہیلی کے ساتھ نتھیا گلی تک پکنک پارٹی منانے جا رہی ہے۔

...☆☆☆...

شام چار بجے تک ہم نتھیا گلی پہنچ گئے۔وہاں سے آگے میرا گاؤں کم از کم تیس کلو میٹر کی مسافت پر تھا لیکن سڑک ٹوٹی پھوٹی ہونے کی وجہ سے راستے میں کافی وقت بھی ضائع ہوجاتا تھا۔زیادہ خطرہ مجھے مشی کی گاڑی کی طرف سے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تھا۔پر پیچ پہاڑی سڑک پر اس کی قیمتی گاڑی کو کوئی حادثہ بھی پیش آسکتا تھا۔ چنانچہ ڈرائیونگ سیٹ میں نے سنبھال لی۔

ہم عجلت میں نتھیا گلی سے نکلے اور میرے گاؤں کی طرف روانہ ہوگئے۔ میرے ذہن میں قسم قسم کے توہمات اٹھ رہے تھے۔پیش آمدہ حالات سے میں بالکل لا علم تھا۔بابا جان کی باتوں نے مجھے بے حد پریشان کر رکھا تھا۔ میں جلد از جلد وہاں تک پہنچنا چاہتا تھا۔اس لیے حتیٰ الوسع تیز رفتاری سے کام لے رہا تھا، مگر مشی مجھے تیز رفتاری سے منع کر رہی تھی۔شاید وہ اس خطرناک سڑک پر پہلی بار سفر کر رہی تھی۔اس لیے راستے کے ہر موڑ پر تقریباً چلا اٹھتی تھی۔

"پلیز... پلیز شاہو! خیال سے...! میں ان سنسان پہاڑوں میں مرنا نہیں چاہتی۔"

ہم نے آدھے سے زیادہ راستہ طے کرلیا تھا اور اس وقت ایک ڈھلوان سے نیچے اتر رہے تھے جب اچانک گاڑی کے بریک نے کام کرنا چھوڑ دیا۔حواس باختہ ہو کر میں نے بریک پر پورے پاؤں کا دباؤ ڈال دیا لیکن کوئی رد عمل

ظاہر نہ ہوا۔گاڑی تیز ی سے نیچے اترنے لگی اور میرے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔

”شاہو! یہ کیا کر رہے ہو؟“ خطرہ کا احساس ہوتے ہی مشی چلائی۔

”بریک... بریک فیل ہوگئے ہیں مشی!“ میں نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا اور نگاہیں مقابل سمت سے آنے والی بس پر جما دیں جو چڑھائی چڑھتی ہوئی لمحہ بہ لمحہ ہمارے قریب پہنچتی جا رہی تھی۔سڑک بالکل تنگ تھی۔بس اب حادثہ ہونے میں چند ثانیے ہی باقی تھے۔ہماری گاڑی بندوق سے نکلی ہوئی گولی کی رفتار سے نیچے جا رہی تھی اور میں زندگی میں پہلی بار خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔

مشی نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا۔مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس پر کیا گزر رہی ہے۔ہم تیزی سے موت کی طرف بڑھ رہے تھے اور میرے پاس سوچنے کے لیے بالکل وقت نہیں تھا۔مجھے جو بھی فیصلہ کرنا تھا۔بس سیکنڈوں میں کرنا تھا۔ہماری گاڑی اور بس کا درمیانی فاصلہ تیزی سے کم ہو رہا تھا۔کسی بھی لمحہ موت ہم دونوں کو اچکنے والی تھی۔مجھے خود سے زیادہ مشی کا خیال تھا۔

وہ راجا اظہار الحق جیسے کروڑ پتی شخص کی اکلوتی بیٹی تھی۔اسے اگر ہلکی سی گزند بھی پہنچتی تو راجا صاحب مجھے زندہ نہ چھوڑتے۔

”مشی! دروازہ کھول کر کود جاؤ۔“ میں نے ایک لمحہ میں فیصلہ کرتے ہوئے اسے حکم دیا۔

”تم پاگل تو نہیں ہوچکے؟“ وہ حواس باختہ آواز میں بولی۔”کیا کود کر میں زندہ بچ جاؤں گی؟“

”گاڑی میں رہ کر بھی زندہ نہیں بچو گی۔“ میں نے حتمی انداز میں کہا۔”جب کہ کود کر زندہ بچنے کا نوے فیصد سے بھی زیادہ امکان ہے۔چلو جلدی کرو تمہارے بعد میری باری ہے۔“

”مم... مجھے ڈر لگتا ہے۔“اس نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

”بہادر بنو مشی! تم وقت ضائع کر رہی ہو۔“ میں نے چلا کر کہا اور ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر رکھ دیا۔بس اور گاڑی کا درمیانی فاصلہ اب ایک فرلانگ سے بھی کم رہ گیا تھا اور یہ فاصلہ نہایت تیزی کے ساتھ گھٹ رہا تھا۔

"ہم یہ حادثہ ہونے سے نہیں روک سکتے، پلیز مشی دروازہ کھولو اور کود جاؤ۔"
میں نے دوبارہ چلا کر کہا اور اپنی طرف کا دروازہ کھول دی۔

میری دیکھا دیکھی مشی نے بھی کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دروازہ کھول دیا۔مگر وہ باہر کودنے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔وہ ایک نازک اندام لڑکی تھی۔ چلتی گاڑی سے کودنے کے لیے انسان کو جو دل گردہ چاہیے ہوتا ہے۔وہ اس کے پاس نہیں تھا۔یہ بالکل فلمی صورت حال تھی۔ عملی زندگی میں ہم نے کبھی ایسی صورت حال کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"شاباش مشی!" میں نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔"تم کود سکتی ہو، یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔تم نے فلموں میں ایسے مناظر دیکھے ہوں گے۔کئی اداکارائیں ایسا کر چکی ہیں۔تم بھی کر سکتی ہو، یہ کوئی نا ممکن تو نہیں ہے۔ بہادر بنو مشی! بہادر بنو!"

اس نے پلٹ کر ایک سیکنڈ کے لیے میرے طرف دیکھا تو مجھے ایسا لگا جیسے اس کے خوف پر زندگی بچانے کا جذبہ غالب آچکا ہو۔دوسرے ہی لمحے اس نے باہر چھلانگ لگا دی۔بس اور گاڑی کے درمیان فاصلہ اب چند میٹر ہی رہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

گیا تھا۔میں نے فوراً دروازے کی جانب رخ بدلا اور نتائج کی پروا کیے بغیر باہر کود گیا۔

کودتے وقت میں نے دونوں ہاتھ سامنے رکھے تھے لیکن پھر بھی میرے بدن پر چند خراشیں آگئی تھیں۔دونوں کہنیاں اور گھٹنے رگڑ لگنے کی وجہ سے چھل چکے تھے۔زمین سنگلاخ تھی۔مگر قدرت کی مہربانی سے میرے تمام اعضاء محفوظ رہے تھے۔

میں ابھی لنگڑاتا ہوا اٹھنے ہی لگا کہ عین اسی لمحہ بس اور گاڑی کے ٹکرانے کا دھماکا ہوا۔میں نے متوحش انداز میں ادھر دیکھا تو بس اور گاڑی بغل گیر نظر آئیں۔بس کی سواریاں تیزی سے نیچے اتر رہی تھیں۔میرے دونوں گھٹنوں میں نا قابل بیان درد ہو رہا تھا۔لیکن میں اپنے درد کو بھول کر مشی کے بارے میں متفکر ہو گیا۔وہ مجھ سے چند لمحے قبل گاڑی سے کودی تھی۔اس لیے اسے میرے عقب میں ہونا چاہیے تھا۔

میں پیچھے پلٹا اور لنگڑاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔دل ہی دل میں میں مشی کی سلامتی کی دعا مانگ رہا تھا اور اس پر مجھے غصہ بھی آرہا تھا۔خوامخواہ میرے ساتھ لگ

کر اس نے میرے لیے مسئلہ کھڑا کر دیا تھا۔اس کا وجود میرے لیے دہری پریشانی کا باعث بن گیا تھا۔میرا ذہن لمحہ بہ لمحہ نشتر ہوتا جا رہا تھا۔بابا' اماں' فائزہ اور ارمان کا تصور میرے ذہن میں گڈ مڈ ہو رہا تھا۔میں ان کی سلامتی کے بارے میں بے حد فکر مند تھا۔گو کہ بابا نے مجھے فون پر پوری بات نہیں بتائی تھی مگر میں جانتا تھا کہ کوئی اہم واقعہ وقوع پزیر ہوچکا ہے۔ارمان کا لاک اپ میں ہونا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔میں پٹھان تھا اور پٹھانوں کی روایات سے بخوبی آگاہ تھا۔مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ ارمان نے نہ ختم ہونے والی دشمنی کی بنیاد رکھ دی ہے۔نجانے یہ دشمنی کتنی جانوں کا نذرانہ لینے والی تھی۔

ابھی میں نے چند قدم کا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ معاً مشی کو زندہ سلامت اپنے سامنے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"خدا کا شکر ہے۔" میرے قریب پہنچ کر وہ مطمئن انداز میں بولی۔" آج تو اوپر والے نے خصوصی مہربانی کی ہے ورنہ بچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔"

"تمہیں کوئی چوٹ وغیرہ تو نہیں پہنچی؟" میں نے استفسار کیا۔

"بالکل نہیں۔" اس نے منفی انداز میں سر ہلایا۔"خوش قسمتی سے میں ریت کی ایک ڈھیری پر گری تھی۔میرے تو کپڑے بھی گندے نہیں ہوئے ہیں۔"

"چلو اللہ نے کرم کیا ہے ورنہ میں تو سخت پریشان تھا۔تمہیں کچھ ہوجاتا تو راجا صاحب میرے ساتھ نجانے کیا کرتے؟"

"میرے ہوتے ہوئے راجا صاحب تمہیں کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔" اتنا کہنے کے بعد اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا مگر پھر فوراً نادم انداز میں کہا۔

"سوری! میں نے تم سے تمہارے بارے میں تو پوچھا ہی نہیں۔تم ٹھیک ہو' نا۔کوئی چوٹ تو نہیں لگی؟"

"کوئی خاص نہیں۔" میں نے کہا۔"بس دونوں کہنیاں معمولی سی چھل گئی ہیں اور گھٹنے بھی درد کر رہے ہیں۔

"دکھاؤ پلیز۔" اس نے بے چینی سے استفسار کیا۔

میں نے دونوں گھٹنے اور کہنیاں اسے دکھا دیں۔

"معمولی چوٹیں ہیں۔" وہ مطمئن لہجے میں بولی۔"گاڑی میں دوائیں موجود ہیں۔ کھا لینا۔"

اس دوران بس کا ڈرائیور اور کچھ سواریاں ہمارے قریب پہنچ گئیں اور سوال و جواب کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔پہلے تو بس کا ڈرائیور سخت غصہ میں تھا مگر ہماری کہانی سن کر اس کا نا صرف غصہ ٹھنڈا ہو گیا بلکہ اس نے ہمیں مدد کی پیش کش بھی کر دی۔

"شکریہ دوست!" میں نے خندہ پیشانی سے کہا۔"آپ بس اتنا کریں کہ ہمیں کسی مکینک کا پتا بتا دیں۔ہم خود ہی گاڑی ٹھیک کرا لیں گے۔"

"آپ کی گاڑی کا بہت کم نقصان ہوا ہے۔" بس ڈرائیور بولا۔"گولی استاد منٹوں میں ٹھیک کر دے گا۔فکر نئیں کرو۔"

"یہ گولی استاد کون ہے؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"جس طرح آپ لوگ انسانوں کا ڈاکٹر ہے بالکل اسی طرح گولی استاد گاڑیوں کا ڈاکٹر ہے' وہ مردہ گاڑیوں میں بھی جان ڈال دیتا ہے۔ہماری شہزادی کو بھی وہی ٹھیک کرتا ہے۔" ڈرائیور نے فخریہ انداز میں بتایا۔

تمام سواریوں کے ساتھ ساتھ ڈرائیور کی شہزادی (بس) کو بھی کوئی زیادہ نقصان نہیں پہنچا تھا تاہم ہماری گاڑی کو خاصا نقصان پہنچا تھا۔اس کی دونوں ہیڈ

لائیٹس اور سامنے والا بمپر ٹوٹ چکا تھا جب کہ ہیڈ لائیٹس سے اوپر باڈی پر ڈینٹ بھی پڑ چکے تھے۔

خوش قسمتی سے بس ڈرائیور کے پاس گولی استاد کا موبائل نمبر موجود تھا۔جانے سے پہلے اس نے گولی استاد کو فون کر کے ہمارے پاس پہنچنے کی تاکید کر دی تھی۔چند سواریوں کی مہربانی سے ہماری گاڑی کو سڑک کے کنارے لگا دیا گیا تھا۔اب مشی اور میں گاڑی میں بیٹھے گولی استاد کے منتظر تھے۔

ہمارے پاس ٹی پاٹ میں قہوہ موجود تھا۔میں نے قہوے کے ساتھ ایک گولی لی تھی۔درد میں اب قدرے افاقہ محسوس ہونے لگا تھا۔مگر میرا ذہن بدستور منتشر تھا۔چند لمحے قبل ہونے والا حادثہ میرے ذہن سے محو ہو چکا تھا۔میں صرف گھر اور گھر والوں کے متعلق سوچ رہا تھا۔تاہم میری نگاہیں سامنے سڑک پر جمی ہوئی تھیں اور میں شدت کے ساتھ ان دیکھے گولی استاد کا منتظر تھا۔

"اب درد کیسا ہے؟" مشی نے ہمارے بیچ طاری سکوت کا خاتمہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"قدرے بہتر محسوس کر رہا ہوں؟" میں نے کھوئے کھوئے انداز میں جواب دیا۔

"گھر کے متعلق پریشان ہو' نا۔" قدرے توقف سے اس نے دوبارہ پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے مختصر ساجواب دیا۔

"شاہو!" وہ ہمدردانہ انداز میں بولی۔"یہ قبل از وقت پریشانی ہے۔تم مثبت انداز میں سوچو' مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر کرے گا۔ارمان اگر بے قصور ہے تو یقین رکھو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"مشی! تم شاید ہم پٹھانوں کی روایات سے آگاہ نہیں ہو ورنہ ایسی بات کبھی نہ کہتیں۔ہمارے یہاں بندوق آج بھی مرد کا زیور کہلاتی ہے۔یہاں قتل و غارت گری ایک عام سی بات ہے اور نوے فیصد پٹھان اسے بہادری کی علامت سمجھتے ہیں۔ہمارے یہاں دشمنی کی بنیاد رکھنا بہت آسان ہے لیکن اس بنیاد کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔"

میں نے اسے تفصیل بتاتے ہوئے جواب دیا۔

"دیکھو شاہو! جب تک ہم تمہارے گاؤں نہیں پہنچ جاتے تب تک ہم صحیح صورت حال سے آگاہ نہیں ہوسکتے۔اس لیے میں تمہیں مشورہ دوں گی کہ قبل از وقت پریشان ہونا چھوڑ دو۔"

"میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج رہی ہے۔" میں نے کہا۔"مجھے ایسا لگتا ہے جیسے کوئی انہونی ہوچکی ہو۔کچھ ایسا جسے شاید میں برداشت نہ کرسکوں۔ دعا کرو مشی! کہ میرے خدشے غلط ثابت ہوجائیں۔"

"تم منفی انداز میں سوچنا بند کرو گے تو میں دعا کروں گی نا۔" اس نے شکایتی انداز میں کہا۔"بغیر کچھ دیکھے جانے تمہاری یہ پریشانی سمجھ سے بالا تر ہے۔"

"بابا کے لہجے سے بہت کچھ عیاں ہو رہا تھا مشی!" میں نے کہا۔"میں اپنے بابا کو اچھی طرح جانتا ہوں وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو خاطر میں کبھی نہیں لاتے۔"

"تم حوصلہ رکھو۔ایسا کچھ بھی نہیں ہوا ہوگا۔"

وہ میری ہمت بندھانے میں مصروف ہو گئی۔مگر میری پریشانی کم ہونے کی بجائے بڑھتی چلی گئی۔میں جلد سے جلد اپنے گھر تک پہنچنا چاہتا تھا۔مجھے رہ رہ

کر اپنے اہلِ خانہ کی یاد ستا رہی تھی اور مشی میری شکل دیکھ کر مایوسی کا شکار ہو رہی تھی۔اس کی ہر تسلی ناکام ثابت ہو رہی تھی۔آخر کار زچ ہو کر وہ بولی۔"شاہو! تمہیں مردانہ وار حالات کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔خود کو سنبھالو ورنہ غیر معمولی حالات دیکھ کر تم بکھر جاؤ گے تمہیں ایک ناقابل شکست حوصلہ کی ضرورت ہے۔اور میں بھی تمہاری ہر قسم کی مدد کرنے کے لیے تیار ہوں۔
مگر تمہیں ہمت سے کام لینا ہوگا۔"

"تمہارا جذبہ قابل ستائش ہے لیکن میں کیا کروں۔مجھے خود پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا ہے۔خدانخواستہ مجھے ہتھیار اٹھانا پڑ گئے تو کیا ہوگا؟ بابا جان نے ہمیشہ ہم بھائیوں کو ہتھیار سے دور رکھا ہے۔پٹھان ہوتے ہوئے بھی ہم اپنی قوم کے لوگوں سے بہت الگ ہیں۔بابا نے اپنا پیٹ کاٹ کر ہم بھائیوں کو تعلیم دلائی ہے۔آج جب میں کسی مقام پر پہنچا ہوں تو حالات بگڑنے لگے ہیں۔
مشی! میں ہتھیار اٹھانا نہیں چاہتا۔"

"میں پھر یہی کہوں گی۔" وہ بولی۔"تم بلا وجہ پریشان ہو رہے ہو۔پلیز خود پر قابو رکھو اور اپنے ذہن سے منفی خیالات کو جھٹک دو۔"

مشی کی بات جونہی مکمل ہوئی میری نگاہیں ایک موٹر سائیکل سوار پر جم گئیں۔ وہ تیزی سے ہماری کار کی طرف آرہا تھا۔قریب پہنچ کر اس نے موٹر سائیکل سڑک کے کنارے روک دی اور اتر کر ہمارے

پاس پہنچ گیا۔اس کے لباس پر تیل کے دھبوں نے ہمیں بتا دیا کہ وہ "گولی استاد" ہی ہے۔رسمی علیک سلیک کے بعد جب میں نے بغور اس کا جائزہ لیا تو مجھے اس کی شکل کچھ جانی پہچانی سی لگی۔میں نے ذہن پر زور دے کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کی مگر ذہن منتشر ہونے کی وجہ سے مجھے اسے پہچاننے میں ناکامی ہو رہی تھی۔

اس نے تھیلے سے اوزار نکالے اور مجھ سے گاڑی کی خرابی کے متعلق پوچھنے لگا۔

"بریک کام نہیں کر رہے۔" میں نے بتایا۔"اور باقی کی حالت تمہیں نظر آ رہی ہے۔چیک کرو اور اگر یہ فوراً ٹھیک ہوسکتی ہے تو میں تمہیں توقع سے بڑھ کر معاوضہ دوں گا۔"

"نہیں صاحب!" وہ بولا۔ "گولی استاد اپنی محنت کی کھاتا ہے۔ کسی گاہک سے ناجائز ایک پیسہ بھی نہیں لیتا۔"

"میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں گولی استاد۔" میں نے مسکراہٹ آمیز لہجے میں جواب دیا اور پھر قدرے توقف سے پوچھا۔ "تمہارا اصل نام کہیں گل حسن خان تو نہیں ہے؟"

گولی استاد نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک لہرائی اور وہ پر جوش انداز میں بولا۔ "تم... سوری! آپ شاہ زمان تو نہیں ہو؟"

"تم نے ٹھیک پہچانا میرے دوست!" میں آگے بڑھ کر اس کے ساتھ بغل گیر ہو گیا۔ "لیکن یہ گل حسن خان سے تم "گولی استاد" کیسے بن گئے؟"

"سب قسمت کا چکر ہے دوست! ہم جیسے پیدا تو گل حسن خان بن کر ہوتے ہیں لیکن اس ملک کا سسٹم ہمیشہ سے ہم جیسوں کو گولی استاد بننے پر مجبور کردیتا ہے۔" اس نے قدرمتاسف انداز میں جواب دیا۔

وہ دسویں جماعت تک میرا کلاس فیلو رہا تھا۔ ہم دونوں نے ایک ہی اسکول میں تعلیم پائی تھی۔ میٹرک کرنے کے بعد میں نے ایف ایس سی میڈیکل میں داخلہ لے لیا تھا۔ جب کہ اسے گھر سے مزید پڑھنے کی اجازت ہی نہیں ملی تھی۔ میٹرک کے بعد میں آج دس بارہ برس گزرنے کے بعد اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ اسکول کے زمانے میں ہم دوست اسے گلی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ وہی گلی آج گولی استاد کے روپ میں میرے سامنے تھا۔ غربت نے اسے ایک موٹر مکینک بنا دیا تھا۔

ہم چند منٹ ماضی کی یادیں تازہ کرتے رہے۔ اس کے بعد گولی استاد گاڑی ٹھیک کرنے میں لگ گیا۔ تقریباً آدھا گھنٹہ وہ گاڑی کے ساتھ الجھا رہا۔ بریک اس نے ٹھیک کردیا تھا۔ تاہم ابھی بہت سا کام باقی تھا جو وہاں سڑک کے کنارے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ گاڑی کو گیراج میں لے جانے کی ضرورت تھی۔ گولی استاد کا گیراج وہاں سے ڈیڑھ دو کلو میٹر کے فاصلے پر واقع تھا۔ اس نے مجھ سے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ گاڑی کو اس جگہ ٹھیک نہیں کیا جاسکتا البتہ گیراج میں لے جا کر وہ اسے ایک گھنٹہ میں ٹھیک کرسکتا تھا۔

میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔"ٹھیک تم گاڑی کو لے جاؤ لیکن ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت نہیں لگنا چاہیے۔ہمیں فوراً گاؤں پہنچنا ہے۔تم دیکھ رہے ہو کہ میرے ساتھ میری ایک ساتھی ڈاکٹر ہے۔"

"ایک گھنٹہ سے زیادہ نہیں لگے گا صاحب!" وہ بولا۔"آپ بے فکر رہیں۔اگر زیادہ کام نکل آیا تو پھر میں آپ لوگوں کو دوسری گاڑی دے دوں گا۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔"گولی استاد! یہ تم مجھے صاحب اور آپ کہہ کر کیوں مخاطب کر رہے ہو؟ میں تمہارا بچپن کا دوست ہوں بھئی! ان تکلفات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"یہ آپ کا بڑا پن ہے شاہ زمان صاحب!"

"پھر صاحب!" میں نے مصنوعی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے قطع کلامی کی۔"تم مجھے صرف شاہ زمان کہہ سکتے ہو۔سمجھے۔"

"اور چاہو تو شاہو بھی کہہ سکتے ہو۔" مشی نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے لب کشائی کی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"بالکل کہہ سکتے ہو۔" میں مشی کی تائید کرتے ہوئے بولا۔"میرے دوست مجھے اسی نام سے مخاطب کرتے ہیں تم بھی میرے دوست ہی تو ہو۔"

"یہ کام میرے لیے بہت مشکل ہے۔" اس نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

"مجھے پندرہ برس ہوگئے ہیں یہ کام کرتے ہوئے! میرے استاد نے مجھے نصیحت کی تھی کہ ہمیشہ گاہک کو آپ' صاحب اورجناب کہہ کر مخاطب کیا کرنا۔وہ کہا کرتے تھے۔گولی پتر! اخلاق بہت بڑی دولت ہے اور با اخلاق شخص سے بڑا کوئی امیر نہیں ہوتا۔" سوری صاحب میں اپنے استاد کی نصیحت سے رو گردانی نہیں کرسکتا۔"

"یار! میں جب تمہیں "تم" کہہ کر اور گولی استاد کہہ کر پکار سکتا ہوں تو تم مجھے شاہ زمان یا شاہو کیوں نہیں کہہ سکتے؟" میں نے شکایتی انداز میں پوچھا۔

"صاحب! ہم چھوٹے لوگ ہیں اور پھر پندرہ سال کی عادت تبدیل کرنا نا ممکن ہے۔"

"ٹھیک ہے گولی استاد! میں ہارا اور تم جیتے اب کچھ گاڑی کے متعلق سوچو۔" میں نے موضوع بدلتے ہوئے جواب دیا۔

”گاڑی کی فکر نہ کرو صاحب!“ وہ بولا۔”میں اسے ابھی اسٹارٹ کرتا ہوں۔“

اس کے بعد اس نے تھوڑی سی کوشش کی تو گاڑی اسٹارٹ ہو گئی۔

”لو صاحب!“ اس نے گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔”آپ میم صاحب کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر میرے پیچھے پیچھے چلے آئیں۔میرا گیراج یہاں سے نزدیک ہی واقع ہے۔“

میں مشی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا۔اس دوران گولی استاد اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کر چکا تھا۔چنانچہ ہم گولی استاد کی پیروی میں آگے بڑھنے لگے۔

...☆☆☆...

دس منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد ہم گولی استاد کے گیراج میں پہنچ گئے۔اس نے ہمیں اپنے کمرۂ خاص میں بٹھایا اور پھر گیراج میں کام کرنے والے ایک چھوٹے کو ٹھنڈا لانے کے لیے دوڑا دیا۔

”آپ لوگ یہاں آرام کرو صاحب! میں گاڑی کو دیکھتا ہوں۔“ اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔“ جب کہ میں اور مشی باتوں میں مصروف ہوگئے۔

”یہ گولی استاد پڑھا لکھا لگتا ہے۔“ مشی نے کہا۔”اور کافی با اخلاق بھی ہے۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”ہم دونوں نے میٹرک تک ایک ساتھ تعلیم حاصل کی ہے۔“ میں نے کہا۔

”اس کا اصل نام گل حسن خان ہے۔بس قسمت کی نا مہربانی نے اسے گولی استاد بنا دیا ہے زمانۂ طالب علمی میں یہ بہت ذہین اسٹوڈنٹ ہوا کرتا تھا۔“

”ہاں اس کی باتوں سے لگتا ہے کہ وہ ایک ذہین انسان ہے۔کیا یہ تمہارے ہی گاؤں کا رہنے والا ہے؟“

”بہت عرصہ پہلے یہ لوگ ہمارے ہی گاؤں میں رہتے تھے مگر پھر یہ لوگ گاؤں چھوڑ کر نتھیا گلی منتقل ہوگئے تھے۔آج تقریباً دس بارہ برس کے بعد میری اس کے ساتھ ملاقات ہوئی ہے۔“ میں نے اسے تفصیل بتاتے ہوئے جواب دیا۔

اس دوران چھوٹا پیپسی کولا کی دو بوتلیں پکڑے حاضر ہو گیا اور ہمارے حوالے کرنے کے بعد دوبارہ غائب ہو گیا۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد گولی استاد ایک میلے چیکٹ کپڑے سے ہاتھ صاف کرتا ہوا اندر داخل ہوا اور پر جوش آواز میں بولا۔”صاحب! آپ لوگوں کی گاڑی ایک دم فٹ ہے۔معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کار ایکسیڈنٹ ہوچکا ہے۔“

"بہت بہت شکریہ دوست!" میں نے جیب سے پرس برآمد کرتے ہوئے کہا۔ "تمہاری اجرت کتنی ہوئی؟"

"صاحب! گولی استاد کو شرمندہ مت کرو۔ میں آپ سے ایک پیسہ بھی نہیں لوں گا۔" اس نے منفی انداز میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں گولی استاد!" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ میرے اصولوں کے بالکل خلاف ہے۔ دوستی اپنی جگہ اور کاروبار اپنی جگہ... پیسے تمہیں ہر حال میں لینا پڑیں گے۔"

"میرا دل ٹوٹ جائے گا صاحب!' وہ ملتجی ہوا۔ "آپ میرے بچپن کے دوست ہو۔ آپ سے پیسے لیتے ہوئے میں اچھا لگوں گا کیا؟"

"بات اچھے بُرے کی نہیں ہے دوست! بلکہ اصولوں کی ہے۔ تم نے اتنی محنت کی ہے اور اپنی طرف سے بھی گاڑی میں کچھ پُرزے فٹ کیے ہوں گے۔ ان سب کا معاوضہ تو تمہیں ملنا چاہیے نا؟"

"صاحب! میں اپنی خوشی سے کچھ نہیں لینا چاہتے۔" وہ بدستور انکار کرتے ہوئے بولا۔ "پلیز آپ اصرار نہ کریں۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"گولی بھائی! یہ گاڑی میری ہے۔" مشی بولی۔ "اگر شاہ زمان کی ہوتی تو پھر تم بے شک پیسے نہ لیتے مگر اب لینا پڑیں گے۔"

اتنا کہنے کے بعد مشی نے اپنے پرس سے ہزار ہزار روپے کے چند نوٹ نکالے اور گولی استاد کے نہ نہ کرنے کے باوجود زبردستی اسے پکڑا دیے۔

رخصت ہونے سے قبل میں نے گولی استاد سے اس کا موبائل نمبر لے لیا تھا۔

گولی استاد کے گیراج سے نکلتے نکلتے ہمیں شام کے چھ بج گئے تاہم گرمیوں کا موسم ہونے کی وجہ سے ابھی تک سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ وقتی پریشانی سے جان چھوٹتے ہی میں ایک بار پھر اندیشوں میں گھر گیا۔ مجھے رہ رہ کر ارمان کا خیال ستا رہا تھا۔ پتا نہیں اس نے ایسا کیا کردیا تھا۔ جس کی وجہ سے حوالات میں جا پہنچا تھا۔

وہ دس بارہ کلومیٹر کا فاصلہ میں نے بہت تیزی سے طے کیا تھا۔ تھانہ چونکہ گاؤں سے باہر پختہ سڑک کے کنارے واقع تھا' اس لیے گھر جانے کی بجائے میں نے سیدھا تھانے کا رخ کیا۔ گاڑی کو تھانہ کے وسیع احاطہ میں پارک کرنے کے بعد میں نے مشی کو ساتھ لیا اور ایس ایچ او کے آفس کی طرف

بڑھ گیا۔ آفس کے باہر ڈیوٹی پر تعینات ایک کانسٹیبل سے میں نے جب ایس ایچ او کا پوچھا تو وہ بولا۔

”صاحب اس وقت اپنے کوارٹر میں ہوں گے۔ وہ مغرب کی نماز پڑھ کر آئیں گے۔ آپ لوگ انتظار کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں۔“

”کوئی اور ذمہ دار آدمی نہیں ہے کیا؟“ میں نے دوبارہ استفسار کیا۔

”آپ ہیڈ محرر صاحب سے مل لیں۔ وہ آفس میں موجود ہیں۔“ اس نے بے زاری سے جواب دیا اور میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

ہماری پولیس کے انہی رویوں نے آج اس ملک کو جہنم بنادیا ہے۔ عام شہری کا احترام کرنا پولیس والے اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ جب تک معقول نذرانہ پیش نہ کیا جائے، کسی کی بات ہی نہیں سنتے۔ خیر سنتری سے منہ ماری نا مناسب خیال کرتے ہوئے میں مشی کے ساتھ آفس کے اندر داخل ہوگیا۔

آفس کے اندر روایتی تھانوں کا سا منظر تھا۔ ایک موٹی توند والا حوالدار بہ یک وقت کرسی اور میز پر پڑا خراٹے لے رہا تھا۔ اس کی دونوں ٹانگیں میز پر تھیں جب کہ بقیہ دھڑ کرسی پر تھا۔ نیند کے عالم میں بھی اس کے چہرے پر

پیشہ ورانہ خباثت چھائی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ کسی خون خوار بلڈاگ کے چہرے سے مشابہہ تھا۔ میں اگر ایک معزز ڈاکٹر نہ ہوتا تو شاید کبھی اسے جگانے کی جرأت نہ کرتا لیکن اپنے

مرتبے کا سوچ کر میں اس عمل پر تیار ہوگیا۔

”سر! پلیز اٹھیے۔“ میں نے اس کی ٹانگ ہلاتے ہوئے آواز دی۔

”اوئے شیدے!“ وہ آنکھیں موندے سرد انداز میں بولا۔ ”گدھے کے بچے! مجھے آرام کرنے دو ورنہ بہت برُا پیش آؤں گا۔“

”میں ایک معزز ڈاکٹر ہوں سرکار!“ میں بمشکل ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولا۔

”اور یہاں ایک ضروری کام سے آیا ہوں۔ جناب کی نیند اگر پوری ہوگئی ہے تو سائل پر مہربانی کیجیے۔“

”کون ڈاکٹر؟“ وہ آنکھیں کھولتے ہوئے بولا اور پھر ہم دونوں پر نظر پڑتے ہی فوراً سنبھل کر بیٹھ گیا۔

”تشریف رکھیے جناب!“ اس نے خندہ پیشانی کا مظاہرہ کیا۔

مشی کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے میں خود بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ہاں حکم کیجیے جناب!" ہمارے بیٹھنے کے بعد حوالدار نے پولیس والے روایتی انداز میں استفسار کیا۔

"حکم نہیں گزارش ہے حوالدار صاحب!" میں نے اپنا سروس کارڈ نکال کر اسے پیش کرتے ہوئے کہا۔"میں ارمان کا بڑا بھائی ہوں اور اس سے ملاقات کرنے کے ساتھ ساتھ اس پولیس اسٹیشن کے انچارج سے بھی ملنا چاہتا ہوں۔"

"اوہ!" وہ کارڈ پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے بولا۔"تو جناب ڈاکٹر شاکر ہیں۔" اس کا انداز بہت عامیانہ تھا۔غصہ کی ایک لہر میرے پورے وجود میں سرائیت کر گئی مگر میں ضبط کر گیا کہ صورت حال کا تقاضہ یہی تھا۔

"صاحب تو ابھی نہیں مل سکتے۔" وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔"آپ یہ کارڈ رکھ لیں اور کل صبح آجائیں کیونکہ ابھی تھوڑی دیر کے بعد تو نائٹ پیٹرولنگ کا وقت شروع ہوجائے گا۔صاحب خود بھی پیٹرولنگ پارٹی کے ساتھ جاتے ہیں۔"

"اوکے! تو کیامیں ارمان سے مل سکتا ہوں؟" میں نے سروس کارڈ اٹھا کر دوبارہ جیب میں رکھتے ہوئے سوال کیا۔

"اس کی اجازت توصاحب ہی دے سکتے ہیں۔" اس نے ٹکا سا جواب دیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"آپ زیادتی کررہے ہیں حوالدار صاحب!" میں نے قدرے تلخی سے کہا۔"یہ تھانے کی حوالات ہے' کوئی جیل نہیں ہے اور میں ایک معزز ڈاکٹر ہوں۔"

"اوئے تم ڈاکٹر ہو تو کیا میں تمہیں سلیوٹ ماروں؟" اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔"یہ تھانہ ہے' کوئی تمہارا اسپتال نہیں ہے۔یہاں قاعدہ قانون چلتا ہے' سمجھے تم!"

اس نے نہایت بدتمیزی کا مظاہرہ کیا تھا۔میں غصہ سے سر تا پا سلگ اٹھا مگر پولیس اسٹیشن میں ایک باوردی اہلکار سے ہاتھاپائی مجھے مہنگی پڑ سکتی تھی۔ مشی بھی اس صورتِ حال سے پریشان نظر آرہی تھی۔وہ اگر اس وقت میرے ساتھ نہ ہوتی تو شاید میں نتائج کی پروا کیے بغیر اس کمینے حوالدار سے الجھ چکا ہوتا لیکن اس کی موجودگی میں ایسا کوئی بھی قدم اٹھانا مصیبت کو آواز دینے کے مترادف تھا۔تھانے کا عملہ تھانے میں دنگا فساد کرنے کے جرم میں ہم دونوں کو گرفتار کرسکتا تھا۔حوالدار کے اندازنے مجھے باور کرادیا تھا کہ وہ کسی سیاسی سپورٹ کے بل پر اترا رہا ہے۔کوئی ایسی سیاسی شخصیت اس کے پیچھے ہے جس کے بھروسے وہ ایک معزز ڈاکٹر کو خاطر میں لانے کی بجائے نخوت

سے دھتکار رہا تھا۔اس وقت میں اس پس پردہ شخصیت کے بارے میں مکمل طور پر لاعلم تھا مگر بعد میں جب حالات بگڑتے چلے گئے تو وہ شخصیت کھل کر میرے سامنے آگئی۔وہ کوئی اور نہیں سردار شیر افضل خان تھا' جو صوبے میں حکمران جماعت کا ایک رکن تھا۔گوکہ اس وقت اس کے پاس کوئی وزارت وغیرہ نہیں تھی تاہم اس کے پاس کسی وزیر سے کم اختیارات نہیں تھے۔ حوالدار کا اکڑنا بے جا نہیں تھا۔وہ اپنے پس پشت طاقت کی پہنچ سے اچھی طرح آگاہ تھا۔میں نے انتہائی ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

”حوالدار صاحب! کیا قاعدہ قانون کسی حوالاتی سے ملنے کی اجازت نہیں دیتا؟ میرے بھائی نے کوئی قتل تو نہیں کیا؟“

”قتل سے بھی سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے اس نے۔“ حوالدار نے اسی رعونت سے جواب دیا۔

”اس نے شیر زادہ خٹک جیسے معزز شخص کی نوجوان لڑکی کو اغواء کرنے کے بعد حبس بے جا میں رکھنے کا جرم کیا ہے۔وہ کم سے کم دس سال کے لیے اندر جائے گا۔“

”کسی مجرم کی سزا کا تعین کرنا عدالت کا کام ہوتا ہے۔آپ لوگوں کا نہیں۔ میں...“

”مجھے قانون مت سکھاؤ۔“ اس نے اکڑ کر قطع کلامی کی۔”میں تم سے زیادہ جانتا ہوں قانون... اس پر جو دفعہ لگ چکی ہے' اس کی سزا دس سال سے کم نہیں ہوتی۔“

”میں یہ سارا کھیل سمجھ چکا ہوں حوالدار صاحب!“ میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”میں شیر زادہ خٹک کو اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ کتنا معزز ہے۔میں اپنے بھائی کو ایسی سیاسی دشمنی کی بھینٹ نہیں چڑھنے دوں گا۔“

”تم سے جو ہوسکتا ہے کرو بس ہمارا سر مت کھاؤ۔“ اس نے ٹالنے والے انداز میں جواب دیا۔

پھر اس سے قبل میں کچھ کہتا مشی بولی۔

”چلو شاہ زمان! یہ لوگ شرافت کی زبان کبھی نہیں سمجھتے۔ان سے بعد میں نمٹ لیں گے۔“

حوالدار نے گھور کر مشی کی طرف دیکھا مگر کچھ کہنے کی زحمت گوارا نہ کی۔اسی دوران مغرب کی اذان ہونے لگی۔اب ہمارا وہاں ٹھہرنا وقت کا زیاں تھا۔میں نے مشی کو ساتھ لیا اور قدم باہر کی طرف بڑھادیے۔

...☆☆☆...

میں جب مشی کے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہوا تو اس وقت تک تاریکی چھا چکی تھی۔بابا اور اماں شدت سے میرے منتظر تھے۔ان دونوں کی شکلیں اُتری ہوئی تھیں اور اماں کی متورم آنکھیں بتارہی تھیں کہ وہ مسلسل روتی رہی ہے۔گھر میں فائزہ کی عدم موجودگی سے مجھے اطمینان کا احساس ہوا تھا۔رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے ان سے مشی کا تعارف کرایا تو انتہائی پریشان ہونے کے باوجود انہوں نے مشی کو دعاؤں سے نوازا۔

"بابا! یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟" رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے موضوع پر آتے ہوئے استفسار کیا۔"ارمان ایسا تو نہیں تھا' پھر یہ سب کیا ہے؟"

"بیٹے! تمہارے ساتھ مہمان ہے۔پہلے کچھ کھاپی لو۔سفر کی تھکان اُتارلو۔اس کے بعد میں تجھے ساری کہانی سنادوں گا۔" بابا نے شفقت آمیز انداز میں جواب دیا۔

"میں ان کے لیے کھانے پینے کا انتظام کرتی ہوں۔" اماں اُٹھتے ہوئے بولی۔
"تب تک آپ لوگ باتیں کریں۔"

"ماں جی!کیا میں آپ کا ہاتھ بٹا سکتی ہوں؟" مشی نے پُر خلوص انداز میں پوچھا۔

"کیوں نہیں بیٹا! یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔" اماں نے شفقت بھرے لہجے میں جواب دیا۔

اماں اور مشی کھانے کے انتظامات میں لگ گئیں جب کہ میرے استفسار پر بابا نے سارا قصہ سنانا شروع کردیا۔

"یہ چند روز پہلے کا ذکر ہے" بابا نے بتانا شروع کیا۔"ارمان اس وقت ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد کالج جانے کی تیاری کررہا تھا کہ عین اسی وقت چند پولیس والے ہمارے گھر میں آدھمکے۔انہوں نے دروازے پر دستک دینے کی

زحمت تک گوارا نہیں کی تھی۔میں نے جب اس بات پر احتجاج کیا تو ایک پولیس والا بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

”بزرگو! یہ ایک خطرناک مجرم کا گھر ہے، اس لیے ہم نے دستک دینا غیر ضروری سمجھا۔ہم اگر مجرموں کے دروازوں پر دستک دیتے پھریں تو پھر پکڑ چکے مجرم!“

”کون مجرم؟“ میں نے حیرانی سے استفسار کیا۔

”ارمان کون ہے؟“ اسی پولیس والے نے بارُعب انداز میں سوال کیا۔وہ شاید باقی چاروں کا انچارج تھا۔

میں نے کہا۔”ارمان میرا بیٹا ہے لیکن اس کا کسی مجرم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔آپ لوگوں کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”غلط فہمی!“ اس نے قہقہہ لگایا۔”ہر مجرم کے ماں باپ یہی کہتے ہیں۔بزرگو! آپ کو شاید معلوم نہیں ہے کہ آپ کے شریف اور فرماں بردار بیٹے نے ایک جوان لڑکی کو اغواء کرلیا ہے۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”خدا کا خوف کرو صاحب!“ میں نے چلا کر کہا۔”میرے معصوم بیٹے پر اتنا سنگین الزام مت لگاؤ، وہ بے چارا کسی لڑکی کو کیسے اغواء کرسکتا ہے جب کہ وہ کبھی گھر سے باہر ہی نہیں نکلتا۔“

”واہ بھئی واہ!“ وہ اپنے ساتھیوں سے بولا۔”بڑے میاں کا صاحب زادہ تو کبھی گھر سے باہر ہی نہیں نکلتا۔“ پھر وہ میری طرف رخ بدلتے ہوئے طنزیہ انداز میں گویا ہوا۔”کیا آپ کا بیٹا لڑکی ہے جو گھر سے نہیں نکلتا... اس عمر میں جھوٹ بولتے ہوئے شرم نہیں آتی۔“

”میں کوئی جھوٹ نہیں بول رہا۔“ اس کی بدتمیزی دیکھ کر مجھے بھی غصہ آگیا اور میں طیش کے عالم میں بولا۔”بزرگوں سے کیا ایسے بات کی جاتی ہے...؟ آپ لوگوں کو کیا یہی ٹریننگ دی جاتی ہے کہ باپ کی عمر کے لوگوں کا بھی لحاظ نہ کیا کرو۔“

”لو جی دیکھ لو!“ ایک بار پھر وہ اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا۔”بڑے میاں نے تو فلمی ڈائیلاگ مارنے شروع کردیے ہیں۔اب یہ ہمیں قانون سکھائیں گے۔چلو بھئی سب مل کر اپنے اس نئے استاد کو سلیوٹ مارو۔“

اس کے بعد وہ سب مل کر میرا مذاق اڑانے لگے۔اسی اثناء میں ارمان باہر نکلا مجھے پولیس والوں میں گھرا دیکھ کر چند لمحوں کے لیے تو وہ متحیر رہ گیا مگر جب اسے یہ احساس ہوا کہ پولیس والے میرا مذاق اڑا رہے ہیں تو وہ ایک دم بپھر گیا اور انہیں بُرا بھلا کہنے لگا۔

”اوئے پھنے خان کی اولاد!“ ان کے انچارج نے بھڑک کر ارمان سے کہا۔”ہمیں بعد میں نصیحتیں کرنا‘ پہلے یہ بتاؤ کہ خٹک صاحب کی لڑکی کو تم نے کہاں چھپا رکھا ہے؟“

”کون خٹک صاحب؟“ارمان نے بلا جھجک استفسار کیا۔

”شیر زادہ خٹک!“ انچارج نے جواب دیا۔”اس نے تمہارے خلاف تھانے میں رپورٹ درج کرائی ہے کہ تم نے اس کی نوجوان لڑکی کو اغواء کرلیا ہے۔“

”بکواس کرتا ہے وہ۔“ ارمان نے کہا۔”میں اس کی لڑکی کو جانتا تک نہیں۔ جھوٹی رپورٹ درج کرائی ہے اس نے۔“

”بلے بھئی بلے!“ انچارج نے مذاق اڑایا۔”یہ تو اپنے باپ کا بھی باپ لگتا ہے۔اتنا سنگین جرم سر انجام دینے کے بعد بھی اپنے گھر میں موجود ہے۔“

”صاحب! آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ یہ سب جھوٹ ہے۔“ معاملہ کی نزاکت کا احساس ہوتے ہی ارمان نے التجائیہ انداز میں کہا۔”شیر زادہ خٹک سے ہماری سیاسی دشمنی ہے اور وہ ہمیں پھنسانے کی کوشش کررہا ہے‘ میں خدا کی قسم کھا کر....“

”ناکاکا جی نا!“ انچارج نے قطع کلامی کی۔”قسم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا۔ہمیں سچ اُگلوانے کے بے شمار طریقے آتے ہیں۔“

اس کے بعد وہ میرے روکنے کے باوجود ارمان کو پکڑ کر تھانے لے گئے۔ آج چار روز ہوگئے ہیں اسے تھانے کی حوالات میں۔نہ وہ اسے عدالت میں پیش کرتے ہیں اور نہ ہی چھوڑتے ہیں۔“

پورا واقعہ سنانے کے بعد بابا پریشانی کے عالم میں میری طرف دیکھنے لگے۔اب میں ہی ان کی امیدوں کا مرکز تھا۔انہیں مجھ پر بڑا مان تھا کہ میں اپنے بھائی کو بچا سکتا ہوں۔

میں نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔”بابا! کیا واقعی ارمان کا اس لڑکی سے کوئی تعلق نہیں تھا؟“

”تم نے مجھ سے کبھی جھوٹ بولا ہے‘ جو ارمان بولے گا؟“ بابا بولے۔”میں نے اس سے پوچھا تھا وہ کہتا ہے میں نے خٹک صاحب کی لڑکی کی آج تک شکل بھی نہیں دیکھی۔“

”کیا لڑکی مل چکی ہے؟“ میں نے دوبارہ سوال کیا۔

”ہاں مل چکی ہے اور اس نے بھی ارمان کے خلاف بیان دیا ہے۔“ بابا نے مایوسی کے عالم میں جواب دیا۔

”مجھے سمجھ نہیں آتی یہ شیر زادہ خٹک کیوں ہماری جان کا دشمن بن گیا ہے۔ ہم نے کیا بگاڑا ہے اس کا...؟ اسے اگر ہماری عزت کا کوئی خیال نہیں ہے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تو کم از کم اپنی بیٹی ہی کی عزت کا خیال کرلے۔میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ کوئی باپ اتنا بھی گر سکتا ہے۔“

”یہ سب سیاست کا کیا دھرا ہے بابا!“ میں نے کہا۔”گزشتہ الیکشن میں آپ نے شیر زادہ خٹک کا ساتھ نہیں دیا تھا۔بس اسی بات کا بدلہ لے رہا ہے وہ۔“

بابا نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا۔میں نے ایک لمحہ توقف کرنے کے بعد کہا۔

”لیکن آپ کو اس قدر پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔میں ان شاء اللہ سب ٹھیک کردوں گا۔میں ابھی تھانے سے ہو کر آیا ہوں۔“

”کیا ارمان سے ملے تھے؟“ بابا نے فوراً استفسار کیا۔

لمحہ بھر کے لیے میں شش و پنج کا شکار ہوگیا کہ بابا کو کیا جواب دوں۔میں اگر سچ بولتا تو بابا نا صرف مزید پریشان ہوجاتے بلکہ مجھ پر سے بھی ان کا مان ٹوٹ جاتا اور جھوٹ بولنا میرے ضمیر کو گوارا نہیں تھا۔پھر اس سے قبل کہ سوال کا جواب دیتا‘ اماں نے آکر کھانا لگنے کی اطلاع دیتے ہوئے ہمیں

ڈائنگ روم میں پہنچنے کے لیے کہا اور یوں وقتی طور پر میری جان چھوٹ گئی۔

میں بابا کے ساتھ جب ڈائنگ روم میں داخل ہوا تو وہاں مشی پہلے سے ایک کرسی پر براجمان تھی۔سب نے مل کر کھانا کھایا۔کھانے کے بعد ایک بار پھر ارمان کے متعلق گفتگو شروع ہوگئی۔اماں اور بابا دونوں ارمان کے بارے میں سخت متفکر تھے اور میں کوشش کے باوجود ان کی پریشانی دور نہیں کرپارہا تھا۔مشی جو غور سے میری اور بابا کی گفتگو سن رہی تھی، بابا کو پریشان دیکھ کر بولی۔

"انکل! میں یہاں فائزہ سے ملنے کے لیے آئی تھی، اب جب کہ وہ یہاں موجود نہیں ہے تو شاید میں کل صبح واپس چلی جاؤں مگر اس سے پہلے میں آپ لوگوں کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔"

بابا بولے۔"بیٹی! فائزہ کو ایبٹ آباد بھیجنا ضروری تھا۔یہاں کے حالات تو تم دیکھ ہی رہی ہو۔اس کے ساتھ کچھ بھی ہوسکتا تھا اور رہ گئی ہم لوگوں کی مدد

کرنے کی بات تو ہم پٹھان لوگ اپنے مہمانوں کو اپنی دشمنی میں کبھی بھی ملوث نہیں کرتے۔یہ ہماری روایات کے خلاف ہے۔"

"انکل! میں یہاں مہمان بن کر نہیں آئی۔سچ پوچھیں تو میں شاہ زمان کے ساتھ مدد کرنے کے ارادے سے ہی نکلی تھی۔یہ الگ بات ہے کہ میں نے اسے اپنے اس ارادے سے لاعلم رکھا تھا۔دراصل میں ایسے وقت یہ بات بتانا ہی نہیں چاہتی تھی ورنہ یہ مجھے کبھی بھی اپنے ساتھ نہ لاتے۔" مشی نے جواب دیا۔

اماں نے کہا۔"بیٹی! تم ہمارے لیے فائزہ جیسی ہی ہو، ہم کبھی بھی یہ نہیں چاہیں گے کہ ہماری وجہ سے تم کسی مشکل میں پھنس جاؤ۔"

"آپ پریشان نہ ہوں خالہ!" مشی تسلی آمیز انداز میں بولی۔"مجھے یہ لوگ کسی مشکل میں نہیں پھنسا سکتے۔میرے ابو کی پہنچ اسلام آباد کے ایوانوں تک ہے۔میں ابھی آپ لوگوں کے سامنے ابو سے بات کرتی ہوں۔"

اس کے بعد مشی نے بابا اور اماں کے منع کرنے کے باوجود موبائل فون پر اپنے باپ کا نمبر ملادیا۔رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے فون کا اسپیکر آن کردیا

تاکہ ہم بھی ان کی گفتگو سن سکیں۔چند رسمی باتیں کرنے کے بعد مشی براہِ راست موضوع پر آتے ہوئے بولی۔

”ڈیڈی! مجھے ایک معاملہ میں آپ کی مدد چاہیے۔“

”کیسی مدد گڑیا؟“ دوسری طرف سے راجا صاحب نے قدرے حیرت سے استفسار کیا۔

”میری ایک عزیز سہیلی کے بھائی کو پولیس نے جھوٹے الزام میں گرفتار کرلیا ہے بس اسے رہا کرانا ہے۔“ مشی نے پُر اعتماد انداز میں جواب دیا۔

اس کے بعد راجا صاحب کے استفسار پر مشی نے انہیں پوری تفصیل بتادی۔

”فکر مت کرو گڑیا!“ تفصیل سننے کے بعد راجا صاحب نے کہا۔”کل صبح یہ کام ہوجائے گا... اور سناؤ کب واپس آرہی ہو؟“

”اگر یہ کام ہوگیا تو شاید کل تک واپس آجاؤں گی۔“ اس نے بتایا۔

”ہوجائے گا پاپا کی جان!“ راجا صاحب نے پُر شفقت انداز میں جواب دیا اور مشی نے خدا حافظ کہنے کے بعد رابطہ منقطع کردیا۔

”انکل! آپ بلاوجہ پریشان ہورہے ہیں۔“ مشی نے موبائل فون پرس میں رکھتے ہوئے کہا۔”ان شاء اللہ پاپا سب ٹھیک کردیں گے۔شیر زادہ خٹک جیسے لوگوں کی پاپا کے سامنے کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔“

”بیٹی! میں تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں لیکن شیر زادہ خٹک جیسے لوگ تو محض کٹھ پتلیاں ہوتے ہیں' انہیں نچانے والے ہاتھ تو ہمیشہ پس پردہ رہتے ہیں۔“ بابا نے ایک ٹھنڈا سانس خارج کرتے ہوئے جواب دیا۔

”آپ کو کچھ اندازہ تو ہوگا کہ شیر زادہ خٹک کی پشت پناہی کون کررہا ہے؟“ مشی نے استفسار کیا۔

”ہاں اندازہ تو ہے لیکن کیا خبر یہ محض اندازہ ہی ہو؟“

”کون ہے وہ؟“ مشی نے بے تابی سے سوال کیا۔

بابا نے پُر سوچ انداز میں کہا۔”جہاں تک میرا انداز ہے وہ شخص سردار شیر افضل خان ہی ہو سکتا ہے کیونکہ شیر زادہ خٹک کا تعلق انہی کی سیاسی جماعت سے ہے۔“

"نہیں بابا!" مشی کی بجائے میں نے منفی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔"شیر افضل خان اس قدر گری ہوئی حرکت نہیں کرسکتے۔ان کی جماعت کا کوئی اور شخص ہوسکتا ہے مگر وہ اتنا نیچ کام نہیں کرسکتے۔"

"تم شیر افضل خان کو نہیں جانتے بیٹا! وہ اگر گرا ہوا شخص نہ ہوتا تو اس کی پارٹی میں شیر زادہ خٹک جیسے لوگ کبھی شریک نہ ہوتے۔وہ باپ دادا کے زمانے سے گندی سیاست کرتا چلا آرہا ہے۔میرا اندازہ غلط ثابت نہیں ہوسکتا۔تم دیکھ لینا ایک روز وہ کھل کر سامنے آجائے گا۔" بابا نے پُر زور لہجے میں جواب دیا۔

مشی نے کہا۔"آپ اس کی فکر نہ کریں انکل! پاپا اسے بھی دیکھ لیں گے۔"

ہم اس رات دیر گئے تک باتیں کرتے رہے۔مشی بہت پُر امید تھی مگر میں بدستور فکر مند تھا۔مجھے راجا صاحب کی پہنچ کا اندازہ تھا اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ ان کے تعلقات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔وفاق کے کئی وزیر ان کے جاننے والے تھے اور یہ جان پہچان سطحیٔ نوعیت کی نہیں تھی بلکہ راجا صاحب ہر بار انتخابات میں اپنے ان دوستوں کی بھر پور سپورٹ کیا کرتے تھے اور یہ

سپورٹ ہمیشہ مالی صورت میں ہوا کرتی تھی۔وہ لوگ راجا صاحب کو "ناں" کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔راجا صاحب بآسانی میرے بھائی کو رہا کروا سکتے تھے لیکن میں پھر بھی فکر مند تھا اور میری یہ پریشانی بلاوجہ نہیں تھی،میں جانتا تھاکہ راجا صاحب کو جلد یا بہ دیر یہ بات معلوم ہوجائے گی کہ وہ انجانے میں ایک ناپسندیدہ شخص کی مدد کر رہے ہیں پھر وہ درمیان سے نکل جائیں گے اور ارمان کی رہائی ناممکن ہوجائے گی۔

میرے یہ خدشات حقیقت پر مبنی تھے۔میں ابتداء میں یہ ذکر کرچکا ہوں کہ راجا صاحب مجھے پسند نہیں کرتے تھے۔مشی کو بھی یہ بات معلوم تھی مگر وہ پھر بھی پُر امید تھی۔میں نے اکیلے میں مشی سے جب اس بات کا ذکر کیا تو وہ مطمئن انداز میں بولی۔

"تم ڈیڈی کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے، بھلے وہ تمہیں ناپسند کرتے ہوں لیکن ارمان کی مدد ضرور کریں گے۔"

"مجھے نہیں لگتا کہ وہ میرے بھائی کو رہا کروانے میں دلچسپی لیں گے۔" میں نے مایوسی کے عالم میں جواب دیا۔

"تم ہمیشہ لوگوں کی برائیاں کیوں دیکھتے ہو؟"مشی نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔"ہر انسان میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہوتی ہے۔ڈیڈی میں سو برائیاں ہوں گی لیکن ان میں ایک خوبی بھی ہے' وہ ہمیشہ مظلوموں کا ساتھ دیتے ہیں اور ارمان بھائی بھی مظلوم ہی ہیں۔" مشی کی اور میری بحث ابھی مزید چلتی لیکن اماں آکر مشی کو اپنے کمرے میں لے گئیں اور میں اٹھ کر اپنی خواب گاہ میں پہنچ گیا۔

...☆☆☆...

دوسرے دن میں اور مشی ابھی ناشتے سے فارغ ہوئے تھے کہ مشی کا موبائل فون بجنے لگا۔اس نے کال ریسیو کرتے ہوئے موبائل فون کان سے لگایا۔ دوسری طرف راجا صاحب تھے۔مشی نے دو تین منٹ ان سے بات کی اور پھر رابطہ منقطع ہونے کے بعد مجھ سے بولی۔

"دیکھا تمہارا خدشہ بے بنیاد نکلا۔ڈیڈی نے کام کر دکھایا۔"

"کیا کہہ رہے تھے وہ؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ استفسار کیا۔

"انہوں نے ہمیں تھانے پہنچنے کے لیے کہا ہے۔" وہ بولی۔"چلو گاڑی نکالو' تفصیل بتانے کا وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔"

میں نے گاڑی نکالی تو بابا بھی ہمارے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوگئے۔میں نے منع کیا تو مشی بولی۔

"انکل کا ہمارے ساتھ چلنا ضروری ہے وہاں ان کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

"کس لیے؟" میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"یہ تو میں نہیں جانتی لیکن پاپا نے یہی حکم دیا ہے۔" مشی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے بابا کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔"تھانے پہنچ کر ہی صحیح صورت حال کا پتا چل سکتا ہے۔"

بابا کو ساتھ بٹھانے کے بعد میں نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے آگے بڑھا دی۔تھانے تک پہنچنے میں ہمیں محض پندرہ منٹ ہی لگے تھے۔وہاں شیر زادہ خٹک پہلے ہی سے موجود تھا۔اسے دیکھ کر مجھے غصہ تو بے حد آیا مگر یہ موقع نامناسب تھا۔غصہ کا اظہار کرکے میں بنا بنایا کھیل بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔ویسے بھی مجھے اپنے بھائی کی رہائی سے سروکار تھا' جو ابھی تھوڑی دیر کے بعد انجام

پانے والی تھی۔ایسے حالات میں شیر زادہ خٹک جیسے گھٹیا انسان کے منہ لگنا حماقت ہی تھا اور میں احمق نہیں تھا۔

ہمارے وہاں پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد ہی ہمیں تھانہ انچارج نے طلب کرلیا۔میں بابا اور مشی کے ساتھ تھانہ انچارج کے سامنے پیش ہوگیا۔علیک سلیک کے بعد انچارج نے ہم تینوں کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ارمان کی ایف آئی آر میں نے ابھی تک نہیں کاٹی‘ دراصل میں اس معاملے کو یہیں نمٹانے کے حق میں تھا لیکن کچھ طاقتیں میرے آڑے آرہی تھیں۔اب یہ سارامعاملہ میرے سپرد کردیا گیا ہے تو میں اسے احسن طریقے سے نمٹانے کی کوشش کروں گا مگر اس کے لیے مجھے آپ لوگوں کے تعاون کی ضرورت پڑے گی۔کیا آپ لوگ تعاون کرنے کے لیے تیار ہیں؟“

”کس قسم کا تعاون جناب؟“ میں نے کسی خدشہ کے تحت سوال کیا۔

”دیکھیے ڈاکٹر صاحب!“ انچارج میرے چہرے پر نگاہیں گاڑتے ہوئے بولا۔”آپ کا غائبانہ تعارف تو مجھے کل شام کے وقت ہی حاصل ہوگیا تھا لیکن یقین کریں اس وقت مجھے بالکل فراغت نہیں تھی ورنہ میں نے آپ سے ملاقات

ضرور کی ہوتی۔میں اپنے حوالدار کی طرف سے آپ کو سوری کرتا ہوں‘ دراصل اسے آپ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا ورنہ وہ آپ سے بدتمیزی کرنے کی ہمت کبھی نہ کرتا۔“

وہ سفید جھوٹ بول رہا تھا۔میں نے اس کے حوالدار سے اپنا تعارف کروادیا تھا۔یہ الگ بات ہے کہ تعارف حاصل ہونے کے بعد بھی وہ بدتمیزی کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔میرے پاس اس کے جھوٹ پر اعتبار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

میں نے کہا۔”کوئی بات نہیں جناب! ایسا ہوتا رہتا ہے۔ظاہر ہے حوالدار صاحب نے قانونی تقاضے تو پورے کرنے تھے۔بس اس بات کو اب رہنے دیں‘ آپ کچھ تعاون کے متعلق کہنا چاہتے تھے۔“

”ہاں تعاون تو آپ دونوں فریقین کو کرنا پڑے گا۔“ وہ موضوع پر آتے ہوئے بولا۔”آپ لوگوں کے تعاون کے بغیر یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکتا اور جرگہ بٹھانے کے علاوہ اس مسئلے کا اور کوئی حل نہیں ہے۔میں خٹک صاحب سے

بات کرچکا ہوں وہ جرگہ بٹھانے کے لیے راضی ہیں۔آپ کا کیا خیال ہے جرگہ بٹھانے کے بارے میں...؟"

"یہاں کے جرگہ بہت غلط فیصلے کرتے ہیں۔" میں نے کہا۔"عموماً مردوں کے جرائم کی سزا خواتین کو بھگتنا پڑتی ہے۔ایسا تعاون ہمیں مہنگا پڑ سکتا ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب! مجھے اوپر سے یہی احکامات ملے ہیں کہ اس معاملے کا فیصلہ بذریعہ جرگہ کروایا جائے آپ کو اگر یہ بات نا منظور ہے تو حکم کریں، میں ابھی ایف آئی آر درج کرکے ارمان کو عدالت میں پیش کردیتا ہوں' پھر آپ جانیں اور عدالت۔" تھانہ انچارج نے دو ٹوک الفاظ میں جواب دیا۔

میں نے ایک نظر بابا کی طرف دیکھا تو وہ بولے۔

"شاہ زمان! یہ ارمان کے مستقبل کا سوال ہے اگر پرچہ کٹ گیا تو وہ تباہ ہوجائے گا۔"

"ہمیں مشورہ کرنے کے لیے کچھ وقت چاہیے۔" میں نے تھانہ انچارج سے التماس کی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"ہاں کیوں نہیں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔"آپ لوگ باہر جاکر مشورہ کرسکتے ہیں۔"

ہم تینوں آفس سے باہر نکلے اور تھانے کے لان میں پہنچ گئے۔وہاں ہماری گفتگو سننے والا کوئی نہیں تھا۔ہم بآسانی صورتِ حال پر غور کرسکتے تھے۔چنانچہ میں بابا سے مخاطب ہوکر بولا۔

"آپ کی بات بالکل بجا ہے کہ یہ ارمان کے مستقبل کا سوال ہے لیکن بابا آپ تصویر کا ایک رُخ دیکھ رہے ہیں جب کہ میری نظر میں تصویر کے دونوں رخ ہیں۔ہم نے اگر جرگہ بٹھایا تو مجھے سو فیصد یقین ہے کہ لوگ تاوان میں ہم سے فائزہ کا ہاتھ طلب کریں گے۔"

"میں سمجھتا ہوں بیٹا!" بابا بولے۔"لیکن کیا کریں' مجبوری ہے۔ارمان بے قصور مارا جائے گا۔"

"آپ کیسے باپ ہیں بابا؟" میں نے شکایتی انداز میں کہا۔"بیٹے کو بچانے کے لیے اپنی معصوم بیٹی کو قربان کردیں گے۔یہ تو سراسر ظلم ہے' نا انصافی ہے۔میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

"احمقانہ باتیں مت کرو۔" بابا نے غصہ سے کہا۔"فائزہ پہلے میری بیٹی ہے بعد میں تیری بہن ہے۔ تجھ سے زیادہ اس پر میرا حق ہے۔"

"بیٹی ہوتی تو آپ اسے یوں قربانی کا بکرا نہ بناتے۔" میں نے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔۔

"پلیز شاہ زمان!" مشی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔"انکل ٹھیک کہتے ہیں ہمیں فی الحال ارمان کے متعلق سوچنا چاہیے۔ جرگہ بعد کا مسئلہ ہے۔ان کا فیصلہ اگر ہمارے خلاف ہو اتو ہم نہیں مانیں گے۔"

"مشی بی بی! ہم پٹھانوں کے جرگے اہل پنجاب کی پنچایتوں سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ جرگے کے مشیران (بڑے ممبر) جو فیصلہ کردیتے ہیں وہ پتھر پر لکیر ہوتا ہے۔اس فیصلے سے کوئی بھی فریق انکار کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔" میں نے اس کی خوش فہمی دور کرتے ہوئے جواب دیا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ جرگہ نہیں بیٹھنے دوں گی۔"

"یہ تمہارے پاپا کے بس کی بات نہیں ہے۔" میں نے کہا۔"اگر ہم نے ایک بار بھی جرگہ بٹھانے کے لیے ہاں کہہ دی تو پھر ہر صورت میں جرگہ بیٹھے گا۔

تھانہ انچارج ہم سے جرگہ بٹھانے کا تحریری بیان لے گا۔وہ ایسے ہی ارمان کو نہیں چھوڑے گا۔"

"دشمنی کرنے سے جرگہ بٹھانا ہمارے حق میں بہتر ہوگا۔" بابا نے کہا۔"اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ تاوان میں ہم سے فائزہ کا ہاتھ ہی مانگا جائے گا۔پہلے انہیں ارمان کو مجرم ثابت کرنا پڑے گا اس کے بعد ہی تاوان کی بات ہوگی۔"

بابا ایک حد تک درست کہہ رہے تھے لیکن میرا دل نہیں مان رہا تھا۔کوئی نادیدہ قوت مجھے یہ قدم اٹھانے سے روک رہی تھی۔میں جرگہ بٹھانے کے حق میں بالکل نہیں تھا مگر بابا اور مشی برابر اصرار کر رہے تھے۔کافی دیر کی کوشش کے بعد آخر کار مجھے ان کے سامنے سر جھکانا ہی پڑ گیا۔میں نے جب رضامندی کا اظہار کیا تو مشی پُر جوش انداز میں بولی۔

"تم بلاوجہ جرگہ بٹھانے سے ڈر رہے ہو۔آج کل حکومت ایسی چیز کا سختی سے نوٹس لے رہی ہے کہ جرگے اور پنچایت میں ایسے فیصلوں سے احتراز کیا

جائے۔پنجاب میں حکومت نے ایسے کئی سرپنچ پکڑے ہیں جنہوں نے تاوان میں کسی ایک فریق کو "ونی" دلانے کی کوشش کی تھی۔"

"حکومت صرف بیان دیتی ہے مشی بی بی! عملی طور پر کچھ نہیں کرتی۔بڑھکیں مارتی ہے کہ مجرموں سے آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے گا لیکن آج تک کسی مجرم نے حکومت کے آہنی ہاتھ نہیں دیکھے۔" میں نے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے جواب دیا۔

اس کے بعد تھانہ انچارج نے بابا سے تحریری بیان لیا کہ وہ اسی معاملے میں ناصرف جرگہ بٹھائے گا بلکہ جرگے کا فیصلہ بھی بلاعذرو جواز تسلیم کرنے کا پابند ہوگا۔تحریری بیان پر باقاعدہ بابا کے دستخط بھی لیے گئے تھے۔

اس کارروائی کے بعد ارمان کو رہا کردیا گیا۔ان چند دنوں میں اس کی حالت خراب ہوگئی تھی۔مجھے اس کی حالت دیکھ کر بہت افسوس ہوا مگر میں کچھ بھی کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔مجھ سے اور بابا سے گلے ملتے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔یہ آنسو اس کی بے گناہی کا ناقابلِ تردید ثبوت تھے۔ میں زندگی میں پہلی بار اپنی شیر دل بھائی کو یوں روتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

اس پر لگا الزام اس کے آنسوؤں نے دھو ڈالا تھا مگر قانون کی نگاہوں میں وہ بدستور مجرم تھا۔آنسوؤں کی زبان کوئی اپنا ہی سمجھ سکتا ہے اندھا قانون اس صلاحیت سے عاری ہوتا ہے۔

"ارمان! میرے بھائی! میں جانتا ہوں کہ تم بے گناہ ہو۔تم پر یہ گھناؤنا الزام لگایا گیا ہے۔" میں اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔"تمہیں آنسو بہانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ان شاء اللہ میں سب ٹھیک کردوں گا۔"

"بھائی جان!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔"انہوں نے مجھ پر جھوٹا الزام لگا کر میرا مستقبل تباہ کردیا ہے۔اب میں کیسے تعلیم حاصل کروں گا؟ میرے کالج کے دوست نجانے مجھ سے کیسے سوال پوچھیں گے، میں کیسے ان کا سامنا کروں گا؟"

"خدا دیکھ رہا ہے بیٹے۔" بابا نے کہا۔وہ خدا ضرور انصاف کرے گا۔بس تم ہمت مت ہارنا۔بس اب چلو تمہاری ماں راستہ دیکھ رہی ہوگی۔"

...☆☆☆...

ہم جب گھر پہنچے تو اماں کی خوشی دیدنی تھی۔وہ کافی دیر تک ارمان کی بلائیں لیتی رہیں۔ساتھ ساتھ وہ شیر زادہ خٹک کو بد دعائیں دے رہی تھیں۔ارمان نے ایک بار پھر رونا شروع کردیا تھا۔وہ ایسی صورت حال سے پہلی بار گزرا تھا۔ اس لیے اس کا یہ رد عمل فطری تھا۔میں نے اور بابا نے اماں کو جرگہ کے متعلق فی الحال کچھ نہ بتانے کا فیصلہ کیا تھا اور اپنے اسی فیصلے سے ہم نے مشی کو بھی آگاہ کردیا تھا۔ارمان پہلے ہی لا علم تھا۔

ارمان اور اماں کو چھوڑ کر میں' بابا اور مشی دوسرے کمرے میں جا کر بیٹھ گئے۔مشی کو آج واپس بھی جانا تھا جب کہ میرا ارادہ مزید چند دن ٹھہرنے کا تھا۔میرا ذہن مسلسل جرگہ کے متعلق سوچ رہا تھا۔بابا بھی بظاہر پریشان تھے مگر پریشانی کا اظہار نہیں کر رہے تھے۔مشی قدرے مطمئن نظر آرہی تھی۔لیکن مجھے پریشان دیکھ کر وہ زیادہ دیر تک مطمئن نہ رہ سکی۔ہمارا موضوع گفتگو بدستور جرگہ تھا اور میں بے دلی کے ساتھ گفتگو میں حصہ لے رہا تھا۔

مشی جو میرے تاثرات نوٹ کر رہی تھی۔ہمدردانہ انداز میں بولی۔

”شاہ زمان! تم اتنے فکر مند کیوں ہو؟ میں نے کہا ہے نا کہ میں پاپا سے اس سلسلے میں بات کروں گی۔مجھے یقین ہے کہ پاپا جرگہ کی نوبت نہیں آنے دیں گے۔وزارت داخلہ تک ان کے تعلقات ہیں۔“

”میں جانتا ہوں مشی کہ راجا صاحب کے بڑے بڑے سیاسی لیڈروں سے تعلقات ہیں لیکن پھر بھی وہ اس جرگہ کو بیٹھنے سے نہیں روک پائیں گے۔“ میں نے مایوسی کے عالم میں جواب دیا۔

”ٹھیک ہے میں ابھی پاپا سے بات کرتی ہوں۔“ وہ موبائل فون نکالتے ہوئے بولی۔”تمہارا شک دور ہوجائے گا۔“

”نہیں۔“ میں نے نفی میں سر ہلایا۔”یہ بات فون پر کرنے والی نہیں ہے۔“

”کیوں؟“ اس نے الجھ کر پوچھا۔

”تم راجا صاحب کو فون پر نہیں سمجھا سکوں گی۔یہ معاملہ روبرو بات کر کے طے کیا جاسکتا ہے۔“ میں نے اسے سمجھاتے ہوئے جواب دیا۔

”تو پھر چلو میرے ساتھ' آج ہی پاپا سے بات کرتے ہیں۔“

"آج نہیں کیونکہ معاملہ ابھی تازہ ہے' اس لیے میرا گھر میں موجود رہنا ضروری ہے۔"

"لیکن میں تو پاپا سے وعدہ کر چکی ہوں کہ آج واپس آجاؤں گی۔" اس نے قدرے متفکر انداز میں کہا۔"پاپا میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"تمہیں کیا اکیلے جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔" میں نے استفسار کیا۔

"نہیں ڈر تو نہیں لگتا لیکن پہاڑی راستہ ہے یہ نہ ہو کہ کوئی حادثہ پیش آجائے۔" اس نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"تو ایسا کرو آج کا دن ٹھہر جاؤ' کل اکٹھے چلے جائیں گے۔" میں نے مسئلے کا حل بتایا۔

"ہاں بیٹی شاہ زمان ٹھیک کہتا ہے۔" بابا نے میری تائید کی۔"ہمیں کم از کم میزبانی کا موقع تو دو۔کل تو ہم لوگ بے حد پریشان تھے اور ٹھیک طرح سے تمہاری خدمت ہی نہیں کرپائے۔"

مشی نے مسکراتے ہوئے کہا۔"اب ایسی کوئی بات نہیں انکل! آپ لوگوں نے توقع سے بڑھ کر میری خاطر تواضع کی ہے۔ما سوائے اس کے کہ میری فائزہ سے ملاقات نہیں ہوسکی۔"

"فائزہ کو تو آج بلایا جا سکتا ہے۔" اتنا کہہ کر بابا مجھ سے بولے۔"بیٹے! خالہ کے ہاں ابھی فون کرو کہ فائزہ کو گھر پہنچا دیں۔"

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے موبائل فون پر خالہ کے گھر کا نمبر ملادیا۔دوسری طرف سے فون خالہ ہی نے اٹھایا تھا۔

"السّلام علیکم خالہ! رابطہ قائم ہوتے ہی میں نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔"میں شاہ زمان بات کر رہا ہوں۔کیسی ہیں آپ؟"

"ارے شاہ زمان پتر! یہ تم ہو؟" خالہ نے پر مسرت انداز میں کہا۔"میں بالکل ٹھیک ہوں پتر' تم کیسے ہو اور ارمان کا کیا بنا؟"

"خالہ! ارمان کو ہم نے چھڑا لیا ہے۔اس کی آپ بالکل فکر نہ کریں۔میں نے دراصل فائزہ کے لیے فون کیا ہے۔آپ اسے واپس بھجوادیں۔"

"پتر اسے چند دن تو یہاں رہنے دیتے۔" خالہ نے گزارش کی۔"ابھی کل ہی تو یہاں پہنچی ہے اور آج آپ لوگ واپس بلا رہے ہیں۔کیا وہ میری کچھ نہیں لگتی؟"

"وہ آپ کی سب کچھ لگتی ہے خالہ۔" میں نے کہا۔"مگر یہاں اس کی ایک سہیلی اس سے ملنے کے لیے آئی ہے۔اس بے چاری کے پاس ٹائم نہیں ہے۔کل اس نے واپس چلے جانا ہے اس لیے آج اس کا فائزہ سے ملنا ضروری ہے۔"

"کون ہے وہ اور کہاں کی رہنے والی ہے؟" خالہ نے پر تجسس انداز میں پوچھا۔

"راولپنڈی کی رہنے والی ہے خالہ! اس کا نام ڈاکٹر مہوش راجا ہے۔فائزہ اسے اچھی طرح جانتی ہے۔"

"ٹھیک ہے پتر میں ابھی اسے سعید کے ساتھ روانہ کرتی ہوں۔" خالہ نے جواب دیا اور میں نے خدا حافظ کہتے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا۔

فائزہ کے پہنچنے کے بعد وہ دن ہم نے خوب انجوائے کیا تھا۔اس دن اماں نے مختلف قسم کے پکوان تیار کیے تھے۔میں نے فائزہ اور مشی کے ساتھ مل

کر گاؤں کی خوب سیر کی تھی۔مشی کے لیے یہ ایک نیا تجربہ تھا۔وہ راولپنڈی جیسے گنجان آباد شہر کی رہنے والی تھی۔ہمارے خوب صورت اور دل کش گاؤں کے نظارے دیکھ کر وہ بالکل دیوانی ہو گئی تھی۔فائزہ اور وہ یوں گھل مل گئی تھیں جیسے برسوں کی سہیلیاں ہوں۔سیر کے دوران انہوں نے مجھے بالکل نظر انداز کر دیا تھا اور آپس میں کھسر پھسر بھی کرتی جا رہی تھیں۔

مشی کی معیت میں وقتی طور میں نے پریشان کن خیالات کو جھٹک دیا تھا اور سب کچھ حالات پر چھوڑ دیا تھا۔مشی بھی میری بدلی کیفیت دیکھ کر خوش تھی تاہم اس روز فائزہ کی خوشی دیدنی تھی۔وہ بات بات پر قہقہے لگا رہی تھی اور اس کی یہ غیر متوقع خوشی میرے لیے حیران کن تھی۔ایک دو بار میں نے اس سے پوچھنے کی کوشش بھی کی لیکن اس نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ مجھے ٹال دیا تھا۔

اسی روز شام کے وقت جب مشی اور اماں کچن میں مصروف تھیں، فائزہ چپکے سے میرے کمرے میں داخل ہوئی اور سنجیدہ انداز میں بولی۔

"بھائی جان! میری ایک درخواست ہے کیا آپ مانیں گے؟"

"کیوں نہیں مانوں گا گڑیا! تم بتاؤ تو سہی۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ڈاکٹر مہوش آپ کو کیسی لگتی ہے؟" اس نے ایک غیر متوقع سوال کردیا۔

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے الجھ کر کہا۔"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"میں نے کوئی بجھارت نہیں ڈالی بھائی جان ایک سیدھا سادہ سوال کیا ہے کہ ڈاکٹر مہوش آپ کو کیسی لگتی ہے؟" اس نے مسکراہٹ آمیز انداز میں جواب دیا۔

"بھئی اچھی لگتی ہے، بہت ذہین ڈاکٹر ہے اور میری کولیگ بھی ہے۔"

"بس صرف کولیگ ہے؟" اس نے ذو معنی انداز میں پوچھا۔

"کیا مطلب؟" میں نے آنکھیں نکالیں۔"تم یہ بے معنی سوالات کیوں کر رہی ہو؟"

"یہ بے معنی سوالات نہیں۔" وہ تنک کر بولی۔"میں اسے اپنی بھابی بنانے کا فیصلہ کرچکی ہوں۔آپ سے صرف مشورہ کرنے کے لیے آئی ہوں۔"

"بھئی جب تم نے فیصلہ کرلیا ہے تو میں کیسے انکار کرسکتا ہوں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔"اس گھر میں مہارانی صاحبہ کی حکم عدولی کون کرسکتا ہے۔"

"آپ اپنی پسند، نا پسند کا اظہار کرسکتے ہیں۔" اس نے ایک شانِ بے نیازی سے جواب دیا۔

"مہارانی صاحبہ! کیا مجھے سوچنے کی مہلت مل سکتی ہے؟"میں نے کسی فریادی کی طرح التجا کی لیکن لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"ہاں مگر صرف چند منٹ کے لیے... یہ ہمارا حکم ہے اور آپ جانتے ہیں کہ ما بدولت حکم عدولی کرنے والے کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔" اس نے شرارتی انداز میں جواب دیا۔

"ٹھیک ہے مہارانی صاحبہ! تو آپ چند منٹ بعد تشریف لانا۔تب تک یہ غلام کسی حتمی فیصلے پر پہنچ جائے گا۔"

"نہیں ما بدولت یہیں تشریف رکھیں گے۔" اتنا کہہ کر وہ ایک کرسی پر براجمان ہوگئی۔

وہ میری لاڈلی بہن تھی اور مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھی۔میں اس کے لیے کچھ بھی کرسکتا تھا۔حتیٰ کہ اپنی جان بھی قربان کرسکتا تھا۔آج تک میں نے اس کی ہر ضد پوری کی تھی۔میری سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ میں اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔وہ بھی میری اس کمزوری سے آگاہ تھی۔اس وقت اگر میں انکار کردیتا تو یقیناً وہ آنسو بہانا شروع کردیتی۔جو مجھے کسی صورت منظور نہیں تھا۔لہٰذا اسے ٹالنے کے لیے کسی ایسی تدبیر کی ضرورت تھی جو وہ ہنسی خوشی قبول کرلیتی اور مجھے اس کی آنکھوں میں آنسو نہ دیکھنا پڑتے۔“

جونہی چند منٹ گزرے اور تحکمانہ لہجے میں بولی۔”مہلت کا ٹائم پورا ہوگیا ہے۔اب اپنا فیصلہ سنائیے۔ما بدولت نے اور بھی کام سر انجام دینے ہیں۔“

”مہارانی صاحبہ! آپ ان چند منٹوں کے دوران چونکہ یہاں موجود رہی ہیں۔اس لیے غلام کوشش کے باوجود کسی فیصلے پر پہنچنے میں ناکام رہا ہے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”بھائی! میں رو دوں گی۔“ اس نے ایک دم بگڑ کر دھمکی دی۔”آپ مجھے ٹالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔میں سب سمجھتی ہوں۔“

”رونا مت پلیز!“ میں نے بوکھلا کر کہا۔”میں ڈاکٹر مہوش کو تمہاری بھابی بنانے کے لیے تیار ہوں لیکن ابھی نہیں۔کیوں کہ ابھی ارمان بھائی کا معاملہ پوری طرح ختم نہیں ہوا لہٰذا اس موضوع پر پھر کبھی بات کریں گے۔“

”شکریہ بھائی!“ وہ پر مسرت انداز میں بولی۔”بس میں آپ کی ہاں سننا چاہتی تھی۔“

”اوکے‘ تو پھر میرے لیے ایک اچھی سی چائے بنا کر لے آؤ۔“

”ابھی لائی بھیا!“ اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔جب کہ میں اپنے اور مشی کے بارے میں سوچنے لگا۔

”ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے لیکن ہمارے درمیان طبقاتی فرق تھا۔میں ایک متوسط فیملی کا پٹھان تھا۔جب کہ مشی کا تعلق ایک کروڑ پتی فیملی سے تھا۔میں جیسے تیسے کر کے اپنی فیملی کو اس شادی کے لیے رضا مند کرسکتا تھا لیکن مشی کے لیے ایسا کرنا ناممکن تھا۔راجا صاحب کبھی اس رشتے کے لیے

تیار نہیں ہوسکتے تھے۔بے شک مشی ان کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی تھی اور وہ عموماً اس کی ہر بات مانتے بھی تھے۔لیکن مشی کی شادی جیسا اہم فیصلہ وہ اس کی مرضی سے طے کرنے والے نہیں تھے۔البتہ اگر مشی اپنے ہم پلہ خاندان میں سے کوئی لڑکا پسند کرلیتی تو پھر راجا صاحب ضرور مان جاتے۔

میں انہیں سوچوں میں مستغرق تھا کہ فائزہ اور مشی ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئیں۔فائزہ کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی۔جس میں چائے کے تین کپ رکھے ہوئے تھے۔

”لو جی گرما گرم چائے حاضر ہے۔“ وہ ٹرے کو درمیانی میز پر رکھتے ہوئے بولی۔”ڈاکٹر مہوش راجا نے خود اپنے پیارے پیارے ہاتھ سے بنائی ہے۔“

فائزہ کی بات سن کر مشی کا چہرہ سرخ ہو گیا تاہم وہ بولی کچھ نہیں۔فائزہ نے ایک ایک کپ اٹھا کر مجھے اور مشی کو پیش کیا اور پھر اپنا کپ اٹھا کر مشی کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

”پاپا سے بات ہوئی؟“ میں نے چائے کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے مشی سے پوچھا۔

”ہاں ابھی تھوڑی دیر قبل بات ہوئی ہے۔“ اس نے کہا۔”انہوں نے بہ مشکل آج رات ٹھہرنے کی اجازت دی ہے۔میں کل صبح ہی یہاں سے نکل جاؤں گی۔“

”فکر نہ کرو‘ میں بھی چلوں گا۔“

”تمہیں اگر یہاں کوئی کام ہے تو تم ٹھہر سکتے ہو۔“ وہ میرے چہرے پر نگاہیں گاڑتے ہوئے بولی۔”میں اکیلی چلی جاؤں گی۔“

نہیں!“ میں نے نفی میں سر ہلایا۔”فی الحال مجھے یہاں کوئی کام نہیں ہے اس لیے اکٹھے چلیں گے۔“

”اوکے۔“ اس نے رضا مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔”جیسے تمہاری مرضی۔“

...☆☆☆...

دوسرے دن ناشتا کرنے کے فوراً بعد میں اور مشی راولپنڈی کے لیے روانہ ہوگئے۔دوران سفر ہمارا موضوع گفتگو جرگہ اور فائزہ کی ذات ہی رہی تھی۔مشی ہنوز پر امید تھی کہ اس کے پاپا یہ جرگہ رکوانے میں کامیاب ہوجائیں گے

لیکن میں اس خوش فہمی میں مبتلا ہونے کے لیے بالکل تیار نہیں تھا۔میں اپنی روایات سے آگاہ تھا اور جانتا تھا کہ صدیوں سے رائج ان ظالمانہ روایات کا خاتمہ کوئی انقلاب ہی کرسکتا ہے۔کسی فرد واحد کی جدو جہد ان کا خاتمہ نہیں کرسکتی تھی۔

دن کے بارہ بجے ہم راولپنڈی پہنچ گئے۔مشی نے مجھے میرے فلیٹ پر چھوڑا اور پھر رخصت ہوگئی۔

جانے سے پہلے اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بہت جلد اپنے پاپا سے بات کرے گی اور پھر مجھے خود آکر بتائے گی کہ اس کے پاپا نے کیا کہا ہے۔

مشی کے جانے کے بعد میں نے غسل کیا اور لباس تبدیل کرنے کے بعد نزدیکی ریستوران کا رخ کیا۔گوکہ فریج میں کھانا موجود تھا۔لیکن اس پر دو دن گزر چکے تھے۔ایک ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے میں کھانے پینے میں بد احتیاطی کرنے کا قائل نہیں تھا۔ریستوران میں بھی اچھا کھانا نہیں ملتا لیکن تازہ بنا ہوا ضرور ہوتا ہے۔اس لیے تازہ کھانے کی جستجو میں' میں ریستوران پہنچ گیا۔کھانا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کھانے میں تقریباً نصف گھنٹہ صرف ہوگیا۔بل چکا کر میں ریستوران سے باہر نکلا اور قریبی مارکیٹ پہنچ گیا۔تھوڑی بہت کھانے پینے کی اشیاء خریدنے کے بعد میں دوبارہ اپنے فلیٹ پر آگیا۔آرام کرنے کے لیے میرے پاس دو گھنٹے تھے۔چنانچہ تمام تفکرات کو جھٹکتے ہوئے میں سو گیا۔تھکا ہوا ہونے کی وجہ سے میں جلد ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

اس روز نجانے میں کتنی دیر سویا رہتا کہ موبائل فون کی ٹون سن کر میری آنکھیں کھل گئی۔میں نے سائیڈ ٹیبل سے موبائل فون اٹھا کر دیکھا تو اس کی اسکرین پر مشی کا نمبر جھلملا رہا تھا۔میں نے اوکے کا بٹن پریس کرتے ہوئے فون کان سے لگادیا اور پھر خمار آلود لہجے میں کہا۔

”بولو مشی! کیا بات ہے؟“

”کیا سو رہے تھے؟“اس نے استفسار کیا۔

”ہاں ٹائم تھا تو میں نے سوچا کہ تھوڑی نیند لے لوں۔تم فون نہ کرتیں تو شاید میں شام تک سویا ہی رہتا اور کلینک کا آج پھر ناغہ ہوجاتا۔“

وہ بولی۔”ناغہ تو اب بھی کرنا پڑے گا۔“

"کیوں بھئی۔آج ناغہ کس لیے کرنا پڑے گا۔" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"تمہیں پاپا نے بلایا ہے۔"

"کس لیے... کیوں...!" میں ایک دم بوکھلا گیا۔دراصل راجا صاحب کے سامنے میں احساس کمتری کا شکار ہوجاتا تھا۔اس لیے مشی کی بات نے وقتی طور پر مجھے پریشان کردیا تھا۔

"میں نے ان سے جرگہ کے سلسلے میں بات کی تھی تو انہوں نے کہا کہ ارمان کے بھائی سے کہو کہ مجھے ابھی آکر ملے۔" مشی نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم نے ان سے کچھ بھی نہیں چھپایا۔سب بتا دیا ہے۔"

"بتانا ضروری تھا شاہو!" وہ بولی۔"انہیں اس بات سے بے خبر نہیں رکھا جا سکتا تھا۔"

"میرا نام سن کر انہوں نے ناگواری کا اظہار تو نہیں کیا تھا؟" میں نے خدشے کا اظہار کیا۔

"نہیں، میرے سامنے تو وہ بالکل نارمل رہے تھے۔" اس نے کہا۔"اور دل کا حال خدا جانتا ہے۔"

"مشی! میری چھٹی حس کسی انہونی کی نشاندہی کر رہی ہے۔" میں نے پریشانی کے عالم میں کہا۔"مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں کسی مصیبت میں گھرنے والا ہوں۔"

"یہ سب تمہارا وہم ہے شاہو!" وہ ناصحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے بولی۔

"تمہاری سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ تم جب بھی سوچتے ہو تو منفی انداز میں سوچتے ہو۔ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا بس تم فوراً آجاؤ۔پاپا کو بہت کم فراغت ملتی ہے۔اس لیے یہ موقع ضائع مت کرو۔"

"اوکے' میں آرہا ہوں۔" میں نے جواب دیا تو مشی نے خدا حافظ کہہ کر رابطہ منقطع کردیا۔

سواری کے لیے میرے پاس صرف موٹر بائیک ہی تھی۔کار خریدنے کا اردہ تھا لیکن فی الحال حالات اجازت نہیں دیتے تھے۔چنانچہ میں نے تیار ہو کر موٹر بائیک نکالی اور مشی کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔وہ شہر کے جس علاقہ میں رہتے تھے وہاں صرف امیر کبیر کاروباری اور چند مصروف سیاسی رہنماؤں کے

عالیشان بنگلے تھے۔میرے جیسے لوگ وہاں رہنے کے صرف خواب ہی دیکھ سکتے تھے۔ان

کی محل نما کوٹھی تک پہنچتے پہنچتے مجھے آدھے گھنٹے سے زیادہ ٹائم لگ گیا۔

کوٹھی کے صدر دروازے پر تعینات باوردی چوکیدار مجھے پہلے سے جانتا تھا کیونکہ میں مشی کے ساتھ کئی بار وہاں جا چکا تھا۔چنانچہ مجھے دیکھتے ہی اس نے خندہ پیشانی کے ساتھ نا صرف سلام کیا بلکہ بلا تردد دروازہ بھی کھول دیا۔میں چوکیدار سے سلام دعا کرتا آگے بڑھ گیا۔

راجا صاحب اپنی نشست گاہ میں موجود میرے منتظر تھے۔رسمی کلمات کی ادائیگی کے بعد وہ فوراً موضوع پر آگئے۔

”دیکھیے مسٹر شاہ زمان!“ وہ نخوت بھرے انداز میں بولے۔”مجھے جھوٹ سے سخت نفرت ہے۔نہ میں کبھی جھوٹ بولتا ہوں اور نہ ہی دوسروں کے منہ سے سننا پسند کرتا ہوں۔میں تمہیں صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ مجھے تمہارا مہوش سے ملنا بالکل پسند نہیں ہے۔وہ میری اکلوتی بیٹی ہے اور میں اسے اپنی جان سے زیادہ چاہتا ہوں۔تم اگر آج اس کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل جانے کا

وعدہ کرلو تو میں اس جرگہ والے معاملے میں تمہاری بھرپور مدد کرسکتا ہوں۔“

”سر! آپ کو شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔“ میں نے کہا۔”میں نے مہوش کے بارے میں کبھی اس طرح نہیں سوچا جس طرح آپ سوچ رہے ہیں۔“

”نہیں برخوردار! مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی ہے۔میں تمہارے منصوبہ سے مکمل طور پر آگاہ ہوں۔تم میری بھولی بھالی بیٹی کو ورغلا رہے ہو۔بہتر ہوگا کہ تم اس کا پیچھا چھوڑ دو۔اس کے بدلے میں تمہاری زندگی سنوار دوں گا۔“

”آپ بس یہ جرگہ رکوا دیں۔میں وعدہ کرتا ہوں کہ مشی کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل جاؤں گا۔“ میں نے ان کی بات کا برا مانے بغیر جواب دیا۔

”میں جرگہ رکوانے کی کوشش کروں گا۔“ وہ بولے۔”شاید تم نہیں جانتے کہ یہ معاملہ سردار شیر افضل خان کے ہاتھ میں ہے۔“

”میں جانتا ہوں کہ وہی شیر زادہ خٹک کو سپورٹ کر رہا ہے۔ورنہ یہ خٹک تو اپنے سائے سے بھی ڈرنے والا شخص ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”تم نے صرف اس کا نام سنا ہے۔“ راجا صاحب نے کہا۔”اسے دیکھا...!“

ایسے ہی وقت نشست گاہ میں ایک عجیب و غریب حلیہ کا نوجوان لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا ہوا داخل ہوا اور راجا صاحب کی بات ادھوری رہ گئی۔وہ پریشان نگاہوں سے نوجوان کی طرف دیکھ رہے تھے۔نوجوان کی حالت دیکھ کر با آسانی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ نشے میں ہے۔شکل و صورت سے وہ کوئی بگڑا ہوا رئیس زادہ لگتا تھا۔اس نے جینز کے اوپر سرخ رنگ کی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی اور بالوں کی پونی باندھ رکھی تھی۔جسمانی طور پر کافی مضبوط دکھائی دیتا تھا۔قد کاٹھ بھی خوب تھا لیکن شکل سے ہونق لگتا تھا۔مختصر طور پر آپ یوں سمجھ لیں کہ وہ مغربی تہذیب کے دلدادہ گدھوں میں سے ایک گدھا تھا۔

”وقار! تم یہاں کیوں آئے ہو؟“ راجا صاحب نے قدرے سخت لہجے میں نوجوان سے استفسار کیا۔

”نو انکل نو۔“ نوجوان نے انتہائی بد تمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔”میں صرف وکی ہوں، وکی۔ سمجھ گئے آپ؟“

لمحہ بھر کے لیے راجا صاحب کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نمودار ہوئے مگر پھر وہ سنبھل کر بولے۔

”ڈاکٹر شاہ زمان! یہ میرا بھتیجا ہے، کل ہی امریکا سے واپس لوٹا ہے۔بس ذرا مزاج کا سخت ہے لیکن دل کا برا نہیں ہے۔“

”السلام علیکم وکی صاحب!“ میں نے مصافحہ کرنے کے لیے ہاتھ بڑھادیا۔

”کیا حماقت ہے میں تم کالا لوگ سے ہاتھ ملاؤں گا۔“ اس نے منہ ٹیڑھا کرتے ہوئے انگریزی اسٹائل میں اردو بولتے ہوئے کہا۔”تم کالا لوگ کی اوقات ہم جانتا ہے۔“

اس کا جواب سن کر میں شرم سے پانی پانی ہو گیا۔کھسیا کر میں نے ہاتھ واپس کھینچ لیا۔راجا صاحب اب اسے کڑے تیوروں سے گھور رہے تھے۔لیکن اس دوران وہ ایک سوفے پر بیٹھ چکا تھا۔

”ڈاکٹر صاحب کو سوری بولو۔“ راجا صاحب نے قدرے توقف سے اسے حکم دیا۔

”کیا...! وہ چلایا۔”میں اس کو سوری کروں گا۔اس دو ٹکے کے آدمی کو...؟ اوہ نو انکل، یہ میرا انسلٹ ہے۔“

”انسلٹ کے بچے! جو میں نے کہا ہے وہ کرو۔“ راجا صاحب کو بھی غصہ آ گیا۔

”سوری بولو۔“

”نہیں بولے گا' کبھی نہیں بولے گا۔“ اس نے بپھر کر جواب دیا۔

”میں کہتا ہوں بولو ورنہ...!“

”ورنہ تم کیا کرلے گا؟“ وہ بد تمیزی سے راجا صاحب کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔”مارے گا تو...!“

معاً راجا صاحب کا ہاتھ گھوما۔”چٹاخ“ کی آواز گونجی اور وکی صاحب کی بات ادھوری رہ گئی۔

”بھائی صاحب نے شاید تمہیں بڑوں سے بات کرنا بالکل نہیں سکھایا۔“ راجا صاحب نے غصے کے عالم میں کہا۔”تم یہاں رکنے کے قابل نہیں ہو۔“

تھپڑ کھاتے ہی وکی کا نشہ ہرن ہو گیا۔وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔راجا صاحب اب میری طرف ندامت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔میں نے صورت

حال کے پیش نظر کہا۔”راجا صاحب! اس ساری بد مزگی کا ذمہ دار میں ہوں۔ میرے خیال میں سوری مجھے کہنا چاہیے۔آپ نے خوامخواہ میری خاطر اپنے بھتیجے کو ناراض کردیا ہے۔“

”نہیں' مجھے اس بات کا کوئی ملال نہیں ہے۔“ انہوں نے کہا۔”میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو شاید یہی کرتا۔“

میں بولا۔”راجا صاحب! اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میں ایک بات کہوں؟“

”ہوں... کہوں...!“ انہوں نے مختصر سا جواب دیا۔

”آپ اگر اپنے اس بھتیجے کو مہوش کا جیون ساتھی بنانے کے متعلق سوچ رہے ہیں تو یہ مہوش کے ساتھ زیادتی ہو گی۔“

”بر خوردار! یہ ہمارا گھریلو معاملہ ہے۔“ انہوں نے قدرے ناگواری سے کہا۔”مہوش میری بیٹی ہے اور اس کا اچھا برا میں خوب سمجھتا ہوں۔تمہیں میں نے جس مقصد کے لیے بلایا ہے اس پر بات کریں تو بہتر ہو گا۔“

"سوری راجا صاحب!" میں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔"میں نے صرف مشورہ دیا ہے۔باقی آپ مہوش کے باپ ہیں۔ظاہر ہے اس کے لیے جو سوچیں گے بہتر ہی سوچیں گے۔"

"اوکے۔" وہ بولے۔"تو میں کہہ رہا تھا کہ تم سردار شیر افضل کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔وہ انتہائی منتقم مزاج اور فسادی سیاست دان ہے۔میں اس سے بات کر کے اس جرگہ کو رکوانے کی بھرپور کوشش کروں گا۔اگر کسی وجہ سے میں یہ جرگہ نہ رکوا سکا تو وعدہ کرتا ہوں کہ اس جرگے کی بھینٹ کسی عورت کو نہیں چڑھایا جائے گا۔فریقین کو تاوان رقم کی صورت میں ادا کرنے کا اختیار ہوگا۔"

"مجھے منظور ہے راجا صاحب!" میں نے رضا مندی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔
"میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہر دو صورتوں میں مہوش کی زندگی سے نکل جاؤں گا۔"

"گڈ۔" انہوں نے ستائشی انداز میں کہا۔"تم ایک اچھے انسان ہو۔میں تمہارا احسان مند ہوں۔"

"اس میں احسان والی کون سی بات ہے جناب! ہم دونوں کے بیچ ایک سودا طے ہوا ہے۔دیکھتے ہیں کسے خسارہ ہوتا ہے۔" میں نے جواب دیا اور راجا صاحب سر ہلا کر رہ گئے۔

...☆☆☆...

راجا صاحب سے رخصت طلب کرتے ہوئے نشت گاہ سے باہر نکلا اور طویل راہ داری عبور کرتا ہوا لان میں پہنچ گیا۔میں نے اپنی موٹر بائیک صدر دروازے کے نزدیک کھڑی کی تھی۔دس ہزار مربع گز پر بنی ہوئی راجا صاحب کی کوٹھی کا لان بہت وسیع عریض تھا۔اس لیے کوٹھی کا صدر دروازہ بھی رہائشی کمروں سے کافی فاصلے پر واقع تھا۔اس علاقے میں رہنے والے تمام لوگوں کی محل نما کوٹھیاں اس طرح نا صرف طویل و عریض تھیں بلکہ جدید طرز تعمیر کا اعلیٰ نمونہ تھیں۔

ان محلات کے باسی وہ لوگ تھے جو نجانے کب سے ملک و قوم کو لوٹ رہے تھے۔قوم کی رگوں سے یہ جونکیں آج بھی چمٹی ہوئی تھیں اور انہوں نے کل بھی چمٹے رہنا تھا۔

جب تک قوم شعور کی آنکھ نہیں کھولتی تب تک ملت فروشوں کا یہ ٹولا قوم کے کندھوں پر سوار ہو کر اقتدار کے اعلیٰ ایوانوں تک پہنچتا رہے گا۔

میں راجا صاحب کے پاس جو امید لے کر گیا تھا اب اس نے نا امیدی کی شکل اختیار کرلی تھی۔راجا صاحب نے واضح الفاظ میں تو نہیں کہا تھا لیکن اس کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ جرگہ رکوانے میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔دوسری طرف راجا صاحب کی شرط نے بھی مجھے پریشانی میں مبتلا کررکھا تھا۔میں مشی سے محبت کرتا تھا اور اسے کھونے کے لیے تیار نہیں تھا۔تاہم راجا صاحب کی شرط ماننے کے سوا میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں اتنا خود غرض نہیں تھا کہ اپنی محبت پانے کے لیے اکلوتی اور لاڈلی بہن کو قربان کردیتا۔میں نے سوچ لیا تھا کہ راجا صاحب اگر جرگہ رکوانے میں کامیاب ہوگئے تو میں چپ چاپ مشی کی زندگی سے نکل جاؤں گا۔

انہی سوچوں میں گم میں کوٹھی کے صدر دروازے کی طرف بڑھا چلا جا رہا تھا کہ اچانک عقب سے کسی نے میرے سر پر زور سے ضرب لگائی۔ضرب اس قدر شدید تھی کہ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔میں نے دونوں ہاتھ

اٹھا کر سر کو تھامنے کی کوشش کی مگر دوسری ضرب نے مجھے زمین بوس کردیا اور پھر میرا ذہن اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا۔

مکمل بے ہوش ہونے سے قبل میری سماعتوں سے کسی کی چیختی ہوئی آواز ٹکرائی تھی۔مگر الفاظ سمجھ میں نہیں آئے تھے۔اس کے بعد میری تمام حسوں کا رابطہ اس جہان رنگ و بو سے منقطع ہوگیا۔دوبارہ ہوش میں آنے پر میں نے خود کو اپنے ہی اسپتال کے ایک کمرے میں پایا۔میرا سر سفید پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا اور میں بے حد نقاہت محسوس کر رہا تھا۔سر بوجھل تھا اور درد کی ہلکی ہلکی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔میری بے ہوشی کا وقفہ کتنا طویل رہا تھا اس بارے میں' میں لا علم تھا۔

ہوش میں آتے ہی میں نے دائیں بائیں دیکھا۔کمرے میں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔یہ ہمارے اسپتال کا یوں سمجھیے کہ وی آئی پی کمرا تھا۔اس میں عموماً کسی صاحب ثروت اور مال دار مریض کو ہی زیر علاج رکھاجاتا تھا۔عام مریض دیگر اسپتالوں کی طرح مختلف وارڈز میں رکھے جاتے تھے۔مجھے ہوش میں آئے ابھی چند ہی لمحے گزرے تھے کہ کمرے کے بغلی دروازے سے مشی اندر

داخل ہوئی۔اس کے چہرے پر ندامت اور پریشانی کی ملی جلی کیفیت تھی۔اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے میری اس حالت کی ذمہ دار وہی ہو۔

"میں... میں تم سے سخت شرمندہ ہوں شاہ زمان!" وہ بیڈ کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"لیکن سمجھ نہیں آتی کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ اسے تم سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟ تم دونوں تو ایک دوسرے کے لیے مکمل اجنبی تھے۔"

میں چونکہ لا علم تھا اس لیے حیران ہو کر بولا۔

"مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ مجھ پر دھوکے سے وار کرنے والا کون تھا؟"

"وہ وکی تھا الو کا پٹھا!" اس نے حقارت سے کہا۔"پتا نہیں پاپا نے اسے اتنا سر پر کیوں چڑھا رکھا ہے۔؟ مجھے تو ایک آنکھ نہیں بھاتا حرام خور کہیں کا۔"

"اس نے مجھ سے اپنا بدلہ لیا ہے مشی۔"

"کیسا بدلہ؟" اس نے حیرت سے استفسار کیا۔

اس کے استفسار پر میں نے اسے نشت گاہ میں پیش آنے والا پورا واقعہ سنا دیا۔جسے سن کر وہ بولی۔

"ہاتھ اس پر پاپا نے اٹھایا تھا اور بدلہ اس نے تم سے لیا۔کیا یہ حیران کن بات نہیں ہے؟"

"نہیں!" میں نے منفی انداز میں سر ہلانے کی کوشش کی اور کراہ کر رہ گیا۔

"احتیاط کرو شاہو!" وہ تڑپ کر بولی۔"تمہارے سر پر دو گہرے زخم آئے ہیں۔اگر میں بر وقت نہ پہنچتی تو شاید...!" وہ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔

"تو شاید وہ مجھے جان سے ہی مار ڈالتا۔" میں نے چہرے پر زخمی مسکراہٹ سجاتے اس کی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"یہی کہنا چاہتی تھیں نا تم...؟"

"خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔" اس نے روانی میں کہا اور پھر شرما کر نگاہیں جھکالیں۔اس کا چہرہ گل گوں ہوچکا تھا۔

میں اس کی کیفیت سمجھتا تھا۔وہ دل ہی دل میں مجھے اپنا جیون ساتھی منتخب کرچکی تھی۔مگر ان تلخ حقائق سے لا علم تھی جن سے اس کے پاپا نے مجھے آگاہ کیا تھا۔ہمارا ایک ہونا تو کجا اب ہم ایک ساتھ چل بھی نہیں سکتے تھے۔ میں اس کے پاپا سے وعدہ کرچکا تھا کہ شرط کے مطابق اس کی زندگی سے نکل جاؤں گا۔وہ وقت بس قریب ہی تھا ہم دونوں ہمیشہ کے لیے بچھڑنے والے تھے۔میں اسے ان تلخ حقائق سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔اسے یہ بتانا چاہتا تھا کہ وہ اب میرے بارے میں متفکر ہونا چھوڑ دے لیکن اسے یہ سب کچھ بتانے کی میں ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔میں نے آج تک اس کا دل دکھانے والی کوئی بات نہیں کی تھی اور نہ آئندہ کبھی کرنا چاہتا تھا۔میں وقتی طور پر کش مکش کا شکار ہو گیا اور وہ جو غور سے میری طرف دیکھ رہی تھی اچانک ہی پریشان نظر آنے لگی۔

”تم شاید کچھ کہنا چاہتے ہو؟“ قدرے توقف سے وہ مستفسر ہوئی۔”کیا بات ہے‘ کیا پاپا نے کچھ کہا ہے؟“

”نہیں!“ میں نے مختصر سا جواب دیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”تو پھر...! کیا بات ہے؟ تم بہت پریشان نظر آرہے ہو۔“

”میں پریشان تو نہیں ہوں۔“ میں نے زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے کہا۔”اچھا بھلا تو ہوں۔“

”نہیں‘ تم کچھ چھپا رہے ہو۔“وہ بضد ہوئی۔”بتاؤ نا کیا بات ہے کیا تم مجھے غیر سمجھتے ہو؟“

”تم خوامخواہ مشکوک ہو رہی ہو مشی! ایسی کوئی بات نہیں ہے بس میرا سر درد کر رہا ہے۔“ میں نے ٹالنے والے انداز میں جواب دیا۔

”شاہو یہ سیدھا سادا پولیس کیس تھا۔“ وہ بولی۔”وکی اگر انکل ابصار الحق کا بیٹا نہ ہوتا تو پاپا نے اسے فی الفور قانون کے حوالے کردیا ہوتا۔لیکن وہ انکل ابصار کی وجہ سے ایسا نہ کرسکے۔تم اگر اب بھی اس کے خلاف قانونی کارروائی کرنا چاہتے ہو تو میں تمہیں نا صرف بخوشی اجازت دیتی ہوں بلکہ تمہارے حق میں گواہی دینے کے لیے بھی تیار ہوں۔“

"میں دشمنیاں پالنے والا شخص نہیں ہوں۔" میں نے کہا۔"وکی نے بھلے مجھ سے زیادتی کی ہے لیکن میں نے اسے تمہارا کزن ہونے کے ناتے معاف کردیا ہے۔"

"وہ دنیا کا بد ترین انسان ہے شاہو۔" وہ حقارت آمیز انداز میں بولی۔"میں نے خود سے عہد کیا ہے کہ مرتے دم تک اس کی شکل نہیں دیکھوں گی۔"

"ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے یہ نا ممکن ہے۔" میں نے کہا۔"تمہیں اس کا سامنا کرنا ہی پڑے گا۔"

"وہ کل واپس دفع ہوجائے گا۔" اس نے بتایا۔"اس کی سیٹ بھی کنفرم ہوچکی ہے۔"

"چلو خس کم جہاں پاک۔" میں نے جواب دیا اور مشی مسکرا کر رہ گئی۔

اس کے بعد وہ دیر تک میرے ساتھ رہی۔اس دوران راجا صاحب نے بھی موبائل فون پر نا صرف میری عیادت کی تھی بلکہ معذرت بھی کی تھی بات ختم کرنے سے پہلے انہوں نے مجھے اپنا وعدہ یاد دلاتے ہوئے کہا تھا۔

"مسٹر شاہ زمان! مجھے امید ہے کہ تم اپنے وعدے پر قائم رہو گے۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"بالکل قائم رہوں گا جناب!" میں نے جواباً کہا۔"اگر آپ نے اپنا قول نبھا دیا تو پھر مجھ سے بھی آپ کو کوئی شکایت نہ ہوگی۔میں پٹھان ہوں اور پٹھان اپنی زبان پر کٹ مرنا جانتے ہیں۔"

اس کے بعد اس نے مزید کوئی بات کیے بغیر رابطہ ختم کردیا تھا۔مشی اس دوران کہیں گئی ہوئی تھی ورنہ مجھ سے ضرور پوچھتی کہ پاپا کس وعدے کی یاد دلا رہے ہیں؟

دوسرے دن مجھے اسپتال سے ڈسچارج کردیا گیا اور ساتھ چند روز کی مزید رخصت بھی دے دی گئی۔وہ چند روز پلک جھپکتے ہی گزر گئے۔اس دوران غیر محسوس انداز میں، میں مشی سے دور ہٹنے لگا تھا۔کل بھی تو مجھے یہی کرنا تھا۔سو آج کرنے میں کیا حرج تھا۔ویسے بھی ہم دونوں کے بیچ کوئی خاص عہد وہ پیمان نہیں ہوئے تھے۔ساتھ جینے مرنے کی قسمیں نہیں کھائی گئی تھیں۔بس ہم دونوں صرف ایک دوسرے کو پانے کے طلب گار تھے مگر اس طلب میں کم از کم میری طرف سے شدت نہیں تھی۔تاہم مشی کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔وہ عورت تھی اور عورت کو پہیلی شاید اسی لیے کہا جاتا ہے کہ دنیا

کا کوئی نفسیات دان اس کی نفسیات نہیں جانتا۔میں بھی مشی کے متعلق اندازہ تو لگا سکتا تھا مگر کوئی حتمی رائے قائم نہیں کرسکتا تھا۔آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا کہ اس کی طلب میں کتنی شدت ہے اور وہ مجھے پانے کے لیے کس حد تک جا سکتی ہے۔

...☆☆☆...

تندرست ہونے کے بعد میں نے دوبارہ جاب پر جانا شروع کردیا تھا۔ساتھ ساتھ کلینک بھی جا رہا تھا۔گھر والوں سے روزانہ فون پر بات ہوتی رہتی تھی۔ابھی تک سب ٹھیک چل رہا تھا۔تاہم جرگے والی بات خطرے کی تلوار بن کر بدستور میرے سر پر لٹک رہی تھی۔چند ایک بار تو میں خواب میں بھی جرگے کی کارروائی دیکھ چکا تھا۔ہر بار جرگے میں "ونی" کی بات ہی چلی تھی۔ان خوابوں نے میری پریشانی کو کچھ اور بڑھا دیا تھا۔میں جانتا تھا کہ ان خوابوں نے میری سوچوں کی عکاسی کی ہے۔میں جاگتے ہوئے سارا وقت جرگے کے بارے میں سوچتا رہتا۔اس لیے سوتے میں خواب بھی جرگے کے دیکھتا رہتا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ایک دو بار جرگے کے سلسلے میں راجا صاحب سے بھی میری بات ہوچکی تھی۔انہوں نے مجھے بھرپور تسلی دی تھی کہ وہ اس سلسلے میں اپنے ذرائع استعمال کر رہے ہیں اور صوبہ سرحد کی کچھ نامی گرامی شخصیات سے ان کی بات چل رہی ہے۔انہوں نے مجھے امید دلائی تھی کہ وہ جرگہ رکوانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔تاہم ان کی باتوں سے میری تشفی نہیں ہوئی تھی۔مجھے یقین سا ہو چلا تھا کہ راجا صاحب اس سلسلے میں ناکام ہوجائیں گے کیونکہ شیر زادہ خٹک ہم سے زیادہ تعلقات رکھتا تھا۔اس کے تعلقات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔سیاسی دنیا کا چلتا پھرتا پرزہ ہونے کی وجہ سے صوبے کی بہت سی مصروف سیاسی شخصیات اسے جانتی تھیں۔

گاؤں میں اس کا محل نما مکان اور وسیع و عریض زرعی اراضی اس کا منہ بولتا ثبوت تھا کہ وہ ان سیاسی لوگوں سے خاطر خواہ فوائد حاصل کر رہا ہے اور اس پر دھن ساون کی برسات کی طرح برستا رہتا ہے۔سو مالی لحاظ سے بھی ہم اس کی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتے تھے۔دشمن طاقت ور ہو تو پھر فتح سے زیادہ شکست کی امید رکھنی چاہیے۔مجھے بھی اپنی شکست کا یقین ہو چلا تھا۔شیر زادہ

خٹک مجھ سے زیادہ ذرائع استعمال کرسکتا تھا۔ویسے بھی سردار شیر افضل خان جیسا نامی گرامی سیاست دان اس کی پشت پر تھا ایسے عالم میں جرگہ کی کارروائی رک جانا ناممکن تھا۔میں اگر ایسا سوچ بھی رہا تھا تو یہ میری خام خیالی تھی۔

اس روز شام کے پانچ بجے کا وقت تھا۔میں اپنے کلینک میں بیٹھا مریض دیکھ رہا تھا کہ ایسے ہی وقت میرا سیل فون بج اٹھا۔اسکرین پر بابا کا نمبر دیکھ کر میرا دل بے اختیار دھڑک اٹھا۔مجھے پہلا خیال یہی آیا کہ کوئی انہونی ہوچکی ہے اور وہ جو گزشتہ کئی روز سے میرے سر پر خطرے کی تلوار لٹک رہی تھی وہ شاید اب گرنے ہی والی ہے۔

دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ میں نے کال ریسیو کی۔دوسری جانب واقعی بابا تھے سلام دعا کے بعد وہ بولے۔

”بیٹا! انہوں نے جرگے کی تاریخ طے کردی ہے۔“

”کک... کیا... کیسے... کب؟“ میں نے اٹکتے ہوئے پوچھا۔

”دو دن بعد کی تاریخ رکھی ہے انہوں نے۔“

”نہیں بابا! یہ بہت کم وقت ہے۔ان سے تاریخ بڑھانے کی بات کرو۔“

”میں نے بات کی تھی بیٹے! مگر انہوں نے تاریخ بڑھانے سے انکار کردیا ہے۔“

”اگر یہ بات ہے تو پھر ہم لوگ جرگے میں نہیں بیٹھیں گے۔ہمیں کم از کم دس دنوں کی مزید مہلت چاہیے۔“ میں نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔

”ہم اگر جرگے میں نہیں بیٹھیں گے تو وہ ارمان کو دوبارہ گرفتار کرادیں گے۔“ بابا نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

”ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا بابا آپ فکر نہ کریں‘ میں آج ہی راجا صاحب سے بات کرتا ہوں۔“

”انہوں نے کچھ کرنا ہوتا تو اب تک کرچکے ہوتے۔مجھے لگتا ہے کہ وہ اس معاملے میں کچھ نہیں کرسکتے۔“

”انہیں کرنا پڑے گا بابا!“ میں نے کہا۔”آپ یوں سمجھ لیں کہ وہ ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔“

”انہیں کیا مجبوری ہوسکتی ہے؟“ بابا نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

”یہ میں آپ کو اس وقت نہیں بتا سکتا۔“

"ٹھیک ہے بیٹے اس معاملے میں کچھ کرسکتے ہو تو کرو۔ابھی ہمارے پاس دو دنوں کا وقت ہے۔"

"میں جان کی بازی لگا دوں گا بابا۔" میں نے اپنے عزم کا اظہار کیا۔"میرے جیتے جی یہ جرگہ نہیں ہو پائے گا اور ہاں' فائزہ کو کل صبح ہی ایبٹ آباد بھجوادیں۔"

"اس کی تم فکر نہ کرو میں بھجوادوں گا۔"

اس کے بعد میں نے رابطہ منقطع کردیا۔

...☆☆☆...

میں نے کلینک میں موجود ان چند مریضوں کو فارغ کیا۔کلینک وہاں کام کرنے والے لڑکے کے حوالے کیا اور خود موٹر بائیک پر راجا صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔آج میرا ارادہ راجا صاحب سے دوٹوک بات کرنے کا تھا۔ وہ گزشتہ ایک ہفتے سے مجھے طفل تسلیاں دیتے آرہے تھے۔شاید ان کی چلتی نہیں تھی۔یا پھر وہ اس معاملے میں کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتے تھے۔بہر کیف آج یہ معاملہ صاف ہونے والا تھا۔مشی کی زندگی سے نکل جانے والی ان کی

کڑی شرط میں نے اس لیے تو منظور نہیں کی تھی کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور پانی سر سے گزر جائے۔انہیں اپنی شرط منوانے کے لیے ہر صورت میں جرگہ رکوانا تھا۔کیونکہ دوسری صورت میں' میں ان کی شرط سے آزاد ہوجاتا جو انہیں نا منظور تھا۔

میں ان کی کوٹھی پر پہنچا تو مجھے انتظار کرنے کے لیے کہا گیا۔راجا صاحب اس وقت باہر سے آئے مہمانوں کے ساتھ مصروف تھے۔کوٹھی کے وسیع لان میں چند انتہائی قیمتی گاڑیاں موجود تھیں۔ایسی گاڑیاں جو اکثر اس قوم کے رہنماؤں کے پاس ہوتی ہیں۔قوم ایسی گاڑیوں کو حسرت سے دیکھ تو سکتی ہے لیکن ان میں بیٹھنے کا خیال دل میں نہیں لاسکتی بلکہ ان کے قریب بھی کوئی عام شخص نہیں پھٹک سکتا۔کیونکہ اکثر ایسی گاڑیوں کے پاس مسلح سیکورٹی گارڈ موجود ہوتے ہیں۔

گاڑیوں کے قریب لان میں چار سیکورٹی گارڈز کرسیوں پر بیٹھے آپس میں محو گفتگو تھے۔میں چند لمحے وہیں لان میں ٹہلتا رہا۔پھر ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔اب مجھے نجانے کتنی دیر انتظار کی یہ کوفت اٹھانا تھی جب کہ میں پہلے ہی

اضطرابی کیفیت میں تھا۔مجھے ایک ایک پل سال کے برابر محسوس ہو رہا تھا۔ میں بار بار کلائی پر موجود گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد میں نے ایک ملازم کو اشارے سے بلایا اور اسے راجا صاحب کو اطلاع دینے کے لیے کہا تو ملازم بولا۔

”جناب! میں معافی چاہتا ہوں یہاں کام کرنے والے کسی ملازم کو راجا صاحب کی مرضی کے بغیر نشت گاہ میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔“

”دیکھو، میرا وقت بہت قیمتی ہے اور میرا راجا صاحب سے فوراً ملنا بہت ضروری ہے۔تم جا کر بات تو کرو۔مجھے یقین ہے راجا صاحب برا نہیں منائیں گے۔“

”صاحب! راجا صاحب اس معاملے میں بہت سخت ہیں۔آپ تھوڑی دیر مزید انتظار کرلیں۔مہمانوں کے اٹھتے ہی میں راجا صاحب کو آپ کی آمد کے متعلق بتا دوں گا۔“ ملازمہ نے جواب دیا۔

”میں نے جھنجلا کر جیب سے موبائل فون نکالا اور راجا صاحب کا نمبر ملا کر کان سے لگالیا مگر راجا صاحب کا فون بند ہونے کی وجہ سے رابطہ قائم نہ ہوسکا۔

جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا۔میری پریشانی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔راجا صاحب کے مہمان تھے کہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔اتنا تو مجھے معلوم تھا کہ راجا صاحب کی نشت گاہ میں کوئی سیاسی میٹنگ چل رہی ہے۔مگر اس سیاسی میٹنگ سے زیادہ اہم میری راجا صاحب سے ملاقات تھی۔

بے چینی کے عالم میں ایک بار پھر اٹھ کر میں نے ٹہلنا شروع کردیا۔ساتھ ساتھ میں راجا صاحب کا نمبر بھی ٹرائی کر رہا تھا مگر ان کا فون مسلسل بند مل رہا تھا۔میری جھنجلاہٹ اور پریشانی اب غصے میں تبدیل

ہوتی جا رہی تھی۔میرا دل چاہ رہا تھا کہ انجام کی پروا کیے بغیر راجا صاحب کی نشت گاہ میں گھس جاؤں مگر اندر کی صورت حال سے لا علم ہونے کی وجہ سے میں نے یہ انتہائی قدم اٹھانے سے گریز کیا۔

اس دوران میرے موبائل فون پر مشی کی کال آگئی۔میں نے قدرے متحیر انداز میں کال ریسیو کی تو مشی کی پریشان کن آواز سنائی دی۔

"شاہ زمان! تم اس وقت کہاں ہو؟" اس نے بے چینی کے عالم میں دریافت کیا۔

"میں تو یہیں تمہاری کوٹھی کے لان میں موجود ہوں۔راجا صاحب سے ملاقات کرنے کے لیے آیا ہوا ہوں لیکن ان کے پاس کوئی سیاسی پارٹی...!"

"تم فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔" وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولی۔"یہاں تمہارے لیے خطرہ ہے۔"

"یہ... یہ تم کیا کہہ رہی ہو' مجھے بھلا یہاں کیا خطرہ ہوسکتا ہے؟"

"اس وقت میں تمہیں تفصیل نہیں بتا سکتی' بہر کیف اتنا سن لو کہ اس وقت پاپا کے پاس سردار شیر افضل خان اور شیر زادہ خٹک موجود ہیں اور وہ جرگہ بٹھانے کا پروگرام طے کر چکے ہیں۔"

"کیا...! یہ... یہ... کیسے ہوسکتا ہے؟" میں نے اس قدر چیخ کر سوال کیا کہ دور بیٹھے ہوئے سیکورٹی گارڈز چونک کر میری طرف دیکھنے لگے۔انہیں متوجہ دیکھ کر میں اپنی موٹر بائیک کی طرف بڑھ گیا۔

"شاہ زمان! سیاست میں بہت کچھ ہوجاتا ہے اور پھر یہ تو ایک عام سی بات ہے۔پاپا کو اسی سیاسی پارٹی کے سربراہ نے شاید ایسا کرنے پر مجبور کردیا ہوگا ورنہ کل پرسوں تک تو وہ تم لوگوں کے ساتھ تھے لیکن آج تمہارے دشمنوں سے مل بیٹھے ہیں۔"

"شکریہ مشی! تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ورنہ اس سے قبل تمہارے پاپا کو میں بہت اچھا انسان سمجھتا تھا۔"

"وہ مجبور ہیں شاہ زمان!" وہ باپ کی طرف داری کرتے ہوئے بولی۔"انہوں نے بہت کوشش کی ہے۔مگر اس گندی سیاست نے انہیں...!"

"انہیں کوئی مجبوری نہیں ہے مشی!" میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔"میں سب جانتا ہوں کہ وہ کیوں ایسا کر رہے ہیں۔" اتنا کہہ کر میں نے رابطہ منقطع کر دیا۔

وہاں سے سیدھا میں اپنے فلیٹ پر پہنچا اور گھر جانے کی تیاری کرنے لگا۔کلینک پر کام کرنے والے لڑکے کو میں نے چند روز کی چھٹی دے دی تھی۔اب حالات کیا رخ اختیار کرنے والے تھے۔یہ تو گاؤں جا کر معلوم ہونا تھا۔

ویسے میں اپنے طور پر جرگے کا بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کرچکا تھا۔کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ میری معصوم بہن اس جرگے کی بھینٹ چڑھ جائے گی اور یہ مجھے کسی صورت قبول نہیں تھا۔

...☆☆☆...

دوسرے دن صبح سویرے گاؤں پہنچ گیا۔وہاں سب پریشان تھے۔خصوصاً بابا' اماں اور ارمان جب کہ فائزہ کو حالات کی سنگینی کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں تھا۔اس لیے وہ قدرے مطمئن نظر آرہی تھی۔میں نے جاتے ہی گھر میں فائزہ کی موجودگی پر اعتراض کردیا۔

بابا بولے۔"بیٹا! میں فائزہ کو ایبٹ آباد بھجوا چکا ہوتا مگر اس امید پر نہیں بھیجا کہ شاید تم یہ جرگہ رکوانے میں کامیاب ہوجاؤ گے۔"

میں نے ایک ٹھنڈی سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

"بابا! میں سخت شرمندہ ہوں۔راجا صاحب ہمارے دشمنوں سے مل چکے ہیں۔ اب یہ جرگہ ہو کر رہے گا۔"

اماں میری بات سن کر رونے لگی جب کہ بابا اور ارمان انتہائی پریشانی کے عالم میں میری صورت تکنے لگے۔ایک پل میں' میں نے ان کی امیدیں چکنا چُور کردی تھیں۔وہ تو یہ معاملہ مجھ پر ڈال کر بے فکر ہوچکے تھے مگر اب میری ناکامی کا سن کر ان دونوں کی حالت قابل رحم ہو چکی تھی۔وہ بدستور پھٹی پھٹی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔یوں لگتا تھا جیسے ان کی قوت گویائی سلب ہوچکی ہو۔دوسری طرف اماں نے روایتی انداز میں بین کرنا شروع کردیے تھے۔میں پہلے ہی کچھ کم پریشان نہیں تھا۔یہ صورت حال دیکھ کر میری پریشانی مزید بڑھ گئی مگر یہ ہمت ہارنے کے بجائے ہمت دکھانے کا وقت تھا۔میں بھی اگر ان سب کی طرح حوصلہ چھوڑ بیٹھتا تو انہیں تسلی دینے والا بھی کوئی نہ ہوتا۔سب سے پہلے میں اماں کی طرف بڑھا اور تسلی آمیز انداز میں بولا۔

"اماں! آپ کیوں روتی ہیں؟ میں ابھی زندہ ہوں میرے ہوتے ہوئے کوئی آپ لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔میں فائزہ اور ارمان پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔راجا صاحب پہلے کون سا ہمارے ساتھ تھے؟ یہ سیاسی لوگ صرف اپنا

مفاد دیکھتے ہیں۔یہ لوگ اکثر اوقات اپنے خونی رشتوں کو بھی اپنے مفادات کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ہم تو پھر ان کے لیے اجنبی تھے۔وہ بھلا ہماری خاطر کیوں اپنا نقصان کرتے؟"

اماں نے روتے ہوئے کہا۔"میری بچی کو کچھ ہو گیا تو میں بھی زندہ نہیں رہوں گی۔"

"نیک بخت! خدا سے اچھی امید رکھو۔" بابا نے خود کو سنبھالتے ہوئے میری تائید میں کہا۔"جرگہ مشران ہمارے ساتھ زیادتی نہیں کریں گے۔ ارمان انہیں اپنی بے گناہی کا ثبوت دے گا تو مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ فیصلہ ہمارے حق میں کریں گے۔"

میں جانتا تھا کہ بابا انہیں جھوٹی تسلیاں دے رہے ہیں۔شیر زادہ خٹک نے کئی جھوٹے گواہ خرید لیے ہوں گے۔اسے سردار شیر افضل خان کی بھی مکمل حمایت حاصل ہوگی۔ایسے میں کوئی ارمان کی بات کا

یقین نہیں کرے گا اور فائزہ کے ساتھ ساتھ بھاری رقم بھی بطور ہرجانہ ادا کرنا ہوگی۔یہ سب وطن عزیز کی گندی سیاست کا گندا کھیل تھا۔گزشتہ الیکشن کے

دوران اگر ہم لوگوں نے شیر زادہ خٹک کی مخالفت نہ کی ہوتی تو ہمیں یہ دن دیکھنا نہ پڑتے۔میں چاہتا تو بابا کو ٹوک سکتا تھا مگر اس وقت اماں کو تسلی دینا ہمارا مقصود تھا۔سو میں بھی بابا کے ساتھ مل کر اماں کو تسلیاں دے رہا تھا۔ اماں ہماری جھوٹی تسلیوں سے وقتی طور پر بہل گئی۔سو بابا اور میں آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے کے لیے دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ہمارے پاس ابھی کل کا دن باقی تھا اور اس محدود وقت میں ہمیں کئی اہم فیصلے کرنے تھے۔

"کیا خیال ہے بابا!" میں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے پوچھا۔"ہمیں پرسوں ہونے والے جرگے میں بیٹھنا چاہیے یا نہیں؟"

بابا نے کہا۔"جرگے میں تو بیٹھنا پڑے گا ورنہ جرگہ مشران (بڑے فیصلہ کرنے والے) کے ساتھ ساتھ تمام گاؤں والے بھی ہمیں مجرم سمجھیں گے۔"

"لیکن میں جرگہ میں بیٹھنے کے حق میں نہیں ہوں۔مجھے سو فیصد یقین ہے کہ فیصلہ ہمارے خلاف ہوگا بلکہ سب کچھ پہلے ہی طے کیا جا چکا ہوگا۔جرگے کی

کارروائی محض رسمی طور پر کی جائے گی۔" میں نے کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا۔

"میں جانتا ہوں مگر جرگے میں ہمیں پھر بھی بیٹھنا پڑے گا۔" بابا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔"ہم پختون روایات سے بغاوت نہیں کرسکتے اور نا ہی بزدلوں کی طرح بھاگنے کے حق میں ہوں۔"

"تو کیا آپ فائزہ کو قربان کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں؟"

بابا نے انکار میں سر ہلایا۔"نہیں، میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔اگر انہوں نے فیصلے میں "ونی" کی شرط رکھی تو میں یہ فیصلہ ماننے سے انکار کردوں گا۔"

"تو کیا اس صورت حال میں ہم مجرم نہیں کہلائیں گے؟"

"کہلائیں گے مگر بزدل کہلانے سے یہ بہتر ہوگا۔"

"میں نے کہا۔"مصلحت اور بزدلی میں فرق ہوتا ہے۔ہم رات کی تاریکی میں یہاں سے نکل کر پنجاب کیوں نہ چلے جائیں۔دشمنی تو ہر دو صورتوں میں ہونی ہی ہے، پھر جرگے میں بیٹھنے کا کیا فائدہ۔ہم کیوں وقت ضائع کریں؟"

"ضرور جائیں گے لیکن جرگے کا فیصلہ سننے کے بعد میں اپنے خاندان پر بزدلی کا داغ نہیں لگانا چاہتا۔ساری زندگی گاؤں والے ہمارا مذاق اڑاتے رہیں۔یہ مجھے منظور نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے بابا! لیکن ایک بات آپ کو میری بھی ماننا پڑے گی؟"

"کون سی بات؟" انہوں نے قدرے حیران انداز میں سوال کیا۔

"میں آج ہی فائزہ اور اماں کو ساتھ لے جاتا ہوں۔انہیں راولپنڈی چھوڑ کر کل شام کے وقت واپس آجاؤں گا۔جرگہ تو ویسے بھی پرسوں ہونا ہے۔"

بابا نے گھور کر میری طرف دیکھا اور پھر شکایتی انداز میں کہا۔"شاہ زمان! تم اتنے بزدل تو نہیں تھے میں نے تمہیں کیا اس لیے تعلیم دلائی تھی؟ تم میں تو پٹھانوں والی کوئی بات ہی نہیں رہی۔مرد بن کر حالات کا سامنا کرو۔دشمنی ایک پٹھان کے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

"میں بزدل نہیں ہوں بابا!" میں نے احتجاج کیا۔"تعلیم نے مجھے مصلحت پسندی سکھائی ہے۔میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو جلتی پر تیل ڈالتے ہیں۔خون خرابا کرنے سے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم بزدل کہلائیں؟"

"تم بزدل کہلا سکتے ہو مگر میں نہیں' میں یہیں رہ کر حالات کا مقابلہ کروں گا۔" انہوں نے بگڑے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

"بابا! ابھی شیر زادہ خٹک کا پلہ بھاری ہے۔یہاں رہنے میں ہمارا ہی نقصان ہوگا۔پلیز! آپ میری بات مان لیں۔وقت کا یہی تقاضہ ہے کہ ہم یہاں سے ہجرت کر جائیں۔"

"نہیں شاہو! یہ نا ممکن ہے۔میں گاؤں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔لوگ کیا کہیں گے کہ جہان خان بزدل نکلا اور دشمنوں کے خوف سے گھر بار چھوڑ گیا۔"

میں ان کی ضد سے واقف تھا مگر پھر بھی برابر اصرار کیے جا رہا تھا۔مجھے صرف فائزہ کا خیال تھا وہ اگر نہ ہوتی تو شاید میں گھر چھوڑنے کا ذکر بھی زبان پر نہ لاتا۔فائزہ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ پیاری تھی۔میں اسے بچانے کے لیے اپنی جان سے بھی گزر سکتا تھا۔

بزدل کہلانا تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔

لمحہ بھر کے توقف کے بعد میں نے منت کے انداز میں کہا۔

"بابا! مجھے آپ کا ہر فیصلہ قبول ہے لیکن پلیز میری اتنی بات مان لیں کہ میں فائزہ کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا دوں۔"

"نہیں!" انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔"اب جو کچھ بھی ہوگا جرگہ پر جانے کے بعد ہوگا۔تم جا کر آرام کرو۔سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

اب کہنے کو کچھ باقی نہیں رہا تھا۔وہ میرے بابا تھے' میں ان سے بحث نہیں کرسکتا تھا۔اگر کرتا بھی تو جیت نہیں سکتا تھا۔سو میں نے اپنے کمرے کا رخ کیا اور پریشانی کے عالم میں بستر پر گر گیا۔گزشتہ رات حالتِ سفر میں ہونے کی وجہ سے میں نے بہت کم آرام کیا تھا۔اس لیے بہت تھکن محسوس کر رہا تھا۔مگر میں سو کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔میرے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔کوئی بھی مصیبت نازل ہونے سے پہلے مجھے اپنی معصوم بہن کو یہاں سے دور لے جانا تھا۔اس کے لیے سب سے محفوظ مقام میرا راولپنڈی والا فلیٹ ہی ہوسکتا تھا۔اس مقصد کے لیے مجھے سب سے پہلے فائزہ کو تیار کرنا تھا۔ہمیں

بابا سے چوری چھپے یہاں سے نکلنا تھا۔تاہم اماں کو ساتھ ملایا جا سکتا تھا۔میں نے تھوڑی دیر آرام کیا اور پھر غسل کرنے کے بعد تازہ دم ہو گیا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعدجب بابا اپنے کمرے میں چلے گئے تو میں نے اماں اور فائزہ کو اپنے کمرے میں چلنے کے لیے کہا۔ارمان اس واقعے کے بعد چپ چپ رہنے لگا تھا اور اکثر اوقات اپنے کمرے میں پڑا رہتا تھا۔کھانا بھی وہیں اپنے کمرے میں کھایا کرتا تھا۔آج بھی وہ اپنے کمرے میں تھا اور اماں نے اسے کھانا وہیں پہنچادیا تھا۔اس لیے مجھے اس کی طرف سے کوئی فکر نہیں تھی۔میں اسے اپنے اس منصوبے سے لا علم رکھنے کا فیصلہ کرچکا تھا۔

کمرے میں پہنچ کر میں نے بلا جھجک اپنا منصوبہ اماں اور فائزہ کے گوش گزار کردیا۔

پوری بات سننے کے بعد اماں بولی۔”مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے اس پر، مگر تمہارے ابا سے ڈر لگتا ہے وہ میری جان کو آجائے گا۔بہتر ہوتا اگر اس کی اجازت لے کر یہ قدم اٹھاتے یہ نا ہو کہ بعد میں وہ طوفان کھڑا کردے۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”اماں! میں نے ابا کی بہت منتیں کی ہیں لیکن وہ میری کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔“

”پھر بھی بیٹے! وہ اس گھر کا مالک ہے۔اس کی لا علمی میں اتنا بڑا قدم اٹھانا ٹھیک نہیں ہوگا۔تم ایک بار پھر اس سے بات کرلو شاید وہ راضی ہوجائے۔“

”نا ممکن ہے، وہ نہیں مانیں گے۔آپ انہیں مجھ سے بہتر جانتی ہیں۔“ میں نے جواب دیا۔

”پھر تو یہ نا ممکن ہے۔“ اماں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔”میں آخری عمر میں اسے اتنا بڑا دھوکا نہیں دے سکتی۔میں نے ساری زندگی اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کیا تو اب بھلا کیسے کرسکتی ہوں؟“

”اماں! یہ فائزہ کی زندگی کا سوال ہے۔“ میں نے قدرے جھنجلا کر کہا۔”ابا پر اس وقت ضد سوار ہے۔بعد میں آپ انہیں سمجھا سکتی ہیں۔ویسے بھی بیٹی کی زندگی بچانے کے لیے آپ کو شوہر کی ناراضی مول لینا پڑے گی۔“

”نہیں شاہو! میں اسے ناراض نہیں کرسکتی۔تم یہ منصوبہ رہنے دو۔اللہ بہتر کرے گا۔“ اماں نے قطعی انکار کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اللہ نے ہمیں عقل اور شعور دیا ہے اماں! اور عقل یہ کہتی ہے کہ فائزہ کا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ہمارے دشمن ہماری بوٹیاں نوچنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں جب کہ ہم یہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے فیصلے کے منتظر ہیں۔ خدا کے لیے اماں کچھ سوچو، میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں وقت گزر گیا تو پھر پچھتاوے ہی ہاتھ آئیں گے۔"

"شاہو! میں شوہر سے بے وفائی نہیں کرسکتی۔"

"چاہے بیٹی کی زندگی چلی جائے۔" میں نے طنز کے عالم میں جواب دیا۔

"موت اور زندگی کے فیصلے آسمانوں پر ہوتے ہیں۔یہاں نہیں۔" اماں نے کہا۔"فائزہ تمہاری بہن ہی نہیں ہماری بیٹی بھی ہے۔تمہیں اس کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ویسے میں تمہارے ابا کو سمجھانے کی کوشش کروں گی۔ہوسکتا ہے کل تک وہ راضی ہوجائیں۔"

"تب تک پانی سر سے گزر چکا ہوگا۔"

"ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا خدا پر بھروسا رکھو۔" اماں نے اٹھتے ہوئے حتمی انداز میں جواب دیا اور پھر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

فائزہ جو اماں اور میری گفتگو کے دوران چپ چاپ بیٹھی رہی تھی۔اماں کے باہر نکلتے ہی بولی۔"یہاں میری زندگی کو کیا خطرہ ہوسکتا ہے؟"

"تم یہاں کے جرگوں کے بارے میں جانتی ہو نا کہ کیسے کیسے غلط فیصلے کیے جاتے ہیں۔اس لیے میں نہیں چاہتا کہ پرسوں جرگے میں کوئی ایسا فیصلہ کیا جائے۔میں تمہیں بچانا چاہتا ہوں ورنہ تمہیں ساری زندگی دشمنوں کے گھر میں سسک سسک کر بسر کرنا پڑے گی۔کیا تم میرا ساتھ دو گی؟" پوری بات بتانے کے بعد میں نے آخر میں سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"ابا ناراض ہوجائیں گے بھائی!" وہ کشمکش کے عالم میں بولی۔"مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ کس کا ساتھ دوں؟"

"دیکھو فائزہ! ابا اور اماں کی ناراضی کو چھوڑو۔فی الحال اپنی فکر کرو۔اگر تم چاہو تو ہم آج رات راولپنڈی پہنچ سکتے ہیں۔وہاں میرا اپنا گھر ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بھائی! لیکن اماں اور بابا اکیلے رہ جائیں گے اور پھر ارمان بھائی بھی تو ہیں۔میں ان سب کو چھوڑ کر وہاں اکیلی کیسے رہوں گی۔" اس نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔وہ بدستور کشمکش کے عالم میں تھی۔ایک

طرف اسے اپنی پڑی ہوئی تھی۔جب کہ دوسری طرف رشتوں کے چھوٹنے کی بھی فکر تھی۔

میں نے کہا۔"ہم ہمیشہ کے لیے تو گھر چھوڑ کر نہیں جا رہے، کچھ عرصہ کے بعد جب حالات ٹھیک ہو جائیں گے تو ہم بھی واپس لوٹ آئیں گے۔"

میں نے جب اس کی ڈھارس بندھائی تو وہ تھوڑے بہت تردد کے بعد تیار ہو گئی۔

"ٹھیک ہے!" اس کی رضا مندی کے بعد میں نے مطمئن انداز میں کہا۔"ہم آج رات کو اس وقت یہاں سے نکلیں گے، جب سب سو رہے ہوں گے۔تم صرف چند جوڑے کپڑوں کے ساتھ لے لینا۔باقی سب کچھ وہاں موجود ہے۔"

"بھائی! رات کے وقت تو یہاں سے کوئی سواری نہیں ملتی۔" اس نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"سواری کا بندوبست میں کرلوں گا۔تم فکر نہ کرو۔اب جاؤ آرام کرو۔" میں نے تسلی آمیز انداز میں جواب دیا تو وہ مطمئن ہو کر چلی گئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اس کے جانے کے بعد میں نے موبائل فون نکالا اور گولی استاد کا نمبر ملا دیا۔ایسی صورتِ حال میں صرف وہی میرے کام آسکتا تھا۔رابطہ قائم ہوتے ہی میں نے سلام دعا کے بعد اپنا مدعا زبان پر لاتے ہوئے کہا۔"گولی استاد! آج مجھے تیری ضرورت پڑ گئی ہے دوست۔"

"حکم کرو ڈاکٹر صاحب! میں آپ کے کیا کام آسکتا ہوں؟" اس نے خوشگوار انداز میں پوچھا۔

"مجھے ایک گاڑی چاہیے اور وہ بھی آج رات... کیا بندوبست ہوسکتا ہے؟"

"کیوں نہیں، آپ کے لیے تو میری جان حاضر ہے۔کب لے کر آؤں؟"

"آج رات تقریباً گیارہ بجے تم گاڑی لے کر گاؤں سے باہر بس اسٹاپ پر میر انتظار کرنا۔"

"آپ بے فکر رہیں، میں پہنچ جاؤں گا۔" اس نے فرماں برداری سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے جب پہنچ جانا تو مجھے کال کرنا لیکن یہ یاد رہے کہ تم نے وقت کا خاص خیال رکھنا ہے۔گیارہ اور بارہ بجے کے درمیان پہنچنا۔"

"بالکل خیال رکھوں گا اور کوئی حکم؟"

"شکریہ فی الحال تو بس گاڑی ہی درکار تھی۔" میں نے مطمئن انداز میں جواب دیا اور پھر چند مزید باتیں کرنے کے بعد رابطہ منقطع کر دیا۔

...☆☆☆...

رات کے کھانے کے بعد میں نے ایک بار پھر بابا سے فائزہ کے سلسلے میں بات کی مگر انہوں نے میری بات پر بالکل کان نہیں دھرے۔الٹا میرے خدشات کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے بولے۔

"جو تم سوچ رہے ہو، وہ نہیں ہوگا۔فائزہ کو یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔اس لیے میں اسے لے جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ہاں، اگر تم خود جرگے میں نہیں بیٹھنا چاہتے تو واپس راولپنڈی جا سکتے ہو۔میں اور ارمان سب سنبھال لیں گے۔"

وہ بیگانوں کی طرح بول رہے تھے۔میرے دل کو ایک دھچکا سا لگا۔میرے بابا مجھ پر شک کر رہے تھے۔اپنے شاہو پر اپنے شاہ زمان پر جس پر ہمیشہ انہوں نے فخر کیا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں نے گلوگیر آواز میں کہا۔"بابا! میں نے یہ کب کہا ہے کہ میں جرگے میں بیٹھنے سے ڈرتا ہوں۔میں تو صرف اپنی بہن کی خاطر ایسا قدم اٹھانے کی بات کر رہا تھا۔مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ مجھ سے اس قدر ناراض ہو جائیں گے کہ میری نیت پر شک کرنے لگیں گے۔اگر آپ ایسا نہیں چاہتے تو پھر ٹھیک ہے میں آپ کے ساتھ ہوں، جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"میں تم پر شک نہیں کر رہا تھا بیٹے!" وہ بولے۔"بلکہ تمہیں سمجھا رہا تھا کہ فائزہ یہاں اپنے گھر میں زیادہ محفوظ ہے۔وہاں راولپنڈی میں کیا تم دن رات اس پر پہرہ دیتے رہو گے؟ اجنبی شہر ہے، اجنبی لوگ ہوں گے اور فائزہ گاؤں کی ایک سادہ سی لڑکی ہے۔خدا نہ کرے اگر وہاں کچھ ایسا ویسا ہو گیا تو پھر کیا ہوگا؟ ہم تو کسی کو منہ دکھانے کے لائق بھی نہیں رہیں گے۔"

"اس لیے تو میں چاہتا ہوں کہ ہم سب راولپنڈی چلے جائیں۔جب حالات ساز گار ہو جائیں گے تو آپ لوگ واپس آجانا۔"

"نہیں۔" انہوں نے انکار میں سر ہلایا۔"میں جرگے میں ضرور بیٹھوں گا۔یہ ہماری غیرت کا سوال ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بابا! لیکن...!"

"لیکن ویکن چھوڑو۔" انہوں نے قطع کلامی کی۔ "جب تک جرگے کا فیصلہ نہیں سنا دیا جاتا تب تک میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا۔"

میں نے کہا۔ "بابا! میری چھٹی حس مجھے ایک بہت بڑے خطرے کا احساس دلا رہی ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے ہمارے گھر پر کوئی قیامت ٹوٹنے والی ہو۔ کوئی ایسا طوفان آنے والا ہے جو سب کچھ ملیا میٹ کرکے رکھ دے گا۔"

"یہ سب تمہارا وہم ہے۔" وہ میری بات کو رد کرتے ہوئے بولے۔ "غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کل کیا ہوگا۔ یہ اس کے علاوہ کسی کو بھی معلوم نہیں ہے۔"

اس رات دو گھنٹے تک میری اور بابا کی بحث ہوتی رہی لیکن انہیں قائل کرنے میں مجھے ناکامی ہوئی۔ وہ نا صرف پٹھان تھے بلکہ روایتی پٹھان تھے۔ اپنی اقدار اور روایات پر انہیں فخر تھا۔ ان کے لیے ہٹ دھرمی اور روایتی غیرت ہی سب کچھ تھی۔ بات چاہے غلط ہو یا صحیح۔ اس پر ڈٹ جانا ہی وہ اپنی شان سمجھتے تھے۔ وہ ان پٹھانوں میں سے تھے جو اپنا قول نبھانے کے لیے بلا جھجک

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

جان سے گزر جاتے ہیں۔ انہیں اپنی اولاد کی جانوں سے غیرت زیادہ عزیز تھی۔ ایک روایتی پٹھان کی ساری خوبیاں' خامیاں اور سرکشی ان کی ذات میں موجود تھیں۔ ایسے عالم میں' میں لاکھ کوشش کرتا۔ ان سے اپنی بات نہیں منوا سکتا تھا۔ مجھے جو کچھ بھی کرنا تھا۔ وہ اپنے طور پر ہی کرنا تھا۔

بابا کی طرف سے اب میں مکمل طور پر نا امید ہوچکا تھا۔ چنانچہ مزید بحث کو وقت کا زیاں سمجھتے ہوئے میں نے اٹھ جانا ہی بہتر سمجھا۔ اب مجھے گولی استاد کے فون کا انتظار تھا۔

اکثر گاؤں دیہاتوں کے لوگ جلدی سونے کے عادی ہوتے ہیں۔ نو بجے سے پہلے اماں اور بابا سو چکے تھے۔ تاہم ارمان ابھی تک اپنے کمرے میں جاگ رہا تھا۔ اس واقعے سے قبل وہ بھی جلدی سونے کا عادی تھا لیکن اب پریشان کن خیالات نے اسے بے خوابی میں مبتلا کردیا تھا۔ وہ میرا چھوٹا بھائی تھا۔ فائزہ کی طرح وہ بھی مجھے بے حد عزیز تھا۔ لیکن تقدیر کی ستم ظریفی دیکھیے کہ میں چاہتے ہوئے بھی اس کے لیے کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

ارمان کے علاوہ فائزہ بھی جاگ رہی تھی اور میری طرح رات کے گیارہ بارہ بجنے کا انتظار کر رہی تھی۔ ویسے اس نے شام کے وقت ہی مجھے اپنی تیاری سے آگاہ کردیا تھا اور اب وہ میرے ذرا سے اشارے کی منتظر تھی۔

رات کے دس بجے میں نے فون پر گولی استاد سے بات کی تو معلوم ہوا کہ وہ روانہ ہو چکا ہے اور گیارہ بجے کے بعد بس اسٹاپ پر پہنچ جائے گا۔ گولی استاد نے میرے لیے جس خلوص کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ واقعی قابل داد تھا۔ آج کل کے اس مادیت پرستی کے دور میں جب خونی رشتے بھی منہ پھیر کر گزر جاتے ہیں۔ گولی استاد کی اپنائیت قابل تعریف تھی۔ مجھ سے کوئی رشتہ نہ ہونے کے باوجود بھی اس نے مجھے انکار نہیں کیا تھا۔ ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں جو کسی لالچ کے بغیر دوسروں کے کام آتے ہیں۔ آج کل تو ویسے بھی کچھ دو اور کچھ لو کے اصول رائج ہیں۔ طمع کے بغیر کوئی کسی کے کام نہیں آتا۔

رات کے سوا گیارہ بجے تک ارمان بھی سو گیا۔ اب گھر میں مکمل خاموشی کا راج تھا۔ صرف جھینگروں کی آوازیں کسی بے سرے راگ کی طرح آ رہی

تھیں۔ کبھی کبھی کسی کتے کے بھونکنے کی آواز بھی رات کے اس سناٹے کو مجروح کردیتی تھی۔ میں فائزہ کے ساتھ تیار بیٹھا گولی استاد کی کال کا منتظر تھا میں نے موبائل فون کو وائبریشن پر لگا رکھا تھا۔ گھنٹی کی آواز کسی کو بھی جگا سکتی تھی اور ایسی صورت حال میں میرا منصوبہ ناکام ہوسکتا تھا۔

ٹھیک پونے بارہ بجے مجھے گولی استاد کی طرف سے کال موصول ہوئی۔ میں نے فوراً کال ریسیو کی۔

”ہاں گولی! کیا پہنچ گئے ہو؟“ میں نے مدہم آواز میں پوچھا۔

”ہاں صاحب! میں بہ خیریت پہنچ چکا ہوں اور آپ کا منتظر ہوں۔ آپ جلدی سے یہاں بس اسٹاپ پر پہنچ جائیں۔“

”شکریہ دوست! میں ابھی پہنچتا ہوں۔ بس تھوڑی دیر انتظار کرو۔“ میں نے جواباً کہا اور اس نے خدا حافظ کہہ کر رابطہ منقطع کردیا۔

اب ہمیں چپ چاپ چوروں کی طرح اپنے ہی گھر سے نکلنا تھا۔ فائزہ قدرے پریشان تھی مگر جب میں نے اسے دھیرے سے تسلی دی تو وہ چلنے کے لیے

تیار ہوگئی۔سامان کے طور پر ہمارے پاس صرف ایک چھوٹا سا اٹیچی کیس تھا۔جس میں فائزہ کے ملبوسات اور دوسرا سامان رکھا ہوا تھا۔

ہم دونوں دبے پاؤں کمرے سے نکلتے ہوئے بر آمدے میں پہنچ گئے۔سارے گھر میں خاموشی کا راج تھا۔یہ خاموشی اس قدر گہری تھی کہ مجھے اپنے دل کی دھک دھک صاف سنائی دے رہی تھی۔بر آمدے سے آگے جونہی ہم نے گھر کے وسیع و عریض صحن میں قدم رکھا۔عین اس وقت بابا کے زور زور سے کھانسنے کی آواز سنائی دی۔ہم دونوں میکانکی انداز میں رک گئے میرا دل پارے کی طرح اچھل رہا تھا۔اگر بابا جاگ جاتے تو ہمارا پکڑے جانا لازمی تھا۔فائزہ بھی سہمے ہوئے انداز میں مجھ سے لگ کر کھڑی ہوئی تھی۔چند بار کھانسنے کے بعد بابا خاموش ہوگئے۔میں نے فائزہ کا ہاتھ تھاما اور گھر کے بیرونی دروازے کی طرف قدم بڑھا دیے۔دروازے کی کنڈی کھول کر میں فائزہ کو اٹیچی کیس تھما کر باہر نکلا اور پھر دوبارہ کنڈی لگا کر خود بھی دیوار پھاند کر باہر آگیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"چلو آؤ جلدی کرو۔" میں نے فائزہ کے ہاتھ سے اٹیچی کیس لیتے ہوئے کہا۔
"ہمیں بس اسٹاپ پر پہنچنا ہے۔وہاں میرا دوست گاڑی سمیت موجود ہے۔"

گلیاں سنسان پڑی ہوئی تھیں اور ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ہم دونوں مختلف گلیوں سے گزرتے ہوئے بغیر کسی مشکل کا سامنا کیے گاؤں سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔بس اسٹاپ وہاں سے چند فرلانگ کے فاصلے پر واقع تھا۔ہم تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے بس اسٹاپ کی طرف بڑھنے لگے۔تقدیر کی ستم ظریفی دیکھیے کہ رات کی تاریکی میں میرے جیسے نوجوان اپنی محبوباؤں کو بھگا کر لے جاتے ہیں مگر میں قسمت کا مارا اپنی سگی بہن کو گھر سے بھگا کر لے جا رہا تھا۔میرے اس فعل سے میری معصوم بہن پر کوئی سنگین الزام بھی لگ سکتا تھا۔لیکن مجھے اس وقت اس بات کا ہوش ہی کہاں تھا...؟ مجھ پر تو اس وقت بہن کو کسی محفوظ مقام پر پہنچانے کی دھن سوار تھی۔میں اسے دشمنوں کی دست برد سے دور لے جانا چاہتا تھا۔

آپ میں سے اکثر قارئین مجھے فاترالعقل سمجھ رہے ہوں گے۔میری ذہنی حالت پر شبہ کر رہے ہوں گے لیکن میں جو کچھ بھی کر رہا تھا وہ وقت کا

تقاضا تھا۔صوبہ خیبر پختون خواہ کے قارئین یقیناً مجھے حق بجانب سمجھیں گے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ہمارے ہاں ہونے والے جرگوں کی بھینٹ ہمیشہ معصوم لڑکیوں کو ہی چڑھایا جاتا ہے۔کہیں "ونی" کی شکل میں تو کہیں "سورا" کی صورت میں۔اس قبیح رسم کے ہر علاقے میں مختلف نام ہیں۔اس رسم پر حکومتیں بارہا پابندیاں لگاتی رہی ہیں مگر اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں ناکام رہی ہیں اور اس ناکامی کی وجہ ہر با شعور اور متوسط سوچ رکھنے والا پاکستانی جانتا ہے کہ اس قبیح رسم کے پیچھے ہمارے نام نہاد رہنماؤں اور قانون کے رکھوالوں ہی کا ہاتھ ہوتا ہے۔یہ رسم تب تک باقی رہے گی جب تک اس ملک پر بھیڑیے نما سیاست دانوں کا راج رہے گا اور یہ راج اس وقت تک قائم رہے گا جب تک عوام کہلانے والی بھیڑیں شعور کی آنکھ نہیں کھولیں گی۔

ہم دس منٹ کے محدود وقت میں بس اسٹاپ پر پہنچ گئے۔وہاں گولی استاد ایک پرانے ماڈل کی ٹویوٹا کرولا کار لیے شدت سے ہمارا منتظر تھا۔میرے ساتھ فائزہ کو دیکھ کر وہ الجھن کا شکار ہو گیا اور مشکوک انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔اس کی نظروں کا مطلب بھانپتے ہوئے میں نے کہا۔

"دوست! جو تم سوچ رہے ہو وہ بات نہیں ہے۔یہ میری سگی بہن ہے۔بس تقدیر نے مجھے یہ قدم اٹھانے پر مجبور کردیا ہے۔"

"سوری صاحب!" وہ شرمندہ ہو کر بولا۔"میں نے آپ کو سمجھنے میں غلطی کی' امید ہے کہ آپ محسوس نہیں کریں گے۔"

"اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے' میں بھی تمہاری جگہ ہوتا تو شاید ایسا ہی سوچتا۔" میں نے برا مانے بغیر جواب دیا۔

اس نے شکریہ ادا کرتے ہوئے فائزہ کے لیے کار کی عقبی کھڑکی کھول دی۔

فائزہ اٹیچی کیس لے کر کار کی عقبی سیٹ پر بیٹھ گئی تو گولی استاد مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔

"آئیے صاحب! آپ میرے ساتھ آگے تشریف رکھیں۔"

میرے بیٹھتے ہی اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ہمارا رخ ایبٹ آباد کی طرف تھا۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد گولی استاد نے پوچھا۔

"صاحب! آپ لوگوں نے یہ تو بتایا ہی نہیں ہے کہ آپ کو جانا کہاں ؟"

"جانا تو راولپنڈی تھا لیکن تم ہمیں ایبٹ آباد تک پہنچا دو۔ آگے ہم پبلک ٹرانسپورٹ پر چلے جائیں گے۔"

"میرے ہوتے ہوئے یہ نہیں ہوسکتا صاحب!" وہ اپنائیت سے بولا۔"میں خود آپ لوگوں کو وہاں چھوڑ کر آؤں گا۔"

"نہیں دوست! میں تجھے تکلیف نہیں دینا چاہتا۔یہی بہت ہے جو تم کر رہے ہو۔مجھے معلوم ہے کہ یہ گاڑی کسی اور کی ہے۔"

وہ بولا۔"اس میں تکلیف کی کیا بات ہے۔میں بھی راولپنڈی کا چکر لگا لوں گا۔ وہاں سے گاڑیوں کے کچھ اسپیئر پارٹس بھی خرید لوں گا اور یہ گاڑی کسی غیر کی نہیں ہے۔بس یوں سمجھیے کہ میری اپنی ہی ہے۔اس کے مالک کے ساتھ میرا سودا ہونے والا ہے۔اس نے مجھے گھومنے پھرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔"

میں نے دوبارہ انکار کیا تو وہ ہاتھ دھو کر پیچھے ہی پڑ گیا اور پھر مجھے اس کی بات ماننا ہی پڑی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"چلو ٹھیک ہے۔" میں نے رضا مندی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔"اس بہانے میں تیری میز بانی کرلوں گا۔"

اس کے بعد ہم نے اسکول کے زمانے کی باتیں شروع کردیں۔گولی بولا۔

"آپ کو حساب کا وہ موٹا ٹیچر یاد ہے جسے حساب پڑھانا بالکل نہیں آتا تھا اور اس کا سارا غصہ وہ کلاس پر نکالا کرتا تھا۔"

"ہاں بالکل یاد ہے۔" میں نے کہا۔"جو ہر روز تمہیں پوری کلاس کے سامنے مرغا بنا کر اذان دینے کو کہا کرتا تھا اور تم "ککڑوں کوں" کہنے کے بجائے اصلی اذان دینا شروع کردیا کرتے تھے۔"

وہ قہقہہ لگا کر بولا۔"ہاں' وہی ہلاکو خان کا ماما! اللہ اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔کم بخت ذرا بھی لحاظ نہیں کیا کرتا تھا۔مجھے اس نے اتنی بار مرغا بنایا کہ کبھی کبھار مجھے خود پر سچ مچ کا مرغا ہونے کا گمان گزرتا تھا۔اب کہیں ہاتھ لگ گیا تو ظالم کے سارے اسپیئر پارٹس کھول کر رکھ دوں گا۔"

"ایسے تو مت کہو یار! وہ جیسا بھی تھا بہر حال ہمارا استاد تو تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اللہ اسے کروٹ کروٹ جہنم نصیب کرے۔اس کی وجہ سے تو گولی استاد کھوتے کا کھوتا رہ گیا ورنہ ڈاکٹر نہ سہی کوئی چھوٹا موٹا وکیل تو بن ہی چکا ہوتا۔"

"وکیل بننے کی بھی خوب کہی!" میں نے کہا۔"کلائنٹ کو پھانسی لگ چکی ہوتی اور جناب مقدمے کی فائل ڈھونڈ رہے ہوتے۔"

"اب میں اتنا گیا گزرا بھی نہیں ہوں جناب! اس علاقے میں گاڑیوں کا ماہر ترین ڈاکٹر ہوں۔آج تک میں نے قریب المرگ گاڑی کو بھی لا علاج قرار نہیں دیا۔" اس نے فخریہ انداز میں جواب دیا اور پھر ایک دم سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔

"دیکھو شاہ زمان صاحب! بے شک ہم دونوں بچپن کے دوست ہیں مگر ہم دونوں میں واضح طبقاتی فرق ہے۔میں ایک غریب مکینک ہوں جب کہ آپ ایک معزز ڈاکٹر ہیں۔ایسی صورت حال میں مجھے یہ جسارت تو نہیں کرنا چاہیے مگر کیا کروں تجسس انسانی فطرت ہے اور میں بھی ایک انسان ہوں۔کیا آپ مجھے بتانا پسند کریں گے کہ آپ پر ایسی کیا افتاد ٹوٹی ہے کہ آپ کو یوں

چوروں کی طرح اپنے ہی گھر سے فرار ہونا پڑ رہا ہے اور وہ بھی بہن کے ساتھ۔"

میں نے کہا۔"تم نہ بھی پوچھتے تو میں تمہیں ساری سرگزشت سنانے والا ہی تھا اور ہم میں ایسا کوئی طبقاتی فرق بھی نہیں ہے' تم بلا وجہ مجھ سے اس قدر مرعوب ہو ورنہ میں تو تمہیں اب بھی وہی اسکول کے زمانے والا گل حسن ہی سمجھتا ہوں۔" اتنا کہنے کے بعد میں نے بلا تردد اسے پوری کہانی سنادی۔کچھ بھی پوشیدہ نہیں رکھا۔

چند لمحوں کے لیے گاڑی میں بالکل خاموشی چھا گئی۔شاید وہ دل ہی دل میں مجھے تسلی دینے کے لیے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہا تھا۔لیکن وہ ایک سادہ لوح انسان تھا لفظوں کے ہیر پھیر سے ناواقف لگتا تھا۔اسے وہ الفاظ نہیں مل رہے تھے جو میرے دکھ کا مداوا کرسکتے۔

آخر کار اس لمحاتی خاموشی کو توڑتے ہوئے وہ گویا ہوا۔

"شاہ زمان! میں ایک ان پڑھ مکینک ہوں۔صرف گاڑیوں کے مسائل اچھی طرح سمجھتا ہوں۔انسانوں کے ساتھ رہتے ہوئے بھی میں عام انسانوں کی خو

نہیں اپنا سکا۔ تاہم یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ آپ کو دشمنوں کی چال انہی پر الٹانا پڑے گی ورنہ وہ آپ سے جینے کا حق بھی چھین لیں گے۔"

"میں سمجھا نہیں تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" میں نے الجھن آمیز انداز میں سوال کیا۔

ایک لمحے کے لیے اس نے متردد انداز میں میری طرف دیکھا اور پھر سنجیدگی کے عالم میں بولا۔ "میں جو کچھ بھی کہوں گا۔ آپ کے بھلے کے لیے ہی کہوں گا۔ اس لیے میرے خلوص کا کوئی غلط مطلب نہ نکالنا۔ ویسے میں آپ سے پیشگی معافی کا خواستگار ہوں۔ اگر میری بات بری لگے یا دکھ پہنچے تو ایک جاہل دوست سمجھ کر معاف کردینا۔"

"تم یہ پہیلیاں مت بجھاؤ مطلب کی بات کرو۔ میں برا نہیں مانوں گا اور نہ ہی تم سے ناراض ہوں گا۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"شیر زادہ خٹک نے جو کچھ آپ کے بھائی کے ساتھ کیا ہے۔ آپ بھی چاہیں تو اس کے بیٹے پر ویسا ہی الزام لگا سکتے ہیں۔" بالآخر وہ دل کی بات زبان پر لے ہی آیا۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟" میں ایک دم بھڑک اٹھا۔ "بہن کو اس بدنامی سے بچانے کے لیے تو میں نے یہ انتہائی قدم اٹھایا ہے۔ تم چاہتے ہو کہ میں اسے ہمیشہ کے لیے بدنامی کے گڑھے میں دھکیل دوں؟ اس کی عزت کے شفاف دامن پر وہ داغ لگا دوں جسے سات سمندروں کا پانی بھی نہیں دھو سکتا۔ میں اپنے دشمن کی طرح گھٹیا اور کم ظرف نہیں ہوں۔ مجھ سے یہ کام نہیں ہوگا۔"

"سوری صاحب!" وہ انتہائی نادم انداز میں بولا۔ "اگر آپ کا دل دکھا ہے تو میں ہاتھ جوڑ کر معافی چاہتا ہوں۔ مگر میرا خدا جانتا ہے کہ اس سے میرا کوئی غلط مطلب نہیں تھا۔ میں نے پورے خلوص اور ایمانداری کے ساتھ آپ کو یہ مشورہ دیا تھا۔"

”مجھے تمہارے خلوص پر کوئی شبہ نہیں ہے گولی! مگر میں ایسا سوچنا بھی گناہِ عظیم سمجھتا ہوں۔ تمہیں نادم ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔میں تم سے خفا نہیں ہوں اور نہ ہی تمہاری نیت پر شک کر رہا ہوں۔“

اس کے بعد ہم نے اس موضوع پر گفتگو موقوف کردی اور دوبارہ ماحول کی کشیدگی کم کرنے کے لیے بچپن کے واقعات چھیڑ دیے۔

...☆☆☆...

سپیدۂ سحر نمودار ہونے سے قبل ہم لوگ ایبٹ آباد پہنچ گئے۔فائزہ نے دوران سفر عقبی نشست پر ہونے کی وجہ سے اچھی خاصی نیند لے لی تھی مگر میرا اور گولی استاد کا نیند سے برا حال تھا۔ایک ہوٹل کے پاس گاڑی روک کر ہم نے خوب ڈٹ کر ناشتا کیا۔اس کے بعد حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر دوبارہ عازمِ سفر ہوگئے۔

دس بجے کے قریب ہم لوگ راولپنڈی پہنچ گئے۔ میرا فلیٹ ویسٹریج کے علاقے میں واقع تھا۔وہاں تک پہنچنے میں ہمیں مزید بیس منٹ لگ گئے۔گولی استاد نے فلیٹ کے سامنے گاڑی روک دی۔

”میں اب اجازت چاہوں گا۔“ فلیٹ کے احاطے میں قدم رکھتے ہی گولی استاد گویا ہوا۔”دراصل مجھے بہت سے کام سر انجام دینے ہیں اور پھر واپس بھی جانا ہے۔“

”چلے جانا بھئی! ایسی کیا جلدی ہے؟“ میں نے کہا۔”کم از کم ہمیں میزبانی کا شرف تو حاصل کرنے دو۔“

”ناشتا تو کرلیا ہے اور کیسی میزبانی؟“

”ابھی چائے پیئیں گے اس کے بعد فائزہ دوپہر کا کھانا تیار کرے گی۔اس دوران تم چاہو تو غسل لے کر تازہ دم ہوسکتے ہو؟ سفر کی کسل مندی بھی اتر جائے گی۔“ میں نے جواب دیا۔

”دیر ہوجائے گی مجھے۔“ اس نے خدشے کا اظہار کیا۔”بہتر ہوگا کہ مجھے جانے دو۔واپسی کا راستا بہت طویل ہے اور پھر مجھے خریداری بھی کرنی ہے۔یہ نہ ہو کہ شام یہیں ہوجائے۔“

”تو پھر کیا ہے؟ ایک رات کے لیے رک جانا۔“ میں نے مطمئن انداز میں اسے مشورہ دیا۔”کل صبح آرام سے چلے جانا۔ ہوسکتا ہے مجھے بھی تمہارا ساتھ دینا

پڑ جائے۔ کیونکہ پرسوں جرگہ بیٹھنا ہے اور اصولی طور پر اس میں میری شرکت لازمی ہے۔"

"بھائی! آپ بھول رہے ہیں۔" فائزہ ہماری گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے بولی۔ "جرگہ پرسوں نہیں بلکہ کل بیٹھنا ہے۔"

"سوری! دراصل پریشانی کی وجہ سے مجھے یاد نہیں رہا۔" میں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ "ایسی صورت میں تو ہمیں آج رات کے وقت ہی یہاں سے نکلنا پڑے گا ورنہ چاہتے ہوئے بھی میں جرگے میں شامل نہیں ہوسکوں گا۔"

"اگر آپ چلے گئے تو میں یہاں اکیلی کیسے رہوں گی بھائی!" فائزہ نے پریشانی کے عالم میں پوچھا۔

"فکر مت کرو' اس کا بندوبست بھی ہوجائے گا۔" میں نے تسلی آمیز انداز میں کہا۔ "فی الحال تو تم کچن میں جا کر اچھی سی چائے بنا کر لے آؤ۔ تب تک میں گولی استاد کو کمپنی دیتا ہوں۔"

"نہیں' میں پہلے غسل کرنا چاہوں گا۔ اس کے بعد چائے پینے کا لطف آئے گا۔" گولی استاد نے سر کھجاتے ہوئے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"ٹھیک ہے غسل کرلو۔" میں نے اسے باتھ روم کا دروازہ دکھاتے ہوئے کہا۔ "سب کچھ باتھ روم کے اندر موجود ہے۔ چاہو تو میرے کپڑے بھی استعمال کرسکتے ہو۔"

گولی استاد باتھ روم میں گھس گیا تو میں نے فائزہ کو کچن کا راستہ دکھا دیا مگر وہ فوراً واپس پلٹ کر آگئی۔

"بھائی! یہ چولہے کس قسم کے ہیں؟" اس نے پریشانی کے عالم میں پوچھا۔

"یہ گیس کے چولہے ہیں گڑیا آؤ میں تمہیں جلا کر دکھاتا ہوں۔ بہت آسان کام ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا اور پھر اٹھ کر اس کے ساتھ کچن کی طرف چل دیا۔

کچن میں پہنچ کر میں نے اسے چولہا جلانا اور بجھانا سکھایا۔ جب اس نے چائے کا پانی رکھ دیا تو میں دوبارہ آکر کمرے میں بیٹھ گیا۔ تھکا ہوا ہونے کی وجہ سے میں نے صوفے کی پشت گاہ سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں تو مجھے بہت سکون محسوس ہونے لگا۔ دل چاہتا تھا کہ لمبی تان کر سوجاؤں مگر عین اس وقت میرے موبائل پر فون کی ٹون بجنے لگی۔ میں نے جیب سے موبائل فون

نکال کر دیکھا تو اس کی اسکرین پر ارمان کا نام جھلملا رہا تھا۔میں نے جھجکتے ہوئے کال ریسیو کی۔

”ہیلو ارمان...!“

”میں ارمان نہیں ہوں بزدل انسان!“ دوسری جانب سے بابا کی گرجتی ہوئی آواز سنائی دی۔”بہن کو لے کر فوراً واپس آجاؤ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔““

”مجھے افسوس ہے بابا کہ میں ایسا نہیں کرسکتا۔“ میں نے سنبھلتے ہوئے جواب دیا۔

”اگر تم واپس نہ آئے تو میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔“ وہ دھمکی کے انداز میں بولے۔”اور یہ تمہارے حق میں بہت بُرا ہوگا میں... میں تجھے گولی ماردوں گا۔“

”بے شک گولی مار دینا بابا! مگر میں فائزہ کو واپس نہیں لاؤں گا۔“ میں نے بے خوف انداز میں کہا۔”آپ کیوں اس کی جان کے دشمن بن رہے ہیں؟ یہاں وہ پوری طرح محفوظ ہے۔“

”تم نہیں سمجھو گے احمق انسان!“ وہ تقریباً چلا کر بولے۔”فائزہ کا گھر میں رہنا ضروری ہے۔تمہاری اس ہٹ دھرمی کے نہایت ہی سنگین نتائج برآمد ہوں گے۔تم پچھتاؤ گے‘ بہت زیادہ پچھتاؤ گے۔اب بھی وقت ہے واپس لوٹ آؤ۔میں تجھے معاف کردوں گا۔کوئی باز پرس نہیں کروں گا تم سے۔“

”یہ نا ممکن ہے بابا! میں ایسا نہیں کرسکتا اور اگر آپ نے پنڈی آنے کی کوشش کی تو ہم یہاں سے کہیں اور چلے جائیں گے۔“

”دیکھو‘ میں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ واپس آجاؤ ورنہ...“ انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”ورنہ کیا بابا!“ میں نے جھنجلا کر پوچھا۔”آپ مجھے عاق کردیں گے یا پھر اپنی ولدیت سے خارج کردیں گے؟“

”میں ایسا کچھ بھی نہیں کروں گا۔“ وہ بے بسی کے عالم میں بولے۔”لیکن جیتے جی تجھ سے کبھی نہیں ملوں گا اور... اور وصیت کرجاؤں گا کہ مرنے کے بعد تجھے میرا آخری دیدار کرنے کی اجازت بھی نہیں ہے۔“

ان کی بات سن کر میرا دل کٹ کر رہ گیا اور پہلی بار مجھے اپنے کیے پر پچھتاوا محسوس ہونے لگا۔وہ میرے بابا تھا۔میں ان کی پہلی اولاد تھا۔وہ مجھے اپنے کاندھوں پر بٹھا کر گاؤں بھر میں گھمایا کرتے تھے' ان کی انگلی پکڑ کر میں نے چلنا سیکھا تھا' میرے چہرے پر ان کے لاتعداد بوسے درج تھے' میرے لیے ان کے پیار کا قرض چکانا ناممکن تھا بلکہ کوئی بھی شخص ماں باپ کے پیار کا قرض نہیں چکا سکتا۔

میں عجیب کش مکش کا شکار ہو گیا۔ایک طرف معصوم بہن کی زندگی اور عزت کا سوال تھا تو دوسری طرف شفقت پدری تھی۔جو زندگی میں پہلی بار مجھ سے اپنا حق مانگ رہی تھی۔میں اس وقت ایک دوراہے پر کھڑا ہوا تھا اور مجھ میں صحیح راستے کا انتخاب کرنے کی صلاحیت نہیں رہی تھی۔میں خود کو بہت بے بس محسوس کررہا تھا۔ایک پل میں میری ذات تقسیم ہو کر رہ گئی تھی۔ دونوں پلڑے برابر تھے۔شفقت پدری اور بھائی کا فرض! دونوں ترازو پر ایک جیسا وزن دکھا رہے تھے۔

خاموشی کا ایک طویل وقفہ گزرنے کے بعد دوبارہ بابا کی آواز سنائی دی۔

”یاد رکھنا شاہ زمان! تم باپ کی نافرمانی کررہے ہو۔یہ وہ گناہ ہے جس کی تلافی تم زندگی بھر نہیں کرسکو گے نادان شخص! باپ کا حکم تو پیغمبر بھی نہیں ٹال سکے اور تم ایک عام انسان ہو کر باپ کی حکم عدولی کا ارتکاب کررہے ہو' کیا حشر کے دن خدا کے سامنے اس گناہ کا جواز پیش کرسکو گے؟“

”بابا! مجھے سوچنے کے لیے وقت چاہیے۔“ میں نے گومگو کے عالم میں جواب دیا۔

”وقت ہی تو نہیں ہے ہمارے پاس۔“ انہوں نے انتہائی بے چارگی کے عالم میں کہا۔”کل صبح دس بجے جرگے کی کارروائی شروع ہوجائے گی۔“

”تو ٹھیک ہے' میں آجاتا ہوں۔فائزہ کو تو بعد میں بھی لایا جاسکتا ہے۔“

”نہیں' اگر آنا ہے تو فائزہ کو ساتھ لے کر آؤ۔“ انہوں نے غصے سے کہا اور پھر فوراً رابطہ کاٹ دیا۔اس کے بعد میں کافی دیر تک فون ہاتھ میں لیے پریشانی کے عالم میں بیٹھا رہا۔یہاں تک کہ فائزہ چائے بنا کر لے آئی۔

"کیا بات ہے بھائی جان! آپ بہت پریشان لگ رہے ہیں؟" اس نے چائے کے لوازمات سے بھری ٹرے درمیانی میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا فون پر کسی سے بات ہوئی ہے؟"

"ہاں، ابھی میری بابا سے بات ہوئی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہم فوراً واپس آجائیں۔" میں نے پریشان انداز میں جواب دیا۔

"نہیں بھائی!" وہ بوکھلا کر بولی۔ "مجھے واپس نہیں جانا۔ میں... میں قربانی کا بکرا نہیں بننا چاہتی۔ بس مجھے یہیں رہنا ہے آپ چاہیں تو جرگے میں شریک ہوسکتے ہیں۔"

"تم یہاں اکیلی کس طرح رہ سکتی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"آپ کی وہ ساتھی ڈاکٹر ہے نا، مہوش اسی کے پاس رہ لوں گی۔"

"لیکن اس کے باپ راجا صاحب تو ہمارے دشمنوں سے مل چکے ہیں۔ وہاں تم کیسے محفوظ رہ سکتی ہو؟" میں نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"کیا وہ یہاں نہیں رہ سکتی؟" اس نے جواب دینے کی بجائے الٹا سوال کردیا۔

"کچھ کہہ نہیں سکتا۔ وہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔ کیا پتا انکار کردے۔"

"چلو مان لیا کہ وہ یہاں رہنے کے لیے تیار ہوجاتی ہے مگر میں بابا سے کیا کہوں گا؟"

"بابا سے میں خود بات کرلوں گی کہ مجھے اپنی زندگی برباد کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" اس نے پُر اعتماد انداز میں جواب دیا۔

میں نے متحیر انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تمہیں بابا سے ڈر نہیں لگتا؟"

"ڈر لگنے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں آگ کے سمندر میں چھلانگ لگادوں؟ میں خود کو قربانی کے لیے پیش نہیں کرسکتی۔ میری سہیلی زرینہ کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا۔ آج وہ بے چاری غلاموں سے بھی بدتر زندگی گزار رہی ہے۔ کون سا ایسا ستم ہے جو اس کے سسرال والے اس پر نہیں ڈھا رہے ہیں؟" وہ بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی۔

مجھے اس سے اس قدر فہم و فراست کی توقع نہیں تھی۔ اس نے صرف مڈل تک تعلیم حاصل کی تھی اور اس میں بھی میرا ہاتھ تھا۔ ورنہ ابا تو روایتی پٹھانوں

کی طرح لڑکیوں کی تعلیم کے سخت خلاف تھے مگر میری مہربانی سے فائزہ نے مڈل تک تعلیم حاصل کرلی تھی، میری تعلیم آج اس کی گفتگو سے جھلک رہی تھی۔

"اچھی بات ہے۔" میں نے ستائشی انداز میں کہا۔"تمہیں خود ہی معاملے کی نزاکت کا احساس ہوگیا ہے ورنہ بابا تو سارا الزام مجھ پر لگانے کے لیے تُل چکے ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں، بابا سے میں ابھی بات کرلیتی ہوں۔" اتنا کہنے کے بعد اس نے مجھ سے موبائل فون لے لیا مگر اسے کال کرنے کی مہلت نہ مل سکی کیونکہ اس دوران گولی استاد غسل کرنے کے بعد وہاں پہنچ گیا۔

"آؤ یار! ہم تمہارا ہی انتظار کررہے تھے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر اسے اپنے ساتھ صوفے پر بٹھالیا۔

فائزہ نے پیالیوں میں چائے انڈیل کر ہمیں پیش کرتے ہوئے وہ پلیٹ بھی ہماری طرف کھسکا دی جس میں میٹھے اور نمکین دونوں قسم کے بسکٹ رکھے ہوئے تھے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

چائے پینے کے دوران ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔فائزہ نے صرف چائے پینے پر اکتفا کیا تھا۔اس کے بعد وہ مجھ سے موبائل فون لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔شاید وہ گولی استاد کے سامنے بابا سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

...☆☆☆...

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد اس کی واپسی ہوئی تو وہ زارو قطار رو رہی تھی۔میں اس کی یہ حالت دیکھ کر تڑپ اٹھا۔یقینا بابا نے اس سے کوئی سخت بات کہی تھی ورنہ وہ رونے دھونے والی لڑکیوں میں سے نہیں تھی۔وہ کبھی کبھار ہی رویا کرتی تھی اور وہ بھی کسی ایسے موقع پر جب اسے بہت زیادہ دکھ پہنچتا تھا۔

"کیا بات ہے گڑیا؟" اس کی حالت کے پیشِ نظر میں نے پُرشفقت انداز میں پوچھا۔"تم رو کیوں رہی ہو، کیا بابا نے جھڑک دیا ہے؟"

جواب دینے کی بجائے اس نے نفی کے انداز میں سر ہلادیا۔

"تو پھر کیا بات ہے؟" میں نے دوبارہ استفسار کیا۔

اس بار وہ خاموشی سے گولی استاد کی طرف دیکھنے لگی۔گولی استاد ایک لمحے میں اس کا مطلب بھانپتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

”شاہ زمان! یہ آپ سے کوئی اہم بات کرنا چاہتی ہے۔میں تھوڑی دیر کے لیے باہر چلا جاتا ہوں۔“ اتنا کہنے کے بعد وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔اس نے مجھے کچھ بولنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔

”اب بتاؤ کیا بات ہے؟“ گولی استاد کے جاتے ہی میں نے سوال کیا۔

”وہ... وہ... بھائی... بابا نے کہا ہے کہ... آج سے میں ان لوگوں کے لیے مر گئی ہوں۔“ اس نے سسکتے ہوئے بدقّت تمام بتایا۔

”دیکھو، بابا اس وقت بہت غصے میں ہیں۔تم فکر نہ کرو، بعد میں سب ٹھیک ہوجائے گا۔“ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے جواب دیا۔

”نہیں بھائی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔بابا اس قدر غصے میں تھے کہ اگر میں ان کے سامنے ہوتی تو شاید وہ مجھے گولی مارنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔وہ یہاں بھی پہنچ سکتے ہیں، پھر کیا ہو گا۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

وہ بُری طرح ڈری ہوئی تھی اور اس کا اس طرح خوف زدہ ہونا کوئی عجیب بات نہیں تھی۔پٹھان عورت کے معاملے میں سندھی وڈیروں سے زیادہ سخت ہیں۔یہاں زیادہ تر عورتوں کی دنیا گھر کی چار دیواری تک محدود ہے۔اس حد کو پھلانگنے والی عورتوں کا نہایت ہی المناک انجام ہوتا ہے۔

”کیا تم واپسی جانا چاہتی ہو؟“ لمحاتی توقف کے بعد میں نے سوال کیا۔

”ن... نہیں!“ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔”مم... میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں گی۔“

”تو پھر تمہیں ہمت سے کام لینا پڑے گا، یوں رونے دھونے سے کچھ نہیں ہونے والا۔میرے ہوتے ہوئے کوئی تمہیں ہاتھ نہیں لگاسکتا، چاہے وہ بابا ہی کیوں نہ ہوں۔میری لاش پر سے گزر کر وہ تم تک پہنچیں گے۔“

”ٹھیک ہے بھائی!“ وہ سنبھلتے ہوئے بولی۔”میں کوشش کروں گی۔“

”اوکے، اب آنسو صاف کرلو، میں گولی استاد کو بلانے لگا ہوں۔“ اتنا کہہ کر میں نے بلند آواز سے گولی استاد کو پکارا۔”آجاؤ یار! کب تک باہر کھڑے رہو گے؟“

دوسرے ہی لمحے وہ دروازے پر نمودار ہو کر بولا۔"میں آپ کی آواز کا منتظر تھا' کیا آپ لوگوں کی بات پوری ہو گئی ہے؟"

"ہاں بس، فی الحال تو سمجھو پوری ہو گئی لیکن بعد کا کوئی پتا نہیں ہے۔" میں نے گول مول سا جواب دیا۔

"اب میرے لیے کیا حکم ہے؟" اس نے استفسار کیا۔

"مرضی کے مالک ہو۔چاہو تو رک سکتے ہو۔ویسے میری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے' تو پھر مجھے اجازت دیجیے۔"

"یار! اتنی بھی کیا جلدی ہے' کھانا کھا کر چلے جانا۔" میں نے پیشکش کی۔

"نہیں! مجھے یہاں بہت سے کام ہیں۔اس طرح تو بہت دیر ہوجائے گی۔ویسے میں اکثر راولپنڈی آتا جاتا رہتا ہوں۔کھانا پھر کبھی کھالوں گا اور ہاں' میری کسی بھی وقت ضرورت پڑے تو کال کردینا' میں حاضر ہوجایا کروں گا۔"

"بہت شکریہ دوست!" میں نے ممنون انداز میں کہا اور پھر اسے گلے لگا کر رخصت کردیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اب فائزہ اور میں فلیٹ میں تنہا رہ گئے تھے۔وہ بھرے پُرے گھر میں رہنے کی عادی تھی سو بہت اداس نظر آرہی تھی۔دوسرا اسے بابا کی طرف سے بھی خطرہ لاحق تھا۔وہ تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھی رہی پھر دوپہر کا کھانا بنانے کے لیے دوبارہ کچن میں گھس گئی۔اس کے جانے کے بعد میں نے جیب سے موبائل فون نکالا اور راجا صاحب کا نمبر ملادیا۔

چوتھی بیل پر انہوں نے کال ریسیو کرتے ہوئے بھاری آواز میں "ہیلو" کہا۔

میں نے دانتوں سے نچلا ہونٹ کچلتے ہوئے شکایتی انداز میں کہا۔

"راجا صاحب! یہ آپ نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ..."

"بھئی! میں نے کون سا غلط کیا ہے تمہارے ساتھ...؟" انہوں نے تعجب کے عالم میں دریافت کیا۔

"میرا ساتھ دینے کا وعدہ کرکے میرے دشمنوں سے مل گئے۔کیا یہ ٹھیک کیا ہے آپ نے؟"

”تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے برخوردار! وہ ایک سیاسی میٹنگ تھی، ان لوگوں کے رخصت ہونے کے بعد میں نے تمہیں بلایا بھی تھا لیکن اس وقت تک تم جاچکے تھے۔“ انہوں نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے جواب دیا۔

وہ سراسر جھوٹ بول رہے تھے۔میں چاہتا تو اس وقت ان کا پول کھول سکتا تھا مگر اس طرح سارا نزلہ مشی کے سر پر گرنے کا خطرہ تھا اور یہ مجھے منظور نہیں تھا۔مشی اپنی طرف سے پوری طرح میرے ساتھ مخلص تھی، میں ایسی مخلص ساتھی کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔سو میں نے مشی کا نام لینے سے گریز کیا۔

میں نے لمحاتی توقف کے بعد کہا۔”راجا صاحب! ہم دونوں کے درمیان ایک سودا طے ہو اتھا۔میں اب تک اپنے قول پر قائم ہوں جب کہ آپ اپنا قول نبھانے میں ناکام رہے ہیں اور کل جرگے کی کارروائی شروع ہونے والی ہے۔“

”میں نے کوشش کی تھی مگر ناکام رہا۔“ انہوں نے دفاعی انداز اپناتے ہوئے کہا۔”اب یہ میرا قصور تو نہیں ہے نا! میں نے وعدہ بھی تو کوشش کرنے کا کیا تھا نا؟“

”خوب کوشش کی آپ نے۔“ میں نے طنزاً کہا اور پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔”آپ سیاسی لوگوں کو صرف اپنے مفادات عزیز ہوتے ہیں۔میں جانتا ہوں کہ اس موقع سے آپ اور آپ کی پارٹی نے بہت بڑا سیاسی فائدہ اٹھایا ہے۔ہزاروں کی تعداد میں ووٹ بینک اکٹھا کیا ہے آپ لوگوں نے... کیا مجھے بچہ سمجھتے ہیں یا احمق؟ مجھے سب معلوم ہوگیا ہے۔“

”تو کیا کرلو گے تم میرا یا میری پارٹی کا...؟“ وہ ایک دم بھڑک کر اپنے اصل روپ میں آگیا۔

”کچھ کرنے والے بڑھکیں نہیں مارا کرتے راجا صاحب!“ میں نے سرد لہجے میں کہا۔”اگر میری فیملی کے ساتھ کچھ اونچ نیچ ہوگئی تو آپ بھی نہیں بچ سکیں گے۔آپ نے آگ کو میرے گھر کا راستہ تو دکھا ہی دیا ہے، اس آگ کو آپ کے محل تک پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔“

”بکواس بند کرو کمینے!“ انہوں نے چلّا کر کہا اور رابطہ کاٹ دیا۔

فی الحال اتنی ہی خوراک ان کے لیے کافی تھی۔اب مجھے امید سی ہوچلی تھی کہ وہ اس معاملے میں کچھ پیش رفت کریں گے۔جرگہ ہونے سے بھلے نہ روک سکیں لیکن سورا (ونی) کی شرط ہٹانے کی کوشش

کریں گے۔

وہ دن تو جیسے تیسے گزر گیا مگر رات ہم دونوں کے لیے بہت بھاری ثابت ہوئی تھی۔مختلف قسم کی سوچیں اور تفکرات تھے' نیند گویا ہم سے روٹھ چکی تھی۔فائزہ کے لیے اگرچہ وہ نئی جگہ تھی' اسے نیند نہ آنا فطری سی بات تھی لیکن میں تو اس فلیٹ میں ایک عرصے سے مقیم تھا اور وہ بھی بالکل اکیلا! مجھے نیند نہ آنا واقعی حیران کن بات تھی۔ہم دونوں باتیں کرتے کرتے تھک گئے مگر پھر بھی نیند نہ آئی۔وقت کی رفتار جیسے تھم گئی تھی۔پہلو بدلتے بدلتے جسم درد کرنے لگا تھا۔نا نیند آرہی تھی اور نا ہی صبح کے آثار نظر آرہے تھے۔ ایک پریشانی اور خوف تھا' جس نے ہمیں چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔

آخر کار وہ قیامت خیز رات گزر ہی گئی مگر ہم سوئے ہی کب تھے جو بیدار ہوتے۔فائزہ نے اٹھ کر ہاتھ منہ دھویا اور کچن میں جاکر ناشتا تیار کرنے لگی

جب کہ میں اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔میں نے کل سے غسل نہیں کیا تھا' اس لیے خوب جی بھر کر نہایا۔وقتی طور پر ساری کسل مندی دور ہوگئی تاہم سر میں ہلکا سا درد موجود تھا۔جو ناشتا کرنے اور چائے پینے کے بعد خود بخود دور ہوگیا۔

"بھائی! آج مہوش باجی کو بلالیں نا!" فائزہ خالی برتن سمیٹتے ہوئے بولی۔"میرا بڑا دل چاہ رہا ہے اس سے ملنے کا۔"

"ضرور بلاؤں گا گڑیا! مگر ذرا دیر کے بعد... فی الحال وہ محترمہ محواستراحت ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے بھائی!" وہ برتن اٹھا کر کچن کی طرف چلی گئی اور میں نے موبائل فون نکال کر مشی کو ایس ایم ایس کردیا۔اسے فون کرنا فی الحال مناسب نہیں تھا۔ویسے بھی میں اکثر اسے ایس ایم ایس کرتا رہتا تھا۔جب کہ وہ ہمیشہ کال ہی کیا کرتی تھی کیونکہ ایس ایم ایس ٹائپ کرنا اسے دردِ سر لگتا تھا۔

چند لمحوں کے بعد میرا موبائل فون بج اٹھا۔اسکرین پر مشی کا نام جھلملا رہا تھا۔ میں نے کال ریسیو کی تو وہ شکایتی انداز میں بولی۔

"تم کل سے یہاں موجود ہو اور مجھے ابھی بتا رہے ہو؟ یہ تو زیادتی ہے شاہو! تمہارا جھگڑا پاپا کے ساتھ ہے' میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

"بھئی میں تم سے کب ناراض ہوا ہوں' اگر ایسی بات ہوتی تو میں تمہیں ایس ایم ایس ہی کیوں کرتا؟" میں نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

"اوکے میں آرہی ہوں۔ آج دن کا کھانا میری طرف سے ہوگا۔" اس نے جلدی جلدی کہا اور فوراً رابطہ کاٹ دیا۔

فائزہ کچن سے واپس آئی تو میں نے اسے خوش خبری سنائی۔

"ڈاکٹر مہوش صاحبہ تشریف لانے والی ہیں۔تمہیں ایک بار پھر کچن میں جانے کی زحمت کرنا پڑے گی۔"

"کوئی بات نہیں بھائی جان! میں ہونے والی بھابی کے لیے یہ زحمت گوارا کرلوں گی۔" پہلی بار اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تم نے تو اسے بھابی بنالیا ہے مگر اس کے پاپا سے کون بات کرے گا؟" میں نے ہنس کر پوچھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

وہ بولی۔"ان سے بھی بات ہوجائے گی۔کیا آپ نے وہ کہاوت نہیں سنی کہ میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی؟"

"میں نے تو سنی ہے مگر شاید قاضی صاحب نے نہ سنی ہو۔"

"کون قاضی؟" اس نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"بھئی مہوش کے پاپا اور کون۔"

"اوہ' میں سمجھی آپ کسی اور قاضی کی بات کررہے ہیں۔" اس نے مطمئن ہوکر جواب دیا۔

"اچھا اب جا کر چائے تیار کرو' مہوش پہنچنے والی ہوگی۔" میں نے موضوع بدل کر کہا اور وہ بلا تردّد چل

...☆☆☆...

مشی کی معیت میں وہ سارا دن پلک جھپکتے ہی گزر گیا۔فائزہ اس کے ساتھ یوں گھل مل گئی جیسے وہ برسوں کی سہیلیاں ہوں حالانکہ یہ ان دونوں کی دوسری ملاقات تھی۔اس دن ہم سب نے خوب انجوائے کیا تھا اور تو اور' پُر

فضا مقام مری کی بھی سیر کی تھی۔وقتی طور پر ہم نے سارے تفکرات کو بھلا دیا تھا۔فائزہ بے حد خوش تھی اور اس کی خوشی میرے لیے باعث طمانیت تھی۔اسی روز شام کے وقت ہم جب واپس فلیٹ پر پہنچے تو ارمان کا فون آگیا۔میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کال ریسیو کی تو ارمان نے خوش خبری سنائی۔

”بھائی! اب آپ لوگ واپس آجائیں‘ جرگہ بغیر کسی نتیجے کے اختتام پزیر ہوگیا۔“

”کیسے...! مجھے پوری تفصیل بتاؤ؟“ میں نے خوشی اور حیرت کی ملی جلی کیفیت میں سوال کیا تو مشی اور فائزہ دونوں چونک کر میری طرف دیکھنے لگیں۔میں نے انہیں اشارے سے چپ رہنے کو کہہ دیا‘ ارمان بولا۔

”بھائی! جرگہ مشران نے جرگے کی کارروائی کا آغاز ہی سورا (ونی) کے مطالبہ سے کیا تو بابا نے ایک ہنگامہ کھڑا کردیا۔مخالف فریقین بھی بپھر گئے مگر سب خالی ہاتھ تھے اس لیے کسی قسم کا نقصان نہیں ہوا۔اس ہنگامہ آرائی کے بعد

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

جرگہ مشران نے مداخلت کرتے ہوئے مخالف فریقین کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کردیا اور یوں یہ جرگہ بغیر کسی نتیجے کے ختم ہوگیا۔“

میں نے کہا۔”میرے بھائی! یہ خوشی کی بات ہے مگر اب ہمیں محتاط رہنے کی ضرورت ہوگی۔دشمن سانپ سے زیادہ خطرناک ہے‘ موقع ملنے پر وار ضرور کرے گا۔“

”آپ فکر نہ کریں بھائی! ہم نے بھی کوئی چوڑیاں نہیں پہن رکھیں۔“ اس نے پُر جوش انداز میں جواب دیا۔

اس کے بعد میں اسے کافی دیر تک ہوشیار رہنے کی نصیحتیں کرتا رہا اور وہ بھی میری ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔رابطہ منقطع ہونے سے پہلے میں نے اسے بتادیا تھا کہ میں اور فائزہ دو تین روز کے بعد جب بابا کا غصہ ٹھنڈا ہوجائے گا تو واپس آجائیں گے۔

میری اپنے شیر دل بھائی سے یہ آخری گفتگو تھی۔شاید جس وقت میں اسے محتاط اور ہوشیار رہنے کی نصیحتیں کررہا تھا‘ اس وقت کاتب تقدیر میری نادانی پر خندہ زن تھا۔کیونکہ دوسرے روز عین عصر کے وقت کاتبِ تقدیر نے ارمان

کی زندگی پر کراس کا نشان لگادیا۔اسے مسجد کی سیڑھیاں اترتے ہوئے دشمنوں نے گولیوں سے بھون ڈالا تھا۔

مجھے جس وقت اس المناک واقعے کی اطلاع ملی، اس وقت میں فائزہ اور مشی کے ساتھ شہر کے ایک خوب صورت پارک میں گھوم رہے تھے۔کال ہمارے ایک پڑوسی نے کی تھی۔میری کال ریسیو کرتے ہی وہ بولا۔

"آپ جہاں بھی ہیں اور جس حالت میں ہیں فوراً گھر پہنچ جائیں۔"

"کیوں، ایسا کیا ہوگیا ہے؟، حیرت اور گھبراہٹ کے عالم میں، میں نے استفسار کیا۔

"وہ ہوگیا ہے، جس کا آپ تصور بھی نہیں کرسکتے۔" اُدھر سے جواب ملا۔

یکبارگی میرا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔میں فائزہ اور مشی سے قدرے فاصلے پر چلا گیا۔وہ دونوں ویسے ہی باتوں میں مصروف تھیں، اس لیے ان کا دھیان میری طرف نہیں تھا۔

"کک... کیا... ہوگیا ہے؟" دل کی دھڑکن کی طرح میری زبان بھی لڑکھڑا رہی تھی۔

"ارمان... ارمان کو قتل کردیا ہے۔دشمنوں نے اور..."

"نن... نہیں۔" میں تقریباً چلّا اٹھا اور اس کی بات بیچ میں ہی رہ گئی۔"یہ نہیں ہوسکتا پلیز کہہ دو کہ یہ جھوٹ ہے۔خدا کے لیے کہہ دو کہ تم مذاق کررہے ہو۔ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔یہ... یہ ممکن ہی نہیں ہے۔"

مجھے یوں پاگلوں کی طرح چلّاتے دیکھ کر فائزہ اور مشی دوڑ کر میرے نزدیک پہنچ گئیں۔وہ پریشانی کے عالم میں مجھ سے کچھ پوچھ رہی تھیں مگر میری ساری توجہ فون پر تھی۔مجھے فائزہ اور مشی کی کوئی بات سنائی نہیں دے رہی تھی۔

فون پر میرا پڑوسی رندھی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"کاش شاہ زمان یہ جھوٹ ہوتا یا... یا پھر میرے کہہ دینے سے جھوٹ بن جاتا تو خدا کی قسم! میں ابھی بول دیتا کہ یہ جھوٹ ہے۔مگر یہ ایک سنگین سچائی ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔آپ پلیز فوراً پہنچنے کی کوشش کریں۔یہاں بہت بُرے حالات ہیں اور بھی بہت کچھ ہوچکا ہے، جو میں آپ کو فون پر نہیں بتاسکتا۔" یہ کہہ کر اس نے رابطہ منقطع کردیا۔

چند لمحوں کے لیے تو میری قوتِ گویائی سلب ہو کر رہ گئی۔میں دھاڑیں مار کر رونا چاہتا تھا مگر حلق میں جیسے آواز اٹک کر رہ گئی تھی۔لاکھ کوشش کے باوجود میری آواز نہیں نکل رہی تھی لیکن لب بولنے کے انداز میں لرز رہے تھے۔

اُدھر فائزہ بھی بُری طرح چلّاتے ہوئے مجھے جھنجوڑ رہی تھی اور روتی ہوئی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

”بھائی! کیا ہوا... آپ بولتے کیوں نہیں؟ گھر میں تو سب ٹھیک ہے نا! پلیز بھائی! کچھ تو بولیں۔خدا کے لیے کچھ تو بتائیں آخر ہوا کیا ہے؟ بابا اور ارمان بھائی تو ٹھیک ہیں نا۔کیا... کیا ارمان بھائی کو کچھ ہو گیا ہے؟ پلیز بولیے... پلیز بھائی پلیز کچھ تو بولیے۔“

چلاتے چلاتے اس کا گلا خشک ہو گیا اور چہرہ آنسوؤں سے تربتر ہو گیا مگر میں تو جیسے پتھر کا ہو چکا تھا۔کوشش کے باوجود مجھ سے بولا نہیں جارہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے گرد لوگوں کا ہجوم لگ گیا۔یہ وہ لوگ تھے جن میں ہمدرد کم مگر تماش بین زیادہ ہوتے ہیں۔ان کے لیے یہ ایک طرح کی تفریح

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تھی۔جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔معاملے کی نوعیت جاننے کے لیے وہ لوگ طرح طرح کے سوال کررہے تھے لیکن فائزہ اور مشی خاموش تھیں، انہیں کچھ معلوم ہوتا تو وہ بتاتیں اور میں تو ویسے ہی گنگ ہوچکا تھا۔شدت غم نے میرے حواس معطل کرکے رکھ دیئے تھے۔

میری پیاری بہن کا اشک آلود چہرہ میری نگاہوں کے سامنے تھا مگر میں اس سے تسلی کے دو حرف بولنے سے بھی قاصر تھا۔یہ بے بسی اور بے چارگی کی انتہا تھی۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کا ہجوم بڑھتا چلا گیا۔ایسے ہی وقت مشی لوگوں کا ہجوم چیرتی ہوئی باہر نکل گئی۔تھوڑی دیر کے بعد وہ دوبارہ تماش بین لوگوں کو دائیں بائیں ہٹاتی ہوئی مجھ تک پہنچ گئی اور پھر مجھے بازو سے پکڑ کر کھینچتی ہوئی باہر لے جانے لگی۔

”بے چارا پاگل لگتا ہے۔“ کسی نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا تو مشی جو بڑی دیر سے صبر و تحمل سے کام لے رہی تھی ایک دم پھٹ پڑی۔

"شرم آنی چاہیے تم لوگوں کو۔" وہ چلّا کر بولی۔"یہ کوئی تماشا ہورہا ہے کیا؟ کچھ خوفِ خدا ہے تم لوگوں کو کہ نہیں...؟

"ارے ہم تو ہمدردی کررہے تھے' آپ تو خوامخواہ ناراض ہورہی ہیں۔" ایک باریش شخص نے شکایتی انداز میں جواب دیا۔

"نہیں چاہیے ہمیں آپ لوگوں کی ہمدردی اور پلیز راستہ چھوڑ دیں۔" مشی نے دوبارہ چلّا کر کہا تو ان لوگوں نے راستہ چھوڑ دیا۔ہم تینوں ہجوم سے باہر نکلے' قریب ہی مشی کی گاڑی موجود تھی۔مشی نے مجھے اور فائزہ کو گاڑی کی عقبی نشست پر بٹھایا اور پھر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے گاڑی آگے بڑھادی۔ فلیٹ تک پہنچتے پہنچتے میری حالت قدرے بہتر ہوگئی لیکن غم کی شدت کم نہیں ہوئی تھی۔

گاڑی سے اترتے ہی میں نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردیا اور پھر فائزہ اور مشی کو سب کچھ بتادیا۔صورت حال واضح ہوتے ہی فائزہ نے زارو قطار رونا شروع کردیا۔مشی بے چاری ہمیں پریشانی کے عالم میں تسلیاں دیے جارہی تھی۔مگر غم کا پہاڑ جو ہم پر اچانک ٹوٹ پڑا تھا وہ مشی کی تسلیوں سے ہٹنے والا

نہیں تھا۔اس کے دلاسے ارمان کو واپس نہیں لاسکتے تھے۔یہ تسلیاں اور دلاسے تو محض رسمی کارروائی ہوتے ہیں۔ان سے غم کی شدت کبھی کم نہیں ہوتی۔

"پلیز شاہ زمان!" آخرکار مشی میرے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی۔

"تم اگر یوں بچوں کی طرح روتے رہو گے تو فائزہ کا کیا بنے گا' تمہاری اماں اور بابا کا غم کون بانٹے گا۔پلیز خود کو سنبھالو۔رونے سے کچھ نہیں ہونے والا' تم مرد ہو اور مرد روتے ہوئے اچھے نہیں لگتے۔سنبھالو' خود کو سنبھالو... میں... میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

اس نے مجھے اور فائزہ کو ایک صوفے پر بٹھایا اور پھر دوڑ کر فریج سے ٹھنڈا پانی نکال لائی۔پانی پینے کے بعد میری حالت قدرے بہتر ہوگئی تاہم فائزہ بدستو رخاموش آواز میں رو رہی تھی۔میں نے فائزہ کو تسلی دینے کے بجائے موبائل فون نکالا اور اسی پڑوسی کا نمبر ملادیا جس نے تھوڑی دیر قبل ہمیں اس المناک واقعے کی خبر دی تھی۔رابطہ قائم ہوتے ہی میں نے کہا۔

"منیر! میں شاہ زمان بات کررہا ہوں۔ہم لوگ ابھی واپس آرہے ہیں۔پلیز ہمارے آنے تک ارمان کی تجہیز و تکفین نہیں کرنی۔"

وہ بولا۔”وہ تو ویسے بھی آج نہیں ہو سکتی۔ابھی تو پوسٹ مارٹم ہونا ہے۔“

”ٹھیک ہے اور بابا سے کہنا کہ ابھی رپورٹ درج نہ کروائیں۔یہ کام میں خود آکر کروں گا۔“

”کہہ دوں گا جی‘ بے فکر رہیں۔“ اس نے جواب دیا۔

میں منیر سے قاتلوں کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا تھا مگر پھر کچھ سوچ کر میں نے رابطہ منقطع کردیا۔کیونکہ یہ فون پر کرنے والی باتیں نہیں تھیں۔

اس دوران مشی فائزہ کوناصرف سنبھال چکی تھی بلکہ کچن میں جاکر شام کی چائے بھی بنارہی تھی۔فائزہ میرے پاس ہی گم صم بیٹھی ہوئی تھی۔گوکہ اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے مگر چہرہ اُترا ہوا تھا۔وہ برسوں کی بیمار نظر آرہی تھی۔اس کی حالت دیکھ کر میرا دل کٹ کر رہ گیا تب پہلی بار مجھے اپنی ذمہ داری کا احساس ہوا۔

”گڑیا!“ میں نے اسے پیار سے پکارا۔”اِدھر آؤ۔“

وہ اٹھی اور کسی بچی کی طرح بلکتی ہوئی مجھ سے لپٹ گئی۔میں نے اسے سینے سے لگاتے ہوئے پچکارا۔

”بس گڑیا بس‘ اب ہم نہیں ہمارے دشمن روئیں گے۔میں ارمان کے لہو کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس کے قاتلوں کو بہت درد ناک موت ماروں گا۔ انہیں ارمان کا خون بہت مہنگا پڑے گا‘ میں ان پر یہ زمین تنگ کردوں گا۔“

وہ سسکتے ہوئے بولی۔”بھائی! یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے۔کاش میں نے یہ قدم نہ اٹھایا ہوتا تو ارمان بھائی آج زندہ ہوتے۔میں... میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔“

وہ خود کوالزام دے رہی تھی حالانکہ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ارمان کا گناہ گار میں تھا‘ میں اسے ڈرا کریہاں لایا تھا ورنہ وہ خود تو یہ قدم اٹھانے کے لیے بالکل تیار نہیں تھی۔

میں نے کہا۔”گڑیا! خود کو الزام نہ دو۔یہ گناہ مجھ سے سرزد ہوا ہے اور اب اس کا کفارہ بھی میں ہی ادا کروں گا۔میں ہی تجھے یہاں لے کر آیا تھا۔“

مشی چائے بنا کر لے آئی تھی۔ہمارا دل کچھ کھانے پینے کو نہیں چاہ رہا تھا مگر مشی کے اصرار پر ہم نے ایک ایک پیالی پی لی تھی۔اس کے بعد میں اور فائزہ گاؤں جانے کی تیاری کرنے لگے۔

مشی بولی۔”میں بھی ساتھ آؤں گی۔“

میں نے کہا۔”راجا صاحب! تمہیں کبھی اجازت نہیں دیں گے‘ بس رہنے دو ہم پبلک ٹرانسپورٹ پر چلے جائیں گے۔“

”پاپا سے اجازت لینا میرا کام ہے۔“ وہ مصر ہوئی۔”میں ابھی اجازت لے کر واپس آتی ہوں۔اتنی دیر تک تم لوگ تیاری کرلو۔“

”مشی! وہاں کے حالات کا کچھ پتا نہیں ہے۔اس لیے بہتر ہوگا کہ تم یہیں رہ جاؤ۔میں تمہیں کسی مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔“

وہ بولی۔”کیا ارمان میرا بھائی نہیں تھا‘ کیا میں اس کی کچھ نہیں لگتی؟“

”یہ بات نہیں ہے مشی! دراصل مجھے راجا صاحب کی طرف سے...؟“

”میں نے کہا نا کہ پاپا سے اجازت لینا میرا مسئلہ ہے۔“ اس نے قطع کلامی کی۔

”پھر تم کیوں پریشان ہورہے ہو؟“

”اوکے!“ میں نے رضا مندی کا اظہار کیا۔”تمہارے پاس ایک گھنٹہ ہے۔فوراً اجازت لے کر پہنچ جاؤ۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”ایک گھنٹے سے بھی پہلے پہنچ جاؤں گی۔“ اتنا کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

...☆☆☆...

ٹھیک پینتالیس منٹ کے بعد مشی پہنچ گئی اور ہم عجلت میں گاؤں کی طرف روانہ ہوگئے۔ڈرائیونگ سیٹ مشی نے سنبھال لی۔راستے میں ہم صرف چند منٹ کے لیے رکے تھے اور وہ بھی گولی استاد کے گیراج میں... اس کے بعد دوبارہ چل پڑے تھے۔

رات کے گیارہ بجے ہم گاؤں میں داخل ہوگئے اور پھر دس منٹ کے اندر گھر پہنچ گئے‘ ایک چارپائی کے گرد بہت سی عورتیں بیٹھی ہوئی کلام پاک کی تلاوت کررہی تھیں جب کہ کافی سارے مرد ان سے دور بیٹھے ہوئے تھے۔پورا صحن روشنی میں نہایا ہوا تھا۔فائزہ اور مشی خواتین کے پاس بیٹھ گئیں جب کہ میں لٹے ہوئے جواری کی طرح چلتا ہوا مَردوں کی طرف بڑھ گیا۔میں نے سلام کیا۔بابا نڈھال انداز میں لوگوں کے بیچ بیٹھے ہوئے تھے۔مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ پُھرتی سے اٹھے اور میرے قریب پہنچ کر میرا گریبان پکڑ لیا۔

"دیکھو بھائیو!" وہ چلّا کر بولے۔"یہ وہ ناگ ہے جس نے اپنے ہی بھائی اور ماں کو ڈس لیا ہے۔اسے تو خدا بھی معاف نہیں کرے گا۔" اتنا کہنے کے بعد انہوں نے میرے چہرے پر تھپڑوں کی بارش برسادی۔

"بول بدبخت! ظالم' نافرمان! کیوں کیا تم نے ایسا... کس گناہ کی سزا دی تم نے ہم لوگوں کو؟ کاش تُو پیدا ہوتے ہی مرگیا ہوتا تو آج مجھے یہ دن تو نہ دیکھنا پڑتا۔"

وہ بلند آواز سے مجھے بددعائیں دے رہے تھے۔بُرا بھلا کہہ رہے تھے' تھپڑ مار رہے تھے مگر میں کسی ستون کی طرح زمین میں گڑا ہوا تھا۔چند لوگوں نے مداخلت کرتے ہوئے مجھے بچانے کی کوشش کی مگر بابا بُری طرح بپھرے ہوئے تھے۔وہ سنبھالے نہیں سنبھل رہے تھے۔ان پر جنون کی سی کیفیت طاری تھی۔وہ چلّا کر بولے۔

"کوئی بیچ میں نہیں آئے گا۔میں ماروں گا اسے۔اس بدبخت نے میرا ہنستا بستا گھر اُجاڑ دیا ہے۔یہ معافی کے لائق نہیں ہے۔"

وہ لگاتار مجھ پر تھپڑ برسا رہے تھے' پھر انہوں نے میرا گریبان پر ڈالا ہوا ہاتھ ایک جھٹکے سے کھینچا تو "جھرر" کی آواز کے ساتھ ہی میرا گریبان پھٹتا چلا گیا۔

"اُدھر دیکھو!" وہ عورتوں کے درمیان رکھی ہوئی چارپائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چلّائے۔"وہ تیری ماں ہے بدبخت! جا پوچھ اس سے کہ اسے کس نے مارا ہے' کس نے اس کی جان لی ہے۔وہ بولتی کیوں نہیں ہے' کیوں ارمان پر رونے کے لیے ہمیں چھوڑ کر چلی گئی ہے؟ کیا... کیا ہم اس کے کچھ نہیں لگتے تھے؟"

اچانک انہوں نے میرا گریبان چھوڑ دیا۔ان کے تھپڑ برساتے ہاتھ ساکن ہوگئے اور بددعائیں دیتی زبان خاموش ہوگئی۔

"بابا!" میرے کپکپاتے ہوئے ہونٹوں سے لرزتی ہوئی آوز نکلی۔"مم... مجھے... اور... مارو"

"مرا ہوا کسی کو کیا مارے گا؟" اتنا کہنے کے بعد وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

دوسری طرف فائزہ اماں کی لاش سے لپٹی دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ اس کی دل خراش چیخیں آسمان کا کلیجہ شق کیے دے رہی تھیں۔ مشی اور دوسری عورتیں اسے سنبھالنے کی کوشش کررہی تھیں مگر اس کی چیخیں تھیں کہ تھمنے میں ہی نہیں آرہی تھیں۔

"بابا!" میں نے روتی ہوئی آواز میں کہا۔ "کچھ آنسو ارمان کے لیے بھی تو بچا کررکھ لو۔ صبح جب اس کی لاش آئے گی تو آنسوؤں کے بغیر رونا پڑے گا۔"

بابا روتے ہوئے مجھ سے لپٹ گئے۔ ان کی زبان پر اماں اور ارمان کا ہی نام تھا۔ میں جو بابا کو سخت دل سمجھا کرتا تھا آج انہیں اس عالم میں دیکھ کر خود بھی دل کھول کر رو دیا۔ محلے والے اور دیگر رشتہ دار حتی المقدور ہمیں تسلیاں دینے کے ساتھ ساتھ صبر کی بھی تلقین کررہے تھے مگر ہمارا صبر و قرار تو اماں اور ارمان لوٹ کر لے گئے تھے۔ وہ رات ہمارے لیے قیامت کی رات تھی لیکن روتے دھوتے گزر ہی گئی۔

دوسرے دن جب ارمان کی لاش پوسٹ مارٹم کے بعد واپس لائی گئی تو گھر میں ایک بار پھر کہرام مچ گیا۔ فائزہ روتے روتے بے ہوش ہوگئی جب کہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

مجھے بابا اور فائزہ کی خبر ہی نہ رہی۔ میری آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں اور دل ڈوبا جارہا تھا، مجھ میں ارمان کا آخری دیدار کرنے کی تاب ہی نہیں رہی تھی لیکن دیدار تو کرنا ہی تھا۔

اس کی میت اماں کے ساتھ برآمدے میں ہی رکھ دی گئی تھی۔ میں جی کڑا کرکے ارمان کی میت کے قریب پہنچ گیا۔ میت کو غسل دیا جاچکا تھا اور جنازہ گاہ میں لے جانے کی تیاری کی جارہی تھی جب کہ اماں کی میت کو کل ہی غسل دے دیا گیا تھا۔

میں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ارمان کے ڈھکے ہوئے چہرے پر سے کپڑا ہٹایا۔ ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھا اور پھر جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ ثبت کردیا۔ میری آنکھوں سے کچھ آنسو اس کے چہرے پر گرے اور رینگتے ہوئے تھوڑی تک چلے گئے۔

"ارمان! میرے بھائی!" میں بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "آج میرے پاس یہی آنسو ہیں جو میں نے تیری نذر کردیئے ہیں مگر میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایک روز تیری قبر پر لہو کے چراغ روشن کروں گا اور وہ لہو تیرے قاتلوں کا

ہو گا۔میں قسم کھاتا ہوں میرے بھائی! کہ یہ وعدہ پورا کرنے سے پہلے نہیں مروں گا۔“

اس کے بعد اسی روز اماں اور ارمان ہمیشہ کے لیے ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ان کی قبریں ساتھ ساتھ بنائی گئی تھیں۔دوپہر تک فاتحہ خوانی کے لیے آنے والے لوگوں کا ہجوم رہا‘ اس کے بعد

جب اکاّ دکاّ لوگ رہ گئے تو میں نے بابا سے اجازت لے کر تھانے کا رخ کیا۔ راجا صاحب کی مدد حاصل کرنے کے پیش نظر میں نے مشی کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ایک ڈاکٹر ہونے کے ناتے مجھے معلوم تھا کہ ایف آئی آر درج ہو چکی ہو گی کیوں کہ پوسٹ مارٹم سے پہلے ایف آئی کار کا اندراج ضروری ہوتا ہے مگر میں دیکھنا چاہتا تھا کہ قاتل کن لوگوں کو نامزد کیا گیا ہے۔

تھانے کے احاطے میں گاڑی روک کر ہم دونوں آفس کی جانب بڑھ گئے۔ ڈیوٹی پر موجود کانسٹیبل سے میں نے اپنا تعارف کرایا اور پھر مشی کو ساتھ لے کر آفس میں داخل ہو گیا۔خوش قسمتی سے اس روز تھانہ انچارج اپنی سیٹ پر

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

موجود تھا۔چونکہ مجھے وہ پہلے ہی سے جانتا تھا اس لیے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

”تشریف رکھیے ڈاکٹر صاحب!“

میں اور مشی میز کے ساتھ رکھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے پھر تھانہ انچارج دوبارہ بولا۔

”ڈاکٹر صاحب! مجھے آپ کے بھائی کی موت کا ذاتی طور پر دکھ ہوا ہے لیکن آپ بے فکر رہیں اس کے قاتل بہت جلد قانون کی گرفت میں ہوں گے۔ ہم نے ایف آئی آر درج کر دی ہے اور قاتلوں کی تلاش جاری ہے۔“

میں نے الجھ کر پوچھا۔”قاتلوں کی تلاش...؟ میں کچھ سمجھا نہیں جناب! آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ قاتل تو اسی گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ میرے بھائی کے قتل کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے‘ پھر آپ لوگ کیسے بے خبر ہو سکتے ہیں۔“

”کس کا ہاتھ ہے؟“ اس نے پُر جوش انداز میں پوچھا۔”بتاؤ ہم آج ہی اسے گرفتار کر لیں گے۔“

میں نے کہا۔"وہ کوئی اور نہیں ہے، آپ اسے اچھی طرح جانتے ہیں، اس کا نام شیرزادہ خٹک ہے۔"

اس کا جوش اور ولولہ ایک ثانیے میں جھاگ کی طرح بیٹھ گیا کیونکہ شیرزادہ خٹک سردار شیر افضل خان کا خاص آدمی تھا اور وہ شیر افضل خان سے بگاڑ کر شیر زادہ خٹک پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔شیر افضل خان ہی کی مہربانی سے تو وہ اس پولیس اسٹیشن میں تعینات تھا۔وہ لمحہ بھر کے لیے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"ڈاکٹر صاحب! آپ ایک معزز شخص پر بلا سوچے سمجھے اتنا بڑا الزام لگا رہے ہیں حالانکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس کا آپ کے بھائی کے قتل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"تعلق تو بہت گہرا ہے انور صاحب!" میں نے اس کی وردی پر لگی ہوئی نیم پلیٹ دیکھ کر پُر زور انداز میں کہا۔"آپ کو معلوم ہے کہ اس گاؤں میں ہماری دشمنی صرف اسی کے ساتھ تھی۔آپ کو چند روز قبل ہونے والے جرگے کی کارروائی بھی معلوم ہوگی۔"

"مجھے سب معلوم ہے لیکن شیر زادہ خٹک اس قتل میں ملوث نہیں ہوسکتا۔" اس نے شان بے نیازی سے جواب دیا۔

"کیوں نہیں ہوسکتا؟" میں نے بھڑک کر پوچھا۔

"کیونکہ وہ اس روز گھر میں ہی نہیں تھا اور ویسے بھی ایف آئی آر نامعلوم قاتلوں کے خلاف کٹ چکی ہے۔آپ کو پتا ہوگا کہ ایف آئی آر میں ترمیم نہیں کی جاسکتی اور نا ہی دوسری ایف آئی آر کٹ سکتی ہے۔"

"میں مدعی ہوں جناب! اتنا قانون میں بھی جانتا ہوں کہ مجھے قاتل نامزد کرنے کا اختیار حاصل ہے۔آپ اگر ٹال مٹول کریں گے میں یہ معاملہ میڈیا تک لے جاؤں گا۔"

وہ قدرے نرم پڑتے ہوئے بولا۔"دیکھیے ڈاکٹر صاحب! آپ بات کو پوری طرح نہیں سمجھ رہے ہیں۔نامعلوم قاتل تو کوئی بھی ہوسکتا ہے۔"

"تو کیا اس "کوئی" میں شیرزادہ خٹک شامل نہیں ہے؟" میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ وہ اس روز گاؤں میں موجود نہیں تھا۔"

”ایسا ہوسکتا ہے لیکن...؟“ میں جان بوجھ کر خاموش ہو گیا۔

”لیکن... کیا؟“ اس نے بے تابی سے سوال کیا۔

میں نے کہا۔”اس روز گاؤں سے باہر جانا شیر زادہ خٹک کے منصوبے کا حصہ بھی تو ہوسکتا ہے نا؟ وہ خود تو گاؤں سے غائب ہو گیا جب کہ اس کے ہائر کیے گئے قاتلوں نے اس کا منصوبہ پایۂ تکمیل تک پہنچادیا۔“

”لگتا ہے آپ جاسوسی فلمیں بہت دیکھتے ہیں یا پھر جاسوسی کہانیاں پڑھتے رہتے ہیں۔“ اس نے طنزیہ انداز میں کہا اور پھر قدرے توقف سے دوبارہ بولا۔ ”ڈاکٹر صاحب! ایسے منصوبے وغیرہ تو صرف فلموں اور کہانیوں میں بنائے جاتے ہیں۔مہربانی فرما کر آپ اگر قانونی کارروائی میں یہ بے جا مداخلت نہ کریں تو یہ قانون اور آپ' دونوں کے حق میں بہتر ہوگا۔“

”اس کا صاف مطلب تو یہ ہے کہ آپ شیر زادہ خٹک کے خلاف کوئی کارروائی کرنا ہی نہیں چاہتے ورنہ یوں اس کے دفاع میں نہ بولتے۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”آپ... آپ ایک سرکاری اہل کار پر بغیر کسی ثبوت کے الزام لگا رہے ہیں۔“ وہ یک دم بھڑک اٹھا۔”شیرزادہ خٹک کوئی میرے مامے کا پتر نہیں ہے کہ میں اسے بچانے کی کوشش کروں گا۔“

”تو پھر اسے قاتل نامزد نہ کرنے میں کون سا امر مانع ہے؟“ میں نے بھی غصے سے استفسار کیا۔

”یہ پوچھنے والے تم کون ہوتے ہو؟“ اس نے پولیس والوں کا روایتی انداز اپناتے ہوئے آپ جناب کا صیغہ ترک کرتے ہوئے سوال کیا۔

میں سر تاپا سلگ اٹھا اور میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔مثی میرے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات دیکھ کر ایک دم پریشان ہو گئی جب کہ تھانہ انچارج مجھے کینہ توز نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

میں نے قدرے توقف کے بعد سنبھلتے ہوئے کہا۔”آپ اپنی جیب گرم کرکے قاتلوں کو بچا نہیں سکیں گے۔اگر آپ نے شیر زادہ خٹک کو قاتل نامزد نہ کیا تو یہ معاملہ بہت اوپر تک جائے گا' میں خاموش نہیں بیٹھوں گا۔“

"تم... تم مجھ پر رشوت ستانی کا الزام لگا رہے ہو؟" اس نے اپنی نشست چھوڑتے ہوئے طیش کے عالم میں کہا۔"میں اگر چاہوں' تو تجھے ابھی حدود آرڈیننس میں اندر کر سکتا ہوں۔ایک شہری لڑکی کے ساتھ آوارہ گردی کے جرم..."

"بکواس بند کرو۔" مشی اس کی بات کاٹتے ہوئے چلّائی۔"تم شاید نہیں جانتے کہ میں کون ہوں؟ میرے پاپا کا ایک فون تیری وردی اُتروا سکتا ہے۔میں راجا اظہار الحق کی اکلوتی بیٹی ہوں۔وہ راجا اظہار الحق جو تیرے باپ شیر افضل خان کا بھی باپ ہے۔یقین نہیں آتا تو اپنے باپ کو فون کر کے معلوم کر لو۔"

"مس آپ... آپ...؟" اس نے غصے اور ندامت کی ملی جلی کیفیت میں کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن مشی اسے نظر انداز کرتے ہوئے مجھ سے بولی۔

"چلو شاہ زمان! میں دیکھتی ہوں کہ یہ کیسے ایک گھنٹے کے اندر شیرزادہ خٹک کے خلاف ایف آئی آر درج نہیں کرتا۔"

اس کے بعد وہ مجھے کھینچتی ہوئی باہر لے آئی۔آفس کے دروازے سے گزرتے ہوئے میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو تھانہ انچارج بدستور کش مکش کے عالم

میں کھڑا ہوا تھا۔شاید مشی کے لہجے اور انداز نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

...☆☆☆...

ہم گاڑی میں بیٹھ کر تھانے کے احاطے سے باہر نکلے تو مشی بولی۔

"تھوڑی دور جا کر گاڑی روک دینا' میں پاپا سے بات کروں گی۔یہ الو کا پٹھا اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے؟ میں اس کی وردی اُتروا کر رہوں گی۔"

"پلیز مشی!" میں نے التجائیہ انداز میں کہا۔"تم واپس چلی جاؤ' میں تمہیں دشمنی کی اس آگ میں نہیں جھونکنا چاہتا۔میں خود نمٹ لوں گا ان لوگوں سے۔"

"اس نے میری توہین کی ہے شاہو! میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔"

"یہ سب تم وہاں جا کر بھی کر سکتی ہو۔"

وہ بولی۔"کر سکتی ہوں لیکن تب تک بہت دیر ہو جائے گی۔پلیز گاڑی روکو۔"

میں نے چاروناچار گاڑی روک دی۔مشی نے موبائل فون نکالا اور راجا صاحب کا نمبر ملا دیا۔رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے تھانہ انچارج کے خلاف شکایت کا دفتر کھول دیا۔

"پاپا! اگر آپ کو واقعی مجھ سے محبت ہے تو میں اس پولیس آفیسر کو آج ہی معطل دیکھنا چاہتی ہوں۔اس نے میری توہین کی ہے۔"

موبائل فون کا اسپیکر آن تھا۔اس لیے راجا صاحب کی آواز آئی۔

"پاپا کی جان! اسے اپنے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔میں ابھی اس کا بندوبست کرتا ہوں، تم فکر نہ کرو۔"

وہ بولی۔"کیسے فکر نہ کروں پاپا! وہ ڈاکٹر شاہ زمان کی ایف آئی آر ہی درج نہیں کر رہا۔"

"یہ ان کا اپنا معاملہ ہے گڑیا! میں نے تجھے صرف تعزیت کرنے کی اجازت دی تھی۔تم آج ہی واپس آجاؤ۔"

"سوری پاپا! جب تک یہ لوگ ڈاکٹر شاہ زمان کی ایف آئی آر درج نہیں کر لیتے تب تک میں واپس نہیں آؤں گی۔" اس نے قطعی انداز میں جواب دیا۔

راجا صاحب بولے۔"ضد نہیں کرتے بیٹے! یہ تھانے کچہری کے معاملات ہیں' لڑکیوں کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ایسے معاملات میں مداخلت کریں۔پلیز تم آج ہی واپس آجاؤ۔"

"کبھی نہیں آؤں گی۔" اس نے بگڑ کر جواب دیا۔

"دیکھو مجھے سختی کرنے پر مجبور مت کرو۔" راجا صاحب نے قدرے غصے کے عالم میں کہا۔"اب تم بچی نہیں رہی ہو' پرائے معاملات میں کیوں ٹانگ اڑا رہی ہو؟ کیا تجھے اپنے پاپا کے مرتبے کا کوئی احساس نہیں ہے۔کیوں مجھے بے عزت کرانے پر تُل گئی ہو؟"

وہ روہانسی ہو کر بولی۔"میں سمجھ گئی ہوں پاپا کہ آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں' آپ کو بیٹی سے زیادہ سیاسی مفاد عزیز ہے نا تو ٹھیک ہے میں بھی آپ کی بیٹی ہوں' مرجاؤں گی لیکن واپس نہیں آؤں گی۔"

چند لمحوں کے لیے دوسری طرف خاموش چھاگئی پھر راجا صاحب کی شکست خوردہ آواز سنائی دی۔

"اوکے تم لوگ آدھے گھنٹے کے بعد تھانے پہنچ جانا۔ایف آئی آر درج ہوجائے گی۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔"تھینک یو پاپا یو آر گریٹ!"

اس کے بعد راجا صاحب نے اسے واپسی کی تاکید کرتے ہوئے رابطہ منقطع کردیا۔

ٹھیک آدھے گھنٹے کے بعد ہم دونوں ایک مرتبہ پھر تھانہ انچارج کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔سب سے پہلے تو اس نے مشی سے معذرت کی اور پھر میرے کہنے پر ایف آئی آر میں شیر زادہ خٹک کو قاتل نامزد کردیا۔اس کے بعد وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔

”ڈاکٹر صاحب! آپ ایک معزز اور شریف آدمی ہیں۔آپ کے لیے یہ دشمنی بہت نقصان دہ ثابت ہوگی۔آپ کے پاس موقع کا کوئی گواہ بھی نہیں ہے‘ ایسی صورتِ حال میں یہ کیس لٹک جائے گا۔عدالت تو ثبوتوں کی بنیاد پر کارروائی کرتی ہے نا! آپ کچھ بھی ثابت نہیں کرپائیں گے۔“

میں نے کہا۔”کوئی بات نہیں‘ اب تو دشمنی ہوگئی ہے۔عدالت نے انصاف نہ کیا تو پھر میں خود ہی انصاف کرنے کی کوشش کروں گا۔“

”کم از کم میرے سامنے تو ایسی باتیں نہ کریں۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”سوری‘ بے خیالی میں زبان سے نکل گیا۔اب احتیاط کروں گا۔“ میں نے جواب دیا۔

”اوکے‘ کوئی بات نہیں ہے۔“ وہ لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولا۔”میں جانتا ہوں کہ انجکشن اٹھانے والے ہاتھ بندوق کا بوجھ نہیں سہار سکتے۔“

”ٹھیک کہتے ہو مگر ایسے ہاتھ جب بھی بندوق اٹھاتے ہیں تو بہت تباہی لاتے ہیں۔“ اتنا کہنے کے بعد میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور پھر مشی کے ساتھ باہر نکل گیا۔

گھر پہنچ کر جب میں نے یہ ساری صورتِ حال بابا کو بتائی تو وہ پریشانی کے عالم میں بولے۔

”شاہ زمان! میری ایک بات مانو گے؟“

”آپ حکم کریں بابا!“ میں نے فرماں برداری سے کہا۔”کیوں نہیں مانوں گا۔“

"تم فائزہ کو ساتھ لے کر ہمیشہ کے لیے یہ گاؤں چھوڑ دو۔اب یہ جگہ رہنے کے قابل نہیں رہی' یہاں تم لوگوں کی زندگی محفوظ نہیں ہے۔"

میں نے متحیر انداز میں پوچھا۔"اور آپ کہاں جائیں گے بابا؟'

"میں بوڑھا آدمی ہوں بیٹے! مجھے کس نے کیا کہنا ہے؟ پڑا رہوں گا یہیں' اسی گاؤں میں۔"

میں بولا۔"جائیں گے بابا اور آپ کو بھی ساتھ لے کر جائیں گے مگر ارمان کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے بعد... فی الحال تو میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"یہ ناممکن ہے بیٹے!" بابا کے انداز سے مایوسی جھلک رہی تھی۔"یہ لوگ بہت طاقتور ہیں' تم ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے اور قانون کو تو انہوں نے ویسے ہی اپنے گھر کی لونڈی بنا رکھا ہے اور لونڈی اپنے مالک کا گریبان نہیں پکڑ سکتی۔"

"آپ خود ہی تو کہتے تھے کہ دشمنوں کے خوف سے علاقہ چھوڑ دینا بزدلی ہوتی ہے تو پھر آج یہ بزدلی کیوں بابا؟" میں نے شکایتی انداز میں استفسار کیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"میں خود تو اب بھی کہیں نہیں جارہا۔" انہوں نے جواب دیا۔

"میں بھی تو آپ ہی کا بیٹا ہوں' اگر آپ بزدل کہلانا نہیں چاہتے تو میں کیسے یہ پسند کرسکتا ہوں' میں بھی یہیں آپ کے ساتھ رہوں گا۔"

"اور فائزہ کا کیا بنے گا؟" انہوں نے پریشان ہوکر سوال کیا۔

اسی وقت میرا موبائل فون بجنے لگا اور میں نے بابا کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے موبائل فون نکال لیا۔اسکرین پر کوئی اجنبی نمبر جھلملارہا تھا۔میں نے کال ریسیو کرتے ہوئے استفسار کیا۔

"ہیلو... کون؟"

"کون' کیا' کیوں؟ یہ سب فضول سوال ہیں ڈاکٹر!" ایک اجنبی آواز سنائی دی' جس کے انداز سے حد درجہ غرور جھلک رہا تھا۔"میری بات غور سے سنو' میں تجھے تین دنوں کی مہلت دیتا ہوں یا تو یہ علاقہ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دو یا پھر شیر زادہ خٹک سے ہاتھ ملا کر صلح کرلو ورنہ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ تمہارے ساتھ کیا ہوگا؟"

"اوہ' تو تم شیر زادہ خٹک کے چمچے بول رہے ہو؟" میں نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"فتح خان نام ہے میرا اور میں..."

"چمچے کا کوئی نام نہیں ہوتا۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔"اور یہ دھمکیاں کسی اور کو دینا' میں میدان چھوڑ کر بھاگ جانے والوں میں سے نہیں ہوں۔میں تم سب کی موت تک یہیں رہوں گا۔اسی گاؤں میں سمجھے تم!"

"تین دن ڈاکٹر! تین دن...!" وہ بدستور اسی انداز میں بولا۔"چوتھے روز تم اگر اس گاؤں میں نظر آئے تو تیری زندگی میں پانچواں دن نہیں آئے گا۔یاد رکھنا!" اس کے بعد رابطہ منقطع ہو گیا۔

دنیا میں فساد کا محرک زن' زر' زمین رہی ہے۔دنیا کا پہلا قتل بھی عورت ہی کی وجہ سے ہوا تھا۔یہ نیا سلسلہ وار ناول ہمارے موجودہ دور کی کہانی ہے۔اس کے بیش تر کردار ابھی تک بقید حیات ہیں۔کچھ اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرچکے ہیں۔جب کہ بعض کے دامن میں صرف پچھتاوے باقی رہ گئے ہیں اور

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

وہ چاہتے ہوئے بھی اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے سے قاصر ہیں۔وقت کی گرد نے ان کی شناخت تک گم کردی ہے۔

محبت کی روایتی تکون سے شروع ہونے والی یہ خونی داستان جوں جوں آگے بڑھتی ہے کہانی سے جڑے کرداروں کو کسی عفریت کی طرح نگلتی جاتی ہے۔اس میں کرپٹ سیاست دانوں کی نقاب کشائی نہایت مہارت کے ساتھ کی گئی ہے کہ کیسے وہ وطن عزیز کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے ساتھ ساتھ عوام کہلانے والے مجبور و مقہور طبقے کے بنیادی حقوق کا استحصال کرتے چلے آرہے ہیں۔گفتار کے یہ غازی کیسے عوام کو سبز باغ دکھا کر ان کی عزت و جان اور مال و متاع کے سودے وطن دشمنوں سے کرتے ہیں۔اپنے مفادات کی خاطر کیسے گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہیں۔ان کے وعدے پانی پر کھینچی گئی لکیر کی طرح نا پائیدار ہوتے ہیں۔

اس طویل داستان میں محبت اور نفرت کے تمام رنگ اپنی پوری شدت کے ساتھ موجود ہیں۔کہیں مجبوری' بے بسی اور مفلسی کی سسکیاں سنائی دیتی ہیں تو کہیں جابروں اور ظالموں کے سماعت شکن قہقہے گونجتے ہیں۔کہیں قانون اپنے

روایتی انداز میں مظلوموں کی عزت و جان سے کھیلتا نظر آتا ہے تو کہیں جابروں کی دہلیز پر ماتھا ٹیکتا دکھائی دیتا ہے۔

بابا جو بڑی حد تک میری گفتگو سن کر معاملے کی تہہ تک پہنچ چکے تھے۔ بولے۔”کیا تم اب بھی میری بات ماننے سے انکار کرو گے؟ اب تو وہ لوگ کھل کر سامنے آگئے ہیں۔“

”بے شک آگئے ہیں۔“ میں نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔”لیکن میں پھر بھی گاؤں چھوڑ کر نہیں بھاگوں گا۔یہیں رہ کر ان لوگوں کا مقابلہ کروں گا۔“

”یہ مقابلہ نہیں خودکشی ہوگی۔“ بابا نے جھنجلا کر کہا۔”تم سمجھتے کیوں نہیں ہو؟ میں کہتا ہوں بہن کو لے کر نکل جاؤ یہاں سے۔“

”نہیں، میں نہیں جاؤں گا۔“ میں نے قطعی انداز میں کہا۔”پہلے تو شاید آپ کی مان کر چلا بھی جاتا مگر اب جب کہ انہوں نے دھمکی دے دی ہے تو میں یہ بزدلوں والا کام نہیں کروں گا۔“

بابا نے میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔”یہ دیکھ بیٹے! میں تیری منت کرتا ہوں۔خدا کے لیے یہاں سے چلے جاؤ، کہیں بھی چلے جاؤ، بے شک میری

نگاہیں تم لوگوں کو نہیں دیکھ سکیں گی مگر تم لوگ زندہ تو رہو گے ناں؟ میرے لیے یہی کافی ہے۔“

میں نے استدعا کی۔”پلیز بابا! آپ مجھے مجبور نہ کریں۔میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔میں نے شیر زادہ خٹک کے خلاف قتل کی رپورٹ درج کرادی ہے۔ اب وہ بچ نہیں سکے گا۔“

”تم جاگتے ہوئے خواب دیکھ رہے ہو، شیر زادہ خٹک کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں ہوگی البتہ تیرے خلاف ضرور ہوگی۔میرا کہنا نہ مان کر تم بہت پچھتاؤ گے۔“

دیر تک بابا کی منت سماجت جاری رہی مگر میں نے گھر چھوڑ کر بھاگنے سے قطعی انکار کردیا۔آخر کار بابا نے مجھے میرے حال پر چھوڑتے ہوئے چپ سادھ لی۔دن کا بقیہ حصہ میں نے تعزیت کے لیے آنے والے لوگوں کے ساتھ گزار دیا۔اس دوران مشی گھر کے اندر فائزہ اور ہماری ایبٹ آباد والی خالہ کے ساتھ رہی تھی۔شام کے وقت جب اس کی اور میری ملاقات ہوئی تو وہ قدرے پریشان نظر آرہی تھی۔میں نے پریشانی کا سبب پوچھا تو بولی۔”پاپا کا

دو مرتبہ فون آچکا ہے وہ مجھے فوراً واپس آنے کے لیے کہہ رہے ہیں لیکن میں نے انکار کردیا۔"

میں نے کہا۔"یہ تم نے اچھا نہیں کیا' راجا صاحب یقیناً مجھے ہی مورد الزام ٹھہرائیں گے۔بہتر ہوتا اگر تم واپس چلی جاتیں۔یہاں رہ کر بھی تم میرے لیے کچھ نہیں کرسکتیں۔وہاں کم از کم راجاصاحب پر زور تو ڈال سکتی ہو ناں؟"

وہ بولی۔"میں ضرور واپس جاؤں گی مگر اس وقت جب شیر زادہ خٹک گرفتار ہوجائے گا۔میں نے پاپا کے سامنے بھی یہ شرط رکھی ہے کہ وہ شیر زادہ خٹک کو گرفتار کرا دیں تو میں واپس آجاؤں گی بصورت دیگر میں کبھی بھی واپس نہیں جاؤں گی۔"

"میں تمہارے خلوص کی قدر کرتا ہوں مشی لیکن جو تم سوچ رہی ہو وہ کبھی بھی نہیں ہوسکتا۔راجا صاحب اپنی پارٹی کے مفاد کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔اسی پارٹی کی وجہ سے ہی تو انہیں یہ مقام و مرتبہ حاصل ہے۔انہیں اگر اپنی سیاسی پارٹی کی سپورٹ حاصل نہ ہو تو کون ان کی سنے گا؟ مجھے بالکل یقین نہیں ہے کہ وہ ایسا کر پائیں گے؟"

وہ بولی۔"انہیں پارٹی اور بیٹی میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا۔"

"اگر انہوں نے پارٹی کا انتخاب کیا تو پھر تم کیا کرو گی؟"

"میں ان سے قطع تعلق کرلوں گی۔" اس نے روانی سے جواب دیا۔

"کس لیے میری خاطر؟" میں نے متحیر انداز میں سوال کیا۔

"ہاں تمہاری خاطر' بلکہ تم سب کی خاطر' پاپا نے اگر تم لوگوں کو سپورٹ نہ دی تو میں یہاں سے کبھی بھی واپس نہیں جاؤں گی اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

"تم بہت غلط کر رہی ہو مشی' اس طرح راجا صاحب کبھی بھی ہمارا ساتھ نہیں دیں گے بلکہ الٹا ہمیں اپنا دشمن سمجھنے لگیں گے۔"

اس نے پریشانی کے عالم میں پوچھا۔"تو پھر میں کیا کروں؟ میں تم لوگوں کو بے یارو مددگار نہیں چھوڑ سکتی۔اس کے علاوہ میرے پاس اور کوئی راستا نہیں ہے۔"

"راستا ہے مشی!" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔"تم راجا صاحب کے ساتھ رہ کر بہتر انداز میں ہماری مدد کرسکتی ہو۔تم ان کی اکلوتی بیٹی ہو' انہیں جان سے زیادہ پیاری ہو' وہاں جا کر تم انہیں ہمارا ساتھ دینے

پر آمادہ کر سکتی ہو۔تم ان سے اپنی بات منوانے کے لیے بھوک ہڑتال کر سکتی ہو، انہیں جان سے گزر جانے کی دھمکی دے سکتی ہو۔جب کہ یہاں رہ کر تم کچھ بھی نہیں کر سکتی ہو۔“

”ٹھیک ہے میں سوچوں گی۔“

”میں نے کہا۔”سوچنے کا وقت ہی تو نہیں ہے ہمارے پاس۔وہ مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دے چکے ہیں۔کسی بھی وقت کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ہمارے ساتھ ساتھ یہاں تمہاری جان کو بھی خطرہ ہے۔بہتر ہوگا کہ تم یہاں سے چلی جاؤ۔“

”کس نے دھمکی دی ہے تمہیں؟“ اس نے استفسار کیا۔

”اس نے اپنا نام فتح خان بتایا ہے لیکن میں اسے نہیں جانتا کہ وہ کون ہے اور کس کے لیے کام کرتا ہے۔بہر کیف اتنا تو طے ہے کہ وہ شیر زادہ خٹک یا پھر سردار شیر افضل خان کا آدمی ہے اس نے مجھے شیرزادہ خٹک سے صلح کرنے کے لیے کہا ہے۔بصورت دیگر گاؤں چھوڑ جانے کا حکم دیا ہے اور جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دی ہے۔سوچنے کے لیے اس نے مجھے تین روز کی مہلت دی ہے۔“ میں نے تفصیلی جواب دیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”میں پاپا سے بات کر کے معلوم کرتی ہوں کہ یہ فتح خان کون ہے؟“

انہیں رہنے دو، میں خود ہی معلوم کرلوں گا یہ کون ہے۔“

وہ پرزور انداز میں بولی۔”اس نے تمہیں جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دی ہے۔پاپا سے بات کرنا بہت ضروری ہے۔وہ اپنے ذرائع سے فوراً معلوم کرلیں گے کہ یہ فتح خان کون ہے اور کس کے لیے کام کرتا ہے؟“

”نہیں، تم ایسا کچھ بھی نہیں کرو گی۔یہ میری جنگ ہے جسے میں خود لڑوں گا۔“ میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

”یہ ہم سب کی جنگ ہے شاہو اور ہم نے مل کر لڑنی ہے۔مجھے یقین ہے کہ پاپا قانونی معاملات میں ہماری بھرپور مدد کریں گے۔“

”اپنے پاپا سے غلط توقعات وابستہ نہ کرو۔وہ ہم جیسوں کے لیے اپنی پارٹی کی ناراضی کبھی بھی مول نہیں لیں گے۔“

ایسے ہی وقت مشی کا موبائل فون بجنے لگا۔اس نے کال ریسیو کرتے ہوئے فون کا اسپیکر آن کردیا۔دوسری طرف راجا صاحب تھے۔مشی کے ”ہیلو“ کہتے ہی وہ پھٹ پڑے۔

"تم واپس آ رہی ہو کہ نہیں؟" مشی کے سلام کو نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے گرج کر سوال کیا۔

وہ بولی۔ "پاپا! جب تک شیر زادہ خٹک کے ہاتھوں میں ہتھکڑی نہیں پڑ جاتی تب تک میں واپس نہیں آؤں گی۔"

"شیر زادہ خٹک کوئی فٹ پاتھ کا غنڈہ نہیں ہے کہ میں اسے گرفتار کرا دوں۔ وہ ایک معزز شخص ہے اور اسے سیاسی حلقوں میں عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ نا ممکن ہے میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔" راجا صاحب نے قطعی انکار کرتے ہوئے جواب دیا۔

"میں جانتی ہوں پاپا کہ آپ اسے با آسانی گرفتار کرا سکتے ہیں لیکن ایسا کریں گے نہیں، کیونکہ یہ آپ کی پارٹی کے مفاد میں نہیں ہے۔ ٹھیک ہے نہ کرائیں اسے گرفتار۔" وہ ایک لحظے کے لیے رکی، پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔

"مگر پاپا میری بھی ایک بات غور سے سن لیں۔ آج آپ کو بیٹی یا سیاسی پارٹی میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ جو بہتر سمجھیں وہی کریں۔ میں آپ سے کوئی گلہ نہیں کروں گی۔"

"یہ کیا بکواس کر رہی ہو؟" راجا صاحب نے چیخ کر کہا۔ "تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔ تم... تم اپنے پاپا کو چھوڑنے کی بات کر رہی ہو، اس پاپا کو جس نے تمہاری ممی کے مرنے کے بعد آج تک تمہیں کبھی ماں کی کمی کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ کیا کچھ نہیں کیا میں نے تمہاری خاطر؟ دوستوں اور رشتہ داروں کے زور دینے کے باوجود دوسری شادی سے صاف انکار کر دیا۔ اپنی زندگی کے بہترین لمحات میں نے تمہاری پرورش اور دیکھ بھال پر صرف کر دیے۔ یہی صلہ دے رہی ہو میرے پیار کا؟"

"پاپا! اپنی بیٹی کے ساتھ تو یہ سیاست دانوں والی ہیرا پھیری نہ کریں۔ آپ مجھے جذباتی طور پر بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں سب جانتی ہوں۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تجھے یہ پٹی کس نے پڑھائی ہے؟ میں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ واپس آجاؤ ورنہ پچھتاؤ گی۔" اس انداز میں دھمکی تھی۔

"میں نے کہا ہے ناں کہ جب تک آپ شیر زادہ خٹک کو گرفتار نہیں کرا دیتے میں واپس نہیں آؤں گی۔ بھلے آپ مجھے جان سے ہی کیوں نہ مار دیں۔"

"ٹھیک ہے میں دیکھتا ہوں تم کیسے وہاں رہتی ہو؟" راجا صاحب نے طیش کے عالم میں کہا اور پھر رابطہ منقطع کر دیا۔

"ہاں اب بتاؤ؟" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔"تمہیں بہت ناز تھا ناں! اپنے پاپا پر لیکن وہ تو تمہیں دھمکانے پر آگئے ہیں۔اب کیا کرو گی؟"

"جان دے دوں گی مگر واپس نہیں جاؤں گی۔" اس نے غصے سے کہا۔"کوئی مجھے زبردستی کیسے لے جاسکتا ہے؟"

"راجا صاحب ایسا کرسکتے ہیں مشی! بہتر ہو گا کہ تم خود ہی واپس چلی جاؤ۔خواہ مخواہ میری پریشانیاں مت بڑھاؤ۔دیکھو میں...؟"

"شاہو! تم بھی پاپا کا ساتھ دے رہے ہو؟" اس نے روہانسی ہو کر میری بات کاٹی۔"جب کہ یہ سب کچھ میں تمہاری خاطر کر رہی تھی۔"

میں نے گڑ بڑا کر کہا۔"پلیز مشی! مجھے غلط مت سمجھو' دراصل میں تم کو کسی مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا ورنہ کبھی تمہیں واپس جانے کے لیے مجبور نہ کرتا۔ یہ سب کچھ میں نے تمہارے بھلے کے لیے کہا ہے۔"

وہ بولی۔"میرا بھلا یہاں رہنے میں ہے اور ویسے بھی اب تو پاپا کی دھمکی کے بعد میرا یہاں رہنا ضروری ہو گیا ہے۔شاید پہلے میں پاپا کی بات مان کر چلی بھی جاتی مگر اب یہ نا ممکن ہے۔"

میں نے مشی کو کافی دیر تک سمجھایا مگر وہ اپنی ضد پر ڈٹی رہی تو میں نے بھی سب کچھ حالات پر چھوڑ دیا۔ویسے بھی وہ میری ہاں مہمان تھی اور مہمان کو زبردستی گھر سے کوئی بھی نہیں نکالتا۔میرا تعلق تو اس قوم سے تھا جس کی مہمان نوازی تاریخ کا حصہ ہے۔میں کیسے یہ قدم اٹھا سکتا تھا؟ سو میں نے مشی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

...☆☆☆...

تین دن بخیر و عافیت گزر گئے۔اس دوران کوئی قابل ذکر واقعہ نہ ہوا۔سوائے اس کے کہ میں اور مشی برابر پولیس اسٹیشن کے چکر لگاتے رہے مگر انہوں نے شیر زادہ خٹک کو گرفتار نہ کیا۔اسے مفرور قرار دے دیا جب کہ وہ گاؤں میں موجود تھا۔یہ صورت حال دیکھ کر میں نے پرنٹ میڈیا کے ذریعے تھانہ انچارج کے خلاف خبریں لگوا دیں۔ان خبروں کا خاطرہ خواہ نتیجہ نکلا اور تھانہ انچارج نے فوری ایکشن لیتے ہوئے شیر زادہ خٹک کو گرفتار کرلیا۔یہ میری دشمنوں کے خلاف پہلی فتح تھی۔اس روز میں بہت خوش تھا۔میرے معصوم اور بے گناہ بھائی کا قاتل آہنی سلاخوں کے پیچھے چلا گیا تھا۔میں بہت پر امید اور پر جوش تھا۔شیر زادہ خٹک کو قرار واقعی سزا دلانے کے لیے میں اپنے ذرائع استعمال کر رہا تھا۔

اس معاملے میں الجھ کر میں فتح خان کی دھمکی کو بھول گیا تھا۔ویسے بھی میں نے اس کی دھمکی کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی۔جو اسے یاد رکھتا۔میں اس کی دھمکی کو محض گیدڑ بھبکی ہی سمجھا تھا اور یہی میری سب سے بڑی بھول تھی۔جس کا خمیازہ مجھے ایک عمر تک بھگتنا پڑا۔میں ایک معزز ڈاکٹر سے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

قاتل اور مفرور بن گیا۔میری گرفتاری پر حکومت وقت کو انعام مقرر کرنا پڑ گیا اور میں یوں اپنے علاقے سے در بدر ہوا کہ گاؤں کا راستا تک بھول گیا۔ کاش کہ میں نے اس وقت فتح خان کی دھمکی کو سنجیدگی سے لیا ہوتا تو آج حالات تبدیل ہوتے۔کم از کم فائزہ اور بابا تو زندہ ہوتے۔

کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ شاید مجھے نافرمانی کی سزا ملی ہے۔بابا کا کہا نہ مان کر شاید میں نے خود ہی عذاب الٰہی کو دعوت دی تھی۔میں نے بوڑھے باپ کا دل دکھایا تھا۔جس کی مجھے بہت ہی بھیانک سزا ملی تھی۔

یہ چوتھے روز کا ذکر ہے تقریباً عصر کے وقت میں نے مشی کی گاڑی نکالی اور تھانے کی طرف روانہ ہونے ہی والا تھا کہ عین اس وقت مشی نازل ہوگئی۔"یہ تم اس وقت کہاں جا رہے ہو اور وہ بھی اکیلے؟

جب کہ دشمنوں کی طرف سے تمہیں مار ڈالنے کی دھمکی بھی مل چکی ہے۔"

"تم کیا چاہتی ہو کہ میں ان کی دھمکیوں کے خوف سے گھر میں چھپ کر بیٹھا رہوں؟" میں نے طنزیہ انداز میں استفسار کیا۔

"نہیں، لیکن احتیاط کرنا تو ضروری ہے ناں؟ وہ کبھی بھی وار کرسکتے ہیں۔اب تو شیر زادہ خٹک بھی گرفتار ہوچکا ہے۔ان کا غصہ تو آسمان کو چھو رہا ہوگا۔"

میں نے کہا۔"میں ان کی گیدڑ بھبکیوں سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔مجھے ایک صحافی دوست مل گیا ہے۔مجھ پر اگر کوئی آنچ آئی تو وہ میڈیا کے ذریعے ایک ہنگامہ کھڑا کر دے گا۔تم بے فکر رہو وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔"

"ٹھیک ہے لیکن اس وقت کہاں جا رہے ہو؟" اس نے استفسار کیا۔

"پولیس اسٹیشن تک جا رہا ہوں۔"

"اوکے میں بھی ساتھ چلوں گی۔" اتنا کہہ کر وہ میرے ساتھ ہی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔

میں نے کہا۔"تم گھر میں رہتیں تو بہتر تھا۔تمہارا بار بار میرے ساتھ پولیس اسٹیشن جانا کچھ اچھی بات نہیں ہے۔یہاں کے لوگ بہت زیادہ دقیانوسی خیالات رکھتے ہیں۔میں نہیں چاہتا کہ کوئی تمہاری طرف انگلی اٹھائے۔"

"میں ان باتوں کی پروا نہیں کرتی، اب چلو۔" اس نے بے پروائی سے جواب دیا اور میں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

پولیس اسٹیشن پہنچ کر جو منظر میں نے دیکھا اس نے میرے تن من میں آگ لگا دی۔شیر زادہ خٹک جو پانچ روزہ ریمانڈ پر تھا وہ تھانے کی حوالات میں بیٹھا شام کی چائے سے محظوظ ہو رہا تھا۔لاک اپ کے سامنے تھانہ انچارج انور خان کرسی ڈالے اس سے یوں ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا جیسے شیر زادہ خٹک قتل کے مجرم کے بجائے کوئی وی آئی پی ہو۔وہ ایک سپ چائے کا لیتا اور پھر کپ رکھ کر انور خان سے باتوں میں مصروف ہو جاتا۔کبھی کبھی وہ پلیٹ میں پڑی ہوئی مٹھائی کا بھی ایک آدھ ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈال لیتا تھا۔انور خان کے ہاتھ میں بھی چائے کا کپ موجود تھا۔اس وقت وہ دونوں ایک دوسرے کے انتہائی وفا داردوست نظر آرہے تھے۔انہیں دیکھ کر کہیں سے بھی یہ نہیں لگتا تھا کہ ان میں ایک مجرم ہے اور دوسرا قانون کا محافظ۔

میں نے جاتے ہی طنزیہ انداز میں کہا۔"واہ انور خان! بہت اچھی تفتیش کر رہے ہو' قانون کے محافظ کو بالکل آپ کی طرح ایماندار اور فرض شناس ہونا چاہیے۔"

وہ چند لمحے مجھے نا گوار انداز میں گھورتا رہا پھر گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہوئے مسکرا کر بولا۔"ڈاکٹر صاحب! آپ تو خوامخواہ ناراض ہو رہے ہیں۔ تفتیش کیوں نہیں ہوگی۔آج ریمانڈ کا پہلا دن ہے تو...؟" اس نے ذرا سا توقف کیا اور پھر میرے قریب پہنچ کر دھیمی آواز میں کہا۔"ہم مجرم کو پہلے پیار سے سمجھاتے ہیں۔اگر وہ مان جائے تو ٹھیک ورنہ ٹرائل شروع ہوجاتا ہے۔آپ بے فکر رہیں میں پوری ایمانداری سے اس کیس پر کام کروں گا۔"

میں نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔"آثار تو نظر نہیں آتے بلکہ آپ تو مجرم کی آؤ بھگت کر رہے ہیں اور شاید رات کے وقت تو اسے اپنے ساتھ کوارٹر میں سلاتے ہوں گے۔"

"اب ہم مجرم کا کھانا پینا تو بند نہیں کرسکتے ناں؟ قانون میں ایسی کوئی دفعہ نہیں ہے۔" اس نے قدرے برا مناتے ہوئے شکایتی انداز میں کہا۔"کھانا پینا تو جیل میں بھی مجرموں کو فراہم کیا جاتا ہے۔یہ تو پھر تھانے کی حوالات ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر کسی مجرم کے ساتھ پولیس افسر کا چائے نوش فرمانا تو اچھی بات نہیں ہے ناں؟ اگر یہ خبر میڈیا تک پہنچ گئی تو آپ کے لیے مشکلات کھڑی ہوجائیں گی۔"

یہ واضح دھمکی سن کو وہ محض ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔شاید اس کا بس چلتا تو وہ مجھے کھڑے کھڑے ہی شوٹ کردیتا لیکن وہ جانتا تھا کہ مجھے ایک معروف صحافی کی سپورٹ حاصل ہے جو میرے ساتھ ہونے والی زیادتی پر خاموش نہیں بیٹھے گا اور اخبارات میں اس خبر کو خوب مرچ مسالا لگا کر اچھالے گا۔اس مجبوری نے انور خان کو وقتی طور پر بے بس کردیا تھا ورنہ پولیس افسر اور اپنے اختیارات کا نا جائز استعمال نہ کرے۔یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟

وہ چند لمحے خاموشی کے ساتھ میری طرف دیکھتا رہا۔پھر بولا۔"آپ مدعی نہ ہوتے تو میں آپ کی دھمکی پر ضرور قانونی کارروائی کرتا۔بہر کیف آپ سے ایک درخواست کروں گا کہ آپ ان معاملات میں دخل نہ دیں۔میں مجرم کے خلاف مناسب قانونی کارروائی کروں گا۔"

"اپنے حق کے لیے آواز اٹھانا دھمکی نہیں ہوتی۔ آپ اگر مجرم کو بچانے کی کوشش کریں گے تو میں خاموش نہیں بیٹھوں گا۔" میں نے اس کی دھونس کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے جواب دیا۔

میری اس صاف گوئی پر اس کے صبر نے جواب دے دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اپنی اوقات پر آگیا۔

"میں نے تمہارا بہت لحاظ کرلیا ہے تم جیسے لوگوں کو عزت راس نہیں آتی۔ بہتر ہوگا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ مجرم سے تفتیش کرنا میرا کام ہے تمہارا نہیں سمجھے تم۔"

میں نے کہا۔ "میں تو پہلے دن ہی سمجھ گیا تھا افسر کہ تم کتنے فرض شناس اور ایماندار ہو؟ میں جا رہا ہوں لیکن اتنا یاد رکھنا کہ جو تم سوچ رہے ہو میں وہ کبھی بھی نہیں ہونے دوں گا۔"

"تھانے میں آکر ایک باوردی پولیس افسر کو دھمکانے کا انجام جانتے ہو؟" وہ ایک دم ہتھے سے اکھڑ گیا۔ "میں چاہوں تو تجھے ابھی حوالات میں پھینک سکتا ہوں۔"

"تو پھینک دیجیے ناں! میں نے کب روکا ہے تمہیں؟" میں نے بلا تردد جواب دیا۔

"میں کہتا ہوں چلے جاؤ یہاں سے ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ تم حد سے تجاوز کر رہے ہو، میں... میں...؟" اس نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"چلو شاہ زمان! یہاں تمہاری سننے والا کوئی نہیں ہے۔" صورت حال بگڑتے دیکھ کر مشی نے مداخلت کی اور پھر میرا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے باہر لے جانے لگی۔

"چھوڑو مجھے۔" میں نے چلا کر کہا۔ "یہ سمجھتے کیا ہیں خود کو؟ میں... میں انہیں چھوڑوں گا نہیں، میرے بھائی کا قاتل یہاں بیٹھا دعوتیں اڑا رہا ہے اور یہ لوگ میرا ساتھ دینے کے بجائے اس کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ یہ کیسا انصاف ہے؟"

"پلیز شاہو!" مشی نے التجا کی۔ "سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس نے تمہیں گرفتار کر لیا تو بابا جیتے جی مر جائیں گے۔"

بابا کا خیال آتے ہی میرا اشتعال ایک دم کم ہو گیا اور میں مشی کے ساتھ جا کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ مشی نے فوراً گاڑی اسٹارٹ کی اور اسے گیئر میں ڈالتی ہوئی پولیس اسٹیشن سے باہر نکال لائی۔ میں منہ پھلائے اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ جب ہم پولیس اسٹیشن سے تھوڑی دور آ گئے تو مشی بولی۔

”شاہو! تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے اس انور خان کا بندوبست کر لیا ہے۔ الو کا پٹھا خود کو بہت اسمارٹ سمجھتا ہے ناں۔ اب دیکھنا میں اس کے ساتھ کیا کرتی ہوں؟“

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو اس نے پر جوش انداز میں کہا۔

”میں نے انور خان اور شیر زادہ خٹک کی وڈیو بنا لی ہے۔ جب وہ ایک ساتھ چائے پی رہے تھے۔ یہ اگر تمہارے صحافی دوست تک پہنچ جائے تو سمجھو انور خان کی چھٹی ہو گئی۔“

”ارے یہ تو تم نے کمال کر دیا ہے۔“ میں نے حیرت اور مسرت کی ملی جلی کیفیت میں کہا۔ ”لاؤ اپنا موبائل فون مجھے دو‘ ذرا میں بھی دیکھوں کہ انور خان مووی میں کیسا لگتا ہے؟“

اس نے موبائل فون میرے حوالے کر دیا۔ میں نے مووی دیکھی اور پھر اسے بلو ٹوتھ کے ذریعے اپنے موبائل فون میں محفوظ کر لیا۔ مووی بلا شک و شبہ شاندار تھی۔ وہ دونوں چائے پیتے ہوئے واضح دکھائی دے رہے تھے۔ مشی نے دونوں کے کلوز اپ میں بھی شاٹ لیے تھے۔ ان کے باتیں کرنے کی دھیمی دھیمی آواز بھی سنی جا سکتی تھی۔ تقریباً پانچ منٹ کی یہ مووی میرے لیے بہت کار آمد ثابت ہو سکتی تھی۔ انور خان جیسے بے ایمان پولیس افسر کا قبلہ درست کرنے کے لیے یہ مووی اس تک پہنچانا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے میموری کارڈ سے مووی کو فون کی میموری میں منتقل کرنے کے بعد ایک بار پھر مشی کے موبائل فون سے بذریعہ بلو ٹوتھ مووی اپنے میموری کارڈ میں محفوظ کر لی۔ اب یہ مووی میرے موبائل فون کے ساتھ ساتھ میموری کارڈ میں بھی موجود تھی۔ میں جب بھی چاہتا یہ میموری کارڈ انور خان تک پہنچا سکتا تھا۔

...☆☆☆...

گھر پہنچنے کے بعد میں نے موبائل فون سے میموری کارڈ نکال کر محفوظ کر لیا۔ اب اسے کسی طرح انور خان تک پہنچانا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے

پڑوسی منیر کو بلایا اور میموری کارڈ کو کاغذ کو ایک ٹکڑے میں لپیٹ کر منیر کے حوالے کرتے ہوئے گزارشانہ انداز میں کہا۔"منیر! اس میموری کارڈ کو تھانہ ایس ایچ او انور خان تک پہنچانا بہت ہی ضروری ہے۔اگر تم محسوس نہ کرو تو پلیز میرا یہ کام کردو۔"

"کیا یہ میموری کارڈ انور خان کا ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"نہیں، میرا اپنا ہے۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔"لیکن اس میں ایک مووی ہے جو انور خان کے کام کی ہے۔"

"ٹھیک ہے شاہ زمان بھائی! میں پہنچا دیتا ہوں لیکن اس نے مووی دیکھ کر مجھے دھر لیا تو پھر کیا ہوگا؟" اس نے انجانے خدشے کا اظہار کیا۔

میں نے کہا۔"ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا۔پھر بھی اگر تم ڈرتے ہو تو کسی کانسٹیبل کے حوالے کردینا وہ خود ہی انورخان تک پہنچادے گا۔کانسٹیبل سے کہہ دینا کہ یہ چیز انور خان کے لیے ڈاکٹر شاہ زمان نے بھجوائی ہے۔"

منیر کے پاس اپنی موٹر سائیکل تھی۔وہ فوراً میموری کارڈ لے کر پولیس اسٹیشن کی طرف روانہ ہوگیا۔جب کہ میں نے اس دوران اپنے صحافی دوست آصف

شیرازی کا نمبر ملا دیا۔رابطہ قائم ہونے کے بعد ہم نے چند رسمی باتیں کیں۔ اس کے بعد آصف نے پوچھا۔"اور سناؤ تمہارے اس انور خان کا قبلہ درست ہوا کہ نہیں؟"

میں نے کہا۔"شیرازی! وہ بہت ڈھیٹ انسان ہے، اتنی آسانی سے نہیں مانے گا۔اس کے لیے کچھ اور سوچنا پڑے گا۔"

"مجھے حکم کرو دوست! میں تمہارے لیے کیا کرسکتا ہوں؟" اس نے پُر خلوص انداز میں استفسار کیا۔

"آج ہم نے موبائل فون کے ذریعے انور خان کی وڈیو فلم بنائی ہے۔جس میں وہ شیر زادہ خٹک کی معیت میں چائے نوش فرما رہے ہیں حالانکہ شیر زادہ خٹک وہاں ان کے پاس ریمانڈ پر ہے۔اس سے تفتیش کرنے کے بجائے اس کی دعوتیں کی جارہی ہیں۔"

اس نے پر مسرت انداز میں کہا۔"بھئی ویری گڈ مگر یہ سب تم نے کیسے کرلیا؟ کیا انور خان ڈھیٹ ہونے کے ساتھ ساتھ اندھا بھی ہے؟"

میں نے جواب دیا۔”یہ کام میری ساتھی ڈاکٹر مہوش راجا نے کیا ہے۔“ اتنا کہہ میں نے تمام تفصیلات اس کے گوش گزار کردیں۔

”اوکے یہ ویڈیو فلم کسی طرح مجھ تک پہنچا دو انور خان کا دماغ درست ہوجائے گا۔“

میں نے کہا۔”بے فکر رہو پہنچ جائے گی۔فی الحال میں نے انور خان کے پاس بجھوادی ہے۔کیا پتا دیکھ کر ہی وہ راہ راست پر آجائے۔“

”ٹھیک ہے میں انتظار کروں گا۔“

اس کے بعد چند اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد میں نے رابطہ منقطع کردیا۔

تھوڑی دیر کے بعد منیر بھی واپس پہنچ گیا۔اس نے وہ میموری کارڈ ڈیوٹی پر موجود سنتری کے حوالے کردیا تھا۔میں نے منیر کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنے کے بعد تھانے کا نمبر ملا دیا۔فون ہیڈ محرر نے اٹینڈ کیا تھا۔اپنا تعارف کرانے کے بعد میں نے اس سے استدعا کی کہ میں تھانہ انچارج انور خان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

وہ بولا۔”تھوڑی دیر ہولڈ کریں جناب! میں ابھی آپ کی بات کرا دیتا ہوں۔“ بہ مشکل دو منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ فون پر انور خان کی آواز سنائی دی۔

”ڈاکٹر! یہ میموری کارڈ مجھے کس لیے بجھوایا ہے؟“

”میں نے ایک زبردست مووی بنائی ہے سوچا تمہیں بھی دکھا دوں؟ شاید تمہارا کچھ بھلا ہوجائے۔“ میں نے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔

”اوہ‘ تو اب تم ڈاکٹر کے بجائے مووی میکر بن گئے ہو۔بہت اچھا بھئی بہت اچھا۔میں یہ وڈیو فلم ضرور دیکھوں گا۔“

میں نے کہا۔”ضرور دیکھنا اور یہ میرا نمبر بھی نوٹ کرلو کیونکہ مووی دیکھنے کے بعد تمہیں شدت سے میری یاد آئے گی۔“ اتنا کہہ کر میں نے اسے اپنا نمبر بھی نوٹ کروا دیا۔

میں ابھی انور خان سے بات کر کے فارغ ہی ہوا تھا کہ مشی اور فائزہ ایک ساتھ میرے کمرے میں داخل ہوئیں۔میں نے انہیں بیٹھنے کے لیے کہا اور پھر مشی کو مخاطب کیا۔”انور خان کے پاس وڈیو فلم پہنچ چکی ہے۔تھوڑی دیر کے بعد اس کا رد عمل سامنے آجائے گا۔“

فائزہ نے کسی تعجب کا اظہار نہیں کیا تھا۔شاید مشی نے اسے پہلے ہی بتا دیا تھا۔تاہم مشی بولی۔"انور خان کا رد عمل ہمارے خلاف بھی ہوسکتا ہے۔اس لیے آصف شیرازی تک اس مووی کا پہنچانا ضروری ہے۔"

"اس تک بھی پہنچ جائے گی میں نے ابھی تھوڑی دیر قبل اس سے بات کی ہے۔وہ ہماری اس کارروائی سے بہت خوش تھا۔"

مشی نے کہا۔"کل ہی کسی طرح اس تک پہنچانے کا بندوبست کرو' دیر ہمارے لیے نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔یہ انور خان بہت خطرناک آدمی ہے۔یہ نہ ہو کوئی چکر چلا کر ہمارے فون ہی ضبط کرلے۔"

میں نے کہا۔"اس لیے تو میں چاہتا تھا کہ تم واپس چلی جاؤ۔آصف شیرازی بھی وہیں اسلام آباد میں رہتا ہے۔میں تمہیں اس کا رابطہ نمبر دے دیتا ہوں تم یہ مووی اس تک پہنچا دینا۔"

وہ بولی۔"ابھی تو رات پڑنے والی ہے۔کل صبح چلی جاؤں گی۔تم مجھے اس اخبار کا نام بتا دو جہاں آصف شیرازی کام کرتا ہے۔میں اس تک وڈیو فلم پہنچادوں گی۔"

میں نے اسے ملک کے اس معروف اخبار کا نام بتا دیا جہاں آصف شیرازی کرائم رپورٹنگ کرتا تھا۔پھر اس کا رابطہ نمبر نوٹ کرانے کے بعد کہا۔"تم ایسا کرو کہ موبائل فون سے میموری کارڈ نکال کر اپنے پرس میں رکھ لو۔کسی بھی انہونی کی صورت میں کم از کم میموری کارڈ تو محفوظ رہے گا۔"

وہ بولی۔"ٹھیک ہے میں فون سے کارڈ نکال لوں گی لیکن پرس بھی غیر محفوظ ہے کہیں اور رکھنا پڑے گا۔"

ایسے ہی وقت میرا موبائل فون بجنے لگا۔اسکرین پر ایک اجنبی نمبر جھلملا رہا تھا۔جو میرے خیال کے مطابق انور خان کا ہی ہوسکتا تھا۔میں نے کال ریسیو کرتے ہوئے "ہیلو" کہا تو وہ ناگوار انداز میں بولا۔

"ڈاکٹر! یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔میرے خلاف کوئی بھی کارروائی ہوئی تو میں تجھے عبرت کا نشان بنادوں گا تمہارے حق میں بہتر ہوگا کہ تم اس مووی کی تمام کاپیاں ضائع کردو۔"

میں نے کہا۔"انور خان! میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے قتل کے اس کیس میں ایمانداری سے کام کیا تو

اس ویڈیو فلم کی تمام کاپیاں تمہارے سامنے ضائع کردوں گا۔بصورت دیگر مجھے مجبوراً اس وڈیو کو میڈیا کے سامنے لانا پڑے گا۔" اب فیصلہ تمہارے اپنے ہاتھ میں ہے۔چاہو تو فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے میرے بھائی کے قاتل کو قرار واقعی سزا دلانے کی کوشش کرو ورنہ بے ایمانی کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔"

"قاتل کو سزا دینا عدالت کے اختیار میں ہے۔میرے نہیں۔" اس نے بے رخی سے جواب دیا۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ عدالت کا کام ہے لیکن اس میں ایف آئی آر بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔مجرم کے خلاف ایف آئی آر مضبوط دلائل پر مبنی ہو تو اسے دنیا کا ذہین ترین وکیل بھی سزا سے نہیں بچا سکتا۔"

وہ بولا۔"اس سے بھی زیادہ اہم چشم دید گواہ ہوتے ہیں۔جو تمہارے پاس نہیں ہیں۔تم کہیں سے چشم دید گواہ ڈھونڈ لاؤ' میں ایسی رپورٹ تیار کروں گا کہ شیر زادہ خٹک سیدھا پھانسی کے تختے پر پہنچ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے میں گواہ بھی تلاش کرلوں گا تم تفتیش کا آغاز تو کرو۔"

"سمجھو تفتیش کا آغاز ہوچکا ہے۔آج رات ہی اسے ٹکٹکی پر چڑھا دوں گا۔" اس نے پُر جوش انداز میں جواب دیا۔

میں نے کہا۔"انور خان! میں تم پر اعتبار کر رہا ہوں مگر اتنا یاد رکھنا اگر تم نے مجھے ڈبل کراس کرنے کی کوشش کی تو پھر تم بھی بچ نہیں پاؤ گے۔ یہ وڈیو فلم میں نے پہلے ہی محفوظ ہاتھوں تک پہنچا دی ہے۔اگر مجھے کچھ ہو گیا تو اس فلم کو منظر عام پر آنے میں محض چند لمحے ہی لگیں گے۔"

"میں ایسا کچھ بھی نہیں کروں گا۔تم مطمئن رہو' مجھے اپنی سروس عزیز ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے تم بھی اطمینان رکھو میں احسان فراموش نہیں ہوں۔" میں نے اسے تسلی دی اور اس نے رابطہ منقطع کردیا۔

مشی اور فائزہ نے چونکہ ایک طرف کی گفتگو سنی تھی اس لیے میں نے انور خان سے ہونے والی ساری گفتگو ان کے گوش گزار کردی۔ساری بات سننے کے بعد مشی بولی۔"چلو یہ اچھا ہوا اب مجھے واپس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

میں نے کہا۔"نہیں، تمہیں واپس تو جانا ہی پڑے گا۔یہ انور خان کی کوئی چال بھی تو ہوسکتی ہے اور ہوسکتا ہے میں فائزہ کو بھی تمہارے ساتھ بھیج دوں۔اسے تم خالہ کے ہاں ایبٹ آباد چھوڑ دینا۔"

فائزہ بولی۔"نہیں بھائی! میں کہیں بھی نہیں جاؤں گی۔یہیں آپ کے ساتھ رہوں گی۔یہاں بابا کی خدمت کرنے والا بھی تو کوئی ہونا چاہیے۔"

میں نے کہا۔"بابا خود یہی چاہتے ہیں کہ تم یہاں سے چلی جاؤ۔وہ دن رات تیرے متعلق فکر مند رہتے ہیں۔تم اگر انہیں خوش دیکھنا چاہتی ہو تو پلیز انکار مت کرو۔حالات ٹھیک ہوتے ہی میں تجھے واپس بلا لوں گا۔"

"حالات نجانے کب ٹھیک ہوں گے؟ میرا دل ڈرتا ہے میں وہاں اکیلی کیسے رہوں گی؟ پلیز بھائی! مجھے مت بھیجو، میں یہیں ٹھیک ہوں۔خدا نہ کرے اگر آپ لوگوں کو کچھ ہوگیا تو میں زندہ رہ کر کیا کروں گی؟" اس نے رندھی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"فائزہ میری جان! سمجھنے کی کوشش کرو، یہاں تمہاری موجودگی مجھے دشمنوں کے مقابلے میں کمزور کرے گی۔مجھ پر دباؤ ڈالنے کے لیے وہ تجھے اغوا بھی

کرسکتے ہیں۔میں اکیلے رہ کر ہی ان کا مقابلہ کرسکتا ہوں۔کیا تم نہیں چاہتیں کہ میں ان لوگوں سے ارمان کے خون کا بدلہ لوں اور وہاں ایبٹ آباد میں تم اکیلی تو نہیں رہو گی وہاں خالہ اور اس کے گھر والے بھی تو ہوں گے۔وہ سب تمہارے اپنے ہی تو ہیں۔"

کافی تگ و دو کے بعد میں نے اسے ایبٹ آباد جانے پر راضی کرلیا۔اس کے بعد وہ دونوں رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف ہوگئیں۔ان کے جانے کے لیے میں نے کل صبح کا وقت مقرر کر دیا تھا۔

...☆☆☆...

رات کے وقت کھانا کھانے کے بعد میں اور بابا تھوڑی دیر تک موجودہ صورت حال پر گفتگو کرتے رہے۔فائزہ کو ایبٹ آباد بجھوانے والے فیصلے پر بابا بہت خوش تھے اور وہ پہلی بار مجھے مطمئن نظر آرہے تھے۔تاہم انہیں انور خان

پر بالکل یقین نہیں تھا اور وہ انور خان کی یقین دہانی کو اس کی چال پر محمول کر رہے تھے۔مجھ سے وڈیو فلم والی ساری کہانی سننے کے بعد وہ بولے۔

”بے شک اس کی ایک کمزوری تمہارے ہاتھ لگ گئی ہے لیکن وہ کسی نہ کسی طرح اس کا تدارک کرے گا۔بات اگر صرف شیر زادہ خٹک کی ہوتی تو انور خان اس کے مقابلے میں ضرور ہمارا ساتھ دیتا لیکن سردار شیر افضل کی مخالفت مول لے کر وہ ہمارا ساتھ دینے کی غلطی بھول کر بھی نہیں کرسکتا۔“

میں نے کہا۔”بابا! میں چند روز تک دیکھتا ہوں۔ہوسکتا ہے اس دوران انور خان راہ راست پر آجائے ورنہ میرے لیے دوسرا راستا کھلا ہے۔میں اس کے خلاف میڈیا کی مدد حاصل کروں گا۔میں نے اپنے دوست آصف شیرازی پر ساری صورت حال واضح کردی ہے۔وہ میرا ساتھ دینے کے لیے بالکل تیار ہے۔“

”تم ایسا کرو کہ یہ وڈیو فلم بغیر وقت ضائع کیے اس تک پہنچادو۔“

”کل صبح مشی واپس جا رہی ہے اور وہ یہ فلم بھی ساتھ لے جا رہی ہے۔“

بابا بولے۔”بہتر ہوتا کہ تم بھی اس کے ساتھ چلے جاتے۔“

میں نے کہا۔”بابا! آپ بلا وجہ پریشان نہ ہوں۔میں ان شاء اللہ ضرور جاؤں گا لیکن فی الحال میرا یہاں رہنا ضروری ہے۔“

”میں یہاں موجود ہوں ناں، سب سنبھال لوں گا۔“

میں نے کہا۔”بابا! آپ اس عمر میں کہاں تھانے، کچہریوں کے چکر کاٹتے رہیں گے؟ آپ فکر نہ کریں ان شاء اللہ مجھے کچھ بھی نہیں ہوگا۔“

اس کے بعد میں نے بابا کو سمجھا بجھا کر راضی کر ہی لیا۔رات کے دس بجے تک بابا میرے ساتھ بیٹھے رہے۔پھر سونے کے لیے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ان کے جانے کے بعد میں نے بھی تمام خیالات کو جھٹک کر سونے کی کوشش شروع کردی مگر بار بار پہلو بدلنے کے باوجود مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔میرا دماغ مختلف سوچوں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔کبھی اماں کی صورت نگاہوں میں گھومنے لگتی تو کبھی ارمان کی۔دیر گئے تک میں کروٹیں بدلتا رہا پھر نجانے کب نیند کی دیوی مہربان ہوگئی کہ مجھے پتا ہی نہ چلا۔

رات کا نجانے کون سا پہر تھا کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ایسے ہی وقت کمرے کے دروازے پر زور دار دستک ہوئی اور میں ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا۔ دوسرے ہی لمحے میں نے لائٹ آن کردی۔

”کون؟“ میں نے بستر سے اتر کر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے سوال کیا۔ مگر میرے سوال کا جب کوئی جواب نہ ملا تو معاً مجھے کسی گڑ بڑ کا احساس ہوا۔میں نے تیزی سے حرکت کرتے ہوئے الماری کھولی اور پستول نکال لیا۔یہ تیس بور کا چائنا ساخت پستول تھا۔اس کے مگیزین میں دس بلٹ کی گنجائش تھی میں نے میگزین نکال کر چیک کیا تو وہ لوڈ تھا۔میں نے دوبارہ اسے اپنی جگہ پر فٹ کیا اور دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔اسی اثناء میں دروازے پر دوبارہ زور دار دستک ہوئی۔

”کون ہے؟“ اس بار میں نے قدرے سخت انداز میں استفسار کیا۔

”ڈاکٹر!“ ایک اجنبی مردانہ آواز سنائی دی۔”دونوں ہاتھ اٹھا کر کمرے سے باہر آجاؤ اور خبر دار کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش مت کرنا ورنہ بہت زیادہ نقصان اٹھاؤ کے تمہارے اہلِ خانہ ہمارے قبضے میں ہیں۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”تت... تم لوگ کون ہو؟“ میں نے پریشانی کے عالم میں پوچھا۔

”سوال مت کرو ڈاکٹر۔‘ وہ دروازے پر لات رسید کرتے ہوئے غرایا۔”دونوں لڑکیاں اور بڈھا اس وقت گن پوائنٹ پر ہیں۔اگر تم فوراً باہر نہ نکلے تو ہم انہیں گولی مار دیں گے۔“

اس کے خاموش ہوتے ہی بابا چلائے۔”باہر مت آنا بیٹے! یہ لوگ...؟“ اس سے آگے بابا کو کچھ کہنے کی مہلت ہی نہ مل سکی۔انہوں نے بابا کو لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا تھا۔فائزہ اور مشی دونوں چیخنے لگیں مگر انہوں نے فوراً ان دونوں کا منہ بھی بند کردیا۔

”خبردار!“ ایک اور مردانہ آواز گونجی جسے سن کر میں چونک گیا۔وہ بلا شبہ فتح خان نامی شخص کی آواز تھی۔جس نے چند روز قبل مجھے فون پر دھمکی دی تھی۔ وہی فتح خان اب میرے اہلِ خانہ کو دھمکا رہا تھا۔

”اب اگر تم میں سے کسی کی بھی آواز نکلی تو اسے بلاجھجک گولی مار دی جائے گی۔“

"باہر آؤ ڈاکٹر!" اس بار فتح خان نے مجھے مخاطب کیا۔"میں نے تجھے وارننگ دی تھی ناں! آج چوتھا روز ہے اب نکلو اور اپنی موت کا سامنا کرو۔ورنہ تیری بہن اور معشوقہ کی...؟" پھر اس سے قبل کہ فتح خان کی بات پوری ہوتی میں نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا۔کسی طوفان کی طرح باہر نکلا اور انجام کی پروا کیے بغیر ان پر ٹوٹ پڑا۔سب سے پہلے دروازے کے عین سامنے کھڑا ہوا شخص میری زد میں آیا۔میں نے پوری طاقت کے ساتھ اس کے چہرے پر پستول سے ضرب لگائی تو اس نے چلاتے ہوئے ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ لیے مگر مجھ پر توجنون طاری ہوچکا تھا۔میں نے دوسرا وار اس کی کھوپڑی پر کیا تھا۔وہ چیختا ہوا زمین بوس ہو گیا میں پھنکارتا ہوا دوسری طرف پلٹا مگر اس دوران تین چار آدمی بھوکے گدھوں کی طرح مجھ پر جھپٹ پڑے۔وہ مجھ پر اسٹین گنوں کے بٹ برسا رہے تھے۔لاتیں اور گھونسے مار رہے تھے۔حتی المقدور میں بھی ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔مگر یہ ایک اور چار کا مقابلہ تھا۔انہوں نے چند لمحوں کے اندر مجھے روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا تھا۔میری ناک اور سر سے خون بہہ رہا تھا۔قمیص تار تار ہوچکی تھی مگر مارنے والوں کے

ہاتھ نہ رکے۔فائزہ اور مشی رو رو کر انہیں خدا اور رسولؐ کے واسطے دے رہی تھیں۔بابا بھی گڑ گڑا رہے تھے۔ہاتھ جوڑ رہے تھے لیکن مارنے والوں کے ہاتھ نہ رکے۔وہ لگاتار مجھ پر اسٹین گنوں کے بٹ اور لاتیں گھونسے برساتے رہے۔ان کا لیڈر فتح خان مغلظات بکتا رہا۔پھر اچانک ہی وہ سب کچھ وقوع پزیر ہو گیا جس کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔بابا جو ان کے سامنے رو رہے تھے گڑ گڑا رہے تھے۔نجانے کیسے ان کے ہاتھ میرا گرا ہواپستول لگ گیا۔کسی کو خبر ہی نہ ہوسکی۔پتا تب چلا جب اچانک ایک دھماکا ہوا اور فتح خان کا ایک ساتھی کریہہ انداز میں چیختا ہوا زمین بوس ہو گیا۔بابا کو دوسری گولی چلانے کی مہلت ہی نہ ملی۔فتح خان کے ایک ساتھی کی اسٹین گن نے برسٹ کی صورت میں شعلہ اگلا جو بابا کی چھاتی چھلنی کرتا ہوا گزر گیا۔بابا لہراتے ہوئے پشت کے بل گرے اور پھر ہمیشہ کے لیے چپ ہوگئے۔

میں انتہائی اذیت کے عالم میں یہ منظر دیکھ رہا تھا۔مجھ میں اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کی سکت نہیں رہی تھی۔مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے بدن کی ایک ایک ہڈی ٹوٹ چکی ہو' ماتھے اور ناک سے بہنے والے خون نے

میرا چہرہ لہو لہان کردیا تھا۔میری زبان خون کا ذائقہ محسوس کر رہی تھی۔مگر ایسے عالم میں بھی میں گھسیٹتے ہوئے بابا کی طرف بڑھ رہا تھا۔

کسی حقیر کیڑے کی طرح رینگتا ہوا میں بابا کے مردہ جسم تک پہنچا اور اس سے لپٹ کر رونے لگا۔پھر میری دیکھا دیکھی فائزہ بھی بابا کی لاش سے لپٹ گئی اور دھاڑیں مار مار رونے لگی۔مشی کی مجھے خبر ہی نہ تھی کہ وہ کیا کر رہی ہے؟ فائرنگ کی آواز سن کر بھی ہمارے پڑوسیوں کی طرف سے کسی قسم کی مداخلت نہیں ہوئی تھی۔ان دنوں بھی وطن عزیز کی یہی حالت تھی جو آج کل ہے۔قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا اور قانون نافذ کرنے والے ادارے میٹھی نیند سو رہے تھے۔بس فرق اتنا تھا کہ وہ ایک ڈکٹیٹر کا دور حکومت تھا جب کہ آج کل نام نہاد جمہوریت کی حکمرانی ہے۔حکمران بدل گئے مگر عوام کی حالت بدستور وہی رہی۔تب بھی کوئی ان کا پرسان حال نہیں تھا اور آج کل بھی ان کا خون ارزاں ہے۔یہ مفلوک الحال طبقہ جو عوام کہلاتا ہے بھیڑوں کا ایک ایسا ریوڑ ہے جس کی نگہبانی خون خوار بھیڑیوں کے سپرد کردی گئی ہے۔جب ایسی صورت حال ہو تو کیسے کوئی فائرنگ اور چیخ و پکار کی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

آوازیں سن کر گھر سے باہر قدم نکالنے کی جرأت کرسکتا ہے۔جب سب کی جان کے لالے پڑے ہوں تو کوئی کسی کی مدد کو نہیں نکلتا۔

فتح خان اور اس کے ساتھیوں پر ہمارے نالہ و فریاد کا کوئی اثر نہ ہوا۔یہ ان کے لیے ایک من پسند اور دلچسپ تماشا تھا۔قاتلوں کا وہ ٹولہ رحم و کرم کے جذبات سے یکسر عاری تھا۔چند لمحے وہ ہماری حالت پر قہقہے لگاتے رہے۔پھر فتح خان نے آگے بڑھ کر میرے مضروب جسم پر پاؤں کی ایک ٹھوکر رسید کرتے ہوئے کہا۔"ڈاکٹر! میں نے تجھے کہا تھا ناں کہ گاؤں چھوڑ کر بھاگ جاؤ یا پھر خٹک صاحب سے دوستی کا ہاتھ ملا لو لیکن تم نے میری بات کو گیدڑ بھبکی سمجھا۔میں نے تجھے تین دنوں کی مہلت دی تھی اور چوتھے روز ملنے کا وعدہ کیا تھا۔دیکھ لو آج چوتھا دن ہے اور تم میرے قدموں میں کسی حقیر کیڑے کی طرح پڑے ہوئے ہو۔" وہ ایک لمحے کے لیے رکا اور پھر بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔"افسوس کہ پانچویں دن کا سورج ابھرتے ہوئے تم نہیں دیکھ سکو گے کیونکہ فتح خان پیسے کے لیے کسی کی بھی جان لے سکتا ہے۔"

اتنا کہنے کے بعد اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی اسٹین گن کو سیدھا کیا اور اس کی سرد نال کو میری پیشانی پر رکھتے ہوئے بے رحمانہ انداز میں بولا۔"مرنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔"

میں نے موت کے خوف سے آنکھیں بند کرلیں جب کہ فائزہ فریادی انداز میں اس کے پیروں سے لپٹ کر میری زندگی کی بھیک مانگنے لگی۔"خدا کے لیے میرے بھائی پر رحم کرو' یہ بے قصور ہے۔ تمہیں رسولؐ کا واسطہ اسے معاف کردو۔ہم یہ گاؤں چھوڑ کر کہیں دور چلے جائیں گے۔تم لوگوں کو کبھی نظر نہیں آئیں گے۔زندگی بھر اِدھر کا رخ نہیں کریں گے۔" وہ فائزہ کو پاؤں کی ٹھوکر رسید کرتے ہوئے بولا۔"معافی تو اب یہ اوپر جا کر مانگے گا۔فتح خان کبھی کسی کو معاف نہیں کرتا۔"

پھر وہ فائزہ کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور اس کے بال پکڑ کر غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے شیطانی انداز میں بولا۔"ارے تم تو بہت خوب صورت ہو تیری حسین آنکھوں میں کوئی بھی دل والا ڈوبنے کے لیے تیار ہوسکتا ہے۔مگر افسوس صد افسوس کہ فتح خان کے پہلو میں دل کی جگہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اوپر والے نے پتھر رکھ دیا ہے۔تیرا حسن اور جوانی میرے کسی کام کی نہیں ہے۔البتہ چھوٹے خان جی حسن کے بہت بڑے قدر دان ہیں۔انہیں یقیناً تم پسند آؤ گی۔"

اس کی بات جونہی مکمل ہوئی فائزہ نے اس کے چہرہ پر تھوک دیا۔

"کتیا! تیری یہ جرأت؟" وہ آپے سے باہر ہوگیا اور پھر اس نے فائزہ کو ٹھوکروں پر رکھ لیا۔"حرام زادی تجھے یہ جرأت بہت مہنگی پڑے گی۔ہم تیرا وہ حشر کریں گے کہ تو کسی کو منہ دکھانے کے لائق بھی نہیں رہے گی۔ہم تیرے اس سورما بھائی کے سامنے تیرے کپڑے اتار کر...؟"

اچانک فتح خان کا موبائل فون بجنے لگا اور اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

"سلام خان جی!" وہ کال ریسیو کرتے ہوئے مؤدبانہ انداز میں بولا اور پھر دوسری طرف کی بات سننے لگا۔

"ہاں خان جی! وہ کتا اس وقت میرے قدموں میں پڑا ہوا ہے جب کہ اس کی حسین و جمیل بہن میرے پیروں سے لپٹی اس کی زندگی کی بھیک مانگ رہی ہے۔" اتنا کہہ کر وہ دوبارہ دوسری جانب کی گفتگو سننے لگا۔

"ہاں' ہاں خان جی!' دوبارہ فتح خان کی آواز گونجی۔"آپ بالکل اطمینان رکھیں میں ابھی انہیں پہنچا دیتا ہوں۔" وہ لمحہ بھر کے لیے رکا اور پھر بولا۔"جی خان جی! دیکھا ہوا ہے میں نے۔آپ فکر نہ کریں میں احتیاط کروں گا۔"

اس کے بعد فتح خان چند لمحے "ہوں' ہاں" کرتا رہا اور پھر رابطہ منقطع ہو گیا۔

"چلو۔" وہ اپنے ساتھیوں سے بولا۔"جلدی جلدی گھر کی تلاشی لو اور جو بھی قیمتی چیز ہاتھ لگے اٹھالو۔موبائل فون ضرور اٹھانا۔"

اس کا حکم سنتے ہی قاتلوں کا وہ ٹولہ کمروں میں گھس کر گھر کی تلاشی لینے لگا۔تھوڑی ہی دیر میں وہ نقدی' زیورات اور موبائل فونز جن کی تعداد چار تھی اٹھا کر لے آئے۔یہ ساری چیزیں فتح خان نے ان سے سنبھال لیں۔اس کے بعد فتح خان نے دوبارہ انہیں حکم دیا۔

"ڈاکٹر اور دونوں لڑکیوں کو اٹھا لو۔"

"اور اس بڈھے کا کیا کرنا ہے؟" اس کے ایک ساتھی نے سوال کیا۔

"یہ ہمارے کسی کام کا نہیں ہے۔یہیں پڑا رہنے دو۔صبح پڑوسی اسے دفنا دیں گے۔اب چلو ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔" فتح خان نے عجلت میں جواب دیا۔

ان کی دو گاڑیاں گھر کے دروازے کے سامنے کھڑی ہوئی تھیں۔ایک گاڑی میں مجھے اور فائزہ کو ڈال دیا گیا جب کہ مشی کو دوسری گاڑی میں بٹھایا گیا۔مشی والی گاڑی کو فتح خان نے پہلے روانہ کردیا جب کہ ہماری گاڑی تھوڑی دیر کے بعد روانہ ہوئی۔یہ ایک طاقتور لینڈ کروزر تھی۔میں دونوں سیٹوں کے درمیان نیچے پڑا ہوا تھا۔تاہم فائزہ کو انہوں نے سیٹ پر بٹھا رکھا تھا۔سیٹ پر وہ دو آدمیوں کے درمیان پھنس کر بیٹھی ہوئی تھی۔میرے تمام جسم میں نا قابل بیان ٹیسیں اٹھ رہی تھیں اور میں کسی حقیر کینچوے کی طرح گاڑی کے فرش پر پڑا ہوا تھا۔

فتح خان اور اس کے ساتھی آپس میں باتیں کر رہے تھے مگر ان کی گفتگو میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی تاہم میں نے ان کی گفتگو سے اتنا اندازہ لگالیا

تھا کہ وہ ہمیں خان جی کے کسی فارم ہاؤس پر لے جا رہے ہیں۔جو ایبٹ آباد شہر سے قدرے فاصلے پر کہیں مضافات میں واقع تھا۔

گاڑی بہت دیر تک چلتی رہی۔مجھے ٹائم کا کچھ اندازہ نہیں تھا۔جس وقت فتح خان اور اس کے ساتھیوں نے ہمارے گھر پر چڑھائی کی تھی اس وقت بھی میں نے ٹائم نہیں دیکھا تھا۔پھر میرے اندازے کے مطابق لگ بھگ چار گھنٹوں کے بعد گاڑی ایک وسیع و عریض عمارت کے صدر دروازے سے گزرتی ہوی پورچ میں جا کر رک گئی۔

فتح خان اور اس کے ساتھیوں نے ہمیں گاڑی سے اتارا اور ایک کشادہ کمرے میں بند کردیا۔کمرے میں ایک جہازی سائز کا بیڈ بچھا ہوا تھا۔فرش پر دبیز ایرانی قالین موجود تھا۔تین چار نہایت قیمتی اور نفیس سوفے کمرے کے عین درمیان میں رکھے ہوئے تھے۔جن کے سامنے ماربل کے شفاف ٹیبل لگے ہوئے تھے اور بھی بہت سارا سامانِ تعیش موجود تھا۔یہ کمرہ بلا شبہ کسی صاحب ثروت کی عشرت گاہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

معلوم ہو رہا تھا۔کمرے کی چاروں دیواروں پر دودھیا بلب لگے ہوئے تھے۔ان کے بہ یک وقت جلنے سے کمرے میں روشنی کا سیلاب آیا ہوا تھا۔

مجھے فتح خان کے ساتھیوں نے قالین پر پھینکا تھا۔میں چپ لیٹا ہوا تھا جب کہ فائزہ میرے قریب بیٹھی خاموش آنسوؤں سے رو رہی تھی۔ہم دونوں اس طرح خاموش تھے جیسے ہماری قوت گویائی سلب ہوچکی ہو۔بے بسی کی ایک انتہا تھی جو اس وقت ہم پر طاری تھی۔ہم ایک دوسرے کو تسلی دینے سے بھی قاصر تھے۔ہمارے پاس وہ لفظ ہی نہیں تھے جن کا سہارا لے کر ہم ایک دوسرے کی ڈھارس بندھاتے۔

مشی کے متعلق ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔نجانے وہ لوگ اسے کہاں لے گئے تھے؟ وہ اسی فارم ہاؤس کے کسی دوسرے کمرے میں بھی ہوسکتی تھی اور یہاں سے کہیں دور دراز علاقے میں بھی اسے منتقل کیا جا سکتا تھا۔

ہمیں کمرے میں بند کرنے کے بعد انہوں نے مڑ کر ہماری خبر نہیں لی تھی۔ہمیں وقت کا بھی کوئی اندازہ نہیں تھا۔نہ کمرے میں کوئی وال کلاک تھا اور نہ ہی ہم دونوں میں سے کسی کی کلائی پر گھڑی موجود تھی۔کمرے میں

سورج کی روشنی کا بھی گزر نہیں تھا کہ ہم وقت کا اندازہ لگا لیتے۔غالباً کمرہ ساؤنڈ پروف تھا۔ہم دونوں بد ستور خاموش تھے۔شاید ہمیں اپنے انجام کے متعلق کوئی خوش فہمی نہیں رہی تھی۔انہوں نے بابا کو جس بے رحمی کے ساتھ قتل کیا تھا اسے دیکھ کر ان سے رحم کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ویسے بھی جو کچھ ہم پر بیت چکی تھی اس کے بعد ہمیں زندہ رہنے کی کوئی خواہش نہیں رہی تھی۔

”بھائی!“ معاً فائزہ کمرے میں چھائی خاموشی کو توڑتے ہوئے بولی۔”کیا یہ لوگ بابا کی طرح ہمیں بھی مار ڈالیں گے۔“

میں نے کہا۔”مار ہی ڈالیں تو اچھا ہوگا۔ارمان‘ اماں اور بابا کے بعد ہم جی کر کیا کریں گے۔کاش ہم بابا کا کہنا مان کر یہاں سے کہیں دور چلے گئے ہوتے۔“

وہ بولی۔”جینے کا تو اب مجھے بھی کوئی شوق نہیں رہا مگر میں عزت کی موت مرنا چاہتی ہوں۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”اب تو وہی ہوگا جو قسمت میں لکھا ہے۔“ میں نے بے بسی کے عالم میں جواب دیا۔

وہ تھوڑی دیر کے لیے چپ ہوگئی۔یوں جیسے کسی فیصلے پر پہنچنے کے لیے سوچوں میں مستغرق ہوگئی ہو۔پھر قدرے توقف کے بعد التجائیہ انداز میں بولی۔”بھائی! میری ایک بات مانیں گے؟“

”میرے بس میں ہوا تو ضرور مانوں گا۔“

وہ بولی۔”بس میں نہ ہوتی تو کیوں کہتی؟“

”تو پھر بولو‘ میں ضرور مانوں گا۔“

”بھائی! آپ اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ دیں۔میں بے عزتی کی موت نہیں مرنا چاہتی۔یہ لوگ نجانے میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ پلیز بھائی میں آپ کی منت کرتی ہوں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں کہ میری یہ آخری خواہش پوری کردیں۔“ یہ کہہ کر اس نے باقاعدہ میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

میرا دل کٹ کر رہ گیا۔ آہ، تقدیر مجھے کس موڑ پر لے آئی تھی؟ جس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ ایسے دن بھی دیکھنا پڑیں گے؟ وہ میری لاڈلی بہن تھی۔ اسے میں نے اپنی گود میں کھلایا تھا۔ میری انگلی پکڑ کر اس نے چلنا سیکھا تھا۔ اپنی زندگی میں اسے میں نے کبھی جھڑکا تک نہیں تھا۔ آج میری وہی بہن مجھ سے رو رو کر فریاد کر رہی تھی کہ میں اپنے ہاتھوں سے اس کی جان لے لوں۔ یہ بے بسی کی انتہا تھی۔ میری داستان حیات پڑھنے والوں کو اس پر معمولی سا رنج ضرور ہوگا لیکن وہ درد، وہ دکھ اور وہ تکلیف جو اس وقت میں محسوس کر رہا تھا، پڑھنے والے وہ شاید کبھی محسوس نہ کرسکیں۔ کیونکہ درد وہاں سے اٹھتا ہے جہاں چوٹ لگتی ہے۔

میں نے قدرے توقف سے شکستہ لہجے میں کہا۔ ”گڑیا! یہ نا ممکن ہے، میں... میں اپنے ہاتھوں سے... تیری... جان کیسے لے سکتا ہوں؟“

وہ بولی۔ ”بھائی! آپ نہیں لو گے تو وہ درندے لے لیں گے لیکن جان لینے سے پہلے وہ میرے ساتھ جو سلوک کریں گے وہ... آپ... کیسے دیکھ پائیں گے؟“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میرے پاس اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا اور نہ ہی میں اس کی عزت و جان بچانے کا کوئی دعویٰ کرسکتا تھا۔ میں جو اس وقت اپنے قدموں پر اٹھ کر کھڑا ہونے سے قاصر تھا اس کی عزت اور جان کیسے بچا سکتا تھا؟ مجھے خاموش دیکھ کر وہ دوبارہ بولی۔ ”بھائی! پلیز یہ سوچنے کا وقت نہیں ہے۔ ابھی وہ درندے آجائیں گے تو پھر آپ کچھ بھی نہیں کر پائیں گے۔ ابھی وقت ہے آپ مجھے اس اذیت بھری زندگی سے چھٹکارا دلا سکتے ہیں۔ میں آپ کو اپنا خون معاف کرتی ہوں۔“

”نہیں فائزہ نہیں۔“ میں نے تڑپ کر کہا۔ ”یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ پلیز اپنے بھائی کو اتنے بڑے امتحان میں مت ڈالو۔ ہم جیئں گے تو اکٹھے اور... اور مریں گے تو بھی اکٹھے۔“

ایسے ہی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور تین آدمی آگے پیچھے چلتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ جن میں سے دو آدمی مسلح تھے۔ جب کہ تیسرے کے ہاتھوں میں ناشتے کی ٹرے تھی۔

انہوں نے ٹرے ہمارے پاس قالین پر رکھ دی اور پھر مسلح افراد میں سے ایک بولا۔"تم لوگ ناشتا کرلو۔ابھی چھوٹے خان آئیں گے تو تمہاری تقدیر کا فیصلہ ہوجائے گا۔"

میں نے کہا۔"فتح خان کہاں ہے' میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

اس نے ناگوار انداز میں پوچھا۔"تم اس سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟"

"یہ میں اسی کو بتاؤں گا؟" میں نے جواب دیا۔

"وہ یہاں نہیں ہے اور شاید اب یہاں آئے گا بھی نہیں۔تمہیں جو کچھ بھی کہنا ہے ہم سے کہہ سکتے ہو۔"

میں نے کہا۔"میری بہن کو جانے دو' تمہاری دشمنی مجھ سے ہے۔یہ تو بے قصور ہے پلیز اسے جانے دو' یہ تم لوگوں کا مجھ پر احسان ہوگا۔"

وہ بولا۔"یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ہمیں یہاں صرف تم لوگوں کا خیال رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔اس کے علاوہ ہم کچھ بھی نہیں کرسکتے۔"

"تو پھر چھوٹے خان جی سے کسی طرح میری بات کرادو۔" میں نے استدعا کی۔

"وہ آئیں گے تو انہیں تمہارا پیغام دے دیا جائے گا۔ابھی ناشتا کرلو اس کے بعد تمہاری مرہم پٹی کردی جائے گی۔" اس کے بعد وہ سب کمرے سے باہر نکل گئے اور جاتے جاتے دروازہ لاک کرتے گئے۔

...☆☆☆...

دو روز تک ہم اس کمرے میں قید رہے۔ہمیں کھانا پینا باقاعدگی سے ملتا رہا۔کمرے میں اٹیچ باتھ روم اور ٹوائلٹ موجود تھا۔چنانچہ ہمیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوئی۔میرے زخموں کی پہلے روز ہی مرہم پٹی کردی گئی تھی۔یہ میری خوش قسمتی تھی کہ کوئی ہڈی وغیرہ نہیں ٹوٹی تھی۔

تیسرے روز ہمیں چھوٹے خان جی سردار افضل خان کے سامنے پیش کردیا گیا۔اس نے مجھ پر ایک سرسری سی نظر ڈالی اور پھر فائزہ کو ہوسناک اور للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔اس کے چہرے پر چھائی خباثت دیکھ کر مجھے پہلی بار اس بات پر شدید پشیمانی کا احساس ہوا کہ کاش میں نے فائزہ کی بات مان کر اس کا گلا گھونٹ دیا ہوتا۔چند لمحے فائزہ کو گندی نظروں سے گھورنے

کے بعد وہ دوبارہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر ایک ہاتھ سے اپنی گھنی سیاہ مونچھوں کو مروڑتے ہوئے پر غرور انداز میں بولا۔ ”ہم سے دشمنی کرنے کا نتیجہ دیکھ لیا تم نے؟ فتح خان کی بات نہ مان کر تم نے ہمارے غضب کو للکارا ہے۔ اب بول کون بچائے گا تجھے ہمارے ہاتھوں سے۔ ہم نے آج تک اپنے کسی دشمن کو معاف نہیں کیا تو تجھے کیسے کریں گے؟“

میں نے کہا۔ ”میں تم لوگوں سے زندگی کی بھیک نہیں مانگوں گا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ میری بہن کو چھوڑ دو، اس کی تم لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اسے جانے دو۔“

وہ لبوں پر مکروہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولا۔ ”تم بہت احمق ہو ڈاکٹر۔ ایسے میں کیسے جانے دوں؟ یہ تو فتح کے ساتھیوں کا انعام ہے۔“

”خدا سے ڈرو چھوٹے خان جی!“ میں نے التجائیہ انداز میں کہا۔ ”یہ ظلم مت کرو، ایک معصوم اور بے گناہ لڑکی سے انتقام لینا کہاں کی بہادری ہے؟“

”یہ ہمیں مال غنیمت میں ملی ہے ڈاکٹر اور مال غنیمت آج تک کسی نے نہیں چھوڑا تو ہم کیوں چھوڑ دیں؟“ اس نے خباثت سے جواب دیا۔

”میں تیری منت کرتا ہوں۔“ میں نے اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں خدا اور رسولؐ کا واسطہ دیتا ہوں۔ پلیز میری بہن کو چھوڑ دو، خدا کے لیے چھوڑ دو اس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔“

”خاموش ہو جاؤ۔“ اس نے گرج کر کہا۔ ”اس کا گناہ یہ ہے کہ یہ ڈاکٹر شاہ زمان کی بہن ہے۔ اس ڈاکٹر شاہ زمان کی جس نے ہمارے دوست انور خان کی نیند حرام کر رکھی ہے اور ہمارے دست و بازو شیر زادہ خٹک کو آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا ہے۔“ وہ ایک لمحے کے لیے رکا اور پھر بولا۔ ”سنو ڈاکٹر! تمہارے گناہوں کا کفارہ تمہاری بہن کو ادا کرنا پڑے گا۔ تمہاری آہ و زاری اور فریاد کا ہم پر کوئی اثر ہونے والا نہیں ہے۔ یہ تمہیں اس وقت سوچنا چاہیے تھا جب تم اس لڑکی کے ساتھ انور خان کی خفیہ وڈیو فلم بنا رہے تھے۔ اس لڑکی کی تو قسمت اچھی تھی کہ وہ ہمارے انتقام سے بچ گئی ہے۔ وہ اگر راجا صاحب کی بیٹی نہ ہوتی تو اس کا بھی ہم یہی حشر کرتے جو ابھی تمہاری اس حسین و جمیل بہن کا کریں گے۔“

”وہ... لڑکی... کہاں ہے؟“ میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"اس کی فکر نہ کرو' وہ تو اب تک اپنے گھر بھی پہنچ چکی ہوگی۔ تم اپنی اور اپنی بہن کی فکر کرو۔" اتنا کہہ کر وہ شیطانی ارادے سے فائزہ کی جانب بڑھنے لگا۔ میں چاہتے ہوئے بھی اسے اس کے گندے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کے چار خون خوار گر گے آتشیں ہتھیار لیے مجھ پر مسلط تھے۔ میں اگر ذرا سی بھی حرکت کرتا تو وہ مجھے گولیوں سے بھون ڈالتے۔ فائزہ اسے اپنی طرف خطرناک ارادے سے بڑھتے دیکھ کر ایک دم سہم گئی۔ اس کی حالت اس فاختہ کی سی ہوگئی تھی جس پر باز جھپٹ پڑا ہو۔ ایک ثانیے کے لیے اس نے امداد طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا مگر اسے مایوسی ہوئی۔ میں مسلح افراد میں گھرا ہوا تھا۔ اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا۔

مجھ سے مایوس ہونے کے بعد اس نے چھوٹے خان جی کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ "خدا کے لیے مجھے جانے دو' مجھ پر رحم کرو' میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ پلیز ایسا مت کرو پلیز تمہیں خدا کا واسطہ' مجھے جانے دو۔ پلیز جانے دو۔" وہ گڑگڑا رہی تھی' رو رہی تھی' اس کی منتیں کر رہی تھی' اسے خدا اور رسولؐ کے واسطے دے رہی تھی مگر وہ اس کی فریاد کو سنی ان سنی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کرتے ہوئے شیطانی انداز میں قہقہہ لگا رہا تھا۔ پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے فائزہ کو دبوچ لیا۔ وہ ہذیانی انداز میں چلائی۔ "بھائی! خدا کے لیے مجھے بچاؤ۔ مجھے بچاؤ بھائی... مجھے... بھائی... بھائی...!"

میری معصوم بہن کی مدد کے لیے پکارتی ہوئی آواز اس درندے کے قہقہوں میں دب کر رہ گئی۔ تبھی میں حلق کے بل چلایا۔ "ظالم' درندے چھوڑ دے اسے میں تم لوگوں کی ہر بات ماننے کے لیے تیار ہوں۔ خدا کے لیے اسے چھوڑ دو' پلیز چھوڑ دو۔"

اس دوران وہ فائزہ کو اس جہازی سائز بیڈ پر گرا چکا تھا۔ کمرے کا دروازہ اس کے آدمی پہلے ہی بند کرچکے تھے۔ میرے چیخنے چلانے کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ فائزہ بہ دستور مدد کے لیے چلا رہی تھی۔ ہاتھ پاؤں چلا کر خود کو بچانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ مگر ایک طاقت ور مرد کے سامنے اس دھان پان لڑکی کی حیثیت ہی کیا تھی۔ اس نے اسے کسی عفریت کی طرح جکڑ رکھا تھا۔

ایسے ہی وقت میں نے نتائج کی پروا نہ کرتے ہوئے اسے بچانے کے لیے دوڑ پڑا لیکن بیڈ تک پہنچنے سے پہلے ہی چھوٹے خان جی کے ان مسلح غنڈوں نے مجھے پکڑ کر مارنا شروع کردیا۔وہ مجھ پر اسٹین گنوں کے بٹ برسا رہے تھے۔ لاتیں اور گھونسے مار رہے تھے مگر میں زخموں کی پروا نہ کرتے ہوئے ان چاروں سے لڑ رہا تھا لیکن کب تک؟ وہ چاروں غنڈے تھے۔لڑائی بھڑائی ان کے لیے روز مرہ کا معمول تھا۔انہوں نے چند ہی لمحوں میں مجھے مار مار کر نیم بے ہوش کردیا۔میں قالین پر گرا اپنی معصوم بہن کی دلدوز چیخیں سن رہا تھا مگر اس کی مدد کرنے سے قاصر تھا۔پیشانی سے ٹپکنے والے خون نے میری آنکھوں کو دھندلا دیا تھا۔چھوٹے خان کے بعد ان چاروں نے بھی باری باری میری معصوم بہن کو درندگی سے روندا اور پھر انہی میں سے کسی نے اس معصوم کا گلا گھونٹ کر اسے مار ڈالا۔

جب وہ اس شیطانی کارروائی سے فارغ ہوگئے تو چھوٹے خان جی نے انہیں حکم دیتے ہوئے کہا۔”ان دونوں کو اٹھا کر باہر کہیں دور پھینک دو۔“

”مگر خان جی! یہ ڈاکٹر تو زندہ ہے۔اسے گولی مار دیں؟“ مسلح افراد میں سے کسی نے پوچھا۔وہ بولا۔

”اس میں اگر ذرا بھی غیرت ہوئی تو یہ خود ہی مرجائے گا۔گولی ضائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

اس نے کہا۔”خان جی! یہ آپ کا دشمن ہے۔اگر زندہ رہا تو آپ کے لیے خطرہ بن جائے گا۔“

”جو ہم نے کہا ہے وہ کرو۔“ خان جی نے اسے جھڑک دیا۔”یہ کیا ہم سے دشمنی کرے گا؟ اس بچارے کو انجکشن لگانے کے علاوہ آتا کیا ہے؟“

ایسے ہی وقت میں نیم بے ہوشی میں خدا سے دعا کر رہا تھا کہ وہ مجھے گولی مار دیں۔میرے لیے اب جینے کا کوئی مقصد نہیں رہا تھا۔ہاں میں اس وقت مرنا چاہتا تھا۔زندگی نے اس قدر زخم لگائے تھے کہ مجھے موت مہربان لگنے لگی تھی۔مجھ میں اگر بولنے کی سکت ہوتی تو میں ان سے ضرور کہتا کہ ”مجھے گولی مار دو‘ میں جینا نہیں چاہتا۔“ مگر ہائے ری قسمت کہ میں اپنے لیے موت مانگنے سے بھی قاصر تھا۔

اس کے بعد انہوں نے فائزہ کی لاش کو اور مجھے ایک گاڑی میں ڈالا اور فارم ہاؤس سے نکل کر کسی انجانی منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔بہت دیر تک گاڑی چلتی رہی۔نیم بے ہوشی کی سی کیفیت میں مجھے کچھ بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس طرف کو جا رہے تھے؟ پھر انہوں نے ایک جگہ گاڑی روک دی اور ہمیں سڑک کے کنارے پھینک کر واپس چلے گئے۔

فائزہ تو لاش تھی احساسات و جذبات سے یکسر عاری تھی، مگر میں زندہ تھا گو کہ اس وقت میری حالت کسی مردے سے بھی بد تر تھی لیکن احساسات و جذبات پوری طرح کام کر رہے تھے۔میرے پورے جسم میں درد کی نا قابل بیان ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔اس دوہری مار نے میرا جوڑ جوڑ ہلا کر رکھ دیا تھا۔مجھ میں اپنی جگہ سے ہلنے تک کی سکت نہیں تھی۔فائزہ کی لاش مجھ سے چند قدم دور آڑی ترچھی

حالت میں پڑی ہوئی تھی۔میں گھسیٹتے ہوئے اس تک پہنچا اور اسے باہوں میں لے کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔روتے روتے میری ہچکی بندھ گئی مگر سڑک

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

پر سے نہ کسی سواری اور نہ ہی کسی پیدل شخص کا گزر ہوا۔جب بہت زیادہ دیر گزر گئی تو مجھے تشویش لاحق ہوگئی۔ایسے ہی وقت میرے اندر سے آواز آئی۔

”ڈاکٹر شاہو! کیا تم یونہی کسمپرسی کے عالم میں مرجاؤ گے؟ کیا... کیا... تم دشمنوں کو معاف کردو گے؟ ارے تم کیسے مرد ہو۔دیکھو انہوں نے تمہاری معصوم بہن کا کیا حال کیا ہے؟ کیا تم ان سے انتقام لیے بغیر یونہی بے بسی کی موت مرجاؤ گے؟ ارمان، اماں اور بابا کیا ان سب کا خون یونہی رائیگاں چلا جائے گا؟ اٹھو مرد بنو بزدل! اگر یونہی حقیر کیچوے کی طرح سڑک کے کنارے پڑے رہے تو مرجاؤ گے۔اٹھو اب تیری کوئی کمزوری دشمنوں کے ہاتھ نہیں رہی۔“

اندر کی آواز نے غیر متوقع طور پر میرے بدن میں توانائی کی ایک لہر سی دوڑا دی اور میں جیسے تیسے کر کے اٹھ کر کھڑا ہونے میں کامیاب ہوگیا۔اگرچہ اس کوشش میں میری کراہیں نکل گئیں لیکن میں نے ضبط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔میں نے کہیں پڑھا تھا کہ درد محسوس کرنے سے بڑھتا ہے۔انسان جتنا اسے محسوس کرتا ہے تکلیف بڑھتی چلی جاتی ہے۔میں نے ذہن سے

درد کے احساس کو جھٹک دیا تو حیرت انگیز طور پر میری تکلیف کم ہوتی چلی گئی۔یہ کسی میرے ہی جیسے درد کے مارے کا تجربہ تھا جو اس وقت میرے کام آرہا تھا۔

میں نے ہاتھوں اور ٹانگوں کو ہلا جلا کر دیکھا۔کہیں بھی ٹوٹ پھوٹ کے آثار نہیں تھے۔تب میں نے اپنی پھٹی ہوئی قمیص کے دامن سے چہرے کو رگڑ رگڑ کر صاف کیا اور پھر ارد گرد کے ماحول اور علاقے کا جائزہ لینے لگا۔ذرا سی کوشش سے میں نے اس علاقے کو پہچان لیا۔وہ ایک ذیلی سڑک تھی جو آگے جا کر نتھیا گلی جانے والی بڑی سڑک سے مل جاتی تھی۔یہ فاصلہ کم از کم تین کلو میٹر تھا۔

میں اگر کسی طرح اس بڑی سڑک تک پہنچنے میں کامیاب ہوجاتا تو پھر گولی استاد کے گیراج تک پہنچنا مشکل نہیں تھا۔لیکن مسئلہ فائزہ کی لاش کا تھا۔کیونکہ نہ تو میں اسے ساتھ لے جا سکتا تھا اور نہ ہی اس ویران سڑک پر لاوارث چھوڑ سکتا تھا۔تب میں نے ایک فیصلہ کیا اور پھر فوراً اس پر عمل در آمد کرنے کے لیے تیار ہوگیا۔میں نے بہ دقت تمام فائزہ کی لاش کو اٹھایا اور اسے

سڑک کے قریب موجود جھاڑیوں میں چھپا دیا۔مجھے اپنے اس عمل پر پچھتاوا تو ہوا مگر مجبوری تھی۔اس کے علاوہ میں کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں آگے چل پڑا۔جسم میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔مگر مجھے چلنا تھا۔سو میں درد کے احساس کو مٹا کر آگے ہی آگے بڑھتا رہا کہ اب پیچھے پلٹ کر دیکھنے کو کچھ بھی نہیں رہا تھا۔وقت کی بے رحم گردش نے میرے تمام رشتے ایک ہی پل میں چھین لیے تھے۔کل کا ڈاکٹر شاہ زمان جو کسی مریض کی ہلکی سی تکلیف پر تڑپ جایا کرتا تھا۔آج وہی ڈاکٹر شاہ زمان ننگے پاؤں درد کی پل صراط سے گزر رہاتھا۔میں شفا بانٹتا رہا اور صلے میں قضا نے میرا سب کچھ چھین لیا تھا۔موت کے سوداگروں نے مجھے موت بانٹنے پر مجبور کردیا تھا۔مجھے اب وقت کی گردش سے آگے نکلنا تھا۔ہاں اس گردش سے آگے نکل کر ہی میں اپنوں کے خون کا قرض چکا سکتا تھا اور مجھے یہ قرض ہر حال میں چکانا تھا۔موت کے سارے پہرے توڑ کر چکانا تھا۔

میں جو چند گھنٹے قبل زندگی کو بوجھ سمجھ کر موت کی تمنا کر رہا تھا۔اب موت کو پیچھے چھوڑ کر زندگی کی طرف بڑھ رہا تھا۔چند گھنٹے قبل میں زندگی کو بے مقصد سمجھ رہا تھا مگر اب انتقام کے جذبے نے زندگی کو با مقصد بنا دیا تھا۔ میرے اس انتقام کی بھینٹ کتنے لوگوں نے چڑھنا تھا؟ میں نہیں جانتا تھا۔جانتا تھا تو صرف اتنا کہ بس انتقام لینا ہے۔

میں ایک جوش اور جذبے کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔پھر مجھے پتا ہی نہ چلا کہ میں کب اس بڑی سڑک تک پہنچ گیا جو سیدھی نتھیا گلی تک جاتی تھی۔وہیں کہیں راستے میں گولی استاد کا گیراج تھا اور یہی گیراج میری نئی منزل کا پہلا پڑاؤ تھا۔میں لفٹ کے انتظار میں سڑک کے کنارے بیٹھ گیا۔وقفے وقفے سے گاڑیاں گزر رہی تھیں۔مگر ابھی تک میرے مطلب کی گاڑی نہیں گزری تھی۔دراصل میں کسی ٹریکٹر ٹرالی کا منتظر تھا۔جن کے ڈرائیور عموماً ان پڑھ اور سادہ لوح دیہاتی ہوتے ہیں۔ایسے لوگ زیادہ سوال و جواب نہیں کرتے بس اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تقریباً نصف گھنٹے کے بعد مجھے ایک ٹریکٹر ٹرالی آتی ہوئی نظر آئی۔میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔جب وہ قریب پہنچ گئی تو میں نے اسے رکنے کا اشارہ کردیا۔میری توقع کے عین مطابق ڈرائیور نے ٹریکٹر ٹرالی روک دی۔میں نے قریب جا کر سوال کیا۔”بھائی! کیا آپ نتھیا گلی کی طرف جا رہے ہیں؟“

اس نے ایک نظر میرے حلیے پر ڈالی اور پھر بولا۔”ہاں مگر آپ کون ہیں اور آپ کی یہ حالت کس نے بنادی ہے؟“

میں نے کہا۔”بھائی! میں ایک ڈاکٹر ہوں اور میری یہ حالت ڈاکوؤں نے بنائی ہے۔انہوں نے مجھے مارا پیٹا اور پھر گاڑی اور رقم چھین کر فرار ہو گئے۔ میں پچھلے دو گھنٹوں سے مسلسل پیدل چلتے چلتے تھک چکا ہوں۔اگر آپ مجھے گولی استاد کے گیراج تک لفٹ دے دیں تو آپ کی مہربانی ہوگی۔“

وہ خندہ پیشانی سے بولا۔”اس میں مہربانی کی کون سی بات ہے۔آؤ بیٹھ جاؤ۔“ میں اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پیچھے ٹرالی میں سوار ہو گیا اور اس نے ٹریکٹر ٹرالی آگے بڑھا دی۔

ایک گھنٹے کے سفر کے بعد اس نے مجھے گولی استاد کے گیراج کے سامنے اتار دیا۔میں ایک بار پھر اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے گیراج کے صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔اندر گولی استاد ایک گاڑی کے بونٹ پر جھکا اپنے فرائض منصبی انجام دینے میں مصروف تھا۔میں نے نزدیک جا کر اسے پکارا۔

”گولی استاد!“

وہ فوراً پلٹا لیکن مجھ پر نظر پڑتے ہی لمحہ بھر کے لیے پتھر کا بت بن کر رہ گیا۔اس کے چہرے پر حیرت اور دکھ کی ملی جلی کیفیت طاری تھی۔میری اس حالت کا شاید اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔تبھی اس کے چہرے پر حیرت منجمد ہو کر رہ گئی تھی۔چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے متعجب انداز میں پوچھا۔”یہ... یہ آپ نے کیا حال بنا رکھا ہے۔کیا کسی سے جھگڑا ہوا ہے؟“

اس کے استفسار پر میرا جی بھر آیا مگر اب میں آنسوؤں کو دھتکار چکا تھا۔کمزوروں کا یہ ہتھیار میں پھینک چکا تھا۔اب میرے سینے میں ایک آتش فشاں کھول رہا تھا۔جو بہت جلد پھٹنے والا تھا۔

میں نے کہا۔”یہاں نہیں اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔میری داستان بہت طویل ہے۔کھڑے کھڑے نہیں سنا سکتا۔“

”چلو آؤ۔“ وہ مجھے اشارہ کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

ذرا سی دیر کے بعد ہم دونوں گیراج کے کمرۂ خاص میں بیٹھے ہوئے تھے۔کمرے میں داخل ہونے سے قبل اس نے گیراج میں کام کرنے والے ایک چھوٹے کو چائے لانے کے لیے دوڑا دیا تھا۔

”ہاں اب بتاؤ آپ پر کون سی افتاد ٹوٹی ہے؟“ میرے بیٹھتے ہی اس نے بے چینی سے پوچھا۔

میں نے کہا۔”گولی بھائی! مجھ پر جو افتاد ٹوٹی ہے اسے سنانے کے لیے پتھر کا کلیجہ چاہیے فکر نہ کرو میں یہ داستان الم لفظ بہ لفظ بیان کروں گا۔“ اتنا کہہ کر میں نے گزرے ایام کی ساری کہانی اسے سنادی۔جب میں فائزہ کے لٹنے اور مرنے کے واقعات بیان کر رہا تھا تو ضبط کی انتہائی کوشش کے باوجود میری آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں نمکین پانی اتر آیا۔گولی استاد کی پلکیں بھی بھیگ چکی تھیں اور وہ کسی بت کی طرح ساکت بیٹھا ہوا تھا۔جب یہ خونچکاں

کہانی ختم ہوئی تو وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”آپ کو تو پولیس اسٹیشن جانا چاہیے تھا آپ یہاں...؟“

میں نے اپنی بھیگی ہوئی پلکیں صاف کرتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

”نہیں دوست! اب پولیس کو درمیان میں لانے کی غلطی نہیں کروں گا۔اب جج اور جلاد کے فرائض میں خود ہی سر انجام دوں گا۔اب یا وہ رہیں گے یا پھر میں۔“

”وہ تو ٹھیک ہے مگر پھر بھی رپورٹ تو درج کرانا ہی ہوگی۔“

”نہیں، میں اپنی معصوم بہن کی مزید بے حرمتی نہیں ہونے دوں گا۔پولیس پوسٹ مارٹم کرانے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کرے گی۔پولیس اسٹیشن کا انچارج، افضل خان کا پالتو کتا ہے۔وہ کیا میری مدد کرے گا؟ الٹا مجھے ہی پکڑ کر بند کردے گا۔“ میں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے قطعی لہجے میں جواب دیا۔

وہ بولا۔ ”جیسے آپ کی مرضی بہر حال حکم کیجیے میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں؟ اگر رقم وغیرہ کی ضرورت ہو تو بلا جھجک بتائیے میرے پاس جتنے ہوئے سب پیش کردوں گا۔“

”رقم کا بندوبست میں خود کرلوں گا۔فی الحال فائزہ کے کفن دفن کے لیے مجھے تمہاری مدد درکار ہے۔“

”میں حاضر ہوں، حکم کریں کیا کرنا ہے؟“ اس نے سعادت مندی سے پوچھا۔

میں نے کہا۔ ”فائزہ کی لاش لاکر اس کی تجہیز و تکفین کرنی ہے۔تمہارے پاس اگر کوئی گاڑی ہے تو فوراً نکالو۔“

وہ بولا۔ ”گاڑی تیار ہے لیکن پہلے آپ اپنا حلیہ درست کرلیں۔ویسے آپ کو علاج کی بھی ضرورت ہے۔اگر کہتے ہیں تو پہلے ڈاکٹر...!“

”ڈاکٹر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ میں نے قطع کلامی کی۔ ”بس تم مجھے اپنا کوئی لباس دے دو، اس کے بعد چلتے ہیں۔“

اسی دوران چھوٹا چائے لے آیا۔ہم نے جلدی جلدی چائے پی۔اس کے بعد میں نے حتیٰ الوسع اپنا حلیہ درست کیا اور پھر گولی استاد کے کپڑے پہن کر تیار ہو گیا۔گو کہ یہ کپڑے معمولی سے تنگ تھے مگر برے نہیں لگ رہے تھے۔پھر گولی استاد نے گاڑی نکالی اور ہم اس سنسان مقام کی طرف روانہ ہوگئے جہاں جھاڑیوں میں فائزہ کی لاش کفن دفن کی منتظر تھی۔

...☆☆☆...

وہاں جانے اور فائزہ کی لاش لانے میں ہمارے دو گھنٹے صرف ہوگئے۔ مقام شکر تھا کہ اس کام میں ہمیں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ ہم نہایت راز داری کے ساتھ لاش لانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ اب لاش کو نہلانے' کفنانے اور جنازہ پڑھ کر دفنانے کے مراحل باقی تھے۔ شریعت کی رو سے کسی عورت کی لاش کو عورت ہی غسل دے سکتی ہے چنانچہ اس مقصد کے لیے گولی استاد کی ماں کو تکلیف

دی گئی۔ وہ گولی استاد کی طرح نیک' ملنسار اور مصیبت میں دوسروں کے کام آنے والی خاتون تھی۔ اس نے فائزہ کو بیٹی سمجھتے ہوئے غسل دیا اور پھر کفن پہنا دیا۔

اس دوران گولی استاد نے اپنے چند شاگردوں کے ساتھ مل کر گیراج کے عقب میں ذرا فاصلے پر ایک کھلی جگہ پر قبر کھود ڈالی تھی۔ پھر گولی استاد اور

اس کے شاگردوں کے ساتھ مل کر میں نے امامت کے فرائض سر انجام دیتے ہوئے فائزہ کی نمازِ جنازہ ادا کی۔ نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی معصوم اور پیاری بہن کا جسد خاکی لحد میں اتار دیا۔ جب قبر پر مٹی ڈالنے کا وقت آیا تو ضبط کی لاکھ کوشش کے باوجود میری آنکھیں بھر آئیں۔

تب گولی استاد میری ڈھارس بندھاتے ہوئے بولا۔ ”صبر کرو شاہ زمان' خدا کی یہی مرضی تھی۔“

میں نے کہا۔ ”ایک نہ ایک دن سبھی کو مرنا ہے لیکن میری بہن بہت بد قسمت تھی۔ قبر بھی ملی تو کہاں آکر۔ اس ویرانے میں جہاں کوئی فاتحہ پڑھنے والا بھی نہیں ملے گا۔“

وہ بولا۔ ”فکر کیوں کرتے ہو؟ میں ہوں ناں! یہ میری بھی تو بہن ہی تھی۔ میں ہر روز اس کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر جنگلی پھول ڈالا کروں گا۔“ اتنا کہنے کے بعد وہ واقعی آگے بڑھا اور کچھ فاصلے پر موجود جنگلی پھول توڑ لایا۔

”یہ لو اور اپنے ہاتھوں سے بہن جی کی قبر پر ڈال دو۔“

میں نے اس کے ہاتھ سے پھول لے کر فائزہ کی قبر پر ڈال دیے۔

وہ چند دن میں نے گول استاد کے گیراج میں بسر کیے۔اس نے واقعی بچپن کی دوستی نبھاتے ہوئے میری خوب خدمت کی تھی۔ان چند دنوں میں اس نے نا صرف میرا علاج کرایا بلکہ میری ضرورت کی بہت سی اشیاء بھی خرید لایا تھا۔ان چیزوں میں موبائل فون، جوتے، چند جوڑے کپڑوں کے اور کچھ دوسری اشیاء تھیں۔اس مہربانی پر میں اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولا۔

”دوست! میں تمہارا یہ احسان عمر بھر یاد رکھوں گا تم نے واقعی دوستی کا حق ادا کر دیا ہے۔زندگی نے مہلت دی تھی تو کسی دن یہ قرض چکا دوں گا۔“

اس نے شکایتی انداز میں کہا۔”دوست بھی کہتے ہو اور احسان چکانے کی بھی بات کرتے ہو؟ کیا یہ میرے ساتھ نا انصافی نہیں ہے؟ دوست کبھی دوست پر احسان نہیں کرتا بلکہ دوستی کا حق ادا کرتا ہے۔میں نے آپ کے لیے جو کچھ بھی کیا ہے۔یہ احسان نہیں ہے دوستی نبھائی ہے میں نے۔“

میں نے نادم انداز میں کہا۔”سوری دوست مجھ سے بھول ہو گئی۔“

”چلو کوئی بات نہیں، اب کیا ارادہ ہے؟“

”فی الحال تو راولپنڈی جاؤں گا۔وہاں پہنچ کر سوچوں گا کہ آگے کیا کرنا ہے۔“

”کب جاؤ گے؟“

”کل صبح سویرے ان شاء اللہ نکل جاؤں گا۔“ میں نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے کل صبح آپ کو گاڑی تیار ملے گی اور اگر آپ محسوس نہ کریں تو پلیز یہ رکھ لیں۔“ اس نے جیب سے ایک سفید رنگ کا لفافہ نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے گزارش کی۔

”کیا ہے اس میں؟“ میں نے لفافہ پکڑتے ہوئے پوچھا۔

”خود ہی دیکھ لیں۔“

میں نے لفافہ کھول کر چیک کیا تو اس میں ایک ہزار روپے والے دس نوٹ رکھے ہوئے تھے۔

”نہیں دوست!“ میں نے لفافہ بند کر کے اس کی طرف بڑھا دیا۔”میں یہ نہیں رکھ سکتا۔پہلے ہی تم نے میرے لیے اتنا کچھ کیا ہے کہ اب مزید کچھ لیتے ہوئے میرا ضمیر مجھے ملامت کرے گا۔پلیز برا مت منانا۔“

وہ بولا۔"میں برا نہیں مناؤں گا مگر مجھے اس بات کا دکھ ضرور ہوگا کہ ایک دوست نے میرا خلوص ٹھکرا دیا ہے۔"

"دیکھو دوست!" میں نے ناصحانہ انداز اختیار کیا۔"تمہاری اپنی ضروریات ہوں گی۔اس رقم کی تجھے گھر میں بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔میں تجھ پر غیر ضروری بوجھ ڈالناغیر مناسب سمجھتا ہوں۔ورنہ یہ رقم ضرور لے لیتا۔اس میں خلوص کو ٹھکرانے والی کوئی بات نہیں ہے۔اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو میں کپڑے اور دیگر اشیاء بھی نہ لیتا۔"

"پلیز میری خوشی کے لیے رکھ لیں۔" وہ بضد ہوا۔"گھر کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اللہ نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔یہ میرے پاس وافر تھے تو میں نے آپ کو پیش کردیے۔"

اس کی خوشی اور اصرار کو دیکھتے ہوئے میں نے رقم والا لفافہ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے یہ رقم میں قرض سمجھ کر رکھ لیتا ہوں۔موقع ملتے ہی واپس کردوں گا۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے تائیدی انداز میں سر ہلا دیا۔

دوسرے دن ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد جب میں نے اس سے رخصت چاہی تو وہ بولا۔

"اگر میری ضرورت ہے تو میں چلنے کے لیے تیار ہوں۔"

میں نے ممنون انداز میں کہا۔"نہیں دوست! فی الحال تو کوئی ضرورت نہیں ہے۔بہر کیف مجھے جب بھی کسی مدد کی ضرورت پڑی میں سیدھا تمہارے پاس ہی آؤں گا۔"

"میں آپ کو چشم براہ ملوں گا۔ویسے میں نے آپ کے موبائل فون میں اپنا نمبر محفوظ کر دیا ہے اور آپ کا نمبر اپنے موبائل فون میں محفوظ کرلیا ہے۔ جب بھی میری ضرورت پڑے بلا جھجک کال کردینا۔"

"ضرور کروں گا۔" اتنا کہہ کر میں نے رخصتی مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر وہ میرے ہاتھ کو نظر انداز کرتے ہوئے میرے ساتھ بغل گیر ہوگیا۔

"جاؤ دوست خدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔" اس نے دعائیہ انداز میں کہا اور میں خدا حافظ کہتا ہوا گاڑی میں بیٹھ گیا۔اب میری منزل راولپنڈی شہر تھا۔تاہم

آگے کا کوئی پتا نہیں تھا کہ وقت کی یہ بے رحم گردش مجھے کہاں لے کر جانے والی تھی؟ ایسے ہی وقت مجھے بچپن میں سنا ہوا محمد رفیع مرحوم کا ایک گانا یاد آنے لگا۔جس کے بول کچھ یوں تھے۔

وقت سے دن اور رات

وقت سے کل اور آج

وقت کی ہر شے غلام

وقت کا ہر شے پہ راج

ہاں وقت کبھی بے رحم ہے تو کبھی مہربان، کبھی پھولوں کی سیج ہے تو کبھی کانٹوں کا تاج اور انسان وقت کی بساط پر رکھا ہوا ایک ادنیٰ سا مہرہ ہے۔جسے اس بساط پر پٹتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔میں بھی اس وقت اس بساط پر ایک پٹا ہوا مہرہ تھا۔

...☆☆☆...

راولپنڈی پہنچ کر میں نے ایک دن آرام کیا اور دوسرے دن استعفیٰ لکھ کر ایم او کی ٹیبل پر رکھ دیا۔ڈاکٹر خالد لطیف نا صرف اس پرائیویٹ اسپتال کے مالک تھے بلکہ وہاں کے ایم او بھی خود ہی تھے۔انہوں نے غور سے میرا استعفیٰ پڑھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولے۔

"شاہ زمان! آپ ایک قابل ڈاکٹر ہیں۔میں دل سے آپ کی قدر کرتا ہوں۔اگر مجھ سے یا اسپتال کی انتظامیہ سے کوئی شکایت ہے تو آپ بلا جھجک بتا سکتے ہیں مگر استعفیٰ...! پلیز اسے اپنے پاس رکھیں۔"

میں نے کہا۔"سر! مجھے کسی سے بھی کوئی شکایت نہیں ہے۔بس میرے حالات مجھے سروس جاری رکھنے کی اجازت نہیں دے رہے۔"

"کیوں، حالات کو کیا ہو گیا ہے؟" انہوں نے استفسار کیا۔

"سر! حالات نے میرا سب کچھ چھین لیا ہے۔میں گھر سے بے گھر ہو گیا ہوں۔بلکہ یوں سمجھیں کہ میرا سب کچھ لٹ چکا ہے۔کچھ بھی باقی نہیں بچا۔ایسی صورت حال میں یہ سروس جاری رکھنا میرے لیے نا ممکن ہے۔بس آپ یہ استعفیٰ منظور کرلیں۔یہ آپ کا مجھ پر احسان ہو گا۔"

وہ بولے۔"بھئی کچھ پتا تو چلے کہ آپ پر کون سی افتاد ٹوٹ پڑی ہے؟ ہوسکتا ہے کہ میں آپ کا مسئلہ حل کردوں۔"

"سر! میرا مسئلہ آپ تو کیا دنیا کے سارے انسان مل کر بھی حل نہیں کرسکتے۔"

اس بار انہوں نے قدرے چونک کر میری طرف دیکھا تو میں نے گزارشانہ انداز میں کہا۔"پلیز سر آپ میرے استعفیٰ پر سائن کردیں۔مجھ پر جو گزری ہے وہ میں نہیں بتا پاؤں گا۔پلیز آپ اصرار بھی مت کریں۔"

"اوکے" کہہ کر انہوں نے چپ چاپ میرے استعفیٰ پر سائن کر دیے اور میرا حساب بے باق کرنے کے بعد بولے۔"شاہ زمان! مجھے کبھی کسی ملازم کے جانے کا دکھ نہیں ہوا مگر آپ کے جانے کا دکھ مجھے ایک عرصے تک رہے گا۔میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کی چھوڑی ہوئی سیٹ بہت جلد پُر ہوجائے گی لیکن آپ والی بات نہیں ہوگی۔"

میں نے ممنون انداز میں کہا۔"سر! آپ کا بہت بہت شکریہ' اگر زندگی نے مجھے دوبارہ سروس جوائن کرنے کی مہلت دی تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ

کے پاس ہی آؤں گا۔" اس کے بعد ان سے اجازت طلب کرتے ہوئے میں آفس سے باہر نکل گیا۔

اس روز میں نے اپنے اکاؤنٹ میں موجود تمام رقم نکلوائی۔جو تقریباً دس لاکھ روپے تھے۔اب مجھے آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنا تھا۔میرے دشمن بہت طاقت ور تھے۔میں ان سے قانون کے دائرے میں رہ کر اپنا انتقام نہیں لے سکتا تھا۔ویسے بھی میں نے ان کے خلاف قانونی جنگ لڑ کر اس کا نتیجہ بھگت لیا تھا۔اس لیے اب یہ جنگ میں اپنے طریقے سے لڑنا چاہتا تھا۔بہت دیر تک میں سوچتا رہا مگر جب مجھے انتقام لینے کا کوئی بہترین طریقہ نہ سوجھا تو میں موٹر بائیک لے کر مشی کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔اس کا نمبر میرے چھن جانے والے فون میں رہ گیا تھا اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ فتح خان نے مشی کا موبائل فون اسے واپس کردیا ہوگا کہ نہیں؟

آدھے گھنٹے کے بعد میں ان کی شاندار کوٹھی کے صدر دروازے پر پہنچ گیا۔میں نے موٹر بائیک سائیڈ میں کھڑی کردی اور ڈور بیل پر انگلی رکھ دی۔فوراً گیٹ کی ذیلی کھڑی کھلی اور چوکیدار کا چہرہ نمودار ہوا۔یہ کوئی نیا آدمی تھا اور

شکل و صورت سے کشمیری لگتا تھا۔اس سے قبل میں نے اسے کبھی وہاں نہیں دیکھا تھا۔وہ چند لمحے مجھے مشکوک انداز میں دیکھتا رہا پھر پوچھا۔"جی صاحب! کس سے ملنا ہے آپ کو؟"میں نے اپنا تعارف کروانے کے بعد کہا۔"ڈاکٹر مہوش صاحبہ اگر موجود ہیں تو انہیں اطلاع کریں کہ ڈاکٹر شاہ زمان ملنا چاہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے جناب!" کہتے ہوئے چوکیدار کھڑکی میں غائب ہو گیا۔چوکیدار کے رویے نے مجھے بتا دیا تھا کہ مشی بخیریت اپنے گھر میں موجود ہے اور یہ بات میرے لیے باعث اطمینان تھی کیونکہ پہلے میں اس کے متعلق قدرے متفکر تھا۔مگر اب میری ساری پریشانی دور ہو چکی تھی۔

چند لمحوں کے بعد جب چوکیدار واپس آیا تو نہایت ہی مؤدبانہ انداز میں بولا۔"تشریف لائیں جناب! بی بی ڈرائنگ روم میں آپ کی منتظر ہیں۔"

میں نے موٹر بائیک چوکیدار کی حفاظت میں چھوڑی اور کوٹھی کے اندر داخل ہو گیا۔ڈرائنگ روم میرا دیکھا ہوا تھا۔چنانچہ میں سیدھا ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔جب میں ڈرائنگ روم کے اندر داخل ہوا تو مشی کو بے چینی کے

انداز میں ٹہلتے ہوئے پایا۔مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں حیرت اور مسرت کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوئی اور پھر جو ہوا کم از کم اس کا تصور میں نے نہیں کیا تھا۔وہ والہانہ انداز میں آگے بڑھی اور مجھ سے لپٹ گئی۔

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم زندہ ہو۔میں... میں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ تمہیں دیکھ کر مجھے کس قدر خوشی ہو رہی ہے۔" وہ پُر مسرت انداز میں بول رہی تھی۔مگر میری آنکھیں بھر آئیں۔میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔"ہاں مشی! میں زندہ ہوں لیکن مردوں سے بد تر حالت میں ہوں۔"

"کیوں؟" اس نے مجھ سے الگ ہوتے ہوئے استفسار کیا۔"باقی سب لوگ تو ٹھیک ہے ناں؟ فائزہ اور بابا؟"

میں نے انگلیوں کی پوروں سے بھیگی ہوئی پلکیں صاف کرتے ہوئے کہا۔"فائزہ اور بابا بھی مجھے چھوڑ گئے ہیں۔بابا کو تو ان لوگوں نے تمہارے سامنے ہی مار ڈالا تھا لیکن فائزہ کے ساتھ ان درندوں نے بہت برا سلوک کیا تھا۔" اتنا کہنے کے بعد میں نے اسے پوری سرگزشت بلا کم و کاست سنا دی۔

چند لمحے تو وہ سکتے کی سی کیفیت میں بیٹھی رہی پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔"شاہو! یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔میں اگر اس وقت پاپا کو مجبور کر کے شیر زادہ خٹک کے خلاف رپورٹ درج نہ کراتی تو یقیناً آج بابا اور فائزہ زندہ ہوتے۔"

"نہیں اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔یہ سب میری ضد اور ہٹ دھری کا نتیجہ ہے۔میں اگر بابا کی بات مان لیتا تو شاید ایسا کچھ بھی نہ ہوا ہوتا۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا اور مشی اپنی بھیگی ہوئی آنکھیں صاف کرنے لگی۔

میں نے قدرے توقف سے پوچھا۔"تمہارے ساتھ انہوں نے کیا سلوک کیا تھا؟"

وہ بولی۔"پاپا کی وجہ سے انہوں نے دوسرے دن مجھے راولپنڈی پہنچا دیا تھا مگر موبائل اور میموری کارڈ چھین لیا تھا۔میری گاڑی بھی انہوں نے اسی روز یہاں پہنچا دی تھی۔"

میں نے کہا۔"خدا کا شکر ہے مشی کہ تم محفوظ رہیں بس میرے لیے یہ کافی ہے۔اب ان کے خلاف مجھے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس کے بعد ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔راجا صاحب چونکہ کسی کاروباری سلسلے میں اسلام آباد جا چکے تھے۔اس لیے ہم بے فکر ہو کر بیٹھے رہے۔مشی کو میں نے اپنے آئندہ کے پروگرام کے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔باتوں کے دوران ہم نے ایک دوسرے کے نئے موبائل فون نمبر لے لیے تھے۔رخصت ہونے سے قبل میں نے مشی سے ایک درخواست کی۔"مشی مجھے سردار شیر افضل خان کا موبائل فون نمبر چاہیے۔یقیناً اس کا نمبر راجا صاحب کے پاس ہو گا اگر تم...!"

اس نے قطع کلامی کی۔"یہ نمبر تمہیں کس لیے چاہیے؟"

میں نے کہا۔"بس کوئی کام تھا اس سے۔"

اس نے مشکوک انداز میں پوچھا۔"تم کچھ چھپا رہے ہو شاہو! کیا مجھے نہیں بتاؤ گے؟"

"میں بھلا تم سے کوئی بات کیوں چھپاؤں گا؟ تم بلا وجہ مشکوک ہو رہی ہو۔میں نے تو صرف نمبر مانگا ہے اور وہ بھی محض اس لیے کہ میں اب شیر زادہ خٹک سے صلح کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔

وہ چند لمحے متحیر انداز میں میری طرف دیکھتی رہی پھر پُر مسرت انداز میں بولی۔"شاہو! یہ تم نے بالکل ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔میں خود تم سے یہ بات کہنے والی تھی مگر یہ سوچ کر نہیں کہی کہ شاید تمہیں برا لگے گا۔"

"چلو اب تو خوش ہو ناں کہ میں نے خود ہی یہ فیصلہ کرلیا۔"

"بہت زیادہ، تم سوچ نہیں سکتے کہ میں تمہارے اس فیصلے سے کتنی خوش ہوں۔" اس نے چہکتی ہوئی آواز میں جواب دیا اور میں دل ہی دل میں اس کی سادگی پر مسکرادیا۔بے چاری اب بھی میرے ساتھ زندگی بسر کرنے کے جھوٹے خواب دیکھ رہی تھی۔جب کہ میں عنقریب موت کی وادی میں قدم رکھنے والا تھا۔وہ نہیں جانتی تھی کہ میں اس کی زندگی سے بہت دور جانے والا ہوں۔ایسے ہی وقت مجھے کسی دانش ور کا ایک قول شدت سے یاد آنے لگا کہ

"محبت خود غرض ہوتی ہے۔" واقعی مشی نے اس روز اپنے رویے سے ثابت کردیا تھا کہ "محبت خود غرض ہوتی ہے۔" مگر میں محبت میں خود غرض بننے کے لیے تیار نہیں تھا۔سو مشی کو جھوٹی باتوں سے بہلا رہا تھا۔

میں اگر اسے سچ بتا دیتا کہ میں کیا کرنے والا ہوں تو وہ یقیناً میرے پیروں کی زنجیر بن جاتی۔جب کہ مجھے یہ منظور نہیں تھا اور دوسری بات یہ ہے کہ میں کسی عورت کو اس معاملے میں راز دار بنانے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔ ویسے بھی وہ راجا صاحب جیسے شخص کی بیٹی تھی۔جو میرے دشمنوں سے ملا ہوا تھا۔مشی کے منہ سے کبھی بھی ایسی بات نکل سکتی تھی جو راجاصاحب کے ذریعے میرے دشمنوں تک پہنچ سکتی تھی۔

میں نے قدرے توقف سے بناوٹی انداز میں کہا۔"تم خوش ہو تو میں بھی خوش ہوں اور ہاں شیر افضل خان کا نمبر مل جائے تو مجھے ایس ایم ایس کردینا۔"

"بے فکر رہو کردوں گی۔" اس نے مطمئن انداز میں جواب دیا اور میں اجازت طلب انداز میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔وہ مجھے کوٹھی کے صدر دروازے تک چھوڑنے کے لیے آئی اور پھر خدا حافظ کہتے ہوئے واپس پلٹ گئی۔

...☆☆☆...

دوسرے دن اس نے وعدے کے مطابق شیر افضل خان کا نمبر ایس ایم ایس کردیا جو میں نے اس وقت اپنے موبائل فون میں محفوظ کرلیا۔ اب مجھے کرایہ کا یہ فلیٹ چھوڑنا تھا۔چنانچہ میں فلیٹ کے

مالک سے ملا اپنا حساب بے باق کیا اور چوبیس گھنٹوں کے اندر فلیٹ خالی کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے واپس آگیا۔اس کے بعد میں نے اس روز فلیٹ میں رکھا اپنا سامان بیچ دیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

رات کے وقت میں نے موبائل فون پر گولی استاد سے رابطہ کیا اور اسے اپنی واپسی کی اطلاع دیتے ہوئے کہا۔"کل صبح میں واپس آرہا ہوں۔تم نے کہیں جانا تو نہیں ہے ناں!"

"میں چوبیس گھنٹے گیراج میں گزارتا ہوں۔کہیں جانا بھی ہوتا ہے تو گھنٹے دو گھنٹے کے لیے جاتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

میں نے کہا۔"میں مستقل طور پر آرہا ہوں اور شاید وہیں گیراج ہی میں سکونت اختیار کرلوں۔تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا ناں؟"

وہ بولا۔"اعتراض کیسا بلکہ مجھے تو خوش ہوگی کہ آپ مستقل طور پر آرہے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ دوست! تم بھائیوں سے بڑھ کر میرے کام آرہے ہو۔"

"میں آپ کو اپنا بھائی ہی سمجھتا ہوں۔" اس نے اپنائیت سے کہا۔"اور بھائیوں کا شکریہ ادا نہیں کیاجاتا۔"

"سوری دوست آئندہ خیال رکھوں گا۔" میں نے ندامت کا اظہار کیا۔

اس کے بعد چند مزید باتیں ہوئیں اور پھر میں نے "خدا حافظ" کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔

صبح سویرے اٹھ کر میں نے جلدی جلدی غسل کیا اور پھر لباس چینج کرنے کے بعد قریبی ریستوران کی طرف چل دیا۔وہاں پہنچ کر میں نے ناشتے کا آرڈر دیا اور پھر وقت گزاری کے لیے ٹیبل پر پڑا ہوا اخبار اٹھالیا۔تقریباً تمام خبریں ہی وحشت ناک وا الم ناک تھیں۔قتل، اغواء برائے تاوان، بم دھماکے، چوری، ڈکیتی اور کرپشن سے متعلق خبروں سے اخبار بھرا پڑا تھا۔معاً میری نگاہیں ایک دو کالمی خبر پر جم کر رہ گئیں۔خبر کی سرخی تھی۔"بد بخت بیٹے کے ہاتھوں بوڑھے باپ کا قتل" نیچے خبر کی تفصیل تھی۔(نمائندہ خصوصی) سنگ دل بیٹا بوڑھے باپ کو نہایت بے دردی سے قتل کرنے کے بعد نوجوان بہن کو ساتھ لے کر لا پتا ہو گیا۔پولیس بڑی شد و مد کے ساتھ قاتل کو تلاش کر رہی ہے۔قاتل ایک کوالیفائیڈ ڈاکٹر ہے۔جو راولپنڈی کے ایک پرائیویٹ اسپتال میں بھی کام کرتا رہا ہے۔قاتل کا نام ڈاکٹر شاہ زمان بتایا گیا ہے۔

خبر کیا تھی؟ میرے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔یہ یقیناً انور خان جیسے بے ایمان اور رشوت خور پولیس افسر کی کارستانی تھی مگر ایک بات میری سمجھ میں کسی طرح نہیں آرہی تھی کہ اس نے اتنی دیر سے یہ خبر کیوں لگوائی تھی؟ حالانکہ اس حادثے کو وقوع ہوئے دس بارہ روز گزر چکے تھے۔انہیں تو اس واقعہ کے دوسرے دن ہی یہ خبر لگوا دینی چاہیے تھی۔بہر کیف اس دیر کی کئی وجوہات ہو سکتی تھیں اور میں صرف اندازے قائم کرسکتا تھا کیونکہ اصل وجہ میری نگاہوں سے اوجھل تھی تاہم ایک بات میرے لیے اطمینان بخش تھی کہ خبر کے ساتھ میری تصویر نہیں لگائی گئی تھی۔شاید انور خان کو میرے گھر سے میری کوئی تصویر نہیں ملی تھی۔

اس دوران ایک بیرے نے ٹیبل پر ناشتا لگا دیا تھا۔میں نے اخبار کو لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا اور پھر ناشتا کرنے لگ گیا۔ناشتے کے بعد میں نے ایک کپ چائے منگوائی اور آہستہ آہستہ چسکیاں لینے لگا مگر میرا ذہن مسلسل اس خبر میں اٹکا ہوا تھا۔اس علاقے میں مجھے کئی لوگ جانتے تھے۔حتیٰ کہ جس ریستوران میں اس وقت میں بیٹھا ہوا تھا اس کے عملے کے بھی کئی افراد مجھ

سے اچھی طرح واقف تھے بلکہ ان میں سے چند بیروں نے تو میرا فلیٹ بھی دیکھا ہوا تھا۔ پھر اچانک ایک خیال نے میرے جسم میں سنسنی کی ایک لہر دوڑا دی۔ ہمارے ایم او ڈاکٹر خالد لطیف صبح سویرے ہی اخبار پڑھنے کے عادی تھے اور میری بد بختی کہ وہ اخبار بھی وہی پڑھتے تھے جس میں میری خبر لگی ہوئی تھی۔ دو دن قبل ہی تو انہیں میں نے استعفیٰ پیش کیا تھا اور ان کے اصرار کے باوجود انہیں سروس چھوڑنے کی وجہ نہیں بتائی تھی اور اب یہ خبر پڑھ کر تو وہ بغیر دیر لگائے پولیس کو انفارم کردیں گے۔ اس خوفناک خیال نے لمحہ بھر کے لیے حقیقتاً میرے رونگٹے کھڑے کردیے تھے مگر یہ خوف زدہ ہونے کا وقت نہیں تھا بلکہ فوراً وہاں سے نکلنے کا وقت تھا۔

میں نے جلدی سے چائے ختم کی اور پھر بل ادا کرنے کے لیے کاؤنٹر کی طرف چل دیا۔ بل ادا کرنے کے بعد میں جونہی پلٹا میرے قدم زمین میں پیوست ہو کر رہ گئے۔ ریستوران کے ہال میں چند پولیس والے دندناتے ہوئے داخل ہورہے تھے اور فرار کے تمام راستے مسدود نظر آرہے تھے۔ دل میرے پہلو میں پارے کی طرح اچھل رہا تھا۔

ریستوران کی ٹیبل پر پڑے ہوئے اخبار میں جب میں نے اپنے بارے میں وہ خبر پڑھی تو میرے پیروں تلے زمین نکل گئی اور مجھے پورا یقین تھا کہ یہ خبر اسی ذلیل کمینے رشوت خور پولیس افسر انور خان نے دی ہوگی۔ کرائم رپورٹر تھانہ انچارج سے رابطے میں رہتے ہیں اور تھانے سے جڑی چٹ پٹی مزے دار خبروں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ جیسے پانچ بچوں کی ماں نے اپنے آشنا کے ساتھ مل کر اپنے شوہر کو قتل کردیا اور آشنا کے ساتھ فرار ہوگئی' کہیں کسی جوان اور غریب لڑکی کے ساتھ گینگ ریپ ہوگیا اور پولیس والے انہیں نے خبریں فراہم کرتے رہتے ہیں۔

میری یہ خبر تو انور خان نے خود فون کر کے اخبار کو دی ہوگی۔ اخبار میں صاف صاف میرا پیشہ اور نام چھپا تھا۔ اس شہر میں کتنے ہی میرے جاننے والے ہیں۔ وہ کیا سوچیں گے میرے بارے میں کہ میں نے اپنے بوڑھے باپ کو قتل کردیا اور جوان بہن کو لے کر لا پتا ہوگیا۔ آخر میرے بوڑھے باپ نے ایسا کیا جرم کیا تھا یہ سوال ہر ذہن میں آئے گا۔

میرے اسپتال کے ڈاکٹر خالد لطیف جنہیں میں نے کل ہی اپنا استعفیٰ دیا تھا اور ان کے لاکھ پوچھنے پر بھی میں نے استعفیٰ کا کوئی جواز پیش نہیں کیا تھا۔ وہ آج کا اخبار پڑھ کر اس جواز کو سمجھ جائیں گے جو میں ان سے چھپا رہا تھا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اصول پرست انسان پولیس کو میرے بارے میں انفارم کردے کیونکہ ان کی نگاہ میں' میں ایک قتل کا مجرم تھا اور فرار ہو رہا تھا۔

اس روح فرسا خیال کے آتے ہی میں فوراً ہی اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ کیونکہ میرا مزید وہاں ٹھہرنا میرے لیے خطرے سے خالی نہیں تھا۔میں نے جیسے تیسے چائے ختم کی اور کاؤنٹر پر بل خود ہی ادا کرنے چلا گیا۔بل ادا کر کے میں جیسے ہی پلٹا تو جیسے زمین نے میرے قدموں کو جکڑ لیا۔

میری نگاہ داخلی دروازے کی جانب اٹھی اور میں نے وہاں سے پولیس کی وردی میں ملبوس چند سپاہیوں کو اندر آتے ہوئے دیکھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا میں سمجھ گیا کہ اب میری خیر نہیں اپنے بوڑھے باپ کے قتل کے الزام میں اگر میں جیل گیا تو شاید زندگی بھر باہر آنے کا موقع نہ ملے۔

میں نے تیزی کے ساتھ اپنے چہرے کا رخ دوسری جانب پھیر لیا۔میں نے ریستوران کے پچھلی طرف والے دروازے کی جانب دیکھا وہاں کچن بنا ہوا تھا اور اس کی سائڈ کی دیوار کے ساتھ ایک چھوٹا سا لوہے کا دروازہ بنا ہوا تھا۔شاید یہ دروازہ ملازمین کے آنے جانے یا خورد و نوش کا سامان لانے کے لیے بنایا گیا تھا۔

دروازے کے نگاہ میں آتے ہی میں پوری طرح سے گھوم گیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

اس سارے کام میں تیس سیکنڈ کا عرصہ لگا ہوگا۔میں اب دروازے کے سامنے موجود تھا اور میری پشت پر کچن کے سائڈ والی دیوار تھی میں فوری طور پر پولیس والوں کی نگاہ سے چھپ گیا تھا۔

یہ میری خوش قسمتی تھی کہ دروازے پر صرف کنڈی لگی ہوئی تھی۔تالا نہیں‌لگا تھا میں نے کنڈی کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ کچن کی کھڑکی جو اسی دیوار پر موجود تھی مجھے کسی نے اندر سے دیکھا اور آواز لگائی۔

”اے...! کون ہے؟“

میں نے آواز پر کوئی دھیان نہیں دیا اور نہ ہی پیچھے مڑ کر دیکھنے حماقت کی اس سے پہلے کہ وہ شخص مزید مجھ سے کوئی سوال کرتا یا باہر نکل کر آتا میں نے کنڈی کھول لی اور باہر نکل گیا اور دروازہ بند کرکے باہر سے کنڈی لگا دی تاکہ فور طور پر کوئی میرے پیچھے نہ آسکے۔ اب مجھ تک پہنچنے کے لیے اس کو ہال عبور کر کے کافی لمبا چکر کاٹ کر ادھر آنا تھا اور جب تک وہ یہاں پہنچتا میں اس کی پہنچ سے کافی دور نکل جاتا۔

باہر جا بجا گندگی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے‘ مگر شکر تھا کہ دروازے کے سامنے کی جگہ صاف ستھری تھی۔جہاں یہ ریستوران بنا ہوا تھا۔اس کی لائن میں اور بھی دوسری عمارتیں تھیں اور یہ سب کا پچھلا حصہ تھا۔اس لیے یہاں پر کسی نے صفائی رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دوسری سائڈ پر چلنے لگا گندگی کی وجہ سے مجھے پیر رکھنے میں دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ویسے بھی میں بنیادی طور پر بہت نفاست پسند واقع ہوا ہوں اور گندگی اور بدبو مجھے برداشت نہیں ہوتی۔مگر جب جان پر بنی ہو تو انسان گندگی میں تیر کر بھی اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ کافی لمبی گلی تھی۔بالآخر میں اسی سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔یہ جگہ مین روڈ سے دور تھی۔البتہ یہاں ایک ذیلی سڑک بنی تھی۔جہاں اکا دکا گاڑیاں آجا رہی تھیں۔میں مین روڈ کی جانب جانے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔کیونکہ وہاں ریستوران کے سامنے پولیس کی موبائل کھڑی تھی۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اب تک میری گرفتاری کے لیے پولیس نے جگہ جگہ ناکہ بندی کردی

ہو۔

میرا اپنا موبائل تو فتح محمد اور اس کے ساتھیوں نے چھین لیا تھا یہ ایک معمولی اور سیکنڈ ہینڈ موبائل تھا جو کل ہی مجھے گولی استاد نے دیا تھا۔

میں ایک جگہ دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔فوری طور پر کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں۔لے دے کے ایک گولی استاد ہی تھا جو مسلسل میرے اس کڑے اور برے وقت میں میرے کام آرہا تھا۔

میں نے گولی استاد کو فون کیا اور جلدی جلدی اس سے سارا ماجرہ کہہ سنایا۔میری بات سن کر گولی استاد چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا۔

"کیا ہوا گولی استاد؟ اگر تمہیں کوئی مسئلہ ہے تو میں کچھ اور سوچتا ہوں۔" میں نے تیزی سے اپنے چاروں جانب نگاہیں گھماتے ہوئے پوچھا۔

"ارے نہیں شاہ زمان مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" وہ تیزی سے بولا۔"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس وقت میں نتھیا گلی میں ہوں اور تم پنڈی میں۔تم تک پہنچنے میں مجھے ٹائم لگ جائے گا اور تمہارا اس جگہ سے فوری طور پر نکلنا بہت ضروری ہے دراصل میری گیراج میں کام کرنے والا شہزاد گاڑی کے کام سے کرنل حفیظ کے گھر گیا ہوا ہے جس جگہ تم موجود ہو وہ جگہ کرنل کے بنگلے سے زیادہ دور نہیں ہے۔تم فکر نہ کرو۔میں شہزاد کو ابھی فون کر کے کہتا ہوں کہ وہ تمہیں وہاں سے پک کر لے اور یہاں لے آئے میں اسے تمہارا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

فون نمبر بھی دے دوں گا تاکہ تم اسے صحیح لوکیشن بتا سکو۔" گولی استاد نے بات ختم کر کے لائن کاٹ دی۔

میں سوچ رہا تھا کہ واقعی اگر گولی استاد خود مجھے لینے آتا تو اسے کافی ٹائم لگ جاتا یہ تو بہت اچھا ہوا کہ اس کا ایک بندہ یہاں پنڈی میں موجود ہے قدرت خود بخود میری مدد کر رہی تھی۔

ابھی میں سوچوں میں گم کھڑا تھا اور فکر مندی سے سب جانب نگاہیں دوڑا رہا تھا تب ہی ایک اجنبی نمبر سے مجھے کال آئی۔میں نے فون فوراً ریسیو کرلیا آنے والی کال شہزاد ہی کی تھی۔اس نے مجھ سے جگہ کنفرم کی اور کہا کہ وہ پانچ منٹ میں ہی میرے پاس آرہا ہے۔

میرے پاس انتظار کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا ایک ایک لمحہ ایک ایک صدی بن کے گزر رہا تھا۔

اسی وقت کسی اسکول کی چھٹی ہو گئی اور بچوں کا ایک جم غفیر باہر آنے لگا ایک لحاظ سے یہ میرے حق میں بہتر ہی ہوا۔میں انجانے میں اسکول کی دیوار

کے ساتھ کھڑا تھا۔اب اتنے سارے بچوں کے رش میں فوری طور پر میرے دیکھے جانے کے امکانات کم تھے۔

اور پھر ایک لال رنگ کی آلٹو کار مجھے اپنی جانب آتی ہوئی دکھائی دی۔اسکول کے قریب گاڑی آکے رک گئی پہلے تو میں نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی کہ ہوسکتا ہے کوئی اپنے بچوں کو لینے کے لیے آیا ہوگا مگر جب ڈرائیور گاڑی سے باہر نکلا تو میں نے اسے پہچان لیا وہ شہزاد تھا اور میری تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

شہزاد سے میری بات چیت تو نہیں تھی مگر میں اسے شکل سے پہچانتا تھا گیراج میں ہی میں نے اسے دیکھا تھا فائزہ کی نماز جنازہ اور تدفین میں بھی وہ شریک تھا۔

شہزاد کو پہچان کر میں تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔میں نزدیک پہنچا تو اس نے مجھے دیکھ لیا وہ فوراً ہی گاڑی میں بیٹھ گیا اور فرنٹ ڈور کھول دیا۔میں نے گاڑی میں بیٹھنے میں لمحہ بھر بھی دیر نہیں کی میرے بیٹھتے ہی شہزاد نے

گاڑی کو تیزی سے بھگانا شروع کردیا اب ہم واپس نتھیا گلی کی جانب سفر کر رہے تھے۔

شہزاد نے راستے میں بتایا کہ کرنل حفیظ گولی استاد کے بہت پرانے کسٹمر ہیں۔ان کے پاس کئی اور گاڑیاں ہیں۔مگر انہیں اپنی سب سے پرانی گاڑی بہت عزیز ہے۔اس میں جب بھی گڑ بڑ ہوتی ہے وہ گولی استاد کے پاس آتے ہیں۔اب وہ بوڑھے ہوگئے ہیں۔خود گاڑی لے کر نہیں آتے بلکہ گولی استاد کو فون کردیتے ہیں اور گولی استاد کسی بندے کو بھیج دیتا تھا۔ویسے عموماً وہ ہی کرنل حفیظ کے کام کے لیے آتا تھا۔

”ڈاکٹر صاحب' اگر آپ کہیں تو میں آپ کے بارے میں کرنل صاحب سے بات کروں۔ہوسکتا ہے وہ آپ کی کوئی مدد کرسکیں۔“ شہزاد نے ونڈ اسکرین سے نگاہیں ہٹا کر ایک نظر میرے سنجیدہ چہرے پر ڈالی اور کہا۔

”نہیں۔“ میں نے تیز اور سخت لہجے میں کہا۔میرے لہجے کی تیزی اور سختی کو محسوس کر کے شہزاد کا چہرہ عجیب سا ہو گیا۔مجھے فوراً ہی اس بات کا احساس ہوگیا تو میں نے حتی الامکان اپنا لہجہ نارمل کیا اور کہا۔

"نہیں شہزاد تم بھول کر بھی میرا ذکر کسی سے نہیں کرنا یاد رہے کسی سے بھی نہیں، شاید تمہیں میری پوزیشن کا اندازہ نہیں ہے۔ظلم و ستم میرے اوپر ڈھایا گیا ہے اور جن لوگوں نے یہ ظلم کیا ہے

انہوں نے ہی مجھے مجرم بناکے دنیا کے سامنے پیش کردیا ہے۔میں ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ اپنی صفائی پیش کروں۔فی الحال تو میں اپنی جان بچا لوں ان لوگوں سے پھر کہیں پرسکون جائے پناہ حاصل کر کے اپنی زندگی کا آگے کا لائحہ عمل ترتیب دینا ہے۔میرے جسم کا رواں رواں انتقام کی آگ میں جھلس رہا ہے۔میرا سب کچھ لٹ گیا میرے پاس ماں باپ، بہن بھائی سب لوگ مجھ سے چھین لیے گئے تھے۔میں پتا نہیں کتنی ڈھیٹ ہڈی ہوں جو اپنوں کے لاشے اٹھانے کے بعد بھی زندہ ہوں۔"

یہ سب کہتے ہوئے میری آواز بھرا گئی اور میں چپ ہو گیا۔

"مجھے معاف کردیجیے ڈاکٹر صاحب میں تو دل سے یہ چاہ رہا ہوں کہ آپ کو انصاف ملے یہ دنیا بڑی ظالم ہے اور ایک ایسے سمندر کی مانند ہے جہاں منہ کھولے بڑی مچھلیاں اور مگر مچھ چھوٹی مچھلیوں کو نگل رہے ہیں۔آپ فکر نہ

کریں۔میں اور گولی استاد آپ کے اپنے ہیں۔آپ کے ساتھ ہر وقت ہر پل ہیں۔آپ کو جب بھی اور جیسی بھی ضرورت ہوگی ہم آپ کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔" شہزاد نے پر خلوص لہجے میں کہا۔

"بہت بہت شکریہ میرے بھائی، واقعی تم اور گولی استاد میرے محسن ہو اگر تم لوگ نہ ہوتے تو میرا کون پرسان حال ہوتا اور نہ میری بہن کو کفن اور مٹی ملتی۔" میں نے لاکھ روکنے کے باوجود گالوں تک بہ آنے والے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

اور پھر باتوں باتوں میں راستا بھی کٹ گیا اور میں خیریت سے گولی استاد کی ورکشاپ واپس آگیا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد میں بستر پر لیٹ گیا۔گولی استاد نے اپنا بستر میرے برابر میں لگا لیا تھا۔ہمارے درمیان خاموشی تھی۔میں اپنے آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں سوچ رہا تھا تھوڑی دیر بعد گولی استاد نے پوچھا۔

"کیا سوچ رہے ہو، شاہ زمان؟"

”میں سوچ رہا ہوں کہ ان لوگوں سے انتقام لینے کے لیے کوئی ایسا محفوظ پلان بناؤں کے سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔“ میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”تو پھر کچھ سوچا تم نے؟“ گولی استاد نے کہا۔

”وہی تو سوچ رہا ہوں تمہارے دماغ میں ہے کوئی آئیڈیا؟“ میں نے گولی استاد سے پوچھا۔

”آئیڈیاز تو بہت سے ہیں مگر ان پر عمل کرنا تمہارے جیسے انسان کے لیے آسان نہیں ہوگا۔“ گولی استاد بستر سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”تمہارا یہ کہنے سے کیا مطلب ہے کہ تمہارے آئیڈیے پر عمل کرنا میرے جیسے انسان کے لیے آسان نہیں ہوگا۔تم نے کیا سمجھ رکھا ہے مجھے تم کہو تو سہی۔“ میں بھی اٹھ کر بیٹھ گیا اور ہلکے سے غصیلے لہجے میں کہا۔

”میرا مطلب ہے تم ٹھہرے لکھنے پڑھنے والے آدمی لڑائی بھڑائی سے تمہارا کبھی واسطہ نہیں پڑا اور تمہارے اندر ان شیطانوں جیسی شاطرانہ چالیں بھی نہیں ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کے تمہاری پشت پر کوئی طاقت ور ہاتھ بھی نہیں

ہے۔یہ جو فتح محمد جیسے ٹکے آدمی تمہیں اتنی بڑی چوٹ پہنچا گئے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کی پشت پر سردار شیر افضل' شیرزادہ خٹک اور راجہ جیسے لوگوں کا ہاتھ ہے اور اسی وجہ سے ساری پولیس بھی ان کے آگے کتے کی طرح دم ہلاتی ہے۔اب تم خود ہی دیکھ لو کہ فتح محمد اور اس کے ساتھیوں نے تمہارے ساتھ کیا کیا اور الٹا سارا الزام تمہارے اوپر ڈال کر تمہیں مجرم بنا کے دنیا کے آگے پیش کردیا۔تمہارا گھر بار تباہ ہوگیا۔خاندان ختم ہوگیا۔تم در بدر ہوگئے نوکری گئی اور تم ہی سب سے اپنا منہ چھپاتے اور جان بچاتے پھر رہے ہو۔یہ سارا کرشمہ طاقت کا ہے پیارے۔ہمارے ملک میں جنگل کا قانون چلتا ہے۔یعنی جس کی لاٹھی اس کی بھینس اب کرلو جو کرنا ہے۔“ گولی استاد نے بات ختم کی اور میری جانب دیکھنے لگا۔میں اس کی باتوں میں چھپی سچائی کو تسلیم کر رہا تھا۔کیونکہ وہ بالکل سچ کہہ رہا تھا مجھے خاموش دیکھ کر وہ پھر بولا۔

”میری ان ساری باتوں کا لب لباب یہ ہے کہ جب تک تمہاری پشت پر کوئی آہنی ہاتھ نہیں ہوگا تم ان لوگوں کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتے۔“ گولی استاد نے ایک طویل سانس اپنے اندر اتاری اور خاموش ہوگیا۔

”تو اب تم مجھے یہ بھی بتا دو کہ میں ایسا آہنی ہاتھ کہاں سے تلاش کروں جو میری پشت پناہی کرے۔“ میں نے زچ ہو کر کہا۔

”دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے پیارے۔“ گولی استاد نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

”دشمن۔“ میں نے پرسوچ لہجے میں زیر لب کہا۔

”ہاں دشمن! تمہیں ان لوگوں کے دشمنوں سے ہاتھ ملانا ہوگا۔انہیں اپنی وفاداریوں کا یقین دلانا ہوگا ان کے لیے کام کرنا ہوگا۔تب وہ لوگ تمہارے کام آسکیں گے۔“ گولی استاد نے اپنے پاؤں چار پائی سے نیچے لٹکا لیے اور میرے قریب جھک کر میرے ہاتھوں کو تھام کر کہا۔

”مگر مجھے کیسے پتا چلے گا کہ ان لوگوں کا دشمن کون ہے اور وہ مجھے کہاں ملے گا۔“ میں اس وقت بالکل احمقوں کی طرح گولی استاد سے سوالات کر رہا تھا۔پچھلے دنوں سے مسلسل مجھے جتنی ذہنی اذیت اٹھانی پڑی تھی اس نے میری سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو ماؤف کر دیا تھا۔

”تم بھول رہے ہو شاہ زمان کہ سردار شیر افضل اور شیر زادہ خٹک کا تعلق سیاسی جماعتوں سے ہے۔راجہ ایک صنعت کار ہونے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے ساتھ سیاسی وابستگی بھی رکھتا ہے اور ہمارے ملک میں بہت سی سیاسی جماعتیں ہیں۔تمہیں ان کی سب سے مضبوط حریف سیاسی جماعت میں شامل ہونا پڑے گا۔“ پھر گولی استاد نے مجھے ان کی حریف سیاسی جماعت کا نام اور ان کے سربراہ کا نام بتایا۔

مجھے ویسے تو سیاست سے قطعی دلچسپی نہیں تھی کبھی کبھی اخبار میں یا ٹی وی پر نیوز چینل پر ان سیاسی جماعتوں کا نام سنا تھا اور ان کے سربراہ کو دیکھا تھا اور اتنا جانتا تھا کہ جماعت کے زیادہ تر کارکن غنڈہ گردی میں مشہور ہیں۔یعنی دونوں جماعتیں ہی ایسی تھیں ایک دوسرے کی ہم پلہ۔آئے دن دونوں جماعتوں کے کارکنان کی ایک دوسرے کو مارا ماری کی خبریں آتی رہتی تھیں۔

”ہاں یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو‘ میں ایسا ہی کروں گا۔“ میں نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

گولی استاد پہلے تو غور سے میری شکل دیکھتا رہا پھر اٹھ کر میری چارپائی پر میرے برابر میں آن بیٹھا اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بھاری لہجے میں کہا۔

”شاہ زمان!“

”آں ہاں۔“ میں نے چونک کر اس کی جانب دیکھا

”ایک بات کہوں برا تو نہیں مانو گے۔“ گولی استاد نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

”کیسی باتیں کر رہے ہو یار! میں بھلا تمہاری کسی بات کا برا مان سکتا ہوں۔ اس بھری دنیا میں جب میں نے خود کو تنہا اور بے بس محسوس کیا تو ایک تم ہی تھے جس نے بڑھ کر میرا ہاتھ تھام لیا اور مجھے سہارا دیا۔اگر مجھے تمہارا سہارا اور آسرا نہ ملا ہوتا تو اللہ جانے میں...!“ بات کرتے کرتے آنسوؤں کا ایک گولا میرے حلق میں پھنس گیا اور مجھے خاموش ہوجانا پڑا۔

”تمہارے اندر جتنا غبار بھرا ہوا ہے وہ تم میرے کندھے سے لگ کر آنسوؤں کے ذریعے بہا دو۔ تمہیں جتنا رونا ہے۔آج اور ابھی آخری بار جی بھر

کے رو لو۔اتنے آنسو بہاؤ کہ یہ آنسو ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں سینے میں کچھ باقی رہے تو وہ صرف انتقام کی آگ۔“

یہ کہہ کر گولی استاد نے اپنے دونوں بازو پھیلا کر مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور بھینچ لیا اور میں تو جیسے اس لمحے کا منتظر تھا۔میں آنسو بہانے لگا۔میرے سینے سے ایسی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے ہنڈیا تیز آگ پر پک رہی ہو۔

میرے یہ آنسو نہ جانے کب سے میری آنکھوں میں قید تھے۔میں انہیں بہا کے اپنے آپ کو بزدل کہلوانا نہیں چاہ رہا تھا میں یہ بھول گیا تھا کہ یہ انسانی فطرت ہے یہ آنسو ہی تو ہیں جو ہمارے دکھ کو کم کردیتے ہیں اگر انہیں روکا نہ جائے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہ بہہ کر انسان کے دل کا بوجھ ہلکا کردیتے ہیں۔

گولی استاد محبت سے میری پشت سہلا رہا تھا۔پھر میرے آنسو خود بخود تھم گئے۔شاید ختم ہوگئے تھے۔میں اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔پھر میں گولی استاد سے الگ ہو کر بیٹھ گیا۔وہ اٹھ کر گیا اور پانی کا گلاس بھر کے لایا

اور میری جانب بڑھا دیا۔میں نے گھونٹ گھونٹ کر کے سارا گلاس ختم کر ڈالا۔گولی استاد نے خالی گلاس مجھ سے لے لیا اور کہا۔

"اٹھو اب اچھی طرح ہاتھ منہ دھو کر آؤ۔ہم پھر بات کریں گے۔"

میں ایک معصوم بچے کی طرح گولی استاد کا ہر کہا مان رہا تھا۔میں نے ہاتھ منہ اچھی طرح دھونے کے بعد وضو کرلیا یہ میری پرانی اور بچپن کی عادت تھی اماں نے ہم سب بہن بھائیوں کو یہی سکھایا تھا کہ خالی منہ ہاتھ نہ دھویا کرو بلکہ وضو کرلیا کرو ایک تو با وضو انسان پاک رہتا ہے پھر اسے شیطانی وسوسے نہیں ستاتے۔میں نماز کا بھی پابند تھا مگر کتنے دنوں سے میں نے ایک وقت کی نماز بھی نہیں پڑھی تھی کچھ یاد نہیں رہتا تھا۔

وضو کرکے آیا تو گولی استاد سے جائے نماز مانگی جو اس نے مجھے خاموشی سے دے دی۔میں نے عشاء کی نماز پڑھی۔پھر دو رکعت صلوٰۃ حاجت پڑھ کر اللہ سے اپنے لیے خصوصی مدد مانگی۔

نماز سے فارغ ہوا تو میں اپنے اندر بے پناہ توانائی اور عجیب طرح کی روشنی محسوس کی۔اس دوران گولی استاد خاموشی سے بستر پر چت لیٹا رہا۔میں یہ سمجھا

کہ وہ سو گیا ہے۔اس لیے جھک کر اس کے چہرے کی جانب دیکھا تو وہ مجھے دیکھ کر مسکرا دیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا اور بولا۔

"اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

"بہت بہتر۔" میں نے مختصر جواب دیا اور اپنی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"میں تمہای کیفیت کو سمجھ رہا تھا اسی لیے کہا کہ جتنا سوگ اپنے پیاروں کا منانا ہے منالو مگر آج کے بعد نہیں۔اب تم بہتر طریقے سے سوچ اور سمجھ سکتے ہو جو ہونا تھا وہ ہوچکا جتنا نقصان تم نے اٹھا لیا ہے اس سے زیادہ اور کیا اٹھاؤ گے اور اب تمہیں ایسا بننا ہے کہ نقصان اٹھانے کی باری ان سب کی ہے مگر بغیر تدبیر اور ترکیب سب بیکار ہے۔اپنی تمام تر عقل اور ذہانت کو استعمال کر کے ان کے لیے ایسے گڑھے کھودنا ہے کہ وہ سب ان گڑھوں میں اترنے کے لیے مجبور ہوجائیں۔میرا ایک مشورہ اور ہے تمہیں کہ تم کچھ عرصہ کے لیے مہوش کو بھول جاؤ۔اگر تم دونوں کی محبت سچی ہے تو تم ضرور ملو گے مگر ابھی نہیں۔"

گولی استاد نے اپنی بات مکمل کی تو میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ تب وہ پھر بولا۔

”میرا مشورہ ہے کہ تم کراچی چلے جاؤ‘ کراچی بہت بڑا شہر ہے۔ وہ انسانوں کا جنگل ہے اور انسان اسی جنگل میں گم ہوسکتا ہے۔ پنڈی ایک چھوٹا سا شہر ہے اور یہاں کے لوگ تم سے اچھی طرح واقف ہیں۔ پھر یہاں شیر افضل اور شیر زادہ کے پالتو کتے بھی موجود ہیں۔ وہ مسلسل تمہارے پیچھے لگے رہیں گے اور تمہیں ختم کر کے ہی دم لیں گے۔“

”مگر میں کراچی کس کے پاس جاؤں اور کیا کروں۔“ میں نے سوال کیا۔

”اب یہ تم سوچو اپنی عقل کا استعمال کرو۔ تمہیں کہاں جانا چاہیے اور کیا کرنا چاہیے۔“ گولی استاد نے اس طرح سے کہا جیسے ایک استاد بچے کو ایک سوال سمجھانے کے بعد اسے حل کرنے کے لیے دوسرا سوال دیتا ہے۔

”میں جانتا ہوں تم ایک ذہین آدمی ہو‘ اگر ذہین نہ ہوتے تو اتنی پڑھائی کر کے ڈاکٹر کیسے بن جاتے۔ میری طرح کوئی ورکشاپ کھولے بیٹھے ہوتے۔“ اس نے ہنس کر ازراہ مذاق کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”کراچی جا کے مجھے اس سیاسی جماعت میں شامل ہونا ہے۔“ میں نے کہا۔

”بالکل۔“ اس نے خوش ہو کر کہا۔ ”اور تمہارے اسی کام میں میں تمہاری اس طرح مدد کرسکتا ہوں کہ تمہیں ایک شخص کا پتا بتا دیتا ہوں تم اس سے جا کے مل لینا اور میرا نام بتا دینا۔ وہ اس سلسلے میں تمہاری ضرور مدد کرے گا۔“

”ٹھیک ہے میں کل ہی کراچی کے لیے روانہ ہوجاتا ہوں۔“ میں نے کہا۔

”نہیں ابھی ایک ہفتہ ٹھہر جاؤ‘ ذرا یہاں کا معاملہ ٹھنڈا ہونے دو‘ ابھی تو پولیس تمہیں باؤلے کتوں کی طرح تلاش کر رہی ہوگی۔“ گولی استاد نے کہا تو اس کی بات میری سمجھ میں آگئی۔

اگلا ایک ہفتہ میں نے گولی استاد کی اسی ورکشاپ میں گزارہ۔ میرے پاس تقریباً آٹھ لاکھ روپے تھے۔ میں نے فلیٹ کا سامان بیچ کر کچھ رقم حاصل کی تھی کچھ رقم بینک میں تھی میں نے وہ رقم بھی نکلوالی تھی۔

ایک ہفتے میں میری شیو خاصی بڑھ چکی تھی بلکہ اس سے کئی روز پہلے سے میں نے شیو نہیں بنائی تھی ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے میں نے داڑھی رکھ لی ہے۔

اس دوران میں اور گولی استاد پلاننگ کرتے رہے۔گولی استاد نے کراچی میں موجود اس شخص سے میری بات بھی کروا دی۔اس نے مجھے اپنا ایڈریس بھی اچھی طرح سمجھا دیا تھا اور یہ بھی کہا کہ اگر میرا گھر تلاش کرنے میں دشواری ہو تو مجھے کال کرلینا۔میں خود تمہیں آکے لے جاؤں گا۔

شہزاد نے ٹرین میں میرے لیے سیٹ بک کروا دی۔ایک ہفتہ بلکہ دس دن گولی استاد کے ہاں قیام کرنے کے بعد میں کراچی کے لیے روانہ ہوا۔

اسٹیشن تک گولی استاد اور شہزاد چھوڑنے کے لیے آئے سردیوں کے دن تھے۔میں نے گرم چادر کو سر کے اوپر اس طرح سے اوڑھا ہوا تھا جس سے میرا چہرہ کافی حد تکا چھپ گیا تھا۔

ٹرین میں سوار ہونے سے پہلے میں گولی استاد کے گلے لگ گیا۔اس نے نہایت گرم جوشی سے مجھے رخصت کیا اور کہا۔

”تم فکر نہ کرنا' میں یہاں کی پل پل کی خبریں تمہیں دیتا رہوں گا۔کبھی بھی کوئی بھی ضرورت ہو گولی استاد کو ایک آواز دینا۔گولی استاد گولی کی سی رفتار کے ساتھ تم تک پہنچ جائے گا۔“ گولی استاد نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”ویسے گولی استاد ایک بات جو تمہارے بارے میں جان سکا ہوں۔وہ یہ ہے کہ تمہاری زندگی کے بہت سے رخ ہیں۔جن کو تم مجھ سے چھپا گئے ہو۔“ میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

”کک... کون سے رخ؟“ گولی استاد نے گھبرا کے کہا۔

”تم یہاں نتھیا گلی میں بیٹھے ہو اور کراچی میں موجود ایک سیاسی جماعت کے بندے سے تمہاری اتنی دوستی ہے کہ تم مجھے اعتبار کر کے اس کے پاس بھیج رہے ہو۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بس اپنا تو کام ہی ایسا ہے کہ ہر طرح کے لوگ ورکشاپ پر آتے رہتے ہیں۔بس یوں ہی دعا سلام ہے۔“ گولی استاد نے بے نیازی دکھاتے ہوئے کہا۔

”یہ صرف دعا سلام تک کی بات نہیں ہے گولی استاد! بات اس سے آگے کی ہے۔“ میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”یہ تم کس طرح کی بلا وجہ باتوں میں وقت ضائع کر رہے ہو۔دیکھو ٹرین کے روانہ ہونے کا ٹائم ہوگیا ہے تم چل کر اپنی سیٹ سنبھالو اور ہاں وہاں پہنچتے

ہی مجھے فون کر کے اپنی خیریت کی اطلاع دینا۔" گولی استاد نے میری بات کو گول کرتے ہوئے توجہ ٹرین کی جانب کروائی۔

ٹرین نے وسل بجانی شروع کر دی تھی۔یہ ٹرین پنڈی سے کراچی جا رہی تھی۔ میں اپنی سیٹ پر اپنا بیگ سنبھال کر بیٹھ گیا جس میں میرے چند جوڑوں کے علاوہ میری تعلیمی اسناد اور آٹھ لاکھ کی رقم تھی۔

ٹرین نے آہستہ آہستہ رینگنا شروع کیا تو گولی استاد اور شہزاد ٹرین سے اتر گئے اور ہم لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر اس وقت تک ہاتھ ہلاتے رہے جب تک نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوگئے۔

میں نے اپنا بیگ اپنی گود میں رکھ کر اپنے دونوں ہاتھ بیگ پر رکھ لیے اور سر سیٹ کی پشت گاہ سے ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں۔

میں سوچ رہا تھا کہ میری زندگی ایبٹ آباد کے ایک چھوٹے سے گھر میں اپنے والدین کے پر شفقت سائے میں شروع ہوئی میں اس گھر کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔بابا کی شدید خواہش تھی کہ میں ڈاکٹر بنوں۔میں نے ڈاکٹر کی تعلیم بابا کی خواہش کو مد نظر رکھتے ہوئے حاصل کی تھی۔میں جب بھی کتابیں کھول

کر پڑھنے کے لیے بیٹھتا تو بابا کا چہرہ تصور میں آجاتا اور میں سوچتا جب میں ڈاکٹر بن جاؤں گا تو بابا کتنا خوش ہوں گے اور ان کا خوشی سے چمکتا اور دمکتا ہوا چہرہ میرے تصور میں آجاتا اور میں ایک نئی لگن اور توجہ کے ساتھ اپنی پڑھائی شروع کر دیتا۔

میرے بعد اللہ تعالیٰ نے بابا کو مزید ایک بیٹا اور بیٹی دی۔مگر ارمان نے بابا کا یہ خواب پورا نہ کرکے دیا کہ وہ انجینئر بنے وہ شروع ہی سے پٹھان دماغ کا تھا اور صرف اس کی وجہ سے حالات خراب سے خراب ہوتے چلے گئے۔

بعد میں حالات خراب ہونے کا ذمہ دار میں نے اپنے آپ کو بھی ٹھہرایا میں نے بھی ضد میں آ کے بابا کا کہنا نہ مانا۔میں نے اس بات کو تسلیم کیا کہ بعض اوقات ہم اپنی انا کے ہاتھوں مجبور ہو کر کچھ ایسے فیصلے کر جاتے ہیں جن پر ہمیں زندگی بھر پچھتانا پڑتا ہے۔

ٹرین میں ایک شور سا مچا ہوا تھا۔ٹرین چل پڑی تھی لیکن لوگ ابھی تک سیٹوں پر جھگڑ رہے تھے۔بعض لوگ ریزور سیٹوں پر قبضہ کر کے بیٹھ جاتے

میں ان سب باتوں سے بے زار آنکھیں موندے بیٹھا تھا میرے لیے ان ہونے والے جھگڑوں میں دلچسپی کا کوئی سامان نہیں تھا۔

ٹرین اپنی فل رفتار سے دوڑی چلی جا رہی تھی۔لوگ بھی آہستہ آہستہ اپنے جھگڑے نمٹا کر اپنی اپنی جگہوں پر پر سکون ہو کر بیٹھ گئے اور ٹرین میں مچنے والا شور و ہنگامہ تھم گیا۔کہیں سے کسی بچے کے رونے کی یا پھر مسافروں کی آپس میں باتیں کرنے کی بھنبھناہٹ سنائی دے رہی تھی۔

میں بھی اپنی سوچوں کے دائرے سے باہر نکل آیا اور ڈبے میں اپنے ارد گرد نگاہ دوڑائی۔تب میری نگاہ میرے سامنے والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے مسافر پر پڑی۔وہ میری ہی جانب دیکھ رہا تھا۔جیسے ہی ہماری آپس میں نگاہیں ملیں وہ مجھے دیکھ کر دھیرے سے مسکرادیا۔اخلاقاً مجھے بھی اس کی مسکراہٹ کا جواب رسمی مسکراہٹ سے دینا پڑا۔

”آپ کراچی جا رہے ہیں یا راستے میں اتر جائیں گے؟“ اس نے جھٹ سوال کر ڈالا۔

”کراچی جا رہا ہوں۔“ میں نے مختصر جواب دیا۔

مزیداردوکتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”میں بھی کراچی ہی جا رہا ہوں۔اچھا ہے ہمارا ساتھ رہے گا۔“ اس نے کہا تو میں نے صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔

”آپ کا اپنا گھر ہے' یا کسی رشتے دار کے گھر ملنے جا رہے ہیں۔“ اس نے پھر سوال کیا۔

”کسی سے ملنے جا رہا ہوں۔“ میں نے چہرے سے بے زاری ظاہر کرتے ہوئے جواب دیا۔مجھے اس کے سوالات سے الجھن ہو رہی تھی اور وہ تھا کہ میرا انٹرویو کر رہا تھا۔

”اچھا!“ اس نے میری بے زاری کو اگنور کرتے ہوئے دلچسپی سے کہا۔”کراچی میں کس جگہ جا رہے ہیں۔میرا تو گھر ہے ناظم آباد میں۔“

”لمحہ بھر کو تو میں چکرا گیا کہ کراچی میں کس جگہ کا نام لوں۔کیونکہ میں آج تک کراچی نہیں گیا تھا۔پھر اچانک ہی مجھے یاد آیا میرا ایک دوست تھا کالج کے زمانے کا' وہ گلشن اقبال کا بہت ذکر کیا کرتا تھا۔وہاں اس کے ماموں رہا کرتے تھے اور اس کی بچپن سے ہی ماموں کی لڑکی سے بات طے تھی۔اس لیے میرے منہ سے بے ساختہ گلشن اقبال نکل گیا۔۔

"کس بلاک میں؟" اس نے پھر سوال کیا۔ عجیب لیچڑ انسان تھا میں جھنجلا گیا اور کہا۔

"مجھے نہیں معلوم میرے کزن مجھے اسٹیشن پر لینے آئیں گے۔"

"کیا پہلی مرتبہ جا رہے ہیں۔"

"جی۔"

"ارے اتنے سارے سوالات کر لیے اور سب سے اہم بات تو پوچھی نہیں۔" اس نے اچانک کچھ یاد آجانے پر ہنستے ہوئے کہا تو میں نے تعجب سے اس کی جانب دیکھا۔

"میں نے آپ کا نام تو پوچھا ہی نہیں، کیا نام ہے آپ کا۔ ویسے مجھے جاوید کہتے ہیں اور میں ایک پرائیوٹ فرم میں اکاؤنٹنٹ ہوں۔ پنڈی میں خالہ کا انتقال ہو گیا تھا امی بیمار ہیں۔ اس لیے میں اکیلا ہی تعزیت کے لیے چلا گیا تھا گھر میں میرے علاوہ امی ہیں اور ایک چھوٹی بہن ہے عشائ۔" وہ ایک انتہائی باتونی شخص تھا۔ میرے بنا کچھ پوچھے ہی اس نے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ پھر بولا۔ "آپ اپنے بارے میں بھی کچھ بتائیے نا۔ بھئی یہ اتنا لمبا سفر

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تو اس طرح باتیں کرتے ہوئے ہی آسانی سے کٹ سکتا ہے۔ مگر مجھے لگ رہا ہے کہ آپ میری باتوں سے بور ہو رہے ہیں۔ اگر آپ کو اچھا نہیں لگ رہا تو آئی ایم سوری، میں خاموش ہوجاتا ہوں۔"

وہ میرے چہرے پر ناگواری کے تاثرات دیکھتے ہوئے بولا تو مجھے اپنی بد اخلاقی کا احساس ہوا میں ایسا تو کبھی نہیں تھا اس لیے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں، نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ میں بور نہیں ہو رہا۔ آپ نے بالکل ٹھیک کہا کہ یہ لمبا سفر تو اسی طرح باتیں کرتے ہوئے ہی کٹ سکتا ہے۔"

میں نے اسے اپنے بارے میں کچھ نہ بتانے کا فیصلہ کیا اور کہا۔ "میرا نام سلمان ہے۔ اتفاق سے میرے بھی رشتے داروں میں انتقال ہو گیا تھا۔ میں بھی تعزیت کے لیے جا رہا ہوں میں بھی ایک اسپتال میں جاب کرتا ہوں وارڈ بوائے ہوں۔ والدین کا انتقال ہوچکا ہے۔ بہن بھائی کوئی ہے نہیں اس لیے تنہا رہتا ہوں۔"

"اوہ!" اس نے میری تنہائی کا سن کر افسوس کا اظہار کیا پھر بولا۔

"آپ شادی کیوں نہیں کرلیتے' برسر روزگار ہیں اور تنہا بھی تو پھر کوئی اچھا سا ساتھی ڈھونڈ لیں۔زندگی آسان ہوجائے گی۔"

"کیوں کیا آپ کی شادی ہو گئی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"میرا بس چلے تو ابھی کرلوں۔" کہہ کر اس نے ایک زور کا قہقہہ لگایا۔مگر ابھی مجھے اپنی بہن کی شادی کرنی ہے۔والد صاحب ہیں نہیں۔امی کی بھی یہی خواہش ہے کہ پہلے عشاء کی شادی ہوجائے پھر وہ چاند سی بہو ڈھونڈ کر لائیں گے۔"

تب میں نے اسے غور سے دیکھا وہ ایک خوش شکل اور اسمارٹ نوجوان تھا۔ گورا رنگ اور براؤن بال تھے۔قد اور جسامت بھی ٹھیک ٹھاک تھی۔کوئی بھی لڑکی اسے بخوشی اپنا سکتی تھی۔یہ کتنا عجیب اتفاق تھا کہ میری اور اس کی ظاہری شخصیت میں بہت سی چیزیں یکساں تھیں۔ہم دونوں ہی گورے تھے۔ دونوں کے بال براؤن تھے اور قد اورجسامت بھی تقریباً ایک جیسی تھی۔

مجھے اس وقت بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ قدرت میرے ساتھ کیا کھیل کھیلنے والی ہے۔انسان سوچتا کچھ ہے مگر اس کے ساتھ ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا

ہے میں بھی کچھ اور سوچ کر اپنے گھر سے نکلا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے میرے لیے دوسری ہی پلاننگ کر رکھی تھی اور شاید یہ سب ہونا میرے لیے بہتر تھا۔ چند گھنٹوں میں ہم ایک دوسرے سے گھل مل گئے۔اس باتونی نوجوان کی باتوں میں' میں اپنی ساری ٹینشن بھول گیا اس نے مجھے اپنے گھر کا ایڈریس سمجھایا اپنا موبائل نمبر دیتے ہوئے تاکید

کی کہ کراچی پہنچ کر مجھے جب بھی ٹائم ملے میں اس کے گھر ضرور آؤں۔

ٹرین مختلف اسٹیشنوں پر رکتی رہی۔جاوید ہر اسٹیشن پر اترتا اور کچھ نہ کچھ کھانے کے لیے لے آتا اور زبردستی مجھے اپنے ساتھ شامل کرلیتا ایک دو دفعہ اس نے مجھ سے بھی کہا کہ میں بھی اس کے ساتھ اتروں مگر میں نے انکار کردیا میں اترنا نہیں چاہتا تھا۔

"ارے یار ذرا ٹانگیں ہی سیدھی کرنے کے لیے تھوڑا چل پھر لو۔ورنہ یوں ہی بیٹھے بیٹھے ٹانگیں جڑ جائیں گی۔"اس نے مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے اصرار کیا۔مگر میں نے جواب دیا کہ "مجھے نیند آرہی ہے۔"

رات ہو گئی ٹرین میں مزید سناٹا چھا گیا زیادہ تر لوگ سو گئے بعض لوگ صرف اونگھ رہے تھے۔جاوید بھی سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکائے سو رہا تھا۔مگر نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔میں جاگ رہا تھا۔کتنی ہی دردناک یادیں تھیں جنہوں نے میری نیند کو میری آنکھوں سے چھین لیا تھا اور کچھ اچھی اور بہت سی تکلیف وہ یادیں ہی اب میری زندگی کا سرمایہ تھیں۔باربار کی تکلیف دہ موت اور فائزہ کی بے حرمت اور پھر اس کی موت کا منظر میری آنکھوں میں اتر آتا اور نیند میری آنکھوں سے بھاگ جاتی ان لمحات کی چلن، چبھن اور سوزش میری آنکھوں کا حصہ بن گئی تھیں۔

ٹرین اپنی پوری رفتار سے بھاگی جا رہی تھی۔میں نے کھڑکی سے باہر نظر ڈالی ہر جانب اندھیرے کا راج تھا کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا ہم نہ جانے کس شہر سے گزر رہے تھے۔

اچانک ہی جیسے ٹرین پر قیامت ٹوٹ پڑی۔دھماکہ سا سنائی دیا پھر سب کچھ الٹ پلٹ ہو گیا۔چیخ و پکار، آہ وفغاں، کراہیں۔

میں بھی کچھ دیر کے لیے ہوش و حواس سے بے گانہ ہو گیا۔بہت سامان اور ایک انسانی وجود میرے اوپر تھا یہ میں نے ہوش میں آ کے دیکھا۔

مجھے چوٹیں آئی تھیں شاید وہ کسی کا بیگ تھا جو سامان سے بھرا ہوا تھا وہ میرے سر پر گرا تھا مجھے صرف اتنا ہی یاد تھا پھر میں اپنی سیٹ سے گر پڑا۔

میں اور جاوید کھڑکی کے ساتھ لگی سیٹوں پر بیٹھے تھے۔شاید میرے اوپر گرنے والا شخص جاوید تھا۔ٹرین کو کوئی حادثہ پیش آ گیا تھا۔کوئی بم دھماکہ ہوا تھا۔ یا ٹرینیں ایک ہی پٹری پر آمنے سامنے ایک دوسرے سے ٹکرا گئی تھیں۔مجھے کچھ نہیں پتا تھا جس ڈبے میں، میں سفر کر رہا تھا۔وہ بھی پٹری سے اتر گیا تھا۔ میں نے بمشکل اپنے زخمی وجود کو سامان کے نیچے سے نکالی پھر اپنے اوپر پڑے ہوئے شخص کو سیدھا کیا۔وہ جاوید تھا۔

"جاوید، یار جاوید...!" میں نے زور زور سے اسے پکارا۔وہ بری طرح زخمی تھا اس کا آدھا چہرہ کسی چیز سے رگڑ کھا کر اس طرح چھل گیا تھا کہ چہرے کی کھال اتر گئی تھی ایک آنکھ بھی ضائع ہو گئی تھی۔میں نے اپنی جیب سے

موبائل نکالا اور اس کی روشنی میں جاوید کا جائزہ لیا وہ زندہ تو تھا مگر اس کی سانس اٹک اٹک کر آرہی تھی۔اس کے سر پر بھی چوٹ لگی تھی۔خون بہت تیزی کے ساتھ اسی کے جسم سے بہہ رہا تھا۔

میرے چاروں طرف قیامت صغریٰ کا منظر تھا۔جو لوگ میری طرح زیادہ زخمی نہیں تھے وہ اپنے پیاروں کو تلاش کر رہے تھے انہیں دیکھ رہے تھے۔

حادثہ ابھی ابھی ہوا تھا اس لیے مدد آنے میں بھی ٹائم لگ سکتا تھا جلدی سے کوئی ایمبولینس آجائے تو میں جاوید کو اسپتال پہنچا سکوں گھر پراس کی بیوہ ماں اور جوان بہن کتنی شدت سے اس کا انتظار کر رہی ہوں گی۔

پریشانی کے عالم میں‘ میں بار بار جاوید کو آوازیں دے رہا تھا۔اچانک میں نے ہاتھ پر جاوید کے ہاتھ کی گرفت محسوس کی اس کی آنکھیں بند تھیں اور اسی کا جسم جھٹکے کھا رہا تھا اور پھر...!

میرے ہاتھ سے اس کی ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور اس کا جسم ایک زور کا جھٹکا لے کر ساکت ہوگیا۔اف میرے خدایا! یہ تو مر گیا...! میرا دل چاہا میں ایک بار پھر چیخ چیخ کر رونا شروع کردوں کتنا مخلص اور پیارا تھا یہ

انسان۔جس نے چند گھنٹوں میں ہی اپنی خوش اخلاقی سے میرا دل جیت لیا تھا اس کی رفاقت میں‘ میں جیسے اپنے دکھ کو بھولنے لگا تھا۔

پریشانی کے عالم میں میں چاروں جانب دیکھ رہا تھا اور پھر میرے دماغ میں ایک خیال بجلی کی مانند کوندا اور میں لمحہ بھر میں ایک مسیحا ایک ڈاکٹر سے ایک سفاک انسان بن گیا۔میرے اندر سے کوئی چیخ چیخ کر مجھ سے کہہ رہا تھا۔

”شاہ زمان صرف ایک منٹ کی بات ہے صرف ایک منٹ کی تمہیں جو کچھ کرنا ہے وہ اسی لمحے میں کرنا ہے۔یہ وقت اگر نکل گیا۔تو ایسا سنہری موقع تمہیں شاید دوبارہ نہیں مل پائے گا۔تمہیں ایسا کرنا ہوگا شاہ زمان۔“ میں نے اپنا سر جھٹک کر اس خیال کو رد کرنا چاہا تو میرے اندر سے دوبارہ کوئی چیخا۔

اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے دشمن تمہاری جانب سے بے فکر ہوجائیں گے تم جاوید کے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں کررہے تم صرف اس کے اس بیکار وجود کو اپنا نام اپنی شناخت دے رہے ہو۔کل ساری دنیا کو پتا چل جائے گا کہ ڈاکٹر

شاہ زمان جو ایبٹ آباد کا رہائشی تھا پنڈی کے ایک اسپتال میں جاب کرتا تھا ٹرین حادثے میں مارا گیا۔

مگر جاوید' اس کی بیوہ ماں اور بہن کو یہ پتا نہیں چلے گا کہ وہ کہاں لاپتا ہو گیا۔ وہ گھر کیوں نہیں آرہا۔ان کی خبر کیوں نہیں لے رہا انہیں فون کیوں نہیں کرتا۔ مرنے والے کا تو لوگوں کو کبھی نہ کبھی صبر آ ہی جاتا ہے مگر لا پتا ہونے والے کے کھو جانے پر کبھی دل کو قرار نہیں آتا۔میرے ضمیر نے کہا۔

اور چند لمحوں کی ایک جنگ میں میرا دماغ جیت گیا۔میں نے فوراً ہی اپنی جیب سے اپنا پرس نکالا اس میں جو رقم تھی وہ میں نے اپنی میں جیب میں ڈالی۔پھر کچھ رقم واپسی پر پرس میں رکھ دی پھر جاوید کی جیبوں کی تلاشی لی اس کا پرس میرے ہاتھ میں آگیا۔

میں نے اپنا پرس جاوید کی جیب میں رکھ دیا۔جس میں میرا شناختی کارڈ اور اسپتال کا کارڈ تھا۔مشی کی ایک تصویر تھی۔فی الحال میں نے جاوید کے پرس کی تلاشی نہیں لی' پھر دوبارہ اس کی جیبوں کو ٹٹولا وہ خالی تھیں۔اس کام سے

فارغ ہو کر میں نے اپنا بیگ تلاش کیا۔جو خوش قسمتی سے مجھے نزدیک ہی مل گیا۔میں نے اپنا بیگ اٹھایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”معاف کرنا دوست'میں نے تمہارے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا۔مگر کیا کروں میری مجبوری تھی کہ مجھے ایسا کرنا پڑا۔تم واقعی ایک بہت اچھے انسان ہو کہ مرنے کے بعد بھی میرے اتنے کام آگئے ہو۔“

میں جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔میرے پیر میں زبردست چوٹ لگی تھی۔مجھ سے اپنا وزن بھی پاؤں پر ڈالا نہیں جا رہا تھا۔

ڈبہ ٹیڑھا ہو گیا تھا۔میں بڑی مشکل سے ڈبے سے باہر آیا۔دور سے مجھے ایمبولینسوں اور لوگوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔اس کا مطلب ہے کہ امدادی ٹیمیں حادثے کی جگہ پہنچنا شروع ہو گئی تھیں۔بہت سے ٹی وی چینل والے بھی تھے۔

اب یہاں ایمرجنسی لائٹوں سے روشنی ڈالی جا رہی تھی۔بہت سی گاڑیاں اور ایمبولینس یہاں آچکی تھیں۔

میں بیگ اٹھائے لنگڑاتا ہوا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔تب ہی ایک شخص میرے نزدیک آیا اور بولا۔

”آئیے آئیے ایمبولینس میں بیٹھ جائیں۔ہم زخمیوں کی مدد کے لیے ہی یہاں آئے ہیں۔“ وہ کوئی رضاکار تھا۔اس نے مجھے زخمی حالت میں دیکھا تو بولا۔

”نہیں میں ٹھیک ہوں زیادہ زخم نہیں آئے ہیں۔آپ دوسروں کی خبر لیں۔جو زیادہ زخمی ہیں انہیں پہلے اسپتال پہنچائیں۔“ میں نے کہا۔

”آپ بھی تو زخمی ہیں دیکھیں آپ کا بھی خون بہہ رہا ہے ٹانگ سے ہاتھ سے!“ اس نے کہا۔

”میں نے کہا نا میں زیادہ زخمی نہیں ہوں آپ دوسروں کو دیکھیں۔“ یہ کہہ کر میں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔وہ رضاکار بھی مجھے چھوڑ کر زخمیوں کو ڈبے سے نکالنے لگا۔مگر میں زیادہ چل نہیں سکا۔میرے پاؤں میں ناقابل برداشت درد ہونا شروع ہو گیا تھا اور بھاری بیگ کو بھی سنبھالنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ میں زمین پر بیٹھتا ہی چلا گیا۔

اتنے میں وہی کارکن مجھے اپنی جانب آتا ہوا دکھائی دیا۔میرے قریب آکر وہ رک گیا اور بولا۔

”کیا ہوا؟ بہت درد ہو رہا ہے آپ اسپتال چلیں مرہم پٹی ہوجائے گی دوا لیں گے تو آرام آجائے گا۔

”ٹھیک ہے بھائی چلتے ہیں۔“ میں نے مجبور ہو کر کہا اور اٹھنے کی کوشش کی مگر مجھ سے اٹھا نہ گیا۔تب اس نے مجھے سہارا دے کر کھڑا کیا اور ایک ایمبولینس میں بٹھا دیا۔جہاں دوسرے ایسے زخمی بیٹھے تھے جنہیں زیادہ چوٹیں نہیں آئی تھیں اور معمولی سے علاج سے وہ ٹھیک ہوسکتے تھے۔

ایمبولینس بھر گئی تو ہمیں اسپتال کی جانب لے کر سائرن بجاتی ہوئی تیزی کے ساتھ دوڑنے لگی۔سب آپس میں ٹرین کے حادثے کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔

مجھے ابھی تک یہ نہیں معلوم تھا کہ ہم کس شہر میں ہیں۔میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ روہڑی کا اسٹیشن آنے والا ہے۔ہمیں روہڑی کے ہی اسپتال میں لے جایا جا رہا ہے۔

"کراچی ابھی کتنی دور ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی تو خاصا فاصلہ ہے۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

ایمبولینس میں بیٹھے بیٹھے میں نے اپنے ہاتھ اور پاؤں کی چوٹ کا جائزہ لیا۔پاؤں پر ورم آنا شروع ہوگیا تھا۔ہڈی پر چوٹ لگی تھی۔میں نے ہاتھ کا زخم بھی دیکھا یہاں خاصا گہرا کٹ لگا تھا۔یہاں زخم کو سینے کے لیے ٹانکے لگانے کی ضرورت تھی۔چوں کہ میں خود بھی ڈاکٹر تھا اس لیے سب جانتا تھا۔

اسپتال میں ایمرجنسی نافذ کردی گئی تھی۔یہاں بھی لوگوں کا بہت رش تھا۔مسلسل ایمبولینس یہاں آرہی تھیں۔ایک شور' ہنگامہ اور عجیب افراتفری کا عالم تھا۔

یہاں بہت سے نیوز چینل والے رپورٹر اور کیمرہ مین تھے۔وہ یہاں آنے والے ان لوگوں سے بات چیت کر رہے تھے۔حادثے کے بارے میں معلوم کر رہے تھے۔جو میری طرح کم زخمی تھے اور اپنے پورے ہوش و حواس میں تھے۔
میں پوری کوشش کر رہا تھا کہ کوئی رپورٹر میرے نزدیک نہ آنے پائے۔

ایمرجنسی وارڈ میں ڈاکٹر نے میرا زخم دیکھا اور ساتھ کھڑی نرس سے کہا۔
"انہیں پٹی کردو۔"
"ڈاکٹر زخم خاصا گہرا ہے اس پر ٹانکے لگنے کی ضرورت ہے۔" میں نے کہا۔
"ڈاکٹر میں ہوں یا آپ...؟" وہ ایک لیڈی ڈاکٹر تھی۔اس نے رک کر طنزیہ لہجے میں کہا۔
"ڈاکٹر تو آپ ہی ہیں مگر میرے بازو کا زخم بغیر ٹانکوں سے خراب ہوسکتا ہے۔" میں نے کہا۔
"دیکھیں مسٹر یہاں بہت سے زخمی آرہے ہیں۔بعض زخمی بہت شدید نوعیت کے ہیں۔اگر ہم ایک ایک پر اتنا زیادہ ٹائم دیتے رہے تو دوسرے زخمیوں پر توجہ نہ دے سکیں گے فی الحال آپ اس زخم کی ڈریسنگ کروا لیں۔بعد میں دیکھ لیں گے۔" ڈاکٹر نے کہا اور میرے پاس سے ہٹ کر دوسرا زخمی دیکھنے لگی۔
نرس نے میرے بازو کی ڈریسنگ کی اور مجھے گولیاں کھانے کے لیے دیں۔
میں نے نرس سے کہا۔

"یہ کون سی دوا ہے؟"

"ارے بھئی کون ہو تم ہر بات کی اتنی تحقیق کر رہے ہو' ڈاکٹر نے لکھ کر دی ہے درد میں افاقہ ہو گا۔" نرس نے چڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں نے ایک انجکشن کا نام لیتے ہوئے اس سے کہا کہ اگر اس کے پاس یہ انجکشن ہو تو وہ مجھے لگادے تو نرس کھڑے ہو کے مجھے گھورنے لگی پھر بولی۔

"ڈاکٹر ہو...؟"

"جو تم سمجھ لو!" میں نے کہا۔

"نہیں یہ انجکشن نہیں ہے' یہ مہنگا آتا ہے فی الحال تمہیں نہیں لگ سکتا تم یہ گولیاں کھالو۔" اس نے پانی کی بوتل اور گولیاں میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔میں نے گولیاں اپنے حلق میں ڈالیں اور بوتل سے منہ لگا کر پانی کے چند گھونٹ لے لیے۔نرس نے بوتل میرے ہاتھ سے لے لی اور بولی۔

"تم کہاں جا رہے تھے؟"

"کراچی۔" میں نے مختصر جواب دیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"پتا نہیں ریلوے والے کسی دوسری ٹرین سے مسافروں کو بھیجنے کا انتظام کرتے بھی ہیں یا نہیں ورنہ تو تمہیں خود ہی جانا پڑے گا۔" اس نے کہا پتا نہیں کیوں وہ مجھ سے بات کرنے کھڑی ہو گئی تھی۔

"نہیں میں خود ہی چلا جاؤں گا۔یہاں سے مجھے ایسی ٹیکسی مل جائے گی جو مجھے کراچی لے جائے۔میں اسے پورا پورا معاوضہ دوں گا۔"

"مل تو سکتی ہے مگر تمہیں دونوں طرف کا کرایہ اسے دینا ہوگا۔کیونکہ اتنی دور اسے پیٹرول خرچ کر کے واپس بھی تو آنا ہوگا۔" نرس نے کہا۔

اس وقت صبح کے آثار نمایاں ہونے شروع ہوگئے تھے۔نرس نے کہا کہ "اس کی رات کی ڈیوٹی ختم ہونے والی ہے مگر چونکہ اسپتال میں ایمرجنسی نافذ کردی گئی ہے۔اس لیے شاید کسی کو بھی گھر جانے کی اجازت نہ ملے۔اگر میری چھٹی ہو گئی تو میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلوں گی۔میرا بھائی کرائے پر گاڑیاں چلاتا ہے۔میں اس سے بات کر کے تمہارے جانے کا انتظام کروا دوں گی۔"

"اگر تمہاری چھٹی نہ بھی ہو تو تم اپنے بھائی کو فون کر کے یہاں بلوا لو۔" میں نے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے، تم وہاں اس بینچ پر جا کے بیٹھ جاؤ، کہیں جانا مت...!" اس نے سامنے بنی ہوئی لکڑی کی بینچ کی جانب اشارہ کیا جس پر پہلے ہی ضرورت سے زیادہ لوگ بیٹھے تھے میں لنگڑاتا ہوا چلتا گیا اور بینچ کے پاس جا کے کھڑا ہو گیا۔

میں سوچ رہا تھا کہ اچھا ہے میں کسی کی پرائیویٹ گاڑی میں آرام سے چلا جاؤں۔نرس بھی بظاہر تو مجھ سے ہمدردی دکھا رہی ہے مگر میری صورت میں اسے ایک موٹا مرغا مل گیا ہے اور اس کے ہاتھ بھی رقم آسکتی ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد نرس پھر دوبارہ نمودار ہوئی اور بولی۔

"میں تو آج گھر نہیں جاسکوں گی۔اس لیے تمہارے کہنے کے مطابق میں نے اپنے بھائی سے تمہارے لیے بات کرلی ہے۔وہ اتنی دور جانے پر راضی نہیں ہو رہا تھا۔مگر میں نے تیار کرلیا ہے۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ سسٹر تم نے میرا اتنا خیال کیا ورنہ میں تمہارا لگتا ہی کیا ہوں جو تم میرے بارے میں سوچو۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"ارے نہیں شکریے کی کیا بات ہے انسان ہی انسان کے کام آتا ہے اور وہ انسان ہی نہیں جو کسی کے کام نہ آئے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا پھر چونک کر بولی۔

"ارے تمہارے پاؤں میں تکلیف ہے تم کھڑے کیوں ہو اور اوپر سے تم نے اتنا بھاری بیگ اپنے کندھے پر لٹکا رکھا ہے اسے نیچے رکھ دو۔"

"یہاں بیٹھنے کی جگہ کہاں ہے سسٹر!" میں نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اچھا لاؤ اپنا یہ بیگ مجھے دے دو، جاتے ہوئے مجھ سے لے لینا۔" اس نے بیگ کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

"نہیں۔" میں نے بے ساختہ اپنا ہاتھ بیگ پر رکھا اور بیگ پیچھے کرلیا۔

"ارے تم تو گھبرا گئے بیگ میں کیا قارون کا خزانہ ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔تو میں مسکرا دیا۔پھر میں نے بیگ نیچے فرش پر رکھا اور اس کے اوپر بیٹھ گیا۔کیونکہ مجھ سے مزید کھڑا نہیں ہو جا رہا تھا۔

مجھے یہاں بیٹھے بیٹھے کافی دیر ہو گئی۔تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا۔نرس بھی نہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔اسپتال میں ایمبولینسوں اور زخمیوں کا آنا جانا لگا ہوا تھا۔جن کے پیارے انہیں چھوڑ کے چلے گئے تھے وہ رو پیٹ رہے تھے۔اس ماحول میں بیٹھ کر میری ذہنی حالت پھر سے خراب ہونے لگی میں جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

آخر وہ نرس مجھے سامنے سے آتی ہوئی دکھائی دی۔اس کے ہاتھ میں بھری ہوئی سرنج تھی وہ بولی۔

”میں نے چپکے سے اسپتال سے وہ انجکشن اڑا لیا جو تم نے بتایا تھا۔وہ تمہیں لگانے آئی ہوں۔میرا بھائی بھی اپنی گاڑی لے کر آگیا ہے تم اس سے کرایہ طے کرلو۔“

بات کرنے کے دوران وہ میرے بازو میں انجکشن انجکٹ کرچکی تھی۔میں نے کھڑے ہو کر بیگ اٹھایا اور نرمی کے ساتھ باہر جانے لگا۔نرس تیز تیز قدموں سے چل رہی تھی۔وہ بار بار کبھی پیچھے مڑ کر دیکھتی کبھی محتاط نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھتی میری ٹانگ میں درد تھا اس لیے میں تیز نہیں چل سکتا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”کیا بات ہے سسٹر تم اتنی گھبرا کیوں رہی ہو؟“ میں نے اس کی پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

”بھئی میری بہت سخت ڈیوٹی لگی ہوئی ہے تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ کتنی زیادہ تعداد میں زخمی آرہے ہیں۔منٹ منٹ میں میری آواز پڑ رہی ہوتی ہے اور میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

ہم اسپتال کے گیٹ پر پہنچ گئے تھے وہیں مجھے ایک بد معاش ٹائپ آدمی جس کی عمر چھتیس یا چالیس سال کی ہوگی ایک کرولا کار کے ساتھ کھڑا تھا۔وہ اس کے قریب جا کر بولی۔

”یہ میرے بھائی جان ہیں تم خود ہی ان سے کرایہ طے کرلو۔اچھا میں جا رہی ہوں۔اس دعا کے ساتھ کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں دوبارہ ملائے تو اچھے حالات میں ملائے۔“ اور وہ تیزی کے ساتھ مڑ گئی۔

میں نے اس شخص کی بد معاش ٹائپ پرسنالٹی کو نظر انداز کیا اور اس سے کرائے کی بات کرنے لگا ذرا سی بحث کے بعد ہم نے کرایہ طے کرلیا اور میں اس کی کرولا میں بیٹھ گیا۔

مجھے بھوک بالکل بھی نہیں لگ رہی تھی۔البتہ چائے پینے کی شدت سے خواہش ہو رہی تھی۔میں نے اس ڈرائیور سے کہا کہ میں چائے پینا چاہتا ہوں تو اس نے ایک چائے کے کھوکھے پر گاڑی روک لی اور خود اتر کر میرے لیے چائے لے آیا اور ناشتے کے بارے میں بھی پوچھا مگر میں نے انکار کردیا اور پوچھا کہ ہم کراچی کب تک پہنچ جائیں گے تو اس نے بتایا آٹھ سے دس

گھنٹے لگ جائیں گے۔

”راستے میں کھانے کے لیے کچھ مل جائے گا ناں۔“ میں نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ راستے میں چھپر ہوٹل ملیں گے آپ جہاں کہیں گے گاڑی روک دوں گا۔“

میرا سر بہت زیادہ بھاری ہو رہا تھا اور سارے جسم میں درد بھی محسوس ہو رہا تھا۔اس وقت تو مجھے درد و تکلیف کے بارے میں اتنا محسوس نہیں ہوا مگر جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا مجھے اپنے جسم کے مختلف حصوں میں درد محسوس ہو

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

رہا تھا۔میں نے سوچ لیا تھا کہ کراچی پہنچ کر اپنے زخموں اور چوٹوں کا خود معائنہ کروں گا اور دوا لوں گا۔“

میں نے چائے کا مگ خالی کر کے ڈرائیور کو دیا اور ساتھ ہی چائے کے پیسے بھی دیے پھر میں نے سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکایا اور اپنی آنکھیں موند لیں۔پھر مجھے اپنے بیگ کا خیال آیا۔یہ بیگ میرے لیے بہت قیمتی تھا اس میں میری ساری جمع پونجی آٹھ لاکھ کے کرنسی نوٹوں کی صورت میں تھی۔اللہ کا شکر تھا کہ مجھے جلدی ہوش آگیا اور میں نے اپنا بیگ بھی تلاش کرلیا ورنہ اگر دوسرے لوگ آجاتے تو شاید مجھے اس میں کچھ بھی نہیں ملتا۔سارے لوگ ایسے ہی کرتے ہیں۔ایسے ہولناک حادثے پر لوگوں کی مدد کے بہانے پہنچ جاتے ہیں اور وہاں بجائے مدد کرنے کے زخمیوں اور مرجانے والوں کا مال و اسباب لوٹ لیتے ہیں۔

میں نے ابھی تک اپنا بیگ کھول کر نہیں دیکھا تھا اب گاڑی میں بیٹھا تو اطمینان ہوا اور میں نے بیگ کی زپ کھول کر کپڑوں کی تہہ میں رکھے نوٹوں کی گڈیوں کو ہاتھوں سے چھو کر اطمینان کرلیا کہ میرا مال محفوظ ہے۔

میں نے بیگ جو سیٹ پر میرے پاس ہی رکھا تھا۔اٹھا کر اپنے پیروں کے پاس رکھ لیا اور پوری سیٹ پر اپنے پاؤں پھیلا لیے سیٹ کافی بڑی اور آرام دہ تھی۔

”صاحب آپ بیگ کو اگلی سیٹ پر رکھ دیں اور آرام سے ہاتھ پاؤں پھیلالیں۔ چاہیں تو سو جائیں سفر کافی طویل ہے۔“ ڈرائیور نے لمحہ بھر کو گردن گھما کے مجھ سے کہا۔

”نہیں یہ یہیں ٹھیک ہے‘ میں آرام سے بیٹھا ہوں۔نیند آئی تو سو بھی جاؤں گا بس تم مجھے خیریت سے میری منزل پر پہنچادو۔“ میں نے کہا۔

”بے فکر رہیں صاحب اپنا تو کام یہی ہے ایک شہر سے دوسرے شہر مسافروں کو لے جاتا ہوں۔“ ڈرائیور نے جواب دیا۔

پھر میں ڈرائیور سے ہلکی پھلکی گفتگو کرنے لگا۔اس کے کاروبار کے مطابق کہ اس کے پاس کتنی گاڑیاں ہیں اور یہ بھی کہ اس کی گاڑی کافی اچھی اور آرام دہ ہے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں نے محسوس کیا کہ مجھے بہت گہری نیند آرہی ہے۔میری آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔پھر مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ میں کب گہری نیند میں چلا گیا اور کتنی دیر تک سوتا رہا۔

آنکھ کھلی تو عجیب سا احساس ہوا۔میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ کہاں ہوں۔ہر جانب گھور اندھیرا کیوں ہے۔میں نے اس اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی مگر مجھے کچھ دکھائی نہیں دیا۔میں نے اٹھنے کی کوشش کی تو میرا سر بری طرح چکرانے لگا اور میں نے دوبارہ اپنا سر زمین پر گرا دیا۔ہلکی سی چیخ کی آواز آئی میرا سر زور سے پکے فرش سے ٹکرایا تھا۔مجھے اس بات کا اندازہ ہی نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں۔میرے منہ سے بے ساختہ کراہ نکل گئی۔

تھوڑی دیر تک تو میں اس تکلیف کو برداشت کرنے کی طاقت جمع کرتا رہا۔ میرا سارا جسم پکے پھوڑے کی طرح سے دکھ رہا تھا اور جب حواس بحال ہوئے تو مجھے یاد آیا کہ میں تو ایک ہائر کی ہوئی کار میں کراچی جا رہا تھا۔پھر کار میں مجھے نیند آگئی اور اب یہاں آنکھ کھلی ہے۔

لیکن میں کہاں ہوں؟ کار میں کیوں نہیں؟ یہ سوال میں نے اپنے آپ سے کیسے اچانک مجھے اپنا بیگ اور آٹھ لاکھ روپے کا خیال آیا اور گھڑی کی چوتھائی میں یہ بات میری سمجھ میں آگئی کہ میری گہری نیند سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈرائیور نے میرا بیگ اڑا لیا اور مجھے نہ جانے کہاں چھوڑ کر چلا گیا ہے۔میں نے اندھیرے میں زمین پر ہاتھ مارا۔تو اندازہ ہوا کہ میں فرش پر پڑا ہوں۔ میں بد قت اٹھ کر بیٹھ گیا اور اندھوں کی طرح زمین ٹٹولتا ہوا چوپایوں کی طرح چلنے لگ۔پھر اچانک دیوار آگئی میں نے دائیں بائیں اس طرح چل کر دیکھا میں ایک بند چار دیواری یا یوں کہہ لیں کسی کمرے میں بند تھا کیونکہ میرا ہاتھ بند دروازے سے بھی ٹکرایا تھا۔

مگر اس ڈرائیور نے اگر صرف میری رقم ہی حاصل کرنی تھی تو وہ بے ہوشی کی حالت میں مجھے کہیں بھی پھینک کر غائب ہوجاتا اس نے مجھے یہاں لا کر کیوں قید کردیا۔

دوسری بات سوال بن کر میرے سامنے یہ آئی کہ میں اتنی گہری نیند کیسے سوتا رہا ڈرائیور نے نیند کی حالت میں مجھے کار سے نکال کر یہاں ڈال دیا اور

میری آنکھ نہیں کھلی اچانک مجھے ایک خیال آیا کہ وہ میری گہری نیند نہیں گہری بے ہوشی تھی۔دو باتیں ہوسکتی ہیں جس کے ذریعے مجھے بے ہوشی کی دوا دی گئی ایک تو اسپتال میں اس نرس کا سرنج بھر کر لانا اور یہ کہتے ہوئے میرے بازو میں انجکٹ کرنا کہ یہ وہی انجکشن ہے جس کا نام تم نے بتایا تھا۔یا پھر ڈرائیور نے ڈھابے سے لا کر مجھے چائے پلائی تھی۔

پھر مجھے یہ سوچ کر حیرت ہونے لگی کہ نرس کو میرے ساتھ اتنی ہمدردی کیوں ہو رہی تھی۔وہ میرے لیے اور میں اس کے بالکل انجان تھے اور ٹرین کے حادثے کے لاتعداد زخمی وہاں مسلسل آرہے تھے۔پھر اس نے مجھ ہی پر اتنی خاص توجہ کیوں دی کہ میرا بتایا ہوا وہ مہنگا انجکشن وہ سب سے چھپا کر مجھے لگانے کے لیے لے آئی۔

اس بات کا تو مجھے پورا یقین ہوگیا کہ وہ انجکشن جو نرس نے میرے لگایا تھا وہ، وہ نہیں تھا جو میں نے بتایا تھا۔کیونکہ اگر وہ لگایا ہوتا تو میری طبیعت کافی بہتر ہوتی۔نرس نے ہی مجھے نیند کا انجکشن دیا تھا۔مگر پھر وہی سوال بار بار ذہن کے پردے پر دستک دے رہا تھا کہ آخر کیوں؟ نرس نے مجھے بے

ہوش کر کے اپنے بھائی یا وہ جو کوئی بھی تھا اس کے ساتھ کراچی کیوں بھیجا۔

کیا اسے میرے اوپر کوئی شک و شبہ تھا یا اسے یہ پتا چل گیا تھا کہ میرے بیگ میں آٹھ لاکھ کی رقم موجود ہے پھر ایک سوال یہ ابھرا کہ رقم ہتھیانے کے بعد مجھے یہاں لا کر قید کیوں کردیا گیا ہے۔

آخر وہ نرس کون تھی۔کیا اس کا تعلق جرائم پیشہ گروہ سے ہے وہ ڈرائیور اس نرس کا ساتھی تھا۔یہ سارے راز اسی وقت کھل سکتے تھے جب کوئی میرے پاس آتا اور وہ مجھ سے اور میں اسی سے سوال و جواب کرتا۔

میں جب روہڑی سے چلا تھا تو صبح کے نو بج رہے تھے۔زیادہ سے زیادہ آدھا گھنٹہ مزید گزر گیا ہوگا۔پھر میں سو گیا اب آنکھ کھلی ہے تو رات ہو رہی ہے۔یعنی میں سارا دن بے ہوش پڑا رہا ہوں۔

میں نے صبح کی ایک پیالی چائے پی ہوئی تھی۔بغیر کچھ بھی کھائے پیے مجھے خاصا وقت گزر چکا تھا مجھے سخت پیاس اور بھوک محسوس ہو رہی تھی، مگر اس کمرے میں سوائے میرے کچھ بھی نہیں تھا میں نے اپنی تمام تر ہمت کو جمع

کیا اور اٹھ کھڑا ہو گیا۔میں نے اپنی ٹانگوں میں واضح طور پر کپکپاہٹ محسوس کی۔پھر میں نے آہستہ آہستہ چل پھر کر سارے کمرے کا جائزہ لیا۔اب میری آنکھیں اندھیرے سے مانوس سی ہو گئی تھیں اور مجھے کم از کم اپنا وجود دکھائی دینے لگا تھا۔

یہ ایک مختصر سا کمرہ تھا اور ساز و سامان سے خالی تھا میں نے کمرے کی دیواروں پر بھی ہاتھ پھیر کر دیکھا وہ بنا پلستر کی کھردری دیواریں تھیں اور کوئی کھڑکی اس کمرے میں موجود نہیں تھی۔

اچانک ایک ٹھنڈی ہَوا کا جھونکا میرے کانپتے وجود سے ٹکرایا تو میری نگاہ بے ساختہ چھت کی جانب اٹھ گئیں۔کافی اونچی سر کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی کھڑکی یا روشن دان بنا ہوا تھا۔یہ ہوا وہیں سے آئی تھی۔

اگر دن کی روشنی ہوتی تو میں اس کمرے کا اچھی طرح سے جائزہ لے سکتا تھا۔ مگر اس اندھیرے میں...! پھر روشنی کے خیال سے مجھے یاد آیا کہ میرے موبائل میں ٹارچ موجود ہے میں وہ جلا کر یہاں کا جائزہ لے سکتا ہوں۔گولی

استاد کو یا پھر کراچی میں موجود گولی استاد کے دوست جس کا نمبر چلتے ہوئے مجھے گولی استاد نے دیا تھا فون کرسکتا ہوں۔

یہ سوچ کر میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا مگر! میری جیب خالی تھی۔جیب میں نہ موبائل تھا اور نہ ہی میرا پرس۔وہ میرا تو نہیں تھا جاوید کا تھا مگر جب وہ میری جیب میں تھا تو میرا ہی تھا۔

مجھے اس بات کا خیال ہی نہیں رہا کہ جب وہ بے ہوش کی حالت میں مجھے اٹھا کر لایا ہوگا تو اس نے بیگ کے علاوہ میری جیبوں کی بھی مکمل تلاشی لی ہوگی اور میری ساری چیزیں اس نے اپنے قبضے میں کرلی ہوں گی۔

میں اس وقت پوری طرح اس کے قبضے میں تھا اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے مجھے یہاں قید کس لیے کر رکھا ہے۔میری رقم ہتھیانے کے بعد اب وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے یہ اس وقت پتا چل سکے گا جب صبح ہوگی یا پھر وہ میرے پاس آئے گا۔

میں ایک بار پھر ہمت کر کے اٹھا اور اندازے سے دروازے کی جانب بڑھا اور کان لگا کے باہر کی سن گن لینے لگا مگر باہر گھور اندھیرے کی طرح مکمل

سناٹا چھایا ہوا تھا۔اب دو ہی باتیں ہوسکتی ہیں یا تو وہ مجھے یہاں بند کر کے خود کہیں اور چلا گیا ہے یا پھر خود بھی لائٹیں بند کر کے سو رہا ہے۔

مایوس ہو کر میں دوبارہ فرش پر لیٹ گیا۔نیند تو کہاں آنی تھی۔ابھی تو اتنی لمبی بے ہوشی سے ہوش میں آیا تھا۔البتہ مجھے شدید بھوک محسوس ہورہی تھی۔میرا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اور میں گزری ہوئی ساری باتیں سوچ رہا تھا۔

سیاہ رات آہستہ آہستہ صبح کی سپیدی میں تبدیل ہونے لگے دور کہیں سے ہلکی سی آواز میرے کانوں میں اذان کی آئی تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔فجر کی اذان تو ہوگئی ہے اب دن بھی نکل ہی آئے گا۔میں نماز پڑھنا چاہتا تھا مگر یہاں نہ پانی تھا اور نہ ہی روشنی، میں نے تیمم کیا اور قبلے کا رخ اپنے تصور میں کر کے نیت باندھ لی مشکل حالات میں بھی نماز کی ادائیگی کا حکم ہے اگر وضو کے لیے

پانی میسر نہ ہوتو تیمم کیا جاسکتا ہے اور قبلے کا رخ بھی معلوم نہ ہو تو انسان اپنے تصور میں قبلے کا رخ باندھ سکتا ہے۔سو میں نے بھی اپنے ربّ کی دی

ہوئی اس آسانی سے استفادہ حاصل کیا اور فجر کی نماز ادا کی اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر اپنے لیے صحت، عافیت صبر اور مدد مانگی۔

نماز سے فارغ ہوا تو ایک عجیب سی طمانیت کا احساس ہوا۔میں نے محسوس کیا کہ میں تنہا نہیں ہوں اللہ تعالیٰ جو سب سے زیادہ پاور فل ہستی ہے وہ میرے ساتھ ہے۔

میں دیوار سے ٹیک لگا کے بیٹھ گیا روشنی آہستہ آہستہ پھیلتی گئی کمرے میں روشنی ہو گئی۔تب میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔کمرے کے کونے میں ایک اور دروازہ تھا رات کے اندھیرے میں جب میں دیوار پر ہاتھ پھیر رہا تھا تب اس دروازے سے میرا ہاتھ ٹکرایا تو میں اندھیرے کی وجہ سے یہ سمجھا کہ میں کمرے کے دروازے والی سائڈ پر دوبارہ آگیا ہوں۔

میں تیزی سے اٹھا اور دروازہ کھول کر دیکھا وہ باتھ روم ہی تھا باتھ روم کی موجودگی پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا ایک تو مجھے انسانی حاجت پریشان کر رہی تھی اس کے علاوہ پیاس بھی شدید لگ رہی تھی۔

میں بے تابی سے باتھ روم میں داخل ہو گیا چھوٹے اور پرانے واش بیسن کی جانب بڑھا اور نل کھول کر دیکھا پانی آرہا تھا۔یہ سوچے بغیر کہ یہ پانی پینے کے لائق ہے بھی یا نہیں میں نے اوک بنا کر پانی پینا شروع کردیا۔

تھوڑا سا پانی پینے کے بعد ہی پیٹ میں اینٹھن سی ہونے لگی۔میں سیدھا ہو گیا میرا پیٹ خالی تھا صرف پانی نہیں وہ غذا بھی مانگ رہا تھا۔چند لمحوں کے توقف کے بعد ہی اپنی ضرورت سے فارغ ہوا پھر ہاتھ منہ اچھی طرح دھویا اور حسب عادت وضو کرلیا۔پھر کمرے میں آکے دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ مجھے کمزوری سی محسوس ہو رہی تھی۔معدے میں کچھ ایسی الٹ پلٹ ہو رہی تھی پھر میں بھاگ کر واش روم گیا اور بیسن پر جھک کر سارا پانی الٹ دیا۔ قے ہوجانے کے بعد طبیعت کچھ بحال ہوئی۔

صبح ہوچکی تھی سورج اچھا خاصا چڑھ آیا تھا۔اب کمرے میں اچھا خاصا اجالا پھیل گیا تھا۔مگر باہر سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔میں نے بے چین ہو کر دروازہ پیٹنا شروع کردیا اور زور زور سے آوازیں دیں۔

”کوئی ہے‘ مجھے یہاں کیوں بند کیا ہے تم کون ہو‘ دروازہ کھولو۔“ مگر وہی سناٹا۔

میں سمجھ گیا کہ یہاں کوئی نہیں ہے وہ مردود مجھے یہاں بند کر کے خود کہیں اور چلا گیا ہے اب میں سوائے اس کا انتظار کرنے کے اور کیا کرسکتا تھا۔

وقت گزرتا رہا میرے اندازے کے مطابق اس وقت دن کے بارہ تو بج چکے تھے۔اچانک مجھے ایک بھیانک خیال آیا کہ کہیں ایسا تو نہیں وہ مجھے یہاں بھوکا پیاسا مرنے کے لیے بند کر گیا ہو میں نے ایسی موت کا تو تصور بھی نہیں کیا تھا۔میں اپنے آپ کو تصور میں بھوک اور پیاس سے ایڑیاں رگڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔مارے بے بسی کے میرا سر چکرانے لگا مجھے تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میں کہاں اور کس جگہ پر ہوں۔یہ گھر کسی جنگل و بیاباں میں تو نہیں ہے۔باہر بالکل ہی سناٹا چھیلا ہوا تھا۔اگر یہ انسانی آبادی میں ہوتا تو انسانوں کی چہل پہل کی آوازیں تو سنائی دیتیں۔

یا اللہ میری مدد فرما۔مجھ سے یا میرے والدین سے ایسی کون سی خطا ہوئی تھی جس کی سزا مجھے اس صورت میں بھگتنی پڑ رہی ہے۔سردار شیر افضل اور شیر زادہ کے چنگل سے نکلا تو اس دوسری مصیبت میں پڑ گیا۔

محترم قارئین آج جب میں اپنی یہ داستان لکھنے بیٹھا ہوں تو خیال آرہا ہے کہ میری زندگی کا ایک دور ایسا آیا کہ میں بہت سی الجھنوں کو ہی سلجھاتا رہا اور وہ ساری الجھنیں بھی ایسی دھمکی دیتی رہتی تھیں کہ اگر نہیں سلجھاؤ گے تو مارے جاؤ گے۔یہ الجھنیں تمہیں کھا جائیں گی میری داستان حیات میں ایسی الجھنیں اور پریشانیاں بھری پڑی ہیں۔میں لاتعداد مشکلات سے گزرا۔زندگی میں ایک گردش آئی اور پھر میری ساری زندگی ایک گردش بن گئی۔پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ مشکلات میرے لیے پانی ہو گئیں۔کسی شاعر نے شاید ایسے ہی حالات میں گھر کر کہا ہوگا کہ مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آسان ہو گئیں۔

اچانک باہر سے پہلی مرتبہ مجھے کھٹر پٹر کی آوازیں سنائی دیں تو میں چوکنا ہو کر بیٹھ گیا ساتھ ہی ایک دو انسانوں کے بولنے کی آوازیں آئی۔

میں نے سوچا کہ شاید وہ لوگ آ گئے ہیں۔میں نے تھوڑی دیر انتظار کیا۔پھر ایک بار دروازہ بجایا اور آوازیں دیں۔جواب میں مجھے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔جو دروازے کی جانب ہی آ رہی تھیں۔دروازے پاس آ کے وہ رک گیا اور بولا۔

”زیادہ شور مت مچاؤ ہم اب دروازہ کھولتے ہیں۔“ تو میں چپ چاپ بیٹھ گیا۔

پھر دروازے کا تالا کھلنے کی آواز آئی اور دروازہ کھل گیا۔سب سے پہلے ایک آدمی ہاتھ میں پستول تھامے اندر آیا اس نے تیزی کے ساتھ گردن گھما کے چاروں جانب دیکھا جیسے ہی اس کی نگاہ میرے اوپر پڑی اس نے مجھ پر پستول تان لی اور بولا۔

”اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو خاموشی سے اس جگہ بیٹھے رہنا۔“

پھر اس نے باہر کھڑے کی شخص کو ہاتھ سے اندر آنے کا اشارہ کیا۔تو دوسرا آدمی ہاتھ میں کھانے کی ٹرے اٹھائے کھڑا تھا۔اس نے دور سے ہی ٹرے کو نیچے رکھا اور میری جانب کھسکا دی۔

”تم اطمینان سے کھانا کھالو پھر آ کر تم سے بات کرتے ہیں۔“ پستول بردار نے کہا۔

”مگر مجھے بتاؤ تو سہی کہ تم لوگ کون ہو اور مجھے یہاں قید کر کے مجھ سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہو، میں تو تم لوگوں کو جانتا تک نہیں ہوں۔“ میں نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

”تمہاری سمجھ میں نہیں آیا ابھی میں نے کیا کہا ہے۔“ پستول بردار شخص نے خرانٹ لہجے میں کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔دروازہ ایک بار پھر بند ہو گیا۔

میں نے فی الحال ان کے بارے میں سوچنا بند کیا اور کھانے کی ٹرے کی جانب متوجہ ہو گیا۔ٹرے میں روٹی سالن کے علاوہ ایک چائے اور پینے کے پانی کی بوتل بھی تھی۔

میں نے کھانے کے ساتھ پورا انصاف کیا اورساری پلیٹیں صاف کر دیں۔پانی اور چائے پینے کے بعد مجھے سگریٹ کی طلب ہونے لگی میں بہت زیادہ سگریٹ تو نہیں پیتا تھا البتہ کبھی کبھی پی لیا کرتا تھا مگر اس وقت مجھے سگریٹ کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی۔

پیٹ میں غذا گئی تو میری طبیعت بہتر ہوئی یہ جو لوگ بھی ہیں کم از کم ان میں اتنی تو انسانیت ہے کہ انہوں نے مجھے صاف ستھرا کھانا پیٹ بھر کھلایا پانی اور چائے بھی دی اب میں ان سے بہتر طریقے سے گفتگو کرسکتا تھا۔

تقریباً بیس منٹ کے بعد دوازہ ایک بار پھر کھل گیا اور اس مرتبہ اندر آنے والے تین افراد تھے۔ایک پستول بردار دوسرا شخص میرے لیے اجنبی تھا مگر تیسری ہستی کو دیکھ کر میں بری طرح چونک گیا۔وہ ایک عورت تھی اور عورت بھی وہ جس کو میں مسیحا سمجھتا تھا۔یہ وہی اسپتال والی نرس تھی۔جس نے میری ڈریسنگ کی تھی اور مجھے انجکشن لگایا تھا۔

"تم!" میرے منہ سے بے ساختہ تحیر زدہ انداز میں نکلا میں اپنی جگہ سے اٹھنے لگا تو پستول بردار نے ڈپٹنے کے انداز میں کہا۔

"خبردار اپنی جگہ سے جنبش مت کرنا وہیں بیٹھ جاؤ۔" تو میں دوبارہ بیٹھ گیا۔

"سسٹر یہ سب کیا ہے۔تم نے مجھے اپنے بھائی کے ساتھ بھیجا تھا۔مگر آنکھ کھلی تو میں یہاں تھا یہ سب کیا چکر ہے۔" میں نے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"سسٹر۔" انہوں نے تمسخرانہ لہجے میں کہا اور بے ڈھنگے طریقے سے ہنسنے لگے۔سسٹر بھی ان کے ساتھ ہنسنے لگی۔

"یہ سسٹر ہوگی تیری میری تو جانم ہے۔" آنے والے اجنبی شخص نے اپنا بایاں بازو اس کی کمر کے گرد کرکے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔تو وہ ایک ادا سے آنکھیں گھما کر مسکرانے لگی۔

"اچھا چھوڑو ان باتوں کو کام کی بات کرتے ہیں۔" اس شخص نے اپنا ہاتھ نرس کی کمر سے نکال لیا اور دونوں ٹانگوں کو پھیلا کر کھڑا ہو کر مجھ سے مخاطب ہوا۔

میں سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔تب وہ بولا۔

"دیکھو ایک بات اچھی طرح دھیان میں بٹھا لو کہ میں تم سے جو بھی سوال کروں گا تمہیں اس کا جواب بالکل ٹھیک دینا ہوگا اگر ذرا بھی آنا کانی کی یا جھوٹ بولا تو تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہم تمہارا کیا حال کریں گے۔"

”ٹھیک ہے پوچھو‘ میں تمہارے سوال کا بالکل ٹھیک جواب دوں گا۔ مگر پھر تمہیں بھی ایک وعدہ مجھ سے کرنا ہوگا کہ تمہیں مجھے آزاد کرنا ہوگا۔“ میں نے خود اعتمادی سے کہا۔

میرا خوف اس لیے بھی کم ہوگیا تھا کہ میں سمجھ گیا تھا کہ انہیں میرے بارے میں کوئی شدید غلط فہمی ہوگئی ہے اور یہ کسی اور کے دھوکے میں مجھے پکڑ لائے ہیں۔

”چلو وعدہ کیا تم بھی کیا یاد کرو گے کہ کس سخی سے پالا پڑا ہے۔‘ اس نے اپنے ساتھیوں کی جانب معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”میں‘ میں پرویز ہوں۔“ میرے دماغ میں فوری طور پر ہی نام آیا۔

”اچھا پرویز صاحب یہ بتائیے کہ سلطان کہاں ہے کیا کیا ہے تم نے اس کے ساتھ؟“ اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

”سلطان کون سلطان میں کسی سلطان کو نہیں جانتا۔“ میں نے حیرت سے کہا۔

”میں نے کہا تھا ناں کہ جھوٹ نہیں چلے گا۔“ اس نے طنزیہ پیار بھرے لہجے میں کہا۔

”میں سچ کہہ رہا ہوں کہ میں کسی سلطان کو نہیں جانتا۔“ میں نے یقین دلانے والے لہجے میں کہا اور یہ سچ بھی تھا میں واقعی سلطان نامی کسی شخص سے واقف نہیں تھا۔

”بکواس کرتا ہے سالے‘ حرامی...!“

اس شخص نے دانتوں کو پیستے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ مجھے گریبان سے پکڑ کر اٹھا لیا اور الٹے ہاتھ کا ایک زور دار تھپڑ میرے منہ پر مارا۔

”آخر یہ سلطان ہے کون؟ اور تم اس کے بارے میں مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو۔ میری بات کا یقین کرو میں کسی سلطان کو نہیں جانتا۔“ میں نے اس کے زور دار تھپڑ کی وجہ سے اپنی باچھوں میں بہہ آنے والے خون کو اپنی ہتھیلی کی پشت سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

”اگر تو سلطان کو نہیں جانتا تو سلطان کا یہ پرس اور اس کی یہ ساری چیزیں تیری پاس کہاں سے آئیں اور اگر تو نے سلطان کے ساتھ کچھ نہیں کیا تو وہ

ابھی تک پہنچا کیوں نہیں۔وہ آج تک کبھی لیٹ نہیں ہوا پورے چوبیس گھنٹے گزر گئے اس کا انتظار کرتے ہوئے بتا تو نے کیا کیا ہے اس کے ساتھ اس کو کہیں قید کر رکھا ہے یا مار ڈالا ہے بالکل سچا بتا۔“

مارے غیض کے اس شخص کی سرخ آنکھوں سے چنگاریں سی نکل رہی تھیں اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ مجھے کچا چبا جائے۔

تب مجھے خیال آیا کہ جس پرس کا وہ حوالہ دے رہا ہے وہ پرس تو جاوید نامی شخص کا تھا جو ٹرین میں میرے ساتھ تھا اور حادثے میں مر گیا۔اس نے میرے ساتھ غلط بیانی سے کام لیا تھا۔اس کا نام جاوید نہیں بلکہ سلطان تھا اور وہ ان جرائم پیشہ آدمیوں کا ساتھی تھا۔وہ ان کے پاس آرہا تھا اور محض وقت گزاری کے لیے وہ مجھ سے اپنی شاخت چھپا کر باتیں کر رہا تھا۔

”کیا سوچ رہا ہے جواب دے۔“ مجھے اس کی دھاڑ سنائی دی تو میں اپنی سوچوں سے باہر نکل آیا۔میں نے کہا۔

”اگر تم اس پرس کی بات کر رہے ہو جو میری جیب سے نکلا ہے تو وہ پرس تو جاوید کا ہے جو مجھے ٹرین میں ملا تھا۔وہ مجھ سے باتیں کر رہا تھا مگر حادثے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں وہ مر گیا تو میں نے اس کا پرس اس کی جیب سے نکال لیا کیونکہ مجھے پیسوں کی ضرورت تھی۔“

”بکواس‘ پھر بکواس۔ارے کوئی اس کو سمجھاؤ اگر اس نے سچ نہیں بولا تو میں اس کا کیا حال کروں گا۔“ اس شخص نے جنونیوں کے انداز میں اپنے ہاتھ کو اپنے سر پر گھماتے ہوئے کہا۔

”تمہارے بیگ میںآٹھ لاکھ روپے کی رقم تھی اور تم کہہ رہے ہو کہ تمہیں رقم کی ضرورت تھی۔کیوں جھوٹ بول کر اپنی جان کے دشمن بن رہے ہو۔جابر صرف سچ سنتا ہے ویسے یہ اتنا بے رحم ہے کہ جس پر غصہ آجائے تو اسے مارے بغیر اس کے جسم سے اس کی کھال اس طرح اتار لیتا ہے جیسے قصائی بکرے کی۔“ اس مرتبہ اس نرس نے مجھ سے کہا۔

اس کے بات کرنے سے مجھے اس شخص کا نام معلوم ہوگیا وہ جابر تھا۔

”تم مجھے یہ بتاؤ گی کہ تمہیں مجھ پر کیسے شک ہوا کہ جاوید یا سلطان جو بھی تھا اس کا پرس میرے پاس ہے اور میرے بیگ میں آٹھ لاکھ کی رقم ہے۔“

میں نے الٹا اس سے سوال کر ڈالا۔میں اپنی ساری الجھنیں دور کرلینا چاہتا تھا۔

"تم نے جوس منگوانے کے لیے جیب سے پرس نکال کر اس میں سے پچاس کا نوٹ نکالا تب میں نے سلطان کا پرس پہچان لیا ہمارے کچھ مخصوص نشان ہیں۔جو ہماری شناخت ہیں اور ہم ایک دوسرے کو ان ہی نشانیوں سے پہچانتے ہیں۔ویسے سلطان کے لیے ہمیں کسی نشانی کی ضرورت نہیں ہے وہ ہمارا بہت پرانا ساتھی تھا۔

میں نے جب سلطان کا پرس تمہارے پاس دیکھا تو میں چونک گئ۔میں نے سلطان سے فون پر بار بار رابطہ کرنا چاہا مگر اس کا فون نہیں ملا۔تب میں نے سوچا کہ تم نے ضرور اسے نقصان پہنچایا۔پھر میں نے اپنے ساتھی حشمت کو فون کر کے بلایا اور تمہیں اس کے ساتھ جانے کا کہا۔رہی بات بیگ میں موجود تمہاری رقم کی۔تو اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔میں نے تمہیں بے ہوشی کا انجکشن اسی لیے دیا تھا۔تاکہ وہ تمہیں اس جگہ پر لے آئے یہاں تمہیں قید کرنے کے بعد بھی ہم بار بار سلطان کو ٹریس کرنے کی کوشش کرتے رہے۔مگر اس سے رابطہ نہ ہوسکا۔تب ہم تمہارے پاس آئے ہیں تاکہ تم سے اس کے بارے میں معلوم کرسکیں۔

"میں نے تمہیں ساری بات بتا دی ہے۔اب تم بھی سچ بتادو کہ تم نے سلطان کے ساتھ کس کے کہنے پر کیا کیا ہے اور یہ بھی کہ تم کس کے لیے کام کرتے ہو۔" نرس نے بظاہر اپنے لہجے کو نرم بناتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"میں حلفیہ کہتا ہوں کہ مجھے سلطان نے اپنا نام جاوید بتایا تھا اور یہ بھی کہا کہ وہ کراچی اپنے گھر جا رہا ہے۔کراچی میں اس کا گھر ناظم آباد میں ہے اور پنڈی وہ اپنی خالہ کے انتقال میں گیا تھا اس کی ایک جوان بہن اور ایک بیوہ ماں ہے اور یہ بھی کہ وہ ایک فرم میں جاب کرتا ہے۔" میں نے کہا۔

"اچھا چلو میں تمہاری یہ بات مان لیتا ہوں جو تم نے ابھی کہی کہ تمہیں سلطان نے اپنے بارے میں یہ سب بتایا ہوگا لیکن ٹرین کے حادثے میں تو بہت سے لوگ زخمی ہوئے تھے۔مرے بھی تھے سب ہی سامان وہاں بکھرا پڑا ہوگا تمہیں سلطان ہی کا سامان ہتھیانے کی ضرورت کیوں پیش آئی اگر تمہیں اتنی ہی پیسوں کی ضرورت تھی تو تم دوسروں کے سامان پر بھی ہاتھ صاف کرسکتے تھے۔صرف سلطان ہی کا کیوں اور سب سے اہم بات جو ہے وہ یہ کہ جس کی

وجہ سے تمہارے بیان کو سچ نہیں مان سکتے کیونکہ سلطان کو ٹرین سے آنا ہی نہیں تھا۔وہ اپنی پرائیوٹ کار میں آرہا تھا۔" جابر نے کہا۔

"تمہارے پہلے سوال کے جواب میں صرف اتنا کہوں گا کہ جاوید تنہا سفر کر رہا تھا اس کے ساتھ کوئی دوسرا آدمی نہیں تھا۔اس لیے میں نے آسانی سے اس کی جیب سے اس کا پرس اڑا لیا۔رہی بات دوسروں کے مال پر ہاتھ صاف کرنے کی تو سب کے ساتھ دوسرے لوگ بھی تھے جن میں کچھ شدید زخمی تھے تو کچھ میرے جیسے ہوش و حواس میں تھے۔اسی لیے کسی اور کے سامان پر ہاتھ صاف نہیں کرسکا۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اچھا اب تم اپنے بارے میں بالکل سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ کیا کام کرتے ہو؟ کہاں سے آرہے تھے اور کہاں اور کیوں جا رہے تھے؟" جابر نے ایک اور سوال کیا۔

"پہلے تم لوگ اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔" میں نے کہا۔

"اچھا...!" جابر نے اچھا کو کھینچ کر کہا۔"تو معصوم تو اتنا بن رہا ہے جیسے ہمارے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا چل شاباش اب بتا بھی دے کہ تجھے کس

نے سلطان کے پیچھے لگایا تھا اور سلطان کہاں ہے۔" اس نے چمکارتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہہ تو دیا کہ سلطان کو نہیں جانتا تم لوگ میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتے۔" میں نے جھنجلا کر تیز لہجے میں کہا۔

جواب میں جابر نے بڑھ کر میرے منہ پر ایک اور زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔ اس کے حلق سے ایک بے ساختہ غراہٹ سی نکلی اور میں اپنی جگہ پر ہل کے رہ گیا۔

"میں نے جو پوچھا ہے مجھے اس کا جواب چاہیے۔" اس نے کہا۔

"مجھے کچھ نہیں پتا میں کچھ نہیں جانتا۔کیوں میرے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کر رہے ہو۔میں ایک شریف آدمی ہوں۔کراچی میں گلشن اقبال اپنے رشتہ داروں کے ہاں جا رہا تھا۔تم مجھے مار مار کر میری کھال بھی ادھیڑ ڈالو تب میں یہی جواب دوں گا کیونکہ یہی سچ ہے میں سلطان کو نہیں جانتا تم لوگ یہ کیوں نہیں سوچ رہے کہ جاوید نامی شخص جو میرے ساتھ ٹرین میں سفر کر رہا تھا اور

جس کی جیب سے میں نے سلطان کا پرس نکالا ہے ہوسکتا ہے کہ اسی نے سلطان کے ساتھ کچھ کیا ہو اور سلطان کا پرس اڑا لیا ہو۔" میں نے کہا۔

"پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔" جابر نے آنکھیں نکال کر چیخ کر کہا پھر بولا۔

"تجھے ابھی تھوڑی دیر میں سب یاد آجائے گا۔" پھر پستول بردار شخص کو مخاطب کر کے بولا۔

"ذرا لوہے کی کوئی چیز منگوالو۔میں ایک ایک کر کے اس کے سارے دانت توڑ ڈالوں گا۔"

"نہیں تم ایسا نہیں کرسکتے۔" میں اس بات پر حلق کے بل چیخ پڑا۔میری نگاہیں اس کے کسرتی بدن اور تنگ پیشانی کا جائزہ لے رہی تھیں۔اس کی بات سن کر میرے جسم کے ہر مسام سے پسینہ پھوٹ نکلا اور میں بے ساختہ چلا اٹھا۔

"ہمیں کون روکے گا یہ وہ جگہ ہے جہاں آکر لاشیں بھی بولنے لگتی ہیں۔تو ہے کیا شے۔تیرا واسطہ جابر خان سے پڑا ہے جابر خان سے۔" یہ کہتے ہوئے اس

نے مجھے ایک زور دار لات رسید کی میں لڑکھڑاتا ہوا سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔

"سلطان پنڈی سے اپنی کار میں چلا تھا۔چلتے وقت اس نے ہم سے بات کی تھی مگر وہ اب تک یہاں نہیں پہنچا ہے اور نہ ہی اس کے سیل فون پر اس سے رابطہ ہو رہا ہے۔اگر وہ خود کہیں رکتا یا اس کا سیل فون کام نہیں کرتا تو وہ ہمیں اس بات کی اطلاع ضرور دیتا۔اب بتاؤ وہ کہاں رہ گیا ہے اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔" نرس جس کا نام مجھے ابھی تک معلوم نہ ہوسکا تھا کہا۔

میں اس سے پہلے کہ کوئی جواب دیتاجابر خان پھر مذموم ارادے سے میری جانب بڑھا مگر نرس نے اس کا ہاتھ پکڑ کے روک لیا۔

"تم کیوں مجھے روک رہی ہو مینا۔" جابر خان نے ناگواری سے کہا۔اس کا دوسرا ساتھی جس نے اس سے کوئی لوہے کی چیز لانے کے لیے کہا تھا وہ بھی ابھی تک میرے پاس ہی کھڑا تھا۔

اب مجھے نرس کا نام بھی معلوم ہوگیا تھا اس کا نام مینا تھا۔شاید وہ جابر خان کی معشوقہ تھی۔

"ہم اس سے آرام سے بات کریں گے یہ مجھے پڑھا لکھا اور سمجھ دار انسان لگتا ہے اور اس کی یہ بات کہ ہوسکتا ہے ٹرین کے حادثے میں مرنے والے جاوید نامی شخص نے ہی سلطان کو کوئی نقصان پہنچایا ہو۔" مینا نے کہا۔

"سمجھ دار اور پڑھا لکھا۔" جابرخان نے میرا مضحکہ اڑایا اور بولا۔

"دو اور دو کتنے ہوتے ہیں۔"

"میرا مذاق اڑانے کی کوشش مت کرو۔ تمہاری ساتھی تم سے زیادہ سمجھ دار ہے اس کی باتوں پر غور کرو ہوسکتا ہے تمہاری سمجھ میں بھی کچھ آجائے اور ویسے بھی تم نے زبردستی مجھے اپنا قیدی بنا رکھا ہے۔ صرف ایک پرس کی بازیابی سے تم میرے اوپر اپنا لگایا ہوا الزام ثابت نہیں کرسکتے۔"

"اچھا ایک آخری بات اور پوچھتا ہوں۔" اس نے اپنی سرخ سرخ آنکھیں میرے اوپر گاڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں وہ بھی پوچھ لو۔ نہ جانے کون کون سے سوال پوچھ رہے ہو۔ جب میں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو جانتا ہی نہیں ہوں تو جواب کیا خاک دوں گا۔" میں نے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"کیا تم اذلان شاہ کے آدمی نہیں ہو؟"

"یہ نام بھی میرے لیے اجنبی ہے۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"جابر پہلے تم میری بات سنو آؤ باہر آؤ۔" مینا نے جابر کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کا رخ کرتے ہوئے کہا۔

جابر خان اسی کے ساتھ باہر نکل گیا تو پستول بردار بھی میری جانب پستول تانے تانے الٹے قدموں دروازے کی جانب بڑھنے لگا پھر وہ باہر نکل گیا اور اس نے تیزی سے دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔

میں ایک گہری سانس لے کر فرش پر سیدھا سیدھا لیٹ گیا۔ میرا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ وہ لوگ میرا یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کس طرح انہیں یقین دلاؤں کہ میں سلطان نامی شخص کو بالکل بھی نہیں جانتا۔ اب یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ جاوید ہی سلطان تھا یا کوئی اور تھا۔

دوسرے میں ان لوگوں کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور ان کے دھندے کیا ہیں اور یہ اذلان شاہ کون ہے۔ مجھے یہ اس کا

آدمی سمجھ رہے ہیں یہ شاید ان کا دشمن ہے۔یہ بات تو طے ہے کہ یہ سب کے سب جرائم پیشہ لوگ ہیں۔میں سوچنے لگا کہ کاش میری جاوید سے ملاقات ہی نہ ہوئی ہوتی۔کاش میں اس ٹرین میں سفر ہی نہ کر رہا ہوتا یا پھر یہ کہ ٹرین کو حادثہ نہ پیش آیا ہوتا۔نہ جاوید مرتا اور نہ میرے دل میں اپنی شناخت بدلنے کا وہ بے ہودہ خیال آیا ہوتا۔اب تو ٹی وی میں تمام مرنے والوں کے ناموں کی لسٹ آنی شروع ہو گئی ہوگی اور اس لسٹ میں ڈاکٹر شاہ زمان کا نام بھی شامل ہوگا۔اگر گولی استاد نے میرے موبائل پر فون بھی کیا ہوگا تو موبائل اسے آف ملا ہوگا۔وہ تو یہی سمجھ رہا ہوگا کہ کہ مر چکا ہوں۔

اگر سردار شیر افضل اور راجہ کو میرے مرنے کی اطلاع ملی ہوگی تو انہوں نے سکھ کا سانس لیا ہوگا کہ چلو جان چھوٹی آخری پھانس بھی نکل گئی۔لیکن مشی جب مشی کو میرے مرنے کی اطلاع ملے گی تو اس کا کیا حال ہوگا۔اب میں اس پوزیشن میں بھی نہیں ہوں کہ فوری طور پر اپنے زندہ ہونے کی خبر ان تک پہنچا سکوں۔ایک سے جان چھوٹی تو دوسری مصیبت میں پھنس گیا۔

میرے اوپر وہ والا محاورہ فٹ آرہا تھا کہ ”آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں انہی سوچوں میں گم بیٹھا تھا کہ اچانک مجھے ان لوگوں کے بولنے کی آوازیں آئیں۔کبھی ایک آدھ لفظ تیزی سے ان کے منہ سے نکل جاتا اور پھر آوازیں دھیمی پڑجاتیں۔میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا یہ سوچ کر کہ میں دروازے سے کان لگا کے ان کی باتیں سننے کی کوشش کرتا ہوں تاکہ مجھے ان لوگوں کی اصلیت کے بارے میں کچھ تو پتا چلے یا پھر یہ میرے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہیں۔مینا جابر خان کا ہاتھ تھام کر اس سے کوئی بات کرنے کے لیے کمرے سے باہر لے گئی تھی۔اب یہ لوگ باہر کھڑے ہو کر باتیں کررہے ہیں۔

میں نے اپنے کان دروازے سے لگا دیے اور اپنے روئیں روئیں کو سماعت بنا دیا ان میں کسی بات پر بحث ہو رہی تھی۔

مینا کچھ بول رہی تھی۔میں توجہ سے سننے لگا۔آواز دھیمی تھی مگر میری سمجھ میں آرہی تھی جب کوئی شخص میرے جیسی سچویشن میں ہو تو اسے مدھم سے مدھم آواز بھی سنائی دینے لگتی ہے۔میرے

ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔وہ کہہ رہی تھی۔

"اس شخص نے بالکل ٹھیک اطلاع دی تھی لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کون شخص ہے اور سارے واقعے سے کس طرح واقف ہے۔یہ بات تو ظاہر ہے کہ وہ کوئی اندر کا ہی آدمی ہے۔لیکن کون۔کون...! بھلا اندر کا کون آدمی ایسا ہوسکتا ہے جو مجھ سے بھی اپنی شخصیت پوشیدہ رکھنا چاہتا ہو یا پھر ... یا پھر وہ کوئی باہر کا آدمی بھی ہوسکتا ہے۔کوئی ہمارا ہمدرد۔جس کی اذلان شاہ سے کوئی دشمنی ہو اور وہ اپنے آپ کو درپردہ رکھ کر ہماری بھلائی اور اذلان شاہ کا بیڑا غرق کرنا چاہتا ہو۔" مینا خاموش ہوئی تو جابر خان بولا۔

"بہر حال مینا اب ہمارے پاس اس بات کو سوچنے کے لیے بالکل بھی وقت نہیں ہے۔ظاہر خان کل دوبئی سے کراچی پہنچ رہا ہے۔پھر وہ ہم سے ضرور رابطہ کرے گا اور سلطان کے بارے میں ساری بات پوچھے گا۔سلطان کو میں ہی لے کر آیا تھا۔وہ میرا آدمی تھا اور اس سے کام بھی میں ہی لیتا تھا۔" پھر چند لمحوں کے توقف کے بعد مجھے جابر خان کی "ہیلو" کہنے کی آواز سنائی دی شاید اس نے کسی کا نمبر ملایا تھا۔

"ہاں دلاور ذرا سنی سے میری بات کراؤ۔" جابر خان نے کہا دوسری جانب سے کیا جواب آیا وہ مجھے سنائی نہیں دیا پھر جابر خان بولا۔

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ کہاں گیا ہے مجھے اس سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" جابر خان نے دوبارہ کہا۔شاید اسے فون پر یہ جواب ملا ہوگا کہ سنی گھر پر نہیں ہے۔

وہاں سے جواب سننے کے بعد جابر خان نے حیرت سے کہا۔

"اچھا' انسپکٹر شاکر وہاں آیا تھا مگر کیوں...!"

پھر چند لمحوں کے توقف کے بعد جابرخان نے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں بعد میں فون کروں گا۔"

فون بند کرنے کے بعد وہ دانتوں کو پیستے ہوئے بولا۔

"غدار...! وہ دونوں ہی غدار نکل گئے۔لیکن شاید وہ یہ بھول گئے کہ ہمارے ساتھ غداری کرنے کی سزا کیا ہوتی ہے۔"

"تو تمہارا یہ خیال ہے کہ سنی اور سلطان دونوں نے غداری کی ہے۔سنی بھی غائب ہے اور سلطان بھی۔مگر پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ سلطان کا پرس اس

شخص کے ہاتھ کیسے لگا اور سلطان جو مال لے کر آرہا تھا وہ کہاں غائب ہو گیا اور جیسا کہ یہ شخص بتا رہا ہے کہ سلطان اس سے اتنا فری ہو کر بات کر رہا تھا تو اس نے ایسا کیوں کیا۔وہ ٹرین میں سفر کیوں کر رہا تھا۔" ایک اجنبی آواز نے کہا۔شاید یہ تیسرا شخص وہی پستول بردار ہوسکتا ہے۔میں نے سوچا۔

"میرا تو خیال ہے کہ یہ شخص سچ بیانی سے کام لے رہا ہے ہوسکتا ہے کہ واقعی اس نے رقم کے لالچ میں سلطان کا پرس اڑایا ہو' رہی بات سلطان کی کہ وہ ٹرین میں سفر کیوں کررہا تھا اور مال کہاں گیا۔تو بقول تمہارے جب اس نے غداری ہی کرلی توبجائے کار میں سفر کرنے کے وہ ٹرین میں سفر کررہا ہو' رہی بات مال کی یا تو مال اس نے دوسری پارٹی کو دے دیا یا پھر ٹرین میں اپنے ساتھ لے کر آرہا ہوگا اور اب پتا نہیں وہ کروڑوں کا مال کہاں ہوگا؟" مینا نے کہا۔

"اگر میں تمہاری بات سہی مان بھی لوں تو ایک ہی صورت میں'میں اس شخص کو اپنے شک سے بری کرسکتا ہوں کہ ہم اسٹیشن سے پتا کریں اور مرنے والوں کی لسٹ دیکھیں یاپھر مرنے والوں کے چہرے دیکھیں'کیوں کہ بہت

سے مردہ اشخاص ابھی بھی اسپتال کے مردہ خانے میں موجود ہوں گے۔جن کے اپنے انہیں لینے نہیں آئے ہوں گے۔" جابر خان نے کہا۔

"ہاں! یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو' میں یہ کام بخوبی کرسکتی ہوں۔میں مرنے والے لوگوں کے نام کی لسٹ... مگر نہیں لسٹ میں سلطان کا نام موجود نہیں ہوگا کیوں کہ اس کی شناخت کی ساری چیزیں تو یہ شخص لے آیا ہے' البتہ مردہ خانے میں سلطان کی لاش تلاش کی جاسکتی ہے۔" مینا نے جواب دیا۔

پھر مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی جو دور ہوتی چلی گئی پھر معدوم ہوگئی شاید وہ لوگ یہاں سے چلے گئے ہیں۔میں دل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ وہ لوگ سلطان کی لاش کو پہچان لیں مگر سلطان کا چہرہ کافی حد تک ناقابل شناخت ہوچکا تھا۔جب ہی تو میں نے اپنی شناخت کی ساری چیزیں اس کی جیب میں رکھ دیں' مجھے یہ بھی یقین تھا کہ مجھے کوئی لینے بھی نہیں آئے گا... مگر اچانک مجھے گولی استاد کا خیال آیا کہ ٹرین کے حادثے کا سُن کر اسے سب سے پہلے میری فکر ہوئی ہوگی۔اس نے میرے موبائل پر بار بار کال کی ہوگی اور جب مجھ سے رابطہ نہیں ہوا ہوگا تو وہ جائے حادثہ پر ضرور آیا ہوگا' یہ بھی

ہوسکتا ہے کہ وہ سلطان کی ناقابل شناخت لاش کو میری لاش سمجھ کے اپنے ساتھ لے گیا ہو۔

"اف میرا خدا! اگر ایسا ہوا تو یہ لوگ سلطان کی لاش کو نہیں دیکھ پائیں گے پھر میں انہیں کس طرح سے سمجھاؤں گا... یہ تو مجھے جان سے ہی مار ڈالیں گے..." میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا' اب جو بھی ہوگا یہ تو اسی وقت ہوگا جب یہ لوگ واپس آئیں گے۔

شام کے قریب وہ لوگ واپس آگئے جابر خان کافی غصہ میں دکھائی دے رہا تھا' مجھے دیکھتے ہی پھنکار زدہ لہجے میں بولا۔

"تمہارے کہنے پر ہم نے مردہ خانے جاکر ساری ڈیڈ باڈیز کو دیکھا ہے مگر ان میں سلطان شامل نہیں ہے' اب تم سچ سچ بتادو کہ تم کون ہو اور تمہارا سلطان سے کیا تعلق تھا اور تم سلطان کے بارے میں کیا اور کتنا جانتے ہو' لیکن بولنے سے پہلے اتنا یاد رکھنا اگر اب تم نے سچ نہیں بولا تو میں اس پستول کی...؟" یہ کہہ کر اس نے دوسرے شخص سے پستول تیزی سے چھینا اور

میرے اوپر تان لیا۔"اس کی ساری کی ساری گولیاں تیرے سینے میں اتاردوں گا۔ بک دے... جلدی جلدی بک... مگر صرف سچ...!" اس کے سینے سے شیر کی سی غراہٹ نکل رہی تھی۔

"میں سلطان کو نہیں جانتا۔میں تو جاوید کو جانتا ہوں اور اس سے بھی میری پہلی بار ہی ملاقات ہوئی تھی' میں اس سے بات نہیں کررہا تھا وہی مجھ سے بار بار بات کررہا تھا' وہ ہر اسٹیشن پر ٹرین سے اتر جاتا اور کھانے پینے کے لیے کچھ نہ کچھ لے آتا' اب مجھے نہیں معلوم کہ وہ سلطان تھا اور اس نے مجھ سے اپنا تعارف جاوید کہہ کر کیوں کروایا' اسی نے مجھے اپنا کراچی کا ایڈریس بھی دیا تھا کہ میں وقت ملنے پر اس کے گھر ضرور آؤں۔" میں نے صاف کہا۔

"اچھا اس نے کراچی کا کیا ایڈریس دیا تھا؟" جابر خان نے پوچھا تو میں نے ایڈریس بتادیا جو اتفاق سے میری یادداشت میں محفوظ رہ گیا۔

ایڈریس سن کر وہ تینوں ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے پھر جابر خان نے ایک گہری سانس لی اور چند لمحے کچھ سوچنے کے بعد بولا۔

"اچھا ایک آخری سوال کا جواب اور دے دو لیکن بالکل سچ... پھر ہم تمہیں یہاں سے جانے دیں گے۔"

"ہاں پوچھو' میں وعدہ کرتا ہوں بالکل سچ بتاؤں گا۔" اپنی رہائی کے بارے میں سُن کر میں نے خوش ہو کر کہا۔

"ہمیں تمہارے بیگ سے اچھی تگڑی رقم ملی ہے' تقریباً سات آٹھ لاکھ روپے' اتنی ساری رقم ٹرین میں لے کر تم کہاں جارہے تھے اور جب اتنی زیادہ رقم تمہارے پاس موجود تھی تو تم نے ایک مردہ شخص کے بٹوے پر کیوں ہاتھ صاف کیا' کیا تمہیں شک تھا کہ اس کے پرس میں زیادہ مال ہے یا اسی نے تمہیں ایسا کوئی اشارہ دیا تھا؟" جابر خان نے میری آنکھوں میں آنکھیں گاڑ کر سوال کیا۔

جابر خان کا سوال سن کر چند لمحوں کے لیے میں گڑبڑا گیا۔میں فیصلہ نہیں کرپارہا تھا کہ میں اس سے کیا کہوں پھر مجھے خیال آیا کہ یہ لوگ تو جرائم پیشہ ہیں' میں انہیں اپنی حقیقت بتا کر ان لوگوں کا ساتھ اپنا سکتا ہوں۔ہوسکتا ہے کہ میرے سلسلے میں یہ لوگ ہی میری کوئی مدد کرسکیں' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

قدرت نے ان ہی کے ذریعے میری مدد کا انتظام کیا ہو اور مجھے ان تک پہنچادیا ہو۔

"کیا سوچ رہے ہو' کیا کوئی نئی جھوٹی کہانی اپنے ذہن میں بنارہا ہے' یاد رکھ تُو نے سچ بولنے کا وعدہ کیا ہے۔" جابر خان نے کہا۔

میں سچ بولنے کا فیصلہ کرچکا تھا' اس لیے ایک ایک گہری سانس لیتے ہوئے بہت ساری ہَوا اپنے پھیپھڑوں میں اتاری اور گلا کھنکھارتے ہوئے بولا۔

"ابھی تک میں نے تم سے صرف سچ ہی بولا ہے اور اب جو کچھ کہنے جارہا ہوں وہ بھی سچ ہے۔اب یہ تمہاری مرضی ہے تم یقین کرو یا نہ کرو' اگر مجھے مارنا چاہتے ہو تو مار ڈالو... میرا پورا خاندان ظالموں نے ختم کردیا سوائے میرے کوئی بھی نہیں بچا ہے' اچھا ہے میں بھی مرجاؤں تو مجھے اپنے غموں سے نجات مل جائے گی۔بس ایک بات کی حسرت رہ جائے گی کہ میں ان ظالموں سے اپنے پیاروں کا انتقام نہ لے سکا اور انہیں دنیا میں زندہ سلامت چھوڑ کر خود مررہا ہوں۔"

"کیا مطلب ہے... کون ہو تم...؟ اپنے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔" مینا اور جابر خان نے ایک ساتھ سوال کیا۔

"میں ایبٹ آباد کا رہنے والا ہوں اور میرا نام ڈاکٹر شاہ زمان ہے' میں پنڈی کے ایک پرائیوٹ اسپتال میں جاب کرتا تھا اور شام کو ایک کلینک میں بیٹھتا تھا۔پنڈی میں' میں فلیٹ میں رہتا تھا...!"

پھر میں نے اپنی ساری داستان انہیں سنادی اور یہ بھی کہ میں نے جاوید کا چہرہ بگڑا ہوا دیکھنے کے بعد اس کی جیب سے اس کا پرس نکال کر اپنا پرس اس کی جیب میں اپنی شناخت بدلنے کے لیے رکھا تھا تاکہ لوگ مجھے مردہ سمجھ کر مجھے بھول جائیں اور میری جانب سے بے فکر ہوجائیں' تاکہ ان کی بے خبری کا فائدہ اٹھاکر میں ان سے انتقام لے سکوں۔"

"ابے ڈاکٹر! تیری دشمنی تو بڑی ہائی کلاس کے لیول کی ہے کیوں بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال رہا ہے۔" میں بات کرکے خاموش ہوا تو جابر نے کہا۔

"کیا تم لوگ میرا ساتھ دو گے' میں اس دنیا میں بالکل اکیلا ہوں۔" میرا ایک بچپن کا دوست ہے گولی استاد! وہ مجھے ایک سیاسی جماعت کے اعلیٰ ورکر کے

پاس کراچی بھیج رہا تھا' یہ سیاسی جماعت سردار شیر افضل کی مخالف سیاسی جماعت ہے' اس نے کہا تھا یہ لوگ ضرور میری مدد کریں گے۔"

"یہ تمہاری بھول ہے پیارے سالے یہ سیاسی لیڈر کسی کی مدد کیا کریں گے' یہ صرف اپنا کام نکالنا جانتے ہیں' کسی دوسرے کے کام نہیں آتے اور ہم تمہاری مدد...!" اتنا کہہ کے وہ خاموش ہوگیا پھر بولا۔"ہم تمہارے بیان کی تصدیق ضرور کریں گے اگر ہمیں تمہاری سچائی کے ثبوت مل گئے تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔"

"ہاں ہاں بالکل... تم ضرور میرے بارے میں تصدیق کرسکتے ہو بلکہ تم ایسا کرو کہ اپنے موبائل سے میری ایک تصویر لے لو اور اسپتال میں کسی وارڈ بوائے یا نرس کو دکھا کر میرے بارے میں پوچھ سکتے ہو' چاہو تو ایبٹ آباد میرے پتے پر جاکے بھی میری بات کی تصدیق کرسکتے ہو۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"ٹھیک ہے پیارے' ابھی تمہیں ایک روز اور یہاں گزارنا ہوگا' ہم ابھی تھوڑی دیر میں تمہارے کھانے کا سامان تمہیں دے جائیں گے۔اب کل ہی ملاقات ہوگی اور تمہارا قصہ بھی آر یا پار ہوجائے گا۔" جابر خان نے کہا۔

"ٹھیک ہے!" میں نے مطمئن لہجے میں جواب دیا اور سکون کا سانس لیا۔

وہ لوگ چلے گئے اور تھوڑی دیر بعد ایک شاپر میرے حوالے کرتے ہوئے کہا اس میں کھانا پانی اور چائے ہے' برتنوں کی ٹرے بھی مجھے دے دی اور جاتے جاتے جابر خان نے اپنے موبائل سے میری کئی تصاویر اتار لیں۔

کمرے میں اندھیرا پھیلنے لگا تھا' مگر اس کمرے میں روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا' یہاں بجلی کا کوئی بٹن تھا ہی نہیں' یہ ایک ٹھیک ٹھاک قید خانہ تھا۔

اس سے پہلے کہ یہاں گھپ اندھیرا پھیلے اور ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہ دے' مجھے کھانا کھا لینا چاہیے' یہ سوچ کر میں نے شاپر کھولا اور کھانا نکال کر پلیٹ میں سالن ڈال لیا' کھانے میں تندور کی تین روٹیاں اور آلو قیمے کا سالن تھا۔

کھانے سے فارغ ہوکر میں ہاتھ منہ دھوکر فرش پر لیٹ گیا۔مغرب اور عشاء کی اذان کی مدھم سی آواز سنائی دی تو میں نے نمازوں کے اوقات جان لیے'

عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر میں سونے کے لیے لیٹ گیا۔میں نے اپنے آپ کو اور اپنے سارے معاملات کو اللہ کے حوالے کردیا تھا' وہ جو بھی کرے گا وہی میرے حق میں بہتر ہوگا۔

حیرت انگیز طور پر میں بہت مطمئن تھا تھوڑی دیر بعد میری آنکھ لگ گئی' رات بھر میں بہت گہری نیند سویا' آنکھ کھلی تو کمرے میں کا اجالا پھیل چکا تھا' میں نے بیٹھ کر پھر ان لوگوں کا انتظار کرنا شروع کردیا' کبھی اٹھ کر اس آٹھ بائی دس فٹ کے کمرے میں ٹہلنے لگتا۔

انتظار کرتے کرتے رات ہوگئی' کمرے میں اندھیرا چھا گیا' اب میں پریشان ہونے لگا کہ وہ لوگ کیوں نہیں آئے' بوتل میں پانی بھی ختم ہوچکا تھا' مجھے پیاس بھی لگ رہی تھی مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں؟ کس شہر میں ہوں؟ میں نے کار میں کتنی دیر سفر کیا تھا' ایبٹ آباد پنڈی یہاں سے خاصا دور ہے۔انہیں گئے ہوئے پچیس چھبیس گھنٹے گزر چکے تھے' اس ویرانے میں جہاں کسی کی آواز کوئی آہٹ کچھ بھی تو سنائی نہیں دے رہی تھی۔اچانک مجھے خیال آیا کہ یہ کوئی تہہ خانہ ہوسکتا ہے'جب ہی یہاں کوئی

آواز سنائی نہیں دیتی مگر اذان کی مدھم سی آواز سنائی دیتی ہے' اس کا مطلب ہے یہیں قریب ہی کوئی مسجد ہے۔

نماز عشاء سے فارغ ہوکر میں دوبارہ لیٹ گیا' بھوک اور پیاس دونوں ستا رہی تھیں۔ پتا نہیں کیا ٹائم ہورہا تھا جب آہٹ سے میری آنکھ کھل گئی۔

میرے کمرے کا دروازہ کھل رہا تھا' روشنی کی ایک لکیر اندر آئی پھر جابر خان اور مینا اندر آگئے' اس وقت ان کا تیسرا پستول بردار ساتھی ان کے ساتھ نہیں تھا۔

اس نے اندر آکر ٹارچ کو کمرے میں گھمایا پھر میرے اوپر روشنی کا ہالہ آیا تو میں نے بے ساختہ تیز روشنی سے گھبرا کے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

"تم جاگ رہے ہو ڈاکٹر!" اس نے پوچھا اور ٹارچ کا رخ نیچے کی جانب کردیا۔

"تمہارے آنے سے پہلے سو رہا تھا' یہ بتاؤ تم نے میرے بیان کی تصدیق کرلی اور تمہیں یقین آگیا کہ میں ڈاکٹر شاہ زمان ہوں۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں!" اس نے مختصر سا جواب دیا پھر میرے نزدیک آکر میرے قریب جھکا اور میرا بازو پکڑ کر مجھے کھڑا کرتے ہوئے بولا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"پہلے تم ہمارے ساتھ یہاں سے چلو' نہا دھوکر فریش ہوجاؤ' پھر کھانا کھانا اس کے بعد ہم اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں گے۔"

میں نے حیرت سے جابر خان کی اور مینا کی جانب دیکھا' جابر خان کا چہرہ سپاٹ تھا مگر مینا کے لب مسکرا رہے تھے اور وہ بڑی دلچسپ نگاہوں سے میری جانب دیکھ رہی تھی۔

"ایک بات کہوں دوست! تم بُرا مت ماننا' مجھے یہاں سے نکلتے ہوئے فی الحال تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھنی پڑے گی۔" جابر خان نے کمرے سے نکلنے سے پہلے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی!" میں نے کندھے اچکا کر بے پروائی سے کہا۔ "میری تسلی کے لیے یہی کافی ہے کہ تم نے مجھے دوست کہہ کر مخاطب کیا ہے' ویسے مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے ابھی بھی تمہیں مجھ پر پوری طرح بھروسہ نہیں ہوا ہے۔"

"آئی ایم سوری! مگر یہ ہماری مجبوری ہے' ہم لوگ جس فیلڈ میں ہیں وہاں اپنے ساتھیوں پر بھی مشکل سے بھروسہ ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی ہمارے ہی ساتھی ہمارے ساتھ غداری کرجاتے ہیں اور تم تو پھر بالکل نئے

ہو۔“ اس نے میری آنکھوں پر جیب سے سیاہ رنگ کی پٹی نکال کر باندھتے ہوئے کہا۔

میں اس کی بات کا مفہوم سمجھ گیا‘ ان کے دو ساتھیوں نے غداری کی اور ان میں کوئی سنی نامی شخص اور دوسرا یقینا سلطان تھا مگر میں نے اس بات کا اظہار جابر کے سامنے نہیں کیا ‘ میں اسے یہی ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ میں اان لوگوں کے بارے میں بالکل ہی انجان ہوں اور جہاں تک میرا خیال تھا یہ لوگ منشیات فروش تھے۔ہوسکتا ہے کہ اس کے علاوہ ان کے اور بھی دھندے ہوں۔

جابر میرا ہاتھ تھام کر مجھے لے جارہا تھا پھر رک کر اس نے کہا۔

”آگے سیڑھیاں ہیں۔تم اسٹیپ بائی اسٹیپ پاؤں رکھتے جاؤ۔“ جابر کے کہنے پر میں سمجھ گیا کہ میں کسی تہہ خانے میں تھا‘ اس لیے سیڑھیاں چڑھ کر ہم اوپر جارہے تھے۔

پھر ہم کسی کار میں بیٹھ گئے‘ کار مینا ڈرائیو کررہی تھی جب کہ جابر میرے ساتھ پچھلی نشست پر بیٹھا تھا۔

تقریباً دس پندرہ منٹ چلنے کے بعد مینا کی آواز سنائی دی‘ اس نے جابر سے کہا۔

”میرا خیال ہے جابر! اب ان کی آنکھوں سے پٹی کھول دو ہم مین روڈ پر آگئے ہیں۔“ تو جابر نے میری آنکھوں سے پٹی ہٹادی۔پٹی کھلنے کے بعد میں نے اپنے اردگرد دیکھا۔روڈ پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا عام لوگ بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے البتہ ایک دو کاریں یا سوزوکی ہمارے قریب سے گزر جاتیں۔

میں کھڑکی سے باہر کے مناظر دیکھ رہا تھا مگریہ سڑکیں اور یہاں کی عمارتیں سب میرے لیے انجان تھیں۔

”ہم کس جگہ پر ہیں؟“ میں نے جابر سے پوچھا۔

”کیوں؟ تمہیں یہ بات پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟“ جابر نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

”یوں ہی!“ میں نے کہا۔”میں تو روہڑی سے چلا تھا پھر کس جگہ پر آنکھ کھلی پتا نہیں۔“

"یہ حیدرآباد ہے۔" جابر نے گزشتہ لہجے میں کہا۔

"کراچی یہاں سے کتنی دور ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تین چار گھنٹے کا سفر ہے۔" جابر بولا۔

"کراچی جانا چاہتے ہو کیا؟" ڈرائیو کرتے کرتے مینا نے گردن موڑ کر پوچھا۔

"ہاں! اگر تم لوگ مجھے آزاد کردو گے تو کراچی چلا جاؤں گا لیکن اگر تم لوگ مجھے اپنے ساتھ رکھو گے تو کراچی نہیں جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

اور پھر اس سے پہلے کہ ہمارے درمیان مزید سوال و جواب ہوتے مینا نے ایک عمارت کے گیٹ کے سامنے کار کو روک دیا۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ ہم کب روڈ سے ہٹ کر قطار میں بنے بنگلوں کے سامنے آگئے۔

مینا نے ہارن بجایا تو بنگلے کا گیٹ کھل گیا۔ گیٹ پر موجود چوکیدار کے کندھے پر رائفل لٹکی ہوئی تھی۔ کار اندر آتے ہی چوکیدار نے تیزی سے گیٹ بند کردیا۔

میں مینا اور جابر کے ہمراہ کار سے نیچے اتر آیا اور ان کے ساتھ اندر کی جانب بڑھنے لگا' اندر میں نے دو اسلحہ بردار گارڈز کو دیکھا جو اندرونی دروازے کے سامنے ٹہل رہے تھے۔

کار پورچ کے ساتھ ہی ایک لان بنا ہوا تھا' وہ بنگلے کے اندرونی حصے میں ایک جانب سے دوسری جانب گشت لگا رہے تھے۔

مینا نے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر گھمایا اور دروازہ اندر کی جانب دھکیل دیا' دروازہ لاک نہیں تھا۔

ہم اندر جس کمرے میں داخل ہوئے وہ ڈرائنگ روم تھا' بہت اعلیٰ اور قیمتی فرنیچر تھا' فرش پر دبیز اور نرم کارپٹ تھا' دیواروں پر قیمتی تصاویر آویزاں تھیں اور دروازے اور کھڑکیوں پر بھاری پردے لٹکے ہوئے تھے۔

میں یہاں پہنچ کر رک گیا تو مینا نے گردن گھما کر مجھ سے کہا۔

"آؤ! رک کیوں گئے؟"

میں جھجکتے ہوئے مینا کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ جب کہ جابر وہیں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ مینا مجھے اپنے ساتھ ایک آراستہ بیڈ روم میں لے گئی اور بولی۔

"یہ سامنے واش روم ہے، تم جا کر غسل کر لو، میں تمہارے لیے ایک لباس نکال کر بیڈ پر رکھ دوں گی۔ تم اسے پہن لینا اور باہر آجانا، میں تمہارے لیے کھانا لگواتی ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ سسٹر!" میں نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"سسٹر نہیں، میرا نام مینا ہے، تم مجھے مینا کہہ کے مخاطب کر سکتے ہو۔" اس نے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"شکریہ!" میں نے پھر کہا۔

"یہ تم بار بار شکریہ کیوں کہتے ہو؟" اس نے کہا۔

"پرانی عادت ہے۔" میں نے جواب دیا۔

میری بات سن کر مسکراتی ہوئی وہ پلٹ کر جانے لگی مگر پھر رکی اور مڑتے ہوئے بولی۔

"آج شام کو باس آرہے ہیں، شام کو ان سے تمہاری ملاقات ہے۔ اب وہی تمہارے بارے میں فیصلہ کریں گے۔"

"وہ کون ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"تمہیں خود ہی پتا چل جائے گا۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے پلٹ گئی۔

اور میں سوچنے لگا کہ اس نے ایسا کیوں کیا، کہیں ان لوگوں کا تعلق سردار شیر افضل سے تو نہیں... یہ سوچ کر میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ پھر خیال آیا اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگ مجھے اس طرح یہاں نہ لاتے اور میرے ساتھ یہ سلوک نہ کرتے بلکہ سردار افضل کے حکم پر مجھے وہیں گولی مار دیتے، نہ جانے کیوں میں بار بار اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا مجھے بہادر بننا ہے، میں ایک پٹھان ہوں۔ میری رگوں میں ایک غیور ماں اور بہادر باپ کا خون دوڑ رہا ہے، بھلے میں نے اپنا وقت پڑھائی میں گزارہ ہے، لڑائی بھڑائی سے ہمیشہ دور رہا ہوں۔ میرے ہاتھوں میں اسلحہ کے بجائے نشتر تھا وہ بھی ایسا جو زخموں کا علاج کرتا ہے مگر اب جو کچھ میرے ساتھ ہوا ہے تو وقت نے میرے ڈاکٹر کو کہیں سلا دیا ہے، میں ایک آہنی اور فولادی انسان ہوں، جس کی رگ رگ میں انتقام کی آگ خون کے ساتھ گردش کر رہی ہے۔

میں نے اپنی جوانی بہت پاکیزہ اور صاف ستھری گزاری ہے، دیکھنے میں بھی ایک وجیہہ اور خوب صورت جوان ہوں۔ چھ فٹ اور تین انچ میرا قد ہے،

مضبوط جسم، چوڑا سینہ اور بھرے بھرے بازو تھے۔رنگ سرخ سفید، براؤن آنکھیں اور براؤن بال ہیں۔صنف نازک کے لیے میرے اندر بے پناہ کشش ہے، میڈیکل کالج میں بھی کتنی ہی لڑکیوں نے میری رفاقت چاہی مگر میں اپنے بابا اور اماں کا سپنا پورا کرنا چاہتا تھا اگرلڑکیوں کے چکر میں پڑ جاتا تو صرف اسی مشغلے کا رہ جاتا۔

پھر ملاقات مہوش سے ہوگئی، وہ اپنی تمام تر محبتوں کی شدتوں کے ساتھ میری جانب بڑھی۔میں نے بار بار اسے نظر انداز کیا مگر اس کے پائے استقامت میں کوئی کمی نہیں آئی، وہ میرے نظر انداز کرنے کو نظر انداز کرتی رہی۔

اور پھر وہ جیت گئی اور میں ہار گیا۔آخر کب تک میں بھی اپنے دل میں موجود محبت کے جراثیموں کو سلاتا رہتا۔میں نے اس کی محبت کو قبول کرلیا، اس وقت میڈیکل کا میرا آخری سال تھا۔ہماری محبت پروان چڑھتی رہی، حالاں کہ میری اور اس کی کلاس میں بہت فرق تھا، میں نے بارہا اس بات کا احساس اسے کرایا مگر وہ ہربار یہی کہتی کہ اس کے پاپا اسے بے حد چاہتے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ہیں، اسے یاد نہیں کہ انہوں نے کبھی اس کی کسی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی فرمائش کو ٹھکرایا ہو اور پھر یہ تو اس کی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ ہے۔اس کی زندگی بھر کی خوشیوں کا سوال ہے۔پاپا کیسے اس کی یہ بات نہیں مانیں گے۔مگر وقت نے ثابت کردیا کہ مہوش کو کتنی غلط فہمی تھی، ایسا بالکل بھی نہیں ہوا۔

میں نہانے کے ساتھ ساتھ یہ تمام باتیں سوچتا رہا تھا، آج کئی دنوں کے بعد غسل کیا تھا، اس لیے دیر تک نہاتا رہا۔مینا نے کہا تھا کہ دوسرا لباس وہ بیڈ پر رکھ دے گی، اس لیے میں کمر کے گرد بڑا سا تولیہ لپیٹ کر باہر آگیا۔

میری نگاہ بیڈ پر پڑی وہاں تو کوئی لباس نہیں تھا، میں پلٹ کر دوبارہ باتھ روم جانے لگا تب ہی مینا دروازہ کھول کر اندر آگئی، اس کے ہاتھ میں ہینگر میں ایک شلوار قمیص کا سوٹ تھا۔

”یہ لو بھئی! تمہارے لیے شلوار سوٹ منتخب کرکے لائی ہوں، دراصل تمہارا ناپ...!“ اس نے اندر آتے ہی کہا مگر میرے اوپر نگاہ پڑی تو اس کی

زبان کو ایک دم بریک سا لگ گیا... وہ چند لمحوں تک ایک ٹک مجھے تکتی رہی۔

مجھے شرم سی آنے لگی۔اس حالت میں ایک اجنبی عورت کے سامنے کھڑا رہنا مجھے بہت بُرا لگ رہا تھا‘ میں پلٹ کر باتھ روم جانے لگا تو وہ بولی۔

”رکو...!“ تو میں رک گیا۔

وہ میرے نزدیک آئی اور میرا جائزہ لیتے ہوئے پر ستائش لہجے میں بولی۔

”واؤ...! یو آر ویری اسمارٹ اینڈ ہینڈسم! بڑی ڈیشنگ پرسنالٹی ہے تمہاری۔“

”اس حالت میں،میں تمہیں ڈیشنگ دکھائی دے رہا ہوں۔“ میں نے بُری طرح جھینپ کر کہا۔

”ہوں...! ساری اصلیت دکھائی دے رہی ہے۔“ اس نے شرارت آمیز لہجے میں کہا تو میں نے اس کے ہاتھوں سے جھٹ کپڑے جھپٹ لیے اور تیزی سے باتھ روم میں داخل ہو کر دروازہ بند کرلیا۔

میں کپڑے پہن کر باہر آیا تو وہ اسی جگہ کھڑی تھی‘ وہ ایک بار پھر میرا جائزہ پُرشوق نگاہوں سے لینے لگی۔

مینا کی یہ نگاہیں میرے لیے اجنبی نہیں تھیں‘ میرا بار بار ایسی نگاہوں سے واسطہ پڑا تھا‘ بقول مہوش کے کہ ”تمہارے مریضوں میں زیادہ تعداد لڑکیوں کی ہوتی ہے‘ جو صرف تمہاری خوب صورتی کی وجہ سے تمہارے کلینک آتی ہیں۔“ اور میں ہنس کر کہتا۔”جیلس ہورہی ہو۔“

میں نے کمرے میں موجود ڈریسر کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنائے‘ شلوار اور قمیص میرے جسم پر چھوٹی تھی‘ شلوار تو ٹخنوں سے بھی اونچی تھی۔

”تمہارے ناپ کا کوئی لباس نہیں تھا‘ فی الحال اسی پر گزارہ کرو‘ دوسرا بھی آجائے گا۔“

”تم میرا لباس دُھلوا دینا‘ میں وہی پہن لوں گا۔“ میں نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا پھر وہ مجھے اپنے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر لے گئی وہاں کھانا رکھا تھا‘ صرف روٹی اور سالن تھا۔

میں نے جتنی دیر کھانا کھایا مینا میرے ساتھ ہی بیٹھی رہی‘ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی‘ کھانے کے بعد اس نے کسی کو آواز دے کر کہا کہ چائے ڈرائنگ روم میں لے آؤ۔

ہم ڈرائنگ روم میں آئے تو جابر فون پر کسی سے بات کررہا تھا' ہمیں دیکھ کر اس نے فون بند کردیا اور مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"تو تم سردار شیر افضل اور شیر زادہ خٹک سے انتقام لینا چاہتے ہو۔" اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ میں کھڑے کھڑے پسینے میں نہا گیا۔

یکایک مجھے اپنے اوپر مینا کی مہربانیاں کھلنے لگیں۔میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ مجھ پر اتنے مہربان کیوں ہو رہے ہیں۔بھئی اگر میری ذات انہیں شک و شبے سے بالا تر لگی ہے تو مجھے آزاد کردیں اور جانے دیں' جہاں بھی جاؤں یہ میری مرضی ہے لیکن اس ٹھکانے سے جہاں انہوں نے مجھے قید کر رکھا تھامیری آنکھوں پٹی باندھ کر پر لائے تھے میں اس جگہ کو پہچان نہ سکوں لیکن اپنے اس دوسرے ٹھکانے پر مجھے آنکھوں سے پٹی کھول کر لے آئے مجھے غسل کرا کے صاف ستھرا لباس پہننے کے لیے دیا' کھانا کھلایا اور اب جابر مجھ سے کچھ باتیں کرنے والا ہے۔آخر وہ مجھ سے کیا بات کرنا چاہتا ہے۔ میں شش و پنج کی کیفیت میں مینا کے ساتھ ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا اور مجھے دیکھتے ہی اس نے ایسی بات کہی کہ میں کھڑے کھڑے پسینے میں نہا گیا

اور لمحہ بھر میں ہی مجھے بڑے عجیب عجیب سے خیالات آنے لگے۔اس نے مجھے تیز نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"تو تم سردار شیر افضل خان سے اپنے گھر والوں کی موت کا انتقام لینا چاہتے ہو۔" اس کے لہجے میں نہ جانے ایسا کیا تھا کہ میں فوری طور پر کوئی جواب نہ دے سکا۔

"گھبرا کیوں گئے' آؤ بیٹھو!" میرے چہرے پر سراسیمگی کی کیفیت سے اس نے میری گھبراہٹ کا اندازہ کرتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو میں اس کے نزدیک ہی صوفے پر بیٹھ گیا مینا بھی میرے قریب بیٹھ گئی۔

تب جابر خان بولا۔

"ہم نے تمہارے بارے میں ساری معلومات کروالی ہیں۔تم نے اپنے بارے میں ساری باتیں بالکل سچ بتائی تھیں۔مگر تم ایک بات بتانا بھول گئے۔"

"وہ کیا؟" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔میں یہ سمجھ رہا تھا کہ اسے میری اور مہوش کی محبت اور تعلقات کا علم ہو گیا ہے اور یہی بات میں نے اسے نہیں بتائی تھی۔یہ بات اسے بتانی ضروری بھی نہیں تھی۔مہوش کو میں اس وقت

تک کے لیے بالکل بھول جانا چاہتا تھا جب تک میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوجاتا اور ویسے بھی اپنے ساتھ رکھ کر مجھے اسے مشکلات سے دو چار کرنا نہیں چاہتا تھا۔اگر اسے میری موت کا علم ہوجائے گا تو چند دن میری موت کا سوگ منائے گی اور پھر اپنے باپ کے کہنے پر اپنے جیسے کسی انسان سے شادی کر کے گھر بسالے گی۔جو اسے ایک پُر آسائش زندگی مہیا کردے گا‘ میرے صبر کا امتحان ختم ہونے میں تو نہ جانے کتنا عرصہ لگ جائے گا۔

”تم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ انسپکٹر خالق نے اخبارات میں تمہارے بارے میں یہ خبر شائع کرائی ہے کہ تم نے اپنے بوڑھے باپ کو قتل کر ڈالا اور جوان بہن کو بھی کسی کے ساتھ بد کاری کے شبے میں قتل کر ڈالا اور اب پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔“ جابر خان نے کہا۔

”اچھا...!“ میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔”یہ بات تمہیں نہ بتانے کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ بات میرے ذہن سے نکل گئی ہو‘ اپنے آپ کو مردہ ظاہر کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ پولیس بھی یہ سوچ

کر میری تلاش ختم کر کے کیس کو دفتر فائل کردے کہ مشتبہ ملزم مر چکا ہے۔“

”چلو ٹھیک ہے‘ میں نے تمہارے بارے میں ”باس“ کو بتایا تھا۔تو انہوں نے یہی کہا ہے کہ وہ خود تم سے ملنا چاہتے ہیں۔وہ کراچی پہنچ چکے ہیں اور ہمیں ان سے ملنے کے لیے کراچی جانا ہوگا۔“ جابر نے کہا۔

”جو تم مناسب سمجھو‘ مجھے باس سے ملنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ میں نے آمادگی ظاہر کی۔

”ارے ہاں ایک بات کی معذرت کرنا تو میں بھول گیا۔“ جابر نے اچانک کچھ یاد آجانے پر کہا۔

”کس بات کی معذرت؟“ میں نے پوچھا۔

”یہی کہ ہم لوگوں نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا‘ تمہیں مارا پیٹا بھی اور قید میں بھی رکھا لیکن یار تم سمجھ سکتے ہو کہ ایسا کرنا ضروری تھا۔تمہارے پاس ہمارے ایک ساتھی کا پرس ملا اور پھر وہ بھی غائب ہے تو ہمارے لیے تو تم مشتبہ ہی تھے۔“

"نہیں جابر اس میں معذرت کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔تم نے وہی کچھ کیا جو ان حالات میں تمہیں کرنا چاہیے تھا لیکن یہ اچھی بات ہے کہ تم نے میرے بارے میں ساری تحقیقات کرلیں اب تم مجھ پر اور میں تم پر بھروسا کرسکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میرا خیال ہے صبح ہونے میں تھوڑی دیر ہی باقی ہے اب ہمیں آرام کرنا چاہیے۔تاکہ فریش ہو کر ہم کراچی کے لیے روانہ ہوسکیں۔" مینا نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے شاہ زمان تمہیں مینا تمہارا کمرہ دکھادے گی۔بہتر یہی ہے کہ تم بھی تھوڑی نیند لے لو۔" جابر خان نے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں جابر۔" میں نے بھی کھڑے ہوکے کہا۔

"ہاں بولو!" جابر خان نے اپنی سرخ سرخ آنکھیں میرے چہرے پر گاڑتے ہوئے کہا' اس شخص جابر خان کے چہرے پر بے پناہ سختی تھی وہ ایک عام بات بھی کرتا تھا تو اس کا چہرہ تناؤ کا شکار ہوجاتا تھا۔میری بات سن کر بھی لمحہ بھر کو اس کا چہرہ تن سا گیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"اب جب کہ میں نے دنیا کو یہ دھوکا دے ہی دیا ہے کہ میں مر چکا ہوں تو میرا نام بھی تبدیل ہوجانا چاہیے۔میں مرگیا تو یہ نام بھی مرجانا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو' تم ہی بتاؤ کہ تمہارا نیا نام کیا ہونا چاہیے۔" جابر خان نے دلچسپی سے کہا۔

"میرے خیال میں تمہاری پرسنالٹی پر شمروز خان سوٹ کرے گا۔" مینا نے کہا اور میری جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی جیسے پوچھ رہی ہو' تمہارا کیا خیال ہے۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے ہامی بھری۔"ایک بات بتاؤں' میرے دادا کا نام شمروز خان تھا۔"

"واہ! کیا بات ہے' زندہ پوتا مردہ ہوگیا اور مردہ دادا زندہ ہوگیا۔" جابر نے قہقہہ لگایا اور میں اسے ہنستے ہوئے دیکھنے لگا۔

"کیا ہوا؟" مجھے اس طرح دیکھتے ہوئے پا کر جابر خان نے پوچھا۔

"میں نے تمہیں پہلی بار ہنستے ہوئے دیکھا ہے' اچھے لگ رہے ہو' کبھی کبھی یوں ہی ہنس لیا کرو۔" میں نے کہا۔

"ہماری لائف بھی کیا ہے یہاں ہنسنے اور انجوائے کرنے کے مواقع کم ہی ملتے ہیں روزانہ ہر وقت ایک نئی ٹینشن ہماری منتظر رہتی ہے۔" جابر خان نے سنجیدگی سے کہا پھر بولا۔

"ارے ہاں میں ایک بڑی اہم بات بتانا بھول ہی گیا اور وہ یہ کہ میں نے روہڑی میں موجود اپنے ایک ساتھی سے کہا تھا کہ وہ اسپتال کے مردہ خانے میں ڈاکٹر شاہ زمان کی لاش کو دیکھے اور اس کے چہرے میں سلطان کا عکس تلاش کرے اگر وہ سلطان ہی ہو تو ہمیں بتائے اور یہ بھی دیکھے کہ لاش وصول کرنے کے لیے کوئی آیا ہے یا نہیں۔ میرا ساتھی یہ وہی تھا جس کے ساتھ تم کار میں سوار ہوئے تھے۔ دلشاد نام ہے اس کا' اس نے بتایا کہ جب وہ اسپتال پہنچا تو اسے پتا چلا کہ ڈاکٹر شاہ زمان کی ڈیڈ باڈی ایک شخص وصول کر کے اپنے ساتھ لے گیا ہے' اس کا نام ذوالفقار تھا۔ نتھیا گلی سے آیا تھا اور

مزیدار دو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اپنے آپ کو ڈاکٹر کا دوست بتا رہا تھا۔ اس لیے وہ سلطان کی لاش کو نہیں دیکھ سکا۔ یہ بتاؤ کہ نتھیا گلی میں تمہارا کوئی ذوالفقار نامی دوست رہتا ہے کیا؟"

"اچھا تو گولی استاد اس لاش کو وصول کر کے لے گیا۔ گولی استاد کا اصل نام ذوالفقار ہی ہے۔ بہت ہی اچھا انسان ہے۔ اس نے اس برے وقت میں میری بڑی مدد کی ہے' زندگی نے کبھی موقع دیا تو میں اس کا یہ احسان اتارنے کی ضرور کوشش کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے تم اپنے دوست کی یہ غلط فہمی دور کرو گے یا نہیں کہ تم مرے نہیں بلکہ زندہ ہو۔" جابر خان نے کہا۔

"اگر میں سیدھا کراچی پہنچ جاتا تو ضرور گولی استاد کو اپنے زندہ ہونے کی خبر دیتا مگر اب جب کہ مجھے تم لوگوں کا ساتھ مل گیا ہے تو میں اس سے کوئی رابطہ نہیں کروں گا۔" میں نے صاف صاف جواب دیا۔

"تم نے بڑی عقل مندی کی بات کی ہے فی الحال کسی کو بھی اپنے بارے میں کوئی اطلاع دینے کی ضرورت نہیں ہے' ہم تمہارا حلیہ بھی بدل دیں گے۔ نئے نام کے ساتھ تم ایک نئی شناخت کے ساتھ زندگی گزارو گے اور اپنے دشمنوں

سے بھی انتقام لے سکو گے۔" جابر خان نے توصیفی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور قدرے نرم لہجے میں کہا۔

"بھئی مجھے تو بڑے زور کی نیند آرہی ہے اب سونے کی کرو، باقی باتیں صبح کرلینا۔" مینا نے ایک زور دار انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں چلو...!" یہ کہہ کر جابر خان کسی اور کمرے کی جانب چلا گیا اور مینا مجھے اپنے ساتھ اس بیڈ روم میں لے آئی جہاں واش روم میں میں نے غسل کیا تھا۔

وہ دھپ سے بیڈ پر بیٹھی اور بیڈ پر ہاتھ مار کر بولی۔

"آؤ لیٹ جاؤ۔"

"میں یہاں لیٹوں گا اور تم...؟" میں نے چونک کر کہا۔

"اگر تم کہو تو میں بھی یہیں لیٹ جاؤں۔" اس نے شوخی سے کہا۔

"سوری مینا، مجھے تنہا سونے کی عادت ہے۔" میں نے خاصے خشک لہجے میں کہا۔

"بڑے پارسا ہو۔" اس نے ترچھی نگاہیں کر کے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"جو تم سمجھو، میں ابھی تک کسی بھی عورت کی تاریخ و جغرافیہ سے ناواقف ہوں۔" میں نے سابقہ لہجے میں کہا۔

"ارے بابا مذاق کر رہی تھی ویسے تم ہو بہت زبردست، دل تو یہی چاہ رہا ہے کہ تمہارے ساتھ ہی سو جاؤں مگر جابر خان کی موجودگی میں یہ ناممکن ہے۔وہ مجھے جان سے مار دے گا۔" مینا نے کہا اور اٹھ کر چلی گئی جاتے جاتے وہ مجھے مڑ مڑ کر دیکھتی جا رہی تھی۔اس کے جانے کے بعد میں نے دروازہ بند کیا اور بیڈ پر ٹانگیں پھیلا کر لیٹ گیا۔بہت دنوں کے بعد فوم کے نرم گدے پر لیٹنے کا موقع ملا تھا ورنہ میں تو کب سے اپنے فلیٹ سے نکلا ہوا تھا۔آج اس بیڈ پر لیٹا تو اپنے بیڈ روم کا بیڈ یاد آگیا۔

شمروز خان...! میں نے یہ نام زیر لب دہرایا۔آج سے میں ڈاکٹر شاہ زمان نہیں شمروز خان ہوں۔اب دنیا مجھے اس نام سے پکارے گی پہچانے گی۔میں نے معزز پیشہ اختیار کیا تھا انسانیت کی خدمت کرنے کا بیڑہ اٹھایا تھا مگر اب میں جرائم پیشہ لوگوں کا ساتھی بن گیا ہوں۔پتہ نہیں کتنے اور کون کون سے جرم بھی کرنے پڑیں گے۔اب میں ایک بدمعاش بن کر زندگی گزاروں گا۔

شریف بن کر بھی دیکھ لیا۔دنیا شرافت کو بزدلی سمجھتی ہے۔میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ہمارے معاشرے میں انصاف نہیں ہے جو انصاف مانگتا ہے اسے کبھی بھی انصاف نہیں ملتا یہاں حق و انصاف صرف چھیننے سے ملتا ہے۔میں نے بھی کشکول توڑ ڈالا تھا۔اب میرے ہاتھ میں بارود ہوگا جو بھی میری راہ میں آئے گا میں اسے اپنے قدموں تلے روند ڈالوں گا۔رحم کس چڑیا کا نام ہے میں اپنی لغت سے اس نام ہی کو مٹا ڈالوں گا۔اب لوگ مجھے ایک وحشی درندہ کہیں گے۔میں لیٹا لیٹا یہ باتیں سوچ رہا تھا۔اور میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہوتی جا رہی تھی۔ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میری رگ رگ میں لہو نہیں آگ بھری ہوئی ہے۔میرے سر کی رگیں تن گئیں، کنپٹیوں میں درد ہونے لگا۔میں نے محسوس کیا کہ میرا بلڈ پریشر بڑھ رہا ہے۔

مجھے اپنے آپ کو نارمل کرنے کی ضرورت تھی۔میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہا۔

”تم حقیقت میں شمروز نہیں ڈاکٹر شاہ زمان ہو' کول ہوجاؤ شاہ زمان' دماغ ٹھنڈا رہے تو عقل بھی باقی رہتی ہے میں نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر دیکھا پانی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کی بوتل اور گلاس رکھا تھا۔میں نے ایک گلاس پانی نکال کر گھونٹ گھونٹ کر کے پیا تو تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔پھر ان باتوں سے اپنا دھیان ہٹانے کے لیے میں مینا کے بارے میں سوچنے لگا۔مینا اندازاً تیس سال کی ایک لڑکی نما عورت تھی۔اس کا جسم بھرا بھرا اور جنس مخالف کے لیے باعث کشش تھا۔ہونٹ بھی بھرے بھرے گداز تھے۔ستواں ناک اور موٹی موٹی سیاہ آنکھیں تھیں۔رنگت گندمی تھی اور بال شولڈر کٹ تھے۔

اسپتال میں' میں نے اسے نرس کے سفید لباس میں دیکھا تھا۔تو کیا وہ پیشے کے لحاظ سے ایک نرس ہے اور روہڑی کے اسپتال میں جاب کرتی ہے یا کوئی اور چکر تھا۔وہ جرائم پیشہ گروہ سے تعلق رکھتی ہے خاصی بے باک ہے میرے ساتھ فری ہونے میں اس نے زیادہ دیر نہیں لگائی۔جابر خان نے اس کے تعلقات کسی حد تک اور کس نوعیت کے ہیں یہ بات رفتہ رفتہ پتہ چل جائے گی۔میں ان لوگوں کا اعتماد حاصل کر کے ان کے ساتھ رہوں گا تو ہر بات کا علم ہو ہی جائے گا۔ساری الجھنیں سلجھ جائیں گی ساری گرہیں بھی کھل جائیں گی مگر مینا کے پر کشش شباب کو دیکھ کر بھی میرے دل میں کوئی جذبہ

نہیں جاگا نہ میرے جوان جسم نے مجھے کوئی سگنل دیا۔مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔میرا دل غم و اندوہ میں ڈوبا ہوا تھا۔ایسی ہی باتیں سوچتے سوچتے میں کب نیند کی وادی میں اتر گیا مجھے پتا نہیں چلا۔

اگلے روز دن گیارہ بجے کے قریب میں سو رہا تھا تب مجھے اپنے سینے پر کسی کی انگلیوں کی سرسراہٹ محسوس ہوئی میرا ہاتھ بے ساختہ تیزی کے ساتھ سینے پر آیا اور میں نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس چیز کو جھٹک دیا مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی سانپ یہاں سر سرا رہا ہے اور میں تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گیا تب میری نگاہ مینا پر پڑی وہ میرے بیڈ پر بیٹھی تھی اور حیرت اور غصے بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

مینا کو یہاں دیکھ کر لمحہ بھر کو جو سانپ کی دہشت میرے دل میں آئی تھی وہ نکل گئی اور میں نے اطمینان کی سانس لی اور کہا۔"اوہ! یہ تم تھیں۔"

"یہ کیا بد تمیزی تھی بالکل ہی اجڈ ہو تم۔" اس نے ناگواری سے کہا۔

"اس میں اجڈ پنے کی کیا بات ہے' میں سمجھا کہ کوئی سانپ میرے اوپر آ گیا ہے۔عجیب سی کیفیت ہو گئی تھی۔سوتے میں شاید میں نے کوئی خواب دیکھا تھا۔" میں نے اس کا غصہ دور کرنے کے لیے کہا۔

"میں تمہیں جگانے کے لیے آئی تھی ہمیں بارہ بجے تک یہاں سے نکل جانا چاہیے۔باس سے ہمیں ساڑھے پانچ بجے ملنا ہے۔انہوں نے یہی وقت دیا ہے باس وقت کی سختی سے پابندی کرتے ہیں اور اگر کوئی دوسرا پابندی نہ کرے تو وہ اسے سزا دیتے ہیں۔" مینا نے میری بات کے جواب میں کہا۔

"تمہارے باس آخر ہیں کون؟" میں نے پوچھا۔

"ملو گے تو خود ہی دیکھ لینا۔ویسے تم لکی ہو کہ اتنی جلدی اور فوری تمہیں باس سے ملاقات کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ورنہ تو لوگ ترستے ہی رہتے ہیں میری خود کافی عرصہ کے بعد باس سے ملاقات ہوئی

تھی۔" مینا نے بیڈ سے کھڑے ہو کر کہا پھر روم سے جاتے ہوئے بولی۔

"تمہارے کپڑے دھلوا کر استری کروا دیتے ہیں فی الحال تو تمہیں انہیں ہی پہننا ہوگا۔ہم کراچی تو جا رہے ہیں۔وہیں سے تمہارے لیے نئے ڈریسز کی شاپنگ بھی کریں گے۔"

"شاپنگ...!" میں نے کہا۔

"فکر نہ کرو تمہارے آٹھ لاکھ روپے ہمارے پاس محفوظ ہیں۔وہ تمہیں واپس مل جائیں گے اس کے علاوہ تمہارا موبائل بھی اور ہاں اب جلدی سے فریش ہو کر آجاؤ' ہم ناشتے کی ٹیبل پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ چھپاک سے کمرے سے نکل گئی۔

میں واش روم میں گیا تو میرے لیے ٹوتھ برش رکھا تھا۔میرے کپڑے بھی استری کیے ہینگر میں لٹکے تھے۔

میں نے غسل کیا اور شیو بھی کر لی سارا سامان یہاں موجود تھا۔میں اپنے آپ کو کافی ترو تازہ محسوس کر رہا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

باہر آیا تو جابر اور مینا ٹیبل پر ناشتے کے ساتھ میرے منتظر تھے۔ناشتے کے کافی لوازمات ٹیبل پر موجود تھے۔میں جابر کے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"کیوں نیند تو اچھی آئی؟" جابر نے پوچھا۔

"ہاں! بہت دنوں کے بعد اپنے بیڈ جیسا سونے کے لیے ملا تھا۔ورنہ فرش پر لیٹنے سے میری کمر تختہ ہوگئی تھی۔" میں نے کہا۔

"تمہارے زخم اب کیسے ہیں؟" مینا نے پوچھا۔

"پاؤں کی تکلیف تو خاصی کم ہے البتہ ہاتھ میں ابھی درد ہے میں کہہ رہا تھا ناں کہ زخم گہرا ہے یہاں ٹانکے لگنے چاہیں اگر ٹانکے لگ جاتے تو جلدی اچھا ہوجاتا اور پھر میڈیسن بھی نہیں لیں۔" میں نے زخم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم ایسا کرو کہ جو میڈیسن تمیں چاہیں وہ راستے میں لے لینا تاکہ تم جلدی صحت یاب ہوسکو۔" جابر نے کہا۔

"ہاں میڈیسن کی ضرورت تو ہے ورنہ زخم بگڑ جائے گا بلکہ یہ بگڑ رہا ہے۔" میں نے کہا اور چائے کا کپ اٹھا کے منہ سے لگا لیا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر ہم تینوں اس کار میں بیٹھ گئے جس میں آئے تھے۔اس مرتبہ ڈرائیونگ سیٹ جابر نے سنبھال لی۔میں جابر کے برابر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا اور مینا نے پچھلی نشست سنبھال لی۔

”تمہیں ڈرائیونگ آتی ہے؟“ جابر نے سوال کیا۔

”ہاں آتی ہے۔میرے پاس ایک پرانی سوزوکی کار تھی جو میں گولی استاد کو دے آیا تھا۔شاید وہ اس کار کی رقم تھی جو زبردستی گولی استاد نے مجھے دی تھی۔“ میں نے کہا۔

”اچھی بات ہے ورنہ تمہیں ڈرائیونگ بھی سکھانی پڑتی ویسے تو تمہاری ٹھیک ٹھاک ٹریننگ ہوگی یہ بتاؤ لڑائی بھڑائی کرلیتے ہو۔“ جابر خان نے ونڈ اسکرین سے نگاہیں ہٹا کر ایک نظر میرے اوپر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

”میری کس چیز کی ٹریننگ ہوگی اسلحہ چلانا میں جانتا ہوں۔رہی لڑائی بھڑائی تو اس سے بچپن سے ہی بابا نے مجھے دور ہی رکھا ویسے وقت پڑنے پر ہاتھ پاؤں چلا سکتا ہوں۔“ میں نے کہا۔

”خالی ہاتھ پاؤں چلانے سے کام نہیں چلتا۔تمہیں ہر کام کی ٹریننگ حاصل کرنی ہوگی۔میں خود بھی تمام فنون سے واقف ہوں اور تو اور ہماری مینا سے دو دو ہاتھ کر کے دیکھو۔منٹوں میں تمہیں زمین چٹا دے گی۔“ جابر نے گردن موڑ کر مینا کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا اور ساتھ ہی ایک میڈیکل اسٹور پر کار روک لی۔

میں کار سے اترا تو مینا بھی میرے ساتھ اتر آئی۔وہ مجھ سے چپک کر چل رہی تھی۔میڈکل اسٹور سے میں نے اپنی مطلوبہ دوائیں لیں۔مینا نے منرل واٹر کی بوتلیں اور کچھ بسکٹ کے پیکٹ لیے پھر سب چیزوں کے پیسے بھی اسی نے دیے کیونکہ میری جیب تو خالی تھی۔ہم واپس کار میں آ کے بیٹھ گئے میں نے دوائیں کھائیں اور جابر سے کہا میں زخم کی پٹی کرنا چاہتا ہوں تو جابر نے کہا تم پچھلی نشست پر چلے جاؤ مینا ڈریسنگ کرنے میں تمہاری مدد کرے گی۔

میں پچھلی نشست پر آگیا تو جابر نے دوبارہ کار اسٹارٹ کردی میں نے مینا کی مدد سے زخم کو اچھی طرح سے صاف کیا۔اور میڈیکل اسٹور سے لائی ہوئی دوا زخم پر لگا کے دوسری صاف پٹی باندھ لی۔

تقریباً ساڑھے تین گھنٹے کے سفر کے بعد ہم کراچی کی حدود میں داخل ہو گئے مینا اور جابر مجھے کراچی کی بلند ترین اور مشہور عمارات کے بارے میں بتاتے جا رہے تھے۔

میں کراچی میں پہلی بار آیا تھا۔یہاں کی ہر جگہ میرے لیے بالکل ہی انجان تھی۔

"ہم کس جگہ جا رہے ہیں؟" میں نے علاقے کا نام پوچھا۔

"کلفٹن! یہاں باس کی کوٹھی ہے۔" جابر نے جواب دیا۔

"تمہیں پتا ہے کراچی میں سمندر بھی ہے تم نے کبھی سمندر دیکھا ہے۔" مینا نے پوچھا۔

"نہیں! میں کبھی کراچی نہیں آیا تو دیکھتا کیسے' سوچا تھا کہ کبھی فرصت ملی تو کراچی جاؤں گا۔شادی ہوجائے گی تو بیوی کو لے کر جاؤں گا' مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ قسمت مجھے یہاں لے کر تو آئے گی مگر حالات اتنے زیادہ مختلف ہوں گے۔" میں نے دکھی لہجے میں کہا۔

"اب تم اداس ہونا چھوڑ دو' آگے کی سوچو ابھی تم نے بہت بڑے بڑے کام کرتے ہیں۔اپنے دل و دماغ سے ہر دکھ' ہر غم کو مٹا ڈالو ایک مضبوط اور فولادی شمروز خان بنو۔شمروز خان کا دوسرا نام فولاد ہونا چاہیے۔" جابر خان نے کہا۔

"شکریہ دوست تم میری حوصلہ افزائی کر رہے ہو' تمہارا ساتھ رہا تو میں اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوجاؤں گا۔مگر ابھی دلی دور ہے۔" میں نے ممنونیت کے گہرے جذبے کے ساتھ کہا تو مینا مسکراتی ہوئی نگاہوں سے میری جانب ایسے دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو میں تو دل و جان سے تمہاری ہوں اور ہر وقت تمہارے ساتھ ہوں۔میں بھی جواباً مسکرانے لگا تو اس نے سیٹ پر رکھے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور دیر تک رکھے رکھا۔میں فوری طور پر ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا کہ جابر خان ہماری جانب متوجہ ہو۔میں دیکھ اور سن چکا تھا وہ مینا میں انٹرسٹڈ ہے۔اس لیے تھوڑی دیر بعد آہستہ سے غیر محسوس طریقے سے اپناہاتھ اس کے ہاتھ سے نیچے سے نکال لیا اور گود میں رکھ لیا اور آنکھیں موند کر سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکا دیا۔

کار ایک جھٹکے سے رکی تو میں نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ہم ایک بہت شاندار کوٹھی کے سامنے کھڑے تھے۔اتنی بڑی اور شاندار کوٹھی پنڈی میں‘ میں نے ایک سیاسی جماعت کے لیڈر کی دیکھی تھی۔

جابر خان نے زور زور سے ہارن بجایا تو بغلی گیٹ کے ساتھ لگی ایک چھوٹی سی کھڑکی کھلی اور گارڈ نے جھانکا پھر چھوٹا گیٹ کھول کر باہر نکل آیا اسلحہ اس کے کندھے سے لٹک رہا تھا۔وہ کار کے نزدیک آیا اور ڈرائیونگ سیٹ کی کھڑکی سے جھانک کر جابر سے بولا۔

”صاحب سے ملاقات کا ٹائم لیا ہے؟“

”ہاں ساڑھے پانچ بجے ہماری میٹنگ طے ہے ان کے ساتھ۔“ جابر نے سخت لہجے میں کہا۔

”تم ایک منٹ ابھی ادھر رکو‘ ہم معلومات کر کے آتا ہے۔“ یہ کہہ کر وہ اندر چلا گیا۔

تقریباً دو تین منٹ بعد بڑا اور آہنی گیٹ کسی خود کار سسٹم کے تحت کھل گیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

جابر تیزی کے ساتھ کار کو اندر لے گیا۔جیسے ہی کار اندر آئی گیٹ خود بخود بند ہو گیا۔یہ آٹو میٹک سسٹم تھا۔وہ شخص جو ان لوگوں کا باس تھا اس کی کوٹھی میں ایسا سسٹم ہونا ہی چاہیے تھا۔جرائم پیشہ لوگ اپنی جان کی حفاظت کا پورا انتظام رکھتے ہیں۔

اندر کئی باوردی گارڈ میری نگاہ میں آئے۔کئی جگہ پوچھ گچھ کے بعد ہمیں اندر جانے دیا گیا۔پھر ہمیں ایک ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا۔مجھے وہاں بیٹھا کر جابر اور مینا اندر جا کر غائب ہوگئے اور میں تنہا بیٹھا پہلے تو ڈرائنگ روم میں موجود قیمتی اور نایاب ڈیکوریشن پیس کا جائزہ لیتا رہا پھر ٹیبل پر رکھے میگزین اٹھا کر دیکھنے لگا۔

ایک ملازمہ چائے کی ٹرالی کھینچتی ہوئی لے آئی ٹرالی میں چائے کے ساتھ ساتھ ناشتے کے کافی لوازمات اور کچھ پھل بھی رکھے تھے۔اس وقت جابر اور مینا بھی آگئے ہم تینوں نے چائے کے ساتھ اسنیکس بھی لیے میری نگاہ بار بار وال کلاک پر جا رہی تھی۔میں باس کی وقت کی پابندی دیکھنا چاہتا تھا میری وال کلاک پر اٹھتی نگاہ کو دیکھ کر جابر نے کہا۔

"تم بار بار گھڑی کیوں دیکھ رہے ہو' ابھی سوا پانچ بجے ہیں۔باس کے آنے میں پندرہ منٹ باقی ہیں۔

"ہوں!" میں نے مختصر سا جواب دیا۔میں ان دونوں سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ مجھے یہاں تنہا بٹھا کر وہ دونوں کہاں چلے گئے تھے۔مگر میں نے ان سے یہ سوال نہیں پوچھا اور انہوں نے خود بھی اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔

پانچ منٹ بعد ملازمہ دوبارہ اندر آئی اور ٹرالی واپس گھسیٹی ہوئی لے گئی۔

جیسے ہی وال کلاک نے ساڑھے پانچ بجائے ایک بہت زبردست پرسنالٹی کا حامل شخص جو ویل ڈریس تھا اندر داخل ہوا اس نے سنہری رنگ کا باریک کمانی کا چشمہ لگایا ہوا تھا اور اپنی پرسنالٹی سے وہ

کوئی "باس" قسم کی شے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

جیسے ہی وہ اندر آیا مینا اور جابر اپنی جگہ سے اٹھ کے کھڑے ہوگئے تو میں بھی ان کی دیکھا دیکھی کھڑا ہو گیا۔

ان لوگوں نے باس کو سلام کیا تو میں نے بھی کردیا۔تب باس نے سوفے پر بیٹھتے ہوئے ہمیں بھی بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔اس کے چہرے پر ایک بہت

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

مہربان مسکراہٹ تھی۔جیسے ہی باس کے چہرے پر نگاہ پڑی تو مجھے ہلکی سی شناسائی کا احساس ہوا۔میں نے اس کو کب اور کہاں دیکھا ہے یہ یاد نہیں آرہا تھا۔بعد میں اس نے خود ہی مجھے بتا دیا۔

جابر خان' مینا اور میں اس کا اشارہ پاتے ہی دوبارہ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔

"سب معاملات ٹھیک ٹھاک ہے نا جابر؟" اس نے معنی خیز لہجے میں جابر سے پوچھا۔

"یس باس! ایوری تھنگ از پر فیکٹس آل رائٹ!" اس نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"اور مینا تم...!" وہ مینا کی جانب متوجہ ہوا تمہاری نرسنگ کیسی چل رہی ہے۔وہ والا پروجیکٹ ہو گیا۔"

"یس باس! وہ کام مکمل ہو گیا ہے' جب ہی میں آپ کو یہاں دکھائی دے رہی ہوں اور یہ اتفاق ہی ہے اسپتال میں میرا ٹکراؤ ڈاکٹر شاہ زمان سے ہو گیا۔" مینا نے مسکراتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ باس کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"سلطان کا کچھ پتا چلا؟" باس اس مرتبہ جابر خان سے مخاطب تھا۔

"اس کے بارے میں ابھی کام جاری ہے۔ویسے اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چل رہا ہے۔سنی بھی غائب ہے' ایسا لگ رہا ہے جیسے ان دونوں نے مل کر غداری کی ہے۔لیکن آپ فکر نہ کریں ہم انہیں پاتال سے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔" جابر خان نے جواب دیا۔

"ہاں جابر یہ بہت ضروری ہے' سلطان کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ہمارا بہت خاص بندہ تھا۔بلکہ وہ دونوں ہی خاص تھے۔تم نے ان کے بارے میں معلوم کیا کہ پچھلے دنوں ان کے تعلقات یا ملنا جلنا کن لوگوں سے تھا۔تم نے مجھے فون پر بتایا تھا کہ سنی کے بنگلے پر پولیس نے ریڈ کی تھی۔ذرا معلوم کر کے مجھے اس انسپکٹر کا نام تو بتاؤ جو وہاں گیا تھا۔" باس نے پُر سوچ انداز میں کہا۔

"جی باس!" جابر نے آہستہ سے کہہ کر گردن جھکالی۔

میں خاموشی سے بیٹھا ان لوگوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔یہ ان لوگوں کی Confidential گفتگو تھی۔جو یہ میرے سامنے کر رہے تھے۔اس

بات کا یہی نتیجہ نکالا جا سکتا تھا کہ ان لوگوں نے مجھے اپنا ساتھی بنا لیا تھا۔اگر ایسا نہ ہوتا تو باس کبھی بھی میرے سامنے یہ سب باتیں نہیں کرتے۔

"ہاں بھئی ڈاکٹر صاحب! اب آپ سے بھی بات چیت ہوجائے۔" کچھ دیر خاموشی سے کچھ سوچنے کے بعد وہ ایک دم مجھ سے مخاطب ہوا۔جواب میں'میں نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا اور اس کی جانب دیکھنے لگا۔میں سوچ رہا تھا کہ باس مجھ سے کیا پوچھے گا۔

"ان لوگوں نے تو تمہارے بارے میں معلوم کرلیا ہے کہ تم حقیقت میں کینٹ کے اسپتال میں ملازمت کرتے تھے۔لیکن اگر میں تمہیں پہلے دیکھ لیتا تو بتا دیتا کہ تم سچ کہہ رہے ہو' شاید تمہیں یاد ہو یا شاید تمہارے ذہن سے نکل گیا ہو کیونکہ روزانہ تمہارا واسطہ مختلف پیشنٹ سے پڑتا ہے۔شاید ڈیڑھ سال پہلے میرا ایک معمولی سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور ایمرجنسی میں مجھے کینٹ اسپتال لے جایا گیا تھا جہاں تم نے ہی مجھے اٹینڈ کیا تھا۔اس لیے تمہیں دیکھتے ہی تمہاری شکل میرے ذہن میں آگئی۔" باس خاموش ہوئے تو میرے دماغ میں ایک جھماکا سا ہوا اور مجھے یاد آگیا کہ ایک مرتبہ میں رات کی ڈیوٹی پر

تھا۔ایمرجنسی وارڈ میں میری ڈیوٹی تھی۔سردیوں کی اس رات بہت زیادہ دھند تھی اور اس دھند کی وجہ سے دو گاڑیاں آپس میں ٹکرا گئی تھیں۔اس رات کچھ زخمی ایمرجنسی میں لائے گئے تھے۔ان میں ایک باس بھی تھا اور باس کا نام میں نے ذہن پر زور دیا۔پھر مجھے یاد آگیا۔اس کا نام قزلباش تھا۔

"یاد آیا؟" اس نے پوچھا۔

"جی!" میں نے مختصر سا جواب دیا۔اس وقت میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنا ڈیسنٹ دکھائی دینے والا شخص کسی جرائم پیشہ گروہ کا سرغنہ بھی ہوسکتا ہے اور کبھی میں اس طرح اس سے ملوں گا۔"

"تمہارے حالات کا جان کر ہمیں بہت افسوس ہوا لیکن کیا تمہیں اندازہ ہے کہ تم کن لوگوں سے ٹکر لینے کا سوچ رہے ہو' کیا تم ان تک پہنچ پاؤ گے۔ تمہارے پاس کس چیز کی طاقت ہے۔" باس نے کہا۔

"مجھے ان لوگوں کی طاقت کا اچھی طرح سے اندازہ ہے اور اپنا بھی... کہ میرے پاس نہ افرادی قوت ہے اور نہ ہی مالی اس لیے میں نے جابر سے کہا تھا کہ میں تم لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتا

ہوں تاکہ میں اپنی افرادی قوت کو مضبوط کرسکوں اور اگر آپ لوگ میرا ساتھ دیں گے تو میں اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوجاؤں گا۔" میں نے کہا۔

"تمہارا پلان کیا ہے؟ تم کیا کرنا چاہتے ہو۔ختم کرنا چاہتے ہو ان لوگوں کو۔" باس نے اپنی تیز نگاہیں میرے چہرے پر گاڑتے ہوئے کہا۔

"جس طرح ان لوگوں نے میرے پورے خاندان کو ختم کردیا صرف میں ہی بچا ہوں۔تڑپنے اور سسکنے کے لیے اپنے زخموں کو چاٹنے کے لیے۔" میں نے زہر خند لہجے میں کہا۔

"اس کام کے لیے تمہیں بہت جدوجہد کرنی ہوگی یہ کام کہہ دینے میں جتنا آسان ہے عملی طور پر اتنا ہی مشکل ہے لیکن تم فکر نہ کرو۔ہم تمہیں اس قابل بنائیں گے کہ تم اپنے دل کی آگ کو ٹھنڈا کرسکو۔تمہارا پورا پورا ساتھ بھی دیں گے۔لیکن یہ بتاؤ کہ تمہارے کام آنے میں ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔بھئی تم اتنا تو جانتے ہو گے کہ اس دنیا کا کاروبار کچھ دو اور کچھ لینے سے ہی چلتا ہے۔" باس نے ایک عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اس کے ہاتھ میں بجھا ہوا سگار دبا تھا۔جس سے وہ مسلسل کھیل رہا تھا۔بات ختم کر کے اس نے سگار

دوبارہ سے سلگا لیا اور گہرا کش لینے کے بعد اس کا دھواں اپنے نتھنوں سے خارج کرتے ہوئے میری جانب دیکھنے لگا۔اس کی تیز نگاہیں مجھے اپنے اندر چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔جیسے اپنی نگاہوں سے وہ میرے دل اور دماغ کے اندر اترتے ہوئے میرا جائزہ لے رہا ہو۔

”آپ کو دینے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے سوائے میرے اپنے وجود کے یہ میں آپ کے حوالے کرتا ہوں۔آپ جس طرح چاہیں اس کا استعمال کریں۔“ میں نے صاف صاف کہہ دیا۔

”سوچ لو ڈاکٹر‘ اچھی طرح سوچ لو‘ یہ تو تم جان ہی چکے ہو کہ ہمارا تعلق جرائم کی دنیا سے ہے‘ ہماراکوئی ایک کام نہیں ہے ہمارے ساتھ رہو گے تو آہستہ آہستہ ہمارے بارے میں سب کچھ جان لو گے۔تمہیں ہمارے ساتھ مل کر ہر وہ کام کرنا ہوگا جو ہم تمہیں کرنے کے لیے کہیں گے۔ہوسکتا ہے تمہیں کسی کی جان بھی لینی پڑے۔“

”میں لے لوں گا۔میں کسی کو بھی قتل کرسکتا ہوں۔“ میں نے جذباتی ہو کر بے ساختہ کہا۔

”وہ ہاتھ جو لوگوں کو آج تک زندگی دیتے رہے مسیحائی کرتے رہے جان لے سکیں گے کسی کی؟“ اس نے ہلکے سے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”ڈاکٹر شاہ زمان مر چکا ہے باس۔وہ ہاتھ جو مسیحائی کرتے تھے لوگوں کو زندگی دیتے تھے وہ دفن ہوچکے ہیں اب تو صرف شمروز خان زندہ ہے۔“ میں نے اپنی سرخ آنکھوں سے باس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”گڈ!“ باس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔پھر سوفے سے اٹھ کر مجھے کھڑے ہونے کا اشارہ کیا تو میرے ساتھ ساتھ جابر اور مینا بھی کھڑے ہوئے۔

باس نے سر تا پیر گہری نگاہوں سے جائزہ لیا میرے کندھوں اور کمر پر ہاتھ مارا پھر بولا۔

”ہاتھ پاؤں سے بہت مضبوط اور صحت مند دکھائی دیتے ہو کبھی کسی سے ہاتھا پائی کی ہے۔“

”میری زندگی میں کبھی اس بات کی نوبت ہی نہیں آئی میرا زیادہ تر وقت اپنی پڑھائی میں گزرا ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”کوئی عورت تمہاری زندگی میں آئی...؟“

"نہیں!" میں نے مہوش کے بارے میں کسی کو بھی کچھ نہ بتانے کا فیصلہ کیا اور صاف جواب دیا۔ میرا جواب سن کر اس نے ایک اونچا قہقہہ لگایا اور بولا۔

"کیا عورتوں سے الرجک ہو۔"

"ایسی بھی کوئی بات نہیں میں نے کہا ناں کہ میرا سارا وقت پڑھائی میں گزرا پھر تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں اپنے پروفیشن کے لیے وقف ہو گیا۔ میری شادی کب اور کس سے ہوگی یہ فیصلہ میں نے اپنے والدین پر چھوڑ دیا تھا۔

"گڈ' ویری گڈ' یو نو مجھے ایسے ہی مرد پسند ہیں۔ ہر طرح کی عورت پر رال ٹپکانے والے کمزور ہوتے ہیں۔ عورت بہت جلد مرد کی کمزوری بن جاتی ہے۔ اب وہ کسی بھی صورت میں ہو۔ اچھا ہے تمہارے ساتھ ایسی کوی کمزوری نہیں ہے۔" باس نے کہا۔ وہ دوبارہ سوفے پر بیٹھ گیا اور ہاتھ کے اشارے سے ہمیں بھی بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔

"ایک بات آخری بار تم پر واضح کردینا چاہتا ہوں کہ میں بار بار اپنی بات کو دہرانے کا عادی نہیں ہوں۔ میری بات ہمیشہ پہلی اور آخری ہوتی ہے۔ اس لیے کہہ رہا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ چند لمحوں کے لیے رکا پھر بولا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"ہم سے ہاتھ ملانے کے بعد ہم سے غداری کرنے کے بارے میں سوچنا بھی مت' ہم تمہارے خیر خواہ اس وقت تک ہیں جب تک تم ہمارے خیر خواہ ہو۔ ورنہ دوسری صورت میں... بندے کو چیونٹی کی طرح مسل دینا ہمارے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے یہ کراچی ہے یہاں روز بوری میں بند لاشیں ملتی ہیں کس نے مارا کیوں مرا اس سے کسی کو غرض نہیں ہوتی۔" باس نے بدلے ہوئے لہجے

اور کڑے تیور کے ساتھ کہا۔

"آپ بے فکر رہیں باس' میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں نے شریف بن کے دیکھ لیا۔ کیا دیا شرافت نے مجھے سوائے اپنوں کی جدائی اور بے بنیاد الزامات کے آج میں اپنے ہی باپ کا قاتل اور بہن کے قتل کا ملزم ٹھہرا دیا گیا۔ اب میں ان ہی کے جیسا بن کے ان ہی کی زبان میں انہیں جواب دینا چاہتا ہوں۔" میں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے آج سے تم ہمارے ساتھیوں میں شامل ہو، تمہیں وہ کام کرنا ہوگا جو ہم تمہیں کہیں گے ڈن؟" باس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ڈن!" میں نے بھی پر جوش لہجے میں کہا۔

"ہاں جابر تم ایسا کرو کہ شمروز کو ٹریننگ سینٹر لے جاؤ، وہاں یہ شمروز بننے کے سارے داؤ پیچ سیکھ لے گا۔ پھر اسے بھی کام کرنے میں آسانی ہوگی اور ہمیں کروانے میں۔" باس نے جابر سے کہا۔

"جی باس، میں سمجھ گیا۔" جابر نے تابعداری سے جواب دیا۔

پھر باس نے اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر جابر کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا۔

"یہ پیسے رکھو تمہارے کام آئیں گے۔ شمروز کو شاپنگ کرواؤ، اس کی ضرورت کی ساری چیزیں اسے لے کر دو۔ اسے گلشن والے فلیٹ میں ٹھہرا دو۔ مینا یہیں ٹھہرے گی تم حیدر آباد واپس چلے جاؤ اور اسے اس کی رقم اور سارا سامان واپس کر دینا۔"

"ٹھیک ہے باس جیسا آپ حکم کریں۔" جابر نے نوٹوں کی گڈی اٹھاتے ہوئے گردن ہلائی۔

"جابر تم ذرا میرے ساتھ آؤ مجھے تم سے ایک دو اور ضروری باتیں کرنی ہیں۔" اتنا کہہ کر باس کمرے سے نکل گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے جابر بھی چلا گیا۔ میں سمجھ گیا کہ باس کو جابر سے ضروری بات کیا کرنی ہے۔ وہ جابر کو میرے بارے میں ضروری ہدایات دے گا کہ میرے اوپر کہاں کہاں اور کس طرح نگاہ رکھنی ہے مگر پھر بھی میں نے مینا سے پوچھا۔

"باس کیا بات کرنے کے لیے گئے ہیں؟"

"مجھے کیا پتا۔" اس نے کندھوں کو اچکا کر کہا پھر بولی۔

"باس تمہیں کیسے لگے؟"

"اب کیسے بھی لگے ہوں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میری حیثیت ایک محکوم کی ہے اور ان کی حاکم کی۔" میں نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ تو مینا معنی خیز انداز میں مسکرانے لگی وہ کچھ دیر کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ مزہ آئے گا۔"

”مزہ...! کیا مطلب؟“ میں نے حیرت سے کہا۔

”اچھا چھوڑو تم زیادہ مت سوچو، وہاں تمہاری ہم دوسرے ساتھیوں سے ملاقات کروائیں گے۔“ اس نے بات کو ٹالتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد جابر واپس آگیا اور ہم باس کے اس بنگلے سے باہر نکل آئے جابر نے بتایا کہ ہم گلف جا رہے ہیں۔تب مینا نے جابر سے کہا کہ وہ صدر چلے تھوڑی دیر دونوں میں بحث ہوتی رہی آخر یہ طے یہ ہوا کہ صدر چلا جائے اور ہم صدر آگئے۔

کراچی انسانوں کا جنگل ہے۔اتنے سارے لوگ اتنی گاڑیاں ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے کراچی کے ہر بندے کے پاس ایک کار ہے۔ہر جگہ لوگ ہی لوگ ٹریفک کا شور، جگہ جگہ ٹریفک جام میں تھوڑی دیر کے لیے تو گھبرا گیا۔تب مینا نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”گھبراؤ مت، تھوڑے ہی دنوں میں تمہیں یہ سب دیکھنے کی عادت ہوجائے گی۔جو شخص کراچی میں پہلی بار آتا ہے وہ اس طرح گھبرا جاتا ہے۔

ابھی ہم ایک دوکان میں تھے کہ اچانک فائرنگ کی آوازیں آنے لگیں۔ایک بھگڈر مچ گئی۔لوگ دھڑا دھڑ دکانوں کے شٹر گرانے لگے ہم نے بھی جو کچھ خرید لیا تھا وہی کچھ لے کر لوگوں اور ٹریفک کے اژدھام میں شامل ہوگئے۔

کچھ بھی پتا نہیں چلا کہ کیا ہوا تھا۔خیریت سے گھر پہنچے تو سکون کا سانس لیا۔

”تمہیں سب سے پہلے ان چیزوں کا عادی ہونا پڑے گا۔دوسری چیزوں کی باری بعد میں آئے گی۔“ مینا نے میرے چہرے پر گھبراہٹ دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا تو جابر نے مینا کی بات کی تائید کی۔

جابر نے ایک بڑی سی بلڈنگ کے احاطے میں کار روک دی۔یہ ایک چھ منزلہ عمارت تھی۔ہم کار سے اتر کر لفٹ کے ذریعے سکس فلور پر پہنچے یہاں ایک دروازے کے سامنے رک کر جابر نے برقی گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ایک منٹ بعد ہی دروازہ کھل گیا اور ہم اندر داخل ہوگئے۔

یہ ایک لگژری فلیٹ تھا۔چار بیڈ رومز ایک ڈرائنگ اور ایک لاؤنج پر مشتمل یہ فلیٹ قیمتی فرنیچر اور دیدہ زیب آرائشی اشیاء سے مزین تھا۔

ہم ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے' کراچی کے حالات کے بارے میں باتیں ہونے لگیں۔پنڈی میں مجھے کراچی کے حالات کے بارے میں پتا تو چلتا رہتا تھا آج اس کا تجربہ بھی ہو گیا۔پھر ذرا ہی دیر میں اس فلیٹ میں رہنے والے دوسرے افراد ایک ایک کر کے وہیں آگئے۔جابر نے میرا ان سب سے تعارف کروایا۔

"یہ جعفر ہے' یہ کلیم ہے اور یہ کنیز ہے۔" یہ تینوں اس فلیٹ میں دوستوں کی طرح رہتے ہیں۔آج سے تم بھی یہیں رہو گے دوست بن کے' جعفر تمہیں ٹریننگ سینٹر لے جائے گا۔یہ تمہاری ٹریننگ میں تمہاری مدد کرے گا۔میرے یہ تینوں ساتھی پوری طرح ٹرینڈ ہیں۔تمہیں ان کا ہر کہنا ماننا ہو گا۔ہمارے وفادار ہیں اور باس کے قریبی ساتھی بھی ہیں۔مینا چند دنوں کے لیے یہیں رکے گی۔باس نے اسے یہی حکم دیا ہے۔باقی باتیں تمہیں معلوم ہوتی رہیں گی۔میں ابھی تھوڑی دیر بعد یہاں سے حیدر آباد کے لیے روانہ ہوجاؤں گا اور ہاں تم جعفر کے ساتھ جا کر بینک میں اکاؤنٹ کھلوا لینا۔میں تمہاری رقم تمہارے رقم اکاؤنٹ میں جمع کرا دوں گا۔" جابر نے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"لیکن جابر اکاؤنٹ کھلوانے کے لیے مجھے نئے شناختی کارڈ کی ضرورت ہو گی۔" میں نے کہا۔

"اوہ یس! مجھے یاد آیا باس نے تمہارے لیے کچھ مزید ہدایات دی تھیں اور وہ یہ کہ تمہیں یہ موجودہ حلیہ تبدیل کرنا ہو گا اور پھر تمہارا کارڈ بھی بن جائے گا۔" جابر نے اچانک یاد آنے پر کہا۔

"لیکن میں اپنے حلیے میں کیا تبدیلی لاسکتا ہوں۔" میں نے پوچھا تو جابر بغور میرے چہرے کا جائزہ لینے لگا پھر بولا۔

"وہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔" یہ کہہ کر اس نے جیب سے اپنا سیل فون نکالا اور کسی کا نمبر ملانے لگا رابطہ ہونے پر اس نے کہا۔

"ہاں ریحان تم ایسا کرو کہ اگر مصروف نہیں ہو تو گلشن والے فلیٹ پر آجاؤ' اپنا ضروری سامان ساتھ لیتے آنا۔" پھر کچھ دیر دوسری جانب سے کچھ سننے کے بعد بولا۔"ہاں میں شام تک رک جاؤں گا۔بس تم فوراً نکلو۔" بات ختم کر کے وہ مجھ سے بولا۔

"میں نے ریحان کو بلوایا ہے۔وہ آ کے تمہار چہرے کو دیکھ کر بہتر طور پر بتا سکتا ہے کہ تم اپنی موجودہ شکل میں کس طرح تبدیلی لا سکتے ہو۔" پھر وہ کنیز کو مخاطب کر کے بولا۔"کھانے کا کیا سلسلہ ہے۔بھئی تم لوگوں کا ایک نیا ساتھی آیا ہے۔آج کچھ خاص چیز ہونی چاہیے۔"

"لگتا ہے ہمارا یہ نیا ساتھی خاصا بورنگ ہے کوئی بات ہی نہیں کررہا۔" کنیز نے مسکراتے ہوئے کہا تو میں گڑ بڑا گیا۔اور کہا۔

"اب تو مجھے یہیں رہنا ہے باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔"

"بے چارہ پہلی مرتبہ کراچی آیا ہے۔شاید یہاں کے شور و ہنگامے سے گھبرا گیا ہے۔" مینا نے شوخ لہجے میں کہا تو کنیز ہنس پڑی اور میں خجل سا ہو کر رہ گیا۔

"بھئی بہت بری بات ہے تم لوگ کیوں اس کو تنگ کر رہی ہو' نیا ہے ناں آہستہ آہستہ اس ماحول کا بھی عادی ہوجائے گا۔" کلیم نے کہا تو کنیز نے شوخی سے کہا۔

"چہ چہ چہ بے چارا...!"

"میں بے چارا نہیں ہوں۔" میں ایک دم چیخ اٹھا۔"کیا سمجھ کے تم لوگ میرا مذاق اڑا رہی ہو۔"

"ارے ہم تو مذاق کر رہی تھیں تم تو ناراض ہوگئے۔" میرے بری طرح چیخنے سے مینا نے گھبرا کے کہا تو جابر نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں چپ رہنے کو کہا۔

مجھے ایک دم سے بہت غصہ آگیا اور میرا موڈ خراب ہوگیا۔تو دونوں مجھ سے سوری کرنے لگیں۔جعفر اور کلیم بھی میرے نزدیک آگئے۔دونوں نے میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیے اور مسکرا کے مجھے کول رہنے کے لیے کہا۔جواباً میں نے بھی اپنے ہائیڈ ہونے پر معذرت کی۔

جابر کچھ دیر کے لیے وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تو وہ لوگ مجھ سے میرے بارے میں پوچھنے لگے تو مینا نے مختصراً انہیں میری کہانی سنا دی۔سب نے مجھ سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے میرا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ذرا دیر پہلے جو تناؤ ماحول پر چھایا ہوا تھا وہ دور ہوگیا۔تب ہی ڈور بیل سنائی دی۔جعفر نے

دروازہ کھولا تو ایک ادھیڑ عمر شخص اندر داخل ہوا معلوم ہوا کہ یہی ریحان ہے۔

ریحان کے آنے کے بعد جابر بھی آگیا اور اس نے ریحان سے کہا کہ وہ میری شکل و صورت میں مناسب تبدیلی کر کے مجھے ایک دوسری شکل دے دے۔

ریحان نے میرے چہرے کو دیکھتے ہوئے مجھے کچھ ہدایات دیں۔ تب کنیز بولی۔

”ریحان بھائی شمروز اچھا خاصا خوب صورت بندہ ہے۔ کیوں اس کی شکل تبدیل کر رہے ہیں۔“ جواب میں ریحان نے کنیز کی جانب معنی خیز نگاہوں سے دیکھا اور بولا۔

”بھئی تمہارے لیے تو یہ وہی شمروز رہے گا۔“

ریحان کے جانے کے بعد میں نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تو مجھے اپنی شکل خاصی حد تک تبدیل لگی۔ اس نے میرے چہرے پر کافی گھنی اور نوک دار مونچھیں لگادیں تھیں۔ ہلکی سی داڑھی بھی تھی۔ جیسے اچھی خاصی بڑھی ہوئی

شیو ہوتی ہے۔ سر کے بال بھی لمبے تھے۔ سیدھی مانگ نکال کر بالوں کو دونوں شانوں پر ڈال دیا تھا۔ آنکھوں میں پتلیوں کی رنگت تبدیل کرنے کے لیے لینس لگا دیے تھے۔

جابر نے مجھے دیکھا تو اس کے منہ سے بے ساختہ 'واہ' نکل گیا۔ اس نے اپنے موبائل سے میرے کئی پوز لیے۔ پھر کہا کہ میں یہ ساری اضافی چیزیں اپنے چہرے سے اتار دوں۔ اب مجھے اپنے بالوں کو اس حد تک بڑھانا تھا کہ میرا یہی حلیہ بن جائے۔

کھانے کے بعد جابر وہاں سے چلا گیا۔ میں وہاں رہنے لگا۔ جعفر اور کلیم میرے ساتھ اس ہیلتھ کلب جاتے تھے وہاں مجھے کافی ایکسرسائز کروائی جاتیں۔ جوڈو کراٹے اور کنگ فو کی تربیت ہوتی۔ میں نے ہر طرح کا اسلحہ چلانے کی تربیت بھی حاصل کی۔

میں زیادہ تر خاموش رہ کر وقت گزارتا تھا۔ مینا بھی کچھ روز کے بعد واپس چلی گئی تھی۔ تنہا رہتا تو ماضی کی تکلیف دہ یادیں کسی ناگ کی طرح پھن پھیلا کے میری آنکھوں کے سامنے آجاتیں اور میں ان میں کھو جاتا۔

میں دن رات جان توڑ محنت کر رہا تھا۔میں جلد از جلد آئرن مین بن جانا چاہتا تھا اور اپنے فولادی شکنجے میں سردار شیر افضل خان کو کسنا چاہتا تھا۔راجہ صاحب بھی میری اس لسٹ میں شامل تھا۔مگر اس کا نمبر ان دونوں کے بعد ہی آنا تھا۔کیونکہ راجہ صاحب ہی وہ شخص تھا جو اگر چاہتا تو میرے ساتھ وہ سب کچھ نہ ہوتا جو ہو گیا۔رہی مہوش تو اسے بھی میں اپنے دل سے کھرچ کر پھینک دینا چاہتا تھا حالانکہ اس نے میری مدد کرنے کی پوری کوشش کی مگر اس کے کمینے باپ نے اپنی چہیتی بیٹی کی بات بھی نہیں مانی' اگر مہوش کی محبت میرے دل میں کسی بھی کونے میں چھپی رہ گئی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے باپ راجہ صاحب سے انتقام لیتے ہوئے ایک لمحے کے لیے یہ سوچ کر میرے ہاتھ نہ کانپ جائیں کہ وہ مہوش کا باپ ہے اور اپنے باپ کے انجام سے اسے تکلیف پہنچے گی۔

اس روز جب ہم کلب سے واپس آئے تو جعفر اور کلیم نے مجھے تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”ماننا پڑے گا شمروز تمہارے اندر بے حد اسٹمنا ہے۔ذہانت اور لگن بھی ہے تم بہت تیزی کے ساتھ بہت کچھ سیکھ رہے ہو۔“

جعفر اور کلیم میرے اوپر بہت محنت کر رہے تھے۔مجھ ایک مہینہ ہو گیا تھا یہاں آئے ہوئے۔اس دو دن میں میرا شناختی کارڈ بھی بن کے آگیا تھا اور بینک اکاؤنٹ بھی کھل گیا تھا۔میری آٹھ لاکھ کی رقم میرے اکاؤنٹ میں جمع ہو گئی تھی اور میرے بال بھی کافی بڑھ چکے تھے۔ابھی سر کے بالوں کی مطلوبہ لمبائی نہیں ہوئی تھی۔

اس دن بہت دیر تک کنیز دکھائی نہیں دی۔تب میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کے اس کی طبیعت خراب ہے۔طبیعت خراب کا سن کر میں پہلی مرتبہ اس کے کمرے میں اسے دیکھنے کے لیے گیا۔وہ کمبل اوڑھے آنکھیں موندے لیٹی تھی۔تیز بخار کی شدت سے اس کا سانولا چہرہ سرخی مائل ہو رہا تھا۔سانسیں بھی بھاری ہو رہی تھیں۔

”کنیز...!“ میں نے اسے ہولے سے پکارا۔یہ جاننے کے لیے کہ وہ سو رہی ہے یا یوں ہی آنکھیں موندے لیٹی ہے لیکن وہ جاگ رہی تھی۔میری آواز سن

کر اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں' اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور ہونٹ خشک پپڑی زدہ ہو رہے تھے۔وہ دھیرے سے کراہی اور بولی۔

"پانی...!"

میں نے قریب رکھی پانی کی بوتل سے گلاس میں پانی ڈال کر اس کی جانب بڑھایا۔تو وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔مگر اس سے اٹھا نہ گیا اور وہ کراہتے ہوئے دوبارہ تکیے پر گر پڑی۔تب میں نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دے کر اٹھایا اور پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگادیا۔اس نے چند گھونٹ لے کر منہ ہٹا لیا۔وہ بے دم سی ہو رہی تھی۔میں نے گلاس سائڈ ٹیبل پر رکھا پھر آہستہ سے اس کا سر تکیے پر رکھ دیا۔

میں اس کا معائنہ کرنے لگا۔اچانک ہی میرے اندر کا وہ ڈاکٹر جسے میں نے تھپک تھپک کر سلا دیا تھا بے دار ہو گیا۔

بخار کافی تیز تھا۔"کب سے بخار آرہا ہے؟" میں نے پوچھا تو اس نے چند لمحوں بعد جواب دیا۔"کل رات سے۔"

"تم نے کوئی دوا لی؟" میں نے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی تھا ہی نہیں تم لوگ صبح ہی چلے گئے تھے۔میں سو کر اٹھی تو رحیمہ بھی کام کر کے جا چکی تھی۔بس اسی طرح لیٹی ہوں۔بخار تیز ہوتا جا رہا ہے' جسم میں اتنا زیادہ درد ہے کہ ذرا بھی جسم ہلاؤں تو بری طرح دکھنے لگتا ہے۔سر بھی درد سے پھٹا جا رہا ہے۔" اس نے آہستہ آہستہ دھیمی آواز میں بتایا۔وہ بار بار بولتے بولتے رک جاتی اور ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگتی۔

میں سمجھ گیا کہ اسے کیا ہوا ہے میں نے ایک پرچے پر دوائیں لکھ کر کلیم کو دی کہ وہ یہ دوائیں میڈیکل اسٹور سے لے آئے۔ ساتھ ہی انجکشن اور سرنج بھی منگوائیں۔وہ صبح سے بھوکی تھی اس لیے میں کچن میں آیا اور اس کے لیے چائے بنائی اور سلائس لے کر آگیا۔

اس نے کچھ بھی کھانے سے انکار کردیا۔لیکن دوا کھانے کے لیے پیٹ میں کچھ ہونا ضروری تھا۔میں نے اپنے ہاتھ سے بہلا بہلا کر اسے ایک سلائس کھلایا اور چائے پلائی۔پھر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں اس کے ماتھے پر رکھیں تو بخار میں کچھ کمی ہوئی۔

کلیم دوائیں لے آیا تو میں نے اسے دوائیں دیں اور انجکشن لگایا تھوڑی دیر بعد وہ سو گئی تو میں کمرے سے باہر آ گیا۔

کلیم اور جعفر خوش بھی ہوئے اور حیران بھی جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ میں ایک ڈاکٹر ہوں۔

”یار تمہارے ساتھ واقعی بہت زیادہ زیادتی ہوئی ہے۔تم ایک معزز پیشے سے تعلق رکھتے ہو ایک با عزت زندگی گزار رہے تھے لیکن تمہارے حالات اور تقدیر نے تمہیں کس جگہ لا کے کھڑا کر دیا ہے۔ہماری بھی کوئی زندگی ہے کہیں سے بھی کوئی بھی گولی کسی بھی وقت آ کے ہمارے جسموں کو چاٹ سکتی ہے۔ہمارے دوست کم اور دشمن زیادہ ہیں۔“ جعفر نے کہا۔

”ہاں یار! کسی کو نہیں معلوم ہوتا کہ اس کی زندگی میں اگلا آنے والا دن اس کے لیے کیا کیا طوفان لے کر آنے والا ہے۔میں بھی کبھی یہ سب نہیں سوچا تھا۔“ میں نے ایک گہری سانس اپنے اندر خارج کرتے ہوئے کہا۔

ابھی ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ گارڈ حشمت بازار سے کھانا لے کر آ گیا۔

”کیا آج کھانا نہیں پکا‘ دینو چاچا کہاں ہیں۔“ میں نے پوچھا۔

”وہ دو چار دن کے لیے بدین گئے ہیں۔ان کے کسی رشتے دار کا انتقال ہو گیا ہے۔“ حشمت نے جواب دیا۔

”اچھا‘ اچھا جب ہی کنیز کی کسی نے خبر نہیں لی۔“ میں نے کہا۔

حشمت باہر چلا گیا تو کلیم برتنوں میں کھانا نکال کر لے آیا۔کھانے کے دوران ہم باتیں بھی کرتے جا رہے تھے تب پہلی بار جعفر نے مجھ سے میری مظلومی کی داستان سنانے کی خواہش ظاہر کی۔میں بولنے لگا تو کلیم بولا۔

”ابھی ٹھہر جاؤ میں چائے لے کر آ جاؤں پھر سنانا۔“ وہ جھوٹے برتن سمیٹ کر کچن میں لے گیا اور تین کپ چائے لے کر آ گیا۔چائے پینے کے دوران میں نے اپنے اوپر گزری ہوئی لفظ بہ لفظ داستانِ ظلم سنا دی۔مہوش کا ذکر میں گول کر گیا۔

”پھر تو تیرا پورا پورا حق بنتا ہے کہ تو ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ بخشے تو فکر نہ کر دوست ہم تیرے ساتھ ہیں۔“ دونوں نے کہا اور مضبوطی سے میرے ہاتھ تھام لیے۔

"یار ان نام نہاد شریف اور عزت دار سیاست دانوں سے کہیں زیادہ اچھے تو غنڈے بدمعاش ہیں جو ظلم کو سمجھتے ہیں اور ساتھ دیتے ہیں۔" میں نے ممنونیت کے گہرے احساس کے ساتھ کہا۔

کافی دیر ہوچکی تھی۔اس لیے میں کنیز کو دیکھنے کے لیے اس کے کمرے میں چلا گیا۔وہ دوا کے زیرِ اثر گہری نیند سو رہی تھی۔اس کے چہرے پر پسینہ آرہا تھا۔بخار اتر رہا تھا۔میں نے ٹشو لے کر اس کا پسینہ صاف کیا۔اس کا ہاتھ مڑا ہوا رکھا تھا وہ سیدھا کیا اور اسے ٹھیک سے کمبل اوڑھا کر باہر آگیا۔

"اب کیا حال ہے کنیز کا بخار کچھ کم ہوا؟" جعفر نے پوچھا۔

"ہاں صبح تک بخار مکمل طور پر اتر جائے گا' اسے کافی زیادہ پسینہ آرہا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

پھر ہم سونے کے لیے لیٹ گئے سونے سے پہلے ہمیشہ کی طرح میں نے وضو کیا اور عشاء کی نماز ادا کی اور بستر پر لیٹ گیا۔میں چونکہ بہت تھکا ہوا تھا۔اس لیے فوراً ہی نیند آگئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

صبح آنکھ کھلی تو سب سے پہلا خیال کنیز کا آیا کہ اس کا نہ جانے کیا حال ہے۔اس کو جا کر دیکھنا چاہیے۔یہ سوچ کر میں تیزی سے اٹھا اور منہ دھو کر سیدھا کنیز کے کمرے میں گیا۔میں نے دروازہ کھول

کر اندر جھانکا تو وہ جاگ رہی تھی۔میں اندر داخل ہو گیا۔مجھے اس کے چہرے سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا بخار اتر چکا ہے۔مگر پھر بھی میں نے اس کی پیشانی کو چھو کر دیکھا۔ پھر اس کی طبیعت پوچھی۔جواب میں اس نے ایک دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ مجھے تھینک یو کہا۔

"تم نے میرا اتنا خیال رکھا' میں بہت ممنون ہوں تم نے مجھے دوائیں کیسے دیں۔تمہیں کیا پتا دواؤں کے بارے میں۔" اس نے حیرت کا اظہار کیا۔

"بس یوں ہی اندازے سے دوائیں دے دیں یہ سوچ کر کہ شاید ان کے استعمال سے تم ٹھیک ہوجاؤ۔" میں نے اپنی مسکراہٹ لبوں میں دبا کر کہا۔

"اوہ گاڈ! اگر دواؤں سے مجھے کچھ اور ہوجاتا تو...؟" اس نے کہا۔

"کچھ ہوا تو نہیں ناں دیکھو لو تم ٹھیک ہو گئیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ارے واہ! کہتے ہیں ناں نیم حکیم خطرہ جاں بابا آئندہ سے مجھے بخش دینا میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔" اس نے کہا۔

"لیکن شمروز نیم حکیم نہیں بلکہ کوالیفائڈ ڈاکٹر ہے۔" اندر آتے ہوئے جعفر نے کنیز کا جملہ سن لیا تو کہا۔

"ڈاکٹر...!" کنیز نے شدید استعجاب سے کہا۔

"ہاں! اور ہمیں بھی یہ بات رات کو ہی پتا چلی ہے۔ تمہیں پتا بھی نہیں ہے شمروز آدھی رات تک تمہاری دیکھ بھال کرتا رہا ہے۔اس نے خود تمہارے لیے چائے بنائی۔ تمہیں اپنے ہاتھوں سے ایک سلائس کھلایا' دوائیں کھلائیں اور انجکشن لگایا۔ پھر تم سو گئیں اور تمہیں پسینہ آکر بخار اترنے لگا تب یہ سونے کے لیے اپنے کمرے میں گیا ہے۔" جعفر نے کہا۔

"ہاں مجھے کچھ کچھ یاد ہے دراصل بخار بہت تیز تھا اور مجھے کچھ ہوش نہیں تھا۔" اس نے کہا اور پھر میرا شکریہ ادا کرنے لگی۔

میں نے اسے مزید ایک دن آرام کرنے اور دوا کھانے کا مشورہ دیا تاکہ وہ مکمل طور پر صحت یاب ہوسکے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اس واقعے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ کنیز کا رویہ میرے ساتھ خاصا تبدیل ہوگیا ہے۔میں دن رات وہ ساری ایکسرسائز کر رہا تھا جو جعفر اور کلیم نے مجھے بتائی تھیں۔یوں سمجھ لیں کہ میرے اندر ایک جنون سا پیدا ہوگیا تھا بلکہ میں اپنے اندر خود بہت زیادہ تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔میرا مزاج بھی تیزی سے تبدیل ہو رہا تھا۔میرے اندر بہت زیادہ خود اعتمادی پیدا ہوگئی تھی بات کرتے کرتے میرا لہجہ سخت ہوجاتا تھا۔میرے لہجے کی وہ نرمی اور حلاوت جو ایک ڈاکٹر کی شخصیت کا خاص حصہ تھی۔بالکل ہی ختم ہوگئی تھی۔

اس روز بھی میں کلب سے واپس آیا تو غسل کر کے فریش ہوا اور پھر ناشتہ کرنے لگا۔جعفر اور کلیم کلب میں ہی تھے۔گھر میں صرف کنیز تھی اور وہ عورت جو گھر کی صفائی کا کام کرنے آیا کرتی تھی۔ان لوگوں نے فل ٹائم کسی ملازم کو نہیں رکھا ہوا تھا۔ملازمہ آتی اور اپنا کام کر کے چلی جایا کرتی تھی ظاہر ہے ان لوگوں کا کام ہی اس طرح کا تھا کہ کسی کو کل وقتی اپنے گھر نہیں رکھ سکتے تھے۔

میں ناشتہ کر ہی رہا تھا تب کنیز اپنے کمرے سے نکل کر میرے کمرے میں داخل ہوئی۔میں نے ایک نگاہ اس کے اوپر ڈالی پھر اپنے ناشتے کی جانب متوجہ ہوگیا۔میں اپنی ڈائٹ کا بہت خیال رکھا کرتا تھا۔پہلے بھی میرے اندر طاقت و توانائی تو بہت تھی مگر اس طاقت کو مجھے اس طرح استعمال کرنا پڑے گا۔یہ میں نے کبھی سوچا تھا۔کنیز تھوڑی دیر چپ چاپ بیٹھی رہی پھر بولی۔

"ناشتہ کرنے میں اتنے مگن ہو کہ تمہیں کسی کے آنے کا پتا بھی نہیں چلا۔"

"نہیں! میں نے تمہیں دیکھا ہے تمہیں کوئی کام ہے مجھ سے!" میں نے روکھے لہجے میں کہا۔

"ایک ہی گھر میں رہتے ہیں بندہ یوں ہی کبھی کسی کا حال چال ہی پوچھ لیتا ہے مگر تم تو لگتا ہے تنہا ہی رہتے ہو کبھی بات ہی نہیں کرتے۔" اس نے کہا۔

"مجھے فضول باتیں کرنے کی عادت نہیں ہے۔" میں نے اس کی جانب دیکھے بنا ہی اپنا سابقہ لہجہ برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا مجھ سے باتیں کرنا محض وقت کا ضیاع ہے۔" اس نے کہا۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔" میں نے چائے کا مگ اٹھا کر منہ سے لگاتے ہوئے کہا۔

"بہت مغرور ہو۔" وہ بولی۔

"مغرور۔" میرے لبوں پر ایک تلخ سی ہنسی آگئی۔"میں بھلا کس چیز پر غرور کروں گا میرے پاس رکھا ہی کیا ہے۔"

"تمہاری مردانہ وجاہت! تم بہت وجیہہ ہو' اتنے کہ کوئی بھی لڑکی تمہارے اوپر دل و جان سے فدا ہو کر تمہارے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے پر تیار ہوجائے۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"مگر مجھے ان باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"کیا کسی کو اپنا دل دے بیٹھے ہو۔" اس نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"شٹ اپ کنیز مجھے لڑکیوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" میں نے چائے کا مگ زور سے ٹیبل پر رکھا اور کھڑا ہو گیا۔

"مگر مجھے تم میں دلچسپی ہے تمہاری ذات میں دلچسپی ہے۔ میں تمہارے اندر جھانکنا چاہتی ہوں۔ تمہارے سارے دکھ اپنے اندر سمیٹ لینا چاہتی ہوں۔" وہ میرے بگڑے ہوئے موڈ اور لہجے کی پروا کیے بغیر اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے نزدیک آ کے بولی۔

"تم محض اپنا ٹائم ویسٹ کرو گی۔ میرے اندر جو جوار بھاٹا پک رہا ہے وہ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔"

"ہاں میں جانتی ہوں تم اندر سے کتنے دکھی ہو لیکن شمروز دکھ کہہ دینے سے کم ہوجاتے ہیں۔ چلو تم مجھے اپنے گھر کی اپنے والدین کی بہن بھائی کی باتیں بتاؤ مجھے وہ سب سننا اچھا لگے گا۔" اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور دوبارہ مجھے سوفے پر بٹھاتی ہوئی بولی۔

"کیوں میرے سوئے ہوئے زخموں کو جگانا چاہتی ہو۔" میں نے بوجھل لہجے میں کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"جب دکھوں کے بادل بہت زیادہ گھرے ہوجائیں تو اپنے ماضی کی کوئی اچھی یاد ذہن میں دہرا لینا چاہیے۔ بہت اچھا لگتا ہے کم از کم تھوڑی دیر کو سکون ہی مل جاتا ہے۔" اس نے دکھی لہجے میں کہا تو میں حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"ہاں میں ایسا ہی کرتی ہوں۔ جب سب کی یاد آتی ہے تو رات کی تنہائی میں جب نیند آنکھوں سے اوجھل ہوتی ہے اور ایک ایک لمحہ گزارنا مشکل ہوتا ہے۔ تو میں اپنے ماضی میں چلی جاتی ہوں۔ جہاں میری اماں تھیں' بابا تھے' چھوٹی بہن اور بھائی تھے۔ وہ دن بہت اچھے تھے شمروز' بہت ہی اچھے بابا کا ڈھیر سارا پیار تھا۔ چھوٹی بہن کا روٹھ جانا تھا۔ وہ بابا سے روٹھ جاتی تھی۔ صرف اس لیے کہ بابا مجھے بہت پیار کرتے تھے۔ میری ہر فرمائش پوری کرتے تھے ہر کام کا مشورہ مجھ سے کرتے تھے اور بابا پیار سے مجھے لپٹا کے کہتے۔ "میری کنیز تھوڑے دنوں کی تو مہمان ہے جب یہ یہاں سے رخصت ہو کر اپنے سسرال چلی جائے گی تب میرا سارا کا سارا پیار صرف تیرے لیے ہوگا اور میری ننھی گڑیا سی بہن بابا کی اس تسلی سے بہل جاتی تھی مگر میں نے تو خود

اپنا نصیب بگاڑ لیا۔میں نے اتنے پیار کرنے والے لوگوں کی نہ عزت و آبرو کی لاج رکھی اور نہ مان رکھا۔سب کچھ اپنے ہاتھوں تباہ کرڈالا اور آج دیکھو میں کہاں کھڑی ہوں۔میرا چہرہ اتنا گھناؤنا ہوگیا ہے کہ میں کسی اپنے کو یہ گھناؤنا چہرہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہی...!" بات کرتے کرتے اس کی آواز بھرا گئی اور وہ چپ ہوگئی۔

کنیز کی بات سن کر میں اپنے ماضی کے سارے دکھ بھول گیا۔ایک دم ہی میرے اندر سویا ہوا شاہ زمان بے دار ہوگیا۔میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔

"پلیز کنیز چپ ہوجاؤ' کیا ہوگیا ہے تم خوداپنے سے اتنی زیادہ دکھی ہو۔میں تمہیں ایسا نہیں سمجھتا تھا۔مجھے بتاؤ تو کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ۔آج تم اتنی ڈیپریس کیوں ہو۔" میں نے نرم لہجے میں کہا تو تھوڑی دیر سسکنے کے بعد وہ خاموش ہوگئی تو میں نے ٹشو پیپر نکال کر اسے دیا کہ وہ اپنے آنسو خشک کرلے اپنا چہرہ صاف کرنے کے بعد وہ خجالت سے بولی۔

"آئی ایم رئیلی سوری شمروز مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا بلکہ ہم لوگ جس فیلڈ میں ہیں وہاں اس قسم کی جذباتیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"

"ایسا مت کہو کنیز! آخر ہم انسان ہیں اور انسان ہی رہیں گے۔اپنے سینے میں رکھے گوشت کے اس لوتھڑے کو جسے دل کہتے ہیں پتھر کیوں نہ بنالیں رہے گا تو وہ دل ہی اور دل میں ہمیشہ کسی کونے میں لطیف جذبات ضرور چھپے رہتے ہیں۔جو انسان کی کمزور پڑتے ہی باہر نکل آتے ہیں۔اچھا اب مجھے بتاؤ آج تم اتنی اداس کیوں ہو' لگتا ہے تم رات بھر سوئی ہی نہیں ہو۔" میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر سہلاتے ہوئے کہا۔

وہ تھوڑی دیر خاموش رہی پھر جھجکتے ہوئے بولی۔"آج میرے بابا کی دوسری برسی ہے اور میں بد نصیب ان کا آخری دیدار بھی نہ کرسکی۔"

کنیز نے اپنے بابا کا ذکر کیا تو مجھے بھی اپنے بابا شدت سے یاد آنے لگے۔مگر میں نے اپنے آپ کو کنٹرول کرلیا میرے دل میں کنیز کے حالات جاننے کی شدت سے خواہش ہونے لگی۔تب میں نے اس سے کہا۔

”کنیز تم مجھے اپنے بارے میں بتانا پسند کرو گی کہ تم اپنے پیار کرنے والے والدین کے پر شفقت سائے سے نکل کر اس جگہ کیسے آ گئیں اور ان جرائم پیشہ لوگوں کے ہتھے چڑھ گئیں۔تم مجبوراً ان کے ساتھ ہو یا اپنی خوشی سے...؟“

”میں تمہیں اپنے بارے میں ضرور بتاؤں گی بلکہ میں تو خود چاہتی ہوں کہ کسی کے سامنے وہ ساری باتیں دہرا کر اپنے ضمیر کی چبھن سے کچھ تو نجات حاصل کرلوں۔مگر اس وقت نہیں‘ میری کہانی سننے کے لیے بہت سا وقت درکار ہوگا۔ابھی جعفر اور کلیم بھی آنے والے ہیں۔اگر رات میں ٹائم ملا تو ہم بات کریں گے۔“ ابھی کنیز نے بات کی ہی تھی کہ جعفر اور کلیم دونوں آ گئے انہوں نے کنیز کو بتایا کہ جابر کا فون آیا تھا سلطان اور سنی کا پتا چل گیا ہے۔

جعفر کی بات سن کر میرے کان کھڑے ہوگئے کیونکہ یہ سلطان ہی تھا جس کے پرس کی وجہ سے میں ان لوگوں کے پاس آ گیا تھا۔

”سلطان زندہ ہے یا مر گیا۔“ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”تم سلطان کو جانتے ہو؟“ جعفر نے ابرو اچکا کر پوچھا۔تو کنیز اور کلیم بھی میری جانب دیکھنے لگے۔

”ہاں تھوڑ بہت۔“ میں نے مختصر جواب دیا۔”لیکن تم بتاؤ تو سہی کہ وہ زندہ ہے یا...!“

”وہ زندہ ہے‘ سالا حرامی‘ نمک حرام‘ غدار!“ جعفر نے نفرت انگیز لہجے میں سلطان کو گالیاں دیتے ہوئے کہا۔

”اچھا حیرت ہے‘ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جاوید ہی تھا۔مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کی جیب میں سلطان کا پرس کیسے آ گیا۔کیا جاوید بھی تم لوگوں کا ساتھی تھا۔“ میں نے کہا۔

”کون جاوید؟ ہمارا جاوید نامی کوئی ساتھی نہیں ہے۔تم پتا نہیں کس کی بات کر رہے ہو۔جابر نے تو صرف اتنا ہی بتایا ہے آج یا کل باس سے ٹائم لے کر جابر ان دونوں کو باس کے پاس لے کر آ رہا ہے۔ان سے بات ہوگی۔تب ہی ساری بات کھلے گی کہ ان لوگوں نے یہ سارا ڈراما کیوں کیا تھا اور اتنے عرصے سے وہ کہاں غائب تھے۔“ جعفر بولا۔

"ہاں ساری بات تو وہی بتا سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

پھر ان لوگوں کے اصرار پر میں نے ٹرین میں اپنی جاوید سے ملاقات' ایکسیڈنٹ میں جاوید کی موت اور اپنی شناخت جاوید کے مردہ اور نہ پہچانے جانے والے چہرے کے ساتھ بدلنے والی ساری رو داد کہہ سنائی تب ان لوگوں کی سمجھ میں ساری بات آئی۔

مجھے یہاں آئے ہوئے ایک مہینے سے زیادہ ہو گیا تھا۔جابر اور مینا یہاں سے گئے تو ان لوگوں سے میری دوبارہ ملاقات ہی نہیں ہوئی اور نہ ان کے بارے میں مجھے کچھ پتا چلا کہ وہ لوگ کہاں ہیں اور کیا کر رہے تھے۔بلکہ مجھے تو یہ بھی کلیئر نہیں ہوا تھا کہ جابر اور مینا کہاں رہتے ہیں۔روہڑی میں' یا حیدر آباد میں'یا پھر کراچی میں ہی کہیں ان کا قیام ہے۔جعفر کلیم اور کنیز سے میری اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی۔لیکن ابھی تک ان لوگوں کے کام کے بارے میں بھی بات نہیں ہوئی تھی کہ آیا یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔کبھی کبھی کنیز' کلیم اور جعفر غائب ہوجاتے تھے لیکن نہ تو انہوں نے اپنے کہیں جانے کے بارے میں بتایا اور نہ ہی میں نے کچھ پوچھنے کی جسارت کی ہاں البتہ کبھی دبے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

دبے لفظوں میں ان کے کام کے بارے میں جاننے کے لیے کوئی سوال کیا تو اس کا جواب یہی ملا کہ آہستہ آہستہ سب کچھ جان لو گے۔میں بھی خاموشی سے اپنی آنکھیں اور کان کھلی رکھ کر صبر سے وقت کا انتظار کر رہا تھا۔کیونکہ باس نے مجھ سے کہا تھا کہ میری مدد کے بدلے میں مجھے باس کے کچھ کام کرنے پڑیں گے۔اب پتا نہیں باس مجھ سے کیا کام لے گا۔میں تو بس دن رات لڑائی بھڑائی کرنے کے فنون سیکھ رہا تھا۔چونکہ میرا شوق اور لگن تھی اس لیے میں جلد ہی یہ سب سیکھ رہا تھا۔

فی الحال تو مجھے اس بات کا بے چینی سے انتظار تھا کہ سلطان اور سنی آئیں اور مجھے ان کے بارے میں معلوم ہو' میں رات میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ جاوید کے گھر والوں کو تو یہ بھی معلوم نہیں ہوسکے گا کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا جیسا کہ اس نے اپنے بارے میں بتایا تھا کہ کراچی کے علاقے ناظم آباد میں وہ اپنی بیوہ ماں اور جوان بہن کے ساتھ رہتا ہے۔تو وہ بے چاری تو اس کا انتظار ہی کرتی رہیں گی۔اس کے بارے میں سوچ کر میرا دل دکھ سا گیا۔ جاوید ہی ایک ان کا سہارا تھا۔جاوید نے مجھے اپنے گھر انوائٹ کرنے کے

لیے اپنے گھر کا جو ایڈریس سمجھایا تھا جو میری یاد داشت میں پوری طرح سے محفوظ تھا۔میرے خیال کے مطابق اگر جاوید کا ان لوگوں سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق ہوتا تو وہ مجھے اپنے گھر کے بارے میں کیوں بتاتا اور نہ ہی اپنے گھر انوائٹ کرتا وہ تو مجھے بہت دوست نواز لگا تھا۔پتا نہیں اس کو سلطان نے کس طرح ٹریپ کیا اور استعمال کیا۔سلطان کا پرس اس کے پاس کس طرح آیا یہ اور بہت سے سوالات میرے ذہن میں کلبلا رہے تھے جاوید تو اس دنیا میں رہا نہیں لیکن سلطان زندہ تھا اور وہی ان سارے سوالات کے جوابات دے سکتا تھا۔یہ بھی ضروری نہیں کہ یہ لوگ مجھے سلطان اور باس کے درمیان ہونے والی باتیں بتا دیں۔بہر حال اب جو بھی ہونے والا تھا۔اس کے لیے کل کا انتظار کرنا تھا۔

دوسرے دن صبح جعفر نے مجھ سے کہا کہ آج ہم ہیلتھ کلب نہیں جائیں گے بلکہ باس نے ہمیں بلایا ہے۔

"مجھے بھی...؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں تمہیں بھی کیوں کہ اب تم ہم لوگوں سے علیحدہ نہیں ہو۔" جعفر نے جواب دیا تو میں خاموش ہو گیا۔اب جو بھی بات ہوگی وہ میرے سامنے ہی ہوگی۔

"جابر اور مینا بھی آرہے ہیں کیا؟"

"ظاہر ہے وہ تو آئیں گے ہی کیونکہ سلطان اور سنی کو وہ لوگ ہی لے کر آئے ہیں۔بلکہ وہ لوگ کراچی پہنچ چکے ہیں۔" جعفر نے جواب دیا۔

میرے پوچھنے پر کہ کیا ہم کلفٹن باس کی کوٹھی پر جا رہے ہیں تو جعفر نے مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھا اور بولا۔

"احمقانہ باتیں مت کرو کلفٹن والی کوٹھی باس کی رہائش گاہ ہے مگر ایسے کاموں کے لیے ہمارا ایک اڈا ہے گلشن معمار میں ہم سب وہیں جا رہے ہیں۔"

آج مجھے ایک اور بات پتا چلی کہ گلشن معمار میں ان کا اڈا ہے ہوسکتا ہے کہ وہاں یہ لوگ اپنے دشمنوں کو رکھتے ہو۔انہیں سزائیں دیتے ہوں، گلشن معمار کہاں ہے اور کتنی دور ہے۔میں آج یہ بھی جاننے والا تھا۔

"جعفر باس نے ہم سب کو کیوں بلوایا ہے۔انہیں جو کچھ پوچھنا تھا سلطان اور سنی سے وہ اکیلے میں بھی پوچھ سکتے تھے۔" میں نے سفر کے دوران جعفر سے سوال کیا۔

"باس سلطان اور سنی سے صرف پوچھ گچھ نہیں کریں گے۔بلکہ ان کا فیصلہ بھی سنادیں گے اور پھر ان سے غداری کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے یہ سب دکھانے کے لیے ہمیں وہاں بلوایا گیا ہے۔تاکہ ہمیں بھی عبرت حاصل ہو اور ہم ایسی کوئی حرکت کرنے کے بارے میں سوچیں بھی نہیں۔" کنیز نے کہا۔

"اوہ آئی سی...!" میں نے کہا۔

"ہم تو ایک مرتبہ یہ سین دیکھ چکے ہیں۔آج اسپیشل تمہیں دکھانا ہے۔" جعفر بولا تو میں اپنے تصور میں کوئی بھی بھیانک سی سزائیں سوچنے لگا جو باس ان دونوں کو دے سکتا تھا۔مگر وہاں جا کر جو انجام ان دونوں کا میں نے دیکھا اس کے بارے میں' میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔

کافی لمبے سفر کے بعد ہم گلشن معمار پہنچ گئے۔اس علاقے میں سناٹے کا راج تھا۔مین روڈ سے اتر کر ہمیں کافی اندر جانا پڑا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ایک بہت بڑی باؤنڈری وال کے احاطے میں یہ عمارت کھڑی تھی۔جعفر نے ہارن بجایا تو گیٹ کھل گیا اور ہماری گاڑی اندر داخل ہوگئی یہاں پہلے سے دو گاڑیاں کھڑی تھیں۔ان دو کاروں کے علاوہ ذرا ہٹ کر ایک بڑی اسٹیشن ویگن بھی موجود تھی۔

ہم گاڑی سے اتر کر اندر پہنچے تو جابر اور مینا سے ہماری ملاقات ہوئی۔جابر اپنے سابقہ انداز میں مجھ سے ملا لیکن مینا کی آنکھوں میں مجھے دیکھ کر عجیب سی چمک آگئی لیکن شاید جابر کی موجودگی کا خیال کر کے اس نے زیادہ گرمجوشی نہیں دکھائی۔

جعفر اور کلیم جابر سے دھیرے دھیرے باتیں کرنے لگے۔کنیز اور مینا میرے پاس بیٹھ گئیں۔مینا نے ایک نگاہ جعفر اور کلیم سے باتوں میں مصروف جابر پر ڈالی پھر پر ستائشی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔

"ایک مہینے میں تمہاری شخصیت کافی بدلی بدلی دکھائی دے رہی ہے۔تم واقعی شاہ زمان نہیں رہے شمروز بن چکے ہو' لگتا ہے آج باس تمہارا امتحان بھی لیں گے۔"

"بالکل لے لیں میں تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"اس کی گواہ تو میں ہوں شمروز نے جان توڑ محنت کی ہے۔" کنیز نے میری جانب محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے تم نے شمروز سے اچھی دوستی کرلی ہے۔" مینا نے کنیز کی نگاہوں میں چھپی محبت کو دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"دوستی ہنہ! ارے یہ تو بہت ہی پراؤڈ ہے۔بات ہی نہیں کرتا' بس اپنے کام اپنی سوچوں میں مگن رہتا ہے۔" کنیز میری جانب شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو مینا کے چہرے پر ایک اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور اس سے پہلے کہ ہماری مزید کوئی بات ہوتی کمرے میں اندرونی حصے سے ایک شخص داخل ہوا۔اس کو دیکھتے ہی میرے ذہن میں بچپن کی سنی ہوئی کہانیوں میں کسی دیو کی شکل جو ہمارے تصور میں بن جاتی تھی وہی آگئی۔وہ ساڑھے چھ فٹ کا ہیوی ویٹ سیاہ رنگت کا حامل تھا۔چھوٹا سا سر جو اس کی لمبی چوڑی جسامت پر مضحکہ خیز دکھائی دے رہا تھا سر بالوں سے خالی تھا۔پیشانی

تنگ تھی چوڑی ناک اور موٹے بھدے ہونٹوں پر گھنی مونچھیں تھیں۔ایک کان میں اس نے موٹی سی بالی پہنی ہوئی تھی۔جینز کی سیاہ پینٹ اور سیاہ بغیر آستین کی ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔وہ ایک باڈی بلڈر دکھائی دے رہا تھا۔ بازوؤں کے مسلز کافی سخت دکھائی دے رہے تھے۔

"آؤ یار دلبر کیا حال ہیں۔" جعفر کلیم اور جابر نے خوش دلی سے اس سے ہاتھ ملایا پھر میرا اس سے تعارف کروایا مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے دلبر نے بڑی تیز نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"ہائے گرلز!" دلبر نے ہاتھ اٹھا کر ان دونوں کو مسکرا کر اشارہ کیا اور مسکرانے کی کوشش میں اس کا چہرہ مزید بھیانک لگنے لگا۔میں نے ایک بات اور نوٹ کی کہ دلبر ترچھی نگاہوں سے کنیز کی جانب دیکھ رہا تھا اور کنیز کے چہرے پر اس کے لیے شدید نفرت اور کراہت کے تاثرات تھے۔دلبر کو اپنی جانب دیکھتے ہوئے پا کے کنیز نے اپنا چہرہ دوسری جانب پھیر لیا۔کنیز کے دل میں دلبر کے لیے اتنی نفرت اور کراہیت کیوں ہے اس کی وجہ مجھے بعد میں خود کنیز نے بتائی۔فی الحال تو میں کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔

تھوڑی دیر بعد میرے سامنے ایک اور نیا چہرہ آیا۔یہ بھی دلبر کی طرح اپنے چہرے پر زمانے بھر کی خباثتیں سجائے ہوئے تھا اور اس کا چہرہ بھی دلبر کی طرح مکروہ دکھائی دے رہا تھا۔اس شخص کی چھوٹی اور اندر کو دھنسی آنکھوں میں سفاکی صاف دکھائی دے رہی تھی۔اس نے کمرے میں آکر سرد لہجے میں کہا۔

"باس نے تم سب کو میٹنگ روم میں طلب کیا ہے۔"

"باس آگئے مگر کب؟میں نے تو انہیں اندر جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔" میرے منہ سے یہ جملہ غیر ارادی طور پر نکل گیا میرا سوال سن کر اس شخص نے مجھے تیز نگاہوں سے گھورا اور تیزی سے واپس پلٹ گیا۔

"تم سے خاموش نہیں رہا جاتا آئندہ اپنی زبان کو فضول میں مت کھولنا۔" کنیز نے میرے قریب آکر سرگوشی میں کہا۔

"کیا ہوا؟ میں نے ایسا بھی کیا کہہ دیا۔" میں نے تپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"یہ ہاشم ہے۔باس کا بہت خاص الخاص بندہ ہے۔اس کے سامنے اپنی زبان ہمیشہ بند رکھنا اور صرف حکم کی تعمیل کرنا۔میں جو کہہ رہی ہوں اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔" کنیز نے سرگوشی میں کہا۔

میں ان لوگوں کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔اس کمرے سے باہر نکلے تو میں نے اپنے آپ کو ایک راہ داری میں پایا یہاں دو آدمی جدید اسلحہ سے لیس مجھے دکھائی دیے جو پوری طرح الرٹ کھڑے تھے۔راہ داری کے اختتام پر ہم ایک پتلی سی گلی میں مڑ گئے۔یہاں سامنے ایک اونچا سا دروازہ موجود تھا۔

جابر نے دروازہ کھولا تو مجھے اندر سیڑھیاں نیچے کی جانب جاتی ہوئی دکھائی دیں۔ہم وہ سیڑھیاں اترنے کے بعد ایک وسیع ہال میں پہنچ گئے۔یہاں روشنی کا انتظام فضا میں معلق فٹ بال کے برابر گولوں سے کیا گیا تھا۔ہال کے وسط میں ایک بڑی سی ٹیبل بچھی تھی اور ٹیبل کے گرد کرسیاں رکھی تھیں۔ٹیبل کے سرے پر موجود ایک کرسی پر باس بیٹھا تھا۔اس کے چہرے پر گمبھیر سنجیدگی چھائی ہوئی تی۔ہم سب کے سلام کا جواب بھی اس نے محض سر ہلا کے دیا۔پھر ہمیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ہم سب خاموشی سے کرسیوں

پر بیٹھ گئے۔ہماری نگاہیں باس کے چہرے کی جانب تھیں۔مگر وہ کہیں اور دیکھ رہا تھا۔کسی گہری سوچ میں گم تھا اس کا ایک ہاتھ اپنے بالوں سے کھیل رہا تھا بے دھیانی میں وہ بالوں کی لٹ کو اپنی انگلی میں کھول اور لپیٹ رہا تھا۔

سب لوگ خاموشی سے باس کے بولنے کے منتظر تھے۔پھر ایک آہٹ پر میں نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا ہال کے اندرونی دروازے سے ایک سیاہ فام آدمی اندر داخل ہو رہا تھا۔اس کی عمر پینتالیس چھیالیس سال ہوگی۔وہ مضبوط اور گھٹے ہوئے جسم کا دکھائی دے رہا تھا۔اس نے بلیک ٹی شرٹ اور نیلی جینز پہن رکھی تھی۔

”یہ ہمارے ساتھی ہیں راجہ۔“ باس نے اس کا تعارف کرایا۔

راجہ نے باری باری ہم سب سے ہاتھ ملایا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا پھر وہ انگریزی میں ہم سب سے مخاطب ہوا۔

”آپ سب سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔“

جواب میں جعفر کلیم اور جابر نے اس سے انگریزی میں ہی بات کی تھی اس دن مجھے اندازہ ہوا کہ یہ لوگ تعلیم سے نا بلد نہیں ہیں۔پڑھے لکھے اور انگریزی جانتے ہیں۔میں خاموش رہا تو باس مجھ سے بولا۔

”شمروز تم راجہ سے کوئی بات نہیں کرو گے۔“

”میں کیا بات کروں سر، ابھی تو میری ان سے محض صورت آشنائی ہی ہوئی ہے۔“ میں نے دلچسپی سے مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”یہ لاس اینجلس میں ہمارے بزنس پارٹنر ہیں۔“ باس نے ہا۔

”کس قسم کا بزنس سر...؟“ میں نے کنیز کی تنبیہہ کو فراموش کرتے ہوئے سوال کیا۔باس میرا سوال سن کر مسکرانے لگا۔جب کہ میرے برابر میں بیٹھی ہوئی کنیز نے میرے پیر کو اپنے پیر سے دبا کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

”اچھا انٹروڈکشن تو ہوگیا۔باقی باتیں بعد میں ہوں گی فی الحال جابر تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے سلطان اور سنی سے بات کی۔وہ اپنے بارے میں کیا کہتا ہے۔“ باس نے جابر کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"کوئی خاصا بات تو نہیں کی ویسے بہتر یہی ہو گا کہ آپ خود ہی اس سے ساری بات سن لیں۔" جابر نے محتاط انداز میں کہا تو باس سر ہلانے لگا پھر مینا سے بولا۔

"مینا تم نے اپنا کام مکمل کرلیا میں نے سنا ہے۔وہاں اسپتال میں اس ڈاکٹر کو اریسٹ کرلیا گیا تھا۔تم لوگوں نے اس سلسلے میں کیا کیا۔"

"جی سر ایسا ہوا تو تھا' مگر ہم نے پولیس کو کافی تگڑی رشوت دے کر ان کا منہ بند کردیا اور کیس بھی ختم کروا دیا۔پولیس نے ہی میڈیا کو ٹھنڈا کیا ورنہ وہ لوگ بہت شور مچا رہے تھے۔ڈاکٹر راحیل کو بھی پولیس سے چھڑوا کر دبئی روانہ کردیا گیا ہے۔مال اپنی جگہ پہنچ گیا ہے اور وہاں سے رقم کی ادائیگی بھی ہوچکی ہے ایوری تھنگ از اوکے...!" مینا نے کہا۔

"ویری گڈ تم بہت اچھی جا رہی ہو' جاتے وقت گلزار سے مل لینا وہ تمہاری شاندار کارکردگی کا انعام تمہیں ادا کردے گا۔" باس نے کہا۔

"تھینک یو ویری مچ سر!" مینا نے سر جھکا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

پھر باس نے آواز دی۔"گلزار...!" باس کی آواز ہال میں گونجی ہی تھی وہی شخص جو ہمیں بلانے کے لیے آیا تھا۔بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو گیا تب مجھے پتاچلا کہ اس کا نام گلزار ہے اور یہ باس کا نزدیکی ساتھی ہے۔

"یس باس!" اس نے سینے پر دایاں ہاتھ رکھتے ہوئے سر جھکا کر نہایت مؤدب لہجے میں کہا۔

"ان دونوں کو لے کر آؤ...!" باس نے غالباً سلطان اور سنی کو لانے کے لیے کہا تھا۔

"اوکے باس!" وہ ایڑیوں کے بل گھوم کر تیز تیز قدموں سے ہال کے اندرونی دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

تقریباً پانچ منٹ کے بعد وہ ان دونوں کو اس حالت میں لے کر آیا کہ دونوں کے ہاتھ پشت کی جانب کر کے لوہے کی زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اور پیر میں بھی زنجیر پڑی ہوئی تھی اور ان زنجیروں سے جڑی ایک بڑی زنجیر گلزار کے ہاتھ میں تھی۔

جیسے ہی وہ دونوں کمرے میں آئے تو باس تیزی کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔باس کے اٹھتے ہی ہم سب بھی کھڑے ہو گئے باس چند لمحوں تک کینہ توز نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

"ہاں بھئی سلطان اور سنی تم دونوں کو کیا پریشانی لاحق تھی تم نے ایسا کیوں کیا؟" سلطان اور سنی نے باس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور سر جھکائے کھڑے رہے۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے جواب دو۔" باس نے گرج دار آواز میں چیخ کر کہا۔میں نے پہلی مرتبہ باس کو اس لب و لہجے میں دیکھا تھا ورنہ ابھی تک تو وہ بہت کول لہجے میں بات چیت کرتا رہا تھا۔

"وہ... وہ باس... وہ... میں...!" ان میں سے ایک نے سر اٹھا کر ممیائے ہوئے کہا۔اس کا چہرہ خوف کی شدت سے سفید ہو رہا تھا اور وہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔یعنی کہ وہ جانتا تھا کہ اب اس کا کیا انجام ہونے والا ہے۔

"یہ کیا تم کتے کے پلے کی طرح میاؤں میاؤں کر رہے ہو' ٹھیک طریقے سے بات کرو' کیا کبھی میں نے تمہیں تمہارے کام کا معاوضہ دینے میں کنجوسی سے کام لیا۔کبھی تمہاری حق تلفی کی تمہیں ہر طرح کا عیش و آرام دیا۔تمہیں کتنی ہی دفعہ پولیس سے بچایا۔پھر تم نے مجھ سے غداری کے بارے میں کیسے سوچ لیا اور تم نے یہ بھی سوچ لیا کہ تم مجھ سے بھاگ کر کہیں بھی پناہ لے سکتے ہو۔آغا قزلباش سے...!"

باس نے اس شخص کے قریب جا کر اس کے بالوں کو اپنی مٹھی میں جکڑ کر اس کا سر اونچا کر کے دانتوں کو پیستے ہوئے کہا اور ایک زور کا جھٹکا دے کر اس کے بالوں کو چھوڑ دیا۔

"معاف کر دیں باس... غلطی ہو گئی... آ... آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔" وہ دونوں بری طرح رونے اور گڑ گڑانے لگے۔

"تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ میں دوسرا موقع کسی کو بھی نہیں دیا کرتا میری عدالت میں غداری کی سزا صرف موت ہے۔" باس نے اسے اپنی خونی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سفاک لہجے میں کہا۔

”ہم نے آپ سے غداری نہیں کی باس میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ میں نے غداری نہیں کی میں تو صرف یہ کام چھوڑنا چاہتا تھا۔اس لیے میں نے وہ سارا ڈراما کیا تھا۔“ اس نے روتے ہوئے کہا۔

”تم بھول گئے کہ میں نے پہلی بات تم سے کیا کہی تھی یہی ناں کہ یہاں آنے کا دروازہ تو ہے مگر واپسی کے لیے کوئی دروازہ نہیں ہے۔“ باس نے کہا۔

”یاد تھا باس...!“ اس نے اقرار میں گردن ہلائی۔

”اپنے فرار کے لیے تم نے کیوں سوچا اور کیا ڈراما پلان کیا۔ٹرین حادثے میں مرنے والے شخص کی جیب میں تمہارا پرس کیسے پہنچ گیا۔وہ کون تھا اور تمہارا اس سے کیا تعلق ہے۔“ باس نے لمحہ بھر میں اپنے آپ کو نارمل کرلیا اور دوبارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا پھر بولا۔”یہ یاد رہے میں صرف سچ سننا چاہتا ہوں۔ہوسکتا ہے اگر تم سچ بولو تو میں اپنے فیصلے جو تمہاری موت کی صورت میں ہوچکا ہے نظر ثانی کرلوں۔“

”میں نے آپ کی تنظیم میں شامل ہونے کے بعد اپنے گھر والوں کو چھوڑ دیا تھا۔آپ کی ہدایت کے مطابق میں ان لوگوں سے ملنے بھی نہیں جاتا تھا۔صرف رقم منی آرڈر کردیتا تھا۔لیکن باس میری اکلوتی بہن کی جب شادی ہوگئی تو وہ اپنے شوہر کے ساتھ بہت خوش تھی میں بھی مطمئن تھا مگر باس جب میرے بہنوئی کی طبیعت خراب ہوئی اسے اپنڈکس کا درد اٹھا تھا تو وہ اسپتال میں داخل ہوا۔تب مجھے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر کرمانی اس کا آپریشن کرنے والا ہے۔اور اس آپریشن کے کرنے میں اس کا کیا ارادہ ہے تو میں نے ڈاکٹر کرمانی سے التجا کی اس مریض کا گردہ نہ نکالا جائے یہ میرا بہنوئی ہے لیکن ڈاکٹر کرمانی نے نہایت بے رحمی سے جواب دیا کہ وہ ایسا ضرور کرے گا کیونکہ اسے ”مال“ کی شدید ضرورت ہے۔ڈیمانڈ ہو رہی ہے اور وہ ابھی تک کوئی بھی گردہ حاصل نہیں کرسکا ہے میری بہت التجا کے باوجود ڈاکٹر کرمانی نہیں مانا اور اس نے بجائے اپینڈکس کے آپریشن کے میرے بہنوئی کا گردہ نکال لیا اپینڈکس پھٹ گیا اور میرا بہنوئی آپریشن کے دوران مر گیا۔بعد میں میں نے ڈاکٹر کرمانی سے ہاتھ پائی بھی کی کہ اس نے میرے بہنوئی کی جان کیوں لی

میں نے اپنی بہن کو اسپتال میں تڑپ تڑپ کر روتے ہوئے دیکھا تھا غم سے میرا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا۔

تب ڈاکٹر کرمانی نے مجھ سے کہا۔"جب ہم دوسروں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں تو ان کے لواحقین پر بھی یہی سب گزرتی ہے۔ تمہیں کبھی کسی دوسرے پر رحم نہیں آیا آج اپنے دل پر چوٹ پڑی ہے تو تمہیں رشتہ داریاں یاد آ رہی ہیں۔میں باس کے ساتھ غداری نہیں کرسکتا ہمیں جو بھی موقع ملے ہمیں اس سے فائدہ اٹھانے کا حکم ہے۔ہمارے ہاں رشتہ داری اور محبتوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے اگر تمہیں ہمارے ساتھ کام کرنا ہے تو ہر چیز کو بھلانا ہوگا۔

میں کئی راتوں تک سویا نہیں رہ رہ کر اپنی بہن کی صورت نگاہوں میں آ رہی تھی اس کی گود میں اس کا شیر خوار بچہ تھا میں کیسا بھائی تھا بھائی تو اپنی بہنوں کو خوشیاں دیتے ہیں۔میں نے ہی اپنی بہن کے سر سے چادر کھینچ لی۔ اسے بے آسرا کردیا وہ جوانی میں ہی بیوہ ہوگئی مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اپنی بہن کی خوشیوں کا قاتل ہوں اپنے بہنوئی کو اپنے ہاتھ سے میں نے قتل کردیا ہے۔

سنی میرے ساتھ تھا وہ میری حالت دیکھ رہا تھا اس کے بے حد اصرار پر میں نے اسے اپنی ساری کہانی سنا دی اس نے مجھ سے صبر کرنے کے لیے کہا۔مگر میں نے جواب دیا کہ ڈاکٹر کرمانی کی بات میرے دل کو لگ گئی ہے۔ہم دوسروں کے ساتھ جب یہ ظلم کرتے ہیں تب ہمیں اس کا احساس نہیں ہوتا کہ ہم کتنے ظالم اور سفاک ہیں۔درندگی کر رہے ہیں میں نے سنی سے کہا کہ ذرا سوچو سنی آج میرے ساتھ ایسا ہوا ہے کل تمہارے کسی اپنے کے ساتھ ایسا ہوگا تب تمہاری حالت بھی مجھ سے جدا نہیں ہوگی۔تو سنی سوچ میں پڑ گیا۔میں نے ہی اس کو اکسایا تھا کہ ہم اس دھندلے سے علیحدہ ہوجاتے ہیں۔تو سنی نے کہا کہ ہم کہیں بھی جائیں گے باس کے آدمی ہمیں ڈھونڈ نکالیں گے۔تب دماغ میں ایک ترکیب آئی اور میں نے سوچا کہ بس ایک آخری جرم اور اس کے بعد... اس کے بعد میں اور سنی یہ ملک ہی چھوڑے کر چلے جائیں گے۔

میں نے سوچا کے اپنا پرس کسی انجان شخص کی جیب میں ڈال دیتا ہوں۔پھر اسے ختم کر کے اس کا چہر بگاڑ دوں گا۔میں نے ایک ایسے شخص کو تاڑ لیا۔

جو جسامت اور رنگت میں قدرے مجھ سے مشابہہ تھا۔میں نے اسٹیشن پر اس شخص کو دیکھا جو افراتفری میں ایک چھوٹا سا بیگ اٹھائے ٹرین کی جانب بھاگا جا رہا تھا۔میں اسے ٹکرایا اور اپنا پرس اس کی جیب میں ڈال دیا مگر اس شخص نے یہ دیکھ لیا اور تیزی سے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ تھام کر کہا۔

”بھائی صاحب آپ نے یہ پرس میری جیب میں کیوں ڈالا ہے۔کہیں آپ نے کسی اور کا پرس تو نہیں اڑایا اور پولیس آپ کے پیچھے لگ گئی ہو تو آپ نے اپنی جان بچانے کے لیے یہ پرس میری جیب میں ڈال دیا براہِ مہربانی اسے لیتے جائیے۔“ یہ کہہ کر اس نے پرس میرے ہاتھ میں تھمایا اور جانے لگا تب میں نے بڑی لجاجت سے اسے پکارا تو وہ رک گیا اور استفساری نظروں سے میری جانب دیکھنے لگا۔

”دیکھیں یہ پرس میرا ہے اگر آپ کو یقین نہیں آرہا تو آپ اس میں میری تصویر اور شناختی کارڈ دیکھ سکتے ہیں۔مگر اس پرس میں ایک بہت اہم چیز موجود ہے جس کو مجھ سے حاصل کرنے کے لیے کچھ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

لوگ میرے پیچھے پڑے ہیں۔میں نے سوچا کہ آپ ٹرین میں جا رہے ہیں۔ میں بھی اس ٹرین سے سفر کر رہا ہوں۔اب اگر وہ لوگ میری تلاشی بھی لیں گے تو انہیں یہ پرس نہیں ملے گا پھر ان کے جانے کے بعد میں آپ سے اپنا پرس واپس لے جاؤں گا۔“

”آپ سچ کہہ رہے ہیں۔“ اس نے مشکوک نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں ہاں آپ کو یقین نہیں آرہا تو آپ پرس کھول کر دیکھ سکتے ہیں۔میں نے پرس کھول کر اسے اپنا شناختی کارڈ دکھایا تو اس نے میرا پرس اپنی جیب میں رکھ لیا۔

میں نے اس شخص کو اپنی نگاہوں میں رکھا ہوا تھا۔ہر اسٹیشن پر اتر کر وہ شخص مجھ سے میرا پرس واپس لینے کے لیے کہتا مگر میں اسے یہی جواب دیتا کہ ابھی وہ لوگ میرے پاس سے ہو کر نہیں گئے ہیں۔

میں موقع کی تلاش میں تھا کہ کب مجھے موقع ملے اور میں اس کا کام تمام کردوں۔لیکن مجھے خود تو اسے مارنے کا موقع نہیں ملا البتہ قدرت کی جانب

سے اس کا وقت پورا ہوچکا تھا ٹرین کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور ایکسیڈنٹ میں بھی میں تھوڑا سا زخمی ہوا تھا لیکن اس کے باوجود میں نے یہ اطمینان کرلیا تھا کہ وہ شخص بھی حادثے کا شکار ہوچکا ہے۔

میں جائے حادثہ سے تیزی سے غائب ہو گیا۔ میرا ارادہ کسی محفوظ ٹھکانہ تلاش کر کے سنی کو بلانا تھا۔ پھر میں نے اپنے ایک دور کے رشتہ دار کے پاس پناہ لی اور سنی کو فوری طور پر وہاں بلوا لیا ہم ابھی تک وہیں چھپے ہوئے تھے۔ ہماری ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی باہر نکلنے کی کیونکہ ہمیں معلوم تھا کہ ہماری تلاش نہایت زور و شور سے جاری ہے۔

اتنا کہہ کر سلطان خاموش ہو گیا اور تھوک نگل نگل کر اپنے خشک ہوجانے والے حلق کو تر کرنے لگا۔

”کیا کہا تم نے تم خاموشی سے اپنے کسی رشتہ دار کے گھر چھپے ہوئے تھے۔“ باس نے ایک بار پھر اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر کہا۔

”جی... جی باس...!“ اس نے سراسیمگی سے کہا۔

”میں نے کہا تھا ناں سلطان کہ میں صرف سچ سنوں گا پھر تم نے جھوٹ کیوں بولا...“

باس نے سلطان کے قریب جا کر اس کے منہ پر ایک زور دار جھانپڑ رسید کیا اس کے لہجے میں شیر کی سی دہاڑ تھی۔

”میں سچ بول رہا ہوں باس...!“اس نے ممیائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”پھر جھوٹ... پھر جھوٹ...!“ باس نے اپنا سر زور زور سے جھٹکتے ہوئے کہا۔ پھر جابر سے مخاطب ہو کر بولا۔

”جابر تم ہی اپنی زبان میں اس سے پوچھو۔“ تو جابر اپنی کمر سے چمڑے کی بیلٹ کھولتا ہوا خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے اس کے نزدیک آیا۔ بیلٹ کو پینٹ سے نکال کر اس نے ہاتھ سے جھٹکا دیا تو ایک شڑاک کی آواز فضا میں گونجی اور سلطان کے منہ سے عجیب سی آواز نکلی۔

”بکواس بند کرو... سلطان...!“ جابر نے ایک بار پھر بیلٹ کو فضا میں لہرایا۔

”جو کچھ تھا میں نے بالکل سچ سچ بتا دیا ہے۔“ اس نے جابر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔

"باس اب میں کیا کروں۔جب یہ خود ہی اپنی دشمنی پر آمادہ ہے۔" جابر نے کہا۔

"تمہاری بات مکمل ہوچکی ہے کچھ اور باقی ہے اگر تو اب بھی بتادو۔" باس نے کہا تو سلطان نے نفی میں گردن ہلادی۔

"ٹھیک ہے...!" باس نے اطمینان سے ٹانگ پر ٹانگ رکھی اور جیب سے سگار نکال کر سلگا کر ہونٹوں سے لگایا اور ایک طویل کش لیتے ہوئے جابر سے کہا۔

"جو سچ یہ ہم سے چھپا رہا ہے تم اسے بتا دو۔"

"تم سیدھے اذلان شاہ کے پاس پہنچے اور اسے بتایا کہ تم نے آغا قزلباش کی تنظیم کو چھوڑ دیا ہے اور تم اس کے ساتھ رہنا چاہتے ہو تم نے نہ صرف اذلان شاہ کو ہمارے قیمتی راز دیے بلکہ پولیس کو بھی خفیہ طریقے سے ہمارے کاروبار کے بارے میں انفارم کیا جس کے نتیجے میں پولیس نے ڈاکٹر کرمانی کو اریسٹ کیا اور بنگلے پر ریڈ کیا۔اذلان شاہ کے لوگوں سے تمہارا ملنا جلنا پچھلے دو ماہ سے تھا تم یہ سوچ کر بے فکر ہوگئے تھے کہ ٹرین میں اس شخص کی لاش

مزیداردوکتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کو ہم تمہاری لاش سمجھ کر خاموش ہو کر بیٹھ جائیں گے مگر دیکھ لو تمہارا بھانڈہ کس طرح سے پھوٹا۔

جس طرح سے تم ایک مردہ جسم کو اپنی شناخت دینا چاہتے تھے اسی طرح ایک اور شخص کو بھی اپنی شناخت بدلنے کے لیے ایک مردہ جسم کی ضرورت تھی اور دیکھو اس شخص کو بھی وہی ایک شخص ملا اور اس نے تمہارا پرس مردہ شخص کی جیب سے اس شخص کا پرس سمجھ کر نکال لیا اور اپنی تمام شناختی علامات اس کے لباس میں منتقل کردیں اور تمہارے بارے میں یہ ساری معلومات ہمیں اذلان شاہ کے ایک "پالتو

کتے" نے دی ہیں۔جیسے تم غدار ویسے ہی وہ بھی اذلان شاہ سے غداری کر رہا ہے۔اس کے ساتھ رہتے ہوئے ہمارا کام کر رہا ہے۔اب بولو تم کیا کہتے ہو۔" جابر نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر سلطان کے سامنے کہا تو سلطان زمین پر گر کر لوٹنے لگا۔پھر گھسٹ گھسٹ کر باس کی جانب بڑھنے لگا۔وہ رو رہا تھا گڑ گڑا رہا تھا کہ اسے معاف کردیا جائے۔

باس نے چنگھاڑتے ہوئے انداز میں ایک زور دار آواز لگائی۔

”گلزار...!“

”یس باس!“ وہ ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

”میرے کتے کتنے دنوں سے بھوکے ہیں۔“ اس نے خوف ناک لہجے میں کہا۔

”دو دن ہوگئے ہیں باس آپ کا حکم تھا کہ انہیں خوراک نہ دی جائے۔وہ اپنے پنجرے میں بہت بے قرار ہیں۔“ گلزار نے سلطان اور سنی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”ان کے پنجرے یہاں لائے جائیں۔“ باس نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔

”رحم کریں باس، رحم کریں۔میں نے آپ کی بہت خدمت کی ہے۔آپ کو بہت مال کما کر دیا ہے۔باس...!“ سلطان بری طرح گڑ گڑا رہا تھا زمین پر پڑا اس کے قدموں میں اپنا ماتھا رگڑ رہا تھا۔

میں یہ ساری کارروائی سانس روکے دیکھ رہا تھا۔شکل و صورت اور اپنے ظاہری حلیے سے قزلباش جتنا ڈیسنت اور ایجوکیٹڈ دکھائی دیتا تھا اندر سے بالکل جانور

مزیدار دو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کی مانند تھا۔اپنے مفاد کے لیے سب کچھ کر گزرنے والا انسان کی اس کی نگاہ میں انسانی جان کی کوئی ویلیو نہیں ہے، اس نے سلطان کے لیے کتنی درد ناک موت تجویز کی تھی۔دو دن سے بھوکے کتوں کا پنجرہ یہاں لایا جا رہا تھا اور اب سلطان اور سنی کو ان بھوکے کتوں کے آگے ڈالا جانے والا تھا۔

باس پر سلطان کی آہ و بکا کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔وہ اس طرح بیٹھا تھا جیسے اس کے کانوں میں کوئی آواز نہیں آرہی ہو۔میں نے راجہ کی جانب دیکھا۔وہ بہت دلچسپی کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہا تھا جعفر اور کلیم کے چہروں پر بھی مجھے وحشت دکھائی دی کنیز کے جسم کی لرزاہٹ میں نے خود محسوس کی اس نے سختی کے ساتھ میرا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔لیکن مجھے مینا کو دیکھ کر بے حد حیرت ہو رہی تھی اس کے چہرے پر کسی بھی قسم کا خوف یا گھبراہٹ نہیں تھی بلکہ اس کی جگہ جابر اور باس کی طرح اس کی آنکھوں میں سلطان کے لیے انتہائی نفرت اور غصہ تھا اور پھر پہیوں کے پھسلنے کی گڑ گڑاہٹ اور کتوں کے بھونکنے کی آوازوں پر سب کی نگاہیں ہال کے اندرونی دروازے کی جانب اٹھ گئیں اور پھر گلزار اور دلبر کتوں کے اس پنجرے کے ساتھ ہال میں داخل

ہوئے۔ہال کے وسط میں پنجرے کو لا کر گلزار اور دلبر رک گئے۔لوہے کے اس بڑے سے پنجرے میں تین عدد خوف ناک جبڑوں والے کتے تھے۔جو بڑی بے چینی اور بے قراری کے ساتھ پنجرے میں اِدھر سے اُدھر اچھل کود رہے تھے اور غرا رہے تھے۔

گلزار نے باس کی سمت دیکھا گویا پوچھ رہا ہو ”کیا حکم ہے میرے آقا۔“

”ڈال دو اس کو ہمارے ان بھوکے کتوں کے سامنے اس غدار سے زیادہ تو یہ جانور ہمارے وفا دار ہیں۔تو پھر ان کی وفاداری کے انعام کے طورپر سلطان کو اس کی غداری کی سزا کے طور پر اس پنجرے کو کھول دو...!“ باس نے کہا تو گلزار نے پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔تینوں کتے تیزی کے ساتھ پنجرے سے باہر نکل آئے اور سیدھے باس کے پاس پہنچ کر اس کے گرد تیزی سے گھومتے ہوئے غوں غوں کرنے لگے۔باس نے ان کی گردنوں کو سہلایا تو ان کی آواز مزید مدھم ہوگئی۔مگر ان کی بے چینی کم نہیں ہو رہی تھی۔بھوک کی شدت نے انہیں بے قرار کر رکھا تھا۔وہ تیزی سے اس کے گرد گھوم رہے

تھے اور منہ اوپر اٹھا اٹھا کر اس کی جانب التجا آمیز نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

میں نے محسوس کیا کہ سلطان کی آواز بالکل ہی خاموش ہوگئی ہے۔شاید اپنے بھیانک انجام کے خوف سے وہ بے ہوش ہوچکا تھا جب کہ مسلسل خاموش سنی گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔اس کی گردن بھی جھکی ہوئی تھی۔

”اٹیک ہم...!“ باس نے سلطان کی جانب اشارہ کر کے زور سے کہا۔

باس کا اتنا کہنا تھا کہ تینوں کتے سلطان کے جسم پر بل پڑے ایک اچھل اچھل کر سنی کے جسم کو بھنبھوڑ رہا تھا اس کے خوفناک جبڑے سلطان کے جسم سے گوشت نوچ رہے تھے۔سلطان کے جسم پر پھڑ پھڑاہٹ طاری ہوگئی اس کی درد ناک اور فلک شگاف چیخوں کو سن کو میرا جسم بھی کانپ اٹھا۔کنیز نے میرے ہاتھ پر اپنی گرفت مزید مضبوط کرلی اس نے اپنی آنکھیں بند کرلی تھیں اور وہ باقاعدہ کانپ رہی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے سلطان اور سنی کا پھڑکتا ہوا جسم ساکت ہو گیا۔ان کی روحیں قفس عنصری سے پرواز کر گئیں۔کتے دعوت اڑانے میں مصروف تھے۔تب باس نے تیزی کے ساتھ سیڑھیوں کی جانب

کمرے کے ماحول میں گمبھیر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

باس کے حکم پر مجھے ایک شخص کو قتل کرنا تھا' میں نے جذباتی ہو کر اپنی رضامندی کا اظہار کردیا تھا' جہاں میرا جواب سن کر باس کے چہرے پر مجھے فتح مندی دکھائی دی وہیں کنیز کے چہرے پر میں نے زلزلے کے آثار دیکھے تھے' باس اور دوسرے ساتھیوں کی موجودگی میں وہ مجھ سے کوئی بات نہیں کرسکتی تھی۔اس لیے خاموش رہی' مگر اس کے دل ودماغ میں کسی قسم کی ہلچل مچی ہوئی ہے' میں واضح طور پر محسوس کرسکتا تھا' جب کہ کوئی دوسرا اس کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا۔

باس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک لفافہ نکال لیا اور اس میں سے ایک کاغذ اور ایک پاسپورٹ سائز تصویر نکال کر میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”اس پر ساری تفصیلات لکھی ہیں اور یہ اس شخص کی تصویر ہے' جسے تمہیں اگلے جہاں روانہ کرنا ہے' بس یوں سمجھ لو کہ یہ بھی تمہارا ایک طرح کا ٹیسٹ ہے' ایک ٹیسٹ آج تمہارا ہوا' یہ دوسرا ٹیسٹ ہے اور مجھے تمہاری ذہانت اور تمہاری بہادری سے امید ہے کہ تم اپنے اس ٹیسٹ میں بھی شاندار طریقے سے کامیاب لوٹو گے۔“

میں نے اٹھ کر باس کے ہاتھ سے وہ پرچہ اور اس شخص کی تصویر لے لی' یہ ایک چالیس بیالیس سالہ صحت مند شخص کی تصویر تھی' اس کے چہرے پر گھنی مونچھیں اور داڑھی تھی آنکھیں موٹی اور ابرو گھنے اور آپس میں جڑے ہوئے تھے' سر کے بال گھنے اور بڑے تھے' شکل سے ہی وہ شخص خطرناک دکھائی دے رہا تھا۔

تصویر کا اچھی طرح سے جائزہ لینے کے بعد میں نے کاغذ پر اس شخص کے بارے میں درج تفصیلات پر ایک نگاہ ڈالی' اس کا نام سلمان احمد عرف سلو بھائی تھا۔وہ ایک ٹرانسپورٹر تھا اور ایک ٹرک کے اڈے کا مالک تھا' اس

کے دس بارہ ٹرک پاکستان بھر میں ترسیل کا کام کرتے تھے‘ اس کا آفس ماری پور میں تھا لیکن اس کی رہائش نارتھ ناظم آباد میں تھی۔

میں نے سلو بھائی کی تصویر اور کاغذ اپنے جیکٹ کی جیب میں رکھ لیااور خود اعتماد لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے باس...! آپ بے فکر رہیں‘میں اس کا کام تمام کرکے جلد ہی آپ کوخوش خبری سناؤں گا۔“

”مجھے تم سے کامیابی کی ہی امید ہے لیکن ایک بات یاد رہے شہروز کہ مجھے ایک ہی دن میں یہ کام چاہیے اور تم یہ بھی جان لو... کہ میں دوسرا موقع کبھی نہیں دیا کرتا‘ ناکام لوگوں کی میرے پاس کوئی گنجائش نہیں ہے۔“ باس نے مسکراتے ہوئے کہا۔مجھے اس کی باربار کی مسکراہٹ چڑانے والی لگتی تھی‘ خواہ کوئی بھی بات ہو‘ اس کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔عجیب طرح کاانسان تھا یہ باس بھی۔

”اور ہاں ...!“ اس نے تنبیہہ کے انداز میں انگلی اٹھا کر کہا۔”یہ تمام کام نہایت احتیاط اور ہوش مندی سے ہونا چاہیے‘ تم کسی کی نگاہ میں نہ آؤ‘ یہی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تمہاری اصل کامیابی ہے اور اگر بالفرض تم کسی کی نگاہ میں آبھی جاؤ تو تمہیں کسی بھی صورت مجھ سے رابطہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔تمہاری کارکردگی میرے علم میں آہی جائے گی۔میں بعد میں خود تم سے رابطہ کروں گا... سمجھ گئے یا مزید سمجھانے کی ضرورت ہے۔“

”نہیں ...!“ میں نے قطعی لہجے میں جواب دیا‘ میں بھی بار بار کسی بات کو نہیں سمجھتا... ایک ہی دفعہ بات میری سمجھ میں آجاتی ہے۔“

”یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے اور تمہارا پلس پوائنٹ بھی... ویسے تمہارے دماغ میں کیا چل رہا ہے‘ تم اس کو کس طرح سے مارو گے۔“ باس نے پوچھا۔

”آپ کا کیا خیال ہے مجھے یہ کام کس طرح کرنا چاہیے۔“ میں نے پوچھا۔

”یہ فیصلہ تو تمہیں کرنا ہے‘ میں کیا بتاؤں؟“ باس نے دلچسپ نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیونکہ میرے پاس کوئی ہتھیار تو ہے نہیں اس لیے سوچ رہا ہوں کہ اسے ایکسیڈنٹ میں مار دیتا ہوں۔" میں نے کہا تو باس نے میری بات سن کر ایک زور کا قہقہہ لگایااور بولا۔

"میں تمہاری ذہانت سے کی گئی ڈیمانڈ سے متاثر ہوا ہوں۔اسلحہ کی تم فکرنہ کرو تم جابر کے ساتھ چلے جاؤ' یہ تمہیں تمہاا مطلوبہ ہتھیار فراہم کردے گا' ہمارے پاس ہرقسم کے اسلحہ کا ذخیرہ ہے' جو تم پسند کرو' لے لو... اور ہاں...!" اس نے جابر کی جانب دیکھا اوراس سے مخاطب ہوا۔

"تم ایک دو ریوالور یا پستول جو یہ پسند کرے' اس کو دے دو... تم اس کی بیک پر رہوگے' لیکن اس کے کام میں اس کی کسی بھی قسم کی مدد نہیں کرنا ہے۔"

"اوکے باس...!" جابر نے مستعدی سے کہا۔

"ٹھیک ہے اب تم لوگ جاؤ' تم نے کراچی کا یہ علاقہ دیکھا ہوا ہے یا نہیں اگر نہیں تو جابر تمہاری رہنمائی کرے گا' یہ تمہیں سلو کا آفس اور رہائش گاہ' دونوں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

مقامات کو دکھادے گا' پھر تمہیں خود فیصلہ کرنا ہے کہ اسے کہاں اور کس جگہ مارنا ہے' چوبیس گھنٹے ... صرف چوبیس گھنٹے...!" باس نے کہا۔

"اوکے باس...!" اس مرتبہ میں نے بھی جابر کے انداز میں کہااور اٹھ کھڑا ہوا' چلتے چلتے میں نے کنیز کی جانب ایک نگاہ ڈالی' اس کے چہرے پر ابھی بھی مجھے پریشانی دکھائی دے رہی تھی اس کے علاوہ دوسرے لوگ نارمل تھے' میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کنیز اس بات کو لے کر پریشان کیوں ہے' کیا وہ مجھے اس فعل سے روکنا چاہتی ہے' مجھے کسی بات سے خبردار کرنا چاہتی ہے' یا پھر کوئی اور بات ہے' اگر میں گلشن اقبال والے فلیٹ پر واپس جاتا تو کنیز سے میری بات ہوجاتی اور میں اس سے اس کا سبب معلوم کرتا لیکن میرے پاس بہت کم ٹائم تھا' اور مجھے اپنا یہ ٹاسک مکمل کرنا تھا۔

سب کو اس جگہ بیٹھا چھوڑ کر میں جابر کے ساتھ اس کمرے سے نکل آیا' جابر مجھے لے کر دوبارہ بنگلے کے زمین دوز حصے کی جانب آیا' پہلے میں نے اس پرغور نہیں کیا تھا'مگر اب اس کمرے کے علاوہ جہاں سلطان اور سنی باس

کے شکاری کتوں کی خوراک بنے تھے' ایک اور کمرہ تھا' بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ایک اور بنگلہ زمین دوز بنا ہوا تھا۔

یہاں آکر چند گھنٹے پہلے کے وہ سارے دردناک مناظر میری آنکھوں کے سامنے گھوم گئے' کمرہ بالکل پہلے کی طرح صاف ستھرا تھا اور چند گھنٹے پہلے ہونے والی اس واردات کا کوئی نشان بھی یہاں باقی نہیں تھا' بلکہ ایک عجیب طرح کی بو یہاں پھیلی ہوئی تھی' شاید اس جگہ کو دھو کر یہاں جراثیم کش دوا کا اسپرے کیا گیا تھا۔

اندر مجھے چند لوگ اور دکھائی دیئے مگر کسی نے بھی میری اور جابر کی جانب کوئی توجہ نہیں دی ورنہ کسی اجنبی کو دیکھ کر انسان کی نگاہیں بے ساختہ اٹھ ہی جاتی ہیں' لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے ہماری جانب دیکھا تو ان سے کوئی بڑا جرم سرزد ہوجائے گا۔

یہیں ایک جانب میں نے شکاری کتوں کا وہ بڑا سا لوہے کا پنجرہ بھی دیکھا اس وقت وہاں شانتی چھائی ہوئی تھی' تینوں کتے پیٹ بھرنے کے بعد آنکھیں موندے مزے سے پنجرے میں لیٹے ہوئے تھے۔

مزیداردوکتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

جابر مجھے لے کر ایک اور کمرے میں آیا' یہاں قد آور الماریاں بنی ہوئی تھیں۔ جابر نے ایک الماری کھولی تو میں نے دیکھا کہ یہاں ہر قسم کا اسلحہ موجود ہے' جابر نے ایک ریوالور نکال کر میرے حوالے کیا' جس پر مجھے سائلنسر نظر آرہا تھا۔

"یہ لو... تم یہ ریوالور رکھ لو' اس میں سائیلنسر لگا ہوا ہے' تم اس سے آرام سے اپنا کام کرسکتے ہو۔" اس نے ریوالور میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں نے ریوالور ہاتھ میں لے لیا اور الٹ پلٹ کر اچھی طرح سے اس کا جائزہ لیا۔اس کا چیمبر کھول کر دیکھا وہ لوڈ تھا۔

"اسے اپنی شرٹ کے اندر لگالو۔" جابر نے کہا۔

میں نے جابر کی ہدایت پر ریوالور اپنی شرٹ کے اندر اڈجسٹ کرلیا۔

"تم پریشان تو نہیں ہو۔" جابر نے پوچھا۔

"قطعی نہیں!" میں نے کہا۔

"ایک بات یاد رکھنا' باس بڑے دریادل انسان ہیں' اگر تم اچھی طرح سے کام کرتے رہوگے تو وہ تمہارے کام سے خوش ہو کر ایک بہتر زندگی تمہیں عطا

کریں گے، لڑکیاں، شراب، سب کچھ ملے گا اور پھر تم اپنے دشمنوں سے بھی بدلہ لے سکو گے۔" جابر نے کہا۔

"مجھے نہ خوب صورت زندگی کی خواہش ہے اور نہ لڑکیوں اور شراب کی ... تم لوگوں کے ساتھ شامل ہونے کا میرا واحد مقصد صرف اور صرف اپنے دشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچانا ہے۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔

"فرض کرو اگر تمہیں فوراً ہی اپنے دشمنوں کو ٹھکانے لگانے کا موقع مل جاتا ہے تو پھر تم اس کے بعد کیا کرو گے، باس کو چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔" جابر نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"ظاہر ہے پھر مجھے تم لوگوں کے ساتھ مل کر قتل وغارت گری کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" میں نے احمقانہ انداز میں سچ بول دیا۔

میرا جواب سن کر جابر نے ایک زوردار قہقہہ لگایا، وہ دیر تک ہنستا رہا اور وہ اس طرح سے ہنس رہا تھا جیسے میں نے اسے کوئی مزیدار لطیفہ سنایا ہو۔

"کیا ہوا... اس طرح سے کیوں ہنس رہے ہو، میں نے کیا کوئی جوک سنایا ہے تمہیں۔" میں نے حیرت سے کہا تو اس کی ہنسی کو ایک دم بریک لگ گیا اور وہ عجیب سے لہجے میں بولا۔

"تم باس کی بات بھول گئے۔ یہاں آنے کے کئی راستے ہیں مگر واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے، کیا تم سلطان اور سنی کا انجام بھول گئے۔"

"کیا مطلب...!" میں نے بوکھلا کر کہا۔

"تم اتنے ہی معصوم اور بھولے ہو یا بننے کی اداکاری کر رہے ہو... تم باس سے مل لیے، یہاں تک آ گئے ... بہت کچھ جان لیا... اور اب واپسی کی بات کر رہے ہو..." اس نے اپنی
آنکھوں کو میری آنکھوں میں گاڑتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں... وہ میں ...!" میں ہکلا کر رہ گیا۔

"تمہیں پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا، بس باس سے کبھی غداری اور یہاں سے واپسی کا کبھی مت سوچنا... تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہے گا... آؤ چلیں۔" میرے پریشان ہو جانے پر جابر نے نرم

لہجے میں میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں کہا اور میں جابر کے ساتھ اس بنگلے سے ہی باہر آگیا۔

واپس آتے ہوئے میرا ذہن مسلسل جابر کی باتوں میں الجھا ہوا تھا‘بلکہ میں پریشان بھی ہو رہا تھا کہ میں اپنا انتقام لینے کے چکر میں کن لوگوں کے درمیان آکر پھنس گیا ہوں‘ کیا ان لوگوں کا ساتھ حاصل کرنے کے لیے مجھے وہ سارے کرائمز کرنے پڑیں گے جو یہ لوگ کرتے ہیں اور پھر اپنے انتقام کی آگ بجھانے کے بعد میں کیا بن کر دنیا کے سامنے آؤں گا‘پھر مجھے جابر کی ڈھکی چھپی دھمکی یاد آنے لگی‘یہ لوگ مجھے کسی حال میں بھی نہیں چھوڑیں گے‘ اگر انہیں ذرا بھی شک ہو گیا کہ میں صرف اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے ان کے ساتھ ہوں‘ تو یہ لوگ ابھی میرا کام تمام کردیں گے‘ چاہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے مجھے باس کا اعتماد جیتنا ہی ہوگا‘ بعد میں جیسا موقع ملے گا‘ دیکھوں گا۔

”کن سوچوں میں گم ہو۔“ جابر جو کار ڈرائیو کر رہا تھا‘ بہت دیر سے میرے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہا تھا‘ بالآخر پوچھ ہی بیٹھا۔

”کچھ نہیں !“ میں نے ایک گہری سانس اپنے اندر اتارتے ہوئے کہا۔”میں نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا ہے اور خود کو پوری طرح تم لوگوں کے حوالے کردیا ہے‘ میرے پاس کوئی چوائس ہی نہیں ہے کہ میں ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کروں یا باس کی کوئی بات ماننے سے انکار کروں۔اگر میں ایسا کروں گا تو یہ بہت بڑی بے وقوفی ہوگی اور پھر مجھے اپنی اس بے وقوفی کی کڑی سزا بھی بھگتنا پڑے گی۔

”تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے‘ لیکن بس ایک بات یاد رکھنا باس صرف زبانی باتوں پر یقین نہیں رکھتے بلکہ قدم قدم پر تمہیں یہ بات عملی طور پر ثابت کرنا ہوگی۔“ جابر نے نرم لہجے میں کہا۔

اور پھر راستے میں ہم مزید ایسی ہی باتیں کرتے رہے‘ جابر کراچی کی تمام بڑی شاہراؤں کے بارے میں مجھے بتا رہا تھا‘ مختلف علاقوں میں کون کون سی شاہراؤں سے گزرنا پڑتا ہے‘ کچھ شارٹ کٹ رستے بھی اس نے مجھے بتائے‘ ویسے تو جعفر اور کلیم مجھے کافی کچھ دکھا اور بتا چکے تھے اور اب میں کراچی کے علاقوں اور سڑکوں سے اتنا انجان نہیں رہا تھا۔

جابر نے مجھے نارتھ ناظم آباد میں سلو بھائی کی رہائش گاہ دکھائی' پھر ماری پور میں اس کا آفس دکھایا۔

"تم فلیٹ چل کر کچھ دیر آرام کرنا چاہو تو واپس چلو' ریسٹ کرنے کے بعد آجانا۔" جابر نے کہا۔

"ہاں چلئے' میں نہانا چاہتا ہوں تاکہ پوری طرح سے فریش ہوسکوں' پھر مجھے تنہا ہی تو سارے کام کرنے ہیں۔" میں نے کہا تو جابر نے کار کو گلشن اقبال کی جانب جانے والے روڈ پر موڑ لیا۔

فلیٹ پر میں اور جابر آئے تو معلوم ہوا کہ ابھی تک وہ لوگ واپس نہیں آئے ہیں۔میں نے اس کا سبب جابر سے پوچھا تو وہ بولا۔"ہوسکتا ہے باس نے انہیں بھی کوئی کام بتادیا ہو' ویسے تم دوسروں کی کھوج میں زیادہ مت رہا کرو' کہ کون کہاں ہے' کیوں ہے' کیا کررہا ہے' کہاں جارہا ہے یہاں سب کو صرف اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے سے مطلب ہوتا ہے' تمہیں بھی یہی کرنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے' آئندہ تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" میں نے جواب دیا' پھر میں نے نیم گرم پانی سے اچھی طرح سے غسل کیااور بلیک کافی پی کر پوری طرح چاق وچوبند ہو گیا' اب نہ تو مجھے کچھ کھانے کی حاجت تھی اور نہ ہی نیند کی' میں نان اسٹاپ چوبیس گھنٹے کام کرسکتا تھا۔

میں وہاں سے گاڑی لے کر نکلااور سیدھا سلو بھائی کے آفس کی جانب آگیا۔ میں نے اس جگہ سے قدرے فاصلے پر گاڑی روک دی۔یہاں ادھر ادھر بہت سے ٹرک اور گاڑیاں کھڑی تھیں۔سلو بھائی کے دفتر کے علاوہ یہاں دوسرے ٹرانسپورٹرز کے دفاتر بھی موجود تھے اور دکانیں تھیں۔لوگوں کا بھی کافی رش تھا۔

میں کار سے اتر آیااور اسے لاک کرکے ٹرانسپورٹرز کے دفاتر اور دکانوں پر آویزاں بورڈ پر نگاہ ڈالتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔مجھے دیکھنے والا یہی سمجھتا کہ مجھے کسی خاص دکان یا دفتر کی تلاش ہے۔

تب ہی نہ جانے کیوں میں نے یوں ہی گردن گھما کر دیکھ لیا' حالانکہ اس کی کوئی خاص وجہ بھی نہیں تھی' غالباً میری چھٹی حس نے مجھے اس بات کااحساس

دلایا تھا' میں نے ایک جھلک جابر کی دیکھی تھی' وہ تیزی کے ساتھ وہاں کھڑی ایک گاڑی کے پیچھے ہو گیا' لیکن میں اسے دیکھ چکا تھا' اس کے ساتھ ایک آدمی اور تھا'جس کی شکل میری ناآشنا تھی۔مجھے باس کی بات یاد آئی ' اس نے جابر کو ہدایت کی تھی کہ شہروز کی بیک پر رہنا لیکن مدد مت کرنا' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ میرے کام کی نگرانی کررہاہو کہ میں کس طرح کام انجام دیتاہوں۔

میں دکانوں اور دفتروں کے بورڈ پر نگاہ ڈالتا ہوا سلو بھائی کے دفتر کے سامنے رک گیا۔میں نے شیشے کی دیوار کے پار دیکھا اندر کرسیوں پر کئی لوگ بیٹھے تھے' لیکن میری نگاہ اپنے شکار کو

تلاش کررہی تھی' پھر میں نے اسے دیکھ بھی لیا اور پہچان بھی لیا' بڑی سی میز کے پیچھے ایک کرسی پر وہی بیٹھا تھا' اس کا حلیہ ہی کچھ اس قسم کا تھا کہ اسے پہچاننا کچھ بھی مشکل نہیں تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں بس چند لمحے ہی اس کے دفتر کے سامنے رکا تھا اور ان چند لمحوں میں' میں نے سلو بھائی کی موجودگی کا یقین کرلیا تھا کہ وہ اس وقت اپنے آفس میں موجود ہے' مجھے اسے کہیں اور تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر میں اس طرح سے اس کے آفس کے سامنے سے ہٹ گیا کہ جیسے مجھے کسی اور کی تلاش ہے' سلو بھائی کے آفس سے چند قدم کے فاصلے پر ایک چائے کا ہوٹل تھا 'میں بے پروائی سے چلتا ہوا' ہوٹل کے باہر بچھی ہوئی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔میرے علاوہ دوسری کرسیوں پر اور بھی بہت سے لوگ بیٹھے تھے' ہوٹل کے بیرے نے جیسے ہی مجھے دیکھا وہ لپک کر آرڈر لینے میرے پاس آیا تو میں نے اس سے ایک چائے لانے کا کہہ دیا۔

یہاں بیٹھ کر میں غیر محسوس انداز میں ادھر ادھر گردن گھما کر لوگوں کو دیکھنے لگا' لیکن دراصل میں جابر کو دیکھ رہا تھا کہ وہ اب کس جگہ موجود ہے' لیکن وہ مجھے کہیں دکھائی نہیں دیا' اس نے یقینا مجھے گردن موڑتے ہوئے دیکھ لیا ہوگا' اس لیے اس نے اپنے آپ کو میری نگاہوں سے چھپالیا' یہ لوگ ابھی تک مجھے ایک احمق اور بودا آدمی تصور کررہے تھے جو میں نہیں

تھا' وہ کسی محفوظ جگہ سے مسلسل میرا جائزہ لے رہا ہوگا' میں اس کی موجودگی سے واقف ہو گیا تھا۔

پانچ منٹ سے بھی کم عرصہ میں بیرا میرے لیے گرم گرم چائے لے کر آگیا۔میں نے چائے پی کر بل ادا کیااور اٹھ کھڑا ہوا' میں ایک بار پھر سلو بھائی کے آفس کے سامنے پہنچ گیا۔میں نے شیشے کی دیوار کے پار سلو بھائی کو دیکھ لیا تھا' وہ میز کی دوسری جانب کرسی پر بیٹھے شخص سے باتوں میں مصروف تھا۔میں ذرا نمایاں ہو کراس کے سامنے کھڑا ہو گیا' کیونکہ میں چاہتا تھا کہ وہ مجھے دیکھ لے' اور پھر ایسا ہی ہوا' بات کرتے کرتے اس کی نگاہ میرے اوپر پڑی تو میں نے اسے آنکھ سے اشارہ کیا۔

مجھے ایسا کرتے دیکھ کر اس کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہوگئے اور وہ چونک پڑا' پھراس کے چہرے پر الجھن کے آثار دکھائی دینے لگے' وہ مجھ سے واقف نہیں تھا' میری ذات اس کے لیے بالکل اجنبی تھی'ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے قطعی اجنبی تھے' وہ یہ سوچ رہا ہوگا کہ میں کون ہوں اور میں نے اسے آنکھ سے کیوں اشارہ کیا ہے' اس سے پہلے کہ سلو بھائی کے

چہرے پر الجھن اورپریشانی کے تاثرات دیکھ کر سامنے بیٹھا ہوا شخص پیچھے مڑ کردیکھتا' میں نے باہر بورڈ پر لکھا ہوا سلوبھائی کے آفس کانمبر ذہن نشین کیااور تیزی کے ساتھ چلتا ہوا اپنی کار میں آکر بیٹھ گیا۔

کارمیں بیٹھ کر میں نے عقبی آئینے پر نگاہ ڈالی تو سلو بھائی کسی شخص کے ساتھ آفس کے باہر کھڑا ہوا دکھائی دیا' وہ دونوں باتیں کررہے تھے۔

میں نے تیزی کے ساتھ اپنی کار وہاں سے نکالی اور بھگانے لگا' میں دراصل جابر کو چکمہ دینے کی کوشش کررہاتھا۔

کار کوتیزی سے دوڑاتے ہوئے میں بار بار بیک مرر میں دیکھ رہا تھاکہ جابر کی کار تو میرے پیچھے نہیں آرہی لیکن جابر مجھے اپنے تعاقب میں آتا ہوا دکھائی نہیں دیا' میں مطمئن ہو گیااور اپنی کار ایک پبلک کال آفس کے سامنے روک دی' میں کار سے اتر کر اندر آیا' اس طرف زیادہ لوگ نہیں تھے۔اکادکالوگ آجارہے تھے' میں نے اندر جاکر ایک بار پھر باہر کا جائزہ لیا کہ شاید جابر کہیں سے نکل کرآگیا ہو' مگر مجھے جابر دکھائی نہیں دیا' البتہ ایک بائیک والا آکر وہاں رک گیا' شاید اسے بھی کسی کو کال کرنی تھی' وہ بائیک سے اتر کرمیرے

باہر آنے کا انتظار کرنے لگا' میں نے اس شخص پر نگاہ ڈالی ' اس کے کندھے سے ایک کیمرہ لٹکا ہوا تھا' وہ بے پرواانداز میں سگریٹ نکال کے سلگا کے کش لینے لگا' اس کی نگاہیں روڈ پر آتی جاتی گاڑیوں پر تھیں۔

اس جانب سے مطمئن ہو کر میں نے سلو بھائی کے آفس کا نمبر ذہن میں دہرایا پھر ریسیور اٹھا کر نمبر ملادیا۔

نمبر ملتے ہی گھنٹی بجنے لگی' تین چار گھنٹیاں بجنے کے بعد کسی نے فون ریسیو کیااور ایک بھاری سی آواز سنائی دی۔

"ہالو...کون بولتا اے!"

میں سمجھ گیا کہ یہ سلو بھائی ہی کی آواز ہے' اس لیے میں نے اپنی آواز اور لہجے میں بے چینی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"سلو بھائی بول رہے ہیں!"

"ہا...ام بولتی اے ... تم کون...؟"

"سلوبھائی ابھی آپ کے آفس سے باہر ایک لڑکے نے آپ کو آنکھ ماری تھی' میں وہی لڑکا ہوں۔" میں نے تیز تیز بولتے ہوئے کہا۔

"ہا... یاد آیا... تم نے ام کو آنکھ کیوں مارا... کیا چاہتی ہے اے تم...؟" اس نے کچھ اور سمجھتے ہوئے ترنگ میں آتے ہوئے کہا۔

"سلوبھائی آپ کی جان کو خطرہ ہے...کسی نے آپ کو جان سے مارنے کی سپاری لی ہے۔میں آپ کو اس شخص کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔آپ ایسا کریں کہ یہ بات کسی کو بھی بتائے بغیر فوراً وہاں سے نکلیں...!" میں نے اس سے بھی زیادہ تیزی سے کہا۔

"کیا بکتی اے تم...کون اے وہ...!" اس نے ناقابل بیان گالی دیتے ہوئے غصے سے کہا۔

"وہ سب میں آپ کو ملنے پر بتاؤں گا' بلکہ بہت کچھ بتانا ہے۔بس آپ دیر مت کریں اور فوراً چلے آئیں۔" میں نے بے قرار لہجے میں کہا۔

"اوئے تم ام کو ابی بتاؤ یار ام خود اس کاسپاری دے گی... سلو بھائی کو مارنا اتنا آسان بات نہیں اے۔"

"میں اس وقت ہی تو نہیں بتاسکتا۔ میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے' اگر آپ کواپنی جان پیاری ہے تو فوراً وہاں سے نکلیں۔ وہ شخص تمہارے آفس کے آس پاس ہے۔" میں نے کہا۔

"یار تم ام کوپریشان مریشان مت کرو... اس کانام بتاؤ' ام پھر سوچے گا..." اس نے گومگو کی کیفیت میں پریشان کن لہجے میں کہا۔

"میرے ذہن میں ایک اور ٹرانسپورٹر کے آفس کے باہر بورڈ پر لکھا نام آگیااور میں نے بلا سوچے سمجھے وہ لے دیا۔

"دیکھیں سلوبھائی ابھی آپ خاموش رہنا' کوئی کارروائی مت کرنا' میں اس شرط پر اس کا نام آپ کو بتاؤں گا۔"

"ہاہاام وعدہ کرتی اے ابی کسی کو کچھ نئیں بتائے گی۔ تم اس خبیث کا بچہ کا نام بولو...!" اس نے تیز تیز سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اس کانام حاجی غلام حسین ہے۔" میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اوئے خدائی خوار... اوخبیث امارے کومارنا چاتی اے... ام سمجھ گئی اے وہ ایسا کیو کررہی اے...ابی ام تم سے آکر ملتی ہے' ساری بات سنتی اے پر

اس سے بات کرے گی... لیکن تم امارہ پاس کیوں نہیں آتی... ادھر آجاؤ آرام سے بیٹھ کر بات کرے گی۔" وہ اب بھی آنے میں ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا۔

"نہیں سلوبھائی میں ادھر نہیں آسکتا' ادھر وہ میرا ساتھی گھوم رہا ہے' اگر اس نے مجھے تم سے بات کرتے ہوئے دیکھ لیا تو میں مارا جاؤں گا' بچوگے تم پھر بھی نہیں۔" میں نے زچ ہونے والے اندازمیں کہا۔

"آجاتم ام کو اک بات بولو...تم ام کو کیوں بچانا چاہتی اے!" اس نے آخری بار اپنا اطمینان کرنا چاہا۔

"بات یہ ہے سلوبھائی کہ تم میرے کچھ نہیں لگتے اور نہ ہی یہ کام میں تمہاری محبت اور ہمدردی میں کررہا ہوں۔ میں حاجی غلام حسین کا پالتو کتا ہوں اور وہ اتنا کمینہ آدمی ہے کہ جانوروں کی طرح کام لینے کے بعد پیسہ بھی نہیں دیتا' بلکہ الٹی سیدھی دھمکیاں دیتا ہے' میں نے اتفاق سے چھپ کر اس کی ساری باتیں سن لی ہیں۔ اس نے کچھ ایسا چکر چلایا ہے کہ تمہیں مارنے کے بعد وہ تمہارا

سارا کاروبار اپنے قبضے میں کرلے گا' بس تم فوراً آجاؤ تاکہ میں تمہیں تفصیل سے ساری بات بتادوں۔"

"لیکن ام باہر نکلے گی تو وہ ام کومارے گی۔" اس نے کہا۔

"توپھر ٹھیک ہے سلو بھائی' میں تو صرف تمہارے لیے اتنا ہی کرسکتا تھا' اب تم مرناہی چاہتے ہو تو خوشی سے مرجاؤ' مجھے کیا... وہ ایک ہینڈ گرینڈ تمہارے آفس میں مارے گااور تمہارا کام تمام ہوجائے گا۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اوخانہ خراب کابچہ ام کیا کرے کدرجائے... ام آتی ہوں...تم ام کو جگہ بتاؤ... ام پچھلے دروازے سے باہر نکلے گی۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"یہ ٹھیک رہے گا اور ہاں یاد رہے سلوبھائی ابھی یہ بات کسی کو نہیں بتانی ہے' میں تمہیں ساری بات بتادوں پھرتم بعد میں فیصلہ کرنا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔

"ابی بتاؤ ام کدرآوے...!" اس نے پوچھا تو میں نے سرجانی ٹاؤن میں بننے والی ایک ادھوری عمارت کے بارے میں بتادیا' یہ ایک چھ منزلہ عمارت بن

رہی تھی' اس کااسٹرکچر کھڑا تھااور کام بند ہو گیا تھا۔اس نے جواب دیا کہ وہ آدھے گھنٹے بعد وہاں پہنچ رہا ہے۔

اس سے بات کرنے کے بعد میں سیدھا سرجانی ٹاؤن کی جانب تیزی سے گاڑی بھگاتا ہوا جارہاتھا۔

وہاں پہنچ کر میں نے کار باہر پارک کی اور اوپرایک محفوظ جگہ پر جاکر کھڑا ہو گیا' میری نگاہیں عمارت کے گیٹ پر لگی ہوئی تھیں۔

میرے پہنچنے کے دس منٹ بعد ہی مجھے دور سے ایک بلیک کرولا آتی ہوئی دکھائی دی۔وہ میری گاڑی کے برابر میں رک گئی'چند لمحوں بعداس میں سے سلوبھائی باہر نکلا' اس نے میری گاڑی کے اندر جھانک کر دیکھا... وہ سمجھ رہا ہو گا کہ شاید میں اپنی گاڑی کے اندربیٹھ کراس کاانتظار کررہاہوں لیکن مجھے اندر نہ پاکر اس کے چہرے پر الجھن کے آثار دکھائی دیئے' وہ چند لمحوں تک کھڑا کچھ سوچتا رہا۔

میں سمجھ گیا کہ سلوبھائی خاصا سمجھدار آدمی ہے' وہ مشکل سے ہی کسی پہ بھروسہ کرتا ہے۔

وہ اس ویران اور سنسان جگہ پر تنہا آتو گیا تھا لیکن اب اندر آتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔میں نے سوچا کہ یہ ٹائم برباد کر رہا ہے' میں اپنا کام مکمل کر کے جلد از جلد یہاں سے چلے جانا چاہتا تھا

اس لیے میں نے اسے آواز دی۔

"سلو بھائی اندر آجائیں۔"

اس نے آواز کی سمت تیزی سے گھوم کر دیکھا تو میں نے سامنے آکر ہاتھ ہلایا اور اسے اوپر بلایا۔

میرے اوپر اس کی نگاہ پڑی تو وہ اندر آنے لگا' جتنی دیر میں وہ اوپر آیا میں پوری طرح الرٹ ہو کر کھڑا ہو گیا اور دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔

سلو بھائی سیڑھیاں چڑھتا ہوا منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا تا ہوا اوپر آرہا تھا' پھر قدموں کی آہٹ بالکل نزدیک آگئی اور سلو بھائی اندر داخل ہو گیا۔میرے لیے بس اتنا ہی کافی تھا'سلو بھائی میرے نشانے پر مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر تھا' اس کی پشت میری جانب تھی۔

"کدرائے تم...!" اس نے اندر داخل ہو کر کہا اور جواب میں میرے ریوالور سے شعلے نکلے اور سلو بھائی اوندھے منہ زمین پر گر پڑا۔

میں نے اپنی تسلی کے لیے مزید دو فائر اس کی پشت پر اور ایک کھوپڑی پر کیا اگلے ہی لمحے میں تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے جا رہا تھا' نیچے اتر کر میں نے ریوالور اندر اپنی شرٹ میں سیٹ کر لیا اور اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے تیزی سے وہاں سے روانہ ہو گیا۔

راستے میں میں نارمل رفتار میں ڈرائیونگ کرنے لگا کہ کہیں تیز رفتاری دیکھ کر ٹریفک پولیس مجھے روک نہ لے۔

راستے میں ٹریفک جام ضرور ملا' مگر اس کے علاوہ اور کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔میں باآسانی اپنے فلیٹ پر پہنچ گیا۔

میں جیسا چھوڑ کر گیا تھا' فلیٹ ویسا ہی تھا' ابھی تک کوئی بھی واپس نہیں آیا تھا۔البتہ جابر مجھے فلیٹ میں مل گیا۔

مجھے دیکھتے ہی وہ مسکرانے لگا۔"کیا ہوا تمہیں پتہ چل گیا۔" میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"کس بات کا؟" اس نے سوال کیا۔

"یہی کہ میں نے اپنا کام کامیابی کے ساتھ مکمل کرلیا ہے۔" میں نے سابقہ لہجے میں کہا۔

"ہوں...!" اس نے سرہلاتے ہوئے کہا۔"اور باس کو بھی تمہارے اس کارنامے کی اطلاع مل چکی ہے۔ابھی تھوڑی دیر میں ان کی کال تمہارے پاس آجائے گی۔"

میں نے جابر کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور سیدھا اپنے کمرے میں آکر بیڈ پر یوں لیٹ گیا جیسے طویل سفر کرکے آیا ہوں۔

'تو تم ایک مسیحا سے قاتل بن گئے ...اور بھی نہ جانے تمہارے ہاتھوں کتنے بے گناہ مارے جانے والے ہیں...!" میرے اندر سے کوئی چیخ چیخ کر نفرت انگیز لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"کوئی بے گناہ نہیں ہے اس نے یقینا کوئی نہ کوئی گناہ ضرور کیا ہوگا۔اسے اس کی سزا ملی ہے۔" میں نے اپنے اندر سے چیخنے والے انسان سے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میری یہ جنگ اور بھی نہ جانے کتنی دیر جاری رہتی کہ میرے سیل فون کی گھنٹی بجنے لگی، میں نے نمبر دیکھا تووہ ان نون نمبر تھا، میں نے محتاط ہوکر فون ریسیو کرنے کابٹن دبا دیا اور کان سے لگا کر دھیمی آواز میں کہا۔

"یس ...!"

"ویل ڈن شہروز... ! تم نے انتہائی عقل مندی اور مہارت سے پلان کیااور اس پر عمل بھی کرڈالا۔"میرے کانوں میں باس کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"لیکن آپ کو میری پلاننگ کا کیسے پتہ چلا، ابھی تو میں نے کسی کو کچھ بتایا بھی نہیں۔" میں نے حیرت سے کہا۔میری بات سن کر اس نے ایک اونچا قہقہہ لگایااور بولا۔

"میری کئی آنکھیں اور کان ہیں۔جنہیں میں سوتے وقت بھی کھلا رکھتا ہوں۔ ویل تمہارا انعام ابھی تھوڑی دیر میں تم تک پہنچ جائے گا، جو چاہو عیاشی کرو... پھر ملاقات ہوگی۔"

یہ کہہ کر باس نے فون بند کردیا اور میں نے فون بند کرکے بیڈ پر پٹخ دیا، نہ جانے کیوں میری آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی اتر آیا۔

میں تیزی سے اٹھااور باتھ روم میں جا کر صابن سے رگڑ رگڑ کر اپنے ہاتھوں کو دھونے لگا۔ میں لاشعوری طور پر سلو بھائی کا بے گناہ خون اپنے ہاتھوں سے دھونے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر غیر ارادی طور پر میں نے وضو کیااور میں باہر نکل آیا۔

میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ یہ گناہ کبیرہ کیا تھا' اس لیے دل پر بہت بوجھ محسوس کر رہا تھا' یہ صحیح ہے کہ اپنوں کی جدائی نے میرے دل میں انگارے بھر دیئے تھے' لیکن میں صرف ان لوگوں کو مارنا چاہتا تھا جو میرے گناہ گار تھے۔ دوسروں سے میرا کیا لینا دینا تھا لیکن اس جوش انتقام میں 'میں بہت بڑے کرمنل گروہ کے ہتھے چڑھ گیا تھا' آگے اب یہ لوگ مجھ سے اور بھی نہ جانے کیا کیا کام کروانے والے تھے۔

میں لاؤنج میں آکر صوفے پر چپ چاپ بیٹھ گیا۔ میرا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ دوسرے صوفے پر مجھ سے قدرے فاصلے پر جابر اپنے سیل فون کے ساتھ مصروف تھا۔

”جب پہلی دفعہ اپنے ہاتھوں سے کوئی انسانی جان لیتا ہے تو اس کی ایسی ہی کیفیت ہوتی ہے۔ انسان اپنے اندر اپنے فعل پر بڑی ندامت محسوس کرتا ہے' لیکن پھر بعد میں وہ سب کچھ بھول جاتا ہے اور اس دنیا کا یہی دستور ہے پیارے۔ یہاں ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو اپنی خوراک اپنا حق سمجھ کر نگل جاتی ہے۔ دنیا کا کاروبار اسی طرح چل رہا ہے تم بھی اب کچھ مت سوچو' جو ہو گیا سو ہو گیا۔ سمجھو رات گئی بات گئی۔ ویسے باس تمہاری کارکردگی سے بہت زیادہ خوش ہیں۔“ جابر نے مجھے سوچوں میں گم دیکھ کر کہا۔ میں خاموشی سے اس کی جانب دیکھنے لگااور اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

”کچھ کھالو' تم نے کب سے کھانا نہیں کھایا ہے' اب تو رات کے کھانے کا بھی ٹائم ہو گیا ہے۔“ جابر دوبارہ بولا۔

”مجھے بالکل بھی بھوک نہیں ہے۔“ میں نے آہستہ سے جواب دیا۔

”ریلیکس ہوجاؤ یار... بس ابھی وہ سب یہاں پہنچنے والے ہیں۔ پھر سب مل کر ساتھ کھانا کھائیں گے۔“ جابر نے میرے قریب آکر کہااور کچن کی جانب چلا گیا۔ جہاں ہمارا کک کھانا تیار کر رہا تھا۔

اور تب ہی وہ سب بھی آگئے‘ سب سے پہلے مینا نے میری تعریف کی اور بولی۔

”واہ! شہروز تم نے تو باس کا دل ہی جیت لیا‘ وہ تم سے بہت زیادہ خوش ہیں اور یہ انہوں نے تمہارا انعام پہنچایا ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے اپنے ہینڈ بیگ سے ایک براؤن لفافہ نکال کر میری جانب بڑھادیا‘ میں نے نیم دلی سے لفافہ تھام لیا اور ٹیبل پر رکھ دیا۔

”دیکھوگے نہیں کہ باس نے کتنا بڑا انعام دیا ہے۔“ مینا نے کہا۔

”بعد میں دیکھوں گا۔“ میں نے جواب دیا۔

”تمہاری مرضی‘ لگتا ہے تم خوش نہیں ہو۔“ وہ بغور میرے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

”جو کام میں کرکے آیا ہوں‘ وہ بھی کوئی خوش ہونے والا کام ہے۔“ میں نے خشک لہجے میں کہا۔

”میں کام کی نہیں‘ معاوضے کی بات کررہی ہوں۔“وہ بولی۔

”میرا خیال ہے کہ فی الحال ہمیں شہروز کو تنگ نہیں کرنا چاہیے۔“ کنیز نے مینا سے کہا تو اس کے لبوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ دوڑ گئی اور وہ کندھے اچکا کر اندر جانے لگی‘ اتنے میں جابر آگیا اور اس نے مینا کو آواز دی تو وہ رک گئی۔

”یار مینا ہم لوگ ڈنر کرکے نکلتے ہیں۔ ورنہ کل صبح بھی تو جانا ہے۔“ جابر نے کہا۔

”آج رات رک جاتے ہیں‘ کل صبح چلیں گے۔“ مینا نے جواب دیا۔

”نہیں باس نے ایک دو کام بتائے ہیں۔ ابھی نکلیں گے تو تین چار گھنٹوں میں پہنچ جائیں گے‘ پھر ساری رات کا آرام بھی مل جائے گا‘ کل صبح فریش ہوں گے۔“ جابر نے قطعی لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔“ مینا نے نیم دلی سے رضامندی ظاہر کردی۔

”یار شاکر جلدی سے کھانا لگاؤ‘ ہمیں ابھی نکلنا ہے۔“ جابر نے ملازم کو آواز دے کر کہا۔

ڈنر سے فارغ ہو کر مینا اور جابر نکلنے لگے تو مینا میرے پاس آئی اور دھیمے لہجے میں بولی۔

"میں نے تو سوچا تھا کہ آج تمہاری کامیابی کو سب مل کر منائیں گے، لیکن یہ جابر کا بچہ ہمیشہ میرے پیچھے پڑ جاتا ہے'عاجز آچکی ہوں میں اس سے ...!"

"اچھا!" میں نے حیرت کاا ظہار کیا۔"میں تو سمجھتا ہوں کہ جابر تمہارا بہت اچھا دوست ہے اور شاید تم دونوں ایک دوسرے کو دل سے پسند بھی کرتے ہو۔"

"میں نہیں، صرف جابر... یہ معاملہ یک طرفہ ہے۔میری بہت بڑی مجبوری ہے کہ میں اس کے ساتھ رہنے پر مجبور ہوں۔" اس نے دور کھڑے جابر پر ایک نفرت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے کہا جو فون پر کسی سے باتیں کررہاتھا۔

"مجھے تو آج یہ بات پتا چلی ہے۔" میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"جابر فون پر بات کرچکا تواس نے فون جیب میں رکھتے ہوئے مینا کو آواز دی اور سب کو بائے کہتا ہوا فلیٹ سے باہر نکل گیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

سب اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے کنیز' جعفر یا کلیم میں سے کسی نے بھی مجھ سے اس قتل کے بارے میں نہیں پوچھا کہ میں نے کس طرح وہ کام کیا' اس کی دوہی وجوہ میری سمجھ میں آئیں کہ یا تو انہیں ساری بات معلوم ہوچکی ہے' کیونکہ جابر مجھے واچ کررہاتھا' اسی نے باس کو اور ان سب کو بتایا ہوگا' یا پھر کسی کو ایک دوسرے سے اس طرح کی بات کرنے یا کھوج لگانے کی اجازت نہیں ہے۔

اپنے کمرے میں آکر میں نے وضو کیااور عشاء کی نماز ادا کی اوراللہ سے رو رو کر اپنے گناہ کی معافی مانگی'تو میرے دل کا کچھ بوجھ کم ہوا' کسی بات کو گناہ جانتے ہوئے بھی جب آپ اس گناہ پر عمل کربیٹھتے ہیں تو آپ کے اندر بیٹھا اچھا انسان' جو ہر شخص میں موجود ہوتا ہے' آپ پر لعنت ملامت کرتا رہتا ہے۔

نماز سے فارغ ہو کرمیں بیڈ پر لیٹ گیا' میری آنکھوں میں دور دور تک نیند کا شائبہ تک نہیں تھا' آج کا دن میری زندگی کا نہایت ہنگامہ پروردن تھا' پہلے باس کے گلشن معمار والے بنگلے میں سلطان اور سنی کی دردناک موت کامنظر اور

پھر سلو بھائی کا میرے ہاتھوں قتل... یہ سارے مناظر کسی فلم کی ریل کی مانند بار بار میری آنکھوں کے سامنے گردش کر رہے تھے۔

اچانک ہی میرے کمرے کا دروازہ بڑی آہستگی کے ساتھ کھلااور کوئی اندر آیا۔

"کون ہے؟" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"میں ہوں کنیز...! جاگ رہے ہو؟" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"ہاں! آجاؤ، مگر پہلے لائٹ آن کر دو۔" میں نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا تو کنیز نے لائٹ آن کر دی۔

"مجھے یقین تھا کہ تم سوئے نہیں ہوگے جاگ رہے ہوگے۔" اس نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں تھوڑی دیر قبل بھی آئی تھی لیکن تم نماز پڑھ رہے تھے اس لیے میں واپس لوٹ گئی، تم نماز بھی پڑھتے ہو..." اس نے حیرت اور مسرت سے کہا۔

"ہاں پڑھ ہی لیتا ہوں۔" میں نے ندامت بھرے لہجے میں کہا۔

"تم جیسا انسان یہاں کیسے پھنس گیا۔ تم وہ سارے کام کس طرح سے کر سکو گے جو باس تم سے لیں گے۔" کنیز نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

"بعض اوقات انسان جذبات میں اندھا ہو کر بہت زیادہ غلط فیصلے کر جاتا ہے اور ساری عمر اپنے غلط فیصلوں کا خمیازہ بھگتتا رہتا ہے۔ جب ہی اللہ تعالیٰ نے "صبر" کی جزا جنت رکھی ہے۔ کیونکہ یہ ایک بہت مشکل کام ہے، ہم اللہ پر کچھ نہیں چھوڑتے، سب کچھ خود ہی کر لینا چاہتے ہیں۔ تو پھر ایسے گڑھوں میں بھی گر جاتے ہیں۔" میں نے ایک گہری اور ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"پچھتا رہے ہو؟" اس نے دھیرے سے پوچھا تو میں نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہاں ایسا ہی ہوتا ہے، کوئی خوشی سے اس جانب آتا ہے تو کوئی مجبوری میں، لیکن خوش کوئی بھی نہیں ہوتا۔" اس نے اپنی ہتھیلی کھول کر اپنی نگاہیں اپنی خالی ہتھیلی پر جماتے ہوئے کہا۔

"ایک بات بتاؤ کنیز!" میں نے کہا تو وہ چونک کر میری جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"آج صبح جب باس نے مجھ سے سلو بھائی کے قتل کی بات کی تو میں نے تمہیں ایک دم پریشان ہوتے ہوئے دیکھا تھا' پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگ رہا تھا' جیسے تم ایسا نہیں چاہتیں' جیسے تم مجھے یہ کام کرنے سے روکنا چاہتی ہو' مگر تم کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں' ایسا کیوں تھا کنیز' اس کی کوئی خاص وجہ تھی۔" میں نے پوچھا تو وہ چند لمحوں تک میری جانب تکتی رہی' پھر تیزی سے اٹھی اور دروازے کی جانب بڑھی' میں اس کے اس طرح اچانک اٹھ کر جانے پر عجیب سا ہو گیا' کہ میں نے ایسی بھی کیا بات پوچھ لی کہ کنیز اٹھ کر جا رہی ہے۔

مگر کنیز نے ایک قدم دروازے سے باہر جھانکا پھر اندر آکر دروازہ بند کر کے لاک کر دیا اور لائٹ آف کر کے نائٹ بلب آن کر دیا' اور دوبارہ بیڈ پر آبیٹھی' میں اسے ایسا کرتے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ میں اس قماش کا انسان نہیں تھا' آج تک میں نے ایک چھت کے تلے کسی بھی عورت کے ساتھ رات نہیں گزاری تھی۔ آخر یہ کیا چاہتی ہے مجھ سے ...!

"یہ تم کیا کر رہی ہو کنیز... دروازہ کھولو...اور پلیز لائٹ آن کرو۔" میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا تو وہ بولی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"تم جو کچھ سمجھ رہے ہو' ایسا کچھ نہیں ہے' تم نے مجھ سے جو سوال کیا ہے' میں اس کا جواب دینا چاہتی ہوں۔" اس نے خجالت آمیز دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تم جواب پہلے بھی دے سکتی تھیں' اس کے لیے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" میں نے کہا۔

"ضرورت ہے۔" اس نے زور دے کر کہا۔ "کیونکہ تم ابھی تک بہت سی باتوں سے ناواقف ہو۔ تمہیں یاد ہے' باس نے کہا تھا کہ میری کئی آنکھیں اور کان ہیں۔ میں ان آنکھوں اور کانوں کو بند کر رہی ہوں۔ یہاں کمرے بند کر کے ساتھ سونے پر پابندی نہیں ہے' سوائے ہر بات کے' آؤ تم بھی لیٹ جاؤ۔ مجھے تمہیں بہت ضروری باتیں بتانی ہیں۔" اس نے میرے بالکل قریب آکر سرگوشی میں مجھ سے کہا اور میرا ہاتھ تھام کر خود لیٹ کر مجھے اپنے قریب لیٹا دیا۔

کسی بھی عورت کا اتنا قرب میں پہلی مرتبہ محسوس کر رہا تھا' اس لیے مجھے پسینہ آنے لگا اور میں غیر محسوس طریقے سے اس سے ذرا دور کھسک گیا۔

"دور جانے کی حماقت مت کرو' اس کمرے میں خفیہ کیمرہ اور اسپیکر مائیک لگا ہوا ہے۔میں تمہیں تمہارے قریب ہو کر ہی وہ باتیں بتا سکتی ہوں۔" اس نے میرا بازو پکڑ کر مجھے اپنے ساتھ کرلیا۔

میرا دل بہت زور زور سے دھڑک رہا تھا' کنیز نے سختی کے ساتھ میرا بازو تھام رکھا تھا۔

"بس...پلیز کنیز... مجھ سے دور ہٹ جاؤ۔" میں نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ کنیز کے ہاتھ پر رکھ کر اس سے اپنا بازو چھڑانا چاہا۔

"میں جو بات تمہیں بتانے والی ہوں' اسے سن کر تمہارے ہوش اڑ جائیں گے۔اور تم یہ بات بھول جاؤ گے کہ ایک جوان لڑکی تمہارے پاس تمہارے بیڈ پر لیٹی ہے۔" کنیز نے دانتوں کو بھینچ کر سرگوشی میں کہا تو میں چونک پڑا اور کہا۔

"کک... کیسی بات...؟"

"تم کہہ رہے تھے ناں کہ میں کیوں پریشان ہو رہی تھی اور کیوں نہیں چاہ رہی تھی کہ تم ایسا کرو' اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں' میں نہیں چاہتی تھی کہ

تم یہ کام کرو... کیونکہ میں جانتی تھی کہ سلو بھائی کا قتل تمہیں پوری طرح پھانسنے کی پلاننگ تھا' باس ہر ایک کے ساتھ ایسا ہی کرتا ہے' وہ تمہارا ٹیسٹ لینے کے بہانے تمہارے جرم کو کیمرے میں منتقل کرکے تمہیں ہمیشہ بلیک میل کرتا رہے گا'دلبر سے تمہاری فائٹنگ کی فوٹوگراف بھی اس کے پاس محفوظ ہیں' جنہیں کیمرہ ٹرک کے ذریعے' کسی بھی دوسرے ہلاک ہونے والے شخص کی شکل میں تبدیل کردیا جائے گا' اور سلو بھائی کی ڈیڈ باڈی کی تصویر اور تمہاری تصویر بھی اس کے پاس پہنچ گئی ہے' جس میں تم اسے فائر کرکے مار رہے ہو۔"

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے' وہاں تو میں تنہا تھا...!" یہ کہتے ہوئے میں بے ساختہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔پھر فوراً ہی کنیز نے عجیب سی حرکت کی اس نے اپنے دونوں ہاتھ میرے سینے پر رکھتے ہوئے مجھے دھکا دے کر بیڈ پر گرا یااور میرے اوپر اوندھی لیٹ گئی' اور بولی۔

"پلیز شہروز چند لمحے خاموشی سے میری بات سنو... ہمیں یہ سب دکھانا ضروری ہے' ہمیں کیمرے سے دیکھا جارہا ہے' بس میں ابھی اٹھ کر یہاں سے اس کا

بٹن آف کردوں گی، ہمیں واچ کرنے والے سمجھ جائیں گے کہ آگے کا سین ہم انہیں دکھانا نہیں چاہتے۔"

کنیز کی بات سن کرساری بات میری سمجھ میں آگئی' اور میں نے اپنے بازو کنیز کی کمر کے گرد کس کر کروٹ لی اور کنیز میرے نیچے دب گئی' وہ فوراً ہی تڑپ کر میرے نیچے سے نکلی اور دیوار پر لگی فینسی کی جانب بڑھی اور ہاتھ بڑھا کر وہاں لگا کیمرے کا خفیہ بٹن آف کردیا' پھر بیڈ پر بیٹھ کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔میں بھی اٹھ کر تیزی سے واش روم کی جانب بھاگااور واش بیسن کا نل کھول کر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے اپنے منہ پر مارنے لگا' میں اس وقت ایک بہت بڑے امتحان سے گزرا تھا' اللہ کاشکر ہوا کہ میں اپنے حواس کنٹرول کرنے میں کامیاب رہا۔

میں تولیہ سے چہرہ خشک کرکے باہر آیا تو کنیز نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"آئی ایم سوری شہروز مجھے یہ ڈرامہ کرناپڑا' اب وہ لوگ مطمئن ہوگئے ہوں گے۔اب ہم آرام سے گفتگو کرسکتے ہیں۔"

"جاؤتم بھی ہاتھ منہ دھو کر آجاؤ۔" میں نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو وہ خجالت سے مسکراتی ہوئی واش روم چلی گئی' ہاتھ منہ دھو کر آئی اور بولی۔

"باس نے تمہارے پیچھے جابر اور دوسرے بندے کو بھیجا تھا' وہ ایک ماہر فوٹو گرافر ہے' اس نے غیر محسوس طریقے سے تمہارا پیچھا کیا اوراس خالی عمارت میں پہنچ گیا۔جس وقت تم نے سلو بھائی پر گولیاں چلائیں اس نے خفیہ طریقے سے تمہاری ویڈیوبنالی ہے۔تمہارے جانے کے بعد وہ اس عمارت سے نکلااور سیدھا باس کے بنگلے پر پہنچا اور تمہاری ویڈیوباس کے حوالے کردی۔اب اگر آئندہ تم نے باس کے کسی بھی کام سے انکار کیا تو باس تمہاری یہ ویڈیو تمہیں دکھا کر بلیک میل کرے گا۔ہم سب کی بہت سی کمزوریاں اس کے پاس ہیں۔" کنیز نے بتایا تو میرے منہ سے بے ساختہ باس کے لیے گالی نکل گئی۔میں اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتاتھا' جو ہونا تھا وہ تو ہوچکاتھا' میں نے سوچا کہ آج موقع ملا ہے تو باس کے دوسرے رازوں کے بارے میں بھی کنیز سے معلوم کرسکتاہوں۔اس لیے میں نے پوچھا۔

"کیامیں تم سے دوستانہ انداز میں کچھ پوچھ سکتاہوں۔"

"پہلے یہ تو بتاؤ کہ تم مجھے اپنا ووست تسلیم بھی کرتے ہو یانہیں۔" اس نے پوچھا۔

"یہ تو تم بتاؤگی' میں تو ابھی تم لوگوں میں شامل ہوا ہوں۔یہاں بہت سے سر بستہ راز ہیں جن کے بارے میں میں جاننا چاہتا ہوں لیکن کوئی ایسا نہیں جو مجھے ان کے بارے میں بتائے۔"

میں نے کہا۔

"میں نے ابھی جو بات تمہیں بتائی ہے کیا وہ بات یہ سمجھانے کے لیے کافی نہیں کہ میں دل سے تمہیں اپنا دوست مانتی ہوں اور تمہیں پسند کرتی ہوں۔" اس نے عجیب سی نگاہوں سے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں اس بات کے لیے تمہارا بہت شکرگزار ہوں کہ تم نے مجھے خبردار کیا' اب تھوڑی مہربانی اور کردو اور مجھے یہ بتاؤ کہ باس کے دھندے کیا کیا ہیں' اس کے کتنے کارندے ہیں' کہاں کہاں ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"ارے باپ رے باپ کہیں تم خفیہ پولیس کے آدمی تو نہیں ہو۔جو اس طرح کی انفارمیشن مانگ رہے ہو۔" اس نے دھیرے سے ہنستے ہوئے خوف زدہ ہونے کی ایکٹنگ کی۔

"اگر خفیہ پولیس کابندہ ہوتا تو باس کے کہنے پر ایک جرم اپنے کھاتے میں کم از کم نہیں ڈالتا' میں نے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا ہے وہی حقیقت ہے' باقی کچھ نہیں' شاید میرا کبھی ایسے لوگوں سے دور دور تک واسطہ نہیں پڑا شاید اسی لیے میں ان لوگوں میں شامل ہونے کی سنگین غلطی کربیٹھا۔" میں نے کہا تو کنیز میری بات پر یقین کرتے ہوئے سرہلانے لگی۔پھر بولی۔

"باس کے ایک نہیں بہت سے بڑے دھندے ہیں۔اور میں بھی اتناہی جانتی ہوں جتنا آج تک میرے علم میں آسکا ہے' ہوسکتا ہے کہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہو۔"

"پھر بھی مجھے بھی تو کچھ پتا چلے' میں اب تم لوگوں کا ساتھی ہوں پھر مجھ سے کیوں چھپایا جارہا ہے۔" میں نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔

"ناراض کیوں ہو رہے ہو، تم کیا سمجھتے ہو کہ میں نے یہ سارا ڈرامہ کس لیے کیا ہے، صرف اس لیے کہ میں تم سے ڈھیر ساری باتیں کرسکوں،وہ سب باتیں جو میں دوسروں کے سامنے نہیں کرسکتی، میں چاہتی ہوں کہ تمہیں بھی ساری باتیں پتا چل جائیں او رتم اندھیرے میں نہ رہو، تم سے جب کسی بھی کام کے کرنے کے لیے کہا جائے تو تم اس کے لیے ذہنی طور پر پہلے سے تیار رہو۔" اس نے میرے ہاتھ پراپنا ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا اور میں نے غیر محسوس طریقے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کے نیچے سے کھینچ لیا۔اور اس کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا، کنیز نے اس بات کو محسوس کرلیا کہ میں نے فوراً ہی اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کے نیچے سے نکال لیا ہے، اس کے چہرے پر خجالت آمیز مسکراہٹ آگئی۔اس نے اپنی نگاہیں جھکالیں، اوراس طرح مسکراتی ہوئی نمکین حسن سے مزین کنیز بہت پیاری لگی، مگر اس پیاری لگنے میں میرے دل کاکوئی جذبہ شامل نہیں تھا۔

"اب بتاؤ بھی۔" میں نے کہا تووہ بولی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"باس کا سب سے خطرناک کام انسانی اعضاء کی اسمگلنگ ہے۔..."اتنا کہہ کر وہ رک گئی اور مجھے دیکھنے لگی۔

"واٹ! " میرے منہ سے تیز آواز میں نکل گیا۔

"ہش ...!" اس نے منہ پر انگلی رکھ کر مجھے دھیمی آواز میں بولنے کے لیے کہاوہ بھی مجھ سے سرگوشی میں بات کررہی تھی۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو کنیز...! انسانی اعضاء کی اسمگلنگ... تمہارا مطلب ہے کہ یہ شخص گردے اسمگل کرتا ہے۔" میں نے شدید حیرت سے سرگوشی میں کہا تو کنیز نے آہستہ سے اثبات میں سرہلادیا۔

"تمہیں مینا سے اپنی پہلی ملاقات تو اچھی طرح سے یاد ہوگی۔تمہاری ملاقات ہاسپٹل میں ہی ہوئی تھی ناں... مینا نے نرسنگ کا کورس کیا ہوا ہے، بعض ہاسپٹلز میں یہ لوگ بے ضمیر اور دولت کے پجاری ڈاکٹرز کو اپنے ساتھ ملا کریہ کریہہ جرم کرتے ہیں۔اس وقت بھی مینا اسی سلسلے میں اس ہاسپٹل میں موجود تھی۔سلطان کے بہنوئی کے ساتھ جب زیادتی ہوئی اوراس کے اپنڈکس کاآپریشن کرنے کے بجائے اس کے دونوں گردے نکال لیے گئے اور بعد

میں میڈیکل سرٹیفکیٹ میں لکھ دیا گیا کہ اپینڈکس پھٹ گیا' جس کی وجہ سے موت واقع ہو گئی۔تب ہی تو وہ باغی ہوا تھا ' اس نے اس واقعے کی اطلاع پولیس کو دے دی۔مینا تو فوراً ہی غائب ہو گئی'مگر ڈاکٹر گرفتار ہو گیا بعد میں اس ڈاکٹر کو بے قصور ثابت کر کے رہائی دلوانے میں باس کا خاصا پیسہ خرچ ہوا تھا۔

اس کے علاوہ ایکسیڈنٹ میں مرنے والے لوگ جن کے وارث نہیں ہوتے' ان کی آنکھیں نکال لی جاتی ہیں۔یہ قبیح فعل خفیہ طریقے سے بہت عرصے سے جاری ہے۔"

"اوہ میرے اللہ!" میں نے اپنا سر تھام لیا۔

"تم نے ابھی سے اپنا سر تھام لیا'ابھی آگے سنو... ابھی تو بہت کچھ ہے۔" کنیز نے کہا۔

"ہاں بتاؤ!" میں نے اپنے ماتھے پر تیزی سے نمودار ہونے والے پسینے کے ننھے منے قطروں کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"منشیات اور اسلحہ کی اسمگلنگ کے علاوہ یہ لوگ جوان لڑکیوں کو بھی بیرون ملک بھیجتے ہیں۔جن میں متحدہ عرب امارات کے علاوہ امریکہ کے شہر لاس اینجلس میں بھی لڑکیاں بھیجی جاتی ہیں' تھائی لینڈ اور بنکاک میں بھی پاکستانی لڑکیاں ہی بدکار لوگوں کی تسکین کاباعث بنتی ہیں۔راجا سے تم ملے ہی ہو۔وہ اسی سلسلے میں آیا ہوا ہے 'اسے مزید لڑکیاں چاہئیں' ان لڑکیوں کو ملازمت کا جھانسا دے کر بھیجا جاتا ہے۔

باس کاایک اور دھندہ اغوا برائے تاوان کا ہے' لیکن یہاں اس طرح سے اغواء کیا جاتا ہے کہ اغواء ہونے والا بڑی خوشی سے اغواء ہوجاتا ہے اور اسے پتا بھی نہیں چلتا 'بعض اوقات یہ بندہ بھی مار دیتے ہیں اور تاوان بھی وصول لیتے ہیں۔" کنیز بتارہی تھی اور میں دم بخود سن رہا تھا۔

"اغواء کیسے کرتے ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"یہ کام بھی نوجوان اور خوب صورت لڑکیوں سے ہی لیا جاتا ہے۔یہ لڑکیاں امیر گھرانوں کے کم عمر لڑکوں کو اپنی محبت کے جال میں پھنسا لیتی ہیں' بعض اوقات یہ فون پر دوستی کرتی ہیں' پھر جب لڑکے کی آتش شوق بھڑک جاتی

ہے تو اسے کہیں ملنے کے لیے بلاتی ہیں اور لڑکا اغواء ہوجاتا ہے اور اگر لڑکی پہلے لڑکے سے ملاقاتیں کرتی رہتی ہے تو ایک روز اسے بھڑکا کر ”محبت کی تکمیل“ کے عمل سے گزرنے کے لیے کسی جگہ بلاتی ہے پھر اسے اغواء کرلیا جاتا ہے لیکن چونکہ لڑکا اس لڑکی کی پہچان کا ہوتا ہے‘ اس لیے ’تاوان وصول کرنے کے بعد لڑکے کو قتل کرکے پھینک دیا جاتا ہے۔“

”تم کیا کام کرتی ہو۔“ میں نے پوچھا تو کنیز خاموش ہوگئی۔

”بتاؤناں تم خاموش کیوں ہو گئیں۔“ میں نے کہا۔

”میں بہت سے کام کرتی ہوں‘ میں شروع میں اغواء برائے تاوان کے لیے کام کرتی تھی‘ اب بقول باس کے کہ میں نوعمر لڑکوں کے لیے کشش کاباعث نہیں رہی ،لیکن ہوس زدہ بوڑھے کھوسٹوں کی تواب بھی مجھے دیکھ کر رال ٹپک پڑتی ہے‘ باس کو اپنے بہت سے کام نکلوانے ہوتے ہیں تو باس انہیں میرے جسم کی تگڑی رشوت دیتے ہیں۔خاص طو رپر پولیس کے اعلیٰ افسران کو... گورنمنٹ کے اعلیٰ عہدیدران کوبیورو کریٹس کو...اس کے علاوہ میں کبھی کبھی اسمگلروں کے گروپ میں بھی شامل ہوتی ہوں۔“ کنیز نے کہااور گردن

جھکالی‘ اس نے جس طرح اپنے برے اعمال کا میرے سامنے اعتراف کیا تھا تو نگاہیں تو جھکنا ہی تھیں۔

میں‌نے بھی اپنی نگاہیں جھکالیں‘ میری ہمت بھی نہیں تھی کہ اس سے نگاہ ملاسکوں۔

جب بہت دیر تک اس کاجھکا ہوا سر اوپر نہیں اٹھا تو میں نے اس کا سر اوپر اٹھایا تودیکھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

”ارے ... تم رو رہی ہو...!“ میں نے حیرت سے کہا۔

”میری تقدیر میں اب اپنی آخری سانس تک رونا ہی لکھا ہے جس طرح آج تم نے ایک گناہ کرکے اپنے ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہو کر نماز پڑھ کر اپنے رب سے اپنے گناہ کی معافی مانگی‘ اسی طرح میں بھی ہر رات روتی ہوں‘ لیکن دل کابوجھ ہلکا ہی نہیں ہوتا۔“

”اگر یہ سب کرنا تمہیں اچھا نہیں لگتا تو یہ کام شروع ہی کیوں کیا تھا۔آئی مین تم ان کے چکر میں کیسے پھنس گئیں۔“ میں نے پوچھا۔

"لوگ سارا الزام اپنے نصیبوں کو دے دیتے ہیں کہ ہمارا نصیب ہی خراب تھا کہ ہمارے ساتھ برا ہوا ہے‘ مگر میں کہتی ہوں کہ ہمارا دماغ ہی خراب تھا‘ہماری سوچ اور ہمارا رویہ ہی خراب تھا تو ہمارے ساتھ برا ہوا‘ا اپنے لیے میں یہی کہوں گی کہ نصیب خراب نہیں تھا‘ میں نے خود اپنا نصیب بگاڑا ہے۔ اوران برے لوگوں میں پھنس گئی‘ برائی کی اس دلدل میں پھنس کر اگر میں نکلنا بھی چاہوں تو کبھی نہیں نکل پاؤں گی۔" اس نے کہااور وہ پھر رونے لگی۔

"اچھا چلو آج تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ... اپنے گھر اور گھر والوں کے بارے میں بتاؤ اور یہاں تک تم کیسے اور کن ذریعوں سے پہنچی‘ میں تمہارے بارے میں اس لیے بھی جاننا چاہتا ہوں کہ تم بنیادی طور پر مجھے ایک اچھی لڑکی لگی ہو۔ تم میں اور مینا میں بہت فرق ہے‘ لگتا ہے‘ اس نے دل سے ان حالات اور ان لوگوں کو قبول کرلیا ہے‘ وہ مجھے مطمئن دکھائی دیتی ہے۔" میں نے کہا تو وہ افسردگی سے نفی میں سرہلانے لگی پھر غمگین لہجے میں بولی۔

"عورت چاہے جو بھی ہو‘ بے غیرتی کی زندگی گزارنا اپنی مرضی سے قبول نہیں کرتی‘ کچھ وقت اور حالات اور معاشرتی مجبوریاں ہوتی ہیں اور بہت دفعہ عورت اپنی کسی غلطی کے خمیازے کے طور پر ایسی زندگی گزارنے پر مجبور ہوجاتی ہے۔"

"ہوسکتا ہے کہ تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو ‘ویسے اللہ کاشکر ہے کہ میری اٹھائیس سالہ زندگی میں ایسی عورتوں سے واسطہ پہلی مرتبہ پڑا ہے‘ ورنہ آج تک تو میں نے اپنی ماں‘ جس نے اپنے گاؤں سے باہر کی زندگی دیکھی ہی نہیں ‘ اوراس جیسی بہت سی عورتوں کو دیکھا ہے‘ جن کے لیے حالات خواہ کیسے بھی بدتر کیوں نہ ہوں‘ اپنے شوہر یا باپ اور بھائیوں کی دہلیز سے مر کر ہی نکلتی ہیں۔" میں نے کہا تو اس نے شاکی نگاہوں سے میری جانب دیکھا‘ میں سمجھ گیا کہ اس کی نگاہوں میں یہ شکوہ کیوں ہے‘ اس لیے جلدی سے کہا۔

"تم اپنے بارے میں کچھ بتانے والی تھیں۔چلو اپنے والدین کے گھر سے شروع کرو۔"

اس نے ایک طویل سانس لے کر بہت سی ہوا اپنے اندر اتاری پھر وہ بولنا شروع ہوئی اور بولتی رہی ،میں نے درمیان میں اسے ٹوکنے کی کوشش نہیں کی، وہ جیسے پوری طرح اپنے ماضی میں ڈوب چکی تھی، ایک خواب کی سی کیفیت میں مسلسل بولتی جارہی تھی اور پھر تمام رات ہی گزر گئی، ہم یوں ہی آمنے سامنے بیٹھے رہے۔اس نے اپنی کہانی ختم کی اور بولی۔"اب تم میرے بارے میں کیا کہتے ہو...؟"

"میں کیا کہوں ... ابھی تک تو میں خود کو تمہاری کہانی کے سحر سے آزاد نہیں کرپایا ہوں، اس بارے میں ہم بعد میں بات کریں گے، فی الحال تو مجھے نیند آرہی ہے۔" میں نے نیند کے خمار سے آنے والی جمائی کو منہ پر ہاتھ رکھ کر روکتے ہوئے کہا۔

"اچھا...!" اس نے ایک بار پھر گہری سانس لی اور اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔

"میں کیمرے کا بٹن آن کرکے اپنے کمرے میں جارہی ہوں ،اب تم سوجاؤ... بس یاد رکھنا کہ یہ ہمیشہ آن ہی رہتا ہے۔"

"ہاں میں اس بات کو یاد رکھوں گا۔"میں نے کہااور بیڈ پر لیٹ گیا۔بیڈ پر لیٹتے ہی میری آنکھیں بند ہوگئیں اور مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ کب میرے روم سے گئی۔

میں دوپہر تک سوتا رہااور کسی نے بھی مجھے ڈسٹرب نہیں کیا۔دوپہر ایک بجے میری انکھ کھلی تو میں غسل کرنے گیا۔باہر آیا تو میں تولیہ سے اپنے بال خشک کرنے لگا، پہلے میرے بال چھوٹے تھے مگر اب میں نے اپنے بال بڑھالیے تھے۔میرے بال کندھوں پر آتے تھے اور میں درمیان سے مانگ نکال کر انہیں دوحصوں میں تقسیم کرلیا کرتاتھا، بالکل لڑکیوں کی طرح۔میں نے چہرے پر گھنی داڑھی اور مونچھیں رکھی ہوئی تھیں جن سے میرا اصلی چہرہ کافی حد تک چھپ گیا تھا، لیکن جب میں سلوبھائی کے قتل کے ارادے سے گیاتھا، تب جابر نے مجھے ایک عدد وگ فراہم کردی تھی، جو مکرانیوں کی طرح گھنگریالے چھوٹے بالوں کی تھی، آنکھوں پر باریک کمانی کا فریم تھا، کیونکہ بڑے بالوں کی وجہ سے میری شناخت میں آسانی ہوسکتی تھی۔

میں انہی سوچوں میں دوسری جانب نکل گیا۔ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ میں غسل کرکے بالوں کو تولیہ سے خشک کررہا تھا تب ہی اکرم چائے کا کپ لے کر کمرے میں داخل ہوا۔اور میری جانب معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتے ہوئے بولا۔

”آج تو آپ بڑی دیر تک سوتے رہے...!“

”ہاں رات کو دیر سے نیند آئی تھی۔“ میں نے اس کے لبوں میں دبی مسکراہٹ کی معنی خیزی کو اہمیت دیئے بغیر کہا۔

”کیوں نیند کیوں نہیں آئی خیریت۔“ اس نے سابقہ انداز میں کہا۔

”تم سے مطلب!“ میں نے ناگوار لہجے میں کہا۔

”نہیں میں تو ایسے ہی پوچھ رہا تھا‘ وہ اپنی کنیز بی بی بھی ابھی سو کر اٹھی ہے۔“اس نے سر کھجاتے ہوئے اپنی مسکراہٹ کو چھپانے کے لیے سر جھکا لیا۔

”اکرم تم صرف اپنے کام سے کام رکھا کرو... تمہیں دوسروں کی ٹوہ لینے کی کیا ضرورت ہے۔“میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”مجھے اپنی ساری ڈیوٹیز کے بارے میں اچھی طرح سے علم ہے اور میں وہی پوری کررہا ہوں۔“ اس نے کہا اور چھپاک سے کمرے سے نکل گیا۔

میں اس کا جملہ سن کر چونک پڑا...اور سمجھ گیا کہ اکرم یہاں محض کام کرنے والا ایک ملازم ہی نہیں ہے‘بلکہ اس کی ڈیوٹی میں ہم سب کی نگرانی بھی شامل ہے‘ ورنہ محض ایک ملازم اتنی جرات کبھی نہیں کرتا‘ جو بات اس نے معنی خیز انداز میں مجھ سے کہی تھی۔

میں باہر آیا تو جعفر اور کلیم دونوں موجود نہیں تھے‘ کنیز بھی تیار ہو کر کہیں جارہی تھی‘مجھے دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔”میں اپنی ڈیوٹی پہ جارہی ہوں۔“

میں سمجھ گیا کہ یہ کہاں اور کس کام سے جارہی ہے میں نے مزید اس سے کچھ بھی پوچھنا مناسب نہیں سمجھا اور ناشتے سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں واپس آگیا۔میں بالکل فارغ تھا۔فی الحال میرے ذمہ کوئی اور کام نہیں لگایا گیا تھا‘میں نے ٹی وی کا ریموٹ اٹھایا اور ٹی وی آن کرکے نیوز چینل لگادیا‘ اس خبر کے لیے مجھ تھوڑا انتظار کرنا پڑا‘ جو خبر میں دیکھنا چاہتا تھا۔

سلو بھائی کے قتل کی خبر آگئی تھی، نیوز کاسٹر نے یہ بھی بتایا کہ ٹرانسپورٹر سلو بھائی کے قتل کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں اور انہوں نے الٹی میٹم دے دیا ہے کہ اگلے تین روز میں اگر قاتل کا سراغ نہ لگایا گیا تو صوبے بھر میں پہیہ جام ہڑتال کی جائے گی۔مقامی پولیس قاتل کی تلاش میں سرگرداں ہے،امید ہے بہت جلد اہم شواہد حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے گی۔

میں نے مسکراتے ہوئے ٹی وی آف کردیا، میں اپنے ملک کی پولیس سے اچھی طرح سے واقف تھا، یہاں روز کا یہی معمول ہے، آئے دن لوگ مرتے ہیں، جگہ جگہ سے لاشیں ملتی ہیں، مگر نامعلوم قاتل کے خلاف مقدمہ درج کیا جاتا ہے اور چند روز بعد فائل بند کردی جاتی ہے، البتہ اگر قاتل سامنے بھی ہو اور پولیس کی جیب گرم کردی جائے تب بھی پولیس اس کی جانب سے اپنی

آنکھیں بند ہی رکھتی ہے اور باس قزلباش آغا کے بقول پولیس میں بہت سے پالتو کتے شامل ہیں، جنہیں اپنے ملک اور عوام کے مفاد سے زیادہ اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اس ملک میں جرائم کے پنپنے کی ایک بڑی وجہ ہمارا پولیس ڈیپارٹمنٹ بھی ہے، یہ مجرموں کی بیخ کنی کے بجائے انہیں تحفظ فراہم کرتی ہے، عام شہری ان سے ڈرتے ہیں اور مجرم دندناتے ہوئے دھڑلے سے جرم کرتے پھرتے ہیں۔

کنیز نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ آغا قزلباش کے تعلقات بہت ہائی لیول تک ہیں۔سیاسی لیڈر تک اس کے دوستوں میں شامل ہیں۔ہوسکتا ہے کہ اس کے کاروبار میں کوئی سیاسی لیڈر کوئی وزیر بھی درپردہ شامل ہو۔

اب اس کے بارے میں اتنی ساری باتیں سننے کے بعد میں اس بات سے بالکل بے فکر تھا کہ پولیس سلو بھائی کے قاتل تک پہنچ پائے گی۔

ساری باتیں سوچتے سوچتے میرا دماغ کنیز کی اپنی کہانی کی جانب چلا گیا اور میں اس کے بارے میں سوچنے لگا۔اس نے اپنے بارے میں بتایا تھا۔

”میں ملتان کی رہنے والی ہوں، وہیں میری پیدائش ہوئی، ہم چار بہنیں اور دو بھائی تھے، والد کی ٹمبر مارکیٹ میں ذاتی دکان تھی۔حالات بہت اچھے نہیں تو

خراب بھی نہیں تھے۔بس اچھا گزارہ ہوجاتا تھا' ہم چاروں بہنیں بڑی اور دونوں بھائی چھوٹے تھے۔

اتفاق کی بات ہے کہ میری والدہ اور تینوں بہنیں خوب گوری چٹی تھیں۔بھائی بھی گورے تھے لیکن چونکہ ابا کا رنگ سانولا تھا اس لیے بدقسمتی سے میرا رنگ بھی سانولا رہا۔

لوگ جب ہم سب بہن بھائیوں کو دیکھتے تو میں انہیں الگ ہی نظر آتی اور بچپن ہی سے میں ایک ہی بات سنتی آئی تھی کہ ربیعہ(میرا اصلی نام) تو اس گھر کی لگتی ہی نہیں' اس کا رنگ کالا کیوں ہے' یہ تو تم سب کے درمیان نظر کا ٹیکا لگتی ہے۔وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کی باتیں سنتے سنتے میں جوان ہوگئی اور میرے اندر شدید کمپلیکس پیدا ہوگیا۔میں لوگوں کے سامنے آنے سے گھبرانے لگی۔باہر والے تو الگ خود میری بہنیں اور امی بھی مجھ سے مذاق میں بار بار یہی بات کہتیں کہ "ربیعہ تو ہمارے گھر پیدا ہی نہیں ہوئی' کسی اور کی اولاد ہے۔" بس ایک ابا ہی تھے کہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اگر ان کے سامنے یہ لوگ بات کرتے تو وہ مجھے پیار سے گلے لگا کر کہتے "ربیعہ تو ابا کے جگر کا ٹکڑا ہے۔"

میں زیادہ تر خاموش رہنے لگی' ساری بہنیں شوخ رنگ کے لباس پہنتیں اور میرے لیے ہلکے رنگوں کاانتخاب کیا جاتا تھا' ایک مرتبہ مجھے ایک اورنج کلر کا لباس پسند آیا اورمیں نے اسے لینا چاہا تو بہنوں نے یہ کہہ کرمیرا مذاق اڑایا کہ "اگر تم یہ رنگ پہنوگی تو سب تمہیں بن بتوڑی کہیں گے۔"

اس دن میں بہت روئی اور کھانا بھی نہیں کھایا' ابا جب شام کو گھر آئے تو میں کمرے سے باہر نہیں نکلی۔ابانے وجہ پوچھی تو امی نے بتایا کہ بہنوں نے کس وجہ سے میرا مذاق اڑایا ہے تو ابا اندر کمرے میں آئے اور کہا۔

"میں اپنی بیٹی کے لیے اسی کلر کا سوٹ لاؤں گا' میری بیٹی اسے پہن کر پری لگے گی۔ذرا اس کے نین نقش دیکھو تم سب سے زیادہ اچھے ہیں۔تم لوگوں کے پاس تو صرف گورا رنگ ہے۔میری ربیعہ کی آنکھیں کتنی خوب صورت ہیں۔"

پھر ابا میرے لیے ہلکے اورنج کلر کا کامدار سوٹ لے آئے اور ان ہی کی ضد پر میں نے اسے سلوا بھی لیا۔اتفاق سے میری کالج فیلو کی بہن کی شادی آ گئی' تو ابا کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے میں وہی سوٹ پہن کر چلی گئی' میں دل میں تھوڑا تھوڑا ڈر بھی رہی تھی اور چور نگاہوں سے دوسروں کی جانب دیکھ رہی تھی کہ کہیں کسی کی آنکھوں میں میرے لیے تمسخرانہ ہنسی تو نہیں ہے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا'بلکہ میری دوست نے میری تعریف کی اور مجھے سراہا کہ شکر ہے تم نے آسمانی اور پنک کلر کا پیچھا تو چھوڑا۔

وہیں پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ دو آنکھیں مسلسل مجھے اپنے حصار میں لیے ہوئے ہیں۔میں نے دیکھا وہ ایک ہینڈسم اور اسمارٹ لڑکا تھا اور مجھے گھورے جارہا تھا۔میں کنفیوز ہو رہی تھی کہ آخر اتنا ہینڈسم لڑکا مجھے کیوں گھورے جارہا ہے۔

کھانا شروع ہوا تو میں اپنی پلیٹ میں تھوڑا سا کھانا نکال کر ایک طرف کھڑے ہو کر کھانے لگی' تب میں نے اسے اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اسے اپنی جانب آتا ہوا دیکھ کر میرے ہاتھ کپکپانے لگے اور اتنے کپکپائے کہ جیسے ہی وہ میرے نزدیک آیا میرے ہاتھ سے پلیٹ چھوٹ کر گر پڑی' نیچے گرتے ہی کانچ کی پلیٹ ٹوٹ گئی۔اب تو میرا گھبراہٹ سے برا حال ہو گیا۔وہ میرے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا' پھر نرم لہجے میں بولا۔

''کیا ہوا...؟ آپ اتنی پریشان کیوں ہیں' ایک پلیٹ ہی تو ٹوٹی ہے شادیوں میں تو ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔''

''وہ میں ...وہ میں ...!'' مارے گھبراہٹ کے میں اس سے کچھ بھی نہ کہہ پائی اور اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیر کر پسینہ صاف کرنے لگی تو اس نے اپنی جیب سے ٹشو کا منی پیکٹ نکال کر اس میں

سے ٹشو پیپر نکال کر میری جانب بڑھادیا'جو میں نے جھجکتے ہوئے لے لیا۔

فوراً ہی وہ دوسری پلیٹ میں بریانی ڈال کر لے آیا اور میری جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

''اگر آپ برا نہ مانیں تو کیا میں آپ کا تعارف حاصل کرسکتا ہوں۔'' پھر خود ہی بولا۔''میں دولہن کے بھائی زمان کا دوست راحیل ہوں۔آپ کے اوپر نگاہ

پڑی تو جیسے ہٹنا ہی بھول گئی۔معاف کیجیے گا میں بہت صاف گو اور جھٹ بات کو کہہ دینے والا ہوں' مجھے آج تک کوئی لڑکی اتنی اچھی نہیں لگی کہ اسے دیکھتے رہنے کو دل چاہے۔ آج کل کے ماڈرن زمانے میں آپ جیسی شرمیلی اور حیا دار لڑکیاں اب ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتیں۔" اس نے مجھے نثار ہونے والی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ...!" میں نے شدید حیرت سے کہا۔"ان کپڑوں میں بھی... میرا مطلب ہے اس کلر کے لباس میں بھی۔"مجھے یقین نہیں آرہاتھا کہ جس کلر کو پہننے پر میری بہنوں نے مجھے بن بتوڑی کا خطاب دیا تھا' اسی لباس میں ایک اسمارٹ اور ہینڈسم لڑکا مجھے سراہا بھی سکتا ہے۔

"جی ہاں آپ کو لباس پہننے کا سلیقہ بھی ہے اور آپ کی کلر چوائس بھی بہت اعلیٰ ہے' یقین کیجئے یہ کلر آپ پر بہت سوٹ کررہا ہے۔" اس نے ایک نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"لیکن میں تو سانولی ہوں... پھر آپ کو کیسے اچھی لگی؟" میں نے معصومیت سے کہا۔

"آپ کا سارا حسن ہی آپ کا سانولا پن ہے' بہت نمکین ہیں آپ... اور نمکین سے انسان کا دل کبھی نہیں بھرتا۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا تو میں بری طرح شرما گئی' میرے ہاتھ ایک بار پھر کانپنے لگے۔

"شاید آپ کو میری باتیں بری لگی ہیں۔" اس نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"ن... نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا پھر جھینپ گئی' مجھ سے زندگی میں کبھی کسی نے اس طرح سے بات نہیں کی تھی' میری تعریف نہیں کی تھی' اس اجنبی لڑکے نے میری اتنی تعریف کی تو میں خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔

"میں آپ سے دوبارہ ملنا چاہوں گا۔کیا آپ مجھ سے بات کرنا پسند کریں گی۔" اس نے پوچھا تو میں نے سر جھکالیا۔

اتنے میں میں نے حمیدہ کے بھائی زمان کو اس طرف آتے دیکھا تو اس نے جلدی سے ایک کارڈ نکالا اور میری جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

"زمان اسی طرف آرہا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ اسے یہ بات پتا چلے کہ میں نے آپ سے بات کی ہے۔آپ میرا کارڈ رکھ لیں۔اگر دل چاہے تو فون کرلیجیے گا۔میں آپ کے فون کاانتظار کروں گا اور ہاں مجھے یقین ہے آپ حمیدہ

سے میرا ذکر نہیں کریں گی۔" اس نے میرے ہاتھ میں کارڈ تھمایااور تیزی سے دوسری جانب بڑھ گیا۔

شادی سے آنے کے بعد اس رات میں سو نہیں سکی' ساری رات راحیل کی باتیں میرے دماغ میں گونجتی رہیں ،میں جو آج تک اپنے آپ کو دنیا کی بدصورت ترین لڑکی سمجھتی رہی تھی' آج خوش قسمت تصور کررہی تھی مجھے یہ سوچ کر بہت اچھا لگ رہاتھا کہ کوئی مجھے بھی پسند کرسکتا ہے' ورنہ راحیل جیسے اسمارٹ لڑکے پر تو کوئی بھی حسین لڑکی فدا ہوسکتی ہے۔پھر وہ میری جانب ہی کیوں آیا' اس نے وہ سب مجھ سے کیوں کہا...!

دو تین دن گزر گئے... میں اس کے بارے میں سوچتی رہی۔اب مجھے اپنی بہنوں کا چھیڑنا بھی برا نہیں لگ رہاتھا۔

وہ ہفتے کی رات تھی' صبح سب کی چھٹی تھی' سب ہی رات دیر تک جاگتے رہے تھے' تینوں بہنیں ٹی وی لاؤنج میں کوئی انڈین مووی دیکھ رہی تھیں۔امی اور ابا اپنے کمرے میں تھے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں نے راحیل کا دیا ہوا کارڈ نکالا اور دیر تک سوچتی رہی کہ اسے فون کروں یا نہ کروں۔دماغ روک رہاتھا لیکن دل ضد کررہاتھا' میرے کان پھر اس کی خوب صورت آواز اور گمبھیر لہجے کو سننا چاہ رہے تھے' یایوں سمجھ لیں کہ محبت بھری باتیں سننا چاہ رہے تھے۔میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کارڈ میں لکھا ہوا موبائل فون کا نمبر دیکھااور اپنے موبائل سے نمبر پنچ کیا۔

دوسری جانب تیسری بیل پر اس نے فون ریسیو کرلیااور بہت خوب صورت لہجے میں بولا۔

"یس... راحیل اسپیکنگ...!"

اس کی آواز سن کرمجھے پسینہ آگیا۔وہ دوبارہ میٹھے لہجے میں بولا۔

"بولیں... ہو آریو...؟"

جواب میں میں صرف گہری گہری سانسیں لے رہی تھی' میرے منہ سے الفاظ ہی نہیں نکل رہے تھے۔

"اچھا میں سمجھ گیا۔ میری آنکھیں ہلکے اورنج کلر میں ملبوس سانولی سلونی جھیل جیسی آنکھوں والی ربیعہ کو دیکھ رہی ہیں... مے آئی رائٹ...؟" اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"جی!" میں بہ مشکل کہہ پائی۔

"زہے نصیب ربیعہ، جو آپ نے اس قابل سمجھا، یقین کیجیے جب سے آپ کو دیکھا ہے، آنکھوں سے نیند غائب ہے، میں نہ جانے کیوں پل پل آپ کے فون کاانتظار کررہاتھا۔" اس نے میٹھے لہجے میں کہا اور مارے خوشی کے میرا دل بلیوں اچھلنے لگا۔

"پہلے ایک بات بتائیے کہ آپ نے حمیدہ سے میری اور اپنی ملاقات کا ذکر تو نہیں کیا ہے ناں۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں تو..." میں نے آہستہ سے کہا۔

"بتائیے گا بھی مت... دراصل زمان میرا بہت اچھا دوست ہے اوراس کی خواہش ہے کہ میں اس کی بہن حمیدہ سے شادی کروں... وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں اس بات کا اظہار کئی بار کرچکا ہے، ہوسکتا ہے کہ حمیدہ کو بھی اس بات کا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

علم ہو... لیکن میں حمیدہ کو بالکل بھی پسند نہیں کرتا، میرے دل کو پہلی مرتبہ کوئی صورت بھائی ہے تووہ آپ کی ہے۔" اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو ایک دم سے ہی مجھے حمیدہ زہر لگنے لگی اور میں نے جلدی سے کہا۔

"نہیں نہیں آپ بے فکر رہیں میں حمیدہ تو کیا کسی سے یہ بات نہیں کہہ سکتی۔ ویسے بھی حمیدہ سے میری کوئی خاص دوستی نہیں ہے۔"

"گڈ!" اس نے خوش ہو کر کہا۔ "ایسی باتیں کسی کو بتانے والی تھوڑی ہوتی ہیں، ہم ایک دوسرے سے اچھی طرح سے واقف ہوجائیں تب میں اپنے والدین کو آپ کے گھر آپ کا ہاتھ مانگنے کے لیے بھیجوں گا۔"

اور پھر اس نے مجھے محبت کا انمول سبق پڑھانا شروع کردیا او رمیں احمق اور بے وقوف لڑکی اس کی لچھے دار باتوں کے سحر میں گم ہوتی رہی۔

بہنوں میں میرا تیسرا نمبر تھا، مجھ سے بڑی دو بہنیں تھیں، مجھ سے پہلے تو دونوں بڑی بہنوں کی شادیاں ہونی تھیں، پھر میرا نمبر آتا۔

آدھی رات کو جب سب گھر والے خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے ہوتے تو میں ٹھ کر چپکے سے ٹیرس میں آجاتی اور فجر کے وقت تک راحیل سے محبت بھری باتیں کرتی رہتی۔

اب راحیل مجھ سے ضد کرنے لگا کہ میں باہر کہیں اس سے ملوں۔وہ مجھے دیکھنا چاہتا ہے' اس کی آنکھیں میرے حسن کا دیدار کرنے کے لیے ترس رہی ہیں۔

لیکن میں اس طرح کیسے اس سے مل سکتی تھی۔اس میں رسوائی تھی' ابھی تک تو کسی کو کانوں کان اس بات کی خبر نہیں تھی کہ میں کسی کی محبت میں سرتاپا غرق ہوچکی ہوں۔اگر باہر کسی نے مجھے راحیل کے ساتھ دیکھ لیا تو یہ بات میری رسوائی بن کر زمانے کی زبان پر آجائے گی۔

میں اسے روزانہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ٹال دیتی مگر وہ مسلسل ضد کررہا تھا' اس دن وہ مجھ سے ناراض ہوگیا اور غصے میں فون بند کردیا' اور میرے بار بار ملانے پر بھی فون ریسیو نہیں کیا۔گھبرا کرمیں رونے لگی' میں راحیل کی

ناراضگی برداشت نہیں کرسکتی تھی۔اس کی ناراضگی میری موت تھی۔میں ساری رات روتی رہی۔

دوسری رات بھی میں مسلسل راحیل کو فون کرتی رہی مگر اس نے فون نہیں اٹھایا' میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیسے مناؤں۔

اتفاق سے اسی شام کچھ لوگ آپی کودیکھنے کے لیے آئے انہیں گوری چٹی آپی فوری پسند آگئیں' مگر جب انہوں نے مجھے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کون ہے' کیونکہ میں ان سب سے الگ دکھائی دے رہی تھی۔

سب لوگ ہنسنے لگے اور آپی نے جھٹ کہا۔"بھئی اسے تو ہماری امی کہیں سے اٹھا لائی ہیں یہ ہماری بہن تھوڑی ہے۔"

آپی کی ہونے والی ساس بولیں۔"لیکن شکل تو آپ لوگوں سے مل رہی ہے۔"

تو آپی نے ہنستے ہوئے کہا۔"ہمارے ساتھ رہتے رہتے ہماری شکلوں میں ملنے لگی ہے۔"

آپی کی بات پر سب زور سے ہنسنے لگے اور مجھ پر مارے شرمندگی کے گھڑوں پانی پڑگیا'میں بھاگ کر اندرجانے لگی' تو آپی کی آواز سنائی دی۔

"یہ ایسی ہی ہے۔ کمپلیس زدہ... یہ کالی ہے ناں اس لیے اسے اپنے کالے رنگ کا کمپلیس ہے۔" مجھے بہت رونا آیا... آپی نے اپنے سسرال والوں کے سامنے بھی میرا مذاق اڑایا۔مجھ سے کوئی بھی محبت نہیں کرتا...

میں بہت بری ہوں... یہ احساس مجھے مارے ڈال رہا تھا۔میری ویران اور اجاڑ زندگی میں راحیل بہار کے ایک خوشگوار جھونکے کی مانند آیا تھا' میں کتنی خوش رہنے لگی تھی' لیکن میں نے ان ہی لوگوں کی عزت کا خیال کرتے ہوئے اپنے پیار کو ناراض کردیا' جب یہ لوگ دوسروں کے سامنے میری عزت نہیں کرسکتیں تو میں کیوں کسی کی عزت کا خیال کرکے اپنی خوشیوں کو آگ لگاؤں۔

میں راحیل سے ملوں گی... میں نے فیصلہ کرلیا...!

پھر میں نے راحیل کو میسج کیا کہ میں تم سے ملنے کے لیے تیار ہوں۔بتاؤ کہاں اور کب ملنا ہے۔

میسج پڑھ کر راحیل خوش ہوگیا اور جب میں نے اسے کال کی تو اس نے فون ریسیو کرلیا۔اور میرے ہیلو کہتے ہی اس نے "مائی ڈارلنگ' مائی سوئٹ ہارٹ کہہ کر ریسیور کو چوم لیا۔اور میرے دل کی دھڑکن کئی گنا بڑھ گئی۔

اس نے مجھے ایک پارک میں ملنے کے لیے بلایااور میں کالج جانے کے بجائے پارک پہنچ گئی۔

راحیل مجھ سے بہت بے تابی سے ملا' صبح دس بجے کا وقت تھا۔پارک میں کوئی نہیں تھا۔ہم دیر تک باتیں کرتے رہے' میں نے اسے کل والا واقعہ بھی سنایا کہ کس طرح میری بہن نے مجھے اپنے سسرال والوں کے سامنے بے عزت کیا تھا۔

یہ سن کر راحیل کو آپی پر بہت غصہ آیا اور اس نے ادھر ادھر دیکھ کر جھٹ مجھے سینے سے لگالیا' اور میرا گال چوم کر مجھے چھوڑ دیا۔

مجھے راحیل کی یہ حرکت بری نہیں لگی بلکہ یہ مجھے اس کی محبت کاایک انداز لگا۔

اور پھر میں جب بھی موقع ملتا راحیل سے ملنے لگی' اس روز کے بعد راحیل نے کبھی میرے ساتھ کوئی بری حرکت نہیں کی۔میں خوش بھی تھی اور مطمئن بھی۔

ایک روز راحیل نے مجھ سے کہا کہ کل تم ضرور آنا۔مجھے تمہیں ایک سرپرائز دینا ہے۔میں وعدے کے مطابق پارک پہنچ گئی۔

وہ دن میری زندگی کا بھیانک ترین دن تھا' باتوں کے دوران مجھے پتا بھی نہیں چلا کہ کب راحیل نے میرے منہ پر کلوروفام سے بھیگا ہوا رومال رکھ دیا اور میں فوراً ہی ہوش وحواس سے بیگانہ ہوگئی۔

ہوش آیا تو اپنے آپ کو ایک چلتی ہوئی گاڑی میں پایا'میں نے محسوس کیا کہ میں ایمبولینس میں لیٹی ہوں۔راحیل میری سامنے والی سیٹ پر بیٹھا ہے' اس کے ساتھ ایک دوسرا لڑکا بھی موجود ہے۔

اچانک ہی ایک روح فرسا خیال ذہن میں آیا اورمیں تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔راحیل نے مجھے جیسے ہی اٹھتے ہوئے دیکھا' اس نے تیزی سے مجھے پکڑ لیااور سختی کے ساتھ میرے منہ پر ہاتھ رکھ کر دبادیا۔

مزیدار دو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں راحیل کی گرفت میں بری طرح مچل رہی تھی۔تب راحیل زور سے چیخا۔

”جلدی کر اسے انجکشن دے... سالی وقت سے پہلے ہی ہوش میں آگئی۔“

اس کے ساتھی نے لمحہ بھر کی دیر کیے بغیر سرنج بھری اور میرے بازو میں انجکشن انجیکٹ کردیا۔میرے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑنے لگے اور ذہن ماؤف ہونے لگا اور میں ایک بار پھر بے ہوش ہوگئی۔

دوبارہ ہوش آیا تو اپنے آپ کو ایک بند کمرے میں پایا۔یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔کمرے میں صرف ایک بیڈ پڑاتھا' باقی سارا کمرہ خالی تھا ' کمرے میں اٹیچ باتھ بھی موجود تھا۔

میں سمجھ گئی کہ راحیل نے میرے ساتھ کتنا بڑا دھوکا کیا ہے' وہ ایک خوب صورت ناگ ہے اور مجھ جیسی احمق اور کمپلیس زدہ جوان لڑکیاں اس کا آسانی سے شکار بن جاتی ہیں۔

میں سمجھ چکی تھی کہ میں اپنے گھر سے بہت دور آچکی ہوں لڑکیوں کے اغواء کے بہت قصے سنے تھے اور یہ بھی سنا تھا کہ انہیں طوائفوں کے کوٹھوں پر بیچ دیا جاتا ہے' تو کیا میں کسی طوائف کے کوٹھے پرموجود ہوں۔اس خیال

کے آتے ہی جیسے میرے جسم سے جان ہی نکل گئی۔اپنا انجام مجھے صاف دکھائی دے رہا تھا۔میرے والدین بہت خاندانی اور شریف تھے۔وہ میرے باپ کا گھر تھا جہاں عزت کی چادر اور چھت مجھے میسر تھی لیکن اپنی ذرا سی نادانی کے سبب آج میں کہاں پہنچ گئی ہوں۔پھر مجھے خیال آیا کہ اگر میری بہنیں ہر وقت میرا مذاق نہ اڑاتیں تو آج میں یہ احمقانہ قدم نہ اٹھاتی۔

راحیل بڑا ماہر اور گھاگ کھلاڑی تھا' اس نے بہت جلد ہی مجھے تاڑ لیا کہ میں کیسی لڑکی ہوں۔باقی اسے مجھ سے ذرا سی گفتگو کرکے اندازہ ہوگیا اور اس نے میری حماقت اور بے وقوفی کا پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

پہلے تو میں دیر تک بیٹھی روتی رہی۔پھر باہر سے کوئی آواز سننے کی کوشش کی مگر باہر بالکل سناٹا تھا' کسی کی آہٹ سنائی نہیں دے رہی تھی' البتہ کبھی کبھار کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دیتیں۔

میں نے گھبرا کر بری طرح دروازہ پیٹنا شروع کردیا۔"کھولو... کوئی ہے... مجھے باہر نکالو...!"

میری آواز کے جواب میں مجھے کئی قدموں کی چاپیں سنائی دیں اور پھر دروازہ کھل گیا۔میں وحشت زدہ سی کھڑی تھی۔

دروازہ کھلا اور اندر تین افراد آئے... جن میں باس'دلبر...اور گلزار شامل تھے۔

میرے پاس دوپٹہ نہیں تھا' تین اجنبی مردوں کو یوں اچانک اپنے سامنے دیکھ کر میں نے جلدی سے بیڈ کی چادر اتار کر اوڑھ لی۔میں کسی چڑیا کے بچے کی مانند کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔

مجھے چادر اوڑھتے ہوئے دیکھ کر وہ تینوں ہنسنے لگے۔ان تینوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی بات کی اور باس مجھ سے بولے۔

"پریشان مت ہو بے بی... یہاں تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔چادر اتار کر بیڈ پر رکھ دو' یہ اوڑھنے کی نہیں بچھانے کی چادر ہے۔" باس نے مسکراتے ہوئے بہت ہی نرم لہجے میں کہا۔

"مم... میں کہاں ہوں؟یہ کون سی جگہ ہے؟ آپ کون لوگ ہیں...؟" میں نے چادر کو مضبوطی سے اپنے گرد لپیٹتے ہوئے پوچھا۔

"تم کراچی میں ہو' اب تم یہیں رہو گی... تم راحیل سے محبت کرتی تھیں اور اس سے شادی کرنا چاہتی تھیں ناں... میں راحیل سے تمہاری شادی کراؤں گا... چلو شاباش اس چادر کو اتار دو..." باس نے سابقہ لہجے میں کہا۔

"نہیں میں چادر نہیں اتاروں گی۔تم راحیل کا نام مت لو' وہ ایک کمینہ انسان ہے'اس نے مجھے دھوکا دیا ہے اور بے ہوش کر کے یہاں لے آیا ہے۔" میں نے روتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے اگر تم کہہ رہی ہو کہ راحیل ایک کمینہ انسان ہے' تو یقینا ہو گا۔ اس نے تمہیں دھوکا دے کر واقعی اپنے کمینے ہونے کا ثبوت دیا ہے' دھوکا دینا تو کوئی اچھی بات نہیں ہے۔اب چادر اتار دو۔" اس نے مجھے چمکارتے ہوئے بچوں کی طرح سمجھاتے ہوئے کہا پھر آخر میں اپنے مطلب کی بات کہی۔

"آپ مجھ سے بار بار چادر اتارنے کے لیے کیوں کہہ رہے ہیں۔میں ایک شریف لڑکی ہوں آپ مجھے ایک اچھے اور ہمدرد انسان دکھائی دے رہے ہیں۔ پلیز مجھے میرے گھر پہنچادیں۔" میں نے احمقانہ معصومیت سے کہا تو وہ تینوں

پھر ہنسنے لگے' لیکن فوراً ہی باس نے گرگٹ کی طرح رنگ بدلااور دہاڑتے ہوئے کہا۔

"سنا نہیں تم نے... چادر اتار دو۔"

باس کی بات سن کر میں بری طرح ڈر گئی اورمیرے کانپتے ہوئے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے اور چادر میرے کندھوں سے پھسل کر نیچے گر پڑی۔

"گڈ...! ویری سیکسی اینڈ بیوٹی فل... راحیل کو اس کا معاوضہ دے کر چلتا کرو۔"

میرے کانوں میں باس کی آواز آئی تو میں تیزی سے نیچے جھکی کہ چادر اٹھالوں تو دلبر تیزی سے میری جانب بڑھا اور میں نے غصے سے اس کا منہ نوچ لیا' وہ ایک تیز سسکی لے کر پیچھے ہٹ گیا۔

"اس کے کپڑے اتار دو...!" باس کے حلق سے کسی درندے کی سی غراہٹ ابھری اور پھر میں نے اپنی حد تک جدوجہد کی... مگرمیں ہار گئی... اور تھوڑی دیر بعد انتہائی شرمناک حالت میں ان تینوں مردوں کے سامنے کھڑی تھی۔

میرا شدت سے دل چاہا کہ کاش یہ زمین پھٹ جائے اور میرا یہ شرمندہ وجود ہمیشہ کے لیے اس میں چھپ جائے میں نے صدق دل سے اپنی موت کی دعا مانگی...

میرے برہنہ وجود کودیکھ کر باس کی آنکھوں میں داد و تحسین تھی' وہ بہت خوش ہوا لیکن ان تینوں میں سے کسی نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا اور تینوں باہر نکل گئے' دروازہ ایک بار پھر بند ہو گیا اور میں دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

تھوڑی دیر بعد دلبر دوبارہ آیا 'اس کے ہاتھوں میں کھانے کی ٹرے اور پانی کی بوتل تھی' مجھے دیکھ کراس کے لبوں پر خباثت آمیز مسکراہٹ آگئی' اس نے ٹرے میرے آگے رکھتے ہوئے کہا۔

"کھانا کھالو...!"

میں نے غصے سے ٹرے اٹھا کر دور پھینک دی اور کھلے دروازے سے نکل کر بھاگنے لگی تو دلبر نے مجھے تیزی سے پکڑ لیا' اس کی انگلیاں میرے بازو کی ہڈیوں کو توڑنے لگیں۔اس نے دوسرے ہاتھ سے میرے بالوں کوپکڑااور میرا چہرہ اوپر اٹھا کر غراتے ہوئے کہا۔

"شرافت کی زبان سمجھ میں نہیں آتی ہے تجھے... اپنے یار سے ملنے کے لیے جب گھر سے باہر نکلی تھی' جب تیری عزت اور شرافت کہاں سوگئی تھی۔ حرام زادی ...! یاد رکھ تو یہاں سے باہر مر کربھی نہیں نکل سکتی۔ان بھوکے کتوں کی آوازیں سن رہی ہے ناں' باہر نکلی تو ان کی خوراک بن جائے گی۔ اس لیے خاموشی سے یہاں بیٹھ کر کھانا کھالے اور باس کے اگلے حکم کاانتظار کر... ورنہ یاد رکھ تیرا وہ حشر کروں گا کہ تو نہ زندوں میں رہے گی نہ مردوں میں..." اتنا کہہ کر دلبر نے ایک جھٹکے سے میرے بال چھوڑ دیئے اور تیزی سے باہر نکل گیا اور جاتے ہوئے باہر سے دروازہ

بند کردیا۔

میرا دماغ مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا' کبھی قصور وار مجھے اپنے گھر والے اوران کا رویہ دکھائی دیتا کبھی اپنی حماقت اور کبھی راحیل کی محبت... کچھ بھی تھا...مگر میں اب بری طرح کسی بے بس چڑیا کی طرح ان کے جال میں پھنس چکی تھی جو پھڑ پھڑا تو سکتی ہے مگر اڑ نہیں سکتی۔

تین چار دن اسی طرح گزر گئے‘ میں قید تنہائی میں رہی‘ کھانا پینا مسلسل مل رہاتھا‘ اس دوران کوئی مجھ سے ملنے کے لیے نہیں آیا‘ پتہ نہیں یہ کون سی جگہ تھی‘ بالکل سناٹا تھا‘ بس کبھی کبھار کتوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔پتہ نہیں میرے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔

تب ہی ایک شام پھر دروازہ کھلااور دلبر اندر آیا اور بولا۔”تمہیں باس نے بلایا ہے۔“

میں خاموشی سے اٹھ کر دلبر کے ساتھ اس کمرے سے باہر آگئی‘ تب میں نے پہلی بار ان شکاری کتوں کو دیکھا لیکن وہ ایک بڑے سے لوہے کے پنجرے میں بند تھے۔

”انہیں اس وقت اس پنجرے میں تمہاری وجہ سے بند کیا ہے‘ کیونکہ یہ کسی بھی اجنبی کو دیکھ کر ذرا دیر میں چیر پھاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔“

میں نے دلبر کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا‘ اس منحوس صورت انسان کی شکل سے مجھے شدید نفرت تھی‘ جس کی نہ چاہنے کے باوجود مجھے بار بارصورت دکھائی دیتی تھی۔

دلبر مجھے لے کر ایک دوسرے کمرے میں آیا‘ یہاں صوفے وغیرہ بچھے ہوئے تھے ‘یہاں باس کو میں نے ایک صوفے پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔

”آؤ لڑکی... آؤ ادھر بیٹھو...!“ باس نے اپنے قریب صوفے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تومیں ڈرتے ڈرتے صوفے پر بیٹھ گئی۔

”کیسی ہو...؟“ باس نے مسکراتے ہوئے پوچھا تومیں نے آہستہ سے سرہلادیا۔

”میں تم سے دو باتیں کرنا چاہتا ہوں‘ انہیں غور سے سن لو اور سمجھ لو... کیونکہ مجھے بار بار اپنی بات دہرانے کی عادت نہیں ہے۔“ باس نے بدستور نرم لہجے میں کہا۔میں نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے اس کی شکل دیکھتی رہی۔

”راحیل جس کو تم سے محبت کا دعویٰ تھااور تمہیں راحیل سے... تووہ تو تمہیں ہمارے ہاتھوں بیچ کر تمہارے دام کھرے کر گیا ہے‘ پورے پچاس ہزار روپے دیئے ہیں تمہاری قیمت۔کیونکہ تم میری ڈیمانڈ پر پوری اتری ہو۔“ اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوا۔چند لمحوں کے وقفے کے بعد بولا۔”خان بہادر خان کانام سنا ہے کبھی؟“ میں نے نفی میں سرہلادیا۔

ایک سیاسی لیڈر ہیں۔ میرے بہت اچھے دوست ہیں اور خیر خواہ بھی... ہمارے ایک دوسرے سے بہت سے کام پڑتے رہتے ہیں۔انہیں سانولا حسن بہت بھاتا ہے' اب انہیں خوش رکھنا ہے تو ان کی پسند کا خیال تو رکھنا ہی پڑے گا ناں۔مجھے تمہاری جیسی نمکین حسینہ کی تلاش تھی۔اب تم مل گئی ہو تو میرے کام تو آؤ گی...! سو تم تیاری کرو... تمہیں خان صاحب کے ساتھ وقت گزارنا ہے انہیں خوش کرنا ہے اور ہمیں بھی..." باس نے دھیمے دھیمے لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا۔عجیب شخص تھا' ہر وقت اس کے لبوں پر مسکراہٹ رہتی تھی۔

"میں ہر گز ایسا نہیں کروں گی!" نہ جانے میرے ڈرے اور سہمے ہوئے وجود میں اتنی ہمت کہاں سے آ گئی کہ میں نے بے ساختہ کھڑے ہو کر سختی سے انکار کر دیا۔

"کیوں بھئی...!" باس نے بغیر کسی غصے کے نرم لہجے میں کہا۔

"آپ مجھے شرافت سے میرے گھر واپس پہنچا دیں۔ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔کیا آپ کی کوئی بیٹی نہیں ہے' کیا کسی عورت نے آپ کو جنم نہیں دیا۔جو آپ

کسی دوسرے کے گھر کی عزت کو یوں پامال کر رہے ہیں۔" میں نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔

"دلبر!" باس نے مسکراتے ہوئے دلبر کو آواز دی... "بھئی میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔تم اس شریف زادی کو لے جاؤ... اوراس کو باعزت طریقے سے بے عزت کردو...!"

"جی باس...!" دلبر نے اپنے غلیظ دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے بے تکلفی سے باس کو دیکھا۔

"سنا نہیں تم نے..."وہ زور سے دہاڑا... گلزار کو بھی بلالو... اب کل اس سے بات ہوگی۔یہ کہہ کر وہ میری جانب دیکھے بنا اٹھ کر تیزی سے چلا گیا۔میں آنکھیں پھاڑے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"چل میری بلبل...!" دلبر نے مجھے دبوچتے ہوئے کہا اور میں نے اس کو بری طرح نوچ کھسوٹ ڈالا۔مجھے ایک اور کمرے میں لے جایا گیا' جہاں ہر جانب کیمرے اور آئینے لگے ہوئے تھے۔

دلبر اور گلزار نے چند گھنٹوں میں میری عزت کی موت کردی... میری برہنہ تصاویر اور ویڈیو ان کے پاس تھی۔

میں بے دم سی پڑی تھی، تب دلبر نے میرے گھر کا ایڈریس دہراتے ہوئے کہا۔

"آج کے اس شاندار کھیل کی یہ شاندار ویڈیو اور تصاویر تمہارے گھر کے پتے پرارسال کی جارہی ہیں اوراس کی ایک دو کاپیاں تمہارے پڑوس کے گھروں میں بھی بھیجی جارہی ہیں، کتنا اچھا لگے گا جب تمہارا باپ یہ سب دیکھے گا اور تمہارے پڑوس کے لوگ اس ویڈیو کو دیکھ کر تمہارے باپ کے پاس مبارک باد دینے کے لیے آئیں گے کہ اب اس کی بیٹی کنواری نہیں رہی...!"

"نہیں نہیں تمہیں اللہ کا واسطہ تم لوگ ایسا مت کرنا... میں تم لوگوں کا ہر کہنا مانوں گی بلکہ اگر ہوسکے تو میرے گھر یہ اطلاع بھیج دو کہ ان کی بیٹی مرچکی ہے، اسے تلاش کرنے کی کوشش نہ کریں۔" میں نے دلبر کے پیر پکڑ کر روتے ہوئے کہا۔

"رومت بے بی ... بس آج سے تمہارا کام صرف باس کے حکم کو بجالانا ہے۔ایسا کروگی تو سب ٹھیک رہے گا، ورنہ... تمہاری ویڈیو تو ہمارے پاس محفوظ ہے۔" دلبر نے خباثت سے کہا۔

"نہیں... باس سے کہنا، میں ان کی کنیز ہوں، جیسا وہ چاہیں گے ویسا ہی ہوگا۔" میں نے روتے ہوئے کہا۔

اور باس نے میرا نام "کنیز" ہی رکھ دیا۔مجھے پورے پانچ سال ہوگئے ہیں ادھر آئے ہوئے۔میرے گھر والوں کا کیا حال ہوا، وہ لوگ اب کہاں ہیں، زندہ بھی ہیں یا مرگئے۔جن کی جوان بیٹیاں یوں اچانک لاپتہ ہوجائیں وہ لوگ زندہ ہوتے ہوئے بھی مرہی جاتے ہیں۔

مجھے کنیز کی داستان سن کر بہت افسوس ہوا تھا، بار بار میری آنکھوں میں فائزہ کی شکل آرہی تھی، اس کی بے بسی کی موت... اس کی بے حرمتی۔کیا قصور تھا اس کا...؟ کنیز تو اپنے آپ کو محبت کی مجرم سمجھ رہی تھی، مگر میری بہن فائزہ تو بہت معصوم تھی، اس کا قصور تو ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل رہا تھا۔

یہ باس اور اس جیسے عفریت...چاہے وہ سردار شیر افضل ہو یا شیرزادہ خٹک یا مہ وش کا باپ راجا ہو... سارے ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ میرے دل میں ان سب کے لیے انتہائی نفرت اور حقارت تھی۔یہ لوگوں کو مجبور کرکے جرائم کرواتے ہیں۔پھران جرائم کی مووی بنوا کر انہیں زندگی بھر بلیک میل کرتے رہتے ہیں۔شاید سب ہی کی کوئی نہ کوئی کمزوری اس آغا قزلباش کے ہاتھ میں ہوگی' میرے ساتھ بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا' یہ بات بھی مجھے کنیز نے ہی بتائی تھی۔

کنیز نے مجھے بتایا تھا کہ باس کے پاس کچھ لڑکیاں ہیں جو نوجوان لڑکوں کو پھنسا کر اغوا کراتی ہیں تو ایسے لڑکے بھی ہوں گے جو نوجوان لڑکیوں کو پھنسا کر لاتے ہوں گے اور باس ان لڑکیوں کو دوسرے ممالک میں فروخت کر دیتاہے۔

میرے ذہن میں رہ رہ کر ایک ہی بات آرہی تھی کہ باس کے ہاتھ میں کتنے لوگوں کی کمزوریاں ہیں۔جن سے فائدہ اٹھا کر وہ انہیں اپنے اشاروں پر نچاتا ہے تو باس کی بھی تو کوئی نہ کوئی کمزوری ہوگی بلکہ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی

ویک پوائنٹ ہوتا ہے' اب یہ سامنے والے پر اور اس کی عقل مندی پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ اس شخص کے ویک پوائنٹ کو کس طرح پکڑتا ہے اوراس سے فائدہ اٹھاتاہے۔

اوراس کام کے لیے مجھے زیادہ سے زیادہ باس کااعتماد حاصل کرکے اس کے نزدیک ہونا ہے اور اس کاویک پوائنٹ حاصل کرنا ہے' پتا نہیں اس کی کوئی فیملی ہے یانہیں' اگر ہے تو وہ کہاں ہے' مجھے پورا یقین تھا کہ کم از کم وہ لوگ پاکستان میں تو نہیں ہوں گے' اور کسی کومعلوم بھی نہیں ہوگا' کنیز کو بھی نہیں۔اگر اسے معلوم ہوتا تو وہ مجھے یہ بات بھی بتاتی۔

اس کی باتوں اور رویے سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ مجھے پسند کرنے لگی ہے مگر میرے دل میں اس کے لیے ہمدردی کا جذبہ تو تھا مگر کوئی اور جذبہ نہیں تھا۔اس جذبے سے مجھے مہ وش نے آشنا کیا تھا مگر اب نہ جانے کیوں اس کاعکس بھی میری آنکھوں میں دھندلانے لگا تھا۔

میری سوچوں کا دھارا بہتے بہتے ایک بار پھر ٹرین کے حادثے میں ہلاک ہونے والے جاوید کی جانب مڑ گیا۔میں اس کی ماں اور بہن کے بارے میں

سوچنے لگا' کہ وہ لوگ اس کا انتظار کر رہی ہوں گی'اس کے کسی فون کسی پیغام کا... اور جب کسی جانب سے کوئی اطلاع نہیں ملی ہوگی تو وہ کتنا پریشان ہو رہی ہوں گی۔ماں کی آنکھوں سے تو نیند ہی روٹھ گئی ہوگی۔اس کے کان دروازے پر ہونے والی اپنے بیٹے کے قدموں کی آہٹ پر لگے ہوں گے... مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔اسے کون بتائے گا کہ وہ اب اس کاانتظار نہ کرے۔ اس کا بیٹا اب کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا۔

مجھے اچانک ایک خیال آیا کہ میں جاوید کے گھر اس کا دوست بن کر جاسکتا ہوں اور کچھ رقم اس کی ماں کے ہاتھ پر رکھ کر کہوں گا کہ یہ جاوید نے بھیجے ہیں۔وہ خود کسی وجہ سے نہیں آسکتا تو شاید اس کی ماں کی بے قرار ممتا کو قرار آجائے' باس نے مجھے سلو بھائی کے قتل کا جو معاوضہ دیا تھا' وہ لفافہ یوں ہی بند پڑا تھا' میں یہ رقم جاوید کے گھر دے سکتا ہوں۔

پھر مجھے گولی استاد کا خیال آیا کہ وہ سمجھ رہا ہوگا کہ میں مرچکا ہوں' اگر میں اسے اپنے زندہ ہونے کی خبر دوں گا تو وہ حیران رہ جائے گا اور مجھ سے ساری داستان سننے کی خواہش کرے گا' جو میں فی الحال نہیں کرسکتا۔اس لیے اس کام

کو میں نے مؤخر کردیا' البتہ جاوید کے گھر جانے کا فیصلہ کرلیا۔اس بات کو کسی سے چھپانے کی ضرورت بھی نہیں تھی' میں یہاں سب کو بتا کر بھی جاسکتا تھا۔

میرے پاس ویسے بھی کرنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔اس لیے میں نے سوچا کہ آج ہی ناظم آباد کا چکر لگا لیتا ہوں۔میں فٹا فٹ تیار ہوا' باس کا دیا ہوا رقم کا لفافہ اٹھایا' اس میں سے آدھی رقم نکال کر الماری کی دراز میں رکھی' اور آدھی رقم اس براؤن لفافے میں رکھ کر جیکٹ کی جیب میں رکھ لی۔

میں نے اکرم کو آواز دی تو وہ فوراً چلا آیا' میں نے اس سے پوچھا کہ نیچے پارکنگ میں کوئی کار موجود ہے یا نہیں' کیونکہ اس وقت وہ تینوں گھر سے باہر تھے اور ظاہر ہے وہ گاڑیاں لے گئے ہوں گے' تو اکرم نے جواب دیا کہ ایک کار موجود ہے' وہ آپ ہی کے استعمال میں رہے گی' باقی سب کی اپنی

اپنی گاڑیاں موجود ہیں۔ میں نے اس سے کار کی چابی مانگی جو اس نے مجھے فوراً دے دی اور کہا۔ ”آج سے اس چابی کو آپ اپنے پاس ہی رکھیں۔“

میں نے اسے بتایا کہ میں اپنے ایک دوست کے گھر جارہاہوں، ناظم آباد، ایک سے دو گھنٹے لگ جائیں گے، اگر کنیز یا جعفر وغیرہ پوچھیں تو انہیں بتادینا۔

”یہاں آپ کا کون سا دوست ہے، آپ تو پنڈی کے رہنے والے ہیں۔“ اس نے پوچھا، مجھے اس کے اس طرح سوال کرنے پر غصہ تو بہت آیا، مگر میں برداشت کر گیااور کہا۔

”جب تم میرے بارے میں یہ جانتے ہو کہ میں پنڈی کا رہنے والا ہوں تو یہ بھی جانتے ہوگے کہ ٹرین کے حادثے میں جو شخص مرا ہے میں اس کے گھر جارہاہوں۔“ میں نے ناگوار لہجے میں کہا۔

”ذرا دھیان سے جایئے گا۔“ اس نے کہا۔

”مجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے، مجھے اپنی حفاظت خوب اچھی طرح کرنی آتی ہے۔“ میں نے سخت ترش لہجے میں جواب دیا تووہ بے پروا انداز میں کندھے اچکا کر چلا گیا۔

میں غصے میں بھناتا ہوا تیزی کے ساتھ فلیٹ کی سیڑھیاں اترنے لگا، لائٹ نہیں تھی اس لیے لفٹ بند تھی۔

اس بلڈنگ کے زیادہ تر فلیٹ باس کی ملکیت تھے اوراس میں زیادہ تر لوگ باس کے آدمی ہی تھے۔یہ بات مجھے جعفر نے بتائی تھی اور ابھی تک ان میں سے میں زیادہ تر چہروں سے ناآشنا تھا۔

میں نے کار اسٹارٹ کی اور بلڈنگ کے احاطے سے باہر نکلنے لگا، تب ہی میں نے ایک شخص کو وہاں کھڑے دیکھا جو بے پروا انداز میں ایک کار سے ٹیک لگائے کھڑا سگریٹ کے کش لے رہا تھا، میرے گیٹ سے باہر نکلتے ہی وہ بھی تیزی کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔میں نے عقبی آئینے میں اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا، میرے لبوں پر مسکراہٹ آگئی، یعنی اکرم نے میرے پیچھے بندہ لگادیا ہے لیکن مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، میں نہ تو اس بات کو کسی سے چھپا رہا تھا اور نہ ہی کوئی جرم کررہاتھا جو میں کسی سے ڈروں۔

راستے میں، میں نے اسے کئی جگہ ڈاج دینے کی کوشش کی لیکن وہ مسلسل میرے پیچھے پیچھے آتا رہا، مجھے اس احمق آدمی پر غصہ آرہا تھا کہ اس آدمی کو

یہ بھی نہیں معلوم کہ تعاقب کس طرح کیا جاتا ہے‘ ایسے کہ اس شخص کو شبہ بھی نہ ہو کہ اس کا پیچھا کیا جارہا ہے‘ جب میں نے ہی اسے پہچان لیا تو دوسرے کی تو خیر ہے‘ میں نے سوچا کہ باس نے کس قسم کے بودے اور احمق آدمیوں کو ان کاموں کے لیے رکھا ہے‘ ایسا کام تو کوئی تیز اور شاطر آدمی ہی کرتا ہے۔میں نے سوچا کہ میں باس سے اس بارے میں ضرور بات کروں گا‘ ہوسکتا ہے کہ میرے نمبر بڑھ جائیں۔

راستے بھرمیں اسی قسم کی باتیں سوچتا ہوا ناظم آباد کے اس محلے میں پہنچ گیا‘ جاوید نے مجھے بتایا تھا کہ میری گلی کے سرے پر ایک میڈیکل اسٹور ”علی میڈیکل اسٹور“ کے نام سے کھلا ہے‘ اندر گلی میں جاکر دائیں ہاتھ پر پانچواں مکان میرا ہے۔

میں نے اپنی گاڑی میڈیکل اسٹور کے قریب پارک کردی۔اسٹور پر اس وقت بھی کئی افراد کھڑے تھے۔مکان نمبر بھی میرے ذہن میں تھا۔ میں گاڑی لاک کرکے اندر گلی میں داخل ہوگیا۔

اچانک ہی میرے ذہن میں خیال آیا کہ جاوید نے پہلی ہی ملاقات میں‘ جبکہ میں اس کے لیے بالکل ہی اجنبی تھا‘ مجھ سے اتنی ساری باتیں کیوں کیں اور نہ صرف باتیں کیں اپنے گھر اور گھر والوں کے متعلق بہت کچھ بتادیا اور اپنے گھر کاایڈریس بھی۔شاید یہ سب اس سے قدرت نے کہلوایا تھا‘ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے اور پھر چونکہ میں اس کے گھر کے متعلق بہت کچھ جان چکا ہوں تو یہ میرا فرض بنتا ہے کہ میں اس کی بیوہ ماں اور جوان بہن کا خیال رکھوں۔

میں پانچویں مکان پر رک کرمکان کے باہر لگی نیم پلیٹ دیکھنے لگا‘ یہاں جاوید کانام اور گھر کانمبر لکھا ہوا تھا‘ جاوید کانمبر پڑھ کر ہی مجھے اطمینان ہوگیا تھا‘ اس لیے میں نے برقی کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔

گھر کے اندر بجنے والی بیل کی آواز مجھے باہر بھی سنائی دے رہی تھی۔تقریباً چند منٹ بعد ہی اندر سے ایک لڑکی کی آواز سنائی دی۔

”کون ہے؟“

"میں جاوید کا دوست ہوں اوراس کاایک پیغام لایا ہوں۔" میں نے دروازے کے قریب ہو کر کہا۔

"ایک منٹ رکیں پلیز... " اندر سے ہیجان خیز لہجے میں کہا گیا۔میں انتظار کرنے لگا' وہ یقینا یہ بات اپنی ماں کو بتانے کے لیے گئی ہوگی۔میں گھر کے باہر کھڑا گلی میں یوں ہی بے مقصد ادھر ادھر گردن گھما کردیکھنے لگا' تب ہی میری نگاہ ٹیلی فون کے پول سے ٹیک لگائے کھڑے ایک جوان لڑکے پرپڑی جومیری جانب ہی دیکھ رہا تھا۔شکل سے ہی غنڈہ موالی دکھائی دے رہاتھا۔منہ میں پان اور انگلیوں میں سگریٹ دبی ہوئی تھی' گلے میں اس نے رومال باندھا ہوا تھا۔ابھی میں اس لڑکے کا تفصیلی جائزہ لے رہا تھا' کہ اندر سے ایک لرزتی کانپتی آواز آئی۔

"کون ہے بیٹا...؟"

"دراوزہ کھولیں ماں جی' میں عماد ہوں' جاوید کا دوست' اسی نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے' مجھے آپ سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔" میں سمجھ گیا کہ اس مرتبہ جاوید کی والدہ آئی ہیں۔دو تنہا خواتین حددرجہ محتاط رویہ اختیار کیے ہوئے

تھیں۔انہیں کسی سے ڈر یا خوف تو نہیں ' یہ تو ان سے مل کر ہی معلوم ہو گا' میں نے دل میں سوچا۔

اندر سے کنڈی کھلنے کی آواز آئی اور دروازہ تھوڑاسا کھل گیااور ذرا سے کھلے دروازے سے ایک بوڑھا' غمزدہ اور کمزور وجود مجھے دکھائی دیا۔

میری شکل پر نگاہ پڑی تو بڑی بی کچھ خوف زدہ سی ہو گئیں۔میرا حلیہ ہی کچھ ایسا تھا بڑی بڑی مونچھیں ' داڑھی اور سر کے بال بھی لمبے ...

"بیٹا آپ کا نام کبھی جاوید کے منہ سے سنا نہیں' آپ اس کے کون سے دوست ہیں۔" انہوں نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

"ماں جی اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے اندر بلالیں۔میں اطمینان سے بیٹھ کر آپ سے بات کرسکوں گا اور جاوید کے بارے میں آپ کو بتاسکوں گا اور اگر آپ مجھے گھر کے اندر بلانا مناسب نہیں سمجھتیں تو کوئی بات نہیں' آپ یہ لفافہ رکھ لیں یہ جاوید نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔" یہ کہہ کر میں نے جیکٹ کی جیب سے براؤن لفافہ نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔

ماں جی لفافہ لیتے ہوئے جھجک رہی تھیں۔ان کی مشکل یہ تھی کہ وہ ایک جوان بیٹی کی ماں تھیں اور یوں ایک اجنبی پر بھروسہ کرنا ذرا مشکل تھا۔

”لے لیجئے ماں جی‘ یہ آپ کے بیٹے کے ہی پیسے ہیں...“ نہ جانے کیوں یہ بات کہتے ہوئے میری آواز بھرا گئی‘ مجھے ایک دم اپنی ماں کی یاد آگئی‘ مائیں تو سب کی سانجھی ہوتی ہیں‘ ماں تو صرف ماں ہوتی ہے چاہے کسی کی بھی ہو‘ اتنی ہی احترام اور عزت کے لائق۔

”اچھا ماں جی اب میں چلتا ہوں۔“ میں نے لفافہ مزید اندر کرتے ہوئے کہا‘ جو انہوں نے تھام لیا‘ پھر جھجکتے ہوئے بولیں۔

”بیٹا ایک منٹ رکو‘ تم اندر آجاؤ اور بتاؤ کہ جاوید کہاں ہے۔“

”بہت شکریہ ماں جی!“ میں نگاہیں نیچی کرکے ان کے گھر کے اندر داخل ہو گیا۔میں نے ایک نگاہ ہی میں دیکھ لیا‘ کہ دو کمروں کے درمیان میں ایک چھوٹی سی گیلری تھی جس کا دروازہ گلی میں کھلتا تھا‘ آگے کھلا صحن تھا‘ دونوں کمروں کے دروازے آمنے سامنے تھے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ماں جی دائیں طرف والے کمرے کی جانب مڑ گئیں‘ کمرے میں اندھیرا ہو رہا تھا‘ انہوں نے اندر جاکر لائٹ آن کی‘ میں باہر کھڑا رہا‘ روشنی ہوجانے پر انہوں نے آواز دے کر مجھے اندر بلالیا۔

یہ ایک چھوٹا سا ڈرائنگ روم تھا‘ نفاست اور سلیقے سے سجا ہوا‘ لکڑی کا سوفہ تھا‘ زمین پر سستا سا ریڈ کارپٹ بچھا تھا۔دروازے اور کھڑکیوں پر معمولی کرٹن تھے‘ دیواروں پر سینری بھی معمولی قسم کی تھی۔

ماں جی نے مجھے سوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود میرے سامنے والے سوفے پر بیٹھ گئیں‘ کسی زمانے میں وہ خاصی حد تک حسین رہی ہوں گی‘ اس وقت بھی ان کی رنگت سرخ وسفید تھی‘ بڑی بڑی سی آنکھیں بجھی بجھی اور نمکین پانیوں سے لبریز دکھائی دے رہی تھیں۔لان کے معمولی سوٹ میں وہ صوفے پر سمٹی بیٹھی تھیں۔میں جانتا تھا کہ اس وقت ان کے دل کی کیا حالت ہو رہی ہوگی۔مگر وہ نہایت تحمل سے بیٹھی تھیں۔میں خاموش ہی رہا تب وہ بولیں۔

”بیٹا جاوید کہاں ہے‘ وہ خود کیوں نہیں آیا ‘اس نے کوئی فون بھی نہیں کیا۔ نہ اپنی خیریت کی کوئی اطلاع دی۔وہ تو دو تین دن کے لیے پنڈی گیا تھا۔ٹرین

میں بھی سوار ہو گیا تھا۔ تب آخری بار اس کا فون آیا تھا' بس اس کے بعد..." اس سے آگے وہ بول ہی نہیں سکیں۔ ان کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی' ڈھیر سارے آنسو حلق میں اتر آئے اور آواز بند کر دی۔

"جی ماں جی ' ایسا ہی ہوا تھا لیکن ..." میں اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا' سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ فوری طور پر ان سے کیا کہوں۔ جوان بیٹے کی موت کی اطلاع یوں اچانک نہیں دینا چاہتا تھا۔

"لیکن کیا بیٹا...!" انہوں نے بے قرار لہجے میں پوچھا۔ "ہمیں معلوم ہوا تھا کہ جس ٹرین میں جاوید آرہا تھا' اس کا حادثہ ہو گیا تھا' ہم نے بہت بھاگ دوڑ کی' سارے زخمی جس ہاسپٹل میں تھے' سب جگہ دیکھا' مرنے والوں کی لسٹ دیکھی مگر میرا بیٹا کہیں نہیں تھا۔ اس بات کا تو اطمینان تھا کہ جاوید ماشاء اللہ زندہ ہے' کچھ لاوارث لاشیں بھی تھیں' ان کے چہرے بھی دیکھے' میری عشاء بہت ہمت والی ہے ' اس نے دن رات ایک کر دیئے بھائی کی تلاش میں لیکن اس کی کوئی خبر نہیں ملی' آج اتنے عرصہ کے بعد تم آئے ہو اس کا پیغام لے کر..."

میری نگاہ ڈرائنگ روم کے دروازے کی جانب اٹھ گئی جہاں گلابی دوپٹے کا پلو لہرا رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ یقینا جاوید کی بہن عشاء ہے' جو بے تابی سے بھائی کے بارے میں جاننے کے لیے دروازے سے لگی کھڑی ہماری باتیں سن رہی ہے۔

"بات یہ ہے ماں جی کہ جاوید اس ٹرین میں سوار ضرور ہوا تھا' مگر چلنے سے پہلے اسے ٹرین سے اتار لیا گیا تھا۔" میں نے کہا۔

"لیکن کیوں ؟" انہوں نے احتجاج کے انداز میں کہا۔

"ماں جی ٹکٹ لیتے ہوئے جاوید کا ایک شخص سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ حالانکہ چاقو اس شخص نے جاوید پر حملہ کرنے کے لیے نکالا تھا لیکن جب وہ دونوں آپس میں گتھم گتھا ہوئے تو جاوید اس کے ہاتھ سے چاقو چھیننے لگا لیکن اچانک وہ دونوں نیچے گر پڑے اور چاقو جاوید کے ہاتھ سے اس شخص کے سینے میں گھس گیا۔

"ہائے میرے اللہ...!" میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ ماں جی کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی اور انہوں نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی بلند ہونے والی چیخ

کو روکنے کی کوشش کی، گلابی دوپٹے کے لہراتے ہوئے پلو میں بھی ہلچل سی مچی۔

"پھر... پھر کیا ہوا..." میں بولتے بولتے رک گیا تو وہ بے تاب ہو گئیں اور میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئیں۔

"آپ بیٹھ جائیں ماں جی...!" میں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے نزدیک بٹھالیا۔

وہ وحشت زدہ نگاہوں سے میرے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے بری خبر کی منتظر تھیں۔

"جاوید تیزی سے اس شخص سے علیحدہ ہو گیااور خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلا اور ٹرین میں سوار ہو گیا اور خاموشی سے ایک جانب بیٹھ گیا۔ایک تواس کا قصور نہیں تھا، وہ غنڈہ ٹائپ شخص تھا۔خواہ مخواہ جاوید سے بھڑ گیا اور ہاتھا پائی پر اتر آیا، چاقو بھی اس نے جاوید کوزخمی کرنے کے لیے نکالا تھا لیکن اپنے چاقو سے خود ہی زخمی ہو گیا۔کہیں یہ کوئی لمبا چکر ہی نہ چل جائے، جاوید کو تو کراچی آنا تھا، ٹرین بھی اسٹیشن پر تھی، اس لیے وہ بھاگ کر اس میں سوار ہو گیا اور شاید اسی وقت اس نے آپ کو فون کیا ہو گا۔

وہاں جب لوگوں نے ایک بندے کو زخمی حالت میں تڑپتے ہوئے دیکھا تو پولیس موبائل کو بلالیا، جو اسٹیشن پر موجود تھی۔

کچھ لوگوں نے جاوید کو ٹرین میں چڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا، اس لیے پولیس نے بطور خاص ٹرین کوروانہ ہونے سے روک دیا اور ٹرین میں جاوید کی تلاش شروع کردی اور پھر اسے گرفتار کرلیا گیا۔

وہ شخص جو جاوید کے ہاتھوں زخمی ہوا تھا، ہاسپٹل پہنچا دیا گیا، وہ زندہ تو تھا مگر چاقو کا زخم مہلک ثابت ہوا، زخم دل کے قریب آیا تھا، انفیکشن تیزی سے پھیلا اور تیسرے روز وہ شخص چل بسا۔جاوید پر قتل کامقدمہ قائم ہو گیا۔

تب اس نے بڑی مشکلوں سے کہہ سن کر مجھے کراچی کال کروائی، میں پنڈی سے آرہا ہوں، اس نے یہ ساری باتیں مجھے بتائی ہیں اور خاص تاکید کی ہے کہ اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتایا جائے، خاص طور پر پنڈی میں موجود رشتہ داروں کو، سب سے یہی کہا جائے کہ میں ملک سے باہر گیا ہوا ہوں۔

وہ خود بھی اس بات سے بہت پریشان تھا کہ آپ لوگ بھی بہت زیادہ پریشان ہو رہی ہوں گی۔اس نے مجھے ایک لفافہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ میں

یہ آپ کو دے دوں۔ میں اپنی بات ختم کر کے خاموش ہو گیا۔ ماں جی اب باقاعدہ سسکیوں سے رو رہی تھیں۔ میں نے انہیں بہت تسلیاں دیں اور کہا۔

"ماں جی آپ فکر نہ کریں، جب تک جاوید گھر لوٹ کر نہیں آجاتا، آپ مجھے اپنا جاوید سمجھ لیں۔ میرا موبائل نمبر نوٹ کر لیں۔ کسی چیز کی ضرورت ہو، کوئی مسئلہ ہو مجھے بس ایک کال کر دیں۔ اور اگر ہوسکے تو مجھے اپنا بھی کوئی کانٹیکٹ نمبر دے دیں۔" میں نے کہا۔

"امی ان سے کہیں کہ کیا یہ ہمیں بھائی جان سے پنڈی لے جا کر ملواسکتے ہیں۔" باہر سے آنسوؤں میں بھیگی ہوئی آواز سنائی دی، تو ماں جی میری جانب جواب طلب نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔ کیونکہ سوال تو میں سن ہی چکا تھا۔

"نہیں، نہیں آپ لوگ اس بات کی کوشش بھی مت کیجیے گا، جاوید نے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔" میں نے تیزی کے ساتھ کہا۔

"بیٹا تم وہاں گئے تھے تو کم از کم میری اور اس کی بات ہی کروادیتے۔" ماں جی نے بے چارگی سے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"امی جان بھائی جان نے ان کو بھی تو فون کیا تھا، تو کیا وہ ہمیں ایک فون کر کے اپنے بارے میں نہیں بتاسکتے تھے۔" باہر سے عشاء کی آواز آئی۔

"میں آپ کی جاوید سے بات کراسکتا تھا اور جاوید بھی آپ کو فون کر کے اپنے بارے میں بتا سکتا تھا، مگر اس نے ایسا کرنا مناسب نہیں سمجھا، کیونکہ ایک تو یوں اچانک اس طرح کی خبر دے کر وہ آپ لوگوں کو پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا، دوسرے یہ کہ اس کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ وہ آپ لوگوں سے بات کر سکتا، اس لیے اس نے مجھے سمجھا کر آپ لوگوں کے پاس بھیجا ہے۔ تاکہ آپ لوگ خود کو تنہا نہ سمجھیں۔ میں نے جاوید کے مقدمے کے لیے وکیل کیا ہے، اس کا مقدمہ ابھی چل رہا ہے۔ مگر پیشی کی تاریخ کافی لمبی ملتی ہے۔ آپ اللہ سے دعا کریں۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔" میں نے آہستہ آہستہ سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"اچھا بیٹا تم ایک منٹ رکو میں ابھی آئی۔" ماں جی نے اپنے آنسو صاف کیے اور تیزی سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس

آئیں تو ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا ڈبہ تھا۔انھوں نے میرے سامنے اسے کھولتے ہوئے کہا۔

”بیٹا میرے پاس رقم تو نہیں ہے‘ البتہ یہ اچھے وقتوں کے کچھ زیور ہیں جو میں نے عشاء اور جاوید کی دلہن کے لیے سنبھال کے رکھے تھے‘ تم انہیں لے جاؤ اور فروخت کر کے مقدمے میں جتنا خرچ آئے‘ ان پیسوں کو استعمال کرلو۔“

”کیسی باتیں کر رہی ہیں ماں جی... آپ نے تو مجھے میری ہی نظروں میں گرادیا۔کیا آپ مجھے اپنا بیٹا نہیں سمجھتیں‘ جاوید اگر آپ کا بیٹا ہے تو میرا بھی جگری یار ہے‘ وہ رہا ہو کر گھر آجائے‘ مجھے سب کچھ مل جائے گا اور ایک بات بتاؤں ماں جی آپ کو... جاوید تو اتنا خوش نصیب ہے کہ اس کے لیے دعا کرنے والی ماں موجود ہے لیکن میں تو اتنا بدنصیب ہوں کہ اس عظیم نعمت سے محروم ہوں۔نہ ماں نہ باپ اور نہ کوئی بہن بھائی‘ میں تو دنیا میں بالکل ہی تنہا ہوں‘ کیا چلاجائے گا آپ کا‘ جو میں چند دن آپ کے پاس آکر ماں کی محبت کی مٹھاس چکھ لوں گا۔“ میں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”یہ بات نہیں ہے بیٹا‘ میں تو بس... تم اداس مت ہو۔تم جاوید ہی کی طرح میرے بیٹے ہو۔اللہ تمہیں خوش رکھے‘ کبھی زندگی میں کوئی دکھ نہ ملے...!“ انہوں نے محبت سے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔

”دکھ!“ میں نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔”زندگی نے اتنے دکھ دیئے ہیں ماں جی کہ اب اگر دکھ آئے بھی تو یہ سوچ کر لوٹ جائیں گے کہ اب اس شخص کا دکھوں کو اٹھانے کا پیمانہ ہی لبریز ہوچکا ہے‘ ہماری جگہ نہیں ہے۔آپ یہ زیور پہلے کی طرح سنبھال کر رکھ لیں جب میں ہوں تو آپ کو کسی بات کی کوئی فکر نہیں کرنی چاہیے۔“ میں نے زیورات کا ڈبہ بند کرکے ان کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔”جائیے پہلے انہیں رکھ کر آئیے۔“

ماں جی ڈبہ اٹھا کر باہر نکلیں تو مجھے دروازے کے باہر سے تیز سرگوشی سنائی دی۔

”امی آپ یہ زیور لے کر کہاں جارہی ہیں۔“

”وہ میں عماد بیٹے کو...!“

"امی کیا ہو گیا ہے آپ کو... جب تک ہماری بھائی جان سے بات نہیں ہو جاتی، آپ نے اس کی سنائی ہوئی کہانی پر یقین کیسے کرلیا، اللہ جانے کون ہے، کہاں سے آیا ہے، کیا چاہتا ہے، آپ نے حلیہ دیکھا ہے، اس کا، دہشت گرد لگ رہا ہے پورا...!"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو... میں نے زیور اس کے آگے رکھے تھے مگر اس نے لینے سے صاف انکار کردیا۔اگر کوئی چال باز ہوتا تو جھٹ اٹھا لیتا، ویسے بھی بیچارہ دنیا میں اکیلا ہے۔"

"آپ تو بس جھٹ یونہی سب کی باتوں میں آجاتی ہیں۔میری بھولی امی... اگر آپ اجازت دیں تو میں اس سے بات کروں۔"

"نہیں کوئی ضرورت نہیں ہے، اب میں اتنی بھی احمق نہیں ہوں جو یوں منہ اٹھا کر ہر ایک کا اعتبار کرلوں گی۔دنیا دیکھی ہے میں نے 'لوگوں کی پہچان ہے مجھے، شکل سے ہی کسی شریف ماں باپ کی اولاد لگ رہا ہے۔"

"مجھے تو شکل سے غنڈہ لگ رہا ہے۔"

"چل زیادہ باتیں نہ بنا، تو اس کو سنبھال کررکھ اور چائے کی ٹرے مجھے پکڑا۔"

"اب زیادہ خاطر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔جلدی سے چلتا کریں اسے..."
اس کے جاتے جاتے میرے کان میں آواز آئی۔

دونوں کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا، کہ عشاء ایک سمجھدار لڑکی ہے اور خاصی ذہین بھی۔اس نے میرے بارے میں بالکل ٹھیک اندازہ لگایا تھا۔

ماں جی ہاتھوں میں ٹرے تھامے اندر آئیں اور ٹیبل پر میرے سامنے رکھتے ہوئے بولیں۔"بیٹا چائے پیو۔"

چائے کے ساتھ ایک چھوٹی طشتری میں چند بسکٹ بھی رکھے تھے۔"اس کی کیا ضرورت تھی ماں جی، میں اب چلتا ہوں، ہاں آپ اپنا کوئی نمبر دے دیں۔تاکہ میں آپ کی خیریت معلوم کرتا رہوں اور میرا نمبر بھی نوٹ کرلیں تاکہ اگر آپ کو میری ضرورت ہو تو مجھے بلاسکیں۔" میں نے کہا۔

"ہاں عشاء کے پاس موبائل فون ہے۔عشاء بیٹی ذرا اپنا موبائل نمبر تو دے دو۔" ماں جی نے آواز لگائی۔

مگر اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد ماں جی کمرے سے باہر گئیں۔مجھے ان کی باتیں سمجھ میں نہیں آئیں۔بس جھنجھناہٹ

سی سنائی دی۔یقیناً عشاء اپنے فون کانمبر نہیں دے رہی ہوگی لیکن ماں جی نمبر لے ہی آئیں۔ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی چٹ تھی جس پر نمبر لکھا تھا' میں نے وہ نمبر اپنے سیل فون میں محفوظ کرلیا' جلدی جلدی چائے پی اور ماں جی سے اجازت لے کر میں جیسے ہی کمرے سے باہر نکلا۔

مجھے وہ سامنے کھڑی دکھائی دے گئی' صحن میں کھڑی وہ اپنے بالوں میں کنگھا کررہی تھی' اس پر نگاہ پڑتے ہی میرے قدموں کو جیسے زمین نے جکڑ لیا۔میں چند لمحوں تک تو اسے دیکھتا رہا' پھر

وہ تیزی سے کمرے کی دیوار کی اوٹ میں ہوئی تو مجھے ہوش آیا اور میں گلی میں کھلنے والے دروازے سے باہر نکل آیا۔

عشاء کی حسین صورت میرے دماغ میں نقش ہوگئی تھی۔اتنے ملیح حسن والے چہرے بہت کم دیکھنے کے لیے ملتے ہیں۔اس کی شکل میں ماں جی کی بہت شباہت تھی۔ میں عشاء کے حسن میں کھویا ہوا تیزی سے جارہاتھا کہ اچانک کسی نے میرا راستہ روک لیا۔

"بڑی تیزی میں لگتے ہو' ذرا ساڈی گل تو سنتے جاؤ جی...!"

میں رک گیااور دیکھا تو یہ وہی شخص تھا جس کو میں نے ٹیلی فون کے کھمبے سے ٹیک لگائے کھڑا دیکھا تھا جب بھی یہ مجھے مسلسل گھور رہاتھا۔

"کہو کیا بات ہے؟" میں نے رک کر نرم لہجے میں پوچھا۔

"کون ہو تم اور یہاں کس لیے آئے تھے؟" اس نے بائیں جانب جھک کر زمین پر منہ سے پان کی پچکاری نکالی اور منہ میں موجود پان کے ملغوبے کوزبان سے ایک طرف کرتے ہوئے بولا۔

"آپ فرمائیے آپ کون ہیں اور مجھ سے اس طرح سے سوال کس حیثیت سے کررہے ہیں۔" میں نے اطمینان بھرے لہجے میں پوچھا۔

"میں خدائی فوجدار ہوں' پھر...؟" اس نے اپنی ٹانگوں کو پھیلاتے ہوئے اور ایک جھٹکے سے گلے سے رومال کو کھینچتے ہوئے بدمعاشوں کے انداز میں کہا۔

"میں تم جیسے خدائی فوجداروں کو اچھی طرح سے جانتا ہوں۔یہ میری خالہ جی کا گھر ہے' جاوید آج کل یہاں نہیں ہے اس لیے میں کچھ ضروری چیزیں لے کر آیا تھا۔آج تو آیا ہوں اور آئندہ بھی آتا جاتا رہوں گا' تمہیں کوئی تکلیف

ہو تو اس کا علاج کراؤ اور آئندہ میرا راستہ روکنے کی کوشش مت کرنا‘ سمجھے... یا کسی اور زبان میں سمجھاؤں۔“ میں نے غصے سے سخت اور تیز لہجے میں کہا۔

”بلے بھئی بلے... ذرا زیادہ ہی جوانی کا جوش ہے۔“ اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا اور مڑ کر مجھے دیکھتے ہوئے چلا گیا۔

میں نے فی الحال اس سے بھڑنا مناسب نہیں سمجھا اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

وہاں سے واپسی پر میں نے پھر اس شخص کو اپنے تعاقب میں آتے ہوئے دیکھا لیکن آدھے راستے سے وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اور میں فلیٹ میں واپس آگیا۔

واپس آیا تو فلیٹ ویسے کا ویسا ہی خالی پڑا تھا‘ سوائے اکرم کے اور کوئی نہیں تھا۔

”بڑی جلدی واپس آگئے آپ۔“ میرے اس سوال کے جواب میں کہ کوئی ابھی تک واپس نہیں آیا جو میں نے اکرم سے پوچھا تھا‘ اس نے کہا۔

”ہاں مجھے اتنا ہی وقت لگتا‘ ویسے یار تم نے میرے پیچھے جس شخص کو بھیجا تھا‘ اس سے کہنا کہ اگر آئندہ کسی کا تعاقب کرو تو اتنے بھونڈے اور بچگانہ طریقے سے مت کرنا کہ اگلے شخص کو فوراً ہی اس بات کا پتا چل جائے۔“

”کیا مطلب...؟“ اکرم نے گھبرا کر کہا۔

”میرا خیال ہے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے‘ اس میں نہ سمجھ میں آنے والی تو کوئی بات نہیں ہے۔“ میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔

”شاید آپ کو یہ بات بری لگی ہے لیکن یہ میری مجبوری ہے۔ میرے لیے باس کا حکم اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ آپ نئے آئے ہیں۔ اس لیے آپ کہاں جا رہے ہیں‘ کن لوگوں سے مل رہے ہیں‘ ان سب کی انفارمیشن‘ ہمیں باس کو دینی ہے۔“ اس نے شرمندہ ہو کر کہا۔

”یہ بات میں باس کو خود ہی بتادوں گا اور ویسے بھی یار جسے بے ایمانی کرنی ہوگی‘ وہ ہزار حیلے بہانوں سے کرلے گا اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا لیکن میں پٹھان ہوں‘ کھرا بندہ ہوں‘ اپنی بات اور اپنے وعدے کا پابند... میں دھوکا دینے والوں میں سے نہیں‘ بدلہ لوں گا‘ تو سامنے سے للکار کر...“

یہ کہہ کر میں اکرم کو حیران چھوڑ کر اپنے کمرے میں آگیا اور جوتے اتارے بناہی بیڈ پر سیدھا سیدھا لیٹ گیا۔

آنکھیں موندیں تو عشاء کا سراپا اپنی پوری حشر سامانیوں کے ساتھ میری آنکھوں کے سامنے تھا' میرا شدت سے دل چاہا کہ وہ میرے سامنے کھڑی رہتی اور میں اسے یونہی دیکھتا رہتا' میرے اوپر نگاہ پڑتے ہی اس کی ہرنی جیسی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں لہرا گئیں اور وہ چھپاک سے میرے سامنے سے ہٹ گئی' اور مجھے ایسا لگا جیسے ہوا کا ایک خوش گوار اور خوشبو سے لبریز معطر جھونکا مجھے چھو کر گزر گیا۔میں دیر تک اس کے تصور میں کھویا رہا۔

اچانک ہی میرے سیل فون کی بیل بجنے لگی۔میں نے اسکرین پر نمبر دیکھا تو وہ عشاء کا تھا' نہ جانے کیوں میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

مجھے میرے خیالات کے بھنور سے سیل فون کی بیل نے نکالا۔میں نے موبائل کی روشن اسکرین پر نگاہ ڈالی تو اس پر عشاء کا نمبر جگمگا رہا تھا۔نہ جانے کیوں اس بات کو محسوس کر کے کہ عشاء کو مجھ سے بات کرنے کی ضرورت محسوس

ہوئی ہے۔میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔میں نے چند بیلوں کے بعد آنسر کا بٹن پش کیا اور کان سے فون لگا کر کہا۔

”جی عشاء کہیے...!“

”حیرت ہے آپ کو میرا نام اور نمبر دونوں یاد ہیں۔“ دوسری جانب سے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا گیا۔

”میرا خیال ہے اس میں اتنا حیران ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔بات صرف اتنی ہے کہ شاید میری میموری اب اتنی بری بھی نہیں ہے کہ چند گھنٹوں قبل کی بات بھی بھول جاؤں۔“ میں نے سنبھل کر جواب دیا۔

”خیر مجھے اس بات سے کوئی مطلب نہیں ہے۔میں اس وقت امی سے چھپ کر آپ کو فون کر رہی ہوں۔“ وہ تڑخ سے لہجے میں بول رہی تھی۔

”زہے نصیب!“ میں نے اس کی بات کے درمیان میں کہا۔

”کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے مسٹر!“ اس نے تیز لہجے میں کہا۔”میں آپ سے صرف اتنا پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ اپنے بارے میں بالکل سچ بتائیں کہ آپ ہیں کون اور آپ نے اپنے آپ کو بھائی جان کا

دوست ظاہر کر کے اتنی بڑی رقم کس لیے ہمیں دی ہے۔مجھے اس بات کا سو فیصد یقین ہے کہ آپ بھائی جان کے دوست نہیں ہیں۔کیونکہ میری اور بھائی جان کی اتنی زیادہ انڈر اسٹینڈ نگ تھی کہ ہماری چھوٹی سے چھوٹی بات بھی ایک دوسرے کو معلوم ہوتی تھی اور عماد نام کا کوئی بھی شخص عمر کے کسی بھی حصے میں ان کا دوست نہیں رہا۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔تو میں فوری طور پر کوئی جواب نہ دے سکا۔

"بولیں اب آپ بولتے کیوں نہیں' مسٹر آپ نے امی کو تو بے وقوف بنا لیا۔ مگر میں آپ کی اس جھوٹی کہانی پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہوں۔حقیقت کیا ہے۔وہ آپ کو بتانا پڑے گی۔آپ بھائی کو کس طرح جانتے ہیں اور یہ رقم کیوں لائے ہیں۔" اس نے گزشتہ لہجہ برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ اپنا غصہ ختم کر کے میری بات سنیں گی تو بہتر ہو گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"آئی ایم سوری!" اس نے دھیرے سے کہا۔"آپ کہیے میں سن رہی ہوں۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"میں آپ کو بتانا تو نہیں چاہ رہا تھا لیکن آپ کی سمجھداری اور ہمت کو دیکھتے ہوئے میں یہ اہم بات آپ کو بتا رہا ہوں۔" میں نے کہا اور چند لمحوں کا توقف کیا وہ اس دوران خاموش رہی۔

"آپ نے بالکل ٹھیک پہچانا ہے میں آپ کے بھائی کا دیرینہ دوست نہیں ہوں۔بس ذرا دیر کے لیے میری ان سے شناسائی ہوئی تھی وہ بھی ٹرین میں۔" میں پھر خاموش ہو گیا تب وہ بے قرار لہجے میں بولی۔

"آگے بتائیں آپ چپ کیوں ہو گئے۔"

"جس وقت حادثہ ہوا میں اور وہ ساتھ ہی تھے حادثے میں آپ کے بھائی...!" میں پھر خاموش ہو گیا۔

"ہاں کیا ہوا حادثے میں...!" وہ ایک دم چیخ اٹھی۔

"وہ بہت زیادہ زخمی ہو گئے تھے... سر کی چوٹ بہت گہری تھی سارا چہرہ کچلا گیا تھا پہچانا نہیں جا رہا تھا۔آخری لمحات میں انہوں نے میرا ہاتھ تھام کر صرف اتنا کہا۔"میری ماں اور بہن کا خیال رکھنا۔"

"نہیں، نہیں آپ اب بھی جھوٹ بول رہے ہیں۔ آپ نے تو کہا تھا کہ وہ جیل میں ہیں ان پر قتل کا الزام ہے۔ آپ ہمارے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ کیا ملے گا آپ کو ہمارے جذبات کے ساتھ کھیل کر۔" وہ بری طرح بکھر گئی بلک بلک کر رونے لگی۔

"پلیز، پلیز عشاء میری بات سنو۔ میں تمہیں اتنے بڑے دکھ کی خبر کبھی نہ دیتا۔ اگر تم میرے خلوص پر شک نہ کرتیں۔ پلیز اپنے آپ کو سنبھالو۔ میں جانتا ہوں کہ یہ صدمہ تمہارے لیے تنہا اٹھانا آسان نہیں ہے لیکن اگر مناسب سمجھو تو ابھی اپنی امی کو یہ روح فرسا خبر نہ سنانا۔ وہ برداشت نہیں کر سکیں گی۔"

میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے سمجھایا۔

"لیکن امی بھائی کے جیل جانے کی خبر سن کر بھی تو مر سی گئی ہیں۔ اف میرے اللہ میں کیا کروں؟"

اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اسے کس طرح سے سمجھاؤں۔ کن الفاظ میں تسلیاں دوں۔ پھر اچانک ہی اس نے فون بند کر دیا۔ میرے اندر ایک

عجیب سی بے قراری پیدا ہو گئی۔ میرا دل شدت کے ساتھ چاہا کہ ابھی اڑ کر عشاء کے پاس پہنچ جاؤں۔ اس کے خوب صورت بالوں سے بھرے سر کو اپنے سینے پر رکھ لوں۔ اسے ساری دنیا کے غموں سے دور لے جاؤں۔

میں اپنے اوپر حیران ہو رہا تھا کہ یہ کس قسم کے خیالات اور احساسات میرے اندر پیدا ہو رہے ہیں۔ میں اور میرا دل تو پتھر کا بن چکا ہے۔ اس میں محبت جیسے لطیف جذبے کا گزر کیسے ہو سکتا ہے لیکن میرے دل پر یہ واردات ہو چکی تھی۔ میں رات بھر عشاء کے لیے بے چین رہا۔ سوچ رہا تھا کہ کل کسی وقت اس کے گھر جاؤں اور جا کر دیکھوں کہ کیا صورت حال ہے۔ اگر اس نے اپنی امی کو یہ خبر سنا دی ہے تو ان کا کیا حال ہے اور اگر وہ تنہا اس غم کو اٹھا رہی ہے تو وہ کیسی ہے۔

لیکن پھر خیال آیا کہ میں وہاں کیسے جا سکتا ہوں۔ وہ نہ جانے میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہوگی۔ میں نے اتنی جلدی جلدی اپنے بیانات کیوں بدل دیے۔ ابھی اس نے میرے اوپر اعتبار کہاں کیا ہوگا۔

دوسرے دن صبح ہی صبح میرے سیل فون کی بیل بجی اور ایک ان جانا نمبر دکھائی دیا۔میں نے تھوڑے تذبذب کے بعد فون ریسیو کیا اور بھاری لہجے میں ”یس“ کہا۔

”شمروز بول رہے ہو؟“ دوسری جانب سے مجھے باس کی آواز سنائی دی۔

”جی باس میں شمروز بول رہا ہوں۔“ میں نے الرٹ ہو کر اپنا لہجہ نارمل بناتے ہوئے کہا۔

”تم آج کیا کر رہے ہو؟“ اس نے نارمل انداز میں پوچھا۔

”کچھ نہیں فارغ ہی ہوں۔“ میں نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے تو تم میری کلفٹن والی کوٹھی پر پہنچ جاؤ یاد ہے ناں ہماری پہلی ملاقات جہاں ہوئی تھی۔“

”جی باس یاد ہے۔اب تو میں کراچی کے چپے چپے سے واقف ہوچکا ہوں۔آپ بتائیے کتنے بجے پہنچ جاؤں۔“ میں نے حد سے زیادہ مؤدب لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”بس تم فوراً نکل آؤ‘ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا ہوں اور ہاں یہ میرا خاص نمبر ہے جس سے میں نے ابھی تمہیں فون کیا ہے اسے Save کرلو لیکن صرف اپنے ذہن میں۔موبائل پر Save کرنے کی غلطی مت کرنا۔“ اس نے کہا۔

”جی باس اس بات کا شعور ہے مجھے!“ میں نے ایک ایک لفظ پرزور دیتے ہوئے کہا۔

”اوہو‘ تم تو ناراض ہوگئے۔“ اس نے میرے لہجے میں چھپی معمولی سی خفگی کو محسوس کرلیا۔”میں جانتا ہوں کہ تم ایک پڑھے لکھے ذہین انسان ہو‘ اینی وے تم آؤ میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔“ اس نے بات ختم کر کے فون بند کردیا اور میں سوچنے لگا کہ اچانک آغا قزلباش کو مجھ سے کیا کام پڑ گیا۔

میں ناشتے سے فارغ ہو کر جھٹ پٹ تیار ہوا۔باہر آیا تو کنیز بھی اٹھ چکی تھی۔چہرے سے وہ تھکی تھکی سی دکھائی دے رہی تھی۔آنکھیں بھی ہلکی سرخی لیے متورم ہو رہی تھیں۔

”گڈ مارننگ!“ مجھے دیکھ کر اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے کل سارا دن غائب رہیں رات کو کس وقت واپس آئیں مجھے پتا ہی نہیں چلا۔" میں نے کہا۔

"ہاں باس کے ایک کام میں مصروف تھی تم سناؤ کہیں جا رہے ہو۔" اس نے تھکے تھکے انداز میں اپنے آپ کو لاؤنج میں موجود صوفے پر گراتے ہوئے میری بات کو ٹالتے ہوئے کہا۔

"ہاں' باس نے بلایا ہے۔ابھی تھوڑی دیر قبل ان کا فون آیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے جاؤ' اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھنا۔" اس نے کہا اور اکرم کو آوز دے کر اپنے لیے چائے لانے کے لیے کہا۔

میں اسے اللہ حافظ کہہ کر باہر نکل آیا' سیڑھیاں اترتے ہوئے میں کنیز کے الفاظ پر غور کرنے لگا کہ اس نے یہ کیوں کہا کہ اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھنا۔" تیزی سے سیڑھیاں اتر کر میں نیچے پہنچا تو مجھے وہی شخص دوبارہ دکھائی دیا جو کل میرا تعاقب کر رہا تھا مجھے دیکھا تو میرے نزدیک آیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"آپ ہمیشہ سیڑھیاں ہی کیوں استعمال کرتے ہیں۔لفٹ کیوں نہیں۔"

"تمہیں کوئی پریشانی ہے کیا؟" میں نے ناگوار لہجے میں کہا اور کار کا دروازہ کھولنے کے لیے جیب سے چابی نکالنے لگا۔

"نہیں تو بس یوں ہی پوچھ رہا تھا۔ویسے میرا نام یعقوب ہے اور سب مجھے قوبا کہہ کر پکارتے ہیں۔" اس نے برا مانے بغیر اپنا تعارف کرایا۔

"ویسے یار قوبے تمہیں ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں۔" میں نے چابی کی نوک اس کے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔"تم آئندہ سے کسی کا تعاقب مت کرنا کیونکہ تمہیں یہ کام آتا ہی نہیں۔یہ کام تو کسی ہوشیار آدمی کو کرنا چاہیے اور تم ٹھہرے احمق انسان...!"

"تو آپ نے کل مجھے دیکھ لیا تھا۔" اس نے کھسیا کر دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"ہاں!" میں نے جھک کر چابی کی ہول میں ڈالتے ہوئے کہا اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔پھر دروازہ بند کر کے اس سے کہا۔

"میں اس وقت باس کے پاس جا رہا ہوں اور ان سے تمہاری اس خراب کارکردگی کا ذکر ضرور کروں گا۔"

"نہیں، نہیں شمروز بھائی اللہ کے واسطے باس سے میری شکایت مت کیجیے گا۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔باس نے چھٹی کردی تو میرے بچے بھوکے مر جائیں گے۔" وہ تیزی سے بولا۔

"یار کیوں اپنے بچوں کو حرام رزق کھلا کر ان پر ظلم کر رہے ہو۔کوئی اور کام کرو اور اپنے بچوں کو رزق حلال کھلاؤ۔اگر ان سے محبت کرتے ہو۔" میں نے اتنا کہہ کر اگنیشن میں چابی گھما کر کار اسٹارٹ کردی۔

"کام کہاں ملتا ہے مجھ جیسے ان پڑھ اور جاہل انسان کو۔" اس نے اداسی سے کہا۔

"اچھا تم سے پھر بات ہوگی۔اس وقت تو میں جلدی میں ہوں۔" میں نے کہا اور کار ریورس کرنے لگا۔

"باس سے میری شکایت مت کیجیے گا۔" چلتے چلتے مجھے اس کی التجا سنائی دی تو میں نے کھڑکی سے ہاتھ باہر نکال کر اسے تسلی کا اشارہ کیا جواب میں اس نے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر اوپر کیا شاید اس انداز سے میرا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

میں بہت تیز ڈرائیونگ کر رہا تھا۔نہ جانے کیا بات تھی۔پہلے کبھی میں اتنی فاسٹ ڈرائیونگ نہیں کرتا تھا۔ہمیشہ بہت محتاط ڈرائیونگ کرتا تھا۔مگر جب سے میں نے اپنی شخصیت کو بدلا تھا۔میرا مزاج میری ہر عادت بدل گئی تھی۔میرے اندر ہر وقت ایک غصہ سا بھرا رہتا تھا اور ہر کام کرتے ہوئے میں اپنا غصہ اس پر نکالنے لگتا تھا۔

میں بیس پچیس منٹ میں کلفٹن آغا قزلباش کے وسیع و عریض کوٹھی پر پہنچ گیا۔گارڈ نے میرا نام پوچھنے کے بعد میرے لیے گیٹ کھول دیا اور میں گاڑی سمیت اندر پہنچ گیا۔

ایک دوسرا گارڈ جو مجھے وہاں کھڑا ہوا ملا وہ مجھے اپنے ساتھ اندر لے گیا لیکن اندر لے جانے سے پہلے اس نے میری تلاشی لینا ضروری سمجھا میرے پاس ایک ریوالور تھا۔جسے اس نے معذرت کرنے کے بعد اپنے قبضے میں لے لیا یہ کہتے ہوئے کہ واپسی پر جاتے ہوئے لے جائیے گا۔

مجھے اس بات پر قطعی حیرت نہیں ہوئی اور نہ ہی مجھے برا لگا کیونکہ ایسا کرنا احتیاط کا تقاضا تھا۔

گارڈ نے دروازے پر پہنچ کر میرے لیے دروازہ کھولا اور خود باہر کھڑا رہا۔میں اندر ڈرائنگ روم میں پہنچا تو باس کو وہاں پہلے سے موجود پایا۔باس کے ساتھ ایک بہت ہی وضع دار انسان جس کی عمر پچاس، پچپن کے قریب تھی۔سفید کلف دار کرتے اور پاجامے میں ملبوس، سفید ہی کلف لگی ٹوپی سر پر تھی، سفید چھوٹی سی داڑھی اور سرخ و سفید رنگت وہ پان سے شغل فرما رہے تھے۔گویا ایک ہی نگاہ میں ان کی شخصیت دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔پہلا خیال انہیں دیکھتے ہی مجھے جو آیا وہ کسی نواب کا تھا۔میں رک کر بڑی دلچسپی سے ان کا جائزہ لے رہا تھا کہ باس کی آواز سنائی دی۔

"آؤ بھئی شمروز ان سے ملو یہ ہیں نواب سطوت الاسلام!"

"السّلام علیکم!" میں چونک کر آگے بڑھا اور قدرے جھک کر ان سے ہاتھ ملایا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

گویا میرا خیال بالکل ٹھیک تھاوہ واقعی کوئی نواب ہی تھے۔مگر آغا قزلباش جیسے شخص کے ساتھ انہیں دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہو رہی تھی۔

میں نے نواب صاحب کے بعد باس سے ہاتھ ملایا اور باس ہی کے کہنے پر ان کے قریب بیٹھ گیا۔پہلے تو دونوں مجھ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔نواب صاحب اپنے پرکھوں کے قصے سنا رہے تھے۔ان کے نوابی ٹھاٹ بیان کر رہے تھے۔باتوں کے دوران وہ کبھی اپنی چاندی کی پانوں کی ڈبیا سے پان نکال کر منہ میں رکھ لیتے۔کبھی بٹوہ کھول کر ایک آدھ چھالیہ کا دانہ منہ میں رکھ لیتے۔میں نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ کسی کو اتنی نفاست سے پان کھاتے ہوئے دیکھا تھا۔وہ مسلسل بول رہے تھے مگر مجال ہے جو ایک چھینٹ بھی ان کے منہ سے اڑی ہو۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آغا قزلباش نے مجھے کس لیے یہاں بلوایا ہے اس نواب زادے سے ملنے کے لیے لیکن کیوں...؟ آخر اس ملاقات کا مقصد کیا ہے؟ یہ سوال مسلسل میرے ذہن میں گردش کر رہا تھا۔تب ہی نواب صاحب نے کہا۔

"اچھا تو یہ شمروز خان ہیں۔تم نے ان ہی کی ذہانت کی ہم سے اتنی تعریف کی تھی۔تو بھئی اب ان کے سامنے وہ مقصد رکھو جس مقصد کے لیے انہیں یہاں بلوایا گیا ہے۔"

"جی نواب صاحب...!" آغا قزلباش نے مسکراتے ہوئے مؤدب لہجے میں کہا۔ جتنی دیر ہم نے اِدھر اُدھر کی باتیں کیں اتنی دیر میں ہم چائے اور دوسرے لوازمات سے فارغ ہوچکے تھے۔ملازمہ چائے کے سامان کی ٹرالی واپس لے جا چکی تھی اور جاتے ہوئے ڈرائنگ روم کا دروازہ بھی بند کرچکی تھی اور اب نواب صاحب اصل مقصد کی جانب آئے تھے۔

"شمروز نواب صاحب ہمارے بہت پرانے دوست ہیں۔یوں سمجھو کہ زندگی کے بہت سے معاملات میں ہم ان کے احسان مند ہیں۔نواب صاحب کے تعلقات بہت اوپر تک ہیں۔صدر اور وزیر اعظم تک پہنچ ہے۔مگر خود دار اتنے ہیں کہ کبھی بھی اپنے کسی کام کے لیے اپنے تعلق کو استعمال نہیں کیا۔ بس ہمارے پاس ہی آتے ہیں۔مجھے اپنا چھوٹا بھائی ہی تصور کرتے ہیں۔آج

نواب صاحب اگر کسی پریشانی میں مبتلا ہیں تو ہمیں ان کی یہ پریشانی دور کرنی چاہیے۔" آغا قزلباش نے کھڑے ہو کر کہا اور نواب صاحب کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔نواب صاحب کا مسئلہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"آپ خود ہی فرمائیے نا نواب صاحب!" آغا قزلباش نے کہا۔

"بھئی ابھی تمہیں قزلباش نے ہمارے بارے میں ایک بہت ہی اہم بات تو بتائی نہیں اور وہ یہ کہ قبلہ ہمارے دادا حضور ایک پیر تھے۔لاکھوں مرید تھے ان کے' اجمیر میں آج بھی ان کا مزار موجود ہے۔ان کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد میرے والد صاحب سجادہ نشین ہوئے اور ان کے بعد ہم ہیں۔میاں ہمارے خاندان کی ایک آن بان شان ہے۔ہمارے گھر کی خواتین نہایت دین دار اور پردے دار ہیں۔ہمارے مریدین والد صاحب کی درگاہ پر آتے ہی رہتے ہیں۔کچھ دن پہلے سالانہ عرس کے موقع پر ہمارے مرید کے ایک لڑکے نے ہماری دختر نیک اختر کے ساتھ حد درجہ گستاخی کی انہیں بے حجاب دیکھا اور پھر یہ جاننے کے باوجود کہ وہ ہماری صاحب زادی ہیں انہیں

فون کر کے اظہار عشق بھی فرمایا اماں لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ہماری صاحب زادی نے تو رو رو کر طوفان اٹھا لیا ہے۔انہوں نے اپنی اس بے عزتی پر خود کشی کی کوشش بھی کی۔جب ہم نے انہیں روکا تو انہوں نے کہا کہ جب تک وہ زندہ ہے میں زندہ کیسے رہوں۔اس نے اپنے دوستوں کو بھی ہمارے حسن کے بارے میں بتادیا ہوگا۔ہم اس شرمندگی کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتے۔

میاں اب آپ ہی بتائیے کہ ہم کیا کریں۔واللہ ہم بہت پریشان ہیں۔اپنی اکلوتی اور با حیا صاحب زادی کو اتنی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے۔ہماری آنکھوں سے راتوں کی نیند رخصت ہو چکی ہے۔اسی سلسلے میں آغا کے پاس آئے تھے تو انہوں نے تمہاری بہت تعریف کی کہ تم ہی ہمیں اس دکھ سے نجات دلا سکتے ہو۔"

یہ باتیں کرتے ہوئے نواب صاحب کے چہرے پر بہت دکھ اور افسردگی تھی۔ بات ختم کرکے وہ سر جھکا کر بیٹھ گئے۔میں نے آغا قزلباش کی جانب نگاہیں

اٹھا کر دیکھا تو اس نے سر کے ہلکے سے خم کے ساتھ اشارہ کیا کہ میں اس سے اگلا حکم دریافت کروں۔

"آپ یہ فرمائیے کہ میرے لیے کیا حکم ہے۔" میں نے نواب صاحب کی باتوں سے مرعوب ہوتے ہوئے کہا۔

"ختم کردیجیے میاں انہیں۔" انہوں نے بے چارگی سے کہا۔

"جی!" میں نے حیرت سے کہا تو آغا نے غصیلی نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔

"مم... میرا مطلب ہے وہ کون خبیث انسان ہے جس نے یہ کوشش کی ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"ان کے بارے میں تمہیں آغا بتادیں گے۔" انہوں نے سر اٹھا کر کہا۔

"ٹھیک ہے نواب صاحب آپ اندر چل کر اپنے کمرے میں آرام فرمائیے میں اس کو سمجھاتا ہوں۔" آغا نے نواب صاحب کا ہاتھ تھام کر انہیں سوفے سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

وہ کھڑے ہوئے تو میں نے دیکھاوہ ایک چھوٹے سے قد کے قدرے فربہ انسان تھے۔ آغا نے آواز لگائی۔"حسینہ...!"

فوراً ہی ایک طرح دار لڑکی کمرے کا دروازہ کھول کر جن کی طرح حاضر ہو گئی تو آغا بولا۔

"حسینہ نواب صاحب کو ان کے روم میں لے جاؤ اور پوچھنا انہیں کسی خدمت کی ضرورت تو نہیں۔" حسینہ نے نواب صاحب کا ہاتھ تھاما اور مسکراتے ہوئے انہیں لے کر کمرے سے چلی گئی۔جاتے ہوئے وہ دروازہ بند کرنا نہ بھولی۔

مجھے نواب صاحب کی باتیں اور یہ سب کچھ بہت عجیب سا لگ رہا تھا لیکن کیا کہہ سکتا تھا اس لیے خاموش ہی رہا۔ تب آغا دوبارہ میرے نزدیک آبیٹھا اور اس نے بتایا۔

"تمہیں سردار انڈسٹری کے ہیڈ آفس جانا ہے۔وہاں تمہیں دو افراد کاشف اور اظہر نام کے ملیں گے تمہیں ان کا کام تمام کرنا ہے۔یاد رہے کہ یہ کام بھی تمہیں بہت مہارت اور احتیاط کے ساتھ کرنا ہے اور اگر تمہیں کوئی دیکھ لے

تو ان کا بھی صفایا کرنا ہے۔کام ہوجانے کے بعد سیدھے گھر پہنچنا اور مجھے اسی نمبر پر کال کرکے صرف یہ میسج دینا ہے "میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"یہ کام کب تک ہونا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"کل تک... نواب صاحب کل تک میرے پاس ہیں۔ پھر میں تم سے دوبارہ تفصیلی ملاقات کروں گا۔" آغا نے حتمی لہجے میں کہا۔

"سردار انڈسٹری کا ہیڈ آفس کہاں ہے۔" میں نے پوچھا۔

"آئی آئی چندریگر روڈ پر۔اب تم جاؤ آج جو ابتدائی معلومات کرنی ہیں کرلو لیکن کل یہ کام ہر قیمت پر ہوجانا چاہیے یاد رکھو اگر تم کل یہ کام اپنی مہارت کے ساتھ کرنے میں کامیاب ہوگئے تو تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ نواب صاحب تمہارے کتنے کام آسکتے ہیں۔"سردار شیر افضل" بھی نواب صاحب کے مریدین میں سے ہیں۔تمہاری اس تک رسائی آسان ہوجائے گی۔بس انہیں خوش کرنے کا تمہیں اس سے اچھا موقع نہیں مل سکے گا۔"

"جی بہتر!" میں نے سعادت مندی سے کہا۔میں دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ مجھے اپنے سب سے بڑے دشمن سردار شیر افضل کا کام تمام کرنے کا سنہری موقع مل رہا ہے۔

آغا قزلباش کی کوٹھی سے نکل کر میں سیدھا ساحل سمندر پر آگیا۔آغا کی کوٹھی سمندر کے نزدیک ہی تھی۔اس لیے یہاں آنے میں مجھے زیادہ ٹائم نہیں لگا میں صرف دس منٹ میں وہاں پہنچ گیا اور ایک قدرے پر سکون حصے میں گاڑی روک دی یہاں اِکا دُکا دور دور ایک دو آدمی دکھائی دے رہے تھے۔

میں ساحل پر کھڑے ہو کر سمندر کی تیزی سے آتی اور ساحل سے اپنا سر ٹکراتی اور پھر واپس جاتی لہروں کا نظارہ کرنے لگا۔سمندر کی لہروں کے شور اور انسانوں کی خاموشی میں میرا ذہن تیزی کے ساتھ اپنے کام کا پلان بنانے لگا۔پھر میں ایک محفوظ پلان بنانے میں کامیاب ہو گیا اور پھر میرے ذہن میں نواب سطوت الاسلام کی بیان کردہ کہانی گردش کرنے لگی۔میں جتنا اس کی باتوں کو سوچتا جا رہا تھا میرے ذہن میں بہت کچھ کلیئر ہوتا جا رہا تھا۔نہ جانے کیوں میرا ذہن اس کی بیان کردہ کہانی کو سچ ماننے سے انکاری تھا۔

مجھے ایسا لگ رہا تھا جو کچھ نواب نے بیان کیا ہے وہ سوائے جھوٹ کے پلندے کے اور کچھ نہیں اور نواب کی اصل شخصیت کچھ اور ہی ہے۔جیسا کہ اس نے اپنے آپ کو ظاہر کیا ہے۔وہ ایسا ہر گز نہیں ہے۔ہوسکتا ہے وہ سجادہ نشین ہو اور اس کے مرید بھی ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ہوں لیکن آغا قزلباش سے کسی نیک انسان کا اس طرح کا تعلق ہونا کہ وہ اس کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑا رہے کسی اور ہی بات کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔

بہر حال مجھے کرنا تو وہی تھا جیسا مجھے کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔بعد میں اس نواب کی حقیقت کا بھی پتا لگ ہی جائے گا کہ اصل میں وہ ہے کون اور آغا سے نواب کا اصل تعلق کیا ہے۔

میں یہاں سے سیدھا آئی آئی چندریگر روڈ جانا چاہ رہا تھا۔پھر نہ جانے کیا سوچ کر میں نے اسٹیرنگ کا رخ گلشن اقبال کی جانب موڑ دیا۔

میں وہاں پہنچا تو دوپہر کے بارہ بج رہے تھے مجھے کنیز فلیٹ میں ہی مل گئی مجھے دیکھ کر وہ مسکرائی اور بولی۔

"ہو گئی باس سے ملاقات کسی خاص کام کے لیے بلایا تھا میرا مطلب ہے کوئی مشن سونپا ہے تمہیں۔"

"ہوں۔" میں نے ہنکاری بھری اور دھیرے سے سر ہلایا۔

"کیا بات ہے۔" وہ میرے پرسوچ چہرے کی گہری لکیریں دیکھ کر فکر مندی سے میرے نزدیک آ گئی۔

"ہم کسی محفوظ جگہ پر بات کرسکتے ہیں۔" میں نے اس کے بالکل نزدیک ہو کر سرگوشی میں پوچھا۔ کیونکہ مجھے ابھی تک معلوم نہیں تھا کہ اس گھر میں کہاں کہاں خفیہ کیمرے اور اسپیکر لگے ہیں۔

"میرے ساتھ آؤ۔" وہ میری بات سمجھ گئی اور مزید کچھ پوچھے مڑ گئی۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا میں نے دیکھا وہ اپنے کمرے میں جا رہی ہے۔ کمرے کے دروازے پر رک کر اس نے ایک ادا سے مسکرا کے پیچھے دیکھا اور بولی۔

"بلا جھجک چلے آؤ جانو۔" اور یہ کہہ کر اندر چلی گئی جواب میں، میں ندیدوں کی طرح اس کے پیچھے لپکا۔

میرے اندر داخل ہونے کے بعد اس نے دروازہ بند کردیا اور مجھے لے کر بستر پر دراز ہو گئی اور میرے چہرے کے ساتھ اپنا چہرہ ملا کر بولی۔"اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے۔"

"یار ایک تو اس فلیٹ میں بات کرنا بھی عذاب ہے کیا ہم باہر نہیں جا سکتے۔" میں نے سرگوشی میں کہا۔

"فی الحال تو نہیں، میں تمہیں تفصیل سے نہیں بتا سکتی لیکن تم بتاؤ کہ کیا بات ہے۔" اس نے میرے گلے میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

اس کا آنچ دیتا ہوا جسم میرے جسم سے جڑا ہوا تھا۔اس کے جسم کا گداز میں اپنے جسم پر محسوس کر رہا تھا۔ میرے حواس میرا ساتھ چھوڑنے لگے اور میری سانسیں تیز ہو گئیں۔ کنیز نے میری کیفیت کو محسوس کر کے کہا۔

"پلیز اپنے آپ کو کنٹرول کرو، ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم اسی طرح بات کرسکتے ہیں بتاؤ نا باس نے کیا بات کی۔"

اس کے سنجیدگی سے کہے گئے اس جملے نے میرے حواس بحال کر دیے اور میں ہوش میں آگیا۔ تب میں نے آہستہ آہستہ اسے وہاں گزری ساری رو داد سنا دی۔

"بس اب جب کہ تمہیں باس نے ان لوگوں کے قتل کا حکم دے ہی دیا ہے تو تم صورت حال پر غور کرو پھر اس سے بھر پور فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنا۔ باس نے تمہیں جن لوگوں کے قتل کا حکم دیا ہے میرا خیال ہے ان لوگوں کا گروپ باس کے گروپ کی طرح بڑا اور مستحکم ہو گا۔ تب ہی تو وہ ان کے خاص بندوں کو مارنا چاہتا ہے۔" کنیز نے کہا۔

"لیکن وہ نواب والی کہانی۔" میں نے الجھ کر کہا۔

"تم اس بکواس پر دھیان نہ دو تو اچھا ہے۔"

"کیا مطلب؟ تمہارا بھی کیا وہی خیال ہے جو میرا ہے۔" میں نے کہا۔

"بالکل!" اس نے یقینی لہجے میں کہا "بلکہ میں سو فیصدی کہہ سکتی ہوں کہ وہ ساری کہانی جھوٹی ہے اور حقیقت میں نواب وہ نہیں جو دکھائی دیتا ہے تمہیں بس ایسا کچھ کرنا ہے کہ اس کام کے ذریعے تم باس اور نواب کا دل جیت لو

پھر شاید تمہارے اوپر سے بہت سی پابندیاں اٹھالی جائیں۔" کنیز نے کہا اور اس سے پہلے کہ میں اس سے کوئی سوال کرتا اس نے ایک عجیب حرکت کی اور اپنے ہونٹوں کے ذریعے مجھے بولنے سے روک دیا۔

میں ایک پھر بے قابو ہونے لگا چند لمحوں بعد وہ مجھ سے علیحدہ ہو گئی۔

باہر آئے تو اکرم مجھے دکھائی نہیں دیا تو میں نے آواز لگائی۔"اکرم...!"

"وہ مصروف ہو گا۔" کنیز نے کہا۔

"یار میں سوچ رہا تھا کہ کچھ کھالوں پھر جاتا ہوں۔" میں نے کہا اتنے میں اکرم اپنے چھوٹے سے روم سے باہر نکل آیا۔ اس کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ تھی بولا۔

"آپ نے مجھے بلایا تھا۔"

"ہاں یار کچھ کھانے کے لیے دے دو مجھے ابھی ایک ضروری کام سے نکلنا ہے۔"

"ابھی لایا۔" وہ مجھے اور کنیز کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے چلا گیا۔"الو کا پٹھا۔" کنیز نے اس کی مسکراہٹ پر جل کر کہا۔

"ایک تو اس اکرم کا کردار میرے سامنے واضح نہیں ہے۔" میں نے کنیز کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اس کے بارے میں اتنا جان لو کہ یہ باس کا مخبر ہے ایک ایک لمحہ کی خبر دیتا ہے۔اس کے کمرے میں مانیٹر ہے یہ وہاں بیٹھ کر ہم سب کی خبر رکھتا ہے۔" کنیز نے سرگوشی میں کہا تو میری سمجھ میں ساری بات آ گئی۔

کھانا کھا کر میں سردار انڈسٹریز کے ہیڈ آفس جانے کے لیے تیار ہو گیا۔میں نے اپنے ذہن میں ایک منصوبہ ترتیب دے لیا تھا۔اپنے منصوبے کے بارے میں سوچتے ہوئے میں ان کے آفس پہنچ گیا۔

وہاں پہنچ کر میں نے پیون سے کہا کہ مجھے عمران سردار سے ملنا ہے۔یہ نام مجھے باس نے بتایا تھا۔پیون نے مجھے مشکوک نگاہوں سے دیکھا اور میرا نام پوچھا' میں نے اپنا نام رضوان بتایا پیون نے مجھے اوپر رضوان کی سیکریٹری سے ملنے کے لیے کہا۔

میں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جانے لگا تو مجھے دو اشخاص اوپر سے اترتے ہوئے دیکھائی دیے۔ان دونوں آدمیوں کے چہرے پر مجھے شناسائی کی ہلکی سی جھلک

دکھائی دی لیکن نہ انہوں نے مجھ سے کچھ کہا اور نہ میں نے۔میں سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر پہنچ گیا۔اوپر پہنچ کر میں نے مڑ کر دیکھا وہ دونوں آدمی مجھے دکھائی نہیں دیے تو میں آگے بڑھ گیا۔وہ جا چکے تھے۔سامنے دیکھا تو مجھے میز اور کرسی تو دکھائی دی مگر یہاں کوئی موجود نہیں تھا۔مجھے حیرت ہوئی مجھے نہ صرف سیکریٹری یہاں بیٹھی دکھائی دی بلکہ کوئی اور بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں کس سے پوچھوں۔تب ہی ایک شخص تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا وہ ان میں سے ایک تھا جو ابھی سیڑھیوں پر مجھے نیچے جاتے ہوئے دکھائی دیے تھے۔وہ میرے نزدیک آیا اور خوش دلی سے مجھ سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔

"آپ کو سر رضوان سے ملنا ہے؟"

"جی ہاں۔" میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کس سلسلے میں۔" اس نے پوچھا۔

"دیکھیں یہ تو میں ان ہی سے مل کر انہیں بتاؤں گا۔" میں نے کہا۔

"اچھا ٹھہریں میں باس سے بات کرتا ہوں۔میں باس کا سیکریٹری ہوں۔وہ جو صاحب میرے ساتھ تھے انہیں میں نیچے تک سی آف کرنے کے لیے گیا تھا۔ اسی لیے آپ کو میری سیٹ خالی دکھائی دے رہی ہے۔" اس نے کاروباری مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور تیزی سے سامنے پڑی میز کی جانب بڑھ گیا۔یہاں کمپیوٹر کے علاوہ دو تین ٹیلیفونز بھی رکھے تھے اس نے ایک سیٹ کا ریسیور اٹھایا اور دھیمے لہجے میں کوئی بات کی جو مجھے سنائی نہیں دی۔"اوکے سر" کہہ کر اس نے ریسیور نیچے رکھ دیا اور بولا۔

"آجائیے سر آپ کو اندر بلا رہے ہیں۔"

"تھینک یو!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور سامنے والا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔لمحہ بھر کو تو میں چکرا کر رہ گیا۔کیونکہ یہ کمرہ جس طرح روشن ہونا چاہیے تھا اس طرح روشن نہیں تھا بہت ہی دھیمی روشنی کا ایک بلب روشن تھا اور اس دھیمی روشنی میں میری تیز نگاہوں نے لمحہ بھر میں اندر کا جائزہ لے لیا تھا۔

باس کی بڑی سی میز کے پیچھے رکھی ہوئی کرسی خالی تھی۔البتہ دائیں جانب بچھے سوفے پر تین مسٹنڈے بیٹھے تھے میں جھپک کر تیزی سے پیچھے ہوگیا۔

"اندر چلو!" مجھے اپنی کمر پر لوہے کی کسی سرد سی چیز کی چبھن محسوس ہوئی اور ایک غرائی ہوئی آواز سنائی دی۔میں نے پلٹ کر دیکھنے کی کوشش کی تو دوبارہ وہی آواز آئی۔

"سنائی نہیں دے رہا ہے کہ اندر چلو۔" اس نے اس لوہے کی چیز کو جو یقیناً پستول تھی میری پیٹھ میں چبھوتے ہوئے سابقہ لہجے میں کہا تو میں نے اندر قدم بڑھا دیے۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یکایک یہ اچانک مجھ پر کیسی افتادہ آن پڑی ہے۔کوئی بھی میرے اوپر کسی بھی قسم کا شک کس طرح سے کرسکتا ہے کہ میں یہاں کسی ٹھیک ارادے سے نہیں آیا۔آخر ان لوگوں کو کون خبردار کرسکتا ہے کہ...!

"آؤ' آؤ شہزادے مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔" مجھے ایک آواز سنائی دی اندر آنے کے بعد میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا یہ وہی آدمی تھا جس نے اپنا تعارف مجھے سیکریٹری کہہ کر کرایا تھا۔

میرے چہرے پر سراسیمگی کی کیفیت تھی۔میں نے اپنے آپ کو اس طرح سے ظاہر کیا جیسے کہ میں بہت خوف زدہ ہوں۔"یہ... یہ سب کیا ہے تم لوگ کون ہو اور میرے ساتھ اس طرح سے کیوں کر رہے ہو؟" میں نے ڈرے ہوئے لہجے میں کہا۔جب کہ میرا دماغ تیزی کے ساتھ اس بات کی کھوج لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ آخر ان لوگوں کو میرے اوپر کس طرح سے اور کیوں شک ہوا جب کہ میں نے تو ایسی کوئی بات کی ہی نہیں۔

"یہ سوال تو ہمیں تم سے کرنا ہے کہ تم کون ہو اور عمران سردار سے تمہیں کس سلسلے میں ملنا ہے۔" اس نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر میرے نزدیک ہو کر خشمگیں نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"سوال کرنے کا یہ کیا طریقہ ہے۔تم لوگ مجھ سے آرام سے بھی یہ سوال کرسکتے تھے۔مگر تمہارا انداز تو بد معاشوں والا ہے۔" میں نے اس مرتبہ اپنے لہجے میں تیزی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"بات یہ ہے بیٹے کہ ہمیں یہ اطلاع ملی تھی کہ کوئی سورما عمران سردار کا کام تمام کرنے کے لیے آرہا ہے اور ہمیں جو حلیہ بتایا گیا تھا وہ تمہارا ہی تھا۔" اس نے اپنے سر کے بالوں پر لمبائی کا اشارہ اور چہرے پر داڑھی مونچھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں اطلاع ملی تھی۔" میرے منہ سے بے ساختہ حیرت زدہ انداز میں نکل گیا۔

"ہوں۔" اس نے بغور میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر ہلایا اور بولا۔"اب سچ بتاؤ کہ تم کون ہو اور تمہیں کس نے بھیجا ہے۔"

"میرا خیال ہے اس سے یہاں پوچھ گچھ کرنا مناسب نہیں ہے۔اس کو وہیں لے جاتے ہیں۔" میرے جواب کا انتظار کیے بنا اس کا دوسرا ساتھی بولا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ پھر لے چلو اسے...!" اس نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

"خاموشی سے ہمارے ساتھ چلتے رہو لیکن خبردار جو تم نے ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی ورنہ مجھے صرف اپنی انگلی کو ذرا سی حرکت کی زحمت ہوگی اور گولی تمہارے دل میں اتر جائے گی۔" میرے پیچھے کھڑے اس شخص نے جس نے پستول میری پسلیوں سے لگایا ہوا تھا غراتے لہجے میں کہا۔

"چل رہا ہوں میں بھی چاہتا ہوں کہ تمہاری غلط فہمی اچھی طرح سے دور کردوں۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

وہاں موجود دونوں آدمیوں نے بھی مجھے اپنے گھیرے میں لے لیا اور وہ لوگ مجھے وہاں سے لے چلے ہم سیڑھیاں اتر کر نیچے آئے مگر حیرت انگیز طور پر وہاں لوگ موجود نہیں تھے جبکہ مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ عمارت ہیڈ آفس ہے تو یہاں لوگ موجود ہونے چاہیے تھے۔ اللہ جانے کیا چکر ہے۔ اس نواب کے بچے نے مجھے کس امتحان میں ڈال دیا تھا اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو میرے بارے میں کس نے اطلاع دی کیا باس کے گروپ میں ایسا

کوئی بندہ یا کالی بھیڑ موجود ہے جس نے ان لوگوں کو میرے بارے میں بتایا ہے اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے جس وقت باس اور نواب مجھ سے بات کر رہے تھے تو وہاں کوئی تیسرا موجود نہیں تھا اور میں نے یہ بات صرف کنیز کو ہی بتائی تھی تو کیا کنیز نے یہ مخبری کی ہے؟ میرا دماغ سنسنانے لگا پھر خیال آیا کہ کنیز ایسا کر ہی نہیں سکتی۔ یہ تو کوئی اور ہی ہے۔

اسی سوچ بچار میں ہم آفس سے باہر نکل کر آگئے اور گیٹ کے بالکل سامنے کھڑی بلیک کلر کی کرولا میں بیٹھ گئے جس میں پہلے سے ہی ڈرائیور موجود تھا اور گاڑی اسٹارٹ بھی تھی ایک شخص آگے بیٹھ گیا اور باقی دو افراد میرے دائیں بائیں بیٹھ گئے اس شخص نے ابھی تک پستول میری پسلیوں سے لگا رکھا تھا۔

"یار ذرا پستول میری پسلی سے دور رکھو مجھے بری طرح اس کی نال چبھ رہی ہے۔" میں نے اپنی ٹینشن دور کرنے کے لیے ازراہ مذاق کہا۔

"بکو مت' چپ چاپ بیٹھے رہو۔" اس نے تپ کر کہا۔

جیسے ہی دروازے بند ہوئے گاڑی تیزی سے آگے بڑھ گئی میری آنکھیں کھلی تھیں اور میں صاف دیکھ رہا تھا کہ ہم کہاں سے اور کس روڈ سے گزر رہے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد گاڑی ڈیفنس کی جانب مڑ گئی۔بالآخر مختلف شاہراؤں پر سے ہوتے ہوئے ہماری گاڑی ڈیفنس کے ایک بنگلے کے سامنے جا کر رک گئی۔

ڈرائیور نے ہارن دیا تو ذرا ہی دیر میں ایک باوردی گارڈ نے مین گیٹ کھول دیا گن اس کے کاندھے پر لٹکی ہوئی تھی۔گاڑی اندر کارپورچ میں جا کر رک گئی۔تو وہ لوگ اتر گئے ساتھ ہی مجھے بھی اترنے کے لیے کہا۔میرے اترتے ہی اس نے ایک بار پھر تیزی سے میرے پیچھے آکر پستول میری پسلیوں میں گھسیڑ دیا۔

ابھی ہم باہر ہی تھے اور بر آمدے تک ہی پہنچے تھے کہ اندر بنگلے سے تین آدمی باہر نکلے وہ تینوں قوی الجثہ تھے۔انہوں نے بلیک جینز اور بلیک ہی ٹی شرٹس پہنی ہوئی تھیں۔ایک آدمی بیڑی پی رہا تھا۔ایک نہایت بے ہودہ طریقے سے پان چبا رہا تھا۔تیسرے کے ہاتھ میں سگریٹ دبی ہوئی تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ہم سب ایک دم رک گئے اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔سگریٹ پینے والے نے رک کر سگریٹ کا ایک طویل کش لگایا اور پھر اسے نیچے پھینک کر اپنے جوتے تلے مسل دیا۔بیڑی پینے والے نے بھی یہی کیا اور وہ دونوں سگریٹ اور بیڑی پھینکنے کے بعد تیزی سے میری جانب بڑھے اور میرے دائیں بائیں آکر میرے بازو اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیے کم بخت کی انگلیاں بھی فولاد کی تھیں۔جو میرے بازو میں گڑی جا رہی تھیں۔

پھر پان چبانے والا آدمی پان چباتا ہوا اور اپنے لال لال دانتوں کی نمائش کرتا ہوا میرے قریب آیا اور میرے قدموں میں جھک گیا۔

کم از کم اس وقت تک تو میں یہی سمجھا کہ یہ مجھے تعظیم دے رہا ہے اور جیسا ہندو معاشرے میں ہوتا ہے کہ آنے والے کو تعظیم دینے کے لیے اس کے پیروں کو چھوا جاتا ہے یہ بھی میرے پیر چھو رہا ہے لیکن یہ کیا...! اس نے میرے دونوں پیروں کو پکڑ کر اٹھا لیا۔

"ارے... رے... رے یہ کیا کر رہے ہو۔" میں بوکھلا کر چیخا تو جواب میں ان سب کا اونچا قہقہہ فضا میں گونج اٹھا وہ تینوں مجھے ڈنڈا ڈولی کر کے وہاں سے لے جانے لگے۔

وہ تینوں مجھے ڈنڈا ڈولی کر کے وہاں سے اندر چلے' پھر وہ ایک زمین دوز تہہ خانے میں اترنے لگے۔ان کے پیچھے پیچھے وہ تینوں افراد بھی آگئے۔پستول بردار شخص بھی اندر آگیا۔وہ میرا نشانہ لے کر کھڑا ہو گیا۔تو ان تینوں نے مجھے زمین پر کھڑا کردیا پھر بڑی بے دردی کے ساتھ مجھے زور سے دھکا دیا۔ میں زور سے دیوار سے ٹکرایا اور میرے سر میں پٹاخے پھوٹنے لگے۔ان تینوں نے نہایت پھرتی دکھائی اور مجھے وہاں موجود لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ لوہے کی یہ زنجیریں دیوار میں لوہے کے ایک کنڈے سے منسلک تھیں۔مجھے زنجیروں میں جکڑنے کے بعد ان میں تالے ڈال دیے گئے مجھے ہاتھ اور پیروں سے اچھی طرح سے بے بس کردیا گیا تھا۔وہ سب میرے سامنے کھڑے تھے اور میں بے پروا انداز میں تہہ خانے کا جائزہ لینے لگا۔یہاں تہہ

خانے کی اونچی چھت پر ایک بلب روشن تھا۔اس کے علاوہ لوہے کے سریے اور ڈنڈے وغیرہ بھی وہاں موجود تھے۔

ان میں سے ایک آدمی میرے سامنے اپنے پیروں کو چوڑائی میں پھیلا کر کھڑا ہو اور بولا۔

"ہاں اب بتاؤ کہ تم وہاں کس ارادے اور نیت سے آئے تھے؟"

"میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں عمران سردار سے ملنے کے لیے آیا تھا اور تم لوگوں نے مجھے نہ جانے کیا سمجھ لیا۔بھئی میں ایک عام سا سیدھا سادا آدمی ہوں۔" میں نے بلا خوف و خطر اطمینان سے کہا۔

میرے چہرے پر پھیلا اطمینان دیکھ کر اسے آگ لگ گئی اور وہ طیش بھرے لہجے میں بولا۔

"دیکھ بیٹے تو میری بات اچھی طرح سے کان کھول کر سن لے کہ ہم ذرا ظالم قسم کے لوگ ہیں۔رحم کس چڑیا کا نام ہے ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔اب تو سب کچھ سچ سچ خود ہی بتا دے ورنہ ہمیں خوامخواہ ایک تکلیف کرنی پڑے گی اور پھر تجھے بھی خاصی تکلیف ہوگی۔"

"آخر تم مجھ سے چاہتے کیا ہو۔" اس بار میں نے جھنجلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہم صرف تمہارے منہ سے یہ سچ سننا چاہتے ہیں کہ تمہارا اصل مقصد کیا تھا ادھر آنے کا۔"

"میں بتا تو چکا ہوں اور کتنی بار بتاؤں۔" میں نے رو دینے والا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اوں، ہوں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔"تیری اس بکواس پر ہمیں یقین نہیں ہے۔"

"پھر تم ہی بتاؤ کہ میں تمہیں یقین دلانے کے لیے اور کیا کروں۔" میں نے اپنے چہرے پر بے پناہ لاچاری اور مسکینی لاتے ہوئے کہا۔

"سچ! سچ بولو میری جان۔" اس نے معنیٰ خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"وہ میں بول چکا ہوں۔بار بار کہہ رہا ہوں اور اب پھر کہہ رہا ہوں کہ مجھے عمران سردار سے ذاتی کام تھا اس لیے اس سے ملنے کے لیے آیا تھا۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے

کہا۔

"تم پہلے بھی عمران سے ملے ہو؟" اس نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر اپنی ایک آنکھ کو تھوڑا سا میچ کر پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے خود اعتمادی سے جواب دیا۔

"تو تمہیں یہ بھی اچھی طرح معلوم ہوگا کہ وہ بنا اپائنٹ منٹ کے کسی سے نہیں ملتا۔" اس نے کہا۔

"ہاں اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ کیونکہ وہ میرا دوست ہے۔" میں نے پُر اعتماد لہجے میں جھوٹ بولا اور دوسرے ہی لمحے میرے منہ پر اس کا زناٹے دار تھپڑ پڑا۔

"بکواس کرتا ہے' سالا حرامی! یہ کیوں نہیں کہتا کہ تجھے کسی نے عمران صاحب کو مارنے کے لیے بھیجا ہے۔اب سیدھی طرح سے بک دے کہ وہ سالا ہے کون؟" اس نے غصے میں مجھے گالی دی اور چیخ کر بولا۔

"مجھے یہاں تیرے باپ نے بھیجا ہے کہ جا اور جا کر میرے سورما سے مار کھا۔ سمجھ گیا یا اور سمجھاؤں۔" میں نے بھی جواباً چیختے ہوئے کہا۔

"ابے یہ سیدھی شرافت کی زبان نہیں سمجھتا۔اپنے آپ کو میرا بھی باپ سمجھ رہا ہے۔" اس نے قریب کھڑے اپنے دوسرے ساتھی کو مخاطب کر کے کہا۔

"تو پھر اپنی زبان میں سمجھاؤ۔" دوسرے نے اطمینان سے کہا اور جیب سے سگریٹ کی ڈبیا اور لائٹر نکال کر سگریٹ سلگانے لگا۔

وہ ایک قدم آگے بڑھا اور اپنے مضبوط جوتے سے ایک زور دار ٹھوکر میرے منہ پر ماری اس کی زور دار ضرب سے مجھے اپنے منہ میں خون کا نمکین ذائقہ محسوس ہوا اور گال میں اندر کی جانب شدید جلن کا احساس ہوا۔میں نے تکلیف کی شدت کو برداشت کرنے کے لیے اپنے سر کو دو تین جھٹکے دیے ان کمینوں نے مجھے زنجیروں سے اس طرح سے جکڑ رکھا تھا کہ میں جنبش بھی نہیں کرسکتا تھا۔

"دیکھ میں آخری وارننگ دے رہا ہوں کہ ہمیں اس شخص کا نام بتا دے۔ورنہ دو ہاتھیوں کی لڑائی میں تو بچارہ مارا جائے گا۔ہم تجھ پر اس وقت تک تشدد بڑھاتے رہیں گے جب تک تو اپنے باپ کا نام نہیں اگل دیتا اور پھر تو خوامخواہ میں مر جائے گا۔تیرے باپ کا کیا جائے گا۔وہ تیری جگہ کسی اور کو

لے آئے گا۔" میں سمجھ گیا کہ ان لوگوں نے مجھے پوری طرح بے بس کر ہی دیا ہے اب یہ میرے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں گے اور میں کسی بھی طرح اپنا دفاع نہیں کرسکوں گا۔اچانک میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور میں نے منہ میں بھرے ہوئے خون کی کلی دائیں جانب کر کے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو میں تمہیں اصل بات بتا دیتا ہوں لیکن وعدہ کرو کہ سچ سننے کے بعد تم مجھے آزاد کردو گے۔میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس کے بعد وہ بھی مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا اس لیے اگر تم مجھے زندہ چھوڑنے اور کچھ رقم دینے کا وعدہ کرو تو میں تمہیں مزید بہت سی اہم اطلاعت دے سکتا ہوں۔جس میں سراسر عمران سردار کا فائدہ ہے۔"

"تجھے کس نے بھیجا ہے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"آغا غضنفر نے...!" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تو وہ بری طرح چونک پڑا اور زیرِ لب آغا غضنفر دہرایا۔

"ہاں آغا نے اور یہ ساری باتیں میں عمران صاحب ہی کو مل کر بتاؤں گا۔" میں نے کہا۔

"تو نے اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے بتادی یقین نہیں آتا اور اب بھی تیری وہی مرغے کی ایک ٹانگ والی بات ہے کہ تو عمران صاحب سے ضرور ملے گا۔ابے اتنے بڑے کام کے لیے اتنا کچا بندہ کوئی نہیں بھیجتا۔" اس نے میری بات کا قطعی یقین نہیں کیا۔

"مت کرو میری بات کا یقین۔اس سے اچھا تو یہ تھا کہ میں گھات لگا کر بیٹھتا اور آرام سے عمران سردار کی کار پر فائرنگ کر کے اسے مار کر چلا جاتا۔" میں نے جھنجلا کر کہا۔

"بکواس مت کرو، اسے مارنا اتنا آسان کام نہیں ہے۔"

"میرے لیے بہت آسان ہے۔میرا نشانہ بڑا پکا ہے۔یقین نہیں آتا تو آزما کر دیکھ لو، میں چلتی گاڑی میں بھی بندہ پھڑکا سکتا ہوں۔میں آغا غضنفر کی یہی بات عمران سردار سے مل کر اسے بتانا چاہتا تھا لیکن میں نے غلط توقعات رکھ لیں۔میرا کیا جاتا ہے مجھے عمران سردار خوش ہو کر کچھ رقم دے دیتا۔"

"دیکھ پیارے جرم کی دنیا میں کسی سے بھی بھلائی کی توقع رکھنا بہت بڑی بے وقوفی ہوتی ہے اور تو یہ بے وقوفی کرچکا ہے۔" اس نے میرا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو میں نے تمہیں سچ بتا دیا ناں تو اب مار دو مجھے گولی اور اپنی جان چھڑاؤ۔کیوں میرا اور اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔" میں نے غصے سے کہا۔

میری بات سن کر وہ ایک دم خاموش ہوگیا۔پھر اس نے اپنے ساتھیوں کی جانب دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے کوئی بات کی۔پھر تینوں ایک ساتھ تہہ خانے سے باہر چلے گئے اور میں سوچنے لگا کہ اب یہ لوگ میرے ساتھ کیا کریں گے۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آپس میں کوئی مشورہ کرنے گئے ہوں یا پھر اس عمران سردار سے بات کرنے گئے ہوں جسے میں نے

ابھی تک دیکھا بھی نہیں ہے۔

تھوڑی دیر بعد ان تینوں میں سے دو آدمی اندر آئے اور میری زنجیریں کھولنے لگے میرا دماغ تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔میرے لیے یہ بہت ہی سنہری موقع تھا۔میں نے آنے والے وقت کے لیے اپنے ذہن میں ایک منصوبہ ترتیب دے دیا۔

دونوں کے سر اور کمر جھکی ہوئیں تھیں اور وہ زنجیروں کھول رہے تھے۔جیسے ہی میرے ہاتھ کی زنجیریں اور پیروں کی زنجیریں کھلی میں نے گھڑی کی چوتھائی میں انہیں سیدھا ہونے کا موقع دیے بنا اپنا دایاں ہاتھ اور بائیں ٹانگ کو حرکت دی۔دائیں ہاتھ سے تو میں نے اس کی گردن اس طرح جکڑی کہ وہ اگر خود کو آزاد کرنے کے لیے ذرا سا بھی زور لگاتا تو اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ جاتی۔دوسرے آدمی کے سیدھے ہونے سے قبل ہی میں نے اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان اپنے جوتے کی نوک پوری طاقت سے ماری تکلیف کی شدت سے صرف اس کا منہ کھلا اور آنکھیں باہر نکل آئیں مگر منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی اور وہ دہرا ہوتا چلا گیا۔یہ تکنیک میرے چینی استاد چاؤلی نے سکھائی تھی۔اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ اس طرح کی ضرب لگانے سے بندے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کی موت بھی واقع ہوسکتی ہے۔آج پہلی مرتبہ اس داؤ کو آزمایا تھا اور میں پوری طرح کامیاب بھی رہا تھا وہ دوہرا ہوتے ہوئے اوندھے منہ گر پڑا۔

دوسرا شخص جس کی گردن میرے بازو کے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھی۔اپنے دونوں ہاتھوں سے زور لگا رہا تھا کہ وہ اپنی گردن چھڑا سکے۔لیکن میں نے اسے ذرا بھی موقع نہیں دیا اور ہاتھ کو ایک مخصوص جھٹکا دیا ایک تڑاخ کر کے آواز آئی اور اس کا لحیم شحیم جسم پھڑک کر رہ گیا۔میں نے اس کی گردن سے ہاتھ نکالا اور اس کا جائزہ لیا اس کی روح اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں کے ذریعے اس کا جسم چھوڑ چکی تھی۔

اسے چھوڑ کر میں تیزی سے دوسرے بندے کی جانب متوجہ ہوا وہ بے ہوش تھا لیکن مرا نہیں تھا۔اس کی سانسیں بہت مدہم مدہم چل رہی تھیں۔میں اسے ایسا کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ اچانک ہی ہوش میں آجائے اور مجھے دبوچ لے یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ کسی طرح سے میری اس حرکت کی اطلاع اپنے دوسرے ساتھیوں کو دے دے۔میں نے اسے بھی گردن کا مخصوص جھٹکا دے کر زندگی کی قید سے رہائی دلا دی۔

میں تیزی سے سامنے بنی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔دروازہ کھلا ہوا تھا لیکن باہر نکلنے میں مجھے بہت زیادہ احتیاط کا مظاہرہ کرنا تھا۔مجھے نہیں معلوم تھا کہ تہہ خانے سے باہر کتنے لوگ موجود ہیں میں نے انہیں ہر طرح سے بے وقوف بنانے کی کوشش کی لیکن وہ کسی طرح بھی میری باتوں میں نہ آئے۔

سیڑھیوں سے اوپر چڑھ کر میں نے دروازے سے ذرا سا سر نکال کر باہر جھانکا تو مجھے کوئی دکھائی نہیں دیا تو میں بڑی آہستگی سے پورا دروازہ کھول کر باہر آگیا۔

میں نے ایک کمرے میں اپنے آپ کو پایا یہاں چند لمحے رک کر میں نے باہر کی سن گن لینے کی کوشش کی لیکن مجھے کوئی آواز سنائی نہ دی تب میں نے اس کمرے سے باہر نکلنے کے بارے میں سوچا۔

میں نے ذرا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکا تب سامنے اوپر کی منزل سے نیچے آتے ہوئے زینے پر دو آدمیوں پر میری نگاہ پڑی وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے اسی کمرے کی جانب آرہے تھے۔میں تیزی سے اندر کی جانب ہوگیا۔وہ اسی طرف آرہے تھے اب میں کیا کروں۔میرا ذہن تیزی کے ساتھ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کام کرنے لگا۔بس دو تین منٹوں کی بات ہے وہ تہہ خانے کے اندر اتریں گے اور انہیں اپنے سورماؤں کی لاشیں نظر آجائیں گی اور ان کا شکار یا مجرم یعنی میں غائب ہوں گا تو وہ بری طرح چیختے اور دہاڑتے ہوئے باہر آجائیں گے اور میں اس کمرے سے کسی چوہے کی مانند پکڑا جاؤں گا۔پھر مجھے مرنے سے کوئی بھی نہیں بچا پائے گا۔

میں نے تیزی کے ساتھ اپنے سر کو چاروں جانب کمرے میں گھمایا۔میں وقتی طور پر اپنے آپ کو ان لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنا چاہ رہا تھا۔ان لوگوں کے قدموں کی چاپ مجھے واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔

تب ہی میری نگاہ اس کمرے میں موجود کھڑکی کے دیوار گیر گھنے پردوں پر پڑی کھڑکی کے آگے ایک سوفا رکھا ہوا تھا۔میں ایک ہی جست میں پردے کے پیچھے چھپ گیا اور اس لمحے دروازہ کھول کر وہ دونوں اندر داخل ہوگئے اگر ایک لمحے کی بھی دیر ہوجاتی تو میں دھر لیا جاتا۔

میں دم سادھے پردے کے پیچھے کھڑا تھا۔وہ دونوں باتوں میں مصروف تہہ خانے میں اتر گئے۔میرے پاس بس اتنا ہی ٹائم تھا میں پھرتی سے پردے

سے باہر نکلا اور بلا کھٹکے کمرے سے باہر نکل آیا کسی بھی لمحے وہ دونوں افرد بھی باہر آنے ہی والے تھے۔

اور وہی ہوا جیسا میں سوچ رہا تھا وہ بری طرح گالیاں دیتے ہوئے اور بھاگتے ہوئے باہر آئے میں ان کی آوازیں سن کر سامنے والے کمرے میں گھس گیا۔یہاں ایک آدمی بیٹھا فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔تہہ خانے سے باہر آنے سے پہلے میں نے ان سورماؤں کے اسلحہ پر قبضہ کرلیا تھا۔چونکہ اب میں نہتا نہیں تھا اس لیے ذرا سا ڈر کم ہو گیا۔میرے لیے اب معاملہ آر یا پار والا تھا۔مجھے انہیں بھی مارنا ہوگا۔اگر میں نے انہیں چھوڑ دیا تو یہ مجھے مار دیں گے۔میں یہ بھی جانتا تھا کہ وہ دونوں اسی کمرے میں آئیں گے اس لیے میں نے پستول ہاتھ میں لے لی اور دروازے

کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔کمرے میں موجود شخص کو میری آمد کے بارے میں قطعی علم نہیں ہوسکا وہ کسی کا نمبر بار بار ملانے کی کوشش کر رہا تھا اور رابطہ نہ ہونے پر بار بار جھنجلا کر دوبارہ نمبر ملا رہا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ان دونوں آدمیوں کے چیخنے اور چلانے کی آوازیں سن کر وہ شخص چونک پڑا اور فون سے توجہ ہٹا کر دروازے کی جانب مڑ کر دیکھنے لگا۔اب اس شخص کا چہرہ میرے سامنے تھا ورنہ اب تک تو وہ پیٹھ موڑے ہی بیٹھا تھا۔

”وہ سالا حرامی ہمارے بندوں کو مار کر بھاگ گیا ہے۔“ وہ دونوں ایک ساتھ تیزی سے اندر آئے اور آتے ہی ان میں سے ایک آدمی نے کہا۔

”کیا بک رہے ہو‘ وہ تو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔“ اس شخص نے تیزی سے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر حیرانی سے پوچھا۔

”آپ ہی نے تو کہا تھا کہ اسے کھول کر یہاں لاؤ‘ کیونکہ ہماری اطلاع کے مطابق آغا قزلباش کا کوئی بندہ ادھر آنے والا تھا تو آپ نے اس کے بیان پر یقین کر لیا کہ یہ وہی شخص ہے جو آپ کو مارنے کے لیے آیا ہے۔“

دوسرے شخص نے جواب دیا۔

اچھا تو یہ ہے عمران سردار‘ باس نے جس شخص کو مارنے کے لیے مجھے بھیجا تھا۔میں نے دل میں سوچا۔میرے لیے یہ بہترین موقع تھا عمران سردار میرے

نشانے پر تھا۔وہ تینوں اس کمرے میں میری موجودگی سے بالکل بے خبر تھے۔

"تم سب ناکارہ ہو' زنخے ہو' اسے تلاش کرو وہ اسی گھر میں کہیں چھپا ہوا ہوگا۔باہر تو نہیں جاسکتا۔" عمران سردار نے بوکھلا کر کہا شاید یہ سوچ کر کہ اسے قتل کرنے کے لیے آنے والا شخص آزاد ہوچکا ہے۔اس کی رنگت زرد ہونے لگی اور چہرے پر سراسیمگی سی پھیل گئی۔

"خبردار کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلے اپنے اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو ورنہ میرے ہاتھ سے چلائی ہوئی گولی کسی کی خیریت نہیں پوچھتی سیدھی بھیجے میں اتر کر اسے باہر لے آتی ہے۔" میں نے دروازے کے پیچھے سے باہر نکلتے ہوئے دبنگ لہجے میں کہا۔میرا ہاتھ سیدھا تھا اور اس میں اسی کے ساتھی کا پستول تھا۔

میری آواز سن کر وہ تینوں بری طرح چونک پڑے ان دونوں نے تو فوراً ہی اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے لیکن میری عقابی نگاہوں نے فوراً تاڑ لیا کہ عمران سردار ہاتھ اوپر کرتے ہوئے اپنے کوٹ کے اندرونی حصے کی جانب اپنا ہاتھ لے جا رہا ہے۔

"شاید تمہاری قوت سماعت ذرا کم ہے۔تم نے سنا نہیں عمران سردار کہ میں نے کیا کہا۔کوٹ کے اندر سے اپنا اسلحہ نکالنے کی قطعی حماقت نہ کرنا۔ورنہ نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہوگے۔" میں نے تیزی سے پستول کا رخ عمران سردار کی جانب کردیا تو اس نے اپنا ہاتھ سر کے اوپر بلند کرلیا۔

"شاباش۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دیکھو تم جو کوئی بھی ہو' میں نے تمہاری بات کا یقین کرلیا تھا اور تمہیں بلوانے کے لیے اپنے ساتھیوں کو اوپر بھیجا تھا' پھر تم نے انہیں کیوں مار ڈالا اور اب میرے اوپر بھی پستول تان کر کھڑے ہو۔آؤ بیٹھو ہم اطمینان سے بات کرتے ہیں۔" عمران نے اپنے اندر کے خوف کو تھوڑا کم کرتے ہوئے کہا۔

"تمہاری باری ختم ہوگئی اور اب میری باری ہے عمران سردار!" میں نے عمران سردار کا نشانہ ٹھیک طریقے سے لیتے ہوئے کہا۔

"کک... کیا مطلب...؟" وہ گھبرا کے ہکلا گیا۔

"مطلب یہ کہ جو تمہیں کرنا تھا کر چکے اور اب...!" اتنا کہہ کر میں نے توقف کیا اور اس کی خوفزدہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا وہ بری طرح ہراساں دکھائی دے رہا تھا۔اس کادایاں ہاتھ آہستہ آہستہ نیچے کی جانب آرہا تھا اور وہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"ہاتھ اوپر رکھو...!" میں زور سے دہاڑا تو اس نے تیزی سے اپنا ہاتھ اونچا کرلیا اور چیخ کر بولا۔

"آخر تم کرنا کیا چاہتے ہو؟"

"وہی جو کرنے کے لیے آیا تھا۔" میں نے ایک زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔میں نے نہتا ہونے کے باوجود جس طرح سے اس کے تین ساتھیوں کو مار ڈالا تھا۔یہی بات انہیں سمجھا رہی تھی کہ وہ مجھے ہلکا نہ لیں۔

"تم نے تو کہا تھا کہ تم مجھ سے آغا قزلباش کے بارے میں کوئی بات کرنا چاہ رہے تھے۔دیکھو تم مجھ سے بات کرو میں تمہاری بات توجہ سے سنوں گا اور تمہاری ڈیمانڈ بھی منظور کروں گا۔" عمران سردار نے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"ایک بات تو بتاؤ عمران سردار تمہاری اور آغا قزلباش کی دشمنی کی کیا وجہ ہے؟" میں نے پستول کا نشانہ لیے ہوئے اس سے پوچھا۔اس کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے میری نگاہیں اس کے دوسرے کھڑے ساتھیوں پر بھی تھیں۔میں ان کی جانب سے ذرا سا بھی بے پروا نہیں تھا۔ورنہ وہ میری معمولی سی بھی غفلت سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔

"میری دشمنی آغا قزلباش سے نہیں ہے میرا دشمن تو غضنفر ہے' وہ ہماری سردار انڈسٹری پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔میرے والد کو تو وہ مروا ہی چکا ہے۔اس کی راہ کا کانٹا صرف میں ہی ہوں۔" اس نے نفرت انگیز لہجے میں کہا۔

"تمہاری اس سے کوئی رشتہ داری ہے یا پھر کاروباری رقابت ہے۔" میں نے پوچھا۔

"اگر صرف کاروباری رقابت ہوتی تو مجھے اتنا زیادہ دکھ نہیں ہوتا۔لیکن بدقسمتی سے وہ میرا چچا ہے۔" عمران سردار نے کہا۔

"یہ غضنفر کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہی تو اصل آدمی ہے' یہ آغا قزلباش تو اس کا پالتو کتا ہے۔" عمران سردار نے جواب دیا۔

میں لمحہ بھر کو سوچ میں پڑ گیا کہ یہ غضنفر کون ہے۔مجھے عمران سردار کے قتل کے لیے تو نواب نے بھیجا تھا اور اسی لیے میری توجہ ذرا دیر کو ان دونوں آدمیوں سے ہٹی اور غضب ہو گیا۔ان میں سے ایک آدمی نے میرے اوپر چھلانگ لگائی وہ مجھے قابو میں کرنا چاہتا تھا۔لیکن میں اس کے ہلتے ہی چوکنا ہو گیا اور میرے ہاتھ کا رخ اس کی جانب ہو گیا۔ٹریگر پر میری انگلی کا دباؤ بڑھا اور گولی سیدھی اس کے دل کے مقام پر پیوست ہو گئی اور وہ راستے میں ہی اوندھے منہ گر پڑا۔

اس افراتفری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عمران سردار نے تیزی کے ساتھ اپنے کوٹ کی جیب سے پستول نکال لیا وہ مجھ پر فائر کرنا ہی چاہتا تھا کہ میں نے اسے اس کا موقع نہیں دیا میرا ہاتھ تیزی سے اس کی جانب گھوما اور میں نے اس پر فائر جھونک دیا۔اس کا دوسرا ساتھی بھی اپنا پستول نکال رہا تھا۔میں نے اسے بھی ہاتھ سیدھا کرنے کا موقع نہیں دیا اور اس پر گولی چلا دی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

گولی اس کی پسلی میں گھس گئی اور وہ وہیں دہرا ہو گیا اور اس کا پستول نیچے گر گیا۔میری توجہ عمران سردار کی جانب ہو گئی۔میرا فائر اس کے بازو میں لگا تھا اور وہ اپنے پستول والے ہاتھ سے اپنا زخمی بازو تھامے ہوا تھا۔

میں ایک ہی جست میں اس کے سر پر پہنچ گیا اور اس کی گردن اپنے بازو میں جکڑ کر اس کا پستول بردار ہاتھ پکڑ کر کمر کے پیچھے کر کے پکڑ لیا۔

"تم مجھے چھوڑ دو' تم جتنی رقم مانگو گے میں تمہیں دوں گا۔" اس نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

"بات چیت کا وقت تم نے کھو دیا ہے دوست' تمہاری بات سن کر مجھے تم سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ہوسکتا تھا کہ اس سلسلے میں' میں تمہاری مدد کرتا مگر تمہارے اس احمق ساتھی نے سارا کھیل بگاڑ دیا' معاف کرنا دوست مجھے اپنا کام کر کے جلدی واپس لوٹنا ہے گڈ بائے۔"

یہ کہہ کر میں نے اپنے مخصوص داؤ سے اس کی گردن کو ایک جھٹکا دیا اور اس کا منکا ٹوٹ گیا۔میں نے اس کے مردہ وجود کو قریبی سوفے پر پھینکا اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے پستول پر سے اپنی انگلیوں کے نشانات صاف کیے اور

اسے اس شخص کے ہاتھ میں دے دیا جس نے مجھ پر چھلانگ لگانے کی حماقت کی تھی۔

پھر میں نے باہر کی جانب دوڑ لگا دی۔اس بات کا تو مجھے اطمینان تھا کہ اس بنگلے میں کوئی اور موجود نہیں ہے اگر ہوتا تو فائر کی آواز سن کر فوراً چلا آتا۔

میں بھاگتا ہوا آیا اور گیٹ کھول کر تیزی سے باہر نکل گیا۔خوش قسمتی سے اس وقت باہر کوئی نہیں تھا۔کسی نے بھی مجھے اس بنگلے سے باہر آتے ہوئے نہیں دیکھا۔باہر آکر میں اطمینان کی چال چلتا ہوا ایک جانب چلنے لگا۔میرا رخ مین روڈ کی جانب تھا۔میں روڈ پر آیا اور وہاں کھڑی ایک ٹیکسی والے کو گلشن اقبال چلنے کے لیے کہا۔

”ام نئیں جائے گی‘ یہ امارے آرام کا وقت اے۔“ پٹھان ٹیکسی ڈرائیور جو ڈرائیونگ سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکائے منہ پر رومال ڈالے لیٹا تھا میرے جگانے پر برا مانتے ہوئے بولا۔

”چلو میرے بھائی ماں کی بہت حالت خراب ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہمیشہ کے لیے مجھ سے روٹھ جائے اور ان سے آخری ملاقات بھی نہ کرسکوں۔“ میں نے رو دینے والے لہجے میں مسکین سی شکل بنا کر پشتو زبان میں کہا۔

پشتو زبان سن کر اور اماں سے آخری ملاقات کا ذکر سن کر وہ خان صاحب بھی جذباتی ہو گیا اور پشتو میں بولا۔

”چلو بھائی ابھی ہم اتنا خبیث کا بچہ بھی نہیں ہے کہ تمہاری ماں سے تمہارا آخری ملاقات بھی نہیں کرائے۔“ میں تیزی سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور دل ہی دل میں ہنس پڑا۔وہ خان صاحب مجھ سے ماں کی بیماری کی تفصیلات پوچھنے لگا۔پھر بھرائی ہوئی آواز میں اپنی ماں کی بیماری کا قصہ سنانے لگا جو پشاور میں رہتی تھی۔مجھے اس کی باتوں سے شدید الجھن اور بے زاری محسوس ہو رہی تھی لیکن کیا کرتا مجبوری تھی‘ گلشن اقبال کا علاقہ شروع ہوا تو میں نے ٹیکسی رکوا دی اور اتر گیا حالانکہ ابھی مجھے کافی دور جانا تھا۔لیکن میں ایک ہی ٹیکسی سے جانا نہیں چاہتا تھا۔وہاں سے میں نے دوسری ٹیکسی لی اور اپنے فلیٹ پر پہنچ گیا۔

میں کل صبح آغا قزلباش اور نواب سطوت الاسلام سے ملا تھا اور نواب صاحب نے ہی مجھے اپنی صاحب زادی کی عزت بچانے کے لیے سردار انڈسٹری کے مالک کے بیٹے عمران سردار کو قتل کرنے کے لیے بھیجا تھا۔میں نے اپنا کام تو کرلیا تھا۔انہوں نے مجھے اس کام کے لیے چوبیس گھنٹے دیے تھے اور میں نے مقررہ وقت میں اپنا کام انجام بھی دے دیا تھا۔لیکن اس وقت بہت سی باتیں مجھے بے چین کر رہی تھیں۔بہت سے سوالات تھے میرے دماغ میں اور سوچ بچار کے بعد اپنے ذہن میں اٹھنے والے ان سوالوں کے جوابات بھی مجھے خود ہی تلاش کرنے تھے۔میں اپنے کمرے میں جا کر اطمینان سے تنہائی میں بہت کچھ سوچنا چاہتا تھا لیکن جب میں فلیٹ پر پہنچا تو اپنے تینوں ساتھیوں کو اپنا منتظر پایا جعفر اور کلیم بھی جم نہیں گئے تھے۔کنیز تو تھی ہی بے قراری کے ساتھ میری منتظر...!

"تم ٹھیک تو ہو ناں شمروز...! سب کچھ ٹھیک ہو گیا ناں...!" مجھے دیکھتے ہی کنیز تیر کی مانند میری جانب لپکی اور پوچھا۔کلیم اور جعفر بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے مگر خاموش زبان سے سوالیہ نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"ہاں اللہ کا شکر ہے میں ٹھیک ہوں اور کام بھی ہو گیا۔" میں نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"شکر...!" کنیز نے ایک اطمینان بخش طویل سانس لیتے ہوئے کہا پھر بولی۔

"سب سے پہلے تم باس کو اپنے کام کی رپورٹ دو باقی باتیں پھر ہوں گی۔"

"ہاں میں وہی کرنے جا رہا ہوں۔میرا موبائل فون گھر پر ہی ہے' باس نے فون ساتھ لے جانے سے منع کیا تھا۔" یہ کہتے ہوئے میں اپنے روم میں آگیا۔میرا فون یہاں چارجنگ پر لگا ہوا تھا اب یہ کام کنیز یا اکرم ہی کا ہوسکتا تھا۔

میں نے فون سے تار نکالا اور باس کا وہ خاص نمبر پش کیا جو انہوں نے مجھے بطور خاص موقعوں پر استعمال کرنے کے لیے ہی دیا تھا۔

پہلی ہی بیل پر باس نے فون ریسیو کرلیا اور پوچھا۔

"یس... شمروز کیا رپورٹ ہے۔"

"ایوری تھنگ از اوکے باس۔" میں نے خود اعتمادی سے جواب دیا۔

"گڈ' ویری گڈ۔" اس کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "تم ٹھیک تو ہو۔ میرا مطلب ہے کہ تمہیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔" اس نے فکر مند لہجے میں کہا۔

"آپ کا کیا خیال ہے مجھے کیسا ہونا چاہیے۔" میں نے الٹا اس سے سوال کر ڈالا۔

"میرا خیال تو یہ ہے کہ تم بالکل فٹ فاٹ ہو گے۔ تمہارا انتخاب یوں ہی تو نہیں کیا تھا۔" اس نے پھر چہک کر کہا۔

"اس اعتماد کا شکریہ باس۔ آئی ایم پرفیکٹلی آل رائٹ۔"

"گڈ' ویری گڈ۔" اس نے اپنا تکیہ کلام دہرایا پھر بولا۔ "اگر تم کچھ ریسٹ کرنا چاہو تو ریسٹ کرو پھر آج شام ہی پانچ بجے مجھے کلفٹن والی کوٹھی پر ملو۔ نواب صاحب بھی تم سے وہیں ملیں گے۔"

"اوکے باس میں پانچ بجے پہنچ جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"وقت کا خیال رہے شمروز' پانچ بجے کا مطلب ٹھیک پانچ بجے ہی ہوتا ہے۔" اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں ہر بات کو یاد رکھتا ہوں باس۔ آپ کو یہ بات دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لیے بھی ہر بات فرسٹ اینڈ لاسٹ ہی ہوتی ہے۔" میں نے خاصے اعتماد سے کہا۔

"اوکے اینڈ دیٹس آل۔" آغا قزلباش نے کہا اور لائن ڈسکنکٹ ہو گئی۔

فون جیب میں رکھ کر میں کمرے سے باہر آگیا۔ وہ تینوں میرے ہی منتظر تھے۔ میں نے مختصراً انہیں بتایا کہ میں نے اپنا مطلوبہ ہدف مکمل کرلیا ہے اور باس مجھ سے بہت خوش ہیں اور آج شام کو پانچ بجے مجھے دوبارہ کلفٹن والی کوٹھی پر بلایا ہے۔

میں نے سب کے ساتھ مل کر ناشتا کیا ناشتے کے بعد کلیم اور جعفر تو چلے گئے کنیز کو بھی جانا تھا وہ اپنے روم میں تیار ہونے چلی گئی تو میں اپنے روم میں آگیا اور اکرم کو خاص ہدایت کی کہ میں سونے جا رہا ہوں مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے جاگ جاؤں گا تو خود ہی باہر آجاؤں گا۔

میں نے اپنے روم کا دروازہ بند کیا اور بیڈ پر دراز ہو گیا۔ بیڈ پر لیٹتے ہی پھر سے وہ سارے سوالات میں نے اپنے دماغ میں تازہ کرلیے۔ سب سے پہلے

میں نواب سطوت الاسلام کے بارے میں سوچ رہا تھا۔دیکھنے میں ان کی پرسنالٹی واقعی نوابوں والی تھی۔مگر انہوں نے جو کہانی سنا کر مجھے عمران سردار کو مارنے کے لیے کہا تھا وہ سب مجھے جھوٹ لگ رہا تھا دوسری بات یہ کہ آغا

قزلباش اس کے آگے کیوں بھیگی بلی بنا ہوا تھا۔

پھر مجھے عمران سردار کی بات یاد آئی کہ اس نے کسی غضنفر کا نام لیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ آغاقزلباش تو اس کا پالتو کتا ہے اصل آدمی تو غضنفر ہے اور غضنفر اس کا چچا ہے۔اس نے اس کے باپ یعنی اپنے بھائی کو بھی مروایا اور اب جائیداد کے تنہا وارث عمران سردار کا بھی صفایا کروا دیا۔

یہ غضنفر کون ہے؟ کہیں نواب سطوت الاسلام اور غضنفر ایک ہی شخصیت تو نہیں۔عمران سردار نے جب مجھے یہ بتایا کہ کسی غضنفر نامی شخص نے اسے مروانے کے لیے کوئی آدمی بھیجا ہے تو یہ بات عمران سردار کو کس نے بتائی کہ کوئی شخص اس کی جان لینے کے لیے آرہا ہے۔

کیا آغا قزلباش ایسا کر کے میری آزمائش کرنا چاہتا تھا۔یا پھر آغا قزلباش کے گروہ میں ایسا کوئی خاص مخبر ہے جو ساری باتیں باس کے دشمنوں تک پہنچاتا ہے۔اگر ایسا ہے تو باس کو اس بات کی اطلاع ہونی چاہیے۔میں تو چاہ رہا تھا کہ عمران سردار سے بیٹھ کر بات کروں مگر اس کے احمق ساتھی نے مجھے اس بات کا موقع ہی نہیں دیا اور مجھ پر چھلانگ لگا دی۔میرے پاس کوئی موقع نہیں تھا اگر میں اپنی جان بچانے کے لیے انہیں نہ ہلاک کرتا تو وہ میری جان لے لیتے۔

خیر شام کو جب باس سے ملاقات ہوگی تو میں یہ ساری باتیں ڈسکس کروں گا۔میں نے سوچا اور میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں تو میں گہری نیند سو گیا۔

بہت گہری نیند سو رہا تھا تب سوتے میں میں نے عشاء کو خواب میں دیکھا۔آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔پھر یکایک بہت تیز بارش ہونے لگی۔میں تنہا کھڑا اس بارش میں بھیگ رہا تھا۔مجھے بہت ٹھنڈ لگ رہی تھی۔میں اس تیز بارش سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ تلاش کر رہا تھا لیکن اندھیرا

بہت تھا۔ مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں کہاں جاؤں کیا کروں۔ اچانک بارش رک گئی اندھیرا چھٹ گیا۔ ہر جانب اجالا پھیل گیا میری نگاہوں کے سامنے دور دور تک سبزہ ہی سبزہ تھا دھلا دھلا سا سبزہ لائن سے خاموش کھڑے تناور درخت تھے اور ان درختوں کے درمیان وہ خراماں خراماں چلتی ہوئی میری جانب آ رہی تھی۔ پھر ٹھنڈی ہَوا چلنے لگی۔ درخت خوشی سے جھومنے لگے۔ میں مسرت آمیز حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”عشائَ!“ میرے لبوں سے سرگوشی سی نکلی۔

”ہاں میں!“ وہ ایک ادا سے اٹھلائی۔ میں اس کے حسین اور ملیح چہرے کی خوب صورتی میں کھو سا گیا۔ اس کے رخساروں میں انار سے دہک رہے تھے۔ جھیل جیسی آنکھوں میں ننھے منے روشن دیے تیر رہے تھے۔ گلاب کی پتیوں جیسے لب شبنم سے بھیگے بھیگے دکھائی دے رہے تھے۔

”ایسے کیا دیکھ رہے ہیں۔“ اس نے ایک ادا سے مسکراتے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”تم اچانک کہاں سے آ گئیں۔“ میں نے آگے بڑھ کر بڑی نرمی سے اسے تھام لیا۔ اس کے شبنم سے بھیگے لبوں سے شبنم کے سارے قطرے چن لیے۔ اس کا انداز سپردگی لیے ہوئے تھا۔

”تم کہاں چلی جاتی ہو' مجھے اکیلا چھوڑ کر۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

”میں تو ہمیشہ سے آپ کے ساتھ ہوں اور ہمیشہ ساتھ رہوں گی۔ آپ ہی تو میرے شریک حیات ہیں کیا آپ نے کبھی موتیے کی مہک میں مجھے محسوس نہیں کیا...؟“ اس نے مصنوعی روٹھے لہجے میں پوچھا۔

”موتیے کی مہک؟“ میں نے حیرانی سے دہرایا۔

”ہوں۔“ وہ دھیرے سے مسکرائی۔ چاندنی راتوں کی ٹھنڈک اور صبح دم چلنے والی ہَواؤں میں اور جب تپتی دوپہروں میں برسات کے بادل چھا جائیں تو آپ مجھے اپنے پاس محسوس کریں گے میرے ہم دم۔“

”لیکن میں تو یہ سب بھول چکا ہوں۔ موتیے کی مہک' چاندنی راتیں' برسات میں چلنے والی ٹھنڈی ہَوائیں۔“ میرے لبوں سے کراہ سی نکل گئی۔

"یقیناً بھول گئے ہوں گے کیونکہ آپ کے ہاتھ دوسروں کے لہو سے رنگ گئے ہیں۔آپ کے اردگرد لہو ہی لہو ہے۔آپ کو موتیے کی مہک کہاں محسوس ہوگی۔آپ تو تپتے ہوئے صحرا میں ننگے پاؤں چل رہے ہیں اور صحرا کی تپتی ہوئی ریت پر آپ کے پاؤں میں آبلے تو پڑ سکتے ہیں۔پیاس سے آپ کا حلق چٹخ تو سکتا ہے لیکن آپ چاندنی راتوں کی ٹھنڈک اور برسات کی ٹھنڈی ہَوا کو نہیں محسوس کرسکتے۔" یہ کہتے ہوئے وہ تڑپ کر میری باہوں کے حصار سے نکل گئی اور بھاگتی ہوئی ایک جانب چل دی اور میں بے بسی سے ہونٹ کاٹتا ہوا اسے خود سے دور جاتا ہوا دیکھتا رہا۔پھر وہ میری نگاہوں سے دور ہوگئی اور ہر جانب گھور اندھیرا چھا گیا۔میری سانسیں بند ہونے لگیں۔دم گھٹنے لگا۔حلق خشک ہوگیا اور میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔

میرا سارا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔شدید پیاس محسوس ہو رہی تھی اور سانسیں تیز تیز چل رہی تھی۔میں نے سائڈ ٹیبل سے جگ اٹھا کر گلاس میں پانی انڈیلا اور ایک ہی سانس میں ختم کردیا گلاس رکھ کر میں تھکے تھکے انداز میں دوبارہ تکیے پر گر پڑا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں اس خواب کو دیکھ کر بے حد پریشان ہوا۔یا اللہ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔میری زندگی نے مجھے جن راہوں پر دھکیل دیا ہے وہاں صرف صحرا ہی صحرا ہے خار دار جھاڑیاں ہیں' کانٹے ہی کانٹے ہیں۔محبت تو ایک لطیف جذبہ ہے جو دل کے تاروں کو چھیڑتا ہے تو اس میں سے نغمے پھوٹ نکلتے ہیں۔انسان کے چاروں اطراف میں رنگ' روشنی اور خوش بو ہوتی ہے۔

لیکن میرے دل میں تو صرف نفرت ہے انتقام ہے مجھے نہ جانے کیوں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری اور میرے خاندان کی تباہی کا ذمہ دار اس دنیا کا ہر فرد ہے مجھے کسی سے بھی محبت نہیں ہے۔میرے دل میں تو صرف نفرت اور انتقام پل رہا ہے۔مجھے ایسا لگتا ہے کہ نفرت کی اس آگ میں جھلستے جھلستے میں ایک دن ختم ہوجاؤں گا۔پھر عشاء کیوں میرے خوابوں میں چلی آتی ہے۔رنگ و خوش بو کی باتیں کرتے اس نے مجھ سے ابھی تو کہا تھا کہ تم بیلے کے پھولوں کی مہک کو محسوس کر ہی نہیں سکتے کیونکہ تمہارے ہاتھوں سے لہو کی بو آتی ہے۔

"ہاں میں قاتل ہوں۔" میں نے غصے اور جھنجلاہٹ میں اپنی مٹھیاں زور سے بھینچ کر کہا۔ "میں سب کو مار ڈالوں گا۔ ختم کردوں گا۔ میری زندگی میں کسی کی محبت کی گنجائش نہیں ہے۔ اپنی زندگی سے میں نے محبت کے پنّے کو ہی پھاڑ ڈالا ہے۔ شمروز کا دوسرا نام ہی نفرت اور انتقام ہے" میں نے زور سے بیڈ پر ہاتھ مارا' پھر بیڈ سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ سامنے رکھی کرسی پر زور سے لات ماری اور اسے نیچے گرا دیا۔

تھوڑی دیر میں میرا اشتعال ختم ہوگیا اور میں نے تصور میں عشاء کو مخاطب کر کے کہا۔

"خبر دار جو آئندہ میرے خواب میں آنے کی کوشش کی میں تم سے محبت نہیں کرسکتا۔"

میں اپنے طور پر مطمئن سا ہوگیا۔ حالانکہ میں یہ بات بھول گیا تھا کہ محبت کے جذبوں پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ یہ کی نہیں جاتی خود بخود ہوجاتی ہے اندھا دھند دوڑتی ہوئی آتی ہے اور انسان کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

میں نے دیوار پر لگے وال کلاک پر نگاہ ڈالی ساڑھے تین بج رہے تھے۔ میں شاور لینے کے لیے باتھ روم چلا گیا۔ مجھے پانچ بجے کلفٹن باس کی کوٹھی پر پہنچنا تھا۔ شاور لے کر باہر آیا تو الماری سے شلوار قمیص کا کھدر کا سوٹ نکال لیا۔ میرے گیٹ اپ پر گھیر دار شلوار اور قمیص ہی اچھے لگتے تھے۔

تیار ہو کر میں باہر آیا تو اکرم سے کچھ کھانے کے لیے لانے کو کہا۔ کھانا کھا کے فارغ ہوا تو اچھا خاصا وقت صرف ہوچکا تھا۔ مجھے پانچ بجے تک کلفٹن پہنچنا تھا۔ اس لیے میں نے گاڑی کی اسپیڈ تیز کردی اور کلفٹن کی جانب روانہ ہوگیا۔ آفیسز کی چھٹی کا ٹائم ہوگیا تھا اس لیے روڈ پر ٹریفک کا رش بھی بڑھ گیا تھا۔ میری نگاہیں ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھیں اور ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

میری زندگی کیا تھی اور کیا ہوگئی۔ اس کو تبدیل ہونے میں زیادہ وقت بھی نہیں لگا تھا۔ بلا شبہ میں ایک مجرم تھا جرائم پیشہ لوگوں کا ساتھ اپنایا تو مجرم بن گیا۔ میں جو معصوم صورت لیے دنیا میں آیا تھا معصومیت کی آغوش میں پرورش پائی اور زندگی کے بہت سے سہانے سپنے لے کر بچپن کی حدود

پھلانگی۔میرے سنہرے خواب میری آنکھوں سے نمایاں ہوتے تھے۔بہت سی اچھی توقعات کے قلعے جن کا عکس میری آنکھوں سے عیاں تھا۔امنگوں بھری جوانی کے ہجوم میں داخل ہوا پھر میں نے اپنے آدھے خوابوں کی تعبیر پا بھی لی لیکن پھر میری زندگی میں کچھ ایسے نا مساعد حالات آئے کہ میں اپنے حواس کھو بیٹھا جرائم کی جس دنیا میں میں قدم رکھ چکا تھا ان کا تو نام و نشان بھی میری سوچوں میں دور دور تک نہیں تھا۔ایک ڈاکٹر بن کر میں نے شاید یہ سوچا تھا کہ دنیا میرے قدموں تلے آگئی ہے۔مگر دنیا نے ہی مجھے اپنے قدموں تلے روند ڈالا۔

ہوسکتا ہے کہ میری اس کہانی کو پڑھنے والے کسی اور شخص کی زندگی میں بھی ایسے حادثات رونما ہوئے ہوں۔وہی ایک شخص میرے احساسات اور میری کیفیت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے اور جو خوش نصیب اس کیفیت سے نا آشنا ہیں میری دعا ہے کہ وہ کبھی ان حالات کا شکار نہ ہوں۔

میرے بد ترین حالات کے بھیانک اور زہریلے سانپوں نے جب مجھے چاروں جانب سے گھیر لیا وہ میرے سامنے پھن لہراتے رہے۔میں جب تک ان

سانپوں کا مقابلہ کرسکتا تھا کیا۔پھر میں بے بس ہو گیا۔بے بسی کی سوچ عموماً انسان کو غلط راستوں پر ہی لے جاتی ہے۔میں نے بھی جرائم کی دنیا میں پناہ لے لی۔آخر زندگی کو کسی ڈھب پر تو لانا تھا۔تو کیوں نہ ان راہوں کا انتخاب کرتا قصور میرا بھی نہیں تھا دنیا میں شریف اور شرافت کا کوئی ساتھ نہیں دیتا۔ یہاں بد معاش بن کر رہنا زیادہ آسان ہے۔دنیاشاید مجھے اس راستے پر لانا چاہتی تھی اس لیے میں ان لوگوں کا ساتھی بن گیا۔جس وقت انسان برے راستوں میں قدم رکھتا ہے تو اس وقت بہت سی آسانیاں اس انداز میں فراہم ہوجاتی ہیں کہ پھر وہ راستے برے نہیں لگتے یہی کچھ میرے ساتھ بھی ہوا۔

اچانک خود بخود میرے پاؤں کا دباؤ بریک پر بڑھ گیا۔گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تو میں اپنی سوچوں کے حصار سے باہر نکل آیا۔میں نے اپنے آپ کو آغا قزلباش کی کوٹھی کے سامنے پایا۔میں نے کلائی پر بندھی اپنی ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو پانچ بجنے میں پانچ منٹ تھے۔گویا میں بالکل ٹھیک وقت پر پہنچ گیا تھا۔میں نے ہارن بجایا تو خود کار گیٹ کھلتا چلا گیا۔اس مرتبہ گارڈ نے آکر مجھ سے پوچھ گچھ نہیں کی شاید اسے میری آمد کے بارے میں پہلے سے انفارم

کردیا گیا تھا۔میں گاڑی اندر لے گیا اور تیزی سے اتر کر اندر کی جانب قدم بڑھائے اندر والے دروازے پر بھی اسلحہ بردار گارڈ موجود تھا۔مجھے دیکھتے ہی اس نے سر کے اشارے سے مجھے سلام کیا اور ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا میں اندر داخل ہو گیا۔

یہ وہی نشست گاہ تھی۔جہاں پہلے بھی میری ملاقات آغا قزلباش اور نواب سطوت الاسلام سے ہوئی تھی۔اس وقت یہ کمرہ خالی تھا۔میں ایک سوفے پر بیٹھ گیا۔پانچ بجنے میں ابھی ایک منٹ باقی تھا اور ٹھیک پانچ بجے دروازہ کھلا اور کوٹھی کے اندرونی حصے سے آغا قزلباش اور نواب صاحب اندر آئے۔

میں نے کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا۔دونوں مسکرا دیے تھے۔نواب سطوت الاسلام نے چہکتے ہوئے کہا۔

”ویلکم جوان تم نے ہمارا دل خوش کردیا۔“

”شکریہ نواب صاحب!“ میں نے ممنونیت بھرے لہجے میں کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”بھئی آغا تم شمروز کو مجھے دے دو۔“ نواب صاحب نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے آغا قزلباش کو مخاطب کیا۔

”بالکل لے لیجیے میری طرف سے اجازت ہے۔“ آغا نے ہنستے ہوئے کہا۔

”ہم تمہارے کام سے بہت خوش ہوئے ہیں شمروز تم نے مقررہ وقت پر اپنا کام بہت بہترین طریقے سے پورا کیا ہے۔ہمیں تمہارے جیسے ہی جوانوں کی تلاش رہتی ہے۔یقین مانو ہم بہت قدر دان ثابت ہوں گے۔“ نواب صاحب نے کہا۔

”آپ شرمندہ کر رہے ہیں۔میں نے تو آپ کا کام اپنا فرض سمجھ کر کیا ہے۔آپ خوش ہیں تو مجھے صلہ مل گیا۔“ میں نے انکساری سے کہا۔

”آؤ بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔“ نواب صاحب نے کہا اور مجھے اپنے ساتھ لیتے ہوئے سوفے پر بیٹھ گئے۔

”ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔اگر آپ مائنڈ نہ کریں۔دراصل مجھ کو ایک بات نے الجھن میں ڈالا ہوا ہے۔“ میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

”تم بلا جھجک پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو۔“ نواب صاحب نے کہا۔

"یہ غضنفر کون ہے؟" میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

میری بات سن کر وہ دونوں چونک پڑے۔چند لمحوں کے توقف کے بعد نواب صاحب نے پوچھا۔

"تم غضنفر کو کیسے جانتے ہو؟"

"جس وقت میں عمران سردار کو مارنے والا تھا تو اس نے یہ نام لیا تھا کہ وہ اس کا چچا ہے اور وہ اس کی جائیداد ہتھیانا چاہتا ہے۔اس نے ہی اس کے باپ سردار کو مروایا تھا۔" میں نے سادہ سے لہجے میں کہا۔

"الو کا پٹھا۔مرتے مرتے بھی بکواس کر گیا۔" نواب صاحب نے کہا پھر دونوں ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔میری نگاہیں بار بار دونوں کے چہروں کے تاثرات نوٹ کر رہی تھیں۔

"آپ نے بتایا نہیں نواب صاحب' آپ جانتے ہیں کسی غضنفر کو اور ہاں انہیں پہلے سے ہی اس بات کا علم تھا کہ کوئی عمران سردار کی جان لینا چاہتا ہے اور آرہا ہے۔اس لیے وہ پہلے سے ہی الرٹ تھے اور یہی وجہ تھی کہ وقتی طور پر ان لوگوں نے مجھ پر قابو پالیا اور قید کردیا لیکن میں زیادہ دیر تک ان کی قید

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں رہا نہیں اور اپنا کام کر کے لوٹ آیا اور عمران سردار کے ساتھ ساتھ اس کے چار پانچ بندوں کا بھی صفایا کرڈالا۔" میں نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔

"ہمیں اس بات کا علم ہوچکا ہے۔اب تم پوچھو گے کہ ہمیں کیسے علم ہوا تو بھئی سارے نیوز چینل پر صبح سے یہ خبر آرہی ہے اس کے علاوہ ایک بہت اہم اور اچھی خبر یہ ہے کہ پولیس یہ سمجھ رہی ہے کہ عمران سردار کو اس کے اپنے گارڈ نے گولی مار دی ہے کیونکہ وہ پستول گارڈ کے ہاتھ میں ہی تھا جس کی گولی سے عمران کی موت واقع ہوئی ہے۔تم نے یہ کام کر کے اپنی بہترین دماغی صلاحیت اور ہوشیاری کا ثبوت دیا ہے۔"

نواب صاحب ایک بار پر غضنفر کا ذکر گول کر گئے۔مگر میں اپنی الجھن کا کیا کرتا اس لیے پھر سوال کر ڈالا تب ایک بار پھر میرے منہ سے یہ سوال سن کر نواب صاحب کے چہرے پر کرختگی کے آثار نمودار ہوئے اور وہ بولے۔

"تمہیں جو کام کرنے کے لیے دیا جائے صرف اس سے مطلب رکھو اِدھر اُدھر کی فضول سوچوں میں اپنا دماغ مت خرچ کرو۔"

"اگر آپ کے خیال میں میرا دماغ بہترین ہے تو اس طرح کے سوالات تو اس میں اٹھیں گے اور جب تک مجھے میرے سوال کا جواب نہیں ملے گا۔میں الجھن کا شکار رہوں گا۔" میں نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"گولی مارو اس کو' ہوگا کوئی ہمیں اس سے کیا۔" آغا قزلباش بولا تو وقتی طور پر خاموش ہوگیا۔پھر نواب نے کہا۔

"شمروز آج رات اس کوٹھی میں ایک پارٹی ہے اس میں شہر کے بہت سے معززین شرکت کریں گے اور تم بھی اس پارٹی میں انوائٹڈ ہو اور اب آج سے تمہیں گلشن والے اس فلیٹ میں رہنے\

کی ضرورت نہیں ہے۔اب تم ہمارے ساتھ رہو گے۔"

"لیکن کہاں؟" میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"ہمارے ساتھ اور کہاں۔' نواب صاحب نے کہا۔

"کیا آپ مجھے اپنا باڈی گارڈ بنانا چاہتے ہیں۔" میں نے زیرِ لب مسکرا کے پوچھا۔

"اگر اس کی ضرورت پڑی تو ہم ایسا بھی کریں گے۔لیکن فی الحال اس کی ضرورت نہیں ہے۔ہمیں تم سے اور بھی دوسرے کام لینے ہیں۔" نواب صاحب نے کہا۔

"مثلاً کچھ ارشاد فرمائیے۔" میں نے کہا۔

"بھئی شمروز تم بولتے بہت ہو' اور بولتے کیا ہو سوالات بہت کرتے ہو' میری ایک بات یاد رکھنا کہ بعض اوقات بہت سے سوالات انسان کو بہت سی مشکلات میں ڈال دیتے ہیں۔کہتے ہیں نا انجان آدمی بہت مطمئن رہتا ہے۔ لیکن آگہی انسان کو عذاب میں مبتلا کر دیتی ہے۔" نواب صاحب نے بڑی گہری بات کہہ کر مجھے خاموش کر دیا۔

پھر وہ دونوں آپس میں کچھ باتیں کرنے لگے۔میں خاموش بیٹھا ان کی گفتگو سننے لگا۔ان کی باتوں سے مجھے انداز ہوا کہ وہ کوئی بہت اہم باتیں کر رہے ہیں۔مگر بہت احتیاط سے لفظوں کا انتخاب کر رہے تھے۔وہ ایسی باتیں تھیں جنہیں وہی آپس میں ہی سمجھ سکتے تھے۔وہ اشارتی زبان استعمال کر رہے تھے۔ بات کرتے کرتے نواب کا رخ ایک بار پھر میری جانب ہو گیا اور بولے۔

"یار آج رات پارٹی میں آنے سے پہلے تم ذرا اپنا یہ حلیہ درست کرلو' یہ جو تم نے جنگلیوں کی طرح اتنے بڑے بال رکھے ہوئے ہیں انہیں کٹواؤ اور اپنے چہرے سے یہ داڑھی مونچھیں صاف کرو۔اچھی خاصی شکل کو تم نے بگاڑ رکھا ہے۔"

"لیکن جناب وہ سردار شیر افضل۔" میں نے گھبرا کے آغا قزلباش کی جانب دیکھا۔

"تم اس سے ڈر رہے ہو۔" نواب صاحب نے تحقیر زدہ لہجے میں کہا۔"اب تم نواب سطوت الاسلام کی پناہ میں ہو' اس کے آدمی ہو' کسی کی مجال ہے جو تمہاری جانب آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے۔نواب اس کی آنکھیں نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دے گا۔" یہ بات کہتے ہوئے نواب صاحب کا لہجہ ایسا ہو گیا کہ میں لمحہ بھر کو سکتے میں آگیا۔یہ لہجہ کسی عام آدمی کا تو نہیں تھا۔

"بہت شکریہ نواب صاحب۔" میں نے نیاز مندی سے کہا۔"لیکن مجھے اس کمینے اور ذلیل شخص سے اپنا حساب چکانا ہے اس نے میرے...!"

"ہم سب سن چکے ہیں... آغا ہمیں تمہارے بارے میں ساری تفصیلات سے آگاہ کرچکا ہے۔" نواب صاحب نے ہاتھ اٹھا کر مجھے بولنے سے روکتے ہوئے کہا۔"تم فکر نہ کرو اپنا بدلہ لینے کا پورا پورا موقع دیا جائے گا اور تمہیں ایک اور بات بتاؤں آج رات کی پارٹی میں سردار شیر افضل بھی آنے والا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی اصل شکل میں اس کے سامنے آؤ۔تمہیں میرے ساتھ ساتھ ہی رہنا ہے۔"

"اگر اس نے مجھے پہچان لیا تو...!" میں نے گھبرا کر کہا۔

"بڑا مزا آئے گا تم دیکھتے تو جاؤ' مجھے سردار شیر افضل سے ایک دو کام نکلوانے ہیں وہ ہوجائیں تو تمہیں بھی موقع دیا جائے گا اپنے دل کی بھڑاس نکال لینا۔" نواب صاحب نے ایک گہری اور معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ آغا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"جو آپ بہتر سمجھیں۔" میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔فی الحال میرے لیے کیا حکم ہے۔"

"تم چاہو تو آرام کرو۔" نواب صاحب نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ میں اپنا مختصر سا سامان جا کر لے آتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اگر تمہارا کوئی ضروری سامان ہے تو وہ منگوایا جاسکتا ہے ورنہ تمہیں تمہاری ضرورت کی ہر چیز مل جائے گی۔تم یہاں ایک کمرے میں جاؤ' ابھی ایک بندہ آکر تمہارا حلیہ درست کردے گا اور تمہارا نیا ڈریس بھی آجائے گا۔" نواب صاحب نے کہا اس دوران آغا قزلباش بیٹھا مسکراتا رہا۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ نواب سطوت الاسلام مجھ پر اتنا زیادہ مہربان کس لیے ہو رہا ہے۔آخر یہ مجھ سے ایسا کون سا کام نکلوانا چاہتا ہے اور حیرت تو مجھے آغا قزلباش پر ہو رہی تھی جس کا غیظ و غضب میں دیکھ چکا تھا لیکن اس وقت نواب کے سامنے کیسا بھیگی بلی بنا بیٹھا تھا۔آخر یہ نواب ہے کیا شے۔

آغا قزلباش نے کسی کو آواز دی تو ایک بندہ اندر آیا۔وہ مجھے اپنے ہمراہ لے کر کوٹھی کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا۔وہ ایک کمرے کے دروازے پر جا کر رک گیا اور بتایا کہ میں اس روم میں آرام کرسکتا ہوں۔میں دروازہ

کھول کر اندر داخل ہو گیا۔یہ ایک کشادہ اور قیمتی سامان اور فرنیچر سے آراستہ کمرہ تھا۔ایک جہازی بیڈ کے علاوہ سامنے ٹرالی پر ایک ٹی وی بھی موجود تھا۔

میں بیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔تب ہی میری نگاہ سائڈ ٹیبل پر رکھے ٹی وی کے ریموٹ پر پڑی میں نے ریموٹ ہاتھ میں لے کر ٹی وی آن کردیا۔

میں چینل بدل رہا تھا کہ خود بخود چینل بدلتے بدلتے میرا ہاتھ رک گیا۔ایک چینل پر ایک ہوش ربا حسینہ بڑا ہیجان خیز رقص کر رہی تھی۔جس نے لباس بھی مختصر پہن رکھا تھا

وہ شاید کوئی انڈین چینل تھا۔میں اس لڑکی کو جس کے نام سے میں واقف نہیں تھا شاید اس لیے کہ پہلے مجھے ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔وہ جو کوئی بھی تھی بہت حسین شکل اور جسم کی مالک تھی۔

رقص ختم ہوا تو میں نے چینل بدل دیا پھر ٹی وی بند کر کے دونوں ہاتھ سر کے نیچے تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔میں نواب کے بارے میں سوچنے لگا لیکن بہت سوچنے پر بھی میں اس کی شخصیت کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

شام تک کا وقت میرا بہت مصروف گزرا ایک شخص اپنے سازو سامان کے ساتھ ایک بار پھر میرے سامنے تھا۔اس نے میری بدلی ہوئی شخصیت کو میرا پرانا روپ دے دیا۔بلکہ اس سے بہتر لک ہی دے دیا۔مکمل تیار ہونے کے بعد میں نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تو مجھے بہت اچھا لگا۔میں تو اپنی اصلی شکل بھولنے لگا تھا۔پرانے والے حلیے میں ایک غنڈہ' بد معاش دکھائی دیتا تھا لیکن اب میں پھر سے ایک ایجوکیٹڈ اور ڈیسنٹ بندہ دکھائی دے رہا تھا۔

آغا قزلباش اور نواب صاحب کو میں باتوں میں مصروف چھوڑ آیا تھا دوبارہ مجھے ان کی صورت دکھائی نہیں دی تھی۔

میں تیار ہو کر اسی کمرے میں بیٹھا رہا کیونکہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ مجھے کہاں جانا ہے۔ایک ملازم سے پوچھا تو اس نے مودب لہجے میں کہا کہ آپ یہیں بیٹھ کر انتظار کریں نواب صاحب آپ کو خود بلوائیں گے۔سو میں بیٹھا ٹی وی سے دل بہلا رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ مجھے اس طرح سجا سنوار کر پارٹی میں لے جانے کے پیچھے نواب صاحب کا کیا مقصد پوشیدہ ہوسکتا ہے۔کیونکہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں یہ بات اچھی طرح سے جانتا تھا کہ نواب صاحب کے دل میں میرے لیے پدرانہ شفقت تو جاگ نہیں سکتی۔یقیناً یہ مجھ سے کوئی بڑا کام لینا چاہتا تھا اور وہ کام کیا تھا یہ میں ابھی نہیں جانتا تھا۔

مجھے تیار ہونے کے بعد پورا ڈیڑھ گھنٹہ انتظار کرنا پڑا' تب وہی ملازم دوبارہ کمرے میں داخل ہوا اور مجھ سے کہا کہ مہمان آنا شروع ہوگئے ہیں۔نواب صاحب نے مجھے بڑے ہال میں بلایا ہے۔

”یہ بڑا ہال کس طرف ہے۔“ میں نے اس سے پوچھا تو وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر چل دیا۔

میں نے کوٹھی کا یہ حصہ پہلے نہیں دیکھا تھا۔یہ ایک بہت بڑا ہال تھا۔جو ایک گرینڈ پارٹی کے لحاظ سے سجایا گیا۔ایک جانب میوزک بینڈ تھا بہترین لائٹنگ تھی ایک دوسری جانب بار بنایا گیا تھا۔ٹیبل اور کرسیاں بھی تھیں لیکن زیادہ تر لوگ ہاتھوں میں اپنے پسندیدہ مشروبات لیے جو باوردی ویٹرز سرو کر رہے تھے ایک دوسرے سے باتوں میں مصروف تھے۔اعلیٰ قسم کے سوفے سیٹ بھی تھے۔

ملازم مجھے ہال کے دروازے پر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔میں نے اندر داخل ہو کر سارے ہال پر طائرانہ نگاہ ڈالی۔نواب صاحب مجھے ایک سوفے پر بیٹھے دکھائی دیے۔وہی اپنے روایتی ڈریس سفید کلف دار کرتے اور پاجامے میں ملبوس۔منہ میں پان تھا جسے وہ بڑی نفاست کے ساتھ کھا رہے تھے۔پاس ہی اس کے پانوں کی ڈبیا اور کپڑے کا بٹوا رکھا تھا۔

میں کھڑا ابھی جائزہ ہی لے رہا تھا کہ نواب صاحب کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی۔انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے اپنے نزدیک بلایا تو میں مسکراتا ہوا ان کی جانب بڑھ گیا۔آج میری چال میں عجیب طرح کی خود اعتمادی تھی۔مجھے وہ سب اچھا لگ رہا تھا۔بالکل ایسا جیسے میں اپنی پرانی جون میں لوٹ آیا ہوں۔

”ارے بھئی شمروز تم وہاں کیوں کھڑے ہو‘ یہاں آکر میرے پاس بیٹھو۔“
نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا تو میں ان کے نزدیک سوفے پر بیٹھ گیا۔وہیں کچھ اور لوگ بھی بیٹھے تھے جن سے نواب صاحب محو گفتگو تھے۔میں گیا تو سب خاموش ہو کر میری جانب متوجہ ہوگئے۔میں ان کے لیے اجنبی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تھا۔اس لیے نواب صاحب کی جانب اٹھتی ہوئی نگاہوں میں میرے لیے سوال تھا۔

”آپ سب ان سے ملیں یہ شمروز ہیں ہمارے رشتہ دار ہی ہوتے ہیں حال ہی میں امریکہ سے آئے ہیں ڈاکٹر ہیں۔“ حیرت انگیز طور پر نواب صاحب نے میرا تعارف ڈاکٹر کہہ کر کرایا۔پھر نواب صاحب نے مجھے ان لوگوں کے بارے میں بتایا کہ وہ کون کون ہیں۔وہاں موجود ایک صاحبہ جن کا تعارف نواب صاحب نے بیگم درانی کہہ کر کرایا تھا مجھ سے بولیں۔
”آپ لگی ہیں کہ نواب صاحب سے آپ کی رشتہ داری ہے ہمیں تو نواب صاحب کا دیدار ہی بڑی مشکل سے ملتا ہے۔“
میں دل ہی دل میں سوچ کر حیران ہو رہا تھا کہ نواب صاحب میں آخر ایسی کون سی خاص بات ہے کہ ان کے دیدار کو اپنی خوش نصیبی سمجھا جائے۔یہ بات بھی نواب صاحب کے اگلے جملے سے میری سمجھ میں آگئی۔
”بیگم درانی کا سارا خاندان ابا حضور کا مرید ہے ابا حضور کے بعد ہماری دستار بندی ہوئی تو یہ ہماری معتقد ہیں۔“

میں نے مسکرا کے سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا پھر لوگ آتے گئے نواب صاحب اپنی جگہ پر بیٹھے رہے لوگ ان کے نزدیک آتے ان کے ہاتھوں کو چومتے آنکھوں سے لگاتے اور پیچھے ہٹ جاتے۔پارٹی میں مجھے آغا قزلباش بھی دکھائی دیا۔لیکن وہ میرے نزدیک نہیں آیا تھا۔دوسرے لوگوں کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔میں نواب صاحب کے ساتھ سوفے پر ہی بیٹھا تھا۔ایک ویٹر میری جانب بھی مشروبات سے بھری ٹرے لے کر آیا تو میں نے پائن ایپل کا گلاس اٹھا لیا اور ہلکے ہلکے سپ لینے لگا۔

لوگ اپنے اپنے شناسا چہرے دیکھتے تو باتوں میں مصروف ہوجاتے۔میں اور نواب صاحب لمحہ بھر کو تنہا ہوئے تو نواب صاحب نے مجھے اپنے نزدیک آنے کا اشارہ کیا وہ کچھ کہنا چاہتے تھے' میں نے اپنا کان ان کے منہ کے قریب کردیا تو وہ بولے۔

"ابھی یہاں ایک خاتون آنے والی ہیں۔رشا نام ہے اس کا وہ سیدھی میری جانب آئے گی۔میں تمہارا اس سے تعارف اپنا بھتیجا کہہ کر کراؤں گا۔تمہیں اس کے ساتھ ساتھ ہی رہنا ہوگا اور ایسی کمپنی دینی ہوگی کہ وہ تم سے دوبارہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ملنے کی خواہش ظاہر کرے فی الحال تم اس سے دوستی کرو' اس کے بعد تمہیں کیا کرنا ہے ہم تمہیں بعد میں بتائیں گے۔تمہاری اس سے دوستی ہمارے لیے بہت ضروری اور فائدہ مند ہے کرسکو گے ایسا۔"

"کوشش کروں گا۔" میں یہ عجیب سا حکم سن کر بوکھلا گیا۔

"یہ کیا کہا تم نے۔" انہوں نے قدرے ناگواری سے کہا۔"تمہارے منہ سے ایسے جملے اچھے نہیں لگتے۔تم تو پرفیکٹ کام کرنے والے بندے ہو۔تمہیں یہ کہنا چاہیے کہ "سمجھیں کام ہوگیا۔"

"بہتر نواب صاحب سمجھیں کام ہوگیا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"یہ ہوئی ناں دل خوش کرنے والی بات۔" وہ خوش ہو کر بولے اور پھر ایسا لگا جیسے ہال میں جلنے والے برقی قمقموں کی روشنی مزید تیز ہوگئی ہو۔ہر جانب قوس قزح بکھر گئی ہو۔وہ بڑی سبک خرامی سے چلتی ہوئی ہال میں داخل ہوئی تھی۔

"یہی ہے رشا۔" نواب صاحب نے سرگوشی کی۔

ہر نگاہ اس ظالم حسینہ کی جانب اٹھی ہوئی تھی۔مگر وہ ہر ایک کو یکسر نظر انداز کر کے سیدھی نواب صاحب کی جانب آ رہی تھی۔

وہ نزدیک آئی تو اس کے حسن بلا خیز سے نگاہیں چندیا گئیں۔اس نے ہلکے گلابی رنگ کی مہین نازک سے کام والی ساڑھی زیب تن کی ہوئی تھی۔گورے اور گداز بازو برہنہ تلوار کی مانند دکھائی دے رہے تھے۔مختصر اور کشادہ گریبان کے بلاؤز میں اس کا جسم ہیجان خیز نظارے دے رہا تھا۔وہ نواب صاحب کے نزدیک آئی اور جھک کر آداب بجا لائی۔اس کے جھکتے ہی اس کے حسن نے اپنے رازوں سے آگاہ کر دیا اور میرے دل کی دھڑکن کئی گناہ بڑھ گئی۔نواب صاحب کی آنکھوں میں بھی مئے کی سرخی دوڑ گئی۔اس نے مسکرا کر بل کھاتے ہوئے نواب صاحب سے ہاتھ ملایا اور ان کے برابر میں بیٹھ گئی۔

”سفر کیسا رہا رشا؟ ہم نے کہیں تمہیں مصروفیات میں ڈسٹرب تو نہیں کیا۔“ نواب صاحب نے پوچھا۔

”ارے نہیں نواب صاحب میرے پاس آغا قزلباش کا فون آیا تھا اور اسی نے مجھے آپ کا پیغام دیا تھا۔اب بھلا آپ کی دعوت کے آگے میری مصروفیات کی کیا اوقات ہے۔میری ہزاروں مصروفیات آپ کے ایک بلاوے پر قربان ہیں۔“ اس نے مسکراہٹ کی بجلیاں گراتے ہوئے کہا۔

اسے دیکھ کر مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے میں نے کہیں دیکھا ہے۔اس کی صورت دیکھی ہوئی لگ رہی تھی۔مگر کہاں دیکھی ہے یاد نہیں آ رہا تھا۔

نواب صاحب اس سے ایک دو باتیں کرنے کے بعد چونک کر بولے۔”ارے لو میں تمہارا شمروز سے تعارف کروانا تو بھول گیا۔“ تو وہ میری جانب متوجہ ہو گئی۔

”یہ شمروز ہے میرا بھتیجا امریکہ سے ڈاکٹر بن کے لوٹا ہے بس یوں سمجھ لو کہ آج کی یہ گرینڈ پارٹی اسی کے آنے کی خوشی میں دی ہے اور شمروز یہ رشا دیوی ہے۔بھارتی فلم انڈسٹری کی بہترین ڈانسر ہے۔جس فلم میں ان کا آئٹم سونگ ہوتا ہے سمجھو وہ فلم ہٹ تو ہو ہی گئی۔

تب ہی میرے دماغ میں روشنی کا جھماکا ہوا اور مجھے یاد آیا کہ آج ہی ٹی وی پر میں نے اسے دیکھا تھا۔ جو بہت مختصر لباس میں ہیجان خیز رقص کر رہی تھی۔ دوران رقص اس کا ایک ایک عضو اپنا تعارف خود کروا رہا تھا۔

میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے اس کے رقص کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مجھے اپنی جانب اس طرح دیکھتے ہوئے پا کر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”کوئی نئی بات نہیں ہے جو بھی تمہیں پہلی مرتبہ اپنے سامنے دیکھتا ہے اس کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے۔“ نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا تو میں جھینپ گیا اور اپنی جھینپ مٹانے کے لیے جلدی سے اس کا آگے بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔

چند لمحوں کے توقف کے بعد نواب صاحب نے کہا۔ ”بھئی آج کی پارٹی کے لیے رشا کو ہم نے بطور خاص بلایا ہے۔ یہ بہت بہترین رقص کرتی ہیں۔

اور پھر رشا کے رقص نے جیسے ہر شخص کو مسحور کر دیا رقص ختم ہوا تو سازندے خاموش ہوگئے۔ ہر جانب سناٹا چھا گیا۔ میں نے تالی بجا کر ماحول کو جگایا اور پھر سارا ہال تالیوں کی داد اور تحسین سے گونج اٹھا۔

پھر کھانا شروع ہوا تو میں ٹہلتا ہوا رشا کے نزدیک چلا گیا اور اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا۔

”آپ کی اور انکل کی شاید پرانی جان پہچان ہے۔“ میں نے کہا۔

”زیادہ پرانی تو نہیں پچھلے دنوں نواب صاحب کا انڈیا آنا ہوا تھا وہیں ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ بھئی میں تو نواب صاحب کی با کمال شخصیت کے سحر کا شکار ہوگئی۔ اب جب انہوں نے بلایا تو میں کیسے نہ آتی۔“ اس نے جواب دیا۔

”تو کیا آپ صرف نواب صاحب کے بلاوے پر آئی ہیں یا کوئی اور بات بھی ہے۔“ میں نے پوچھا۔

”آئی تو نواب صاحب کے بلاوے پر ہوں لیکن میڈیا والے کہاں خاموش بیٹھیں گے اس لیے میری پاکستان آمد چھپ نہیں سکی۔ اس لیے پاکستان فلم انڈسٹری کے ایک مایہ ناز پروڈیوسر ہیں رانا شوکت مسعود صاحب وہ مجھے کئی

دفعہ دعوت دے چکے ہیں۔میں یہی ظاہر کروں گی کہ ان ہی کے بلاوے پر آئی ہوں۔نواب صاحب یہ نہیں چاہتے کہ یہ بات کسی کو بھی معلوم ہو کہ میں نے آج شام ان کی پارٹی میں شرکت کی ہے۔

”ویسے ائر پورٹ پر ہی یہاں میڈیا والوں کو میری آمد کی اطلاع مل چکی ہے اور اس وقت میں سب سے چھپ کر یہاں آئی ہوں۔“

میں سب کچھ سمجھ گیا تھا میرے سامنے موجود رشنا دیوی جو بھارتی فلم انڈسٹری کی مایہ ناز رقاصہ تھی۔اتنی معصوم اور انجان نہیں تھی کہ میں اسے اپنی جھوٹی محبت کے جال میں آسانی سے پھانس لوں گا۔اس کا تعلق جس شعبے سے تھا اسے دن رات ایسے ہی لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے لیکن میں نے یہ بات نوٹ کی کہ وہ خود بھی میری ذات میں بہت دلچسپی لے رہی تھی اور اس کی اس دلچسپی کو میں نے قطعی یہ نہیں سمجھا کہ وہ میرے اوپر مر مٹی ہے جہاں تک میرا اندازہ تھا جس طرح کی ہدایات مجھے دی گئی تھیں ویسی ہی ہدایات اسے بھی ملی تھیں اور یہ سارا چکر کس لیے چلایا جا رہا ہے۔اس جانب سے میں اندھیرے میں تھا۔

خیر مختصراً یہ کہ تھوڑی ہی دیر میں ہم ایک دوسرے سے اس طرح گھل مل گئے جیسے برسوں پرانی جان پہچان ہو اور اس نے وہ بات کہہ دی جو میں کہنا چاہتا تھا۔وہ بولی۔

”آج کل آپ زیادہ مصروف تو نہیں ہیں۔“

”نہیں ایسی کوئی خاص مصروفیات تو نہیں ہیں اور ویسے بھی آپ آگئی ہیں تو مجھے اپنی مصروفیات کا شیڈول یکسر تبدیل کرنا پڑے گا۔“

”واقعی۔“ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اس کے موتیوں کی لڑی جیسے جگمگاتے ہوئے دانت نمایاں ہو کر اسے اور بھی حسین بنا گئے۔

”ایسا ہے کہ کل شام تو رانا صاحب کے ہاں میرا ڈنر ہے۔ہاں ڈنر کے بعد میں فارغ ہوں۔تو پھر کیا آپ سے ملاقات ہوسکتی ہے۔“ اس نے مخمور نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”وائے ناٹ‘ لیکن کہاں۔آپ آئیں گی یا میں آجاؤں۔“ میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"کل میں ہوٹل سے نواب صاحب کی کوٹھی میں شفٹ ہو جاؤں گی۔یہ نواب صاحب کا ہی اصرار ہے دو دن کے قیام کے بعد میری واپسی ہے۔پھر وہیں ملاقات ہوتی ہے۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے اپنی کامیابی پر خوشی سے سرشار لہجے میں کہا۔

"اوکے ہینڈ سم۔" اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے سراہتے ہوئے کہا۔
"اب مجھے جانا چاہیے کل رات ملاقات ہوتی ہے میں ذرا نواب صاحب سے مل لوں۔" وہ مجھ سے گرمجوشی سے ہاتھ ملا کر نواب صاحب کی جانب بڑھ گئی۔

پارٹی کے اختتام پر نواب صاحب نے بتایا کہ یہ کوٹھی ان ہی کی ہے اور آج سے مجھے اسی کوٹھی میں ہی رہنا ہے۔میرا کمرہ وہی ہے یہاں میں نے دن میں قیام کیا تھا۔نواب صاحب نے مجھ سے تفصیل سے ایک ایک بات بھی پوچھی تھی جو میرے اور رشنا دیوی کے درمیان ہوئی تھیں۔جب میں نے نواب صاحب سے اپنے اس خیال کا اظہار کیا کہ شاید وہ بھی کسی کی ہدایات کے پیش نظر مجھ سے دوستی بڑھانا چاہ رہی تھی اور کل رات اس کوٹھی میں اس

نے مجھے اپنے بیڈ روم میں ملنے کے لیے بلایا ہے تو نواب صاحب کے لبوں پر بڑی گہری اور معنی خیز مسکراہٹ آگئی اور وہ بولے۔

"میاں ہمارے ساتھ رہو گے تو ایسے ہی عیش کرو گے۔" وہ یہ کہہ کر چلے گئے اور میں نواب صاحب کے بارے میں سوچتا ہی رہ گیا کہ یہ کس طرز کے سجادہ نشین ہیں۔لوگ انہیں اپنا پیر و مرشد مانتے ہیں۔ان کی نگاہیں عقیدت و احترام سے ان کے سامنے جھکی رہتی ہیں اور یہ ہیں کہ...!

دوسرے روز رات کو میری ڈنر پر رشنا دیوی سے ملاقات ہوئی کھانے سے فارغ ہوتے ہی نواب صاحب یہ کہہ کر اٹھ گئے کہ مجھے جلدی سونے کی عادت ہے تم لوگ گپ شپ کرو۔میں اور رشنا دیوی تھوڑی دیر تک تو بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے پھر وہ کھڑی ہو گئی اور مسکراتے ہوئے اپنی آنکھ کے اشارے سے بولی۔

"میں بہت تھک گئی ہوں کیوں نہ بیڈ روم میں چل کر باقی کی باتیں کریں۔"

تو میں بھی اسی کے ساتھ بیڈ روم میں چلا۔

رشا دیوی کے ساتھ گزاری ہوئی وہ رات میری زندگی کی پہلی انوکھی رات تھی۔ وہ میرے لیے کھلا ہوا گلاب کا پھول بن گئی اور میں بھنورا بن کر ساری رات اس کے حسن کو خراج تحسین پیش کرتا رہا۔

صبح کے قریب رخصت ہوتے ہوئے اس نے مجھ سے کہا۔"تم میری زندگی میں آنے والے سب سے مختلف مرد ہو۔تمہارا ہر ہر انداز پاگل کردینے والا تھا۔تم رومانس کرنا بھی جانتے ہو اور کروانا بھی۔"

میں اپنے روم میں آیا تو بہت خوش تھا زندگی کے جس رخ سے مجھے رشا دیوی نے روشناس کرایا تھا۔اس سے میں ابھی تک نا واقف ہی تھا۔میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کبھی کسی کے سامنے اپنے آپ کو اس طرح پیش کردوں گا۔یہ میری زندگی کی پہلی لغزش تھی اور پھر میں برائیوں کے اس گڑھے میں اس طرح سے گرتا چلا گیا کہ نکلنے کا ہوش ہی نہیں رہا۔

لیٹے لیٹے مجھے خیال آیا کہ کل کی پارٹی میں سردار شیر افضل بھی آیا تھا اور مجھے دیکھ کر اسے حیرت کا شدید جھٹکا بھی لگا تھا۔لیکن میں نے اس پر ایک انجان نگاہ ڈالی اور پھر رشا کی جانب متوجہ ہو گیا۔جیسے اسے جانتا ہی نہیں مجھے دیکھنے

کے بعد وہ نواب صاحب کے پاس بھی گیا تھا۔شاید اس نے میرے بارے میں نواب صاحب سے کچھ پوچھا تھا یا نواب صاحب نے اسے خود ہی اپنا بھتیجا کہہ کر تعارف کروایا تھا لیکن وہ مطمئن نہیں تھے۔مجھے اس کے چہرے پر مسلسل الجھن کے آثار دکھائی دیے۔وہ بار بار الجھن آمیز نگاہوں سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔رشا سردار شیر افضل سے بات کرنے کے لیے بڑھی تو میں اپنی کھانے کی پلیٹ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

میں سوچنے لگا کہ اگر اس وقت مجھے نواب صاحب کا ساتھ نہ ملا ہوتا تو اس وقت سردار شیر افضل میرے ساتھ کس طرح سے پیش آتا لیکن اب اس کی جرأت نہیں ہے کہ وہ میرے بارے میں کسی غلط انداز سے سوچ بھی۔

بہر حال سردار شیر افضل سے یوں آمنا سامنا مجھے بہت دلچسپ لگا اور میرے لہو میں پھر انتقام جوش مارنے لگا لیکن میں مطمئن تھا کہ اب میں اپنا مقصد حاصل کر ہی لوں گا اور ان شاء اللہ وہ دن بھی جلد ہی آئے گا جب ایک رات میں بھی اپنے سینے پر کوئی بوجھ لیے بغیر سکون کی نیند سوسکوں گا اور وہ رات میری زندگی کی پہلی رات تھی۔جب میں نے وضو نہیں کیا اور نہ ہی سوتے

وقت کی رات کی دعائیں پڑھیں۔رشا دیوی کے حسین جسم کے لطف و کرم کو محسوس کرتے کرتے میں گہری نیند سو گیا۔

سوتے ہوئے عشاء پھر میرے خواب میں آئی میں ایک جھیل کے کنارے کھڑا تھا۔چاندنی رات تھی اور جھیل کے پانی میں چاند کا عکس جھلملا رہا تھا اچانک ہی عشاء کا چہرہ چاند کے عکس میں نمودار ہوا۔میں نے سوچا کہ عشاء کو میں جھیل کے پانی میں غوطہ لگا کر پکڑ لوں مگر وہ میری دسترس سے بہت دور تھا بلندیوں پر چمک رہا تھا۔جہاں تک میری پرواز نا ممکن تھی۔اس کا حصول بھی احمقانہ تصور تھا۔

"تم مجھے چھونا چاہتے ہو' پکڑنا چاہتے ہو۔احمق ہو' تم میرے نزدیک بھی نہیں آسکتے نفرت ہے مجھے تم جیسے انسان سے۔" اس نے زہر خند لہجے میں کہا اور چاند کے حلقے میں جگمگاتا ہوا اس کا عکس ہولے ہولے ماند پڑنے لگا۔میرا جسم پسینے میں ڈوب گیا اور دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔زبان خشک ہوگئی میں نے اس کا نام پکارنا چاہا۔لیکن میری آواز جیسے بند ہوگئی مجھے ایسا لگا جیسے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کوئی میرا گلا زور سے دبا رہا ہے۔میری سانس رکنے لگی دم گھٹنے لگا اور میں اپنے گلے پر دونوں ہاتھوں کو رکھے ایک ہلکی سی چیخ مار کر اٹھ بیٹھا۔

میری حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔سارا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔حالانکہ کمرے میں اے سی کی خوش گوار ٹھنڈک پھیلی ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر میں' میں نے اپنے اوپر قابو پا لیا۔میں سوچنے لگا کہ عشاء بار بار مجھے خواب میں کیوں دکھائی دیتی ہے۔کیا لا شعوری طور پر میں اس کی محبت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔لیکن وہ مجھے اچھا انسان نہیں سمجھتی۔وہ کبھی بھی مجھ سے محبت نہیں کرسکتی۔میں نے بھی تو اسے صرف ایک بار ہی دیکھا ہے کیا صرف ایک بار دیکھ لینے سے کسی سے محبت ہو سکتی ہے۔

میرے دل نے کہا "ہاں" لیکن دماغ نے سرزنش کی اور مجھے ڈانٹ دیا اور دل سے کہا کہ میں عشاء کے بارے میں آئندہ کبھی کچھ نہ سوچوں۔دل نے کہا میں کیا کرتا میں کیا سوچتا ہوں۔لیکن رات کے اندھیرے میں تمام دنیا والوں کی نگاہوں سے چھپ کر وہ خود ہی میرے خوابوں میں چلی آتی ہے۔

میں دل و دماغ کی اس جنگ میں مبتلا تھا کہ آہستگی سے میرے روم کا دروازہ کھلا اور ملازم نے اندر جھانکا۔

"کون ہے؟ آجاؤ۔" میں نے کہا تو وہ اندر آگیا اور بولا۔

"آپ کو حضور نواب صاحب نے یاد فرمایا ہے۔اگر آپ بیدار ہوگئے ہوں تو تیار ہو کر آجائیں۔وہ ناشتے پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" میں نے اچھا کہہ کر اسے لوٹا دیا اور گھڑی میں ٹائم دیکھا۔مجھے سوتے ہوئے تین چار گھنٹے ہی ہوئے تھے۔نیند پوری نہیں ہوئی تھی اس لیے سر بہت زیادہ بھاری ہو رہا تھا۔لیکن نواب صاحب نے بلایا تھا تو مجھے جانا ہی تھا۔اس لیے میں شاور لینے کے لیے اٹھ گیا۔

ناشتے کی میز پر نواب صاحب کے ساتھ رشا دیوی بھی موجود تھی۔میں نے ادب سے نواب صاحب کو سلام کیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔رشا دیوی مجھے دیکھ کر کھل کر مسکرائی۔رات کا خمار ابھی تک اس کی آنکھوں سے چھلک رہا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"ہاں بھئی رشا رات نیند تو ٹھیک طرح سے آئی دراصل نئی جگہ پر نیند کم ہی آتی ہے۔" نواب صاحب نے میری جانب دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں نواب صاحب مجھے تو رات بہت ہی اچھی نیند آئی بڑے مزے سے سوتی رہی۔" رشا نے میری جانب دیکھ کر اپنی بائیں آنکھ کو ذرا سا میچ کر کہا۔

"چلو اچھی بات ہے پھر تو تم خاصی فریش ہوگی اب تمہارا کیا پروگرام ہے۔" نواب صاحب نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ہوں یہ بات تو ہے۔" رشا نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے جھٹ سلائس کا پیس اٹھا کر منہ میں رکھ لیا پھر بولی۔"آج شام صحافی برادری کے سامنے حاضری ہے۔ایک چھوٹی سی پریس کانفرنس ہے سب باری باری مجھ سے ملناچاہ رہے تھے۔اس لیے میں نے ایک بار ہی ٹائم دے دیا سب پاکستان کے دورے کے بارے میں جاننا چاہ رہے تھے۔"

"میں ایک بات صاف طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس مرتبہ تو تمہاری آمد کے بارے میں میڈیا والوں کو پتا چل گیا لیکن آئندہ جب تم آؤ تو یہ چاہوں گا

کہ تمہاری آمد کی اطلاع کسی اور کو نہ ہو' تم میڈیا کو بھی یہ نہیں بتاؤ گی کہ تم میرے گھر ٹھہری ہو۔" نواب صاحب نے خاصی سنجیدگی سے کہا۔

"آپ بالکل بے فکر رہیں نواب صاحب! آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" رشا نے سنبھل کر کہا۔

"لیکن ایسا ہونا کیسے ممکن ہے آپ کوئی عام شخصیت نہیں کہ ائر پورٹ پر کوئی آپ کو پہچان نہ سکے۔" میں نے کہا تو نواب صاحب نے مجھے گھور کر دیکھا شاید انہیں اپنی اور رشا کی گفتگو کے درمیان میرا بولنا پسند نہیں آیا۔

"آج کل کے دور میں ہر بات ممکن ہے شمروز اور میں یہ کر کے دکھاؤں گی۔پاکستان اور بھارت آنے جانے کے لیے قانونی طور پر بارڈر کراس کرنا ضروری تو نہیں۔" رشا نے نواب صاحب کی جانب نہیں دیکھا ورنہ وہ میری بات کا جواب نہیں دیتی۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ غیر قانونی طور پر...!"

"شمروز تمہارا ناشتا مکمل ہو گیا تو اپنے روم میں جاؤ' ابھی تمہارے پاس آغا کی ضروری کال آنے والی ہے۔" نواب صاحب نے میری بات درمیان سے کاٹ

کر تیز لہجے میں کہا تو میں "بہتر نواب صاحب" کہہ کر اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا۔

میرے بعد ان دونوں میں کیا باتیں ہوئیں وہ میں نہیں جان سکا۔البتہ اس بات کا اچھی طرح سے احساس ہو گیا کہ نواب صاحب نے جان بوجھ کر مجھے اپنے درمیان سے اٹھایا ہے۔

لیکن تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی مجھے اپنے روم میں آئے ہوئے کہ آغا قزلباش کا فون آگیا۔میں نے فون ریسیو کیا تو اس نے نہایت خوش دلی سے مجھے ہیلو کہا پھر خیریت دریافت کرنے کے بعد کہا۔

"بھئی نواب صاحب کے پاس جا کر تو تمہاری پانچوں انگلیاں گھی میں ہو گئیں۔" میں بھلا اس کی بات کا کیا جواب دیتا۔جھینپ کر رہ گیا۔گویا یہ بات آغا کے علم میں بھی آگئی کہ میں نے رات رشا کے ساتھ گزاری ہے۔میری جانب سے کوئی جواب نہ پا کر وہ بولا۔"تمہیں میرا مذاق برا تو نہیں لگا۔" تو میں نے جلدی سے کہا۔

"نہیں باس ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

”بھئی تمہارے باس تو نواب صاحب ہیں۔میں نہیں رہا۔اور ہاں تم لکی ہو کہ نواب صاحب کی قربت بنا مانگے ہی تمہیں مل رہی ہے۔ورنہ تو لوگوں کو صرف ایک ملاقات کرنے کے لیے مہینوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔“

”ذرہ نوازی ہے ان کی ورنہ میں کس قابل ہوں۔“ میں نے اپنے لہجے میں انکساری پیدا کرتے ہوئے کہا۔

”تم کس قابل ہو‘ نواب صاحب نے اس بات کو تو جان کر تمہیں منتخب کیا ہے اب تمہارے لیے میرا مخلصانہ مشورہ یہی ہے کہ تم ان کی دل سے تابعداری کرو۔اپنی آنکھیں اور کان کھلی رکھنا لیکن زبان بند رہے۔ان کے ساتھ وفا کرو گے تو بہت اوپر تک جاؤ گے اور تمہارے وہ دشمن جن کے آگے تم نے اپنے آپ کو پستی میں بے بس محسوس کیا تھا اب وہ تمہیں پستی میں دکھائی دیں گے۔تمہیں پہچان جانے کے باوجود وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ پائیں گے۔بلکہ ایک بہت اہم بات بتا دوں اس ملک کا وزیر اعظم بھی ان کے آگے چوں بھی نہیں کرسکتا۔ان کے مریدان کی تعداد لاکھوں میں ہے۔“

جتنی دیر آغا بولتا رہا میں خاموشی سے اس کی بات سنتا رہا۔میری خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے آغا نے پوچھا۔”کیا بات ہے تم خاموش ہو‘ تم سن رہے ہو ناں میں کیا کہہ رہا ہوں۔“

”جی ہاں میں پوری توجہ سے آپ کی بات سن رہا ہوں با...!“ میں باس کہتے کہتے رک گیا تو آغا قہقہہ مار کر ہنس پڑا اور بولا۔

”بھئی نواب صاحب نے تمہیں منتخب کر کے مجھے اور تمہیں ایک ساتھ کھڑا کردیا ہے۔اب ہم ساتھی ہیں۔“

”یہ اعزاز دینے کا شکریہ۔“ میں نے کہا۔

”اب تم فارمل ہو رہے ہو۔اینی وے‘ اپنا خیال رکھنا ہم پھر ملیں گے گڈ لک اینڈ گڈ بائے۔“

آغا نے فون بند کردیا تو میں سوچنے لگا کہ آخر میرے اندر نواب صاحب کو ایسی کیا خوبی نظر آئی کہ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کرلیا اور میں ایک ہی جست میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔کہاں میں آغا قزلباش کا ایک معمولی سا کارندہ تھا اور آج...!

ابھی میں انہی سوچوں میں گم بیٹھا تھا کہ میرے کمرے کا دروازہ ہلکا سا ناک ہوا۔ ”یس“ میں نے کہا تو رشا دیوی مسکراتی ہوئی اندر آگئی۔ حسبِ معمول اس نے مہین ساڑھی زیب تن کی ہوئی تھی۔

”یہ تنہائی میں بیٹھ کر کسے یاد کیا جا رہا تھا۔“ اس نے بیڈ پر خود کو گراتے ہوئے کہا۔ پھر کہنی کا سہارا لے کر ذرا سا اٹھ گئی۔ ٹانگیں اس نے بیڈ سے لٹا رکھی تھیں۔

”تمہارے ہوتے ہوئے کسی اور کی مجال ہے کہ میری یادوں یا سوچوں میں آئے۔“ میں نے اس کے قریب بیٹھ کر اس کے ریشمی گالوں کو سہلاتے ہوئے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولی۔

”ایسی بات ہے۔“

”چاہو تو آزمالو۔“ میں نے اس کے نرم و گداز ہونٹوں کو نرمی سے چھوتے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”یہ ہماری زندگی بھی عجیب چیز ہے اور شخصیت اس سے بھی زیادہ عجیب کتنی مشکل زندگی ہے کہ ہم کھلے عام دوسرے لوگوں کی طرح آزادی سے پارکوں اور شاپنگ سینٹروں میں گھوم پھر نہیں سکتے۔ پتا ہے میرا بڑا دل چاہتا ہے کہ میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح ہر جگہ آزادی سے گھوموں پھروں۔ لائف کو انجوائے کروں۔ میرے لیے تو آزادی کا مفہوم ہی بدل جاتا ہے۔“ اس نے بیڈ سے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔“ میں بھی بیڈ سے اٹھ کر اس کے نزدیک جا کھڑا ہوا۔

”میرے اور تمہارے درمیان بڑا فرق ہے۔ جب کہ کام کے لیے...!“ اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”میں سمجھا نہیں۔“ میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔

”چلو چھوڑو‘ اس بات کو رہنے دو‘ ایک بات بتاؤ شمروز۔“ اس نے کہا۔

”ضرور‘ پوچھو۔“ میں نے کہا۔

”تم شادی شدہ ہو؟“

”نہیں۔“

”تو کب کرو گے شادی' یا پھر یوں ہی چلے گا۔“ ”ابھی تو ارادہ نہیں آگے کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔“ میں نے بے تکلف لہجے میں کہا۔

”کسی کا خیال ہے ذہن میں؟“

”ہوں!“ میرے تصور کے پردے پر پہلے مشی اور پھر عشا کا ہیولہ لہرایا۔

”لیکن میں خود کو دیکھ کر چلنے کا عادی ہوں“

”یہ تو اچھی بات ہے لیکن ذہن کا بھی ایک معیار ہوتاہے۔“ اس نے کہا۔

”بلندیوں کو دور سے دیکھتا ہوں اور خود کو وہاں تک پہنچنے کے لیے نا اہل سمجھتا ہوں۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے معنیٰ خیز لہجے میں کہا۔

”تو پھر جدوجہد کرو' جدوجہد کرنے کا ارادہ ہے۔“ اس نے مسکرا کر معنیٰ خیز لہجے میں کہا۔

”ہے' لیکن آفاقی جدوجہد کا نہیں۔“

”مطلب۔“

”میں ہمیشہ حالات کی سیڑھیاں گن لیتا ہوں۔تاکہ گرنے کا اندیشہ نہ رہے۔“

”بہت محتاط ہو۔“ وہ پھر مسکرائی۔

”ہوں! کیونکہ میں زندہ رہتا ہوں۔“ میں نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

”اچھا اپنی مرکز نگاہ کے بارے میں تو بتادو۔“ اس نے اٹھلا کر پوچھا۔

”خیالی نقطوں سے آگے نہیں بڑھا۔“ میں نے کہا۔

میرا جواب سن کر رشا کے چہرے پر عجیب تاثرات پھیل گئے۔اس کے بعد وہ کسی قدر خاموش ہوگئی اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد ایک گہری سانس لے کر میری جانب دیکھنے لگی۔

”کیا ہوا تمہیں میرا جواب پسند نہیں آیا۔شاید تمہیں برا لگا ہے۔“ میں نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

”نہیں۔“ وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی اور بولی۔”چھوڑو ان باتوں کو اب ہمیں کام کی بات کرلینی چاہیے۔“

”فرمائیے بندہ ہمہ تن گوش ہے۔“ میں نے سینے پر دونوں ہاتھ باندھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"ہماری دوستی کی ابتدا تو ہوچکی ہے لیکن ہمیں اپنی اس دوستی کو مزید آگے بڑھانا ہے اور آئندہ ملتے جلتے رہنا ہے۔اس مرتبہ تو میں آئی ہوں' اب تم آؤ گے لیکن یاد رہے کہ تم پاسپورٹ کے ساتھ پلین سے نہیں آؤ گے۔بلکہ غیر قانونی طور پر اسی راستے سے انڈیا آؤ گے جہاں سے میں تمہیں بتاؤں گی اور میں تمہیں ایک سم دوں گی۔جسے تم اپنے الگ فون میں لگاؤ گے۔اس کے ذریعے تم یہاں پاکستان میں میرے رابطے میں رہو گے۔" اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

میں رشا کی بات سن کر بری طرح چونک پڑا اور کہا۔"میں سمجھا نہیں کہ تم کہنا کیا چاہ رہی ہو۔"

"سب کچھ سمجھ میں آجائے گا۔اب تم ایسے چکر میں پھنس چکے ہو جس سے باہر نکلنا تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔سوائے موت کے باہر نکلنے کا کوئی اور راستا نہیں ہے۔غضنفر ایک ایسا عفریت ہے جس کے پنجوں سے بچ نکلنا نا ممکن ہے۔" اس نے بدستور گہری سنجیدگی سے کہا۔

اس کی باتیں سن کر مجھے زور کا چکر آگیا اور میری سمجھ میں نہیں آیا کہ غضنفر کا ذکر یہاں کہاں سے آگیا۔آخر یہ غضنفر ہے کون۔میں نے ابھی تک صرف اس کا نام ہی سنا ہے۔مگر اس کی شکل سے واقف نہیں ہوں۔میں نے جب رشا سے غضنفر کے بارے میں سنا تو اس کے لبوں پر ایک گہری مسکراہٹ آگئی اور وہ مجھے ان نگاہوں سے دیکھنے لگی جن میں میرے لیے بہت رحم تھا...!

رشا میری جانب ترحم نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔میں اس کے اس طرح دیکھنے سے الجھ سا گیااور پوچھا۔

"مجھے بتاؤ تو سہی کہ آخر یہ غضنفر کون ہے' میں نے بار بار اس کانام سنا ہے لیکن آج تک اس کا دیدار نصیب نہیں ہوا۔"

اس کے حسین لبوں پرایک گہری مسکراہٹ دوڑ گئی۔مسکراتے ہوئے اس کے گالوں پر پڑنے والے ڈمپل اس کے حسن میں مزید اضافہ کررہے تھے' لمحہ بھر کومیں اس کے حسن میں کھوسا گیا اور اسے یک ٹک دیکھنے لگا۔

"اے... کہاں کھوگئے!" اس نے اس بات کو محسوس کرکے کہ میں اس کے حسن کے آگے مبہوت ہوگیا ہوں' میرے آگے چٹکی بجا کر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"آں...ہاں! کہیں نہیں۔" میں نے ہڑبڑا کر کہااور جھینپ کر ہنس دیا۔"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" میں نے کہا۔

"سوال کرکے تم نہ جانے کہاں کھوگئے تھے تو میں کیا جواب دیتی۔" اس نے شوخ لہجے میں کہا۔

"جب تم جیسا مکمل حسن کا شاہکار سامنے ہو تو پھر کسی اور بات کا ہوش ہی کہاں رہنا ہے۔" میں نے بھی شوخ لہجے میں کہا' لیکن وہ فوراً ہی سنجیدہ ہوگئی اور بولی۔

"یہ باتیں اپنے وقت پر اچھی لگتی ہیں کام کے وقت کام ہی مناسب ہوتا ہے۔"

"اچھی طرح سے جانتا ہوں۔" میں نے بھی سنجیدہ لہجے میں کہا۔"ہاں تو میرے سوال کا جواب...؟"

"غضنفر کون ہے اور درپردہ وہ تم سے کس طرح سے کام لے رہا ہے۔یہ تمہیں وقت آنے پر خود ہی معلوم ہوجائے گا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو ظاہر کردے۔فی الحال میں تمہیں کوئی بھی بات بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

"لیکن رشا اس طرح تو میں ذہنی الجھن کاشکار رہوں گا اور ہر دوسرے شخص پر شک کروں گا کہ کہیں یہ تو غضنفر نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"تم اس بارے میں سوچو ہی مت' نہ سوچوگے اور نہ ہی الجھن ہوگی۔" اس نے کہا پھر بولی۔

"اچھا اب مجھے جانا ہوگا۔تم یہ سم لے لو اور اسے ایک دوسرے موبائل فون پر لگا لو' یہ موبائل فون تمہیں ہر وقت اپنے پاس رکھنا ہوگا' یہ بھی یاد رہے کہ فون ہمیشہ آن رہے اور اس پر صرف میری ہی کال آئے گی اور تم اسی نمبر سے مجھے کال کروگے' صرف کام کی بات...! سمجھ گئے یااور..."

"بس!" میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔"میرے لیے صرف ایک دفعہ کی بات کافی ہوتی ہے۔"

"ویری گڈ۔" اس نے پرمسرت لہجے میں کہا۔

اور پھر اس نے پرس سے نکال کر مجھے سم دی جسے میں نے سنبھال کر رکھ لیا۔ تو وہ بولی۔"موبائل تمہیں نواب صاحب دے دیں گے۔"

اور پھر وہ چلی گئی، اس کے کمرے سے جاتے ہی مجھے ایسا لگا جیسے ایک دم بہت سی روشنی کم ہوگئی ہو ،میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔اس کے ساتھ گزاری ہوئی وہ رنگین رات مجھے ساری عمر یاد رہنے والی تھی۔

میں دانستہ اس کے پیچھے باہر نہیں گیا کہ ہوسکتا ہے کہ نواب صاحب کو اس سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہوں۔اگر میں چلا گیا تو وہ انہیں اچھا نہیں لگے گا۔"

میرے پاس فی الحال کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔اس لیے لیٹ کر ٹی وی دیکھنے لگا۔ایک انڈین مووی آرہی تھی میں وہ دیکھنے لگا۔

آدھا گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ میرا بلاوا نواب صاحب کی جانب سے آگیا تو میں ٹی وی آف کرکے باہر آگیا۔ملازم نے کہا کہ نواب صاحب اپنے روم میں آپ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کو یاد فرما رہے ہیں، نواب صاحب کا کمرہ کون سا ہے یہ مجھے معلوم نہیں تھا وہاں تک رسائی میں نے ملازم کے ذریعے کی۔

نواب صاحب کے روم میں قدم رکھتے ہی میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔وہ کمرہ کسی شہنشاہ کی خواب گاہ معلوم ہو رہا تھا۔ایسی خواب گاہ کم از کم میں نے آج تک نہیں دیکھی تھی۔

نواب صاحب کا بیڈ اتنا نرم وملائم تھا کہ وہ اس میں دھنسے ہوئے تھے۔

ریشمی جھالروں والے قیمتی اور نفیس پردے، قیمتی آبنوسی لکڑی کا فرنیچر، اعلیٰ معیار کے ڈیکوریشن پیس اور قیمتی سینریاں دیواروں پر آویزاں تھیں۔ایک قد آور پوسٹر ایک برہنہ حسینہ کا تھا۔

میں نے کمرے میں قدم رکھا تو ایسا لگا جیسے میرے پیر زمین میں دھنس گئے ہوں۔میں نے بے ساختہ گھبرا کر نیچے نگاہ کی تو میرے پیروں تلے نفیس قیمتی دبیز قالین تھا۔

سب سے عجیب بات جو مجھے لگی وہ یہ تھی کہ دو حسین اور جوان لڑکیاں نواب صاحب کے اس کمرے میں موجود تھیں جو ناکافی لباس میں تھیں ایک اس

کی پنڈلیوں کو سہلا رہی تھی۔دوسری سرہانے بیٹھی ملائمت سے ان کے مختصر سے بال جو سر پر موجود تھے ان میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔

”آؤ شمروز رک کیوں گئے...“ نواب صاحب نے مجھے دیکھ کر کہنیوں کے بل اٹھتے ہوئے کہا تو میں سحرزدہ سا اندر داخل ہو گیا۔

”بیٹھو!“ انہوں نے آبنوسی کرسی جو بیڈ سے نزدیک تھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو میں بیٹھ گیا۔

”آپ نے یاد فرمایا تھا نواب صاحب!“

”ہاں!“ انہوں نے مجھے جواب دیا' پھر لڑکیوں کو ہاتھ کے اشارے سے باہر جانے کے لیے کہا۔وہ فوراً ہی بیڈ سے اتر کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔میں نے نوٹ کیا کہ دونوں نے نہایت قیمتی سلک کا مختصر سا لباس پہنا ہوا تھا۔

”یہ میری خادمائیں ہیں۔منع بھی کروں لیکن میری خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتی ہیں۔“ نواب صاحب نے کہا تو میں محض سرہلا کر رہ گیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

نواب صاحب کا یہ روپ میں پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا'کبھی سنا تھا کہ نواب لوگ بہت عیاش ہوتے ہیں' لیکن ان کے بارے میں تو مجھے یہ معلوم ہواتھا کہ یہ اپنے دادا کے سجادہ نشین ہیں' لوگوں کو ان سے بڑی عقیدت ہے' وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے تمام مسائل کا حل ان ہی کے پاس ہے' کوئی ذرا آ کر ان کے ایسے عشرت کدوں کا حال دیکھے 'نواب صاحب کی شخصیت اب میرے سامنے کھلتی جارہی تھی۔

”تمہیں رشا نے کوئی سم دی ہے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”جی ہاں!“ میں نے مختصر سا جواب دیا۔

”یہ سامنے ٹیبل پر ایک موبائل پڑا ہے تم اسے اٹھالو اور وہ سم اس میں لگالینا' میری جانب سے تمہیں اجازت ہے کہ تمہارا جب جی چاہے تم اپنی اس نئی دوست سے ملنے کے لیے جاسکتے ہو' اس سے ملاقات کرسکتے ہو' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ خود بھی تمہیں بلانا چاہے 'تم فوراً چلے جانا۔“

”بہت بہتر نواب صاحب۔“ میں نے سعادت مندی سے جواب دیا۔

"ہمیں تم بہت ہی پسند آئے ہو' اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ تم ہمارے خاص آدمیوں میں شامل ہوجاؤ۔ ویسے تو زیادہ تر ہم تمہیں اپنے ساتھ ہی رکھنا پسند کریں گے' دراصل ہمیں ہائی بلڈ پریشر کی شکایت رہتی ہے' تم ڈاکٹر بھی ہو' ہمارا خیال رکھو گے' ویسے تو ہمارا ذاتی ڈاکٹر بھی موجود رہتا ہے' لیکن تمہاری بات اور ہے۔" نواب صاحب نے کہا۔

"آپ کی ذرہ نوازی ہے۔" میں نے نیاز مندی سے کہا اور موبائل فون میز سے اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔

"ایک بات بتاؤ شمروز کیا مجھ سے ملنے سے پہلے تم میرے نام اور ذات سے واقف تھے؟" نواب صاحب نے پوری طرح اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا' پھر نرم وملائم تکیے کا سہارا لے کر اسے اپنی کہنی کے نیچے رکھ کر نیم دراز ہوگئے۔

"معاف کیجیے گا' میں آپ کے نام سے واقف نہیں تھا۔" میں نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"حیرت ہے کیا تم اخبار نہیں پڑھتے اور ٹی وی نہیں دیکھتے' ہم سے تو ایک دنیا واقف ہے۔ نواب سطوت الاسلام... ہم نے ایک سیاسی پارٹی بھی جوائن کی تھی' پھر اسے چھوڑ دیا کچھ مزا نہیں آیا۔"

"دراصل نواب صاحب مجھے سیاست سے قطعی دلچسپی نہیں ہے' رہی بات اخبار پڑھنے اور ٹی وی دیکھنے کی' تو میری مصروفیات کچھ اس قسم کی تھیں کہ مجھے ٹائم ہی نہیں ملتا تھا' بس کبھی کبھار کوئی اخبار ہاتھ لگ گیا تو پڑھ لیا' یہی حال ٹی وی کا بھی ہے' کبھی فرصت ملی تو انٹرٹیمنٹ کا کوئی پروگرام دیکھ لیا۔ میں نے اپنی ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی' میرے بابا کی شدید خواہش تھی کہ میں ڈاکٹر بنوں اسی لیے اپنی ساری توجہ صرف اور صرف پڑھائی پر لگادی' پھر ہاسپٹل جوائن کرلیا' وہاں شفٹوں میں ڈیوٹی ہوتی تھی' بس یہی مصروفیات تھیں میری' ہوسکتا ہے جن دنوں اخبارات میں آپ کا چرچا ہو رہا ہو' میری نگاہ سے ان دنوں اخبار ہی نہ گزرے ہوں اور اب تو سیاسی لیڈروں سے مجھے شدید نفرت ہے' میں ان ہی کی سفاکی کا شکار ہوا ہوں۔ شریف بن کر زندگی گزارنی چاہی تو زمانے نے مجھے ہڑپ کرنا چاہا' اس لیے شرافت چھوڑ دی' میں سمجھ

گیا ہوں کہ اس ملک میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا نظام رائج ہے۔اس لیے میں نے آپ کی لاٹھی اپنے ہاتھوں میں لے لی۔“ میں مسلسل بولتا رہا پھرایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو‘ شرافت میں کچھ نہیں رکھا‘ لیکن اگر شریف ہونے کے ساتھ ساتھ آپ دولت مند بھی ہوں تو سب آپ کے آگے پیچھے پھرتے ہیں۔اب تمہارے پاس طاقت تو ہمارے ذریعے آہی گئی ہے دولت بھی ہم تمہیں بے تحاشا دیں گے‘ اس کے علاوہ حسن وشباب بھی تمہارے قدموں میں ہو گا‘ بس ہم جو کام تمہارے سپرد کریں‘ اسے اپنی پوری ایمانداری سے انجام دو‘ لیکن اس کے بارے میں اپنے دماغ میں کسی سوال کومت آنے دو‘ یاد رکھو بعض دفعہ آگہی انسان کو بہت سی الجھنوں میں گرفتار کردیتی ہے‘ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے کے لیے بہت بے چین ہو‘ ابھی ہمارا تو کوئی کام نہیں ہے اس لیے تمہاری چھٹی ہے‘ تم اگر یہ کام کرنا چاہتے ہو تو کرلو... اس کے بارے میں معلومات ہم تمہیں دیں گے‘ پھر جس طرح تم

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کرنا چاہو کوئی مدد ہم سے چاہیے تو وہ بھی دے دی جائے گی۔“ نواب صاحب نے بڑے اطمینان سے کہا۔

”آپ مجھے صرف ان دونوں کے بارے میں معلومات مہیا کردیں‘ بدلہ لینے کا پلان میرا خود کا ہوگا۔“ میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔

”ہم یہی چاہتے ہیں کہ تم اپنا پلان خود بناؤ‘ کام تو تم اپنا کروگے‘ لیکن اس میں ہماری خوشی بھی شامل ہے‘ابھی ہم نے تمہیں بتایا تھا کہ ہم نے ایک سیاسی جماعت سے وابستگی حاصل کی تھی‘ پھر علیحدگی

اختیار کرلی‘ علیحدگی اختیار کرنے کی وجہ سردار شیر افضل ہی تھا‘ شیر زادہ خٹک اس کا چچازاد ہے‘ دونوں شادی شدہ ہیں لیکن اولاد صرف شیرافضل کی ہے وہ بھی ایک بیٹی ہے‘ جو ان ہے لیکن اس کے بارے میں سنا ہے کہ ذہنی مریض ہے‘ یہ بھی سنا ہے کہ وہ جنات کے زیر اثر ہے‘ اوراس کی بیوی بہت سے مولوی ملاؤں پیروں فقیروں اور مزاروں پر اپنی بیٹی کا علاج کرواتی رہی ہے‘ لیکن اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا ہے‘ شیر افضل بھی اپنی اکلوتی بیٹی سے بہت محبت کرتا ہے اوراس کے لیے پریشان بھی ہے۔“

نواب صاحب خاموش ہوئے تو میرا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا‘ جتنی دیر میں سوچتا رہا تھا نواب صاحب خاموش رہے شاید وہ جانتے تھے کہ میرے ذہن نے کام شروع کردیا ہے اور پھر میں ایک بہت مربوط پلان بنانے میں کامیاب بھی ہوگیا۔میں نے سراٹھایا تو نواب صاحب مسکرانے لگے اور بولے۔

”پلان بن گیا؟“

”جی نواب صاحب!“ میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔

”ہم تم سے تمہارا پلان نہیں پوچھیں گے لیکن صرف اتنا پوچھیں گے کہ اگر تمہارے پلان کو کامیاب بنانے میں ہم تمہاری کوئی مدد کرسکیں تو ضرور بتاؤ۔“

”جی نواب صاحب! ابھی آپ نے بتایا تھا کہ آپ کی بہت سی خادمائیں ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی تیز طرار اور ذرا بڑی عمر کی عورت جو قابل اعتبار بھی ہو تو مجھے دے دی جائے۔“ میں نے کہا۔

”بالکل مل جائے گی‘ رہی بات قابل اعتبار کی تو یہ لوگ صرف دیکھ اور سن تو سکتی ہیں لیکن ان کے منہ میں زبان نہیں ہے‘ میرا مطلب ہے کہ زبان

ہونے کے باوجود یہ کچھ بھی نہیں بولیں گی۔اس کے علاوہ کچھ اور...“ نواب صاحب نے کہا۔

”کچھ جدید اسلحہ‘ ایسا کہ جس کو آسانی سے چھپایا جاسکے۔“ میں نے کہا۔

”مل جائے گا۔“ نواب صاحب نے اطمینان سے کہا۔

میں دل میں بہت خوش تھا۔شیر افضل سے انتقام لینے کے بعد میں پرسکون ہوسکتا تھا‘ میں نے نواب صاحب سے پوچھا۔

”اگر آپ کو میری بات بری لگے تو پیشگی معذرت چاہتا ہوں یہ بتائیے کہ جہاں انسان کے بہت سے دوست ہوتے ہیں وہاں دشمن بھی ہوتے ہیں۔آپ کے بھی ہوں گے یا پھر سارے ہی لوگ آپ کے معتقد ہیں یا کچھ لوگ آپ کو برا بھی سمجھتے ہوں گے‘ کیا ایسا ہے؟“

”ہاں بھئی ظاہر سی بات ہے کہ جہاں میرے اچھے دوست ہیں‘وہاں دشمن بھی ہیں‘ حاسد بھی ہیں اور وہی لوگ میرے بارے میں مختلف باتیں پھیلاتے رہتے ہیں لیکن میں ان بے ہودہ باتوں کی قطعی پروا نہیں کرتا جس کا جو دل چاہے میرے بارے میں کہتا رہے لیکن میں جیسا ہوں‘ ویسا ہی ہوں اور میرا

اپنا زندگی گزارنے کا طریقہ ہے' اب تم اپنے آپ کو لے لو' جیسا کہ تم نے ابھی دیکھا کہ دو لڑکیاں میری خدمت کررہی تھیں۔اب تم باہر جاکر لوگوں سے یہ کہنا شروع کردو کہ نواب صاحب ایک عیاش انسان ہیں' اس کے بنگلے میں صرف جوان اور حسین لڑکیاں ملازم ہیں تو میں کیا کروں۔میری تو یہ خادمائیں ہیں' اپنی خوشی سے میری خدمت کرتی ہیں اورویسے بھی'میں کوئی فرشتہ تو نہیں ہوں ایک انسان ہی ہوں اور وہ بھی مرد...! اور مرد کی بھی ضرورت ہوتی ہے' ایسی ضرورت جسے صرف عورت ہی پوری کر سکتی ہے۔"

نواب صاحب بول ہی رہے تھے کہ ان کے بلیک بیری پر کوئی ای میل آگئی۔ تووہ خاموش ہو کراسے پڑھنے لگے پھر جواب ٹائپ کرنے میں مصروف ہوگئے اور میں خاموشی سے بیٹھا ان کی صورت کو تکتے ہوئے سوچ رہاتھا کہ یہ شخص کیسا ہے' مجھے حیرت بھی ہو رہی تھی کہ یہ نامی گرامی شخص اپنے بارے میں کسی کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دیتا' اپنے آپ کو ہر طرح کا عمل کرنے میں حق بجانب سمجھتا ہے۔اس میں ایسا بے ہودہ اور نامعقول رویہ اپنانے کاحوصلہ بھی ہے یہ ایسی خصلت ہے جو صرف غیر معمولی انسانوں میں

ہی پائی جاتی ہے۔یہ دل کی بات دل میں رکھنے کا بھی قائل نہیں ہے' اپنے بارے میں کتنی سچائی سے مجھے بتادیا' نوابی شان اور ایک لیڈر ہونے کی صفات اس کی گھٹی میں پڑی ہیں' اس نے روایت کی انگلی نہیں پکڑ رکھی' وہ روایت جو اس کے آباؤاجداد کی تھی'وہ پیر تھے یہ تو اپنے لیے خود نئی راہیں نکالتا ہے' یہ اپنے فیصلے خود کرتا ہے کہ اس کو کس سمت اور کس راستے پر چلنا ہے لوگوں کا اس کی حرکتوں کے بارے میں کیا خیال ہے اس بات کو اس نے اپنے لیے کبھی بوجھ بننے نہیں دیا' اس نے لوگوں کو مجبور کردیا ہے کہ وہ جیسا ہے اسے ویسا ہی قبول کیا جائے۔اس کی کار گزاریوں کی تہہ میں اعتماد کار فرما ہوتا ہے اوراس اعتماد کی بدولت اس نے بہت سے مخالفین سے بھی منوالیا ہے کہ وہ جو کچھ بھی کررہا ہے ٹھیک کررہا ہے اور ایسا کرنا اس کا حق ہے۔اس پر جو بھی کیچڑ اچھالے گا وہ پھسل کر منہ کے بل گر جائے گا۔

جیسا کہ اس نے ابھی بتایا تھا سیاسی پارٹی جوائن کرکے چھوڑ دی اور اس کی وجہ شیرافضل تھا' اس پراعتراض کرنے کے بعد جب اس نے سیاسی پارٹی سے

علیحدگی اختیار کرلی' تب بھی شیر افضل اس کے پاس آیا اوراس کے سارے رعب ودبدبے کے ساتھ اس کی ذات کو قبول کیا۔

نواب کی سیاسی ناچاقی کی وجہ بھی میری سمجھ میں آگئی' میں سمجھ گیا کہ نواب ان لوگوں میں سے ہے جن کو اپنی عزت وآبرو عزیز ہوتی ہے۔جب اس پر باتیں بنیں تو اس نے مصالحت سے انکار کردیا۔اس کو سیاست میں اعلیٰ عہدوں کی بھی پیش کش ہوئی لیکن نواب اس قسم کے معمولی عہدوں کا طلب گار نہیں تھا۔اقتدار سے اقتدار کی خاطر چمٹے رہنا اس کے مسلک میں شامل نہیں تھا' بلکہ اسے ضرورت تھی ہی نہیں۔

میں سوچوں میں گم تھا' میری سوچوں کامحور نواب کی پرکشش اور شاندار شخصیت تھی' تب ہی نواب صاحب کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

”سوری شمروز'ایک ضروری میل آگئی تھی' اس کا جواب ابھی فوراً دینا بھی ضروری تھا۔“

”کوئی بات نہیں نواب صاحب ' کام کو اپنے وقت پر ہی کرنا چاہیے۔“ میں نے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”تمہاری سوچ ہمیں پسند آئی' خیر چھوڑو ان باتوں کو اب کیاارادہ ہے؟“ نواب صاحب نے کہا۔

”میں آج ہی سے اپنے پلان پر عمل کرنا چاہتا ہوں۔آپ مجھے اس عورت سے ملوادیں' جس کے لیے میں نے کہا تھا۔“ میں نے کہا۔

”ٹھیک ہے تم اپنے روم میں جاؤ' دوپہر کے کھانے پر ہماری ملاقات ہوگی۔ میں اس عورت کو ابھی تمہارے روم میں بھجواتاہوں۔“

میں نواب صاحب کے روم سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا۔تقریباً پندرہ منٹ کے بعد ایک تئیس پینتیس سالہ مناسب شکل وصورت کی خاتون میرے کمرے میں آئی اور بولی۔

”مجھے نواب صاحب نے بھیجا ہے۔آپ کو کوئی کام تھا مجھ سے...!“

میں نے ایک ہی نظر میں اندازہ لگالیا کہ یہ عورت میرے کام کے لیے مناسب ہے۔شکل سے بھی تیز اور خود اعتماد دکھائی دے رہی تھی۔

”ہاں آؤ... ادھر بیٹھ جاؤ' مجھے تم سے کام ہے لیکن پہلے اپنا نام بتاؤ۔“ میں نے کہا۔

”میرا نام راکھی ہے...!“

”راکھی!“ میں اس کانام سن کر حیران رہ گیااور پوچھا۔

”ہندو ہو۔“

” جی ہاں۔“

”نواب صاحب کے پاس کیسے... میرا مطلب ہے کب سے ہو 'پاکستان ہی کی ہو' یا پڑوسی ملک سے آئی ہو؟“ میں نے ایک ساتھ کئی سوال کرڈالے۔

”بس جی اپنے نواب صاحب کو جو چیز جہاں بھی پسند آجائے فوراً اپنے قبضے میں لے لیتے ہیں۔میں بھارت کی ہوں۔ایک مرتبہ نواب صاحب وہاں آئے تو شکلا صاحب کے ہاں مجھ پر نگاہ پڑگئی۔میں نواب صاحب کو پسند آگئی' انہوں نے شکلا صاحب سے مجھے مانگ لیا' جب سے میں یہاں ہوں۔“

”کتنا عرصہ ہوا؟“ میں نے یہ سوچتے ہوئے کہ اس میں ایسی کیا خاص بات ہے جو نواب صاحب اسے انڈیا سے اپنے ساتھ لے آئے' اس کا سر سے پاؤں تک بغور جائزہ لیا' اور اس جائزے کے بعد میں سمجھ گیا کہ نواب صاحب کی نظر کرم کیوں اس پرمائل ہوئی۔

”تین سال ہوگئے۔“ اس نے مختصر جواب دیا۔

وہ ایک بہت گداز جسم کی مالک تھی' اس عمر میں بھی اس کا جوبن غضب کا تھا' خیر مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی' میں مطلب کی بات پر آگیا۔

”ایکٹنگ کرلیتی ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”جی...!“ اس نے حیرت سے کہا۔

”فکر نہ کرو... میں کوئی فلم ڈائریکٹ نہیں کررہا' بس تمہیں میرے ساتھ کہیں جانا ہے اور تھوڑی بہت اداکاری کرنی ہوگی... کرلوگی؟“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بالکل کرلوں گی' جیسا آپ کہیں گے... آپ کومجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔“ اس نے اعتماد سے پر لہجے میں کہا۔

پھر میں نے اطمینان سے بیٹھ کر اپناسارا پلان سمجھایا' جو اس نے فوراً ہی سمجھ لیا' ساری بات سننے کے بعد وہ بولی۔”آپ کو وہاں کسی چھوٹے موٹے گھر کی ضرورت تو ہوگی' کیا آپ کے پاس اس کاانتظام ہے یامجھے کرنا پڑے گا۔“

"تمہارا کیا خیال ہے کہ مکان کی ضرورت پڑے گی یا ویسے ہی کام نہیں چل سکتا۔" میں نے اس سے سوال کیا۔

"کام تو آپ چلاسکتے ہیں، لیکن کسی کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے کیونکہ آج کل کوئی اتنی جلدی کسی اجنبی پر اعتماد نہیں کرتا۔" اس نے کہا۔

"میرے اوپر اعتماد دلانا تو تمہارا کام ہے، اب یہ تمہارے اوپر منحصر ہے کہ تم کتنی جلدی اور کس طرح ان کا اعتماد حاصل کرسکتی ہو۔ دیکھو ہمیں بہت سارا وقت نہیں چاہیے، میں جلد از جلد اپنا مطلب حاصل کرکے وہاں سے لوٹ آنا چاہتا ہوں۔ نہ جانے کب نواب صاحب کو میری ضرورت پڑ جائے اور وہ مجھے واپس بلالیں۔ اس طرح تو مجھے اپنا کام ادھورا چھوڑ کر آنا پڑے گا اور میں ایسا نہیں چاہتا، بار بار جانے آنے سے کوئی ہم پر شک بھی کرسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے! لیکن میرا خیال ہے کہ اگر مکان کا بندوبست ہوجائے تو زیادہ بہتر ہے۔ میری بات کی تصدیق وہ لوگ کروا بھی سکتے ہیں۔" اس نے پرسوچ لہجے میں کہا۔

"تمہاری بات میں وزن تو ہے، تو پھر مکان کا انتظام بھی تمہیں ہی کرنا پڑے گا، کیونکہ میرے پاس ایسا کوئی انتظام نہیں ہے۔" میں نے صاف کہہ دیا۔

"اوکے میں کرلوں گی۔ لیکن اس کام میں ایک دو دن لگ سکتے ہیں۔ ویسے چلنا کب ہے؟" اس نے آمادگی ظاہر کرکے مجھ سے جانے کا پوچھا۔

"جتنی جلدی مکان کا انتظام ہوجائے گا، اتنی جلدی ہم روانہ ہوجائیں گے۔" میں نے کہا۔

"میں ایک بات اور سوچ رہی ہوں شمروز صاحب..." اس نے سوچوں میں ڈوبے ڈوبے کہا۔

"ہاں بولو... تم کیا سوچ رہی ہو؟" میں نے کہا۔

"ہمیں ایک دو بندے اپنے ساتھ اور رکھنے ہوں گے، خالی ہم دونوں کے جانے سے بات نہیں بنے گی...!"

”وہ کس لیے ؟“ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”آپ نے جو ذمہ داری میری لگائی ہے' اس کے لیے کہہ رہی ہوں۔ بس آپ اپنا کام کرنا اور مجھے میرا کام کرنے دینا' مجھے پتا ہے کہ مجھے کیا اور کس طرح سے کرنا ہے۔“ اس نے کہا تو میں نے اس کی بات مان لی۔

اگلا دن گزر گیا' جو میں نے کمرے میں رہ کر سوچ بچار میں گزارا' نہ تو راکھی آئی اور نہ ہی نواب صاحب نے مجھے یاد کیا۔ دوسرے دن دوپہر کو راکھی آئی اور بولی۔

”شمروز صاحب سارا انتظام ہوچکا ہے' مکان بھی ہمیں مل گیا ہے' مکان کیا ہے' بس ایک چھوٹا سا کمرہ ہے'اس کا ایک چھوٹا سا صحن ہے جہاں کچن اور باتھ روم بنا ہوا ہے' میں نے دلاور خان سے کہہ دیا ہے کہ وہ ہماری آمد کی ساری تیاریاں کرکے رکھے' اور میک اپ مین بھی آگیا ہے جو آپ کا حلیہ یکسر بدل دے گا اور کسی کو یہ گمان تک نہیں ہوگا کہ یہ آپ کی اصل شکل نہیں ہے۔“

”یہ دلاور خان کون ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”اپنا ہی بندہ ہے۔ وہ اس گھر میں رہتا ہے' جہاں ہم جارہے ہیں' اس نے آج ہی سے اس علاقے میں یہ بات پھیلانی شروع کر دی ہے کہ اس کے گھر ایک بہت بڑے بزرگ تشریف لارہے ہیں۔ وہاں جانے کے بعد آپ کو کیا کرنا ہے یہ آپ جانیں' میری حیثیت تو آپ کی خادمہ اور مریدنی خاص کی ہوگی اور میں ہی شیرافضل کی حویلی میں آپ کا پیغام بھی لے کر جاؤں گی۔“ راکھی نے کہا۔

راکھی میری توقع سے بھی زیادہ ہوشیار عورت تھی' وہ میرا پلان فوراً سمجھ گئی اور ہر کام عین میری پسند کے مطابق بھی ہو رہا تھا۔

”ٹھیک ہے راکھی ہم صبح ہی صبح روانہ ہوجائیں گے۔“ میں نے خوش ہو کر کہا۔

”فلائٹ کا ٹائم دیکھنا ہوگا کہ اسلام آباد یا پنڈی کی فلائٹ جتنی جلدی ہوسکے ہمیں مل جائے۔ اس سے آگے کا سفر ہمیں بائی کار کرنا ہے۔“ راکھی نے بتایا۔

"ہمارے ساتھ جو لوگ جانے والے ہیں انہیں تم نے تیار کرلیا ہے اور ساری بات بھی سمجھادی ہے ناں۔" میں نے پوچھا۔

"ہمارے ساتھ صرف شرمیلا' عابد اور کمال جارہے ہیں۔سب لوگ تیار ہیں' بلکہ ان لوگوں کو میں نے پہلے ہی روانہ کردیا ہے' میں آپ کا ضروری سامان پیک کردوں گی۔اسلحہ اور رقم کے لیے نواب صاحب نے حمیدہ کو ہدایت کردی ہے' آپ جاکر ان سے مل لیں اور جو بھی چاہیے اور جتنا چاہیے ان سے لے سکتے ہیں۔نواب صاحب نے انہیں ہدایت کردی ہے کہ آپ کی ہرڈیمانڈ پوری کی جائے۔" راکھی نے مجھے بہت ہی اہم بات بتائی۔

ابھی وہ میرے پاس ہی کھڑی تھی کہ اس کا سیل فون بجنے لگا تووہ بولی۔

"میں نے جہاز کی سیٹ کے لیے کہاتھااس کافون ہے' پھراس نے فون آن کرکے کان سے لگایااور چند لمحوں تک خاموشی سے سنتی رہی۔پھر"اوکے" کہہ کر فون بند کردیا اور مجھ سے بولی۔

"راشد کہہ رہا ہے کہ کل صبح سات بجے کی فلائٹ ہے' ہمیں پانچ بجے ہی ایئرپورٹ پہنچنا ہوگا۔اورابھی سے تیاریاں شروع کرنی ہوں گی۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں بہت زیادہ ایکسائیٹڈ ہو رہا تھا' کتنے عرصہ کے بعد میں اس علاقے میں جاؤں گا' جہاں میں نے آنکھ کھولی' ان گلیوں کو دیکھوں گا جہاں میرا بچپن گزرا' بابا اور اماں کا وہ گھر تو ویران پڑا ہوگا۔سب کچھ کتنی جلدی اوراچانک ہی ختم ہوگیا۔یہ سوچ کر ہی میری آنکھیں جلنے لگیں۔

میں نے آپ کے لباس تیار کروالیے ہیں جو آپ کو وہاں پہننے ہوں گے بس آپ جلدی رات کے کھانے سے فارغ ہوجائیے گا تاکہ میں میک اپ مین کو بلوالوں۔اسے بھی اپنا کام کرنے میں تین سے چار گھنٹے تو لگیں گے۔" راکھی نے کہااور چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد میں بستر پر ڈھے سا گیا۔میرے ہاتھوں اورپیروں میں اینٹھن سی ہونے لگی' رہ رہ کر شیر افضل اور شیرزادہ کی شکلیں میری آنکھوں کے سامنے آرہی تھیں۔میرا بس نہیں چل رہاتھا کہ اپنے تصور ہی میں 'میں ان کا چہرہ بگاڑ دوں' جس طرح شیر افضل نے فتح محمد کے ذریعے میری فائزہ کو برباد کیا تھا' میں بھی شیرافضل کی بیٹی کا وہی انجام کروں گا اور مرنے سے پہلے شیرافضل کومعلوم

ضرور ہوگا کہ اس کی جوان بیٹی کی عزت برباد کرنے والااوراس کو اپنے ہاتھوں ختم کرنے والا کون ہے؟

میں آرہا ہوں شیرافضل تو انتظار کرنا' اپنے بابا ماں اور جوان بھائی کی موت کا بدلہ اور جوان بہن کی بے حرمتی کا بدلہ لینے آرہا ہوں۔میں جانتا ہوں کہ یہ ظلم وستم تونے صرف مجھ پر ہی نہیں کیے اور بھی مجھ جیسے بہت سے مظلوم ہوں گے اور وہ بھی اسی طرح بے بس اور مجبور ہوں گے جیسا کہ کبھی میں تھا' لیکن آج میں بے بس اور مجبور نہیں ہوں بلکہ تجھ سے بھی زیادہ طاقت ور ہوں۔میں سوچ رہا تھا اور میرے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔
ماتھے کی رگ جو دونوں ابروکے درمیان سے نکل کر سر کے بالوں میں غائب ہوجاتی ہے غصے کی حالت میں پھول کرموٹی ہوجاتی ہے' میرے جبڑے ایک دوسرے کے ساتھ سختی سے جڑے ہوئے تھے اور آنکھیں خوں رنگ ہو رہی تھیں۔خون کھول کر کنپٹیوں میں ٹکریں مار رہاتھا۔

تھوڑی دیر میں ،میں نے اپنے آپ کونارمل حالت میں کیااور خود کو سمجھایا کہ شمروز اس وقت غصہ کرکے اپنی انرجی ضائع مت کرو۔

رات کا کھانا میں نے اپنے کمرے میں ہی کھایا' پھر دس بجے کے قریب راکھی دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بھی تھا اس نے ہاتھوں میں ایک چھوٹا سا بکس اٹھایا ہوا تھا' مجھے دیکھ کر مسکرایااور سلام کیا۔

میں نے راکھی کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو اس نے بتایا کہ یہ ایک میک اپ مین ہیں اور اپنے کام کے ماہر ہیں' ان کانام نواب صاحب نے لیا تھا۔انہوں نے ہی انہیں آپ کے پاس بھیجا ہے۔

نواب صاحب کانام سن کرمیں مطمئن ہوگیا کہ اگر انہوں نے بھیجا ہے تو یقینا اپنے کام کاماہر ہوگا۔

اس میک اپ مین کے حوالے سے ایک بہت ہی اہم بات جومجھے بعد میں پتا چلی'وہ آگے آپ کو بتاؤں گا۔

مجھے اس نے ایک کرسی پربٹھادیااور چھوٹی ٹیبل پر اپنا بکس کھول کر رکھ دیا۔ اس میں مختلف قسم کے لوشن کریمیں' ویگز اور بھی نہ جانے کیا کیا الم غلم

بھرا ہوا تھا' میں نے ان چیزوں کے بارے میں استفسار کیا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"آپ ان کی طرف دھیان مت دیں۔بس پر سکون ہو کر آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائیں' جب میں آپ سے آنکھیں کھولنے کے لیے کہوں پھر کھولیے گا۔"

میں نے اس کی ہدایت پر آنکھیں بند کر لیں اور کرسی کی پشت گاہ سے سر ٹکا دیا' ایک مرتبہ پہلے بھی جب میں گلشن اقبال والے فلیٹ میں تھا تب بھی ایک میک اپ مین آیا تھا اور اس نے میرے چہرے پر میک اپ کر کے ضروری تبدیلیاں کی تھیں' بعد میں' میں نے اپنا حلیہ اوریجنل ویسا ہی بنا لیا تھا' میک اپ کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

"یہ میک اپ میں ایسا کر رہا ہوں جو چوبیس گھنٹے ایسا ہی رہے گا' آپ سو جائیں کھائیں پئیں ' بھاگیں دوڑیں' کوئی فرق نہیں پڑے گا' بس آپ کلی کر سکتے ہیں' لیکن چہرہ دھونے کی کوشش مت کیجیے گا' اس سے میک اپ ختم تو نہیں ہو گا' بس بگڑ جائے گا۔"

اس نے میک اپ کرنے کے دوران کہا اور میں نے سوچا کیا ہے اگر میں دو چار دن منہ نہیں دھوؤں گا تو کوئی فرق تو نہیں پڑے گا۔

پھر اس نے مجھ سے آنکھیں کھولنے کے لیے کہا اور میری آنکھوں میں بلیک کلر کے لینس لگا دیئے' کیونکہ میری پتلیوں کی رنگت گرے کلر کی تھی' رنگ میرا گورا تھا جسے اس نے چھیڑنے کی کوشش نہیں کی ،بس ایک لوشن میرے ہاتھوں پر لگانے کے بعد کہا۔

"اگر آپ کو ہاتھ دھونے کی ضرورت پیش آجائے اور وہ یقینا آئے گی ' تو اس لوشن کو آپ دوبارہ سے ہاتھوں پر مل لیجیے گا۔اس سے آپ کے ہاتھوں کی جلد جھریوں زدہ ہو جائے گی۔"

میک اپ سے فارغ ہو کر اس نے لوشن کی وہ چھوٹی سی شیشی میرے حوالے کر دی۔

پھر اس نے مجھے آئینے کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا' اپنے آپ پر میری نگاہ پڑی تو میں حیران رہ گیا۔

میرے سامنے ایک بہت بوڑھا شخص کھڑا تھا' جس کے سر کے بالوں کے علاوہ داڑھی مونچھیں بھی بگلے کی مانند سفید تھیں' بھنوؤں میں بھی چند بال دکھائی دے رہے تھے' چہرہ جھریوں زدہ تھا' خاص طور پر آنکھوں کے نیچے تو بے تحاشہ جھریاں تھیں۔مونچھوں کے بالوں نے آدھے ہونٹوں کو کور کردیا تھا' شاید اس وقت میری ماں بھی مجھے دیکھتی تو نہ پہچانتیں ؛میں اسی پچاسی سال کاایک بوڑھا دکھائی دے رہا تھا۔

مجھ سے دادو تحسین وصول کرکے میک اپ مین جس کانام بھی مجھے معلوم نہیں تھا کمرے سے چلا گیا۔تب راکھی ہاتھوں میں کپڑے اٹھائے چلی آئی اور بولی۔

"یہ آپ کا لباس ہے' آپ اسے پہن لیں' یہ ایک دھوتی اور لمبا سا سفید کرتا تھا۔پاؤں کے لیے بند جوتے تھے' جو بنا' موزوں کے میں نے پہنے۔

میں لباس تبدیل کرکے آیا تو راکھی نے ایک بڑی سی تسبیح یا موتیوں کی مالامیرے گلے میں ڈال دی' اور ایک بڑی سی سفید چادر مجھے سر سے اوڑھادی۔

مکمل طور پر تیار ہو کر میں نے ایک بار پھر اپنا تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لیا اور مطمئن ہو گیا۔

"راکھی بھاگ دوڑ میں یا چادر سر سے اوڑھنے میں یہ سر کی وگ اور داڑھی مونچھیں نکل تو نہیں جائیں گی۔" میں نے پوچھا۔

"ارے نہیں شمروز صاحب اس طرف سے آپ قطعی بے فکر رہیں' ایسا کچھ نہیں ہوگا۔یہ چیزیں ایک خاص سلوشن کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں اور ایک خاص سلوشن کے ذریعے ہی انہیں علیحدہ کیا جاسکتا ہے۔" راکھی نے کہا۔

"تو راکھی تم ایسا کرو کہ وہ خاص سلوشن فوراً لے کر آجاؤ' ہوسکتا ہے کہ کام ہوجانے کے بعد مجھے اپنا یہ حلیہ فوراً تبدیل کرنا پڑے لیکن وہ تو شاید چلے گئے ہوں گے۔" میں نے مایوسی سے کہا۔

"نہیں وہ نواب صاحب کے پاس بیٹھے ہیں۔میں جانے سے پہلے انہیں آپ کے پاس بھیج دوں گی' آپ ان سے خود ہی بات کرلیجیے گا۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔میں ان سے وہ سلوشن لینا چاہتا تھا جس کے ذریعے میں یہ میک اپ صاف کرکے اپنی اصل شکل میں آسکوں۔ اس کے علاوہ میں کچھ اور چیزیں ان سے لینا چاہتا تھا' جو یہ میک اپ اتارنے کے بعد میں اپنے چہرے پر لگاسکوں۔کیونکہ میں اپنی اصل شکل میں وہاں کسی کونظر آنا نہیں چاہتاتھا' اس لیے کہ اگر کسی نے مجھے پہچان لیا تو شیرافضل کے قتل کا شبہ صاف صاف میرے اوپر چلا جائے گا کہ میں اتنے عرصہ کے بعد شیرافضل کو قتل کرنے کے لیے آیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ میک اپ مین دوبارہ میرے پاس آیا اور میک اپ اتارنے کا لوشن دیتے ہوئے اس کاسارا طریقہ کارمجھے سمجھادیا' پھر میں نے اس سے ایک دوسری بالوں کی وگ اور داڑھی مونچھیں لے لیں۔اس کے بارے میں بھی اس نے مجھے ضروری ہدایات دیں اور جاتے جاتے بولا۔

"اب میں جارہا ہوں' اب بھی کوئی بات پوچھنی ہے تو پوچھ لیں۔" میں نے اس کاشکریہ ادا کیااور میں راکھی کے ساتھ ضروری باتوں میں مصروف ہو گیا۔

اپنی پوری تیاری کے ساتھ میں اور راکھی ائرپورٹ روانہ ہوگئے میرے پاس اچھا خاصا کیش تھا اور دو بہترین ریوالور تھے۔میں نے اپنا سامان جب اپنے لباس میں رکھا تو خیال آیا کہ میں تو اسلحہ اپنے ساتھ لے جاہی نہیں سکتا' کیونکہ جہاز میں اسلحہ لے جانا منع ہے تو راکھی نے بڑے مطمئن انداز میں کہا۔"تو رہنے دیں۔"

"لیکن راکھی ہمیں ان چیزوں کی ضرورت پڑے گی۔" میں نے گھبرا کر کہا۔

"آپ بھول رہے ہیں کہ جس مکان میں ہم ٹھہرنے کے لیے جارہے ہیں وہ مکان ہمارے ہی بندے کا ہے' تو پھر آپ کو کیا پریشانی ہے آپ کی تمام مطلوبہ چیزیں آپ کو وہاں مل جائیں گی' بس یا کچھ اور..." راکھی نے کہا تو میں مطمئن ہو گیا اور ریوالور اپنے کمرے میں ہی چھوڑ دیا اور ہم ائرپورٹ روانہ ہو گئے۔

ائرپورٹ پراتر کر میں نے اپنی چال ذرا دھیمی کرلی' بالکل ایسے جیسے ایک بوڑھا آدمی چلتا ہے' راکھی نے بھی اسی طرح کامیک اپ کررکھا تھا جیسے اس کی عمر

پچاس پچپن سال کی ہو ایسا کرنا اس لیے بھی ضروری تھا کہ کوئی ہمیں کسی بھی قسم کے شک کی نگاہ سے نہ دیکھے۔

جہاز میں ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہوئی اور ہمارا سفر بخیریت پورا ہو گیا'ہم نے اسلام آباد ائرپورٹ پر لینڈ کیا تھا' وہاں پر پہلے ہی سے ایک گاڑی کے ساتھ ہمارا وہ ساتھی جس کے گھر ہم جارہے تھے گاڑی کے ساتھ موجود تھا' وہ ایک ٹیکسی تھی' کیونکہ اس کے پاس کار نہیں تھی۔

وہاں سے ہم ٹیکسی کے ذریعے نتھیا گلی پہنچے ' ہمارے بندے نے اپنا نام فہیم بتایااور یہ بھی کہ یہ ٹیکسی اس کی اپنی ہے اور وہ وہاں ٹیکسی چلاتا ہے شادی شدہ ہے' بیوی موجود ہے لیکن کوئی بچہ نہیں ہے۔

”مجھے راکھی نے بتایا ہے کہ تمہارا ایک ہی کمرے کا مکان ہے' تو ہم لوگوں کے آجانے سے تو تمہیں بہت پریشانی ہوجائے گی۔“ میں نے فہیم سے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

”سب خیر ہے شمروز صاحب' میری بیوی بہت اچھی ہے اور میری ہم خیال بھی' ہم نواب صاحب کے جاں نثاروں میں سے ہیں' ان کے لیے اپنے

سر کٹواسکتے ہیں۔ پھر یہ تھوڑے دنوں کی پریشانی تو کوئی بات ہی نہیں ہے' میں نے تو اسے بتادیا ہے کہ آپ کو نواب صاحب نے بھیجا ہے اور آپ یہاں کسی خاص مہم پر آئے ہیں۔اسے بس اتنا کرنا ہے کہ آس پاس پڑوس میں یہ بات پھیلادے کہ ایک بہت پہنچے ہوئے بزرگ ہمارے گھر آرہے ہیں۔ان کاایک بندہ ہمارے گھر آیا تھا اور اس نے بتایا کہ انہیں خواب میں بشارت ہوئی ہے کہ اس گاؤں میں پہنچو وہاں تمہاری شدید ضرورت ہے' تو پیر صاحب یہاں آنا چاہتے ہیں' تو ہے کوئی دل والا جو انہیں اپنے گھر میں ٹھہرا سکے' تو ہم لوگ خوشی سے راضی ہوگئے کہ ہم پیر صاحب کی میزبانی کریں گے' اس لیے فہیم پیر صاحب کو لینے کے لیے گئے ہیں۔آپ دیکھیے گا' کہ جب ہم وہاں پہنچیں گے تو کتنے لوگ آپ کے استقبال کے لیے وہاں موجود ہوں گے۔“ فہیم نے ہنستے ہوئے ساری بات مجھے بتائی۔

”ہاں بے چارے یہ گاؤں کے ان پڑھ دیہاتی لوگ اپنے دین اور مذہب کو صرف اس قدر جانتے ہیں کہ اگر ان کے سامنے اللہ کا کوئی نیک بندہ آجائے

تو وہ دل وجان سے اس پر ایمان لے آئیں اور اس کی خوب خدمت کریں اور یہی خدمت ان کی بخشش کا سبب بن جائے گی۔" میں نے کہا۔

"یہ بات تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" فہیم نے کہا۔

"تمہیں پتا ہے کہ میں اسی علاقے کا رہنے والا ہوں اور یہاں کے لوگوں کی ذہنیت کو اچھی طرح سے سمجھتا ہوں۔ایک مرتبہ میں نے ایک صاحب سے یہی بات کہی تھی کہ آپ لوگ پیر ہی کو اپنا سب کچھ مان لیتے ہو' خود نمازیں پڑھو اوراللہ سے اپنے لیے دعا کرو 'اللہ تو سب کی سنتا ہے۔تو پتا ہے اس نے کیا جواب دیا۔وہ بولا کہ ہمیں یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے' ہمارے لیے پیر صاحب ہی سب کچھ ہیں۔کیونکہ وہ اللہ کے نیک بندے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں جگہ دے گا۔جب وہ جنت میں جانے لگیں گے تو ہم بھی ان کا دامن پکڑ کر ان کے پیچھے پیچھے جنت میں چلے جائیں گے۔دنیا میں

جب ہم ان کے پیچھے تھے تو وہ آخرت میں ہمیں کیسے بھولیں گے۔" میں نے سادہ لوح دیہاتی لوگوں کی ذہنیت پر افسوس کااظہار کرتے ہوئے کہا۔

"اور ہاں یہ اپنی فکروسوچ میں اتنے پختہ ہیں کہ انہیں لاکھ سچائی دکھاؤ' یہ کبھی نہیں مانیں گے۔بس آنکھیں بند کیے بے خبری میں چلتے جارہے ہیں۔اور بہت سے لوگ ہیں جو ان سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔اسی لیے بھرے پڑے ہیں جعلی پیر..." فہیم نے میری بات کے جواب میں کہا۔

راکھی اس دوران بالکل خاموش بیٹھی ہماری باتیں سنتی رہی' ہم دونوں خاموش ہوئے تو اس نے صرف اتنا کہا کہ "بھارت میں تو مذہب کے نام پر بہت سی خرافات ہوتی ہیں۔بھئی میں تو ان سب چیزوں سے بہت بے زار ہوں اور کسی مذہب کو نہیں مانتی جو کچھ بھی ہے وہ سب یہیں تک ہے اس لیے کھاؤ پیو موج اڑاؤ اور جو بھی آپ کی خوشیوں اور کامیابیوں کی راہ میں آڑے آئے' اسے ایک زبردست وار سے اپنے راستے ہی سے ہٹا کر آگے بڑھ جاؤ' کیاہے گناہ' کیا ہے ثواب... میں کسی بات کو نہیں مانتی۔" اس نے ہنستے ہوئے کہااور کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولی۔

"پاکستان بہت خوب صورت ہے' اتنے اونچے اونچے پہاڑ' جھرنے' بہتے آبشار' سبزہ... واؤ... میں تو پہلی مرتبہ اس علاقے میں آئی ہوں۔"

"تم نتھیا گلی دیکھوگی تو تمہاری آنکھیں خیرہ ہوجائیں گی' اللہ نے اس علاقے کو قدرتی حسن سے مالا مال کررکھا ہے لیکن ہم نے قدر نہیں کی' ہمارا سوات کتنا حسین تھا لیکن دہشت گردوں نے وہاں کیا حشر کردیا..."

اور ہم پھر ان سارے علاقوں کی خوب صورتی کے بارے میں باتیں کرتے رہے اور پھر نتھیا گلی کے علاقے میں داخل ہوگئے۔

یہاں انٹر ہوتے ہی میرے دل کی دھڑکن کئی گناہ بڑھ گئی' مجھے شدت کے ساتھ ماں 'بابا'ارمان اور فائزہ کی یاد آگئی' آنکھوں میں ڈھیروں مرچیں سی بھر گئیں۔جیسے ہی ٹیکسی قبرستان کے سامنے پہنچی' میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"اسٹاپ...!"

فہیم نے فوراً ہی بریک لگادیئے اور مڑ کر میری جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"میں نے بتایا تھا ناں کہ میں یہیں کا رہنے والا ہوں' اس قبرستان میں میرے اماں بابا اور بھائی دفن ہیں۔میں ان کی قبروں پر فاتحہ پڑھنا چاہتا ہوں۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"لیکن شمروز بھائی آپ کا یہاں فاتحہ پڑھنا مناسب نہیں ہوگا۔اگر کسی نے دیکھ لیا کہ آپ ان مخصوص قبروں پر فاتحہ پڑھ رہے ہیں تو پھر...!" فہیم نے کہا۔

"نہیں میں ان کی قبروں پر فاتحہ نہیں پڑھوں گا' دور کھڑے ہو کر سارے لوگوں کی قبروں پر فاتحہ پڑھوں گا۔بس اندر داخل ہو کر ایک نگاہ ان کی قبروں کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا تو فہیم ٹیکسی سے اتر آیا' اور میں بھی اتر گیا' البتہ راکھی ٹیکسی میں بیٹھی رہی۔

فہیم اس علاقے میں میرے یہاں سے چلے جانے کے بعد آیا تھا' اس لیے اسے میرے ساتھ ہونے والے درد ناک حادثے کا علم نہیں تھا' راستے میں میں نے اسے اپنے بارے میں مختصراً بتادیا تھا۔

میں نے قبرستان کے باہر کھڑے ہو کر سب کے لیے فاتحہ پڑھی، فہیم نے بھی ہاتھ اٹھا دیئے پھر میں اور فہیم آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے اس جگہ گئے، جہاں میرے پیارے دفن تھے، ان لوگوں کی قبریں بیٹھ گئی تھیں، بارش اور ہوا نے کافی ساری مٹی ہٹادی تھی۔

اتنے عرصے سے کوئی ان کی خبر گیری کرنے والا جو نہیں تھا، لوگ خوف کے مارے زندہ لوگوں سے کٹ جاتے ہیں۔یہ تو پھر قبریں تھیں۔نہ جانے کب سے ان پر پانی بھی نہیں پڑا تھا، میں نے چاہا کہ میں اپنے ہاتھوں سے یہ قبریں ٹھیک کردوں اور پانی کا چھڑکاؤ کروں لیکن فہیم نے مجھے روک دیا اور کہا کہ ”آپ فکرنہ کریں، میں نے یہ قبریں دیکھ لی ہیں بعد میں، میں یہ کام خود کردوں گا۔بلکہ ایک دو اور جو ٹوٹی پھوٹی قبریں ہیں انہیں بھی ٹھیک ٹھاک کردوں گا، ویسے بھی ہم کون سا ٹیکسی کا کام کرتے ہیں، یہی سہی۔“

”تمہاری بڑی مہربانی...“ میں نے تشکر کی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

اور فہیم کا کہنا مان کرمیں نے اچھا ہی کیا کہ میں نے وہاں شیرافضل کے بندوں کو دیکھ لیا تھا جو مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے ،میری ذات ان کے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

لیے اجنبی تھی، میں چلتے چلتے ایک دوقبروں پر اور ٹھہرا پھر آہستہ قدموں سے چلتا ہوا قبرستان سے باہر آگیا۔

میں اس شخص کوشکل سے پہچانتا تھا وہ شیرافضل کی حویلی کاملازم تھا، وہ بھی میری شکل سے واقف تھا، لیکن اس وقت وہ مجھے نہیں پہچانا، میں بھی بظاہر انجان بن کر اس کے پاس سے گزرنے لگا تو اس نے بہت عقیدت سے جھک کرمجھے سلام کیا، میں نے بھاری آواز اور لہجہ بنا کر اور ہاتھ اٹھا کر اس کی جانب دیکھے بغیر اس کے سلام کا جواب دیا اور ٹیکسی میں جاکر بیٹھ گیا۔اس مرتبہ میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھا، میں نے کن اکھیوں سے دیکھا کہ اس نے قریب سے گزرتے ہوئے فہیم کاہاتھ پکڑ کر اسے روکااور اس سے کچھ پوچھنے لگا، میرے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی، اور میں سمجھ گیا کہ وہ فہیم سے کیا پوچھ رہا ہے۔

یہ بہت اچھی بات ہوئی کہ شیر افضل کی حویلی کاملازم ہمیں یہاں مل گیا، اور اب وہ یقینا حویلی میں جاکر میرے بارے میں اپنی مالکن کو ضرور بتائے گا۔

فہیم جب ٹیکسی کی جانب آرہا تھا تو اللہ وسایا بھی اس کے پیچھے پیچھے آیا اور میری جانب آکر اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر میرے آگے سر جھکا کر بولا۔

”میری توبہ توبہ میرے ماں باپ کی توبہ... میں نے حضور کو پہچانا ہی نہیں‘ حضور مجھے بخشش دے دیں‘ اور میرے لیے دعا کریں... میری گھر والی بہت بیمار رہتی ہے۔“

میں نے کھڑکی سے ہاتھ باہر نکال کر اس کے سر پر رکھ دیا‘ تو اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

”چل اوئے اللہ وسایا... یہاں زیادہ بات چیت مت کر...ابھی تو سرکار لمبے سفر سے آرہے ہیں۔شام کو بیٹھیں گے تو سب کی فریاد سنیں گے۔تو گھر پر آجانا...!“ فہیم نے کہا۔

”آپ کا گھر کدھر ہے؟“ اللہ وسایا نے پوچھا۔

”اوئے وہ پیلی والی مسجد ہے ناں‘ اس کے سامنے والی گلی میں چوتھا مکان میرا ہے۔“ فہیم نے کہا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

”تم سے کیا پوچھ رہا تھا۔“ میں نے فہیم سے پوچھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”آپ کے بارے میں پوچھ رہا تھا‘جواب میں‘ میں نے وہی کہانی سنادی جو میری بیوی نے گاؤں کی دوسری عورتوں کو سنائی ہے‘ تاکہ ہماری بات ایک ہی رہے۔“

”میں اللہ وسایا سے واقف ہوں۔یہ شیرافضل کے خاص ملازموں میں سے ہے‘ اس وقت کس طرح گھگیا کر مجھ سے بات کر رہا تھا... میں نے اسے گالی دے کر کہا۔

”یہاں بات وہی آجاتی ہے‘ اندھے عقیدے والی...“ فہیم نے کہا۔

اور پھر ہم مسجد کے قریب پہنچ گئے اور واقعی جیسا فہیم نے کہا تھا ویسا ہی ہوا‘ فہیم کے گھر کے باہر اچھا خاصا رش لگا ہوا تھا اور لوگ بے صبری اور بے قراری سے میرا انتظار کر رہے تھے‘ جیسے ہی ٹیکسی فہیم نے اپنے گھر کے دروازے پر روکی... بہت سے لوگ ایک ساتھ ٹوٹ پڑے‘ دھکم پیل ہونے لگی۔

میں ٹیکسی سے اتر آیا اور ہاتھ اٹھا کر سب کو سلام کیا‘ فہیم نے سب کو ہٹایا اور مجھے بمشکل اس ہجوم سے نکال کر گھر کے اندر لایا‘ پھر گھر کے دروازے پر

کھڑے ہو کر بولا۔" اس وقت پیر صاحب لمبے سفر سے آئے ہیں بہت تھکے ہوئے ہیں آرام کریں گے۔مغرب کی نماز کے بعد پیر صاحب آپ لوگوں سے ملنے کے لیے بیٹھیں گے۔آپ لوگ بعد نماز مغرب آنا اور باری باری اپنے مسئلے بیان کرنا۔"

اور یہ کہہ کر فہیم نے گھر کا دروازہ بند کردیااور ا ندر آگیا۔"تمہاری بیوی نے تو زبردست پبلسٹی کردی' اتنے لوگ جمع ہوگئے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ بھی تو دیکھیں کہ اس طرح آپ کا کام بھی کتنا آسان ہو گیا۔آپ دیکھئے گا' مجھے پورا یقین ہے کہ آج ہی حویلی سے کوئی نہ کوئی آپ کے پاس ضرور آئے گا۔" فہیم نے اعتماد سے پرلہجے میں کہا۔

"اور مجھے اس پل کا شدت سے انتظار ہے کہ جب میں اس حویلی کے اندر جاؤں گااور اس کی بیوی اور بیٹی میرے حصار میں ہوں گی۔میں حویلی میں رات گزارنے کی خواہش کا اظہار کروں گااور پھر وہ رات شیرافضل کی زندگی کی آخری رات ہوگی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں واقعی تھکا ہواتھا' پوری رات کا جاگا ہواتھا' کھانے کی کوئی خواہش نہیں تھی' جہاز میں ہی ناشتہ کرلیاتھا لیکن فہیم کی بیوی نے تھوڑا بہت تیار کرکے رکھا تھا' اس کے بہت ضد کرنے پر میں نے اور راکھی نے تھوڑا بہت کھایا اور پھر میں اور راکھی سونے کے لیے لیٹ گئے۔یہاں صرف ایک چارپائی تھی' ایک چارپائی باہر صحن میں تھی' فہیم نے کہا کہ وہ دوسری چارپائی اندر بچھا دیتا ہے لیکن میں نے منع کردیاکہ راکھی چارپائی پر لیٹ جائے گی' اور میں نیچے لیٹ جاؤں گا۔راکھی بولی نہیں آپ چارپائی پر لیٹ جائیں میں نیچے لیٹ جاؤں گی 'بھلا ایک خادمہ اور مریدنی کی یہ جرأت کہ پیر صاحب کے سامنے خود چارپائی پر لیٹ جائے اور پیر صاحب نیچے لیٹیں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"فضول باتیں نہیں' میں کوئی پیرویر نہیں ہوں' تم اوپر لیٹ جاؤ' میں نیچے ہی لیٹ جاتا ہوں۔" میں نے زمین پر بچھی دری اور چادر پربیٹھتے ہوئے کہا۔

"اوں ہوں۔" اس نے شوخ انداز میں سرہلایا۔"اچھاایسا کرتے ہیں کہ دونوں ایک ساتھ لیٹ جاتے ہیں۔اگر تم نیچے لیٹو گے تو میں بھی نیچے لیٹوں گی۔"

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ ...!" میں نے گھبرا کر اس کے حسین وگداز جسم سے نگاہیں چرا کر کہا۔

"کیونکہ تم نہ بوڑھے ہو نہ پیر ہو، تو کیا حرج ہے اس میں کہ..." اس نے میرے قریب ہو کر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا،اس کی نشیلی آنکھوں میں مجھے دعوت صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"پھر بھی یہاں یہ سب مناسب نہیں ہوگا۔" میں نے اس کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں اندازہ نہیں ہے شمروز کہ اس بڈھے کے ساتھ راتیں گزار گزار کر میں..." اس نے سر جھکا کر بھاری لہجے میں کہا۔

"لیکن میرا میک اپ ..." میں نے مردہ لہجے میں کہا۔

"کچھ نہیں ہوگا میک اپ کو..." اس نے جھنجلا کر کہا۔

"ہو بھی سکتا ہے، میں اس وقت کسی بھی قسم کا رسک نہیں لے سکتا، ہاں یہ وعدہ رہا کہ اپنا کام مکمل ہوجانے کے بعد میں تمہاری خدمت کا بھرپور معاوضہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

دوں گا۔" میں نے فوراً اپنے آپ کو کنٹرول کرتے ہوئے کہا کیونکہ میرا دماغ مجھے مسلسل سرزنش کررہا تھا کہ یہ موقع ایسی باتوں کا نہیں ہے۔

"پکا وعدہ!" اس نے پیاسی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے میری جانب اپنی ہتھیلی پھیلا دی ،جسے میں نے مسکراتے ہوئے تھام لیا، اور اسے چارپائی پر جانے کا اشارہ کیا تو وہ بادل ناخواستہ اوپر لیٹ گئی

اور میں زمین پر ٹانگیں پھیلا کر لیٹ گیا۔میرے دل ودماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔اور پھر تھوڑی ہی دیر میں ،میں بے خبر سو گیا۔

میری آنکھ فہیم کی آواز سے کھلی وہ مجھے آوازیں دے رہا تھا۔

"شمروز بھائی اٹھ جائیں، مغرب کی اذان کب کی ہوگئی، باہر بہت سے لوگ آپ سے ملنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ابھی تو میں نے سب سے یہی کہہ رکھا ہے کہ آپ عبادت میں مصروف ہیں اور ہاں خاص بات یہ کہ شیر افضل کی بیوی کی خاص ملازمہ چنبیلی بھی آپ سے ملنے کے لیے آئی ہے۔"

میں فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔راکھی بھی اٹھ گئی، اس نے ہاتھ منہ دھویا اور دوپٹے کو اچھی طرح لپیٹ کر اوڑھ لیا، جیسے ہماری مائیں بہنیں نماز کے وقت

اوڑھتی ہیں۔میں نے منہ نہیں دھویا' فہیم نے پوچھا کہ میں کچھ کھاؤں گا تو میں نے منع کردیا کہ ابھی نہیں بعد میں کھاؤں گا۔'' بس ایک کپ چائے پلادو۔''

چائے پی کر میں فارغ ہوا اتنے میں فہیم کی بیوی زینب نے صحن میں صاف ستھری دری اورچادر بچھادی تھی' چارپائی پر بھی صاف چادر بچھی تھی۔میں ہاتھوں میں موٹے دانوں کی تسبیح لے کر چارپائی پربیٹھ گیا۔پھر فہیم نے گھر کا دروازہ کھول دیا اور لوگ ایک ایک کرکے اندر آنے لگے' پہلے وہ میرے پاس آتے میرے ہاتھوں کوچومتے پیروں کو ہاتھ لگاتے اور الٹے قدموں چلتے ہوئے جاکر زمین پر بچھی چادر پربیٹھ جاتے' ان آنے والے لوگوں میں عورتیں اور مرد دونوں ہی تھے۔

پھر لوگوں کے مختلف مسئلے مسائل سنتے ہوئے میرا سر درد کرنے لگا' میں ہر ایک کامسئلہ سن کردعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیتا' بہت سے مرد وعورتیں مجھ سے دم کروانے کے لیے آئے تھے' بعض اپنے بیمار بچوں کو لائے تھے اور التجا کی کہ کوئی تعویذ عنایت کردیا جائے' جس کے لیے میں نے کہا۔''کل لے لینا۔''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کیونکہ مجھے اس بات کا خیال ہی نہیں آیا' ورنہ اس کا بھی کوئی انتظام کرکے رکھتا۔

پھر وہ آگئی جس کامیں انتظار کررہاتھا 'اس نے اپنا نام بتایا اور بولی۔

''پیرصاحب میرا نام چنبیلی ہے اورمیں بڑی حویلی سے آئی ہوں۔مجھے میری مالکن نے بھیجا ہے۔وہ چاہتی ہیں کہ آپ حویلی تشریف لائیں' وہ آپ کی خدمت کرنا چاہتی ہیں۔''

''ہمیں کسی کی خدمت کی ضرورت نہیں ہے نادان لڑکی' ہم فقیر منش ہیں۔البتہ اپنی مالکن سے جاکر کہہ دے کہ ہم حویلی ضرور آئیں گے' ہمیں ہمارے پیرومرشد نے یہاں بھیجا ہی اس لیے ہے کہ ہم اس کی اکلوتی اور جوان بچی کا علاج کریں' اس کے سر پر شاہ جنات کا سایہ ہے اور ہم اسے اس مصیبت سے نجات دلانے آئے ہیں۔شاہ جنات ہمارے آستانے پر حاضری دیتے ہیں۔ انہیں ہم حکم دیں گے کہ وہ اس بچی کو چھوڑ دیں۔'' میں نے بھاری آواز اور پرجلال لہجے میں کہا۔

میری بات سنتے ہی وہ میرے قدموں میں گر پڑی اور رونے لگی۔وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”حضور کو ہر بات معلوم ہے‘ حویلی کے نصیب جاگ اٹھے کہ حضور تشریف لائے‘ میں ابھی مالکن کو جاکر یہ خوش خبری سناتی ہوں۔“

چنبیلی کا سارا وجود کانپ رہاتھا‘ میں اس کی یہ حالت دیکھ کر حیران ہو رہاتھا‘ اور وہاں موجود سارے لوگ آنکھیں بند کیے جھوم رہے تھے‘کوئی میرے قصیدے پڑھ رہا تھا تو کوئی سبحان اللہ کہہ رہاتھا۔

میں نے چنبیلی سے کہا۔”جاؤ جاکر اپنی مالکن سے کہہ دو کہ ہم کل آئیں گے‘ اور بعد نماز مغرب شاہ جنات کو حاضر کرکے حکم دیں گے کہ بچی کا پیچھا چھوڑ دے۔“

چنبیلی کپکپاتی ہوئی الٹے قدموں چلتی ہوئی وہاں سے چلی گی تو میں بھی چارپائی سے اتر کر اندر کمرے میں آگیا جو لوگ مجھ سے ملنے سے باقی رہ گئے وہ تاسف سے ہاتھ ملنے لگے‘کہ انھوں نے ایسا کون سا گناہ کردیا کہ پیر صاحب

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

نے نظر کرم نہیں کی‘ فہیم نے انہیں تسلی دی کہ کل آجانا‘ اب پیر صاحب کی عبادت کاوقت ہو گیا ہے۔

سب کے جانے کے بعد فہیم نے دروازہ بند کردیااور اندر آگیا۔مجھے لوگوں کی ذہنیت اور سوچ پر ہنسی آرہی تھی کہ یہ کتنے احمق لوگ ہیں‘ مجھ سے بالکل ہی ناواقف ہونے کے باوجود جو کسی نے میرے بارے میں جھوٹ کہا‘ اس پر یقین کرکے بیٹھ گئے۔

نماز تومیں جیسے بھول ہی گیاتھا‘ اپنے بچپن کی وضو کرنے کی عادت بھی بھول گیا تھا‘ اوروہ کام جس کا میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں ایسا کرسکتا ہوں‘ قتل اور بدکاری... دونوں میں مبتلا ہو گیاتھا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بھی کیا خوب ہے‘ بندہ جن راہوں پر بڑھنا چاہتا ہے وہ اس کے لیے آسان کردیتا ہے‘ میں بھی اپنی سیدھی سادی زندگی چھوڑ کر جب برائی کے راستے پر چل نکلا تو اس نے وہی راہیں میرے لیے آسان کردیں‘ پہلے آغا قزلباش نے میرا ہاتھ تھاما‘ پھر نواب سطوت الاسلام نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

میں خوش تھا کہ اب میں جو جرم بھی چاہوں کرسکتا ہوں' کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں بہت خوش تھا۔

نواب صاحب جو عام پیروں کے پیر بنے ہوئے تھے خود دین سے کتنا دور ہیں یہ بات میں اچھی طرح سے جانتا تھا' بدکاری یہاں برائی نہیں تھی' محض جسمانی بھوک تھی' جس طرح پیٹ کی بھوک مٹائی جاتی ہے' اسی طرح جسم کی طلب بھی فطری خواہش ہے' اب کون حرام وحلال کے چکر میں پڑے... یہ کام تو ہمارے مولویوں کا ہے' وہی سوچیں کیا حرام ہے کیا حلال ہے ... ہم سے اللہ یقیناً خوش ہے جب ہی تو ہمیں اتنا نوازا ہوا ہے' ورنہ جو لوگ دن رات اللہ کے آگے سجدے کررہے ہیں' انہیں کیا مل رہا ہے' دکھ' پریشانیاں' میرے ساتھ بھی توایسا ہی ہوا تھا۔

مجھے آج خیال آرہا ہے کہ میری سوچ کتنی غلط تھی۔ میں غلط تھا اور ہوں...

کہتے ہیں کہ جب ایک شخص کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے تو وہ ساری دنیا سے اپنی زیادتی کاانتقام لینا چاہتا ہے' بعض اوقات تووہ اپنی ذات کو بھی اس انتقام کا نشانہ بنالیتا ہے اور اسے پتا بھی نہیں چلتا' میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ

تھا۔ میں نے جب اللہ تعالیٰ سے احتجاج کیا کہ اس نے میرے ساتھ یہ ظلم کیوں ہونے دیا' کیوں میرا ساتھ نہیں دیا' اور پھر جب پے درپے پریشانیاں آئیں اور مایوسیوں نے میرا دامن تھاما تو میں اللہ کی ذات سے ناامید ہوگیا۔ یہی میری غلطی تھی میں رحمان کی رحمت سے مایوس ہوا تو شیطان نے میرا ہاتھ تھام لیا اور میں خوشی خوشی اس کے بتائے ہوئے راستے پر چل نکلا۔

رات کو جب میں سونے لیٹا تو راکھی بھی میرے پاس آکر لیٹ گئی' تو میں اچھل پڑا' اور سخت لہجے میں کہا۔

”کیوں مجھے بار بار امتحان میں ڈال رہی ہو' جب کہہ دیا کہ یہاں کچھ نہیں ہوگا تو تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آرہا' یہاں ہم تفریح کرنے نہیں آئے ہیں' ایک بہت اہم مشن پر آئے ہیں۔ تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ میں نے یہاں آکر کتنا بڑا رسک لیا' میں شیر کی کچھار میں جارہا ہوں' بجائے میرا ساتھ دینے کے تم مجھے دوسرے چکروں میں ڈال رہی ہو۔“

میرے سخت لہجے کو سن کرراکھی ناراض ہوکربیٹھ گئی اور غصے سے ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"اچھا بابا معاف کردو، غلطی ہو گئی جو تمہارے بارے میں ایسا سوچا، تمہارا ساتھ دینے کے لیے تو یہاں تک آئی ہوں۔ نواب کی کوٹھی میں کیا یہ سب اتنا آسان ہو گا۔"

"میں مانتا ہوں کہ تم میرا ساتھ دینے کے لیے ہی آئی ہو، لیکن وقت کی نزاکت کو نہیں سمجھ رہی ہو، خواہ مخواہ جذباتی ہو رہی ہو مجھے دیکھو میں تو مرد ہوں تم سے زیادہ بے قابو ہو سکتا ہوں لیکن وقت کو دیکھو، رہی نواب کی کوٹھی میں موقع ملنے کی بات، وہ میں نکال لوں گا، مجھ پر بھروسہ کرو..."

راکھی مجھ سے عمر میں بڑی ضرور تھی ،لیکن ایک بھرپور عورت تھی، اور اس بات کااندازہ مجھے اس کی بے تابیوں کو دیکھ کر ہی ہو رہا تھا۔

میرے کھل کر ہر بات سمجھانے پر وہ مان گئی اور مسکرانے لگی، پھر ہم اپنی اپنی جگہوں پر سو گئے۔ دوسرے دن میں بہت ایکسائیٹڈ تھا۔ میں اس علاقے میں پیدا ہوا، پلا بڑھا، لیکن آج تک وہ حویلی میں نے باہر سے ہی دیکھی تھی، کبھی اس کے اندر جانے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ میرا دل اپنا گھر دیکھنے کو بھی بہت چاہ رہا تھا۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ رات کے اس سمے جب سارے گاؤں والے سو چکے ہیں میں ایک نظر اپنا گھر دیکھ کر آسکتا ہوں۔ میں جانتا تھا کہ میرا گھر یہاں سے خاصا دور ہے۔ اور پیدل جاتے ہوئے وہاں تک کافی ٹائم لگ جائے گا، میں فہیم سے کہتا ہوں کہ وہ مجھے وہاں لے جائے، یہ سوچ کر میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں اٹھ کر بیٹھا تو راکھی بھی اٹھ کر بیٹھ گئی، اور بولی۔ "کیا ہوا اٹھ کیوں گئے، کیا نیند نہیں آ رہی، کیا میں آ کر سلا دوں..."

"یہ بات نہیں ہے، میں سوچ رہا ہوں کہ اپنے گھر کو ایک نظر جا کر دیکھ لوں۔ دن میں تو یہ ممکن ہی نہیں ہے، البتہ رات میں، میں آسانی سے وہاں تک جا سکتا ہوں۔"

"کیا اپنا گھر دیکھنے جانا ضروری ہے؟" راکھی نے پوچھا۔

"ضروری تو نہیں ہے، لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ بار بار یہاں آ نہیں سکتا، اب اگر آیا ہوں تو دیکھ لوں کہ میرے اجڑے ہوئے گھر کا کیا حال ہے، وہ گھر جہاں میں پیدا ہوا، اس گھر کے آنگن میں کھیلتے ہوئے اپنا بچپن گزارا... ارمان اور فائزہ کی لڑائیاں میں نے نمٹائی تھیں۔ میں چونکہ بڑا تھا اور سنجیدہ تھا

اس لیے جب ارمان اس کے بال کھینچتا یا اس کی گڑیا کے ہاتھ پاؤں توڑ دیتا تو وہ روتی بسورتی سیدھی اپنی زخمی گڑیا کو میرے پاس لے آتی اور میں جو بچپن سے ہی اپنے دماغ میں یہ بات بٹھائے بیٹھا تھا کہ مجھے بڑے ہو کر ڈاکٹر بننا ہے' فوراً ڈاکٹر بن جاتا اور فائزہ کی گڑیا کے ہاتھ پاؤں ٹیپ سے یا گوند سے جوڑ دیتا جو تھوڑی دیر بعد ہی دوبارہ سے علیحدہ ہوجاتے وہ پھر روتی تو ارمان اسے چڑانے کے لیے کہتا۔"یہ مرگئی ہے اسے کہیں دفن کردو۔" اور فائزہ بلک بلک کر رو پڑتی۔

میری آنکھوں میں ماضی کی ان خوشگوار یادوں کے دیئے جلنے لگے' میں ان یادوں میں ڈوب چکا تھا اور مسلسل بول رہا تھا' راکھی کچھ دیر تو میری باتیں سنتی رہی پھر بور ہو کر بولی۔

"میں بھی چلوں تمہارے ساتھ...!"

"چلنا چاہتی ہو تو ضرور چلو۔" میں نے آمادگی ظاہر کی۔

"تو پھر فہیم کو جگاؤ'میرے خیال میں وہ سوچکا ہے۔" راکھی نے کہا۔

میں نے دروازہ کھولااور باہر صحن میں نکل آیا۔تب میری نگاہ صحن میں بچھی واحد چارپائی کی جانب اٹھ گئی' جہاں دونوں میاں بیوی سارے جہاں سے بے خبر ایک دوسرے میں پیوست سو رہے تھے' میرے قدم بے ساختہ پیچھے ہٹ گئے' مجھے مناسب نہیں لگا کہ اس طرح سوتے ہوئے میں ان کے سرہانے کھڑے ہو کر انہیں جگاؤں' اس لیے وہیں سے کھڑے کھڑے آواز لگائی۔

"فہیم اے فہیم... سو گئے کیا...؟"

میری ایک ہی آواز پر فہیم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھااور ننگے پاؤں میں چپل ڈالے بھاگتا ہوا کمرے کی جانب آیا' مجھے دروازے پر کھڑا دیکھاتو آنکھیں ملتا ہوا بولا۔

"کک کیا ہوا شمروز بھائی خیریت تو ہے... کیا بات ہے؟"

"سوری یار میں نے تمہاری نیند خراب کردی اور تمہیں سوتے سے جگادیا۔"

"کوئی بات نہیں شمروز بھائی آپ حکم کریں۔" وہ پوری طرح ہوش میں آکر بولا۔

"تمہیں ایک چھوٹی سی تکلیف دینی ہے اگر تم مائنڈ نہ کرو تو...!" میں نے کہا۔

"تکلف چھوڑیں اور کام بتائیں" اس نے پرخلوص لہجے میں کہا اتنے میں فہیم کی بیوی بھی آکر ہمارے درمیان کھڑی ہوگئی۔

"بھئی شمروز اپنا پرانا گھر دیکھنا چاہتے ہیں۔دن میں تو یہ کام ممکن ہی نہیں ہے' تو سوچا کہ رات کے اس سمے جب سارا گاؤں سو رہا ہے تو کیوں نہ ہم وہاں چلیں' شمروز بتارہے ہیں کہ یہاں سے ان کا گھر اچھے خاصے فاصلے پر ہے' پیدل جایا تو جاسکتا ہے لیکن اس میں بہت سا وقت لگ جائے گا تو کیوں نہ تمہاری ٹیکسی میں چلا جائے' اس طرح سے بہت سا وقت بچ جائے گا اور کسی کے دیکھ لینے کا خطرہ بھی نہیں ہوگا۔"

مجھے ہچکچاہٹ میں مبتلا دیکھ کر راکھی نے میری خواہش کے بارے میں فہیم کو بتادیا۔

"ہاں' ہاں بالکل چلتے ہیں۔کیا ٹائم ہوا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی اور بولا۔"میرے خیال میں ابھی آدھا گھنٹہ اور انتظار کرلیتے ہیں۔کیونکہ یہاں اس وقت تک تقریباً گاؤں والے تو سوجاتے ہیں لیکن یہاں ایک چائے کا ہوٹل ایسا ہے جو رات کو دیر تک کھلا رہتا ہے۔سننے میں

آیا ہے کہ وہاں بظاہر تو چائے ہی ملتی ہے لیکن اس کی آڑ میں اور بھی بہت سے دھندے ہوتے ہیں اور اس ہوٹل والے کے اوپر حویلی والوں کا ہاتھ ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا...کیا شیرافضل ا؟" میں نے صاف طور پر نام لے کر پوچھا تو اس نے اثبات میں سرہلادیا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ چائے کے ہوٹل کی آڑ میں یہاں کیا کیا دھندے ہو رہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"سارے ہی برے دھندے' یہاں ہر طرح کا نشہ مل جاتا ہے اور سیاحوں کو ٹائم پاس کرنے کے لیے لڑکیاں بھی مل جاتی ہیں۔یہ بھی سنا ہے کہ اصل میں یہ کاروبار شیرافضل ہی کا ہے بس اس نے اپنے آپ کو چھپانے کے لیے اسے کسی دوسرے کی ملکیت ظاہر کیا ہے اور ہاں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جس جگہ یہ ہوٹل قائم ہے وہاں کبھی کچھ شریف لوگ رہا کرتے تھے' شیر افضل نے انہیں وہاں سے بھگایااور ان کے مکان پر قبضہ کرکے بیٹھ گیا۔"

"اچھا...!" میں نے حیرت کااظہار کیا اور فہیم سے کہا کہ "چلو تو ذرا ہم بھی دیکھیں۔"

پھر ہم نے فہیم کی بیوی کو گھر پر ہی چھوڑا اور خود باہر نکل آئے، میری تو مرضی یہی تھی کہ راکھی بھی نہ جائے مگر وہ ضد کرکے ہمارے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ گئی، ہم نے گھر سے چلتے وقت ایک بات کا خیال رکھا کہ ہمارے ریوالور ہمارے پاس ہوں۔یہاں آکر فہیم نے مجھے ریوالور اور اس کا سائلنسر دونوں چیزیں دے دیں تھیں۔

بظاہر تو میں ایک بوڑھے کے گیٹ اپ میں تھا لیکن اندر سے بہت الرٹ اور ایکٹو تھا۔

ٹیکسی کے ذریعے تو ہم دس منٹ میں ہی اس جگہ پہنچ گئے، جو راستہ میں فہیم کو بتا رہاتھا، راستہ سمجھنے کے بعد فہیم کوئی بات کہتے کہتے رک گیا اور خاموشی سے چلنے لگا۔اور جب فہیم نے میرے گھر کے سامنے ٹیکسی روکی تو میں حیران رہ گیا۔

ٹیکسی میرے گھر کے سامنے نہیں چائے کے اسی ہوٹل کے سامنے رکی تھی جس کے بارے میں مجھے کچھ دیر پہلے فہیم نے بتایا تھا۔

"فہیم تم مجھے یہاں کیوں لے کر آئے ہو، میں نے تو تمہیں اپنے گھر کا راستہ سمجھایا تھا، میں سمجھا کہ یا تو یہ رات کے اندھیرے کی وجہ سے صحیح راستہ نہیں سمجھا ہے یا پھر پہلے مجھے یہ ہوٹل دکھانا چاہتا ہے، میرے کہنے پر فہیم آہستہ سے بولا۔

"یہی پہلے کبھی آپ کا گھر ہوا کرتاتھا، لیکن اب یہاں بدمعاشوں کا اڈا کھل گیا ہے، اب میں سمجھا کہ وہ لوگ آپ ہیں جن کے ساتھ شیر افضل نے زیادتی کرکے انہیں بھاگ جانے پر مجبور کردیا، بعد میں ان کا سارا سامان نکال کر باہر پھینکا اوراس جگہ پر قبضہ کرلیا۔آپ نے جب مجھے اپنے گھر کا راستہ سمجھایا تھا میں جب ہی سمجھ گیاتھا کہ آپ کے گھر پر تو اب ہوٹل بن چکا ہے۔"

میری آنکھیں ایک مرتبہ پھر جلنے لگیں۔شدید غصہ، جھنجلاہٹ، میں نہ جانے کن کن کیفیات سے گزر رہاتھا۔میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں اس کاحشر نشر کردوں۔ایک بم مار کر اس ہوٹل کو تباہ وبرباد کردوں۔

"یہاں رات کو لوگ تو ہوتے ہوں گے۔" میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں! اور کہاں جا کر مریں گے ' رات کو کبھی کبھار ان بدمعاشوں کی دل پشوری کے لیے لڑکیاں بھی آجاتی ہیں' پھر رات رات بھر محفل جمتی ہے اور کوئی روکنے والا بھی نہیں ہوتا۔یہ بھی سنا ہے کہ بعض اوقات ان ناچ رنگ کی محفلوں میں شیرافضل بھی شامل ہوتا ہے' ویسے عام طور پر وہ یہاں ہوتا نہیں ہے۔" فہیم نے اتنی اہم بات مجھے آخر میں بتائی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم۔وہ یہاں نہیں ہوتا تو کہاں ہوتا ہے!" میں نے چونک کر کہا۔"وہ زیادہ تر شہر میں رہتا ہے' بس کبھی کبھار ہی ادھر آتا ہے' اور جب آتا ہے تو ناچ گانے کی محفلیں بھی سجائی جاتی ہیں۔" فہیم بولا۔

"اور یہ بات تم مجھے اب بتارہے ہو' شاید تمہیں میرے یہاں آنے کے ارادے کا معلوم نہیں ہے۔" میں نے بگڑے ہوئے موڈ میں بتایا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"چلیں کوئی بات نہیں وہ یہاں کافی دنوں سے آیا نہیں ہے ہوسکتا ہے کچھ دنوں میں چکر لگا لے 'اتنے آپ اس کی بیٹی کا جن اتاریں۔" فہیم نے شوخ لہجے میں کہا۔

"تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے اور مجھے غصہ آرہا ہے 'میں کب تک اس کا انتظار کروں گا وہ نہ جانے کب آئے گا۔" میں نے جھنجلا کر اپنا سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

"آجائے گا۔" فہیم نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں کہا پھر بولا۔"دیکھ لیا آپ نے اپنا گھر...اب اس کا کیا کرنا ہے؟"

"اس کے بارے میں بھی میں نے سوچ لیا ہے کہ کیا کرنا ہے' پھر میں اسے کچھ ضروری ہدایات دینے لگا' میری باتیں سن کر فہیم نے سرہلایااور بولا۔

"ترکیب تو آپ نے لاجواب سوچی ہے' اس طرح سے دو کام ہوں گے ایک توشیر افضل واپس آجائے گا' دوسرے آپ کے دل کی جلن کو تھوڑا ساسکون مل جائے گا۔"

"دل کی آگ صرف شیر افضل کے خون سے ہی ٹھنڈی ہوگی۔" میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

پھر ہم نے واپسی کا سفر اختیار کیا' راستے میں میں سوچ رہا تھا کہ جب شیر افضل کو میری موت کی اطلاع ملی ہوگی تو وہ بے فکر ہو گیا ہوگا کہ اب تو میرے بابا کا نام ونشان ہی مٹ گیا' اب کون آئے گا ادھر کی خبر لینے... اور اس کے کہنے پر اس کے غنڈوں نے میرے مکان پر قبضہ کرلیا' سارا سامان میں اسی طرح چھوڑ گیا تھا' اس میں کتنی ہی نشانیاں تھیں سب کی' بابا'اماں کی ارمان اور فائزہ کی' اب میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے سوائے یادوں کے۔

شیر افضل کے لیے میرے دل میں جو نفرت ' غصہ اور انتقام تھا' اس کی اس حرکت کے بعد اس میں مزید اضافہ ہوگیا' میرا بس نہیں چل رہاتھا کہ میں ابھی اور اسی وقت جاکر اس کی غرور سے اکڑی ہوئی گردن مروڑ کر پھینک دوں۔

واپسی کا راستہ بہت خاموشی سے طے ہوا' میں کچھ بول نہیں رہاتھا تو وہ دونوں بھی خاموش تھے'انہیں اچھی طرح سے اندازہ تھا کہ اس وقت میرے دل ودماغ پر کیا گزر رہی ہے' میرا دل کتنا بے چین اور بے قرار ہو رہا تھا۔ اپنے گھر کو دیکھنے کے لیے' مجھے تنہا چھوڑ کر جانے والے میرے پیاروں کی نشانیوں کو سینے سے لگانے کا'لیکن یہاں بھی مجھے اس رزیل شیر افضل کے ایک اور ستم کا سامنا کرنا پڑا۔

اچھا ہوا راستے میں کسی سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی' سارا گاؤں سویا ہوا تھا' ہم فہیم کے گھر واپس آگئے۔

"کیا ہوا تم لوگ جلدی واپس آگئے' سب خیر تو رہی؟" فہیم کی بیوی نے ہمیں اتنی جلدی واپس آتا دیکھ کر سوال کیا۔

"ہاں سب خیر ہے تو سوجا۔" فہیم نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"شمروز بھائی تھوڑا صبر سے کام لیں۔انشاء اللہ آپ جلد ہی اپنا مقصد پالیں گے' ویسے میں ایک بات آپ کو بتانا بھول گیا۔مجھے معلوم ہوا ہے کہ شیر افضل ادھر اپنی حویلی میں موجود نہیں ہے' وہ شہر گیا ہوا ہے' ہوسکتا ہے کہ ایک

دو روز میں واپس آجائے۔" فہیم نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو میں نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلادیا۔

میں چپ چاپ جاکر زمین پر بچھے اپنے بستر پر لیٹ گیا۔راکھی بھی آکر میرے پاس بیٹھ گئی' اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیااور آہستہ آہستہ سہلانے لگی' گویا وہ خاموشی کی زبان سے مجھے تسلی دے رہی تھی۔میں چپ لیٹا چھت کو گھور رہاتھا' وہ تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھی رہی پھر اٹھ کر بنا کچھ کہے چارپائی پر جاکرلیٹ گئی۔

کافی دیر خاموشی کے بعد مجھے راکھی کی آواز سنائی دی وہ کہہ رہی تھی۔

"اب تمہارا کیا پروگرام ہے' کل تم شیرافضل کی حویلی جاؤگے...؟"

"آں ...ہاں!" میں سمجھ رہاتھا کہ راکھی سوچکی ہے لیکن میرے ساتھ ساتھ وہ بھی جاگ رہی تھی۔اس لیے اس کے اچانک سوال کو سن کر میں چونک پڑا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی' تمہاری خاص مریدنی کی حیثیت سے' مجھے تمہاری بے تحاشا کرامات کے بارے میں بھی تو شیر افضل کی بیوی کو بتانا ہے۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم بھی چلنا۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

میرا مطلب شیر افضل کی بیوی سے ملاقات یااس کی بیٹی کو ٹھیک کرنا نہیں تھا' میری بلا سے' اس کی بیٹی پاگل دیوانی تھی یا اس پرجنات کا سایہ تھا تو ہوا کرے۔میرا اصل مقصد تو اس کی حویلی میں قیام کرنا تھا اور وہ بھی اس وقت جب شیر افضل بھی حویلی میں موجود ہو' تاکہ کسی رات کو موقع سے فائدہ اٹھا کرمیں اس کا کام تمام کردوں اور خاموشی سے حویلی سے لوٹ جاؤں۔بھاڑ میں جائے اس کی بیٹی... پیرصاحب بننے کاناٹک میرے دماغ میں آیا ہی اس کی بیٹی کی وجہ سے تھا۔

وہ رات میری سوتے جاگتے ہوئے گزری' آنکھیں بند کرتاتو بابا اماں ارمان اور فائزہ کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آجاتا' فائزہ کی بے حرمتی اور پھر اس کی لاش... اس کی تدفین۔

فائزہ کا رونا' مچلنا 'تڑپنا... اس کا فریاد کرنا... بار بار مجھے پکارنا... مجھے سب یاد آرہاتھا۔

ایک دن وہ تھا جب میری معصوم بہن شیر افضل کے پالتو کتوں کے ہاتھوں پامال ہوئی اور اپنی جان سے گزر گئی۔وہ اذیت ناک لمحے میں نے جس طرح سے گزارے تھے وہ میرا دل ہی جانتا تھا' میرے ذہن کی کیفیت کچھ اس طرح کی ہوگئی تھی کہ میرا دل چاہتا تھا ہر وہ لڑکی جو خود کو باعزت رکھنا چاہتی ہے' یا اپنے آپ کو اپنے باپ اور بھائی کی عزت سمجھتے ہوئے اپنی حفاظت کرتی ہے اسے بے عزت کردوں...!تاکہ اس کاباپ بھی مر جائے اور بھائی کو کہیں ڈوب مرنے کی جگہ نہ ملے' جو اذیت دن ورات میں اٹھا رہا ہوں' وہی اذیت دوسرے لوگ بھی اٹھائیں۔

میں لیٹا ہوا ایک اور بات سوچ رہاتھا' میں نے ایک فیصلہ کیااور اس فیصلے کو کرنے کے بعد مجھے اپنے اندر ایک اطمینان سااترتا ہوا محسوس ہوااور پھر میری آنکھ لگ گئی۔

دوسرے دن لوگوں کے شوروغل سے میری آنکھ کھل گئی۔میں نے گھڑی میں ٹائم دیکھا صبح کے دس بج رہے تھے' راکھی اپنے بستر پر موجود نہیں تھی' کمرے کا دروازہ بند تھا' میں سمجھ گیا کہ باہر گاؤں والوں کا رش لگ گیا ہے۔

سب مجھ سے مل کر اپنی مشکلات کا حل تلاش کرنا چاہتے تھے' میں کیا کسی کی مشکلات دور کرسکتاتھا' میں تو خود اپنی مشکل دور کرنے کے لیے آیا تھا اور ویسے بھی آج میرا ارادہ ان جاہل لوگوں سے ملنے کا نہیں تھا جو اندھے باؤلے ہر ایک پر آنکھیں بند کرکے ایمان لے آتے ہیں۔مجھے تو آج شیر افضل کی حویلی جانا تھا' اور یہاں آنے کامیرا مین مقصد بھی یہی تھا۔

ابھی میں لیٹا سوچ ہی رہاتھا کہ کمرے کا دروازہ کھلااور راکھی اندر داخل ہوئی۔میں‌نے ذرا سا سر اٹھا کر اسے دیکھا تو اس نے اندر آکر دروازہ بند کردیااور بولی۔

"شمروز تم جاگ گئے' میں جانتی ہوں تم رات کو دیر سے سوئے تھے اس لیے تمہیں نہیں جگایا۔باہر بہت سے لوگوں کا رش لگ گیا ہے' سب فہیم کی خوشامد کررہے ہیں کہ وہ ذرا دیر کے لیے تم سے ملنے دے۔حویلی سے شیرافضل کی ملازمہ بھی آئی ہوئی ہے' تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لیے'فہیم نے ان سب سے یہی کہا ہے کہ تم نے رات بھر جاگ کر عبادت کی ہے' اب فجر کی نماز کے بعد سو رہے ہو۔"

"عبادت... نماز... " میں دھیرے سے ہنس پڑا اور آہستہ سے زیرلب کہا۔

"کیا ملا مجھے اللہ کے آگے ماتھا ٹیک کے ... میں نے شرافت اور ایمان داری کی زندگی گزاری تو ظلم بھی میرے ساتھ ہی ہوا۔ اس لیے میں نے سب کچھ چھوڑ دیا' نماز بھی... "وہ" کہتا ہے کہ سب کچھ اس کے اختیار میں ہے' ہر بات پہلے سے لکھی ہوئی ہے' تو پھر کیا فائدہ گناہ اور ثواب کے چکر میں پڑنے کا..."

"کیا تم مجھ سے کچھ کہہ رہے ہو؟" راکھی نے میری بڑبڑاہٹ کو محسوس کر کے کہا۔

"نہیں کچھ نہیں'" میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"چھوڑو جانے دو اس بات کو... تم واش روم سے ہو آؤ پھر ناشتہ کرتے ہیں' میں نے بھی ابھی تک تمہارے انتظار میں ناشتہ نہیں کیا ہے۔" اس نے بات کو ٹالتے ہوئے کہا۔

"گھر کے اندر تو کوئی نہیں ہے ناں۔" میں نے دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"شیرافضل کی ملازمہ بیٹھی ہے' تم سنبھل کر جانا۔" راکھی نے بتایا تو میں نے چادر اٹھا کر سر پر لے لی اور دھیمی چال چلتا ہوا باہر نکل آیا' راکھی بھی مؤدب انداز میں میرے پیچھے پیچھے باہر نکل آئی۔

مجھے دیکھا تو شیرافضل کی وہی ملازمہ جو کل مجھ سے ملنے کے لیے آئی تھی چنبیلی نام کی' تیزی سے اٹھ کر میرے قریب آئی اور سر جھکا کر مجھے سلام کیا اور مؤدب انداز میں کھڑی ہو گئی۔ میں نے بھاری لہجے میں سلام کا جواب دے کر اس کے جھکے ہوئے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔

"ہم جانتے ہیں کہ وہ بڑی بے صبری سے ہمارا انتظار کر رہی ہے لیکن ابھی ہمیں کہیں بھی جانے کا حکم نہیں ہوا ہے' ہمیں جیسے ہی حکم ہو گا ہم خود آجائیں گے' اب تو جا اور جا کر اپنی مالکن کو بتا دے۔"

"کس کا حکم حضور...!" اس نے سر اٹھا کر حیرت سے کہا۔

"ہش...!" راکھی نے منہ پر انگلی رکھ کر خشمگیں نگاہوں سے چنبیلی کو گھورا اور نیچی آواز لیکن سخت لہجے میں کہا۔

"سرکار سے سوال نہیں کرتے، گستاخی ہوتی ہے، تم نے سنا نہیں سرکار نے کیا کہا ہے، اب تم گھر جاؤاور انتظار کرو، سرکار خود آجائیں گے۔"

"غلطی ہوگئی...اللہ توبہ اللہ توبہ!" اس نے خوف زدہ ہو کراپنے دونوں گال پیٹ ڈالے اور میں زیرلب مسکراتا ہوا باتھ روم میں چلا گیا۔

واپس آیا تو چنبیلی جاچکی تھی۔باہر سے لوگوں کی آوازیں بھی نہیں آرہی تھیں، شاید چنبیلی نے انہیں سمجھادیا تھا۔

میں باہر آکر ہنس پڑااور راکھی کو تحسین آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم نے بہت زبردست انٹری ماری۔"

"تم نے بات بھی تو ایسی ہی کہی تھی، مجھے تو ایسا جواب دینا ہی تھا، ویسے تم نے اسے منع کیوں کردیا۔تمہارا پروگرام کیا ہے؟" راکھی نے پوچھا۔

"آج ہی شام کو چلیں گے، میں دراصل اس کے ساتھ جانا نہیں چاہتا تھا اور پھر اس طرح کی بات کرنے سے رعب بھی پڑتا ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں یہ بات تو ہے۔" راکھی نے میری بات سے اتفاق کیا۔بات کرتے کرتے ہم دوبارہ کمرے میں آگئے، اتنے میں فہیم کی بیوی اشتہا انگیز ناشتے کی

ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔دیسی گھی میں بنے ہوئے زبردست پراٹھے، ساتھ انڈے فرائی کیے ہوئے تھے اور سوجی کاحلوہ بھی تھا۔

ناشتہ دیکھ کر میں زور سے ہنس پڑااور کہا۔"تم تو واقعی حلوے کھانے والے مولویوں کاناشتہ بنا لائی ہو۔"

"شہر میں کہاں آپ کو ایسا ناشتہ کھانے کوملتا ہوگا شمروز بھائی۔" فہیم کی بیوی نے کہا۔

"ملتا تو سب کچھ ہی ہے لیکن اب ہم اس قسم کے ہیوی ناشتوں کے عادی نہیں رہے۔" میرے بجائے راکھی نے جواب دیا تو فہیم کی بیوی نے اسے شاکی نگاہوں سے دیکھا۔

"راکھی ٹھیک کہہ رہی ہے، ایسا ہی ہے، لیکن تم نے اتنی محبت سے ہمارے لیے یہ ناشتہ بنایا ہے تو میں ضرور یہ پراٹھے کھاؤں گا، دیسی گھی میں تر بتر... میں جب شہر سے گاؤں آیا کرتا تھا تو اماں محبت سے کہتی تھیں۔"کتنا دبلا ہوگیا ہے، گھی شی جو کھانے کو نہیں ملتا۔حالانکہ میں کوئی دبلا نہیں ہوتا تھا،

لیکن ممتا کی ماری ماں کی آنکھیں ہمیشہ اپنے بچوں کی صحت کے لیے فکرمند رہتی ہیں۔" میں نے ماضی میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ دل سے یہ ناشتہ کھاؤ گے۔" فہیم کی بیوی نے خوش ہو کر کہا۔

فہیم مجھے دکھائی نہیں دیا تو میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو اس کی بیوی نے بتایا کہ وہ کسی ضروری کام سے باہر گیا ہے 'کہہ رہا تھا کہ تھوڑی دیر میں آجائے گا۔"

"کسی ضروری کام سے...؟" میں نے پوچھا۔

"وہ جی پتا نہیں جی... یہ تو اسے ہی معلوم ہوگا۔" اس نے نگاہیں چرا کر جواب دیا' اور نہ جانے کیوں اس کے اس طرح سے جواب دینے سے میں کچھ کھٹک سا گیا کہ یہ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہے'فہیم کہاں اور کیوں گیا ہے یہ بات اس کے علم میں ہے' مجھے جواب دینے میں اس کا لہجہ سادہ نہیں تھا۔

یہ میری پرانی عادت تھی کہ جب کوئی بات میرے دل میں کھٹک جائے تو مجھے بے چینی سی شروع ہوجاتی ہے' میں نے چندنوالے لے کر ہی ناشتے سے ہاتھ کھینچ لیا' راکھی نے دیکھا تو بولی۔

"کیابات ہے شمروز تمہارے چہرے پر مجھے تردد کے آثار دکھائی دے رہے ہیں 'کیابات ہے کسی اُلجھن میں ہو'ناشتے سے بھی ہاتھ کھینچ لیا۔"

"نہیں کچھ نہیں'بس دل نہیں چاہ رہا ہے' میں ہیوی ہیوی سا فیل کررہاہوں۔" میں نے کہا تو راکھی خاموش ہوگئی۔

میں مسلسل خاموش سوچ میں گم بیٹھا تھا کہ اس نے حلوے سے بھرا چمچہ میرے منہ کی جانب بڑھاتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔

"حلوہ تو کھائیے پیر صاحب' یہ بطور خاص آپ کے لیے بنا ہے۔"

"ہٹاؤ اسے مجھے نہیں کھانا۔" میں نے سخت لہجے میں کہا اور زور سے اس کاہاتھ پرے کردیا' تووہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"ہواکیا ہے' کچھ مجھے بھی تو بتاؤ' اچانک ہی تمہارا موڈ کیوں آف ہوگیا۔"

"کہہ تو دیا کوئی بات نہیں ہے 'بس ہٹاؤ یہ سب میرے سامنے سے۔" میں نے کہا تو وہ اٹھ کر خاموشی سے باہر چلی گئی' واپسی میں فہیم کی بیوی اس کے ساتھ تھی' وہ برتن اٹھا کر چلی گئی' اس کے ساتھ ہی راکھی بھی باہر نکل گئی اور دروازہ بھیڑ دیا۔

میں اس الجھن میں تھا کہ فہیم ایسے کون سے کام سے گیا ہو گا کہ وہ مجھ سے چھپانا چاہتا ہے۔ پھر میں نے اپنے آپ کو خود ہی سمجھایا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ میرا وہم ہی ہو' بھلا فہیم مجھ سے کیا چھپائے گا' وہ تو یہاں میری مدد کررہا ہے' اس نے اپنے گھر میں مجھے رکھا ہوا ہے۔

تب ہی مجھے ہلکے سے باہر کا دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی' میں نے اٹھ کر اپنے کمرے کے بند دروازے کی جھری سے جھانک کر دیکھا تو فہیم تھا۔

فہیم اندر آگیا تو اس کی بیوی نے دروازہ بند کردیا' یہ دیکھ کر میں پلٹ ہی رہا تھا کہ میں ٹھٹک گیا۔ میں نے تیزی کے ساتھ راکھی کو اس کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھا' پھر دونوں سرگوشیوں میں کچھ باتیں کرتے رہے' مجھے ان کی آواز

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

سنائی نہیں دے رہی تھی' مگر لگتا تھا کہ دونوں میں کوئی بہت خاص میٹنگ ہوئی ہے۔

بات ختم کرنے کے بعد راکھی واپس اپنی جگہ پر جاکر بیٹھ گئی اور فہیم میری جانب آنے لگا' یہ دیکھ کر میں تیزی کے ساتھ جاکر بستر پر لیٹ گیا۔

فہیم دروازہ کھول کر اندر آیا اور میرے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔"اٹھ گئے شمروز بھائی۔"

"ہاں میں تو کافی دیر ہوئی اٹھ گیا تھا' ناشتہ بھی کرلیا' تمہاری بیوی نے زبردست پراٹھوں اور انڈوں کا ناشتہ کروایا ہے' لیکن ناشتے میں تم شامل نہیں تھے کہیں گئے ہوئے تھے کیا۔" میں نے سادہ سے لہجے میں پوچھا تو وہ لمحہ بھر کو چپ ہو گیا پھر بولا۔

"ہاں وہ ذرا میں حویلی کی طرف چکر لگانے کے لیے گیا تھا کہ پتا کروں کہ شیر افضل آیا یا نہیں۔"

"اچھا تو پھر کیا خبر لائے؟" میں نے لیٹے لیٹے ہی پوچھا۔

"وہ آج کل میں آنے ہی والا ہے‘سنا ہے اس دفعہ تو کافی دنوں کے لیے آئے گا‘ وہ اپنی بیٹی کی وجہ سے کافی پریشان ہے۔"فہیم بولا۔

"تمہیں یہ سب کس نے بتایا...!" میں نے اپنے لہجے میں ابھرنے والے تیکھے پن کو کنٹرول کرتے ہوئے کہا۔

"حویلی کے ایک دوملازمین سے میری سلام دعا ہے‘ وہ جو ڈرائیور ہے ناں خالد... اس سے بات چیت ہے۔" فہیم نے کہا۔

فہیم کی بات سن کرمیں خاموش ہو گیا‘ حالانکہ جو کچھ فہیم نے بتایا تھا ‘ہوسکتا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہو‘ لیکن نہ جانے کیوں میرادل مطمئن نہیں ہو رہا تھا‘ میراشک اپنی جگہ موجود تھا‘ میں کیا شک کر رہا تھا‘ کیوں مطمئن نہیں ہو رہاتھا‘ اس کا جواب خود مجھے اپنے آپ سے بھی نہیں مل رہا تھا۔

ہم دونوں کے درمیان کافی دیر خاموشی چھائی رہی‘ پھر فہیم نے اس خاموشی کو توڑااور بولا۔

"حویلی کب جانا ہے...؟"

"شام کو جاؤں گا۔" میں نے مختصر جواب دیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"کیابات ہے شمروز بھائی آپ بہت سنجیدہ دکھائی دے رہے ہیں‘ کیا رات والی بات سوچ رہے ہیں یا کوئی اور بات ہے۔" فہیم نے میری غیر معمولی سنجیدگی یا خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا یا پھر راکھی نے اس سے ایسی کوئی بات کہہ دی‘ جس کی وجہ سے اس نے مجھ سے یہ سوال کیا۔

"نہیں رات والی بات تو نہیں سوچ رہا‘ بس ایسے ہی خاموش ہوں‘ کچھ دیر تنہا رہناچاہتا ہوں‘ ہوسکے تو مجھے تھوڑی دیر تک ڈسٹرب نہ کیا جائے۔"میں نے کہا تو وہ خاموشی سے اٹھ کرچلا گیا۔

میرا دماغ ایک بار پھر وہی باتیں سوچنے لگا‘ میں جن حالات سے گزر کر آیا تھا‘ ان میں تو انسان اپنے سائے پر بھی بھروسہ نہیں کرتا‘ نواب سطوت الاسلام کی شخصیت بھی میری نگاہ میں مشکوک تھی۔آخر اس نے میرے اوپر اتنی جلدی بھروسہ کیسے کرلیا۔اپنے ساتھ بھی رکھ لیا اور پھرشیرافضل سے انتقام لینے کے لیے مجھے یہاں بھیج بھی دیا۔میری مدد بھی کررہا ہے‘ جب کہ یہ بات میرے علم میں آچکی ہے کہ شیرافضل سے اس کی دوستی تھی۔اس کایہ کہنا تھا کہ وہ اس کا دشمن بن چکا ہے‘ اور سیاسی پارٹی اس نے چھوڑی ہی شیرافضل

کی وجہ سے تھی۔لیکن اگر ایسی بات تھی تو اس دن پارٹی میں شیرافضل بھی تو موجود تھا۔نواب نے اسے دعوت بھیجی اور وہ آبھی گیا۔اس کا تو سیدھا مطلب یہی نکلتا ہے کہ عام لوگوں کی نگاہ میں ان کی دوستی ابھی تک قائم ہے' لیکن نواب دل سے شیرافضل کو پسند نہیں کرتا' وہ اسے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہو'اس لیے وہ ایک پنتھ دوکاج والا فارمولا استعمال کررہا ہے۔شیر افضل کو مروانا دراصل اس کی اپنی خواہش ہے' جووہ میری مدد کرکے میرے اوپر اپنا ایک احسان کررہا ہے۔

جو بھی ہے' مجھے تو شیر افضل سے اپنے خاندان کی تباہی کاانتقام لینا ہے' اتنا کچھ سوچنے کے بعدمیری الجھن ختم ہوگئی' اور میں اٹھ کرباہر آگیا' اور ان لوگوں کے درمیان بیٹھ کرباتیں کرنے لگا۔

پانچ بجے کے قریب میں شیرافضل کی حویلی جانے کے لیے بالکل تیار تھا' راکھی بھی شلوار قمیص اور بڑے سے دوپٹے میں ملبوس میرے ساتھ تھی۔

”کیا میں آپ کے ساتھ چلوں شمروز بھائی۔“ فہیم نے پوچھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”نہیں تمہارے جانے کی ضرورت نہیں ہے'مجھے حویلی کا راستہ اچھی طرح سے معلوم ہے۔میں راکھی کو ساتھ لے کرجارہا ہوں۔“ میں نے کہا۔

”لیکن شمروز بھائی حویلی یہاں سے خاصے فاصلے پر ہے' آپ کومیں ٹیکسی میں چھوڑ آتا ہوں۔“ فہیم نے پیش کش کی۔

”یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو' واقعی حویلی کا یہاں سے فاصلہ زیادہ ہے' پھرتم ایسا کرو کہ ہمیں حویلی سے تھوڑا دور اتار دینا' وہاں سے ہم پیدل ہی حویلی جائیں گے اور جب واپس آنا ہوگا تو میں تمہیں ایس ایم ایس کردوں گا' تم اسی جگہ ٹیکسی لے کر آجانا' جہاں ہمیں اتاروگے۔“ میں نے کہا تو فہیم تیار ہوگیا۔اور ہم فہیم کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ کروہاں سے روانہ ہوگئے۔

میں نے حویلی سے ایک مناسب فاصلے پر ٹیکسی رکوائی اور اتر گیا۔پھر میں اور راکھی حویلی کی جانب روانہ ہوگئے' راکھی اس وقت جس حلیے میں تھی اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ مسلمان نہیں ایک ہندو لڑکی ہے۔

میں حویلی کے گیٹ پر پہنچا تو میں نے اپنے ہاتھ میں تھامی ہوئی لکڑی کی اسٹک سے گیٹ بجایا' ذرا دیر میں ایک خاصی تگڑی مونچھوں والے اور لمبے قد کے شخص نے گیٹ کھولااور ترش لہجے میں بولا۔

"کیابات ہے...؟ کون ہو تم...؟"

"حویلی کی مالکن سے کہو کہ حضور تشریف لے آئے ہیں۔" راکھی نے آگے بڑھ کر میری جانب دیکھتے ہوئے ادب سے کہا۔

"حضور... !" اس نے اچنبھے سے کہا۔

"واپس چلو لڑکی... جب اس حویلی کے نوکروں کو ہی تمیز نہیں ہے تو ہم کسی اور سے کیا توقع رکھیں۔" یہ کہہ کر میں مڑ کر دھیمے قدموں سے چلنے لگا۔

"گستاخ...تم نے بڑے پیر صاحب کی شان میں گستاخی کی ہے' یہ تو کہیں آتے جاتے بھی نہیں ہیں' وہ تو انہیں حکم ہوا تھا کہ اس حویلی میں ایک لڑکی بیمار ہے' اس کے علاج کے لیے تشریف لائے تھے۔اور تونے انہیں ناراض کردیا۔" راکھی نے غصے سے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"ارے باپ رے باپ...یہ کیا گناہ ہو گیا مجھ سے ..." وہ گیٹ سے نکل کر بھاگتا ہوا میرے پاس آیا اور میرے قدموں میں گر پڑا... وہ رو رہاتھا اور گڑگڑا رہا تھا۔

"حضور مجھے معاف کردیں' مجھ سے بڑی بھول ہو گئی۔مجھے پتا نہیں تھا' مالکن کو پتا چلا کہ میں نے حضور کے ساتھ گستاخی کی ہے تووہ میری بوٹیاں کتوں کو کھلادیں گی۔"

میں چلتے چلتے رک گیا اور اسے سیدھا کھڑا کرکے کہا۔"تیرے پاس وہ آنکھ ہی نہیں ہے کہ جس سے تو کسی کو پہچان سکے' جا معاف کیا۔"

وہ مجھے بڑی عزت واحترام سے حویلی میں لے آیا اور لے جاکر ایک لکڑی کے تخت پر بٹھادیا' جس پر نہایت نفیس اور قیمتی بستر بچھا ہوا تھا' میرے وہاں بیٹھتے ہی شیرا فضل کی بیوی بھی تقریباً بھاگنے کے انداز میں وہاں آگئی' او رآتے ہی جھک کر مجھے سلام کرنے کے بعد میرے پیروں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے چھو کر سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ا س نے دوپٹہ سر پر اس طرح سے لیا ہوا تھا جس نے اس کی پیشانی کو ڈھانکا ہوا تھا۔سر جھکا ہوا تھا' اس

لیے میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔میں نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا تو اس نے اپنا جھکا ہوا سر میرے آگے کردیا‘ میں نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا‘ تو وہ تیزی سے میرے پیروں کے سامنے بیٹھ گئی‘ اور بلک بلک کر رونے لگی۔وہ روتی جارہی تھی اور کہتی جارہی تھی۔

”حضور میرے بخت جاگ اٹھے جو آپ میرے غریب خانے پر تشریف لائے‘ مجھے چنبیلی نے بتایا تھا کہ آپ کو بطورخاص میرے لیے حکم ہواتھا‘ شاید میں نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی نیکی کی ہوگی... سرکار میری ایک ہی اولاد ہے‘ وہ بھی بیٹی... لیکن نہ جانے اللہ نے مجھے کس گناہ کی سزا دی ہے‘ میری جوان بچی کسی شیطان کے سائے کا شکار ہوگئی ہے‘ بہت علاج کروایا‘ لیکن وہ ٹھیک ہی نہیں ہوپائی۔اب اللہ نے آپ کو ہمارے لیے بھیج دیاہے تو مجھے امید ہے کہ آپ میری بیٹی کو اس عذاب سے ضرور نجات دلائیں گے۔“

”گناہ گارتم نہیں تمہارا شوہر ہے...!“ میں نے بھاری لہجے میں کہا تو اس نے ایک دم چونک کر سر اوپر اٹھایا اور میری جانب پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”کیا میں نے غلط کہا...!“ میں نے سخت لہجے میں کہا تووہ روتے ہوئے بولی۔

”آپ اللہ والے ہیں‘غلط کیسے کہہ سکتے ہیں۔آپ کو تو کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے‘سب کچھ ہی معلوم ہے۔“

”شیرافضل بڑا ظالم انسان ہے‘ اس کا ظلم اس کے آگے آرہا ہے‘ لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہے کہ اس کی بیٹی کن حالوں میں جی رہی ہے‘ اسے بیٹے کی خواہش تھی اور تونے اسے بیٹی جن کے دے دی‘ وہ اس کی شادی بھی نہیں کرے گا‘ کیونکہ اس طرح اس کی ساری زمینیں اور جائیداد غیر کے قبضے میں نہ چلی جائیں۔“ میں نے اندھیرے میں تیر چلاتے ہوئے کہا۔

”سبحان اللہ... سبحان اللہ...!“ میرے کانوں میں کئی آوازیں آئیں‘ تب میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا‘ تووہاں چنبیلی اور اس کے علاوہ ایک آدمی اور موجود تھا‘ شاید وہ حویلی کا خاص ملازم تھا۔راکھی بھی زمین پر بیٹھی تھی اور آنکھیں بند کیے جھوم رہی تھی۔

"آپ نے بالکل سچ فرمایا حضور... ایسا ہی ہے' اگر میں بیٹا پیدا نہ کرسکی تو اس میں میرااور میری بیٹی کا کیا قصور ہے' یہ تو رب کی مرضی ہے' اب میری بیٹی کا خاندان میں کوئی جوڑ بھی نہیں ہے' ایک دو' دور پرے کے رشتہ داروں نے میری شہزادی کاہاتھ بھی مانگا لیکن میرے نصیبوں کے مالک نے بیٹی کا رشتہ دینے سے صرف اس لیے انکار کردیا کہ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے' جو بیٹی کے بدلے میں ہاتھ مانگ لیتے یا پھر وہ خود ایک اور نکاح کرلیتے' وہ میں نے قبول نہیں کیا' شہزادی کی ساتھ کی ساری لڑکیاں بیاہی گئی ہیں'کئی کئی بچوں کی ماں ہیں' اپنے گھروں میں خوش ہیں لیکن میری بچی میری شہزادی تنہائی کا عذاب جھیل رہی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردیا۔

سارا کیس میری سمجھ میں آچکا تھا' شیر افضل کی بیٹی شہزادی کی شادی نہیں ہوسکی تھی' جب کہ بقول اس کی ماں کے اس کے ساتھ کی تمام لڑکیوں کی شادیاں ہوچکی تھیں۔ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے میں یہ بات فوراً سمجھ گیا کہ شہزادی کو ہسٹیریا کی شکایت ہے' اس بیماری میں جو کیفیت ہوتی ہے'عام طور

پر ہمارے گاؤں اور دیہاتوں میں یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ اس لڑکی پر کوئی جن عاشق ہوچکا ہے' یہاں اس وقت میں اس بیماری کی تفصیلات میں نہیں جاؤں گا' بس یہ جان لیں کہ میں ساری بات سمجھ گیااور اس کاعلاج بھی میں نے سوچ لیا اور علاج کا سوچتے ہی میرے لبوں پر ایک نہایت سفاک مسکراہٹ دوڑ گئی' شیر افضل سے میں اپنا ایک انتقام تو بڑی آسانی کے ساتھ لے سکتا تھا۔

میں نے شیر افضل کی بیوی جس نے اپنا نام کلثوم بتایا تھا اس کو تسلی دی اور یقین دلایا کہ میں اس کی بیٹی کے سر آنے والے شاہ جنات کا پتا صاف کرکے ہی جاؤں گا' پھر میں نے شہزادی سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی' جس پر کلثوم تھوڑا سا جھجک گئی۔

"کیابات ہے کلثوم تم اپنی بیٹی کو سامنے کیوں نہیں لارہیں۔" میں نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔

"وہ...وہ حضور... بات دراصل یہ ہے کہ آپ کی آمد کا پتا چلتے ہی شہزادی کو دورہ پڑ گیا ہے' شاہ جنات کی سواری آگئی ہے' اوروہ بہت غصے کا اظہار کررہے ہیں۔وہ آپ کے سامنے نہیں آنا چاہتے اور چاہتے ہیں کہ آپ یہاں سے فوراً

چلے جائیں' ورنہ وہ شہزادی کو اپنے ساتھ لے کر چلے جائیں گے۔" کلثوم نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

کلثوم کی بات سن کر مجھے دل ہی دل میں ہنسی آگئی اور اس بات کا پورا یقین ہو گیا کہ کلثوم کی بیٹی یا تو ہسٹیریا کی مریضہ ہے یا پھر وہ شاہ جنات کے آنے کا ڈھونگ رچا رہی ہے' کیونکہ اگر وہ جن ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ میں کوئی پیر فقیر نہیں ہوں بلکہ پیر صاحب بن کر آیا ہوں۔

"کوئی بات نہیں ہے' اگر شہزادی ہمارے سامنے نہیں آنا چاہتی تو ہم خود اس سے ملاقات کر لیتے۔ ہمیں تو صرف اتنا بتا دے کہ وہ کس کمرے میں ہے اور ہاں خبردار... جب ہم اس کے کمرے میں

جائیں تو کوئی ہمارے پیچھے نہ آئے' سب لوگ اس جگہ سے دور رہیں۔" میں نے کڑک دار لہجے میں کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"بہت بہتر حضور آپ میرے ساتھ تشریف لائیے۔" کلثوم نے کہا اور چلنے لگی ۔میں نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا اور کمر کو قدرے جھکا کر کلثوم کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ میں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

زیر لب اللہ اکبر کہتا ہو اجا رہا تھا' کلثوم مجھے مڑ مڑ کر دیکھتی جا رہی تھی۔اس کے جسم پر لرزش کے آثار میں نے واضح طور پر محسوس کیے' میں اس کی ذہنی کیفیت کو بھی اچھی طرح سے جانتا تھا' آج صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ شہزادی ہسٹیریا کی مریضہ ہے یا ڈھونگی ہے' اگر وہ ہسٹیریا کی مریضہ تھی تو اس کا علاج بھی میں کر سکتا تھا اور دوائیں بھی اس انداز سے دیتا کہ وہ اسے پیر صاحب کا علاج ہی سمجھتی۔

چلتے ہوئے مجھے اندازہ ہوا کہ یہ حویلی اندر سے بھی کتنی کشادہ ہے باہر سے تو بہت دفعہ دیکھا تھا لیکن اندر سے آج پہلی مرتبہ دیکھ رہا تھا' بڑے بڑے کمرے اور بڑے بڑے دالان...!

ایک کمرے سے ذرا دور کلثوم رک گئی اور اشارہ کر کے بولی۔"حضور وہ کمرہ ہے شہزادی کا... آپ چلے جائیں گے یا میں چلوں' آپ کے ساتھ۔"

"تم یہیں ٹھہرو اور جب تک ہم باہر نہ آئیں کوئی دوسرا ادھر نہ آئے۔" میں نے گویا حکم صادر کر دیا۔

"جی حضور..." کلثوم نے سر جھکا کر جواب دیا تو میں آگے بڑھ گیا' میں نے محسوس کیا کہ کلثوم اسی جگہ کھڑی ہے تو میں نے اسے ہاتھ کااشارہ کیا کہ وہ وہاں سے چلی جائے' میرا اشارہ دیکھ کر کلثوم واپس پلٹ گئی اور میں تیز قدموں سے شہزادی کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

میں اندر داخل ہوا تو لمحوں کے لیے میں مبہوت سادروازے پر کھڑا رہ گیا' شہزادی کی یہ خواب گاہ حقیقت میں کسی شہزادی کی خواب گاہ ہی لگ رہی تھی۔اور اسم بامسمیٰ شہزادی اپنے طویل وعریض بیڈ پر زلفیں بکھیرے بے سدھ پڑی تھی اورایک بوڑھی ملازمہ کمرے میں کھڑی خوف زدہ نگاہوں سے شہزادی کو دیکھ رہی تھی۔

"تم باہر جاؤ...!" میں نے اس عورت سے کہا۔

"بہتر حضور!" اس نے کہااور جان چھوٹ جانے پر شکرادا کرتے ہوئے تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

دوسرے ہی لمحے شہزادی نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھول دیں اور بھاری آواز میں بولی۔

"کیوں آیا ہے تو... میں تجھے جلا کر بھسم کردوں گا...یہ میری شہزادی ہے' کوئی مجھے اس کو چھوڑنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور آگے بڑھ کر کمرے کا بھاری دروازہ بند کردیا۔

"تو کیا کرنا چاہتا ہے...!" شہزادی نے چونک کر کہا۔

"کچھ بھی نہیں...!" میں نے واپس آکر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"واپس چلا جا...!" اس نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"آنکھیں بند کرلوشہزادی...مجھے غور سے دیکھو میں شاہ جنات ہوں'تم سے پیار کرتا ہوں۔"

"جھوٹ بولتا ہے بڈھے... دفع ہوجایہاں سے۔" یہ کہہ کر وہ مجھ پر جھپٹ پڑی۔

میں اس کے اس حملے کے لیے ذہنی طور پر تیار تھا' اس لیے فوراً ہی اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ایک ہاتھ میں جکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کو کمر سے پکڑ کر گود میں بٹھالیا اور اپنے سینے کی جانب کرکے دبالیا۔

میری اس حرکت پر شہزادی کا جسم کانپنے لگا اور پھر ڈھیلا پڑ گیا۔اس کی آنکھیں اوپر کو چڑھ گئیں اور وہ بے دم سی ہو گئی۔

میں نے اس کے ہاتھوں کو چھوڑ دیا اور آہستہ آہستہ اس کی ہتھیلیوں کو سہلانے لگا' میرے ایسا کرنے سے رفتہ رفتہ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور وہ گہری گہری سانسیں لینے لگی۔

میں نے بڑی آہستگی اور نرمی سے اسے بیڈ پر لٹادیا اور اس کے کان کے پاس اپنے لب رکھ کرپیار بھری سرگوشیاں کرنے لگا' میں ایک آدمی تھا میری آواز اور رومان پرور لہجہ اس کے حواسوں پر چھانے لگا۔

اس کی آنکھیں بند تھیں اور جسم بالکل ڈھیلا پڑ گیا تھا' البتہ سانسوں کا زیروبم تیز تھا۔

میں اس کے رخسار اس کے لبوں کو اپنی گرم گرم انگلیوں سے سہلانے لگا'بند آنکھوں کے ساتھ وہ پگھلنے لگی' تومیرے ہاتھوں نے مزید گستاخی کی... وہ پوری طرح موم ہو گئی۔

اور پھر تھوڑی دیر میں پرسکون ہو گئی... میں نے اسے چادراوڑھادی... وہ سوچکی تھی ' میں باہر نکل آیا...

برآمدے سے باہر ذرا ہٹ کر میں نے کلثوم کوبے تابی کے ساتھ ٹہلتے ہوئے دیکھا' وہی بوڑھی ملازمہ جس کو میں نے شہزادی کے کمرے سے نکالا تھا اس کے قریب کھڑی تھی۔

کلثوم پرنگاہ پڑتے ہی میں نے اپنی رفتار دھیمی کرلی اور کمر کوقدرے جھکا کر آہستہ روی سے چلتا ہوا ان دونوں کے نزدیک پہنچ گیا' مجھے دیکھ کر کلثوم رک گئی اور سوالیہ نگاہوں سے میری جانب دیکھنے لگی۔

”اس وقت ہم نے شاہ جنات کوحکم دیا تووہ چلا گیا ہے' لیکن دوبارہ ضرور آئے گا اور اس کے لیے ہمیں دوبارہ آنا ہوگا۔“ میں نے بھاری آواز اور لہجے میں کہا۔

”حضور آپ حویلی میں ہی قیام کریں اور اپنی خدمت کاموقع دیں۔“ اس نے قدرے مطمئن لہجے میں کہا۔

میں ابھی حویلی میں رکنا نہیں چاہتا تھا' اس کی دووجوہ تھیں' ایک تو یہ کہ یہاں شیرافضل نہیں تھا۔دوسرے مجھے شہزادی کے لیے کچھ انجکشن لانے تھے۔
میں اس کاعلاج سمجھ چکاتھا'ہسٹیریا کا مرض پوری طرح سے اس پرحاوی نہیں تھا' میرے خیال میں وہ اپنی نفسانی خواہشات کے ہاتھوں پریشان تھی۔
جس طرح وہ میری ڈوز سے مطمئن ہوئی تھی۔اس سے اس کی ذات کو سمجھنے میں مجھے خاصی مدد ملی تھی۔

''نہیں ہم آج رات یہاں نہیں رک سکتے' آج رات ہمیں شہزادی سے دوررہ کر ایک جلالی وظیفہ کرنا ہے' تاکہ اس خبیث کو جو خود کو شاہ جنات کہتا ہے' قابو کرسکیں۔'' میں نے بارعب لہجے میں کہا۔

''اور کوئی خدمت حضور...'' اس نے سرجھکا کر پوچھا۔

''ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی' ہماری ہر ضرورت وہ خود ہی پوری کردیتا ہے۔'' میں نے اوپر کی جانب انگلی اٹھا کر کہا۔

''اگر گستاخی ہوگئی ہو تو میں معافی چاہتی ہوں۔'' اس نے میرے رعب میں آتے ہوئے کہا۔

''ہمیں تم سے دلی ہمدردی ہے تم مطمئن رہو۔شہزادی بالکل ٹھیک ہوجائے گی۔'' میں نے کہااور آگے بڑھ گیا۔

پھر میں راکھی کے ساتھ واپس چل دیا' راستے میں میں نے فہیم کو میسج کردیااور وہ اپنی ٹیکسی لے کر طے شدہ راستے پر آگیا۔پھرہم فہیم کے گھر واپس آگئے۔

گھر پہنچ کر میں نے ایک کاغذ پرفہیم کو ضروری انجکشن لکھ کر دیئے تاکہ وہ فٹافٹ لے کر آجائے' میں نے اور بھی ضروری چیزیں منگوائیں۔فہیم نے وہ ساری چیزیں ایک گھنٹے میں مجھے فراہم کردیں۔

اب میں پوری طرح مطمئن تھا اور اپنی پلاننگ پر باآسانی عمل کرسکتا تھا' ساتھ ہی ساتھ میں اپنے میک اپ کا بھی جائزہ لے رہاتھا اور میک اپ مین نے جو چیزیں مجھے دی تھیں۔لوشن وغیرہ میں مسلسل استعمال کررہاتھا۔خاص طور پر ہاتھوں پر' کیونکہ ہاتھ تو مجھے لازمی دھونے ہی پڑتے تھے' لوشن میرے چوغے کی لمبی جیب میں ہر وقت موجود رہتاتھا۔چہرے کامیک اپ پائیدار تھا' وہ آسانی سے اترنے والا نہیں تھا' اس کے اتارنے کا لوشن بھی میرے پاس

محفوظ تھا کہ اگر مجھے فوری طور پر وہاں سے غائب ہونا پڑا تو میں اپنا میک اپ اتار کر دوسری شکل اختیار کر سکتا تھا۔

میں نے رات فہیم کے گھر پر گزاری' اپنے مکان کے بارے میں میں بعد میں سوچنے والا تھا' پہلے ایک کام سے نمٹ جاؤں پھراس کے بارے میں سوچتا تھا' اس رات راکھی میرے پیچھے ہی پڑ گئی اور مجھے اس کی خواہش کو پورا کرنا ہی پڑا۔

"خوش ہونے کے بعد وہ مجھ سے باتیں کرنے لگی اور باتوں باتوں ہی میں مجھے اس نے ایک اہم بات بتائی اور وہ یہ کہ مجھ سے پہلے دلاور نامی ایک شخص نواب کا بہت قریبی تھا' مگر جب سے نواب نے مجھے اپنے قریب کیا ہے وہ شخص مجھ سے بہت خار کھانے لگا ہے' کیونکہ میرے آنے کے بعد اس کی اہمیت نواب کی نگاہوں میں وہ نہیں رہی ہے جو میری ہے یا اس کی پہلے تھی۔

"لیکن وہ کون ہے؟ میں نے اسے پہلے تو نہیں دیکھا۔" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"وہ اب نواب صاحب کی حویلی میں چلا گیا ہے' نواب صاحب نے اسے شہر سے واپس حویلی پہنچادیا ہے' اب وہ وہاں کے کام دیکھتا ہے۔" راکھی نے بتایا۔

"حویلی ...! نواب صاحب کی حویلی کہاں ہے؟" میں نے مزید حیران ہو کر پوچھا۔

"پنجاب کا ایک گاؤں ہے' وہیں ان کی حویلی ہے' وہ ساری زمینیں نواب صاحب کی ہی ہیں۔اس کے علاوہ بھی ان کی بہت زمینیں اور مختلف کاروبار ہیں۔" راکھی نے بتایا۔

"اچھا راکھی ایک بات تو بتاؤ' مجھے یقین ہے کہ اگر تم اس بارے میں کچھ جانتی ہوگی تو مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش نہیں کروگی' کیونکہ اب ہم بہت اچھے دوست ہیں۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے مصنوعی پیار بگھارتے ہوئے اس کا ہاتھ' اپنے ہاتھوں میں لے کر سہلاتے ہوئے کہا۔

"تم سچ کہہ رہے ہو کہ ہم اچھے دوست بن گئے ہیں۔" اس نے بے یقینی سے میری جانب دیکھا۔

”تم کو یقین کیوں نہیں ہے۔“ میں نے پوچھا۔

”یقین اور اعتماد کرنے میں وقت لگتا ہے میری جان...!“ وہ ایک بار پھر بری طرح بھکنے لگی۔ میں نے جوابی طور پر ایک دو منٹ مزید اس کی تسلی کی اور اسے نرمی سے خود سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔

”اگر ایسی بات ہے تو تم جتنا چاہو وقت اس کام کے لیے لے سکتی ہو‘ اور بھول جاؤ کہ میں نے تم سے کچھ کہا ہے ‘لیکن صرف اتنا یاد رکھنا کہ شمروز اپنی زبان اور قول کا پکا ہے‘ وہ خود کو مرد کہتا ہے تو مرد بن کر دکھاتا ہے۔“ میں نے کہا۔

”تم تو برا مان گئے‘ میرا یہ مطلب نہیں تھا لیکن جن حالات میں‘ میں نے اپنا یہ وقت نواب کے ساتھ گزارا ہے‘ تم سے بیان نہیں کر سکتی‘ اس بڈھے نے مجھے اس وقت تک اپنے قریب رکھا جب تک اس

کا مجھ سے دل نہیں بھر گیا اور پھر اس کے بعد ایک عضو معطل کی طرح میں اس کی اس کوٹھی میں قید ہوں۔ نہ کہیں آسکتی ہوں‘ نہ جا سکتی ہوں۔ یہاں قدم قدم پر پہرے اور پابندیاں ہیں۔ یہاں ہر شخص کا ایک نگران ہے‘ مگر کون

کس کا نگران ہے‘ یہ کسی کو معلوم نہیں ہوتا‘ میں کس کی نگرانی کرتی ہوں‘ یہ مجھے معلوم ہے‘ لیکن میری نگرانی کون کر رہا ہے یہ مجھے معلوم نہیں ہے‘ فہیم جسے تم شاید کوئی سیدھا سا انسان سمجھ رہے ہو‘ یہ ایسا بالکل بھی نہیں ہے جیسا دکھائی دیتا ہے‘ اس نواب کے ہاتھ بہت پھیلے ہوئے ہیں۔ کہاں کہاں تک اس کا تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ اس کی شخصیت کے سارے روپ تو میرے سامنے بھی نہیں ہیں‘ میں بس تھوڑا بہت معلوم کر سکی ہوں۔ وہی مجھے معلوم ہے‘ اصل میں اس کے ساتھ انسانی طاقت ہے‘ یہ عام لوگوں کے لیے روحانی پیشواء ہے‘ اس کے عقیدت مند ہیں‘ انہیں یہ نہیں معلوم کہ یہ کتنا بڑا شیطان ہے‘ بڑے سے بڑا سیاسی لیڈر اور بڑی سے بڑی سیاسی جماعت یہ چاہتی ہے کہ یہ اس میں شمولیت اختیار کرلے لیکن اس کو اپنی اہمیت کا بہت اچھی طرح سے اندازہ ہے‘ یہ سب کے ساتھ اس طرح رہتا ہے جیسے سب کا دوست ہے‘ لیکن حقیقت میں یہ کسی کا دوست نہیں ہے‘ بس جہاں مطلب ہوتا ہے وہیں جھک جاتا ہے۔

اس کی آبائی حویلی میں اس کی بیویاں رہتی ہیں لیکن اس کی اولاد میں صرف دو بیٹیاں ہیں۔بیٹا ہوجائے اس چکر میں اس نے کئی شادیاں کیں لیکن اس کی یہ آرزو پوری نہیں ہوئی ہے۔یہ اپنی جن بیویوں کو طلاق دے دیتا ہے‘ وہ بھی اس کی حویلی سے باہر نہیں جاسکتیں۔سنا ہے تمہارے مذہب میں ایک آدمی ایک وقت میں صرف چار بیویاں رکھ سکتا ہے‘ اس لیے یہ جب نئی شادی کرتا ہے تو ایک بیوی کو طلاق دے دیتا ہے‘ صرف ایک بیوی جو سب سے پہلی ہے‘ وہ ابھی تک باقی ہے‘ اور اس سے ہی اس کی دو بیٹیاں ہیں دونوں کی شادیاں کرچکا ہے۔میں یہاں اس کوٹھی میں لائی گئی تھی اس لیے یہیں رہتی ہوں اس نے مجھ سے نکاح اس لیے نہیں کیا کیونکہ میں ہندو ہوں۔

میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گی‘ راتوں کی تنہائی نے مجھے دیوانہ بناڈالا تھا‘ اس کوٹھی میں تو میں دن رات تڑپتی رہتی تھی‘کوئی میرا دوست نہیں ہے ‘تمہیں دیکھا تو مجھے ایسا لگا جیسے میری اندھیری زندگی میں کوئی چراغ جل اٹھا ہو‘ میں دن رات بھگوان سے پرارتھنا کرنے لگی کہ مجھے تم سے ملنے کاموقع مل جائے اور دیکھو میرے بھگوان نے میری پرارتھنا سن لی اور نواب نے

مجھے خود ہی تمہارے ساتھ بھیج دیا‘ اگر تم میرے ساتھ فیئر رہوگے تو میں قدم قدم پر تمہارا ساتھ دوں گی۔جہاں تک ممکن ہوسکا تمہاری مدد کروں گی‘ تمہیں مشکلات سے بچاؤں گی‘ کیونکہ میرے علم میں بہت کچھ ہے‘ میری زبان بند ہے‘ لیکن کان اور آنکھیں کھلی ہیں۔“

بہت کچھ کہنے کے بعد وہ خاموش ہوئی تو میں بھی خاموش رہ کر سوچوں میں گم ہوگیا۔میں یہ سوچ رہا تھا کہ راکھی نے کس حد تک سچ بولا ہے ‘کیاواقعی یہ نواب سے تنگ آچکی ہے یا نواب کی ٹاوٹ بن کر میرا امتحان لے رہی ہے۔

”کیاسوچنے لگے شمروز؟“ راکھی نے پوچھا۔

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اب میں تم پر کس حد تک یقین کروں۔آیا کہ واقعی تم نواب کی قید میں ہو اور پریشان بھی... یاپھر مجھے آزما رہی ہو کہ میں نواب کا کس حد تک وفادار ہوں۔“ میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

میری بات سن کر وہ مسکرانے لگی۔”کیاہوا؟ مسکرا کیوں رہی ہو؟“ میں نے اس کی مسکراہٹ پر تپ کر کہا۔

”میں اس لیے مسکرا رہی ہوں کہ تم میری بات مجھ پر ہی الٹ رہے ہو۔“ اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

”اس میں بات الٹانے کی کیا بات ہے، تم نے بھی میری ذات پر عدم اعتماد کا اظہار کیا تو ظاہر سی بات ہے میں تم پر کس لیے اعتماد کرلوں۔“ میں نے سابقہ لہجے میں کہا۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو، اچھا تو پھر چلو پرانی باتوں کو چھوڑو، آؤ نئے سرے سے ایک نئی دوستی کا آغاز کرتے ہیں۔ آج سے ہم یہ عہد کریں کہ چاہے ہماری جانیں چلی جائیں ہم ایک دوسرے کو کبھی دھوکہ نہیں دیں گے، جو کام جو بھی بات کریں گے، وہ پورے خلوص کے ساتھ کریں گے۔“ اس نے میری جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

”ڈن!“ میں نے اس کا ہاتھ تھام کر پرجوش لہجے میں کہا تو وہ ایک بار پھر بے قابو ہو کر میرے سینے سے لپٹ گئی۔

وہ ایک بھرپور اور پرجوش عورت تھی اور ایسی پرجوش عورت مجھے تو کیا کسی بھی مرد کو اپنا دیوانہ بنا سکتی ہے، مجھے نواب پر حیرت ہو رہی تھی کہ اس کا اس سے دل کیسے بھر گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ خود علیحدہ ہوئی تو میں نے کہا۔”تم نے ابھی خود کہا ہے کہ ہم دوست ہیں، تو پھر مجھے بتاؤ کہ یہ غضنفر کون ہے...؟“

☆☆☆☆

میرا نام سرمئی ہے، میری ماں نے یہ نام رکھنے کی وجہ مجھے یہ بتائی تھی کہ میں ایک سرمئی شام میں پیدا ہوئی تھی۔

”لو بھئی یہ کیا بات ہوئی اگر کوئی برستی بارش میں پیدا ہوگا تو کیا اس کا نام برسات یا پھر بارش رکھ دیں گے۔“ میں ہمیشہ اپنی ماں کے جواب میں کہتی اور پھر جواباً وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوجاتی۔

اپنے باپ کو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔جب ماں سے اس کے بارے میں سوال کرتی تو وہ صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو جاتی کہ اس کا انتقال اس وقت ہو گیا تھا جب میں ایک ماہ کی تھی۔

”لیکن وہ کون تھا؟ کیسا تھا؟ کہاں رہتا تھا؟ اس کے رشتے دار تو ہوں گے‘ اس کی کوئی تصویر تو ہوگی۔مجھے کچھ تو پتا چلے اپنے باپ کے بارے میں...“ میں نے بار بار اپنی ماں سے باپ کے بارے میں سوالات کیے لیکن ماں نے کبھی میرے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔میں اس کے آگے روئی‘ چیخی چلائی لیکن یہ سب حربے پتھر سے سر پھوڑنے کے مترادف ہوتے‘ ماں نے کبھی بھی باپ کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں بتایا۔بس یہ کہتی رہی وہ مر گیا تو مر گیا‘ اب گڑے مردے اکھاڑنے کا کیا فائدہ۔ایک دن بہت تنگ آ کر میں نے ماں سے کہہ دیا۔

”ماں تم مجھے میرے باپ کے بارے میں کبھی بھی کچھ نہیں بتاتی ہو‘ کہیں ایسا تو نہیں کہ میں کسی کی ناجائز اولاد ہوں۔تمہیں کسی نے پیار کے نام پر دھوکہ دے دیا ہو اور پھر اپنی نشانی تمہاری کوکھ میں چھوڑ کر رفوچکر ہو گیا ہو۔“

میری اتنی تلخ بات کے جواب میں‘ ماں کا ایک زبردست تھپڑ میرے منہ پر پڑا۔

”چپ ہو جا...!“ ماں نے روتے ہوئے چیخ کر کہا اور اپنی ساڑھی کے پلو سے منہ چھپا کر رو پڑی۔

”اگر ایسی بات نہیں ہے تو پھر نہ تمہارا اور نہ ہی میرے نام نہاد باپ کا کوئی رشتہ دار کیوں نہیں ہے اگر میرا باپ مر گیا تھا تو تمہارے اور اس کے گھر والوں نے تمہیں تنہا کیوں چھوڑ دیا اور ہمارے گھر کے یہ بھاری اخراجات کون پورے کرتا ہے۔“ میں نے بھی جواباً روتے ہوئے چیخ کر ماں سے پوچھا۔

”اخراجات کے بارے میں بتایا تو ہے کہ تیرے باپ کی کچھ زمینیں ہیں‘ جن کی آمدنی آتی ہے۔“ ماں نے کہا۔

اور پھر میں روٹھی روٹھی غیر مطمئن انداز میں ماں کو شکی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔سوچ سوچ کر میرا دماغ شل ہو گیا تھا‘ میں جب تک چھوٹی اور ناسمجھ تھی ماں کی باتوں

سے بہل جاتی، لیکن اب میں بچی نہیں رہی تھی، جوان ہوچکی تھی، ہر بات سوچ اور سمجھ سکتی تھی۔اس لیے ماں کی باتوں سے بہلتی نہیں تھی،بلکہ اس سے اپنے باپ کے بارے میں مسلسل سوالات کرتی رہتی تھی او رماں وہ کبھی بھی مجھے کوئی اطمینان بخش جواب نہ دے پاتی اور ہماری بحث کاانجام یہ ہوتا کہ میں روٹھ کر اپنے کمرے میں بند ہوجاتی، کھانا نہیں کھاتی ماں مسلسل میرا دروازہ کھٹکھٹاتی رہتی اور روتی رہتی، میں پھر تھک ہار کر دروازہ کھول دیتی اور رو رو کر نڈھال ہوجانے والی کو اندر لے آتی۔اور اسے پانی پلاتی اورخود بھی کھانا کھاتی اور اسے بھی کھلاتی۔

میں نے جب سے ہوش سنبھالا تھا، اس گھر میں اپنے علاوہ کسی اپنے کو ماں کے روپ میں دیکھاتھا ہم دونوں ماں بیٹی کے علاوہ دو سو گز کے دومنزلہ اس گھر میں دونوکروں کواور دیکھاتھا، ایک اماں حمیدہ تھیں جو صبح سے لے کر رات تک گھر کے سارے کام سنبھالتیں۔دوسرا فرد شمسو بابا تھے۔جو باہر کے سارے کام انجام دیتے تھے، وہ دونوں میاں بیوی تھے، میں نے انہیں بھی

کہیں آتے جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، نہ ان سے کوئی ملنے کے لیے آتا تھا،لگتاتھا جس طرح ہم دنیا میں تنہا ہیں اسی طرح ان کابھی کوئی نہیں ہے۔

اماں حمیدہ گھر کے سارے کام کرتیں اور امی صرف مجھے سنبھالتیں۔وہ مجھ سے بے پناہ محبت کرتی تھیں، پل بھر کے لیے بھی مجھے خود سے جدا نہیں کرتی تھیں، میرے لیے نہ جانے کتنی راتیں انہوں نے جاگ کر گزاریں، رات رات بھر مجھے کندھے سے لگائے ٹہلتی رہتیں۔

اماں حمیدہ اور شمسو بابا امی کو بے جی کہہ کر بلاتے تھے،امی کو میں نے کبھی بناؤ سنگھار کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔وہ بہت خوب صورت تھیں اور ایک عجیب سے حزن وملال ہمیشہ ان کی آنکھوں میں مجھے دکھائی دیتا تھا۔

بعض اوقات میں اپنی اور امی کی شکلوں کاموازنہ کرتی... امی اتنی عمر ہونے کے باوجود انتہائی حسین تھیں، میدہ جیسی رنگت، بڑی بڑی جھیل جیسی آنکھیں، ستواں ناک اور خوب صورت ہونٹ، ان کے بال بھی لمبے تھے۔جبکہ ان کے برعکس میں کوئی حسین شکل وصورت کی مالک نہیں تھی۔میری رنگت سانولی تھی، نقش بھی واجبی سے تھے، غرض کہ میں امی سے بالکل بھی نہیں ملتی تھی۔

کبھی میں لاڈ میں امی کی گود میں لیٹتی تو کہتی۔"امی لگتا ہے کہ میں اپنے ابا پر گئی ہوں۔کیونکہ میری شکل آپ سے تو قطعی نہیں ملتی' تو وہ جھٹ کہتیں۔

"نہیں میری جان تم بالکل اپنی ماں کی طرح ہو۔"

"یہ تو آپ صرف پیار میں کہہ رہی ہیں یہ تو اندھا بھی کہہ دے کہ میری اور آپ کی شکلوں میں بہت فرق ہے۔" میں مصنوعی خفگی سے کہتی تو وہ مسکرانے لگتیں۔

امی نے شہر کے بہترین اسکول میں میرا ایڈمیشن کروایا تھا' مجھے گھر پر پڑھانے کے لیے ایک بوڑھے سے ٹیچر گھر پر آتے تھے' اسی لیے میں ہمیشہ کلاس میں فرسٹ آتی' ذہن شروع سے ہی بہت اچھا تھا۔

میں نے میٹرک میں سارے بورڈ میں دوسری پوزیشن لی تھی اور پہلی مرتبہ امی نے میری کلاس فیلوز کو گھرپربلا کر کھانا کھلایا تھا۔اخباری نمائندے میرا انٹرویو کرنے کے لیے آئے تو اماں نے اس شرط پر اجازت دی کہ میری تصویر اخبار میں نہیں چھپے گی۔میں نے اس بات پر بھی احتجاج کیا تو امی نے

کہا۔"میں نہیں چاہتی کہ لوگ تمہیں دیکھیں اور تمہیں نظر لگے۔" میں تھک کر خاموش ہوگئی۔

امی نے مجھے اس بات کی اجازت نہیں دی تھی کہ میں کالج میں زیادہ دوستیاں پالوں۔روزانہ صبح مجھے شمسوبابا کالج چھوڑنے جاتے اور واپسی میں وہی لے کر آتے تھے۔کالج میں میری کئی لڑکیوں سے دوستی ہوگئی' لیکن امی مجھے مسلسل منع کرتی رہیں کہ تم کسی لڑکی سے دوستی مت کرو۔"یہ دوستیاں اچھی نہیں ہوتیں۔"

میرے کالج میں لڑکے بھی پڑھتے تھے لیکن لڑکوں سے میں ہمیشہ علیحدہ ہی رہی' امی تو میری لڑکیوں سے ہی دوستی کوپسند نہیں کرتی تھیں' اگر میں نے لڑکوں سے بات کی اور انہیں پتا چلا تو وہ بہت ناراض ہوں گی۔

اس کانتیجہ یہ نکلا کہ کالج میں میں ہر وقت ڈری ڈری اور سہمی سی رہنے لگی' بہت سی لڑکیاں اور لڑکے اس وقت میرا خوب مذاق اڑاتے جب کوئی لڑکا مجھ سے بات کرتااور میں بری طرح گھبراجاتی' اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے ہکلاجاتی۔پسینے سے شرابور ہوجاتی۔

ان دنوں میں گھر میں بہت خاموش رہا کرتی تھی، مجھے ان لڑکیوں پر بڑا رشک آتا تھا جو بڑے اعتماد سے دوسرے لڑکوں اور لڑکیوں سے بات چیت کرلیا کرتی تھیں۔ پھر میں ایسی کیوں ہوگئی ہوں۔ میں بار بار سوچتی۔

امی میری اس کیفیت کو دیکھتی رہتیں پھر ایک دن جب کہ میں گم صم اپنی سوچوں میں گم بیٹھی تھی تو وہ پیار سے میرے نزدیک آئیں اور بولیں۔

"میری جان کیا بات ہے، میں بہت دنوں سے تمہیں گم صم دیکھ رہی ہوں، تم ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھاتیں۔ ہر وقت ڈری اور سہمی سی رہتی ہو۔ تمہارے کالج میں لڑکے بھی ہیں تو کیا کسی لڑکے نے تم سے ایسی کوئی بات کہہ دی ہے جو تمہارے لیے پریشانی کا باعث ہے۔"

"نہیں امی...!" میں امی کا سوال سن کر چونک پڑی اور تیزی سے جواب دیا۔

"پھر کیا بات ہے میری جان... تم اپنی امی کو نہیں بتاؤ گی۔" انہوں نے محبت سے میرے بالوں کو سنوارا اور میرے یخ اور لرزتے ہوئے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر بولیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"امی نہ جانے کیا بات ہے کہ جب کوئی لڑکا مجھ سے کالج میں بات کرنے کی کوشش کرتا ہے تو میں بری طرح سے گھبرا جاتی ہوں، زبان ہکلانے لگتی ہے اور جسم پسینے سے شرابور ہوجاتا ہے۔ جب کہ دوسری لڑکیاں بڑے مزے سے لڑکوں سے بات چیت کرتی ہیں ان کے ساتھ گھومتی پھرتی ہیں پھر میں کیوں نہیں...؟ امی مجھے اس طرح سے دیکھ کر سارے لڑکے اور لڑکیاں مجھ پر ہنستی ہیں۔ طرح طرح کے جملے کستی ہیں۔ پھر مجھے بہت شرمندگی ہوتی ہے۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز اور آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ کہا۔

"شاید تمہارے ساتھ یہ اس لیے ہوتا ہے کہ میں نے تمہیں ہمیشہ اس صنف سے دور رکھا ہے، اب تم بچی نہیں رہی ہو، جوان ہوگئی ہو، اب تو ان سے دور رہنے کی تمہیں زیادہ ضرورت ہے اور تمہیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ تم ان سے بات چیت کرو، کالج میں تم تعلیم حاصل کرنے کے لیے جاتی ہو، لیکچر لو اور واپس آجاؤ۔" امی نے کہا۔

"کالج سب ہی لڑکے اور لڑکیاں تعلیم حاصل کرنے کے لیے جاتے ہیں لیکن وہ میری طرح تو نہیں ہیں۔میں ان سب سے الگ کیوں ہوں... یہ نارمل نہیں ہے امی... میں بھی بولڈ بننا چاہتی ہوں۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"میں تمہیں کس طرح سے سمجھاؤں کہ مرد ذات کیا چیز ہوتی ہے، عورت ان کے لیے صرف ایک دل بہلانے والا کھلونا ہی ہوتی ہے، کبھی ان کی چکنی چپڑی محبت بھری باتوں میں نہیں آنا چاہیے۔ان کا ساتھ صرف چار دن کی چاندنی ہوتا ہے، بس پھر ہمیشہ کے لیے اندھیری رات عورت کا مقدر بن جاتی ہے۔" امی نے دور خلاؤں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"امی کیا ہر مرد ایسا ہی ہوتا ہے...؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں!" امی نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"آپ کو کیسے معلوم کہ ہر مرد برا ہوتا ہے؟" میں نے تیزی سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے امی کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس ایسے ہی ہوتے ہیں سارے مرد!" امی نے جان چھڑانے کے انداز میں کہا اور اٹھ کر جانے لگیں تب میں نے تیزی سے ان کا ہاتھ تھام لیا اور کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"کیا آپ کی زندگی میں بھی ایسا ہی برا کوئی مرد آیا تھا...؟" میں نے سوال کیا۔

"توبہ ہے سرمئی تم ایک تو سوال بہت کرتی ہو، چھوڑو مجھے جانے دو۔مجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔" امی نے ایک بار پھر میرے سوالوں سے کترا کر نکل جانا چاہا۔

"امی ہمارا یہ معاشرہ عورت اور مرد کے وجود سے مل کر بنا ہے، یہاں نہ کوئی مرد تنہا زندگی گزار سکتا ہے اور نہ ہی کوئی عورت... کیونکہ انسانی آبادی میں اضافے کے لیے عورت اور مرد کا یکجا ہونا ضروری ہے، مرد اور عورت مل کر ایک گھر کی بنیاد رکھتے ہیں۔پھر ان سے مزید انسان پیدا ہوتے ہیں، پھر مزید جوڑے بنتے ہیں۔یہ دنیا اسی طرح قائم ہے، ابد سے یہی نظام چلا آرہا ہے، اگر سارے مرد برے ہوتے تو یہ دنیا کس طرح قائم رہ سکتی تھی۔گھر کس طرح آباد ہوتے ایک معاشرہ کیسے بنتا...؟" میں نے اپنے سبجیکٹ سوکس میں پڑھے ہوئے ایک مضمون میں لکھے جملے ذہن میں لاتے ہوئے کہا۔

"تمہیں یہ سب باتیں کس نے سکھائیں؟" امی نے میری باتیں سن کر حیرت سے مجھے دیکھا اور کہا۔

"میں کتابیں پڑھتی ہوں امی اور انہی سے مجھے یہ سب پتا چلا ہے۔" میں نے کہا۔

"تو جاؤ لڑکوں سے خوب دوستیاں کرو پھر جو انجام ہو مجھ سے کچھ مت کہنا۔" امی نے تپ کر کہا۔

"یہی تو مجھ سے نہیں ہوتا...!" میں نے پھر بے بسی سے کہا۔چند لمحوں تک ہمارے درمیان گھمبیر خاموشی چھائی رہی پھر میں نے کہا۔

"آپ نے ہمیشہ مجھے غلط گائیڈ کیا ہے' مرد کی ذات کو آپ نے میرے اندر ایسا ہوّا بنا کر پیش کیا کہ میری ساری خود اعتمادی کا بیڑہ غرق ہو گیا۔آپ مجھے یہ بھی تو سکھا سکتی تھیں کہ انسانوں کے اس جنگل میں مردوں اور عورتوں کی بہت سی قسمیں ہیں' اگر مرد برے ہوں گے تو کچھ عورتیں بھی بری ہوں گی۔ آپ نے مجھے تصویر کا صرف ایک ہی رخ کیوں دکھایا' آج میں یہ بات پورے دعوے اور وثوق سے کہہ سکتی ہوں امی کہ آپ ضرور کسی سفاک مرد کی

زیادتی اور بے حسی کا شکار ہوئی ہیں جس کا نتیجہ میری صورت میں ظاہر ہوا ہے۔"میں نے تیز اور سخت لہجے میں کہا تو امی میری جانب پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگیں۔ان کی بڑی بڑی آنکھیں ڈھیروں نمکین پانی سے بھر گیئں۔ان میں گہرا ساگر چھلک رہا تھا۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو' میں تمہاری تربیت بہتر طریقے سے نہ کر سکی' مجھے معاف کر دینا' شاید میں نے تمہاری شخصیت کو تباہ کر دیا ہے' مجھے تو تمہیں بہت اسٹرانگ اور مضبوط عورت بنانا چاہیے تھا'تاکہ مردوں کے اس معاشرے میں تم ایک مضبوط عورت بن کر سامنے آتیں لیکن میں ڈر گئی تھی... میں ڈر گئی تھی میری بچی...!" انہوں نے بہتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کہا اور اٹھ کر تیزی سے چلی گئیں۔

میں انہیں روکتی رہ گئی لیکن وہ رکی نہیں اور خود کو کمرے میں بند کر لیا۔میں 'اماں حمیدہ اور شمسو بابا دروازہ پیٹتے رہے مگر انہوں نے دروازہ نہیں کھولا۔ میں رات بھر ان کے بند دروازے کے آگے روتی رہی بلکتی رہی' ان سے معافیاں مانگتی رہی' لیکن انہوں نے تو جیسے میری آہ وفغاں کو نہ سننے کے

لیے اپنے کان بند کر لیے تھے‘ میں ان کے بند دروازے سے ٹیک لگا کر سو گئی۔

میری آنکھ کھلی تو امی مجھے بستر پر لٹا رہی تھیں‘ میں گہری نیند میں تھی‘ اس لیے کسمسا کر دوبارہ سو گئی۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو امی میرے نزدیک بستر پر لیٹی تھیں۔انہوں نے چادر سر تک تان رکھی تھی۔امی کو دیکھا تو مجھے رات کی ساری باتیں یاد آگئیں اور میں تیزی سے امی کی جانب بڑھی‘ اور ”امی “ کہہ کر بے ساختہ تیزی سے ان کے منہ سے چادر کھینچ لی۔

امی کی آنکھیں بند تھیں اور وہ بالکل ساکت لیٹی تھیں۔میں نے گھبرا کر ان کو جھنجوڑ ڈالا‘ مگر انہوں نے آنکھیں نہیں کھولیں۔

”امی...امی... آنکھیں کھولیں... امی اٹھیں پلیز...!“ میں چیخ چیخ کر آوازیں دیتی رہی‘ لیکن امی میری ان آوازوں کی پہنچ سے بہت دور جا چکی تھیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میری چیخیں سن کر اماں حمیدہ اور شمسو بابا دوڑے چلے آئے ‘انہیں دیکھ کر میں نے ایک چیخ ماری۔”میری امی چلی گئیں۔“ اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

مجھے ہوش آیا تو میری امی کی آخری آرام گاہ کی جانب تیاریاں مکمل تھیں۔ میں نے اماں حمیدہ کو دیکھا میرا سر ان کی گود میں تھا۔شمسو بابا بھی افسردہ بیٹھے تھے۔

امی کی تجہیز و تکفین کا انتظام ایک ادار کے سپرد کر دیا گیا تھا‘ مجھے امی کا آخری دیدار کروایا گیا اور امی کو لے کر چلے گئے‘ بہت تھوڑے سے لوگ تھے‘ میں اماں حمیدہ کے گلے لگ کر ایک بار پھر روتے روتے بے ہوش ہو گئی۔

دوبارہ ہوش آیا تو میں گھر پر تھی۔اماں حمیدہ اور شمسو بابا میرے پاس بیٹھے تھے‘ ہم امی کی باتیں کرتے رہے پھر امی کے ایصال ثواب کے لیے میں قرآن پڑھنے کے لیے بیٹھ گئی۔جس ادارے نے امی کی آخری رسوم ادا کی تھیں وہ بے سہارا خواتین اور بچوں کے تحفظ اور کفالت کا ادارہ تھا‘ میں اماں

حمیدہ کے ساتھ وہاں گئی اور امی کے لیے قرآن خوانی کروائی' اور کھانا تقسیم کیا۔

وہ دن میری زندگی کے بہت کٹھن اور تکلیف دہ دن تھے' ہر وقت امی کی یاد آتی رہتی تھی۔ بہت یاد آتی تو میں رو لیتی پھر قرآن پڑھنے بیٹھ جاتی' میری کوئی دوست کوئی رشتہ دار نہیں تھا جو ان دکھوں کے لمحات کو میرے ساتھ شیئر کرتا' صرف ایک اماں حمیدہ اور شمسو بابا کی ذات تھی جو میرا غم بانٹتی تھی۔

کالج بھی جانا نہیں ہو رہا تھا۔ اب میں اس بھری دنیا میں تنہا رہ گئی تھی۔ میں نے اپنے بارے میں بہت سوچا' کہ میری زندگی کیسے گزرے گی' اس کے علاوہ گھر کے اخراجات کے لیے مجھے رقم کی ضرورت تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ امی پیسے کہاں رکھتی تھیں' اور ان کے پاس رقم کہاں سے آتی ہے۔

میں کیا کرتی... کس سے یہ سب باتیں پوچھتی' اچانک مجھے اماں حمیدہ اور شمسو بابا کا خیال آیا' اور میں نے سوچا کہ مجھے ان لوگوں سے معلوم کرنا چاہیے' انہیں تو میں نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے گھر میں دیکھا ہے' ان سے کچھ پوچھتی ہوں شاید انہیں امی کے ماضی اور ان سب باتوں کے بارے میں معلوم ہو۔

لیکن...! اس سے پہلے میں نے سوچا کہ امی کی الماری کا جائزہ لیتی ہوں۔ امی کی زندگی میں' میں نے کبھی ان کی الماریوں کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

میں نے امی کا بند کمرہ کھولا' سارے کمرے میں امی کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ انہیں موتیا کے پھول کی خوشبو بہت پسند تھی' پھول وہ نہیں پہنتی تھیں' البتہ وہ سنگھار (جو وہ واحد کرتی تھیں) کے طور پر موتیے کا عطر لگایا کرتی تھیں۔

اس خوشبو کو محسوس کرکے ایک بار پھر امی کی یاد شدت سے آئی اور میں رونے لگی' ان کے کمرے کی ایک ایک چیز کو چھو کر ان کے وجود کا احساس کرنے لگی۔

کچھ دیر آنسو بہانے کے بعد میں پرسکون سی ہو گئی' دل کا بوجھل پن کم ہو گیا' تب میں نے ان کی الماری کھولی' سامنے ہی نوٹوں کی ڈھیر ساری گڈیاں دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔

میں نے ساری الماری کا جائزہ لیا۔ ساری درازیں کھول کر دیکھیں۔ کچھ پرانے البم تھے' جن میں میرے بچپن اور امی کی جوانی کی تصاویر تھیں۔ میں ایک خوش گوار حیرت سے وہ البم دیکھنے لگی۔ امی

انتہائی حسین وجمیل تھیں۔

ایک درازہ گئی تھی۔ میں نے اسے کھولنے کی کوشش کی تووہ نہیں کھلی۔ وہ لاک تھی۔ میں نے تمام چابیاں لگا کر دیکھ لیں لیکن کوئی چابی اس میں نہیں لگی، تب میں الماری بند کرکے خاموشی سے کمرے سے باہر آگئی اور اماں حمیدہ اور شمسو بابا کو بلایا۔

"ابھی میں آپ کے پاس ہی آرہا تھا، آپ کی ایک امانت بی جی نے میرے حوالے کی تھی، اور کہا تھا کہ میرے مرنے کے بعد یہ سرمئی کو دے دینا۔ اتفاق دیکھئے کہ انہوں نے اپنے مرنے سے ایک دن قبل وہ امانت میرے سپرد کی تھی پھر اچانک ہی ان کی موت کی وجہ سے میرے ذہن سے یہ بات نکل گئی، ابھی اچانک خیال آیا تو میں آپ ہی کی طرف آرہا تھا۔"شمسو بابا نے آتے ہی کہا۔

"کون سی امانت...؟" میں نے حیرت سے ان کے خالی ہاتھوں کو دیکھا۔

"آپ کی امانت یہ ایک چابی ہے میرے پاس...!" شمسو بابا نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چابی نکال کر میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔"انہوں نے یہ

نہیں بتایا کہ یہ چابی کس کی ہے، صرف اتنا کہا تھا کہ شمسو بابا آپ اس چابی کو سنبھال کر رکھ لیں۔ اگر میری موت ہوجاتی ہے تو یہ چابی سرمئی کے حوالے کردیجیے گا، اسے اپنے ان تمام سوالوں کے جوابات مل جائیں گے جو وہ زندگی بھر مجھ سے کرتی رہی اور ان کے جوابات دینے کی میرے اندر ہمت نہیں ہے۔"

میں نے جھٹ شمسو بابا کے ہاتھ سے وہ چابی لے لی۔ میں سمجھ گئی کہ یہ چابی امی کی الماری کی اس لاک دراز کی ہے جس کی چابی امی کی الماری کی چابیوں کے گچھے میں نہیں تھی۔

"شمسو بابا کیا آپ میرے ابو کے بارے میں جانتے ہیں کہ وہ کون تھے؟ کیا آپ نے انہیں دیکھا ہے؟ کیا آپ امی کے ماضی کے بارے میں جانتے ہیں۔ اگر آپ یہ سب جانتے ہیں تو پلیز مجھے اب تووہ سب کچھ بتادیجیے۔ میں اب اور برداشت نہیں کرسکتی۔" میں نے التجائیہ لہجے میں کہا۔

"بیٹی میں تمہاری امی کے ماضی کے بارے میں تو جانتا ہوں، لیکن اپنی زبان نہیں کھول سکتا۔ کیونکہ انہوں نے مجھے قسم دی تھی کہ میں تمہیں اس بارے

میں کبھی کچھ نہ بتاؤں۔البتہ تمہارے والد کے بارے میں ، میں بھی کچھ نہیں جانتا۔" شمسو بابا نے مایوسی سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"امی کاماضی آخر ایسا کیا تھا جو وہ مجھ سے چھپانا چاہتی تھیں۔" میں نے پوچھا' جواب میں شمسو بابا نے سر جھکالیا' تو میں چابی لے کر امی کے کمرے میں دوبارہ آگئی'اور اس چابی سے بند دراز کھول لی۔

وہ چابی اسی دراز کی تھی' میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ دراز کو کھینچ کر باہر نکالا' میں بہت ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی' آج بہت سے رازوں سے پردہ اٹھنے والا تھا' وہ راز جن کے افشا ہونے کی میں نے بہت کوشش کی' آج امی نہیں رہی ہیں تووہ سارے راز خود بخود کھلنے والے تھے۔

میں نے کھلی ہوئی دراز پر نگاہ ڈالی' اندر ایک سرخ رنگ کی جلد کی بڑی سی ڈائری رکھی تھی' جس پر بڑا بڑا"سرمئی بائی " لکھا تھا۔

میں یہ نام پڑھ کر بری طرح چونک گئی' اس ڈائری کے علاوہ یہاں پتھر کا ایک خاص ڈیزائن کا تعویز اور قیمتی پتھروں سے جڑاؤ ایک چھوٹا سا تاج اس کے علاوہ ایک چھوٹی سی جڑاؤ اسٹک رکھی تھی۔جس کے ہینڈل پر دو ننھے منے

سونے کے شیر بنے ہوئے تھے۔میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ وہ تمام چیزیں باہر نکال لیں۔وہ تینوں چیزیں انتہائی قیمتی تھیں۔قیمتی پتھروں سے مزین یہ چیزیں سونے کی تھیں۔تعویز سفید سنگ مرمر کاتھااور اس پر ایک عجیب طرح کاسیاہ رنگ سے ڈیزائن بنا ہوا تھا۔سونے کے جڑاؤ تاج کا سائز بھی اتنا بڑا تھا جتنا ایک چھوٹے سے بچے کے سر پر پہنایا جاسکے' اسٹک کا ڈیزائن بھی خاص تھا۔

میں نے لپک کر پہلے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کیا' وہ تینوں چیزیں دراز میں سنبھال کررکھ دیں۔صرف ڈائری باہر رہنے دی۔میری ساری دلچسپی اسی ڈائری کے ساتھ تھی' جس پرمیرے نام "سرمئی" کے ساتھ "بائی" کا گھناؤنا لفظ لکھا ہوا تھا۔

میں ڈائری لے کر امی کے بیڈ پر بیٹھ گئی اور دھڑکتے دل اور لرزتے ہوئے ہاتھوں سے ڈائری کو کھول لیا۔

میں نے جب یہ دیکھا کہ راکھی اب پوری طرح میرے شیشے میں اتر چکی ہے تو میں نے وہ سوال جو بہت عرصے سے مجھے پریشان کر رہا ہے کہ آخر یہ غضنفر کون ہے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کر ڈالا۔

میرا سوال سن کر مجھے اس کی آنکھوں میں الجھن تیرتی ہوئی دکھائی دی۔ یا تو وہ واقعی غضنفر نام کے کسی شخص سے واقف نہیں تھی، یا پھر وہ زبردست اداکاری کر رہی تھی۔

”غضنفر، کون غضنفر؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”کیا تم نے یہ نام نواب سطوت کی کوٹھی میں کسی کے منہ سے نہیں سنا؟“ میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”نہیں میں نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سنا۔ کون ہے غضنفر؟“ اس نے الٹا مجھ سے سوال کر ڈالا۔

”میں نے بھی ایک دو کے منہ سے یہ نام سنا ہے، اسی لیے جاننا چاہ رہا تھا اس کے بارے میں۔“ میں نے کہا۔

”پھر بھی کس کے منہ سے اور کس سلسلے میں یہ نام سنا ہے جو تمہیں اتنی تشویش ہو رہی ہے۔“ اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

”ایک شخص تھا عمران، سردار نواب نے ایک جھوٹی کہانی گھڑ کر اس کا مرڈر کروانے کے لیے مجھے بھیجا تھا۔ میں جب اس کو مارنے لگا تو اس نے کہا کہ تمہیں غضنفر نے مجھے مارنے کے لیے بھیجا ہے اس نے میرے باپ کو بھی مروایا تھا کیونکہ نواب نے ایک جھوٹ کا سہارا لے کر مجھے اسے مارنے کے لیے بھیجا تھا اس لیے مجھے شک ہوا کہ غضنفر یقیناً نواب کا ہی کوئی بندہ ہوگا۔“ میں نے کہا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔

”کیا سوچنے لگیں؟“ میں نے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“ اس نے سر ہلایا۔

”دیکھو راکھی تم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ تم کوئی بھی بات جو تمہیں معلوم ہوگی مجھ سے نہیں چھپاؤ گی۔ میں جانتا ہوں کہ تم اس شخص کو جانتی ہو، پھر مجھ سے کیوں چھپا رہی ہو۔“ میں نے اس کا چہرہ اپنی جانب موڑ کر اس کے چہرے کے قریب اپنا چہرہ کرتے ہوئے کہا تو اس نے اپنی نگاہیں جھکا لیں۔

میں سمجھ گیا کہ راکھی مجھے اس کے بارے میں بتانے سے گریز کر رہی ہے۔ مجھے ایک دم ہی ڈھیر سارا غصہ آگیا اور میں نے ایک جھٹکے سے اس کا چہرہ اپنے ہاتھ سے جھٹک کر چھوڑ دیا اور غصے سے کہا۔

”نہیں بتانا ہے تو نہ بتاؤ‘ جاؤ دفع ہوجاؤ یہاں سے ہماری اور تمہاری دوستی آگے نہیں بڑھ سکتی اور ہاں اب مجھے تمہارا ساتھ بھی نہیں چاہیے کل میرے ساتھ شیر افضل کی حویلی بھی جانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”نہیں‘ نہیں پلیز مجھ سے ناراض مت ہو‘ میں تمہای ناراضگی افورڈ نہیں کر سکتی۔ اس لیے اب چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے میں تمہیں ہر بات بتا کر رہوں گی۔“ وہ ایک جھٹکا کھا کر تیزی سے میری جانب آئی اور میرے بازو سے لپٹ کر بولی۔لیکن میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”اب کیوں ناراض ہو بتا تو رہی ہوں۔سب کچھ۔تم دیکھو نا اگر یہ بات نواب کو پتا چلی کہ میں نے تمہیں یہ سب کچھ بتا دیا ہے تو وہ میری جان لینے میں لمحہ بھی نہیں لگائے گا اب تم اپنا موڈ ٹھیک کرو پھر میں تمہیں بتاؤں گی۔“ اس نے کہا۔

”مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے راکھی‘ اس بات کا کہ ابھی ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ دوستی نبھانے اور وفادار رہنے کا وعدہ کیا تھا لیکن تم تو پہلے ہی قدم پر لڑ کھڑا گئی۔ایسے کیسے کام چلے گا۔دوستی بے اعتباری کا نام نہیں ہے۔“ میں نے روٹھے لہجے میں کہا۔

”اچھا بابا معاف کردو‘ آئندہ اگر ایسا کروں تو جو چاہو سزا دے دینا‘ چاہے میری یہ گردن اتار لینا۔میں اف نہیں کروں گی۔اب تو خوش ہوجاؤ۔“ اس نے میرے آگے اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر اور سر کو جھکا کر کہا تو میں نے اسے گلے سے لگا لیا پھر چند لمحے اس کے رسیلے ہونٹوں کو محبت کا جام پلانے کے بعد کہا۔”اچھا اب بتاؤ۔“

”ہاں میں غضنفر کے نام سے واقف ہوں۔لیکن غضنفر اب دوسرے نام سے لوگوں میں جانا جاتا ہے۔لیکن بہت سے اس کے پرانے یا قریبی جاننے والے ایسے لوگ ہیں جو اس کے نام سے واقف ہیں۔

غضنفر کو اب لوگ "صدیق پاشا" کے نام سے جانتے ہیں۔صدیق پاشا وہی شخص ہے جو تم سے خار کھاتا ہے پہلے نواب کے ساتھ اس کوٹھی میں رہتا تھا اب نواب نے اسے اپنے گاؤں والی حویلی میں بھیج دیا ہے۔"

"یہ نواب کے گاؤں کا نام کیا ہے۔" میں نے راکھی کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"شاداب پور۔" اس نے جواب دیا۔پھر اپنی بات کا سلسلہ وہیں سے جوڑا جہاں سے میں نے توڑا تھا۔

"وہ جو تم نے عمران سردار کا ذکر کیا تھا تو اس کا قصہ کچھ یوں ہے کہ

"سردار احمد ایک بہت مال دار آدمی تھا۔چمن کی وادیوں کے پہاڑی علاقے میں اس کی موروثی جائیداد تھی۔یہ قبائلی علاقہ پہاڑوں کے خطرناک سلسلے پر مشتمل تھا اور سیکڑوں میل کے اس علاقے میں صرف ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔جس کا نام چمن تھا۔لیکن جب ان پہاڑوں سے لوہا بر آمد ہوا تو سردار احمد کی تو قسمت ہی بدل گئی۔حالانکہ حکومت نے پیش تر علاقہ سردار احمد سے خرید لیا تھا لیکن چمن کی وادی اب بھی اس کی ملکیت تھی۔لوہا بر آمد ہونے کے بعد وادی کا شمار خاصی اہم وادی میں ہونے لگا۔سردار احمد نے قرب و جوار کے

علاقے سے جہاں کان کنوں کی بستیاں تھیں مزدور بلوائے اور کام شروع کروا دیا۔

پھر اچانک ہی سردار احمد کا ایک کار ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو گیا۔سردار احمد کے بعد اس کی تمام جائیداد اور زمینوں کا مالک اس کا اکلوتا بیٹا عمران سردار ہوا۔اس وقت غضنفر عمران کے پاس گیا اور اس سے چمن کی وادی اور اس کی ارد گرد کی زمینوں کا زبردستی سودا کرنا چاہا۔اس نے خود ہی پہلے سے ہی زمین کی منتقلی کے کاغذات تیار کروائے۔عمران سردار نے غضنفر کے ہاتھوں زمین بیچنے سے انکار کردیا تو غضنفر نے دھوکے سے کسی اور کے ذریعے عمران سے ان کاغذات پر دستخط کروا لیے۔

عمران سردار کو جب اس دھوکہ دہی کا پتا چلا تو اس نے غضنفر کو نہایت خطرناک نتائج کی دھمکیاں دیں تب غضنفر نے اسے بھی مروا ڈالا۔"

"لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔مجھ سے تو نواب نے عمران کو مروایا تھا یہ غضنفر کہاں سے بیچ میں آگیا۔" میں نے کہا۔

”دراصل وہ زمین غضنفر اپنے لیے نہیں خرید رہا تھا وہ نواب کا ملازم تھا اور نواب ہی کے کہنے پر یہ کام کر رہا تھا۔عمران کا سامنا چونکہ غضنفر سے ہوا تھا اس لیے اس نے اسی کا نام لیا تھا۔وہ سمجھ گیا کہ چونکہ اس کے دستخط شدہ کاغذات غضنفر کے پاس ہیں اس لیے اسے مروا کر وہ ان زمینوں کا جائز وارث ہونا چاہتا تھا۔نواب نے تمہارے ذریعے عمران کا کانٹا اپنے رستے سے نکلوایا اور خود بغیر ایک بھی پیسہ خرچ کیے زمینوں کا مالک بن بیٹھا اور اب اس کو شاید اس نے اس لیے یہاں سے شاداب پور بھیج دیا ہے اور تمہیں اپنے ساتھ رکھ لیا ہے۔“ راکھی نے مجھے تفصیل سے بتایا۔

”اچھا اب میں ساری بات سمجھ گیا۔“ میں نے سر ہلا کر کہا۔

”ہاں ایک بات اور ہے اور وہ بہت اہم ہے جو میں سمجھتی ہوں کہ تمہیں بتانا ضروری ہے۔“ راکھی نے کہا تو میں چونک پڑا۔

”وہ کیا؟“ میں نے چونک کر کہا۔

”تم یہاں شیر افضل کو نہیں مارسکتے۔“ اس نے سر سراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”کیوں۔کیا مطلب ہے اس بات کا؟“ میں نے چونک کر غصیلے لہجے میں کہا۔

”وہ اس لیے کہ نواب ابھی ایسا نہیں چاہتا اس نے تمہیں یہاں بھیج تو دیا ہے تاکہ تم اس کے شکر گزار رہو دوسری جانب وہ کسی بھی ذریعے سے شیر افضل کو اس بات کے لیے خبر دار کردے گا ... تم حویلی مت جانا کچھ لوگ تمہاری تاک میں بیٹھے ہیں کہ تمہاری جان لے سکیں اور پھر وہ تمہیں یہاں زیادہ دن ٹھہرنے بھی نہیں دے گا۔وہ بڈھا بہت چالاک اور خبیث ہے اور تم اس کے شیطانی دماغ کی اسکیموں کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔البتہ اس کی بیٹی کے ساتھ تم جو چاہو سلوک کرو۔اسے اس کی بیٹی کی ضرورت نہیں ہے۔“ راکھی نے سنسنی خیز انکشاف کرتے ہوئے کہا۔

”اگر ایسی ہی بات تھی تو نواب مجھ سے یہ کہہ سکتا تھا کہ تم ابھی شیر افضل سے انتقام نہ لو' ابھی مجھے اس کی ضرورت ہے تو کیا میں منع کردیتا۔“ میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”ہاں یہ بات تو ہے لیکن شاید ... پتا نہیں اس نے ایسا کیوں کیا مجھے نہیں معلوم تم دفع کرو اس بات کو اب تو مجھ سے ناراض نہیں ہو نا۔“ اس نے جھنجلا کر بات ختم کرنے سے پہلے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

”ہوں۔“ میں نے سوچوں میں گم ہنکاری بھرتے ہوئے کہا۔

پھر راکھی اپنی چارپائی پر سونے کے لیے لیٹ گئی اور میں بھی پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا۔سونے سے پہلے میں شیر افضل کی شہزادی جیسی بیٹی کے بارے میں سوچتا رہا۔

دوسری صبح میں اپنا تمام ضروری سامان‘ جو میں نے اپنے بڑے سے اور ڈھیلے ڈھالے چوغے کی جیبوں میں چھپا رکھا تھا لے کر راکھی کے ساتھ حویلی روانہ ہو گیا۔

میں نے بھی فیصلہ کرلیاتھا کہ فی الحال شیر افضل کی جان نہ سہی اس کی عزت تو اپنے قدموں تلے روند کر اپنی معصوم بہن فائزہ کا انتقام تو لے ہی سکتا ہوں۔

میں حویلی پہنچا تو کلثوم کا چہرہ مجھے مسرور دکھائی دیا۔میں سمجھ گیا کہ شہزادی کی طبیعت یقیناً بہتر ہوگی۔

”سو بسم اللہ‘ میرے بھاگ جاگے جو حضور میرے غریب خانے میں تشریف لائے۔شکر ہے رب سوہنے کا کہ شہزادی اب کافی ٹھیک ہے اس نے صبح ناشتہ بھی کیا ہے اور آپ کے بارے میں بھی پوچھا ہے کہ آپ کب آئیں گے۔“ کلثوم نے پر مسرت لہجے میں میرا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

”ہم نے کہا تھا نا کہ تم اب بالکل بے فکر ہو جاؤ اس کا علاج ہم ایسا کریں گے کہ اب شاہ جنات تو کیا اس کا باپ بھی شہزادی کے نزدیک نہیں آئے گا۔لیکن ہم آخری دو تین دن ایک اہم عمل کرنا چاہتے ہیں اور وہ عمل رات کے وقت شہزادی کے کمرے میں ہوگا۔ہماری مریدنی خاص بھی ہمارے ساتھ ہی کمرے میں موجود رہے گی۔تاکہ اگر شہزادی کی طبیعت خراب ہو تو وہ اسے سنبھال سکے۔“ میں نے اپنی آواز اور لہجے کو بھاری بنا کے کہا۔

”آپ جیسا چاہیں حضور۔“ کلثوم نے اپنی رضا مندی دیتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو پھر تم یہیں ٹھہرو ہم خود شہزادی کے پاس اس کے کمرے میں جائیں گے۔ آؤ چلو۔" میں نے تحکم آمیز لہجے میں کہا اور راکھی کو ہاتھ سے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

کلثوم نے شہزادی کے کمرے میں رات گزارنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کیونکہ بظاہر میں ایک ستر پچھتر سال کا بوڑھا دکھائی دے رہا تھا اور وہ بھی جن اتارنے والا پیر بابا۔ اسے مجھ سے کیا خطرہ ہوسکتا تھا۔ اچانک مجھے ایک خیال آیا اور میں نے چلتے چلتے رک کر اور پیچھے مڑ کر کلثوم سے کہا۔

"تیرا گھر والا آج رات یہاں آنے والا تھا مگر اب وہ یہاں نہیں آئے گا اس کی جان کو خطرہ ہے۔"

"میں صدقے، میں واری حضور آپ اللہ والے ہیں۔ آپ کو سب کچھ معلوم ہے۔ ایسا ہی ہے۔ وہ آنے والے تھے مگر اب نہیں آئیں گے۔ حضور آپ ان کے لیے بھی دعا کریں کہ وہ سلامت رہیں۔ وہ میرے سر کا تاج ہیں۔ وہ ہیں تو میری بھی شان ہے۔ ان کے بہت سے دشمن ہیں۔ رب نہ کرے کبھی کوئی کاری وار... میرے منہ میں خاک... میں کیا کہنے لگی تھی۔"

وہ اور بھی نہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھی مگر میں اس کی بکواس سننے کے لیے مزید نہیں رکا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔ میرا بس چلتا تو میں اس کا سہاگ لوٹنے میں لمحہ بھر بھی نہیں لگاتا۔ ابھی اس کی زندگی تھی جو نواب کو اس کی ضرورت ہے۔

میں شہزادی کے کمرے میں گیا تو میں نے راکھی کو باہر روکنے کا ارادہ کیا اور اپنی آنکھوں کو نیم وا کر کے زیر لب بڑبڑاتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔ اندر وسیع و عریض اورشاندار بیڈ پر شہزادی تکیے پر نیم دراز تھی اور کل والی ادھیڑ عمر ملازمہ آہستہ آہستہ اس کی پنڈلیوں سہلا رہی تھی۔

شہزادی نے مجھے دیکھا تو ملازمہ سے بولی۔ "تو جا، باہر جا کر بیٹھ۔" ملازمہ حکم سنتے ہی تیزی سے بیڈ سے اتر گئی اور میرے آگے سر کو اس قدر جھکایا کہ اس کی کمر ہی دوہری ہو گئی۔ میں نے ہاتھ کا اشارہ کیا تو وہ باہر چلی گئی۔ تو میں بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گیا اور نرم لہجے میں پوچھا۔

"کیا حال ہے شہزادی۔"

"ٹھیک ہوں۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"رات نیند تو اچھی آئی۔اس نے تمہیں تنگ تو نہیں کیا۔" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"تھوڑا سا کیا تھا لیکن آپ کے ہاتھ لگانے سے وہ بھاگ گیا۔" اس نے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میرے ہاتھ لگانے سے۔" میں نے حیرت زدہ ہونے کی اداکاری کی۔"میں نے تمہیں کہاں ہاتھ لگایا تھا۔" میں نے اپنی آنکھوں میں خمار پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے نہیں پتا۔" اس نے شرما کر سر جھکا لیا۔بس مجھے بہت سکون ملا تھا اچھا لگا تھا۔میں چاہتی ہوں کہ آپ آج بھی۔"

"میں تو بوڑھا آدمی ہوں اور تمہیں ضرورت ہے ایک جوان مرد کی' بتاؤ میں کیا کروں۔" میں نے اس کا جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا اور مخمور لہجے میں کہا۔

حیرت انگیز طور پر صرف میری خمار آلود آواز اور لہجے کو سن کر ہی اس کی آنکھوں میں نشہ سا تیرنے لگا۔عورت کی جسمانی طلب کی اتنی شدت میں نے پہلی مرتبہ محسوس کی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"مجھے تو آپ بوڑھے نہیں لگتے۔میرے لیے تو آپ مرد ہیں۔صرف مرد۔" اس نے میرے قریب ہو کر پیاسے لہجے میں کہا۔

"کیا تمہیں صرف ایک مرد کی طلب ہے شہزادی۔" میں نے اپنی جانب کھینچ کر کہا تو وہ بے دم سی میری بانہوں میں گر گئی۔

میں نے بھڑے ہوئے کمرے کے دروازے پر ایک نگاہ ڈالی اور اسے اپنی بانہوں میں کس کر بڑھاپے کے چولے سے باہر نکل آیا۔

لمحوں ہی میں وہ بری طرح ہانپنے لگی۔وہ مجھے کسی طرح بھی چھوڑنے پر راضی نہیں تھی۔میرے خیال میں وہ ایک نفسیاتی مریضہ تھی۔ایک مرتبہ میرے کلینک میں بھی ایسی ہی ایک جوان لڑکی آئی تھی۔

اس کے علاج کے دوران مجھے پتا چلا تھا کہ تنہائی اور ماں باپ کی بے جا پابندیوں کا شکار وہ لڑکی بے ہودہ ناولز اور گندی ویڈیو فلموں کی رسیا ہو گئی تھی اور پھر اپنی جنسی تسکین کے لیے وہ کسی حد تک جانے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔لیکن میں نے نفسیات کی رو سے اور دواؤں اور انجکشن کے ذریعے اس کا

علاج کیا تھا۔ ہمیشہ با وضو رہنے اور نماز کی پابندی کرنے اور قرآن اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعے کا مشورہ دیا تھا وہ صحت یاب ہو گئی تھی۔

اب ایسا ہی ایک کیس میرے سامنے پھر آ گیا تھا۔ شہزادی بھی بے جا پابندیوں، بھارتی فلموں اور تنہائی کی وجہ سے اس نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اس نے اپنے خیالوں میں کسی شخص کا تصور کر رکھا تھا۔ وہ خیالی تصور مجسم روپ دھار کر اس کے سامنے آ تو جاتا تھا لیکن اسے جسمانی تسکین نہیں پہنچا سکتا تھا۔ بس اس طلب کی شدت ایک شدید دورے کی شکل میں ظاہر ہوتی تھی اور جب کوئی اس سے مخاطب ہوتا تو اس کا خیالی تصور شاہ جنات کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا۔

دوسرے علاج کی غرض سے آنے والے بابا لوگ شریف آدمی ہوتے ہوں گے اور انہوں نے عملی طور پر ایسی کوئی کوشش نہیں کی ہو گی جیسی میں نے کی تھی۔

یہ ساری بات بتانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ شہزادی کی شخصیت پوری طرح قارئین کے سامنے واضح ہو جائے۔

"شہزادی ہوش میں آؤ، دیکھو یہ دن کا وقت ہے یہاں کوئی بھی آ سکتا ہے آج رات میں یہیں رکوں گا پھر تم اپنے دل کی ہر خواہش پوری کر لینا۔" میں نے شہزادی کے ہانپتے ہوئے وجود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور حیرت سے میرا منہ دیکھنے لگی۔ "کیا دیکھ رہی ہو۔" میں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" اس کے لبوں سے سسکی سی نکل گئی۔

"میرا خیال ہے تمہیں آرام کی ضرورت ہے، تم سو جاؤ۔" میں نے کہا۔

"مجھے نیند نہیں آ رہی۔ میں ابھی تو رات بھر سو کر اٹھی ہوں۔" اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"تم لیٹو، میں تمہیں سلاؤں گا۔" میں نے پیار سے چمکارتے ہوئے کہا تو وہ بچوں کی طرح سعادت مندی سے لیٹ گئی اور معصومیت سے ایک ہاتھ گال کے نیچے رکھ کر مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ بہت غور سے مجھے دیکھ رہی ہے لمحہ بھر کو تو میں گڑ بڑا گیا کہ کہیں میرا میک اپ تو خراب نہیں ہو گیا۔

"اپنی آنکھیں بند کرو شہزادی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو اس نے اپنی آنکھیں موند لیں۔اور نہ جانے کیوں اس کے لب مسکرانے لگے۔

میں نے جھٹ جیب سے بھری ہوئی سرنج نکالی اور اس کے بازو میں سوئی انجکٹ کردی۔اس نے جھٹ آنکھیں کھول دیں۔سوئی کی چبھن کو محسوس کر کے اس کے لبوں سے ایک سسکاری نکل گئی اور دوسرا ہاتھ بے ساختہ بازو کی جانب جانے لگا۔جسے میں نے فوراً تھام لیا دوائی کو سرعت سے بازو میں داخل کیا اور سوئی باہر نکال لی۔

"آپ نے مجھے سوئی لگائی ہے۔" اس نے پوچھا۔

"نن... نہیں تو۔" میں نے کہا۔

تو وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"سچ سچ بتائیں کہ آپ کون ہیں؟"

لیکن نیند کی دوائی کا اثر اتنا شدید تھا کہ وہ میرا جواب سننے کی پوزیشن میں نہ رہی اور گرنے لگی۔

میں نے اسے سنبھال کر اور سیدھا کر کے لیٹایا اور اسے چادر اڑھادی۔پھر تیزی سے کمرے میں موجود سنگار میز کی جانب بڑھا اور اپنا جائزہ لیا میرا میک اپ بالکل ٹھیک تھا لیکن شہزادی نے انجکشن لگتے ہوئے محسوس کرلیا اور اسے میرے پیر فقیر ہونے پر شک ہو گیا۔یہ بات میرے لیے پریشان کن تھی۔اس لیے میں نے باہر بیٹھی راکھی کو اندر بلایا تو ساتھ بیٹھی ملازمہ بھی اٹھ کر اندر آنے لگی۔

"تم یہاں کس کی اجازت سے بیٹھی ہو' کیا تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ جن ایک عورت سے اتر کر دوسری عورت پر آجاتے ہیں۔یہ تو ہماری خاص مریدنی ہے اس کے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوسکتا تم یہاں سے جاؤ۔" میں نے اسے زور سے ڈانٹا تو وہ خوف زدہ ہو کر اور توبہ توبہ کرتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

میں راکھی کو اندر کمرے میں لایا اور اسے ساری بات بتائی تو وہ بولی۔"پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔میں یہیں اس کے پاس بیٹھی ہوں اس کے جاگنے کے بعد میں اسے سنبھال لوں گی۔

"سوچ لو کہیں کوئی گڑ بڑ نہ ہوجائے۔" میں نے کہا۔

"ارے کچھ نہیں ہوگا یہ تو بتاؤ یہ کتنے گھنٹے تک جاگے گی۔" راکھی نے پوچھا۔

"کم از کم آٹھ گھنٹے تک۔" میں نے کہا۔

"پھر تم بے فکر رہو' ہم دونوں باہر چل کر بیٹھتے ہیں ذرا اپنی خاطر تواضع تو کروائیں۔تم کلثوم سے کہہ دینا کہ تم نے عمل پڑھا ہے۔اس لیے شہزادی پر سکون ہو کر سو گئی ہے۔" راکھی نے کہا اور ہم لوگ شہزادی کے کمرے سے باہر آگئے۔ویسے بھی میڈیکل کے پوائنٹ سے شہزادی کو پر سکون نیند کی شدید ضرورت تھی اور یہاں رہنے کے دوران مجھے شہزادی کو ہلکی اور بھاری ڈوز جو نیند

کی دوا کی صورت میں دینی تھی سلانا تھا۔

کلثوم اس طریقہ سے بہت خوش تھی کیونکہ ان دودنوں میں جب سے میں اس کے پاس آرہا تھا شہزادی کو کوئی دورہ نہیں پڑا تھا اور وہ جو رات رات بھر جاگتی رہتی تھی اور اس پر جن سوار رہتا تھا اب پر سکون ہو کر سو رہی ہے۔

کلثوم نے ہماری خوب خاطر مدارات کی دوپہر کو میں ایک کمرے میں جا کر سو

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

گیا۔کیونکہ رات کو راکھی نے مجھے کم ہی سونے دیا تھا۔شہزادی کی جانب سے میں بے فکر تھا کیونکہ وہ دوا کے زیر اثر گہری نیند سو رہی تھی اور ابھی اس کے بیدار ہونے میں چند گھنٹے باقی تھے۔راکھی بھی میری شاندار مسہری کے قریب زمین پر بیٹھی اونگھ رہی تھی پھر وہ بھی نیند کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہیں لڑھک گئی۔کلثوم نے شہزادی کے لیے پوچھا بھی کہ اسے دوپہر کے کھانے کے لیے جگا دیا جائے تو میں نے سختی کے ساتھ منع کردیا کہ اسے خود بیدار ہونے دینا اگر اسے جگایا گیا تو اس کی طبیعت خراب ہوجائے گی اور حقیقت میں ایسا ہی ہوتا بھرپور نیند اس کے تھکاوٹ زدہ اعصاب کے لیے

بہت ضروری تھی۔

میری آنکھ کھلی تو مغرب کا وقت ہو رہا تھا۔میں نے راکھی کو جھنجوڑ کر جگایا اور اسے کہا کہ وہ شہزادی کے کمرے میں جائے اور یہ کہے کہ وہ پیر صاحب کا بتایا ہوا ایک عمل پڑھنے جا رہی ہے اور کوئی اس کے کمرے میں نہ آئے تاکہ اگر شہزادی بیدار ہو اور وہ راکھی سے میرے بارے میں کوئی سوال کرے تو راکھی کسی بھی طرح مطئمن کرسکے۔

راکھی چلی گئی میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور راکھی کا انتظار کرنے لگا۔ملازمہ نے کمرے میں آکر جھانکا اور مجھے بیٹھا دیکھ کر ادب سے پوچھا۔

"اگر حضور عبادت سے فارغ ہوگئے ہوں تو شام کی چائے حاضر کی جائے۔"

لیکن میں دوپہر کو اچھا خاصا کھانا کھا چکا تھا صرف چائے کی خواہش تھی اس لیے چائے کا کہہ دیا لیکن چائے کے ساتھ اور بھی بہت سے لوازمات تھے۔ لیکن میں نے کسی بھی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا سوائے چائے کے۔

مجھے بے چینی سے راکھی کا انتظار تھا کیونکہ میرے حساب سے تو اب تک شہزادی کو اٹھ جانا چاہیے تھا لیکن راکھی نہیں آئی حد یہ کہ رات کے کھانے کا وقت ہوگیا۔

میں نے رات کا کھانا کھایا اور راکھی کو بلایا راکھی آئی اور آتے ہی مسکرانے لگی۔

"کیا بات ہے تم مسکرا کیوں رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"کیا جادو کردیا ہے اس بڈھے نے شہزادی پر۔" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب۔میں پریشان ہوں اور تمہیں شوخیاں سوجھ رہی ہیں۔" میں نے بگڑے تیور سے کہا۔

"مطلب یہ ہے کہ نیند سے جاگنے پر بھی شہزادی نے مجھ سے تمہارے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔سوائے اس کے کہ پیر صاحب کہاں ہیں' تو میں نے کہا حویلی میں ہی ہیں دوسرے کمرے میں آرام کر رہے ہیں تو وہ بولی۔وہ آج رات حویلی میں ہی رکیں گے نا۔کہیں جائیں گے تو نہیں کیوں جب سے وہ آئے ہیں مجھے شاہ جنات نے تنگ نہیں کیا ہے۔ انہیں آج رات بھی میرے کمرے میں بلا لینا۔تو میں نے کہا ہاں آج وہ تمہارے کمرے میں ہی عمل پڑھیں گے۔مجھے امید ہے کہ تم جلد ہی ٹھیک ہوجاؤ گی یہ بڑے کراماتی پیر صاحب ہیں۔بڑے بڑے جن ان سے پناہ مانگتے ہیں۔"

"بس' بس مجھے پتا ہے بس تم پیر صاحب سے یہ کہنا کہ آج رات وہ میرے کمرے میں ضرور آئیں شہزادی کے لہجے میں بے پناہ بے قراری چھپی تھی۔" راکھی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں نے راکھی کو اپنی اور شہزادی کی حرکتوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا سوائے اس کے کہ اس کو انجکشن کا پتا چل گیا تھا کیونکہ میں یہ بات جانتا تھا کہ ایک عورت کی حیثیت سے وہ یہ بات قطعی برداشت نہیں کرتی۔

”شکر ہے اللہ کا کہ اس نے تم سے کچھ نہیں کہا اور مجھے پوری امید ہے کہ وہ کسی اور سے بھی کچھ نہیں کہے گی جو کچھ بھی پوچھے گی مجھ سے ہی پوچھے گی۔“ میں نے مطمئن لہجے میں کہا۔

”آج رات میں بھی تو ہوں تمہارے ساتھ اس کمرے میں۔“ راکھی نے کہا۔

”نہیں تم باہر ہی ٹھہرنا ورنہ وہ مجھ سے سوال نہیں کرسکے گی اور اس کے علاج کے لیے اس کا مطمئن ہونا بہت ضروری ہے اور پھر تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ شہزادی ٹھیک ہوگئی تو آئندہ بھی اس حویلی میں آنے کے لیے ہمارا راستا کھلا رہے گا اور مجھے شیر افضل کو بھی ٹھکانے لگانا ہے۔ابھی تو اس کی جان بخشی گئی ہے۔لیکن اس کی جان لینے کا میرا ارادہ تو اٹل ہے۔“ میں نے کہا تو وہ سر ہلانے لگی۔

راکھی کو باہر بھیج کر میں کمرہ بند کر کے لیٹ گیا تا کہ وہ لوگ سمجھیں کہ میں عشاء کی نماز پڑھ رہا ہوں۔جب کہ یہ تمام عبادات میں مکمل طور پر ترک کر چکا تھا۔اب مجھ میں اور ایک وحشی درندے میں کوئی فرق نہیں تھا میں آج جب اپنے اس وقت کی کیفیت کو سوچتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔روح کانپ اٹھتی ہے اور میں روتے ہوئے بے ساختہ سجدے میں گر جاتا ہوں۔میں اپنی زندگی کے اس آخری دور میں کہاں اور کیسے پہنچا اور کس طرح تبدیل ہوا یہ آپ آگے جان پائیں گے۔

رات کے گیارہ بجے جب حویلی میں سناٹا چھا گیا سارے ملازمین سونے کے لیے چلے گئے۔صرف کلثوم اور اس کی خاص ملازمہ چنبیلی جاگ رہی تھی میں کمرے سے باہر نکل آیا اور شہزادی کے کمرے کی جانب بڑھا۔

شہزادی کے کمرے میں کلثوم راکھی اور چنبیلی موجود تھیں۔شہزادی اس وقت نہا دھو کر بہترین لباس میں مزین تھی۔اس کے لمبے گھنے اور سیاہ بال اس کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔وہ بستر پر لیٹی تھی مجھے دیکھ کر اس نے دوپٹا سر پر لے لیا اور سر جھکا لیا۔

"کلثوم تم نے اپنی بیٹی کی حالت دیکھی تمہیں کیا لگتا ہے۔" میں نے کلثوم کو مخاطب کرکے پوچھا۔

"حضور میری سات پشتیں بھی آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولیں گی۔میں آپ کے در کی لونڈی ہوں۔میری شہزادی کی طبیعت بہت اچھی ہے۔ماشاء اللہ اس کے چہرے پر کچھ رونق بھی آگئی ہے۔ورنہ یہ تو کملایا ہوا پھول ہو گئی تھی۔" کلثوم نے پر مسرت لہجے میں کہا۔

"ہاں بس دو ایک دن کی بات اور ہے پھر وہ مردود اس کی جان ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے گا۔" میں نے دبنگ لہجے میں کہا۔

"میرے لیے کیا حکم ہے حضور۔" کلثوم نے پوچھا۔

"تم جا کر آرام سے سوجاؤ ، ہم آج کی ساری رات اسی کمرے میں عمل پڑھیں گے۔شہزادی کی طرف سے تم بے فکر رہو' یہ سوتی رہے گی اور پھر راکھی بھی تو ہے اگر کوئی بات ہوئی تو یہ ہے نا سنبھالنے کے لیے۔" میں نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"حضور کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔" کلثوم نے جانے کے لیے قدم بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"صرف پانی رکھوا دو۔" میں نے بند آنکھوں کے ساتھ کہا۔

"پانی موجود ہے حضور آپ کہیں تو اور...!"

"بس۔" میں نے ایک بار پھر بھاری اور دبنگ لہجے میں کہا۔"اب تم جاؤ وقت ضائع نہ کرو۔ہمارا ٹائم ضائع ہو رہا ہے"

کلثوم اور چنبیلی کے جانے کے بعد ہم نے تھوڑی دیر انتظار کیا اس دوران ہم تینوں خاموش رہے۔پھر میں نے راکھی کو بھی باہر جانے کا اشارہ کیا اور شہزادی کی جانب دیکھتے ہوئے کمرے کا دروازے بند کرکے کنڈی لگا دی۔ شہزادی میری ہی جانب دیکھ رہی تھی۔اس نے ابھی تک ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

میں کنڈی لگا کر پلٹا تو وہ بولی۔"یہ کنڈی اگر آپ نہ لگاتے تو میں لگا دیتی۔" میں اس کے نزدیک جا کر بیٹھ گیا اور مسکراتے ہوئے پوچھا۔"کیسی ہو۔"

"آپ بہت بڑے پیر ہیں اس لیے امید کرتی ہوں کہ آپ جھوٹ بھی نہیں بولتے ہوں گے آپ وعدہ کریں کہ میں جو کچھ پوچھوں گی آپ اس کا بالکل ٹھیک ٹھیک جواب دیں گے۔" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا اور ساتھ ہی میرے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر سہلانے لگی۔

"تم کیا پوچھنا چاہتی ہو۔" اس کے اندر اتنی بڑی تبدیلی کو محسوس کر کے مجھے بے چینی سی ہو گئی۔

"یہی کہ آپ سچ سچ بتائیں کہ آپ کون ہیں اور اس حویلی میں کس نیت سے آئے ہیں۔ایک بات اور وہ یہ کہ آپ ایک بوڑھے نہیں جوان آدمی ہیں۔آخر ایک بوڑھے سے پیر کا بھیس بدل کر اس حویلی میں آنے کی آپ کو کیا ضرورت محسوس ہوئی۔" وہ بڑی جرأت مندی اور خود اعتمادی سے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال پوچھ رہی تھی۔

میرے اندر بڑی ہلچل مچ رہی تھی۔اور مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ سے ٹوٹ رہے تھے۔میں جسے ایک ان پڑھ دیہاتی اور نفسیاتی مریضہ سمجھ رہا تھا وہ تو چھپی رستم نکلی اور حیرت کے سمندر میں غوطہ زن میری زبان ہی گنگ ہو گئی۔ مجھے

اس بات کی کوئی ٹینشن نہیں تھی کہ وہ میری اصلیت جان چکی ہے یہ بات جاننے کے لیے اس سے کیا کہنا ہے یہ بات میں پہلے ہی سوچ چکا تھا۔حیرت مجھے اس کی جرأت اور بہادری پر تھی۔

"آپ خاموش کیوں ہیں جواب کیوں نہیں دیتے۔" اس نے میری خاموشی پر بے چینی سے کہا۔

"میں تمہارے سارے سوالات کے جواب ضرور دوں گا لیکن پہلے تم میرے چند سوالات کے جوابات دو اور اس ضمن میں' میں بھی تم سے امید کرتا ہوں کہ تم مجھ سے جھوٹ نہیں بولو گی۔" میں نے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑاتے ہوئے کہا۔

"پوچھیے۔" اس نے ہار ماننے کے انداز میں کہا۔اس کا لہجہ اور انداز بھی دوستانہ تھا۔

"تم نے یہ اپنے اوپر جن آنے والا ڈرامہ کیوں کیا ہے اور وہ دورہ پڑنا مردانہ آواز میں باتیں کرنا۔یہ سب کیاہے کیوں اپنے والدین کو پریشانی اور دکھ میں مبتلا کیا ہوا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"اگر آپ پریشانی اور دکھ کی بات کرتے ہیں تو والدین کا نام ایک ساتھ مت لیں۔یعنی والدین میں تو دونوں ہی آجاتے ہیں۔ماں اور باپ لیکن میں صرف اپنی ماں کو جانتی ہوں اس کے پیار اس کی محبت کو جانتی ہوں اور جب باپ کا تصور آتا ہے تو وہ ایک ظالم اور بے حس انسان ہے۔عیاش انسان ہے جسے صرف اپنی خواہشات کی تکمیل یاد رہتی ہے۔دوسروں کے جذبات اور احساسات کا اسے قطعی احساس نہیں ہے اب وہ دوسرا انسان خواہ اس کی بیٹی ہو یا بیٹا اسے کسی سے محبت نہیں لیکن ہاں اگر کسی چیز سے محبت کرتا ہے تو وہ ہے دولت روپیہ پیسہ زمینیں اور شہر کی بے ہودہ عورتیں۔" باپ کا ذکر کرتے ہوئے اس کا لہجہ حدر درجہ زہر آلود ہوگیا۔میں سراسر اس کی باتوں سے اتفاق کرتا تھا اس نے شیر افضل کے بارے میں بالکل ٹھیک کہا تھا۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے یہ تمہارا اور تمہارے باپ کا معاملہ ہے۔لیکن مجھے اپنے سوال کا جواب اب بھی نہیں ملا۔" میں نے کہا تو اس نے جواب دینے کے بجائے اپنا سر جھکا لیا اور خاموش ہوگئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"شہزادی۔" میں نے اصلی آواز میں اسے پیار بھرے لہجے میں پکارا تو اس نے چونک کر سر اٹھایا اور بے قرار لہجے میں بولی۔

"بالکل یہی آواز بالکل یہی انداز پیار بھرا۔اس کا بھی تھا۔"

"کس کا؟ کون تھا وہ...؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"اسی کا جو میرے خوابوں اور خیالوں میں آتا تھا۔وہ بالکل اسی طرح مجھے پکارتا تھا جس طرح آپ نے ابھی پکارا۔" اس نے کھوئے لہجے میں کہا پھر میرے نزدیک آکر اسی کیفیت میں بولی۔

"آپ ایک بار پھر سے پکاریے نا مجھے۔"

"شہزادی کیا تم نے کسی خیالی شخصیت کو اپنے خیالوں میں بسایا ہوا تھا۔" میں نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں تو اور کیا کرتی۔" اس نے دکھی لہجے میں کہا پھر مزید میرے قریب کھسک آئی اور میرے ہاتھوں کو ایک بار پھر اپنے ہاتھوں میں تھام کر بولی۔

"آپ کو پتا ہے میری ساری سہیلیوں کی شادی ہوگئی ہے۔وہ سب دلہنیں بن کر بہت خوب صورت لگ رہی تھیں۔ان سب کے دلہا انہیں بہت پیار

کرتے ہیں۔میری سہیلیوں نے وہ ساری باتیں مجھے بتائیں جو ان کی شادی کی رات ان کے دلہا نے ان سے کی تھیں۔پھر جب بھی میری سہیلیاں آتیں وہ اپنے دلہا کی ساری باتیں مجھے بتاتیں کہ وہ کس طرح ان سے پیار کرتے ہیں۔ وہ ان کے لیے سجتی سنورتی ہیں تو وہ کس طرح ان کی تعریف کرتے ہیں اور پھر ان کے اتنے ڈھیر سارے پیار کے نتیجے میں ان کے ہاں اولاد بھی پیدا ہوئی وہ ماں بن گئیں ہیں۔کوئی موٹی اور بھدی ہوگئی ہے لیکن ان کے پیار میں کمی نہیں آئی۔مجھ سے زلیخا کہہ رہی تھی کہ جب سے ہمارا کاکا پیدا ہوا ہے۔شوکت کا پیار مجھ سے اور بھی زیادہ بڑھ گیا ہے۔وہ ہر بار آکر مجھ سے پوچھتی ہے کہ شہزادی تیرا بیاہ کب ہوگا۔تو تو اتنی حسین اور خوب صورت ہے کہ تیرا دلہا تو بس تجھے تکتا ہی رہے گا اس کا پیار تیرے ساتھ کبھی کم نہیں ہوگا پھر تیرا بیاہ کیوں نہیں ہو رہا۔دیکھ ہمارے تو کئی بچے بھی ہوگئے اور تیرا تو بیاہ بھی ابھی تک نہیں ہوا کیا تیرا جی نہیں چاہتا کہ تیرا دلہا بھی تیری بارات لے کر آئے اور تجھے دلہن بنا کر اپنے گھر لے جائے۔تجھے تو پتا ہی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

نہیں ہے کہ بیاہ کے بعد زندگی کتنی حسین ہوجاتی ہے مرد کا پیار عورت کو اور بھی حسین بنا دیتا ہے۔

اب میں کسی کو کیا بتاؤں کہ میرے خاندان میں کوئی مجھے بیاہنے نہیں آئے گا۔کیونکہ وٹہ سٹہ کرنے کے لیے میرا کوئی بھائی نہیں ہے اور بنا وٹے سٹے کے میرا باپ مجھے نہیں بیاہے گا۔

اپنی سہیلیوں کی باتیں سن سن کر میرا دماغ سنسنانے لگتا میرا بھی دل چاہتا تھا کہ کوئی میرا بھی تو ہو جو مجھ سے پیار کی باتیں کرے میری راتیں رات بھر اس بڑے سے نرم بستر پر اس طرح گزرتی ہیں جیسے اس بستر میں کانٹے اگے ہوں۔میرے جسم کا انگ انگ ایک مرد کے لمس کو محسوس کرنا چاہتا ہے۔ میری پیاس بڑھتی چلی گئی۔

پھر میرے خیالوں نے ایک تصوراتی مرد کی شکل بنالی۔وہ مجھ سے پیار بھری باتیں کرتا ہے لیکن جب میں اسے چھونا چاہتی ہوں تو وہ میرے ہاتھ ہی نہیں آتا۔جب میری پیاس بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے تو میں اپنے حواس کھونے لگتی ہوں۔چیختی چلاتی ہوں۔مجھے اپنے قریب آنے والی ہر عورت سے نفرت

محسوس ہوتی ہے۔میرا دل چاہتا ہے کہ ان سب کے گلے دبا دوں۔ان میں کوئی مرد کیوں نہیں ہے۔مجھ سے پیار کرنے والا یہ سب یہ سمجھنے لگے کہ مجھ پر جن عاشق ہو گیا ہے لیکن کوئی بھی مجھ پر عاشق نہیں ہوا' کاش کوئی جن ہی عاشق ہوجاتا۔

لیکن کل جب آپ آئے تو میں بے قابو ہو گئی۔میں بوڑھے اور جوان کی تمیز کھو بیٹھی۔لیکن آپ نے جس طرح مجھے اپنے سینے سے لگایا۔میرے ساتھ جو حرکتیں کیں انہوں نے مجھے بتادیا کہ آپ بوڑھے نہیں جوان ہیں۔میں نے آپ کے جسم کو چھو کر محسوس کیا ہے۔آپ کی بدلی ہوئی آواز میں آپ کی جوانی کو محسوس کیا ہے آپ کے جوان جسم کی سختی کو محسوس کیا ہے۔آپ کو اللہ کا واسطہ۔' اس نے مجھے بازوؤں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔''آپ مجھے اپنی حقیقت بتادیں۔میرے دل کی پیاس بجھادیں۔'' وہ میرے آگے گڑگڑانے لگی گویا اس معصوم لڑکی نے میرے کام کو میرے لیے بے انتہا آسان کردیا تھا۔مجھے اس کے ساتھ تو ہمدردی تھی اگر اس وقت اس کے سامنے شاہ زمان ہوتا تو وہ اس کو سمجھاتا اور دواؤں سے اس کا علاج کرتا لیکن اس وقت شاہ

زمان نہیں شمروز تھا۔جو شیر افضل کے لیے سر تاپا انتقام تھا۔انتقام کی جو آگ آپ کے اندر بھڑکتی ہے۔وہ بڑی ظالم ہوتی ہے اور پھر اس آگ کی زد میں جو چیز بھی آئے وہ اسے جلا کر خاکستر کردیتی

ہے۔میں نے شہزادی کو کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔وہ جیسے میرے اندر جذب ہونے لگی۔میں نے جذبات سے بے خود ہو کر اس کی ریشمی زلفوں کو چوما اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''تم مجھ سے میری حقیقت پوچھ رہی ہو' تو میری حقیقت یہ ہے شہزادی کے میں تمہارا عاشق ہوں۔گزشتہ تین سالوں سے میں تمہارے عشق کی آگ میں جل رہا ہوں۔لیکن میرا جرم یہ ہے کہ میں ایک غریب لڑکا ہوں۔میں تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنانا چاہتا تھا۔ایک دن میرے بابا میرا رشتا لے کر تمہارے باپ کے پاس آئے لیکن اس نے نہ صرف میرے بابا کو بے عزت کر کے اپنے حجرے سے نکال دیا بلکہ مجھے بھی اپنے پالتو کتوں سے بہت پٹوایا۔میں

کئی روز تک اسپتال میں پڑا رہا لیکن اتنی مار کھانے کے باوجود میرا پیار تمہارے لیے کم نہیں ہوا بلکہ اور بڑھتا چلا گیا۔

اب مجھے تمہارے بارے میں معلوم ہوا تو میرے دماغ نے تم سے ملاقات کرنے کا اچھا بہانہ سوچا اور میں یہ بہروپ دھار کر تم سے ملنے کے لیے آگیا۔ تم میری محبوبہ ہو اور میں تمہار محبوب ہوں۔ کہتے ہیں نا کہ اگر پیار سچا ہو تو اسے حاصل ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا دیکھ لو میں بھی آخر تم تک پہنچ ہی گیا۔" یہ کہہ کر میں نے اس کے ملیح چہرے کے کئی بوسے لے ڈالے۔

"ہائے ربا۔ آپ سچ کہہ رہے ہو۔" اس نے خوشی سے تمتماتے ہوئے چہرے کے ساتھ کہا۔

"بالکل سچ میری جان۔" میں نے اس کے نرم و گداز لبوں کو انگلی سے چھوتے ہوئے کہا۔

"تمہار نام کیا ہے۔" اس نے بے خودی میں آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

"محبوب۔" میں نے کہا۔

"محبوب۔" اس نے اس طرح میرا نام دہرایا جیسے اس کے منہ میں شہد گھل گیا ہو۔

"تم مجھے اپنا اصل چہرہ تو دکھاؤ میرے محبوب۔" اس نے میرے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"فی الحال نہیں دکھا سکتا۔ اگر یہ میک اپ اتر گیا تو تمہاری ماں سمجھ جائے گی پھر بہت برا ہوگا۔ میں نے بہت سارے پیسے خرچ کر کے یہ میک اپ کروایا ہے۔" میں نے کہا اور اسے محبت کے سبق پڑھانے لگا۔ اس نے ذرا بھی مزاحمت نہ کی وہ میرے سامنے ایک کھلی کتاب بن گئی اور میں نے اس کتاب کا ایک ایک لفظ حفظ کرلیا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے اس پر لطف کھیل کے بعد وہ بے سدھ سو گئی۔ میں نے سب سے پہلے آئینے میں اپنے چہرے کا جائزہ لیا۔ میں گھبرا رہا تھا کہ کہیں شہزادی کے جنون نے میرا بھید تو نہیں کھول دیا۔ میں اس میک اپ مین کامران کے فن کا قائل ہوگیا۔

اس اطمینان کے بعد میں نے شہزادی کے بستر کا جائزہ لیا سب کچھ ٹھیک ٹھاک کرنے کے بعد میں نے ایک چادر زمین پر بچھائی اور لیٹنے لگا اچانک کمرے میں لگی کنڈی کا خیال آیا تو میں نے دروازے کی کنڈی کھول کر باہر جھانکا مگر دور دور تک مجھے راکھی دکھائی نہیں دی میں نے دروازہ پورا کھول دیا اور زمین پر بچھی چادر پر لیٹ کر سو گیا۔

لیٹ کر میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور ایک طویل سانس لی۔مجھے اپنے اندر ایک اطمینان سا ایک خوشی سی اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔میں کس قدر نیچ اور ذلیل انسان تھا۔اپنے انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے میں نے ایک معصوم لڑکی کی عزت کو داغ دار کردیا تھا۔اس کی زندگی کو تباہ و برباد کردیا تھا۔شیر افضل کے ظلم کا تو وہ بھی شکار ہوئی تھی۔پھر میں نے کیوں اس پر ظلم کیا۔میرے اندر کا وہ اچھا انسان جسے میں نے ڈانٹ پھٹکار کر سلادیا تھا۔ سہمے سہمے لہجے میں بول رہا تھا۔

میرا کوئی قصور نہیں ہے۔شہزادی نے اپنی پوری خوشی اور آمادگی سے خود کو میرے حوالے کیا تھا۔

میں نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔اس اچھے اور سہمے ہوئے انسان کو ڈانٹ دیا۔اور اس سے پہلے کہ میرے اندر یہ جنگ طول پکڑتی میں شہزادی کے کمرے سے نکل کر سیدھا اس کمرے کی جانب آیا۔جہاں دوپہر کو میں نے آرام کیا تھا۔وہاں میں نے راکھی کو زمین پر لیٹے ہوئے دیکھا۔وہ بے سدھ سو رہی تھی۔میں چپ چاپ مسہری پر لیٹ گیا اور سو گیا۔

صبح راکھی کے جگانے پر میری آنکھ کھلی۔میں اور سونا چاہتا تھا اس لیے راکھی سے جھنجلا کر کہا۔"کیا بات ہے سونے دو مجھے نیند آرہی ہے۔"

"بعد میں سوتے رہنا نواب کا فون آیا تھا وہ تمہیں واپس بلا رہا تھا۔" اس نے کہا۔

"نواب کا فون۔" نواب کا نام سنتے ہی میری ساری نیند لمحہ بھر میں غائب ہوگئی۔"کیا کہہ رہا تھا۔" میں نے دوبارہ پوچھا۔

"کہہ رہا تھا کہ فوراً واپس آجاؤ ایک ضروری کام ہے۔" راکھی نے کہا۔

”اچھا تو پھر ٹھیک ہے میرا کام تو ہو بھی نہیں سکتا۔واپس چلتے ہیں۔“ میں نے آمادگی ظاہر کی۔ پھر یہ خبر حویلی میں پھیل گی کہ پیر صاحب واپس جانا چاہتے ہیں۔کلثوم نے سنا تو دوڑی چلی آئی اور بولی۔

”حضور کیا خطا ہو گئی سنا ہے آپ واپس جا رہے ہیں۔ابھی تو شہزادی کا علاج بھی پورا نہیں ہوا۔آپ تو کہہ رہے تھے دو تین دن لگیں گے۔“

”ہم یہی سمجھتے تھے لیکن اب وہ ٹھیک ہو گئی ہے ہمیں واپسی کا حکم ملا ہے تو ہم مزید یہاں کیسے رہ سکتے ہیں۔“ میں نے با رعب لہجے میں کہا۔

”جو آپ بہتر سمجھیں۔“ کلثوم نے کہا۔

میں اور راکھی جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ اچانک شہزادی کے کمرے کی جانب سے ایک شور سا اٹھا ملازمائیں اور کلثوم گھبرائی ہوئی وہاں دوڑی بھاگی جا رہی تھیں۔

”راکھی ذرا جا کر تو دیکھو کہ کیا معاملہ ہے۔“ میں نے فکر مند لہجے میں کہا تو راکھی بھی تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔لمحہ بھر کو میں پریشان ہو گیا کہ آخر

ہوا کیا ہے۔کیا کسی کی تیز نگاہوں نے گزری رات کی واردات کو محسوس تو نہیں کر لیا۔

تھوڑی ہی دیر میں راکھی لوٹ آئی اور اس نے بتایا کہ شہزادی کو دوبارہ دورہ پڑ گیا ہے۔اس کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے۔کلثوم نے میرے آگے ہاتھ جوڑ کر التجا کی ہے کہ میں تمہیں آج جانے سے روک لوں اس کا کہنا ہے کہ شہزادی ابھی ٹھیک نہیں ہوئی ہے۔

”کیا مصیبت ہے یار۔“ میں نے جھنجلا کر کہا۔

”تم نے اس کا علاج کیا کیا تھا کیا رات کو نیند کا انجکشن نہیں دیا تھا۔“ راکھی نے پوچھا۔

”ارے یار وہ ویسے ہی بہل گئی تھی اور سونے لگی تھی اس لیے انجکشن نہیں دیا تھا۔اچھا چلو چل کر دیکھتے ہیں۔“ میں نے کہا اور راکھی کے ساتھ شہزادی کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

اندر کا منظر بڑا عجیب تھا۔شہزادی کے بال بکھرے ہوئے تھے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور ہونٹوں کے کناروں سے رال بہہ رہی تھی چہرہ وحشت زدہ تھا۔

”حضور میری بچی کو بچالیجیے آپ کو اللہ کا واسطہ۔“ مجھے دیکھتے ہی کلثوم میرے پیروں پر جھک گئی وہ بری طرح رو رہی تھی اور ہاتھ پاؤں جوڑے گڑ گڑا رہی تھی۔

”ہمارے جانے کا سنتے ہی واپس آگیا خبیث ٹھہر جا‘ ہم تیرا وہ حشر کریں گے کہ تو کسی قابل نہیں رہے گا۔“ میں نے بارعب لہجے میں آنکھیں نکال کر کہا پھر کمرے میں موجود دوسری ملازماؤں اور کلثوم راکھی سب کو مخاطب کر کے کہا کہ سب کمرے سے دور چلی جائیں ہم اکیلے ہی اس سے نمٹنا چاہتے ہیں۔

میرا حکم سنتے ہی سب تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئیں۔ایک حیرت انگیز بات میں نے یہ دیکھی تھی کہ حویلی کے اندر کے اس حصے میں کوئی مرد ملازم نہیں آتا تھا۔شیر افضل کا سختی کے ساتھ حکم تھا کہ حویلی کے زنان خانے میں کوئی مرد داخل نہیں ہوگا شاید یہی وجہ تھی کہ شہزادی کو سوائے

عورتوں کے چہروں کے کسی مرد کا چہرہ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔عورت کے جذبات بالکل اس ہانڈی میں پکنے والے دودھ کی مانند ہوتے ہیں کہ اگر ڈھکنا پورا بند کردیا جائے تو دودھ ابل ابل کر باہر گرنے لگتا ہے۔آگ جلے اور دودھ نہ ابلے یہ نا ممکن ہے۔

سب کے باہر جاتے ہی میں نے شہزادی کے قریب بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھاما۔تو وہ تیزی سے اٹھ کر مجھ سے لپٹ گئی۔اور میرے سینے سے اپنا چہرہ رگڑتے ہوئے بولی۔

مجھے پتا چلا ہے کہ تم واپس جا رہے ہو‘ میں تمہیں جانے نہیں دوں گی تم یہیں رہو حویلی میں اس روپ کے ساتھ۔لیکن یہاں سے مت جاؤ۔اگر تم چلے گئے تو میں زندہ نہیں رہ پاؤں گی۔مرجاؤں گی۔“

”بے وقوفی کی باتیں مت کرو شہزادی میں اس طرح کب تک رہ سکتا ہوں۔میرا میک اپ زیادہ دن تک نہیں چل سکتا۔اس لیے میں واپس جا رہا ہوں۔وعدہ کرتا ہوں دوبارہ لوٹ آؤں گا۔

"اچھا ٹھیک ہے چلے جانا لیکن آج رات اور رک جاؤ۔ابھی تو ہم نے پیار بھری باتیں بھی نہیں کیں۔رات کو زرا دیر کو آنکھ لگ گئی تھی۔اور جب جاگی تو تم کمرے میں نہیں تھے۔پھر مجھے نیند نہیں آئی اور ابھی چنبیلی نے بتایا کہ تم واپس جا رہے ہو تم مجھ سے ملے بنا کچھ کہے بنا ہی واپس جا رہے تھے میں نے اس لیے ایسا کیا تھاکہ تم میرے پاس واپس آسکو اور میں تم سے بات کرسکوں اگر میں ایسا نہ کرتی تو تم تو چلے ہی گئے تھے۔"

میں عجیب شش و پنج میں مبتلا ہو گیا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔پھر سوچا کہ ٹھیک ہے میں فہیم کو فون کر کے کل جہاز کی سیٹیں کروا لیتا ہوں۔نواب سے اپنی خرابی طبیعت کا بہانہ کردوں گا۔

میں نے شہزادی کو تسلی دی اور یقین دلایا کہ میں آج نہیں جاؤں گا کل جاؤں گا۔لیکن اس مرتبہ وہ کوئی ایسی حرکت کر کے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کرے گی۔میرے یقین دلانے پر وہ راضی ہوگئی تو میں نے اس سے کہا کہ وہ آنکھیں بند کر کے پر سکون ہو کر لیٹ جائے تھوڑی دیر کے بعد اٹھ جائے اور بالکل ٹھیک ٹھاک رہے۔

وہ لیٹ گئی تو میں باہر نکل گیا۔کمرے سے تھوڑے فاصلے پر ساری عورتیں موجود تھیں۔میں دھیمی اور تھکی ہوئی چال چلتا ہوا ان کے قریب گیا اور اپنا ہاتھ سر پر رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ شیطانوں کا استاد معلوم ہوتا ہے۔اس سے جھگڑتے ہوئے ہمارا سر دکھنے لگا ہے۔فی الحال تو ہم نے اسے بھگا دیا ہے۔شہزادی سو گئی ہے۔اٹھے تو ناشتہ کروا دینا آج رات پھر عمل پڑھنا پڑے گا۔" یہ کہتے ہوئے میں اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگا۔

کلثوم اور چنبیلی تو دبے پاؤں شہزادی کے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔اور راکھی میرے ساتھ آگئی۔اندر آکر میں نے سب سے پہلے فہیم کو فون کیا تو اس نے بھی مجھے یہی بتایاکہ نواب نے مجھے فوری طور پر واپس بلایا ہے میں نے جہاز کی سیٹوں کے لیے کہا تو اس نے بتایا کہ صبح پانچ بجے کی فلائٹ سے اس نے سیٹ کنفرم کروالی ہے۔

"ارے یار تمہیں یہ بات مجھے پہلی ہی بتانی چاہیے تھی۔" میں نے صبح پانچ بجے کی سیٹ کا سنا تو غصے سے کہا۔

"شمروز بھائی نواب صاحب کے حکم کے بارے میں تو میں نے راکھی کو ایس ایم ایس کردیا تھا۔اور سوچا کہ آپ فوراً واپس جانا چاہیں گے اس لیے آپ سے پوچھے بنا سیٹ بھی کنفرم کروالیں۔" فہیم نے کہا۔

"اچھا چلو ٹھیک ہے۔ہمیں یہاں سے کتنے بجے نکلنا ہو گا۔" میں نے پوچھا۔

"کم از کم ایک بجے تو لازمی نکلنا ہو گا یہاں سے اسلام آباد جائیں گے ٹائم تو لگے گا۔" فہیم بولا۔

"ٹھیک ہے تم ہمارا سارا سامان ٹیکسی میں رکھ کر لے آنا اور ہمیں اسی جگہ پر ملنا جہاں اتارا تھا میں اور راکھی پہنچ جائیں گے۔" میں نے کہا۔

"آپ آج کیوں نہیں آرہے۔" فہیم نے پوچھا۔

"بس یار پھنس گیا ہوں ملوں گا تو بتاؤں گا۔بس یہ سمجھ لو کہ میں دن میں نہیں آسکتا۔" یہ کہہ کر میں نے موبائل فون آف کردیا اور جیب میں ڈال لیا۔راکھی میری باتیں سن رہی تھی۔اس نے مجھ سے مزید تفصیلات ان باتوں کی پوچھی جو میرے اور فہیم کے درمیان ہوئی تھیں۔میں نے ساری باتیں بتادیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"کیا رات کو ایک بجے حویلی سے نکلنا ممکن ہو گا۔ہم گیٹ پر موجود چوکیدار کی نگاہوں سے بچ کر کس طرح نکل سکتے ہیں۔" راکھی نے کہا۔

"ہمیں چھپ کر نکلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ہم یہ بات کلثوم کو پہلے ہی بتادیں گے۔بس تم سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو مجھے پتا ہے کیا کرنا ہے۔" میں نے کہا۔

"ایک بات سچ سچ بتاؤ تم اس پاگل لڑکی کو کیسے قابو کرتے ہو؟" راکھی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بھئی میں ایک ڈاکٹر ہوں اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ مریض کو کیسے کنٹرول کیا جاتا ہے۔" میں نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

"ڈاکٹروں کے بارے میں تو یہ سنا ہے کہ وہ مرض کو کنٹرول کرتے ہیں اور تم مریض کو کر رہے ہو' کیا چکر ہے آخر مجھے بھی تو پتا چلے۔رات کو تنہائی میں تم نے کیا کیا تھا۔" اس نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

"کرنا کیا تھا اسے خاموشی سے انجکشن دیا تھا وہ سو گئی تو میں یہاں آگیا۔" میں نے کہا۔

"لیکن تم تو کہہ رہے تھے کہ وہ خود ہی سو گئی تھی انجکشن دینے کی نوبت ہی نہیں آئی۔" اس نے کڑے تیور سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"افوہ۔" راکھی تم بھی ٹیپیکل بیویوں کی طرح جرح کر رہی ہو۔ہاں یاد آیا وہ پہلے ہی سو گئی تھی۔اب کوئی اور سوال مت پوچھنا میرا ویسے ہی میٹر گھوم رہا ہے۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا تو راکھی طنزیہ انداز میں مسکرانے لگی۔پھر کندھے اچکا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ سارا دن میں نے کمرے میں سوتے ہوئے گزارا۔کیونکہ آنے والی ساری رات مجھے جاگنا ہی تھا۔راکھی بھی ایک دو مرتبہ ذرا دیر کو کمرے میں آئی اور چلی گئی۔وہ میری خاص مریدنی تھی اور اسے میری خبر گیری کے لیے آنا ہی تھا۔

دیہاتوں میں اندھیرا پھیلتے ہی لوگ گھروں میں دبک جاتے ہیں۔حویلی میں بھی اذان عشاء کے بعد چہل پہل معدوم ہو گئی۔میں تھوڑی دیر کے بعد کمرے سے نکلا۔تو کلثوم نے بتایا کہ شہزادی کے سر میں بہت درد ہے وہ سارا دن

بہت بے چین رہی ہے۔اس نے کچھ کھایا پیا بھی نہیں ہے۔شاید آج رات کے عمل سے اس کی طبیعت بہتر ہوجائے۔

"ٹھیک ہوجائے گی تم فکر نہ کرو اور ہم جانے کے بعد دوبارہ بھی آئیں گے۔ ہمیں تو جب اوپر سے حکم ہوتا ہے تو حکم کی تعمیل ہم پر فرض ہوتی ہے۔ ہمیں یہاں رکنے کا حکم ہوا تو ہم یہاں آگئے اب واپسی کا حکم ہے تو ہمیں واپس جانا ہے۔ہمیں آج دن میں ہی رخصت ہوجانا تھا لیکن صرف شہزادی کی وجہ سے ہم نے سوچا ہے کہ ایک بجے تک ہم اپنا عمل مکمل کرلیں گے اور رات ہی چلے جائیں گے۔"

"بڑی مہربانی ہے حضور' میں ساری حیاتی حضور کی لونڈی بن کر رہوں گی۔" اس نے نیاز مندی سے اپنے ہاتھ جوڑ کر اور سر جھکاتے ہوئے کہا۔تو میں نے اس کے جھکے ہوئے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور چند لمحوں تک رکھے رہا پھر شہزادی کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔پھر پلٹ کر کہا۔

"تم یہیں رک کر ہماری واپسی کا انتظار کرو۔آج کا عمل بڑا جلالی اور آخری عمل ہے۔کوئی دخل اندازی نہ کرے ورنہ ہماری جان جانے کا اندیشہ ہے۔"

میں نے کہا اور کلثوم کا جواب سنے بغیر آگے بڑھ گیا۔شہزادی کے کمرے میں گیا تو وہ بہت پژمردہ سی دکھائی دی۔

”کیا بات ہے شہزادی ایسی صورت کیوں بنا رکھی ہے۔اب تم بالکل ٹھیک ہوجاؤ تاکہ تمہاری ماں بھی خوش ہوجائے میں تمہیں دیکھنے کے بہانے دوبارہ آسکوں گا۔“ میں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

”تم ایسا کرو محبوب کہ آج رات ہی چلے جاؤ۔“ اس نے کہا اور یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک آگئی۔

”ہاں ہاں میں آج رات ایک بجے ہی چلا جاؤں گا۔میرے بابا کی اچانک ہی بہت طبیعت خراب ہوگئی ہے۔انہیں اسپتال لے گئے ہیں اس لیے میرا جانا بہت ضروری ہے۔“ میں نے کہا۔

اچھا ایک منٹ رکو۔“ یہ کہہ کر وہ بیڈ سے نیچے اتر گئی اور سیدھی الماری کی جانب بڑھی میں حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔

اس نے الماری کھولی اور اس میں سے ایک چھوٹی سی اٹیچی نکالی اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے میرے قریب آئی۔میں بھی بیڈ سے اتر کر کھڑا ہوگیا۔وہ سرگوشی میں بولی۔

”سنو میرے محبوب! میں اب تمہاری جدائی برداشت نہیں کرسکتی۔ایک منٹ بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔اس حویلی کا مالک ظالم شیر افضل جو بدقسمتی سے میرا باپ ہے کبھی مجھے اور تمہیں ایک ہونے نہیں دے گا۔اس لیے میں نے آج دن میں یہ پلان بنا لیا تھا اس اٹیچی میں بہت کچھ ہے۔چلو یہاں سے رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے نکل چلتے ہیں۔“

لمحہ بھر کو میں بری طرح بوکھلا گیا میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ شہزادی اس حد تک چلی جائے گی۔وہ نرم و نازک خوب صورت مکھن اور ملائی جیسے جسم والی شہزادی مجھے بہت پسند آئی تھی۔مگر میں اپنی اس پسندیدگی کو یہیں چھوڑے جا رہا تھا۔میں نے ایک فیصلہ اور کیا تھا اور وہ یہ کہ شیر افضل کی جان لینے کے لیے اس حویلی میں دوبارہ نہیں آؤں گا۔شہزادی کا کردار میرے لیے پر اسرار ثابت ہو رہا تھا۔اس خوب صورت لڑکی کے کردار

اور شخصیت میں مجھے جھول نظر آیا جو مجھے قطعی پسند نہیں ایسے پھل کو بھوک کے وقت رغبت سے کھایا تو جاسکتا ہے۔جو خودبخود آپ کی جھولی میں آن گرے۔لیکن اس کی چاہ نہیں کی جاسکتی یہ بے وقوف لڑکی نہیں جانتی کہ میں کون ہوں کس طرح کا انسان ہوں اور میں کس نیت اور ارادے سے اس حویلی میں آیا تھا۔

وہ مجھے دیکھ رہی تھی اور اس کے چہرے کے بے چین نقوش میں کچھ اور بے چینی نظر آرہی تھی جب میں دیر تک کچھ نہ بولا تو وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

”تم اٹھو‘ نا محبوب کیا تمہیں میری کیفیت کا اندازہ نہیں ہے میرے اس اٹیچی کیس میں تقریباً پچاس لاکھ کا خزانہ موجود ہے۔میں نے بابا کی ساری تجوری خالی کردی ہے۔یہ خزانہ ہماری زندگی میں خوشیوں کے لیے کافی ہے۔ہم اتنے دور دراز مقام پر نکل جائیں گے کہ کوئی ہماری گرد کو بھی نہ پاسکے گا۔میں تو برقعے میں چہرے پر نقاب ڈال لوں گی اور تم اپنا یہ میک اپ اتار دینا کسی

نے بھی تمہاری اصل صورت تو نہیں دیکھی ہے۔تمہیں تو کوئی خطرہ نہیں ہوگا ہم فوراً ہی شادی کرلیں گے اور اپنی خوشیوں بھری زندگی کا آغاز کریں گے۔

اب اٹھو بھی میرے محبوب اس وقت سارے لوگ سو رہے ہیں۔اگر کوئی جاگ گیا تو سارا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔میں پکڑی گئی تو پاپا میرا حشر تو برا کریں گے ہی ساتھ ہی تم جان سے جاؤ گے۔کچھ مت سوچو بس اب اٹھ جاؤ۔“

میں بڑے ضبط سے اس کی ساری بکواس سن رہا تھا۔آخر میرے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔لہجے میں خود بخود کرختگی سی آگئی۔

”تم کیسی بیٹی ہو‘ تمہیں اپنے ماں باپ کی عزت کا ذرا بھی خیال نہیں ہے۔وہ لوگ جنہوں نے تمہیں اتنے ناز و نعم سے پالا کل دن کی روشنی میں اپنا سر پکڑے بیٹھے ہوں گے۔اس حویلی کے کونے کھدروں میں منہ چھپائے اپنی ذلت سے بچنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔میری وجہ سے میں ایسا نہیں کرسکتا۔میں نے تمہاری عزت کی ہے۔تم سے پیار کیا ہے تمہیں چاہا ہے

شہزادی۔یہ پچاس لاکھ تو کیا تم پچاس کروڑ بھی لاتیں تو میں تمہیں یوں رات کے اندھیرے میں اپنے ساتھ نہیں لے جاتا۔"

"بے شک وہ میرے والدین ہیں۔انہوں نے مجھے پالا ہے۔لیکن ان کی لالچ کی وجہ سے وہ میری زندگی تباہ کر رہے ہیں۔جب انہیں میرے جذبات و احساسات کی پروا نہیں ہے تو میں کیوں ان کی عزت کی پروا کروں۔میں بھی زندگی کے سارے رنگ دیکھنا چاہتی ہوں۔جینا چاہتی ہوں۔خوش ہونا چاہتی ہوں' یہاں میں گھٹ گھٹ کر جی رہی ہوں۔یہ گھر نہیں ایک قید خانہ ہے۔سونے کا بنا ہوا پنجرہ ہے یہ میرا مقبرہ ہے۔مجھے سونے کا کفن پہنا کر دفن کردیا گیا ہے۔" شہزادی نے زہر خند لہجے میں کہا۔

"تمہیں ایسا نہیں سوچنا چاہیے شہزادی اچھی لڑکیاں ایسا نہیں کرتیں۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"تو پھر مجھے بتاؤ کہ میں کیا کروں۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"تقدیر کے فیصلے کا انتظار اچھے وقت کا انتظار۔" میں نے کہا اور شہزادی میری صورت دیکھتی رہی پھر وہ بے اختیار ہنس پڑی۔اس کی ہنسی میں نہ تو کوئی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

دیوانگی تھی اور نہ کچھ اور بلکہ ایک پیا بھرا انداز تھا ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور وہ رونے لگی اب اس کی کیفیت عجب دیوانوں جیسی ہو رہی تھی۔وہ ہنس بھی رہی تھی اور رو بھی رہی تھی۔اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔پھر بے ساختہ وہ مجھ سے لپٹ گئی۔

"پلیز خود کو سنبھالو تمہیں اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اس کی کمر کو تھپتھپانے کے بعد اسے خود سے آہستگی سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ مجھے یہاں سے نکال کر لے جائیے۔آپ کون ہیں کیسے ہیں' میں نہیں جانتی۔میں تو آپ کے اصلی چہرے سے بھی واقف نہیں ہوں۔بس مجھے یہاں سے نکلنا ہے آپ کو اللہ کا واسطہ آپ مجھے یہاں سے نکال کر اپنے ساتھ لے جائیے۔" اس نے روتے ہوئے میرے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

"نہیں شہزادی میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔" میں نے کہا تو میرے سخت لہجے میں کہے گئے اس جملے کو سن کر بری طرح چونک پڑی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی۔پھر زیر لب بولی۔

”آپ نے تو کہا تھا کہ آپ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔“

”یہ حقیقت ہے شہزادی لیکن فی الحال میں ایسا نہیں کرسکتا۔کم از کم مجھے کوئی ایسا محفوظ ٹھکانہ تو تلاش کرلینے دو جہاں میں تمہیں اطمینان سے سب سے چھپا کر رکھ سکوں۔ورنہ تو تمہارا ظالم باپ سردار شیر افضل ہمیں جلد ہی ڈھونڈ نکالے گا اور اس کے ہاتھ لگنے کے بعد نہ تم زندہ رہ سکو گی اور نہ ہی میں۔تو کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم ٹھنڈا کر کے کھائیں۔میں تو تمہاری محبت میں دیوانہ ہو کر یہ سوانگ بھر کے یہاں تک آگیا تھا۔تمہیں تو میری محبت کا علم بھی نہیں تھا اور نہ ہی تم مجھے جانتی تھیں لیکن اب جب کہ میں نے تمہیں پا لیا ہے تو اب میں خوش خوش یہاں سے جا رہا ہوں اور تمہیں اپنا بنانے کے لیے انتظامات کرتا ہوں۔جہاں تم نے اس جہنم میں اتنے دن گزارے ہیں وہاں تھوڑا سا صبر اور کرلو۔میں جلد ہی آؤں گا میری جان۔“میں نے جذباتی ہو کر کہا اور دیوانے عاشق کی طرح اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

میں نے اسے پیار سے تسلی دی تو وہ مطمئن ہو گئی۔میں نے اس سے یہ جھوٹا وعدہ بھی کرلیا کہ میں اسے جلدی ہی لینے کے لیے بھی آؤں گا۔

شہزادی کی نم آلود آنکھوں کا الوداعی بوسہ لیتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آیا۔سامنے ہی کمرے سے فاصلے پر مجھے راکھی اور کلثوم بے قراری سے ٹہلتی ہوئی نظر آ گئیں۔آہستہ روی سے چلتا ہوا ان کے نزدیک جانے لگا۔مجھے آتا ہوا دیکھ کر وہ رک گئیں اور میری جانب دیکھنے لگیں۔نزدیک پہنچنے پر مجھے ایک ستون سے ٹیک لگائے کھڑی چنبیلی بھی دکھائی دے گئی۔

”میں نے کلثوم کو سلا دیا ہے تم مطمئن رہو اب وہ صبح تک آرام سے سوتی رہے گی اور ان شاء اللہ اب اسے وہ جن نامراد ستائے گا بھی نہیں۔میں نے پکا انتظام کردیا ہے۔“ میں نے کلثوم کو مخاطب کر کے کہا۔

”بڑی مہربانی حضور‘ یہ لونڈی ہمیشہ آپ کی تابعدار ...!“ میں نے تیزی سے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا اور راکھی کو مخاطب کر کے کہا۔

”چلو ہمارے جانے کا وقت ہو گیا ہے۔“

”جی۔“ راکھی نے نیاز مندی سے سر جھکا کر کہا اور میرے ساتھ چلنے لگی کلثوم ہمارے پیچھے پیچھے حویلی کے بڑے گیٹ تک آئی گیٹ پر موجود گارڈ نے بھی

تابعداری سے سر جھکایا اور گیٹ کھول کر ادب سے کھڑا ہو گیا اور میں ان کی جانب دیکھے بنا باہر نکل گیا اور اندھیرے میں چلنے لگا۔

گیٹ بند ہونے کی آواز آئی تو میں نے اور راکھی نے تیز قدموں سے چلنا شروع کردیا۔راستے میں راکھی نے وہ تھیلا مجھے دکھایا جو اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا اور جس پر ابھی تک میری نگاہ نہیں پڑی تھی۔

"یہ لو تمہاری امانت۔کلثوم نے بہت منتیں کر کے مجھے دیا ہے کہ میں خصوصی طور پر تم سے درخواست کروں کہ تم اسے قبول کرلو کیونکہ بہ قول اس کے اگر وہ یہ تمہیں دیتی تو یہ تمہارے حضور گستاخی ہوتی اور تم اسے قبول نہ کرتے۔"

"کیا ہے اس میں۔" میں نے تیز قدموں سے چلتے ہوئے کہا۔

"یہ تو میں نے بھی نہیں دیکھا۔" وہ بولی اور تھیلا میرے ہاتھ میں دے دیا۔

میں نے تھیلا ہاتھ میں لے کر سوچا کہ گھر جا کر دیکھ لوں گا۔میرے خیال کے مطابق اس میں رقم ہوسکتی تھی۔بعد میں میرا خیال بالکل ٹھیک نکلا۔اس میں اچھی خاصی رقم اور کچھ سونے کے زیورات تھے۔

ہم مقررہ جگہ پہنچے تو فہیم کو ٹیکسی سمیت موجود پایا۔میں نے کلثوم کا دیا ہوا تھیلا اپنے ڈھیلے ڈھالے کرتے کی جیب میں ڈال لیا۔وہ اتنا بڑا تھیلا نہیں تھا کہ میری جیب میں نہ سما سکتا۔یہاں سے جاتے وقت مجھے اس بات کا افسوس تھا کہ شیر افضل کو زندہ چھوڑ کر جا رہا ہوں اور قصوروار نواب تھا۔نواب کو میں نے جو سمجھا تھا وہ' وہ نہیں نکلا میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ راکھی کو مزید مٹھی میں لے کر اس سے نواب کی ذات کے وہ سارے راز اگلوا لوں گا جو اس نے مجھ سے فی الحالچھپالیے ہیں۔میں جانتا تھا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتی ہے مجھے اس کی خواہش کو گاہے بگاہے پورا کرنے میں کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن اس کی خواہش کو پورا کرنے کے بعد اس کا پورا پورا بدلہ بھی مجھے اس سے چاہیے تھا۔

فہیم کے گھر پہنچ کر میں نے اپنا سارا میک اپ اس لوشن کے ذریعے اتار دیا جو اس میک اپ مین نے مجھے دیا تھا۔

میک اپ صاف کرنے کے بعد میں نے غسل کر کے فہیم کا ایک شلوار قمیص کا سوٹ پہن لیا۔ فہیم کی بیوی نے جب میری اصل شکل دیکھی تو مارے حیرت کے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

”تمہیں کیا ہوا؟“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”آ... آپ تو بالکل ہی بدل گئے... او... اور آپ بہت خوب صورت ہیں۔“ اس نے کہا تو راکھی کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اس کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی اور وہ بولی۔

”چلیں شمروز...!“

”ہوں چلو!“ میں نے ساری چیزوں کو سمیٹتے ہوئے کہا پھر اپنے کپڑے اور ساری چیزیں ایک شاپر میں ڈال کر فہیم کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔”انہیں اس طرح سے ضائع کرنا کہ ان کا وجود بھی باقی نہ رہے۔“

”آپ مطمئن رہیں۔“ فہیم نے میرے ہاتھ سے شاپر لیتے ہوئے کہا پھر ہم فہیم کی ٹیکسی میں آبیٹھے اور فہیم نے ٹیکسی کو تیزی کے ساتھ ائرپورٹ کی جانب بھگانا شروع کر دیا۔

ئ...☆...ء

میں نے امی کی ڈائری ہاتھ میں لے لی، کمرے کا دروازہ لاک کرنے سے پہلے شمسو بابا اور اماں حمیدہ سے کہا کہ مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے اور پھر دروازہ لاک کر کے میں نے دھڑکتے دل اور لرزتے ہاتھوں کے ساتھ ڈائری کھول لی۔

پہلے ہی صفحے پر اپنا نام دیکھ کر میں چونک گئی، بڑے اور موٹے حرفوں میں ”سرمئی بائی“ لکھا تھا۔

سرمئی تو میرا نام ہے پھر اس پر لفظ بائی کیوں لکھا ہوا ہے، جہاں تک میرا خیال تھا بائی کا لفظ تو کوٹھے پر رہنے والی عورت کے لیے عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ میں چند لمحوں تک اسی الجھن میں مبتلا رہی پھر یہ سوچ کر صفحہ پلٹ دیا کہ آگے دیکھتی ہوں شاید اس لفظ ”سرمئی بائی“ کی تشریح سمجھ میں آجائے۔

اندر امی کی تحریر (جس کو میں اچھی طرح سے پہچانتی تھی) تھی اور انہوں نے مجھے مخاطب کر کے لکھا تھا۔

”میری پیاری بیٹی سرمئی! میں جانتی ہوں کہ تم اس وقت میری یہ ڈائری پڑھ رہی ہو اور میں دنیا میں موجود نہیں ہوں کیوں کہ تم یہ ڈائری اس وقت پڑھ سکو گی جب میں دنیا سے چلی جاؤں گی۔

میری بیٹی تم نے ہوش سنبھالنے کے بعد مجھ سے بارہا ایسے سوالات کیے جن کے جوابات میں تمہیں نہیں دے سکی، میں تمہیں ان سوالات کے جوابات دے بھی کس طرح سکتی تھی جب کہ مجھے خود بھی ان کے جوابات نہیں معلوم تھے اور بہت سی باتیں ایسی تھیں کہ میں تمہارے سامنے ان کا اظہار نہیں کرسکتی تھی، میں یہ بات بھی جانتی تھی کہ تمہیں زندگی بھر وہ سوالات تنگ کرتے رہیں گے اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ میں اس ڈائری میں تمہارے سارے سوالات کے جوابات دے دوں اور پھر ان باتوں کے جاننے کے بعد میرا تم سے سامنا ہی نہ ہوا کیوں کہ اس وقت جب تم میری حقیقت جان لو گی میں تمہارا سامنا نہیں کرسکتی۔

تم نے مجھ سے بار بار یہ سوال کیا کہ تمہارا باپ کون ہے؟ اس کا نام کیا ہے؟ وہ کہاں رہتا تھا اور یہ بھی کہ تم کہیں میری ناجائز اولاد تو نہیں...!

تو میری جان! میں ان باتوں کے بارے میں اتنی ہی لاعلم ہوں جتنی کہ تم...! تم یہ پڑھ کر ضرور حیران ہورہی ہوگی لیکن میں تمہیں اس سے بھی زیادہ حیرانی کی بات بتانے والی ہوں اور وہ یہ کہ ”میں تمہاری حقیقی ماں نہیں ہوں...“

تم چونک گئیں ناں یہ پڑھ کر... ہاں میری بیٹی یہ ایک بہت تلخ حقیقت ہے کہ میں نے تمہیں جنم نہیں دیا لیکن شاید کچھ دیر بعد جب تم میری حقیقت جان لو گی تو تمہارے منہ سے بے ساختہ ”شکر ہے اللہ“ کا کلمہ نکل جائے گا کہ میں تمہاری حقیقی ماں نہیں ہوں۔“

یہاں تک پڑھنے کے بعد میں نے جھٹ ڈائری بند کردی۔یہ جملہ میرے لیے بہت بڑا شاک تھا کہ امی درحقیقت میری ماں نہیں ہیں اور آخر ان میں ایسی کون سی برائی ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو میری ماں نہ ہونے کی صورت میں مجھے شکر اللہ ادا کرنے کے لیے کہا۔

میں وہ حقیقت جاننے سے بہت خوف زدہ ہورہی تھی' میرا دماغ ماؤف ہورہا تھا پھر میں رونے لگی اور کافی دیر تک ڈائری پر سر رکھے روتی رہی اور روتے ہوئے صرف اتنا کہتی رہی۔

"میں کچھ نہیں جانتی آپ ہی میری ماں ہیں۔ میری بہت پیاری ماں... جنھوں نے اتنے پیار سے میری پرورش کی' مجھے محبت دی' میرا خیال رکھا میرے لیے راتوں کو جاگتی رہیں' میرے لیے دعائیں کیں۔"

پتا نہیں کتنی دیر ہوگئی پھر روتے روتے خود ہی میرے آنسو تھم گئے اور میں نے بے خیالی میں ایک بار پھر ڈائری کو کھول لیا تب ایک بار پھر میری آنکھوں کے سامنے لفظ "سرمئی بائی" تحریر تھا۔میں نے تیزی سے آگے کے صفحے پلٹ دیئے اور وہاں سے پڑھنا شروع کیا جہاں سے چھوڑا تھا' لکھا تھا۔

"تم ڈائری پر اپنا نام لکھا دیکھ کر چونک گئیں ناں... اور تمہارے نام کے آگے "بائی" کیوں لکھا ہے' تو میری جان "سرمئی" دراصل میرا ہی نام ہے' میں سرمئی بائی ہوں اور مشہور طوائف...!" امی کی اصلیت خود ان کے قلم سے جان کر میں پوری جان سے لرزنے لگی۔میرا سارا وجود ایک سوکھے پتے

کی مانند کانپ رہا تھا۔امی ایک طوائف تھیں... پھر میں امی کے پاس کیسے آئی... کون مجھے ان کی گود میں دے گیا یا ان کی دہلیز پر چھوڑ گیا...

میرے دماغ میں یہ خوف ناک سوالات کسی ناگ کی طرح ڈنک مارنے لگے' میں نے آگے پڑھا۔

"میں ایک خاندانی طوائف تھی' میری ماں بھی ایک ناچنے گانے والی تھی اور میری نانی بھی... میرا جنم بھی کوٹھے ہی پر ہوا تھا۔میں ناچنے اور گانا گانے میں ماہر تھی۔میرا گانا سننے کے لیے لوگ دور دور سے میرے کوٹھے پر آیا کرتے تھے پھر ایسا ہوا کہ میری ماں مرگئی' اب اس کوٹھے کی مالک میں تھی' میرے بہت سے عاشق تھے' ایک بہت بڑا زمین دار تھا جو آج حکومت میں ایک وزیر کے عہدے پر فائز ہے۔اس زمانے میں نوجوان تھا اور میرا سب سے بڑا عاشق تھا' مجھے بھی اس سے محبت ہوگئی۔اس نے مجھ پر نوازشات کی برسات کر رکھی تھی' اپنی زرعی زمینوں سے کچھ اس نے میرے نام بھی کیں۔تین باغ بھی میرے نام لکھ دیئے' میں ایک بات تمہیں بتادوں میں ایک خاندانی طوائف تھی ناچنا اور گانا میرا خاندانی پیشہ تھا لیکن ہم نے جسم

فروشی کبھی نہیں کی' میں بھی اپنے باپ کی جائز اولاد تھی (بقول میری ماں کے) اس نے میری ماں سے نکاح کیا تھا اور یہ وعدہ کرکے اور ماں کے ساتھ راتیں گزار کے ہمیشہ کے لیے غائب ہو گیا کہ وہ ایک دن ماں کو اس گندگی کے ڈھیر سے نکال لے جائے گا' پھر اچانک ایک دن وہ تو نہیں آیا البتہ اس کی طرف سے تحریری طلاق نامہ ضرور آگیا اور اس وقت تک میں اپنی ماں کے بطن میں آگئی تھی۔

اس کے بعد میری ماں کو اس سے اتنی شدید نفرت ہوئی کہ اس نے میرے باپ کو اس بات کی اطلاع بھی نہیں دی کہ وہ "امید" سے ہوچکی ہے جب میں پیدا ہوئی تو میری ماں بے حد خوش ہوئی کہ وہ اس نام نہاد شریف زادے کے شریف خون کو کوٹھے کی زینت بنا کر انتقام لے گی۔

خیر... میں اپنے بارے میں بتارہی تھی کہ مجھے بھی اس سے محبت ہو گئی اور میں نے اس سے کہا وہ مجھ سے شادی کرلے لیکن وہ ٹال مٹول سے کام لینے لگا' دراصل وہ مجھے محبت کے سبز باغ دکھا کر جسمانی طور پر حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی بے پناہ نوازشوں (جو اس نے باغات اور زمینیں میرے نام

کرکے رکھی تھیں) کے باوجود اس کو خود سے دور رکھا اور نکاح کی شرط رکھی اور ساتھ میں یہ شرط بھی رکھی کہ نکاح کرنے کے بعد وہ مجھے اپنے ساتھ اپنے ماں باپ کے سامنے لے جاکر کہے گا کہ میں اس کی بیوی ہوں اور شب عروسی میں اس کے گھر میں ہی مناؤں گی' پھر پلٹ کر اس کوٹھے کی جانب دیکھوں گی بھی نہیں کیوں کہ اپنی ماں کی زندگی سے میں نے بہت سبق حاصل کیا تھا۔

لیکن ایسی محبت کرنے والے اندر سے بہت بزدل ہوتے ہیں۔وہ ایسا نہیں کرسکا اس لیے خاموشی سے میری زندگی سے نکل گیا۔جب اس نے سچائی کے ساتھ میرے سامنے اپنی بزدلی کا اعتراف کرتے ہوئے مجھ سے نکاح کرنے سے معذرت کی تو میں نے کہا بھی کہ میں اس کی زمینیں اور باغات اسے واپس کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن وہ اتنا شرمندہ تھا کہ ہمیشہ کے لیے واپس لوٹ گیا۔

اس کے میری زندگی سے چلے جانے کے بعد میرا دل بہت دکھی ہوا بلکہ دنیا ہی سے اچاٹ ہو گیا۔اب میرا نہ ناچنے کا دل چاہتا تھا اور نہ ہی کوٹھا سجانے

کا... تماشبین آتے تو میں خرابی طبیعت کا بہانہ بنا کر معذرت کر لیتی' آہستہ آہستہ میرے کوٹھے کی روشنیاں ماند پڑنے لگیں۔ دوسرے کوٹھے والیاں جو پہلے تماشبین کے لیے ترستی تھیں' ان کے کوٹھے آباد ہو گئے۔

میں خاموشی اور تنہائی میں اپنی زندگی کے بارے میں سوچتی رہی کہ آخر میرا انجام کیا ہوگا۔ شمسو اور حمیدہ... یہ دونوں میرے کوٹھے پر میرے ملازم تھے' میرے وفادار تھے اور آج تک ہیں۔ کوٹھا تاریک ہونے پر سارے لوگ ایک ایک کر کے چلے گئے لیکن یہ دونوں میرے ساتھ ہی رہے۔

ایک رات کا ذکر ہے اس رات شدید طوفانی بارش تھی مجھے بہت تیز بخار تھا اتنا تیز کے مجھے ہوش بھی نہیں تھا تب شمسو میرے لیے کسی ڈاکٹر سے دوا لینے کے لیے گیا لیکن شدید بارش کے باعث جگہ جگہ پانی کھڑا تھا' بازار بند تھے ڈاکٹر کے کلینک بھی' تب ہی شمسو واپس آرہا تھا کہ اچانک اس کی کسی سے ٹکر ہو گئی' اندھیرے میں شمسو اور وہ دونوں زمین پر پانی میں گر پڑے۔ نیچے گرتے ہی شمسو کے کان میں کسی بچے کی مہین سی رونے کی آواز آئی شمسو نے دیکھا کہ ایک عورت جو سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی ہے زمین پر گری ہوئی

ہے اس کی گود میں ایک بچہ ہے اور گرنے سے اس عورت کو بھی چوٹ لگی اور بچے کو بھی۔

شمسو نے اس عورت کو سہارا دے کر اٹھایا اور اس سے معذرت کی کہ اندھیرے کے سبب وہ اسے دیکھ نہیں سکا یوں اس سے ٹکرا گیا اور پوچھا کہ وہ کون ہے اور اس شدید بارش میں اتنے چھوٹے بچے کو لے کر کہاں جا رہی ہے تو وہ عورت بلک بلک کر رونے لگی۔ شمسو نے پوچھا کہ اس پر کیا مصیبت آن پڑی ہے تو وہ بولی۔

"میں مصیبت کی ماری ایک ایسی عورت ہوں جس نے صرف بیٹیاں ہی پیدا کی ہیں۔ اس کا شوہر بیٹیوں کا دشمن ہے' اب جب یہ بیٹی پیدا ہوئی ہے تو وہ اس کی جان کا دشمن ہو رہا ہے اور اس کا گلا دبا کر اس کو مارنا چاہتا تھا' وہ اس بچی کی جان بچا کر فی الحال تو اسے لے آئی ہے لیکن وہ کب تک اس کی جان اس کے ظالم باپ سے بچا پائے گی اگر تمہارے اندر ذرا بھی خوف خدا ہے تو تم میری اس بچی کو بچا لو۔"

شمسو نے حیرانی سے کہا ”وہ کس طرح اس بچی کی جان بچا سکتا ہے“ تو اس نے کہا۔

”اس طرح“ اور بچی کو شمسو کی گود میں دیتے ہوئے کہا۔”اسے اپنے ساتھ لے جاؤ اور اس کو پال لو۔اللہ تمہیں اس نیکی کی بہت بڑا اجرا دے گا اور میں تاحیات تمہارے لیے دعاگو رہوں گی۔“

”بہن! میں تو خود ایک غریب آدمی ہوں، بھلا تمہاری بچی کو...!“ شمسو نے گھبرا کر کہا تو اس نے شمسو کی بات پوری ہونے سے پیش تر ہی ایک کپڑے کا تھیلا شمسو کے ہاتھ میں تھمایا اور

بولی۔

”اس تھیلے میں بہت کچھ ہے، یہ بڑی ہوجائے تو اس میں موجود چیزیں اس کے حوالے کرکے کہنا، ان کی مدد سے تمہیں اپنے باپ کو تلاش کرکے پہچاننے میں آسانی ہوگی اور وہ اپنا حسب نسب جان سکے گی۔“

”لیکن بہن...!“ شمسو کچھ کہہ بھی نہیں پایا اور وہ عورت تیزی سے وہاں سے غائب ہوگئی۔شمسو نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے کی کوشش کی لیکن

اندھیرے کی چادر نے اسے نگل لیا۔تب ناچار شمسو اس بچی کو میرے پاس لے آیا، اس نے بچی کو حمیدہ کے حوالے کردیا، دو دنوں کے بعد جب میری طبیعت بحال ہوئی تو حمیدہ اور شمسو نے اس بچی کو مجھے دکھایا اور ساری بات بتانے کے بعد وہ تھیلا بھی میرے حوالے کردیا۔

وہ روتی ہوئی بچی میری گود میں آنے سے ایک دم چپ ہوگئی، جیسے اسے ماں کی گود مل گئی ہو۔حمیدہ نے میرے ہاتھ میں فیڈر دیا اور کہا۔

”اسے آپ ہی پلادیں، مجھ سے تو یہ پی ہی نہیں رہی۔“ میں نے فیڈر اس کے منہ میں دیا تو وہ مزے سے پینے لگی اور پی کر سو گئی۔

اسے گود میں لے کر اور سینے سے لگا کر مجھے بھی کچھ اس طرح کا سکون ملا جیسے میری زندگی کی ہر تکلیف ختم ہوگئی شاید ہر عورت کے اندر اللہ پاک نے مامتا کوٹ کوٹ کر رکھی ہے اور ہر عورت ماں بن کر ہی اپنے عورت ہونے کی تکمیل چاہتی ہے۔

شاید میرے اندر کہیں یہ ملال پنپ رہا تھا کہ میں کبھی ماں نہیں بن سکوں گی، کوئی مجھ سے شادی ہی نہیں کرے گا تو ایسے کیسے ہوگا اور میں حرام کاری کرنا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے اس بچی کو اپنے سینے سے لگا کر کہا۔

"آج سرمئی ہمیشہ کے لیے مر گئی، آج سے میں اس کی ماں ہوں۔ میں اسے ماں بن کے پالوں گی۔"

شمسو اور حمیدہ میرے اس فیصلے سے بہت خوش ہوئے، حمیدہ نے کہا۔

"اس کا نام تو رکھ دیں۔" تو میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

"آج سے ایک سرمئی بائی مر گئی اور ایک نئی سرمئی پیدا ہوئی ہے، میں اسے سرمئی ہی کہوں گی، ایک نیک اور پاک باز سرمئی...!"

پھر میں نے اس تھیلے کو دیکھا کہ اس میں کیا کیا ہے تو اس میں چند ہزار روپوں کی رقم، اس کے علاوہ چند قیمتی جواہرات اور تین چیزیں جو خاص تھیں وہ نکلیں۔ شاید ان ہی چیزوں کے لیے اس عورت نے کہا تھا کہ ان چیزوں کی مدد سے وہ اپنے باپ کو تلاش کرکے پہچان سکے گی اور وہ پہچان کس طرح سے ہوگی، اس کے بارے میں مجھے نہیں معلوم اور وہ تینوں چیزیں میں

نے سنبھال کر رکھ لی ہیں۔ ان میں ایک خاص پتھر کا تعویز ہے، جس میں بلیک کلر کا کوئی خاص نشان ہے۔ دوسرا قیمتی پتھروں سے جڑاؤ سونے کا تاج اور سب سے اہم چیز ایک چھڑی ہے، جس کے سرے پر سونے کے دو شیر بنے ہوئے ہیں۔

وہ بچی تم ہو میری جان... میں نے ان نشانیوں کو تمہارے لیے سنبھال کر رکھا ہے تاکہ تم ان نشانیوں کی مدد سے اپنے باپ اپنے خاندان کو تلاش کرسکو۔ ایک بات اور سمجھ لو، جو میں نے اس وقت جان لی تھی کہ تمہارا تعلق کسی اونچے اور اعلیٰ خاندان سے ہے، نہ جانے ایسی کیا بات تھی کہ تمہاری ماں یوں کسی انجان آدمی کے حوالے تمہیں کرگئی، یہ ہو بھی سکتا ہے کہ واقعی تمہارا باپ تمہاری جان کا دشمن ہو۔

پھر میں نے تمہاری ماں کو دیئے ہوئے قیمتی جواہرات کو شمسو کے ذریعے فروخت کروا کے وہ کوٹھا ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا اور لاہور چھوڑ کر کراچی آگئی۔ یہاں اس رقم سے یہ مکان خریدا اور یہاں ایک بیوہ اور بچی کی ماں کی حیثیت سے رہنا شروع کردیا۔

میں سخت پردے میں رہتی تھی کہ کہیں بھولے سے بھی کوئی میرا واقف کار نہ نکل آئے اور میری اصلیت سے واقف ہوجائے۔میں نے پوری طرح گوشۂ نشینی اختیار کرلی۔اللہ سے لُو لگالی' دن رات اپنی سابقہ زندگی کے گناہوں کی توبہ کرتی۔

زمین دار کی بخشی ہوئی زمینوں اور باغات کی آمدنی سے تمہیں پالا اور پرورش کی ہے۔شمسو اور حمیدہ کی بہت احسان مند ہوں کہ ان دونوں میاں بیوی نے انتہائی بُرے حالات میں بھی میرا ساتھ دیا اور میری ہدایت پر تمہیں میرے راز سے ناواقف رکھا۔تمہاری پرورش میں ان دونوں کا بھی ہاتھ ہے' میرے بعد تم انہیں وہی درجہ دینا جو اپنے ماں باپ کا ہوتا ہے' اللہ نے انہیں بھی اولاد نہیں دی پھر جب سے تم ہماری زندگیوں میں آئیں تو یہ دونوں بھی اپنی اولاد نہ ہونے کا غم بھلا بیٹھے' انہیں تم سے بے پناہ محبت ہے۔

میرے بعد بھی زمینوں اور باغات کی آمدنی اسی طرح آتی رہے گی' جس طرح میری زندگی میں آتی تھی۔تمہیں کسی بھی قسم کی مالی پریشانی نہیں ہوگی۔تم اطمینان سے اپنی تعلیم مکمل کرنا' میرا تمہیں ایک مشورہ ہے کہ کسی بھی مرد کی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

محبت کے جھانسے میں مت آنا اور وقت آنے پر کسی شریف اور خاندانی آدمی سے شادی کرکے گھر بسالینا' بچے پالنا اور شوہر کی خدمت اور اس کی فرماں برداری ہی ایک عورت کا وتیرہ ہونا چاہیے۔

مجھے اپنے رحیم و کریم سے امید ہے کہ میں اپنی سابقہ گناہوں بھری زندگی پر ہمیشہ نادم رہی اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتی رہی تو اس نے یقینا مجھے معاف کردیا ہوگا' تم بھی میری مغفرت کی ضرور دعا کیا کرنا' میں نے تمہارے لیے اپنے ہر سانس میں دعا کی ہے' اتنی دعائیں کہ میرے مرنے کے بعد بھی میری دعائیں سایہ بن کر ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی۔

کئی دنوں سے مجھے سینے میں شدید درد کی شکایت ہے لیکن میں نے اس بات کا ذکر کسی سے بھی نہیں کیا ہے' بس اب ایسا لگتا ہے کہ زندگی کی میعاد پوری ہونے والی ہے' اسی لیے آج یہ سب باتیں تمہارے لیے تحریر کررہی ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ فرشتہ اجل اچانک سے آجائے اور مجھے تم سے یہ باتیں کرنے کا موقع ہی نہ ملے اس لیے کہ جب وہ آئے گا تو لمحہ بھر کی بھی مہلت نہیں دے گا۔

تمہارے پاس تمہاری ماں کی دی ہوئی تین نشانیاں ہیں۔پتھر کا یہ تعویز' سونے کا تاج اور وہ چھڑی شاید تمہاری خاندانی نشانیاں ہیں۔تم ان کی مدد سے اپنے خاندان کو تلاش کرسکتی ہو اور جیسا کہ ان چیزوں سے ظاہر ہے تمہارا تعلق کسی معمولی خاندان سے نہیں ہے 'کوشش کرنا کہ اعلیٰ خاندان کے لوگوں سے تعلقات بڑھاؤ' ہوسکتا ہے کہ کہیں تمہیں تمہارے ماں باپ یا بہن بھائی ٹکر جائیں اور ان میں سے کوئی ایک نشانی کسی اور کے پاس بھی ہو۔

میری بچی' میری بیٹی' میری جان میری یہ آخری دعا ہے کہ اللہ تمہیں ہر مصیبت اور ہر پریشانی سے بچائے' تمہاری عزت اور عفت کی حفاظت کرے اور تمہیں بہترین رفیق زندگی عطا فرمائے' اللہ ہر لمحہ تمہارا حامی و ناصر ہو' اللہ حافظ میری بیٹی میں نے تمہیں ہر لمحہ اللہ کی حفاظت اور نگہبانی میں سونپا...!

تمہاری گناہ گار ماں سرمئی! سترہ اپریل۔" یہ ڈائری امی نے اپنی وفات سے پورے ایک ماہ قبل لکھی تھی۔

ڈائری بند کرکے میں دیر تک روتی رہی پھر اٹھی اور ایک بار پھر ان تینوں چیزوں کا جائزہ لیا جو میری ماں نے (پتا نہیں وہ میری ماں تھی یا کوئی اور) شمسو بابا کو دی تھیں۔

سونے کا تاج اتنا چھوٹا تھا جو کسی چھوٹے بچے کے سر پر آسکتا تھا' اس تاج میں قیمتی پتھر اور نگینے جڑے ہوئے تھے۔اسے دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ ہوسکتا ہے یہ تاج میری پیدائش پر میرے ماں باپ یا دادی دادا نے پہنایا ہوا' پتھر کا تعویز ہوسکتا ہے کہ میرا خاندانی ہو... ایسا میں نے کبھی کسی کو پہنے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔آخری چیز جو ایک اسٹک تھی' اس کی ساخت بالکل ایسی تھی جیسے عمر رسیدہ لوگ سہارے کے لیے ہاتھ میں لے کر چلتے تھے' وہ بھی سونے کی تھی' چھوٹی سی تھی لیکن خاص بات یہ تھی کہ اس کے سرے پر جہاں سے وہ پکڑی جاتی ہے وہاں سونے کے دو چھوٹے چھوٹے شیروں کی جوڑی بنی ہوئی تھی۔ایسی اسٹک یقینا میرے دادا یا باپ کے پاس ہوگی۔

میں نے امی کی ڈائری اور وہ تینوں چیزیں دوبارہ الماری میں رکھ کر لاک کردیں اور کمرہ کھول کر باہر نکل آئی' باہر آئی تو شمسو بابا اور اماں حمیدہ

پریشان صورتیں لیے بیٹھے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی دونوں ایک ساتھ اٹھے اور میری جانب بڑھے' ان کے لب کانپے مگر کچھ کہہ نہ سکے' وہ خاموش لبوں کی زبان سے مجھ سے بہت سے سوالات کر رہے تھے ان کی نگاہیں میرے چہرے پر جمی تھیں۔

پھر میں بھاگ کر اماں حمیدہ کی پھیلی ہوئی بانہوں میں سما گئی اور رونے لگی۔ مجھے روتا دیکھ کر وہ دونوں بھی رو پڑے۔ اماں میری پشت سہلاتے ہوئے مجھے چمکار رہی تھیں تو بابا میرا سر سہلا رہے تھے۔

پھر میں نے بابا کی زبانی وہ سارا قصہ سنا' ان سے کہا۔

”بابا! آپ نے اس عورت کی شکل دیکھی تھی جو خود کو میری ماں کہہ رہی تھی اور جس نے مجھے آپ کی گود میں دیا تھا۔“

”بیٹا! وہ ایک اندھیری رات تھی اور بارش کی بوچھاڑیں کسی تیر کی مانند جسم پر برس رہی تھیں۔ وہ عورت اچانک ہی کسی آندھی کی طرح میرے سامنے آئی' چند باتیں کیں اور تمہیں میرے حوالے کرکے اندھیری فضاؤں میں گم ہو گئی اور میں ہکا بکا کھڑا رہ گیا۔ کیا کرتا تمہیں اپنے ساتھ گھر لے گیا اور پھر یہ

تمہارا اچھا نصیب تھا کہ ہمارے دلوں میں تمہاری محبت کے سوتے پھوٹ نکلے اور ہم نے تمہیں گلے لگالیا اور بجی نے بھی اپنی گناہ گار دنیا کو الوداع کرکے اپنی بقیہ زندگی ایک نیک اور شریف عورت کی طرح اس گھر کی چار دیواری میں گزاردی۔“ شمسو بابا ایک بار پھر امی کا ذکر کرتے ہوئے رو پڑے۔

وہ شام بہت سوگوار تھی ہم بیٹھے امی کا ذکر کرتے رہے تھے' ان کی خوبیاں اور اچھائیاں بیان کرتے رہے' میں نے بابا اور اماں کو بتایا کہ امی نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں آپ دونوں کو اپنے والدین کی طرح سمجھوں اور آپ کی عزت کروں۔ یہ بات دہرانے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ لوگوں کو مجھ سے اور مجھے آپ سے کتنی محبت ہے۔ آج سے میں آپ دونوں کو ہی اپنا سب کچھ مانتی ہوں۔ آپ دونوں مجھے میری کسی غلطی پر روک بھی سکتے ہیں اور ڈانٹ بھی سکتے ہیں۔“

پھر میں نے دوبارہ سے کالج جوائن کرلیا۔ بابا گاڑی خود ڈرائیو کرتے اور مجھے کالج چھوڑ کر آتے' میں انٹر میں پڑھ رہی تھی' آہستہ آہستہ میں نے دوسری لڑکیوں اور لڑکوں سے دوستی شروع

کردی لیکن یہ دوستی ایک حد میں رکھی، کسی بھی لڑکی یا لڑکے کو میں نے اپنی ذاتیات میں دخل دینے کی اجازت نہیں دی، سب کو میں نے یہی بتایا کہ میرے والدین فوت ہوچکے ہیں۔امی کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے، یہ سب کو معلوم تھا۔

انٹر کے ایگزام دے کر فارغ ہوئی تو میں نے ایک ہیلتھ کلب جوائن کرلیا، وہاں سیلف ڈیفنس کے سارے گر سکھائے جاتے تھے، امی کے انتقال کے بعد سے نہ جانے کہاں سے میرے اندر بے پناہ خود اعتمادی آگئی۔میرا ارادہ تھا کہ انٹر کے بعد یونیورسٹی جوائن کرلوں گی اور پھر جرنیلزم میں ماسٹر کرکے صحافی بنوں گی۔

وقت گزرتا گیا، مجھے نہیں معلوم کہ گھر کے اخراجات کیسے پورے ہوتے ہیں۔ شروع شروع میں بابا نے مجھ سے کہا تھا کہ بیٹا زمینوں اور باغوں سے ہونے والی آمدنی کا حساب آپ اپنے ہاتھ میں رکھیں لیکن میں نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ یہ سارا انتظام آپ اور اماں سنبھالیں، مجھے ان جھمیلوں سے دور ہی رکھیں تو اچھا ہے، مجھے جب پیسوں کی ضرور ہوگی آپ سے مانگ لیا کروں گی،

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اس کے علاوہ امی کی الماری سے مجھے اس مکان کے کاغذات بھی ملے جس میں ہم رہتے تھے بقول بابا کے کیوں کہ یہ مکان ان پیسوں سے خریدا گیا ہے جو میری ماں نے دیئے تھے اور کچھ رقم ان قیمتی پتھروں کو فروخت کرکے حاصل کی تھی۔وہ بھی میرے نام تھے۔

طوائف کے بارے میں یہی سنا گیا تھا کہ وہ پیسے کی حریص اور لالچی ہوتی ہے لیکن میری امی تو بہت ایمان دار اور امانت دار تھیں۔انہوں نے میری ایک ایک پائی کا حساب رکھا اور سب کچھ میرے نام کر گئیں۔

بابا اور اماں بوڑھے ہوچکے تھے اور بیمار رہنے لگے تھے، پیسے کی میرے پاس کمی نہیں تھی اس لیے میں نے بابا اور اماں کو آرام کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے گھر میں کل وقتی دو ملازم رکھ لیے۔

میرے لیے تو ان دونوں کا وجود ہی بہت غنیمت تھا، میں ان کا بہت خیال رکھتی تھی اور یہ بات سوچ کر ہی کانپ اٹھتی کہ کہیں یہ دونوں بھی مجھے امی کی طرح اچانک ہی چھوڑ کر چلے نہ جائیں۔

وہ یونیورسٹی میں میرا آخری سال تھا' میں جرنیلزم کے فائنل ائر میں تھی۔ یہاں بھی میں لڑکوں اور لڑکیوں سے ملتی تو تھی لیکن ایک حد میں رہ کر' کسی لڑکے کی مجال نہیں تھی کہ میرے ساتھ بے تکلف ہوسکے۔بابا کے بیمار ہونے کے بعد میں نے ڈرائیونگ سیکھ لی تھی اور خود گاڑی لے کر یونیورسٹی جاتی اور آتی تھی۔میرے کلاس فیلوز میں حسّام نامی ایک لڑکا تھا۔جو بہت شوخ و شریر اور وجیہہ تھا۔بہت سی لڑکیوں سے اس کی دوستی تھی لیکن مجھے وہ چھچھورا لگتا تھا' وہ جوک سناتا تو سب ہنستے سوائے میرے' اس نے میرا نام ''کھڑوس'' رکھ دیا تھا' اس نے میرے قریب آنے کی بہت کوشش کی لیکن میں نے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میرے فائنل ایگزام ہورہے تھے تب ہی بابا شدید بیمار ہوگئے میں ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب ہوگئی اور خود بھی بستر سے لگ گئی یونیورسٹی میں یہ خبر پہنچی تو بہت سے لڑکے اور لڑکیاں عیادت کے لیے میرے گھر آئے۔ان میں حسّام بھی تھا سب میرے اردگرد بیٹھے تھے اور

میری آنکھوں سے آنسو بہنا بند ہی نہیں ہورہے تھے' تب وہ میرے نزدیک آیا اور بولا۔

''تم اپنے ایک ملازم کی بیماری پر اتنا رو سکتی ہو ' یقین نہیں آرہا۔تمہیں دیکھ کر تو ایسا لگتا تھا کہ جیسے تمہارے سینے میں دل ہی نہیں ہے لیکن تم تو ایک بہت گداز اور محبت بھرا دل رکھتی ہو۔''

اس وقت مجھے اس کی بات بڑی نہیں لگی' بعد میں وہ میرے بہت کام آیا' ایگزام کے دنوں میں اس نے میری بھرپور مدد کی اور اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ مجھ سے دوستی کرنا چاہتا ہے تو میں نے اسے بتایا کہ میں لڑکے اور لڑکی کی دوستی کی قائل نہیں ہوں۔دوستی کا رشتہ بہت اونچا مقام رکھتا ہے لیکن ایک مرد ایک عورت کے ساتھ اس مقام کو نہیں چھو سکتا۔کچھ عرصہ ساتھ رہنے کے بعد وہ اپنے جذبات کو سطحی محبت کا نام دے کر اسے بے وقوف بناتا ہے تب اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ میرے اور اپنے دوستی کے پاکیزہ رشتے پر کوئی حرف نہیں آنے دے گا۔اس نے مجھے دوستی

کے لیے اس لیے چُنا ہے کہ میں اسے دوسری تمام لڑکیوں سے بہت مختلف دکھائی دی ہوں۔

اس کا تعلق ایک اونچے اور اعلیٰ خاندان سے تھا جب اس نے مجھے اپنے بارے میں بتایا تو میرے ذہن میں امی کی نصیحت آگئی۔انہوں نے لکھا تھا کہ تم اونچے خاندانوں میں دوستیاں کرنا تاکہ اپنے خاندان کو تلاش کرسکو‘ ہوسکتا ہے کہ تمہیں کوئی تمہارا اپنا کہیں ٹکرا جائے۔سو میں نے اس کی دوستی کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام لیا۔یہ سوچ کر کہ وہ دوستی کے علاوہ کوئی اور بات نہیں سوچے گا۔

ایگزام کے بعد ہمارے رزلٹ آئے اور ہم دونوں ہی کامیاب ہوچکے تھے‘ ہمیں اب جاب تلاش کرنی تھی‘ میں ایک صحافی کی حیثیت سے اپنی نئی زندگی کا آغاز کرنا چاہتی تھی‘ جاب تلاش کرنے کا مشکل مرحلہ بھی حشام نے چٹکی بجاتے ہی حل کردیا‘ اس نے مجھے بتایا کہ ایک نیوز چینل کے مالک اس کے ڈیڈی کے بہت اچھے دوست ہیں اور میں اسی نیوز چینل میں کام کرنے والا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ہوں اور میں نے تمہارے لیے بھی ڈیڈی سے بات کرلی ہے تم بھی میرے ساتھ اس نیوز چینل میں کام کررہی ہو۔

اس کے اتنے بڑے احسان پر تشکر سے میری آنکھیں نم ہوگئیں۔مجھے آب دیدہ دیکھ کر اس نے جھٹ اپنی جیب سے رومال نکالا اور بولا۔

”اپنے یہ قیمتی موتی تحفتاً مجھے ان میں جذب کرکے دے دو اور یہ سمجھنا کہ تمہاری آنکھ میں آنے والا ہر آنسو اب میرا ہے‘ خبردار جو انہیں اس طرح لٹایا۔“

’ہیں...! کیا مطلب ہے اس بات کا؟“ میں نے اس پر آنکھیں نکالیں۔

”مطلب وطلب مجھے نہیں معلوم بس میں تمہیں روتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔“ اس نے جھنجلا کر کہا۔

”مگر میں اس قسم کے ڈائیلاگ کا مطلب اچھی طرح سے سمجھتی ہوں۔ایسے ڈائیلاگ تو لَو برڈ ایک دوسرے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔“ میں نے کہا۔

"اچھا...!" اس نے سر کھجاتے ہوئے کہا پھر زور سے قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ میں بھی ڈائیلاگ بول سکتا ہوں۔چلو کبھی کوئی ایسی بندی ملی جس سے اظہار عشق کرنا پڑا تو میں کامیاب رہوں گا۔"

"پاگل ہو تم بالکل۔" میں نے اس کا رومال اسے واپس کرتے ہوئے کہا۔

"تھوڑا تھوڑا!" اس نے جھینپ کر کہا تو میں اس کا چہرہ غور سے دیکھنے لگی۔موٹی موٹی آنکھوں والا یہ لڑکا مجھے اچھا لگتا تھا لیکن میرے دل میں اس کے لیے سوائے ایک دوست کے کوئی اور جذبہ نہیں تھا۔

"ایسے کیا گھور رہی ہو؟ نظر لگانے کا ارادہ ہے کیا... ویسے بھی میری ممی کہتی ہیں کہ یونیورسٹی میں روزانہ لڑکیاں مجھے نظر لگاتی رہتی ہیں۔" اس نے معصومیت سے منہ بنا کر کہا تو مجھے ہنسی آگئی اور میں نے اسے چڑانے کے لیے کہا۔

"بڑی خوش فہمی ہے تمہاری ممی کو' تمہارے بارے میں۔اس کالے کلوٹے کو کوئی لڑکی پسند کرے گی۔" میں نے اس کی سانولی رنگت کو نشانہ بنایا۔

"چلو... گوری نہ سہی ہوسکتا ہے کوئی سانولی سلونی تیکھے نینوں اور لمبی زلفوں والی ہی ہم پر کبھی نظر کرم کردے...!" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا اور میں لمحہ بھر کو گڑبڑا گئی۔نہ جانے اس وقت اس کی آنکھوں اور لہجے میں ایسا کیا تھا مگر فوراً ہی میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کہا۔

"منہ دھو رکھو' کوئی بھی لڑکی تمہیں گھاس ڈالنے والی نہیں۔"

"ٹھیک ہے ' تو تم یہ چاہتی ہو کہ میں کنوارہ ہی اس دنیا سے اٹھ جاؤں۔" اس نے روٹھ کر منہ پھیرلیا۔

"ناراض ہوگئے دوست! میں تو مذاق کررہی تھی ان فیکٹ تم سے تو کوئی بھی لڑکی شادی کرکے خود پر فخر محسوس کرے گی' تم ہو ہی اتنے اچھے...!" میں نے اس کے سامنے جاکر کہا۔

"سچ کہہ رہی ہو...!" اس نے روٹھے روٹھے لہجے میں کہا۔

"بالکل سچ...!" میں نے ہنستے ہوئے اس کی لمبی سے ناک کو پکڑ کر کھینچا تو وہ چیخ اٹھا۔"ارے یار!یہ تو ویسے ہی خاصی لمبی ہے پلیز تم اسے مزید لمبا مت کرو۔"

"اچھا چلو مجھے کسی اچھے ریسٹورنٹ میں لنچ کراؤ۔" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

"کس خوشی میں؟" اس نے کہا۔

"جاب ملنے کی خوشی میں اور کس میں۔" میں نے کہا۔

"پھر تو ٹریٹ تمہاری جانب بنتی ہے۔" اس نے کہا۔

"اچھا بابا! پیسے میں دے دوں گی تم چلو تو سہی' کنجوس کہیں کے۔" تو وہ ہنستا ہوا میرے ساتھ چل دیا۔ لنچ کے دوران اس نے مجھ سے بہت سنجیدگی سے پوچھا۔

"سرمئی! تم نے کبھی اپنے بارے میں مجھے نہیں بتایا۔"

"کیا جاننا چاہتے ہو؟" میں نے بھی گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"تمہارے اور تمہارے والدین کے بارے میں' تمہارے والد کون تھے؟ کہاں کام کرتے تھے؟ ان کا انتقال کب ہوا؟ اور پھر ان کے بعد تمہاری گزر بسر کیسے ہوتی تھی وغیرہ وغیرہ...!" اس نے کہا۔

"کیا تمہارے لیے ان باتوں کو جاننا ہماری دوستی کے لیے مشروط ہے؟" میں نے بغور اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے چاہے۔

"ارے نہیں! میں تو بس ویسے ہی پوچھ رہا تھا' اگر تم نہیں بتانا چاہتیں تو نہ بتاؤ اور ہاں اگر تمہیں بُرا لگا ہے تو میں دلی معذرت چاہتا ہوں۔ تم کون ہو' کیا ہو' تمہارا بیک گراؤنڈ کیا ہے' مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں ہے' میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم میری دوست ہو... اور...!" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"اور کیا...؟" میں نے تیزی سے سوال کیا۔

"اور یہ کہ میں تمہیں بہت چاہتا ہوں...!" اس نے آہستہ سے سر جھکا کر کہا۔

"حشام! تم معاہدے کی خلاف وزری کر رہے ہو۔" میں نے اپنے زور سے دھڑک جانے والے دل کی آواز کو دبا کر کہا۔

"یار! تمہاری سوئی ایک جگہ پر کیوں اٹک جاتی ہے' کیا کوئی دوست کسی دوست سے محبت نہیں کرتا اور ایک بات اور یاد دلادوں اگر دوستی میں محبت نہ ہو

تو دوستی نہیں رہتی، مطلب پرستی بن جاتی ہے، جب تک مطلب ہے ساتھ رہے، پھر تُو کون اور میں کون؟" اس نے جھنجلا کر جواب دیا تو میں خاموش ہو گئی۔

اس کے سوال کرنے سے میں اپنے ماضی میں سوچنے لگی، مجھے تو خود نہیں معلوم تھا کہ میں کون ہوں، میرے ماں باپ کون ہیں اور وہ کیا وجوہات تھیں کہ ایک ماں اپنے بچے کو یوں کسی غیر اور انجان کے حوالے کرکے چلی گئی اور پلٹ کر یہ جاننے کی بھی کوشش نہیں کی کہ اس کی بیٹی کن ہاتھوں میں گئی ہے، کس نے اس کی بیٹی کو زندگی دی ہے اسے پالا بھی ہے یا اس کے ساتھ دیا ہوا مال و متاع ہڑپ کرکے اس کی بیٹی کو کہیں مار کر پھینک دیا۔

"کیا سوچنے لگیں، تم کھانا بھی نہیں کھارہیں، سب ٹھنڈا ہو گیا۔" حشام کی آواز مجھے میری سوچوں کے حصار سے باہر کھینچ لائی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"آں... ہاں... کچھ نہیں!" میں نے چونک کر کہا۔"بس کھا چکی اب دل نہیں چاہ رہا۔" میں نے اداس لہجے میں کہا وہ دیر تک میرے چہرے کا جائزہ لیتا رہا پھر آہستگی سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا پریشانی ہے، مجھے نہیں بتاؤ گی اپنے دوست کو...!"

اس کے اتنے محبت سے پوچھنے پر میری آنکھیں نم آلود ہو گئیں اور میں نے نرمی سے اس کے ہاتھ کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیںہے۔"

"کوئی بات تو ہے... دیکھو میں نے تمہارے آنسو تو لے لیے ہیں اب اپنی ساری فکریں، اپنی ساری پریشانی بھی مجھے دے دو... پلیز سرمئی! مجھے کسی قابل تو سمجھو...!" اس نے التجا آمیز لہجے میں کہا۔

"پتا ہے حشام! میں نے اپنی آدھی سے زیادہ زندگی اس سوال کے زیر اثر گزار دی کہ میں کون ہوں، کیوں کہ جنہوں نے مجھے پالا ہے وہ عورت میری ماں نہیں تھیں لیکن انہوں نے مجھے اس طرح پالا ہے کہ مجھے کبھی اس بات کا احساس ہی ہونے نہیں دیا کہ وہ میری حقیقی ماں نہیں ہیں، انہوں نے مجھے

ماں کی ممتا بھی دی اور ایک اچھی ماں کی طرح میری تربیت بھی کی۔وہ میری ماں نہیں تھیں میری کائنات تھیں۔ان کے علاوہ میرا دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے' میری حقیقی ماں کون تھی؟ کیسی تھی؟ میرا باپ کون تھا کیسا تھا یہ تو انہیں بھی نہیں معلوم تھا بلکہ یہ بات امی میری حقیقی ماں نہیں ہے مجھے ان کے انتقال کے بعد پتا چلا ہے' کبھی کبھی میرے ذہن میں اپنی ماں کا تصور ایک عکس کی طرح رقص کرتا ہے' ایک حسین مسکراتا ہوا چہرہ جو محبت بھری نگاہوں سے ایک وجیہہ اور باوقار چہرے کے ساتھ پر وہ خیال پہ بار بار ابھر آتا ہے۔میں خود کون ہوں؟ میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔میری زندگی کا سرمایہ تو امی تھیں جن کے وجود سے مجھے احساس رہتا تھا کہ میں تنہا نہیں ہوں اور اب امی کے بعد شمسو بابا اور اماں حمیدہ ہیں' اور انہیں دیکھ کر میں سوچتی ہوں کہ اتنی بڑی اللہ کی اس بستی میں میرا بھی کوئی ہے۔

میں اپنی حقیقی ماں کے بارے میں جانتی ہوں تو صرف اتنا کہ برسات کی ایک اندھیری رات میں وہ اپنی گود سے مجھے شمسو بابا کی گود میں میری خاندانی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

نشانیوں کے ساتھ دے گئی تھیں۔" اتنا کہہ کر میں خاموش ہو گئی۔میں نے حشام کو اپنی امی کے ماضی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا' میں نے جو کچھ ان کے بارے میں جانا تھا' میں خود اسے بھول جانا چاہتی تھی۔اس لیے کسی اور کو ان کے بارے میں بتانے کاسوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

حشام بہت غور سے میری باتیں سن رہا تھا' میرے خاموش ہوجانے کے بعد اس نے سوال کیا۔

"اب تم کیا چاہتی ہو...؟ کیا اپنے حقیقی والدین کی تلاش کرو گی یا پھر انہیں بھی اس طرح سے بھول جاؤ گی' جس طرح سے انہوں نے تمہیں بھلا دیا ہے...!"

"میں انہیں ضرور تلاش کروں گی لیکن اس لیے نہیں کہ میں ان کی محبت میں مری جارہی ہوں۔محبت تو مجھے امی شمسو بابا اور اماں حمیدہ نے اتنی دی ہے کہ وہ سات جنم لے کر بھی مجھے اتنی محبت نہیں دے سکتی تھیں۔میں ان سے مل کر صرف اتنا پوچھنا چاہتی ہوں کہ آخر وہ کیا وجوہات تھیں کہ ایک ماں نے اپنا جگر کا ایک حصہ یوں کاٹ کر خود سے جدا کردیا۔وہ ظالم اور بے حس

باپ کون تھا' جو بقول میری ماں کے مجھے موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتا تھا۔" میرے لہجے میں خود بخود ڈھیر ساری تلخی اتر آئی۔

"لیکن تم انہیں تلاش کیسے کرو گی؟" حشام نے پوچھا۔

"ان خاندانی نشانیوں کے ذریعے جو میری ماں نے میرے ساتھ شمسو بابا کو دی تھیں۔" میں نے کہا اور پھر حشام کے پوچھنے پر ساری بات تفصیل سے اسے بتائی کہ میں اپنے باپ کے بارے میں کس کس طرح امی سے سوالات کیے لیکن اپنی زندگی میں امی نے کبھی مجھے یہ نہیں بتایا کہ وہ میری حقیقی ماں نہیں ہیں۔یہ بات اور وہ خاندانی نشانیاں امی کی موت کے بعد ان کی ڈائری سے پتا چلی تھیں۔

"آج سے میں تمہارے اس مشن میں تمہارے ساتھ ہوں۔اگر مناسب سمجھو تو تم مجھے وہ چیزیں دکھانا تاکہ ہوسکتا ہے کہ انہیں دیکھنے کے بعد میں تمہاری کوئی مدد کرسکوں۔" حشام نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم کل میرے گھر آنا میں تمہیں وہ چیزیں دکھاؤں گی اور بابا اور اماں سے بھی ملواؤں گی۔یہ دونوں ہمارے پرانے ملازم ہیں لیکن میں نے

اور امی نے انہیں کبھی ملازم نہیں سمجھا بلکہ گھر کا فرد ہی سمجھا ہے۔اب تو وہی دونوں میرے سب کچھ ہیں۔" میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

پھر ہم کھانے کی ٹیبل سے اٹھ گئے' باتیں ہی ہمارے درمیان ایسی شروع ہوگئی تھیں کہ ہم سے کھانا کھایا ہی نہیں گیا۔پڑے پڑے ٹھنڈا ہوگیا۔لنچ کا بل حشام نے دیا اور پھر کل ملنے کے وعدے پر ہم جدا ہوگئے۔ہمارے درمیان یہ طے پایا کہ پہلے کل حشام میرے گھر آئے گا پھر میں اس کے ساتھ اس کے گھر جاؤں گی اس کی ممی اور ڈیڈی سے ملنے کے لیے' جاب کی بات بھی کرنی تھی۔

دوسرے دن میں ناشتے سے فارغ ہوکر اخبار پڑھ رہی تھی ساتھ ہی حشام کا انتظار بھی کررہی تھی تب ہی فون کی بیل بجنے لگی' میں نے فون ریسو کیا۔

"ہیلو... کون بول رہا ہے؟" میں نے ریسیور کی دوسری جانب ایک اجنبی مردانہ آواز سن کر کہا۔

"آپ یقینا سرمئی بات کررہی ہیں۔" دوسری جانب سے کہا گیا۔

”جی ہاں میں سرمئی بول رہی ہوں لیکن آپ کون صاحب بات کررہے ہیں۔“ میں نے ایک اجنبی مرد کے منہ سے اپنا نام سن کر حیرت سے کہا کیوں کہ آج سے پہلے کبھی بھی کسی بھی اجنبی مرد کی کال گھر کے فون پر سنائی نہیں دی تھی۔

”بیٹی میں ایڈوکیٹ انجم اسلام بول رہا ہوں' آپ کی والدہ کی وفات کے بعد چند ضروری قانونی کارروائیوں کے لیے آپ کی اجازت ضروری ہے۔اسی سلسلے میں' میں آپ کے پاس آنا چاہ رہا تھا' ویسے میرا خیال ہے کہ آپ کو معلوم تو ہوگا کہ انہوں نے آپ کے لیے کتنی جائیداد چھوڑی ہے۔“

”جی نہیں! میں نے آج تک کبھی اس بارے میں نہیں سوچا۔“ میں نے جواب دیا۔”میرا سب سے قیمتی سرمایہ میری امی تھیں' ان کے بعد مجھے کسی اور چیز سے دلچسپی نہیں ہے۔“

”مجھے آپ کے اس عظیم دکھ کا احساس ہے بیٹی! لیکن میرا فرض ہے کہ میں آپ کی جائیداد کے بارے میں آپ کو بتاؤں' جس کی آپ تنہا قانونی وارث ہیں۔میں دراصل ملک سے باہر گیا ہوا تھا' ابھی آیا ہوں تو مجھے بیگم صاحبہ کے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

انتقال کے بارے میں معلوم ہوا اور یہ ان ہی کی ہدایت تھی کہ ان کی وفات کے بعد یہ سب کچھ آپ کے حوالے کردیا جائے۔“ وکیل صاحب نے کہا تو میں نے انہیں آنے کی اجازت دے دی۔

میں نے یہ بات اماں اور بابا کو بھی بتادی اور ان سے چائے اور دیگر لوازمات تیار کرنے کے لیے بھی کہہ دیا۔اب میں مجبوراً بیٹھ کر ان کا انتظار کرنے لگی کیوں کہ میں تو حشام کا انتظار کررہی تھی تقریباً آدھے گھنٹے بعد وکیل صاحب تشریف لے آئے۔

کچھ دیر امی کی تعزیت وغیرہ کرنے کے بعد انہوں نے ساتھ لایا ہوا بریف کیس کھول کر ایک فائل نکالی اور ایک براؤن کلر کا لفافہ نکالا اور بولے۔

”آپ کی امی نے جائیداد کے علاوہ معقول رقم بھی چھوڑی ہے۔“ انہوں نے کاغذات دیکھتے ہوئے کہا۔

”بینک میں آپ کے نام تقریباً دو کروڑ روپے ہیں اور تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کی مجموعی رقم سے کہیں زیادہ ہے۔“

میں حیران ہورہی تھی کہ امی کے پاس اتنی ساری رقم کہاں سے آئی۔اس لیے وکیل صاحب سے سوال بھی کر ڈالا۔

”اس سلسلے میں، میں کچھ نہیں جانتا‘ وکیل کا کام کسی بھی صاحب جائیداد کے سورس کے بارے میں جاننے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ یہ جائیداد انہوں نے کیسے بنائی۔“ پھر فائل اور لفافہ میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

”اس فائل میں سوائے وصیت نامے کے کچھ اور نہیں ہے‘ دوسرے کاغذات میں صرف وہ دستاویز ہے جس کے ذریعے بیگم صاحبہ نے آپ کو گود لے کر اپنی تمام جائیداد جو زرعی زمینیں اور باغات پر مشتمل ہے‘ اس کے علاوہ ایک دو بنگلے جو ڈیفنس میں ہیں‘ ان کے کاغذات ہیں۔“ پھر وکیل صاحب نے چند کاغذات پر میرے سائن لیے اور سارے کاغذات میرے حوالے کرکے چلے گئے۔

میں ہاتھ میں وہ فائل اور کاغذات لیے بیٹھی امی کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ زمینوں اور باغات کے بارے میں تو امی نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ان کے پاس کہاں سے آئیں لیکن اتنی بڑی رقم جو انہوں نے بینک میں میرے نام

جمع کروائی ہے وہ ان کے پاس کہاں سے آئی‘ اس کے بارے میں ‘ میں نے سوچا کہ ہوسکتا ہے شمسو بابا مجھے اس سوال کا جواب دے سکیں اس لیے میں نے انہیں بلایا کیوں کہ وکیل صاحب کے آنے کے بعد اماں اور بابا دونوں کمرے سے چلے گئے تھے۔

”شمسو بابا... شمسو بابا! کہاں ہیں آپ ادھر تو آئیں۔“ میں نے فائل اور لفافہ میز پر رکھتے ہوئے انہیں آواز دی تو وہ میری پہلی ہی آواز پر اندر آگئے اور بہت مؤدب اندازمیں بولے۔ا

”جی بی بی...!“

”بابا! آپ میرے ساتھ اس طرح سے کیوں بول رہے ہیں...؟“ میں نے ان کا بدلا ہوا مؤدب انداز اور اپنے آپ کو بی بی کہنے پر حیرت سے پوچھا۔

”کس طرح بی بی صاحبہ...؟“ انہوں نے بدستور سابقہ لہجے میں کہا۔

”یہ بی بی صاحبہ کون ہیں؟ میں تو آپ کی بیٹی ہوں... سرمئی بیٹی! آپ جس طرح پہلے مجھے مخاطب کرتے تھے اسی طرح مخاطب کریں‘ مجھ سے ادب سے

نہیں شفقت بھرے لہجے میں بات کریں‘ آپ میرے بابا جو ہیں۔“ میں نے نرم لہجے میں کہا۔

”میں آپ کا بابا تو ہوں‘ مگر ہوں تو ایک ملازم ہی ناں... بے جی نے مجھے اس وقت ملازم رکھا تھا جب میں ایک نوعمر لڑکا تھا‘ ان کا خدمت گزار تھا‘ پھر حمیدہ آگئی اس کو بے جی کی ماں نے خریدا تھا شاید وہ اسے ناچ گانا سکھاتیں لیکن وہ بھی خاندانی دشمنی کی نذر ہوگئی اور اس کے باپ کے دشمنوں نے اسے اغواء کرکے بے جی کی ماں کے ہاتھوں فروخت کردیا۔

حمیدہ دن رات روتی تھی‘ اللہ رسول کے واسطے دے کر کہتی کہ وہ یہ کام مرتے دم تک نہیں کرے گی‘ اس نے بے جی کے پاؤں پکڑ لیے اور اللہ کی قسم کھا کر وعدہ کیا کہ وہ زندگی بھر ان کی خادمہ بن کر ان کی خدمت کرے گی بس اس سے یہ کام نہ کروائیں پھر بے جی کو شاید اس پر رحم آگیا اور انہوں نے اپنی ماں کو سختی کے ساتھ منع کردیا کہ حمیدہ میری خاص ملازمہ ہے۔ہمیں کون سا اسے تنخواہ دینی ہے‘ اسے مجھے سونپ دو... ان کی اماں بڑے مشکلوں سے مانی پھر اللہ کی قدرت کہ وہ شدید بیمار ہوگئی اور دس

مزیداردوکتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

پندرہ دنوں میں فوت ہوگئیں‘ پھر بعد میں میری خواہش پر بے جی نے میری اور حمیدہ کی شادی کردی۔

ہم دنوں مرتے مرجائیں گے لیکن ان کی روح سے بھی نمک حرامی نہیں کریں گے‘ پہلے ہماری مالکن بے جی تھیں اوراب آپ ہو۔“ شمسو بابا نے پہلی مرتبہ اپنے اور اماں حمیدہ کے بارے میں بتایا۔

”بابا میں کوئی آپ کی مالکن نہیں ہوں میں تو آپ کی بیٹی ہوں اور ہمیشہ بیٹی ہی رہنا چاہتی ہوں۔“ میں نے ہاتھ پکڑ کر بابا کو اپنے برابر میں بٹھالیا اور ان کے کندھے سے سر ٹکالیا۔

”ہمیشہ خوش رہو میری بچی! اللہ پاک دونوں جہاں کی تمہیں خوشیاں نصیب فرمائے۔“ شمسو بابا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تو اماں کی آواز آئی ”آمین“ اور میں نے جھٹ آنکھیں کھول دیں اور ان کا بھی ہاتھ تھام کر اپنے برابر میں بٹھالیا۔اظہارِ تشکر سے دونوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے جنہیں میں نے پیار سے اپنے ہاتھوں سے صاف کردیا‘ پھر مجھے خیال آیا کہ میں نے شمسو بابا کو کس لیے آواز دی تھی پھر کہا۔

"بابا! کیا آپ جانتے ہیں کہ امی نے میرے نام بینک میں ایک بہت بڑی رقم چھوڑی ہے‘ میں حیران ہوں کہ امی کے پاس اتنی رقم کہاں سے آئی‘ کہیں یہ ان کی سابقہ کمائی کی...!"

"نہیں بیٹی!" شمسو بابا نے میری بات پوری بھی نہیں ہونے دی۔وہ اس کا مفہوم سمجھ گئے کہ میں کیا کہنا چاہتی ہوں اس لیے بات کاٹ کر سختی سے کہا۔

"نہیں بیٹی! میں یہ بات اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ ان پیسوں میں بے جی کی وہ کمائی نہیں ہے‘ انہوں نے اپنے سارے پیسے سارے زیورات ایک خیراتی ادارے کو دے دیئے تھے۔وہ بالکل خالی ہاتھ تھیں‘ آپ کی ماں نے جو جو اہرات دیئے تھے ان کی مالیت بہت زیادہ تھی‘ بے جی نے انہیں فروخت کرنے کے بعد یہ معمولی مکان خرید لیا تھا‘ کچھ رقم گھر کے خرچ کے لیے اپنے پاس رکھ لی‘ باقی بینک میں جمع کروا دی بعد میں زمینوں اور باغات کی جو آمدنی آتی اس میں سے گھر کے اخراجات کی رقم نکالنے کے بعد ساری رقم بینک میں جمع کرواتی رہتی تھیں۔پھر اس رقم سے انہوں نے اور بھی زمینیں

اور باغات خرید لیے‘ ایسا کر کے وہ آپ کا مستقبل مضبوط کرنا چاہتی تھیں اور یہ سارے کام میں انجام دیا کرتا تھا اس لیے تمہیں تردو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" شمسو بابا نے مجھے پوری طرح مطمئن کردیا ورنہ مجھے یہ سوچ کر ہی کراہیت آرہی تھی کہ یہ ساراپیسہ شاید امی کی سابقہ زندگی کی کمائی ہے‘ اگر ایسا ہوتا تو میں اسے ہاتھ بھی نہیں لگاتی۔

اس وقت دروازے پر بیل ہوئی اور شمسو بابا نے حشام کے آنے کی اطلاع دی۔میں نے حشام کو اندر بلوایا تو شمسو بابا سوالیہ نگاہوں سے میری جانب دیکھنے لگے۔

"بابا! آپ اسے اندر تو لائیں میں بعد میں اس کے بارے میں بتادوں گی۔" میں نے کہا۔

"بیٹی مجھے امید ہے کہ تم نے اپنی امی کی نصیحتوں کو فراموش نہیں کیا ہوگا۔" بابا نے متانت سے کہا۔

"جی بابا! مجھے اچھی طرح سے یاد ہے‘ آپ بالکل بے فکر رہیں ایسی ویسی کوئی بات نہیں ہے۔یہ صرف میرا اچھا دوست ہے اور اب میں اس کے ساتھ ایک

نیوز چینل پر جاب بھی کرنے والی ہوں اور اسی سلسلے میں آج رات اس کے ڈیڈی سے ملنے کے لیے ان کے گھر بھی جاؤں گی۔“ میں نے بابا کو اچھی طرح مطمئن کردیا تو وہ پُر سوچ انداز میں سر ہلاتے ہوئے حشام کو لینے باہر چلے گئے۔

میں نے حشام کا تعارف شمسو بابا اور اماں حمیدہ سے کروایا اور اماں سے کہا کہ حشام کے لیے دوپہر کا کھانا بنوائے‘ یہ آج ہمارے ساتھ ہی لنچ کرے گا۔

اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد حشام نے مجھے یاد دلایا کہ میں نے اسے کس لیے آج گھر بلایا ہے تو میں جاکر امی کی الماری سے وہ تینوں چیزیں لے آئی۔حشام نے بغور انہیں دیکھا اور رائے

دیتے ہوئے بولا۔

”میرا خیال ہے کہ تمہارے والدین کوئی معمولی فیملی سے تعلق نہیں رکھتے ہیں۔یہ چیزیں تو کروڑوں کی ہیں لیکن ان کی مدد سے تم کس طرح انہیں تلاش کرو گی۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”اللہ مالک ہے حشام! اگر اسے منظور ہوا تو وہ مجھے مل ہی جائیں گے‘ ورنہ تو اسی طرح جیتے رہیں گے جس طرح اب جی رہے ہیں۔“ میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگالی اور ایزی ہوتے ہوئے کہا میری بات سن کر حشام غور سے میرے چہرے کی جانب دیکھنے لگا۔

”ایسے کیا دیکھ رہے ہو میری طرف؟“ میں اس کے اس طرح گھورنے سے گھبرا سی گئی۔

”میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ کیا واقعی تمہارے لیے اس خیال سے پیچھا چھڑانا کہ تمہارے والدین کون ہیں‘ اتنا ہی آسان ہے جتنا تم ظاہر کررہی ہو...!“ اس نے براہِ راست میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

”نہیں!“ میں نے قطعی لہجے میں کہا۔”میرے لیے یہ ناممکن ہے لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ میں انہیں کس طرح تلاش کروں‘ میرا مطلب ہے کہ کوئی نقطہ تو ہو جس سے میں اپنی تلاش کا آغاز کروں۔مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ میرے والدین کے نام کیا ہیں اور یہ جو چیزیں میرے پاس ہیں انہیں کیا میں ہاتھ

میں لے کر گھوموں کہ مجھے بتاؤ ان چیزوں کا تعلق کن لوگوں سے ہے۔" میں نے روہانسی ہو کر کہا۔

"میرے ذہن میں ایک بات آ رہی ہے۔" حشام نے مسکراتے ہوئے چٹکی بجائی اور کہا۔

"کیا... کیا...؟" میں نے بے تابی سے کہا۔

"اچھا پہلے تو شمسو بابا کو بلاؤ ان سے مجھے ایک بات پوچھنی ہے۔" حشام بولا تو میں نے شمسو بابا کو بلوالیا۔وہ آئے تو حشام نے ان سے پوچھا۔

"بابا آپ کو یاد ہے کہ وہ کون سی تاریخ اور سن تھا جب سرمئی آپ کو ملی تھی؟

"جی ہاں مجھے اچھی طرح سے یاد ہے وہ جولائی کی آخری تاریخ تھی... ہاں یاد آیا اکتیس جولائی تھی اور سن اٹھاسی تھا۔" شمسو بابا نے جواب دیا۔

"یہ سوال پوچھنے سے تمہیں کیا حاصل ہوا سوائے اس کے کہ تم نے میری عمر معلوم کرلی۔" میں نے منہ بنا کر کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"پگلی لڑکی! مجھے تمہاری عمر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے چاہے تم نوے سال کی بھی ہو، رہو گی میری لڑاکو دوست ہی، میں یہ سوچ رہا تھا کہ میں ڈیڈی سے بات کروں گا کہ اگر وہ ہمیں اس سن کے اور ان تاریخوں کے پرانے اخبارات نکلوادیں تو ہم دیکھیں گے کہ ان میں کوئی ایسی خبر تو نہیں چھپی کہ کسی گھر سے کوئی بچی غائب ہو... یا پھر برسات کی اس اندھیری رات میں کسی عورت کے ایکسیڈنٹ کی خبر... میرا مطلب ہے کہ...!" حشام نے بات ادھوری چھوڑ دی اور میری جانب دیکھنے لگا۔

"تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے وہ عورت ہوسکتا ہے کہ گھر کی خادمہ ہو جو کسی وجہ سے انتقاماً اس گھر کا بچہ اٹھا کر بھاگ آئی ہو اور کسی انجان آدمی کے حوالے کردیا ہو اور کسی ایکسیڈنٹ میں اس کی موت واقع ہوگئی ہو۔" میں نے وہ بات صاف صاف کہہ دی جو حشام کہنے میں جھجک رہا تھا۔"لیکن اگر ایسی کوئی خبر ہوگی بھی تو کیا اس کے بارے میں تفصیلات بھی چھپی ہوں گی کہ وہ عورت کون تھی... ارے چھوڑو ہماری پولیس تو اتنی ناکارہ ہے کہ وہ سامنے

ہوتی واردات کی تفتیش سے جان چھڑاتی ہے جب تک ان کی جیب گرم نہ کی جائے ایک لاوارث کی کھوج کون کرے گا۔" میں نے بے دلی سے کہا۔

"تم نے پہلے ہی سے اتنی ساری باتیں سوچ لیں ذرا اخبارات تو ہاتھ لگنے دو۔" حسام نے بُرا مان کر کہا۔

"اچھا بابا جو تمہارا دل چاہے وہ کرو۔" میں نے ہار مانتے ہوئے کہا اور اتنے میں اماں نے آکر کھانا لگنے کی خبر سنادی۔

حسام نے لنچ کیا اور چلا گیا۔بقول اس کے کہ جب شام کو میں اس کے گھر جاؤں گی تو اخبارات اس کے ہاتھ میں ہوں گے اور میں ہنس پڑی۔وہ ایسا ہی تھا ہمیشہ کا جلد باز... جس کام کو کرنے کی ٹھان لیتا تھا کرکے ہی دم لیتا تھا۔

میں تھوڑی دیر کے لیے لیٹ گئی۔اماں نے اب امی کی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔پہلے جب میں کالج اور اسکول سے آکر دوپہر کو ذرا دیر کے لیے لیٹتی تھی تو امی میرے بالوں میں انگلیاں پھیرتی تھیں اور میں مزے سے سوجاتی تھی۔ اب یہ کام اماں کرتی تھیں اس لیے اماں بھی میرے پیچھے پیچھے میرے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کمرے میں آگئیں اور میرے سرہانے بیٹھ کر میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں پھر فوراً ہی بولیں۔

"دیکھو تو کب سے تم نے بالوں میں تیل نہیں ڈالا سارے بال سوکھے ہورہے ہیں۔اس طرح تو بیٹی سارے بال جھڑجائیں گے۔تمہیں یاد ہے بے جی کو تمہارے لمبے بال کتنے پسند تھے' وہ خود ان کا خیال رکھتی تھیں۔"

"ہاں اماں! اب امی نہیں رہیں تو میں نے بھی ان کا خیال رکھنا چھوڑ دیا ہے۔میں سوچ رہی ہوں کہ انہیں کٹواہی دوں...!"

"خبردار...!" اچانک میرے کانوں میں حسام کی غصیلی آواز گونجی ایک مرتبہ میں نے گرمی میں بالوں سے گھبرا کر یہی فقرہ اس کے سامنے کہا تھا تو اس نے اسی طرح غصے سے کہا تھا۔

"ارے بیٹے میں ہوں ناں تمہارا خیال رکھنے کو۔" اماں نے کہا اور اٹھ کر تیل لینے چلی گئیں اور نہ جانے کب تک وہ میرے سر میں مالش کرتی رہیں میں تو سوچکی تھی۔

شام کو اٹھی اور غسل کیا تو اپنے آپ کو بہت فریش فیل کیا' مجھے حشام کے گھر جانا تھا اس لیے میں تیار ہو گئی اور گھر سے نکلنے سے پہلے بابا اور اماں کو مخاطب کر کے کہا۔

”اچھا بابا اماں! میں جا رہی ہوں آپ لوگ دعا کیجیے گا کہ جس مقصد کے لیے میں جا رہی ہوں اللہ تعالیٰ مجھے اس میں کامیابی عطا فرمائے۔“

”بیٹا! ایک بات کہنی تھی...!“ شمسو بابا نے جھجکتے ہوئے کہا۔

”جی بابا کہیے!“ میں جھک کر کار کی چابی اٹھاتے ہوئے ان کی جانب مڑی۔

”میرا تو خیال یہ ہے کہ تم خوامخواہ اپنے والدین کی کھوج میں اپنے آپ کو ہلکان مت کرو۔ان کا کوئی پتا نہیں ملنے والا...!“

”آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں بابا!“ میں نے قدرے حیرانی سے کہا۔

”بس تمہاری پریشانی کے خیال سے کہہ رہا تھا۔“ انہوں نے نگاہیں نیچی کر کے بہت دھیمی آواز میں کہا تو میں مشکوک نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی کہ کہیں بابا مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہے' اس لیے ان سے یہی سوال کیا تو وہ گڑبڑا گئے اور بولے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”قسم لے لو بیٹی! میں کیوں تم سے کچھ چھپانے لگا۔“

اور میں بنا کچھ کہے خاموشی سے باہر نکل آئی' باہر میری گرے کلر کی آلٹو کھڑی تھی' یہ چھوٹی سی گاڑی مجھے بہت عزیز تھی' میں چاہتی تو اس سے بڑی کار بھی خرید سکتی تھی لیکن کیوں کہ یہ مجھے امی نے خرید کر دی تھی کہ چھوٹی گاڑی تم آسانی سے ہینڈل کر لو گی' اس لیے میں اسے تبدیل نہیں کرنا چاہتی تھی کتنی ہی مرتبہ میں اس کی فرنٹ سیٹ پر امی کو اپنے ساتھ بٹھا کر شاپنگ کے لیے گئی تھی' امی گھر سے باہر نکلتے ہوئے حجاب سے اپنے چہرے کو چھپائے رکھتی تھیں۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد میں حشام کے بنگلے پر پہنچ گئی۔اس نے اپنے گھر کا ایڈریس بہت اچھی طرح سے مجھے سمجھادیا تھا اس لیے مجھے کسی بھی قسم کی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

میں نے کار سے اتر کر بیل بجائی تو گارڈ نے بڑا گیٹ کھول دیا اور کہا کہ میں گاڑی اندر لے آؤں' میں گاڑی اندر لے گئی یہاں دو کاریں پہلے سے کھڑی تھیں لیکن اتنی جگہ باقی تھی کہ دو گاڑیاں مزید کھڑی ہو سکتی تھیں۔

میں کار سے اتری تو حشام میرے استقبال کے لیے وہاں موجود تھا اس نے بہت خوش دلی سے میرا خیر مقدم کیا۔ میں نے اس کے بنگلے پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی، ساتھ ہی چھوٹا مگر بہت خوب صورت لان تھا، درمیان میں ہری بھری گھاس کا فرش اور چاروں جانب خوش نما پھولوں کی کیاریاں تھیں۔

”تمہارا گھر بہت خوب صورت ہے خصوصاً یہ لان...!“ میں نے حشام سے کہا۔

”پہلے یہ خوب صورت نہیں تھا لیکن تمہارے آنے سے یہ مہک اٹھا ہے، ذرا ان پھولوں کو دیکھو کس طرح مہک کر خوشی کا اظہار کررہے ہیں۔“ اس نے محبت سے چُور لہجے میں کہا۔

”اُف! شروع ہو گیا تمہارے اندر کا رومانی ہیرو...!“ میں نے اس کی بات کو مذاق میں اڑاتے ہوئے کہا۔

”تم رومانس کرنے ہی کہاں دیتی ہو کھٹور...“ اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

”اگر تم باز نہ آئے تو میں یہیں سے واپس چلی جاؤں گی۔“ میں نے ایک بار پھر اپنے زور سے دھڑک جانے والے دل کو قابو میں رکھتے ہوئے اسے دھمکی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

دی۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ جب بھی حشام مجھے ایسی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کوئی ایسا فقرہ کہتا تھا تو میرے دل کی دھڑکن کیوں بے قابو ہوجاتی تھی اور میں ہمیشہ اپنے دل کو قابو میں کرلیتی تھی اور ڈانٹ کر کہتی۔ ”ہوش میں رہو حشام! صرف میرا اچھا دوست ہے اور کچھ نہیں۔“

”اچھا بابا غلطی ہوگئی لو کان پکڑلیتا ہوں، اندر چلو ممی اور ڈیڈی تم سے ملنے کے لیے بے تاب بیٹھے ہیں۔“ اس نے شرارت آمیز لہجے میں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا تو میں اس کے سامنے اندر کی جانب بڑھ گئی، اندر جاتے ہوئے میں نے اس سے سوال کیا کہ اسے اخبارات ملے یا نہیں تو اس نے جواب دیا کہ ابھی نہیں لیکن مل جائیں گے۔

ہم ڈرائنگ روم میں پہنچے تو حشام کے ڈیڈی اور ممی سے ملاقات ہوگئی، دونوں بہت پیار اور محبت سے مجھ سے ملے اس کی ممی نے جب مجھے گلے لگایا کر پیار کیا اور ڈیڈی نے اٹھ کر شفقت سے میرے سر پر ہاتھ رکھا تو نہ جانے کیوں میری آنکھیں چھلک پڑیں، حشام کی ممی بولیں۔

"بیٹا! میں آپ کے جذبات سمجھ سکتی ہوں حشام نے مجھے تمہاری ساری کہانی سنادی ہے، تمہارے انکل بھی اس سلسلے میں تمہارا پورا پورا ساتھ دیں گے۔اگر تمہیں تمہارے اپنے مل جائیں تو

کیا ہی بات ہے اور اگر نہ بھی ملے تو بیٹا آج سے تم ہماری بیٹی ہو...!"

"بہت بہت شکریہ آنٹی... انکل!" میں نے ٹشو سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا پھر انکل سے کہا۔"انکل! ہمیں وہ اخبارات...!"

"ارے بھئی یہ سب باتیں تو ہوتی رہیں گی پہلے میری بیٹی کو اچھی سی چائے پلواؤ۔" انکل نے میری بات کاٹ کر کہا اور آنٹی ابھی آئی کہہ کر اٹھ کر چلی گئیں۔جتنی دیر میں آنٹی ملازمہ کے ساتھ جو چائے کی ٹرالی لے کر آرہی تھیں واپس آئیں، میں انکل سے اپنی ملازمت کے سلسلے میں باتیں کرتی رہی، انہوں نے بتایا کہ ان کے ایک دوست ایک اخبار کے مدیر ہیں اور انہوں نے ان سے بات کرلی ہے، تم دونوں ان کے دفتر چلے جاؤ وہ تمہیں تمہاری مطلوبہ تاریخوں کے اخبارات نکلوا کر دے دیں گے، رہی بات جاب کی تو ایک نیوز چینل میں آسامی خالی تھی تو تمہاری اور حشام کی جاب کا بندوبست وہاں کردیا

گیا ہے۔دراصل وہ خود ایک جرنلسٹ تھے اور ایک نیوز چینل میں بطور بیوروچیف کام کرتے تھے، اس لیے صحافی برادری میں ان کے خاصے گہرے تعلقات تھے، اس لیے مجھے ایک امید سی بندھ گئی تھی کہ اگر پرانے اخبارات کے ذریعے کوئی کلیو ملا تو مزید پیش رفت ہوسکتی ہے۔

حشام اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا اور اس کے والدین نہ صرف اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے بلکہ اس کے ساتھ دوستوں کی طرح رہتے تھے۔حشام کے والدین سے میری ملاقات بہت خوش گوار رہی۔

آنٹی تو ضد کررہی تھیں کہ میں ڈنر ان کے ساتھ کروں لیکن مجھے جانے کی جلدی تھی اس لیے میں حشام کے ساتھ اخبار کے دفتر چلی گئی۔

محترم الیاس ہاشمی صاحب نے ہمیں حشام کے والد طلال واحدی صاحب کے ریفرنس سے فوراً اپنے کمرے میں بلوالیا۔انہوں نے ہمیں ان تاریخوں کے اخبارات بھی دکھائے لیکن اتفاق سے ایسی کوئی بھی خبر ہماری نگاہ سے نہیں گزری۔

میں بہت بد دل ہوئی اور اخبار ہاتھ سے رکھ ہی رہی تھی کہ آخری صفحے کے سب سے نیچے ایک دو کالمی خبر پر میری نگاہ ٹھہر گئی۔وہ خبر برسات کی اس رات میں ایک عورت کے بارے میں تھی۔خبر یہ تھی کہ ”ایک جواں سالہ عورت پولیس کو ایک روڈ پر بے ہوشی کی حالت میں ملی‘ ہوش آنے پر اس نے بتایا کہ وہ کسی گھر میں ملازمت کرتی ہے اور بیماری کی وجہ سے گر کر بے ہوش ہوگئی تھی۔“

اس کے بعد کے اخبارات میں کوئی اور خبر نہیں تھی‘ میں نے حشام کی توجہ اس خبر پر دلائی تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔

جب ہم کراچی پہنچے تو دن نکل آیا تھا‘ میں رات بھر کا تھکا ہوا تھا آرام کرنا چاہ رہا تھا۔لیکن مجھے فوری طور پر نواب صاحب سے ملنا تھا۔میں نے معلوم کیا کہ وہ کوٹھی میں موجود ہیں یا نہیں تو بتایا گیا کہ وہ موجود ہیں اور مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔اس لیے میں سیدھا ان کے کمرے میں پہنچ گیا۔

”آؤ‘ آؤ شمروز... سناؤ کیا حال ہیں۔تمہارے کام کا کیا بنا۔ہوا یا نہیں۔“ نواب نے مسکراتے ہوئے بڑی خوش دلی سے مجھ سے کہا اور میرا دل چاہا کہ ایک

زور کا تھپڑ اس کے منہ پر ماروں اور کہوں۔”تو سب جانتا ہے بڈھے کہ میرا کام ہوا یا نہیں تو چاہتا ہی نہیں تھا کہ شیر افضل میرا مجرم میرے ہاتھوں اپنے انجام بد تک پہنچے اور تو نے اس کا پورا انتظام بھی کردیا تھا۔وہ تو بھلا ہو راکھی کا جس نے مجھے اس بات کی خبر دے دی اور میں نے مزید بے وقوف بننے کے بجائے اپنا آدھا کام کرلیا جس کی خبر میں نے کسی کو بھی نہیں ہونے دی حد یہ کہ راکھی بھی اس بات سے بے خبر تھی کہ میں نے شیر افضل کی بیٹی کی عزت خاک میں ملا دی ہے۔

نواب کے سوال پر میں نے معنی خیز مسکراہٹ سے اس کی جانب دیکھا اور کہا۔”کہاں نواب صاحب! شیر افضل اپنی حویلی میں آیا ہی نہیں۔میرا وہاں جانا بے کار ہی رہا۔میں خوامخواہ میں پیر بن کر اس کی بیٹی کا جھوٹ موٹ کا علاج کرتا رہا۔شاید میں مزید انتظار کرلیتا شیر افضل کے آنے کا لیکن آپ کا بلاوا آگیا تو میں واپس آگیا خیر تو ہے کوئی ایمرجنسی ہے کیا؟“

”یار یہ جو ایک خوب صورت سی مسکراہٹ ہر وقت تمہارے لبوں پر کھیلتی رہتی ہے‘ میں تو اس پر فدا ہوں اور تمہاری یہ جو آنکھیں ہیں نا اور اس میں

چھپی عقل و فراست یہ مجھے بہت پسند ہے۔حالات چاہے جو بھی ہوں تم مسکراتے رہتے ہو' اب دیکھ لو حالانکہ اپنا کام نہ ہونے پر تمہیں غصہ اور جھنجلاہٹ کا شکار ہونا چاہیے تھا۔لیکن اس وقت بھی تم مسکرا رہے ہو۔" نواب کے لہجے میں نہ جانے کیوں مجھے چاپلوسی کی بو محسوس ہوئی۔

"میرا ماننا تو یہ ہے نواب صاحب کہ غصہ اور جھنجلاہٹ انسان کی عقل کو ختم کردیتا ہے اور اس سے انسان کا بلڈ پریشر بھی بڑھ جاتا ہے پھر بیمار آدمی کسی کام کا نہیں رہتا۔اس لیے چاہے کامیابی ہو یا ناکامی انسان کو مسکراتے رہنا چاہیے۔ہر کام کا وقت مقرر ہے اور وہ کام اپنے مقررہ وقت پر ہی ہوتا ہے۔ اس لیے سوچا کہ ابھی شیر افضل کا وقت بھی باقی ہے وقت آئے گا تو وہ کام بھی ہوجائے گا۔" میں نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"گڈ۔مجھے تمہاری یہی باتیں تو پسند ہیں۔" نواب نے خوش ہو کر کہا پھر بولا۔

"اچھا تم رات بھر کے جاگے ہوئے لگ رہے ہو۔لگ کیا رہے ہو' یقیناً جاگے ہوئے ہو' تم جا کر آرام کرو فریش ہوجاؤ پھر میرے پاس آنا تم سے

ایک بہت اہم کام لینا ہے۔لیکن یہ یاد رہے کہ یہ ایک بہت خفیہ کام ہے اس کا میرے اور تمہارے علاوہ کسی اور کو علم نہیں ہونا چاہیے۔"

"آپ بالکل بے فکر رہیں نواب صاحب... بس یہ سمجھیں کہ آپ نے مجھ سے کوئی کام لیا ہی نہیں۔میں تو ہر کام کر کے اس طرح بھول جاتا ہوں جیسے میں نے کیا ہی نہیں۔پھر کسی اور سے اس کا ذکر کرنے کا کیا سوال۔" میں نے کام سنے بنا ہی نواب کو مطمئن کردیا۔

"ویری گڈ! اب تم آرام کرو بعد میں بات ہوگی اور ہاں راکھی تو تمہارے ساتھ ٹھیک رہی؟" اس نے کہا۔

"ہاں راکھی میرے ساتھ میری خاص مریدنی بن کر گئی تھی اس نے اپنا پارٹ بہت خوبی سے پلے کیا تھا۔" میں نے کہا۔

"اس سے تمہاری بات چیت تو رہتی ہوگی' خوب جمی ہوگی تمہاری اور اس کی۔" نواب نے کھوجتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں نواب صاحب وہ عجیب بور عورت ہے میری اس سے قطعی نہیں بنی۔ہاں البتہ اگر کوئی جوان لڑکی ہوتی تو پھر۔" میں نے برا سا منہ بنا کر راکھی کے

بارے میں اظہار خیال کیا اور آخری فقرہ ایک ہوس زدہ شخص کے لہجے میں ادا کیا تو وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا اور بولا۔"یار اگر دل پشوری کے لیے ساتھی چاہیے تو کہو۔کیا تمہارے لیے ہم اتنا بھی نہیں کرسکتے۔"

"بہتر نواب صاحب۔" میں نے سر جھکا کر مسکراتے ہوئے کہا۔"آپ زیادہ سمجھتے ہیں کہ جوانی کی راتیں تنہا بڑی مشکل سے گزرتی ہیں۔"

"خوب... خوب بڑے رنگین مزاج ہوگئے ہو۔" اس نے ایک بار پھر قہقہہ لگایا۔اس گفتگو سے جو اس وقت میرے اور اس کے درمیان ہوئی میں نے اس کے اندر کے کمینے اور بد کردار شخص کو اچھی طرح پہچان لیا تھا۔

میں اپنے کمرے میں آگیا اور لمبی تان کر سو گیا۔نہ جانے کتنے گھنٹے سوتا رہا آنکھ کھلی تو رات ہوچکی تھی کمرے میں گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا میں دیر تک اسی طرح لیٹا رہا آہستہ آہستہ ساری باتیں یاد آنے لگیں۔تب میں نے موبائل نکال کر ٹائم دیکھا رات کے آٹھ بج رہے تھے۔جسم پر کسلمندی سی چھائی ہوئی تھی۔میں نے نیم گرم پانی سے غسل کیا تو طبیعت فریش ہوئی۔نہا کر باہر آیا اور سیدھا کچن میں گیا۔اور کھانے کے لیے مانگا۔کچن سے باہر آیا

تو ادھر ادھر نگاہ دوڑائی لیکن مجھے راکھی کہیں دکھائی نہیں دی۔یہ اتنی بڑی کوٹھی تھی کہ میرے علم میں نہیں تھا کہ راکھی یہاں کس حصے میں رہتی ہے۔ اس سے ملاقات سے پہلے بھی میں نے اسے اس کوٹھی میں نہیں دیکھا تھا۔

مجھے خیال آیا کہ جو سوال مجھ سے نواب نے کیا تھا راکھی کے بارے میں ہوسکتا ہے وہ راکھی سے میرے بارے میں پوچھ کر اس بیان کی تصدیق کرے کیونکہ نواب یہ سوچ رہا ہو گا کہ راکھی

نے مجھے تو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا دیا۔اس لیے ملازم سے یہ کہہ کر کہ کھانا میرے کمرے میں پہنچا دے میں اپنے کمرے میں لوٹ آیا اور راکھی کے موبائل فون کا نمبر ملایا اور پہلی ہی بیل پر راکھی نے فون ریسیو کرلیا اور دھیمے لہجے میں بولی۔"ایک منٹ ہولڈ کرو۔" پھر اس کے قدموں کی آہٹ آتی رہی اور دروازہ بند ہونے کی پھر اس کی آواز سنائی دی وہ سرگوشی میں بات کر رہی تھی۔

"ہاں شمروز بولو میں ابھی تھوڑی دیر میں تمہیں ہی کال کرنے والی تھی۔" اس نے کہا۔

"کیوں سب خیریت ہے نا؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی اس نواب کے بچے نے مجھے اپنے پاس بلایا تھا اور تمہارے بارے میں پوچھ رہا تھا تو میں نے کہہ دیا کہ وہ ایک بور شخص ہے اس نے میری جانب نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔اگر وہ تم سے پوچھے تو...!"

"وہ مجھ سے پوچھ چکا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔"تم نے بالکل ٹھیک جواب دیا میں نے بھی کچھ اسی قسم کا جواب اسے دیا ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے فی الحال میں فون رکھتی ہوں پھر کبھی موقع دیکھ کر ملاقات کروں گی ہوسکتا ہے آج رات ہی تمہارے کمرے میں آؤں۔" یہ کہہ کر اس نے چٹ سے ریسیور پر ایک بوسہ دیا اور فون بند کردیا میں نے بھی حفظ ما تقدم کے طور پر اپنے سیل فون سے اس کا نمبر ڈیلیٹ کردیا۔

ملازم کھانا لے آیا تو میں نے ڈٹ کر کھانا کھایا۔کھانے سے فارغ ہو کر میں چائے اور سگریٹ سے دل بہلا رہا تھا ساتھ ہی ٹی وی پر نگاہیں جمائے بیٹھا تھا انڈین فلم آرہی تھی اور کوئی رقاصہ ہوش ربا رقص کر رہی تھی تب ہی ایک ملازمہ اندر آئی اور اس نے مجھے نواب کا پیغام دیا کہ نواب صاحب نے مجھے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اپنے خاص کمرے میں بلایا ہے۔میں نے ٹی وی آف کیا سگریٹ بجھائی اور نواب کے اس خاص خلوت کدے کی جانب روانہ ہو گیا۔جہاں ایک بار اور میری اس سے ملاقات ہوچکی تھی۔

میں نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی تو نواب کی بھاری بھرکم آواز آئی۔

"چلے آؤ شمروز۔" تو میں اندر داخل ہو گیا۔حیرت انگیز طور پر اس وقت نواب اس کمرے میں تنہا تھا اور بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

میں نے اندر آکر کمرے کا دروازہ بند کردیا اور خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔میں اس کے بولنے کا منتظر تھا لیکن وہ دونوں ہاتھ پشت پر باندھے گہری سوچ میں ڈوبا ٹہلے جا رہا تھا۔میں سمجھ گیا کہ معاملہ گمبھیر ہے نواب کی پیشانی کی شکنیں اس کی پریشانی کو ظاہر کر رہی تھیں۔

دو چار چکر مزید کاٹنے کے بعد وہ رکا اور رک کر میری جانب دیکھنے لگا۔مجھے لگا جیسے وہ یہ سوچ رہا ہے کہ وہ مجھ سے بات کرے یا نہ کرے یا مجھ سے اپنی بات شیئر کرنے کے قائدے اور نقصانات پر غور کر رہا ہے بالآخر مجھ سے برداشت نہ ہوا تو میں بول اٹھا۔

"آپ بلا جھجک مجھ سے ہر بات شیئر کرسکتے ہیں نواب صاحب! آپ ہر معاملے میں مجھے اپنا وفادار پائیں گے۔" میں نے کہا تو وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔"آؤ بیٹھو۔"

وہ کمرے میں موجود بڑے والے سوفے پر بیٹھ گیا اور میرا ہاتھ تھام کر مجھے اپنے نزدیک بٹھا لیا اور بولا۔

"میں اپنی ذاتی زندگی کی باتیں کسی سے شیئر نہیں کرتا لیکن آج ایک مشکل آن پڑی ہے میں بہت مجبور ہو کر تمہیں یہ بات بتا رہا ہوں۔ تمہیں ایک عورت کا کام کرنا ہے۔" اس نے بغور میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"کون ہے وہ؟" میں نے بے پروا لہجے میں پوچھا۔

"اس کا نام غزالہ ہے اور وہ میری بیوی ہے۔" نواب نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آپ کی بیوی...!" میں نے حیرت سے کہا پھر سنبھل کر پوچھا۔"یہ کہاں ہوتی ہیں؟"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"یہ کراچی کی ایک مضافاتی بستی ملیر کھوکھراپار میں رہتی ہے' کافی عرصہ ہوا یہ غائب ہوگئی تھی میں سمجھا کہ یہ مر کھپ گئی لیکن مجھے اب اس کے بارے میں پتا چلا ہے کہ یہ زندہ ہے اور کچھ میرے مخالف لوگ اسے میرے خلاف استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔اسے میڈیا کے سامنے لانا چاہتے ہیں۔اگر یہ لوگوں کے سامنے آگئی اور اس نے اپنی زبان کھول دی تو یہ میرے لیے بہت برا ہوگا۔میری برسوں کی کمائی ہوئی نیک نامی اور عزت خاک میں مل جائے گی میرے لاکھوں مرید ہیں جو مجھ سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں مجھ سے بد ظن ہوجائیں گے" بات کرتے کرتے نواب کی سانسیں تیز تیز چلنے لگیں اور اسے پسینہ آنے لگا۔

"ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں اگر آپ برا نہ مانیں نواب صاحب!" میں نے کہا تو وہ سوالیہ نگاہوں سے میری جانب دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلانے لگا۔

"آپ کی جانب سے ایسی کیا بات ہوئی جو آپ کو اپنی بیوی سے اس طرح کا خطرہ ہے۔"

میرا سوال سن کر وہ پریشان ہو گیا۔اپنی پیشانی اپنے ہاتھوں سے رگڑنے لگا۔ پھر اس نے نگاہیں اٹھائیں اور میری جانب گھورتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”کیا واقعی میں تم پر اعتماد کرلوں۔“

تو میں نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ آہستہ سے ہاں میں سر کو جنبش دی تو وہ پھر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور ایک بار پھر ہاتھ باندھ کر ٹہلنے لگا اور ٹہلتے ہوئے وہ مجھے اپنی کہانی سنانے لگا۔میں بنا ٹوکے اس کی کہانی سنتا رہا اور دل میں سوچا کہ تمہارے جیسے نام نہاد عزت کے دعوے داروں کی یہ کہانیاں تو عام ہیں۔تم لوگ جن کا اندر اور باہر مختلف روپ لیے ہوتا ہے دوسروں کو حقیر چیونٹیوں کی مانند سمجھتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اگر یہ حقیر چیونٹی ہاتھی کی سونڈ میں گھس جائے اور اسے کاٹ لے تو اسے موت کی نیند سلا سکتی ہے۔

”آپ بے فکر ہوجائیں نواب صاحب آپ کا کام ہوجائے گا۔“ میں نے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”ایک بات یاد رکھنا شمروز اگر یہاں ہونے والی ایک بھی بات کسی اور کان نے بھی سنی تو میں بھول جاؤں گا کہ تم میری گڈ بک میں تھے اگر میں تم سے کسی کو مروا سکتا ہوں تو تمہیں بھی کسی دوسرے سے مروا سکتا ہوں۔“ مجھے اپنے پیچھے نواب کی مکروہ آواز سنائی دی۔

”آپ نے مجھ سے کچھ بھی نہیں کہا نواب صاحب میرے کانوں نے کچھ بھی نہیں سنا۔“میں نے ایک گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”گڈ۔“ اس نے اپنی عقابی نگاہوں کی برچھیاں میرے اندر اتارتے ہوئے کہا پھر بولا۔”تم اپنی مہم پر کب روانہ ہو رہے ہو۔“

”جب آپ کا حکم ہو۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔

”جتنی جلدی ہو' مجھے یہ خوش خبری سنا دینا کل یا پرسوں تک۔بس اس سے آگے نہیں۔“ اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

”اوکے اینڈ گڈ نائٹ۔“ میں نے کہا اور دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل آیا۔

اپنے کمرے میں آکر میں بستر پر لیٹ کر نواب کی سنائی ہوئی کہانی پر غور کرنے لگا اور میں نے ایک اہم فیصلہ کرلیا میں سوچ رہا تھا کہ آج رات ہی اس مہم پر نکل جاتا ہوں۔

رات کے ایک بجے تک میں ٹی وی پر مختلف چینل گھما گھما کر دیکھتا رہا۔ جہاں میرا مطلوبہ سین نظر آتا تو تھوڑی دیر کے لیے رک جاتا پھر آگے بڑھ جاتا۔

پھر میں نے اپنی مکمل تیاری کی اور ملیر جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں طویل راہ داری طے کر کے کار پورچ کی جانب جا رہا تھا تب میں نے نواب کو ایک اجنبی شخص کے ہمراہ تیزی سے باہر کی جانب جاتے ہوئے دیکھا میں تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹ گیا اور خود کو ایک پلر کی آڑ میں چھپا لیا۔

نواب اور وہ شخص جس کے کندھے پر کلاشنکوف لٹکی ہوئی تھی بہت تیزی سے جا رہے تھے میں انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہوئے تو میں پلر کی آڑ سے نکل آیا اور تیزی سے ان کے پیچھے لپکا پھر مجھے گاڑی اسٹارٹ ہونے اور بھاری خود کار گیٹ کھلنے کی آواز آئی میں سمجھ گیا کہ

اس وقت نواب کہیں باہر گیا ہے لیکن کہاں؟ اس کا جواب میرے پاس نہیں تھا اور میں کسی سے پوچھ بھی نہیں سکتا تھا پھر مجھے راکھی کا خیال آیا میں تیزی سے چلتا ہوا اپنے روم میں واپس آگیا۔ساری کوٹھی میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔مجھے باہر جاتے اور آتے ہوئے کسی نے بھی نہیں دیکھا۔اپنے روم میں آکر میں نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور راکھی کا نمبر ملایا لیکن گھنٹیاں بج بج کر رابطہ منقطع ہوگیا لیکن راکھی نے فون ریسیو نہیں کیا۔میں نے دوبارہ فون ملایا دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔میں جھنجلا کر رہ گیا۔پانچ منٹ کے وقفے کے بعد میں فون ملانے ہی والا تھا کہ راکھی کی کال میرے فون پر آگئی میں نے فون فوراً ہی ریسیو کرلیا اور چھوٹتے ہی کہا۔

”فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں؟“

”کیا بات ہے؟“ اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

”تم اس وقت میرے پاس آسکتی ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”کس لیے؟“ اس نے توقف کے بعد پوچھا۔

”آؤ گی تو بتاؤں گا۔“ میں نے کہا۔

"مشکل ہے، لیکن کوشش کروں گی۔ تمہیں انتظار کرنا ہو گیا۔ لیکن کچھ بتاؤ تو سہی کہ کیوں بلا رہے ہو؟" اس نے کہا۔

"تمہاری یاد آ رہی ہے جانم! یہ رات تنہا کس طرح گزاروں۔" میں نے ندیدے عاشقوں کی طرح کہا۔

"سچ کہہ رہے ہو۔" اس نے چہک کر کہا۔

"تمہاری قسم جان شمروز۔" میں نے بہکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پھر تو میں جان ہتھیلی پر رکھ کر بھی آسکتی ہوں۔ دراصل ایک گڑ بڑ ہو گئی ہے یہاں سب لوگ جاگ رہے ہیں۔ میں نے اپنا موبائل سائلنٹ پر کیا ہوا تھا۔ اب واش روم میں آکر تم سے بات کر رہی ہوں۔" راکھی نے کہا۔

"کیسی گڑ بڑ۔" میں نے چونک کر پوچھا۔

"آؤں گی تو بتاؤں گی۔" اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

میں سوچنے لگا کہ ایسی کون سی گڑ بڑ ہو گئی ہے کہ نواب کو ایمرجنسی میں اس طرح تنہا کہیں جانا پڑا ہے۔ اب مجھے بے صبری سے راکھی کا انتظار تھا۔ اسے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

یقیناً معلوم ہو گا۔ میں نے تو اسے بے وقوف بنانے کے لیے اتنی لفاظی کی تھی ورنہ اس کے ڈھلکتے ہوئے شباب میں میرے لیے کوئی کشش نہیں تھی۔

تقریباً پینتالیس منٹ کے طویل صبر آزما انتظار کے بعد راکھی دبے پاؤں میرے کمرے میں داخل ہوئی اور آتے ہی کسی بھوتنی کی طرح مجھ سے چمٹ گئی۔ اس نے جب تک اپنی پیاس اور بھوک نہیں مٹالی کوئی اور بات نہیں کی لازماً مجھے بھی جھوٹی وارفتگی کا مظاہرہ کرنا پڑا۔

مجھ سے الگ ہوئی تو وہ بہت خوش تھی اس کا انگ انگ چہک رہا تھا۔ وہ مسرور انداز میں آنکھیں بند کیے بستر پر چت لیٹی تھی میں نے چادر اٹھا کر اس کے اوپر ڈالی اور سگریٹ سلگالی۔

"تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے شمروز کہ تم کیا چیز ہو۔" اس نے ایک پر کیف سانس اپنے اندر کھینچتے ہوئے کہا۔

"اور تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔ تم نے تو مجھے زندگی کے ان لطیف رازوں سے آشنا کیا ہے جن سے اب تک میں ناواقف تھا۔" میں نے سگریٹ کا ایک طویل کش لے کر سارا دھواں اس کے منہ پر چھوڑتے ہوئے کہا۔

"یور آر مائی سوئٹ ہارٹ۔" اس نے اچک کر اپنے دونوں ہاتھ میری گردن میں ڈالے اور میرا ایک طویل بوسہ لے ڈالا۔

مجھے اب راکھی کی ان حرکتوں سے بے زاری سی ہونے لگی تھی لیکن اپنی یہ بے زاری میں اس پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا۔اس لیے جواباً میں نے بھی بھرپور جواب دیا۔پھر کہنی کے بل تکیے پر ٹیک لگا کر اس سے پوچھا۔

"ہاں اب بتاؤ کہ کیا گڑ بڑ ہو گئی ہے۔نواب اس وقت کہاں گیا ہے۔"

"اس کی حویلی سے فون آیا ہے کہ اس کی جوان بیٹی کا قتل ہو گیا ہے یا پھر اس نے خود کشی کر لی ہے میرے خیال میں قتل تو کون حویلی میں گھس کر کر سکتا ہے۔اس نے خودکشی ہی کی ہوگی۔" راکھی نے کہا۔

"تو کیا اس نے اپنی بیٹی کی شادی نہیں کی تھی؟" میں چونک کر اٹھ کر بیٹھ گیا اور پوچھا۔

"یہ لوگ بڑے کمینے ہوتے ہیں خود تو نہ جانے کتنی شادیاں کرتے ہیں۔ان حویلیوں میں ان کے حرم خانے بنے ہوتے ہیں۔میں نے تمہیں بتایا تھا کہ اس کی دو بیٹیاں ہیں لیکن ایسے لوگ اپنی بیٹیوں کی شادیاں نہیں کرتے۔میں

نے تو یہ بھی سنا ہے کہ یہ لوگ تمہاری مقدس کتاب قرآن کے ساتھ اپنی بیٹیوں کی شادیاں کردیتے ہیں۔پھر وہ زندگی بھر ان حویلیوں میں سڑتی رہتی ہیں یا پھر خودکشی کرلیتی ہیں۔" راکھی نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔

راکھی کی بات سے مجھے شہزادی کا خیال آگیا وہ بھی تو اپنے باپ کے ایسے ہی ظلم کا شکار ہوئی تھی اور کتنی آسانی کے ساتھ اس نے ایک غیر مرد کے ساتھ اپنی نا آسودہ خواہشات کو پورا کرلیا۔انجام چاہے جو بھی ہو' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بھانڈا پھوٹ جانے پر وہ ماری جائے یا پھر وہ اپنی جان خود ہی لے لے بہر حال مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔

پھر وہ مجھ سے پوچھنے لگی کہ نواب نے مجھے اپنے خاص کمرے میں کس لیے بلایا تھا میں نے کہا۔

"اگر وہ بات میں نے تمہیں بتادی تو نواب مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔اس نے صاف صاف مجھے دھمکی دی ہے۔"

"نواب کی بہت سی ایسی باتیں مجھے معلوم ہیں کہ جن کے بارے میں اس نے مجھے بھی دھمکی دی ہے کہ خاص طور پر تمہیں وہ باتیں نہیں بتانی۔" راکھی نے

اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔اور بیٹھتے ہی چادر اس کے اوپر سے گر گئی اور میری آنکھوں کے سامنے ایک بار پھر ہوش ربا منظر تھا لیکن اس وقت مجھے اس منظر میں کوئی دلچسپی نہیں تھی میرا ذہن راکھی کی بات میں اٹک کر رہ گیا تھا کہ ایسی کیا بات ہوسکتی ہے جو نواب نے بطور خاص مجھے بتانے سے منع کیا ہے اور بتا دینے کی صورت میں اسے موت کی دھمکی دی ہے۔

راکھی نے چادر کو نیچے گرا رہنے دیا وہ میری جانب سے کسی پیش قدمی کی منتظر تھی لیکن میرا ذہن اور نگاہیں کہیں اور تھیں۔

”ایسی کون سی بات ہے راکھی جو مجھے بتانے سے منع کیا ہے۔“ میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”اگر تمہیں اپنی جان پیاری ہے تو مجھے بھی اپنی جان پیاری ہے۔“ راکھی نے اک ادا سے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا۔

مجھے اپنی جان پیاری نہیں ہے بلکہ یہ تو تم پر نثار ہونے کے لیے ہے جانم تم نے ایسی بات کردی ہے تو سنو۔“ پھر میں نے راکھی کے سامنے اصل بات گول کر کے کوئی اور ہی کہانی سنا دی کہ راشد نامی ایک نوجوان ہے جو

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

جرنلسٹ ہے اس کے ہاتھ نواب کا کوئی راز لگ گیا ہے اور نواب یہ چاہتا ہے کہ میں اسے مار دوں۔اس نے مجھے منع کیا تھا کہ میں یہ بات کسی کو نہ بتاؤں اس لیے کہ بات جب تک اپنے تک رہتی ہے راز رہتی ہے جب کسی کے آگے بیان کردی جائے تو راز نہیں رہتی۔لیکن میں تمہیں خود سے جدا نہیں سمجھتا۔سر تا پا تمہارے عشق میں ڈوب چکا ہوں۔اس لیے میں نے تمہیں بتادی۔اب اگر تمہیں میری جان پیاری ہے تو تم اس بات کو اپنے تک رکھو گی۔“ میں نے معصوم سی صورت بنا کے کہا۔

”کیا تم سچ کہہ رہے ہو' شمروز کہ تم مجھے دل سے چاہنے لگے ہو۔“ اس نے غیر یقینی سے پوچھا۔

”اب تم ہی بتاؤ کہ میں تمہیں اپنی وفا کا یقین کس طرح سے دلاؤں۔“ میں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ چند لمحوں تک میری شکل تکتی رہی پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ بے تحاشا میرے سینے سے لگ کر رونے لگی۔

"کیا ہوا جانو میں نے ایسا کیا کہہ دیا۔ کیا تمہیں میرا اظہار عشق کرنا برا لگا ہے اگر ایسی بات ہے۔۔۔۔"

"نہیں۔" اس نے بے تابی سے مجھ سے الگ ہو کر میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور بولی۔

مجھے یقین نہیں آرہا تھا شمروز کہ کوئی مجھے چاہ بھی سکتا ہے مجھے اپنی محبت کے قابل بھی سمجھ سکتا ہے میں بھی نو عمری میں ایسے سپنے دیکھا کرتی تھی کسی کو چاہنے کے کسی کے خود کو چاہے جانے کے۔ لیکن اس کمینے نواب کی نظریں کیا مجھ پر پڑیں میری زندگی ہی تباہ ہوگئی گھر بار چھوٹا' اپنا دیس اپنے لوگ چھوٹے اور میں اس کی رکھیل بن کر رہ گئی اور اس کوٹھی میں ہمیشہ کے لیے دفن کردی گئی جب تک اس کا دل میری جوانی سے نہیں بھرا یہ مجھ سے دل بھر کر کھیلتا رہا اس نے میری اپنی نگاہوں میں مجھے بے وقعت کر کے رکھ دیا۔ اس نے میرے ساتھ وہ شرمناک کھیل کھیلے ہیں مجھے نہ جانے کون کون سے انجکشن لگواتا تھا کہ میں ایک ہوس زدہ بلی بن کر رہ گئی اور جب اس

نے مجھے چھوڑا تو میں اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے تڑپتی رہی پھر مجھے تم مل گئے۔

لیکن مجھے اس بات کا یقین نہیں تھا کہ تم مجھ سے محبت کرنے لگو گے میں بھگوان کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مرجاؤں گی لیکن تمہاری وفادار رہوں گی۔"

راکھی کی جذباتی تقریر ختم ہوئی تو میں مسکرانے لگا اور آہستگی سے اسے اپنی بانہوں میں لے کر اس کا ماتھا چوم لیا اور اٹھ کر اس کا لباس اس کے حوالے کردیا۔ اب میں چاہ رہا تھا کہ اس سے ہر بات پوچھنی نہ پڑے میری محبت کے جھانسے میں آکر ہر بات وہ مجھے خود ہی بتادے۔

لباس پہن کر راکھی میرے پاس سوفے پر آن بیٹھی اور میرے کندھے پر سر رکھتے ہوئے بولی۔ "شمروز میں تمہیں ایک بہت اہم بات بتانے والی ہوں۔ مگر ڈرتی ہوں کہ کہیں اس بات کو سن کر تم آپے سے باہر نہ ہوجاؤ' مجھ سے پہلے وعدہ کرو کہ جو بات میں تمہیں بتانے والی ہوں اسے سن کر تم اپنے آپ کو قابو میں رکھو گے اور کوئی جذباتی قدم نہیں اٹھاؤ گے۔"

راکھی کی بات سن کر نہ جانے کیوں میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا میں سوچ رہا تھا کہ ایسی کون سی بات ہے جس کو سن کر میں آپے سے باہر ہوجاؤں گا۔

”تم بتاؤ تو سہی میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھوں گا۔“ میں نے اپنے دھڑ دھڑ کرتے ہوئے دل کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

اور اس نے جو بات مجھے بتائی اسے سن کر میں نے ایک جھٹکے سے راکھی کو خود سے جدا کیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور مارے طیش اور غصے کے میرے جسم کا سارا خون میری کنپٹیوں میں آکر جمع ہو گیا۔میرا جبڑا اور مٹھیاں بھینچ گئیں اور آنکھیں سرخ انگارہ ہو گئیں۔

”پلیز ریلیکس شمروز میں نے تم سے وعدہ لیا ہے تم اپنے آپ کو قابو میں رکھو گے۔“ راکھی نے میرا ہاتھ تھام کر سہلاتے ہوئے کہا۔

وہ دیر تک مجھے تسلیاں دیتی رہی۔میں نے اٹھ کر اپنے اندر اٹھنے والے غیظ و غضب کے طوفان کو ٹھنڈا کرنے کے لیے پانی کا پورا جگ اپنے اندر انڈیل لیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ساری رات گزر گئی فجر کی اذانوں کی آوازیں آنے لگیں تو راکھی گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔

”شمروز میں چلتی ہوں صبح ہونے والی ہے۔مجھ سے وعدہ کرو کہ اپنے آپ کو قابو میں رکھو گے۔“

میں نے آہستہ سے سر ہلایا اور راکھی کے جانے کے بعد کمرے کا دروازہ لاک کرلیا۔میں کسی کٹی ہوئی شاخ کی مانند بستر پر گر پڑا۔میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا مجھے رہ رہ کر اپنے اوپر غصہ آرہا تھا۔اپنی بے وقوفی پر اپنی حماقت پر میں اپنے آپ کو برا بھلا کہہ رہا تھا گالیاں دے رہا تھا کوس رہا تھا۔

میں نے با آواز بلند اپنے آپ کو مخاطب کیا اور کہا۔”تو بہت بڑا الو کا پٹھا ہے ڈاکٹر شاہ زمان۔“ اور اپنے آپ کو گالی دے کر مجھے ایک سکون کا احساس ہوا۔

پھر میں پر سکون ہو کر بہت کچھ سوچنے لگا۔اور میں نے سوچ لیا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

...☆☆☆...

طلال انکل نے اپنے سارے ذرائع استعمال کر لیے لیکن اس عورت کے بارے میں مزید کوئی خبر نہیں ملی۔ میرا دل بار بار یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے شمسو بابا کے حوالے کرنے والی عورت وہی تھی

اس نے پولیس کو اپنے بارے میں یہی بتایا تھا کہ میں کسی کی ملازمہ ہوں اور بیماری کے باعث بے ہوش ہو گئی تھی۔ ایسا ہی ہوا ہو گا میری ماں نے کسی وجہ سے مجھے اپنی ملازمہ کے حوالے کر کے کہا ہو گا کہ اس کو کسی شریف آدمی کے حوالے کر دے یا کسی اور کے پاس بھیجا ہو گا۔ اگر میری ماں ہوتی تو وہ کم از کم یہی دیکھتی کہ وہ اپنی بیٹی کو کن ہاتھوں میں دے رہی ہے وہ تو میری امی کے دل میں اللہ نے نیکی ڈال دی ورنہ طوائف کے کوٹھے پر پہنچنے والی لڑکی طوائف ہی بنتی ہے اور میں زندگی بھر خود کو ایک طوائف زادی ہی تصور کرتی رہتی۔

میں نے اپنے دل سے اس خیال ہی کو ختم کر دیا کہ میں کبھی اپنے والدین کو تلاش کر سکوں گی۔ یہی بات میں نے شمسو بابا اور اماں حمیدہ کو بھی بتائی اور یہی بات حشام اور اس کے والدین کو بھی بتا دی۔

آنٹی نے مجھے پیار سے اپنے گلے لگاتے ہوئے کہا کہ انہوں نے تو پہلے دن سے ہی مجھے اپنی بیٹی مان لیا ہے اور میں نے مطمئن ہو کر ان کی بانہوں پر سر رکھتے ہوئے کہا۔ ”آپ کو میں نے اپنی امی کی جگہ دے دی ہے۔“

”سوچ لو۔ اپنے الفاظ کی لاج نبھانا ہو گی۔“ آنٹی نے مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

”پکا وعدہ‘ میں آپ کی پکی پکی بیٹی ہوں۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”خوش رہو۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے میری پیشانی چوم لی اور حشام شرارت سے یہ منظر دیکھتے ہوئے مسکراتا رہا۔

نیوز چینل پر جاب کرتے ہوئے مجھے دو ماہ بیت گئے مجھے اور حشام کو ایک ٹاک شو کا پروگرام دیا گیا۔ جس میں ہم ملکی اور غیر ملکی حالات اور سیاسی حالات پر گفتگو کرنے کے لیے مختلف جماعتوں کے سیاسی لیڈروں اور سماجی

رہنماؤں کو دعوت دیا کرتے تھے میرے علم میں پہلے سے ہی ہوتا تھا کہ میرے آئندہ پروگراموں میں کون کون سی شخصیات آنے والی ہیں۔ تو میں ان سے کرنے کے لیے سوالات پہلے سے ہی تیار کرلیا کرتی تھی۔ میرے سوالات بہت چبھتے ہوئے ہوتے تھے بعض اوقات تو بہت سے سیاسی لیڈر مجھے پہلے ہی خبردار کردیا کرتے تھے کہ محترمہ ہاتھ ذرا ہلکا ہی رکھیے گا اور میرا جواب انہیں یہ ہوتا تھا کہ ہاتھ ہلکا اور بھاری رکھنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ آپ لوگ وہ لوگ ہیں جنہیں ہمارے عوام نے اپنے ووٹوں کے ذریعے اسمبلیوں میں پہنچایا ہے تاکہ الیکشن سے پہلے اپنے جلسوں میں آپ لوگوں نے جو بڑی بڑی تقریریں کی ہیں اور ان تقریروں میں عوام کی فلاح و بہبود کے لیے اور ان کے بے تحاشا مسائل کو حل کرنے کے جو دعوے کیے ہیں وہ کہاں ہیں۔ آپ کے ہاتھ کس چیز نے باندھے ہیں آپ کو عوام کے سامنے ان کی جواب دہی تو کرنا پڑے گی۔

میرے شو کا نام "عدالت" تھا میرا اور حشام کا یہ شو دن بدن مقبولیت کے گراف پر اونچا خوب اونچا جا رہا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ایک دن مجھے پتا چلا کہ ایک بہت محترم سماجی رہنما ہیں نواب سطوت الاسلام جو گدی نشین بھی ہیں اور ان کے بہت سے مرید بھی ہیں جمعہ کی شب وہ ہمارے پروگرام میں تشریف لائیں گے۔ میں ان کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی تھی اس لیے انکل طلال سے گفتگو کے لیے اس کے گھر پہنچ گئی۔

انکل نے مجھے ان کے بارے میں کافی کچھ بتایا یہ بھی کہ شاداب پور میں ان کی آبائی حویلی ہے اور ان کے بارے میں یہ بھی سنا ہے کہ ان کی کئی بیویاں ہیں اولادوں میں صرف دو بیٹیاں ہیں۔ شاداب پور کی ساری زمینیں ان کی ملکیت ہیں۔ ان کی نگرانی میں بہت سے خیراتی ادارے چل رہے ہیں۔ خواتین کا ایک انڈسٹریل ہوم ہے جہاں بے سہارا خواتین کام بھی کرتی ہیں اور وہیں رہتی بھی ہیں۔ ایک اسکول بھی ہے جہاں بچوں کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔ سیاست میں بھی تھوڑی بہت دلچسپی دکھائی دیتی ہے۔ بلکہ ان کے لیے تو بہت سی سیاسی جماعتیں چاہتی ہیں کہ وہ ان کی جماعت میں شمولیت اختیار کرلیں لیکن وہ ایسا نہیں کرتے۔

ذاتی طور پر میں ان کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئی بہر حال سوالات تو مجھے ان سے بھی کرنے تھے وہ میں نے تیار کرلیے اور حشام کے ساتھ ان پر ڈسکس بھی کرلی۔

جمعہ کے دن آنٹی نے مجھ سے کہا کہ بیٹا شو ختم کرنے کے بعد حشام کے ساتھ گھر آجانا اور ڈنر ہمارے ساتھ کرنا میں نے تمہاری پسندیدہ کچے گوشت کی بریانی اور کباب بنائے ہیں۔میں نے وعدہ کرلیا کہ میں ضرور آؤں گی۔

جمعہ کے دن میں ٹی وی اسٹیشن جانے کے لیے گھر سے نکلنے لگی تو شمسو بابا مجھے کہیں دکھائی نہیں دیے۔میں نے اماں سے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ انہیں گزشتہ رات سے بخار آرہا ہے۔

”اماں آپ نے پہلے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ بابا کی طبیعت خراب ہے انہوں نے دوا بھی نہیں لی ہوگی۔میرے پاس تو ٹائم بھی نہیں ہے۔مجھے ٹی وی اسٹیشن پہنچنا ہے۔“

پھر میں بابا کے کمرے میں انہیں دیکھنے گئی تو وہ آنکھیں موندے لیٹے تھے۔اس لمحے مجھے وہ بہت کمزور دکھائی دیے جب سے میں اس شو میں مصروف

ہوئی تھی مجھے ٹائم ہی نہیں ملتا تھا کہ شمسو بابا اور اماں حمیدہ کے ساتھ وقت گزاروں۔دن رات کی مصروفیت تھی۔

مجھے اپنے اوپر غصہ آنے لگا کہ میں نے ان لوگوں کے ساتھ اتنی بے پروائی کیوں دکھائی۔میں نے فوری طور پر ڈاکٹر عزیز کو فون کر کے کہا کہ وہ اپنے کلینک سے فارغ ہو جائیں تو گھر آکر بابا کو دیکھ لیں۔میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔ورنہ میں انہیں خود آپ کے کلینک لے آتی ڈاکٹر عزیز مریض کی بات چھوڑ کر میرے پروگرام کی تعریف کرنے لگے۔کیونکہ اب میں کوئی عام لڑکی نہیں رہی تھی۔ٹی وی پر آتی تھی اور لوگ مجھے میرے پروگرام کی وجہ سے پہنچاننے لگے تھے۔

”سوری ڈاکٹر عزیز آپ سے پھر کبھی بات کروں گی فی الحال اگر آپ گھر آکر بابا کو دیکھ لیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔“ میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

”ضرور ضرور۔آپ بے فکر رہیں مس سرمئی میں حاضر ہوجاؤں گا۔“ ڈاکٹر عزیز نے کہا پھر فون بند کر کے میں نے اماں سے کہا۔

"اماں بابا کا اچھی طرح سے چیک اپ کروالیجیے گا۔اور ڈاکٹر جو دوائیں تجویز کریں وہ آپ فوراً منگوا لیجیے گا۔بعد میں، میں ڈاکٹر صاحب سے خود بات کرلوں گی۔"

"کیوں پریشان ہو رہی ہو بیٹی۔میرا تو بڑھاپا ہے اللہ کے پاس جانے کا وقت قریب ہے۔ڈاکٹر آکر کیا کر لے گا۔" بابا نے آنکھیں کھول کر نحیف سی آواز میں کہا تو میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور میں نے خفگی بھرے لہجے اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ نے اگر آئندہ ایسی بات کی تو میں آپ سے ناراض ہوجاؤں گی بات بھی نہیں کروں گی۔پھر آپ چاہے مجھے کتنا ہی منائیں میں نہیں بولوں گی۔"

"نہ میرا بچہ ایسے مت کہو، جو سچ ہے میں نے تو وہی کہا ہے۔" بابا نے اپنا کمزور سا ہاتھ اٹھا کر میرے سر پر رکھنے کی کوشش کی تو میں ان کے آگے جھک گئی اور اپنا سر ان کے قریب کردیا۔

"اچھا بابا میں جلدی آجاؤں گی حالانکہ آج حشام کی امی نے مجھے ڈنر پر بلایا ہے لیکن میں معذرت کرلوں گی پھر کبھی چلی جاؤں گی۔" میں نے رخصت کی اجازت کے بعد کہا۔

"ارے نہیں بیٹا تم وہاں ضرور جانا۔میرا کیا ہے ٹھیک ہوجاؤں گا۔تم نے خوامخواہ ڈاکٹر کو بھی گھر پر بلالیا۔" بابا نے کہا۔

"نہیں میں سیدھی گھر واپس آؤں گی۔اچھا اللہ حافظ۔اماں آپ بابا کا خیال رکھیے گا۔" یہ کہتی ہوئی میں تیزی سے باہر کی جانب بھاگی۔مجھے خاصی دیر ہوگئی تھی مجھے لگ رہا تھا کہ میں وقت پر نہیں پہنچ پاؤں گی ایک تو ہمارے شہر کا ٹریفک بھی اللہ توبہ ہے۔وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا راستے میں شدید ٹریفک جام تھا تمام گاڑیاں رکی ہوئی تھیں اور دور دور تک حد نگاہ گاڑیاں ہی گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔میں نے سوچا کہ آج تو مشکل ہی لگ رہا ہے کہ میں ٹائم پر ٹی وی اسٹیشن پہنچ جاؤں۔پروگرام شروع ہونے میں تھوڑا ہی وقت باقی تھا اور جن حالات میں، میں گھری ہوئی تھی اس سے نکلنے میں مجھے کم از کم ایک سے ڈیڑھ گھنٹہ چاہیے۔میں نے گاڑی بند کی اور اطمینان سے بیٹھ گئی

ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ کسی سیاسی جماعت کی جانب سے ریلی نکل رہی ہے۔میں نے یہ سوچ کر فون اٹھایا کہ میں حشام کو فون کر کے اس ساری سچویشن کے بارے میں بتا دیتی ہوں اور کہہ دیتی ہوں کہ آج کا پروگرام وہ تنہا ہی کرلے میں نہیں پہنچ پاؤں گی حالانکہ میں بھی گھر سے اس شو کے لیے نکلتی تھی تو یہ ساری سچویشن میرے ذہن میں ہوتی تھی اور میں وقت کا مارجن رکھ کر گھر سے نکلتی تھی۔لیکن آج بابا کی وجہ سے گھر پر ہی دیر ہوگئی۔دوسرے ٹریفک جام میں پھنس گئی۔میں نے فون ملانے کے لیے بیگ سے نکالا تھا کہ فون بجنے لگا میں نے اسکرین پر نمبر دیکھا تو حشام کا نام آرہا تھا۔میں نے آنسر کا بٹن پش کیا ہی تھا کہ وہ بول اٹھا۔

"کہاں رہ گئی سر مئی؟ سب خیریت تو ہے نا۔"

"کہاں خیریت ہے۔" پھر میں نے ساری سچویشن اسے بتادی تو وہ بولا۔

"شکر کرو کہ آج کا لائیو شو کینسل کردیا گیا ہے پرانا پروگرام ہی ریپیٹ کیا جائے گا۔"

"کیوں۔" میرے نہ آنے کی وجہ سے۔" میں نے خوش فہمی میں مبتلا ہو کر کہا۔

"کیا کہنے ہیں محترمہ کی خوش گمانی کے۔" اس نے حسب عادت ایک اونچا قہقہہ لگایا۔

"بکواس مت کرو اور صحیح بات بتاؤ۔" میں نے چڑ کر کہا۔

"ہمارے آج کے مہمان نواب سطوت الاسلام پروگرام میں نہیں آرہے اس لیے۔" وہ بولا تو میں مزید چڑ گئی۔

"یار ان جیسے لوگوں کو دوسرے کے وقت کی اہمیت کا احساس ہی نہیں ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔وہ ایک اچھے انسان ہیں اور وقت کے پابند بھی۔دراصل ان کی فیملی میں کوئی مسئلہ ہوگیا ہے شاید ان کی بیٹی کی ڈیتھ ہوگئی ہے اس لیے وہ فوری طور پر اپنی آبائی حویلی شاداب پور چلے گئے ہیں۔" حشام نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ' سو سیڈ۔" میں نے افسوس کا اظہار کیا۔"چلو پھر ٹھیک ہے جیسے ہی ٹریفک کھلتا ہے میں گھر واپس چلی جاؤں گی۔"

"کیوں بھائی تم گھر نہیں آ رہی۔امی تمہارا ڈنر پر انتظار کر رہی ہیں۔" حشام نے تیز لہجے میں کہا۔

"نہیں حشام، بابا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔اگر مجھے لائیو شو نہ کرنا ہوتا تو میں کبھی بھی آج باہر نہیں نکلتی۔میں نے ڈاکٹر عزیز کو فون تو کردیا تھا وہ آکر دیکھ گئے ہوں گے لیکن پھر بھی مجھے ان کے پاس رہنا چاہیے۔میں نے آج غور سے انہیں دیکھا ہے وہ خاصے کمزور ہوگئے ہیں اور میں بھی اس جاب کے بعد اتنی بزی رہنے لگی ہوں کہ ان دونوں کے پاس بیٹھنے کا ٹائم ہی نہیں ملتا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"اگر ایسی بات ہے تو میں تمہیں زبردستی آنے کے لیے نہیں کہوں گا۔چلو پھر کبھی سہی۔" حشام نے کہا۔

"اچھا حشام تم ریحان صاحب کو میرے بارے میں بتا دینا۔" میں نے اپنے شو کے ڈائریکٹر کا نام لیا۔

"میرے خیال میں تم انہیں خود ہی فون کر کے معذرت کرلو میرا کہنا مناسب نہیں ہوگا۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

حشام نے مشورہ دیا تو مجھے اس کا مشورہ بہتر لگا اور میں نے اسے اللہ حافظ کہہ کر ریحان صاحب کو فون کر کے آج نہ آنے کی معذرت کرلی۔انہوں نے بھی زیادہ کچھ نہیں کہا۔کیونکہ آج تو شو ہو ہی نہیں رہا تھا۔

ایک جانب سے اطمینان ہوا تو میں نے گھر فون کیا۔فون اماں نے اٹھایا تو میں نے ان سے بابا کی خیریت پوچھی تو انہوں نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر عزیز آئے تھے۔انہوں نے پورا چیک اپ کیا ہے انجکشن دیا ہے دوائیں بھی دی ہیں۔اب وہ سو رہے ہیں۔اور بخار بھی اتر رہا ہے۔ویسے ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔بخار ہے۔دو تین دن میں بالکل ٹھیک ہوجائیں گے۔" ساری تفصیل بتانے کے بعد اماں نے زور دیتے ہوئے کہا کہ میں حشام کے گھر ڈنر پر چلی جاؤں۔کیونکہ ابھی ابھی حشام کی امی کا فون آیا تھا اور وہ شمسو کی خیریت پوچھ رہی تھیں۔انہیں حشام نے فون کر کے بتایا تھا۔

"ٹھیک ہے اماں میں چلی جاؤں گی واپسی میں اگر دیر ہوگئی تو حشام مجھے ڈراپ کرنے آجائے گا۔" میں نے کہا۔

میں نے ایک بار پھر حشام کو فون کیا اور اسے بتادیا کہ میں گھر پر آرہی ہوں۔یہ سن کر حشام نے مسرت کا اظہار کیا اور بولا میں بھی یہاں سے نکل رہا ہوں۔تم بھی پہنچو۔

خدا خدا کر کے ٹریفک کھلا اور آگے کی گاڑیوں نے رینگنا شروع کیا۔وہ سفر جو عام حالات میں بیس سے پچیس منٹ کا تھا پورے دو گھنٹوں میں طے ہوا۔ اس دوران حشام کے مسلسل فون آتے رہے۔

رات کے دس بج چکے تھے آنٹی اور انکل حشام کے ساتھ میرے منتظر تھے ان لوگوں کا پیار اور خلوص دیکھ کر میں اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کروں وہ کم تھا۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو اس کے پیاروں سے محروم کردیتا ہے تو غیروں میں اس کی محبت ڈال دیتا ہے جو اپنوں سے بڑھ کر اسے پیار دیتے ہیں۔

جتنی دیر آنٹی نے ڈنر ٹیبل پر لگوایا اتنی دیر میں انکل اور حشام کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتی رہی۔ذکر جب نواب سطوت الاسلام کا نکلا تو انکل نے کہا۔

”ارے ہاں ان موصوف نواب صاحب کے بارے میں ایک بہت ہی اہم بات معلوم ہوئی ہے لیکن میرا تم دونوں کو ایک مشورہ ہے کہ جب تم ان کو اپنے شو میں بلاؤ تو اس بات کا قطعی تذکرہ مت کرنا۔یہ خالص ان کی ذات سے متعلق بات ہے۔“

”اچھا ایسی کون سی خاص بات ہے۔“ میرے اور حشام کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔تو انکل ہمارا تجسس دیکھ کر مسکرانے لگے اور خاموش رہے تو میں نے بے چینی سے کہا۔

”بھئی انکل اب بتا بھی دیں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ جو بات ہمیں بتائیں ہم اس کا ذکر ان کے آگے بلکہ کسی کے بھی آگے نہیں کریں گے۔“

”یہی بہتر ہوگا بیٹا کیونکہ کوئی بھی شخص جس نے معاشرے میں اتنی عزت بنائی ہو یوں میڈیا میں اپنی ذات پر کیچڑ کبھی بھی برداشت نہیں کرے گا۔ویسے بھی اس شخص کے تعلقات بہت اوپر تک ہیں۔“ انکل نے سنجیدگی سے کہا۔

”انکل۔“ میں نے پھر احتجاج کیا۔”اب بتا بھی دیں۔“

”سنا ہے جوانی کے دور میں موصوف کو ”شاہی محلوں“ میں آنے جانے کا بھی بہت شوق تھا۔اور ایک بہت نامی گرامی طوائف جس کے حسن کا چرچا بہت دور دور تھا سرمئی! آئی ایم سوری ٹو سے۔“ انکل رک کر میری جانب دیکھتے ہوئے بولے۔”وہ تمہاری ہم نام تھی۔اس کے بہت شیدائی تھے لیکن اس کا ناچ دیکھنے کے لیے وہ کبھی بھی اس کے کوٹھے پر نہیں گئے بلکہ اسے اپنے ہاں بلوایا کرتے تھے۔ایسے شوق پورے کرنے کے لیے انہوں نے ایک علیحدہ بنگلہ لے رکھا تھا۔

انکل بول رہے تھے اور میں آنکھیں پھاڑے سن رہی تھی۔نواب سطوت الاسلام کا نام میرے دماغ میں ہتھوڑے برسا رہا تھا۔مجھے خیال آیا کہ امی نے اپنی ڈائری میں لکھا تھا کہ ایک زمیندار نے ان کے نام بہت سی زمینیں اور باغات کیے تھے لیکن شادی سے انکار کردیا تھا۔وہ شادی کے بغیر امی کو زندگی بھر اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے لیکن امی نے انکار کردیا یقیناً یہ وہی شخص ہے۔

میری اس وقت کیفیت یہ تھی کہ آنکھیں اور منہ کھلا ہوا تھا اور میں ایک ٹک انکل کی جانب دیکھتے ہوئے امی کی ڈائری میں لکھے ہوئے الفاظ میں کھوئی ہوئی تھی۔وہ تو بہت اچھا ہوا جو میں نے مجھے اپنی جان پیاری نہیں ہے بلکہ یہ تو تم پر نثار ہونے کے لیے ہے جانم تم نے ایسی بات کردی ہے تو سنو۔“ پھر میں نے راکھی کے سامنے اصل بات گول کر کے کوئی اور ہی کہانی سنا دی کہ راشد نامی ایک نوجوان ہے جو جرنلسٹ ہے اس کے ہاتھ نواب کا کوئی راز لگ گیا ہے اور نواب یہ چاہتا ہے کہ میں اسے مار دوں۔اس نے مجھے منع کیا تھا کہ میں یہ بات کسی کو نہ بتاؤں اس لیے کہ بات جب تک اپنے تک رہتی ہے راز رہتی ہے جب کسی کے آگے بیان کردی جائے تو راز نہیں رہتی۔لیکن میں تمہیں خود سے جدا نہیں سمجھتا۔سر تا پا تمہارے عشق میں ڈوب چکا ہوں۔اس لیے میں نے تمہیں بتادی۔اب اگر تمہیں میری جان پیاری ہے تو تم اس بات کو اپنے تک رکھو گی۔“ میں نے معصوم سی صورت بنا کے کہا۔

”کیا تم سچ کہہ رہے ہو‘ شمروز کہ تم مجھے دل سے چاہنے لگے ہو۔“ اس نے غیر یقینی سے پوچھا۔

”اب تم ہی بتاؤ کہ میں تمہیں اپنی وفا کا یقین کس طرح سے دلاؤں۔“ میں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ چند لمحوں تک میری شکل تکتی رہی پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ بے تحاشا میرے سینے سے لگ کر رونے لگی۔

”کیا ہوا جانو میں نے ایسا کیا کہہ دیا۔ کیا تمہیں میرا اظہار عشق کرنا برا لگا ہے اگر ایسی بات ہے....۔“

”نہیں۔“ اس نے بے تابی سے مجھ سے الگ ہو کر میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور بولی۔

مجھے یقین نہیں آرہا تھا شمروز کہ کوئی مجھے چاہ بھی سکتا ہے مجھے اپنی محبت کے قابل بھی سمجھ سکتا ہے میں بھی نو عمری میں ایسے سپنے دیکھا کرتی تھی کسی کو چاہنے کے کسی کے خود کو چاہے جانے کے۔ لیکن اس کمینے نواب کی نظریں کیا مجھ پر پڑیں میری زندگی ہی تباہ ہوگئی گھر بار چھوٹا' اپنا دیس اپنے لوگ چھوٹے اور میں اس کی رکھیل بن کر رہ گئی اور اس کوٹھی میں ہمیشہ کے لیے دفن کردی گئی جب تک اس کا دل میری جوانی سے نہیں بھرا یہ مجھ سے دل

بھر کر کھیلتا رہا اس نے میری اپنی نگاہوں میں مجھے بے وقعت کر کے رکھ دیا۔ اس نے میرے ساتھ وہ شرمناک کھیل کھیلے ہیں مجھے نہ جانے کون کون سے انجکشن لگواتا تھا کہ میں ایک ہوس زدہ بلی بن کر رہ گئی اور جب اس نے مجھے چھوڑا تو میں اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے تڑپتی رہی پھر مجھے تم مل گئے۔

لیکن مجھے اس بات کا یقین نہیں تھا کہ تم مجھ سے محبت کرنے لگو گے میں بھگوان کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مرجاؤں گی لیکن تمہاری وفادار رہوں گی۔“

راکھی کی جذباتی تقریر ختم ہوئی تو میں مسکرانے لگا اور آہستگی سے اسے اپنی بانہوں میں لے کر اس کا ماتھا چوم لیا اور اٹھ کر اس کا لباس اس کے حوالے کردیا۔ اب میں چاہ رہا تھا کہ اس سے ہر بات پوچھنی نہ پڑے میری محبت کے جھانسے میں آکر ہر بات وہ مجھے خود ہی بتادے۔

لباس پہن کر راکھی میرے پاس سوفے پر آن بیٹھی اور میرے کندھے پر سر رکھتے ہوئے بولی۔ ”شمروز میں تمہیں ایک بہت اہم بات بتانے والی ہوں۔ مگر ڈرتی ہوں کہ کہیں اس بات کو سن کر تم آپے سے باہر نہ ہوجاؤ' مجھ سے

پہلے وعدہ کرو کہ جو بات میں تمہیں بتانے والی ہوں اسے سن کر تم اپنے آپ کو قابو میں رکھو گے اور کوئی جذباتی قدم نہیں اٹھاؤ گے۔"

راکھی کی بات سن کر نہ جانے کیوں میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا میں سوچ رہا تھا کہ ایسی کون سی بات ہے جس کو سن کر میں آپے سے باہر ہوجاؤں گا۔

"تم بتاؤ تو سہی میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھوں گا۔" میں نے اپنے دھڑ دھڑ کرتے ہوئے دل کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

اور اس نے جو بات مجھے بتائی اسے سن کر میں نے ایک جھٹکے سے راکھی کو خود سے جدا کیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور مارے طیش اور غصے کے میرے جسم کا سارا خون میری کنپٹیوں میں آکر جمع ہو گیا۔میرا جبڑا اور مٹھیاں بھینچ گئیں اور آنکھیں سرخ انگارہ ہو گئیں۔

"پلیز ریلیکس شمروز میں نے تم سے وعدہ لیا ہے تم اپنے آپ کو قابو میں رکھو گے۔" راکھی نے میرا ہاتھ تھام کر سہلاتے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

وہ دیر تک مجھے تسلیاں دیتی رہی۔میں نے اٹھ کر اپنے اندر اٹھنے والے غیظ و غضب کے طوفان کو ٹھنڈا کرنے کے لیے پانی کا پورا جگ اپنے اندر انڈیل لیا۔

ساری رات گزر گئی فجر کی اذانوں کی آوازیں آنے لگیں تو راکھی گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔

"شمروز میں چلتی ہوں صبح ہونے والی ہے۔مجھ سے وعدہ کرو کہ اپنے آپ کو قابو میں رکھو گے۔"

میں نے آہستہ سے سر ہلایا اور راکھی کے جانے کے بعد کمرے کا دروازہ لاک کرلیا۔میں کسی کٹی ہوئی شاخ کی مانند بستر پر گر پڑا۔میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا مجھے رہ رہ کر اپنے اوپر غصہ آرہا تھا۔اپنی بے وقوفی پر اپنی حماقت پر میں اپنے آپ کو برا بھلا کہہ رہا تھا گالیاں دے رہا تھا کوس رہا تھا۔

میں نے با آواز بلند اپنے آپ کو مخاطب کیا اور کہا۔"تو بہت بڑا الو کا پٹھا ہے ڈاکٹر شاہ زمان۔" اور اپنے آپ کو گالی دے کر مجھے ایک سکون کا احساس ہوا۔

پھر میں پر سکون ہو کر بہت کچھ سوچنے لگا۔اور میں نے سوچ لیا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

...☆☆☆...

طلال انکل نے اپنے سارے ذرائع استعمال کر لیے لیکن اس عورت کے بارے میں مزید کوئی خبر نہیں ملی۔میرا دل بار بار یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے شمسو بابا کے حوالے کرنے والی عورت وہی تھی

اس نے پولیس کو اپنے بارے میں یہی بتایا تھا کہ میں کسی کی ملازمہ ہوں اور بیماری کے باعث بے ہوش ہو گئی تھی۔ایسا ہی ہوا ہو گا میری ماں نے کسی وجہ سے مجھے اپنی ملازمہ کے حوالے کر کے کہا ہو گا کہ اس کو کسی شریف آدمی کے حوالے کردے یا کسی اور کے پاس بھیجا ہو گا۔اگر میری ماں ہوتی تو وہ کم از کم یہی دیکھتی کہ وہ اپنی بیٹی کو کن ہاتھوں میں دے رہی ہے وہ تو

میری امی کے دل میں اللہ نے نیکی ڈال دی ورنہ طوائف کے کوٹھے پر پہنچنے والی لڑکی طوائف ہی بنتی ہے اور میں زندگی بھر خود کو ایک طوائف زادی ہی تصور کرتی رہتی۔

میں نے اپنے دل سے اس خیال ہی کو ختم کردیا کہ میں کبھی اپنے والدین کو تلاش کرسکوں گی۔یہی بات میں نے شمسو بابا اور اماں حمیدہ کو بھی بتائی اور یہی بات حشام اور اس کے والدین کو بھی بتادی۔

آنٹی نے مجھے پیار سے اپنے گلے لگاتے ہوئے کہا کہ انہوں نے تو پہلے دن سے ہی مجھے اپنی بیٹی مان لیا ہے اور میں نے مطمئن ہو کر ان کی بانہوں پر سر رکھتے ہوئے کہا۔"آپ کو میں نے اپنی امی کی جگہ دے دی ہے۔"

"سوچ لو۔اپنے الفاظ کی لاج نبھانا ہوگی۔" آنٹی نے مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"پکا وعدہ' میں آپ کی پکی پکی بیٹی ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"خوش رہو۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے میری پیشانی چوم لی اور حشام شرارت سے یہ منظر دیکھتے ہوئے مسکراتا رہا۔

نیوز چینل پر جاب کرتے ہوئے مجھے دو ماہ بیت گئے مجھے اور حشام کو ایک ٹاک شو کا پروگرام دیا گیا۔جس میں ہم ملکی اور غیر ملکی حالات اور سیاسی حالات پر گفتگو کرنے کے لیے مختلف جماعتوں کے سیاسی لیڈروں اور سماجی رہنماؤں کو دعوت دیا کرتے تھے میرے علم میں پہلے سے ہی ہوتا تھا کہ میرے آئندہ پروگراموں میں کون کون سی شخصیات آنے والی ہیں۔تو میں ان سے کرنے کے لیے سوالات پہلے سے ہی تیار کرلیا کرتی تھی۔میرے سوالات بہت چبھتے ہوئے ہوتے تھے بعض اوقات تو بہت سے سیاسی لیڈر مجھے پہلے ہی خبردار کردیا کرتے تھے کہ محترمہ ہاتھ ذرا ہلکا ہی رکھیے گا اور میرا جواب انہیں یہ ہوتا تھا کہ ہاتھ ہلکا اور بھاری رکھنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ آپ لوگ وہ لوگ ہیں جنہیں ہمارے عوام نے اپنے ووٹوں کے ذریعے اسمبلیوں میں پہنچایا ہے تاکہ الیکشن سے پہلے اپنے جلسوں میں آپ لوگوں نے جو بڑی بڑی تقریریں کی ہیں اور ان تقریروں میں عوام کی فلاح و بہبود کے لیے اور ان کے بے تحاشا مسائل کو حل کرنے کے جو دعوے کیے ہیں وہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کہاں ہیں۔آپ کے ہاتھ کس چیز نے باندھے ہیں آپ کو عوام کے سامنے ان کی جواب دہی تو کرنا پڑے گی۔

میرے شو کا نام "عدالت" تھا میرا اور حشام کا یہ شو دن بدن مقبولیت کے گراف پر اونچا خوب اونچا جا رہا تھا۔

ایک دن مجھے پتا چلا کہ ایک بہت محترم سماجی رہنما ہیں نواب سطوت الاسلام جو گدی نشین بھی ہیں اور ان کے بہت سے مرید بھی ہیں جمعہ کی شب وہ ہمارے پروگرام میں تشریف لائیں گے۔میں ان کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی تھی اس لیے انکل طلال سے گفتگو کے لیے اس کے گھر پہنچ گئی۔

انکل نے مجھے ان کے بارے میں کافی کچھ بتایا یہ بھی کہ شاداب پور میں ان کی آبائی حویلی ہے اور ان کے بارے میں یہ بھی سنا ہے کہ ان کی کئی بیویاں ہیں اولادوں میں صرف دو بیٹیاں ہیں۔شاداب پور کی ساری زمینیں ان کی ملکیت ہیں۔ان کی نگرانی میں بہت سے خیراتی ادارے چل رہے ہیں۔خواتین کا ایک انڈسٹریل ہوم ہے جہاں بے سہارا خواتین کام بھی کرتی ہیں اور وہیں رہتی بھی ہیں۔ایک اسکول بھی ہے جہاں بچوں کو مفت تعلیم دی جاتی ہے۔سیاست

میں بھی تھوڑی بہت دلچسپی دکھائی دیتی ہے۔بلکہ ان کے لیے تو بہت سی سیاسی جماعتیں چاہتی ہیں کہ وہ ان کی جماعت میں شمولیت اختیار کرلیں لیکن وہ ایسا نہیں کرتے۔

ذاتی طور پر میں ان کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئی بہر حال سوالات تو مجھے ان سے بھی کرنے تھے وہ میں نے تیار کرلیے اور حشام کے ساتھ ان پر ڈسکس بھی کرلی۔

جمعہ کے دن آنٹی نے مجھ سے کہا کہ بیٹا شو ختم کرنے کے بعد حشام کے ساتھ گھر آجانا اور ڈنر ہمارے ساتھ کرنا میں نے تمہاری پسندیدہ کچے گوشت کی بریانی اور کباب بنائے ہیں۔میں نے وعدہ کرلیا کہ میں ضرور آؤں گی۔

جمعہ کے دن میں ٹی وی اسٹیشن جانے کے لیے گھر سے نکلنے لگی تو شمسو بابا مجھے کہیں دکھائی نہیں دیے۔میں نے اماں سے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ انہیں گزشتہ رات سے بخار آرہا ہے۔

”اماں آپ نے پہلے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ بابا کی طبیعت خراب ہے انہوں نے دوا بھی نہیں لی ہوگی۔میرے پاس تو ٹائم بھی نہیں ہے۔مجھے ٹی وی اسٹیشن پہنچنا ہے۔“

پھر میں بابا کے کمرے میں انہیں دیکھنے گئی تو وہ آنکھیں موندے لیٹے تھے۔اس لمحے مجھے وہ بہت کمزور دکھائی دیے جب سے میں اس شو میں مصروف ہوئی تھی مجھے ٹائم ہی نہیں ملتا تھا کہ شمسو بابا اور اماں حمیدہ کے ساتھ وقت گزاروں۔دن رات کی مصروفیت تھی۔

مجھے اپنے اوپر غصہ آنے لگا کہ میں نے ان لوگوں کے ساتھ اتنی بے پروائی کیوں دکھائی۔میں نے فوری طور پر ڈاکٹر عزیز کو فون کر کے کہا کہ وہ اپنے کلینک سے فارغ ہو جائیں تو گھر آکر

بابا کو دیکھ لیں۔میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔ورنہ میں انہیں خود آپ کے کلینک لے آتی ڈاکٹر عزیز مریض کی بات چھوڑ کر میرے پروگرام کی تعریف کرنے لگے۔کیونکہ اب میں کوئی عام لڑکی نہیں رہی تھی۔ٹی وی پر آتی تھی اور لوگ مجھے میرے پروگرام کی وجہ سے پہنچاننے لگے تھے۔

"سوری ڈاکٹر عزیز آپ سے پھر کبھی بات کروں گی فی الحال اگر آپ گھر آکر بابا کو دیکھ لیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔" میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"ضرور ضرور۔آپ بے فکر رہیں مس سرمئی میں حاضر ہوجاؤں گا۔" ڈاکٹر عزیز نے کہا پھر فون بند کر کے میں نے اماں سے کہا۔

"اماں بابا کا اچھی طرح سے چیک اپ کروایئے گا۔اور ڈاکٹر جو دوائیں تجویز کریں وہ آپ فوراً منگوا لیجیے گا۔بعد میں' میں ڈاکٹر صاحب سے خود بات کرلوں گی۔"

"کیوں پریشان ہو رہی ہو بیٹی۔میرا تو بڑھاپا ہے اللہ کے پاس جانے کا وقت قریب ہے۔ڈاکٹر آکر کیا کر لے گا۔" بابا نے آنکھیں کھول کر نحیف سی آواز میں کہا تو میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور میں نے خفگی بھرے لہجے اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ نے اگر آئندہ ایسی بات کی تو میں آپ سے ناراض ہوجاؤں گی بات بھی نہیں کروں گی۔پھر آپ چاہے مجھے کتنا ہی منائیں میں نہیں بولوں گی۔"

"نہ میرا بچہ ایسے مت کہو' جو سچ ہے میں نے تو وہی کہا ہے۔" بابا نے اپنا کمزور سا ہاتھ اٹھا کر میرے سر پر رکھنے کی کوشش کی تو میں ان کے آگے جھک گئی اور اپنا سر ان کے قریب کردیا۔

"اچھا بابا میں جلدی آجاؤں گی حالانکہ آج حشام کی امی نے مجھے ڈنر پر بلایا ہے لیکن میں معذرت کرلوں گی پھر کبھی چلی جاؤں گی۔" میں نے رخصت کی اجازت کے بعد کہا۔

"ارے نہیں بیٹا تم وہاں ضرور جانا۔میرا کیا ہے ٹھیک ہوجاؤں گا۔تم نے خوامخواہ ڈاکٹر کو بھی گھر پر بلالیا۔" بابا نے کہا۔

"نہیں میں سیدھی گھر واپس آؤں گی۔اچھا اللہ حافظ۔اماں آپ بابا کا خیال رکھیے گا۔" یہ کہتی ہوئی میں تیزی سے باہر کی جانب بھاگی۔مجھے خاصی دیر ہوگئی تھی مجھے لگ رہا تھا کہ میں وقت پر نہیں پہنچ پاؤں گی ایک تو ہمارے شہر کا ٹریفک بھی اللہ توبہ ہے۔وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا راستے میں شدید ٹریفک جام تھا تمام گاڑیاں رکی ہوئی تھیں اور دور دور تک حدنگاہ گاڑیاں ہی گاڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔میں نے سوچا کہ آج تو مشکل ہی لگ رہا ہے کہ میں

ٹائم پر ٹی وی اسٹیشن پہنچ جاؤں۔پروگرام شروع ہونے میں تھوڑا ہی وقت باقی تھا اور جن حالات میں، میں گھری ہوئی تھی اس سے نکلنے میں مجھے کم از کم ایک سے ڈیڑھ گھنٹہ چاہیے۔میں نے گاڑی بند کی اور اطمینان سے بیٹھ گئی ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ کسی سیاسی جماعت کی جانب سے ریلی نکل رہی ہے۔میں نے یہ سوچ کر فون اٹھایا کہ میں حشام کو فون کر کے اس ساری سچویشن کے بارے میں بتا دیتی ہوں اور کہہ دیتی ہوں کہ آج کا پروگرام وہ تنہا ہی کرلے میں نہیں پہنچ پاؤں گی حالانکہ میں بھی گھر سے اس شو کے لیے نکلتی تھی تو یہ ساری سچویشن میرے ذہن میں ہوتی تھی اور میں وقت کا مارجن رکھ کر گھر سے نکلتی تھی۔لیکن آج بابا کی وجہ سے گھر پر ہی دیر ہوگئی۔دوسرے ٹریفک جام میں پھنس گئی۔میں نے فون ملانے کے لیے بیگ سے نکالا تھا کہ فون بجنے لگا میں نے اسکرین پر نمبر دیکھا تو حشام کا نام آرہا تھا۔میں نے آنسر کا بٹن پش کیا ہی تھا کہ وہ بول اٹھا۔

"کہاں رہ گئی سرمئی؟ سب خیریت تو ہے نا۔"

"کہاں خیریت ہے۔" پھر میں نے ساری سچویشن اسے بتادی تو وہ بولا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"شکر کرو کہ آج کا لائیو شو کینسل کردیا گیا ہے پرانا پروگرام ہی ریپیٹ کیا جائے گا۔"

"کیوں۔" میرے نہ آنے کی وجہ سے۔" میں نے خوش فہمی میں مبتلا ہو کر کہا۔

"کیا کہنے ہیں محترمہ کی خوش گمانی کے۔" اس نے حسب عادت ایک اونچا قہقہہ لگایا۔

"بکواس مت کرو اور صحیح بات بتاؤ۔" میں نے چڑ کر کہا۔

"ہمارے آج کے مہمان نواب سطوت الاسلام پروگرام میں نہیں آرہے اس لیے۔" وہ بولا تو میں مزید چڑ گئی۔

"یار ان جیسے لوگوں کو دوسرے کے وقت کی اہمیت کا احساس ہی نہیں ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔وہ ایک اچھے انسان ہیں اور وقت کے پابند بھی۔دراصل ان کی فیملی میں کوئی مسئلہ ہوگیا ہے شاید ان کی بیٹی کی ڈیتھ ہوگئی ہے اس لیے وہ فوری طور پر اپنی آبائی حویلی شاداب پور چلے گئے ہیں۔" حشام نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ' سو سیڈ۔" میں نے افسوس کا اظہار کیا۔"چلو پھر ٹھیک ہے جیسے ہی ٹریفک کھلتا ہے میں گھر واپس چلی جاؤں گی۔"

"کیوں بھائی تم گھر نہیں آرہی۔امی تمہارا ڈنر پر انتظار کر رہی ہیں۔" حشام نے تیز لہجے میں کہا۔

"نہیں حشام' بابا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔اگر مجھے لائیو شو نہ کرنا ہوتا تو میں کبھی بھی آج باہر نہیں نکلتی۔میں نے ڈاکٹر عزیز کو فون تو کردیا تھا وہ آکر دیکھ گئے ہوں گے لیکن پھر بھی مجھے ان کے پاس رہنا چاہیے۔میں نے آج غور سے انہیں دیکھا ہے وہ خاصے کمزور ہوگئے ہیں اور میں بھی اس جاب کے بعد اتنی بزی رہنے لگی ہوں کہ ان دونوں کے پاس بیٹھنے کا ٹائم ہی نہیں ملتا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"اگر ایسی بات ہے تو میں تمہیں زبردستی آنے کے لیے نہیں کہوں گا۔چلو پھر کبھی سہی۔" حشام نے کہا۔

"اچھا حشام تم ریحان صاحب کو میرے بارے میں بتا دینا۔" میں نے اپنے شو کے ڈائریکٹر کا نام لیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"میرے خیال میں تم انہیں خود ہی فون کر کے معذرت کرلو میرا کہنا مناسب نہیں ہوگا۔"

حشام نے مشورہ دیا تو مجھے اس کا مشورہ بہتر لگا اور میں نے اسے اللہ حافظ کہہ کر ریحان صاحب کو فون کر کے آج نہ آنے کی معذرت کرلی۔انہوں نے بھی زیادہ کچھ نہیں کہا۔کیونکہ آج تو شو ہو ہی نہیں رہا تھا۔

ایک جانب سے اطمینان ہوا تو میں نے گھر فون کیا۔فون اماں نے اٹھایا تو میں نے ان سے بابا کی خیریت پوچھی تو انہوں نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر عزیز آئے تھے۔انہوں نے پورا چیک اپ کیا ہے انجکشن دیا ہے دوائیں بھی دی ہیں۔اب وہ سو رہے ہیں۔اور بخار بھی اتر رہا ہے۔ویسے ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔بخار ہے۔دو تین دن میں بالکل ٹھیک ہوجائیں گے۔" ساری تفصیل بتانے کے بعد اماں نے زور دیتے ہوئے کہا کہ میں حشام کے گھر ڈنر پر چلی جاؤں۔کیونکہ ابھی ابھی حشام کی امی کا فون آیا تھا اور وہ شمسو کی خیریت پوچھ رہی تھیں۔انہیں حشام نے فون کر کے بتایا تھا۔

"ٹھیک ہے اماں میں چلی جاؤں گی واپسی میں اگر دیر ہو گئی تو حشام مجھے ڈراپ کرنے آجائے گا۔" میں نے کہا۔

میں نے ایک بار پھر حشام کو فون کیا اور اسے بتادیا کہ میں گھر پر آ رہی ہوں۔یہ سن کر حشام نے مسرت کا اظہار کیا اور بولا میں بھی یہاں سے نکل رہا ہوں۔تم بھی پہنچو۔

خدا خدا کر کے ٹریفک کھلا اور آگے کی گاڑیوں نے رینگنا شروع کیا۔وہ سفر جو عام حالات میں بیس سے پچیس منٹ کا تھا پورے دو گھنٹوں میں طے ہوا۔اس دوران حشام کے مسلسل فون آتے رہے۔

رات کے دس بج چکے تھے آنٹی اور انکل حشام کے ساتھ میرے منتظر تھے ان لوگوں کا پیار اور خلوص دیکھ کر میں اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کروں وہ کم تھا۔کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو اس کے پیاروں سے محروم کردیتا ہے تو غیروں میں اس کی محبت ڈال دیتا ہے جو اپنوں سے بڑھ کر اسے پیار دیتے ہیں۔

جتنی دیر آنٹی نے ڈنر ٹیبل پر لگوایا اتنی دیر میں انکل اور حشام کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتی رہی۔ذکر جب نواب سطوت الاسلام کا نکلا تو انکل نے کہا۔

"ارے ہاں ان موصوف نواب صاحب کے بارے میں ایک بہت ہی اہم بات معلوم ہوئی ہے لیکن میرا تم دونوں کو ایک مشورہ ہے کہ جب تم ان کو اپنے شو میں بلاؤ تو اس بات کا قطعی تذکرہ مت کرنا۔یہ خالص ان کی ذات سے متعلق بات ہے۔"

"اچھا ایسی کون سی خاص بات ہے۔" میرے اور حشام کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔تو انکل ہمارا تجسس دیکھ کر مسکرانے لگے اور خاموش رہے تو میں نے بے چینی سے کہا۔

"بھئی انکل اب بتا بھی دیں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آپ جو بات ہمیں بتائیں ہم اس کا ذکر ان کے آگے بلکہ کسی کے بھی آگے نہیں کریں گے۔"

"یہی بہتر ہو گا بیٹا کیونکہ کوئی بھی شخص جس نے معاشرے میں اتنی عزت بنائی ہو یوں میڈیا میں اپنی ذات پر کیچڑ کبھی بھی برداشت نہیں کرے گا۔ویسے بھی اس شخص کے تعلقات بہت اوپر تک ہیں۔" انکل نے سنجیدگی سے کہا۔

"انکل۔" میں نے پھر احتجاج کیا۔"اب بتا بھی دیں۔"

"سنا ہے جوانی کے دور میں موصوف کو "شاہی محلوں" میں آنے جانے کا بھی بہت شوق تھا۔اور ایک بہت نامی گرامی طوائف جس کے حسن کا چرچا بہت دور دور تھا سرمئی! آئی ایم سوری ٹو سے۔" انکل رک کر میری جانب دیکھتے ہوئے بولے۔"وہ تمہاری ہم نام تھی۔اس کے بہت شیدائی تھے لیکن اس کا ناچ دیکھنے کے لیے وہ کبھی بھی اس کے کوٹھے پر نہیں گئے بلکہ اسے اپنے ہاں بلوایا کرتے تھے۔ایسے شوق پورے کرنے کے لیے انہوں نے ایک علیحدہ بنگلہ لے رکھا تھا۔

انکل بول رہے تھے اور میں آنکھیں پھاڑے سن رہی تھی۔نواب سطوت الاسلام کا نام میرے دماغ میں ہتھوڑے برسا رہا تھا۔مجھے خیال آیا کہ امی نے اپنی ڈائری میں لکھا تھا کہ ایک زمیندار نے ان کے نام بہت سی زمینیں اور باغات کیے تھے لیکن شادی سے انکار کردیا تھا۔وہ شادی کے بغیر امی کو زندگی بھر اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے لیکن امی نے انکار کردیا یقیناً یہ وہی شخص ہے۔

میری اس وقت کیفیت یہ تھی کہ آنکھیں اور منہ کھلا ہوا تھا اور میں ایک ٹک انکل کی جانب دیکھتے ہوئے امی کی ڈائری میں لکھے ہوئے الفاظ میں کھوئی ہوئی تھی۔وہ تو بہت اچھا ہوا جو میں نے

حشام کو امی کی اصلیت نہیں بتائی۔

"تمہیں کیا ہوا۔" حشام نے میری آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو میں جیسے ہوش میں آگئی۔میرا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا اور حلق بالکل خشک ہو گیا تھا اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ امی نے مجھے ان کا نام کیوں نہیں بتایا۔نام چھپانے کی خاص وجہ کیا ہو سکتی ہے۔

"کچھ نہیں' میں نے ایک پھیکی اور مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تم مجھے کچھ پریشان دکھائی دے رہی ہو آخر بات کیا ہے۔یہ نواب صاحب کی عیاشیوں کی داستان سن کر تمہیں کیوں پریشانی ہو رہی ہے۔" ہمیشہ سے بحث کرنے والا حشام پھر بحث کے انداز میں بولا۔

"ارے واہ' میں کیوں پریشان ہونے لگی۔وہ تو میرے ذہن میں ان کا امیج بہت اچھا بنا ہوا تھا۔انکل سے ایسی باتیں سنیں تو شاک سا لگا۔" میں نے اپنے سابقہ لہجے میں کہا۔

"نہیں میرے خیال میں کوئی اور وجہ ہے تم بتانا نہیں چاہ رہیں۔" حشام نے مجھے تنگ کرنے کا پورا پروگرام بنا لیا تھا۔تب ہی میری نجات بن کر آنٹی کمرے میں داخل ہوئیں اور انہوں نے حشام کا کان پکڑ کر ایک ہلکی سی چپت سزا کے طور پر لگائی کہ وہ مجھے کیوں پریشان کر رہا ہے اور ہمیں ڈنر کی ٹیبل پر انوائٹ کیا۔

میری ذہنی حالت بہت خراب ہو رہی تھی لیکن میں نے اپنے آپ کو حتی الامکان نارمل حالت میں رکھا اور جلدی جلدی کھانا کھا کر گھر جانے کی اجازت طلب کی۔بہانہ یہ بنایا کہ بابا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔حشام نے مجھے گھر تک چھوڑنے کی آفر کی لیکن میں نے کہا کہ ابھی تو سوا گیارہ ہی بجے ہیں۔زیادہ رات نہیں ہوئی ہے۔

انکل ڈنر کے بعد اپنی اسٹڈی میں چلے گئے اور میں آنٹی کا بہت سارا پیار سمیٹے گھر کی جانب جا رہی تھی۔میں نے سوچ لیا تھا کہ بابا کی طبیعت ٹھیک ہوجائے گی تو ان سے اس بارے میں بات ضرور کروں گی۔

میں ابھی تک شاہ فیصل کالونی کے اسی مکان میں رہ رہی تھی جو امی نے خریدا تھا حالانکہ حشام نے مجھ سے کہا بھی کہ تم شہر کے درمیان مکان یا فلیٹ لے لو تمہیں ٹی وی اسٹیشن آنے کے لیے کافی لمبا سفر کرنا پڑتا ہے۔جبکہ اس کا بنگلہ ہل پارک پر تھا لیکن مجھے اس گھر سے بہت پیار تھا۔یہاں میرا بچپن گزرا تھا۔اس کے در و دیوار سے امی کی خوشبو اور ان کے پیار کا لمس محسوس ہوتا تھا۔

میں اپنی سوچوں میں گم بہت تیز ڈرائیونگ کرتی ہوئی جا رہی تھی کہ اچانک شاہ فیصل کالونی کے پل پر میں نے پیچھے دیکھے بغیر ہی موڑ کاٹنے کی کوشش کی کہ اچانک پیچھے سے آنے والی تیز رفتار کار نے مجھے ہٹ کیا۔وہ تو فورا ہی اس ڈرائیور نے بریک لگا دیا ادھر میں نے بھی بریک لگایا لیکن اتنی

دیر میں میرا سر اسٹیئرنگ سے ٹکرا گیا اور میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔

پیچھے والی گاڑی سے کوئی شخص اتر کر تیزی سے میری گاڑی کے قریب آیا اور شیشہ بجاتے ہوئے بولا۔

”محترمہ آپ ٹھیک تو ہیں۔“ میں ہوش میں تھی چوٹ پتا نہیں کتنی آئی تھی بس سر میں زبردست درد محسوس ہو رہا تھا۔مجھے اس شخص پر بے انتہا غصہ آیا۔میں نے تیزی سے شیشہ نیچے کیا اور بھناتے ہوئے کہا۔

”کیا آپ اندھے ہیں جو اتنی بڑی کار دکھائی نہیں دی یا کہیں جانے کی بہت جلدی ہے جو راستے میں آنے والی ہر گاڑی کو ٹکریں مارتے ہوئے اپنے راستے سے اس طرح ہٹاتے ہوئے آگے چلے جائیں گے۔“

”آئی ایم رئیلی سوری۔غلطی میری بھی اور آپ کی بھی تھی ہم دونوں ہی جلدی میں تھے اس لیے نہ آپ نے پیچھے سے آنے والی گاڑی کا خیال کیا اور نہ ہی میں نے سائڈ سے آنے والی گاڑی کا خیال کیا۔آپ کے سر میں چوٹ لگی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ہے دیکھیں خون بہہ رہا ہے۔“ اس نے بہت مہذب لہجے میں معذرت کرنے کے بعد میرے سر کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

”رہنے دیں۔“ میں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

”کیا ہوا بیٹا کوئی زخمی تو نہیں ہوا؟“ مجھے ایک خاتون کی لرزتی ہوئی آواز سنائی دی۔تو میں نے آواز کی جانب نگاہ دوڑائی۔ہلکی روشنی میں ایک عمر رسیدہ عورت کی ہلکی سی شبیہہ دکھائی دی۔

وہ تیزی سے آگے بڑھیں اور کھڑکی کے اندر منہ کر کے بولیں۔”بیٹی تمہیں بہت چوٹ آئی ہے تمہاری پیشانی سے تو خون بہہ رہا ہے۔“ یہ کہہ کر انہوں نے بے ساختہ اپنا دوپٹا میری پیشانی سے لگا دیا۔

”ارے ماں جی آپ کیوں اتر کر آ گئیں۔آپ کا باہر آنا خطرے سے خالی نہیں ہے اگر کسی نے آپ کو دیکھ لیا تو۔“ اس لڑکے نے اس عورت سے تیز سرگوشی میں کہا۔

”دیکھ لے تو دیکھ لے زندگی موت تو اللہ کے اختیار میں ہے نا! جب تک میری زندگی ہے کوئی مجھے نہیں مار سکتا۔“ خاتون نے بے پروا لہجے میں کہا

اور اپنے دوپٹے سے میری پیشانی سے بہنے والا لہو صاف کرنے لگیں حالانکہ میں انہیں روک بھی رہی تھی مگر وہ رکی نہیں۔

"ایک دفعہ میں پھر آپ سے معذرت چاہتا ہوں محترمہ میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں۔ورنہ آپ کو اسپتال لے جاتا آپ کی ڈریسنگ کرواتا۔" اس نے کہا پھر خاتون کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولا۔"پلیز اماں چلیے ہمارا یہاں رکنا مناسب نہیں ہے۔"

میں ان دونوں کی بات سن کر چونک پڑی تھی۔ایک جرنلسٹ ہونے کی حیثیت سے میرے کان ہر وقت کھڑے رہتے تھے۔ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سے مجھے اندازہ ہوا کہ کہیں گڑ بڑ ہے شاید کوئی ان خاتون کی جان کے پیچھے پڑا ہے۔اس لیے انہیں آواز دی۔

"ایک منٹ مسٹر...!"

"جی فرمائیے۔" اس نے مڑ کر جواب دیا۔خاتون کا ہاتھ اب بھی اس نے مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔

"بات کیا ہے' کیا کوئی مسئلہ ہے' آپ کی باتوں سے مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ کچھ لوگ آپ یا شاید ان خاتون کے دشمن انہیں جان سے مارنا چاہتے ہیں۔اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے بتادیں ہوسکتا ہے میں آپ کے کچھ کام آسکوں۔ میں ایک جرنلسٹ ہوں اور نیوز چینل پر ٹاک شو کرتی ہوں۔شاید آپ نے کبھی میرا شو دیکھا ہو۔" میں نے ایکسیڈنٹ سے ہونے والی ساری تلخی کو بھلا کر کہا۔

"او' یس۔میں نے آپ کو ٹی وی پر دیکھا ہے۔آپ اس شو کی ہوسٹ ہیں۔' اس نے مجھے پہچان کر کہا۔"میں نے کبھی بھی آپ کا شو پورا نہیں دیکھا۔بس کبھی کبھی تھوڑا بہت دیکھا ہے۔"

"ہاں اب بتائیے مسئلہ کیا ہے۔یہ خاتون آپ کی کون ہیں اور کون ان کی جان کا دشمن بنا ہوا ہے۔" میں گاڑی سے اتر کر باہر نکل کر کھڑی ہوگئی۔پیشانی سے خون بہنا بند ہو گیا تھا۔

"کیا آپ واقعی ہماری مدد کرنا چاہتی ہیں۔" اچانک اس کی آنکھوں میں ایک انجانی سی چمک آگئی اور اس نے پر جوش لہجے میں پوچھا۔

"یس آف کورس۔" میں نے اعتماد سے کہا۔

"فی الحال آپ ہماری اتنی مدد کریں کہ ان خاتون کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے جائیں۔ ویسے بائی دا وے آپ کہاں رہتی ہیں۔" اس نے کہا۔

"ان کو میں اپنے گھر لے جاؤں۔" میرے لہجے میں حیرت تھی۔ "غالباً یہ آپ ان خاتون کی جان بچانے کی خاطر کہہ رہے ہیں۔" میں نے اپنے خیال کی وضاحت چاہی۔

"بالکل یہی بات ہے آپ انہیں رات بھر کے لیے اپنے گھر رکھ لیں۔ صبح میں آکر آپ کو ساری بات بتادوں گا۔ آپ کے گھر بہ نسبت میرے گھر کے ان کی جان محفوظ رہے گی۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے بلا سوچے سمجھے کہہ دیا اور انہیں اپنے ساتھ گاڑی میں بیٹھنے کے لیے کہہ دیا۔ وہ خاتون تھوڑی جھجک رہی تھیں۔ تب اس نے خاتون سے کہا۔

"اماں جی سمجھیں کہ اللہ نے غیب سے آپ کے لیے مدد بھیجی ہے۔ ہمارا یہ ایکسیڈنٹ ہونا مبارک ثابت ہوا ہے۔ آپ ان کے ساتھ فی الحال ان کے گھر

چلی جائیں۔ صبح میں خود آجاؤں گا۔ اگر نہ آیا تو آپ پریشان مت ہونا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ان کے گھر بالکل محفوظ رہیں گی۔" اس نے خاتون کو سمجھا کر گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر ہدایت کی کہ سیٹ پر پہلے کی طرح لیٹ جائیں۔

خاتون کو سیٹ پر لٹانے کے بعد اس نے دروازہ بند کیا اور مجھ سے بولا۔ "اب آپ مجھے اپنا ایڈریس سمجھادیں۔ تاکہ میں اماں جی کو لینے کے لیے آسکوں۔"

"آئی ایم سوری مسٹر‘ میں یوں ایک انجان شخص کو اپنے گھر کا ایڈریس نہیں دے سکتی آپ ایسا کریں کہ مجھے اپنا فون نمبر دے دیں میں خود آپ سے رابطہ کرلوں گی۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ خاصی ذہین معلوم ہوتی ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایسے موقعوں پر ذہانت کا استعمال بہت ضروری ہوتا ہے مسٹر۔ ابھی تو مجھے آپ کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں ہے کہ آپ کون ہیں۔ ان خاتون سے آپ کا کیا رشتہ ہے اور کون لوگ ہیں جو ان کی موت کے خواہاں ہیں۔ میں تو محض انسانی ہمدردی کی بناء پر کر رہی ہوں۔" میں نے کہا۔

"اگلی ملاقات پر اگر زندگی رہی تو میں آپ کو ان خاتون کی کہانی سناؤں گا ان کی کہانی آپ کے نیوز چینل کے لیے بہت زبردست ثابت ہوگی۔ کیونکہ اس میں بہت سے پردہ نشینوں کے چہرے سے حسین نقاب اتر جائیں گے اور اندر سے ان کے مکروہ اور غلیظ چہرے سب کے سامنے آجائیں گے۔یہ خاتون بھی ایسے ہی حسین نقاب کے پیچھے چھپے گھناؤنے چہرے والے ایک نام نہاد عزت کے ٹھیکیدار کے ظلم کا شکار ہیں۔اگر یہ آپ کو اپنے بارے میں بتادیں تو ان ہی کی زبانی سن لیجیے گا۔"

پھر اس نے اپنا سیل فون نمبر مجھے بتایا جو میں نے اپنے موبائل میں سیو کرلیا اور پھر میں تیزی کے ساتھ گاڑی کی جانب روانہ ہوگئی۔یہ تو شکر ہوا کہ گاڑی کی ٹکر ہونے کے باوجود گاڑی میں کوئی خرابی نہیں ہوئی وہ ٹھیک ٹھاک

پل سے میرے گھر کا فاصلہ پانچ سات منٹ کی ڈرائیو پر تھا۔راستے میں خاتون نے سیٹ پر لیٹے لیٹے مجھ سے کہا کہ میں تمہارا ٹی وی پر آنے والا شو دیکھتی ہوں اور پسند کرتی ہوں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ان لوگوں کی باتوں میں، میں اپنے چوٹ کے درد کو بھول گئی تھی مگر اب درد ہونے لگا۔میں سوچ رہی تھی کہ اماں حمیدہ کے ڈھیر سارے سوالات کے کیا جواب دوں گی۔پھر میں نے سوچ لیا کہ میں کہہ دوں گی کہ یہ خاتون میری گاڑی سے ٹکرا گئی تھیں۔اس لیے کہ پیچھے ایک آنے والی گاڑی نے میری گاڑی کو ہٹ کردیا تھا۔

خاتون بے ہوش ہوگئی تھیں اس لیے میں انہیں اٹھا کر اپنے گھر لے آئی ہوں۔کل صبح ان کے گھروالوں کو فون کردوں گی وہ انہیں آکر لے جائیں گے۔

میں اپنے گھر کے گیٹ پر پہنچی تو رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے میرے ملازم خالد نے فوراً ہی گیٹ کھول دیا۔اماں بھی جھٹ گاڑی کا ہارن سن کر باہر آگئیں لیکن مجھے تنہا گاڑی میں دیکھا تو بولیں۔

"اکیلی آئی ہو اتنی رات ہوگئی۔حشام چھوڑنے نہیں آیا۔پھر ان کی نگاہ میرے چہرے پر پڑی تو گھبرا کر مزید آگے بڑھیں اور دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔

”خیر ہو میرے مالک، تمہارے سر پر چوٹ کیسے آگئی۔“

”اماں یہ دیکھیں باجی کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے پیچھے کی لائٹیں ٹوٹی ہوئی ہیں۔“ خالد نے اماں سے کہا۔

”اللہ کرم، اللہ کرم... ارے میری بچی کیسے ہو گیا ایکسیڈنٹ۔“

”کچھ نہیں ہوا اماں معمولی سی ٹکر تھی۔ دیکھیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بالکل بھلی چنگی آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا لیکن اماں کی بوکھلاہٹ کم ہی نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اور اماں کو آواز دی۔

”اماں جی اتر آئیں میرا گھر آگیا ہے۔“ تو وہ سیٹ سے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

”ائے ہے کون ہے۔“ اماں نے آگے بڑھ کر گاڑی میں جھانکا۔

”ابھی بتاتی ہوں۔ کہہ کر میں نے خاتون کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اتارا اور خالد کو گاڑی کی چابی دے کر کہا کہ گاڑی اچھی طرح لاک کر کے اندر آجاؤ اور گیٹ بند کر لو۔ میرے گھر میں اتنی جگہ نہیں تھی کہ ایک چھوٹی سی گاڑی بھی اندر کھڑی ہو سکے۔ اس لیے میں گاڑی باہر گلی میں ہی کھڑی رکھتی تھی۔

اماں حمیدہ شدید حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی اور مسلسل دیکھے جا رہی تھیں۔

میں نے انہیں اندر لا کر بٹھایا اور اماں سے کہا کہ اماں جی کے کھانے اور پینے کے لیے کچھ لے آئیے۔

”نہیں، نہیں بیٹا کھانے کی ضرورت نہیں بس ذرا سا پانی پلا دو اور ہاں تم اپنے زخم پر کوئی دوا تو لگا لو۔“ انہوں نے کہا۔

”میں نے دیکھا کہ اندر تیز روشنی میں اماں حمیدہ غور سے ان کی جانب دیکھ رہی ہیں۔ انہوں نے جب اماں حمیدہ کو دیکھا تو وہ بھی ایک ٹک اماں حمیدہ کو تکنے لگیں۔ دونوں پر جیسے سکتہ سا طاری ہو گیا۔

میں ان دونوں کی یہ حالت دیکھ کر حیران ہو رہی تھی اس لیے اماں حمیدہ کو ٹوکا اور کہا۔

”ایسے کیا دیکھ رہی ہیں اماں کیا اس سے پہلے کسی عورت کو نہیں دیکھا۔ آپ نے سنا نہیں یہ پانی مانگ رہی ہیں پانی لائیے ان کے لیے۔“

”یہ تمہیں کہاں سے مل گئی؟“ اماں حمیدہ نے میری بات سنی ان سنی کرتے ہوئے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

...☆☆☆...

اگلی صبح ساری کوٹھی میں یہ بات پھیل چکی تھی کہ نواب صاحب کی حویلی میں موت ہو گئی ہے۔ان کی جوان بیٹی مر گئی ہے۔ایک عجیب سا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔میں نے ٹی وی کھولا تو اس میں بھی یہ خبر آ رہی تھی کہ نواب سطوت الاسلام کی بڑی صاحب زادی جو کافی عرصہ سے بیمار تھیں رضائے الٰہی سے وفات پا گئیں۔نواب سطوت الاسلام کو بار بار ٹی وی پر غمزدہ حالت میں دکھا رہے تھے۔حویلی کے باہر لوگوں کا جم غفیر امڈ آیا تھا۔تقریباً ہر نیوز چینل اس خبر کو نشر کر رہا تھا۔نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کے لیے بہت سے سیاسی لیڈر شاداب پور جا رہے تھے۔

میرے دل کو بار بار تسکین ملتی جب نواب کی روتی اور غمگین صورت ٹی وی پر دکھائی دیتی۔میرا دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ میں ابھی بھاگتا ہوا جاؤں اور ان ہزاروں لوگوں کی موجودی میں نواب کا گریبان پکڑ کر کہوں۔

"آج کیوں رو رہا ہے اس لیے کہ تیری جوان بیٹی مر گئی ہے' لیکن تو جھوٹا ہے مکار ہے فریبی ہے۔تجھے کوئی غم کوئی دکھ نہیں ہے اپنی بیٹی کے مرجانے

کا' اس لیے کہ تو خود اپنی اولاد کی خوشیوں کا قاتل ہے۔تجھے صرف اپنی دولت اپنی زمینوں سے محبت ہے۔ان زمینوں سے جنہیں تو مر کے یہیں چھوڑ جائے گا۔تیرے حصے میں تو صرف دو گز زمین کا ٹکڑا ہی آئے گا۔اور ایسا شخص جس کو اپنی اولاد اور وہ بھی بیٹی جیسی رحمت' بیٹی جسے اللہ نے رحمت کہا ہے۔تو نے اس سے محبت نہیں کی تو تو کسی دوسرے کی بیٹی کو کیسے لائق عزت و تکریم سمجھ سکتا ہے۔

وہ تو ہی تھا نیچ اور کمینہ انسان جس نے' جس نے میری فائزہ کی عزت داغ دار کی مجھے بتا نیچ آدمی تجھے فائزہ کی معصوم صورت میں اپنی بیٹی کی صورت کیوں دکھائی نہ دی۔میں ٹی وی بند کر کے تکیے میں منہ دے کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔میں تو صرف شیر افضل کو ہی اس جرم کا مجرم سمجھ رہا تھا لیکن شیر افضل تو میری فائزہ کو تجھ تک پہنچانے کا گناہ گار تھا اور میں نے اس کے گناہ کی سزا اس کی بیٹی کو بے آبرو کر کے دے دی ہے۔لیکن تو میرا بڑا مجرم ہے زندہ ہے۔میں تجھے اتنی عبرت ناک موت دوں گا نواب کہ دنیا یاد رکھے گی۔مجھے اپنے انجام کی قطعی پروا نہیں ہے۔

کل رات راکھی نے بہت ہی اہم باتیں بتائیں اور ان میں سب سے اہم بات یہی تھی اس نے مجھے بتایا تھا۔

”ایک مرتبہ نواب‘ شیر افضل کی حویلی پر گیا تھا حویلی جاتے ہوئے اس نے فائزہ کو کہیں راستے میں دیکھا اور اس کا دل اس پر آگیا اور اس نے شیر افضل سے اس کی فرمائش کردی۔

یہ بات ارمان کے علم میں آگئی اور اس نے بابا کو بھی یہ بات بتادی تھی اس لیے شیر افضل نے کچھ ایسا چکر چلایا کہ الٹا ارمان کو ہی کسی چکر میں پھنسا دیا۔ پھر اس کے ہاتھوں ارمان کا خون بھی ہوگیا۔ان دنوں میں پنڈی میں تھا‘ بابا نے اس بات کی خبر مجھے نہیں دی۔

شیر افضل بابا سے ملا اور ان سے صاف صاف کہا کہ اپنی بیٹی کو ایک رات کے لیے حویلی میں بھیج دو اگر نواب صاحب کو تمہاری بیٹی کی قربت بھا گئی تو وہ اسے اپنی حویلی لے جائیں گے اور اس کے بدلے تمہیں بہت سی دولت اور زمینیں ملیں گی لیکن بابا نہیں مانے۔

پھر انہوں نے جھوٹا جرگہ بٹھایا اور جرگے میں ہمارے خلاف فیصلہ کیا گیا۔ ارمان کی موت کے بعد بابا بہت زیادہ ڈر گئے تھے کیونکہ ان لوگوں نے مجھے بھی جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دی تھی۔

آج میری سمجھ میں بابا کا سارا ڈروخوف آرہا تھا وہ باپ تھے۔ایک جوان بیٹے کا لاشہ اٹھانے کے بعد ان کے اندر دوسرے بیٹے کی جوان موت دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔

اصل بات سب نے مجھ سے چھپائی اور اس کا نتیجہ کیا نکلا۔میرے گھر کا ایک ایک فرد ختم ہوگیا۔میری معصوم سی فائزہ لٹ گئی۔مار دی گئی اور یہ سب اس بڈھے کمینے اور ذلیل انسان کی ہوس پرستی کا نتیجہ تھا۔اس نے اپنی شیطانی خواہش کو پورا کرنے کے لیے میرا پورا خاندان ختم کردیا۔

نواب کو اچھی طرح معلوم تھا کہ میں بد نصیب اس بد نصیب فائزہ کا بھائی ہوں۔اس نے مجھ سے ہی اپنے کام لینے شروع کردیے۔میرا ہمدرد بن گیا۔ حد یہ کہ مجھے نتھیا گلی میرے اپنے علاقے میں بھی بھیج دیا شیر افضل اس کا

قریبی یار ہے۔اس کی اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے دونوں ایک ہی فطرت کے ہیں۔

فائزہ کی عزت ختم کرنے کے بعد انہوں نے فائزہ کو زندہ سلامت چھوڑ دیا۔ مجھے پھر بھی فائزہ نے نہیں بتایا۔اماں تو اس صدمے سے آدھی مر چکی تھیں۔ پھر ارمان کی موت پر ان کی بچی کچھی سانسیں بھی ختم ہو گئیں۔اور پھر شیر افضل کے کتوں نے ایک بار پھر میری بہن کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا اور اس کی جان لے لی اور میں کچھ نہیں کرسکا۔

راکھی کو یہ بات شروع سے ہی معلوم تھی۔نواب نے راکھی کو میرے ساتھ بھیجا ہی اس لیے تھا کہ ہوشیار اور خبردار رہے کہ میرا اپنے گاؤں والوں سے کوئی رابطہ نہ ہوسکے۔واقعے کی اصل بات کوئی بھی مجھے نہ بتا سکے۔

لیکن میری جھوٹی محبت کے اظہار نے راکھی کو سب کچھ اگلنے پر مجبور کردیا۔ نواب نے مجھے اپنا قریبی اور قابل اعتماد ساتھی بنا لیا۔وہ میرا سب سے بڑا دشمن تھا اور اس نے دوستی کا جال بچھا کر مجھے قابو کرلیا۔مجھے انسان سے

درندہ بنا ڈالا۔میں نے ہر وہ کام کیا جس کے بارے میں میں کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔میں کیا تھا اور کیا ہو گیا تھا۔

راکھی نے مجھے یہ بھی بتایا کہ غضنفر نام کا کوئی اور شخص نہیں نواب کا ہی جرائم کی دنیا میں دوسرا نام ہے۔غضنفر کے نام سے اس کی شکل کی تبدیلی کے فرائض وہی میک اپ مین انجام دیتا ہے جس نے میرا میک اپ کیا تھا۔ورنہ ساری دنیا اسے ایک گدی نشین پیر اور ایک سماجی رہنما کے نام سے جانتی ہے۔پولیس ڈپارٹمنٹ میں بھی غضنفر کا نام اور اس کے کارنامے موجود ہیں۔ اس کی تصویر بھی ہے۔لیکن وہ کون سا چھلاوا ہے جو پلک جھپکتے میں غائب ہوجاتا ہے۔

اس روز کوٹھی میں قرآن خوانی اور فاتحہ خوانی کا انتظام کیا گیا تھا۔لیکن اس دن میں اپنے کمرے سے باہر ہی نہیں نکلا اور نہ ہی میں نے کچھ کھایا پیا۔

شام کو پانچ بجے میں نواب کے بتائے ہوئے ایڈریس کی جانب چل دیا۔ملیر کھوکھرا پار میں موجود ایک چھوٹے سے مکان میں وہ عورت موجود تھی جس کو نواب نے اپنی بیوی کہا تھا۔اور جس کے منظر عام پر آنے سے نواب کی

عزت و ناموس کو خطرہ تھا۔نواب اس کو بہت عرصے سے تلاش کر رہا تھا لیکن اس کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔تھک ہار کر وہ یہ سوچ کر اور صبر کر کے بیٹھ گیا کہ وہ کہیں مر کھپ گئی ہوگی لیکن نواب کو اب اس کے بارے میں اطلاع ملی تھی کہ وہ ملیر کی ایک نواحی بستی کھوکھرا پار میں موجود ہے بتانے والے نے اس گھر کا ایڈریس بھی نواب کو دیا تھا اور اس کو ٹھکانے لگانے کا کام نواب نے میرے ذمہ لگا یا تھا۔

میں وہاں جا تو رہا تھا لیکن میرا ارادہ اس عورت کو مارنے کا ہر گز نہیں تھا۔ بلکہ اس سے ملاقات کا تھا۔اس کا اور میرا دشمن ایک ہی تھا میں اس کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھا کر اس کا محافظ بننا چاہتا تھا اور نواب کے خلاف جتنے بھی ثبوت اس کے پاس تھے وہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔نواب جس چیز سے ڈر رہا تھا وہ ڈر اس کے سامنے لانا چاہتا تھا۔

نواب نے مجھے بتایا تھا کہ اس کا نام روشن آراء بیگم ہے۔اس کا گھر چھوٹا سا ہے اور گھر کے باہر نیم کا درخت ہے۔وہ تنہا رہتی ہے اور مائی رحمت کے نام سے مشہور ہے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میرے پاس مکان کا نمبر موجود تھا اور مکان کی نشانیاں بھی۔کلفٹن سے ملیر کھوکھرا پار تک کا مجھے طویل سفر کرنا پڑا۔میں اس علاقے میں پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔اس لیے شاہراہ فیصل سے ملیر ہالٹ پھر سیدھا ملیر کالا بورڈ تک آیا اور اسپتال کے سامنے بہت سے کھڑے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص سے پوچھا۔"کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ کھوکھرا پار کہاں ہے؟"

اس نے مجھے راستا سمجھایا کہ "آپ کالا بورڈ سے سیدھے اندر چلے جائیں۔یہ سڑک جہاں جہاں مڑ رہی ہے آپ اس کے ساتھ چلتے رہیے سعود آباد پندرہ نمبر سے دائیں جانب مڑ جائیں روڈ کے دائیں جانب کھوکھرا پار اور بائیں جانب دوسری آبادیاں ہیں۔"

میں نے اس شخص کا شکریہ ادا کیا اور کالا بورڈ سے اندر جانے والی روڈ پر گاڑی ڈال دی۔ تقریباً دس منٹ کی ڈرائیو کے بعد سعود آباد پندرہ نمبر آگیا۔یہاں سے بہت سی منی بسیں بھی کھوکھرا پار کھوکھرا پار کی آوازیں بھی لگا رہی تھیں۔میں ان بسوں کے پیچھے لگ گیا۔

مجھے کھوکھرا پار چھ نمبر جانا تھا۔ میں بس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور چھ نمبر پہنچ گیا۔ روڈ سے ہٹ کر اندر جانے والی روڈ پر میں اتر گیا اور مکانوں پر لکھے نمبر دیکھنے لگا یہاں ہر مکان پر نمبر نہیں لکھا تھا کسی کسی مکان پر نمبر لکھا تھا۔ میں نے ان ہی نمبروں کی مدد سے اپنا مطلوبہ مکان تلاش کرلیا۔ وہ گھر ایک پتلی اور تنگ سی گلی کے درمیان میں بنا ہوا تھا۔ بہت پرانا اور بوسیدہ سا مکان تھا۔ اس کے آگے نیم کا ایک گھنا درخت بھی موجود تھا۔

میں نے اپنی کار گلی کے باہر کھڑی کی اور مکان تک پیدل چل کر گیا۔ لوہے کے پرانے اور زنگ آلود دروازے پر تالا موجود نہیں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ گھر کے اندر کوئی موجود ہے۔ میرے پاس اسلحہ موجود تھا۔ جو میں حفظ ما تقدم کے طور پر اپنے ساتھ لے گیا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ مجھے اس کی ضرورت پیش آجائے۔ احتیاط کے طور پر میں نے گلی میں گلی ڈنڈا کھیلنے والوں بچوں میں سے ایک بچے کو اپنے قریب بلایا۔ جس کے جسم پر صرف ایک عدد میلی اور پھٹی ہوئی شلوار موجود تھی۔ بچوں اور گھروں کو دیکھ کر اس علاقے اور یہاں کے رہنے والوں کی زبوں حالی کا اندازہ ہو رہا تھا۔

”بیٹا ادھر آؤ“ میں نے اسے پیار سے آواز دی تو وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔

”بیٹا مائی رحمت اسی گھر میں رہتی ہیں۔“ میں نے پوچھا۔

”کیوں کیا وہ آپ کے گھر کام کرتی ہے یا آپ کے گھر سے کوئی چیز چرا کے بھاگی ہے؟“ بچے نے تیز نظروں سے میری جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اس لیے کہ یہاں ساری ماسیاں ہی رہتی ہیں اور جب کوئی عورت کسی کے گھر سے چوری کر کے آتی ہے تو لوگ اس طرح اس کا گھر ڈھونڈتے ہوئے آتے ہیں۔“ بچے نے بے نیازی سے جواب دیا۔ اس کے دوست نے جو اس کے ساتھ کھیل رہا تھا اسے آواز دے کر بلایا تو بچے نے ایک فحش سی گالی دیتے ہوئے کہا۔ ”ابے آرہا ہوں۔“

”نہیں، نہیں ایسی بات نہیں ہے، دراصل میرے گھر شادی ہے اور مائی کئی دنوں سے کام پر نہیں آرہی اس لیے میں اسے دیکھنے کے لیے آیا تھا۔“ میں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ عورت بھی گھروں میں ماسی کا کام کرتی ہے اس لیے بات بنائی۔

"پھر وہ بیمار ہو گئی ہو گی۔" اس نے منہ بناتے ہوئے کہا پھر بولا۔"ہاں یہی گھر ہے اس کا۔" میں نے بچے کا شکریہ ادا کرنے کے طور پر جیب میں ہاتھ ڈالا اور پچاس کا نوٹ اس کی جانب بڑھا کر کہا۔"جاؤ اس کی چیز کھا لینا۔"

بچے نے پہلے تو حیرت سے مجھے دیکھا پھر للچائی ہوئی نگاہوں سے نوٹ کو دیکھا اور جھپٹنے کے انداز سے میرے ہاتھ سے نوٹ لیا اور ایک جانب بھاگ لیا۔

میں نے آگے بڑھ کر ٹین کا دروازہ بجا دیا مگر اندر سے نہ تو کوئی آواز آئی اور نہ ہی کوئی ہلچل مچی' میں نے دوبارہ بجایا۔اس مرتبہ قدموں کی آواز کے ساتھ ایک لرزتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ارے آ رہی ہوں دروازہ زور سے مت پیٹو گر پڑے گا۔"

اور پھر دروازہ کھل گیا۔میری آنکھوں کے سامنے ایک بہت ہی کمزور سی خاتون کھڑی تھیں۔سر کے بال کھچڑی کی طرح کالے سفید تھے میری صورت پر نگاہ پڑی تو جھٹ انہوں نے دوازہ بند کردیا اور بولیں۔

"تم لوگ پھر آ گئے۔میں کسی سے ملنا نہیں چاہتی جاؤ چلے جاؤ' خدا جانے کس نے انہیں میرا پتا بتا دیا ہے۔"

میں نے دوبارہ دروازہ بجایا اور کہا۔"اماں جی پلیز دروازہ کھولیں آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔میں وہ نہیں ہوں۔میں تو پہلی بار آیا ہوں۔"

"میں نے کہا نا مجھے کسی سے نہیں ملنا۔چین سے مرنے بھی نہیں دو گے۔" تھکی تھکی سی آواز آئی۔

"اماں مجھے نواب صاحب نے بھیجا ہے پلیز دروازہ کھول کر صرف ایک بات سن لیں۔" میں نے دروازے کے قریب منہ کر کے دھیمی آواز میں کہا۔لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔

"اماں دروازہ کھول کر میری صرف ایک بات سن لیں بھلے مجھے اندر نہ آنے دیں۔" میں نے التجا آمیز لہجے میں کہا تو وہ دروازے کے قریب آ کر بولیں۔

آواز بہت دھیم

"کون نواب صاحب۔"

"نواب سطوت الاسلام نے۔" میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں دھیمی آواز میں کہا۔

"کیا کہنا ہے؟" تھوڑے توقف کے بعد پوچھا گیا۔

"اگر مناسب سمجھیں تو مجھے اندر بلالیں۔میں باہر سے اتنی لمبی بات کیسے کرسکتا ہوں۔" میں نے مہذب لہجے میں کہا تو تھوڑے پس و پیش کے بعد دروازہ کھل گیا۔

میں نے دیکھا کہ ان کی بڑی بڑی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ستواں ناک اور پتلے پتلے ہونٹ تھے۔رنگ البتہ سانولا تھا اپنی جوانی میں یہ خاتون یقیناً حسین رہی ہوں گی۔میں نے تیزی سے اندر آکر دروازہ بند کردیا اور کہا۔

"اماں جی! کیا ہم اطمینان سے کہیں بیٹھ کر بات کرسکتے ہیں؟"

"آؤ اندر آجاؤ۔" انہوں نے کہا اور مڑ کر چل دیں۔اس چھوٹی سی چار دیواری میں ایک کمرا بنا ہوا تھا باقی سارا صحن تھا جس کا فرش جگہ جگہ سے ٹوٹا ہوا تھا۔

شام ختم ہو کر اندھیرا اترنے لگا تھا پاس کی مسجدوں سے مغرب کی اذانیں سنائی دینے لگیں۔انہوں نے صحن کا بلب جلایا اور مجھے اپنے ساتھ اندر لے گئیں۔یہاں ایک جھلنگا سی چارپائی پر میلا سا بستر بچھا ہوا تھا۔

"تمہارے بیٹھنے کے لائق میرے پاس کچھ اور تو نہیں بس یہی ایک چار پائی ہے اس پر بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے کہا اور خود زمین پر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔

میں چارپائی پر ٹک گیا اور کہا۔"اماں آپ نیچے کیوں بیٹھ گئیں۔اِدھر آکر بیٹھیں میرے ساتھ۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں یہیں ٹھیک ہوں میں جانتی ہوں تمہیں نواب نے مجھے جان سے مارنے کے لیے بھیجا ہے۔اس لیے آرام سے اپنا کام کرو اور نواب سے جا کر انعام وصول کرو۔میں بھی اب بہت تھک گئی ہوں' اکتا گئی ہوں اس جینے سے۔" انہوں نے یہ بات اتنے اطمینان اور سکون سے کہی جیسے کہہ رہی ہوں یہ کھانا رکھا ہے کھاؤ اور جاؤ...!"

"آپ کو کیسے پتا کہ مجھے نواب نے آپ کو مارنے کے لیے بھیجا ہے۔" میں نے شدید حیرت سے کہا۔

"تو اور کیا اتنے سالوں کے بعد نواب کو میرا پتا ملے گا تو وہ مجھے ملاقات کے لیے بلائے گا۔اسے سوائے میری موت کے کسی اور چیز سے دلچسپی نہیں ہے۔ میں اس کی رگ رگ سے اچھی طرح واقف ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"آپ بالکل ٹھیک فرما رہی ہیں۔مجھے نواب نے آپ کو ختم کرنے کے لیے بھیجا ہے لیکن میرا ارادہ آپ کو مارنے کا ہر گز نہیں ہے۔میں تو صرف آپ سے ملنے کے لیے آیا ہوں اور شاید کچھ اور لوگ بھی ہیں جو نواب کے دشمن ہیں اور آپ کو اپنے ساتھ ملا کر آپ کو نواب کے خلاف استعمال کرنا چاہ رہے ہوں گے۔جب ہی آپ نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ تم پھر آگئے۔" میں نے کہا۔

"ہاں ایسا ہی ہے لیکن مجھے کسی سے بھی بدلہ نہیں لینا۔میں نے اپنا ایک بدلہ تو لے لیا تھا۔چوبیس سال پہلے اور باقی فیصلہ اللہ پر چھوڑ دیا ہے وہ اسی کا مجرم ہے۔وہ چاہے تو اسے معاف کردے چاہے تو اسے سزا دے دے۔"

اور میں اس صابر عورت کو تکتا ہی رہ گیا۔پھر مجھ سے چارپائی پر نہ بیٹھا گیا اور میں چارپائی سے اتر کر اس کے نزدیک جا کر بیٹھ گیا اور کہا۔

"لیکن اماں جی میرے اندر آپ جتنا ظرف نہیں ہے۔میں اس ذلیل انسان کو قطعی معاف نہیں کرسکتا میں اسے اس کے جرم کی انتہائی عبرت ناک سزا دوں گا۔" یہ بات کہتے ہوئے میری آواز بھرا گئی۔

"تمہارے ساتھ اس نے کیا ظلم کردیا۔" انہوں نے اطمینان سے پوچھا۔

"اس نے میری معصوم بہن کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا اور میرے پورے خاندان کو مار ڈالا اور میری بد نصیبی دیکھیے کہ میں اس بات سے بے خبر رہا کہ وہی میرا مجرم ہے'اپنے مجرموں کو سزا دینے کے لیے اسی کے دامن میں پناہ لینے پہنچ گیا حالاں کہ وہ یہ بات اچھی طرح سے جانتا تھا لیکن وہ میرا خیر خواہ بنارہا' اس نے مجھ سے دنیا کے سارے جرائم کروائے اور میں اس کو اپنا محسن جان کر سارے جرم خوشی خوشی کرتا رہا...!"

"تم اکیلے اس کے ایسے جرم کا شکار نہیں ہوئے ہو' اس کے کھاتے میں ایسے بے شمار جرم ہیں۔نہ جانے کتنے تمہارے جیسے بد نصیب خاندانوں کے خون اس کی گردن پر ہیں لیکن آخر کب تک اللہ اپنی رسّی دراز کرے گا' فرعون کے

گھر میں موسیٰ پرورش پاتا ہے‘ تم نے یہ کہاوت تو سنی ہوگی۔“ انہوں نے ایک زخمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”آپ کے ساتھ کیا ظلم کیا تھا اس نے... وہ تو کہہ رہا تھا کہ آپ اس کی بیوی ہیں پھر آپ کا دشمن وہ کیوں ہو گیا؟“ میں نے لجاجت بھرے لہجے میں پوچھا۔

نہ جانے کیوں میرا دل ان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہ رہا تھا‘ بات پوچھتے ہوئے میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تو انہوں نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ میرے سر پر رکھ دیا اوردوسرے ہاتھ سے میرے آنسو پونچھتے ہوئے بولیں۔

”رو نہیں‘ اپنا انصاف اللہ پر چھوڑ دو‘ جیسے میں نے چھوڑا ہے۔“

”نہیں اماں! اللہ تعالیٰ انسان کے گناہوں اور بداعمالیوں کی سزا دنیا میں بھی تو دیتا ہے اور پھر فرعون کا بیڑہ غرق بھی تو موسیٰ نے دنیا ہی میں کیا تھا پھر میں کیوں اسے بخش دوں‘ میں اس فرعون کے لیے موسیٰ بنوں گا۔“ میں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

نے آنسوؤں کے درمیان کہا تو ان کے چہرے پر ایک گہری مسکراہٹ آگئی اور وہ بولیں۔

”چائے پیوگے...؟“

”نہیں اماں جی! مجھے چائے نہیں پینی‘ آپ مجھے کچھ اپنے بارے میں بتایئے۔“ میں نے کہا۔

”نہیں‘ پہلے میں چائے بنالاؤں‘ پھر بات کریں گے۔“ انہوں نے کہا اور اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔میں نے جھانک کر دیکھا‘ صحن میں کمرے کے ساتھ ہی چھپر ڈال کر کھانے پکانے کی جگہ بنائی ہوئی تھی۔

مجھے اس مظلوم عورت کی حالت زار دیکھ کر بے حد افسوس اور دکھ ہورہا تھا‘ یہ ایسے شخص کی بیوی رہ چکی ہے جس کے پاس بے اندازہ دولت ہے‘ آخر اس نے اس کے ساتھ ایسا کیا کیا کہ وہ اپنی زندگی کے دن ایسے ٹوٹے پھوٹے مکان میں کسمپرسی کے عالم میں گزار رہی ہے جو عورت کبھی بیگم نواب سطوت الاسلام تھی آج مائی رحمت بن کر رہ گئی ہے‘ لوگوں کے گھروں میں کام کرکے اپنا پیٹ بھر رہی ہے۔

میں یہ سب باتیں سوچ ہی رہا تھا کہ وہ دو سادہ سے مگوں میں چائے بنا کے لے آئی' ایک کپ اس نے میرے ہاتھ میں تھمادیا اور دوسرا کپ خود لے لیا اور اپنی سابقہ حالت میں دیوار سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئی' پھر اسے کچھ خیال آیا تو بولی۔

"ارے تم نیچے کیوں بیٹھے ہو' آؤ اوپر بیٹھو چار پائی پر۔بیٹا یہ چادر میلی ضرور ہے لیکن پاک ہے' دراصل جب گھروں کا کام کرکے آتی ہوں تو ہمت نہیں ہوتی کہ گھر کے کام کروں اور پھر کئی روز سے جب سے ان لوگوں کا آنا جانا ہوا ہے' میری طبیعت خراب ہورہی ہے' میں کام پر بھی نہیں گئی۔"

وہ یہ کہتے ہوئے خود بھی چارپائی پر پاؤں اوپر کرکے بیٹھ گئی تو میں بھی اٹھ کر اوپر بیٹھ گیا اور چائے کا سپ لیتے ہوئے چائے کی تعریف کی تو وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"کم بخت یہ منہ کو ایسی لگی ہے کہ اس کی عادت چھوٹتی ہی نہیں' چاہے میں کھانا نہ کھاؤں' لیکن چائے ضرور پیتی ہوں۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"اماں جی! مجھے آپ کو اس حال میں دیکھ کر بہت افسوس اور دکھ ہورہا ہے' آپ مجھے بتائیں ناں کہ آپ ان حالات تک کس طرح پہنچیں اور ہاں کیا نواب نے آپ کو طلاق دے دی تھی یا آپ اب بھی اس کی بیوی ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"بیٹا! یہ ایک لمبی کہانی ہے اور اسے سنانے کے لیے کافی وقت درکار ہے اور تمہارے پاس اتنا فالتو اور بے کار وقت کہاں ہوگا کہ تم میری داستان سنو...اب تو بس تنہائیاں ہیں اور میری زندگی کی یادیں ہیں۔یہ یادیں ایسی ہیں کہ جنہیں اگر میں بھولنا بھی چاہوں تو نہیں بھلا سکتی۔اسے میں نے سچے دل سے چاہا تھا' لیکن اس نے میرا دل میرا مان سب توڑ دیا' میں آج بھی اس کے نکاح میں ہوں یا کم از کم میں ایسا سمجھتی ہوں کیوں کہ جب میں اسے چپ چاپ چھوڑ کر اس کی زندگی سے نکل آئی تھی تب تک اس نے مجھے طلاق نہیں دی تھی۔" اس نے ایک گہری سانس لی اور خاموش ہوگئی۔

"اماں جی میرے پاس بہت سارا وقت ہے' بلکہ میں تو ساری رات یہیں بیٹھ کر گزار سکتا ہوں' آپ بتائیں۔" میں نے کہا۔

"تم کیا کرو گے میری کہانی سن کر...؟" انہوں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں کروں گا، میں نے بھی تو اپنا غم آپ کے ساتھ شیئر کیا ہے، آپ بھی اپنی یادیں میرے ساتھ شیئر کر سکتی ہیں۔ کہتے ہیں خوشیاں بانٹنے سے بڑھتی ہیں اور دکھ باٹنے سے کم ہوتے ہیں۔" میں نے کہا لیکن وہ خاموش رہیں۔

تب میں نے پوچھا۔ "اماں جی! آپ پڑھی لکھی ہیں...؟"

'میری بات سن کر وہ ہنس پڑیں اور پھر اس طرح ہنسیں کہ میں حیرانی سے ان کی شکل دیکھنے لگا کہ کیا میں نے انہیں کوئی لطیفہ سنایا ہے یا کوئی مضحکہ خیز بات سنائی ہے۔

"میں نے کیمسٹری میں ماسٹرز کیا ہے..." انہوں نے اپنی ہنسی روک کر کہا۔

"تو پھر اپنی زندگی گزارنے کے لیے آپ نے یہ طرز ندگی کیوں اپنایا، آپ کوئی باعزت جاب بھی کر سکتی تھیں۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"بالکل کر سکتی تھی لیکن پھر میں نواب کی دسترس سے کیسے محفوظ رہتی۔ یہ گم نام زندگی میں نے اپنے لیے خود ہی چنی ہے، میں نے تو مرجانا ہی چاہا تھا لیکن مجھ جیسی بدنصیبوں کو بعض اوقات مانگنے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

سے موت بھی نہیں ملتی، سو بچ گئی، یا بچالی گئی۔ روڈ کراس کرتے ہوئے میری ٹکر ایک کار سے ہو گئی، کار مجھے مار کر تیزی سے بھاگ گئی اور میں زخمی حالت میں سڑک پر پڑی رہی، وہ برسات کی رات تھی، تب وہاں سے گزرنے والا ایک خدا ترس انسان مجھے وہاں سے اٹھا کر اسپتال لے گیا، میری ڈریسنگ کروائی اور جب اس نے مجھ سے یہ پوچھا کہ میرا گھر کہاں ہے وہ مجھے میرے گھر چھوڑ کر آئے گا، تو میں خاموش رہی اور اس کی شکل دیکھتی رہی، سب کے لاکھ پوچھنے پر بھی میں نے خاموشی اختیار کیے رکھی، تب وہ مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لے آیا کہ شاید صبح تک میں ٹھیک ہوجاؤں۔

وہ خدا بخش گدھا گاڑی والا تھا اور صفورا اس کی بیوی تھی، یہ گھر ان دونوں ہی کا تھا وہ بوڑھے تھے اور ان کی کوئی اولاد نہیں تھی، خدا بخش گدھا گاڑی چلاتا تھا اور صفورا ایک دو گھروں میں کام کرتی تھی۔ میں ان ہی لوگوں کے ساتھ رہنے لگی پھر ان کے محبت بھرے رویئے کو دیکھتے ہوئے ایک دن میں بول پڑی اور انہیں ایک جھوٹی کہانی سنادی کہ میرے شوہر نے مجھے مارپیٹ کر گھر سے نکال دیا ہے، میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے اپنی

بیٹی بنالیا‘ وہ میرے آنے سے بہت خوش تھے میں نے انہیں یہ بات سمجھادی تھی کہ میرا شوہر میری جان کا دشمن ہے‘ اس لیے محلے میں میرے بارے میں کسی سے اور کچھ مت کہنا‘ سوائے اس کے کہ میں تمہاری بھانجی ہوں۔انہوں نے میری بات مان لی‘ وہ چاہتے تھے کہ میں شادی کرلوں لیکن میں نے انہیں بتایا کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق نہیں دی ہے۔جب تک وہ دونوں زندہ رہے میں گھر میں رہتی تھی بعد میں میں نے ان ہی گھروں میں کام شروع کردیا جہاں ماسی صفورا کام کرتی تھی۔میں نے کسی کو یہ نہیں بتایا کہ میں تعلیم یافتہ ہوں‘ وہ لوگ مجھے بھی اپنی طرح ان پڑھ اور جاہل تصور کرتے تھے۔

”آپ کی ملاقات اور شادی پر علیحدگی کے اسباب کیا تھے‘ میں آپ سے وہ سننا چاہتا ہوں۔“ میں نے کہا تو وہ بولیں۔

”تمہیں پتا ہے سطوت کی ایک بیوی میری طرح تعلیم یافتہ ہے۔میں اور وہ یونیورسٹی میں ایک ساتھ ہی پڑھتے تھے‘ اس کا تعلق سطوت کے خاندان سے تھا‘ قریبی نہین دور پرے کا رشتہ تھا‘ سطوت ان دنوں بہت گڈ لکنگ تھا‘

اسے اچھا لباس پہننے کا شوق تھا‘ انداز گفتگو بہت نفیس تھا‘ اس سے گفتگو کرتے ہوئے ایک لمحہ کو بھی احساس نہیں ہوتا تھا کہ اس بظاہرہ ڈیسنٹ دکھائی دینے والے شخص کے اندر ایک درندہ چھپا بیٹھا ہے‘ اس کی آنکھوں میں دکھائی دینے والی چمک جو دیکھنے والوں کو اس کا گرویدہ بنادیتی تھی ایک حیوان کی چمک تھی۔وہ اپنے شکار کو بہت دور سے تاڑ لیتا تھا‘ میں کبھی کبھی اپنی دوست سے ملنے کے لیے اس کی کوٹھی میں جاتی تھی تو وہ مجھے خوش دکھائی نہیں دیتی‘ ہمیشہ سطوت کے بُرے رویئے کی شکایت کرتی اور یہ بھی کہا کرتی کہ سطوت بہت تشدد پسند ہے‘ وہ اس پر ہاتھ بھی اٹھاتا ہے‘ مجھے نفیسہ (سطوت کی بیوی) کی باتوں کو سن کر شدید حیرانی ہوتی‘ کبھی یقین بھی نہیں آتا تھا۔سطوت پر تشدد پر اتر آنے کے دورے پڑنے کی جو وجوہات وہ بیان کرتی تھی وہ میرے دل کو نہیں لگتی تھیں۔میں یہ محسوس کرتی کہ نفیسہ مجھ سے ساری حقیقت بیان نہیں کرتی ہے‘ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ جو وجوہ نفیسہ میرے سامنے پیش کرتی ہے وہ کسی مرد کو تشدد پر کیسے اکسا سکتی

ہے‘ بھلا اتنی سی بات پر کوئی بھی شوہر اپنی بیوی کے جسم پر اس طرح نیل کے نشان ڈال سکتا ہے۔

میں نے تو سطوت کو ہمیشہ ایک مہذب انسان کے روپ میں دیکھا تھا‘ اس لیے میں یہی سمجھتی رہی کہ نفیسہ کی اپنے شوہر سے بنتی نہیں ہے‘ اس لیے وہ میرے سامنے اس کی بُرائی کرتی رہتی ہے۔

ایک دن جب میں نفیسہ کی حویلی اس سے ملنے کے لیے گئی تو میں نے محسوس کیا کہ نفیسہ کا موڈ بہت آف ہے۔وہ مجھ سے ڈھنگ سے بات نہیں کررہی تھی‘ خاصی اکھڑی اکھڑی سی تھی۔میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ جیسے وہ یہ چاہ رہی تھی کہ میں جلد از جلد یہاں سے چلی جاؤں اور آئندہ اس کے ہاں نہیں آؤں‘ اس نے یہ کہہ کر مجھے یہ بات ظاہر کی کہ سطوت کو میرے ساتھ اس کا میل جول پسند نہیں ہے اور مجھے لے کر ان میں کئی مرتبہ جھگڑا ہوچکا ہے۔“

”کیا واقعی ایسی بات ہے؟“ میں نے طنزاً کہا۔

”ہاں!“ اس نے بے رخی سے کہا۔”تمہیں یقین کیوں نہیں آرہا۔“ اس نے تیکھے لہجے میں کہا اور اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتی‘ سطوت وہاں آگیا‘ سطوت کو دیکھ کر نفیسہ بُری طرح گھبرا گئی‘ سطوت نے مجھے دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار کیا۔

سطوت کے اس طرح خوشی کے اظہار پر میں نے نفیسہ کو حیرت سے دیکھا تو وہ مجھ سے نگاہیں چرا گئی۔تب سطوت نے نفیسہ کو یہ کہہ کرباہر بھیج دیا کہ ”تم جا کر بہت اچھے سے کھانے کا اہتمام کرواؤ‘ آج روشن آراء ہمارے ساتھ ہی لنچ کریں گی۔“ نفیسہ یہ سن کر مجھے اور سطوت کو جلتی ہوئی نگاہوں سے دیکھتی چلی گئی۔

میری سمجھ میں ابھی تک کچھ نہیں آیا تھا کہ آخر یہ کیا ہورہا ہے‘ نفیسہ اپنے شوہر سطوت کے بارے میں مجھ سے مسلسل جھوٹ بول رہی ہے مگر سطوت کی باتوں سے ساری بات میری سمجھ میں آگئی۔نفیسہ کے کمرے سے جانے کے بعد سطوت نے مجھ سے کہا۔

"روشن آراء مجھے آپ سے ایک ضروری ملاقات کرنی ہے، کیا آپ میرے لیے تھوڑا سا ٹائم نکال سکتی ہیں۔"

"ضروری ملاقات... وہ کیوں...؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"آپ ملیں تو، ملاقات ہوگی تو آپ کو پتا بھی چل جائے گا، لیکن ہاں ہماری اس ملاقات کے بارے میں نفیسہ کو علم نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ اسے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ میں اس کے مقابلے میں آپ کی تعریف کرتا ہوں..."

"کیا واقعی...؟" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"کیا آپ اتنی ہی نادان ہیں کہ کسی مرد کی آنکھوں میں اپنے لیے پیدا ہونے والے جذبات نہیں پہچان سکتیں...؟" اس نے ابرو اٹھا کر میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"تو کیا نفیسہ کی مجھ سے ناراضگی کی یہی وجہ ہے... وہ میری دوست ہے اور میں اپنی دوست کا گھر...!"

"جب دوست ہی کو اپنا گھر بچانے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے تو آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔" سطوت نے میری بات کاٹ کر تیزی سے کہا تو میں خاموش ہوگئی۔

"کل رات آٹھ بجے شیرٹن میں سوئیٹ نمبر پانچ سو آٹھ میں، میں آپ کا انتظار کروں گا۔" اس نے کہا اور اٹھ کر چلا گیا۔میں بھی کھانے کے لیے نہیں رکی اور نفیسہ سے کام کا بہانہ کرکے گھر لوٹ آئی۔

میرے والدین کا انتقال ہوچکا تھا، صرف ایک بڑی بہن تھی، جس کو دن رات میری شادی کی فکر تھی اور وہ میرے لیے کوئی پڑھا لکھا لڑکا تلاش کررہی تھی۔

میں ساری رات سو نہیں سکی، سطوت کی باتیں اس کی آنکھیں، اس کی آواز اس کا لہجہ سب رات بھر مجھے گدگداتا رہا، پتا نہیں کیا بات تھی یا شاید میرے اندر خودبخود ہی سطوت کی چاہت کا بیج پھوٹ نکلا تھا۔

اس رات جب میں سطوت سے ملنے گئی تو اس نے مجھ سے اپنی بے تابیوں کا اظہار کرتے ہوئے اپنی مظلومیت کا رونا بھی رودیا اور یہ بھی بتایا کہ اس کے

اور نفیسہ کے درمیان جھگڑے کی اصل وجہ میری ذات ہے۔وہ میرے عشق میں سرتاپیر ڈوب چکا ہے' اس نے نہایت بے چارگی سے اپنا سر میز پر پٹختے ہوئے کہا کہ "کاش وہ نفیسہ سے شادی سے پہلے ہی مجھ سے مل لیتا تو اس کی زندگی دن رات یوں کانٹوں پر نہ بسر ہوتی۔"

"کیا تم اس حال میں کہ میں نفیسہ کو طلاق نہیں دے سکتا' تم مجھ سے شادی کرسکتی ہو...؟" اس نے میرا ہاتھ تھام کر گلوگیر لہجے میں پوچھا۔

"آپ نفیسہ کو طلاق کیوں نہیں دے سکتے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ میری خاندانی بیوی ہے اور صرف تم سے شادی کا بہانہ بنا کر میں اسے چھوڑ نہیں سکتا' تم اگر تھوڑا سا صبر کرلو اور میرا ساتھ دو تو بعد میں' میں ایسا کرسکتا ہوں۔" اس نے اپنی آنکھوں میں مخصوص چمک لا کے کہا۔

"نفیسہ تو ہر لمحے مجھ سے آپ کی شکایتیں کرتی رہتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ مارپیٹ کرتے ہیں' اس کے والدین سے اسے ملنے نہیں دیتے اس کے کہیں تنہا آنے جانے پر پابندی لگاتے ہیں'کیا یہ سب صحیح ہے...؟" میں نے اس کی چمک دار آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا تو اس نے صرف اتنا کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"اگر تمہارا دل ان سب فضولیات پر یقین کرنا چاہتا ہے تو تم یقین کرسکتی ہو۔ میں اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہوں گا۔" اور میں اسے دیکھتی رہ گئی۔

"لیکن...؟" میں تھوڑا جھجکی۔

"لیکن کیا...!" وہ تیزی سے بولا۔

"میں نے یہ دیکھا ہے کہ وہ اپنے والدین سے حقیقت میں نہیں ملتی اگر آپ نے پابندی نہیں لگائی تو..."

"ہاں یہ تم کہہ سکتی ہو' اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے گھر والے اور رشتہ دار اپنے بہت سے ناجائز کام مجھ سے نکلوانے کی کوشش کرتے ہیں اور تم جانتی ہو کہ معاشرے میں' میں نے یہ عزت اور مقام یوں ہی تو نہیں بنایا ہے' جب میری عزت پر بنتی ہے تو میں کہتا ہوں' ایسے لوگوں سے دور ہی رہو تو بہتر ہے۔" اس نے توجیہہ پیش کی جو میرے دل کو لگی۔

پھر ہماری ایسی خفیہ ملاقاتیں ہوتی رہیں' ہر ملاقات میں وہ ایک نفیس انسان بن کر ملتا رہا' ہمارے درمیان زیادہ تر ان ہی معاملات پر ڈسکس ہوتی تھی۔وہ اس طرح بات کرتا تھا کہ میرے سامنے وہ تعقل پسند اور ہمدرد انسان کے

روپ میں سامنے آیا۔میں اس سے باآسانی کہہ دیتی تھی کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے۔وہ میری رائے سننے کے لیے آمادہ نظر آتا اور اکثر میرے مشوروں پر عمل کرتا' وہ کسی کمپلیکس کا مارا انسان نہیں تھا۔اس کے اختیار میں بہت کچھ تھا' میں اس کی بے قراری کو محسوس کررہی تھی اور نفیسہ کے بارے میں' میں نے سوچا کہ جب اس نے یہ محسوس کرلیا کہ اس کا شوہر اس سے بے زار ہوکر کسی اور ساتھی کی تلاش میں ہے تو اسے اس کی ناز برداریاں کرنی چاہیے تھیں لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ خود دل بڑا کرکے الگ الگ رہنے لگی اور میں اس کی نا اہلی کی قائل ہوگئی۔

میرا ذہن دن رات ان دونوں کے تجزیوں کی زد میں رہنے لگا' میں نے محسوس کیا کہ میرے دل میں سطوت کا خیال رہنے لگا ہے' میں نے ناقدانہ انداز میں اپنے ذہن اور دل کو ٹٹولا اور اس

نتیجے پر پہنچی کہ شاید مجھے سطوت جیسے انسان ہی کی تلاش تھی' میں اپنے لیے ایسا ہی جیون ساتھی چننا چاہتی تھی اور پھر مجھے یقین ہو چلا کہ میں ہی وہ عورت ہوں جو سطوت کے دل و دماغ پر حکمرانی کرنے کے لائق ہے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ہمارے درمیان اقرار اور قول و قرار ہوگئے' اب میں ان چوری چوری کی ملاقاتوں سے گھبرانے لگی اور چاہتی تھی کہ سطوت مجھ سے شادی کا ارادہ ظاہر کرے اور لوگوں کو بھی بتادے۔

اب میرا بننا سنورنا صرف سطوت کے لیے تھا' میں اس سے ملنے جاتی تو بہترین لباس زیب تن کرتی اور جب وہ نظر بھر کر میری جانب دیکھتا تو میں آپ ہی آپ اترا جاتی۔اس کی آنکھوں سے میرے لیے ہر وقت تحسین جھلکتی رہتی۔

اس کے ساتھ میرا تعلق پروان چڑھ رہا تھا۔میں اب بھی اس کی ذات کی ان پرتوں کو کھولنا چاہتی تھی' دیکھنا چاہتی تھی جنہیں ابھی اس نے عیاں نہیں کیا تھا۔میں نے محسوس کیا کہ میں اس کی ہر خواہش کا احترام کرنے لگی ہوں' وہ جیسا بھی ہے میرے دل نے اسے قبول کرلیا تھا۔کوئی چیز تھی جو مجھ سے ہر وقت کہتی رہتی تھی کہ ہم دونوں صرف ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہیں۔

ایک دن اس نے اپنے ایک دوست کے گھر پارٹی میں مجھے مدعو کیا‘ جو کلفٹن میں ایک بہت وسیع و عریض کوٹھی میں تھی‘ سطوت نے مجھے رات گیارہ بجے وہاں بلایا تھا‘ میری بہن اور بہنوئی نے مجھے وہاں جانے سے روکا بلکہ وہ تو سطوت سے میرے خفیہ تعلقات پر بھی برہم تھے لیکن میں تو صرف اپنے دل کی سنتی تھی‘ ایسا بھلا کیسے ممکن تھا کہ میں سطوت کی بات ٹال دیتی۔

میں نے رائیل بلو کلر کی مہین شیفون کی ساڑھی زیب تن کی‘ ساڑھی سطوت کا پسندیدہ لباس تھی‘ آج میں نے اس کے لیے خود کو خوب سجایا اور سنوارا‘ میں مقررہ وقت پر اس کوٹھی کے گیٹ پر پہنچ گئی۔

وہاں کاماحول رومان آفرینی کے لیے بے حد سازگار تھا۔وہاں ایک لچکیلے فرش والی ایک عجوبہ رقص گاہ بنی ہوئی تھی۔

میں وہاں پہنچی تو مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک عود آئی۔وہ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا میری طرف آیا۔ مصمم ارادے کے ساتھ... مجھ سے کہنے لگا۔

”آؤ میرے ساتھ رقص کرو...“

”رقص...“ میں نے شرم اور جھجک کے ساتھ کہا۔”مجھے رقص نہیں آتا۔“

”جب میں تمہارے ساتھ ہوں پھر تمہیں کس بات کی فکر ہے... تم صرف میری بانہوں کا سہارا لے لو‘ باقی سب میں سنبھال لوں گا...“ اس کی آنکھوں میں نہ جانے ایسا کیا تھا کہ میں خودبخود اس کی بانہوں میں سماگئی۔

سطوت نے ایک آہستہ خرام دھن کا انتخاب کیا تھا‘ اس کی خواہش تھی کہ میں جان لوں کہ وہ مجھ پر تصرف حاصل کرچکا ہے۔تصرف اور ملکیت ہم معنی لفظ ہیں۔اس نے بڑے اعتماد سے ایک ایسے کوچے میں قدم رکھ دیا تھا جہاں کسی اور کو آنے جانے کی اجازت نہیں تھی۔میں نے بھی مزاحمت نہیں کی‘ وہ کتنے رومان پرور اور کیف آگیں لمحے تھے۔وہ مجھے اپنی بانہوں میں تھامے مجھے اپنے سینے سے لگائے پیار بھری سرگوشیاں کررہا تھا‘ اچانک ہی اس نے سرگوشی میں میرے کان میں کہا۔

”مجھ سے شادی کرو گی؟“

یہ سن کر مجھ پر تو جیسے شادئ مرگ کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ہمیں اس بات کا قطعی احساس نہیں رہا کہ اس رقص گاہ میں اور بھی جوڑے ہیں جو رقص میں

مصروف ہیں لیکن ہماری جیسی کیفیت کسی اور کی نہیں تھی۔وہ سب کے سامنے نہایت والہانہ انداز میں میرے چہرے کو چوم رہا تھا' نرمی سے پیار سے محبت سے اور میں شرم سے پانی پانی ہوتی جارہی تھی۔

وہ مجھے سہارا دے کر کرسی تک چھوڑنے کے لیے آیا۔وہ خاصا مطمئن دکھائی دے رہاتھا۔پورے آٹھ ماہ سے شاید وہ جس کام پر لگاتھا اس کی تکمیل ہوگئی تھی۔ہمارے درمیان کسی قیامت کا جذب باہم تھا۔

وہاں موجود سارے لوگوں کو ہمارے تعلقات کی خبر ہوگئی۔ہمارے خفیہ معاہدے پر مہر تصدیق ثبت ہوگئی تھی۔ہم ایسی دیوانہ وار محبت میں مبتلا ہوگئے تھے کہ تمام احتیاط' اخلاقیات اور تمیز داری کو بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا۔

پھر ہم نے شادی کرلی' مجھ سے شادی کے بعد سطوت نے مجھے ایک علیحدہ بنگلے میں رکھا' میری بہن اور بہنوئی نے مجھے بہت سمجھایا کہ مجھے سطوت سے شادی نہیں کرنی چاہیے لیکن میرے سر پر تو اس کے عشق کا بھوت سوار تھا'

بعد میں'میں نے سنا کہ سطوت نے نفیسہ کو طلاق دے دی ہے اور وہ بنگلہ خالی ہے تب سطوت مجھے اس بنگلے میں لے گیا۔اس نے مجھ سے کہا۔

"تم جانتی ہو کہ میں عزت کے کس مقام پر ہوں۔اس لیے چاہتا ہوں کہ تم عام لوگوں سے قطعی میل جول نہ بڑھاؤ' حد یہ کہ اپنی بہن اور بہنوئی کو بھی چھوڑ دو... میری خاطر... میں جانتا ہوں کہ وہ میری اور تمہاری شادی کے خلاف تھے اور میں اپنے اور تمہارے درمیان کسی ایسے شخص کا تعلق رکھنا نہیں چاہتا جو کسی بھی طرح تمہیں میرے خلاف بھڑکائے۔"

اور میں نے اس کی اس خواہش پر سر تسلیم خم کردیا' میں نہیں چاہتی تھی کہ جس طرح نفیسہ نے اپنا گھر برباد کرلیا ہے' میں بھی کرلوں

میں آج بھی اس بات پر حیران ہوتی ہوں کہ مجھے سطوت کی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا اور مجھے دعویٰ تھا کہ میں اسے اچھی طرح جانتی اور پہچانتی ہوں... آہستہ آہستہ اس کی ذات کے پتے میرے آگے کھلتے چلے گئے اور میں ہر پتا پڑھنے کے بعد حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہوجاتی۔

مجھے اب نفیسہ کی باتوں پر یقین آنے لگا تھا۔وہ ایسا ہی تھا' وحشی' جنگلی' درندہ... خلوت کے لمحات میں وہ مجسم حیوان بن جاتا' میرے ساتھ انتہائی شرمناک سلوک کرتا' میں سسکیاں لیتی تو اسے لذت اور تسکین حاصل ہوتی اور صبح ہوتے ہی وہ پھر سے انسان بن جاتا' اپنے سابقہ رویئے کی معافیاں مانگنے لگتا۔میرے آگے ہاتھ تک جوڑ دیتا' آنسو بہاتا اور میری خوشامد کرتا کہ تم مجھے چھوڑ کر کبھی مت جانا ' میں تم سے بے پناہ محبت کرتا ہوں اگر تم نے مجھے چھوڑا تو میں زندہ نہ رہ سکوں گا' مر جاؤں گا۔

اور اپنی شادی اپنے گھر کو بچانے کے لیے میں سب کچھ سہتی رہی' اس کا ہر کہا مانتی رہی۔وہ کئی کئی دن کے لیے غائب ہوجاتا اور میں تنہا راتوں کو بلکتی اور سسکتی رہتی۔

اس نے ابھی تک مجھے نہیں بتایا تھا کہ وہ نفیسہ کے علاوہ اور کتنی شادیاں کرچکا ہے' میرے علم میں تو صرف یہ تھا کہ اس نے نفیسہ سے شادی کی تھی اور پھر میری خاطر اسے طلاق بھی دے دی۔

ان دنوں میری طبیعت گری گری سی رہنے لگی'سطوت کو گئے ہوئے پورے پندرہ دن ہوگئے تھے'مجھے اس کی کوئی خیر خبر نہیں تھی' میں نے اس گارڈ سے پوچھا جو بنگلے کے گیٹ پر ہمہ وقت موجود رہتا تھا۔

"سطوت کہاں ہیں...؟" تو اس نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔

"ہمیں ان کے شیڈول کا کوئی علم نہیں ہوتا' ہمیں تو آنکھیں کھول کر اپنی ڈیوٹی نبھانے کی ذمہ داری دی گئی ہے اور اگر اس ذمہ داری میں ذرا بھی کوتاہی ہوئی تو میری گردن بھی اڑ سکتی ہے۔"

"ذمہ داری...؟" میں بُری طرح چونک گئی۔"تمہاری کیا کیا ذمہ داریاں ہیں؟"

"یہی کہ نہ تو اس گیٹ سے کوئی باہر قدم نکالے اور نہ ہی کوئی اندر آئے..." اس نے کہا اور دوسری جانب منہ پھیر لیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا... کیا میں یہاں قید ہوں۔" میں نے بوکھلا کر پوچھا۔

"پلیز آپ اندر جائیں' زیادہ سوالات مت کریں۔کیوں مجھ غریب کی نوکری اور جان کے پیچھے پڑ گئی ہیں۔" اس نے سخت لہجے میں کہا تو میں اندر آگئی۔

میرے پاس فون بھی نہیں تھا اور نہ ہی اور کوئی ذریعہ کہ میں سطوت کے بارے میں معلوم کرتی۔

مجھے بے حد کمزوری محسوس ہورہی تھی' میں نے محسوس کیا کہ میرے وجود میں کوئی اور چیز پل رہی ہے۔اس بات کا احساس ہوتے ہی میرا دل خوشی سے ناچ اٹھا اور میں شدت سے سطوت کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔گھر میں کھانے پینے کا سامان وافر مقدار میں تھا' اس لیے مجھے کسی بھی بات کی پریشانی نہیں تھی' ہفتے بعد ایک آدمی آتا اور کھانے پینے کا ڈھیروں سامان دے کر چلا جاتا' گھر میں ایک ملازمہ بھی تھی جو دن رات میرے ساتھ رہا کرتی تھی۔

اس روز جب وہ آدمی راشن لے کر آیا تو میں نے عشرت جو ملازمہ تھی اس سے کہا کہ اس آدمی سے جاکر نواب صاحب کے بارے میں پوچھے' تو اس نے جب اس آدمی سے نواب صاحب کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں ہیں تو اس نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا کہ اسے کچھ نہیں معلوم' اسے تو بس یہ آرڈر دیا گیا ہے کہ فلاں فلاں سامان جاکر دے آؤ' اس کے علاوہ اگر کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بولو' میں وہ بھی دے جاؤں گا' عشرت نے مجھے اس شخص

کی بات بتائی اور پوچھا کہ کسی اور چیز کی ضرورت تو نہیں ہے تو میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور میں نے نفی میں سر ہلادیا۔

عشرت بھی بہت ڈری اور سہمی ہوئی رہتی تھی' اس نے کبھی مجھ سے زیادہ بات کرنے کی کوشش نہیں کی' بس چپ چاپ کام میں لگی رہتی اور کام ختم ہوجاتا تو خاموشی سے آکر بیٹھ جایا کرتی' کتنی مرتبہ ایسا ہوا کہ اس نے مجھے روتے ہوئے دیکھا اس نے کئی بار مجھ سے رونے کا سبب معلوم کرنے کے لیے اپنے لب کھولے پھر خاموش ہوگئی۔

پورا ڈیڑھ ماہ بیت گیا' تب اچانک ہی سطوت آگئے' ان کی آمد کی اطلاع سن کر مارے خوشی کے میرے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے' میں بہت کمزور ہوگئی تھی حالاں کہ گھر میں کھانے پینے کی ہر شے وافر مقدار میں تھی لیکن میرا دل ہی نہیں چاہتا تھا' میرے وجود میں پلنے والی ننھی سی جان کو پورے تین ماہ ہوچکے تھے۔

سطوت کو دیکھ کر میری آنکھوں سے تیزی سے آنسو بہنے لگے تو سطوت نے اپنے سابقہ مخصوص انداز میں مجھ سے پوچھا۔

"کیا بات ہے جانِ سطوت! تم رو کیوں رہی ہو؟"

"آپ کہاں غائب ہوگئے تھے سطوت! نا میری کوئی خبر لی نہ اپنی دی۔ میں تو بہت پریشان ہو گئی تھی۔" میں نے ان کے پیار بھرے لہجے سے بہل کر اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"ارے بابا! میں تو تمہاری ساری خبر رکھتا تھا' رہی میرے نہ آنے کی بات تو مرد کو ہزاروں کام ہوتے ہیں۔ زمینداری کے بہت کھڑاک ہوتے ہیں۔ انسان کو بعض اوقات بہت سے معاملات خود دیکھنے پڑتے ہیں۔"

"پھر بھی...!" میں نے شکوہ کناں نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"پھر بھی کیا... بولو...!" سطوت نے تیز لہجے میں کہا تو میں خاموش ہوگئی۔

عشرت نے میری ہدایت پر جلدی جلدی لنچ تیار کیا' سطوت نے میرے ساتھ ہی لنچ کیا اور کہا کہ "اب میں چلتا ہوں۔"

"ارے... ابھی تو آئے تھے' ابھی جانے کی بات بھی کرنے لگے۔" میں نے اضطراری کیفیت میں کہا' ابھی تو میں نے سطوت کو باپ بننے کی خوش خبری بھی نہیں سنائی تھی' میں چاہتی تھی کہ رات کو ہم جب اپنے بیڈ روم میں جائیں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

گے تب میں بڑے رومانوی انداز میں سطوت کو یہ خبر سناؤں گی' کیوں کہ میں یہ بات اچھی طرح سے جانتی تھی کہ نفیسہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی تو لازمی بات ہے جب مجھ سے انہیں یہ خوشی ملے گی تو وہ خوشی سے نہال ہوجائیں گے۔ "آپ سے ایک بات کہنی تھی سطوت...!" میں نے ایک شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ہاں بولو!" سطوت نے میری جانب دیکھے بغیر کہا' وہ اپنے موبائل فون پر کچھ تلاش کررہے تھے یا پھر کوئی میسج ٹائپ کررہے تھے۔

"پہلے آپ یہ فون رکھیں میں پھر بتاؤں گی۔" میں نے ان کے ہاتھ سے فون لے لیا۔

"واٹ نانسینس!" وہ آنکھیں نکال کر دہاڑے۔

"ادھر دو فون!"

"آپ میری بات تو سنیں۔" میں نے ان کے غصے کی پروا بھی نہیں کی' کیوں کہ میں جانتی تھی کہ میری بات سن کر وہ سارا غصہ بھول جائیں گے اور شاید پھر میرے پاس سے جائیں ہی نہیں۔

"جلد کہو کیا بات ہے، میرے پاس بالکل ٹائم نہیں ہے۔" انہوں نے ناگواری اور بے زاری سے کہا۔

"آپ ڈیڈی جی بننے والے ہیں۔" میں نے پیار سے ان کے گلے میں اپنی بانہیں ڈال کر کہا۔

"واٹ...!" انہوں نے ایک جھٹکے سے میرے ہاتھ تیزی سے جھٹک دیئے اور اٹھ کر کھڑے ہوگئے، جیسے میں نے کوئی انہونی بات کہہ دی ہو۔

"یہ کیسے ہوگیا...!" انہوں نے پریشان کن لہجے میں کہا۔

"ویسے ہی جیسے ہوتا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں...!" انہوں نے قطعی لہجے میں کہا۔"نہیں نہیں... ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"کیوں نہیں ہونا چاہیے تھا سطوت! یہ ہمارے پیار کی نشانی ہے، ہماری ہونے والی اولاد ہے، آپ کو اندازہ ہی نہیں کہ میں کتنی خوش ہوں۔" میں نے حیرت اور مایوسی سے کہا۔

"لیکن میں خوش نہیں ہوں اور مجھے یہ بچہ نہیں چاہیے، بہتر یہی ہے کہ تم اسے ختم کردو۔" سطوت نے نہایت سفاک لہجے میں کہا۔

"نہیں سطوت...!" میں نے خوف زدہ ہوکر اپنے دونوں ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھ لیے۔"میں ہرگز ایسا نہیں کروں گی۔"

"تمہیں ایسا کرنا پڑے گا احمق عورت... تم سمجھتی کیوں نہیں ہو، مجھے یہ بچہ نہیں چاہیے۔" سطوت نے غصے میں میرے بالوں کو اپنے ہاتھوں میں جکڑ کر شدید غضب کے عالم میں کہا۔

"آخر کیوں...؟ آپ کی تو کوئی اولاد بھی نہیں ہے پھر آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں۔اولاد ہوجاتی ہے تو انسان کا شادی کرنے کا مقصد حل ہوجاتا ہے۔" میں نے تکلیف کی شدت سے اپنی آنکھوں میں آنے والے آنسوؤں کو روکتے ہوئے کہا۔

"میری اولاد ہے..." یہ الفاظ نہیں تھے ایٹم بم کا دھماکا تھا جو سطوت نے میرے سامنے کردیا اور اس کی دھمک سے میرا وجود ریزہ ریزہ ہوکر بکھر گیا تھا، کتنی دیر تو میں گم سم سطوت کی شکل دیکھتی رہی، میرے دماغ میں ایک

ہی بات آرہی تھی کہ سطوت کی میری اور نفیسہ کے علاوہ کوئی اور بیوی موجود ہے۔

سطوت نے مجھے زور سے دھکا دے کر میرے بال چھوڑ دیئے اور میں نیچے گر گئی، میں کتنی دیر زمین پر پڑی کراہتی رہی' میرے پہلو میں بہت زور کا درد اٹھا تھا او راس لمحے بھی مجھے یہ خوش فہمی تھی کہ سطوت آگے بڑھ کر مجھے اٹھائیں گے اور اپنے رویئے کی مجھ سے معافی مانگیں گے لیکن میری یہ خوش فہمی سطوت نے جلد ہی رفع کردی اور چیخ کر کہا۔

''اب اٹھ بھی جاؤ' کب تک یوں ہی پڑی رہوگی۔''

''سطوت! مجھے بہت تکلیف ہورہی ہے۔'' میں نے کراہتے ہوئے کہا۔

''اچھا ہے' گھر میں ہی ''معاملہ صاف'' ہوجائے گا۔'' سطوت نے کہا تو میں خود ہی اٹھ کر صوفے پر بیٹھ گئی اور پوچھا۔

''آپ کی میرے علاوہ بھی کوئی اور بیوی ہے؟''

''ہاں ہے تو...؟'' سطوت نے کہا۔

''کون ہے؟ کہاں رہتی ہے؟ آپ کے کتنے بچے ہیں اور یہ بات آپ نے پہلے تو مجھے نہیں بتائی تھی۔'' میں نے اپنے ذہن میں امڈ آنے والے سارے سوالات ایک ساتھ کر ڈالے۔

''ضروری نہیں ہے کہ جس کو بیوی بنایا جائے اس کو اپنی ہر بات بتادی جائے اور پھر میں تو مرد ہوں۔مرد تو ایک وقت میں چار چار شادیاں کرسکتا ہے' میں نے کرلی تو کیا برا کام کیا۔کیا شرع میں مرد کو چار شادیوں کی اجازت نہیں ہے۔''

''جی ہاں ہے اور آپ جیسے مردوں کو اپنے مطلب آوری کے لیے ہی شرع یاد رہتی تھی اور دوسرے کام بھی شرع کو سامنے رکھتے ہوئے بھی کیا کریں تو جانوں...'' میں نے تلخی سے کہا۔

''شٹ اپ... بڑی زبان چلنے لگی ہے' آئندہ اگر میرے سامنے زبان چلائی تو کاٹ کر ہاتھ پر رکھ دوں گا' سمجھیں...!'' سطوت نے اٹھ کر ایک الٹے ہاتھ کا تھپڑ میرے منہ پر جڑتے ہوئے کہا اور سطوت کے زور دار تھپڑ سے میں صوفے پر پیچھے پلٹ گئی' لیکن میں تیزی سے اٹھی اور بولی۔

”آپ کی یہ بیوی کون ہے اور کہاں ہے؟“

”وہ حویلی میں ہے اور میرے چچا کی بیٹی ہے‘ میری دو بیٹیاں ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ میری اولاد کسی اور خاندان سے ہو‘ وہ ہمارا خون ہے‘ ہم سجادہ نشین ہیں‘سید ہیں اور ہمارے خون میں دوسرے خون کی آمیزش نہیں ہوسکتی۔میرے بابا جان کا حکم تھا کہ شادیاں چاہے کتنی ہی کرلو لیکن اولاد کسی اور خون سے پیدا کرکے اپنا خون خراب مت کرو‘ اس لیے روشن آراء بیگم تمہیں یہ بچہ تو ضائع کرنا پڑے گا۔“ سطوت نے نہایت ڈھٹائی سے اعتراف کرتے ہوئے سفاک لہجے میں کہا۔

”آپ کا خون آپ کی نسل خراب ہوجائے گی‘ اس بات کا خیال آپ کو عیاشیاں کرنے سے پہلے آنا چاہیے تھا‘ اب چاہے کچھ بھی ہو جائے میں یہ بچہ ضائع نہیں کروں گی‘ آپ مرد ہیں آپ کا دل اپنی اولاد کے لیے پتھر ہوسکتا ہے لیکن میں ایک ماں ہوں اور ماں کبھی اپنے ہاتھوں اپنی اولاد کا خون نہیں کرسکتی۔“ میں نے سطوت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تن کر جواب دیا۔

میرا جواب سن کر سطوت کا دماغ پھر گیا اور اس نے مجھے بے تحاشہ مارنا شروع کردیا‘ حد یہ کہ اس ظالم انسان نے میرے پیٹ پر لاتیں بھی ماریں اور خوب مار چکنے کے بعد وہ غصے میں بھنا تا ہوا گھر سے چلا گیا۔

سطوت کے جاتے ہی عشرت بھاگ کر میرے پاس آئی اور اس نے مجھے اٹھا کر بیڈ پر لٹایا اور میرا خیال رکھا۔وہ ایک عمر رسیدہ اور جہاں دیدہ عورت تھی اس سے جو کچھ بھی ہوسکا وہ اس نے میرے لیے کیا اور میرا خیال رکھا اور اللہ کا شکر ہوا کہ سطوت کے اتنے تشدد کے باوجود میرا بچہ محفوظ رہا۔

ایک ہفتے کے بعد وہ دوبارہ میرے پاس آیا اور بڑے پیار سے میرا حال پوچھا۔اس کا رویہ ایسا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔وہ میرے سامنے وہی مہذب اور پیار کرنے والا شوہر دکھائی دے رہا تھا۔میری طبیعت ابھی تک بالکل ٹھیک نہیں ہوسکی تھی۔اس لیے میں بیڈ پر ہی لیٹی تھی۔اس نے خود بخود ہی سمجھ لیا کہ اس کے اتنے زیادہ تشدد کرنے کے بعد میں اپنے بچے سے محروم ہوگئی ہوں گی۔

"اس دن میں نے تمہیں جو کچھ بتایا اس سے تم ناراض تو نہیں ہو۔اب تم ہی دیکھ لو کہ میں تمہارے ساتھ کتنا فیئر ہوں اور تم سے کتنی محبت کرتا ہوں کہ تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا اس کا مجھے بھی افسوس ہے اور یہ افسوس اس بچے کے لیے نہیں بلکہ تمہارے لیے ہے کہ تمہیں اتنی تکلیف اٹھانی پڑی۔اگر تم میرے ساتھ اسی طرح چلتی رہو جس طرح سے میں کہتا ہوں تو سب ٹھیک رہے گا تم میرے دل کی یوں ہی رانی بنی رہو گی۔اگر ہمارے درمیان بچہ آئے گا تو تمہاری توجہ اور محبت اس کی جانب ہوجائے گی اور میں تمہارے اور اپنے درمیان کسی دوسرے کا وجود برداشت نہیں کرسکتا۔"

"اگر وہ بیٹا ہو تب بھی۔" میں نے خاموشی سے اس کی ساری بات سننے کے بعد سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بیٹا...۔" وہ چونک کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"ہاں بیٹا۔" میں نے افسردہ لہجے میں کہا۔"ہمارے ہاں بیٹا ہونے والا تھا۔" میں نے اندھیرے میں تیر چلانے کی کوشش کی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"اگر بیٹا ہوتا تو میں تمہیں سونے میں تول دیتا۔تمہیں مہارانی بنا کر اپنی حویلی لے جاتا۔" اس کی آنکھوں کی مخصوص چمک بڑھ گئی۔پھر افسردگی سے بولا۔
"لیکن اب کیا ہوسکتا ہے اب تو سب کچھ ہی ختم ہو گیا۔تم نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں یاد دلائی۔"

"ابھی سب کچھ ختم نہیں ہوا ہے سطوت' عشرت نے سب کچھ سنبھال لیا تھا وہ بہت سمجھدار عورت ہے۔" میں نے امید بھرے لہجے میں کہا۔

"کیا؟" اس نے حیرت اور مسرت کے ملے جلے لہجے میں کہا۔"لیکن یہ بات کس طرح کنفرم ہوگی کہ بیٹا ہی ہے۔" اس نے تیوری پر بل ڈال کر پوچھا۔

"میرا دل کہتا ہے اور عشرت بھی کہہ رہی تھی کہ اگر بیٹی ہوتی تو حمل ضائع ہوجاتا بیٹی کا حمل نازک جو ہوتا ہے۔لیکن چونکہ لڑکے کا حمل ہے۔اس لیے بچ گیا۔مرد کو اللہ تعالیٰ نے مضبوط اور طاقت ور جو بنایا ہے۔" میں نے اس سے جھوٹ بولا کیونکہ عشرت نے مجھے اس کے برعکس بات بتائی تھی کہ لڑکے کا حمل نازک ہوتا ہے عورت ذات بہت ڈھیت اور سخت جان ہوتی ہے۔اس

لیے سب کچھ برداشت کرجاتی ہے۔بی بی آپ کے ہاں بیٹی کی پیدائش ہوگی۔ لیکن اگر آپ اپنی اور اس بچے کی زندگی چاہتی ہیں تو نواب صاحب سے جھوٹ بول دیں اور انہیں بیٹے کا آسرا دیں میں چونکہ حویلی میں ملازم تھی اس لیے جانتی ہوں کہ بڑی بی بی اور نواب صاحب کو بیٹے کی بڑی آرزو ہے بیٹا ہی تو ان کے بعد ان کا وارث ہوگا۔

میں نے عشرت کا پڑھایا ہوا سبق دہرا دیا اور سطوت موم ہو گیا۔چند لمحوں تک وہ بیٹے کے تصور کو لے کر مسکراتا رہا پھر تیور بدل کر بولا۔

”ایک بات یاد رکھنا روشن آراء کہ مجھے صرف بیٹا چاہیے۔صرف بیٹا' لیکن اگر غلطی سے بھی بیٹی پیدا ہوگئی تو تمہیں خود اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا گھوٹنا ہوگا۔“

”مجھے منظور ہے سطوت۔“ میں نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے کہا اور مجھے اس طرح یقین کی حالت میں دیکھ کر وہ بھی شاید مطمئن ہو گیا اور وہ ان مردوں میں سے تھا جنہیں اپنے مرد ہونے پر بڑا فخر اور ناز ہوتا ہے۔شاید

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اسی لیے عشرت کی بات کا اس نے یقین کرلیا کہ مرد پیدائشی طور پر طاقتور ہوتا ہے۔

اب مجھے یہ تو حتمی طور پر معلوم نہیں تھا کہ میرے وجود میں کیا پل رہا ہے۔لڑکا ہے یا لڑکی لیکن میں اس بات سے خوش تھی کہ سطوت کو فی الحال میں نے قابو میں کرلیا ہے۔

”تم ایسا کرنا کہ عشرت کے ساتھ اسپتال ہو آنا اور اپنا چیک اپ کروالینا یا پھر چھوڑو۔ تمہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔میں لیڈی ڈاکٹر کو تمہارے چیک اپ کے لیے گھر بھیج دوں گا۔وہ تمہیں دوائیں اور ٹانک وغیرہ لکھ دے گی وہ تم پابندی سے لیتی رہنا تم کافی کمزور لگ رہی ہو۔“ سطوت نے کہا اور میں نے مسرور ہو کر اپنا سر اس کے کندھے سے لگا لیا۔

دوسرے دن شام کو لیڈی ڈاکٹر آئی اس نے بتایا کہ میرے اندر خون کی بہت کمی ہے۔اس نے مجھے پھل اور دودھ استعمال کرنے کی ہدایت کی اور کچھ دوائیں بھی دیں۔

میں ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق پورا عمل کر رہی تھی۔میں صحت مند رہنا چاہتی تھی اور صحت مند بچے کو جنم دینا چاہتی تھی اگر بیٹا ہوا تو مجھے کوئی فکر نہیں تھی لیکن بیٹی ہونے کی صورت میں مجھے حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا تھا۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔بچے کی ولادت میں صرف دو ماہ باقی رہ گئے تھے۔ سطوت وقتاً فوقتاً میری خیریت معلوم کرنے کے لیے میرے پاس آتا رہتا تھا۔اس روز جب وہ آیا تو اس نے بتایا کہ وہ غیر ملکی دورے پر جا رہا ہے اور اسی روز اس نے مجھے کچھ ایسی چیزیں دیں جنہیں دیکھ کر میں حیران رہ گئی۔اس کے پاس ایک سفید رنگ کے پتھر کا چوکور ٹکڑا تھا جس کے درمیان میں سیاہی سے کچھ لکھا تھا یا کوئی نشان تھا۔اس نے بتایا کہ ان کا خاندانی تعویذ ہے۔جو پیدا ہوتے ہی بچے کے گلے میں پہنا دیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ ایک سونے کی چھوٹی سی اسٹک تھی بالکل ایسی جیسے بوڑھے لوگ سہارے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اس اسٹک پر ہینڈل کی جانب دو شیر بنے ہوئے تھے۔ تیسری چیز قیمتی پتھروں سے جڑاؤ ایک سونے کا تاج تھا۔اس نے بتایا کہ یہ تاج اس کی ماں نے پیدائش کے بعد اسے پہنایا تھا۔اب یہ بیٹے کے سر پر

سجے گا میرے لیے بھی وہ قیمتی پتھروں کا جڑاؤ نیکلس لایا وہ بہت خوش دکھائی دے رہا تھا میں نے خوش ہونے کی وجہ پوچھی تو وہ بولا کہ میری ماں نے رات ایک خواب دیکھا تھا اس نے اس خواب کی تعبیر ایک مولانا سے پوچھی تو اس نے بتایا کہ سطوت کے ہاں بیٹے کی ولادت ہونے والی ہے۔ میری ماں یہ سن کر بہت خوش ہوئی ہیں اور میری بیوی بھی۔کیونکہ وہ یہ سمجھتی ہیں کہ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا۔اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ تمہارے ذریعے مجھے بیٹے کی خوش خبری ملنے والی ہے۔"

میں نے وہ چیزیں سنبھال کر رکھ تو لیں لیکن میں اندر ہی اندر کانپ کر رہ گئی کہ اگر بیٹی ہوئی تو...!" اور اس تو کے آگے میں سوچنا ہی نہیں چاہتی تھی مجھے جھرجھری آجاتی اور میرا جسم کانپنے لگتا تھا۔

سطوت کو گئے دو دن ہی ہوئے تھے کہ اچانک گیٹ پر کسی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔میں یہ سن کر بری طرح چونک اٹھی کہ کون آگیا۔سطوت کے علاوہ صرف لیڈی ڈاکٹر آتی تھی اور یہ ان دونوں میں سے کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔سطوت غیر ملکی دورے پر گئے ہوئے تھے اور ڈاکٹر بھی ایک دن پہلے ہی ہو کر گئی تھی۔

پھر مجھے گارڈ کی کسی کے ساتھ بحث کرنے کی آواز آئی پھر ایک عورت کے زور زور سے بولنے کی وہ گاڑی سے اتر کر گارڈ کو دھکا دے کر اندر آگئی۔

عشرت نے دروازہ کھولا تو نفیسہ کو کھڑا پایا۔مجھے نفیسہ کو دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ وہ کس طرح آگئی۔سطوت نے اسے آنے کی اجازت کیونکر دے دی۔

”میں تمہیں مبارک باد دینے کے لیے آئی ہوں سنا ہے تم سطوت کو وارث دے رہی ہو۔ایسا کیسے ہوگیا اور سطوت نے اپنے سید خون میں کمتر خون کی آمیزش کو کیسے برداشت کرلیا۔مجھے تو تین بار وہ یہ دکھ دے چکا ہے کیا یہ بات کنفرم ہے کہ تم بیٹا جنو گی اور اگر کنفرم ہے تو کیسے کنفرم ہوا؟“ اس نے آتے ہی میرے جسم پر ایک ناقدانہ نگاہ ڈالی اور کہا۔

”میں تمہیں کچھ بھی بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔“ میں نے بے رخی سے جواب دیا۔

”ناراض تو مجھے تم سے ہونا چاہیے کہ تم نے میرا گھر اجاڑ دیا اور میرے شوہر کو ہتھیا لیا الٹا تم مجھ سے بے رخی سے بات کر رہی ہو۔“ نفیسہ نے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”میں نے کسی کا شوہر نہیں ہتھیایا ہے اور نہ ہی میں نے اس سے کہا تھا کہ تمہیں طلاق دے دے۔سطوت خود میرے نزدیک آئے وہ تم سے مطمئن نہیں تھے اس لیے محبت کا پیاسا محبت کے پانی سے لبریز کنویں کی جانب بھاگتا ہے اور میں نے بھی کوئی جلدی ان سے شادی نہیں کرلی تھی بہت سوچ بچار کے بعد ان کے حق میں فیصلہ دیا تھا۔“ میں نے سابقہ لہجے میں کہا۔

”سب سے پہلے تو میں تمہاری یہ غلط فہمی دور کردوں کہ سطوت نے مجھے طلاق دے دی ہے۔اس نے مجھے طلاق نہیں دی ہے بلکہ وہ مجھے اپنی حویلی میں واپس لے گیا ہے۔میں اس کے

خاندان کی ہوں لیکن ہمارا ددھیالی نہیں ننھیالی رشتا ہے ذرا اس کی حویلی میں جا کر اس کا حرم خانہ دیکھو جہاں بہت سی جوان اور حسین لڑکیاں موجود ہیں۔سطوت کو جو پسند آجاتی ہے وہ اس سے نکاح کرلیتا ہے اور جب اس کا دل بھر جاتا ہے تو اسے حویلی لے جا کر اپنے حرم میں ڈال دیتا ہے۔طلاق دے دیتا ہے اور طلاق ہوجانے کے باوجود وہ عورت آزاد نہیں ہوتی۔بلکہ حویلی کی اونچی فصیلوں میں قید کردی جاتی ہے۔مسٹر سطوت شرع کے بہت پابند

ہیں۔" اس نے گہرے طنزیہ لہجے میں کہا وہ ایک وقت میں چار بیویاں ہی اپنے نکاح میں رکھتے ہیں میرے اور تمہارے علاوہ انہوں نے ایک نامی گرامی طوائف سرمئی بائی سے بھی نکاح کر رکھا ہے اور آج کل اس پر دل جان سے مہربان ہیں۔اس پر دن رات نوازشات کی مہربانیاں ہیں۔سنا ہے وہ بھی اسے بہت چاہتی ہے۔اس نے کوٹھا چھوڑ دیا ہے اور لاہور میں سطوت نے اسے ایک علیحدہ بنگلہ لے کر دے رکھا ہے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔" نفیسہ کی باتیں سن کر مجھے شدید چکر آگیا اور میں بیٹھتی چلی گئی۔

"ارے تم نے تو ابھی سے ہمت ہار دی میری ایک بات اچھی طرح اپنے دماغ میں بٹھا لو کہ اگر تمہاری بیٹی پیدا ہوئی تو وہ تمہیں دھوکہ دینے کے جرم میں اور تمہاری بیٹی کو بیٹی ہونے کے جرم میں جان سے مروا دے گا۔" نفیسہ نے کہا۔

"تم مجھ سے انتقام لے رہی ہو نفسیہ' اس لیے اس قسم کی باتیں کر رہی ہو سطوت ایسا ہر گز نہیں کریں گے۔" میں نے مردہ لہجے میں کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں آرہا تو سرمئی کے بارے میں کسی سے بھی پتا کروالو۔وہ یہیں سمن آباد میں بنگلہ نمبر 118 میں مقیم ہے۔" نفیسہ بولی۔

"لیکن میں کس طرح سے یہ بات معلوم کر سکتی ہوں کیونکہ میرے تو گھر سے باہر جانے پر بھی پابندی ہے۔" میں نے کہا۔

"میں بڑی مشکلوں سے تم تک پہنچی ہوں تاکہ تمہیں خبردار کرسکوں ویسے میری دعا ہے کہ اللہ تمہیں بیٹے کی ماں بنائے۔لیکن اس صورت میں بھی صرف تمہارے بچے کی جان بخشی ہوگی۔سطوت تم سے تمہارا بیٹا چھین کر تمہیں ہمیشہ کی نیند سلا دے گا۔وہ تمہیں وہ عزت کبھی نہیں دے گا جو ایک بیوی کا حق ہوتی ہے اور اگر خدانخواستہ تمہارے ہاں بیٹی کی ولادت ہوئی تو جتنی جلدی ہوسکے اپنی اور اپنی بیٹی کی جان بچاکے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرنا۔" نفیسہ نے کہا۔

"ایک بات تو بتاؤ نفیسہ۔" میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"پوچھو۔" اس نے کہا۔

”آخر تمہیں مجھ سے اتنی ہمدردی کس لیے ہو رہی ہے۔بقول تمہارے کہ میں نے تو تم سے تمہارا شوہر چھین لیا ہے۔تو پھر مرنے دو مجھے تمہارے حق میں تو اچھا ہی ہے۔“

”انسانیت کے ناتے اور ایک عورت ہونے کے ناتے جس ظالم اور سفاک شوہر کی درندگی میں نے برداشت کی ہے تم اس سے زیادہ درندگی کا شکار ہونے والی ہو اور تم نے کہا مجھ سے میرا شوہر چھینا ہے وہ تو کبھی میرا تھا ہی نہیں وہ تمہارا بھی نہیں ہے وہ سرمئی بائی کا بھی نہیں ہے وہ کسی کا نہیں ہے۔صرف اپنے نفس کا غلام ہے۔“ نفیسہ نے کہا اور اٹھ کر میرے نزدیک آکر بیٹھ گئی اور نہ چاہتے ہوئے بھی جو آنسو بہہ کر میرے گالوں تک آگئے تھے انہیں صاف کرنے لگی اور بولی۔

”روشن آراء اگر تمہیں میری باتوں کی سچائی میں کوئی شک ہے تو عشرت سے پوچھ لو۔یہ تو حویلی کی پرانی خادمہ ہے۔جدی پشتی یہ لوگ حویلی کے ملازم چلے آرہے ہیں۔یہ حویلی کی ہر بات سے واقف ہے۔لیکن آنکھیں' کان اور زبان

رکھنے کے باوجود یہ اندھی ہے گونگی ہے اور بہری ہے۔“ نفیسہ نے سر جھکائے اور ہاتھ باندھے کھڑی عشرت کی جانب اشارہ کر کے کہا۔

میں نے عشرت کی جانب نگاہ اٹھائی تو وہ اپنے دونوں ہاتھ جوڑے تھر تھر کانپنے لگی۔

”بتا اس کو کہ میں جھوٹ کہہ رہی ہوں یا سچ۔“ نفیسہ نے کہا۔

”مم... مجھے معاف کردیں میں کچھ نہیں بول سکتی۔“ عشرت نے کپکپاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”کیا تجھے اپنی معصوم لڑکی کا انجام یاد نہیں کہ ان حویلی والوں نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا۔صرف اس کی خاطر کہ تیرے بس میں ہوتا تو تو اسے بچا لیتی۔آج سارا سچ بول کر اس کو اور اس کے بچے کو بچالے عشرت اور اگر تُو نے ایسا نہیں کیا تو تُو بھی ان ہی گناہ گاروں کے ساتھ سمجھی جائے گی اور تیرا انجام بھی یوم حشر ان ہی کے ساتھ ہوگا۔“ نفیسہ نے کہا تو عشرت اس کے قدموں میں گر کر بری طرح رو پڑی۔

عشرت زمین پر دو زانو بیٹھی ہاتھ جوڑے سر جھکائے رو رہی تھی اور نفیسہ مسلسل اسے اکسا رہی تھی کہ عشرت نے حویلی میں جو کچھ بھی دیکھا ہے وہ سب بیان کردے۔

تھوڑی دیر ماحول میں شدید ٹینشن کی فضا طاری رہی۔ میرے دماغ کی رگیں پھٹ رہی تھیں۔کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا سچ ہے کیا جھوٹ ہے کبھی یہ خیال آتا کہ نفیسہ سچ کہہ رہی ہے کیونکہ سطوت کی جو شخصیت کھل کے اب میرے سامنے آئی تھی وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ نفیسہ کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ حقیقت پر مبنی ہے، دوسری جانب میرے دل میں جو سطوت کی محبت تھی وہ مجھے جھوٹی تسلیاں دے رہی تھی کہ سطوت ایسے نہیں ہوسکتے۔میں سوچوں میں گم تھی کہ عشرت کی آواز سن کر میں حال میں واپس آگئی وہ کہہ رہی تھی۔

”بی بی ہوسکتا ہے کہ اپنی زبان کھول دینے کے جرم میں مجھے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں لیکن آج میں چپ نہیں رہوں گی۔میں ایک بار پھر اپنی فرحت کو مرنے نہیں دوں گی۔میری معصوم فرحت بھی حویلی والوں کی درندگی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کا شکار ہوئی تھی اس کی عمر تو صرف سولہ برس کی ہی تھی نہ جانے کس نے اس کے ساتھ ظلم کیا کہ مارے خوف کے اس نے اپنی زبان ہی نہیں کھولی میں تو صرف اتنا جانتی تھی کہ وہ بڑی بیگم نواب صاحب کی پہلی بیوی کی ملازمہ تھی۔بڑی سندر بڑی شوخ ہر وقت ہنستی رہتی تھی یا پھر ان کی بچیوں کا خیال رکھتی تھی۔

نہ جانے کب اور کس نے ان کے کمرے میں اس پر ظلم کیا کہ اس کا پاؤں بھاری ہوگیا۔میں تو آج بھی یہ بات منہ سے نکالتے ہوئے ڈرتی ہوں۔میری بیٹی نے اس رات کا واقعہ مجھے سنایا تھا۔“ اتنا کہہ کر عشرت خاموش ہوگئی اور وحشت زدہ نگاہوں سے نفیسہ کی جانب دیکھنے لگی۔

”تو گھبرا کیوں رہی ہے، اصل مجرم کا نام بتاتی کیوں نہیں۔مت گھبرا شاباش روشن آرا کو اپنے دکھ کی ساری داستان سنا۔“ نفیسہ نے نرم لہجے میں کہا۔

”تو کیا تمہیں معلوم تھا کہ تمہاری بیٹی کے ساتھ زیادتی کس نے کی تھی؟“ میں نے حیرت سے پوچھا تو اس نے اثبات میں گردن ہلادی۔دہشت اور وحشت ایک ساتھ اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔

"میں کئی روز سے دیکھ رہی تھی کہ فرحت بالکل گم صم ہو کر رہ گئی تھی نہ کھاتی پیتی تھی اور نہ بات کرتی تھی۔ کتنی مرتبہ ایسا ہوا کہ وہ کمرے میں اکیلی بیٹھی ہوتی اور میں اگر اچانک چلی جاتی تو وہ اچھل پڑتی اور خوف زدہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگتی تھی۔اس روز بھی ایسا ہی ہوا میں جب کمرے میں گئی تو میری آہٹ سنتے ہی وہ خوف سے اچھل کر کھڑی ہوگئی اور تھر تھر کانپنے لگی۔

"ارے کیا ہوا تجھے؟ تُو تو اس طرح ڈر کر اچھلی ہے جیسے کوئی بھوت کمرے میں آگیا ہو۔" میں نے ہنس کر کہا تو اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔بس خاموشی سے ایک جانب بیٹھ گئی اور اپنے وجود کی کپکپاہٹ پر قابو پانے کے لیے اس نے اپنے گھٹنوں کو سمیٹ کر اپنے بازو ان کے گرد کس دیے۔مگر اس کے باوجود وہ کپکپا رہی تھی۔میں اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہوگئی اور اس کے قریب بیٹھ کر پیار سے پوچھا۔

"کیا بات ہے فرحت تو اتنی ڈر کیوں رہی ہے؟ میں کئی دنوں سے دیکھ رہی ہوں تو بالکل گم صم ہو کر رہ گئی ہے۔نہ کھانا کھاتی ہے نہ ہنستی بولتی ہے کیا بات ہے میری بچی مجھے تو بتا۔"

"اماں۔" فرحت کے لبوں سے ایک دبی دبی سی چیخ نکلی اور وہ میرے گلے لگ کر بری طرح رونے لگی۔

"ارے... رے... رے کیا ہوا؟" میں اور زیادہ پریشان ہوگئی۔

لیکن وہ بنا کوئی جواب دیے دیر تک میرے گلے لگ کر روتی رہی اور میں پیار سے اس کی پشت سہلاتی رہی۔میں یہ سمجھ رہی تھی کہ بڑی بی بی نے اسے کسی بات پر ڈانٹا اور مارا ہے جب ہی یہ اتنی ڈری ہوئی اور خوفزدہ ہے۔یا پھر حویلی میں اس کے ہاتھوں کسی چیز کا نقصان ہوگیا ہے اور بڑی بی بی نے اس کو مارا ہے۔دیر تک رونے کے بعد وہ خود ہی میرے گلے سے ہٹ کر بیٹھ گئی اور بولی۔

"اماں تجھے پتا ہے کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے؟"

"اری ہاں میں جانتی ہوں تجھے بڑی بی بی سے مار پڑی ہے۔جب ہی تو اتنا رو رہی ہے۔اری میری بچی اس میں اتنا رونے کی کیا بات ہے ہم تو جدی پشتی ان کے خادم ہیں غلام ہیں۔ان کا جو دل چاہے ہمارے ساتھ سلوک کریں۔اس میں اتنا رونے کی کیا بات ہے۔" میں نے اسے پیار سے سمجھایا۔

"کاش اماں بڑی بی بی مجھے مارتی اور اتنا مارتی کہ میرا دم نکل جاتا تو مجھے اتنا صدمہ نہ ہوتا۔" فرحت نے روتے ہوئے کہا۔

"اری تو پھر کیا ہوا؟" میں نے جھنجلا کر کہا۔

"اماں وہ... اماں وہ میں...!" اس سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔

"کیا وہ میں' وہ میں کی رٹ لگائی ہوئی ہے صاف صاف کیوں نہیں بتاتی کہ کیا ہوا ہے۔" میں نے ایک بار پھر جھنجلا کر کہا کیونکہ میں ابھی حویلی سے کام سے فارغ ہو کر لوٹی تھی۔پورے دو گھنٹے بڑی بی بی کے پاؤں دبائے تھے۔ میری خود ہڈی ہڈی دکھ رہی تھی۔

"اماں میں رات کو بڑی بی بی کے لیے دودھ کا گلاس لے کر گئی تھی تو وہاں پیر سائیں بیٹھے تھے۔اماں وہ بوتل سے گلاس میں ڈال ڈال کر کوئی شربت پی رہے تھے۔بڑی بی بی کمرے میں موجود نہیں تھی تو میں گلاس مسہری کے برابر والی میز پر رکھ کر پلٹنے لگی تو پیر سائیں نے مجھے آواز دے کر بلایا۔تو میں رک گئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"ادھر آ لڑکی۔" انہوں نے کہا تو میں ڈرتی کانپتی ان کے نزدیک چلی گئی مجھے انہیں دیکھ کر بہت ڈر لگا اماں ان کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔وہ مجھ سے بولی۔

"کدھر جاتی ہے ادھر آ ہمارے پاؤں دبا۔"

اماں میں کھڑے کھڑے ان کے پاؤں دبانے لگی تو انہوں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاس میز پر رکھ دیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب کھینچ لیا اور اماں... اور اماں ان کے منہ سے بڑی خراب بو آ رہی تھی میرا جی متلانے لگا۔

اتنے میں بڑی بی بی کمرے میں آ گئیں تو پیر سائیں نے انہیں ڈانٹ کر کمرے سے نکل جانے کو کہا تو وہ فوراً ہی واپس پلٹ گئیں اور جاتے جاتے دروازہ بھی بند کر گئیں اور اماں... ان... انہوں نے... مجھے برباد کر ڈالا...!" یہ کہہ کر وہ پھر اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔

"یہ تو کیا کہہ رہی ہے فرحت...!" میرا تو دماغ ہی بھک سے اڑ گیا اور میں نے جھٹ اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔پھر دیر تک ہم ماں بیٹی ایک

دوسرے سے لپٹ کر روتی رہیں۔میں نے فرحت کو سختی کے ساتھ منع کیا کہ خبردار یہ بات کسی کے آگے مت کہنا ورنہ نہ تو زندہ رہے گی اور نہ میں۔

”لیکن اماں پیر سائیں تو ہمارے سائیں ہیں۔وہ ہم سب کے سروں پر سایہ ہیں ہم تو ایک باپ کی نگاہ سے انہیں دیکھتے ہیں۔کتنے لوگ ان کے پاس دعا کے لیے آتے ہیں۔پھر انہوں نے ایک غریب اور یتیم کے ساتھ ایسا برا کام کیوں کیا۔“ فرحت نے روتے ہوئے معصومیت سے پوچھا۔

”بس میری بچی یہ بات تو وہی جانیں بس اب تو اپنے ہونٹ سی لے، صبر کرلے جو ہونا تھا ہوچکا ہماری اتنی اوقات نہیں ہے کہ ہم اس ظلم کی شکایت کسی کے پاس لے کر جائیں ہم تو ان کے غلام ہیں اور غلام کو کچھ کہنے سننے کا حق نہیں ہوتا۔اسے تو صرف برداشت کرنا ہوتا ہے چاہے کچھ بھی ہوجائے۔

”اماں آج بھی پیر سائیں حویلی میں آئے ہوئے ہیں اس لیے مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“ فرحت نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ہاں تو حویلی مت جانا میں بڑی بی بی سے کہہ دوں گی کہ تجھے تپ چڑھی ہوئی ہے۔“ میں نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

اس ساری رات مارے دکھ اور صدمے کے میں سو نہیں سکی، میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔میں تو اپنے ربّ سے شکوہ بھی نہیں کرسکتی تھی کہ مجھے حویلی کے غلام شوکت کے گھر کیوں پیدا کیا اور اگر مجھے پیدا کر بھی دیا تھا تو مجھے بیٹی کیوں دی تھی اللہ تعالیٰ ایک بیٹا ہی دے دیتا جو ساری عمر حویلی کی غلامی کر کے ایک دن مرجاتا۔

اور پھر اگلے ماہ فرحت کو الٹیاں آنے لگیں۔بڑی بی بی بڑی عقابی نگاہ رکھتی تھی شاید اس لیے بھی وہ فرحت کا کڑی نگاہوں سے جائزہ لے رہی تھی کہ اسے معلوم تھا کہ اس کے سائیں نے فرحت کے ساتھ کیا کیا ہے۔اس نے ڈپٹ کر مجھ سے کہا۔

”عشرت فرحت کو الٹیاں کیوں آرہی ہیں۔“

”پتا نہیں بڑی بی بی، شاید کچھ الٹا سیدھا کھا لیا ہوگا ٹھیک ہوجائے گی خود ہی لوٹ پوٹ کر۔“ میں نے دبے دبے لہجے میں کہا۔کیوں کہ میرا دل انجانے خدشوں میں گھر گیا تھا۔

"مگر مجھے تو اس کی چال ہی بدلی ہوئی لگ رہی ہے۔سچ سچ بتا کیا بات ہے؟" انہوں نے تیز نگاہوں سے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا ان کی تیز نگاہیں مجھے اپنے اندر کسی برچھی کی مانند اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں یا پھر وہ یہ دیکھنا چاہ رہی تھی کہ فرحت نے مجھے کیابتایا ہے۔

"جاجا کے دائی حکیمہ کو تو بلا کر لا۔" انہوں نے مجھے حکم دیتے ہوئے کہا۔

"کک... کیوں...؟" میں نے بری طرح چونک کر خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"میں فرحت کو اسے دکھاؤں گی مجھے تو کوئی اور ہی شک ہو رہا ہے۔اس کی رنگت تودیکھ کیسی ہلدی کی طرح زرد ہو رہی ہے۔" بڑی بی بی نے رعونت بھرے لہجے میں کہا۔

بڑی بی بی کی باتیں سن کر بہت سارے اندیشے ناگ کا سا پھن اٹھا کر میرے سامنے آن کھڑے ہوئے۔میرا جی چاہا کہ اپنا سر پیٹ لوں۔یہ بات میرے دماغ میں کیوں نہیں آئی کہ ایسی ویسی بھی کوئی بات ہوسکتی ہے۔اب اگر حقیقت میں ایسا ہوا تو کیا ہوگا۔بڑی بی بی ہر بات جانتے ہوئے بھی حشر برپا کردے گی اور فرحت کو اس گناہ کی جس میں اس کی مرضی شامل نہیں تھی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

بہت بڑی سزا دے گی اور میں، میں کیسی مجبور اور بے کس ماں تھی کہ اپنی بیٹی پر ہونے والے ظلم پر آواز بھی نہیں اٹھا سکتی تھی۔میری تو جنم گھٹی میں ہی پیر سائیں اور ان کے خاندان والوں کی خدمت اور ادب کا سبق گھول کر پڑھایا گیا تھا۔ہم اپنے ماں باپ سے تو تو تکار کرسکتے تھے لیکن ان لوگوں کے سامنے سر اٹھا کر بات کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

"آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے بڑی بی بی، فرحت تو کنواری بچی ہے پھر ایسی بات۔"

"بکواس نہ کر۔" بڑی بی بی نے میری بات کاٹ کر دہاڑ لگائی۔"میں جانتی ہوں کہ وہ کنواری ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی کے ساتھ منہ کالا کر بیٹھی ہو۔ پیروں کی حویلی میں ایسی گناہ کی بات توبہ، توبہ چل جا تو جا کر حکیمہ کو بلا کر لا اور اپنی لونڈیا کو بھی بلا کر لا۔جلدی کر...!" بڑی بی بی نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا ہر طرف سے جائزہ لیا تو میں لرزتی کانپتی اٹھی اور لرزاں قدموں سے حکیمہ کو بلانے چلی گئی ساتھ ہی میں فرحت کو بھی لے آئی۔

ہم دونوں ماں بیٹی مجرموں کی طرح سر جھکائے فرش پر بیٹھی تھیں کہ حکیمہ تیز تیز چال چلتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی مگر ایک دم اس کے قدموں کو بریک لگ گئے بڑی بی بی کو دیکھ کر وہ مؤدب انداز میں سر جھکا کر کھڑی ہو گئی اور بولی۔"آپ نے بلایا تھا بڑی بی بی۔"

آگئی تو! ادھر آ اور ذرا اس عشرت کی لونڈیا کو دیکھ کر بتا کہ اس کو بار بار متلی اور قے کیوں ہو رہے ہیں کہیں ایسی ویسی بات تو نہیں ہے۔" بڑی بی بی نے کہا تو حکیمہ چونک کر ہماری جانب دیکھنے لگی اور بڑ

بڑانے کے انداز میں بولی۔

"یہ تو کنواری ہے۔"

"زیادہ بڑ بڑ نہ کر اس کو دیکھ۔" بڑی بی بی نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا پھر فرحت کی جانب اشارہ کر کے کہا۔

"چل لڑکی ادھر حکیمہ کو دکھا۔"

"کک... کیوں میں نہیں...!" میری بچی تڑپ گئی۔

"پہلے گل کھلاتی ہے اب جان کیوں نکل رہی ہے۔" بڑی بی بی اپنی جگہ سے اٹھی اور آکر فرحت کے پہلو میں اپنے پاؤں کی ٹھوکر لگاتے ہوئے کہا۔

اور پھر حکیمہ نے ذرا ہی دیر میں وہ روح فرسا خبر سنادی جس کو سن کر مجھے بڑے زوروں کا چکر آنے لگا۔بڑی بی بی بے پناہ مغلظات بک رہی تھی۔وہ بار بار فرحت سے اس کا نام پوچھ رہی تھی تب فرحت نے کراہتے ہوئے کہا۔

"بڑی بی بی وہ آپ... اس روز...!"

"خاموش نا ہنجار... آوارہ... کمینی... پیروں کی حویلی میں ایسے گناہ کرے گی۔" وہ زور سے دہاڑی شاید فرحت اسے یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ آپ ہی تو اس رات دروازہ بند کر کے مجھے اپنے ظالم شوہر کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔

"اس سے پہلے کہ حکیمہ یہ بات کل ساری حویلی میں گردش کرے اور پیر سائیں کے کانوں میں پڑے اس حرام کے تخم کو ختم کردے اور ہاں عشرت میں نے فضل دین کو بلایا ہے وہ اکیلا زندگی گزار رہا ہے میں فرحت کا اس سے نکاح کردوں گی۔اچھا ہے اس کا عیب چھپ جائے گا اور فضل دین کا

بڑھاپا سنور جائے گا۔" بڑی بی بی نے حکم صادر کیا اور پھر ہمیں اپنے کمرے میں چلے جانے کا حکم دے دیا۔ حکیمہ فرحت کو لے کر اپنے ساتھ چلی گئی اور میری بچی روتے ہوئے مڑ مڑ کر مجھے دیکھتی رہی میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی گئی۔

پھر میرے کانوں نے اپنی بچی کی گھٹی گھٹی چیخیں سنی۔ تھوڑی دیر بعد حکیمہ گھبرائی ہوئی باہر نکلی اور دوڑتے قدموں سے حویلی کے اندرونی حصے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر تک تو مجھے فرحت کی دبی دبی چیخیں اور کراہیں سنائی دیتی رہیں پھر یہ آوازیں آنا معدوم ہو گئیں۔ میں کمرے کے باہر فرش پر سرنیوڑھائے بیٹھی تھی۔

پھر میں نے دیکھا کہ بڑی بی بی حکیمہ کے ساتھ تیز تیز قدموں سے آ رہی ہیں وہ حکیمہ کے ساتھ اندر کمرے میں چلی گئیں۔ تھوڑی دیر بعد باہر نکلیں ذرا دیر کو میرے پاس رکیں۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھیں مگر کہتے کہتے رک گئیں۔ پھر آگے بڑھ گئیں مگر پھر پلٹ کر آئیں اور بولی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"وہ مر گئی ہے مگر خبردار جو ایک لفظ بھی کسی کے آگے بکا سب سے یہی کہنا کہ اسے ہیضہ ہو گیا تھا۔" اور پھر تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گئیں۔ میں آنکھیں پھاڑے بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ یہ بڑی بی بی کیا کہہ گئیں۔ میری فرحت میری بیٹی مر گئی۔ میری ویران زندگی میں ایک یہی تو روشنی کی کرن تھی میری شادی بھی حویلی کے پرانے اور بوڑھے خدمت گزار عبدالرشید سے کردی گئی تھی جو ایک بیٹی کا تحفہ دے کر بلغم تھوک تھوک کر مر گیا تھا۔

میری معصوم بچی رات کے اندھیرے میں دفنا دی گئی۔ میں غم سے نڈھال تھی کہ بڑی بی بی نے مجھے حویلی بلوایا اور کہا۔

"زیادہ افسوس کرنے کی ضرورت نہیں وہ بد کار تھی اچھا ہوا قدرت نے خود ہی اس کا پردہ ڈھک دیا۔ شکر کرو کسی کو بھی اس کے گناہ کے بارے میں نہیں معلوم۔"

"بڑی بی بی اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ بچہ...!" میں نے دبے دبے لہجے میں کہا۔

"خاموش۔" بڑی بی بی نے قہر آلود لہجے میں آنکھیں نکال کر کہا۔"ایک لفظ بھی آگے منہ سے مت نکالنا۔تو کیا چاہتی تھی وہ پیر سائیں کی اولاد پیدا کرتی۔تم جیسے کمی کمینوں کو اس کا کیا حق ہے۔" اس نے فرعونیت بھرے لہجے میں کہا۔"چل دفع ہوجا یہاں سے۔"

اور پھر جب سائیں حویلی آئے تو مجھے اپنے ساتھ یہاں لے آئے۔انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میری بیٹی کہاں ہے تو میں نے جواب دیا کہ وہ گزر گئی۔تو انہوں نے آگے سے کچھ نہیں کہا۔

آپ بھی میری فرحت کی طرح مظلوم ہو۔یہ بڑے ظالم لوگ ہیں۔اگر آپ کے گھر بیٹا نہ ہوا تو یہ لڑکی کو مار دیں گے آگے سے دو بیٹیاں موجود ہیں۔"

اتنا کچھ بتا کر عشرت خاموش ہوگئی اور نہ جانے کیوں میرا دل بری طرح گھبرانے لگا۔نفیسہ تو چلی گئی لیکن میری طبیعت بہت خراب ہونے لگی۔مجھے رات میں بہت بے چینی رہی تھی۔بار بار بستر سے اٹھ کر بیٹھ جاتی۔عشرت کی داستان الم سن کر ہی میں خوف و دہشت کا شکار ہوگئی تھی اور بار بار یہ خیال آرہا تھا کہ اگر میری بیٹی پیدا ہوئی تو وہ ظالم انسان اپنے ہاتھ سے اس کا گلا

گھونٹ دے گا اس نے اس آس میں ابھی تک اس کو زندہ رکھا ہوا ہے کہ میرے ہاں بیٹا پیدا ہونے والا ہے۔

عشرت میری بے قراری کو دیکھ رہی تھی وہ میرے پاس بیٹھی مجھے تسلیاں دے رہی تھی۔میرے پہلو میں درد کی ایک تیز لہر اٹھتی اور میں نڈھال ہوجاتی۔بچے کی پیدائش میں ابھی ٹائم تھا اس لیے میں سمجھ نہ سکی عشرت نے کہا کہ صبح ہوجائے تو اسپتال جا کر دکھا دیجیے گا۔لیکن صبح ہونے ہی نہیں پائی اور میری بچی دنیا میں آگئی۔

اس وقت میرے پاس صرف عشرت تھی اس نے ہی سب کچھ سنبھالا۔میرے جب ہوش و حواس بہتر ہوئے تو عشرت نے بیٹی کی پیدائش کی خبر سنائی۔

میں نے تڑپ کر اپنی بانہیں عشرت کے سامنے پھیلائیں اور اپنی بچی کو سینے سے اس طرح لگا لیا جیسے مرغی اپنے بچے کو اپنے پروں میں چیل کے ڈر سے چھپا لیتی ہے۔

"اب کیا ہوگا عشرت نواب صاحب تو اس کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔میں کس طرح سے اس کی جان بچاؤں۔" میں نے بری طرح روتے ہوئے کہا۔

"ایک بات کہوں بی بی اگر آپ مانیں تو۔" عشرت نے پر اسرار انداز میں کہا۔

"ہاں بولو۔" میں نے بچی کو اپنے سینے سے لگائے کہا۔

"آپ اس کو یہاں سے لے کر کہیں دور چلی جائیں اتنی دور جہاں پیر سائیں کا سایہ بھی آپ تک نہ پہنچے اور ابھی انہیں اس کی پیدائش کے بارے میں بھی نہیں بتائیے گا۔ابھی تو وہ ملک سے باہر ہیں ان کے آنے سے پہلے پہلے آپ یہاں سے نکل جائیں۔" اس نے تیز سرگوشی میں کہا۔

"لیکن کیسے؟ کہاں؟ میں یہاں سے کیسے باہر نکل سکتی ہوں باہر تو پہرہ ہے اگر میں گیٹ پر اس کو لے کر جاؤں گی تو گارڈ اس کو دیکھ لے گا۔" میں نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"میں نے اس کی ترکیب بھی سوچ لی ہے۔بس آپ اپنے دل اور ارادے کو مضبوط رکھیں۔" عشرت نے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"وہ کیا؟" میں نے تیز اور اضطرابی لہجے میں پوچھا۔

"بچی کو ہم کپڑوں کی باسکٹ میں چھپا دیں گے میں گارڈ سے جا کر کہوں گی کہ بی بی کی اچانک بہت زیادہ طبیعت خراب ہوگئی ہے ہمیں فوراً اسپتال جانا ہے وہ ہمارے لیے ٹیکسی لادے۔وہ ذرا دیر کے لیے گیٹ سے ہٹے گا اور ہم یہاں سے فرار ہوجائیں گے۔" عشرت نے اپنا پلان میرے سامنے رکھا تو میں اس کی عقل پر حیران رہ گئی۔پلان تو واقعی بہت اچھا تھا یہاں پر کوئی گاڑی نہیں تھی کیونکہ مجھے کہیں بھی آنے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ بس ایک مسئلہ تھا کہ جیسا ہم سوچ رہے تھے ویسا ہی ہونا چاہیے تھا کہیں گارڈ ادھر ادھر فون نہ کرنے لگے یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سلسلے میں سطوت نے اسے کچھ اور ہی ہدایات دے رکھی ہوں۔

بہرحال ہم نے فوراً ہی کام شروع کردیا میں نے ساری نقدی سمیٹی۔اس کے علاوہ سطوت نے مجھے اپنے بیٹے کے لیے جو چیزیں لا کر دی تھیں بقول اس کے جو اس کے خاندان کی نشانیاں تھیں۔میں نے وہ بھی ساتھ رکھ لیں پھر میں نے سطوت کے نام ایک خط لکھا اور اسے بتایا کہ اس کے ہاں بیٹے کی

نہیں بیٹی کی ولادت ہوئی ہے اور میں اپنی بچی کو اس کے ظالم اور سفاک ہاتھوں کی پہنچ سے بہت دور لے کر جا رہی ہوں۔ کیونکہ میں یہ بات اچھی طرح سے جانتی ہوں کہ اس کے باپ کے ہاتھ اس کے سر پر شفقت سے رکھنے کے لیے اس کی جانب کبھی نہیں بڑھیں گے۔ بلکہ اس کی زندگی کو ختم کرنے اور اس کا گلا دبانے کے لیے بڑھیں گے۔

پھر عشرت نے سوتی ہوئی بچی کو احتیاط کے ساتھ باسکٹ میں لٹایا اور میں نے وہ سارا سامان جو اس کے باپ نے اس کے لیے نہیں بلکہ بیٹے کے لیے مجھے دیا تھا میں نے احتیاط سے باسکٹ میں رکھ دیا اور ایک ہلکی سی چادر بچی کے اوپر ڈال دی، میں نے بڑی سی چادر اوڑھ کر اپنے آپ کو اچھی طرح سے کور کرلیا۔ تب اللہ کا نام لے کر عشرت گھبرائے ہوئے انداز میں باہر نکلی اور گارڈ کو جا کر ایمرجنسی کے بارے میں بتایا۔

گارڈ نے عشرت سے کہا کہ وہ کسی کو فون کر کے یہ بات بتا دے گا۔ کیونکہ پیر سائیں کا یہی حکم ہے تب عشرت نے کہا کہ اگر دیر ہوگئی تو بہت بڑا مسئلہ ہوجائے گا۔ تم فوری طور پر ٹیکسی لا دو تاکہ ہم بروقت اسپتال پہنچ جائیں

تم بعد میں انہیں فون پر اطلاع دیتے رہنا یہ بات سن کر گارڈ سوچ میں پڑ گیا۔

”تم کیا سوچ رہے ہو جلدی کرو اگر ماں یا بچے کو کوئی نقصان پہنچا تو پیر سائیں تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔“ عشرت نے تیزی سے کہا تو وہ فوراً ہی گیٹ سے ہٹ کر روڈ کی جانب چل دیا۔ عشرت نے باہر جا کر گارڈ کے جانے کی سمت کا اندازہ لگایا اور بھاگتی ہوئی اندر آئی اور بولی۔

”چلیے بی بی جلدی کیجیے گارڈ چلا گیا ہے۔ پانچ منٹ میں وہ آتا ہی ہوگا۔ ہمیں فوراً ہی یہاں سے نکلنا ہے۔“ میں نے سطوت کے نام لکھا ہوا پرچہ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی مجھے چلنے سے چکر آنے لگے۔ میں بہت کمزوری محسوس کر رہی تھی لیکن یہ ایک ماں کی اپنے بچے کے لیے محبت ہی تھی کہ جس نے مجھے اتنی ہمت دی اور میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

گیٹ سے باہر آکر عشرت نے بتایا کہ گارڈ دائیں جانب گیا ہے تو ہم بائیں جانب چلنے لگے۔ رات کا وقت تھا آسمان پر گھرے بادل چھائے ہوئے تھے اور ہوا بالکل بند تھی۔

میں نے تیز تیز قدموں سے بنگلوں کی اس لائن کو عبور کیا تو میرا سانس بری طرح پھولنے لگا۔میں نے چند لمحوں کے لیے توقف کیا دو تین گہری گہری سانسیں لیں اور پھر چلنا شروع کردیا۔ہم گلیوں گلیوں میں چل رہے تھے یہاں سے سڑک نہ جانے کتنی دور تھی۔

اچانک مجھے ایک خیال آیا تو میں نے بچی کو باسکٹ سے نکال کر گود میں لے لیا اور دوسرے ہاتھ میں باسکٹ تھام لی اور عشرت سے کہا کہ اب وہ مجھے تنہا چھوڑ دے اوراپنی راہ لے بالفرض اگر گارڈ کی دور سے بھی ہمارے اوپر نگاہ پڑ گئی تو وہ ہمیں ساتھ دیکھ کر فوراً پہچان لے گا۔اگر ہم تنہا ہوں گے تو آسانی سے اپنے آپ کو چھپا سکتے ہیں اور ویسے بھی میری گود میں تو بچی ہے اور میں اپنا چہرہ چادر سے چھپالوں گی اس طرح اسے مجھ پر شبہ نہیں ہوگا۔

عشرت مجھے اس طرح تنہا چھوڑنے پر راضی نہیں ہو رہی تھی۔وہ کہہ رہی تھی کہ بی بی آپ بہت کمزور ہیں بچی اور باسکٹ اٹھا کر پیدل کہاں تک چلیں گی۔مجھے اپنی جان کی فکر نہیں ہے زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا پیر سائیں مجھے گولی مار دیں گے تو مار دیں میرا بھی اب کون سا جینے کو دل چاہتا ہے۔

میں نے کہا کہ اگر ہم پکڑے گئے تو بچی بھی تو زندہ نہیں بچے گی اور مجھے اس کی جان اپنی جان سے بھی زیادہ پیاری ہے۔

عشرت کی سمجھ میں میری بات آگئی پھر میں نے پرس سے ہزار ہزار کے جتنے بھی نوٹ میرے ہاتھ میں آئے میں نے نکالے اور عشرت کو دے دیے اور اسے اللہ حافظ کہا اور اس سے الگ ہوگئی۔

میں بڑی مشکل سے قدم اٹھا پا رہی تھی کمزوری اور نقاہت سے برا حال تھا جس کی وجہ سے گھٹن بھی ہو رہی تھی اچانک ہی سارے علاقے کی بجلی چلی گئی تو میں ایک جگہ بیٹھ گئی مجھ سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا جا رہا تھا۔سارے جسم کی جان میرے ہاتھوں میں منتقل ہوگئی تھی جس سے میں نے اپنی بچی کو مضبوطی کے ساتھ سینے سے لگایا ہوا تھا۔

اچانک زور سے بادل گرجے تو بچی نیند سے بیدار ہوگئی اور زور زور سے رونے لگی۔میں اسے کندھے سے لگا کر ہلانے لگی تب ہی موٹی موٹی بوندیں گرنا شروع ہوگئیں۔میں بہت زیادہ پریشان ہوگئی کہ اس بارش سے اپنی معصوم

بچی کو کیسے بچاؤں۔میں نے اسے اپنی چادر میں چھپا لیا اور پھر ہمت کر کے کوئی جگہ تلاش کرنے لگی جہاں میں اور میری بیٹی اس بارش سے بچ سکیں۔

میں بے تابی کے ساتھ بنگلوں کے گیٹ دیکھ رہی تھی ایک تو اندھیرا اور دوسرے بارش، دور دور کسی انسان کا نام و نشان نہیں تھا میرے قدموں نے میرا ساتھ دینے سے انکار کردیا اور میں لڑکھڑانے لگی۔اچانک ہی میں تیز روشنی میں نہا گئی۔ایک کار میرے سامنے آگئی اور میں گھبرا کر لڑکھڑا کر زمین بوس ہو گئی۔

مجھے بس کار کے بریک چرچرانے کی آواز سنائی دی پھر اس کے بعد مجھے کچھ بھی ہوش نہیں رہا۔آنکھ کھلی تو حلق پیاس کے مارے چیخ رہا تھا۔کمزوری اتنی زیادہ تھی کہ آنکھیں کھولنے پر بھی اندھیرے کی چادر آنکھوں کے سامنے آرہی تھی۔

”پا... نی...!“ میں کراہی۔

”تب مجھے محسوس ہوا کہ کسی نے چمچے سے میرے منہ میں پانی ڈالا ہے۔میں نے بے تابی سے اپنا حلق تر کیا۔چند چمچوں کے بعد میں نے آنکھیں کھولیں تو ایک بہت مہربان صورت کو اپنے قریب پایا۔

”تمہاری طبیعت کیسی ہے؟“ وہ دھیرے سے مسکرائی اور تب مجھے اپنی بچی کا خیال آیا اور میں نے تیزی سے اٹھ کر بیٹھنا چاہا مگر چکرا کر دوبارہ تکیے پر گر پڑی۔

”لیٹی رہو، تمہیں بہت تیز بخار ہے۔“ اس نے کہا۔

”میری بچی کہاں ہے؟“ میں نے وحشت زدہ لہجے میں پوچھا۔

”تمہاری بچی بھی ہمارے پاس ہے اسے بھی بخار ہے تم دونوں بارش میں بھیگ گئی تھیں اس لیے بخار ہو گیا ہے تمہیں بہت کمزوری ہو رہی ہے۔اگر کچھ کھا لو گی تو میں دوا دے دوں گی۔“ اس نے کہا۔

”نہیں پہلے میری بچی مجھے دکھاؤ۔“ میں نے ضدی لہجے میں کہا تو اس نے آواز لگائی۔

”ذرا بچی کو لے کر آئیے۔“

اور فوراً ہی ایک عورت میری بچی کو لے کر آگئی۔میں اس عورت کی مدد سے اٹھ کر بیٹھی اور اس ننھی سی جان کو جو بخار میں تپ رہی تھی اپنے سینے سے لگا لیا اور بے تحاشا چومنے لگی۔

"تم اپنی بچی کو اپنے پاس ہی لٹا لو لیکن کچھ کھا ضرور لو۔" اس نے ایک نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور اس عورت کو جو بچی کو لے کر آئی تھی اشارہ کیا کہ وہ میرے کھانے کے لیے کچھ لے آئے۔وہ عورت میرے لیے ایک پیالے میں دلیہ اور ایک کپ یخنی لے کر آئی اور بچی کو میری گود سے لے لیا۔اس مہربان عورت نے اپنے ہاتھوں سے مجھے دلیہ کھلایا۔میں نے تھوڑا سا کھایا۔میرا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔دل کو پریشانی لگی ہوئی تھی میں سوچنے لگی کہ گارڈ جب واپس آیا ہوگا اور اس نے ہمیں وہاں نہیں پایا ہوگا تو کیا ہوا ہوگا اور یہ کہ عشرت اللہ جانے کہاں گئی ہوگی۔کوئی اس کا جاننے والا ہے بھی یا نہیں۔کہیں وہ گارڈ کے ہاتھ نہ لگ گئی ہو' ساری رات گزر چکی تھی اور دوپہر ہو رہی تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اس نیک عورت نے میری اتنی دیکھ بھال کی کہ دوسرے دن میرا اور میری بچی کا بخار اتر گیا اور کمزوری بھی کم ہوگئی تھی۔

جب میری طبیعت بہتر ہوئی تب اس نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا تو میں نے اس سے خود سوال کر ڈالا کہ وہ کون ہے۔

"میں بھی تمہیں اپنے گھر والوں کے بارے میں ضرور بتاؤں گی لیکن پہلے تم بتاؤ کہ تم کون ہو' تمہارے رشتے دار اور گھر والے کہاں ہیں اور تم یوں تنہا برسات کی اس اندھیری رات میں بچی کو لے کر کہاں جا رہی تھیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ جتنی باہر سے دیکھنے میں حسین و جمیل ہیں اس سے زیادہ آپ کا باطن اچھا ہے آپ ایک نیک اور رحم دل خاتون ہیں۔آپ نے میری اور میری بچی کی جان بچا کر مجھ پر جو احسان کیا ہے وہ میں تمام عمر نہیں اتار سکتی۔" میں نے گلو گیر لہجے میں کہا۔

"جان بچانے والی ذات تو اللہ کی ہے میں نے تو تمہیں راستے سے بے ہوش پا کر اٹھایا ہے۔تم اچانک ہی میری کار کے آگے آکر گر کر بے ہوش

ہو گئی تھیں۔شکر ہوا کہ میں نے فوراً ہی بریک لگا دیے ورنہ تمہیں نقصان پہنچ سکتا تھا۔ہاں اب بتاؤ' اپنے بارے میں تاکہ میں تمہارے گھر والوں کو اطلاع دے سکوں۔" انہوں نے پھر نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میرا کوئی گھر نہیں ہے میرا شوہر ایک ظالم انسان ہے۔اسے بیٹا چاہیے تھا اور اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر بیٹی ہوئی تو وہ اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ دے گا۔اس لیے میں اس سے جان بچا کر رات کے اندھیرے میں بچی کو لے کر نکل کھڑی ہوئی۔" میں نے سچ بتا دیا۔

"تمہارے شوہر کو بیٹی سے اتنی نفرت کیوں ہے کیا تمہاری اور بھی بیٹیاں ہیں؟" انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

"میری تو یہ پہلی اولاد ہے البتہ اس کی پہلی بیوی سے بیٹیاں موجود ہیں۔" میں نے کہا۔

"اوہ' اب سمجھی۔" انہوں نے تاسف کا اظہار کیا اور بولیں۔"یہ مرد بھی کتنے نادان ہوتے ہیں۔یہ نہیں سوچتے کہ اگر عورت پیدا نہ ہو تو مرد بھی تو پیدا نہیں ہوسکتے کیونکہ ایک عورت ہی مرد کو جنم دیتی ہے۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"اور آپ کون ہیں کچھ اپنے بارے میں بتائیے۔میں نے آپ کو ناحق کتنی پریشانی میں مبتلا کردیا آپ نے بالکل اجنبی ہوتے ہوئے بھی میرا اتنا خیال رکھا' ضرور کسی نیک والدین کی اولاد ہیں۔آپ نیک بھی ہیں اور بے حد حسین ہیں۔" میں نے ممنونیت کے گہرے احساس کے ساتھ کہا۔

"ہنہ! نیک... نیک والدین کی اولاد۔" وہ ایک تلخ سی ہنسی ہنس دی اور ایک تاریک سا سایہ ان کے چہرے پر لہرا گیا۔

"کیا ہوا باجی؟" میں نے حیرانی سے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں! انہوں نے ایک گہری سانس لی اور بولیں۔"تم نے ابھی مجھے نیک کہا اور نیک والدین کی اولاد کہا تو مجھے ہنسی آگئی۔کیونکہ میں نہ تو کوئی نیک عورت ہوں اور نہ ہی نیک والدین کی اولاد ہوں۔بلکہ مجھے تو اپنے باپ کا نام بھی نہیں معلوم۔"

"کک' کیا مطلب؟" میں نے مزید حیران ہو کر پوچھا۔

"میرا نام سرمئی ہے اور میں ایک طوائف ہوں اور یہ جگہ جہاں تم اس وقت موجود ہو' ایک کوٹھا ہے۔"

باجی کے منہ سے طوائف کا لفظ سن کر میرے ہوش اڑ گئے اور مجھے سب سے پہلا خیال یہی آیا کہ میں انجانے میں ایک بہت ہی بری جگہ آگئی ہوں اور یہ عورت مجھے اپنے ساتھ اس لیے لے کر آئی ہے کہ مجھے بھی اس کوٹھے پر بٹھا دے۔

"آ...پ... طوا... ئف... ہیں... اور مجھے اسی لیے اپنے ساتھ لے کر آئی ہیں کہ مجھے بھی...!"

میں نے ہکلاتے ہوئے کہا تو انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا اور بولیں۔

"تم پریشان مت ہو' یہ کوٹھا ضرور ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میں ایک طوائف ہوں لیکن اب یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ میں طوائف تھی کیونکہ یہ کام چھوڑ چکی ہوں کسی نے مجھ سے کہا تھا کہ تم یہ کام چھوڑ دو تو میں تم سے شادی کرلوں گا۔لیکن وہ جھوٹا نکلا اور وہ بغیر نکاح کے میرے ساتھ تعلق بنانا چاہتا تھا لیکن میں اس کے لیے تیار نہیں ہوئی۔میں ناچنے اور گانے کا کام کرتی تھی جسم فروشی نہیں۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

وہ کہہ رہی تھیں اور میرے دماغ میں ان کا نام گونج رہا تھا۔سرمئی... سرمئی... میں نے یہ نام کہاں اور کس سے سنا تھا۔میں دماغ پر زور دینے لگی اچانک ہی مجھے یاد آگیا سطوت کی بیوی نفیسہ نے بتایا تھا کہ سطوت نے ایک سرمئی نامی طوائف سے بھی نکاح کر رکھا ہے۔

"کیا سوچنے لگی میں نے کہا ناں تم بے فکر رہو۔تم یہاں بالکل محفوظ ہو۔" انہوں نے مجھے سوچ میں گم دیکھ کر کہا۔

"کیا آپ نے نواب سطوت سے نکاح نہیں کیا ہے؟" میرے منہ سے بے ساختہ یہ جملہ نکل گیا۔

"میں اسی ظالم باپ کے چنگل سے اپنی بچی کی جان بچا کر بھاگی ہوں۔" میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا...؟" وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔میں نے واضح طور پر ان کے جسم پر لرزش کے آثار دیکھے۔وہ نہ جانے کیا سوچ جا رہی تھیں اور میں انہیں دیکھ رہی تھی پھر وہ بے قراری کے سے عالم میں اپنی جگہ سے چند قدم آگے بڑھیں۔مگر پھر تیزی سے واپس اپنی جگہ بیٹھ گئیں اور مجھ سے بولیں۔

"تم کیا اس کی خاندانی بیوی ہو؟"

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔"اس کی خاندانی بیوی سے اس کی دو بیٹیاں موجود ہیں۔وہ اپنے باپ کی اکلوتی اولاد ہے۔اپنے باپ کا سجادہ نشین ہے اگر اس کا بیٹا نہ ہوا تو وہ اپنی نسل کیسے آگے بڑھائے گا۔اپنا سجادہ نشین کسے بنائے گا۔ہوسکتا ہے کہ اس کی خاندانی بیوی مزید بچے پیدا نہ کرسکتی ہو۔" میں نے کہا تو وہ توجہ سے میری بات سنتی رہیں پھر بولیں۔

"تم اپنے بارے میں مزید بتاؤ کہ تمہاری اس کے ساتھ شادی کیسے ہوئی۔"

تب میں نے ساری کہانی انہیں سنادی۔نفیسہ کے بارے میں عشرت کے بارے میں سب کچھ بتادیا۔پھر میں نے اپنا سابقہ سوال دوبارہ دہرایا کہ انہوں نے سطوت سے نکاح کیا تھا یا نہیں تو انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا بلکہ اللہ کا شکر ادا کیا کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

"کیا آپ سطوت سے محبت کرتی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"آج سے پہلے شاید کرتی تھی مگر آج کے بعد نہیں بلکہ اب تو میں اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہوں گی۔" انہوں نے نفرت انگیز لہجے میں کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"کیا وہ آپ سے ملنے کے لیے آتا ہے؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"یہاں نہیں آتا بلکہ کہیں اور ملنے کے لیے بلاتا ہے لیکن آج کے بعد میں اس سے نہیں ملوں گی۔" انہوں نے قطعی لہجے میں جواب دیا پھر تھوڑی دیر سوچنے کے بعد بولیں۔

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے اور تم کیا سمجھتی ہو کہ سطوت تمہیں یوں آسانی سے اپنے ہاتھ سے نکل جانے دے گا یہ جاننے کے بعد کہ تمہارے پاس اس کی اولاد موجود ہے خواہ بیٹی کی صورت میں اور کل گمشدہ رہنے کے بعد تم اچانک اپنی بیٹی کے ساتھ آکر اپنی بیٹی کے حق کا جو اس کی جائیداد میں جائز بنتا ہے۔ مطالبہ نہیں کرو گی کیا تمہارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ تم اس کی بیوی ہو میرا مطلب ہے نکاح نامہ وغیرہ...!"

"نہیں میرے پاس نکاح نامہ نہیں ہے نہ اس نے مجھے دیا اور نہ مجھے اس سے مانگنے کی ضرورت ہوئی بلکہ جس وقت اس نے مجھ سے شادی کی تھی میں اس کی اصلیت سے ناواقف تھی اور سر تاپا اس کی محبت میں غرق تھی پہلی مرتبہ میری محبت کے شیشے میں بال اس وقت آیا جب اس نے مجھ سے

ابارشن کرانے کے لیے کہا اور پھر وہ بتدریج کھلتا چلا گیا۔اس کے اندر کا حیوان آہستہ آہستہ باہر آنے لگا اور آج یہ نوبت آگئی کہ میں اپنی اور اپنی بچی کی جان بچا کر وہاں سے نکل آئی۔آج میرے سامنے صرف میری بچی ہے۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے نہ سطوت کا نام اور نہ ہی اس کی جائیداد۔جب باپ ہی بیٹی کی جان کے درپے ہو تو دوسری چیزیں بے معنی ہوجاتی ہیں۔رہی بات اس کی کہ میں اب کیا کروں گی تو میری تو سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا کہ میں کیا کروں۔کس کونے میں جا کر چھپ جاؤں۔" میں نے بے بسی سے کہا اور میری آواز بھرا گئی۔

کئی دن ہوگئے تھے مجھے ان کے گھر رہتے ہوئے تب ایک دن مجھے سرمئی باجی نے بتایا کہ سطوت آج کل بہت زیادہ پریشان ہے اس نے انہیں ملنے کے لیے بلایا تھا لیکن اپنی پریشانی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور نہ ہی انہوں نے اسے میرے بارے میں کچھ بتایا انہوں نے یہ بھی بتایا کہ سطوت کی والدہ کی حالت بہت خراب ہے اس لیے وہ حویلی گیا ہوا ہے اور ہمارے پاس یہی موقع ہے جس سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

میں نے حیران ہو کر پوچھا۔"کس طرح کا فائدہ؟" تو انہوں نے کہا کہ ہم خاموشی سے یہ شہر چھوڑ دیں گے اور کراچی چلے جائیں گے اور بالکل گم نامی کی زندگی بسر کریں گے۔تم میرے ساتھ ہی رہنا۔

پھر پتا چلا کہ اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو وہ مزید کچھ دنوں کے لیے حویلی میں ہی رہا اور اس عرصہ میں سرمئی باجی نے سارے انتظامات کر لیے اور ہم ایک رات خاموشی سے کراچی آگئے۔

لیکن یہاں آکر بھی میرے دل کو قرار نہیں آتا تھا راتوں کو چونک کر اٹھ بیٹھتی تھی بس یہ خیال آتا تھا کہ ابھی اچانک ہی کہیں سے سطوت نمودار ہو گا اور میری بیٹی کو مار ڈالے گا کیونکہ سرمئی باجی اور سطوت کا تعلق تو تھا ہی پھر ایک دن صرف اپنی بچی کی زندگی کی خاطر میں نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر ایک بہت کڑا اور جاں گسل فیصلہ کیا اور سرمئی باجی سے کہا۔

"باجی میں نے ایک اہم فیصلہ کیا ہے اور آپ سے میری ایک آخری التجا ہے کہ آپ میرا فیصلہ مان لیں گی۔"

"کیسا فیصلہ؟" انہوں نے پوچھا۔

یہی کہ میں اپنی بچی کو ہمیشہ کے لیے آپ کو سونپنا چاہتی ہوں۔میں اب آپ کے ساتھ نہیں رہوں گی۔بے شک میری بچی میری جان میرے جگر کا ٹکڑا ہے لیکن اس کی زندگی اور جان کی سلامتی کی خاطر میں یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوں۔اگر کبھی زندگی میں سطوت مجھ تک پہنچ گیا تو وہ صرف میری جان ہی لے سکتا ہے میری بچی تو زندہ رہے گی اور اگر سطوت نے کبھی اس کو آپ کے پاس دیکھ بھی لیا تو اسے یہ تھوڑی معلوم ہو گا کہ یہ اس کی اپنی بیٹی ہے مجھے آپ پرپورا بھروسا ہے کہ آپ ماں بن کر اس کی پرورش کریں گی اور اس کو کبھی یہ بات نہیں بتائیں گی کہ یہ سطوت کی بیٹی ہے میرے منہ میں خاک اگر کبھی ایسا وقت آیا کہ موت اور زندگی کا تو کسی کا بھی بھروسا نہیں ہے اگر آپ کو ایسا لگا کہ آپ دنیا سے رخصت ہونے والی ہیں تو چاہے اس کو یہ بتا دیجیے گا کہ آپ اس کی ماں نہیں ہیں۔اس کی بد نصیب ماں نے اس کی زندگی کی خاطر اسے خود سے جدا کیا تھا اور آپ اس کے باپ کی نشانیاں اسے دے دیجیے گا۔"

پھر میں نے سطوت کی وہ چیزیں جو اس کی خاندانی تھیں اور وہ اپنے ہونے والے بیٹے کے لیے لایا تھا میں نے سرمئی باجی کے حوالے کردیں اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً جو زیورات سطوت نے مجھے دیے سارے کے سارے ان کے حوالے کردیے۔

"ایک بات بتاؤ۔" باجی نے میری باتیں اطمینان سے سننے کے بعد کہا۔

"جی پوچھیے۔" میں نے اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کو قابو میں کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے اتنا بڑا فیصلہ کرتے ہوئے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچا کہ تم اپنی بیٹی ایک طوائف کے حوالے کر رہی ہو اور کہیں میں اسے بھی جوان کر کے...!"

میں نے جھٹ اپنا ہاتھ باجی کے منہ پر رکھ دیا اور کہا۔"اس سے آگے ایک لفظ بھی مت کہیے گا۔میں کسی طوائف کو نہیں جانتی۔میں نے سرمئی کو ایک بہت ہمدرد اور خدا ترس عورت کے روپ میں دیکھا ہے۔جو احسان کرنا جانتی ہے مجھے پتا ہے کہ آپ گناہوں سے بھری اس گندی زندگی کو چھوڑ چکی

ہیں۔ایک نیک عورت ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس کی پرورش بہت اچھی طرح سے کریں گی۔میری دعا ہے کہ کبھی ایسا وقت نہ آئے کہ آپ کو اسے یہ بتانا پڑے کہ آپ اس کی حقیقی ماں نہیں ہیں۔" میں نے کہا اور باجی کے گلے لگ کر بلک بلک کر رونے لگی۔

باجی بھی دیر تک میرے ساتھ آنسو بہاتی رہیں اور میری بیٹی کو گود میں لے کر میرے ہاتھوں کو تھام کر بولیں۔

"میں اللہ کو حاضر ناظر جان کر تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ تمہارے اس اندھے اعتماد کو جو تم نے مجھ پر کیا ہے کبھی ٹھیس نہیں پہنچاؤں گی بلکہ میں تو اس بات کے لیے تمہاری احسان مند ہوں کہ تم نے مجھے ایک بیٹی کی ماں بننے کی عزت اور شرف دیا ہے۔لیکن تم جاؤ گی کہاں...؟"

"اللہ کی زمین بہت وسیع ہے باجی کہیں بھی چلی جاؤں گی اللہ تعالیٰ تو مجھے پناہ دے گا۔وہ اپنے بندوں کو کبھی بھی بے یارو مددگار نہیں چھوڑتا۔میں اس کے بھروسے یہ گھر اور اپنی بچی چھوڑ کر جا رہی

ہوں۔میں نے تو ابھی تک اس کا نام بھی نہیں رکھا ہے اب اس کا نام آپ ہی رکھیے گا۔"

میں نے رخصت ہوتے وقت اپنی بچی کو جی بھر کے پیار کیا اور وہاں سے نکل گئی۔پیچھے مڑ کے بھی نہیں دیکھا کہ کہیں اس کی من موہنی صورت میرے ارادے کو متزلزل نہ کردے۔

میں بنا منزل کے تعین کے تیز تیز قدموں سے چلی جا رہی تھی انجانا شہر انجانے راستے نہ کوئی شناسا اور نہ کوئی ہمدرد بس چلتی جا رہی تھی دل میں آیا کہ اب جی کے کیا کرنا ہے اچھا ہے مر جاؤں یہ سوچ کر سڑک پر قدم رکھ دیے اور پھر کسی چیز سے ٹکر کھا کر روڈ پر گر پڑی۔

ہوش میں آئی تو اس گھر میں تھی۔ایک مرتبہ تقریباً تین سالوں کے بعد اپنی بچی سے ملنے کی تڑپ میں سوچا کہ جا کر مل کر آؤں۔لیکن مجھے یاد ہی نہیں تھا کہ وہ گھر کہاں ہے اب تو اتنے سال بیت چکے ہیں۔اب وہ جوان ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ باجی نے اس کی شادی بھی کر دی ہو اگر ایسا ہے تو اللہ تعالیٰ

اسے ہمیشہ خوش رکھے' اس کا شوہر بہت اچھا ہو' محبت کرنے والا' خیال رکھنے والا' عزت کرنے والا۔“

اپنی داستان ختم کرنے کے بعد وہ گہری خاموشی میں ڈوب گئیں۔کچھ سوچنے لگیں۔تب مجھے خیال آیا کہ ان کی داستان سنتے سنتے خاصی رات ہوچکی ہے اچانک ہی کسی کے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی تو ہم دونوں ہی چونک پڑے۔

”شاید وہ لوگ پھر آگئے۔“ انہوں نے کہا۔

”کون لوگ؟“ میں نے پوچھا۔

”وہی لوگ جو مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہ رہے ہیں۔پتا نہیں مجھ سے کیا چاہ رہے ہیں لیکن میں کسی کے سامنے نہیں آنا چاہتی۔“

”آپ دروازے پر مت جائیں اور نہ ہی پوچھیں کہ کون ہے خود ہی تھوڑی دیر میں چلے جائیں گے۔“ میں نے کہا۔

لیکن وہ ناکام ہو کر نہیں گئے اور مسلسل دروازہ بجاتے رہے پھر انہوں نے آہستہ آہستہ آوازیں دینا بھی شروع کردیں ایسا لگ رہا تھا کہ وہ لوگ دروازہ

توڑ کر یا دیوار پھاند کر اندر آجائیں گے۔میں دیکھ چکا تھا کہ اس گھر کی دیوار زیادہ اونچی نہیں ہے۔

”چلیں اٹھیں آپ میرے ساتھ اس گھر سے چلیں ورنہ یہ لوگ آپ کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ دیوار پھاند کر اندر گھس آئیں۔“ میں نے ان کا ہاتھ تھام کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

”لیکن ہم جائیں گے کیسے دروازے پر تو وہ لوگ کھڑے ہیں۔“ انہوں نے پریشان ہو کر کہا۔

”اس گھر کی پچھلی جانب سے یہاں بھی تو گلی ہے ہم یہاں سے دیوار پھاند کر باہر کود جائیں گے۔گلی کے سرے پر میری گاڑی کھڑی ہے گاڑی یہاں لے آؤں گا اور ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔“ میں نے کہا تو وہ تیار ہو گئیں۔

میں نے انہیں سہارا دے کر دیوار پر چڑھایا اور پھر خود چڑھ کر انہیں سہارا دے کر دوسری جانب اتارا اور کود کر تیزی سے گلی کے سرے کی جانب بھاگا اور ان سے کہا کہ وہ میرے پیچھے آئیں۔

میں نے اپنی گاڑی اسٹارٹ کی اور گلی کے سرے پر لے گیا وہ اندھیرے میں کھڑی تھیں۔گاڑی کے نزدیک آتے ہی وہ تیزی سے گاڑی میں بیٹھ گئیں اور میں نے تیزی سے گاڑی آگے کو بھگانا شروع کردیا۔شاہ فیصل کالونی کے قریب ایک لڑکی کی گاڑی سے میری گاڑی کی ٹکر ہوگئی اس سے میری تکرار ہوگئی بعد میں، میں نے اسے پہچان لیا وہ ایک صحافی تھی اور ٹی وی اینکر تھی۔ میں نے خاتون کو اس کے حوالے کردیا اور خود کلفٹن آگیا۔

...☆☆☆...

"یہ تمہیں کہاں مل گئیں؟" اماں حمیدہ نے جو انہیں بڑی گہری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی سرسراتے لہجے میں پوچھا۔

"کیا آپ انہیں جانتی ہیں جو یہ سوال کر رہی ہیں؟" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ن... نہیں تو... میرا مطلب ہے کہ یہ کون ہیں؟" اماں نے گھبرا کر کہا۔

"یہ میں آپ کو بعد میں بتاؤں گی یا پھر آپ ان سے خود ہی پوچھ لیجیے گا فی الحال تو میرے سر میں درد ہے آپ مجھے چائے پلائیں اور آنٹی کو بھی کھانے اور پانی کا پوچھیں اور ہاں ان کو اپنے برابر والے کمرے میں ٹھہرا دیں۔ میں

اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔مجھے بہت اہم نیوز دیکھنی ہے۔" یہ کہہ کر میں آنٹی کی جانب مڑی اور کہا۔

"سوری آنٹی آپ مائنڈ مت کیجیے گا آپ اماں کے ساتھ جائیں اور بے فکر ہو کر ان سے باتیں کریں۔ابھی مجھے بہت اہم نیوز ٹی وی پر دیکھنی ہے۔آپ سے ان شاء اللہ صبح تفصیلی بات ہوگی۔مجھے امید ہے اماں آپ کا خیال بھی رکھیں گی اور آپ کو بور بھی نہیں ہونے دیں گی۔آپ کی ہم عمر ہیں نا۔" آخری فقرہ کہہ کر میں ہنس دی اور انہیں مسکراتا ہوا چھوڑ کر اپنے کمرے میں آگئی۔

کمرے میں آتے ہی میں نے ٹی وی آن کیا اپنا نیوز چینل لگایا دراصل نواب سطوت کی نیوز دیکھنا چاہتی تھی لیکن اس وقت کوئی دوسری نیوز رپورٹ آرہی تھی اس لیے میں کپڑے چینج کرنے اور فریش ہونے واش روم میں چلی گئی۔

منہ دھوتے ہوئے اچانک میرا خیال آنٹی کی جانب چلا گیا اور مجھے ایسا لگا جیسے میں نے انہیں کہیں دیکھا ہے ان کے خدوخال مجھے شناسا سے دکھائی دیے لیکن دماغ پر زور دینے پر بھی یاد نہیں آیا کہ میں کبھی ان سے ملی ہوں یا کہیں

دیکھا ہے۔مگر نہ جانے کیوں شدت کے ساتھ یہ احساس ہو رہا تھا کہ جیسے ان کی شکل میری لیے انجان نہیں ہے۔میں مسلسل سوچ رہی تھی کہ اچانک میرے کان میں نیوز

ریڈر کی آواز آئی۔میری مطلوبہ خبر پر تفصیلی رپورٹ شروع ہوچکی تھی۔میں سارے خیالات جھٹک کر تیزی کے ساتھ روم سے باہر نکل آئی۔

میں نے ریموٹ ہاتھ میں لیا اور ٹی وی کی آواز تیز کردی ٹی وی پر نواب سطوت کے حوالے سے نیوز رپورٹ آرہی تھی کہ نواب سطوت کا تعلق کس خاندان سے ہے۔اس کے دادا اور باپ کون تھے یہ سارے پیر سلطان شاہ کے گدی نشین چلے آرہے تھے لیکن نواب سطوت کی کوئی اولاد نرینہ نہیں ہے اس لیے اب ان کے بعد یہ گدی کس کو نصیب ہوگی۔پھر اس کی جوان بیٹی کی ناگہانی موت کے بارے میں بتایا جانے لگا۔

اب کیمرہ نواب سطوت کی حویلی کے اندر کا منظر دکھا رہا تھا۔حویلی میں لا تعداد لوگ موجود تھے جو اس کی بیٹی کی تدفین کے سلسلے میں آئے ہوئے تھے۔خبر میں یہ بھی بتایا گیا کہ مختلف سیاسی جماعتوں کے قائدین' کارکنان اور

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

دوسری سیاسی شخصیات' ملکی وزراء کے علاوہ دوسرے ممالک سے بہت سے معززین اور عمائدین شرکت کے لیے آنے والے تھے۔خبر میں اس بات کا کوئی تذکرہ نہیں تھا کہ نواب سطوت کی بیٹی نے خودکشی کی ہے بلکہ یہ بتایا جا رہا تھا کہ وہ ایک مہلک بیماری میں مبتلا تھی۔

کیمرہ لوگوں کے اژدہام کو دکھانے کے بعد نواب سطوت کے اوپر رک گیا۔وہ سوگوار صورت لیے بیٹھا تھا اور تب ہی میں نواب سطوت کو دیکھتے ہوئے بری طرح چونک اٹھی اور میرے منہ سے چیخ کے انداز میں "اماں" نکل گیا۔

اماں میرے لیے چائے لے کر آہی رہی تھیں۔میری چیخ سن کر وہ مزید تیزی سے کمرے میں داخل ہوئیں اور چائے کا مگ ٹیبل پر رکھ کر تیزی سے میری جانب بڑھیں۔

میں جو آنکھیں پھاڑے ٹی وی کو تک رہی تھی تو خود بخود اماں کی نگاہیں بھی ٹی وی اسکرین پر آکر ٹھہر گئیں۔

"اماں' اماں آپ دیکھ رہی ہیں۔" میں نے بے قراری کے عالم میں اماں کا ہاتھ پکڑ کر بری طرح ہلا ڈالا۔

”کک... کیا... میری بچی؟“ اماں نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

اتنے میں آنٹی بھی کمرے میں داخل ہوئیں اور میرے اوپر ایک نگاہ ڈال کر وہ بھی ٹی وی کی جانب دیکھنے لگیں اور اپنی جگہ سن کھڑی رہ گئیں۔

ان کی موجودگی کو محسوس کرکے میں نے اماں سے کچھ نہیں کہا اور نہ ہی اماں نے کچھ کہا میں ایک اجنبی عورت کے سامنے وہ بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

”کیا ہوا؟ ٹی وی پر کیا دکھا رہے ہیں؟“ انہوں نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں پوچھا۔

”کچھ نہیں آنٹی۔ایسے ہی ایک بڑے آدمی کی بیٹی مر گئی ہے۔اس کو دکھا رہے ہیں۔“ میں نے بھی اپنے اتھلے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

”خوش نصیب ہے یہ لڑکی کہ بڑے آدمی کی بیٹی ہے اور ساری دنیا اس بات سے واقف ہے کہ وہ اس کا باپ ہے ورنہ تو بہت سے باپ اتنے بد بخت اور بیٹیاں اتنی بد نصیب ہوتی ہیں کہ لوگوں کو پتا ہی نہیں ہوتا کہ یہ بیٹی کس کی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ہے۔“ مجھے ان کی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔میں نے چونک کر ان کی جانب دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

”ارے آئیے بہن آپ میرے ساتھ آئیے۔یہ تو یوں ہی جذباتی ہوجاتی ہے۔“ اماں حمیدہ نے آنٹی کا ہاتھ تھاما اور تیزی کے ساتھ انہیں باہر لے گئیں اور جاتے ہوئے دروازہ بھی بند کرتی گئیں۔

ان کے جانے کے بعد میں نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آف کردیا پھر ریموٹ خود بخود میرے ہاتھ سے گر پڑا اور میں تھکے تھکے انداز میں بیڈ پر اس طرح گر پڑی جیسے نہ جانے کتنی لمبی مسافت پیدل چل کر آرہی ہوں۔میری آنکھوں میں بہت سے کانچ چبھ رہے تھے۔پیروں میں کانٹوں کی چبھن محسوس ہو رہی تھی۔مجھے اپنے جوڑ جوڑ میں تھکن کا احساس ہو رہا تھا۔میں نے اپنی ٹانگیں یوں سکیڑ لیں گویا اپنے آبلہ آبلہ پیروں کی تکلیف کو کم کر رہی ہوں۔میں سکڑی سمٹی تکیے میں منہ دے کر لیٹ گئی۔ڈھیر سارے آنسو خود بخود میری آنکھوں سے نکل کر میرا تکیہ بھگونے لگے۔

میرا دل چیخ چیخ کر مجھے ایک حقیقت بتا رہا تھا اور میں بے دردی کے ساتھ اس حقیقت سے انکار کر رہی تھی۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اس حقیقت کو کیوں تسلیم نہیں کر پا رہی تھی پھر آنٹی کے الفاظ میرے کانوں میں گونجے۔جب انہوں نے کہا کہ بہت سے باپ تو اپنی بیٹیوں کو تسلیم ہی نہیں کرتے اور ان کی آنکھوں کے آنسو اور اماں حمیدہ کا تیزی کے ساتھ انہیں کمرے سے باہر لے جانا۔

میں نہ جانے کتنی دیر اسی طرح لیٹی رہی پھر اٹھی اور اپنا سیل فون اٹھایا اور حشام کا نمبر ملایا۔کئی بیل بج چکی تھیں لیکن حشام فون ریسیو نہیں کر رہا تھا میں جانتی تھی کہ وہ اس وقت گہری نیند سو رہا ہوگا میں نے لائن کاٹ کر دوبارہ نمبر ملایا تو تب مجھے حشام کی بھاری آواز سنائی دی۔وہ نیند کے خمار سے پر آواز میں بولا۔

”بولو یار کون ہے؟“

”حشام... حشام میں ہوں سرمئی۔“ میں نے آہستہ سے کہا۔

”ہاں بولو۔“ اس نے نیند سے بوجھل لہجے میں کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”تم شاید گہری نیند میں تھے سوری میں نے تمہیں جگا دیا اچھا سوجاؤ صبح بات کریں گے۔“ میں نے آہستہ سے کہا۔

”کون سرمئی‘ ارے سرمئی یہ تم ہو۔خیریت تو ہے رات کے اس وقت۔ میرے خیال میں ساڑھے تین بج رہے ہیں کیا ہوا ہے؟“ وہ اب پوری طرح بیدار ہو گیا تھا اس لیے تیزی سے بولا۔

”حشام میں یہ دیکھ رہی تھی کہ ہمارے چینل سے بھی ایک ٹیم شاداب نگر نواب سطوت کی حویلی میں ان کی بیٹی کی تدفین کے سلسلے میں کوریج کے لیے جائے گی ناں۔تو میں سوچ رہی تھی کہ میں اور تم اس

ٹیم میں شامل ہوسکتے ہیں۔دراصل میں بھی وہاں جانا چاہتی ہوں۔“ میں نے کہا۔

”کمال ہے اتنی رات کو تم نے یہ بات کہنے کے لیے مجھے فون کیا ہے کیا بات ہے کوئی خواب وغیرہ دیکھ لیا ہے کیا۔یہ بات تو صبح بھی ہوسکتی تھی۔“ اس نے ایک طویل اور اطمینان بخش سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

"بتاؤناں کہ ہم اس ٹیم میں شامل ہوسکتے ہیں یا نہیں۔میں چاہتی ہوں کہ میں اندر خواتین کے حصے میں جا کر نواب سطوت کی بیوی اور بیٹی کو دیکھ سکوں۔" میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن خواتین کے حصے میں کیمرہ لے جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔اس قسم کے لوگوں سے تو تم اچھی طرح سے واقف ہو' دنیا بھر کی عورتوں کو اپنی جاگیر سمجھنے والے اپنی عورتوں کو سات پردوں میں رکھتے ہیں۔تاکہ کسی غیر کی نگاہ بھی ان پر نہ پڑے۔" حشام نے کہا۔

"ہاں تو میں کیمرے کے بغیر ہی جاؤں گی۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"تم اتنی جذباتی کیوں ہو رہی ہو آخر بات کیا ہے۔اگر چینل کی جانب سے جانے والی ٹیم میں تمہیں منتخب نہ کیا گیا تو میں تمہیں ذاتی طور پر وہاں لے جاسکتا ہوں۔" حشام بولا۔

"نہیں میں اپنے چینل کے توسط سے جانا چاہتی ہوں تاکہ ایک اینکر کی حیثیت سے خواتین والے حصے تک رسائی آسان ہو۔ورنہ ممکن ہے کہ مجھے اندر خاص حصے تک جانے کی اجازت نہ ملے۔" میں نے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں بات کرلوں گا۔صبح تو ہونے دو اور اب تم بھی سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔" حشام نے جان چھڑانے والے لہجے میں کہا۔

"نہیں' نہیں تم ابھی چینل فون کر کے بات کرو' کہیں ایسا نہ ہو پہلے ہی ٹیم منتخب کرلی جائے۔" میں نے ضدی لہجے میں کہا۔

"تمہاری بھی ناں میری کچھ سمجھ نہیں آتی۔اچھا بابا ابھی بات کر کے تمہیں بتاتا ہوں۔" حشام نے میرے آگے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا اور یہ اس کی ہمیشہ کی عادت تھی بہت بحث مباحثے کے بعد ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا کہ حشام میری بات مان جاتا تھا۔

میں فون رکھ کر بے صبری سے حشام کے فون کا انتظار کرنے لگی۔تقریباً دس منٹ کے بعد حشام کی کال میرے پاس آئی۔

"خوش ہوجاؤ کہ ہم صبح اپنی ٹیم کے ہمراہ شاداب نگر جا رہے ہیں۔میں نے بڑی مشکل سے حسینی صاحب کو راضی کیا ہے۔ورنہ انہوں نے تو روحی اور شمس کو بھیجنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔" حشام نے کہا۔

"تھینک یو حشام تھینک یو ویری مچ' یو آر سو سویٹ" میں نے خوش ہو کر کہا۔"ایک بار پھر بہت بہت معذرت کہ میں نے تمہاری نیند خراب کردی اچھا اب تم سو جاؤ گڈ نائٹ۔" میں نے کہا اور فون بند کرنے لگی تو حشام کی آواز سنائی دی۔

"اے... اے محترمہ سنیں' اب تو آپ نے میری نیند خراب کر ہی دی ہے تو کیا ہی اچھا ہو کہ دو چار باتیں میرے دل کو بھی خوش کرنے والی کردیں۔" اس نے شوخ لہجے میں کہا۔

"شٹ اپ حشام تم پھر پٹری سے اتر رہے ہو۔" حشام سے بات کر کے میں ہمیشہ ہلکی پھلکی ہوجایا کرتی تھی اس لیے ہنس کر کہا۔

"یار کبھی تو پٹری سے پوری طرح اترنے دیا کرو' فوراً ڈانٹ دیتی ہو۔میں فوراً پٹری پر چڑھ جاتا ہوں اور اگر کبھی ٹرین آگئی تو...!" اس نے معصومانہ لہجے میں کہا۔

"جس دن تم پوری طرح پٹری سے اتر گئے اس دن واقعی ٹرین آجائے گی۔" میں نے کہا۔

"تو پھر آتی رہے میں تو پٹری سے اتر ہی چکا ہوں گا میرا کیا بگڑے گا۔" اس نے شوخ لہجے میں کہا۔

"اگر تم یہ جملہ کہتے ہوئے میرے سامنے ہوتے تو تمہاری کمر پر میرا ایک زور دار مکا پڑ جاتا۔ شکر کرو کہ دور بیٹھے ہو۔"

"اور یہ دوری ہی تو مجھے تڑپاتی ہے۔" اس نے خمار آلود لہجے میں کہا۔

"شٹ اپ حشام۔" میں نے دھیرے سے کہہ کر فون بند کردیا۔

پتا نہیں کیوں حشام کا لہجہ اور اس کے الفاظ کی گہرائی کو محسوس کر کے میرے دل کی دھڑکن بڑھنے لگی وہ کبھی کبھی باتوں باتوں میں اس طرح کی بات کردیا کرتا تھا اور میری دھڑکنیں بے ترتیب ہوجایا کرتی تھیں۔دل میں گدگدی سی ہونے لگتی اور میں اپنی ہی حالت سے گھبرا کر صرف ایک ہی جملہ کہہ پاتی۔شٹ اپ۔

جب راتوں کی تنہائیوں میں حشام کے ایسے ہی جملے مجھے گدگدایا کرتے تو امی کی تنبیہ اور ان کے الفاظ میرے کانوں میں گونجنے لگتے اور میں پھر اپنے دل کو سخت کرلیتی۔

حشام کی باتوں کے حصار سے باہر نکلی تو ایک بار پھر میرے سامنے نواب سطوت کی تصویر آگئی۔میں نے ابھی اسے ٹی وی پر دیکھا تھا کیسا حزن و ملال تھا اس کے چہرے پر اپنی جوان بیٹی کی موت پر۔میرا دل چاہا کہ میں بھاگ کر جاؤں اور اتنے سارے معززین کی موجودگی میں اس کا گریبان پکڑ کر چیخ چیخ کر لوگوں کو بتاؤں کہ "لوگو دیکھو یہ شخص جس کو تم اپنا دین و ایمان اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہو اور جو اپنی ہی جوان بیٹی کی موت پر یوں رونی صورت بنا کر بیٹھا ہے اصل میں دل ہی دل میں خوش ہو رہا ہو گا کہ مجھے بیٹی جیسی نحوست سے نجات مل گئی۔اس شخص کو نفرت ہے عورت ہے اگر وہ بیٹی کی صورت میں ہو۔ویسے اسے اپنی عیاشیوں کے لیے کسی ایک عورت کی نہیں بلکہ ڈھیر ساری عورتوں کی ضرورت رہتی ہے۔"

ٹی وی کیمرہ جس وقت نواب سطوت کے اوپر فوکس ہوا تھا اس وقت میں نے غور سے دیکھا تھا اور اس کے اوپر نگاہ پڑتے ہی میرے ہاتھ پاؤں لرزنے لگے تھے کیونکہ اس کی نفیس سی سفید شیروانی کے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

وپر پتھر کا وہ سفید تعویذ جس کے درمیان میں بلیک کلر سے کچھ لکھا تھا بہت واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا اور کرسی پر بیٹھے ہونے کے باوجود اس نے جس سنہری اسٹک کا سہارا لیا ہوا تھا وہ بالکل ویسی ہی تھی جیسی میرے باپ کی تھی۔اس کے ہینڈل والے حصے پر دو شیر بنے ہوئے تھے۔

اور میں گھڑی کی چوتھائی میں یہ بات سمجھ گئی تھی کہ نواب سطوت الاسلام ہی وہ ذلیل شخص ہے جو بد قسمتی سے میرے وجود کو دنیا میں لانے کا سبب بنا ہے۔میری ماں نے یہ نشانیاں شمسو بابا کے حوالے کی تھیں۔کسی کو بھی یہ بات نہیں معلوم تھی کہ یہ نامی گرامی شخص ہی میرا باپ ہے اور اس لیے میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں اس کی حویلی میں جاؤں گی اور اس کی بیوی اور بیٹی کو دیکھوں گی لیکن پھر مجھے حشام کے والد کی بات یاد آئی کہ انہوں نے رات ہی مجھے یہ بات بتائی تھی کہ نواب سطوت کے اپنے زمانے کی مشہور طوائف سرمئی سے بھی تعلقات تھے کتنی عجیب سی بات ہے کیا امی یہ بات جانتی تھیں کہ میں نواب سطوت کی اولاد ہوں۔پھر انہوں نے یہ بات مجھ سے کیوں چھپائی اور پھر کیا یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ برسات کی اس اندھیری رات میں

میری ماں کو شمسو بابا ہی ملے تھے اور انہوں نے بلا سوچے سمجھے اپنی بیٹی کو یوں ایک غیر آدمی کے حوالے کردیا اور وہ بھی اتنی قیمتی چیزوں کے ساتھ۔ نہیں اصل کہانی کچھ اور ہی ہے، نہ جانے کیوں مجھے امی کی ڈائری میں لکھی ہوئی باتیں جھوٹ لگنے لگیں۔میری امی ضرور میری اصل ماں سے واقف تھیں۔کہیں میری اصل امی کی کوئی بہن یا ساتھی تو نہیں تھیں کہیں میں بھی کسی طوائف کے بطن سے تو نہیں پیدا ہوئی اور میں نواب سطوت کی ناجائز اولاد ہوں۔

اس بات کا خیال آتے ہی مجھے اپنے وجود سے کراہیت محسوس ہونے لگی میرے دل نے گواہی دی کہ اصل بات یہی ہے۔میری ماں نے امی کے حوالے خود مجھے کیا ہوگا ہوسکتا ہے کہ مر گئی ہوں اور مرنے سے پہلے امی کی گود میں مجھے دے دیا ہو، یہ بات جانتیں نہیں کہ میں نواب کی ناجائز اولاد ہوں۔اس لیے وہ کبھی بھی میرے باپ کے بارے میں نہ بتا سکیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ نواب کی معاشرے میں کیا حیثیت ہے کہیں میں جذبات میں آکر نواب کے پاس نہ پہنچ جاؤں۔

بہت سی زہریلی سوچوں نے میرے دماغ میں ڈنک مار مار کر میرا سارا جسم مفلوج کردیا۔ایک بار پھر میرے ذہن میں ڈھیروں سوالات جنم لینے لگے۔مجھے لگ رہاتھا کہ میں اب بھی ایک ایسی اندھیری کوٹھری میں کھڑی ہوں جہاں کہیں کسی روزن سے روشنی کی ایک بھی کرن اندر نہیں آرہی میں بے شاخت ہوں۔

پھر میرا ذہن شمسو بابا اور اماں حمیدہ کی جانب چلا گیا کہ یہ دونوں ہستیاں امی کے ساتھ شروع ہی سے ہیں۔یہ ضرور میرے باپ اور ماں کے بارے میں جانتی ہوں گی۔ابھی تو یہ آنٹی میرے گھر آئی ہوئی ہیں۔شمر نامی شخص جب نہیں آکر یہاں سے لے جائے گا، تب میں ان لوگوں سے بات کروں گی اور انہیں مجبور کردوں گی کہ وہ مجھے میری اصلیت سے آگاہ کر کریں۔یہ سوچ بنا کہ اصلیت جان کر مجھے دکھ ہوگا یا خوشی۔میں تو ہر طرح کی بات سننے کے لیے تیار تھی۔

فی الحال تو صبح مجھے شاداب نگر جانا ہے۔وہاں سے آؤں گی تب تک شمروز بھی شاید آنٹی کو آکر اپنے ساتھ لے جائے گا۔

میرا سر درد کی شدت سے پھٹا جا رہا تھا۔زہریلی سوچیں اور اندیشے کسی ناگ کی طرح پھن پھیلائے میرے دماغ میں کنڈلی مار کر بیٹھ گئے تھے۔

رات گزرتی جا رہی تھی اچانک میرے کانوں میں فجر کی اذان کی آواز آنے لگی۔تو میں اٹھ کر بیٹھ گئی ٹیبل پر میری نگاہ پڑی اماں جو چائے رات کو میرے لیے لے کر آئی تھیں وہ جوں کی توں رکھی تھی میں پینا بھول گئی تھی۔

اذان کے الفاظ سنے تو احساس ہوا کہ میرا ربّ مجھے پکار رہا ہے۔وہ سب سے بڑا ہے۔اگر اس کا ساتھ مل جائے تو انسان اکیلا نہیں رہتا۔وہ کہہ رہا ہے آؤ میرا شکر ادا کرو میں نے تمہیں انسان بنایا تمہیں ہاتھ پاؤں دیے تمہیں سوچنے سمجھنے اور دیکھنے کی صلاحیت دی۔بہت سی قوتیں اور صلاحیتیں عطا کیں۔تو آؤ میرے آگے ہاتھ باندھ کر عاجزی سے کھڑے ہوجاؤ۔جب تمہیں میری بڑائی اور کبریائی کا احساس ہونے لگے تو میرے آگے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھک جاؤ اور پھر جب اسے اپنا معبود مالک اور ربّ تسلیم کرو تو اپنی جبیں اس کے آگے ٹیک کر اس کا شکر ادا کرو۔

میں اللہ کو اپنا مالک اور معبود تسلیم کر کے وضو کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔یکایک اکیلے پن اور تنہائی کا احساس کہیں دور جانے لگا۔مجھے احساس ہوا کہ میں تنہا نہیں ہوں۔دنیا کو بنانے اور سنبھالنے والی سب سے بڑی طاقت اللہ جو ربّ العالمین ہے میرے ساتھ ہے۔وہ کبھی مجھے تنہا نہیں چھوڑے گا میرا وجود اس دنیا میں کس طرح آیا اس کی ذمہ دار میں نہیں ہوں۔میرے رب نے جس طرح چاہا مجھے دنیا میں بھیجا پھر میں کیوں خود کو کمزور سمجھوں۔

میں پوری عاجزی اور دل کی سپردگی کے ساتھ اللہ کے آگے کھڑی ہوگئی۔اس کی حمد و ثنا دل کی گہرائی سے بیان کرنے لگی مجھے پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا جیسے میرا ربّ میرا مالک میرے سامنے ہے میں اس کی بندی اس کے آگے کھڑی ہوں۔

پورے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کر کے فارغ ہوئی تو ذہن کا سارا بوجھل پن رفع ہوچکا تھا۔میں اپنے اندر ایک نئی طاقت اور اعتماد محسوس کر رہی تھی۔البتہ سر میں تھوڑا درد باقی تھا۔ساری رات گزر چکی تھی اور میں لمحہ بھر بھی نہیں سوئی تھی۔پہلے دل چاہا کہ کچن میں جا کر چائے بنا کر پیوں اماں

بھی نماز سے فارغ ہو گئی ہوں گی لیکن پھر سوچا کہ تھوڑی دیر کے لیے سو جاتی ہوں۔ میرے ربّ نے میرے دل کو ایک عجیب سا اطمینان بخش دیا تھا میں نے رو رو کر اور گڑ گڑا کر اپنے ربّ سے اپنا ساتھ دینے کی دعا جو کی تھی۔ میں نے تکیے پر سر رکھا اور ذرا ہی دیر میں گہری نیند میں چلی گئی۔

موبائل فون کی بیل مسلسل بج رہی تھی میں نے بمشکل آنکھیں کھول کر موبائل تکیے کے قریب ٹٹول کر اٹھایا اور نیند کے خمار سے بوجھل لہجے میں ہیلو کہا۔

”واہ بھئی واہ بلکہ سبحان اللہ محترمہ ابھی تک محو استراحت ہیں کیا شاداب نگر نہیں چلنا ہے۔“ میرے کانوں میں حشام کی چہکتی ہوئی آواز آئی تو میری آنکھیں پوری طرح سے کھل گئیں اور میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور بوکھلا کر کہا۔

”کیا ٹائم ہوا ہے؟“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”ساڑھے سات بج چکے ہمیں بس تھوڑی ہی دیر میں نکلنا ہے۔ تم ابھی تک چینل پر نہیں آئیں تو میں نے فون کرلیا۔ مگر یہاں تو محترمہ بے فکری سے گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہی ہیں۔“ اس نے کہا۔

”اوکے حشام جسٹ تھرٹی منٹس میں پہنچ رہی ہوں۔ پلیز ویٹ...!“ میں نے فون بند کر کے بیڈ پر پھینکا اور کمرے کا دروازہ کھول کر آواز لگائی۔

”اماں پلیز پانچ منٹ کے اندر چائے ناشتہ...!“ الماری سے اپنا لباس سلیکٹ کیے بغیر ہی ہینگر سمیت نکال لیا اور واش روم میں گھس گئی۔

میرے لباس کا خیال اماں ہی رکھتی تھیں۔ انہیں دھلوا کر پریس کروا کہ وہی الماری میں ہینگر کروایا کرتی تھیں۔

میں نے پانچ منٹ میں نیم گرم پانی سے شاور لیا اور باہر آگئی اماں چائے اور سلائس انڈا لیے کمرے میں موجود تھیں۔

”اے ہے یہ ہوا کے گھوڑے پر سوار کہاں جا رہی ہو اتنی صبح صبح... تسلی سے بیٹھ کر ناشتہ تو کرلو۔ رات کو چائے بنوائی وہ بھی جوں کی توں پڑی ہے۔“ اماں نے مجھے جلدی جلدی بالوں میں برش پھیرتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"اماں میں شاداب نگر جا رہی ہوں نواب سطوت کی بیٹی کی تدفین کے سلسلے میں ہمارے چینل کی ٹیم کے ہمراہ۔" میں نے اماں کے ہاتھ سے چائے کا مگ لے کر منہ سے لگاتے ہوئے کہا۔

"نواب سطوت کی حویلی میں...!" اماں نے حیرانی سے کہا اور مجھے متوحش نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔

"ہاں! لیکن آپ پریشان مت ہوں میں وہاں اپنی ٹیم کے ہمراہ جا رہی ہوں۔ فی الحال اس سے اس کی بیٹی ہونے کا دعویٰ نہیں کروں گی۔" میں نے چائے کا ایک لمبا گھونٹ لیتے ہوئے ان کی جانب معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو میں تمہیں وہاں جانے نہیں دوں گی۔ دوسرے لوگ جا تو رہے ہیں۔ پھر تم کیوں جا رہی ہو۔" اماں نے گھبرا کر کہا۔

"میں نے کہا تو ہے کہ آپ بے فکر رہیں۔ میں وہاں سے آ کر آپ سے تفصیلی بات کروں گی۔"

میں نے آدھا پیا ہوا چائے کا مگ ٹرے میں رکھا، پلٹ کر ٹیبل سے اپنا بیگ اٹھایا اور موبائل اٹھا کر پرس میں رکھا۔

"بیٹا میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ کہیں کچھ ایسا ویسا نہ ہو جائے۔" اماں نے تشویش زدہ لہجے میں کہا رات جو میں نے نواب سطوت کو دیکھتے ہی چیخ مار کر اماں کو بلایا تھا اور نواب سطوت کی جانب اشارہ کیا تھا تو میں نے انہیں وہی دونوں چیزیں دکھائی تھیں۔ جن سے اماں بھی واقف تھیں۔ نواب سطوت کے گلے میں پڑا پتھر کا تعویذ اور ہاتھ میں تھامی ہوئی اسٹک ویسی ہی تھیں جیسی میرے پاس موجود تھیں۔ اماں بھی جان چکی تھیں کہ میں نے نواب سطوت کو اپنے باپ کی حیثیت سے پہچان لیا ہے اور ان کی گھبراہٹ کا سبب بھی یہی بات تھی۔

میں نے بیگ کندھے پر ڈالا اور کار کی چابی اٹھا کر تیزی سے کمرے سے باہر نکلی تو اماں میرے پیچھے پیچھے ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے تھامے چلی آئیں۔

"ارے بیٹا کم از کم ایک سلائس ہی کھا لیتیں وہاں تم کہاں کچھ کھا سکو گی۔"

"یہ میرا نام لے کر آپ کھا لیجیے گا' سمجھیں میں نے کھا لیا۔" میں نے پلٹ کر اماں کو پیار کیا اور باہر نکلتے ہوئے آواز لگائی۔"آپ فکر نہ کریں میں شاداب نگر جاتے ہوئے راستے میں کچھ کھا لوں گی۔"

میں کار کو ہَوا میں اڑاتی ہوئی چینل پر پہنچ گئی وہاں سب جانے کے لیے تیار تھے صرف میرا ہی انتظار ہو رہا تھا۔

"کمال ہے یار کتنی دیر سے مسلسل تمہیں کالز کر رہا ہوں کم از کم بندہ ایک مرتبہ تو فون ریسیو کر ہی لیتا ہے۔" حشام مجھے دیکھتے ہی بھڑک اٹھا۔

"سوری... سوری... آئی ایم لیٹ' اب چلیں۔" میں نے تحمل کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر اس سے معذرت کی اور اپنی غلطی کا اعتراف بھی کیا۔

"اٹس اوکے' لیکن بائی دی وے جب تم نے خود ہی وہاں جانے کا پروگرام بنایا تھا تو کیوں اتنی بے پروائی دکھائی تمہیں پتا ہے صرف تمہاری وجہ سے مجھے کتنی ساری باتیں سننا پڑیں ہیں۔" اس کا موڈ ابھی تک خراب تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"اچھا بابا سوری کر تو لی اب کیا جان لوگے۔" میں نے بھی بگڑے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ ہمیشہ کی طرح فوراً ٹھیک ہو گیا۔ پھر تیز قدموں سے وین کی جانب اس کے ہمراہ قدم بڑھاتے ہوئے میں نے اس سے سرگوشی میں کہا۔

"وہاں سے واپس آنے کے بعد تمہیں ایک بہت اہم بات بتانی ہے مجھ پر رات ایک بہت اہم انکشاف ہوا ہے۔اس وجہ سے میں ڈیپریشن کا شکار ہو گئی اور رات کو سو نہیں سکی۔بس ابھی دو گھنٹے قبل ہی آنکھ لگی تھی۔"

"کیوں کیا ہوا' خیریت تو تھی۔" اس نے چلتے چلتے اچانک رک کر پوچھا۔

"نہیں' اب سب ٹھیک ہے۔ابھی ٹائم نہیں ہے اس لیے میں کچھ نہیں بتا سکتی ویسے ہوسکتا ہے کہ وہاں جا کر تمہیں خود ہی میری ٹینشن کا سبب معلوم ہوجائے۔" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔

"وہاں جا کر۔" اس نے حیرت سے کہا اور پھر رک گیا۔

"ارے بابا چلو بھی دیکھو سب ہمیں گھور رہے ہیں۔" میں نے بے پروائی سے جھنجلا کر کہا۔

"ایک تو تم سسپنس بہت پھیلاتی ہو پتا نہیں تمہارے ساتھ میری زندگی کیسے گزرے گی۔" اس نے رواروی سے کہا تو میں اسے گھورنے لگی۔

"کیا نظر لگانے کا ارادہ ہے ویسے بھی آج امی کہہ رہی تھیں کہ میرا بچہ نظر لگنے کی حد تک اچھا لگ رہا ہے۔" اس نے شوخ لہجے میں کہا۔

"خوش فہمی ہے ماں بیٹے کی۔نظر لگے گی اور تمہیں کم از کم روزانہ منہ ہی دھو لیا کرو۔" میں نے اس کی بڑھی ہوئی شیو اور سانولے رنگ پر چوٹ کی۔

"ارے اس مردانہ وجاہت پر تو لڑکیاں مرتی ہیں اگر روزانہ منہ دھونے لگا تو اللہ خیر ہی کرے۔" اس نے مسکراتے ہوئے اپنے رخساروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور اس ہلکی پھلکی نوک جھوک کے درمیان ہم پارکنگ میں کھڑی وین تک پہنچ گئے۔ہماری کیمرہ ٹیم پہلے ہی وہاں پہنچ چکی تھی ہم بیٹھ گئے تو وین روانہ ہو گئی۔

ہمیں شاداب نگر پہنچنے میں تقریباً سات گھنٹے لگے۔راستے میں ہم نے کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے لی تھیں۔جیسے جیسے شاداب نگر نزدیک آرہا تھا میرے دل کی دھڑکن بڑھ رہی تھی۔میں خود ہی اپنے آپ کو ریلیکس کر رہی تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا کہ کیا واقعی نواب سطوت میرا باپ ہے اور آج اپنی پچیس سالہ زندگی میں آج پہلی مرتبہ میں اس سنگ دل شخص کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھوں گی۔ہم کیسے باپ بیٹی تھے کہ ہم نے ایک مرتبہ بھی ایک دوسرے کو نہیں دیکھا تھا۔

ہم شاداب نگر پہنچے تو وہاں لوگوں کو ہٹاتے ہوئے ہماری وین حویلی کی جانب بڑھی اور حویلی سے خاصے فاصلے پر ہی ہمیں وین کو روک کر اتر جانا پڑا کیونکہ لوگوں کے رش کی وجہ سے وین کو آگے بڑھانا ممکن ہی نہیں تھا۔

وہاں سطوت کی حویلی کے بہت سے ملازمین جگہ جگہ کھڑے لوگوں کی رہنمائی کر رہے تھے کہ انہیں کس جانب جانا ہے۔یہ سب یہاں کی انتظامیہ کے لوگ تھے۔ہمارے علاوہ یہاں اور دوسرے نیوز چینلز کی ٹیمیں بھی آئی ہوئی تھیں۔

ایک شخص نے آگے بڑھ کر ہم سب سے بات کی اور ہمیں ایک دوسرے شخص کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں حویلی کے اس مردانہ حصے میں لے جایا جائے جہاں پیر سائیں تشریف رکھتے ہیں۔تب میں نے کہا کہ میں حویلی میں اندر خواتین کے حصے میں جانا چاہتی ہوں۔

"بی بی اندر پردے والی بیبیاں ہیں ادھر کیمرہ لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

"نہیں میں کیمرے کے ساتھ اندر نہیں جاؤں گی تنہا وہاں جاؤں گی اور بڑی بی بی یعنی نواب صاحب کی بیگم سے بات کروں گی۔" میں نے کہا۔

"لیکن بی بی ادھر پیر سائیں کا سختی سے حکم ہے کہ میڈیا کا کوئی بندہ اندر نہیں جائے گا۔" اس نے سختی کے ساتھ نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن کیوں؟ اس کی کیا وجہ ہے؟" میں نے احتجاج کے انداز میں کہا۔

"پردہ بی بی پردہ۔وہ پاک بیبیاں ہیں پیر سائیں کے حرم سے ہیں تمہاری طرح تھوڑی یوں منہ اٹھا کر ہر جگہ چلی جاتی ہو۔" اس نے کچھ اس طرح سے کہا کہ مجھے غصہ آیا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو۔" میں نے غصے سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا لیکن وہ دوسری جانب متوجہ ہو گیا اور ہاتھ اٹھا کر کہا۔"جاؤ بی بی ہمارے ساتھ مغز ماری مت کرو، ویسے بھی آج اس حویلی پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔

ہمارے پیر سائیں کی لخت جگر ان سے جدا ہو گئی ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھیں بھر آئیں۔

"لعنت ہے تم جیسے اندھے عقیدت مندوں پر جو ایسے شیطان نما لوگوں کی اصلیت سے ناواقف ہوتے ہوئے انہیں اپنا سب کچھ مان لیتے ہیں۔" میں منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے ہٹ گئی۔

ہاتھ میں مائیک لیے اپنے کیمرہ مین کے ہمراہ وہاں روتے بلکتے لوگوں سے بات چیت کرتی رہی۔وہاں موجود ہر شخص سے بات کر کے اندازہ ہوا کہ یہ جاہل اور سادہ لوح لوگ نواب سطوت سے کتنی گہری عقیدت رکھتے ہیں۔

نمازجنازہ میں کچھ ہی دیر باقی تھی۔تب میں اور حشام اپنے کیمرہ مین کے ہمراہ نواب سطوت کی جانب بڑھے۔اندر بہت سخت سیکیورٹی تھی۔بہت سی سیاسی جماعتوں کے لوگ اور صوبائی اور وفاقی وزراء وہاں موجود تھے۔ہم کافی دور تھے۔ہماری یہ ساری کوریج لائیو ہمارے نیوز چینل پر نشر کی جا رہی تھی۔

اس وقت میں نے مائیک حشام کے ہاتھ میں دے دیا اور خود ایک طرف کھڑے ہو کر نواب سطوت کو دیکھنے لگی۔سطوت سے زیادہ میری نگاہیں اس

کے گلے کے تعویذ اور اسٹک پر تھیں اور پھر حشام بھی ایک دم چونک پڑا شاید اس نے بھی ان چیزوں کو پہچان لیا تھا تھا اس کی نگاہیں لمحہ بھر کو میری نگاہوں سے ملیں اور وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

"تم نے کچھ غور کیا۔"

"ہاں...!" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔"میں نے رات کو ٹی وی پر ہی دیکھ لیا تھا۔" میرے منہ سے سر سراتے ہوئے لہجے میں نکلا۔

اور پھر ہم مزید کوئی بات کرتے کہ وہاں ہلچل سی مچ گئی۔جنازہ اٹھنے کا وقت ہو گیا تھا نواب سطوت کے خاص مریدین میں سے دو آدمی آگے آئے اور جھک کر اس کے کان میں کچھ کہنے لگے تو وہ اٹھ کر اندر حویلی کے زنانے حصے کی جانب جانے لگا اور جاتے ہوئے وہ اتفاق سے بالکل میرے نزدیک سے ہو کر گیا۔تب میں نے نزدیک سے اس تعویذ اور اس کے ہاتھ میں تھامی ہوئی اسٹک کو غور سے دیکھا۔

میں اس وقت آن ڈیوٹی تھی اس لیے فی الحال ساری باتیں بھول کر اپنی ڈیوٹی میں مصروف ہو گئی۔

ذرا دیر کے بعد اندر سے جنازہ بر آمد ہوا۔نواب سطوت جنازے کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔باہر ایک بڑی ایمبولینس میں جنازہ رکھ دیا گیا اور نماز جنازہ کے لیے ایک بڑے گراؤنڈ میں لے جایا گیا۔سارے بڑے بڑے لوگ اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر ایمبولینس کے ساتھ چلنے لگے اور ہم پیدل ہی چلنے لگے۔ سڑک کے دونوں اطراف میں بہت سے لوگ عورتیں اور مرد کھڑے تھے اور دہاڑیں مار مار کر رو رہے تھے گویا وہ اپنے پیر سائیں کے غم میں برابر کے شریک تھے اور آنسو بہا کر اپنے دکھ کا اظہار کر رہے تھے۔

نماز جنازہ اور تدفین کے مراحل طے ہوتے ہوتے مغرب کا وقت ہو گیا اور ایک تھکا دینے والے دن کے اختتام پر ہم نے وین میں بیٹھ کر واپسی کی راہ لی۔بھوک اور تھکن سے برا حال تھا۔میں تو رات بھر کی جاگی ہوئی تھی حشام خلاف معمول بہت خاموش اور سنجیدہ تھا وہ کسی سے بات ہی نہیں کر رہا تھا۔ بس سر جھکائے خاموش بیٹھا سوچوں میں گم تھا۔میں اس کی خاموشی اور سنجیدگی کی وجہ جانتی تھی اس لیے کوئی استفسار نہیں کیا البتہ کیمرہ مین عبدالحق حشام کو

چھیڑنے لگا کہ "کیا بات ہے لگتا ہے نواب سطوت کی جوان بیٹی کی موت کا تمہیں بہت دکھ ہوا ہے۔بالکل خاموش اور سنجیدہ بیٹھے ہو۔"

"ارے نہیں یار میں بہت زیادہ تھک گیا ہوں اور بھوک بھی لگ رہی ہے۔" حشام نے ایک گہری نگاہ میرے اوپر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں واقعی تھکن تو مجھے بھی بہت ہو رہی ہے۔وہاں اتنا رش تھا کہیں بیٹھنے کی جگہ بھی نہیں ملی، بلکہ میں تو اندر حویلی میں عورتوں میں جانا چاہ رہی تھی لیکن مجھے جانے ہی نہیں دیا گیا۔" میں نے نارمل لہجے میں کہا تو حشام چونک کر حیرانی سے دیکھنے لگا۔وہ میرے اتنے نارمل انداز پر یقیناً حیران ہو رہا تھا۔

"کیوں تمہیں اندر کیوں نہیں جانے دیا۔" عبدالحق نے پوچھا۔

"بھئی اندر پردے وای بیبیاں تھیں ناں۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔"حالانکہ میں نے کہا بھی کہ میں اندر کیمرہ نہیں لے جاؤں گی۔پھر بھی...!"

"دراصل ہم سے پہلے "چڑھتا سورج" نیوز چینل کی نوشابہ نے اندر تنہا جانے کی اجازت مانگی لیکن اندر جا کر اس نے اپنے موبائل سے اندر کی ویڈیو بنالی تھی۔ اس کو ایسا کرتے ہوئے کسی نے دیکھ لیا اور اس سے اس کا موبائل فون

چھین کر اسے وہاں سے باہر نکال دیا بعد میں مووی ڈیلیٹ کر کے اس کا موبائل واپس بھی کردیا اس کے بعد میڈیا کے کسی بھی بندے کی اندر جانے کی سختی سے ممانعت کردی۔" عبدالحق نے تفصیل بتائی پھر بولا۔

"ارے اس نواب سطوت کی ایک دو ایسی باتیں مجھے معلوم ہیں کہ اگر وہ میں میڈیا پر بتا دوں تو اس کی کیا عزت رہ جائے لیکن بھائی یہاں معمولی معمولی باتوں پر لوگوں کے خاندان ختم ہوتے دیکھے ہیں اور میں تو یوں بھی اپنی بیوہ ماں اور تین جوان بہنوں کا اکلوتا سہارا ہوں۔بس اسی وجہ سے زبان کو تالا لگا ہوا ہے۔"

"کیا بات ہے مجھے تو بتا دو میں کس سے کہوں گی۔" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"رہنے دو بات جب تک اپنے اندر ہے محفوظ ہے ایک بار باہر نکل گئی تو راز داری کی کوئی گارنٹی نہیں رہتی۔" اس نے کہا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

"کیا تم مجھے ایسا سمجھتے ہو کہ میں تمہاری بات کو الم نشرح کرتی پھروں گی۔" میں نے برہمی سے کہا۔

"ارے یار بڑی بھوک لگ رہی ہے۔اسلام الدین کہیں کوئی ڈھابہ دیکھ کر وین کو روک دینا۔" اس نے میری بات کو سنی ان سنی کر کے ڈرائیور کو مخاطب کر کے کہا۔

"چھوڑو ناں کیوں ضد کر رہی ہو وہ نہیں بتائے گا۔" حشام نے آہستگی سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے سرگوشی کی۔

"پھر بھی کچھ تو پتا چلے۔" میں نے زچ ہوتے ہوئے کہا عبدالحق پر مجھے بہت غصہ آرہا تھا جی چاہ رہا تھا کہ اس کے حلق میں ہاتھ ڈال کر وہ بات باہر نکال لوں جو اس نے اپنے پیٹ میں چھپا رکھی ہے۔میرا دل اندر سے یہ کہہ رہا تھا کہ ہو نہ ہو عبدالحق کو بھی نواب سطوت اور سرمئی بیگم کے تعلقات کا علم ہے اور یہ اس حوالے سے یہ بات کہہ رہا ہے حالانکہ حشام مجھے مسلسل روک رہا تھا اور سمجھا رہا تھا کہ میں اس بات کو رہنے دوں لیکن نہ جانے کیوں مجھے بھی ضد سی ہو گئی تھی۔

"کہیں تم نواب سطوت اور سرمئی بیگم کے تعلق کی بات تو نہیں کر رہے...!" میں نے بالآخر عبدالحق کی جانب جھکتے ہوئے یہ بات سرگوشی میں کہہ ہی دی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تو وہ ہونق سا میری جانب دیکھنے لگا اور منہ پر انگلی رکھ کر مجھے چپ رہنے کا اشارہ کرنے لگا۔

"کیا ہوا؟ ایسے کیوں کر رہے ہو' کیا یہاں کوئی نواب سطوت کا بندہ بیٹھا ہے۔" میں نے بدستور سرگوشی میں کہا۔

"اس کے خلاف تو ہوائیں بھی سن گن لے لیتی ہیں اور بات اس تک پہنچا دیتی ہیں۔اس لیے میرا کہنا مانو اور خاموش بیٹھو۔" اس نے سخت لہجے میں سرگوشی کی۔

"اچھا اب تو بتا دو کہ تم اس بات کے لیے کہہ رہے تھے۔" میں نے اٹھیلے لہجے میں کہا تو اس نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ بات تو مجھے پہلے سے ہی معلوم تھی۔" میں نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا اس موضوع کو اب ختم کرو دیکھو وہاں روشنی نظر آرہی ہے۔شاید وہاں کھانے پینے کا سامان مل جائے۔حشام نے کہا اور ڈرائیور کو اس جانب گاڑی موڑنے کے لیے کہا۔

وہ ایک ڈھابہ ہی تھا ڈرائیور اتر گیا۔باقی ہم لوگ گاڑی میں ہی بیٹھے رہے۔ ہماری ٹیم کے دوسرے لوگ بھی ساتھ ہی اتر گئے اور کھانے پینے کا سامان لے آئے باقی راستے ہم نے دوبارہ نواب سطوت کے موضوع پر ہر کوئی بات نہیں کی۔

بارہ بجے کے قریب ہم اپنے نیوز چینل پر پہنچے۔وہاں رپورٹ کی اور پھر میں نے گھر فون کر کے اماں حمیدہ کو اپنے واپس آنے کی اطلاع کر دی۔

یہاں سے نکلتے نکلتے رات کا ڈیڑھ بج گیا تھا۔واپسی کے لیے جب میں گاڑی میں بیٹھنے لگی تو حشام نے کہا کہ وہ مجھے چھوڑ دے گا تو میں نے کہا کہ میری گاڑی کون لے کر جائے گا اور اگر گاڑی یہیں کھڑی رہی تو صبح میں کیسے آؤں گی تو وہ بولا۔

”جب میں تمہیں اس وقت گھر چھوڑ سکتا ہوں تو کل صبح لینے بھی آسکتا ہوں۔“

”لیکن حشام رات میں اگر اچانک گاڑی کی ضرورت پڑ گئی تو...!“

”رات میں کیا ضرورت پڑ سکتی ہے ویسے بابا کی طبیعت کیسی ہے؟“ اس نے کہا۔

”لو...!“ میں نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔کل رات کچھ ایسی صورت حال ہوئی کہ میں بابا کے کمرے کی جانب گئی ہی نہیں' پتا نہیں ان کا کیا حال ہے۔“

”اچھا ایسا کرو کہ تم اپنی کار میں جاؤ میں تمہارے ساتھ ساتھ اپنی کار میں تمہارے گھر تک جاؤں گا اور تمہیں وہاں چھوڑ کر گھر واپس آجاؤں گا۔“ حشام نے بات کو سمجھتے ہوئے کہا۔

”ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔“ میں نے خوش ہو کر کہا۔

”سرمئی مجھے تم سے ایک اہم بات کرنی ہے لیکن اس وقت نہیں' کل اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں گے۔“ میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تو حشام نے جھک کر میری جانب کھڑکی میں جھانکتے ہوئے کہا۔

”ہاں میں جانتی ہوں کہ تم کیا بات کرنا چاہتے ہو ان شاء اللہ کل ملتے ہیں پھر اطمینان سے بیٹھ کربات کریں گے۔“ یہ کہہ کر میں نے کار کی چابی اگنیشن میں ڈال کر گھما دی۔

"میری سمجھ میں تمہاری شخصیت نہیں آتی اتنی بڑی بات سامنے آگئی اور تمہارا اطمینان قابل تعریف ہے۔ تمہیں ذرا بھی ایکسائٹمنٹ نہیں ہے۔" حسام نے کہا۔

"آخر بیٹی کس کی ہوں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔"بڑے بڑے جرم کرنے کے بعد بھی اندر ٹھنڈ ہی رہتی ہے۔" یہ کہہ کر میں نے ایکسیلیٹر پر اپنے پاؤں کا دباؤ بڑھایا اور گاڑی کو تیزی سے آگے بڑھا کر لے گئی۔میں نے حسام کے آنے کا انتظار بھی نہیں کیا اور گاڑی کو تیزی سے مین روڈ پر لے آئی تب میں نے حسام کی گاڑی کو پیچھے آتے ہوئے دیکھا وہ زور زور سے ہارن بجا رہا تھا۔روڈ پر اس وقت ٹریفک قدرے کم ہو گیا تھا بسیں وغیرہ تو بالکل ہی نہیں تھیں اس لیے میں روانی سے گاڑی بھگا رہی تھی لیکن حسام کی گاڑی کا ہارن سن کر میں نے اپنی گاڑی کی اسپیڈ ہلکی کردی اور میری اسپیڈ ہلکی ہوتے ہی حسام تیزی سے میرے برابر میں گاڑی لایا اور کھڑکی سے منہ نکال کر چیخا۔

"ہوش میں رہ کر ڈرائیو کرو' کیوں پاگلوں کی طرح بھاگی جا رہی ہو۔"

"اوکے' اوکے۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر معذرت کا اظہار کیا اور گاڑی کی رفتار ہلکی کرلی۔گھر پر آکر میں نے گاڑی روکی تو حسام اتر کر آگیا اور بولا۔

"کیوں کھلم کھلا میرے قتل کا سامان کرتی رہتی ہو۔"

"کیا ہوا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم سے کوئی نہیں جیت سکتا۔کیوں اتنی تیز ڈرائیونگ کر رہی تھیں۔اگر تمہیں کچھ ہوجاتا تو میرا کیا ہوتا" اس نے مسکین سی صورت بنا کے کہا۔

"اچھا اب جاؤ' مجھے زبردست نیند آرہی ہے۔" میں نے کہا اور زور زور سے ہارن بجانے لگی۔حسام اپنی گاڑی بیک کرنے لگا تو میرے گھر کا گیٹ کھل گیا اور میں تیزی سے گاڑی اندر لے گئی۔میں گاڑی پارک کر کے اندر گئی تو اماں اور آنٹی پریشان شکل لیے کھڑی تھیں۔

"کیا ہوا ہے میں نے فون کر تو دیا تھا کہ میں آگئی ہوں۔" میں نے دونوں کے چہروں پر شدید پریشانی کے آثار دیکھے تو کہا۔

"شمسو کی حالت بہت خراب ہو رہی ہے۔اس کا سانس رک رک کر آرہا ہے اسے فوری طور پر اسپتال لے جانا ہوگا۔" اماں نے کہا۔

"بابا...!" میں ایک چیخ مار کر تیزی سے بابا کے کمرے کی جانب بڑھی۔

...☆☆☆...

آنٹی کو میں اس صحافی اور ٹی وی اینکر سرمئی کے حوالے کر کے کلفٹن نواب کی کوٹھی میں لوٹ آیا۔حالانکہ نہ تو اس نے مجھے فون نمبر دیا اور نہ ہی اپنے گھر کا ایڈریس بتایا لیکن مجھے اس بات کی کوئی فکر نہیں تھی۔بس یہ سوچ کر مطمئن تھا کہ وہ مظلوم عورت اس کے پاس محفوظ ہے اور اس نے مجھ سے خود کہا تھا کہ وہ مجھ سے خود فون کے ذریعے رابطہ کرے گی۔وہ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی لیکن کم از کم میں اسے اتنا ضرور جانتا تھا کہ نیوز چینل کے حوالے سے میرے علاوہ سارا پاکستان بلکہ دنیا بھر میں جہاں جہاں یہ نیوز چینل دیکھا جا رہا ہے لوگ اس سے واقف ہیں۔

میں نے سوچا کہ ایک دو دن میں اس کے فون کا انتظار کروں گا پھر اس کے نیوز چینل پر جا کر خود اس سے ملوں گا۔لیکن اس سے پہلے اور نواب کے واپس لوٹ کر آنے سے قبل مجھے ایک دو بہت ضروری کام کرنے تھے۔ایک کام تو یہ تھا کہ ایک فلیٹ کرائے پر حاصل کرنا تھا اور اس میں ضروریات

زندگی کی کچھ ضروری چیزیں بھی ڈالنی تھیں۔تاکہ میں ان آنٹی کو اس فلیٹ پر رکھ سکوں۔جو کہانی انہوں نے مجھے اپنی سنائی تھی اس کو لے کر نواب سے انتقام کے لیے ان کا ساتھ مجھے عطیہ خداوندی نظر آرہا تھا۔

میں یہ بات بھی اچھی طرح سے جانتا تھا کہ نواب کتنا پاور فل آدمی ہے کسی کو بھی اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے اس کا ایک اشارہ ہی کافی ہوتا ہے لیکن میں اس کے بہت نزدیک تھا۔میں پس پردہ رہ کر اس کے لیے وہ کرسکتا تھا جو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔مثل مشہور ہے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔تو میں اسی بھیدی کا کام انجام دینے والا تھا جو نواب کی لنکا کو ڈھانے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا۔

میں اپنے کمرے میں لیٹا ٹی وی دیکھ رہا تھا مختلف نیوز چینل پر نواب کی بیٹی کی موت کی خبر آرہی تھی اچانک ہی مجھے ایک خیال آیا اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

نتھیا گلی میں مجھے راکھی نے بتایا تھا کہ نواب کی اولاد میں دو بیٹیاں ہیں اور ان دونوں کی شادیاں ہو چکی ہیں۔پھر یہ کون سی بیٹی ہے جس کی موت ہوئی

ہے۔ٹی وی پر تو یہی بتایا جا رہا ہے کہ مرحومہ کی عمر اٹھائیس سال تھی اور ابھی ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔مجھے یہ سوچ کر غصہ آنے لگا کہ راکھی نے یہ بات مجھے جھوٹ کیوں بتائی اور اس جھوٹ سے مجھے کیا فائدہ حاصل ہونے والا ہے اگر وہ اتنی سی بات مجھے جھوٹ بتا سکتی ہے اور بھی نہ جانے اس نے کون کون سے جھوٹ بولے ہوں گے۔اس خیال کے آتے میں نے راکھی کا سیل فون نمبر ملایا جو اس نے چند بیلوں کے بعد اٹھا لیا۔وہ شاید کمرے میں تنہا تھی اور سو رہی تھی کیونکہ اس کی آواز مجھے نیند کے خمار میں ڈوبی ہوئی محسوس ہوئی۔

”ہاں شمروز بولو کیا بات ہے؟“

”کیا تم سو رہی تھیں۔مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔“ میرے لہجے میں برہمی کا عنصر غالب تھا۔

”ہاں بولو میں سن رہی ہوں۔“ اس نے ایک جماہی لیتے ہوئے کہا۔

”نہیں وہ بات فون پر کرنے والی نہیں ہے کیا تم اس وقت میرے پاس آسکتی ہو۔“ میں نے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”اس وقت۔“ وہ چونک گئی۔”کیوں خیریت؟“

”ہاں بس خیریت ہی ہے۔“ میں نے گول مول لہجے میں کہا۔

”کیا میری یاد ستا رہی ہے۔“ اس کا لہجہ خمار آلود ہو گیا اور میں اس کا مطلب سمجھ کر بری طرح تپ گیا اور جھنجلا کر کہا۔

”اگر آسکتی ہو تو آجاؤ ورنہ میں آجاتا ہوں۔“

”کیا بات ہے ڈیئر بہت موڈ آف لگ رہا ہے بتاؤ تو سہی آخر ہوا کیا ہے میں تو یہ سوچ کرخوش ہوگئی تھی کہ شاید تمہیں میرے قرب کی یاد ستا رہی ہے۔لیکن تم تو غصے میں لگ رہے ہو' کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔“

”تم مسلسل فضول باتیں کر کے اپنا اور میرا وقت برباد کر رہی ہو' مجھے صرف اتنا جواب دو کہ آرہی ہو یا نہیں۔“ اس کی بکواس سن کر میرا دماغ بری طرح گھوم گیا اور میں نے کہا۔

”اگر نہیں آسکتیں تو دفع کرو' مجھے صرف اتنابتا دو کہ میں آجاؤں۔“

”ارے نہیں ایسی غلطی بھول کر بھی نہ کرنا۔میں نے تمہیں بتایا تو تھا کہ یہاں بہت سی نگراں آنکھیں ہیں جو ہمہ وقت ہماری نگرانی کرتی رہتی ہیں اور رات

کے اس سمے اگر میں اور تم ملے تو یہ بات نواب سے چھپی نہ رہ سکے گی۔وہ میری اور تمہاری اس ملاقات کو کبھی پسند نہیں کرے گا وہ لوگ یا چیزیں جو نواب کی دسترس میں رہ چکی ہیں انہیں اپنے آپ سے ریجیکٹ کرنے کے بعد بھی وہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی انہیں ہاتھ بھی لگائے وہ انہیں ضائع تو کرسکتا ہے لیکن کسی اور کو بخش دے نا ممکن ہے یہ بات اس کی سرشت ہی میں شامل نہیں ہے۔" راکھی نے تفصیل سے نواب کی کینی فطرت کے بارے میں مجھے بتایا میں خاموشی سے سنتا رہا پھر اس کی بات سے ایگری کرتے ہوئے ایک گہری سانس لی اور پوچھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو سوری میں بھول گیا تھا اچھا یہ بتاؤ کہ میں فون پر تم سے کوئی بات کرسکتا ہوں۔"

"ہاں بولو میں تنہا ہوں۔" اس نے پر سکون سانس لیتے ہوئے کہا۔

"تم نے مجھے بتایا تھا کہ نواب کی دو بیٹیاں ہیں اور دونوں کی شادیاں وہ کرچکا ہے۔لیکن اس کی تو کنواری لڑکی کی ڈیتھ ہوئی ہے اس کا مطلب ہے کہ تم نے مجھ سے غلط بیانی سے کام لیا... آخر کیوں؟" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"میں نے تم سے جھوٹ نہیں بولا تھا جو میرے علم میں تھا میں نے تمہیں بتا دیا' ہوسکتا ہے مجھ سے ہی غلط بیانی کی گئی ہو۔کیا تم اس بات کو لے کر مجھ سے ناراض ہو۔" راکھی نے کہا۔

"ہاں بس یہی بات تھی میں نے سوچا کہ اگر تم مجھے یہ بات غلط بتا سکتی ہو تو ہوسکتا ہے کہ تم نے مجھے اور باتیں بھی غلط بتائی ہوں۔میں تم سے آخری بار پوچھ رہا ہوں تم صرف سچ بولنا ورنہ جھوٹ بولنے کا انجام تو تم جانتی ہی ہو کہ تمہاری عبرت ناک موت۔" میں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ریلیکس شمروز ڈارلنگ ریلیکس تم جو بھی پوچھنا چاہتے ہو' پوچھو۔میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہیں ہر بات سچ ہی بتاؤں گی کیونکہ میں نے تم سے محبت کی ہے اور یاد رکھو کہ عورت اپنی زندگی میں صرف ایک بار اور ایک ہی مرد سے اپنا سب کچھ مان کر پیار کرتی ہے۔میری زندگی میں آنے والے تم وہ پہلے اور آخری مرد ہو میں تمہیں کبھی بھی ناراض نہیں کرسکتی۔چاہے میری جان ہی چلی جائے میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں میری جان کہ مجھے یہی بتایا گیا تھا کہ نواب اپنی دونوں بیٹیوں کی شادیاں کرچکا ہے لیکن حقیقت مجھ پر اب کھلی ہے

کہ اس نے اپنی بیٹی کی شادی نہیں کی تھی بلکہ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ اس نے اپنی دوسری بیٹی کی بھی شادی نہیں کی ہوگی۔نواب جیسے لوگ اپنی بیٹیوں کو بوڑھا کر کے مار تو سکتے ہیں لیکن انہیں دوسرے کے حوالے نہیں کرتے۔ ہاں اب پوچھو کہ اب اور کون سی بات تمہارے دل میں کھٹک رہی ہے۔" اس نے بہت میٹھے اور پیار بھرے لہجے میں بات ختم کی۔

"تم نے جو بات میری بہن اور نواب کے حوالے سے کہی تھی کیا واقعی وہ سچ ہے۔" میں اتنی شرمناک بات پوچھتے ہوئے بھی سرتا پا کانپ رہا تھا۔

"ہاں ہاں بالکل سچ ہے۔ان دنوں شیر افضل نے نواب کو نتھیا گلی بلایا ہوا تھا اور اس بات کا اقرار نواب نے خود میرے سامنے کیا تھا اور تمہاری بہن کے حسن اور جوانی کے قصیدے...!"

"بس...!" میں بری طرح دہاڑا۔"میں مزید اور کچھ نہیں سننا چاہتا تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ اس وقت ان اذیت ناک لمحوں کے بارے میں سوچ کر ہی میری کیا حالت ہو رہی ہے اب نواب کو میرے غیظ و غضب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔میں اسے کتے سے بھی بد تر موت دوں گا۔" میں نے بھرائے ہوئے

مزیدار دو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

لہجے میں کہا میرے جسم کا سارا خون جمع ہو کر میری کنپٹیوں میں ٹکریں مار رہا تھا۔میں غصے کی شدت سے لرز رہا تھا۔پھر میں نے راکھی سے مزید کوئی اور بات نہیں کی اور فون بند کر دیا۔

میز پر پانی کا جگ اور گلاس رکھا تھا لیکن میں نے پانی گلاس میں ڈالنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور جگ ہی اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔میرے حلق سے چند گھونٹ ہی اترے ہوں گے باقی کا پانی میری قمیص کو تر کر گیا تھا۔میں نے باقی کا بچا ہوا پانی اپنے کھولتے ہوئے دماغ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے سر پر انڈیل لیا۔

مجھے اپنے آپ کو نارمل حالت میں لانے میں کافی ٹائم لگ گیا۔ایک بار پھر سے میری آنکھوں کے سامنے فائزہ کی ان بد معاشوں کے ہاتھوں بے حرمتی اور اس کی سسکتی اور نوحہ کرتی بے لباس لاش آگئی۔پھر جس طرح اس کی تدفین میں نے کی وہ میرا دل ہی جانتا ہے۔میرا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ جس طرح میں نے شیر افضل سے بدلہ لیا تھا اس کی بیٹی کو برباد کر کے کاش میں نواب کی زندہ رہ جانے والی بیٹی کے ساتھ بھی ایسا ہی بدلہ لے سکوں لیکن

میں جانتا تھا کہ یہ کام مشکل ہی نہیں نا ممکن بھی تھا اس کی حویلی تک رسائی نا ممکن تھی۔

جب میں ایک فیصلہ کر کے مطمئن ہو گیا اور وہ فیصلہ تھا نواب کی درد ناک اور اذیت ناک موت کا تو میں ریلیکس ہو گیا۔

رات دھیرے دھیرے بیتی جا رہی تھی لیکن نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔میرے ذہن میں ایک بار پھر اس مظلوم عورت کی کہانی گردش کرنے لگی جو نواب کے ظلم کا شکار ہوئی تھی جسے میں اس جرنلسٹ لڑکی کے گھر چھوڑ آیا تھا۔ایسی اور بھی نہ جانے کتنی کہانیاں ہوں گی۔نواب کی زندگی سے وابستہ جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں اور جن میں نواب نے ظلم و بربریت کا بازار گرم کر رکھا ہو گا۔

میں نے ٹی وی آن کیا اور نیوز چینل لگا لیا تقریباً ہر نیوز چینل سے وقفے وقفے سے نواب کی بیٹی کی موت کی خبر آ رہی تھی کہیں کہیں نواب کی جاگیر کے بارے میں بتایا جا رہا تھا نواب کی ویڈیو بھی دکھائی جا رہی تھی۔وہ غمزدہ صورت بنائے لوگوں میں گھرا بیٹھا تھا۔

نواب کی صورت دیکھ کر جتنی فحش گالیاں مجھے آتی تھیں میں نے دے ڈالیں اور ایک انگلش مووی لگا کر دیکھنے لگا اور مووی دیکھتے دیکھتے کب میری آنکھ لگ گئی مجھے پتا نہیں چلا۔

صبح دیر سے آنکھ کھلی تو میں ناشتے کے لیے باہر آگیا۔یہاں لاؤنج میں چالیس انچ کی بڑی اسکرین کا ٹی وی آن تھا اور ایک نیوز چینل جس پر لائیو کوریج آ رہی تھی لگا ہوا تھا اور کوٹھی کے سارے لوگ یہاں جمع اس لائیو کوریج کو دیکھ رہے تھے۔تب میں نے اس جرنلسٹ لڑکی کو بھی دیکھا جو مائیک ہاتھ میں لیے وہاں موجود لوگوں کے تاثرات اس جوان موت کے بارے میں جان رہی تھی۔

میں نے خاموشی سے کچن کا رخ کیا اور خود چائے بنا کر پی لی کیونکہ آج کچن خالی پڑا تھا۔کوٹھی میں بھی موت کا سوگ منایا جا رہا تھا۔

چائے پی کر میں چپکے سے کوٹھی سے باہر نکل آیا۔صحافی لڑکی کی جانب سے تو میں یوں مطمئن ہو گیا تھا کہ وہ شاداب نگر گئی ہوئی ہے اس لیے آج تو اس

کی کال نہیں آئے گی۔میں اس وقت آنٹی روشن آراء کے لیے ایک فلیٹ کرائے پر حاصل کرنا چاہتا تھا۔

میں نے کلفٹن میں ہی ایک اپارٹمنٹ کرائے پر حاصل کرلیا۔فلیٹ چھوٹا تھا لیکن فرنشڈ تھا۔ایک آدمی کے لیے بھی کافی تھا میں نے اسٹیٹ ایجنسی والے کو اس کی مطلوبہ رقم ادا کی ایگریمنٹ سائن کیا اورچابی لے لی۔میں نے دو موبائل فون بھی خریدے اور دو نئی سیم بھی مختلف ناموں سے لیں پھر کچھ اشیاء خور دو نوش خریدیں۔

میں رات تک ان سارے کاموں میں مصروف رہا۔کھانا وغیرہ بھی باہر ہی کھایا اور رات گیارہ بجے میں کوٹھی میں واپس آگیا۔

اس وقت ساری کوٹھی میں سناٹا پھیلا ہوا تھا۔سب اپنے اپنے کمروں میں واپس چلے گئے تھے سوائے گارڈز کے جو مجھے ہمیشہ کی طرح چوکس نظر آرہے تھے میں بھی سیدھا اپنے کمرے میں آگیا اور کپڑے چینج کر کے سو گیا۔دونوں موبائل فون میں نے فلیٹ میں ہی چھوڑ دیے تھے اور وہ موبائل فون اور سمز میں نے ایک اہم مقصد کے لیے خریدے تھے۔

راکھی نے میرے ان زخموں کو کرید ڈالا تھا جن پر وقت کی گردش نے کھرنڈ جمانا شروع کردیا تھا۔ایک بار پھر میں نتھیا گلی اپنے تصورات کی دنیا میں پہنچ گیا۔اماں یاد آئیں، بابا جان یاد آئے، ارمان کی شرارتیں اور اس کا چلبلا پن یاد آیا۔فائزہ کی وہ چھوٹی چھوٹی شکایتیں جو وہ ارمان کے ستانے کے بعد مجھ سے کرتی تھی اور اس کی معصوم سی فرمائشیں... مجھے سب کچھ یاد آرہا تھا اور مجھے پتا ہی نہیں چلا میرا تکیہ میرے آنسوؤں سے بھیگتا رہا۔

خیالات کا رخ بدلا اور ایک اور چہرہ میرے تصور کی اسکرین پر لہرایا۔اس کی گہری آنکھوں میں ڈھیروں نمکین پانی تھا اور اس کے کانپتے لب مجھ سے شکوہ کناں تھے کہ میں نے اسے بھلا دیا آخر کیوں؟ میں نے ایسا کیوں کیا، کیا میں بے وفا تھا؟

وہ جذبہ کیسا سرکش جذبہ تھا مجھے کبھی کہیں سے بھی اس جذبے کا سراغ نہیں ملتا۔جو دل کی سنگلاخ زمین پر خود بخود کسی سرکش چشمے کی مانند پھوٹ پڑتا ہے وہ ایک غیر مرئی سی ڈور ہوتی ہے جو دو روحوں کو ایک بے عنوان بندھن میں باندھ دیتی ہے۔اب تو وہ سب کچھ ایک خواب سا لگتا ہے۔

اب تو وہ بھی مجھے رو دھو کر خاموش ہو گئی ہو گی کسی اور کی دلہن بن کر ڈولی میں سوار ہو گئی ہو گی۔پتا نہیں کسی اور کے ساتھ نکاح کے بندھن میں خود کو باندھتے وقت اس کی کیا کیفیت ہو گی۔ کیا اس نے مجھے

یاد کیا ہو گا۔ کیا آج بھی ان گزرے میٹھے لمحات کی کسک اس کے دل کو تڑپاتی ہو گی۔ جو ہم نے ساتھ گزارے تھے۔

وہ بہت حسین تھی گہرے آنکھیں اور ان پر گھنی پلکوں کی جھالر، شولڈر پر لہراتے ہوئے اس کے تراشیدہ ریشمی بال، ستواں ناک کے نیچے نازک سے گلابی ہونٹ اور اس سے نیچے تھوڑی پر ننھا سا گڑھا۔

مجھے جب اس پر بہت پیار آتا تو میں انگلی کی پور سے اس گڑھے کو چھوتا اور میری آنکھوں میں محبت کا ڈھیر سارا خمار اتر آتا۔وہ بہت بولڈ تھی۔عام شرمیلی لڑکیوں کی طرح نہیں شرماتی تھی اور میں کبھی اس کو چھیڑتے ہوئے کہتا۔

”مہوش تم کبھی تو میری نگاہوں کی وارفتگی سے شرما جایا کرو، میں تمہارے چہرے پر حیا کی لالی دیکھنا چاہتا ہوں تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑتی اور کہتی۔

”پتا نہیں شاہ لڑکیاں ایسے موقعوں پر کس طرح شرماتی ہیں۔“ اور میں اسے پیار بھری نگاہوں سے تکتا رہتا۔

کبھی میں اس سے فرمائش کرتا کہ وہ عام لڑکیوں کی طرح شلوار قمیص اور دوپٹا کیوں نہیں پہنتی۔وہ ہمیشہ مجھے جینز اور شرٹ یا کبھی جینز کے ساتھ چھوٹی کرتی میں ملبوس دکھائی دیتی تھی۔مجھ سے گھبرا کر کہتی۔

”میں سوچتی ہوں شاہ، جب میں تمہارے ساتھ نتھیا گلی تمہارے بابا اور ماں کے گھر ان کی بہو بن کر جاؤں گی تب تو مجھے ایسا ہی لباس پہننا ہو گا۔پتا نہیں میں پہن پاؤں گی بھی یا نہیں۔

وہ ایک امیر باپ کی لاڈلی بیٹی تھی لیکن اتنا میں جانتا تھا کہ وہ مجھے دل و جان سے چاہتی ہے۔کالج میں اسے پسند کرنے کے باوجود میں نے کبھی اس کی جانب پیش قدمی یہ سوچ کر نہیں کی کہ وہ ایک امیر باپ کی بیٹی ہے اور میرے بابا ایک غریب آدمی ہیں۔لیکن وہ خود میری جانب کھنچی چلی آئی اور بڑے دھڑلے سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کر دیا۔میں اس کا ساتھ پا کر بے حد مسرور تھا۔

مجھے رنگ برنگی کانچ کی نازک چوڑیاں بے حد پسند تھیں۔میں نے کئی مرتبہ اس سے فرمائش بھی کی تو اس نے کہا۔کبھی کوئی ایسا موقع ہوگا تو پہن لوں گی۔اس کی برتھ ڈے پر میں نے اسے سبز اور سرخ کانچ کی چوڑیاں اور کانوں کے جھمکے دیے تھے۔اپنا تحفہ دیکھ کر وہ حیران رہ گئی اور اس کے منہ سے سرگوشی میں نکلا۔

”شاہ کیا واقعی تمہیں چوڑیاں بہت پسند ہیں۔“

”بے حد۔“ میں نے محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔”اور مہندی بھی۔“

”پتا ہے شاہ میں نے آج تک اپنے ہاتھوں پر مہندی نہیں لگائی۔“ اس نے دھیرے سے کہا۔

”آج کے بعد تم اپنے ان ہاتھوں کو صرف میرے لیے حنائی کرو گی۔ان گوری اور سڈول کلائیوں کو کانچ کی چوڑیوں سے میرے لیے سجاؤ گی۔“ میں نے اس کے مخروطی ہاتھوں کو آہستگی سے تھام کر لبوں سے لگا لیا۔

پھر بہت سارا وقت گزر گیا میں یہ سوچ کر اداس ہو گیا کہ مہوش کو میرے دل کے ان نازک احساسات کی کوئی پروا نہیں ہے۔

اس دن شام سات بجے تھے میں فلیٹ پر تنہا تھا اتفاق سے مہوش کی بے پروائیوں کے بارے میں سوچ کر آزردہ ہو رہا تھا کہ کال بیل بجی۔میں نے بے دلی سے اٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔سامنے مہوش ہاتھوں میں شاپرز لیے کھڑی تھی۔

”اب سامنے سے ہٹو بھی کیا اندر بلانے کا ارادہ نہیں ہے۔“ اس نے شوخ لہجے میں کہا۔تو میں جیسے ہوش میں آگیا اور جلدی سے دروازے کے آگے سے ہٹ کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔وہ تیزی سے اندر آئی ایک شاپر تو اس نے ٹیبل پر رکھ دیا اور ایک ہاتھ میں لے کر تیزی سے کچن کی جانب بڑھ گئی۔

اور میں کرسی پر بیٹھ کر اس کو دیکھنے لگا۔آج اسے دیکھ کر اپنے دل کو قابو کرنے میں بڑی دشواری پیش آرہی تھی۔جس انداز سے آج وہ سج سنور کر آئی تھی ایسے حلیے میں، میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔

سرخ ستاروں بھرا جالی کا جھلملاتا ہوا کرتا اور سرخ ہی جھلملاتا ہوا بڑا سا دوپٹہ اور مہندی کلر کا چوڑی دار پاجامہ' ہاتھوں میں مہندی اور کلائیوں میں میری دی ہوئی چوڑیاں تھیں۔

میں اس کے حسین روپ کے تصور میں کھویا ہوا تھا تب ہی اس کی شوخ آواز میرے کانوں میں آئی۔

”ہیپی برتھ ڈے ڈیئر شاہ۔“

وہ دونوں ہاتھوں میں کیک اٹھائے برتھ ڈے کا گیت گنگناتی ہوئی آرہی تھی۔ کیک پر موم بتیاں جل رہی تھیں اور موم بتی کے شعلے کے پیچھے اس کا ملیح چہرہ جھلملا رہا تھا۔

اس نے کیک ٹیبل پر رکھا اور وہاں رکھا ہوا شاپر اٹھا کر اس میں سے پیک کیا ہوا گفٹ نکال کر میری جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔

”بہت بہت مبارک ہو اللہ کرے ہم ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ اپنی زندگی کا یہ اہم دن گزاریں۔“

”آمین۔“ میں نے دل کی گہرائیوں سے کہا۔”تمہیں یاد تھا یہ دن؟“ میں نے پوچھا۔

”یہ بھی بھلا کوئی بھولنے والی بات ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور چھری میری جانب بڑھائی۔ لیکن میری نگاہیں اس پر سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں بس اس کے چہرے کا طواف کرتے ہوئے ہزاروں بلائیں لے رہی تھیں۔

میری آنکھوں کا والہانہ پن اور ان سے جھانکتی ہوئی محبت کی شدتوں کو محسوس کر کے وہ گڑبڑا گئی۔ چھری نیچے رکھ کر اس نے اپنے حنائی ہاتھ گود میں رکھ لیے اور نگاہیں جھکالیں۔ آج پہلی مرتبہ میں نے اس کے عارض حیا سے دہکتے ہوئے دیکھتے تھے۔

اس کی دودھیا کلائیاں کانچ کی سرخ اور سبز چوڑیوں سے سجی ہوئی تھیں۔ گود میں رکھے اس کے حنائی ہاتھ ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ اس کی چوڑیوں کی مدھم کھنک سے مجھے سریلے نغمے سنائی دے رہے تھے۔ مجھے یوں لگ رہا تھا

کہ ان نغموں کے بول ہمارے ملن کی دعا بن گئے ہوں۔مجھے ان نغموں میں شہنائی کی گونج سنائی دے رہی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟" اس نے نیچی نگاہ سے حیا آلود لہجے میں کہا۔

"تم آج صرف میرے لیے سجی ہو۔" میں نے پر شوق لہجے میں پوچھا تو اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔

"آخر تمہیں میری خواہش پوری کرنے کا خیال آہی گیا۔میں نے نرمی سے اس کی چوڑیوں کو یوں چھیڑا جیسے وہ کوئی رباب ہو۔

"میں نے تمہاری اس خواہش کی تکمیل آج کے دن کے لیے رکھ چھوڑی تھی تمہیں اچھا لگا۔" اس نے کہا۔

"بہت زیادہ۔" میں نے ایک جذب کے عالم میں آنکھیں بند کر کے دھیرے سے کہا تو اس نے اپنا سر میرے کندھے سے ٹکا دیا۔

کتنے ہی لمحے بیت گئے ہم ایک دوسرے کی دھڑکنیں سنتے رہے ہم نے محبت کے کتنے ہی عہد کر ڈالے پھر وہ کچھ سمٹ کر میرے سینے میں سما گئی۔ میری کلائیوں کی گرفت اس کی کمر کے گرد اور مضبوط ہوگئی۔اس نے اپنی

سرمئی آنکھیں اٹھا کر میری جانب دیکھا اس کی آنکھوں میں ایک التجا تھی محبت کی تکمیل کی پیاس تھی۔پھر میرے لبوں نے اس کے چہرے کے حسین نقوش کو خراج تحسین پیش کیا۔میں مزید گستاخ ہوجاتا اگر وہ تڑپ کر میری باہوں سے نکل نہ جاتی۔

"نہیں شاہ... ابھی تک...!" اس نے تیز تیز سانسوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"آ... آئی... ایم ...سوری...!" میں نے اپنے خشک ہوجانے والے حلق کو تھوک نگل کر تر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اٹس اوکے۔" اس نے لمحہ بھر میں اپنے آپ کو نارمل کرلیا اور بولی۔

"بھئی جلدی سے کیک کاٹو میری نیت اس کیک پر بہت دیر سے خراب ہو رہی ہے۔"

"تمہاری کیک پر نیت خراب ہو رہی ہے اس لیے تم کیک کھا لو گی اور میں کیا کروں کہ میری نیت جو تمہارے اوپر خراب ہو رہی ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”میں اتنی آسانی سے ہڑپ ہوجانے والی شے نہیں ہوں۔مسٹر شاہ زمان۔“ اس نے شوخ لہجے میں کہا اور میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

اس نے کتنا سچ کہا تھا کہ وہ آسانی سے میری بننے والی نہیں تھی اس کا باپ راجہ صرف الیکشن جیتنے اور شیر افضل کا ساتھ دینے کی وجہ سے میرا دشمن ہوگیا۔حالانکہ مہوش اس کی مرضی کے خلاف میرے گھر آئی تھی۔وہ ان لوگوں کے خلاف تھانے میں ایف آئی آر کٹوانے کے لیے میرے ساتھ تک گئی تھی۔پھر راجہ نے زبردستی اسے بلوالیا۔وہ اس دن کی گئی اور پھر آخری ملاقات میری اس کی کوٹھی میں چند لمحوں کے لیے ہوئی تھی۔جب اس نے مجھے بتایا تھا کہ اندر شیر افضل شیر زادہ اور اس کے باپ کی میٹنگ ہو رہی ہے۔اس میٹنگ میں میرے علاقے کے تھانے کا ایس ایچ او بھی شامل ہے۔اس نے مجھے فوری طور پر وہاں سے چلے جانے کا کہا کہ وہاں رکے رہنے کی صورت میں میری جان کو خطرہ ہوسکتا ہے۔اس نے رو رو کر مجھ سے اس بات کی معافی بھی مانگی کہ وہ میرے لیے کچھ بھی نہیں کرسکی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اس آخری ملاقات کے بعد میری مہوش سے کوئی ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ حالات اتنی تیزی کے ساتھ تبدیل ہوئے کہ میرا سب کچھ لٹ گیا۔میں سردار شیر افضل سے انتقام لینے کے چکر میں ہمیشہ کے لیے اپنے گھر سے نکل آیا اور ان لوگوں کے شیطانی چکر میں پھنس گیا۔ڈاکٹر شاہ زمان تو کب کا مر گیا آج صرف شمروز زندہ ہے۔ایک قاتل، ایک بد کار، دھوکے باز شمروز...!

میرے اندر بے تحاشہ زہر بھرا ہوا تھا۔میرا وجود اس زہر سے اس وقت تک خالی نہیں ہوسکتا تھا جب تک میں یہ سارا زہر اپنے دشمنوں کی رگوں میں نہیں اتار دیتا۔

میں جاگتا رہا اپنے ماضی کی یادوں میں کھویا رہا۔یہاں تک کہ فجر کی اذان میرے کانوں میں آنے لگی۔اگر میں اپنے پچھلے وقت میں ہوتا تو اذان سنتے ہی نماز کی ادائیگی کے لیے کھڑا ہوجاتا لیکن اس وقت میں نے سوچا کہ ساری رات گزر گئی اب تو صبح ہونے والی ہے اب مجھے سوجانا چاہیے حالانکہ میرا دماغ اس وقت پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔مجھے اس وقت بہت پر سکون نیند کی ضرورت تھی جس طرح کے حالات میں، میں جی رہا تھا اس میں ٹینشن

اور ڈپریشن کا شکار میں زیادہ ہی رہنے لگا تھا۔اس لیے اس کی دوائیں ہر وقت میرے پاس موجود رہتی تھیں۔

میں نے دراز کھول کر ریلیکس کرنے والی دوا کا پیکٹ نکالا اور ایک گولی پانی کے ساتھ حلق میں اتار لی۔ریلیکس کرنے والی دواؤں میں ہلکی سی نیند کی دوا بھی شامل ہوتی ہے۔دوا پینے کے بعد تھوڑی دیر تک میں اپنے ذہن کو بالکل فری کر کے لیٹا رہا۔پھر نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

فون کی بیل مسلسل بج رہی تھی۔میں نے بہ مشکل آنکھیں کھولیں اور سیل فون اٹھا کر اس کی اسکرین پر نگاہ ڈالی تو ایک ان نون نمبر دکھائی دیا۔پہلے میں نے سوچا کہ رہنے دوں پھر خیال آیا کہ کہیں یہ فون اس جرنلسٹ لڑکی کا نہ ہو۔وال کلاک پر نگاہ ڈالی دن کا ایک بج رہا تھا میں نے پوری طرح آنکھیں کھول کر فون ریسیو کرنے کا بٹن پش کیا اور ہیلو کہا۔

دوسری جانب میری توقع کے مطابق وہی تھی۔میری آواز نیند کے خمار کی وجہ سے بھاری ہو رہی تھی۔وہ سمجھ گئی کہ میں سو رہا تھا بولی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”لگتا ہے کہ آپ سو رہے تھے آپ نے فون بھی دیر سے ریسیو کیا ہے میں بند کرنے ہی والی تھی خیریت تو ہے آپ اس وقت سو رہے تھے۔“

میں نے انجان بننے کی اداکاری کی اور کہا۔”سوری محترمہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں آپ کون بات کر رہی ہے۔“

”اگین سوری، مجھے پہلے اپنا تعارف کرانا چاہیے تھا میں سرمئی بول رہی ہوں۔ نیوز چینل سے آپ کو اگر یاد ہو تو آپ نے اپنی کوئی امانت میرے سپرد کی تھی۔اسی سلسلے میں بات کرنی تھی۔“ مجھے اس

کے لہجے میں ہلکے سے طنز کی جھلک محسوس ہوئی۔

”او...! اچھا یاد آیا، سرمئی صاحبہ بات کر رہی ہیں۔جی بالکل یاد ہے میں آپ سے کونٹیکٹ کرنا چاہ رہا تھا لیکن آپ نے اپنا نمبر دینا مناسب ہی نہیں سمجھا اس لیے لا محالہ مجھے آپ کی کال کا انتظار تو کرنا تھا۔میں آپ کا بہت مشکور ہوں کہ آپ نے ایک بالکل اجنبی ہونے کے باوجود ایک مظلوم عورت کی مدد کی۔اللہ آپ کو اس کا صلہ دے گا...!“ میں ابھی بات کر ہی رہا تھا کہ وہ درمیان میں بول اٹھی۔

"یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے کہ اللہ ہمیں اس کا اجر دے گا یا نہیں۔یہ اس کی مرضی ہے۔آپ یہ بتائیں کہ آپ ان خاتون کو لینے کب آرہے ہیں اور اس کے علاوہ میں آپ سے ان کے بارے میں تفصیل سے بات بھی کرنا چاہ رہی تھی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھ سے میرے چینل پر آکر ملاقات کرلیں۔" وہ بہت مہذب لہجے میں گفتگو کر رہی تھی۔

"جی جی ضرور مجھے آنٹی کو آپ کے پاس سے لانا تو ہے۔کل میں نے ان کے لیے ایک فلیٹ کرائے پر حاصل کرلیا ہے۔کل اس سلسلے میں مصروف تھا۔ پھر میں نے ٹی وی پر آپ کی مصروفیت بھی دیکھ لی تھیں۔آپ شاداب نگر گئی ہوئی تھیں۔رہی بات ان آنٹی کے بارے میں بات کرنے کی تو میں خود آپ سے ان کے بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔دراصل وہ ایک مظلوم عورت ہیں ہوسکتا ہے کہ ہمیں ان کے سلسلے میں آپ کی مدد کی ضرورت پڑے اور آپ کو پہچان کر میں نے بڑے اعتماد سے انہیں آپ کے حوالے کیا تھا۔ ویسے وہ کیسی ہیں؟" میں نے بھی مہذب لہجے میں دوستانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"تو پھر ٹھیک ہے آپ شام کو چار بجے ہمارے چینل پر آجائیں میرے ساتھ حشام صاحب بھی ہوں گے۔وہیں ہم ملاقات کرلیتے ہیں۔پھر جہاں آپ کہیں گے میں آنٹی کو وہیں لے کر آجاؤں گی۔ویسے وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ہماری اماں سے ان کی بہت اچھی دوستی ہو گئی ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"بہت بہت شکریہ۔بس میں ایک گھنٹے میں یہاں سے نکلتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"سوری مسٹر آپ نے شاید ٹھیک سے سنا نہیں میں نے آپ کو چار بجے آنے کے لیے کہا ہے چار بجے کا مطلب ہے چار بجے۔" اس نے خاصے خشک لہجے میں کہا۔

"لگتا ہے آپ وقت کی بہت پابند ہیں؟" مجھے اس کا خشک لہجہ ناگوار لگا تو طنزیہ لہجے میں کہا۔

"وقت کی پابندی کرنا ہماری مجبوری ہے یہ نیوز چینل ہے میں یہاں جاب کرتی ہوں اور بے حد مصروف رہتی ہوں۔چار بجے کا ٹائم اس لیے دیا ہے کہ اس وقت میں فری ہوتی ہوں۔" اس مرتبہ اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"اوکے اینڈ گڈ بائے۔" میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا اور فون بند کر دیا۔

میں سرمئی کے بارے میں سوچنے لگا کہ خاصی اسٹک لڑکی ہے اتنے سخت لہجے میں ٹو دی پوائنٹ بات کرتی ہے۔اس کا تعلق میڈیا سے ہے اس سے کافی سوچ سمجھ کر اور محتاط رہ کر گفتگو کرنی پڑے گی۔بہر حال آنٹی کے بارے میں تو اس کو بتانا ہی پڑے گا۔ پھر میں سوچنے لگا کہ کاش اس سے پہلے میری آنٹی سے ایک ملاقات ہوجاتی اور ان سے یہ بات پوچھ لیتا کہ سرمئی کو بات کس حد تک بتائی جائے لیکن فی الوقت ایسا ممکن نہیں تھا۔آنٹی سرمئی کے گھر میں تھیں اور میرے پاس نہ تو سرمئی کے گھر کا پتا تھا اور نہ ہی کوئی کونٹیکٹ نمبر تھا۔سرمئی کی احتیاط کا اندازہ میں نے اس بات سے بھی لگایا کہ اس نے فون تک مجھے اپنے موبائل سے نہیں کیا بلکہ اپنے نیوز چینل کے نمبر سے کیا تھا۔

میں نے اٹھ کر غسل کیا اور ناشتہ کرنے کے لیے باہر آگیا۔کوٹھی میں مجھے خاصی گہما گہمی دکھائی دی۔معلوم کرنے پر پتا چلا کہ آج نواب کی بیٹی کا سوئم

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ہے۔اسی سلسلے میں قرآن خوانی اور کھانا تقسیم کرنے کے انتظامات ہو رہے ہیں۔میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ کیا یہ سب کوٹھی میں ہوگا تو مجھے بتایا گیا کہ نہیں یہاں بہت سے خیراتی ادارے ہیں۔وہاں یہ انتظامات کرانے ہیں۔اس سلسلے مجھے کئی نئے چہرے بھی دکھائی دیے۔ایک جوان لڑکے کے بارے میں' میں نے گارڈ سے پوچھا کہ یہ کون ہے تو اس نے بتایا کہ اس کا نام سلمان ہے اور کوٹھی کے جملہ امور اس کی نگرانی میں اس کے ذمے ہیں۔مجھے حیرت ہوئی یہ بات جان کر کہ اتنے دن ہوگئے مجھے یہاں رہتے ہوئے مگر میں نے کبھی اس کو اس کوٹھی میں دیکھا نہیں۔

ابھی میں گارڈ کے پاس کھڑا اس کے بارے میں بات کر رہا تھا کہ وہ میرے قریب چلا آیا۔گھنگھریالے بالوں اور چمکتی ہوئی آنکھوں والا سلمان چھوٹا قد اور مختصر وجود رکھتا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں چیل کی سی چمک تھی۔

"آپ میرے بارے میں پوچھ رہے تھے۔" اس نے میرے نزدیک آکر ایک عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ مجھ سے پوچھا۔

"جی ہاں، میرا نام...!" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا اور اپنا تعارف کرانے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو اس نے میرا بڑھا ہوا ہاتھ تھام کر میرا جملہ مکمل کر دیا۔

"شمروز ہے، آپ شمروز خان ہیں ناں، جانتا ہوں میں اور اس پہلے دن سے جانتا ہوں جب آپ نے اس کوٹھی میں قدم رکھا تھا۔"

"اچھا حیرت ہے مگر میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔" میں نے حیران ہو کر کہا۔

"اب دیکھ لیا ہے ناں تو دیکھتے رہیں گے۔" اس نے کہا اور دوستانہ انداز میں میرا ہاتھ تھام کر مجھے ایک جانب لے کر چل دیا۔ پھر سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

"فلیٹ کس کے لیے کرائے پر حاصل کیا ہے...؟" اس کے لبوں پر پر اسرار مسکراہٹ اور آنکھوں میں خاص چمک تھی اور اس کا سوال سن کر میرا دماغ بری طرح چکرا گیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

سلمان میرے نزدیک آرہا تھا اور میں اسے حیرت سے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ آخر یہ شخص اس کوٹھی میں رہتا ہے تو آج تک میں نے اسے دیکھا کیوں نہیں، پھر خیال آیا کہ اتنی وسیع وعریض کوٹھی ہے، میں تو اس کے سارے حصوں سے واقف بھی نہیں ہوں۔ میری آمد ورفت بہت محدود حصوں تک ہے اور بلا ضرورت کسی کو یہاں کہیں آنے جانے کی اجازت بھی نہیں ہے 'تو رہتا ہوگا یہ بھی کسی حصے میں۔

میری نگاہیں اسی پر جمی ہوئی تھیں، میں نے دیکھا کہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی، وہ براہ راست میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھیں چھوٹی تھیں، لیکن ان میں کسی چیتے کی آنکھوں جیسی چمک تھی، ایسی چمک جیسے اپنے شکار کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آتی ہے۔

وہ مجھے دیکھ کر مسکرا رہا تھا تو جواباً میں بھی دوستانہ انداز میں مسکرانے لگا، وہ مختصر اور منحنی جسم کا مالک تھا، میرے نزدیک آیا اور بولا۔

"تم میرے بارے میں پوچھ رہے تھے۔"

"ہاں آج سے پہلے میں نے تمہیں یہاں دیکھا جو نہیں ہے' اس لیے تمہارے متعلق پوچھ رہا تھا۔" میں نے نارمل انداز میں کہا۔

"تو پتا چل گیا کہ میں کون ہوں۔" اس نے بدستور میری آنکھوں میں دیکھتے اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں!" میں نے مختصر جواب دیا۔

اس نے اچانک میرا ہاتھ تھام لیا اور گارڈ سے دور ہٹتے ہوئے مجھے اپنے ساتھ دوسری جانب لے کر چل دیا۔

مجھے اس کی یہ بات بڑی عجیب سی لگی' لیکن میں نے کچھ کہا نہیں۔ تھوڑا دور ہٹ کر وہ رک گیا اور میرے چہرے کی جانب غور سے دیکھنے لگا' اس کے لبوں پر دوسرے کو چڑانے والی مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور اس کی تیز آنکھیں کسی نیزے کی انی کی مانند مجھے اپنے دماغ میں چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ میرا دل چاہا کہ اس کے مختصر اور منحنی وجود پر ایک زور کی پھونک مار دوں تاکہ وہ اڑتا ہوا دور جا گرے۔ یہ میری جانب اس طرح کیوں دیکھ رہا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ہے...! وہ مجھ سے قد اور جسامت دونوں میں بہت چھوٹا تھا' لیکن اس کی عمر یقیناً مجھ سے زیادہ ہی تھی۔

اچانک اس نے میرا بازو سختی سے تھام لیا کہ اس کی لمبی اور پتلی انگلیاں مجھے اپنے بازو میں گڑتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اس نے میرا بازو پکڑ کر مجھے اپنی جانب قدرے جھکایا اور تیز سرگوشی میں پوچھا۔

"فلیٹ تم نے کس کے لیے کرائے پر حاصل کیا ہے...؟" اس کے لبوں پر وہی خبیث سی مسکراہٹ اب بھی موجود تھی۔

اس کا یہ غیر متوقع سوال سن کر میرا دماغ چکرا کر رہ گیا۔ فوری طور پر میرے دماغ نے جیسے کام کرنا ہی بند کر دیا' مگر پھر میں نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالا کہ جو ایسے نازک موقعوں پر اپنے حواس چھوڑ دے وہ شہروز ہی نہیں' اور فوراً ہی میرے دماغ میں راکھی کا جملہ گونجنے لگا' اس نے مجھے بتایا تھا کہ یہاں ہر شخص کی نگرانی کی جاتی ہے' میں بھی کسی کی نگرانی کر رہی ہوں' اور کوئی میری' لیکن یہ بات کسی کو معلوم نہیں ہوتی کہ کون کس کی نگرانی کر رہا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں اس کوٹھی میں، میں بھی آزاد نہیں ہوں۔یہ ”چھوٹی دنیا“ میری نگرانی پر مامور ہے۔

اس کے سوال کا جواب دینے سے پیشتر میں نے بھی ڈرامائی انداز میں اپنی آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈال دیں اور اپنے لبوں پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ سجاتے ہوئے پہلے تو نرمی سے اس کے ہاتھ کی گرفت سے اپنا بازو چھڑایا اور سیدھا کھڑے ہو کر اپنا کالر جھٹکا اور ازراہ تفنن کہا۔

”آئی سی... تو میری نگرانی پر یہ ”چھوٹی دنیا“ مامور ہے۔“

”شٹ اپ!“ اپنے دیئے جانے والے خطاب کو سن کر وہ تلملا گیا۔

”یو شٹ اپ!“ میں نے غصے سے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔”تم کون ہوتے ہو مجھ سے یہ سوال کرنے والے... میں کوئی فلیٹ خریدوں یا کرائے پر لوں یہ میرا معاملہ ہے، تمہیں مجھ سے یہ سوال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔“

میرے اس طرح کے ردعمل سے وہ بھونچکا سا رہ گیا اور لمحہ بھر کو میں نے اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار دیکھے، پھر بولا۔

”کیا تمہیں اس بات کا علم تھا کہ تمہاری نگرانی کی جا رہی ہے۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”ہاں ظاہر ہے۔“ میں نے بے پروا لہجے میں کہا۔”یہاں سب ہی کی نگرانی ہوتی ہے، تمہاری بھی ہوتی ہوگی اور میں اپنے بارے میں یہ بات جانتا تھا اور میں نے کرائے پر فلیٹ لے کر کوئی چوری کا کام تو کیا نہیں ہے کہ میں ڈر جاؤں یا جھوٹ بولوں، تم یہ بات نواب صاحب کے علم میں لانا چاہتے ہو تو شوق سے لے آؤ، بلکہ تمہیں تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے، میں یہ بات نواب صاحب کو خود ہی بتادوں گا۔“

وہ چند لمحوں تک میرے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے میرے جھوٹ سچ کا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔”چلو، یہ بات میرے علم میں آ ہی گئی ہے تو مجھے بھی بتادو کہ تم نے وہ فلیٹ کیوں لیا ہے۔“

”تم کیا کروگے جان کر...!“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”بس ایسے ہی اپنی جان کاری کے لیے پوچھ رہا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”یار میں جوان آدمی ہوں اور جوان آدمی کی بہت سی ضروریات ہوتی ہیں، یہاں اس کوٹھی میں تو میں اپنی راتیں رنگین نہیں بنا سکتا۔بس اسی

لیے...ویسے تم کہاں سمجھوگے ان معاملوں کو' تم تو ویسے ہی چھوٹی دنیا ہو...!" میں نے اسے چڑانے کے لیے کہا۔

"یہ تم مجھے بار بار چھوٹی دنیا چھوٹی دنیا کیوں کہہ رہے ہو' ابھی تم مجھ سے واقف نہیں ہو' اس لیے کہہ رہے ہو ورنہ تو میں...!" اس نے غصے سے اچھلتے ہوئے کہا۔

"تومیری چھوٹی دنیا ذرا سیر تو کراؤ اپنی "بڑی سی دنیا" کی۔" میں نے اس کے دونوں گالوں کو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں میں دبوچ کر تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

"کرائیں گے سیر..." اس نے ایک جھٹکے سے ہاتھ میرے ہاتھ پرمار کر پیچھے ہٹتے ہوئے کہااور وہاں سے جانے لگا۔

"یار ذرا جلدی سیر کرانا... میں آج کل ویسے بھی بہت بور ہو رہا ہوں۔" میں نے پیچھے سے آواز لگائی اور قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

وہ میرے سامنے سے چلتا ہوا غائب ہوگیا۔اس کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد میرے چہرے پر فکروتردد کی لکیریں نمایاں ہوگئیں اور میں ناشتہ کرکے دوبارہ اپنے کمرے میں واپس آگیا۔

سب سے پہلے میں نے سرمئی کے نیوز چینل کانمبر اپنے ذہن میں محفوظ کیااور پھر سرمئی کی آنے والی کال اپنے موبائل سے ڈیلیٹ کردی اور بیٹھ کر سوچنے لگا' پھر میں نے فیصلہ کیا کہ میرا سرمئی سے اس کے نیوز چینل پر جاکر ملنا فی الحال مناسب نہیں ہے' یہ تو قدرت نے میری مدد کردی اور مجھے سلمان سے ملوادیا' اوراس احمق نے بھی اپنا رعب مجھ پر بٹھانے کے لیے خود اپنا پول میرے آگے کھول دیا اور مجھے ایک بہترین بہانہ بھی سوجھ گیا۔

مجھے اب فون کرکے سرمئی کو یہ بتانا ہے کہ میں اس سے ملاقات کے لیے نہیں آسکتا۔بلکہ میں یہ کہہ دوں گا کہ وہ خود آنٹی کو اس فلیٹ میں پہنچادے' لیکن پھرمجھے خیال آیا کہ فلیٹ کی چابی تو میرے پاس ہے' بس کسی طرح وہ چابی مجھے سرمئی کے حوالے کرنی ہے اوراس کا طریقہ بھی آسان تھا' میں اس سے کہیں بھی ملاقات کرسکتا ہوں' کسی شاپنگ سینٹر میں' یاراہ چلتے ہوئے۔

میں نے چار بجنے کا انتظار کیا' اس نے بتایا تھا کہ وہ چار بجے فری ہوتی ہے' چار بجے وہ میرا انتظار کرے گی اور چار بجے بجائے میرے میرا فون اس کے پاس آئے گا۔

چار بج گئے تو میں نے اسی نمبر پر کال کی جس سے سرمئی کا فون میرے پاس آیا تھا' وہ نمبر شاید براہ راست اس کے روم ہی کا تھا' فون اسی نے اٹھایا' میں نے اس کی آواز پہچان لی اور اپنا نام بتاتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔

"آپ کو آج آنا تھا میرے پاس اور آپ فون کررہے ہیں۔" اس نے حیرت سے کہا۔

"آئی ایم رئیلی سوری میں آپ سے ملنے کے لیے ایک شدید مجبوری کی وجہ سے نہیں آسکتا۔" میں نے کہا۔

"اوہ! چلیں کوئی بات نہیں' آپ کل آجائیں۔" اس نے کہا۔

"نہیں میں کل بھی نہیں آسکوں گا... کیاایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ مجھ سے فلیٹ کی چابی کسی طرح سے لے لیں اور آنٹی کو وہاں شفٹ کردیں۔" میں نے محتاط لہجے میں کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی' کیا آپ مجھے کھل کر بتانا پسند کریں گے کہ آخر آپ کو ایسی کیا مجبوری ہے کہ آپ مجھ سے مل نہیں سکتے' تو میں آپ سے فلیٹ کی چابی کس طرح سے حاصل کرسکوں گی۔"اس نے حسب عادت تیز لہجے میں کہا تو میں خاموش ہوگیا۔ میری خاموشی کو چند لمحے گزرے تو وہ بولی۔

"ہیلو... ہیلو مسٹر شمروز آریو ہیئر...!"

"یا... آئی ایم ہیئر... بات یہ ہے محترمہ... بس میرا آپ سے ملنا بہت ضروری ہے لیکن میری بڑی مجبوری ہے کہ میں فی الحال آپ سے نہیں مل سکتا' بس یوں سمجھ لیں کہ میری نگرانی ہو رہی ہے۔" میں نے ہچکچاتے ہوئے کہہ ہی ڈالا۔

"آپ کی نگرانی ہو رہی ہے...!" اس نے حیرت زدہ لہجے میں کہا پھر چند لمحوں کے توقف کے بعد بولی۔

"پلیز مجھے بتائیں کہ آپ ہیں کون...؟ کہاں ہیں؟ اور کون آپ کی نگرانی کررہا ہے اور کیوں...؟" اس نے ایک ہی سانس میں ڈھیر سارے سوالات کرڈالے۔

"میں آپ کو آپ کے تمام سوالوں کے جوابات ضرور دوں گا۔ بلکہ میں تو خود آپ کو بہت کچھ بتاناچاہتا ہوں، لیکن اس وقت یہ ممکن نہیں ہے، بہت سی باتیں ایسی ہیں جو میں آپ کے ساتھ شیئر کرنا چاہتا ہوں۔ اب آپ یہ سوچیں گی کہ آپ اور میں ایک دوسرے کے لیے قطعی اجنبی ہیں پھر میں آپ کو وہ سب باتیں کیوں بتانا چاہوں گا، تو اس کاجواب یہ ہے کہ میری ذات تو آپ کے لیے اجنبی ہے لیکن آپ کی ذات میرے لیے اجنبی نہیں ہے، کیونکہ میں آپ کے بارے میں بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ آپ ایک جرنلسٹ ہیں اور اپنے اس حوالے سے اور کچھ

اپنے حوالے سے آپ کو بہت کچھ بتانا ہے، ہم دونوں ہی مظلوم ہیں۔ ہم دونوں پر ظلم کرنے والا ایک ہی شخص ہے او روہ کوئی عام آدمی نہیں ہے، اور میری بدقسمتی یہ ہے کہ میرے حالات نے انجانے میں مجھے اس ظالم

شخص کے ہاتھوں میں کھلونا بناڈالاہے، میں اس کاایک عام سا کارندہ بن کررہ گیا ہوں اوراس کے اشارے پرمیں غلط قسم کے کام کررہا ہوں اور پھر اپنے پاس اور اپنے ساتھ رکھنے کے باوجود اس شخص نے مجھ پر اعتبار نہیں کیا اورمیری نگرانی پر کچھ لوگوں کو مامور کررکھا ہے، اور یہ اہم بات بھی اتفاق سے آج اس وقت میرے علم میں آئی ہے جب میں آپ سے ملنے کے ارادے سے نکلنے والا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح اللہ نے میری مدد کی ہے، ورنہ ہوسکتا ہے کہ میں کسی بڑی مصیبت میں پھنس جاتا، امید ہے میں نے کافی حد تک آپ کو بات سمجھادی ہے۔" میں اپنی بات ختم کرکے خاموش ہو گیااور جتنی دیر میں بولتا رہا وہ بڑی خاموشی اور توجہ سے میری بات سنتی رہی، پھر بولی۔

"ہاں میں آپ کی بات کافی حد تک سمجھ چکی ہوں اور میرا خیال ہے کہ آپ کو بہت زیادہ محتاط رہنا پڑے گا، رہی بات آنٹی کو فلیٹ پر پہنچانے والی، تو ان کی تو آپ اب بالکل بھی فکر نہ کریں۔ وہ میرے پاس بالکل محفوظ ہیں۔ ویسے ابھی تک تومیری ان سے تفصیلی بات نہیں ہوئی ہے، بلکہ میں اتنی زیادہ

مصروف رہی ہوں کہ ان سے بات کرنے کاموقع ہی نہیں ملا ہے' آپ بھی سوچیں اور میں بھی سوچتی ہوں کہ ہم کسی محفوظ طریقے سے ایک دوسرے سے ملاقات کرسکتے ہیں اور یہ میرا آپ سے وعدہ ہے کہ آپ کی پوری بات تفصیل سے سننے کے بعد اگر میں نے بھی آپ کو مظلوم سمجھا تو اپنی ہر ممکن کوشش کروں گی کہ جس طرح بھی ہو آپ کی مدد کی جائے۔" اس نے کہا تو اچانک میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا اور میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"ارے ہاں سرمئی صاحبہ میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا ہے' بات ہے تو معیوب سی' لیکن اگر آپ اس کے لیے تیار ہوں تو ہم تفصیلی ملاقات کرسکتے ہیں۔"

"وہ کیا...؟" اس نے لفظ معیوب کو لے کر سخت اور تیز لہجے میں کہا۔

"مجھے اس بات کا اس طرح پتا چلا کہ میری نگرانی ہو رہی ہے۔" باس کے ایک آدمی نے مجھ سے پوچھ لیا کہ تم نے کرائے پر فلیٹ کیوں لیا ہے' کیونکہ یہ بات میں نے کسی کو بھی نہیں بتائی تھی کہ میں باہر کیوں اور کس مقصد کے لیے جارہا ہوں' اس کامطلب یہی ہے کہ "باس" کا کوئی آدمی میرا

پیچھا کررہاتھا اور اس نے یہ معلوم کرلیا کہ میں نے ایک فلیٹ کرائے پر لیا ہے' تو جب اس نے مجھ سے یہی بات پوچھی تو اس کاسبب میں نے یہ بتایا کہ میں نے اپنی راتیں رنگین کرنے کے لیے وہ فلیٹ حاصل کیا ہے آپ میری بات سمجھ رہی ہیں ناں۔" میں نے رک کر اس سے پوچھا تو اس نے صرف "ہوں" کرنے پر ہی اکتفا کیا' تو کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ اس فلیٹ پر آجائیں۔"

"آپ کادماغ تو خراب نہیں ہوگیا ہے' آپ کے اس بے ہودہ مقصد کے لیے حاصل کیے گئے فلیٹ پر میں آپ سے ملنے کے لیے آؤں گی... نو...نیور..." اس نے بھڑک کر صاف انکار کردیا۔

"آئی ایم سوری محترمہ...! میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا ہرگز نہیں تھا' آپ ایسا کریں کہ ایک نقاب والا برقع یا چادر میں منہ چھپا کر وہاں آجائیں اور چاہیں تو اپنے ساتھی وہ کیا نام بتایا تھا ان کا آپ نے کہ وہ بھی آپ کے ساتھ ہوں گے۔" میں نے دماغ پرزور دیتے ہوئے کہا۔

"حشام...!" اس نے کہا۔

"جی... حشام صاحب کو بھی وہاں بلالیں۔ آپ ان کے ساتھ وہاں آجائیں' میں اس کارد عمل جاننے کے لیے خاموش ہو گیا۔ مجھے فون پر ذرا بھنبھناہٹ سنائی دی' وہ شاید اپنے ساتھ بیٹھے حشام سے کوئی مشورہ کررہی تھی۔ پھر بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے میں حشام کے ساتھ آجاؤں گی' اب آپ مجھے ٹائم بتائیں اور اس فلیٹ کا ایڈریس بھی بتائیں۔" اس نے اپنی رضامندی ظاہر کی تو میں خوش ہو گیا اور کہا۔

"میرے خیال میں آج رات آٹھ بجے کا ٹائم ٹھیک رہے گا' پھر میں نے اسے فلیٹ کا ایڈریس بتانے کے بعد کہا کہ میں آٹھ بجے سے پہلے فلیٹ پر موجود رہوں گا' میں آج ہی آپ سے اس لیے بھی ملاقات کرنا چاہ رہا تھا کہ میرا "باس" فی الحال موجود نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کل یا پرسوں وہ آجائے پھر شاید آپ سے ملاقات کرنا مزید مشکل ہوسکتا ہے۔"

"اوکے !جیسا اپنی سہولت سے آپ بہتر سمجھیں' بس ایک آخری بات اور...!" اس نے آمادگی ظاہر کرکے تنبیہہ کے انداز میں آخری فقرہ ادا کیا۔

"جی فرمائیے۔" میں نے کہا۔

"کیا میں آپ پر پورے طریقے سے یقین کرلوں کہ آپ میرے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی دھوکا نہیں کررہے' کسی خاص آدمی کے اشارے پر مجھے ٹریپ کرنے کی کوشش نہیں کررہے' ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض کردوں کہ میں اور حشام جرنلزم کی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کے پاس آنے سے پہلے ہم حشام کے والد طلال واحدی صاحب کے علم میں یہ بات ضرور لائیں گے کہ ہم آپ کے کچھ خاص انفارمیشن ایک خاص آدمی کے بارے میں لینے جارہے ہیں۔"

"جی بالکل... مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور میرے بارے میں صرف اتنا جان لیں کہ جس کو اس کی تقدیر نے ہی بار بار دھوکے دیئے ہیں جس کا سب کچھ لوٹ لیا گیا ہو' وہ کیا کسی کو دھوکا دے گا۔" یہ بات کہتے ہوئے میرا لہجہ بھیگ گیا۔

"آئی ایم سوری شہروز صاحب ہماری فیلڈ ہی ایسی ہے کہ ہم ہر کسی پر اتنی آسانی سے بھروسہ نہیں کرسکتے۔ ہمیں بھی کچھ لوگوں سے خطرہ ہوتا ہے بہت

سے نقاب پوش چہرے ایسے ہیں جنہیں ہماری ذات سے خطرہ ہوتا ہے' امید ہے آپ مائنڈ نہیں کریں گے۔" اس نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"بس یوں سمجھ لیں کہ میرا "باس" بھی ایک ایسا ہی غلیظ ترین انسان ہے جس نے اپنے مکروہ اور سیاہ چہرے پر سفید براق نقاب چڑھا رکھا ہے۔" میں نے کہا۔

"بس بس میں سمجھ گئی' انشاء اللہ ہماری یہ ملاقات بہت سود مند ثابت ہوگی اور ہم مل کر اس معاشرے کی کچھ گندگی کو تو ضرور صاف کرسکیں گے اور کچھ مظلوموں کو انصاف دلاسکیں گے۔" اس نے کہا۔

"انشاء اللہ!" میں نے کہااور فون بند کردیا۔

پھر میں نے فوراً ہی اس کال کو اپنے موبائل فون سے ڈیلیٹ کردیا' اب میں کافی حد تک مطمئن تھا' سرمئی کی مدد کے سہارے میں نواب سے بدلہ لے سکتاتھا' شاید اس مظلوم آنٹی کے لیے بھی کچھ کرسکتاتھا' اس آنٹی کی بیٹی اب نہ جانے کہاں ہوگی' اس نے بڑی ہمت کی کہ اپنی بیٹی ایک ایسی عورت کے

حوالے کرکے آگئی جس کا ماضی رات کی سیاہی سے پر تھا'اب یہ اللہ ہی بہتر جانتاہے کہ واقعی اس عورت نے آنٹی کی بیٹی کو کیا بتایاہے۔

میں نے ایک بات اور سوچی اور وہ یہ کہ نواب کا مزید اعتماد حاصل کروں گا' اس کے اور بھی زیادہ نزدیک ہونے کی کوشش کروں گا' تاکہ وہ مجھ پر بھرپور اعتماد کرنے لگے اوراس کے لیے میں نے سوچا کہ جب نواب آئے گا تو میں فلیٹ والی بات خود اسے بتادوں گا' اور کس غرض کے لیے حاصل کیا ہے وہ بھی بتادوں گا' تاکہ اگر "چھوٹی دنیا" نواب کو میرے بارے میں بتائے تو میری کہی ہوئی بات اوراس کی بات الگ الگ نہ ہو۔

پھر میں نے نواب کا وہ خاص نمبر ملایا' جوفون اس کے پاس رہتاتھا' اور یہ نمبر اس نے اپنے خاص خاص بندوں ہی کو دیا ہوا تھا۔

کئی گھنٹیاں بجنے کے بعد نواب صاحب نے فون ریسو کیا' اس کی آواز خاصی تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔

"ہاں بولو شمروز...!" اس نے کہا۔

"السّلام علیکم نواب صاحب!" میں نے اپنے لہجے میں سوگواری پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"ہوں کہو کیا بات ہے۔" اس خبیث نے میری سلامتی کی دعا کو قبول نہ کرتے ہوئے بے دلی سے کہا۔

"مجھے آپ کی صاحب زادی کی جواں مرگی کا دلی افسوس ہے، میں سمجھ سکتا ہوں کہ ایک باپ کی حیثیت سے، اس وقت آپ کتنے شدید صدمے سے دوچار ہوں گے، بیٹیاں ہوتی ہی اتنی پیاری ہیں کہ ان کی جدائی تو اس وقت بھی بہت تکلیف دہ ہوتی ہے جب انہیں اپنے ہاتھوں کسی اور کو سونپنا پڑتا ہے، لیکن آپ نے تو اپنے ہاتھوں اپنی صاحب زادی کو منوں مٹی کے تلے سلادیا ہے، میں آپ کے اس دکھ اور غم میں برابر کا شریک ہوں۔ مجھے جب اس المناک خبر کا پتا چلا تو میں جب ہی آپ سے بات کرنا چاہتا تھا، لیکن یہ سوچ کر بات نہیں کی کہ آپ کتنے لوگوں کے ساتھ مصروف ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے...!" اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا، اسے شاید میری اتنی لمبی چوڑی لفاظی بالکل بھی اچھی نہیں لگی اور میں نے یہ بات

جانتے ہوئے کہ اسے بیٹی ذات سے کتنی نفرت ہے، جان بوجھ کر اس قسم کے الفاظ استعمال کیے تھے۔

"وہاں سب کچھ ٹھیک ٹھاک تو ہے۔" اس نے میری بات درمیان میں کاٹ کر کہا۔

"جی ہاں یہاں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے، آج یہاں بھی قرآن خوانی کروائی گئی ہے، اور خیراتی اداروں میں کھانا اور کپڑے تقسیم کروائے گئے ہیں اور میڈیا والوں کو بھی بلوالیا تھا۔" میں نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہو گیا۔" اس نے خوش ہو کر کہا اور زیادہ خوشی شاید اسے میڈیاوالوں کے بارے میں سن کر ہوئی تھی۔

"اب آپ کب تشریف لارہے ہیں، میرا خیال ہے کہ ابھی تو آپ کا قیام کچھ دنوں تک وہیں حویلی میں ہو گا۔ کیونکہ نوابزادی آپ کی زوجہ محترمہ بھی غم سے نڈھال ہوں گی اور اس وقت انہیں سب سے زیادہ آپ کی ضرورت ہو گی۔" میں نے حددرجہ مؤدب لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"میں بس دو تین دنوں میں واپس آرہا ہوں۔وہاں بھی بہت سے لوگوں سے ملاقات کرنی ہے 'ادھر میری دوسری بیٹی ہے اپنی ماں کی دلجوئی کے لیے' اب سب ٹھیک ہے' بابا اللہ کی مرضی کے آگے کوئی کیا کرسکتا ہے۔" اس نے نارمل لہجے میں کہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں' صبر تو بہرحال کرنا ہی پڑتا ہے' اب اجازت دیں' اتنا وقت دینے کا بہت بہت شکریہ..." میں نے اپنا چاپلوسانہ انداز برقرار رکھا۔

جواباً اس نے کچھ نہیں کہا اور فون بند کردیا۔الو کا پٹھا... میرے لبوں سے خودبخود اس کے لیے گالی پھسل پڑی' تو تو اپنی بیٹی کی موت پر اللہ کا شکر ادا کررہا ہوگا' تو کیا جانے ایک بیٹی کا پیار اور باپ کی شفقت کس چڑیا کا نام ہے' تو تو عورت کو اپنے پاؤں کی جوتی اور عیاشی کا سامان سمجھتا ہے' تو یہاں آنواب سطوت الاسلام تیرے لیے پھندا میں تیار کررہاہوں۔"

میں نے دانتوں کو پیستے ہوئے کہااور فون بیڈ پر پھینک کر بیڈ پرچت لیٹ گیا' میرے دونوں ہاتھ سر کے نیچے تھے اور نگاہیں چھت پر ٹکی ہوئی تھیں۔ذہن میں بہت سارے خیالات گڈمڈ ہو رہے تھے' نواب کے بارے میں آنٹی کے

بارے میں' اپنے والدین اور بہن بھائی کے بارے میں اور سرمئی کے بارے میں۔

سرمئی یقینا ایک بہت اچھی اور باکردار لڑکی تھی۔اس کی حد سے زیادہ احتیاط پسندی مجھے اچھی لگی' آج اس دور میں جب اپنا سایہ بھی دشمنی کرنے سے باز نہیں آتا تو انسان کو اتنی ہی احتیاط کرنی چاہیے' یہ حشام شاید اس کا دوست ہے' شاید قابل اعتبار بھی ہوگا جب ہی وہ ہر وقت اسے اپنے ساتھ رکھتی ہے' میں یہ ساری باتیں سوچ ہی رہا تھا کہ میرے کمرے کا دروازہ کسی نے بجایا تو میں نے لیٹے لیٹے ہی کہا۔"آجاؤ۔" تو اندر دروازہ کھول کر آنے والے شخص کو دیکھ کرمیں حیران رہ گیا۔

وہ 'چھوٹی دنیا' تھا۔

"ارے چھوٹی دنیا تم...!" میں اسے دیکھ کر اٹھ کربیٹھ گیا۔

"چلیے تشریف لے چلیے' سوئم کی فاتحہ ہوچکی ہے' کھانا لگ گیا ہے' آکر تناول فرمالیجیے۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کیا کرلیجیے...؟" مجھے تناول کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا' اردو میری مادری زبان نہیں تھی اس لیے حیرت سے اس سے پوچھا۔

"تمہاری سمجھ میں یہ مہذب اردو آبھی کیسے سکتی ہے' تمہیں تو مجھے صاف صاف یہ کہنا چاہیے تھا کہ آئیے اور آکر کھانا ٹھونس لیجیے۔" میں نے آگے جھک کر اس کاہاتھ پکڑ کر اپنے نزدیک بیڈ پر بٹھایااور کہا۔

"یار ہماری آج تو ملاقات ہوئی ہے اور تم مجھ سے شروع ہی سے ناراض لگتے ہو' مجھے بتاؤ تمہیں مجھ سے کیا شکایت ہے' بھئی دیکھوناں' ہم ایک ہی جگہ رہتے ہیں' ایک ہی باس' کے لیے کام کرتے ہیں۔تمہاری الگ اہمیت ہے اور میری الگ... اس میں ناراضگی کی کیا بات ہے' بلکہ مجھے تو تمہارا اس طرح اپنے کمرے میں آنااور مجھے کھانے کے لیے بلانا بہت دوستانہ انداز لگا ہے۔اور میں بہت خوش بھی ہوں اگر تم چاہتے تو خود نہ آتے اور کسی ملازم کو بھیج دیتے...!" میں نے اس کا ہاتھ تھامے تھامے بہت دوستانہ اور سلجھے ہوئے انداز میں ایک میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ کہااور یہ سب میں اس لیے کررہاتھا کیونکہ میں اس چھوٹی دنیا سے بنا کر رکھنا چاہتاتھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"مجھے اس بات پر غصہ آرہا ہے کہ تم میرے بارے میں جانے بغیر میرا مذاق اڑا رہے ہو اور میری جسمانی ہیئت کو دیکھتے ہوئے چھوٹی دنیا چھوٹی دنیا کہہ رہے ہو۔" اس نے شکوہ کناں انداز میں کہا۔

"ارے یار میں تو مذاق میں کہہ رہاتھا' اگر تمہیں برا لگا ہے تو یہ لومیں کان پکڑ کر تم سے معذرت کرتاہوں آئندہ اب تمہیں چھوٹی دنیا نہیں کہوں گا...چھوٹی دنیا..." میں نے شرارت آمیز لہجے میں کہااور کان پکڑ لیے۔

"تم نے پھر کہا...!" اس نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

"یار تم مذاق بھی نہیں سمجھتے' اچھا چلو' ایک با پھر معذرت... آؤ یہ لڑائی جھگڑا ختم کرتے ہیں اور دوستی کاہاتھ ملاتے ہیں۔" میں نے کہا اور اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھادیا جسے ذرا پس وپیش اور ذرا سی جھجک کے بعد اس نے تھام لیا پھر چند لمحے میرا ہاتھ تھامے رہا اور کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"سچ سچ بتادو کہ وہ فلیٹ تم نے کرائے پر کیوں لیا ہے...؟" ذرا دیر کو وہ مجھے ایک سیدھا سادا سا انسان دکھائی دیا تھا لیکن یہ بات پوچھتے ہوئے وہ دوبارہ

اپنی پرانی جون میں آگیا اور مجھے اس کی چھوٹی آنکھوں میں وہی پرانی شاطرانہ چمک دکھائی دی۔

”یار بتایا تو تھا کہ بوریت سے گھبرا کر اپنی راتیں رنگین کرنے کے لیے لیا ہے' کیونکہ یہاں اس کوٹھی میں تو ایسا کچھ ممکن ہی نہیں ہے۔یہاں شراب اور شباب کی آزادی جو نہیں ہے' آدمی کب تک صبر کرے یار...“ میں نے بے ہودہ انداز میں اپنی ایک آنکھ میچ کر کہا تو وہ بھی مسکرانے لگا۔

”ارے ہاں ایک بات بتاؤں...!“ میں نے پرجوش لہجے میں کہا۔”لیکن دیکھو کسی سے اس بات کاذکر مت کرنا۔“ میں نے التجائیہ اندا میں کہا تو وہ چوکنا ہو کر میری بات سننے لگا۔

”میں نے اپنے ایک پرانے دوست سے رابطہ کیا ہے' اس کے تعلقات ہیں کچھ ”پریوں “سے...وہ آج ایک حسین پری کو فلیٹ پر لے کر آرہا ہے... بڑے دنوں کے بعد آج جوانی کامزہ آئے گا' سنا ہے بڑی آفت اورقاتلہ ہے...!“ میں نے بے ہودہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

”یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو' یہاں زندگی روکھی پھیکی ہی گزررہی ہے۔یار تم بڑے سیانے ہو' تم نے اس بات کابڑا اچھا حل سوچا ہے' مجھے تو اس بات کا خیال ہی نہیں آیا۔“ اس نے کہا۔

”کوئی بات نہیں ہے جانی...آج سے ہم دوست ہیں ناں... تیرا یہ دوست تیری راتیں بھی رنگین بنادے گا' بس جب ٹائم ہو اور موڈ ہو تو بس ایک اشارہ کرنا... دیکھنا کیسی کیسی حسین پریاں بلکہ پریوں کی شہزادی کو تیری خدمت میں حاضر کردوں گا۔“ میں نے دوستانہ انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

”تو آج رات جارہا ہے موج مستی کرنے...“ اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

”ہاں یار...!“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”کچھ تو لحاظ کرلے... سوئم کا کھانا کھا کرموج مستی کرنے جارہا ہے۔“ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”جب ہی تو کہہ رہاہوں کہ کسی سے ذکر مت کرنا' اگر یہ بات نواب صاحب کو پتا چلی تو انہیں بہت برا لگے گا۔“ میں نے رازدارانہ انداز میں جھک کر کہا۔

"چلو ٹھیک ہے جو یار کاراز وہ ہمارا راز...!" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا پھر بولا۔ "لیکن اپنا بھی خیال رکھنا۔"

"کیوں نہیں یار... تم بے فکر رہو۔" میں نے کہا۔

"اچھا چلو' آؤ کھانا کھا لو...!" سلمان نے کہا تو ہم دنوں ایک ساتھ باہر آگئے۔

کھانا کھا کر میں دوبارہ اپنے کمرے میں آگیا۔ چھوٹی دنیا کو پٹانے کے بعد میں بہت خوش تھا۔ میں نے باہر جانے اور خاص طور پر فلیٹ میں جانے کا راستہ ہموار کرلیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجھے چھوٹی دنیا کو 'بڑی دنیا' کی سیر کرانے کے لیے بھی کبھی کبھی 'خاص' انتظام کرنا پڑے گا۔ وہ خیر میرے لیے اتنابڑا مسئلہ نہیں تھا'ایسی بہت سی جگہوں کے بارے میں مجھے معلوم تھا جہاں ایسی چیزیں باآسانی دستیاب ہیں۔

کھانے میں چونکہ کوٹھی میں موجود سارے لوگ ہی شامل تھے' اس لیے بہت سے نئے چہرے میرے سامنے آئے' چھ نئی لڑکیاں تھیں جو خاصی حسین اور جوان تھیں' دو وہ تھیں جنہیں ایک مرتبہ میں نے نواب کے بیڈروم میں

دیکھا تھا' اس کے علاوہ پندرہ گارڈز تھے اور دس بارہ آدمی تھے' ان لوگوں میں راکھی بھی تھی' جو دو تین مرتبہ نگاہوں کے ٹکرانے پر دھیمے سے مسکرائی تھی۔

وہاں سے فارغ ہوتے ہوئے ساڑھے چھ بج گئے تھے۔ اس لیے میں تیار ہو کر اور ڈھیر ساری خوشبو اپنے اوپر انڈیل کر گلشن اقبال جانے کے لیے تیار ہو گیا' باہر آیا تو سلمان سے ٹکراؤ ہو گیا اور میں نے اسے بتایا کہ میں "جارہا ہوں" یہ کہتے ہوئے میں ایک آنکھ میچ کر معنی خیز انداز میں مسکرادیا۔ اب مجھے اس بات کی اتنی کوئی فکر نہیں تھی کہ سلمان میرے پیچھے اپنے بندے بھیجتا ہے یا نہیں'بلکہ میں چاہ رہا تھا کہ وہ آج بھی میرے پیچھے بندے بھیجے اور وہ جا کر اس کو ساری رپورٹ دیں کہ ایک لڑکی اورایک لڑکا میرے فلیٹ میں ملاقات کے لیے آرہا ہے۔ لڑکا میرا دوست ہے جو لڑکی لے کر آرہا ہے۔

میں بہت خوش گوار موڈ میں اور اطمینان سے گلشن اقبال فلیٹ کی جانب روانہ ہوا اور شدید ٹریفک جام کے باعث تقریباً ایک گھنٹے میں اپنے مطلوبہ فلیٹ پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

...☆☆☆...

جیسے ہی میں گھر آئی تو اماں پریشانی کے عالم میں ٹہلتی ہوئی دکھائی دیں' آنٹی کے چہرے پر بھی فکرمندی کے آثار تھے۔

"کیابات ہے سب خیریت تو ہے۔" میں نے تیزی سے اماں کے قریب جاکر پوچھا۔

"بیٹا شمسو کی طبیعت بہت خراب ہوگئی ہے' اس کا سانس رک رک کر آرہا ہے دوا بھی کھلائی تھی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا' بخار بھی اس وقت کافی تیز ہے۔" اماں نے روہانسی ہو کر کہا۔

"کمال کرتی ہیں اماں آپ بھی...آپ ایک کال نہیں کرسکتی تھیں مجھے...!" میں نے غصے سے کہااور تیزی سے بابا کے کمرے کی جانب بھاگی۔

"فون تو بہت دیر سے کررہی تھی لیکن تمہارا مُوا فون بھی عجیب ہے مل ہی نہیں رہا تھا۔بس ایک ہی آواز آرہی تھی کہ اس وقت آپ کا رابطہ ممکن نہیں ہے۔" اماں نے میرے پیچھے پیچھے آتے ہوئے کہا۔

"تو اماں حشام کے فون پر مجھ سے بات کرلیتیں' یا کم از کم پیغام دے دیتیں'اس کے علاوہ میں نے اپنے چینل کانمبر بھی آپ کے پاس لکھوایا ہوا ہے' اور پھر سب کچھ چھوڑیں' اگر بابا کی زیادہ طبیعت خراب ہو رہی تھی تو آپ میرے آنے کاانتظار کیوں کررہی تھیں' گھرمیں ملازم ہے' گیٹ پر چوکیدار ہے' کسی کے ساتھ ہسپتال چلی جاتیں...!" میں مسلسل بولتے ہوئے بابا کے کمرے میں آگئی' میرے پیچھے پیچھے اماں اور آنٹی دونوں ہی چلی آئیں۔

بابا آنکھیں موندے بے سدھ لیٹے تھے۔میں نے ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو پیشانی تیز بخار کی وجہ سے جل رہی تھی' سانس بھی مشکل سے کھینچ کھینچ کر لے رہے تھے' میں نے فوراً ڈاکٹر ذیشان کو کال کی' وہ ابھی ہاسپٹل میں تھے اور نکلنے ہی والے تھے' میں نے بابا کی ساری کیفیت انہیں فون پر بتائی اور کہا کہ یا تو آپ گھر آجائیں اوراگر ضروری ہوتومیں بابا کو آپ کے ہاسپٹل لے کر آجاتی ہوں تو ڈاکٹر ذیشان نے کہا کہ میں ڈاکٹر ساجد کو آپ کے گھر بھیج دیتا ہوں۔وہ آکر چیک کرلیں گے اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو انہیں ہاسپٹل میں شفٹ کردیں گے' میں نے ان

کابہت شکریہ ادا کیااور فون بند کر دیا۔

بابا کی پہلی تشخیص کے مطابق اس کے پھیپھڑوں پر بہت سارا بلغم تھا' ڈاکٹر نے انہیں دوسری چیزوں کے علاوہ سگریٹ کا پرہیز بھی بتایا تھا اور میں سمجھ گئی کہ بابا نے اماں سے بھی نگاہ بچا کر سگریٹ کی بدپرہیزی ضرور کی ہوگی' اسی لیے میں نے کہا۔

"بابا آپ نے اماں سے چھپ کر سگریٹ پی ہے ناں...!"

بابا کی بند پلکوں میں ہلکی سی تھرتھراہٹ ہوئی پھر انہوں نے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں اور ہلکے سے مسکرائے اور نحیف اور محبت بھرے لہجے میں بولے۔

"میری بٹیا تو کیوں اتنی پریشان ہو رہی ہے' میں ٹھیک ہوں۔بس یہ بخار کم بخت پتا نہیں کیوں ہو گیا' اچھا بھلا ٹھیک ہو رہا تھا۔"

"بابا... میرے اچھے بابا' آپ کو بالکل ٹھیک رہنا ہے' میرے لیے اپنی سرمئی بٹیا کے لیے' اگر آپ کو اللہ نہ کرے کچھ ہو گیا تو... امی کے بعد میں آپ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی کھو دینے کا حوصلہ نہیں رکھتی' آپ کو میری

قسم ہے بابا جو آپ نے اپنا خیال نہیں رکھااور کوئی بدپرہیزی کی...!" میں بابا کے سینے پر سر رکھ کر سسک پڑی' تو بابا نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ میرے سر پر رکھ دیااور بولے۔

"حوصلہ تو کرنا پڑے گابٹیا... ہر شخص اللہ کے گھر سے ایک مقررہ وقت جو لے کر آتا ہے اور اپنا وقت پورا ہوجانے پر اسے جانا ہی پڑتا ہے۔"

"ہاں تو پھر میں یہ دعا کروں گی کہ سب سے پہلے میرا ہی وقت پورا ہوجائے۔" میں نے بابا کی بات سن کر ایک جھٹکے سے ان کے سینے سے سراٹھایااور بری طرح روتے ہوئے کہا۔

"اللہ نہ کرے... !"ان تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا' اللہ تمہیں خوشیوں بھری طویل عمر عطا فرمائے... تاکہ روز قیامت میں بے جی کے آگے سرخرو ہوسکوں کہ میں نے ان کی امانت کی حفاظت پوری طرح کی تھی۔" بابا نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کہا۔

”اور ہاں‘ اگر آپ لوگ میری خوشیوں بھری طویل زندگی چاہتے ہیں تو آپ دونوں کو ہمیشہ میرے ساتھ رہنا ہوگا۔“ میں نے ہمیشہ کی طرح روٹھے روٹھے لہجے میں کہا۔

”پگلی نہ ہو تو...!“ بابانے کہااور مسکرانے لگے۔

”یہ ہوئی ناں بات...!“ میں نے بابا کے مسکرانے پر خوشی سے چہک کر کہا۔

”بس ابھی ڈاکٹر ساجد آنے والے ہیں۔وہ آپ کو چیک کریں گے اور اگر ضروری سمجھیں گے تو ہاسپٹل میں شفٹ کردیں گے۔“

”ارے نہیں بیٹا میں گھر میں ہی ٹھیک ہوجاؤں گا۔ہاسپٹل میں داخلے سے مجھے ڈر لگتا ہے‘ بندہ وہاں سے مر کر ہی نکلتا ہے۔“ بابا نے کہا۔

”ارے واہ ! یہ کس نے کہا آپ سے... ہاسپٹل میں اس لیے رکھتے ہیں کہ وہاں ایک تو ہر وقت ڈاکٹر موجود ہوتے ہیں‘ اس کے علاوہ بیماری میں اگر کوئی مسئلہ ہوجائے تو ہر طرح کی سہولیات بھی موجود ہوتی ہیں۔“ میں نے بابا کا ہاتھ تھام کر تسلی دیتے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”ایک بات اور بتاؤں تمہیں۔“ اماں نے بابا کی جانب مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔”یہ انجکشن سے بھی ڈرتے ہیں۔ڈاکٹر نے کہا تھا کہ انجکشن کا کورس کروالیں۔جلدی ٹھیک ہوجائیں گے‘ لیکن انہوں نے صاف منع کردیااور دوائیں اورسیرپ لے لیے۔“

”اچھا جی...! یہ چیٹنگ... اب میں موجود ہوں ناں اس لیے دیکھتی ہوں کہ باباانجکشن لگوانے سے کیسے انکار کرتے ہیں۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

میں بابا کے پاس بیٹھی اسی طرح کی باتیں کررہی تھی کہ اچانک میری نگاہ آنٹی پر پڑی جووہیں ایک کرسی پر بیٹھی تھیں اورایک ٹک مسلسل میری جانب دیکھ رہی تھیں۔ان کی آنکھوں میں نہ جانے ایسا کیا تھا کہ میں بات کرتے کرتے چپ ہوگئی اوران کی جانب دیکھنے لگی‘ پھر میرے دیکھنے پر وہ گڑبڑا گئیں اور مسکرانے لگیں تو میں نے پوچھا۔

”آپ اتنے غور سے میری جانب کیا دیکھ رہی ہیں...!“

”کچھ بھی نہیں!“ انہوں نے اس طرح کہا جیسے چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہوں۔

"نہیں کچھ تو ہے‘ آپ یہ سوچ رہی ہیں ناں کہ اتنی بڑی ہو کر میں کیسے بچوں کی طرح بی ہیو کر رہی ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ تم ان دونوں سے کتنی زیادہ محبت کرتی ہو‘ حالانکہ یہ تمہارے سگے ماں باپ بھی نہیں ہیں۔یہ انہوں نے ہی بتایا تھا‘ پھر تم اپنی سگی ماں سے بھی کتنی زیادہ محبت کرتی ہوں گی۔" انہوں نے بھیگے بھیگے سے لہجے میں کہا۔

"سگی کا تو پتا نہیں...!" میرا لہجہ خودبخود عجیب سا ہو گیا۔"البتہ میں امی سے بہت محبت کرتی تھی اور امی کے دنیا سے جانے کے غم کو سہنے میں اماں اوربابا نے میرا بہت ساتھ دیا ہے۔ان فیکٹ میں تو پلی بڑھی ہی ان کے ہاتھوں میں ہوں تو کیا مجھے ان سے محبت نہیں ہوگی‘ کتنی عجیب بات ہے ناں آنٹی اللہ تعالیٰ کانظام قدرت بھی کیسا ہے کہ اس نے انہیں اولاد نہیں دی اور مجھے

میرے سگے ماں باپ سے جدا کردیا اور پھر ہمیں ایک دوسرے کے لیے تسکین بنا کر ملا بھی دیا۔اب نہ میرے دل میں اپنے ماں باپ کی جدائی کا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

دکھ ہے اور نہ اماں بابا کو اپنی اولاد نہ ہونے کا قلق ہے‘ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نابابا...!" میں نے بابا سے پوچھا تو وہ مسکرانے لگے اور اسی وقت ڈور بیل بجنے کی آواز سنائی دی۔ڈاکٹر ساجد آئے تھے انہوں نے باباکے چیک اپ کے بعد بتایا کہ ان کے بلڈ کے کچھ ٹیسٹ لینے ہوں گے‘ میں بلڈ لے جاتا ہوں تاکہ دوا تجویز کی جاسکے۔

پھرمیں نے بڑی مشکلوں سے سرنج کے ذریعے بابا کابلڈ نکلوایا‘ اس کے علاوہ ڈاکٹر نے بخار کم کرنے کے لیے بھی انجکشن دیا‘ ڈاکٹر کے جانے کے بعد میں اماں اور آنٹی بابا کے پاس ہی موجود رہے۔اماں نے کہا کہ تم جاکر سوجاؤ میں یہیں موجود ہوں۔لیکن میں جانے کو تیار نہیں تھی‘ لیکن تھوڑی دیر بعد بخار ہلکا ہونے لگا تو میں اپنے کمرے میں آگئی‘ صبح کے ساڑھے تین بج گئے تھے‘ میں بیڈ پر گرتے ہی نیند کی گہری وادیوں میں اتر گئی۔

اگلا سارا دن میرا بابا کے لیے بھاگ دوڑ میں لگ گیا۔بلڈ ٹیسٹ کی رپورٹ میں بھی آیا تھا کہ ان کے پھیپھڑے کافی خراب ہوگئے ہیں اوراس کا سبب بے تحاشا سگریٹ نوشی تھا۔

میں نے بڑوں کے انداز میں بابا کو ڈانٹ پلائی اور انہیں انجکشن لگوانے کے لیے راضی کرلیا۔دن بھر کی تھکن کے بعد میں اپنے کمرے میں آگئی' بابا کی جانب سے بھی اطمینان ہو گیا تھا ان کی طبیعت اب کافی بہتر تھی' آج میں اپنے نیوز چینل پر بھی نہیں گئی تھی۔اس وقت حشام کا فون آیا تو اسے اپنے نہ آنے کا سبب تفصیل سے بتایا۔

"تمہیں ممی بہت یاد کررہی ہیں۔" اس نے کہا۔

"ارے ابھی تو آئی تھی... ویسے خیریت ہے وہ کیوں مجھے یاد کررہی ہیں۔کہیں تمہارے لیے کوئی لڑکی تو نہیں دیکھ لی' ہوسکتا ہے مجھے مشورے کے لیے بلا رہی ہوں۔" میں نے اسے چھیڑا۔

"ایمان سے بڑی کٹھور ہو... ویسے تمہارا خیال ٹھیک بھی ہوسکتا ہے کہ میرے لیے لڑکی پسند کرنے کے لیے وہ تمہارا مشورہ ضرور چاہیں گی' ویسے تم بتاؤ میرے لیے کیسی لڑکی ہونی چاہیے۔" اس نے کہا۔

"ایسی جو تمہیں ٹھیک کردے...!" میں نے جھٹ کہا۔

"ارے ہاں ایک لڑکی ہے میری نگاہ میں... یار میں اسے بہت پسند کرتا ہوں بلکہ محبت کرتا ہوں لیکن امی سے کہنے کی ہمت نہیں ہوتی۔" اس نے کہا۔

"کون ہے وہ...؟" میں نے اپنے دھڑ دھڑ کرتے ہوئے دل کو سنبھال کر کہا۔

"ہے کوئی... لیکن تمہیں کیوں بتاؤں۔"اس نے مجھے چڑانے کے لیے کہا۔

"کیا اسے معلوم ہے کہ تم اسے پسند کرتے ہو۔" میں نے دھیرے سے پوچھا۔

"ہاں معلوم ہے... بلکہ وہ یہ بات بہت اچھی طرح سے جانتی ہے کہ وہ میری جان تمنا ہے۔بہت حسین ہے' پریوں کے دیس کی شہزادی کی طرح... شاید اسی لیے مغرور بھی ہے' ایک تو حسین ہے دوسرے اسے اس بات کا بھی اچھی طرح سے احساس ہے کہ مجھ جیسا ہینڈسم اس کا دیوانہ ہے۔" اس نے محبت کے نشے میں چور لہجے میں کہا۔

اور نہ جانے کیوں' کسی اور لڑکی کے لیے اس کے دل کے جذبات اور احساسات کا اندازہ کرکے مجھے بہت برا لگا اور میں نے تیز لہجے میں کہا۔

”تو جاؤ' اپنی اسی جان تمنا اور جان غزل کو فون کرو اور اپنا دل بہلاؤ' میرا سر کیوں کھا رہے ہو' ویسے ہی سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔“

”تمہیں جلن ہو رہی ہے ناں...!“ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”بھاڑ میں جاؤ۔“ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا لیکن فوراً ہی دوبارہ بیل بجی تو میں نے فون پر نمبر دیکھا حشام ہی کی کال تھی۔

”کیا ہے...؟“ میں نے پھاڑ کھاجانے والے لہجے میں کہا۔

”ارے بات تو سنو... میں تو...!“

”خبردار جواب کال کی... آکر تمہارا سر توڑ دوں گی۔ ایڈیٹ۔“ میں نے غصے سے کہا اور فون ہی آف کرکے رکھ دیا۔

مجھے بہت زیادہ غصہ آرہا تھا' اس انجان لڑکی کی شکل سے بنا دیکھے ہی نفرت ہو رہی تھی۔ پھر خود بخود میری آنکھیں بھر آئیں... اور لاکھ روکنے کے باوجود دو موٹے موٹے آنسو میری آنکھوں سے نکل کر گالوں پر لڑھک آئے۔

میں نے انگلیوں کی پور سے اپنے آنسو صاف کیے اور خود ہی چونک پڑی... اچانک میرے اوپر ایک اہم انکشاف ہوا... اور وہ یہ کہ میں حشام کی زندگی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں کسی اور لڑکی کو برداشت نہیں کر سکتی' ابھی اس نے صرف بات کی ہے تو میرا یہ حال ہو رہا ہے' اگر کوئی لڑکی اس کی زندگی میں شامل ہو گئی تو میں برداشت نہیں کرسکوں گی۔“

لیکن کیوں...؟ میں نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

میں تو حشام کی صرف دوست ہوں... شادی وہ چاہے کسی سے بھی کرے۔ پھر میرے اندر سے جواب آیا کہ حشام صرف میرا دوست نہیں ہے اس کی اہمیت میری زندگی میں ایک دوست سے بھی بڑھ کر ہے۔ لیکن کیا...؟ میں جھنجلا اٹھی تو ایک سرگوشی سنائی دی۔

”تم حشام کو چاہنے لگی ہو' اس سے محبت کرنے لگی ہو...!“

محبت کے اس گدگداتے جذبے نے میرے لیے حشام ہی کا کیوں انتخاب کیا؟ میں نے اپنے اندر کی آواز سے سوال کیا۔

”اس لیے کہ یہ دنیا خوب سے خوب تر سے بھری ہوئی ہے۔ ایسے میں اگر میری نگاہ ساری دنیا کا چکر کاٹ کر صرف اسی کی جانب آئی ہے اور اسی پر مرمٹی ہے تو وہ سب سے الگ تر ہے اور یہ بات سچ سے زیادہ سچی اور پانی

سے زیادہ گیلی ہے۔پتا ہے کچھ لوگ نگاہ کی طرح ہوتے ہیں وہ ہمارے ساتھ ہوں تو اندھیروں میں بھی راستے مل جاتے ہیں۔اور ان لوگوں میں سے ایک حشام بھی ہے...!"

میں نے اپنے اندر کی آواز کوبڑی خاموشی سے سنااور تسلیم کیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے سچ کہہ رہی ہے۔

میرا دل چاہا میں چیخ چیخ کر ساری دنیا کو بتادوں کہ میں نے اپنے لیے جیون ساتھی چن لیا ہے زندگی کی حسین شاہراہوں پر میرے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے والا شخص صرف اور صرف حشام ہی ہوگا اور کوئی نہیں۔

پھر مجھے حشام کے الفاظ یاد آئے وہ تو کسی اور کو...میں نے سہم کر سوچا۔

میں اس کا سر پھاڑ دوں گی' اسے جان سے مار دوں گی 'اگر اس نے کسی اور لڑکی کی جانب دیکھا بھی... کیا ہوا جو میرا رنگ سانولا ہے' بھاڑ میں جائیں دنیا کی ساری گوری لڑکیاں...میں نے طیش میں آکر سوچا... میرے اندر کی یہ جنگ جاری تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔میں سمجھ گئی کہ اماں ہوں گی اور حسب عادت گرم دودھ کا گلاس لائی ہوں گی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"آجائیے اماں!" میں نے کہا۔

لیکن اماں کے بجائے آنٹی ہاتھ میں دودھ کا گلاس لے کر آرہی تھیں۔وہ سیدھی میرے پاس آئیں اور گلاس میری جانب بڑھاتے ہوئے بولیں۔

"لوبیٹا یہ پی لو... میں نے ہلکا گرم کیا ہے 'تم زیادہ گرم نہیں پیتیں ناں۔"

"ارے آنٹی آپ نے کیوں تکلیف کی... اتنی رات ہوگئی ہے' آپ ابھی تک سوئیں نہیں۔" میں نے ان کے ہاتھ سے گلاس لے کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"تم بھی تو ابھی تک جاگ رہی ہو۔" انہوں نے کھڑے کھڑے کہا۔

"میری تو عادت ہے بے وقت سوتی ہوں اور بے وقت جاگتی ہوں ... دراصل میری جاب ہی ایسی ہے... ارے آپ کھڑی کیوں ہیں بیٹھیں ناں۔"

میں نے انہیں کھڑے دیکھ کر بیڈ کی جانب اشارہ کیا تووہ ذرا سا کونے پر ٹک کربیٹھ گیں اور اشارہ کیا کہ میں دودھ پی لوں۔اوران کا دل رکھنے کے لیے میں نے دودھ کا گلاس اٹھا کرمنہ سے لگالیا' میں نے اس وقت بھی محسوس کیا کہ وہ بہت محبت پاش نگاہوں سے میری جانب دیکھ رہی ہیں۔میں سوچ رہی تھی کہ میری جانب دیکھتے ہوئے ان کی آنکھوں میں ایسا کیا ہوتا ہے کہ

میں عجیب سافیل کرنے لگتی ہوں لیکن اس وقت مجھے احساس ہوا کہ میری جانب دیکھتے ہوئے ان کی آنکھوں میں محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا ہے۔

آج رات مجھ پر کیسی کیسی محبتوں کا اظہار ہو رہا تھا‘ مجھے محبت کی سمجھ آنے لگی تھی‘ میں نے ان کی نگاہوں سے گھبرا کر کہا۔

”آنٹی مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے لیکن یاد نہیں آتا‘ کیا آپ کو لگتا ہے کہ ہم کبھی کہیں پہلے ملے ہیں۔“

”شاید کبھی ملے ہوں...!“ انہوں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔”مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔“

”کتنی عجیب بات ہے ناں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں اتنی عجیب بھی نہیں ہے۔دنیا میں بہت سے چہرے ایسے ہوتے ہیں جو ایک بار دیکھ لینے کے بعد ہمیشہ کے لیے نگاہوں میں بس جاتے ہیں۔ پھر چاہے ملے ہوئے صدیاں ہی کیوں نہ بیت جائیں‘ وہ چہرے نگاہوں میں ہی رہتے ہیں۔جیسے تمہارا چہرہ میری نگاہوں میں اور میرا چہرہ تمہاری نگاہوں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں... شاید اسی لیے ہم ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوتے ہوئے بھی اجنبی نہیں ہیں۔“ انہوں نے بہت دھیمے لہجے میں کہا۔

”آپ کا انداز گفتگو بہت خوب صورت ہے آنٹی... لگتا ہے آپ مطالعہ بھی کرتی ہیں۔“ میں نے کہا۔

”ضروری نہیں ہے کہ زندگی کو سمجھنے کے لیے آپ کتابوں کا ہی سہارا لیں۔ ہماری زندگی میں آنے والے بہت سے واقعات اور حالات آپ کو بہت کچھ سکھا دیتے ہیں۔آپ وہ کر گزرتے

ہیں جس کے بارے میں آپ نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوتا ہے‘ اور آپ کی زندگی یکسر تبدیل ہوجاتی ہے۔اب یہ اپنے اپنے حالات پر منحصر ہے کسی کی بن جاتی ہے کسی کی بگڑ جاتی ہے۔“ انہوں نے یاسیت بھرے لہجے میں کہا۔

”آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔“ میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا‘ پھر خیال آیا کہ آج موقع لگا ہے تو ان سے وہ حالات جاننے کی کوشش کرتی ہوں جس کے سبب انہیں کسی کے ڈر سے اپنا گھر چھوڑ کر یوں آدھی رات کو نکلنا پڑا۔ اس لیے کہا۔

"آنٹی ایک بات پوچھوں، اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو..."

"نہیں میری جان میں بھلا تمہاری بات کو کیسے مائنڈ کر سکتی ہوں تم پوچھو..." اتنے محبت بھرے لہجے میں انہوں نے یہ کہا کہ میں سب کچھ بھول گئی اور کچھ کہہ نہ سکی، میری خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے دوبارہ کہا۔

"کیا پوچھنا چاہتی تھیں بیٹا پوچھونا... تم چپ کیوں ہو گئیں۔"

"آنٹی آپ اتنے پیار سے بات کرتی ہیں کہ میں کچھ بول ہی نہیں پاتی... آپ کے لب ولہجے میں اتنا پیار ٹپکتا ہے تو دل میں کتنا چھپا ہوگا۔"

"بھئی تم ہو ہی اتنی پیاری کہ تم پر خودبخود پیار آجاتا ہے۔"

"سچ کہہ رہی ہیں..." میں نے بے یقینی سے پوچھا۔

"تو اور کیا جھوٹ" انہوں نے کہا اور ہنس پڑیں۔ پھر بولیں۔"ارے لو میں تو تمہیں دودھ کا گلاس دینے کے لیے آئی تھی، تم سے بیکار کی باتیں کرنے بیٹھ گئی۔ تمہیں صبح اپنی جاب پر بھی جانا ہے۔اب تم سوجاؤ۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"لیکن آنٹی آپ سے وہ بات کرنی تو رہ گئی جو میں کرنا چاہ رہی تھی۔" میں نے کہا۔

"بعد میں کر لینا، میں بھاگی تھوڑی جا رہی ہوں۔یہیں ہوں تمہارے پاس... اچھا چلو اب سوجاؤ۔" انہوں نے آگے بڑھ کر میرے کندھوں پر زور دیتے ہوئے مجھے لٹا دیا اور نرم گرم کمبل میرے پیروں پر ڈال دیا، کمرے میں اے سی کی وجہ سے کافی ٹھنڈک ہو رہی تھی، اور میری عادت تھی کہ آدھا جسم کمبل سے ڈھانک کر سوتی تھی۔

مجھے لٹانے کے بعد وہ سوئچ بورڈ کی جانب بڑھیں اور لائٹ آف کر کے کمرے سے باہر نکل گئیں۔آج میں بہت خوش اور مطمئن تھی، آج میں نے اپنے اندر کی محبت کا سراغ پا لیا تھا۔یہ وہ روشنی ہے جس کی ٹھنڈک انسان کے رگ وپے میں اتر کر اسے مسرور کر دیتی ہے، میں نے اپنا دایاں ہاتھ گال کے نیچے رکھا اور آنکھیں موند لیں، اور پھر حشام کی صورت آنکھوں میں بسائے میں نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔

دوسرے دن صبح دیر سے آنکھ کھلی، میں نے جیسے ہی گھڑی میں ٹائم دیکھا صبح کے دس بج رہے تھے، تو میں ہڑبڑا کر بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور آنکھیں ملتی ہوئی اماں کے پاس پہنچی اور کہا کہ مجھے اٹھایا کیوں نہیں اتنی دیر ہو گئی، تو اماں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”ارے بیٹا میں نے تو دو تین مرتبہ ارادہ کیا کہ تمہیں جگادوں لیکن یہ تمہاری آنٹی جو ہیں ناں انہوں نے منع کر دیا۔ کہ میں تمہیں ابھی نہ جگاؤں بقول، ان کے کہ تم رات کو خاصی دیر سے سوئی ہو، غالباً صبح کے چار بج گئے تھے۔“

”تو کیا ہوا اماں... میری تو یہ عادت ہے، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، میں تو اسی طرح کم سونے کی عادی ہوں، آپ کو آنٹی کی بات نہیں ماننی چاہیے تھی۔“میرے لہجے میں غصے کی وجہ سے ناگواری اتر آئی۔

”بیٹے میں نے تو آپ کی محبت میں...“ آنٹی آدھی بات کہہ کر رک گئیں۔

”آپ تو دو تین دنوں سے آئی ہیں، میں آپ کو تھوڑی کچھ کہہ رہی ہوں۔ اماں میری عادت بھی جانتی ہیں اور میری جاب کے اوقات بھی... اب لیٹ پہنچوں گی اور رمضانی صاحب کی باتیں بھی سنوں گی۔“ اور ہاں آنٹی آج میں

شہروز سے آپ کے سلسلے میں بات بھی کروں گی۔“ میں نے چلتے چلتے مڑ کر کہااور اپنے کمرے میں آگئی، جلدی جلدی غسل کر کے لباس تبدیل کیااور بنا چائے اور ناشتے کے نیوز چینل کے آفس پہنچ گئی۔

حشام حسب معمول اپنے ٹائم پر آفس پہنچ چکا تھا، بہت فریش دکھائی دے رہا تھا، جب کہ میرا موڈ تھوڑا سا آف تھا۔

میں جاتے ہی رمضانی صاحب کے روم میں چلی گئی، اپنے شو کے بارے میں ان کے ساتھ تبادلہ خیال کیا، کچھ ان کی طنز بھری باتیں سنیں او را پنے روم میں آگئی، میں نے ابھی تک چائے بھی نہیں پی تھی۔

اپنے روم میں آکر میں حشام کو یکسر نظرا نداز کرکے بڑبڑاتی رہی، دوسری چیزوں کو زور زور سے پٹخ کر اپنا غصہ نکالتی رہی۔

”کیابات ہے آج دشمنوں کا موڈ بہت آف ہے، کیا ابھی تک ناراض ہو...؟ “حشام نے بغور میرے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے مسکراہٹوں کی برسات کرتے ہوئے کہا۔

"دشمنوں کا نہیں میرا موڈ آف ہے۔اتنی ڈھیر ساری باتیں سنادیں لے کر... پتا نہیں صبح ہی صبح ان کی بیگم ان کو ناشتے میں ہری مرچوں اور کریلے کا جوس پلا کر بھیجتی ہیں۔آج ذرا سا لیٹ ہوگئی تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔پارلیمنٹ ٹوٹ گئی ہے ' صدر اور وزیراعظم نے استعفیٰ دے دیا ہے' ملک میں فوجی حکومت آگئی ہے' ریمااور میرا نے برقع پہننا شروع کردیا ہے یا کترینا کیف نے اسلام قبول کرلیا ہے'کون سی بریکنگ نیوز آن ہے ٹی وی پر... ایک تو میں نے صبح کی چائے بھی ابھی تک نہیں پی ہے' سردرد سے پھٹ رہا ہے' اوپر سے کریلا وہ بھی نیم چڑھا جیسا باس ملا ہے... تم فٹافٹ چائے منگواؤ..." میں ایک ہی سانس میں بے تکان اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھی' آخرمیں سانس لینے کو رکی اور چائے کے لیے کہہ دیا۔کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تم نے بھی میری طرح ناشتہ نہیں کیا ہوگا..."

"رمضانی صاحب کوجانے دو... آج واقعی وہ کریلے اور مرچوں کا جوس پی کر آئے ہیں سب کو اپنے روم میں بلا بلا کر ڈانٹ رہے ہیں۔میری کلاس بھی لی جاچکی ہے۔" حشام نے میرے مزاج کو سمجھتے ہوئے مجھے ریلکس کرنا چاہا۔

"آخر انہیں پرابلم کیا ہے' میں نے کہہ تو دیا ہے کہ نواب سطوت کے بارے میں میں نے اپنا کام مکمل کرلیا ہے' پہلے بھی توان کا انٹرویو ہوتے ہوتے رہ گیا تھا'میرے سوالات بھی تیار ہیں لیکن ان کی تو جان ہی نکلی جارہی ہے' وہ انسان ہیں کوئی توپ نہیں ہیں کہ آتے ہی رمضانی صاحب کو اڑادیں گے۔"میں نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ توپ چیز تو ہیں۔ان سے سوالات بہت سوچ سمجھ کر کرنے ہوں گے۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ آج رات تم گھر چلو پاپا سے ڈسکس کرلو تو اچھا ہے۔" حشام نے بہت نرم لہجے میں مجھے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"پہلے جب مجھے وہ شو کرنا تھا تب میں انکل سے اس بارے میں ڈسکس کرتو چکی ہوں' میرے پاس ساری تیاری ہے۔" میں نے اپنے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی حرج نہیں ہے اگر ہم ایک بار پھر سے ساری چیزوں کاجائزہ لے لیں۔" حشام نے آہستہ سے کہا تو میں اس کے انداز پر مسکرادی۔مجھے یہ سوچ کر

بہت اچھا لگا کہ اسے میرا کتنا خیال ہے۔میں مسلسل غصے میں پتا نہیں کیا کیا کہے جا رہی تھی اور وہ مسلسل میرا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اتنے میں ہمارا ناشتہ اور چائے آگئی' حشام نے چائے کے ساتھ بہترین قسم کے کلب سینڈوچز منگوائے تھے۔پہلے تو ہم نے ناشتے سے پورا پور انصاف کیا او رپھر ہم دونوں نے بیٹھ کر شو میں نواب سطوت سے کیے جانے والے سوالات اور ان کے ممکنہ جوابات کا جائزہ لیا۔

میرا موڈ ٹھیک ہوا تو حشام کی شرارتی جملہ بازی پھر شروع ہوگئی' مجھے اچانک رات والی بات یاد آگئی تو میں نے اسے چھیڑا۔

"تو پھر تم مجھے اپنی اس جان جگر سے نہیں ملواؤگے...!"

"ملوادیں گے... ویسے وہ ہے بڑی خونخوار ذرا سا خلاف مزاج بات ہوجائے تو فوراً پنجہ مار دیتی ہے۔"حشام نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے تو یہاں تم نے کسی سے کم سمجھا ہے' ذرا دیدار تو کراؤ پھر مقابلہ دیکھنا۔" میں نے ہنستے ہوئے آستین چڑھاتے ہوئے کہا تو حشام سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

میں نے حشام کو شمروز اور آنٹی کے بارے میں بتایا تو اس نے مجھ سے کہا کہ "تم بھی بڑی احمق ہو' بھلا راہ چلتے ایک اجنبی پر اس طرح اعتبار کیا جاتا ہے' کیا معلوم کون ہے' کیا ارادہ ہے۔"

"ہاں اسی لیے میں نے اس شخص کو نہ اپنا فون نمبر دیا ہے اور نہ ہی گھر کا ایڈریس بتایا ہے' میں نے کہا تھا کہ میں خود ہی تم سے رابطہ کرلوں گی لیکن پچھلے دو دن کافی مصروف گزرے ہیں۔کل بابا کی طبیعت خراب تھی'اس چکر میں بھاگ دوڑ رہی' اب ذرا فرصت ملی تو سوچ رہی ہوں کہ اس کو فون کرلوں۔"میں نے کہا۔

"ہاں اسے فون کرو اور اس سے کہو کہ وہ اس آنٹی کو لے جائے بلکہ اسے کسی اور جگہ بلالو اور آنٹی کو تم خود اس جگہ لے جاؤ' میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا' اور ہاں اپنے سیل سے فون مت کرنا۔" حشام نے کہا تو میں نے اپنے روم کے پی ٹی سی ایل فون سے اس کے موبائل پر فون کیا جو اس نے مجھے دیا تھا۔

اس سے جو گفتگو ہوئی اس سے میں خاصی الجھن میں پڑ گئی۔میں نے فون کا اسپیکر آن کیا ہوا تھا اور ہمارے درمیان ہونے والی ساری گفتگو حشام بھی سن رہا تھا۔اس کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ کسی جرائم پیشہ گروہ کے ساتھ ہے' پھر اس نے آنٹی کے بارے میں بھی بتایا کہ وہ کسی ایسے بڑے آدمی کے ظلم کا شکار ہوئی ہے جو بظاہر لوگوں میں سفید پوش پہچانا جاتا ہے' اس نے اپنے ایک فلیٹ کا پتا بتاتے ہوئے کہا کہ میں اور حشام اس سے وہاں ملنے آجائیں تاکہ وہ ساری بات ہمیں تفصیل سے بتاسکے' میں نے حشام سے آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کیا کہ ہمیں جانا چاہیے یا نہیں تو اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔بلکہ اس سے پہلے میں اسے فون کرکے اپنے نیوز چینل پر آنے کے لیے کہا تھا' اس نے آنے کی ہامی بھی بھرلی تھی مگر عین وقت پر اس نے فون کرکے آنے سے انکار کردیا تھا کہ اس کی نگرانی ہو رہی ہے ' اس لیے وہ یہاں آنے کا رسک نہیں لے سکتا۔میں سمجھ گئی کہ اگر میں ان جرائم پیشہ لوگوں کی نگاہ میں آگئی تو یہ میرے حق میں بھی بہتر

ثابت نہیں ہوگا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

شمروز نے فون رکھا تو حشام نے مجھ سے کہا۔''سرمئی میں او رتم ایک اہم معاملے میں بات کرنا تو بھول ہی گئے اوردوسرے مسائل میں الجھ گئے۔

''کون سا معاملہ!'' میں نے کہا۔

''تمہیں یاد ہے کہ تم نے اپنے والد کی دی ہوئی کچھ نشانیاں مجھے دکھائی تھیں...!''

''ہاں۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔

''تو تمہیں وہ نشانیاں یا ان جیسی چیزیں کسی اور شخص کے پاس دکھائی دیں...؟''

''میں سمجھ رہی ہوں کہ تمہارا اشارہ کس کی جانب ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''تو پھر تم نے کیا سوچا ہے...؟'' اس نے کہا۔

''تم بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟'' میں نے کہا نہ جانے کیوں اس بات کے یاد آتے ہی میرا ذہن جیسے بالکل خالی ہو گیا۔بالکل صاف سلیٹ کی مانند۔

”نواب سطوت الاسلام ملک کی بہت بڑی ہستی ہے اور جیسا کہ اس کے بارے میں ہم جانتے ہی ہیں کہ وہ درپردہ کس قماش کاانسان ہے‘ اب ساری بات سمجھ میں آرہی ہے کہ تمہاری والدہ نے کیوں تمہیں کسی اور کے حوالے کردیا تھا۔اس نے یقینا تمہاری والدہ سے چھپ کر شادی کی ہوگی اور اس کی وجوہات دو ہی ہوسکتی ہیں‘ ایک تو یہ کہ اس نے محض اپنی عیاش طبیعت کی وجہ سے ایسا کیا ہوگا‘ یا پھر دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس کی خاندانی بیوی جو کہ ایک ہی ہے اس نے صرف دوبیٹیاں پیدا کی تھیں‘ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی وجہ سے وہ مزید اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں رہی ہوگی تو اس نے بیٹے کی خاطر تمہاری والدہ سے شادی کی ہوگی تاکہ جب بیٹا پیدا ہوجائے تو وہ اس بیٹے کو اپنی خاندانی بیوی کی گود میں ڈال کر یہ مشہور کردے کہ یہ بیٹا اس کی خاندانی بیوی نے پیدا کیا ہے‘ اپنی نسل آگے بڑھانے اور اپنی جدی پشتی گدی سنبھالنے کے لیے اسے ہرقیمت پر بیٹا ہی چاہیے تھا‘ لیکن شاید تمہارے پیدا ہونے کے بعد اس نے تمہیں اور تمہاری والدہ کو جان سے مارنا چاہا اور تمہاری والدہ کسی طرح سے موقع دیکھ کر فرار ہوگئیں اور تمہیں ایک انجانے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

آدمی کے سپرد کردیا‘ یہ تو تمہاری قسمت اچھی تھی کہ تم اچھے لوگوں کے ہاتھ لگیں۔یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اگر کوئی برا آدمی ہوتا تووہ تمہاری ننھی سی جان کو ٹھکانے لگادیتااور تمہاری والدہ کا دیا ہوا مال ومتاع ہضم کرجاتا‘ کون اسے پوچھنے والا تھا‘ اب یہ معلوم نہیں کہ تمہاری اپنی والدہ کہاں ہیں۔تمہیں اپنے والد کے بارے میں تو معلوم ہو ہی گیا ہے کہ تم کس کاخون ہو‘ نواب سطوت الاسلام... تمہاری رگوں میں نوابی خون دوڑ رہا ہے...!“

”مت کہو اس کو میرا باپ... ایسے شخص کو باپ کہنا لفظ باپ کی توہین ہے۔“ میں نے تیزی سے زہرخند لہجے میں کہا۔

”اب تم مانو یا نہ مانو بہرحال یہی حقیقت ہے۔“ حشام نے کہا۔

”یہ کیسی حقیقت ہے کہ میں اس کو ثابت ہی نہیں کرسکتی‘ لوگوں کے سامنے اسے اپنا باپ نہیں کہہ سکتی اور نہ ہی وہ اس بات کو کسی طور تسلیم کرے گا اور نہ میں اس بات کو تسلیم کروانا چاہتی ہوں۔میرے لیے یہی کافی ہے کہ مجھے اپنا نام ونشان مل گیا ہے‘ بس اب تو میری ایک ہی دلی خواہش ہے کہ

کاش جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے باپ کے بارے میں بتادیا' مجھے اپنی ماں کا بھی پتا مل جائے۔"

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو کہ وہ شخص کبھی اس بات کو تسلیم نہیں کرے گا' بلکہ ہوسکتا ہے 'بلکہ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں مروادے گا۔اس لیے بہتر یہی ہے کہ خاموشی ہی اختیار کی جائے۔" حشام نے پرسوچ لہجے میں کہا۔

ہمیں چونکہ شمروز نے آٹھ بجے فلیٹ پر بلوایا تھا' اسی لیے ہم یہیں بیٹھے ٹائم پاس کر رہے تھے اور باتیں کررہے تھے۔

"تمہیں پتا ہے حشام میں نے جب اس رات نواب سطوت کو ٹی وی پر دیکھا تھا تب ہی اس کے گلے میں پڑے ہوئے تعویز اوراس کی اسٹک کو دیکھ کر پہچان لیا تھا کہ ہونہ ہویہی شخص میر اباپ ہوسکتا ہے اور میں نے چیخ کراماں کو بھی بلایا تھااور انہیں دکھایا تھا' لیکن چونکہ آنٹی بھی اماں کے ساتھ میرے کمرے میں آگئی تھیں اس لیے ہم نے آپس میں کوئی بات نہیں کی ' پھر دوسرے دن میں شاداب پور چلی گئی تھی پھراگلے دن بابا کی اتنی طبیعت خراب رہی' بس اماں اور بابا سے اس موضوع پر بات ہی نہیں ہوسکی' وہ آنٹی

بھی ہمہ وقت اماں کے ساتھ ساتھ رہتی ہیں' اس لیے میں چاہ رہی تھی کہ وہ جلد از جلد یہاں سے چلی جائیں تاکہ میں اماں اور بابا سے کھل کر بات کرسکوں۔" میں نے حشام کو بتایا تووہ خاموشی سے بیٹھا سنتا رہا اور میری بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

ابھی پانچ بجے تھے' آٹھ بجنے میں کافی ٹائم تھا'اس لیے میں نے حشام سے کہا کہ "میں سوچ رہی ہوں کہ گھر چلی جاؤں' بابا کو بھی دیکھ لوں گی کہ ان کا کیا حال ہے' میری اتنی بے پروائی کی وجہ سے ان کا مرض اتنا بگڑ گیا ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہے چلو میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتا ہوں' بابا کی خیریت بھی پوچھ لوں گا' اور تمہاری ان آنٹی کو بھی دیکھ لوں گا جو زبردستی تمہاری مہمان بن گئی ہیں' پھروہاں سے تم میری گاڑی میں چلنا 'واپسی میں'میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ دوں گا اور گھر چلاجاؤں گا۔" حشام نے کہا تو میں راضی ہوگئی۔

پھر حشام نے اپنے گھر فون کرکے بتادیا کہ فی الحال تو وہ میرے ساتھ میرے گھر جارہا ہے 'وہاں سے ہم دونوں کو کہیں اور جانا ہے' اس لیے واپسی

میں وہ لیٹ ہوجائے گا۔حشام کی ممی نے مجھ سے دو تین باتیں کیں اور بولیں۔

"بیٹا مجھے حشام نے بتایا تھا کہ تمہیں تمہارے والد کے بارے میں پتا چل گیا ہے۔"

"آنٹی اس وقت اس بات کو رہنے دیں، ہم پھر کبھی اس موضوع پر بات کریں گے، نہ جانے کیوں اس بات کا خیال آتے ہی کہ نواب سطوت ہی میرا باپ ہے میرے دماغ کی رگیں پھٹنے لگتی تھیں اور خود بخود میرے لہجے میں تلخی سی اتر آتی تھی، بعد میں مجھے اپنے لہجے کی تلخی کا احساس ہوا تو میں نے ان سے معافی مانگی تو انہوں نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔"میں تمہاری دلی کیفیت کو سمجھ سکتی ہوں، تم ریلیکس رہو میری جان... بس یہ سمجھ لو کہ ہماری تقدیر ہمارے ساتھ بہت سے کھیل کھیلتی ہے، اور ہمیں ہر حال میں انہیں فیس کرنا پڑتا ہے۔"

"جی آنٹی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا اور فون حشام کو واپس کردیا، حشام نے اپنی ممی سے ایک دو باتیں کیں اور فون بند کردیا پھر مجھ سے بولا۔

"ویری سوری سر مئی کہ میں نے بنا تمہاری اجازت کے ممی پاپا کو یہ ساری باتیں بتادیں، تم ناراض تو نہیں ہو۔"

"نہیں حشام ناراضگی کیسی، اس دنیا میں اماں اور بابا کے علاوہ ایک تمہاری فیملی ہی ایسی ہے جسے میں اپنا سمجھتی ہوں، تم اگر نہیں بتاتے تو میں انہیں بتادیتی... تم گلٹی فیل مت کرو۔" میں نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"گڈ گرل۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور بے خیالی میں میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا، میں نے چونک کر اس کی اس بے ساختہ حرکت کو دیکھا تو اس نے جلدی سے ہاتھ کھینچ لیا اور سوری کہا۔

"حشام میں ایک بات سوچ رہی ہوں کہ میں نے اور تم نے نواب سطوت کے گلے میں تعویذ اور اس کے ہاتھ میں اسٹک دیکھ کر ہی یہ فرض کرلیا کہ یہی شخص میرا نام نہاد باپ ہے، یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ یہ اس کی خاندانی

نشانیاں اس کے کسی دوسرے رشتہ دار کے پاس بھی موجود ہوں‘ میرا باپ کوئی اور ہو‘ نواب سطوت نہ ہو۔“

”تم نے نکتہ تو بہت اچھا اٹھایا ہے ‘ایسا ہو بھی سکتا ہے‘ لیکن تمہیں اگر یاد نہ ہو تو میں تمہیں یاد دلادوں کہ ہم جب نواب سطوت کی بیٹی کی تدفین کی کوریج کے لیے شاداب نگر گئے تھے تو وہاں ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا تھا‘ یقینا وہاں اس کے خاندان کے اوردوسرے لوگ بھی موجود ہوں گے‘ لیکن یہ دونوں چیزیں یااس جیسی چیزیں ہمیں سوائے نواب سطوت کے کسی اور کے پاس دکھائی نہیں دیں‘ تو اس سے تو یہ بات صاف ظاہر ہے کہ نواب سطوت ہی تمہارا باپ ہے‘ اوراس نے اپنی یہ خاندانی نشانیاں تمہاری والدہ کو اپنے ہونے والے ممکنہ بیٹے کے لیے دی ہوں گی۔“

حشام نے بڑی گہری نگاہ سے اس روز شاید یہی بات ذہن میں رکھتے ہوئے وہاں موجود لوگوں کاجائزہ لیا ہوگا‘ اس کی توجیہہ میری سمجھ میں آگئی۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو حشام‘ میں نے نواب سطوت کو ٹی وی میں دیکھنے کے بعد ہی شاداب نگر جانے کافیصلہ کیا بلکہ میرے جانے کا ایک اہم مقصد اور تھا

میں اس کی حویلی میں جانا چاہ رہی تھی‘ اس کی بیوی اور بیٹی کو دیکھنا چاہ رہی تھی‘ مگر اس چالاک آدمی نے ایک اچھا بہانہ کرکے میڈیا کو اپنی حویلی سے دور ہی رکھا‘ بلکہ میں تو ایک بات اور سوچ رہی ہوں کہ میں نواب سطوت کا انٹرویو اس کی حویلی میں جاکر کروں... تمہارا کیا خیال ہے؟“

”آپ کا خیال بالکل غلط ہے‘ وہ کبھی بھی اس بات کے لیے راضی نہیں ہوگا۔وہ خود ہمارے چینل پر آجائے گا اور یہیں انٹرویو دے کر چلا جائے گا۔“ حشام نے جواب دیا۔

”چلو دفع کرو اس نواب سطوت کے ذکر کو... میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔“میں نے نفرت انگیز لہجے میں کہا۔

”بری بات ہے اپنے والد محترم کے بارے میں اس طرح نہیں کہتے۔“ حشام نے شرارتی لہجے میں کہا۔

”میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔“میں نے بھنا کر کہا۔

”کون سی چیز آپ میرے سر پر دے کے ماریں گی... فرمائیے حاضر کی جائے گی۔“ وہ بدستور شرارتی موڈ میں تھا۔

"تمہارا سر توڑنے کے لیے مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں پڑے گی' میں نے مارشل آرٹ کی ٹریننگ حاصل کر رکھی ہے' وہ کس دن کام آئے گی۔" میں نے کہااور ٹیبل سے اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر شولڈر پر ڈال کر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اللہ میرے حال پر رحم کرے۔ میرا مستقبل خاصا بھیانک دکھائی دے رہاہے۔" وہ سر کھجاتے ہوئے منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

"کیا کہہ رہے ہو زور سے بولو..." میں نے جاتے جاتے مڑ کر کہا۔

"کچھ نہیں' چلیے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہااور پیچھے پیچھے آنے لگا۔

میں گھر پہنچی تو بابا کی طبیعت پہلے سے بہت بہتر تھی۔میں اور حشام بابا کے پاس ہی بیٹھے رہے' اماں بھی چائے کے ساتھ دیگر لوازمات لے کر آ گئیں اور حشام سے کہا کہ کھانا تیار ہے ' کھا کر جانا' لیکن میں نے حشام کے کچھ کہنے سے پہلے ہی انکار کرتے ہوئے بتایا کہ ہمیں کسی جگہ بہت ضروری کام سے جانا ہے' میں اور حشام تو بابا کو دیکھنے کے لیے آ گئے تھے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"بھئی تمہیں کیا ہے' اماں تو مجھ سے کھانے کے لیے کہہ رہی ہیں' میں تو کھاؤں گا' تم کیوں انکار کر رہی ہو۔" حشام نے کہا پھر اماں سے بولا۔"دیکھ لیں اماں میں تو کھانے کے لیے تیار ہوں یہ سر مئی ہی نہیں چاہتی کہ میں آپ کے ہاتھوں کابنا ہوا لذیذ کھانا کھاؤں۔"

"جی نہیں گھر پر آنٹی تمہارا انتظار کر رہی ہوں گی تمہیں گھر جا کر کھانا کھانا چاہیے' اماں کے ہاتھ کا کھانا کھانا ہو تو پہلے انہیں بتادینا تاکہ وہ کھانے پر تمہارا انتظار نہ کریں۔" میں نے کہا۔

ہماری یہ نوک جھونک جاری تھی اور اماں او ربابا ہماری نوک جھونک سے محظوظ ہو رہے تھے' کافی دیر ہوگئی تھی ہمیں وہاں بیٹھے لیکن آنٹی ابھی تک ہمارے سامنے نہیں آئی تھیں۔مجھے تو ان کا خیال ہی نہیں آیا' لیکن حشام کو یاد تھا' تب ہی اس نے مجھ سے اشارے سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟" تب میں نے اماں سے آنٹی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ اندر کمرے میں ہیں۔یہاں اس لیے نہیں آئیں کہ تمہارے مہمان ساتھ آئے ہیں۔

"ارے لو بھئی!" حشام نے چہک کر کہا۔"میں انہی سے ملنے کے لیے تو آیا ہوں۔"

"کیوں...؟" بابا نے ایک دم چونک کر کہا میں نے ان کے چونکنے میں گھبراہٹ کو بھی محسوس کیا۔

"وہ اس لیے کہ سرمئی ان کی بہت تعریف کرتی ہے۔" حشام نے روانی میں کہا۔

"کیا کہتی ہے...؟ اس نے تمہیں ان کے بارے میں کیا بتایا ہے؟" بابا نے دوسرا سوال کیا۔

"آپ اتنا پریشان کیوں ہو رہے ہیں۔میں نے حشام کو آنٹی کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ کس طرح مجھے ملیں۔شاید ان کے کچھ دشمن ہیں اور وہ ان ہی سے خوف زدہ ہو کر یہاں چھپی ہوئی ہیں۔"میں نے بابا کی فکرمندی پر مشکوک انداز میں کہا۔

"دراصل بابا ہم اس وقت اسی شخص سے ملنے کے لیے جارہے ہیں جس نے آنٹی کو سرمئی کے سپرد کیا ہے، تاکہ ان کے بارے میں کچھ معلوم کرسکیں،

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ویسے وہ شخص بھی ہمیں مشکوک ہی لگ رہا ہے۔"حشام نے سنبھل کر بابا سے کہا۔

"میرا تو مشورہ ہے بیٹا کہ تم لوگ ان کے چکروں میں نہ ہی پڑو تو بہتر ہے، نہ جانے وہ کون ہے کن لوگوں سے اس کا تعلق ہے، کہیں تمہارے لیے ہی کوئی مصیبت نہ کھڑی ہوجائے۔" بابا نے کہا۔

"جب آپ کی دعاؤں کا سایہ ہر وقت میرے سر پر ہے تو مجھے کسی بات کی فکر نہیں ہے، انشاء اللہ مجھے کچھ نہیں ہوگا۔" میں نے بابا کی اتنی فکرمندی کو دیکھتے ہوئے محبت سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

"تم تو ہماری جان ہو بیٹا اگر اللہ نہ کرے تمہیں ذراسی خراش بھی آئی تو میری تو اگلی سانس ہی نہیں آئے گی۔" بابا نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"لو اب سنبھالو انہیں...!" میں نے اپنا سر تھام لیا۔"بابا میرے اچھے بابا میں نے جس فیلڈ کا انتخاب کیا ہے ناں اس میں ایسے رسک تو رہتے ہی ہیں۔دنیا سے برائی کا خاتمہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اور پھر میرا باڈی گارڈ بھی تو

ہر وقت میرے ساتھ رہتا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے حشام کی جانب دیکھا۔

"بابا آپ کو اماں نے وہ والی بات تو بتادی ہوگی ناں..." میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"کون سی بیٹا؟" بابا نے پوچھا۔

"نواب سطوت والی... اس رات جب آپ کی طبیعت خراب تھی، تب میں نے ٹی وی پر اسے دیکھا تھا اور ان کے گلے میں ویسا ہی تعویذ تھا جیسا میرے پاس ہے اور اس کے ہاتھ میں اسٹک بھی ویسی ہی تھی، تب میں نے اسے پہچان لیا۔ ہوسکتا ہے کہ وہی میرا باپ ہو۔" میں نے بڑے کڑے دل سے اس کے لیے میرا باپ کا لفظ استعمال کیا تو بابا کے چہرے پر ذرا دیر میں کئی رنگ آکر گزر گئے اور وہ ایک لفظ بھی نہیں بولے۔

"کیا ہوا بابا، آپ یہ سن کر خاموش کیوں ہوگئے۔" میں نے گھبرا کر کہا۔

"آج تو تم یہ بات اپنی زبان پر لائی ہو، آئندہ کبھی مت لانا... بس تم میری بیٹی ہو، اپنے بابا کی بیٹی... وہ بہت ظالم ہے، اگر اسے تمہارے بارے میں پتا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

چل گیا تو وہ تمہیں آج بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔" یہ بات کہتے ہوئے بابا کانپ رہے تھے

"مجھے اس شخص کو اپنا باپ کہنے میں نہ تو کوئی خوشی ہے اور نہ ہی کوئی دلچسپی... بس مجھے یہ جان کر اطمینان حاصل ہوگیا ہے کہ مجھے اپنے بارے میں پتا چل گیا ہے، بچپن سے جو ایک کانٹا سا ہر وقت مجھے اپنے دل میں چبھا ہوا محسوس ہوتا تھا، وہ نکل گیا ہے... اور میں تو صرف آپ کی بیٹی ہوں تھی... اور ہمیشہ رہوں گی۔" میں نے بابا کے سینے پر سر رکھ دیا، یہ بہت جذباتی منظر تھا، بابا اور اماں کی آنکھوں میں آنسو تھے اور میری آنکھیں بھی نم تھیں۔ اچانک ہی میرا سیل فون بجنے لگا، میں سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور سیل کی روشن اسکرین پر نگاہ ڈالی، اور میں بری طرح چونک پڑی، وہاں شمروز کا موبائل نمبر دکھائی دے رہا تھا۔ میرے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھے تو سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔"کس کا فون ہے؟"

"شمروز کا فون میرے موبائل پر... لیکن اس کو میرا نمبر کیسے ملا...؟" میں نے حیران ہو کر کہا۔

"حیرت انگیز بات ہے' تم نے تو اسے اپنا نمبر دیا ہی نہیں تھا' پھر اس نے تمہارا نمبر کس سے حاصل کیا اور اس وقت تمہیں فون کرنے کا اس کا مقصد کیا ہے!" حسام نے کہا۔

میں ہاتھ میں فون لیے کشش و پنج میں مبتلا تھی کہ فون ریسیو کروں یا نہ کروں کہ بیل بند ہو گئی' میں نے فون واپس رکھ دیا' اور حسام سے کہا کہ

"حسام تمہارا کیا خیال ہے ہمیں اس سے اس فلیٹ میں جا کر ملنا بھی چاہیے یا نہیں۔"

اچانک دوبارہ فون کی بیل بجنے لگی تو میں نے فون اٹھا کر سوالیہ نگاہوں سے حسام کی جانب دیکھا تو اس نے سر کی ہلکی سی جنبش سے اشارہ کیا کہ مجھے بات کر لینی چاہیے۔

"مجھے بھی تو بتاؤ کہ آخر معاملہ کیا ہے' تم لوگ اس فون کے آنے پر اتنے پریشان کیوں ہو؟" بابا نے فکرمندی سے کہا تو میں نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں خاموش رہنے کے لیے کہا اور فون ریسیو کر لیا۔ میرے ہیلو کے جواب میں مجھے شمروز کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"سوری سر مئی جی میں دراصل...!"

"آپ کو میرا نمبر کہاں سے ملا...!" میں نے شمروز کی بات درمیان سے کاٹ کر تیز لہجے میں پوچھا۔

"میں نے تو آپ کے نیوز چینل پر فون کیا تھا' تو پتہ چلا کہ آپ گھر جا چکی ہیں' آپ سے ضروری بات کرنی تھی۔ بات کیسے بنا کوئی چارہ ہی نہیں تھا' اس لیے میں نے آپ کے نیوز چینل سے آپ کا نمبر لے لیا۔" اس نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"ابھی ہم آ تو رہے تھے پھر کیا ضروری بات کرنی ہے کہ آپ کو فون کرنا پڑا۔" میں نے حسب عادت سخت لہجے میں کہا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ میں تو اس فلیٹ پر پہنچ چکا ہوں اور آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ لیکن ابھی ابھی میرے ایک ساتھی کا میرے پاس فون آیا ہے کہ میرا "باس" جو گیا ہوا تھا' ابھی آنے والا ہے اس لیے مجھے فوراً واپس جانا ہو گا' آپ سے میں دوبارہ رابطہ کروں گا' بس ایک بات کی گزارش ہے کہ پلیز آپ میرے بارے میں کوئی غلط بات مت سوچیے گا' میں بہت مجبور ہوں۔ میرے

پیر ایک شکنجے میں کچھ اس طرح سے جکڑے ہوئے ہیں کہ ان سے نکلنے کے لیے مجھے آپ کی مدد کی ضرورت پڑے گی' اب دیکھیے ہماری ملاقات کب ہوتی ہے اور جب ہوگی وہ یقینا بہتر وقت ہی ہوگا' بہت معذرت کے بعد اللہ حافظ...!" اور اس نے فون بند کردیا۔

"کیا کہہ رہاتھا؟" حشام نے فون بند ہونے کے بعد مجھ سے پوچھا تو میں نے اپنے اور شمروز کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو اسے سنادی۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ آخراس کے کس قسم کے لوگوں کے ساتھ تعلقات ہیں یا پھر یہ کسی سیاسی گروہ کے لیے کام کررہا ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ تو طے ہے کہ وہ کسی سیاسی جماعت سے ضرور وابستہ ہے کیونکہ اس نے کہا تھا کہ میرے باس نے بھی اپنے مکروہ اور سیاہ چہرے پر سفید اور پاکیزگی کانقاب چڑھا رکھا ہے' تو ایسے تو بہت سے چہرے ہماری سیاسی جماعتوں میں شامل ہیں' بظاہر وہ عوام کے بڑے خیر خواہ اور غریبوں کا درد اپنے سینے میں رکھتے ہیں لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے' بہت سے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

لوگ جانتے ہیں لیکن کہے کون ...جو بھی آواز اٹھائے گا' مارا جائے گا۔" حشام نے کہا پھر بولا۔

"میرا خیال ہے' کہ اب مجھے چلنا چاہیے بقول تمہارے ممی کھانے پر میرا انتظار کررہی ہوں گی۔تم نے اپنی پردے دار آنٹی سے تو ملوایا ہی نہیں۔" حشام نے بات ختم کرکے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اب جب کہ ہم شمروز سے ملنے کے لیے نہیں جارہے تو پھر تم کھانا کھا کے ہی جانا' میں خود ابھی آنٹی کوفون کرکے کہہ دیتی ہوں اور یہ بھی بتادوں گی کہ ہمارا جانے کا پروگرام کینسل ہوگیا ہے اور حشام میرے گھر سے ہی گھر واپس جائے گااور رہی بات آنٹی کی تو انہیں میں ابھی بلا کر لاتی ہوں۔اتنے تم بیٹھ کر بابا کا دل بہلاؤ۔" میں نے حشام سے کہا۔

"جو حکم سرکار کا بھلا ہماری مجال جوہم آپ کی مرضی کے خلاف کچھ کریں۔" حشام نے سینے پرہاتھ رکھ کر سر کو خم دیتے ہوئے کہا اور باباکے پاس بیٹھ گیا' اور میں موبائل سے حشام کے گھر کانمبر ملاتے ہوئے آنٹی کو بلانے کے لیے چل دی' مجھے اماں کو بھی بتانا تھا کہ حشام گھر پرہی کھانا کھائے گا۔

حشام کے گھر فون کرکے اور اماں کو حشام کے کھانے کا بتا کر میں نے آنٹی کے کمرے کا رخ کیا۔وہ بیڈ پر دونوں پاؤں اوپر کرکے اپنے بازو گھٹنو کے گرد لپیٹے بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم بیٹھی تھیں۔

"آنٹی!" میرے روم میں جانے سے بھی ان کی محویت نہیں ٹوٹی تو میں نے قریب جاکر انہیں پکارا تو وہ بری طرح چونک پڑیں اور وحشت زدہ لہجے میں بولیں۔

"کیا تم مجھے ابھی اپنے ساتھ شمروز کے گھر لے جارہی ہو۔"

"نہیں تو... آپ سے کس نے کہا۔"میں نے ان کے قریب بیٹھ کر حیرانی سے پوچھا۔

"ایک بات کہوں بیٹا!" انہوں نے میرا ہاتھ تھام کر لجاجت بھرے لہجے میں کہا۔

"کہیے...!" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"مم... میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ تمہارے کسی معاملے میں نہیں بولوں گی، تمہارا جب دل چاہے سونا، جب دل چاہے اٹھنا، جب آنا، جب جانا... میں کچھ بھی نہیں بولوں گی، کیا..."انہوں نے بہت پرامید نگاہوں سے میری جانب دیکھااور چند لمحوں کے توقف کے بعد بولیں۔

"کیاایسا نہیں ہوسکتا کہ تم مجھے یہاں سے شمروز کے پاس نہ لے جاؤ، یہیں اپنے گھر کے کسی کونے میں پڑا رہنے دو... میں تمہارے گھر کے کام کردیا کروں گی، تم یہ سمجھ لینا کہ تم نے ایک بے سہارا عورت کو گھر میں ملازمہ رکھ لیا ہے۔"

"ایسی باتیں کیوں کررہی ہیں آنٹی... آپ تو میری ماں کی طرح ہیں۔میں بھلا آپ کو ملازمہ کیوں سمجھوں گی۔آپ اگر یہاں رہنا چاہتی ہیں تو خوشی سے رہیں لیکن ایک بات مجھے بتائیں کہ آپ شمروز کے پاس کیوں نہیں جانا چاہتیں، کیا آپ کو اس سے کسی قسم کا خطرہ ہے؟"

"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" انہوں نے تیزی سے کہا... پہلے میں یہی چاہتی تھی کہ اس کے ساتھ رہوں لیکن اب نہیں ...!"

"وہی تو میں پوچھنا چاہ رہی ہوں کہ اب کیوں نہیں...؟" میں نے جرح کے انداز میں کہا۔

"اس لیے کہ مجھے تمہارے ساتھ رہنا اچھا لگ رہا ہے۔ تمہارے اس گھر میں آکر مجھے جو سکون ملا ہے میں اسے لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی... ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے برسوں سے جس سکون کے لیے میں تڑپ رہی تھی وہ سکون مجھے اس گھر میں میسر آگیا ہے۔"

"اچھا چلیے کوئی بات نہیں' آپ کو یہاں رہنا اچھا لگتا ہے تو رہیں... لیکن آپ میرے ساتھ آئیے' میرے ایک دوست ہیں حشام وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ آئیں کیوں نہیں' وہ تو بہت دیر سے آئے بیٹھے ہیں۔" میں نے ان کا ہاتھ تھام کر کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

"میں تو اس لیے نہیں آئی بیٹا کہ کہیں تم برا نہ مانو... وہ تمہارے مہمان ہیں ناں!" آنٹی نے کہا۔

"ارے وہ کوئی مہمان نہیں ہے 'دوست ہے میرا... میرا اس دنیا میں ایک ہی تو دوست ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"صرف دوست ہی ہے ناں...!" انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"جی!" میں نے ان کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے بھی انجان بنتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں!" انہوں نے اس طرح جلدی سے کہا کہ کہیں میں برا نہ مان جاؤں... اور مجھے ایک دم ہی اس بات کا احساس ہوا کہ کیا میرا رویہ ہر ایک کے ساتھ اتنا جارحانہ ہوتا ہے کہ لوگ بات کرکے گھبرا جاتے ہیں کہ پتا نہیں ان کی بات کے جواب میں میرا ری ایکشن کیا ہوگا؟

اور میں نے سوچا کہ تنہائی میں بیٹھ کر اپنی اس خامی کے بارے میں ضرور سوچوں گی۔

آنٹی میرے پیچھے پیچھے بابا کے کمرے میں چلی آئیں' جہاں حشام بیٹھا بابا کو نہ جانے کون کون سی کہانیاں سنا کر ان کو ہنسا رہا تھا' جیسے ہی میں کمرے میں داخل ہوئی تو حشام کی توجہ میری جانب ہوگئی۔ میں نے پیچھے کھڑی آنٹی کا ہاتھ پکڑ کر سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"ان سے ملو حشام' یہ وہی والی آنٹی ہیں جو مجھے اچانک ہی راستے میں مل گئی تھیں لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ یہ یہاں آئیں تو چند دنوں کے لیے تھیں

لیکن اب ان کا دل یہاں اس طرح لگ گیا ہے کہ یہ یہاں سے جانا ہی نہیں چاہتیں۔" میں نے آنٹی کی جانب دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔اور جب میں نے حشام کی جانب دیکھا تو مجھے بڑا عجیب سا محسوس ہوا۔وہ آنکھیں پھاڑے آنٹی کو دیکھ رہا تھا۔کبھی وہ میری جانب دیکھتا اور کبھی آنٹی کی جانب... اسے اس طرح دیکھتے ہوئے پاکر میں بھی حیران ہوئی اور کہا۔

"کیا ہوا ہے؟ تم آنٹی کو اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو۔ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے تم انہیں جانتے ہو اور یوں اچانک اپنے سامنے دیکھ کر حیران ہوگئے ہو' بات کیا ہے آخر...؟" میں نے کہا۔

"ہاں حیران تو میں ہو رہا ہوں...!" اس نے بغور آنٹی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کس بات پر...؟" میں نے جرح کے انداز میں کہا۔

"مجھے حیرت ہے کہ تمہیں...خیر چھوڑو... اچھا ہے اب آنٹی کو تم اپنے پاس ہی رکھو' لگتا ہے ان کا تمہارے ساتھ دل لگ گیا ہے۔" اس نے بس اچانک ہی وہ بات ختم کردی اور نارمل لہجے میں بولااور مجھے حشام کی اس بات سے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

چڑ تھی کہ وہ بات کو بیچ میں سے ادھورا چھوڑ کر اصل بات سرے سے ہی گول کرجاتا تھا۔

حشام مجھے نظرانداز کرکے آنٹی سے بات کرنے لگا' انہوں نے پسندیدگی کی نگاہ سے حشام کو دیکھااور پھر اس سے اس کے گھر اور والدین کے بارے میں پوچھنے لگیں۔

اتنے میں اماں نے آکر کہا کہ کھانا لگ گیا ہے تم لوگ ٹیبل پر آجاؤ' میں اور حشام ٹیبل پر آگئے' آنٹی کو بھی ہم نے ساتھ ہی بٹھا لیا' اماں نے بابا کے لیے پرہیزی کھانا بنایا تھا وہ ان کااوراپنا کھانا لے کر کمرے میں چلی گئیں۔

کھانے کے دوران ہم آنٹی سے بھی بات کرتے رہے' کبھی کبھی میں اور حشام سیاسی حالات پر گفتگو کرتے تووہ ہماری گفتگو میں حصہ لے لیتیں' دوران گفتگو وہ کبھی کبھی انگریزی میں بھی بات کرنے لگتیں۔تب مجھے احساس ہوا کہ آنٹی کوئی عام عورت نہیں ہیں وہ پڑھی لکھی بھی ہیں اور سیاست اور سیاستدانوں کو بھی سمجھتی ہیں۔

"لگتا ہے آنٹی کا بڑا گہرا تعلق رہا ہے سیاست سے اور سیاست دانوں سے..." حشام نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ارے نہیں وہ تو بس یونہی..." آنٹی نے کسرنفسی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"آنٹی آپ کی تعلیم کتنی ہے؟" میں نے اچانک ہی سوال کردیا۔

"میں نے ماسٹرز کیا تھا...!" انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"ارے واہ! یہ تو مجھے معلوم ہی نہیں تھا۔" میں نے خوش ہو کر کہا اور حقیقت میں مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی تھی۔

"آنٹی آپ نے اپنے بارے میں ہمیں کچھ بتایا نہیں کہ آپ کے ساتھ مسئلہ کیا ہوا تھا اور آپ شمروز کے ساتھ کیوں اپنے گھر سے جان بچا کر نکلیں۔" حشام نے کھانا ختم کرکے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹا یہ بہت لمبی کہانی ہے، پھر کبھی سناؤں گی،شمروز سے بس اچانک ہی ملاقات ہوگئی تھی اور پھر دوران گفتگو ہمیں ایک دوسرے کے حالات پتا چلے اور یہ بھی پتا چلا کہ میرا اور حشام کا دشمن ایک ہی شخص ہے۔کچھ لوگوں کو میرے بارے میں پتا چل گیا تھا یعنی انہیں میرا سراغ مل گیا تھا۔وہ مجھے

یقینا مار دینا چاہتے تھے، اس لیے میں اچانک ہی شمروز کے ساتھ وہاں سے نکل آئی۔شمروز کیونکہ اسی شخص کے ساتھ رہتا ہے، اس لیے وہ مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے شمروز اور سرمئی بیٹی کی گاڑیوں کا ٹکراؤ کروا کر مجھے اس کے پاس بھیج دیا۔" آنٹی نے کہا۔

"میں اس شخص کا نام جاننا چاہ رہا ہوں کہ جو بقول آپ کے کہ آپ کا اور شمروز کا مشترکہ دشمن ہے۔" حشام نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔

حشام کا سوال سن کر آنٹی بری طرح گھبرا گئیں اور بولیں۔"نہیں نہیں میں اس ظالم کا نام بھی اپنی زبان پر لانا نہیں چاہتی۔مجھے کوئی انصاف نہیں چاہیے۔کسی سے انصاف نہیں چاہیے۔میں اپنی لائف میں مطمئن ہوں... اور یہاں آکر تو میں بہت ہی پرسکون ہوگئی ہوں۔"

"آپ ہمیں اس شخص کا نام نہیں بتانا چاہتیں لیکن شمروز تو آج ہم سے مل کر ساری کہانی سنانے والا تھا وہ تو بس اچانک ہی کسی وجہ سے ہماری اور اس کی آج کی یہ ملاقات کینسل ہوگئی، ورنہ اب تک تو ہمیں سب کچھ پتا چل چکا ہوتا۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اگر وہ شخص اتنا برا ہے تو آپ اسے سامنے کیوں نہیں لانا چاہتیں۔" میں نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ شمروز سے بھی تم لوگوں کو نہیں ملنا چاہیے' میں نہیں چاہتی کہ تم لوگ کسی طرح بھی میرے معاملے میں انوالو ہوجاؤ' جن بری باتوں پرپردہ پڑا ہے پڑا رہنے دو... راکھ میں دبی چنگاریاں کریدنے سے شعلوں کے دوبارہ بھڑک اٹھنے کا اندیشہ رہتا ہے...!" آنٹی نے کہا۔

"لیکن آنٹی...!" میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ انہوں نے میری بات کاٹ دی اور بولیں۔

"دیکھو میں تم دونوں کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں' پلیز پلیز... تم ان سب باتوں کو بھول جاؤ... میں نے تم سے کہا تھاناں سرمئی بیٹی کہ مجھے ایک بے سہارا عورت سمجھ کر اپنے گھر میں پناہ دے دو... پتا نہیں میری زندگی کے کتنے دن باقی رہ گئے ہیں' اچھا ہے وہ دن سکون سے گزر جائیں گے۔"

انہوں نے اپنے ہاتھوں کو جوڑ کر بھرائے ہوئے لہجے میں کہا' اتنے میں اماں یہ پوچھنے کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے کمرے میں آئیں اورانہوں نے

آنٹی کے جڑے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ التجائیہ جملے سنے تو ٹھٹک گئیں اور بولیں۔

"کیابات ہے... کیا ہوا ہے...؟"

"انہیں سمجھائیں حمیدہ باجی' یہ بچے ہیں نادان ہیں معاملے کی نزاکت کو نہیں سمجھ رہے ہیں اورمجھ سے ضد کررہے ہیں کہ میں انہیں اپنی کہانی سناؤں اور اس شخص کے بارے میں بتاؤں... کیا فائدہ اب ان سب باتوں کا... جب میں ہی ایسا کچھ نہیں چاہتی۔" آنٹی نے اپنے چھلک جانے والے آنسوؤں کو تیزی سے صاف کرکے اماں سے کہا۔

میں اور حسام تو سن بیٹھے ہی تھے اماں بھی عجیب سی ہوگئیں اور بولیں۔

"چھوڑو بیٹا... انہیں ان کے حال میں جینے دو... آئیں بہن آپ اپنے کمرے میں چلیں۔"

اور پھر اماں اور آنٹی کے جانے کے بعد کتنے لمحے تو چپ چاپ سرک گئے' ماحول پربڑی گمبھیر خاموشی اور سنجیدگی چھائی ہوئی تھی' نہ جانے کیوں آنٹی کی بات سن کر میرے دل پر منوں بوجھ آن پڑا... میرا دل بھی بھربھر

کر آرہا تھا‘ جی چاہ رہا تھا کہ کسی تنہا گوشے میں جا کر ڈھیر سارے آنسو بہاؤں... تاکہ دل کا غبار ڈھل جائے... آنٹی کے لیے میرا دل بہت ہی دکھی ہو رہا تھا۔

”میرا خیال ہے آنٹی بہت زیادہ ڈری ہوئی ہیں۔ سرمئی یہ ایک مظلوم خاتون ہیں۔ تمہیں ان کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے‘ بلکہ ایسے جیسے اپنی ماں کا...!“ حشام نے اس گمبھیر خاموشی کو توڑتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔

”ہاں!“ میں نے خواب کی سی کیفیت میں کہا۔

”چلو اٹھو اب زیادہ اس بارے میں مت سوچو... ان کے اتنے زیادہ ڈرنے کی کوئی نہ کوئی ٹھوس وجہ ضرور ہوگی۔“ حشام نے مجھے اس جذباتی کیفیت سے باہر نکالا۔

کچھ دیر مزید بیٹھنے کے بعد حشام اپنے گھر چلا گیا‘ جاتے ہوئے بھی اسے میری بے حد فکر ہو رہی تھی... وہ مجھے بار بار ریلیکس ہونے کے لیے کہہ رہا تھا... پھر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ مجھ سے کوئی بات کہنا چاہ رہا ہو... مگر بار بار رک جاتا‘ اسی بات کو محسوس کر کے میں نے کہا۔

”حشام تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہو‘ کوئی ایسی بات کہ اسے کہتے ہوئے تمہاری زبان جھجک رہی ہے۔“

”ن... نہیں... تو ...ایسی کوئی بات...“ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”نہیں فی الحال نہیں۔ اگر دماغ میں آگئی تو پھر کبھی اس موضوع پر بات کروں گا۔“ اس نے کہا۔

”آنٹی کے بارے میں کوئی بات...!“ میں نے کھوجتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”ہاں ایسا ہی سمجھ لو...“ اس نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا اور میں اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

میں دروازہ بند کر کے پلٹی اور دل چاہا کہ آنٹی کے پاس جاؤں اور ان کے گلے لگ کر ڈھیر سارے آنسو بہاؤں... اور میں اپنی اس شدید خواہش کو روک نہ سکی... اور آنٹی کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

میں نے دروازہ کھولنے کے لیے ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ اندر سے آنے والی آوازوں کو سن کر رک گئی۔ اماں اور آنٹی آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ حالانکہ اس طرح چھپ کر کسی کی باتیں سننا اخلاقی گراوٹ کی نشانی ہے‘ لیکن

یہاں معاملہ دوسرا تھا۔ آنٹی اپنے کسی راز سے پردہ اٹھانے کے لیے تیار ہی نہیں تھیں تو میں مجبور ہوگئی کہ چھپ کر ان کی باتیں سنوں کہ وہ دونوں کیاباتیں کررہی ہیں۔ مجھے اماں کی آواز سنائی دی اور میں سرتاپا سماعت بن گئی۔

”روشن بیگم آپ نے سرمئی کو اس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا... میں جانتی ہوں کہ آپ یہاں رہ کر کتنی اذیت برداشت کررہی ہیں... سرمئی سے اتنا پیار کرتی ہیں، کیوں نہیں اسے اپنے سینے سے لگا کر بتا دیتیں کہ ...!“

یہاں ایک دم ہی اماں کی آواز بند ہوگئی...شاید آنٹی نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔وہ بولیں۔

”نہیں نہیں میں اسے کچھ نہیں بتاسکتی... وہ معصوم ہے بچی ہے، کہیں اسے کوئی نقصان نہ اٹھاناپڑجائے... میں جانتی ہوں کہ آپ اور شمسو بابا نے اسے کس طرح اپنے بچوں کی طرح پالا ہے اور اس سے کتنی محبت کرتے ہیں...“آنٹی نے کہا۔

”لیکن میرا خیال ہے کہ آپ غلط کررہی ہیں۔“ اماں نے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”نہیں نہیں آپ اس راز پر پردہ پڑا رہنے دیں تو بہتر ہے، اور میری دلی خواہش ہے کہ یہ لوگ شمروز سے کبھی نہ ملیں، کیونکہ میں اسے اپنے بارے میں ہربات بتاچکی ہوں۔اس بدبخت نے اس بچارے کے بھی پورے گھرانے کو تباہ وبرباد کردیا ہے اور ستم تو دیکھیں کہ وہ الٹا اس کا احسان مند ہو کر اس کی چاکری کررہا ہے...“ آنٹی نے کہا۔

اب میرا دل قابو سے باہر ہونے لگا، دماغ کی رگیں یہ سوچ کر پھٹنے لگیں کہ آخر صرف مجھ سے اتناسب چھپانے کی کیا وجہ ہے ... آخر وہ کون ہے...؟ میں کیا کروں کس سے اس بات کا پتا لگاؤں... مجھے اماں کا خیال آیا... کہ یقینا اماں اس آدمی کو جانتی ہوں گی۔میں ان سے پوچھ لوں گی۔

لیکن اماں مجھے کیوں بتائیں گی...آنٹی نے انہیں جو سختی سے منع کررکھا ہے... لے دے کر ایک شمروز کا نام رہ گیا تھا کہ وہی ہے جو ان رازوں سے پردہ اٹھا سکتا ہے، میں اس سے ضرور ملوں گی، بھلے اماں اور آنٹی کو اس بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی پھر میں نے فیصلہ کرلیا...اور وہاں سے ہٹ کر اپنے کمرے میں آگئی۔میں نے امی کابند کمرہ کھولااور چپکے سے اندر داخل ہو

کر دروازہ بند کرلیا' اندر آکر میں جی بھر کر روئی... پھر مجھے امی کی خوشبو آنے لگی... مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے امی نے میرا سر اپنے سینے سے لگا رکھا ہو' میں روتی رہی اور پھر میری آنکھ لگ گئی۔

تھوری دیر بعد خود ہی میری آنکھ کھل گئی۔شاید دس پندرہ منٹ میری آنکھ لگی ہوگی میں اٹھ کر بیٹھ گئی' ایک بار پھر امی کی الماری کھولی اور وہ ساری چیزیں دراز سے نکال کر دیکھیں جو امی نے میرے باپ کی نشانیاں سمجھ کر سنبھال کر رکھی تھیں۔میں نے ایک بار پھر اپنے تصورمیں نواب سطوت کے گلے کے تعویز اور اسٹک کو تازہ کیااور اپنے پاس موجود چیزوں کو غور سے دیکھا' حقیقت میں ان میں ذرا بھی فرق نہیں تھا۔پھرمیں نے امی کی ڈائری کو ایک بار پھر غور سے پڑھا... لیکن کوئی نئی بات نہیں محسوس ہوئی۔پھر میں سب کچھ دوبارہ سے اسی طرح سمیٹ کر اسی خاموشی سے کمرے سے نکل آئی' میں نے بابا کے کمرے میں جھانک کر دیکھا...بابا سو رہے تھے اور اماں نماز عشاء پڑھ رہی تھیں۔آنٹی کے کمرے کا دروازہ بند تھا ...اماں یہ سمجھ رہی ہوں گی کہ میں اپنے کمرے میں سوچکی ہوں۔میں چپ چاپ اپنے کمرے

میں آگئی۔اماں کو نماز پڑھتے دیکھاتو یاد آیا کہ مجھے بھی نماز پڑھنی ہے' میں نے وضو کیااور اپنے وجود اور دل کی تمام تر گہرائیوں کے ساتھ اللہ کے آگے سر بسجود ہوگئی۔نماز سے فارغ ہو کر خوب گڑگڑا کر اپنے لیے اللہ سے دعا کی... جب سے آنٹی سے بات ہوئی تھی' دل کو عجیب سی بے چینی اور بے قراری نے آن گھیرا تھا۔اور اس بے چینی اور بے قراری کا کوئی سبب بھی سمجھ میں نہیں آرہاتھا...میں نے اللہ سے اپنے سکون قلب اور آنٹی کے لیے ڈھیر ساری دعا کی... دعا سے فارغ ہوئی تو دل کو ایک طمانیت کااحساس ہوا اورمیں مطمئن ہو کر گہری نیند سوگئی' آج رات پھر ایک بار میں نے اللہ کے مضبوط دامن کو تھام لیا تھا۔

دوسرے دن علی الصبح بیدار ہوگئی' رات اچھی اور گہری نیند آئی تھی'فجر کی نماز سے فارغ ہو کر دل چاہا کہ تلاوت قرآن پاک کروں... مجھے یاد ہے امی نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ جب تمہارا اللہ سے بات کرنے کا دل چاہے تو تم نماز پڑھنے کھڑی ہوجایا کرو اور جب تم یہ چاہو کہ اللہ تم سے بات کرے تو تم القرآن کو کھول کر تلاوت کیا کرو... اور جو تلاوت کرو ان آیات کے معنی

اور مطالب پر غوروفکر کیا کرو... جب بھی کوئی پریشانی ہو تو اپنے اللہ سے رجوع کرو... قرآن سے رجوع کرو' اس سے راہ نمائی مانگو... وہ ضرور خیر کی جانب تمہاری راہنمائی کرے گا۔

میں امی کے بارے میں سوچنے لگی کہ امی کا ماضی کتنا سیاہ تھا لیکن جب انہوں نے توبہ کی اور اللہ کی جانب پلٹیں تو پوری کی پوری اسلام میں داخل ہو گئیں... میں نے ان کا زیادہ تر وقت نماز اور قرآن میں گزرتا ہوا دیکھا تھا۔

تلاوت قرآن کررہی تھی کہ اماں میرے لیے چائے لے کر آگئیں' چائے پی کر میں نے ٹی وی آن کرلیا' اپنا نیوز چینل دیکھنے لگی... ایک سیاسی جماعت کے کچھ کارکنوں نے بھوک ہڑتال کا کیمپ لگایا ہوا تھا... میں ٹی وی پر خبریں دیکھنے لگی' تب ہی رمضانی صاحب کی کال آگئی۔انہوں نے مجھے بتایا کہ آپ آج جلدی چینل پر آجائیں... ایک معروف سیاسی جماعت کے بھوک ہڑتالی کیمپ کی کوریج کے لیے جانا ہے۔میں نے جواب دیا کہ بس آدھے گھنٹے میں نکل رہی ہوں تو انہوں نے اپنے پرانے سڑے ہوئے انداز میں

کہا۔"آپ خواتین کے پندرہ منٹ ہی دو گھنٹوں پر محیط ہوتے ہیں' اب آپ آدھا گھنٹا کہہ رہی ہیں تو پتا نہیں کب پہنچیں گی۔"

"نہیں جناب میرے دروازے پر ایک طیارہ کھڑا ہے بس اسی پر پرواز کرکے دو منٹ میں پہنچ رہی ہوں۔" اپنی بات کہہ کر میں نے فون بند کردیا' فوراً ہی دوبارہ فون کی بیل بجی میں پوری جان سے ہی جل گئی کہ موصوف میرے جواب سے تلملا گئے ہوں گے اسی لیے دوبارہ فون کردیا ہے لیکن اسکرین پر مجھے حشام کا نمبر دکھائی دیا تو میں نے سکون کا گہرا سانس لیا اور چھوٹتے ہی کہا۔

"مجھے معلوم ہے بھوک ہڑتالیوں کی کوریج کے لیے جانا ہے' بس ابھی تھوڑی دیر میں پہنچ رہی ہوں۔"

"اللہ خیر کرے... کیا رمضانی صاحب کا فون آگیا۔"

"جی ہاں..." میں نے جلے بھنے لہجے میں کہا۔

"اوکے... تم پہنچو میں بھی بس نکل ہی رہا ہوں۔" حشام نے مزید کوئی بات نہیں کی اور فون بند کردیا۔

میں نے اماں کو ناشتے کی آواز لگائی اتنی دیر میں ڈریس اپ ہو کر اور جلدی جلدی بالوں میں برش پھیر کر کلپ لگا لیا' اور اپنے طیارے یعنی سوزوکی مہران کو اڑاتی ہوئی چینل پر پہنچ گئی۔

وہاں سے حسام اور اپنی کیمرہ ٹیم کے ہمراہ ہم بھوک ہڑتالی کیمپ تک پہنچ گئے۔اس سلسلے میں کئی روز تک ہمارا آنا جانا رہا... اس کے علاوہ کوئی دوسرا کام ہی نہیں کیا۔

بھوک ہڑتالی کیمپ سے سیاسی جماعت کے پچاس سے زیادہ کارکن گرفتار کرلیے گئے تھے۔میں نے کوشش کی کہ میڈیا کے ذریعے جس حد تک بھی ممکن ہو لوگوں کو اس مسئلے کی جانب متوجہ کریں اور بالکل صحیح صورت حال سامنے لے کر آئیں ،ہم نے اس بات کا بھی خیال رکھا کہ (یہ رمضانی صاحب کا حکم تھا) کہ فی الحال صرف بھوک ہڑتالیوں کاموقف بیان کیا جائے اور حکومت کے خلاف کوئی بات نہ کی جائے۔

بھوک ہڑتال کے کیمپ ایک نہیں مختلف جگہوں پر قائم کیے گئے تھے' سارے دن ہماری بھاگ دوڑ ایک کیمپ سے دوسرے کیمپ جاری رہتی اس

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

سلسلے میں کافی ساری تھکن بھی ہوگئی۔ان دنوں گرمی بھی کچھ زیادہ ہی پڑرہی تھی۔

پھرپتا چلا کہ ان بھوک ہڑتالیوں نے اپنا کیمپ ایک مشہور مسجد میں لگالیا ہے۔ہم نے اس بات کا خیال رکھا کہ کہیں ان بھوک ہڑتالیوں کو گرفتار کرنے کے لیے پولیس والے مسجد میں جوتوں سمیت نہ گھس جائیں' لیکن ہمارے بہت روکنے پر بھی پولیس نے کچھ خیال نہیں کیااور مسجد میں جوتوں سمیت گھس کر جتنے لوگوں کو گرفتار کرسکتے تھے گرفتار کرلیا۔

کچھ کارکنان گرفتاری سے بچنے کے لیے نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہوگئے اور پولیس والے بھی ان کی چالاکیوں کو سمجھ رہے تھے' وہ بھی ان کارکنوں کے نماز سے فارغ ہونے کاانتظار کرنے لگے' بعض پولیس والے سمجھ رہے تھے کہ وہ کارکن گرفتاری سے بچنے کے لیے ایسا کررہے ہیں' تو میں نے کیمرے کے ذریعے انہیں خبردار کیا کہ آپ نماز میں مصروف لوگوں کو گرفتار نہیں کرسکتے...

”بی بی آپ ان جھوٹے لوگوں کا ساتھ دے رہی ہیں ہمیں اوپر سے آرڈر ملا ہے کہ انہیں ہر حال میں گرفتار کرنا ہے‘ حکومت ان کے بے جا مطالبات ماننے کے لیے ان کی بھوک ہڑتال کے آگے بلیک میل نہیں ہوگی۔“

”میں کسی سیاسی جماعت کا ساتھ نہیں دے رہی ہوں۔ میں صرف اس اصولی بات کا ساتھ دینے کی کوشش کررہی ہوں‘ کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ ان لوگوں کے مطالبات ناجائز نہیں ہیں۔“

یہ ساری کوریج لائیو دکھائی جارہی تھی۔ مسجد میں ‘ میں اپنی کیمرہ ٹیم کے ہمراہ موجود تھی۔ پولیس والے نماز میں مصروف لوگوں کو پکڑ پکڑ کر کھینچنے لگے‘ میں نے آگے بڑھ کر اس بات پراحتجاج کیا تو بعض پولیس والوں نے میرے ساتھ بدتمیزی کی‘مجھے دھکا دیا گیا‘ میرے ہاتھ سے مائک گر پڑااور میں خود بھی نیچے گر گئی۔ بعض پولیس والوں نے کیمرہ مین صابر سے کیمرہ چھین لیا‘ عجیب افراتفری مچ گئی۔ مسجد میں لوگوں کاایک ہجوم امڈ آیا تھا‘ ان کارکنوں کے ساتھ ساتھ پولیس نے کچھ غیر متعلق لوگ جو مسجد میں صرف نماز پڑھنے

کے لیے آئے تھے‘ انہیں بھی گرفتار کرلیا اور سب کو اپنی موبائل میں ڈال کر تھانے لے گئے۔

اس کے بعد دوسری ہی کہانی شروع ہوگئی۔ بھوک ہڑتالی کیمپ تو ختم ہوگئے‘ اب ان ناجائز گرفتاریوں کے خلاف احتجاج اور لانگ مارچ شروع ہوگئے۔ ہڑتالیں ہونے لگیں‘ جو لوگ گرفتار ہوئے تھے ان کے گھر والے سرتاپااحتجاج بنے تھے۔ مظاہرے جاری تھے۔ تقریباً ایک ہفتے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ میں تھکی ہاری رات کو گھر پہنچتی اور کھانا کھا کر سو جاتی اور بس چلتے پھرتے ہی سب کی خیریت پوچھ لیتی۔ البتہ بابا کی صحت بہت بہتر ہوگئی تھی اور وہ بستر سے اٹھ کر چلنے پھرنے لگے تھے‘ سارا سارا دن نیوز چینل لگائے ٹی وی دیکھتے رہتے تھے۔

پولیس نے جو میرے ساتھ بدسلوکی کی تھی اور ہمارے کیمرہ مین سے کیمرہ چھین کر اس کی پٹائی بھی لگائی تھی‘ اس کے خلاف بھی میڈیا نے احتجاج کیا...اور ساری صحافی برادری ہمارا ساتھ دینے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی اور

یہاں ہمارا ساتھ اس سیاسی جماعت نے بھی دیا‘ جن کے کارکنان بھوک ہڑتال کررہے تھے۔

اس بات کانوٹس لیتے ہوئے آئی جی نے ان تمام پولیس والوں کو معطل کرنے کا حکم دے دیا‘ جنھوں نے مسجد کا تقدس پامال کیاتھا‘ انہوں نے میڈیا سے پولیس کی اس بدسلوکی پرمعذرت بھی کی۔

ہم اپنے چینل پر ہی تھے کہ اطلاع ملی کہ اس سیاسی جماعت کے قائدین... مجھ سے ملنے کے لیے آئے ہیں۔

رمضانی صاحب یہ سن کر چوڑے ہوگئے... اور انہوں نے مجھے اپنے کمرے میں بلایااور ان سیاسی لیڈروں سے ملوایا... انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ آپ نے بہت بہتر اور مثبت طریقے سے ہماری جماعت کاپیغام عام لوگوں تک پہنچایااور پھر حکومت نے بھی اس بات کا نوٹس لیا‘ ہمارے کافی سارے مطالبات کی منظوری دے دی ہے‘ آپ نے خود ذاتی طور پر اتنی زیادہ تکلیف اٹھائی اس کے لیے ہم آپ کے چینل کے بہت شکرگزار ہیں اور خاص طور پر سرمئی بی بی‘ آپ کے...“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

انہوں نے ہمیں اس بات کی دعوت بھی دی کہ ہم نے جو جنگ حکومت سے جیتی ہے اس کی خوشی میں ہمارے کارکنان اور ہم نے دعوت کاانتظام کیا ہے اور ہم خاص طور پرآپ لوگوں کو مدعو کرنے آئے ہیں۔میں اورمیری ٹیم کے علاوہ رمضانی صاحب کو بھی مدعو کیا تھا لیکن رمضانی صاحب نے تو فوری طور پر معذرت کرلی کہ وہ اس دعوت میں نہیں آسکیں گے‘ البتہ یہ لوگ سامنے موجود ہیں ان سے آپ معلوم کرلیں یہ اپنی مرضی کے مالک ہیں۔

”ایک بات کاخیال رہے کہ ہماری یہ دعوت خالص نجی قسم کی ہے‘ اس لیے اس میں میڈیا کے لوگ شامل تو ہوں گے لیکن مائک اور کیمرے کے بغیر... ہاں البتہ اس دعوت کی خبر آپ زبانی طور پر اپنے چینل سے نشر ضرور کرسکتے ہیں۔“ ان کے ایک لیڈر نے کہا۔

”جناب ہم بغیر مائک اور کیمرے کے کہیں بھی نہیں جاتے... مائک اور کیمرے کے بنا ہم ادھورے ہیں۔آپ نے ابھی تو بتایا ہے کہ یہ خالص نجی قسم کی محفل ہے تو ہماری جانب سے بھی معذرت قبول کیجیے۔“ میں نے مصلحت کے تقاضوں کوملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بڑی خوش دلی سے انکار کردیا۔

"نہیں محترمہ ہم آپ کو اس سے معذرت نہیں کرنے دیں گے... آپ کو تو آنا ہی پڑے گا... اسے آپ ہمارے بانی جماعت شہزاد فاضل صاحب کی گزارش سمجھ لیں۔" انہوں نے کہا تو میں نے بے چارگی سے رمضانی صاحب کی جانب دیکھا تو انہوں نے بے پروائی سے کندھے اچکا دیئے۔اس کا مطلب یہ تھا کہ "تم ہی جانو" مجھے اس وقت ایک بار پھر رمضانی صاحب پر بڑا تاؤ آیا' لیکن میں کیا کر سکتی تھی' اس لیے زبردستی کی مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجاتے ہوئے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے' آپ اتنی ضد کر رہے ہیں تو میں اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت نکالنے کی کوشش کروں گی۔"

"یہ کی ناں آپ نے دل خوش کرنے والی بات... اب دیکھیے ناں ہم لوگ بھی تو میڈیا کے تعاون کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتے... آپ بالکل بے فکر ہو کر آئیں' آپ کے عزت واحترام میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی... بلکہ ہمیں تو آپ جیسی نڈر بے باک اور بے لوث جرنلسٹ پر فخر ہے..." اس نے خوش ہو کر کہا۔

بعد میں' میں اس بات پر رمضانی صاحب سے باقاعدہ لڑ پڑی کہ انہوں نے خود تو معذرت کر لی اور میرے لیے ایک لفظ بھی نہیں کہا... کوئی بھی ضروری کام نکال کر کہہ دیتے کہ میں اس وقت وہاں مصروف ہوں گی' آنہیں سکتی۔"

"بھئی میرے خیال میں کوئی حرج بھی نہیں ہے وہاں جانے میں... تم انکار کیوں کر رہی ہو... اور پھر تم اکیلی تھوڑی جا رہی ہو... تمہارے ساتھ حشام اور دوسرے لوگ بھی تو موجود ہوں گے...بھئی ہمارا او ران کا چولی دامن کا ساتھ ہے' یہ ہمارے بنا اور ہم ان کے بنا ادھورے ہیں۔'' رمضانی صاحب نے کہا تو حشام نے بھی کہا کہ وہاں جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

میں نے اماں بابا کو ساری بات بتائی اور سمجھا کر دعوت میں جانے کی اجازت لے لی' بابا نے اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا کہ حشام میرے ساتھ موجود ہو گا اور سچ بات تو یہ ہے کہ میں بھی حشام کی سنگت کی وجہ سے مطمئن تھی۔

وقت مقررہ پر ہم اس مقام پر پہنچ گئے' یہ اس سیاسی جماعت کے ایک قائد کی کوٹھی تھی' جو قومی اسمبلی کے رکن بھی تھے' اس کے علاوہ ایک دو صوبائی وزیر

جو اس سیاسی جماعت سے تعلق رکھتے تھے، موجود تھے، ایک دو قومی کرکٹ ٹیم کے کھلاڑی... اور کچھ فلمی اور ٹی وی کے اداکار بھی موجود تھے۔

یہاں اس نجی محفل میں آ کر میں نے نوجوانوں اور جوانوں کی زندگی کا دوسرا رخ بھی دیکھا۔

میں بہت سی نوجوان لڑکیوں سے ملی، جو اس سیاسی جماعت کی کارکن تھیں، جو بہت ہی ماڈرن اور بہت ہی خود اعتماد تھیں اور انہیں اس بات پر بھی کوئی شرم نہیں محسوس ہو رہی تھی کہ انہیں ان کے اس بے باک اور ماڈرن ڈریس میں کتنے لوگ گرسنہ نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

مجھے شاید اس بات کی خبر نہیں تھی کہ ہمارے اسلامی ملک پاکستان میں اس قسم کی نجی محفلیں بھی ہوتی ہیں، یہاں موجود لڑکیوں کو میں نے نفسیاتی اور معاشرتی حجابات سے آزاد دیکھا، وہ چست جینز اور منی سکرٹ میں ملبوس تھیں انہیں اپنی کھلی ٹانگوں پر بھی ذرا حجاب نہیں تھا۔

اس روز مجھے یہ ادراک ہوا کہ یہ وہ نسل ہے جو میڈونا، ایاکوکا اور ڈونلڈ ٹرمپ کی پرستار ہے جدلیاتی مادیت کی جگہ مادہ پرستی لے چکی ہے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اتنی دیدہ دلیر بننے کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔یہاں شراب کے جام چھلکائے جا رہے تھے۔ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر رقص کیا جا رہا تھا، ایک فلمی اداکارہ کو میں نے اس سیاسی جماعت کے قائد کے گلے میں جھولتے دیکھا۔

میرا دل یہاں بہت بری طرح گھبرا رہا تھا۔میں اپنے آپ کو یہاں مس فٹ محسوس کر رہی تھی۔ کھانا شروع ہوا تو میں اور حشام ایک جانب اپنی پلیٹیں لے کر کھڑے ہو گئے، تب ایک کارکن ہمارے پاس آیا اور ہمیں اپنے ساتھ لے کر یہ کہہ کر چلا کہ آپ کو شہزاد صاحب نے بلوایا ہے۔

اس نے ہمیں اپنے ساتھ بٹھایا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

”لگتا ہے کہ آپ پارٹی کو انجوائے نہیں کر رہی ہیں۔“

”جی ہاں کچھ ایسا ہی ہے۔دراصل میں نے آج سے پہلے کبھی اس قسم کی پارٹی میں شرکت نہیں کی ہے۔“ میں نے خشک لہجے میں کہا۔

”اوہ آئی سی... جب ہی تو...“ اس نے ایک اونچا قہقہہ لگایا۔”دراصل ہماری پارٹی میں ہر طبقے اور ہر فرقے کے لوگ شامل ہیں اور ایسی پارٹیوں میں

ہمیں سب ہی کے ذوق کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ آپ بھی یہی بات سوچ کر اس کو برداشت کرلیں۔"

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں اجازت لے لینی چاہیے۔" میں نے کہا۔

"جیسی آپ کی مرضی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔"لیکن ایک بات کا خیال رہے کہ یہاں آپ جو کچھ دیکھ کرجا رہی ہیں یا آپ کے جو بھی احساسات ہیں انہیں یہیں چھوڑ کرجائیے گا، ہم اپنی نجی محفلوں کی تشہیر برداشت نہیں کرتے... مجھے امید ہے کہ بات آپ کی سمجھ میں آگئی ہوگی کہ میرے کہنے کامطلب کیا ہے، ہاں اس پارٹی کے بارے میں کیا نیوز نشر ہونی چاہیے، وہ آپ کو یہاں سے مل جائے گی، جو آپ کو من وعن نشر کرنی ہوگی..." اس نے کھاجانے والی مسکراہٹ کے ساتھ مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ بات تو آپ کو رمضانی صاحب سے کرنی چاہیے... وہی ہمارے چینل کے نیوز بیوروچیف ہیں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"انہیں ساری بات سمجھادی گئی ہے۔ آپ اپنی سوچ وہیں تک محدود رکھیں جہاں تک میں نے کہا ہے، ورنہ دوسری صورت میں..." وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

"کیا آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں...؟" میں نے بے خوفی سے کہا۔

"ارے لاحول ولاقوۃ... میں بھلا ایسا کیسے کرسکتاہوں، آپ تو ہمارے دوستوں میں سے ہیں، آپ نے ہمارا اتنا ساتھ دیا اسی لیے تو یہ سارااہتمام کیا گیا ہے، بس آپ خوشی خوشی جائیے اور ان سب باتوں کو بھول جائیے، اور ہاں کبھی کوئی کام کوئی ضرورت ہو... تواپنے اس خاکسار کو ضرور یاد رکھیے گا..." اس نے کہااور دوسری جانب مڑ گیا۔

میرا موڈ بہت زیادہ آف ہو گیا تھا، مجھے اپنی وہ غلطی آج بھی پچھتاوا بن کرتنگ کرتی ہے کہ میں نے بھوک ہڑتالیوں کے سلسلے میں ان کی حمایت کرکے کی تھی۔ بعد کے سالوں میں یہ سیاسی جماعت کوئی اور ہی رنگ لے کر مزید ابھری... غنڈوں اور بدمعاشوں کے ٹولے، اس سیاسی جماعت میں شامل

ہوگئے... اور ملک میں غنڈہ گردی کابازار گرم کردیا... ملک کی آبادی کاایک بہت بڑا طبقہ جو بغیر پڑھا لکھا تھا' اس سیاسی جماعت کو آگے بڑھانے میں ممد ثابت ہوا۔

حشام حسب عادت مجھے گھر تک چھوڑنے کے لیے آیا' اوراس دن تو اسے آنا ہی تھا' کیونکہ میں اپنی گاڑی نہیں لے کر گئی تھی' حشام نے مجھے گھر سے ہی پک کیا تھا' وہ سارے راستے میرے بگڑے ہوئے موڈ کو درست کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

"اب چھوڑو بھئی سرمئی' یہ سارے سیاسی لیڈر ایسے ہی ہوتے ہیں' سب کی ایک ہی کہانی ہے' ملک کے بارے میں کوئی نہیں سوچتا' سب کو صرف اپنی فکر اپنے بینک بیلنس کوبڑھانے کی فکر ہوتی ہے' پبلک کے سامنے ان کاچہرہ کچھ اور ہوتا ہے اور اندرخانہ کچھ اور...یہ سب مل کر اس ملک کو ہڑپ کرنے کی فکر میں ہیں۔بس جس کا داؤ جس شعبے میں چل جاتا ہے وہ اسے تباہ کررہا ہے۔اب میں اور تم آج اس پارٹی میں جو کچھ بھی دیکھ کر آئے ہیں وہ

کوئی نئی بات نہیں ہے' ایساتو عام طور پر ہوتا ہی ہے 'میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ شہزاد نے بطور خاص تمہیں کیوں کہا۔"

"اگر اسے یہ سب خفیہ ہی رکھنا تھا تو اس نے ہمیں مدعو ہی کیوں کیا تھا۔" میں نے جھلا کر کہا۔

"بس...! میں کیا کہہ سکتا ہوں۔لیکن میرا تمہیں ایک مشورہ ہے کہ تم اس سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھنا۔کسی سے بھی کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔" حشام نے ایک گہرا سانس لیااور مجھے مشورہ دیا۔

"توتم مجھے ڈرا رہے ہو' میرا خیال ہے کہ میں صحافت چھوڑ ہی دیتی ہوں۔اور گھر میں بیٹھ کر چولہا ہانڈی کروں۔" میں نے تپ کر کہا۔

"میں تمہیں نہ ڈرا رہا ہوں اور نہ گھر بیٹھنے کے لیے کہہ رہا ہوں۔بس تم جو کام کررہی ہو وہی کرتی رہو' اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھو' زبان تمہارے اختیار میں ہے جو کہنا چاہوگی'کہوگی' میں تمہیں اس لیے بھی سمجھا رہا ہوں سرمئی کہ آج کل کا دور بہت خراب ہے' یہاں آئے دن ہم اپنے چینل پر یہی خبریں دیتے ہیں کہ فلاں بندے کو مار دیا' یا فلاں لڑکی اغوا کرلی گئی'

اس کی عزت پامال کرکے اسے قتل کردیا گیا۔پولیس تماشائی بنی سب کچھ دیکھتی رہتی ہے ' اسے جہاں سے چار پیسے ملیں گے وہ اسی کی زبان بولے گی۔"

"تو ڈیئر یہ مت بھولو کہ تم ایک عورت ہو اور عور ت کے پاس سب سے قیمتی شے اس کی عصمت ہوتی ہے' تمہیں کسی سے بھی پنگا لینے کی ضرورت نہیں ہے بس بھول جاؤ' جو کچھ دیکھا جو کچھ سنا..." حشام نے دھیرے دھیرے بہت تلخ بات مجھے سمجھائی اور میں نے محسوس کیا کہ گویا اس نے مجھے عورت کہہ کرمیرے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے ہوں۔میں کیسی جرنلسٹ ہوں' میں برائی کو دیکھ کرآنکھیں بند کرلوں... کہیں کوئی بڑا پیسے والا شخص ظلم وجبر کررہا ہے' تو کرنے دوں اس کے خلاف آواز نہ اٹھاؤں... اسے لوگوں کے سامنے نہ لے کر آؤں ...

صرف اس لیے کہ میں ایک کمزور عورت ہوں...اور میری عزت وعفت ایک شبنم کے قطرے کی مانند ہے کہ سورج کی پہلی ہی کرن اس کے وجود کو ختم کردے گی۔

مزیداردوکتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

مجھے بے پناہ بے بسی کااحساس ہوا... اور میری آنکھیں ڈھیروں نمکین پانی سے بھر گئیں۔لیکن حشام کے آگے میں یہ نمکین پانی بہا کرخود کو حقیقت میں ایک کمزور عورت ثابت کرنا نہیں چاہ رہی تھی' اس لیے بالکل خاموش بیٹھی رہی۔حشام میری خاموشی کومحسوس کرکے بولا۔

"سرمئی...اے سرمئی... کیا ہوا... ناراض ہو گئیں... سوری ڈیئر میں نے تم سے بہت تلخ بات کہہ دی' لیکن یہی حقیقت ہے' مجھے پتا ہے کبھی کبھی کیسا احساس ہوتا ہے' جیسے ہم اس دور سے بھی بدتر دور میں جی رہے ہیں کہ جب اسلام کا نور اس دنیا میں نہیں پھیلا تھا'وہی جاہلانہ معاشرہ' وہی جاہلانہ سوچ... آج اپنی جس سوچ کو ہم اصول پسندی ترقی پسندی او رماڈرن ازم کانام د یتے ہیں' شاید ہم سے بہتر تو اس دور کے لوگ تھے' بعض اوقات بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے ناچاہتے ہوئے بھی... !"وہ بہت نرم اور دھیمے لہجے میں مجھے سمجھا رہا تھا۔

میں اب بھی خاموش تھی اور میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا' تو وہ بولا۔

"دیکھو اگر تم اب بھی نہیں بولیں ناں تو میں اپنی گاڑی کو کہیں ٹکرادوں گا... یارا تنی دیر سے تمہارے ساتھ سر پھوڑ رہا ہوں... اور تمہارے مزاج ہیں کہ کہیں تفریح کرنے کے لیے چلے گئے ہیں۔ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل رہے۔"

اس کے اس طرح سے کہنے سے میں ہنس پڑی تو وہ بھی کھل کر مسکرادیا۔اور بولا۔"گڈ گرل...!" اور مجھے دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"سامنے دیکھ کر گاڑی چلاؤ... کہیں سچ مچ ہی نہ ٹکرادینا... بھئی میں ابھی مرنا نہیں چاہتی' بہت سارا جینا چاہتی ہوں۔" میں نے ساری باتیں سر کو جھٹک کر اپنے ذہن سے نکال دیں اور ہنستے ہوئے کہا۔

"تو میں کون سا مرنا چاہتا ہوں... ارے بابا ابھی تو میری شادی بھی نہیں ہوئی ہے' کہیں میری "وہ" میرا انتظار ہی نہ کرتی رہ جائے...اور میں اسے دھوکا دینا نہیں چاہتا۔"

حشام کی بات سن کر میرے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوگئی اور میں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کون ہے وہ...؟"

"ہے ایک...!" اس نے مزے سے کہا۔

"ہاں تو میں کب کہہ رہی ہوں کہ دس بیس ہیں۔ظاہر ہے ایک ہی ہوگی... مگر ہے کون...؟" میں نے حسب عادت چڑ کے کہا۔

"وقت آنے پر بتادوں گا۔" اس نے کہا۔

"کون ساوقت...؟" میں نے ضدی لہجے میں پوچھا۔

"یہ بتاؤ کہ تمہیں میری "اس" سے اتنی دلچسپی کیوں پیدا ہو رہی ہے...وہ جو بھی ہو...!" وہ مجھے تنگ کرنے سے باز نہیں آرہا تھا۔

"کیوں میں تمہاری دوست نہیں ہوں۔" میں نے روٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"وہ تو ہو... لیکن..."وہ بات ادھوری چھوڑ کر مجھے دیکھ کرمسکرانے لگا۔

"میں تمہارا سر توڑ دوں گی حشام... تم مسلسل مجھے تنگ کررہے ہو' اب اس لیکن کا مطلب!" میں نے غصے میں اس کے سارے بال بگاڑ دیئے۔

"ارے ...رے ...رے... کیا کررہی ہو' گاڑی ڈرائیو کررہا ہوں۔ایکسیڈنٹ کرواؤگی' یہ ہاتھاپائی ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے بات کوٹالنے کی کوشش کی۔

"بتاؤناں...!" میں نے بچوں کی طرح ٹھنک کر کہا تووہ قہقہہ مار کرہنس پڑا اور بولا۔

"اگرمیں نے تمہیں بتادیاناں تو تمہیں اچھا نہیں لگے گا... اس لیے فی الحال اس موضوع کو ختم کرتے ہیں اور کوئی دوسری بات کرتے ہیں۔" اس نے عجیب سی بات کہہ کر بات ہی ختم کردی اور میں اس کے جملے میں الجھ کررہ گئی کہ اس کا اس بات سے کیا مطلب ہوسکتا ہے کہ مجھے اچھا نہیں لگے گا۔

میں اسی بات کو سوچ کر الجھ رہی تھی'پتا نہیں کیوں میرا شدت سے جی چاہ رہاتھا کہ حشام یہ کہہ دے۔

"وہ لڑکی تم ہی ہو سرمئی... میں تو نہ جانے کب سے تمہیں چاہ رہا ہوں۔پور پور تمہارے عشق میں ڈوبا ہوا ہوں... تمہارے بغیر زندگی کا تصور نہیں کرسکتا... اور پتا نہیں کیا کیا۔

لیکن اس نے بات ہی ختم کردی... کہیں وہ کسی اور کو تو اپنے دل میں نہیں بسا بیٹھا۔اگر ایسا ہے تو پھر...توپھر... امی کی بات سچ ہوجائے گی... یہ مرد ذات ہوتی ہی ایسی ہے۔حشام کے ذومعنی جملوں کو میں نے اس کی محبت جان لیا۔اسے اپنے دل میں بسالیا' اب کیا صرف وہ یہ کہہ کر پیچھے ہٹ جائے گا کہ وہ میرا بہترین دوست ہے...اس نے ایساکیوں کہا کہ تمہیں بر الگ جائے گا... اس کاصاف مطلب ہے کہ اس نے اپنے دل میں کسی اور کوبسایاہوا ہے۔

میں اپنے سامنے منہ پھاڑے اتنے سوالوں سے اتنی بری طرح گھبرائی کہ میرے منہ سے اچانک ہی نکل گیا۔

"حشام کیا تم سچ مچ کسی اور سے ...!"

"کسی اور سے کیا...؟" وہ شرارت سے مسکرایا۔

"کچھ نہیں... کچھ بھی نہیں۔" مجھے جیسے ہی اپنے سوال کی حقیقت کا ادراک ہوا تو میرے ہاتھوں میں پسینہ آگیا۔کہ یہ میرے منہ سے کیا نکل گیا۔اور میں بری طرح گھبراگئی۔

"بتاؤ ناں کسی اور سے کیا؟" وہ بدستور شرارت آمیز لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"کچھ نہیں، شرافت سے سیدھی طرح گاڑی چلاؤ۔" میں نے موڈ بدل کر کہا۔

"چلا تو رہا ہوں اور کس طرح چلاؤں..." حشام نے کہا اور پھر ہماری یہ بحث اور نوک جھونک اختتام پذیر ہوئی، اس لیے کہ میرا گھر آگیا تھا۔حشام نے گاڑی کو بریک لگائے تو میں اتر گئی۔اللہ حافظ کہہ کر جب میں پلٹنے لگی تو حشام نے مجھے آواز دی۔

"سرمئی بات سنو!"

"ہاں! اب کیا رہ گیا ہے..." میں نے تیکھے لہجے میں کہا

"پہلے موڈ ٹھیک کرو، پھر بتاؤں گا۔" اس نے میری آنکھوں میں براہ راست دیکھتے ہوئے کہا۔پہلے جب وہ اس طرح مجھے دیکھتا تھا تو میں مزید بگڑ جاتی تھی، لیکن اب اس کی یہ بہت کچھ کہتی نگاہیں میرے ہاتھ پیروں میں کپکپاہٹ پیدا کردیتی تھیں۔

"بولوناں...! کیا بات ہے؟" میں نے نگاہیں نیچی کرکے دھیمی آواز میں کہا۔

"تمہیں پتا ہے سرمئی اس طرح بات کرتے ہوئے تم بہت اچھی لگتی ہو، کیا تم ہمیشہ مجھ سے اسی طرح بات نہیں کرسکتیں۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"اچھا بابا ٹھیک ہے اب کہو بھی کیا کہہ رہے تھے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کل چھٹی ہے، اگر چینل سے اچانک بلاوا نہیں آیا تو تم کل کا سارا دن میرے گھر گزار رہی ہو۔" اس نے حکمیہ لہجے میں کہا۔

"وہ کس خوشی میں؟" میں نے کہا۔

"میں تمہیں بتانا بھول گیا، ممی پاپا دونوں نے تمہیں بلایا ہے، کوئی کام نہیں ہے، بس یوں ہی...!" وہ بولا۔

"اچھا ٹھیک ہے، میں بابا کی طبیعت دیکھوں گی اگر ٹھیک رہی تو میں آجاؤں گی۔" میں نے آمادگی ظاہر کردی، میرا خود بھی دل چاہ رہا تھا۔

"میں کل لنچ پر تمہارا انتظار کروں گا، ٹیک کیئر، اینڈ گڈنائٹ۔" اس نے کہا اور گاڑی آگے بڑھالی اور میں اندر چلی آئی۔

دوسرے دن صبح سو کر اٹھی تو میں کافی حد تک فریش تھی، اماں نے زبردست ناشتہ کروایا، بابا کی طبیعت بھی ٹھیک تھی، اس لیے میں نے حشام کے گھر جانے کا پروگرام بنالیا۔

”لو بیٹا ہم تو سوچ رہے تھے کہ آج تم سارا دن ہمارے ساتھ گزارو گی۔ اتنے دن سے مصروف تھیں تو دو گھڑی بات کرنے کا بھی ٹائم نہیں ملا۔ آج چھٹی ہے تو تم حشام کے گھر چلدیں۔“ اماں نے کہا۔

”میں جلدی آجاؤں گی اماں ...دراصل حشام کے مما پاپا نے بلوایا ہے، انکل سے ملاقات ہوتی ہے تو مجھے بہت کارآمد باتیں معلوم ہوتی ہیں۔“ میں نے کہا۔

”جانے دے نیک بخت... ہماری بیٹی جس طرح خوش رہے، ہم تو اس کی خوشی میں خوش ہیں۔“ بابا نے کہا تو میں ان کے گلے لگ گئی۔

حشام کی ممی بہت محبت سے ملیں اور دیکھتے ہی فکرمندی سے بولیں۔

”کیابات ہے بہت کمزور ہو رہی ہو، کیا ٹھیک سے کھانا نہیں کھاتیں۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”بس آنٹی... آپ کو تو پتا ہے پچھلے پندرہ دن کتنے مصروف گزرے ہیں۔ حقیقت تو وہی ہے کہ نہ ڈھنگ سے کھانا کھاسکی اور نہ سو سکی ہوں۔“

کھانے کی میز پر انکل سے باتیں ہوتی رہیں، انہوں نے سیاسی لیڈر شہزاد کے بارے میں مجھے کافی کچھ بتایا، اور وہی نصیحت اور ہدایت کی جو حشام مجھے پہلے کرچکا تھا، میں سر جھکائے ان کی باتیں سنتی رہی۔

کھانے کے بعد انکل اور آنٹی آرام کی غرض سے ہمارے درمیان سے اٹھ گئے، یہ کہہ کر کہ تم دونوں باتیں کرو... میں نے انہیں بتادیا کہ میں اب تھوڑی دیر میں چلی جاؤں گی، میں نے اماں سے وعدہ کیا تھا کہ جلدی لوٹ آؤں گی اس لیے وہ دونوں مجھے اللہ حافظ کہہ کر چلے گئے۔

میں اور حشام باتیں کرنے لگے، ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد حشام نے مجھ سے کہا۔

”سرمئی میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہ رہا تھا، لیکن ہماری مصروفیات کچھ ایسی رہیں کہ وہ بات میں کر نہیں سکا، کیونکہ وہ بات بہت اطمینان سے بیٹھ کر کرنے کی ہے۔“

"ایسی کون سی بات ہے؟" میرا دل دھڑک اٹھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ میں نے جو بات پہلی نگاہ میں محسوس کرلی وہ تم نے ابھی تک محسوس نہیں کی۔" وہ خاصا سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"تمہارااشارہ کس طرف ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تم نے کبھی آنٹی کو غور سے دیکھا ہے..." اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ہاں... نہیں... تمہارا مطلب کیا ہے' غور سے دیکھنے کا؟" میں نے پوچھا۔

"آنٹی کی شکل اور تمہاری شکل بہت زیادہ ملتی ہے' ایک نگاہ ہی میں بالکل یہی خیال آتا ہے کہ تم دونوں میں کوئی خونی رشتہ ہے..." اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کیا...!؟" میں بے ساختہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔

"تم نے نوٹ نہیں کیا کہ تمہاری اور آنٹی روشن کی شکل آپس میں کتنی زیادہ ملتی ہے...!" اس نے معنی خیز اور انکشاف انگیز لہجے میں کہا۔

"کیا...؟" میں بے ساختہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔"یہ تم کیا کہہ رہے ہو حسام... تمہارا مطلب ہے کہ... تمہارا مطلب یہ ہے کہ ... وہ... وہ میری ماں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ہو سکتی ہیں...!"میں نے اپنے چکراتے ہوئے ذہن اور لرزتے ہوئے جسم کے ساتھ تحیر زدہ لہجے میں کہا۔

"سو فیصد!" اس نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر میرے لرزتے ہوئے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ذہن ایک دم ماؤف ہوگیا تھا' میری زندگی کا یہ سب سے اہم انکشاف تھا' اتنا بڑاشاک تو مجھے اس وقت بھی نہیں لگا تھا جب مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ امی میری سگی امی نہیں ہیں اور اس وقت بھی نہیں جب یہ معلوم ہوا کہ نواب سطوت ہی میرا وہ ظالم باپ ہے جو میری جان کادشمن تھا اور میری ماں اسی ظالم کے پنجوں سے بچا کر مجھے گھر سے لے کر بھاگی تھی اور راہ چلتے ہوئے ایک اجنبی کے حوالے کردیا تھا۔

میری زندگی میں میرے لیے کتنے جھٹکے ہیں۔روشن آنٹی ہی میری ماں ہیں تو پھر بابا نے انہیں کیوں نہیں پہچانا اور اگر پہچان لیا تھا تو یہ اتنی اہم بات مجھ سے کیوں چھپائی۔

میرے ذہن میں لاتعداد سوالات کلبلا رہے تھے اور تمام سوالوں کے جوابات مجھے اپنے گھر میں موجود لوگوں ہی سے مل سکتے تھے۔میرا ذہن بار بار ان سب کی جانب سے نیگیٹو اور پازیٹو ہو رہا تھا۔آخر مجھ سے یہ سب چھپانے کی کیا وجہ ہے...؟

بابا تو اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ میرے دل میں اپنے ماں باپ کو پانے کی کتنی تڑپ تھی' خاص کر اپنی ماں سے... میں نے بار بار بابااور اماں کے آگے یہ بات کہی تھی کہ اگر مجھے میری ماں مل جائے تو میں اس سے یہ سوال ضرور کروں گی' کہ تم نے کیا سوچ کرمجھے ایک اجنبی کے حوالے کردیا' اور میرے باپ کی نشانیاں اور مال ومتاع اس کے حوالے کردیا' انہیں ایک لمحے کو بھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ انجانا شخص کیوں کر تمہاری اولاد کو پالے گا'ہوسکتا ہے کہ وہ مجھے جان سے مار کر کہیں پھینک دیتا اور سارا مال ہڑپ کرجاتا' اسے کون پوچھنے والا تھا' یا یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ مجھے غلط ہاتھوں میں فروخت کردیتا' انہین کیوں اس بات کا پختہ یقین تھا کہ وہ جس کے حوالے

مجھے کررہی ہیں وہ مجھے ضرور زندہ رکھے گا اور میری پرورش بھی بہتر انداز میں کرے گا۔

"کیا سوچ رہی ہو سرمئی...؟" حشام نے بڑے پیار سے اپنی انگلی سے میری تھوڑی کو چھو کر میرا جھکاہوا سر اونچا کیااور میری نمکین پانی سے بھری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں بولا' لیکن میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تو اس نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے دوبارہ بٹھاتے ہوئے خود بھی میرے قریب بیٹھ گیااور دوبارہ اپناسوال دہرایا تو میں نے بولنا چاہا لیکن الفاظ میرے حلق میں جیسے پھنس کر رہ گئے تو میں نے نفی میں سرہلادیا۔میرا مطلب تھا کہ کچھ بھی تو نہیں۔

"تم اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو' یہ تواچھی بات ہے کہ تمہیں تمہاری امی مل گئیں' تمہاری تو ہر ٹینشن ہی دور ہوگئی۔" اس نے اپنی لرزتی انگلی سے میری آنکھ سے بہہ آنے والے شریر پانی کے قطرے کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ حشام میرے اتنے قریب بیٹھاتھااوراس نے میرے ہاتھوں کو میرے چہرے کو چھواتھا' اور نہ جانے وہ کون سا لمحہ تھا اور کون سی کیفیت

تھی کہ میں نے خودبخود حشام کے کندھے سے اپنا سر ٹکالیا۔اور میری سسکیاں تیز ہوتی چلی گئیں۔

میری اس غیر متوقع حرکت سے حشام دم بخود رہ گیا۔اسے میری اس بے ساختہ حرکت کا جیسے یقین ہی نہیں آرہا تھا اور پھر سرشاری کے انداز میں اس نے اپنا بازو میرے گرد حمائل کردیااور مجھے اپنے سینے میں بھینچ لیا۔

حشام کے دل کے دھڑکنے کی صدا مجھے صاف سنائی دے رہی تھی۔اس کاہاتھ آہستہ آہستہ میری پشت سہلارہاتھا۔

اچانک ہی مجھے احساس ہوا کہ میں نے یہ کیا حرکت کی ہے تو میں اس کے بازوؤں میں کسمسائی تو اس نے اپنے بازو میرے گرد سے ہٹالیے' وہ بہت مسرور دکھائی دے رہاتھا اور پرشوق نگاہوں سے میری جانب دیکھ رہاتھا۔

”سوری...!“ میں نے جھینپ کر کہا۔

”سوری! فاروات...؟“ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”اس بچکانہ حرکت کے لیے' جومجھ سے سرزد ہوئی ہے۔“ میں نے نگاہیں جھکا کر آہستہ سے کہا۔

”اور میں تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے ان جذباتی لمحات میں مجھے اپنا سمجھااور میرے قریب آگئیں۔“

”اچھا فضول باتیں مت کرو... ورنہ سر پھاڑ...!“

”اوں ہوں!“ اس نے جھٹ میرے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے مجھے جملہ پورا کرنے نہیں دیااور میری آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

”اب نہیں... جو کچھ تم نے کیا وہی تو میرا حق ہے...!“

لیکن حشام...“

”بس!“ اس نے ایک بار پھر وہی حرکت دہرائی اور خمار آلود لہجے میں بولا۔
”آج میں سب کچھ جان گیا ہوں۔میرے دل میں جو ایک سوال نہ جانے کب سے مجھے ستارہاتھا آج مجھے اس کا جواب مل گیا ہے اوراس کا جواب یہ ہے کہ میرے دل میں تمہاری محبت کی جوچنگاری سلگ رہی تھی' اس کی آنچ تمہارے دل تک بھی پہنچ گئی ہے اور اس ہلکی لو دیتی آنچ نے ایک کٹھور کے دل کو بھی پگھلا دیا ہے' میں سچ کہہ رہا ہوں نا...!“

"مجھے نہ جانے کیوں حشام سے شرم آنے لگی' اور میں نے اپنے آپ کو اس کیفیت سے جلد ہی نکال لیا اور حشام سے سوال کیا۔

"حشام کیا تم یہ بات اتنے وثوق سے صرف اسی لیے کہہ رہے ہو کہ روشن آنٹی ہی میری سگی ماں ہو سکتی ہیں کہ ان کی اور میری شکل اتنی ملتی ہے؟"

"ظاہر سی بات ہے۔" اس نے جھٹ کہا۔

"جب ہی تو روشن آنٹی کو دیکھ کر مجھے بار بار ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں نے انہیں کہیں دیکھا ہے۔ میں جب جب آئینے میں خود کو دیکھتی اور مجھے ایسا ہی لگتا تھا لیکن یہ نہیں سوچا کہ ان کی اور میری شکل بہت ملتی ہے۔"

پھر میں نے اپنے ذہن میں آنے والے سارے سوال حشام کے آگے دہرا دیئے تو وہ پرسوچ لہجے میں بولا۔

"اگر تم برا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟"

"نہیں نہیں میں تمہاری کسی بات کا قطعی برا نہیں مانوں گی' جو بھی تمہارے ذہن میں آرہا ہے تم بلا جھجک کہہ دو۔" میں نے تیزی سے جواب دیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"جہاں تک میرا خیال ہے' تمہاری مرحومہ امی نے اور شمسو بابا دونوں نے تم سے غلط بیانی سے کام لیا ہے' روشن آنٹی ایک تعلیم یافتہ خاتون ہیں اور ان سے اس حماقت کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ یوں برسات کی اندھیری رات میں یوں تمہیں کسی اجنبی کے حوالے کر جاتیں۔ کیا تمہارا ذہن اس بات کو مانتا ہے' کم از کم میرا ذہن تو اس بات کو قطعی تسلیم نہیں کرتا' روشن آنٹی یقیناً تمہاری مرحومہ امی کو پہلے سے جانتی تھیں اور انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر تمہیں ان کے حوالے کیا تھا۔"

"لیکن امی تو..." میں یہ بات کہتے کہتے رک گئی کہ امی تو مشہور زمانہ سرمئی بائی تھیں' میں نے حشام کو سب کچھ بتا دیا تھا سوائے اس ایک راز کے...اور اس راز کو میں کبھی کسی کے سامنے آشکار نہیں کر سکتی تھی' کسی بھی قیمت پر۔

"لیکن کیا؟" حشام نے کہا۔

"چلو چھوڑو اس بات کو' شاید تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو' اب ساری حقیقت کیا ہے یہ تو انہیں بتانی ہی پڑے گی۔" میں نے کہا۔

"اچھا دیکھو تم گھر جاؤ تو ذرا طریقے سے بات کرنا... یہ نہیں کہ حسب عادت جاتے ہی ان لوگوں پر فائرنگ شروع کردینا۔" حشام نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے میں ہر وقت گن ہاتھ میں لے کر گھومتی ہوں۔' 'میں نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"تمہاری زبان کسی گن سے کم ہے کیا؟" اس نے سابقہ لہجہ برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے' میں جا رہی ہوں' اور ہاں اب تم اپنے آپ کو مجھ سے بچا کر رکھنا...!" میں نے تیزی سے سائڈ میں رکھا ہوا بیگ موبائل اور گاڑی کی چابی اٹھائی اور دروازے کی جانب قدم بڑھادیئے۔

"ارے کیا ناراض ہو کر جا رہی ہو' میں تو مذاق کر رہا تھا' ابھی تو ہماری خوش گوار دوستی کا آغاز ہوا ہے اور تم نے ناراضگی کی ابتداء بھی کردی۔" حشام بھاگ کر میرے سامنے آگیا اور محبت بھرے لہجے میں بولا۔

"پھر تم مجھے تنگ کیوں کرتے ہو۔" میں نے منہ بنا کے کہا۔

"یار میں تو تمہاری ٹینشن دور کر رہا تھا' میں چاہتا ہوں کہ تم بہت ہلکی پھلکی ہو کر گھر جاؤ' اور بہت ریلیکس ہو کر ساری بات کرو۔" اس نے جھٹ میرا ہاتھ تھام کر اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اس کے گرم گرم ہاتھوں کے لمس کو محسوس کر کے میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہوگئی' اور ایک عجیب سے سکون اور طمانیت کا احساس میرے رگ وپے میں سرائیت کرنے لگا۔ میرے لبوں پر خود بخود مسکراہٹ عود آئی اور میں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے ممنون نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"آئی وش یو اے گڈ لک۔" اس نے دھیرے سے میرے ہاتھ کو اپنے لبوں سے لگا کے چھوڑ دیا اور میں بمشکل اپنے لرزتے وجود کو سنبھالتی ہوئی اپنی گاڑی تک آگئی۔ حشام میرے پیچھے پیچھے چلا آیا' میری پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے آگئے۔

میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر اگنیشن میں چابی گھمائی تو وہ کھڑکی سے جھانکنے لگا' میں نے اس سے نگاہیں چراتے ہوئے اسے گڈ بائے کہا' کیونکہ اس کی نگاہوں کا والہانہ پن میری برداشت سے باہر ہو رہا تھا' نہ جانے کیوں اس

کے سامنے مجھے وہ تمام دیواریں گرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں جو میں نے اپنے اردگرد بنا رکھی تھیں' حشام کی محبت کا سیلاب ان تمام پتھریلی دیواروں کو بہا کے لیے گیا تھا۔

راستے بھر میرا دماغ مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنارہا' میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں بات کہاں سے شروع کروں گی۔

گھر پہنچی تو سب کچھ نارمل تھا' لاؤنج میں اماں بابا اور آنٹی تینوں باتیں کررہے تھے۔مجھے دیکھ کر تینوں نے ہی خوشی کا اظہار کیا لیکن میرے چہرے پر چھائی ہوئی سنجیدگی کو دیکھ کر وہ فکرمند ہوگئے۔بابا بولے۔

"خیریت تو ہے ناں بٹیا' حشام بیٹے کے ہاں سب ٹھیک ہے۔"

"جی!" میں نے مختصر جواب دے کر اپنا سر صوفے کی پشت گاہ سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

"لگتا ہے حشام بیٹے سے لڑائی ہوگئی ہے۔" اماں نے کہا۔

"نہیں تو!" میں نے آنکھیں کھول کر سیدھا بیٹھتے ہوئے کہااور میری نگاہیں آنٹی کے چہرے پر ٹک گئیں۔میں بہت غور سے ان کی جانب دیکھ رہی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تھی۔ان کے چہرے میں اپنے خدوخال تلاش کررہی تھی۔مجھے اپنی جانب تکتے ہوئے دیکھا تو بولیں۔

"کچھ تھکی ہوئی لگ رہی ہو' چائے لاؤں تمہارے لیے...؟"

"نہیں میں ابھی پی کر آئی ہوں۔" میں ان کے انتہائی محبت سے کہے گئے جملے کو برداشت نہ کرسکی اور اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی' میں کچھ دیر کے لیے سونا چاہتی تھی۔اس لیے بیڈ پر لیٹ گئی اور تھوڑی دیر میں ہی میری آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔

میری آنکھ کھلی تو کمرے میں گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔میں گھبرا کے اٹھ بیٹھی کہ رات ہوگئی ہے' پتا نہیں کیا ٹائم ہوگیا' میں نے اندھیرے میں ہی ٹیبل پر ہاتھ مارا تو موبائل ہاتھ میں آگیا' میں نے سونے سے پہلے موبائل فون سائلنٹ پر کردیا تھا' دیکھا توحشام کی دس بارہ مس کالز آئی ہوئی تھیں میں سمجھ گئی کہ وہ بہت پریشان ہو رہا ہوگااور جب میری جانب سے ری پلے نہیں ملا ہوگا تو اور زیادہ پریشان ہو رہا ہوگا' اس لیے میں نے اسے ایس ایم ایس کردیا کہ میں تھوڑی دیر میں تمہیں کال کرتی ہوں۔موبائل پر ٹائم دیکھا تو

رات کے نو بج رہے تھے۔بے وقت سونے کی وجہ سے سر بھی بھاری ہو رہا تھا‘ ایک گرم چائے کی طلب ہو رہی تھی‘اس لیے میں ہاتھوں سے بالوں کو سمیٹتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی۔

لاؤنج میں سناٹا پڑا تھا‘ بابا کے کمرے میں جھانکا تو وہ کرسی پر بیٹھے عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے۔کچن میں جھانکا تو اماں وہاں بھی نہیں تھیں۔میں سمجھ گئی کہ اماں آنٹی کے کمرے میں ہیں۔

میں دبے قدموں آنٹی کے کمرے کی جانب بڑھی دروازہ بند تھا‘ اندر سے دونوں کی باتوں کی آوازیں آتو رہی تھیں لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا‘ پہلے تو میں نے سوچا کہ اندر چلی جاؤں پھر کچھ سوچ کر میں دروازے سے ہٹ کر گیلری سے ہوتے ہوئے کمرے کے پچھلی طرف کھڑکی کی جانب بڑھی‘ کھڑکی کھلی تھی اور اس پر پردہ پڑا تھا‘ میں دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی‘ اب اندر جو باتیں ہو رہی تھیں‘ وہ مجھے صاف سنائی دے رہی تھیں‘ او ران باتوں کو سن کر میرا دماغ چکرانے لگا‘ اور میں اپنے چکراتے ہوئے دماغ کے ساتھ نیچے بیٹھتی چلی گئی‘ اور پھر مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔

...☆☆☆...

سلمان کو میں نے یہی بتایا تھا کہ میں نے ایک حسین پری کو اپنے فلیٹ پر بلایا ہے‘ ہوسکتا ہے کہ میں آج رات نہ بھی آؤں‘ یہاں کا سب تم سنبھال لینااور دیکھو میری اس بات کی خبر کسی اور کو نہ ہو۔

”یار شہروز میں تو کسی کو نہیں بتاؤں گا لیکن تمہیں پھر میرا بھی خیال رکھنا ہوگا۔یار کبھی نواب صاحب نہیں ہوں تو ایک چانس مجھے بھی دینا‘ بہت عرصہ ہوا ہے کہ...“ اس نے فحش انداز میں ایک آنکھ بند کرکے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

”تو فکر نہ کر اور کسی سے ذکر نہ کر‘ پھرتے موجاں ای موجاں...!“ میں نے ہنستے ہوئے اس کی کمر پر ہاتھ مارا تو میرے ایک ہی ہاتھ کے دھکے سے وہ قدرے جھک گیا۔

”اوئے ہتھ ذرا ہولاں رکھیں...!“ اس نے خفگی بھرے انداز میں کہا۔

”تمہارے اندردم خم کم ہے‘ جب ہی تو میں تمہیں چھوٹی دنیا کہتا ہوں۔“ میں نے مذاق سے کہا۔

”دم خم...! اس نے طنزیہ انداز میں کہااور اپنی انگلی کنپٹی پر مارتے ہوئے بولا۔

”اپنا سارا دم خم' یہاں ہے' یہاں۔“

”بالکل بالکل یار میں تو تم سے مذاق کررہاتھا۔اگر تم اتنے کام کے بندے نہ ہوتے تو نواب صاحب کی نگاہوں میں کیسے جچتے۔“

میری زبان سے تعریف سن کر وہ پھولے نہیں سمایااور اترا کر کالر جھاڑنے لگا۔

سلمان سے جان چھڑا کرمیں گلشن اقبال کی جانب روانہ ہوگیااور اپنے فلیٹ پر پہنچ گیا۔میں بڑی بے صبری کے ساتھ ان دونوں کاانتظار کررہاتھا پھرانتظار کی کوفت سے بچنے کے لیے ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔اچانک میرے موبائل فون کی گنگناہٹ سنائی دی' میں سمجھا کہ اس جرنلسٹ سرمئی کا فون ہوگا' لیکن نمبر دیکھا تو سلمان کا فون تھا' میں نے آتے ہوئے اسے اپنانمبر دے دیاتھااور احتیاطاً اس کانمبر بھی لے لیا تھا کہ اگربالفرض کوئی غیر معمولی بات ہو تو فوراً مجھے

کال کرے' سلمان کانمبر دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ اس لیے جلدی سے بٹن پش کرکے کان سے لگایااور کہا۔

”ہاں سلمان کیا ہوا' سب خیریت تو ہے...؟“ میں نے تیزی سے پوچھا۔

”ہاں یار خیریت نہیں بھی ہے اور ہے بھی' بس تم فوراً چلے آؤ۔“ سلمان نے کہا۔

”لیکن کیوں...؟ آخر ہوا کیا ہے' ابھی میں آیا تھا توسب ٹھیک تھا۔“ میں نے اچھنبے سے کہا۔

”تمہارے جانے کے فورا بعد ہی نواب صاحب کا فون آیا تھا کہ وہ یہاں آرہے ہیں۔“ سلمان بولا۔

”حیرت ہے' میری ان سے بات ہوئی تھی تب تو انہوں نے ایسا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا۔“

”ہوسکتا ہے تم سے بات کرنے کے بعد ان کا پروگرام بن گیا ہو۔بہرحال اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ تم آتے ہو یانہیں۔میرا فرض تھا کہ تمہیں اطلاع دے دوں۔“ سلمان نے کہا۔

"بہت شکریہ دوست، تم نے بہت اچھا کیا کہ مجھے بروقت اطلاع کردی، میں فون کرکے 'اس کو' یہاں آنے سے منع کردیتا ہوں۔بس پھر ادھر سے نکلتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کردیا۔

مجھے یہ سوچ کر ہی بہت غصہ آرہا تھا کہ نواب کمبخت کو بھی ابھی آنا تھا۔اتنی مشکلوں سے سلمان سے اتنے سارے جھوٹ بولنے پڑے بہانے بنانے پڑے تب جاکر یہ موقع ہاتھ آیا تھا اور اب یہ نواب آرہا ہے، میں نے ابھی اس سے بات کی تھی تب تو اس نے منع کردیا تھا، کل ہی آجاتا، خیر میں اب یہاں بیٹھے رہنے کا رسک نہیں لے سکتا تھا اس لیے یہی فیصلہ کیا کہ مجھے آج کی اس ملاقات کو منسوخ کردینا چاہیے، لیکن کیسے...؟میں سوچنے لگا کہ میرے پاس تو سرمئی کا موبائل نمبر ہی نہیں ہے، پھر خیال آیا کہ نیوز چینل فون کرکے اس کا نمبر لے لیتا ہوں۔

نیوز چینل والوں نے ڈھیروں سوالات کرنے کے بعد مجھے اس کا نمبر دیا اور میں نے اسے اپنے الفاظ میں ساری سچویشن بتا کر معذرت کرلی۔سرمئی کو فون کرنے کے بعد میں ابھی باہر نکلنے ہی والا تھا کہ ڈوربیل بج اٹھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ڈوربیل کی آواز سن کر میں چونک پڑا کہ یہاں کون آسکتا ہے۔فوری طور پر میرا دھیان سلمان کی جانب چلا گیا کہ صرف اس کو میری یہاں موجودگی کا علم تھا، کہیں وہی تو مجھے چیک کرنے کے لیے نہیں آگیا اور میں نے سوچ لیا کہ اگر اس نے ایسی حرکت کی ہے تو میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔میں غصے میں بھناتا ہوا تیزی سے دروازے کی جانب بڑھا اور دروازہ کھولنے ہی والا تھا کہ یک دم رک گیا اور سوچا کہ مجھے یوں ایک دم سے ہی دروازہ نہیں کھولنا چاہیے، بھلا دروازے پر سلمان کیسے ہوسکتا ہے اس نے ابھی تو فون کرکے مجھے نواب کے آنے کی اطلاع دی ہے، اتنے میں بیل دوبارہ بجی، میں نے ڈورمرر میں آنکھ لگا کر باہر دیکھا تو کوئی دکھائی نہیں دیا، جو کوئی بھی تھا وہ سائڈ میں کھڑا تھا، تب ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"پلیز اوپن دی ڈور مسٹر شہروز..."

یہ جملہ سن کر میں بری طرح چونک پڑا...

یہ کون عورت ہے جو مجھے میرے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے اور اسے یہ بھی پتا ہے کہ میں اس وقت یہاں اس فلیٹ میں موجود ہوں۔

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیااور خاموش رہا' تب وہ دوبارہ بولی۔

''یوں خاموش رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے مسٹر شہروز خاموش رہ کر آپ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ جیسے یہاں کوئی نہیں ہے' لیکن میں جانتی ہوں کہ آپ نہ صرف فلیٹ میں موجود ہیں بلکہ اس وقت اس دروازے کے پیچھے کھڑے ہیں۔ گھبرائیں مت' مجھے اپنا دوست ہی سمجھیں۔میں خود آپ سے ملاقات کرنے آئی ہوں۔بس یوں سمجھ لیں کہ میرا اور آپ کا دشمن ایک ہی ہے' اور ہماری یہ ملاقات نہایت سود مند ثابت ہوگی۔''

''آپ کون ہیں اورمجھے کیسے جانتی ہیں اور مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہیں...؟''

میں اس کی اتنی جانکاری کو محسوس کرکے حیران رہ گیا اور بالآخر بول ہی پڑا۔

''کیا ساری باتیں ہم اسی طرح دروازے کے قریب کھڑے ہو کر کریں گے' شاید آپ ڈر گئے ہیں' مجھ سے خوف زدہ ہو رہے ہیں۔میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میری ذات سے آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا مجھے آپ اپنے دوستوں میں پائیں گے' پلیز اوپن دی ڈور...'' اس نے بہت نرم اور مہذب لہجے میں کہا تو میں نے چند لمحے رک کر سوچا پھر اپنی بیلٹ سے ریوالور نکال کر ہاتھ

میں لے لی' اور ہاتھ میں لے کر دروازے کے پیچھے ہو کر دروازہ کھول دیا' میں نے دائیں ہاتھ میں پستول تھامی ہوئی تھی اور بائیں ہاتھ سے لاک کھول کر ہینڈل اپنی جانب کھینچ لیا' میں فوری طور پر دروازے کے پیچھے ہو گیا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی تیز خوشبو کا جھونکا میرے نتھنوں سے ٹکرایا' اور وہ سراپا رنگ وروشنی اندر آگئی' میں نے تیزی کے ساتھ دروازہ بند کردیااوراس کی جانب پستول تانتے ہوئے کہا۔

''آگے چلو۔''

وہ خراماں میرے آگے آگے چلنے لگی' میں نے اس کمرے کی جانب اشارہ کیا جہاں صوفے اور میز پڑی تھیں۔یہ شاید ڈرائنگ روم تھا'وہ اندر جاکرایک صوفے پر بیٹھنے لگی ' لیکن بیٹھنے سے پہلے اس نے بھی اپنی جینز کی پینٹ میں ہاتھ ڈال کر پستول نکالااور سامنے میز پررکھ دیااور ٹانگ پرٹانگ رکھ کر مردوں کے اسٹائل میں بیٹھ گئی' اس نے بلیک کلر کی ٹائٹ جینز اور بلیک اور ریڈ لائنوں والی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔پیروں میں جوگرز تھے' بوائے کٹ سنہری بال تھے اور سرخ وسفید رنگت کی حامل وہ دراز قامت

چھریرے بدن کی لڑکی تھی، بڑی بڑی کٹورہ سی براؤن آنکھیں کمان ابرو اور قدرے موٹے اور بھرے بھرے ہونٹ تھے، جن پر لائٹ براؤن لپ اسٹک لگی ہوئی تھی، میں نے اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے ایک ہی نگاہ میں اس کا جائزہ لے ڈالا، البتہ پستول بدستور اس کی جانب تانا ہوا تھا۔

”میں نے اپنا پستول آپ کے سامنے میز پر رکھ دیا ہے، پلیز آپ بھی اسے رکھ دیں اور تسلی سے بیٹھ کر مجھ سے بات کریں۔“ اس نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو میں نے پستول میز پر تو نہیں رکھا بلکہ سوفے پر اپنے قریب رکھ لیا اور ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”اب فرمائیے...!“

”آپ کے ذہن میں سب سے پہلا سوال یہی آیا ہوگا کہ میں کون ہوں اور آپ کو کیسے جانتی ہوں تو مسٹر شہروز میں اپنا تعارف کرواتی ہوں کہ میرا نام روزی ہے... آئی مین سب مجھے میڈم روزی کے نام سے جانتے ہیں۔“

”اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا اصل نام کچھ اور ہے اور آپ کی پہچان میڈم روزی ہے۔“ میں نے درمیان میں کہا۔

”بالکل ٹھیک سمجھے ہیں آپ۔“ اس نے کہا۔

”لگے ہاتھوں اپنا اصل نام بھی بتاتی جایئے۔“ میں نے ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”یہ سوال فضول ہے کہ میں پہلے کون تھی، کیا نام تھا، آپ صرف اتنا جان لیں کہ میں میڈم روزی ہوں اور میڈم روزی مجھے اس شخص نے بننے پر مجبور کیا ہے جو آپ کا بھی دشمن ہے۔“ اس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

”آپ مجھے کیسے جانتی ہیں؟“ میں نے اپنے لبوں پر مسلسل مچلنے والا سوال کر ڈالا۔

”میں آپ کو کیا، آپ کے ماضی کے بارے میں بھی اچھی طرح سے جانتی ہوں ڈاکٹر شاہ زمان صاحب...!“ اس کے لہجے میں چھپی پراسراریت کو محسوس کرکے میں بری طرح چونک پڑا، اس کے لبوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ میں اندر ہی اندر چونک تو گیا تھا لیکن میں نے اپنی یہ کیفیت اس پر قطعی ظاہر نہیں ہونے دی اور بظاہر حیرت کے انداز میں کہا۔

”ڈاکٹر شاہ زمان... یہ کون موصوف ہیں...؟“

میری بات سن کر وہ زور سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑی... اور اس نے بڑی روانی کے ساتھ میرا ماضی میرے سامنے دہرانا شروع کردیا۔شیرافضل اور شیرزادہ خٹک والے معاملے سے لے کر جرگے کا بیٹھنا 'ارمان کی موت' بابا اور اماں کی موت' فائزہ کااغوا اس کی بے حرمتی اور اس کا قتل' سب کچھ اس نے میرے سامنے بیان کردیا۔

وہ میرا ماضی میرے سامنے دہرا رہی تھی اور اسے سن کر اور یاد کرکے میری آنکھوں میں خون اترنے لگا' دل کی دھڑکن کئی گنا بڑھ گئی اور جسم کا سارا خون کنپٹیوں میں جمع ہوگیا۔

"ریلیکس ہوجائیے ڈاکٹر صاحب..." اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آتے ہوئے کہا۔تومیں بھی بے ساختہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا اور میرا ہاتھ خودبخود میرے دائیں جانب رکھی پستول پر چلا گیا۔

آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ میرے نزدیک سوفے پر آکر بیٹھ گئی اور ایک گہری سانس لیتے ہوئے بولی۔"جس طرح آپ کو ایک معزز انسان ڈاکٹر شاہ زمان سے شہروز بننے پر مجبور کردیا گیااسی طرح مجھے بھی رومانہ سے روزی بننے پر مجبور

کردیا گیا' آپ نے بھی مجبوراً انسانیت کالبادہ اتار کر حیوانیت کا لبادہ اوڑھ لیا اور میں نے بھی اپنے گھر کی چاردیواری سے نکل کر یہ بے حیائی کی چادر اوڑھ لی۔'

پھراس نے اپنا ملائم ہاتھ میرے سخت ہاتھوں پررکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔"میں نے بالآخر ایک ایسا شخص تلاش کرہی لیا جس کومیں اپنا دوست کہہ سکوں اور جس کی مدد سے میں اپنے دشمن کو ٹھکانے لگاسکوں۔آپ بہت عرصے سے میرے آدمیوں کی نگاہوں میں تھے'اور آج جب میں آپ کے بارے میں سب کچھ جان چکی ہوں تو میں آپ کے پاس ہاتھ ملانے کے لیے آگئی۔"

"کون ہے آپ کا دشمن...؟" میں نے آہستگی سے اس کے ہاتھ کے نیچے دبا اپنا ہاتھ نکالتے ہوئے کہا۔

"وہی جو آپ کا ہے..." اس نے ایک زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"یعنی...؟" میں نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"نواب سطوت الاسلام...ہمارے ملک کا جانا پہچانا نام... مشہور روحانی پیشوا اور ایک سماجی رہنما... شاداب پور کا مالک... بہت سے ان پڑھ اور ناسمجھ لوگوں کا پیر...!" اس نے حقارت اور نفرت انگیز لہجے میں کہا۔

"میرے بارے میں تو آپ سب جانتی ہیں' کچھ اپنے بارے میں بھی بتائیے... یعنی رومانہ سے میڈم روزی بننے تک کا سفر ...!" میں نے اس مرتبہ سکون کاسانس لیتے ہوئے کہا۔"میں اب اس کی جانب سے مطمئن ہونے لگا تھا' اور سمجھ گیا تھا کہ اس کاانداز جارحانہ نہیں ہے۔اوروہ میرے پاس کسی برے ارادے سے نہیں آئی۔اور میں نے اتنا بھی سمجھ لیا کہ وہ کوئی عام لڑکی نہیں ہے اس کا یقینا کسی بڑے گروہ سے تعلق ہے اوراس کا نیٹ ورک بھی مضبوط ہے جب ہی وہ میرے بارے میں اتنا سب کچھ جان پائی اوراسے یہ بھی معلوم تھا کہ میں نے یہ فلیٹ کرائے پر حاصل کیا ہے اور آج اس وقت میں یہاں تنہا موجود ہوں۔

"آپ سے دوستی کرنے اور آپ کااعتماد حاصل کرنے کے لیے مجھے آپ کو وہ سب کچھ بتانا ہوگا جسے میں بھلانا چاہتی ہوں۔وہ سب کچھ میرے لیے بہت

زیادہ تکلیف دہ ہے' میں وہ سب بھلانا چاہوں تو نہیں بھلاسکتی اور سچ کہوں تو میں وہ سب بھلانا بھی نہیں چاہتی' اس وقت تک جب تک میرا دشمن نواب زندہ ہے۔میں روز رات کو اپنے زخموں کو کریدتی ہوں' اوران زخموں سے اٹھنے والی ٹیسوں کو برداشت کرتی ہوں..." اس نے ایک نقطے پر اپنی نگاہیں مرکوز کیے ہوئے جواب دیا۔

"سچ کہتی ہیں آپ' اپنے زخموں کو بھلانا آسان نہیں ہے اور ان زخموں کو یاد ہی رکھنا چاہیے اس طرح انتقام کی آگ بھی جلتی رہے گی اور یہ آگ اس وقت ہی ٹھنڈی ہوگی جب ہمارا انتقام ٹھنڈا ہوگا۔" میں نے کہا۔

وہ ابھی کچھ کہنا چاہتی تھی کہ مجھے یاد آیا کہ مجھے واپس کلفٹن پہنچنا ہے' نواب واپس آرہا ہے' اور اگر اس وقت میں اس کی داستان سننے کے لیے بیٹھ گیا تو پتا نہیں کتنا وقت لگ جائے۔اس لیے اس سے کہا۔

"آئی ایم سوری میڈم روزی...!"

"اوہ ہوں' میڈم نہیں صرف روزی... میڈم تو میں دوسرے لوگوں کے لیے ہوں... آپ اور میں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں اور اب یقینا دوست بھی ہیں

تو آپ مجھے صرف روزی کہہ سکتے ہیں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا اس کا انداز شاہانہ تھا۔"ہاں تو کیا کہہ رہے تھے آپ۔" اس نے مجھے بیچ میں ٹوکنے پر معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"اصل میں مجھے واپس نواب کی کوٹھی پر پہنچنا ہے کیونکہ وہ شاداب پور سے نکل چکا ہے اور اس کے واپس آنے سے پہلے ہی مجھے کوٹھی پہنچنا ہے' ہم دوبارہ تفصیلی ملاقات ضرور کریں گے' آپ مجھے اپنا سیل فون نمبر دے دیں اور میرا نمبر بھی لے لیں۔میں جانا تو نہیں چاہتا' لیکن مجبوری ہے جانا تو پڑے گا۔"

"اوہ...!" اس کے ہونٹ سیٹی کے انداز میں گول ہو گئے۔"تو وہ آرہا ہے...!"

"جی!" میں نے کہا۔

"چلیں ٹھیک ہے' جب آپ کو ٹائم ملے آپ کال کریجیے گا ہم اسی فلیٹ پر ملیں گے۔" اس نے کہااور اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر ہم نے ایک دوسرے کو اپنے سیل فون نمبرز دیئے' وہ مجھ سے ذرا پہلے فلیٹ سے نکل گئی۔بہت سی باتیں تھیں جو مجھے اس سے پوچھنی تھیں۔بہت سی کہانیاں سننی تھیں وہ بھی نواب کی ڈسی ہوئی تھی' مجھے خوشی تھی کہ مجھے اپنا کوئی ساتھی مل گیا تھا۔

میڈم روزی کے جانے کے پندرہ منٹ بعد میں باہر نکلااور فلیٹ کو لاک کرکے تیزی سے اپنی گاڑی کی جانب بڑھا' میں نے ادھر ادھر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی' کیونکہ میں جانتا تھا کہ میڈم روزی کے ہرکارے یہیں کہیں موجود ہوں گے جو میری ہر ہر حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے ہوں گے۔

کار ڈرائیو کرتے ہوئے میں یہ بات سوچ کر حیران ہو رہا تھا کہ میڈم روزی کے بندے خاصے شاطر اور ہوشیار ہیں وہ نہ جانے کب سے میرے پیچھے لگے ہوئے تھے اور میرے علم میں نہیں آسکا کہ کوئی مجھے مسلسل واچ کررہا ہے۔

آدھے گھنٹے کا سفر ٹریفک کی بھرمار کی وجہ سے پون گھنٹے میں پورا ہوا' سلمان کا فون میرے پاس تقریباً ڈھائی تین گھنٹے قبل آیا تھا' اگر نواب نے نکلنے کے بعد سلمان کو فون کیا تھا تو اب وہ پہنچنے ہی والا تھا۔

کوٹھی پہنچا تو غیر معمولی چہل پہل محسوس ہوئی' نواب آرہا تھا اس لیے ملازمین میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔مگر ان سب میں سلمان مجھے کہیں دکھائی نہیں دیا تو اپنے روم میں پہنچ کر میں نے اسے کال کی۔

"آ گئے تم...!" اس نے میرا نمبر دیکھ کر سمجھ لیا کہ میں ہوں اس لیے چھوٹتے ہی کہا۔

"ہاں... تم کہاں ہو؟" میں نے پوچھا۔

"اپنی جگہ پر... لیکن یہ بتاؤ کہ میں نے تمہیں اتنی دیر قبل فون کر کے بتادیا تھا' بڑی دیر لگادی تم نے... کیااس پری کے پاس سے اٹھنے کا دل نہیں چاہ رہاتھا...!"اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ہاں یار میں نکلنے ہی لگا تھا کہ وہ آگئی... پھر میں نے سوچا کہ نواب صاحب کو آنے میں تو ٹائم لگے گا اس لیے تھوڑی دل پشوری ہی سہی...!" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے' لیکن تمہیں اپنا وعدہ تو یاد ہے ناں' کہ میں بھی...!" اس نے معنی خیز انداز میں کہہ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ارے تم فکر ہی نہ کرو... ہم تو یاروں کے یار ہیں۔ویسے یار تم تو خود چھوٹی دنیا ہو' تمہارے لیے بھی کوئی چھوٹی دنیا ہی تلاش کرنی پڑے گی۔" میں نے شرارت سے اسے چھیڑا۔

"یار چھوٹی ہی سہی... دنیا تو ہوئی...اوراس دنیا کی سیر کااپنا ہی مزہ ہے۔"

اس نے اوباشوں کے انداز میں کہا تو میں نے دل ہی دل میں اسے ایک گالی دی اور ہنس پڑا۔

فون بند کرنے کے بعد میں بیڈ پرچت لیٹ گیااور میڈم روزی کے بارے میں سوچنے لگا۔یہی خیال آیا کہ وہ بھی شاید نواب کی زیادتی کاشکار اسی طرح ہوئی ہوگی جس طرح میری بہن فائزہ ہوئی' فرق یہ تھا کہ وہ مار دی گئی او ریہ زندہ بچ گئی۔اور پھر کسی طرح ایک گینگ میں شامل ہوگئی' یہ سب کس طرح ہوا ہوگا' یہ تو مجھے اس کی زبانی پتا چلے گا' پھر میرا دھیان نواب کی جانب چلا گیا کہ وہ آکر خود مجھے طلب کرے گا یامجھے خود اس کے پاس جانا ہوگا۔

میں سوچ ہی رہاتھا کہ باہر سے شور کے ساتھ بہت سے قدموں کی دھمک سنائی دی' میں سمجھ گیا کہ وہ مجسم شیطان نواب آگیا ہے' میں نے گھڑی میں ٹائم دیکھا' رات کے گیارہ بج گئے تھے اور میں نے ابھی تک رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا' اس لیے میں کھانا کھانے کے ارادے سے باہر نکل گیا اور

سیدھا کچن میں جاکر کھانے کا کہا تو اس نے مجھے نواب کے آنے کی اطلاع دی۔

”ارے یار تو کیا آج کھانا نہیں ملے گا...!“ میں نے ازراہ مذاق کہا۔

”نہیں ایسی بات نہیں ہے‘ میں تو آپ کو اطلاع دے رہا تھا۔“ اس نے جلدی سے کہا۔

”ٹھیک ہے‘ تم کھانا میرے کمرے میں پہنچا دو۔“

اس سے کہہ کر میں کمرے میں آگیا اور ہاتھ منہ دھو کر لباس تبدیل کرلیا‘ باتھ روم سے باہر آیا تو کھانے کی ٹرالی کمرے میں موجود تھی‘ میں نے ڈٹ کر کھانا کھایا‘ چائے پی رہا تھا کہ نواب کا بلاوا آگیا۔

میں نے ایک بار پھر ہاتھ منہ واش کیا اور نواب کے کمرہ خاص کی جانب چل دیا۔اس وقت بارہ بجنے والے تھے۔اور کوٹھی میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔سوائے اندر رہنے والے گارڈز کے مجھے کوئی اور دکھائی نہیں دیا‘ نواب کا بلاوا لے کر بھی گارڈ ہی آیا تھا۔

میں نے کمرے کے بند دروازے پر ہلکی سی ناک کی تو اندر سے نواب کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔

”یس کم آن شہروز...!“ اس جواب کا مطلب تھا کہ اسے معلوم تھا کہ آنے والا میں ہی ہوں۔میں آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر آگیا۔وہ سامنے موجود شاندار اور قیمتی سوفے پر ٹانگ رکھے بڑی شان اور تمکنت سے بیٹھا تھا‘ دایاں ہاتھ اس نے سوفے کی پشت پر پھیلا رکھا تھا۔

”السّلام علیکم نواب صاحب۔“ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی بہت مؤدب لہجے میں اسے سلام کیا۔

”ہوں!“ اس نے ہلکے سے سر کے خم کے ساتھ ہنکاری بھری... نواب کی یہ عادت مجھے زہر لگتی تھی کہ وہ کبھی بھی زبان سے سلام کا جواب نہیں دیتا تھا‘ بس سر ہلاتا تھا۔

”آپ نے یاد فرمایا تھا نواب صاحب... میں خود بھی حاضر ہونا چاہتا تھا۔“ میں نے اپنی بات پوری بھی نہیں کی تھی کہ وہ بولا۔

"ہاں مجھے معلوم تھا کہ تم ضرور آؤ گے تعزیت کرنے... لیکن بہرحال... موت کا وقت مقرر ہے، سب ہی کو واپس پلٹ کر جانا ہے، اس کا بھی وقت پورا ہو گیا تھا، کیا کرسکتے ہیں۔ سوائے صبر کے... دنیا کے کام بھی چلتے ہی رہتے ہیں۔ اپنی دے ... آؤ بیٹھو... میں نے تمہیں ایک ضروری کام سے بلایا تھا۔"

اور میں سمجھ گیا کہ وہ مجھ سے کیا بات پوچھنا چاہ رہا ہے، اس نے جس دن مجھ سے روشن آرا بیگم کے بارے میں بات کی تھی، اسی وقت حویلی سے اس کا فون آگیا اور وہ حویلی چلا گیا، آج آیا ہے تو اسے سب سے پہلے اسی بات کا خیال آیا ہے۔

"فرمائیے!" میں اس سے قدرے دور ہٹ کر دوسرے صوفے پر ذرا سا ٹک کر بیٹھ گیا۔

"ارے اطمینان سے بیٹھو یار... تم سے ذرا تفصیلی گفتگو کرنی ہے۔" اس کا لہجہ ہلکا پھلکا تھا۔ تو میں پیچھے ہو کر اطمینان سے بیٹھ گیا اور اس کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

مزیدار دو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ وہ کام ہوا یا نہیں جو میں نے تم سے کہا تھا۔" اس نے یہ دیکھنے کے لیے کہ مجھے یاد بھی ہے یا میں ٹال گیا... اصل بات پوچھنے کے بجائے اشارہ کیا۔

"جی نواب صاحب آپ نے مجھ سے روشن آرا بیگم کے بارے میں بات کی تھی، لیکن اس وقت وہ تکلیف دہ خبر آ گئی اور آپ کو جانا پڑا... پھر میں بھی آپ کے بتائے ہوئے ایڈریس پر کھوکھراپار کے اس مکان پر پہنچ گیا تھا، رات کا وقت میں نے اس لیے منتخب کیا تھا کہ وہ گھر میں ہی موجود ہوں گی، لیکن میں آپ سے بہت معذرت کے ساتھ یہ بات کہوں گا کہ میرے پہنچنے سے تھوڑی دیر قبل ہی انہیں وہاں سے کوئی لے گیا۔ شاید وہ کوئی ایک آدمی تھا، میں جب وہاں پہنچا تو مجھے ایسا لگا جیسے اندر کوئی موجود ہے، میں گھر کی دیوار پھاند کر اندر گیا لیکن وہ جو کوئی بھی تھا گھر کی پچھلی دیوار پھلانگ کر انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔ اس کا اندازہ مجھے اس بات سے ہوا کہ دیوار کے ساتھ ایک کرسی رکھی تھی اور وہیں ان کی چپلیں پڑی تھیں۔ ایک ہلکے رنگ کا دوپٹہ بھی

دیوار سے لٹک رہا تھا ' گھر خالی تھا' میں تیزی سے باہر کی جانب لپکا' اور گھوم کر دوسری جانب پہنچا مگر اتنی دیر میں وہ وہاں سے جاچکی تھیں...!"

میں بول رہا تھا اور نواب کے چہرے کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔ میں چپ ہوا تو نواب نے غصے میں ایک ہاتھ کی مٹھی دوسرے ہاتھ پر ماری اور روشن آراء کے لیے اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان امڈ آیا۔

"وہ...ضرور لودھی کے آدمی کے ساتھ وہاں سے نکل گئی ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ اسے میری سن گن مل گئی ہوگی۔" نواب نے ایک بار پھر روشن آراء کو ایک نازیبا خطاب سے نوازتے ہوئے کہا۔

"میں بہت زیادہ شرمندہ ہوں سر... اپنی ناکامی پر... آپ کو اختیار ہے اس کی جو چاہے سزا آپ مجھے دے سکتے ہیں۔" میں نے مسکین سی صورت بنا کے کہا۔

"ارے نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے' دراصل مجھے یہی اطلاع ملی تھی کہ لودھی کے بندے اس کے پیچھے لگے ہیں وہی اسے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ مجھے صرف یہ خطرہ ہے کہ کہیں وہ اس کو میرے خلاف نہ استعمال کریں...

اگر اس نے سامنے آکر بک بک کردی تو...بڑی مشکل ہوجائے گی۔" نواب کی پیشانی پر فکرمندی کی لکیریں نمایاں ہو گئیں۔

"آپ اس طرح کی چھوٹی موٹی مشکلات سے کیوں گھبراتے ہیں' اول تو میرا خیال یہی ہے کہ وہ سامنے آنے کی حماقت نہیں کریں گی' کیونکہ یقیناً انہیں آپ کی پاور کا اندازہ ہوگا' دوسرے یہ کہ وہ لودھی بھی اتنی آسانی سے آپ کے سامنے انہیں ظاہر نہیں کرے گا'اور اگر کوئی بات ہوئی بھی تو آپ بہت آسانی سے اس کی کہی ہوئی ہر بات سے لاتعلقی کا اظہار کرسکتے ہیں۔بڑے آدمیوں کے ساتھ تو ایسی چھوٹی موٹی باتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔" میں نے کہا تو وہ میری شکل دیکھنے لگا' میں نے پوچھا۔

"اگر آپ اجازت دیں تو ایک سوال پوچھ سکتا ہوں۔"

"ہاں بولو!" اس نے کہا۔

"روشن آراء بیگم کے پاس نکاح نامہ تو نہیں ہوگا ناں۔" میں نے اپنی معلومات کے لیے پوچھا۔

"نہیں، نہیں اس کے پاس نکاح نامہ نہیں تھا' لیکن اگر لودھی چاہے تو کورٹ سے نکلوا سکتا ہے۔" نواب نے کہا۔

"اگر ایسا ہوا تو اسے بھی دیکھ لیں گے' آپ فکر نہ کریں' ایسے چھوٹے موٹے کاموں کو ہینڈل کرنے کے لیے میں ہوں تو آپ کیوں فکر کرتے ہیں' ویسے یہ لودھی کون ہے...؟" میں نے اسے تسلی دینے کے بعد سوال کیا۔

"لودھی ہے ایک الو کا پٹھا... برسوں سے ہماری دشمنی چلی آ رہی ہے... یہ میرا سگا چچازاد بھائی ہے' اور سارا معاملہ گدی نشینی کا ہے۔ میرے ہوتے ہوئے اسے اس چیز سے محروم ہونا پڑا ہے اور اب وہ اس بات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا کہ چونکہ میری اولاد نرینہ نہیں ہے' اس لیے اسے یہ گدی مل جائے... لیکن جب تک میں زندہ ہوں وہ کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ میری موت کی صورت میں ہی اسے یہ گدی مل سکتی ہے' لیکن میری زندگی میں وہ مرا تو اس کا بیٹا اس گدی کا وارث ہوگا' اس لیے وہ چاہتا ہے کہ میرے بارے میں معہ ثبوت ایسی باتیں لوگوں کے سامنے لائے کہ میں اس سے محروم ہوجاؤں... حالانکہ وہ خود مجھ سے بڑا عیاش وبدمعاش ہے۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اتنا کہہ کر نواب چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا اور میرا دل اس گراں قدر معلومات کو حاصل کر کے بلیوں اچھلنے لگا' میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے خود نواب ہی کی زبانی اتنی اہم بات معلوم

ہوجائے گی اور میرا دل بے چین ہونے لگا کہ یہ بات میں جلد از جلد روشن آراء بیگم تک پہنچا دوں... نواب سے انتقام لینے کے لیے ایک بہت ہی بہترین آئیڈیا میرے دماغ میں آیا تھا اوراس کے ساتھ ہی میرا دماغ میڈم روزی کی جانب گھوم گیا کہ ہو نہ ہو... میڈم روزی کا تعلق ضرور لودھی سے ہو گا۔

"کیا سوچ رہے ہو...؟ نواب نے مجھے سوچوں میں گم دیکھا تو پوچھا۔

نواب کی آواز سے میں چونک کر فوراً اپنی سوچوں کے حصار سے باہر نکل آیا اور کہا۔"بس یہی سوچ رہاتھا کہ اگر ایسی کوئی صورت حال پیش آئی تو اس کا سدباب کس طریقے سے کیا جائے گا۔"

"تو پھر آیا کوئی آئیڈیا تمہارے ذہن میں؟" نواب نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"آئیڈیاز تو بہت سے ہیں لیکن جہاں تک میرا خیال ہے کہ ایسی کوئی نوبت نہیں آئے گی۔" میں نے اعتماد سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"اتنے اعتماد سے تم کس بناء پر کہہ سکتے ہو۔" نواب نے میرے لہجے میں پوشیدہ اعتماد کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"بات یہ ہے نواب صاحب کہ ان محترمہ کو آپ کی زندگی سے نکلے بہت عرصہ بیت چکا ہے، اگر وہ کچھ کرنا چاہتیں تو کچھ نہ کچھ ضرور کرتیں۔اب میرا خیال ہے ایسا کچھ نہیں ہوگا، آپ بھول جائیں اس بات کو۔" میں نے بے فکر لہجے میں کہا تو نواب بھی کچھ مطمئن دکھائی دینے لگا، چند لمحوں کے توقف کے بعد بولا۔

"میں نے دراصل کسی اور کام کے لیے تمہیں بلایا تھا، مگر پھر مجھے اس بات کا خیال آگیا تو میں نے تم سے اس کے بارے میں پوچھ لیا۔دیکھو شہروز تم مجھے بہت عزیز ہو اور میں تم پر بہت اعتماد بھی کرتا ہوں۔حالانکہ یہ میری عادت نہیں ہے میں عام لوگوں پر اتنی جلدی بھروسہ نہیں کرتا، لیکن نہ جانے تمہارے اندر ایسی کون سی بات ہے کہ تم مجھے پہلی نگاہ میں ہی اچھے لگے،

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میرا دل خود بخود تمہاری جانب کھنچنے لگا، اور میں نے مستقل تمہیں اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ کرلیااور مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میرا فیصلہ کچھ غلط بھی نہیں تھا۔

دیکھوشہروز تم بھی اسی دنیا میں رہتے ہو اور میں بھی... بلکہ کروڑوں لوگ اس دنیا میں بستے ہیں۔ہم سب لوگ مختلف نسلوں، مذاہب اور طبقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ہر ایک کا زندگی گزارنے کا اپنا ہی طریقہ ہے، اور وہ اسی انداز سے زندگی گزارتا ہے، ہم جیسے لوگ بھی انسان ہیں اور اپنے انداز سے زندگی گزارتے ہیں۔ہماری زندگیوں میں بھی بہت سے مسائل ہوتے ہیں۔لیکن ہم اپنے ہر مسئلے کو ہر ایک کے آگے ڈسکس نہیں کرسکتے، دوسرے لوگوں پر ظاہر بھی نہیں کرسکتے۔

جب انسان کے پاس رتبہ، حیثیت، زمینیں اور دولت ہو تو اس کی زندگی الگ ڈھب پر ہی بسر ہوتی ہے، چاہے کچھ بھی ہو، ہمیں اپنی عزت جو دوسرے لوگوں کی نگاہ میں ہماری ہوتی ہے،اسے بچانا ضروری ہوتا ہے،پھر چاہے ہمیں اس کی کوئی بھی قیمت ادا کرنی ہو، ہم صاحب حیثیت اور صاحب اقتدار لوگ

ہیں‘ ہمارے لیے دنیا میں ہر وہ کام اور ہر وہ بات جائز ہوتی ہے جو عام لوگوں کے لیے ناجائز ہوتی ہے۔ایسا ہم سمجھتے ہیں‘ کیوں...؟“ اس نے خود ہی سوال کیا پھر بولا۔”وہ اس لیے کہ ہمیں اللہ نے عام لوگوں پر کچھ درجے زیادہ فوقیت دی ہے۔تم سمجھ رہے ہو ناں کہ میری اس گفتگو کا مقصد کیا ہے۔“اس نے مجھے چپ چاپ اپنی جانب تکتے ہوئے محسوس کرکے پوچھا۔

”جی نواب صاحب!“ میں نے سنبھل کر جواب دیا۔

”بس تو پھر یوں سمجھ لو کہ ہمارے ہر کام میں ہماری کچھ مجبوریاں ہیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیں وہ کام کرنے پڑتے ہیں‘ اس لیے کہ ہمیں اپنی بقاء اور اپنی عزت کا بھرم قائم رکھنا ہے۔“ وہ اپنا کوئی کام کروانے کے لیے میرے آگے تمہید باندھ رہا تھا۔

”آپ فرمائیے نواب صاحب‘ میں ہر طرح سے حاضر ہوں۔“ میں اس کی بے جا تمہید اور لفاظی سے اکتا سا گیا لیکن اپنے لہجے میں ادب کا پہلو نظر انداز نہیں کیا۔

”تم عرفان رسول کے نام سے واقف ہو...؟“ اس نے چند لمحوں کے توقف کے بعد پوچھا۔

”کون عرفان رسول...؟“ میں نے پوچھا۔

”وہی مشہور سماجی رہنما... جس کا ایک ادارہ ہے۔بے سہارا خواتین اور بچوں کا مرکز جہاں ایک انڈسٹریل ہوم بھی قائم ہے۔“ نواب صاحب نے عرفان رسول صاحب کا تفصیلی تعارف کرواتے ہوئے کہا تو مجھے یاد آگیا۔عرفان رسول صاحب ایک بہت نیک دل اور خداترس انسان تھے‘ خاصے دولت مند بھی تھے۔پہلے وہ غریبوں سے بہت نفرت کرتے تھے‘ اپنی زندگی عیاشیوں میں بسر کرتے تھے‘ ان کی بیوی اور ایک بیٹی بھی تھی‘ لیکن ایک مرتبہ سگنل پر ایک فقیرنی کو جب انہوں نے دھتکارا تو اس نے روتے ہوئے انہیں بددعا دی کہ جا تو اور تیرا خاندان تباہ اور برباد ہوجائے گا اور یہ اتفاق تھا یا واقعی اس غریب عورت کی بددعا کہ ذرا دور چلنے کے بعد ان کی گاڑی کا زبردست ایکسیڈنٹ ہوگیا‘ جس میں ان کی بیوی تو موقع پر ہی جاں بحق ہوگئی اور بیٹی

کی ریڑھ کی ہڈی میں ایسی چوٹ آئی کہ وہ ہمیشہ کے لیے معذور ہو گئی' وہ خود بھی زخمی ہو گئے تھے۔

لیکن پھر اللہ نے ان کے دل کی کایا پلٹ دی' انہیں اپنے اللہ کا خوف ستانے لگا' اپنے سارے گناہ اور زیادتیاں یاد آنے لگیں جو وہ غریبوں پر کرتے رہے تھے' انہوں نے اللہ سے سچی توبہ کی اور فقیر منش زندگی گزارنے لگے' ان کی بیٹی جو حادثے کے وقت گیارہ سال کی تھی' تقریباً سات سال کے بعد اٹھارہ سال کی عمر میں دنیا چھوڑ گئی۔

پھر انہوں نے سچ مچ دنیا سے کنارہ کشی کی زندگی اپنالی' اپنا سب کچھ انسانی فلاح و بہبود پر لگادیا' اپنی وہ کوٹھی جس میں وہ کبھی بڑی شان اور تمکنت کے ساتھ رہتے تھے' اسے بے سہارا خواتین اور بچوں کا مسکن بنادیا' اس ادارے کا نام ہی انہوں نے ''مسکن'' رکھا ہوا تھا۔یہیں پر انہوں نے خواتین کے لیے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ وہ اپنے ہاتھ کے ہنر سے اپنی روزی کماسکیں' ''مسکن'' کے زیادہ تر اخراجات وہ خود اٹھاتے تھے' کچھ اخراجات خواتین کے ہنر کی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

فروخت سے پورے ہوتے تھے اور کچھ لوگ جو خوف خدا رکھتے تھے' ان عورتوں کی مدد کے لیے چندہ دیا کرتے تھے۔

نواب نے مجھے یہ بھی بتایا کہ عہد جوانی میں عرفان رسول اس کا بہت اچھا دوست رہ چکا ہے'اس لیے وہ نواب کی زندگی کے بہت سے اہم رازوں سے بھی واقف ہے اور نواب بھی عرفان رسول کی جوانی کی غلطیوں سے آگاہ ہے' پھر جب عرفان رسول کی زندگی میں اتنی اہم تبدیلی آئی تو ان کی دوستیاں بھی تبدیل ہو گئیں' بلکہ کچھ باتوں پر ان کے اختلافات بھی ہوگئے اور آج یہ اختلافات اتنے زیادہ بڑھ گئے ہیں کہ نواب انہیں اپنے دشمنوں میں شمار کرنے لگا ہے۔

میں سمجھ گیا کہ نواب میرے ذریعے عرفان رسول کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتا ہے' یکایک میرا دل چاہا کہ میں فوراً یہاں سے اٹھ کر بھاگ جاؤں۔میں ذاتی طور پر عرفان رسول جیسے انسان کو نقصان پہنچانے کے حق میں نہیں تھا' لیکن اگر نواب نے مجھے ایسا کچھ کرنے کا حکم دیا تو میں انکار بھی نہیں کرسکوں گا' روشن آراء بیگم کو تو میں نے اس کے عتاب سے بچالیا تھا' لیکن عرفان

رسول... خیر جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا‘ میں نے سر کو جھٹک کر سر اوپر اٹھایا تو نواب کو بغور اپنی جانب دیکھتے ہوئے پایا۔

”عرفان کے بارے میں سوچ رہے تھے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”جی ہاں ایک مرتبہ ان کا انٹرویو ایک رسالے میں پڑھا تھا‘ پھر ذہن سے ان کا نام نکل گیا تھا‘ آج آپ نے یاد دلایا تو یاد آ گیا۔وہی سوچ رہا تھا۔“ میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

”تمہیں اس کے پاس جانا ہے اور بہت ہی اہم کام کرنا ہے‘ تمہارے ساتھ میں کسی اور کو بھی بھیجوں گا اور اس مرتبہ تمہیں ناکام نہیں لوٹنا ہے۔“ نواب نے لفظوں کو چبا چبا کر کہا تو میں چونک گیا‘ کہ نواب نے یہ کیوں کہا کہ اس مرتبہ تمہارے ساتھ کسی اور کو بھی بھیجنا ہے کیا روشن آراء بیگم والے معاملے میں میری ناکامی پر نواب کو کوئی شک ہو گیا ہے یا پھر اسے میرے اوپر اعتماد نہیں رہا‘ اس لیے میں نے کہا۔

”کسی اور کو میرے ساتھ بھیجنے کی وجہ... کیا آپ کو میرے اوپر اعتماد نہیں رہا۔“

”نہیں یہ بات نہیں ہے‘ اس کا ساتھ ضروری ہے۔بس یوں سمجھ لو کہ اس کی مدد کے بغیر تمہارا کام مکمل نہیں ہوسکتا۔“ نواب نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

”ایسا کون سا کام ہے جو میں تنہا نہیں کرسکتا اور کون ہے وہ جس کو آپ میرے ساتھ بھیجنا چاہتے ہیں۔“ میں نے چونک کر کہا۔

”میں نے اسے بھی بلوایا ہے‘ کل وہ آجائے تو تمہارا تعارف بھی اس سے کروادوں گا اور کام بھی بتادوں گا‘ پھر تم خود ہی کہوگے کہ ہاں اس کی مدد کے بغیر کام مکمل نہیں ہوسکتا۔“ نواب کا لہجہ بدستور معنی خیز رہا۔

”آپ نے مجھے الجھادیا ہے نواب صاحب‘ کچھ تو بتائیں۔“ میں نے الجھ کر کہا۔

”اب تم جاؤ یہ تو تمہیں کل ہی معلوم ہوگا اور ہاں‘ وہ والا کام مکمل کرنے کے بعد تمہیں میرا ایک کام اور کرنا ہے‘ اور وہ یہ کہ میری بیٹی کی وفات کے سلسلے میں میرے پاس تعزیت کے بہت سے پیغامات آرہے ہیں‘ تمہیں وہ سارے پیغامات دیکھنے ہوں گے اوران سب کے جوابات دینے ہوں گے‘ بہت سی میلز ہیں‘ سب دیکھ لینا۔“ نواب نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔لازماً میں بھی اٹھ کھڑا ہوا‘ یہ اشارہ تھا اس بات کی جانب کہ اب مجھے بنا ایک لفظ کہے

اس کمرے سے چلے جانا ہے‘ میں اسے سلام کرکے اپنے کمرے میں جانے لگا۔

تب ہی مجھے ایک تیز سشکاری سنائی دی‘ میں نے پلٹ کر دیکھا تو راکھی ایک کمرے کے دروازے سے ذرا سا چہرہ باہر نکالے ہوئے تھی‘ میں تیزی سے چلتے ہوئے رک گیا تو اس نے مسکراتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے مجھے بلایا تو میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دبے قدموں اس کی جانب بڑھا اور قریب جاکر سرگوشی میں پوچھا۔

”کیابات ہے آج بڑی بے خوف ہو رہی ہو‘ نواب اپنے کمرے میں موجود ہے۔“ میں نے کن اکھیوں سے نواب کے کمرے کے بند دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے اسے خبر دار کیا۔

”معلوم ہے۔“ اس نے برا سامنہ بناتے ہوئے کہا پھر عجیب سے لہجے میں بولی۔”میرا بہت دل چاہ رہا تھا تمہارے پاس آنے کا۔“

”ہوش میں رہو کیوں اپنے ساتھ مجھے بھی مروانا چاہتی ہو‘ جب تک نواب کوٹھی میں موجود ہے‘ ایسا سوچنا بھی مت۔“ اور اس کے ساتھ ہی مجھے کوٹھی

کے اندر گشت کرنے والے گارڈ کے بھاری بوٹوں کی آہٹ سنائی دی تو میں تیزی سے آگے بڑھ گیا۔راکھی تیزی سے اندر ہو گئی اور دروازہ بند کردیا۔

اپنے روم کی جانب جاتے ہوئے میری گارڈ عبدالرحیم سے مڈبھیڑ ہوئی تو میں اس کی جانب دیکھ کر مسکرادیا۔جواباً وہ بھی مسکرادیا۔اسے معلوم تھا کہ میں نواب سے مل کر واپس اپنے کمرے میں جارہاہوں۔کیونکہ وہی میرے پاس نواب کابلاوا لے کر آیا تھا۔

اس کوٹھی میں نہ جانے کتنی تعداد تھی ان گارڈز کی ‘ کتنے ہی اندر پہرہ دیتے تھے اور کتنے ہی باہر ...نواب جب کہیں بھی جاتاتھا تو اس کے ذاتی محافظوں کاایک پورا دستہ اس کے ساتھ چلتاتھا اور کوٹھی کے اندر بھی دن رات گارڈز گھومتے پھرتے تھے‘ میں دل ہی دل میں یہ سوچتا ہوا اپنے کمرے میں آگیا کہ چاہے تو اپنے اردگرد کتنے ہی پہرے بٹھالے‘ اسلحہ برداروں کی پوری فوج ساتھ لے کر چل لیکن جب اللہ کی جانب سے تیرا بلاوا آجائے گا تو تیرے یہ گارڈز بھی تجھے موت سے نہیں بچاسکیں گے۔

انسان نہ جانے کیوں اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا ہے کہ موت اپنے مقررہ وقت پر ہی آئے گی اوراس مقررہ وقت سے لمحہ بھر پہلے یا لمحہ بھر بعد نہ تو اسے کوئی موت دے سکتا ہے اور نہ ہی بچا سکتا ہے۔اگر انسان اس حقیقت کو اپنی پوری سچائی کے ساتھ تسلیم کرلے تو اس کے اندر لمحہ بہ لمحہ پلنے والا موت کا خوف ختم ہوجائے گا۔

اپنے روم میں آکر میں نے شب خوابی کا لباس تبدیل کیااور سونے کے ارادے سے بیڈ پر آگیا۔پھر دراز میں سے اعصاب کو پرسکون رکھنے کی ٹیبلیٹ کھائی اور لیٹ گیا۔تھوڑی دیر تک اپنے اور نواب کے درمیان ہونے والی گفتگو کی جزئیات پر غوروفکر کرتا رہا' پھر نہ جانے کب میں دبے قدموں نیند کی وادیوں میں اتر گیا۔

رات کو سوتے میں اماں بابا ارمان اور فائزہ کو خواب میں دیکھا' ہمارا ننھیا گلی والا مکان ہے' ہم سب صحن میں بیٹھے ہنس بول رہے ہیں۔پھریکایک فائزہ چارپائی سے گر پڑی اور میں نے اس کا جسم ڈھیر ساری گندگی میں لتھڑا ہوا دیکھا' اماں دور کھڑی دوپٹے کے پلو میں منہ چھپا کر رو رہی ہیں۔فائزہ نے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ارمان کی جانب ہاتھ بڑھائے تو اس کا وجود دھواں بن کر فضامیں تحلیل ہوگیا۔پھر وہ میری جانب بڑھی... میں نے آگے بڑھ کر فائزہ کو سنبھالا تو اس کے لباس کی ساری گندگی میرے جسم پرلگ گئی۔پھر فائزہ بھی نہ جانے کہاں گم ہوگئی' بس میں ہی کھڑا رہ گیا... گندگی سے لتھڑے اور اپنے بدبودار جسم کے ساتھ... میں بہت پریشان ہورہاہوں... پھر بابا میرے سامنے آگئے وہ مجھ سے بہت خفا ہیں اور غصے سے میری جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہے ہیں۔

”شاہ زمان یہ تونے اپنا کیاحال بنالیا ہے...ذرا اپنے اوپر نگاہ ڈال... تو سرتاپا گندگی میں لتھڑ گیا ہے... کیا ہوگیا ہے تجھے...تونے سب کچھ بھلادیا ...تجھے اس کیچڑ اور گندگی سے گھن نہیں آرہی... کراہیت نہیں آرہی...تو ایسا تو نہ تھا... تیرا تو ظاہر اور باطن سب بہت صاف ستھرا تھا... پاکیزہ تھا... تو میرا بیٹا نہیں رہا۔

پھرماں بھی سامنے آگئیں او رقہرآلود نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولیں۔

”تومیرا شاہ زمان نہیں ہے...!“

"نہیں اماں میں تو تمہارا ہی بیٹا ہوں تمہارا شاہ زمان ہوں... یاد ہے تم کتنے پیار سے مجھے شاہو کہا کرتی تھیں۔" میں نے تڑپ کر کہا۔

"ہاں کہا کرتی تھی... مگر اب تو میرا شاہو نہیں رہا... تو گندگی کے گڑھے میں گر گیا ہے... تو دیکھ اپنے آپ کو... تیرا سارا وجود گندگی کا ڈھیر بن چکا ہے۔" اماں نے کہا۔

"لیکن اماں یہ گندگی تو مجھے فائزہ سے لگی ہے... اماں وہ گر گئی تھی ناں... " میں نے بڑی لاچاری سے کہا۔

"تیرا یہی تو قصور ہے تونے بجائے فائزہ کی گندگی صاف کرنے کے اسے اپنے جسم سے لگالیا' جا چلا جا میری نظروں سے دور ہوجا..." اماں نے شدید غصے سے کہا۔

"اماں میری بات تو سنو... لیکن اماں مجھ سے دور ہوتی جارہی تھیں پھر میں بابا کی جانب بڑھااور ان کی جانب مدد طلب نگاہوں سے دیکھا لیکن وہ بھی بنا کچھ کہے مجھ سے دور ہوتے جارہے تھے 'اور پھر اماں او ربابا اتنے دور چلے گئے کہ ان کے ہیولے بھی مجھے دکھائی دینا بند ہوگئے' اور میرے چاروں جانب گھور

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اندھیرا چھانے لگا' میں اس اندھیرے میں ادھر ادھر بھاگ رہاتھا' یکایک تیز آندھی چلنے لگی' درختوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر بہت سے پتے میرے جسم پر تھپڑوں کی طرح لگنے لگے...اور پھر اس آندھی میں کہیں سے نواب سامنے آگیا...اور اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔اندھیرا چھٹنے لگا اورمیں نے دیکھا کہ نواب کاجسم انسانی غلاظت سے بھرا ہوا ہے' اوراس کے جسم سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے ہیں۔لیکن میں اس غلاظت اور بدبو کی پروا کیے بغیر اس سے بغلگیر ہو گیااور پھر میری آنکھ کھل گئی۔میں تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

میرا سارا جسم پسینے سے شرابور تھا' حالانکہ اے سی کی خوش گوار ٹھنڈک سارے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔اس کے باوجود میں پسینے میں نہایا ہوا تھا۔اچانک ہی میرا دل متلانے لگا۔مجھے قے آنے لگی۔میں اٹھ کر واش روم کی جانب بھاگا... لیکن سوائے ابکائیوں کے قے نہیں ہوئی۔

میں نے اچھی طرح سے کلی کی اور ہاتھ منہ دھو کر دوبارہ بیڈ پر آکر بیٹھ گیا۔میں نے ٹائم دیکھا' صبح کے ساڑھے چار بج رہے تھے۔دور کہیں سے ہلکی

ہلکی اذان فجر سنائی دینے لگی اور میں بیڈ پرچت لیٹ گیا' ذرا دیر پہلے دیکھا جانے والا خواب اپنے ذہن میں دہرانے لگا اور ساری باتوں پر غور کرنے لگا۔

مجھے اماں اور بابا کا غصہ یاد آیا' فائزہ کا گندگی میں لتھڑا جسم... پھر اس کی گندگی کا اپنے جسم سے لگ جانا... اور آخر میں نواب کا غلیظ اور بدبودار جسم...

یہ سب کیا تھا' کس جانب اشارہ تھا' میں کچھ بھی سمجھ نہیں پارہاتھا' میرا سر بری طرح دکھنے لگا۔

کاش میں اماں بابا کو بتاپاتا کہ میں تو اپنی فائزہ کی بے حرمتی اور اس کی موت کابدلہ لینے کے لیے یہاں آیا تھا' لیکن میرے پاس الفاظ ہی نہیں تھے جو انہیں بتاپاتا... کتنی بے بسی تھی... میرے اپنے سب مجھ سے روٹھ گئے... میں کتنا اکیلا ہوگیا ہوں... میں بے دم سا ہو کر بیڈ پر گر پڑا... پھر میری آنکھوں سے خودبخود آنسو بہہ نکلے... اور میں دیر تک روتا رہا' میں نے اپنے گھٹنے موڑ کر پیٹ کی جانب کرلیے اور بازوؤں کاحلقہ ان کے گرد

باندھ لیا' میں ایک خوف زدہ اور بے بس بچے کی مانند سکڑا سمٹا لیٹا آنسو بہا رہاتھا۔

میں شہروز خان... جواتنا طاقت ور تھا جس کے بھاری ہاتھ کا ایک تھپڑ ہی انسان کوزمین کی مٹی چٹا دیتاتھا' وہ اتنا جی دار اور بہادر تھا جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتاتھا... جسے موت کا خوف پل بھر بھی دامن گیر نہیں ہوتاتھا' کیسے ایک خوف زدہ بچے کی مانند یہاں پڑاتھا' وہ کس چیز کا خوف کھارہاتھا... شاید اس کے لاشعور میں کہیں اللہ اور یوم آخرت کا خوف اب بھی چھپا بیٹھا تھا۔

آج میں سوچ رہا ہوں کہ یہ انسانی نفسیات بھی عجیب ہوتی ہے' کہیں انسان ساری دنیا کو اپنے قدموں تلے روندھنے کاارادہ رکھتا ہے تو کبھی رات کی تنہائی میں کوئی شے کوئی ہستی اسے اپنا خوف دلاتی رہتی ہے۔

میں ایک بار پھر سو گیا... پھر نیند میں ایسا محسوس ہوا جیسے مجھے سخت سردی لگ رہی ہے' مجھے وہ ٹھنڈک خوش گوارگرمی میں تبدیل ہونے لگی... کبھی سرپر منوں بوجھ محسوس ہوتا...

اور پھر میں نے آنکھیں کھول دیں... میں اپنے روم میں تنہا نہیں تھا، کئی سارے لوگ تھے، سلمان اور راکھی بھی موجود تھے، میں نے اپنی بوجھل پلکوں کو بمشکل کھول کر کمرے میں چاروں جانب نگاہیں گھمائیں تو راکھی کی پرمسرت لہجے میں آواز سنائی دی۔

"شاید اسے ہوش آگیا ہے...!"

"ہاں ایسا ہی لگ رہا ہے۔" سلمان اور راکھی میرے اوپر جھک آئے۔

"تم کیسے ہو شہروز...اب طبیعت کیسی ہے؟" دونوں نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" میں نے کمزور لہجے میں جواب دیا۔"مجھے کیا ہوا ہے...؟"

میں نے ان دونوں کی موجودگی پر حیرت زدہ ہو کر سوچا اور پوچھا۔

"میں نواب صاحب کو شہروز کے ہوش میں آنے کی اطلاع دیتا ہوں۔" قریب کھڑا گارڈ عبدالرحیم یہ کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

"تمہیں شدید سردی سے بہت تیز بخار ہوگیا تھا، تم ہوش میں نہیں تھے، پتا نہیں بخار کی شدت سے بڑبڑا رہے تھے۔بار بار اماں بابا کو پکار رہے تھے۔ملازم تمہیں جگانے کے لیے آیا تو اس نے دیکھا کہ تم بستر پر سکڑے سمٹے لیٹے

سردی سے کپکپا رہے ہو اور تمہارا جسم بھی بخار سے تپ رہا تھا۔اس نے نواب صاحب کو اس بات کی اطلاع دی۔نواب صاحب نے ڈاکٹر کو بلوایا... اس نے تمہیں چیک کیا... تمہارا بلڈ بھی ٹیسٹ کرایا گیا، کیونکہ بار بار انجکشن دینے کے باوجود بھی تمہار ابخار نہیں اتر رہا تھا۔تمہیں پورے چوبیس گھنٹے بے ہوشی کے عالم میں گزر چکے ہیں۔تب نواب صاحب نے تمہاری دیکھ بھال کے لیے مجھے یہاں رہنے کے لیے کہا، بھگوان کا شکر ہے کہ تم ہوش میں آگئے ہو۔بخار بھی اتر گیا ہے۔" راکھی نے تفصیل سے مجھے بتایا۔

"میری بلڈ کی رپورٹ کہاں ہے...؟" میں نے پوچھا۔

"وہ تو ڈاکٹر کے پاس ہی ہے۔وہ تمہیں دیکھنے کے لیے آئے گا تو خود ہی پوچھ لینا، میں تمہارے کھانے کے لیے کچھ لے کر آتی ہوں۔اگر چاہو تو واش روم چلے جاؤ... ہاتھ منہ دھولو...!" راکھی نے کہا تو سلمان راکھی کو رکنے کا کہہ کر خود باہر چلا گیا۔

میں تھوڑی کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ پسینے کی وجہ سے جسم سے بدبو آ رہی تھی، میرا دل چاہا کہ میں غسل کروں۔ میں نے پہلے اپنا ٹمپریچر لیا، نارمل تھا اس لیے گرم پانی سے شاور لیا اور خود کو فریش محسوس کرنے لگا۔

میں ایک ڈاکٹر تھا اور اپنے بخار کی یہی وجہ سمجھ میں آئی کہ شاید میرا معدہ ٹھیک نہیں ہے، ٹمپریچر اسی وجہ سے ہوا تھا، اور شاید اس رات جو خواب دیکھا تھا اس نے میری طبیعت کو خاصا مکدر کر دیا تھا۔

بہرحال اب میں بالکل ٹھیک تھا، سلمان کے کہنے پر میرے لیے سوپ لایا گیا، میں نے ناشتہ کیا، راکھی اور سلمان میرے پاس ہی بیٹھے تھے کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور نواب اندر آیا۔

"کیا حال ہے جوان...؟ کیا تم مریض بن کر خدمت کروا رہے ہو... تم نے تو پریشان کر دیا یار...!" نواب نے اندر آ کر کھڑے کھڑے میرا حال پوچھا۔

"انسانی جسم میں جو مشینری فٹ ہے اس میں بھی کبھی کبھی گڑبڑ ہو جاتی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہارا بخار کسی طرح کم نہیں ہو رہا تھا میں تو خاصا فکر مند ہو گیا تھا، میں نے ڈاکٹر سے کہا کہ بھئی اس کو جلدی سے کھڑا کرو... میرے بہت سے کام اس کے بغیر ادھورے پڑے ہیں۔ تمہارا بلڈ بھی ٹیسٹ کروایا... سب کچھ ٹھیک ہے، بس تمہارا پیٹ گڑبڑ ہے۔" نواب نے ہنستے ہوئے کہا۔

"جی! میرا خود کا بھی یہی خیال ہے۔" میں نے کہا۔

"اینی وے... تم آرام کرو... کھاؤ پیو... کل ملتے ہیں۔" نواب نے آگے بڑھ کر میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے چلا گیا۔

سلمان کی موجودگی کی وجہ سے راکھی مجھ سے کھل کر بات نہیں کر پا رہی تھی، اس لیے وہ سلمان سے بولی کہ اب شہروز ٹھیک ہے، اس لیے وہ چلا جائے اور اپنے کام کرے۔

"میں تو جا ہی رہا ہوں... اور تم یہاں بیٹھ کر کیا کرو گی۔" اس نے راکھی سے کہا۔

"میں نے کیا کرنا ہے... شہروز سے باتیں کروں گی۔اس کا دل بہلاؤں گی۔" راکھی نے تنک لہجے میں جواب دیا تو سلمان باہر چلا گیا۔

سلمان کے جانے کے بعد راکھی بے ساختہ مجھ سے لپٹ گئی اوراس نے چٹاچٹ کئی بوسے میرے چہرے کے لے ڈالے...

"ارے یہ کیا اماؤں کی طرح مجھے پیار کررہی ہو۔" میں نے گھبرا کر کہا۔

"اچھا میرا پیار تمہیں ایک ماں کا پیار لگ رہا ہے'اگر کہو تو محبوبہ بن جاؤں۔" اس نے مصنوعی خفگی بھرے لہجے میں کہااور پھر آنکھیں مٹکا کر آخری الفاظ معنی خیز لہجے میں کہے۔

"فی الحال میری جان بخش دو... میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔اگر تم برا نہ مانو تو تم بھی فی الحال چلی جاؤ۔" میں نے سادہ سے لہجے میں کہا تووہ بنا ایک لفظ کہے چپ چاپ اٹھ کر چلی گئی۔

راکھی کے جانے کے بعد میں آنکھیں بند کرکے لیٹ گیا۔ذراہی دیر میں مجھے دوبارہ نیند آگئی اور میں سو گیا۔وہ پورا دن اور پوری رات میں نے آرام کیا۔

اگلے دن میں پوری طرح ٹھیک تھا' ناشتے سے فارغ ہو کر مجھے نواب کے

بلاوے کاانتظار تھا۔اس اتنی بڑی کوٹھی میں ڈھیروں ملازمین اور لوگ رہتے تھے' لیکن سارے لوگوں کو بیکار میں ادھر ادھر گھومنے پھرنے کی اجازت نہیں تھی' سب کے کمرے تھے اور لوگ زیادہ تر اپنے کمروں ہی میں رہتے تھے اور ضرورت کے تحت باہر نکلا کرتے تھے' اس لیے جب بھی میں باہر نکلا مجھے کوٹھی میں خاموشی محسوس ہوئی تھی۔

پھر میری توقع کے عین مطابق نواب کا بلاوا آگیا' اور یہ بلاوہ اس کے سیل فون کے ذریعے میرے سیل فون پر آیا تھا' رابطہ ہوجانے پر اس نے کہا۔

"شہروز طبیعت کیسی ہے؟"

"بالکل ٹپ ٹاپ!" میں نے اپنے آپ کو پہلے ہی سے تیار کیا ہوا تھا اس لیے خوش گوار لہجے میں کہا۔

"تو بس ٹھیک ہے ادھر ہی چلے آؤ' بلکہ تم ایسا کرو..."اس نے لمحہ بھر توقف کیا۔"تم ڈرائنگ روم میں پہنچو میں بھی ادھر ہی آرہا ہوں۔دراصل میں نے اسے بھی بلوایا ہے جسے ایک ضروری کام سے تمہارے ساتھ بھیجنا ہے۔"

"بہت بہتر سر! میں ابھی ڈرائنگ روم میں پہنچ رہا ہوں۔" میں نے آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

اسی ڈرائنگ روم میں پہلی مرتبہ میری نواب سے ملاقات ہوئی تھی اور میں اس کی پرشکوہ اور نفیس پرسنالٹی سے مرعوب ہو کر ملا تھا' نواب آج بھی لباس کے معاملے میں خاصا نفیس واقع ہوا تھا۔

اس کی رنگت سرخ وسفید تھی۔سر پر سامنے سے اب تو بال کم ہوگئے تھے لیکن اپنی جوانی کے دور میں وہ خاصا ڈیشنگ رہاہوگا' اوپر سے اس کی بات چیت کا انداز... سب کچھ ہی تو دوسروں کو موہ لینے والا تھا' وہ بظاہر جتنا جاذب نگاہ تھا' اندر سے اتنا ہی غلیظ تھا۔

اس خیال کے آتے ہی مجھے اپنا خواب یاد آگیا۔میں نے ایک لمحہ کو رک کر سوچنا چاہا' پھر یہ سوچ کر اس خواب کو ذہن سے جھٹک دیا کہ اس رات میرا معدہ ٹھیک نہیں تھا' اس لیے مجھے یہ الٹا سیدھا خواب دکھائی دیاا اور چونکہ اماں باباارمان اور فائزہ ہروقت میری سوچوں میں موجود رہتے ہیں اس لیے خواب میں بھی ان ہی لوگوں کی شکلیں دکھائی دیں۔

ڈرائنگ روم میں نواب کو آنا تھا اس لیے اس کے دروازے پر ایک گارڈ پہلے ہی سے موجود تھا' میں دروازے کے قریب پہنچا تو گارڈ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیااور میرے اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کردیا۔

ڈرائنگ روم خالی تھا ابھی تک یہاں اور کوئی نہیں آیا تھا' پتا نہیں نواب نے کسی کواور میری کس قسم کی مدد کے لیے بلایا ہے' میں یہ بات سوچ ہی رہاتھا کہ ڈرائنگ روم کا دوسری جانب والا دروازہ کھلا جہاں سے باہر سے آنے والے مہمان ڈائریکٹ ڈرائنگ روم میں آتے ہیں۔گارڈ اس دروازے پر بھی موجود تھا۔اس مرتبہ بھی دروازہ اس نے کھولا تھا۔

لیکن اندر جو ہستی آئی اس پرنگاہ پڑتے ہی میں اپنی جگہ سے بے ساختہ کھڑا ہوگیا اورمیرے منہ سے نکلا۔

"تم ...یہاں...!"

...☆☆☆...

مجھے ہوش آیا تو میں اپنے روم میں بیڈ پر موجود تھی۔اماں اور آنٹی روشن آرا میرے نزدیک بیٹھی تھیں۔آنٹی روشن مسلسل اپنے آنسو اپنے دوپٹے کے پلو

سے صاف کر رہی تھیں اور اماں سے کوئی بات کر رہی تھیں۔ میری آنکھیں کھلی دیکھیں تو فوراً میرے اوپر جھک آئیں اور بولیں۔

"کیسی ہے میری بیٹی... میری جان...!" ان کے لہجے میں ممتا کی تڑپ اور شفقت محسوس کرنے کے باوجود میں نے جھٹ اپنی آنکھیں دوبارہ بند کر لیں۔

جب کہ میرا سوکھے پتے کی طرح لرزتا اور کانپتا ہوا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی اٹھوں اور جھٹ اپنی ماں کے سینے سے لگ جاؤں... اس گرمی کو محسوس کروں اور دھڑکتے دل کی صدا کو سنوں جو صرف اور صرف ایک حقیقی ماں ہی کی اپنی اولاد کے لیے ہوتی ہے' جسے اتنی تکلیف سہہ کر اس نے اپنی کوکھ سے جنم دیا ہوتا ہے۔

پتا نہیں میرے اندر اتنا سارا دکھ تھا'یا غصہ تھا' میں نے غیر محسوس طریقے سے ایسا کیوں کیا۔ پھر میں نے کروٹ بدل لی اورآنسو میری پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر بہنے لگے۔

کاش میں نے وہ سب نہ سنا ہوتا'کاش میں ہمیشہ کی طرح آج بھی اس ساری حقیقت سے ناآشنا ہی رہتی۔ آگہی بھی ایک عذاب بن جاتی ہے۔

آج مجھے معلوم ہوا کہ امی مجھے لے کر مہینوں میری سرمئی امی کے ساتھ ان کے گھر پر رہی تھیں۔ پھر مجھے جان بوجھ کر ان کے حوالے کر کے کہیں چلی گئیں تھیں اور ایسی گئیں کہ کبھی پلٹ کر میری خبر بھی نہ لی۔

اور...اور یہ بات اماں بابا اور میری امی بھی جانتی تھیں کہ میرے والدین کون ہیں اور سب نے ہی مجھ سے یہ سب چھپایا' امی کیوں دوپٹے میں منہ چھپا کر رونے لگتی تھیں جب میں ان سے اپنے باپ کا نام پوچھا کرتی تھی' جب کہ وہ جانتی تھیں کہ میرا باپ کون ہے' آج ایک بار پھر میرے ذہن میں بہت سے سوال گردش کرنے لگے اور میرے ان سوالوں کے جوابات مجھے میری یہ حقیقی ماں ہی دے سکتی تھیں اور آج انہیں میرے ہر سوال کا جواب دینا ہی ہوگا۔ ورنہ...!

"روشنی... میری روشنی بیٹا... میری جانب دیکھو اپنی ماں کی جانب... اللہ کے واسطے تم تو مجھ سے اس طرح منہ نہ موڑو... مجھ سے تو میری تقدیر ہی نے منہ موڑ لیا تھا... دنیا کی ہر خوشی نے دامن چھڑا لیا تھا... میں تو سب کچھ بھول گئی تھی۔ اگر یاد تھی تو صرف تمہاری 'اپنی روشنی کی...اگر تم مجھ سے

ناراض ہو تو لو میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتی ہوں... مجھے معاف کردو... غصہ کرلو... اپنی ماں کو برا بھلا کہہ لو... لیکن ایک بار ماں کہہ کر میرے سینے میں جلتی ہوئی جدائی کی اس آگ کو میرے سینے سے لگ کر بجھادو۔"

امی بری طرح روتے ہوئے کہے جارہی تھیں' میں نے ذرا سی آنکھ کھول کر دیکھا تو ان کے دونوں ہاتھ معافی کے لیے جڑے ہوئے تھے' یہ منظر میری برداشت سے باہر ہو گیااور میں تیزی سے اٹھ بیٹھی اور امی کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو کھول کر ان کی کھلی بانہوں میں سماگئی' ان کے محبت سے لبریز دل کی دھڑکن کو سننے لگی' وہ کیسا سکون اور طمانیت کا احساس تھا' جو اس وقت میں نے محسوس کیا' ایک ٹھنڈک تھی جو میرے سارے وجود میں سرائیت کرتی جارہی تھی۔

دیر تک ہم ماں بیٹی ایک دوسرے کے گلے لگ کر روتے رہے' ایک دوسرے کے چہرے کو چومتے رہے۔کافی دیر کے بعد ہمارے اندر سے ابھرتا ہوا جذبات کاوہ تلاطم تھما اور ہم پرسکون ہو کر بیٹھے' اماں نے مجھے اور

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

امی کو پانی پلایا۔میں امی کے ہاتھوں کو اس طرح اپنے ہاتھوں میں تھام کر بیٹھی تھی کہ اگر میری گرفت ذرا بھی ڈھیلی ہوئی تو امی پھر کہیں غائب ہوجائیں گی۔

شمسو بابا بھی اس کمرے میں آگئے اور کپکپاتی ہوئی آواز میں بولے۔

"روشن آرابیگم آپ ہی بٹیا سے ہمیں معافی دلوائیے اور انہیں بتائیے کہ یہ آپ ہی کا حکم تھا کہ بٹیا کو بڑا ہونے کے بعد بھی کسی بات کاپتا نہ چلے اور دیکھ لیں کہ ہم نے اپنے وعدے کی لاج رکھی اور بے جی نے بھی بٹیا کو کچھ نہیں بتایا۔"

"میں آپ دونوں کی بہت زیادہ شکر گزار ہوں شمسو بابا اور آپا حمیدہ کہ سرمئی باجی کے بعد آپ دونوں نے میری روشنی کااتنا خیال رکھا..." امی نے ممونیت کے گہرے احساس کے ساتھ اماں اور بابا سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ہم تو خادم ہیں جی... اور خادموں کا کام اپنے مالک کا حکم ماننا اور ان سے وفاداری کرنا ہے۔" شمسو بابا نے نگاہیں جھکا کر نیاز مندی سے کہا تو میں ایک چھلانگ لگا کر بیڈ سے اتری اور بابا کے گلے لگ کر کہا۔

”خبردار بابا جو آئندہ آپ نے اپنے لیے یہ لفظ استعمال کیا... آپ تو صرف میرے بابا ہیں اور بس...!“

”اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے بٹیا! اللہ نصیب اچھا کرے...“ بابا نے میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے مسکراتے ہوئے کہا تو امی نے باآواز بلند آمین کہا۔

وہ دن میری زندگی کا سب سے بڑا خوشی کا دن تھا' میں نے امی سے شکوہ کیا کہ آپ نے پلٹ کر ایک بار بھی میری خبر نہیں لی' تو امی نے بتایا کہ تین چار سال کے بعد وہ ایک مرتبہ اس گھر میں آئی تھیں لیکن ہم لوگ وہاں نہیں تھے' کوئی اور لوگ وہاں رہ رہے تھے۔ پھر اس کا جواب اماں نے دیا کہ ہم لوگ کیوں کہ نواب سطوت سے بھی چھپ کر وہاں رہ رہے تھے تو ایک مرتبہ نواب سطوت کے ایک آدمی نے شمسو بابا کو بازار میں دیکھ لیا اور پوچھا کہ وہ لوگ کہاں رہ رہے ہیں اور یہ بھی کہ سرمئی بائی کہاں غائب ہو گئیں۔

یہ بات جب شمسو بابا نے امی کو آکر بتائی تو انہوں نے فوراً ہی وہاں سے بہت دور اس جگہ مکان خرید لیا اور ویسے بھی بے جی بہت زیادہ چاہنے لگی تھیں اور

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

نہیں چاہتی تھیں کہ اب اچانک کہیں سے روشن آراء بیگم آئیں اور اپنی اولاد کی واپسی کا مطالبہ کریں' شاید یہ ان کی خودغرضی تھی اس لیے وہ اس گنجان آباد علاقے میں آکر بس گئیں۔

”امی آپ سب نے مجھ سے میرے باپ کا نام کیوں چھپایا...؟“ میں نے سوال کیا تو امی نے جواب دیا کہ وہ بہت زیادہ ڈر گئی تھیں' انہیں نواب سے نہ وراثت چاہیے تھی نہ دولت نہ نام... بس انہیں تو میری زندگی عزیز تھی... وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کہیں میں جذبات میں آکر کسی اور سے اس بات کا ذکر نہ کردوں یا پھر اس کے سامنے جا کر کھڑی نہ ہوجاؤں... اور پہچان لیے جانے کی صورت میں وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑتا۔

امی کیا سرمئی امی نواب سطوت سے محبت کرتی تھیں...؟“ میں اپنے دل میں مچلنے والے سوال کو ادا کرنے سے نہ روک سکی اور امی سے پوچھ بیٹھی۔ امی نے ایک گہری سانس لی اور بولیں۔

”ہاں...! یہ بات انہوں نے خود مجھے بتائی تھی' کہ وہ نواب سطوت سے بے حد محبت کرتی تھیں' اسی لیے انہوں نے اپنا آبائی پیشہ بھی چھوڑ دیا تھا لیکن ان کا

نکاح تمہارے والد سے نہیں ہوا تھا۔بعد میں جب میرے حالات سنے تو انہیں بھی نواب سطوت سے نفرت ہو گئی۔

اور پھر وہ ساری رات ہم دونوں جاگتی رہیں' امی نے مجھے اپنی شادی سے پہلے سے نواب سطوت سے ملاقات ان سے شادی اور میری پیدائش سے لے کر کھوکھراپار والے مکان سے اس گھر میں آنے تک کے سارے واقعات تفصیل سے سنائے۔

شہروز کا ذکر آیا تو امی نے بتایا کہ وہ نواب سطوت کا آدمی ہے اور اس کے کہنے پر میرا کام تمام کرنے کے لیے آیا تھا' لیکن وہ ایک بہت اچھا لڑکا ہے۔"

میں یہ بات جان کر چونک گئی کہ وہ جس شخص کو باس کہہ رہا تھا' وہ نواب سطوت ہی تھا اوراس نے نواب سطوت کانام میرے سامنے اس لیے نہیں لیا تھا کہ وہ امی کی زبانی ان کی ساری داستان سن چکاتھا۔امی ہی کی زبانی مجھے اس بات کا بھی علم ہوا کہ شہروز نامی وہ نوجوان بھی نواب سطوت کے ظلم کاشکار ہوا ہے۔

اور پھر شاید ہماری تقدیر ہمیں ملوانا چاہتی تھی اس لیے شہروز امی کو لے کر جارہاتھا کہ میری اور اس کی کار میں ٹکر ہو گئی اور یوں امی خود بخود میرے پاس پہنچ گئیں۔مجھے یاد آیا کہ جب اماں نے امی کو دیکھا تو وہ انہیں پہچان گئی تھیں اور ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا کہ "یہ تمہیں کہاں مل گئیں۔" اور میں جلدی میں تھی اس لیے میں نے اماں کے الفاظ پر غور ہی نہیں کیا۔

امی کی بانہوں کے تکیے پر سر رکھ کر میں دنیا ہی کو بھول گئی' امی نے مجھے اپنی لائف کا ہر لمحہ بتایا' ان کا کہنا تھا کہ اب میں یہ بات بھول جاؤں کہ میرا باپ کون ہے' بس اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مجھے اور انہیں ملوادیا ہے اس لیے ہماری بہتری اسی میں ہے کہ ہم یہ بات ہمیشہ کے لیے بھول جائیں۔

باتیں کرتے کرتے اچانک مجھے حشام کا خیال آیا کہ میں نے رات کو اسے ایس ایم ایس کرکے کہاتھا کہ میں تمہیں خود کال کروں گی اور میں نے اپناموبائل فون سائیلنٹ موو پر کردیاتھا۔میں تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور

موبائل دیکھا تو اس میں حشام کے پندرہ بیس ایس ایم ایس ”کال می“ کے تھے اور اتنی ہی مس کالز تھیں۔میں جانتی تھی کہ حشام رات کے اس سمے بھی صرف میری کال کے انتظار میں جاگ رہا ہوگا‘ وہ میرے لیے بے حد فکرمند تھا‘ اس لیے میں نے اس کانمبر پنچ کیا‘ پہلی ہی بیل پر حشام نے فون ریسیو کرلیااور وہ بے تابی سے بولا۔

”سرمئی تم ٹھیک تو ہو...!“

”ہاں حشام میں بالکل ٹھیک ہوں۔آئی ایم سوری حشام میں تمہیں کال کرنے میں لیٹ ہوگئی۔دراصل...!“

”او... تھینک گاڈ...!“ اس نے شکر کاایک طویل سانس لیا۔”تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ یہ وقت میں نے کس اذیت میں گزارا ہے۔ لیکن اللہ کاشکر ہے کہ تم ٹھیک ہو‘ یہ بتاؤ سب کچھ ٹھیک ہوگیا ناں...!“

”ہوں!“ میں نے پرمسرت ہنکاری بھری... میری امی میرے پاس میرے کمرے میں ہی ہیں۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”چلو بہت اچھی بات ہے... تمہاری تلاش ختم ہوگئی‘ میں تمہاری اس خوشی میں تمہارے ساتھ ہوں ... بہت بہت مبارک ہو۔“ حشام نے کہا۔میں اس کے الفاظ اور لہجے میں چھپی مسرت کو بہت اچھی طرح محسوس کرسکتی تھی۔

”یہ سب بھی تو تمہاری ہی وجہ سے ہوا ہے‘ تم ہی نے تو اس جانب میری توجہ دلائی تھی۔امی نے مجھے ہر بات بتادی ہے‘ اب میرے دل میں کوئی ملال نہیں ہے‘ بلکہ اس بات کا دکھ ہے کہ میری امی نے صرف میری جان بچانے کے لیے کتنے دکھ اٹھائے‘ اپنی ساری زندگی برباد کردی۔میں تم سے ملوں گی تو ہر بات تفصیل سے بتاؤں گی۔“میں نے امی کی جانب محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا جو خود بھی میری جانب محبت سے ہی دیکھ رہی تھیں۔

”چلو تم امی کے ساتھ باتیں کرو... میں اب سوتا ہوں... بھوک بھی لگ رہی ہے‘ رات کو تمہاری فکر میں‘ میں نے ڈنر بھی نہیں لیا تھا۔“ حشام نے کہا۔

”اوہو! تم کچھ کھالوناں...“ میں نے فکرمندی سے کہا۔

"اب کہاں سے کھاؤں۔ کچن بند ہے اور ویسے بھی سب کچھ فرج میں پڑا ہے تمہیں پتا ہے میں ٹھنڈا کھانا نہیں کھاتا' اب ناشتہ ہی کروں گا۔" حشام نے کہا۔

"اچھا حشام میں کل نہیں آؤں گی... پلیز تم رمضانی صاحب سے کہہ دینا۔" میں نے کہا۔

"اوکے میم...!" اس نے شوخ لہجے میں کہا پھر بولا۔ "اگر ہوسکا تو میں کل شام چکر لگاؤں گا۔ آنٹی سے ایک نئے رشتے کے ساتھ ملنے کے لیے... آخر کو وہ میری ہونے والی ساس صاحبہ ہیں۔"

"شٹ اپ حشام..." میں نے ہنستے ہوئے کہا اور گڈ نائٹ کہہ کر فون بند کردیا۔

فون بند کرکے میں واپس امی کی جانب پلٹی تو وہ غور سے میرے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے بولیں۔

"ایک بات پوچھوں روشنی...؟"

"ضرور پوچھیں امی... بٹ آپ پہلے میرے ایک سوال کا جواب دیں۔" میں نے کہا تو امی نے آہستہ سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"میرا نام تو سرمئی ہے پھر آپ مجھے روشنی کیوں کہتی ہیں؟"

"اس لیے کہ میں نے تمہارا نام روشنی ہی رکھا تھا' بلکہ جب میں یہاں آئی اور میں نے تمہارا نام سرمئی سنا تو مجھے بڑی حیرت ہوئی... میں یہ بھی نہیں سمجھ سکی ہوں کہ باجی نے تمہارا نام سرمئی کیوں رکھا' انہوں نے تمہیں اپنا نام کیوں دیا...!" امی نے کہا۔

"میرا خیال ہے امی انہوں نے مجھے اپنا نام اس لیے دیا ہے کہ وہ اپنی شخصیت کی نئی تعمیر کرنا چاہتی تھیں وہ شاید جیسا بننا چاہتی تھیں ' انہوں نے مجھے ویسا ہی بنادیا۔" میں نے خیال آرائی کی۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو... وہ تھیں تو خاندانی طوائف... لیکن شاید ان کے اندر اپنے اس پیشے سے نفرت چھپی تھی... اس لیے ماں کے مرنے کے بعد اور سطوت سے محبت ہونے کے بعد انہوں نے سب کچھ چھوڑ دیا۔" امی بولیں۔ "اچانک ہی مجھے ایک خیال آیا کہ حشام امی سے ملنے کے لیے گھر آئے گا' ایک بات جو میں نے حشام سے چھپائی تھی اور نہیں چاہتی تھی کہ اسے کبھی

بھی معلوم ہو... کہیں ایسا نہ ہو کہ امی کے منہ سے کبھی بے خیالی میں نہ نکل جائے اس لیے کہا۔

"امی آپ یہ بات کبھی بھول کر بھی کسی کے آگے مت کہیے گا کہ میری پرورش کرنے والی عورت سرمئی بائی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ حشام کے والدین بھی آپ سے ضرور ملیں گے تو آپ صرف اتنا کہہ دیجیے گا کہ آپ نے اپنی دوست کو یہ قسم لے کر سونپا تھا کہ وہ کسی کو نہیں بتائے گی یہ لڑکی روشن آراء اور سطوت کی ہے۔"

"میں سمجھتی ہوں بیٹا اس بات کو... تم فکر نہ کرو... ارے ہاں میری بات تو بیچ میں ہی رہ گئی۔" امی نے کہا۔

"جی... اب پوچھیں آپ کیا پوچھنا چاہتی ہیں۔" میں مطمئن ہو کر پوری طرح امی کی جانب متوجہ ہو گئی۔

"حشام بہت اچھا لڑکا ہے... مجھے پسند آیا... یہ بتاؤ کہ تمہاری اس کی دوستی صرف کولیگ کی حد تک ہے یا یہ بات اس سے کافی آگے بڑھ چکی ہے...!"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

امی کی بات سن کر میں سناٹے میں آگئی... سمجھ میں نہیں آیا کہ امی کے آگے سچائی بیان کروں یا پھر گول مول جواب دے دوں لیکن پھر فیصلہ کیا کہ ایک ہی بار سچ بول دیتی ہوں۔

"میں نے کیا کوئی مشکل سوال کردیا ہے۔" امی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"مشکل تو ہے پر اتنا مشکل نہیں کہ جواب ہی نہ دیا جاسکے... میں آپ سی قطعی جھوٹ نہیں بولوں گی...امی مرحومہ نے میری تربیت کے دوران بار بار یہ بات میرے ذہن میں بٹھائی تھی کہ مجھے مرد ذات پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا ہے' کبھی اس کی محبت کے نام پر پھینکے ہوئے جال میں نہیں پھنسنا ہے۔یہ ایسی مخلوق ہے جس سے جتنا زیادہ دور رہو' اتنا ہی اچھا ہے' اس لیے میں نے کالج اور یونیورسٹی میں کبھی کسی سے دوستی نہیں کی۔

حشام میرے ساتھ ہی پڑھتا تھا' اس نے ہمیشہ میری جانب پیش قدمی کی اور میں نے ہمیشہ اپنے قدموں کو پیچھے ہٹالیا' لیکن یہ میرے ساتھ ساتھ رہا' غیر محسوس طریقے سے میرے کام آتا رہا' میری مدد کرتا رہا' اس نے مجھ سے التجا کی کہ مجھ سے دوستی کرلو... میں تم سے کبھی کچھ نہیں مانگوں گا' اس لیے

امی میں نے اسے جان کر سمجھ کر اپنا دوست مان لیا۔اس کے ساتھ ہی وارننگ بھی دے دی کہ ہمارے درمیان کبھی بھی مرد اور عورت والی محبت نہیں آئے گی... اس نے اس بات کا خیال رکھا۔میں بظاہر اسے منع کرتی رہی... لیکن امی... !" میں بات کرتے کرتے رک گئی... آگے بات کرتے ہوئے جھجک رہی تھی۔

"لیکن کیا...؟" امی نے تیزی سے پوچھا۔

"لیکن امی... پتا نہیں کب اور کیسے میں خود اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی... لیکن میں نے اپنے دل میں پلنے والے اس جذبے کا اظہار اس کے آگے نہیں کیا... لیکن جب اس نے جھوٹ موٹ اپنی منگنی اور شادی کے بارے میں بتایا تو میرے اندر کا چور میرے چہرے پر آگیا اور اس نے میری چوری پکڑ لی۔کل رات ہی تو ہمارے درمیان پہلی مرتبہ محبت کا اظہار ہوا ہے۔"

"لیکن امی...!" میں نے جھٹ امی کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور کہا۔"امی اگر آپ حشام کو میری زندگی کے ساتھی کے طور پر پسند نہیں کریں گی تو میں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اف نہیں کروں گی... مجھے آپ پر اعتبار ہے' اس لیے کہ زندگی اور دنیا کی بھٹی میں تپتے ہوئے جتنے تجربات سے گزر کر آپ نے دنیااور انسانوں کی نفسیات خاص کر ایک مرد کی نفسیات کو سمجھا ہے' میں نے نہیں... آپ کے انکار سے مجھے دکھ تو ہوگا... لیکن میں صرف اور صرف آپ کا فیصلہ منظور کروں گی۔"

میری بات سن کر امی نے مجھے اپنے گلے سے لگا لیا اور میری پیشانی چوم کر مجھے خوش رہنے کی دعا دی... اوردونوں ہاتھ آسمان کی جانب اٹھاتے ہوئے گلوگیر لہجے میں بولیں۔

"اللہ تو سرمئی باجی کی مغفرت فرما... ان کی زندگی کی لغزشوں کو معاف کردے... انہوں نے میری بچی کی پرورش بہت بہترین خطوط پر کی ہے۔"

دوسرے دن گھر میں بہت خوشیاں تھیں۔سب ہی خوش تھے' آج گھر کی فضا جیسی دکھائی دے رہی تھی اس سے پہلے کبھی نہیں تھی' دوپہر کو حشام کی کال آئی اوراس نے بتایا کہ اس کے ساتھ اس کے ڈیڈی اور ممی بھی آرہے ہیں۔ تب میں نے لگے ہاتھوں انہیں ڈنر کی دعوت دے ڈالی۔

حشام کے ڈیڈی امی سے دیر تک نواب سطوت کے حوالے سے باتیں کرتے رہے' ان کی ممی بھی گاہے بگاہے گفتگو میں حصہ لیتی رہیں۔ بہرحال وہ ایک خوشگوار شام تھی' رات گئے وہ سب گھر سے رخصت ہوئے تو میں نے امی کو بہت زیادہ خوش دیکھا... وہ میری جانب دیکھ دیکھ کر بار بار مسکرا رہی تھیں۔ میں نے سبب پوچھا تو بولیں۔

''اپنی بیٹی کاانتخاب مجھے بہت پسند آیا۔ اس کے والدین بھی بہت اچھے اور سلجھے ہوئے ہیں لیکن بات جب آگے بڑھے گی جب وہ لوگ حشام کا پیغام تمہارے لیے خود لے کر آئیں گے۔''

...☆☆☆...

ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا اور مجھے بہت عرصے کے بعد کنیز کی شکل دکھائی دی۔ میں یوں اچانک اسے اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گیا اور بے ساختہ کھڑا ہو گیا اور میرے منہ سے نکلا۔

''تم یہاں...؟''

''اور تم ...! او مائی گاڈ... مجھے تم سے ملوانے کے لیے یہاں بلوایا گیا ہے!''
اس نے ایک خوش گوار حیرت کے ساتھ پرمسرت انداز میں کہااور تیزی سے میرے قریب آکر میرے گلے سے لگ گئی۔

بہت گرمجوشی کے معانقے کے بعد ہم علیحدہ ہوئے تووہ میرے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر مسکراتے ہوئے میری آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' میں نے بھی مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''بہت دنوں کے بعد تمہیں دیکھ رہی ہوں تو دل چاہ رہا ہے کہ دیر تک تمہیں دیکھتی رہوں۔ تمہیں پتا ہے میں نے تمہیں بہت یاد کیا ہے' لیکن ہم جہاں ہیں وہاں اپنی پسند سے نہ تو کسی سے مل سکتے ہیں اور نہ اپنا بنانے کی خواہش کرسکتے ہیں۔ ہم تو کٹھ پتلیاں ہیں اور ہماری ڈور دوسروں کے ہاتھوں میں ہے۔'' اس نے گہرے دکھ اور اداسی بھرے لہجے میں کہا۔

''تو تم مجھے فون کرلیتیں' اس پر تو پابندی نہیں تھی۔'' میں اسے اپنے ساتھ لیے ہوئے سوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''پابندی تھی ناں...!'' اس نے مایوس کن انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟ کس نے لگائی تھی یہ پابندی... اور کیوں؟" میں نے ہلکے غصیلے لہجے میں کہا۔

"آغا قزلباش نے' اس نے صاف طور پر مجھے وارن کیا تھا کہ میں تمہیں فون کرکے ڈسٹرب نہ کروں۔ کیونکہ تم نواب صاحب کے ساتھ ہو... اسے معلوم ہوگیا تھا کہ میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں۔"

"ہوں...!" میں نے پرسوچ انداز میں ایک ہنکاری بھری پھر آغا کو ایک فحش سی گالی دے ڈالی۔ ان لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے جہاں میں اپنے والدین کی دی ہوئی ساری تہذیب بھول چکا تھا وہیں ان کے انداز میں بات چیت بھی کرنے لگا تھا' آغا کے لیے میرے منہ سے گالی سن کر کنیز ہنس پڑی اور بولی۔

"بڑی ترقی کرلی ہے... پہلے تو ایسے نہ تھے۔"

"آئی ایم سوری یار... مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ میرے سامنے ایک محترمہ کھڑی ہیں۔" میں نے جھینپ کر کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"اٹس اوکے ..." کنیز نے بڑے مزے سے درگزر کرتے ہوئے کہا پھر بولی۔

"تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ ہمیں کام کیا کرنا ہوگا' مجھے تو باس نے حکم دیا تھا کہ میں کلفٹن کی اس کوٹھی میں پہنچ جاؤں... وہیں نواب صاحب مجھے کسی کے ساتھ کسی مشن پر بھیجنا چاہتے ہیں' لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ شخص تم ہوگے' لیکن یہاں آتے ہوئے ایک موہوم سی امید تھی کہ اگر تم یہیں موجود ہوئے تو ہوسکتا ہے کہ تم سے ملاقات ہوجائے یا کم از کم تمہاری ایک جھلک ہی دکھ جائے' لیکن اب میں بہت خوش ہوں کہ میں تمہاے ساتھ یہ مشن کروں گی۔"

"تمہیں بڑی خوش فہمی تھی کنیز کہ یہاں میری تم سے ملاقات ہوجاتی اور میری جھلک بھی تمہیں دکھائی دے جاتی۔ وہ تو میں اور تم مل کر ساتھ کام کرنے والے ہیں اس لیے ہماری ملاقات ہوگئی' ورنہ اتنی بڑی کوٹھی میں بہت سے لوگ رہتے ہیں' مگر یہاں کسی کو بھی کسی سے آزادانہ ملنے کی اجازت نہیں ہے۔ سب اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اور رہی بات اس کی کہ کام کیا کرنا

ہے‘ اس سے تو میں بھی لاعلم ہوں‘ ابھی نواب صاحب یہاں آئیں گے اور ہمیں بتائیں گے۔" میں نے کہااور اس سے پہلے کہ کنیز مجھ سے یا میں کنیز سے کوئی بات کرتا‘ ایک بار پھر دروازہ کھلا اور نواب اندر آیا... ہمیں ایک ساتھ بیٹھا دیکھ کر بولا۔

"تو تم لوگ مل لیے ایک دوسرے سے... واقف تو تم پہلے سے تھے ناں۔ میں نے تمہیں جان بوجھ کر نہیں بتایا تھا کہ تم اچانک اپنی پرانی ساتھی سے ملوگے تو تمہیں اچھا لگے گا۔"

"یہ حقیقت ہے کہ ہمیں اچانک اس ملاقات سے بہت خوشی ہوئی ہے۔" میں نے کہا‘ لیکن میں نے کنیز کی جانب دیکھا وہ کچھ نہیں بولی تھی وہ سر اور نگاہیں جھکائے بیٹھی تھی۔

"اچھا بھئی اب تم دونوں وہ کام سن لو جس کے لیے تمہیں بلایا گیا ہے۔" نواب نے کہاتو میں اور کنیز پوری توجہ سے نواب کی بات سننے لگے‘ اس نے کہا۔

"تمہیں یاد ہے شہروز میں نے تم سے عرفان رسول کاذکر کیا تھا۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"جی نواب صاحب یاد ہے آپ آگے فرمائیے۔" میں نے ایک تابعدار غلام کے لہجے میں کہا۔

"تمہیں اور کنیز کو آج رات اس کے بنگلے میں داخل ہونا ہے... اور شہروز تم اپنے ساتھ ڈیجیٹل کیمرہ لے کر جاؤگے... تمہیں وہاں صرف اتنا کرنا ہے کہ کنیز کے ساتھ عرفان رسول کی کچھ نازیبا اور فحش تصاویر اتارنا ہیں۔ میرے خیال میں مجھے اس بات کی وضاحت کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ نازیبا اور فحش تصاویر اتارنے کے لیے کنیز تمہارا اور عرفان رسول کا حلیہ کیسا ہونا چاہیے اور پوز کیسے ہونے چاہئیں۔" نواب نے بہت ٹھہر ٹھہر کر اطمینان سے بات کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

نواب کی بات سن کر کنیز کا چہرہ متغیر ہوگیا... مجھے اندر سے غصہ تو بہت آیا لیکن میں خاموش رہا۔ پھر بولا۔

"لیکن نواب صاحب میں تو آدھی رات کو عرفان رسول کے گھر میں کسی نہ کسی طرح داخل ہو ہی جاؤں گا‘ لیکن کنیز کیسے... کنیز کیسے وہاں تک پہنچ پائے گی۔"

"اب کیا یہ سارے طریقے بھی میں تمہیں سمجھاؤں... تمہاری عقل کیا گھاس کھانے چلی گئی ہے... جس طرح سے بھی ہو... تم دونوں سر جوڑ کے بیٹھو... پلاننگ کرو... آج کا سارا دن تمہارے پاس ہے بس تمہیں یہ کام ہر قیمت پر کرنا ہے... اگر اس کام کے لیے تمہیں اس کے گارڈ کو بھی مارنا پڑے تو مار دینا... مجھے کل صبح ہر قیمت پر رزلٹ چاہیے...تم دونوں اگر چاہو تو دن میں اس کے بنگلے کا ایک چکر بھی لگا سکتے ہو..." نواب نے غصے اور ناگواری سے حتمی لہجے میں کہا۔

"اوکے نواب صاحب... آپ کا کام ہوجائے گا۔بس میں ایک بات جاننا چاہتاہوں اگر آپ بتاناچاہیں۔" میں نے کہا۔

"پوچھو...!" اس نے تیز نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

"میری اطلاع کے مطابق عرفان رسول کا سارا خاندان تباہ ہوگیا تھا' اس کی بیوی اور بیٹی مرچکی ہیں'تو اب تک وہ تنہا زندگی گزار رہا ہے یا پھراس نے دوسری شادی کرلی تھی' اوراس کے بچے وغیرہ بھی ہیں۔" میں نے بہت محتاط لہجے میں پوچھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"گڈ... یہ تم نے اچھا سوال کیاہے۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔"اس نے تین چار سال قبل ایک جواں سالہ لڑکی سے شادی کرلی تھی... وہ ایک بے سہارا لڑکی تھی' اور جناب عرفان صاحب نے ان پر اتنی مہربانی کی کہ اس کا خود سہارا بن گئے..." نواب نے طنزیہ لہجے میں کہا۔یہ بھی سنا گیا ہے کہ اس کی ایک ڈھائی تین سال کی بیٹی بھی ہے...اور وہ اپنی بیوی اور بیٹی سے بہت محبت کرتا ہے۔"

"چلیں ٹھیک ہے' میں اور کنیز بیٹھ کر اطمینان سے پلاننگ کرتے ہیں۔میرے لیے یہ معلومات بہت ضروری تھیں۔" میں نے کہا۔

"اور ہاں اگر تمہارے کام کی راہ میں اس کی بیوی یا بچی رکاوٹ ڈالے تو تم بے شک انہیں بھی راستے سے ہٹادینا... ویسے اگر وہ دونوں زندہ رہیں تو بہتر ہے' کیونکہ تم ان دونوں کو ڈھال بنا کر اپنا کام آسانی سے کرسکتے ہو۔" نواب نے بے رحمی سے کہا اور واپس جانے کے لیے پلٹ گیا۔اس نے یہ ساری باتیں کھڑے کھڑے ہی کی تھیں۔جاتے جاتے وہ واپس پلٹااور بولا۔

"تم کنیز کو اپنے روم میں لے جاسکتے ہو وہاں بیٹھ کر اطمینان سے بات چیت کرو... کیمرہ تمہیں مل جائے گا' لیکن یاد رہے کہ مجھے رزلٹ سوفیصد صاف اور کلیئر چاہیے اور تصویروں سے یہ پتا نہیں چلنا چاہیے کہ یہ تصاویر زبردستی اتاری گئی ہیں۔" اپنی بات ختم کرکے نواب دروازہ کھول کرباہرنکل گیا۔

"باسٹرڈ!" میں نے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے نواب کو گالی دی..."پتا نہیں وہ وقت کب آئے گا جب میں اسے کتے کی موت ماروں گا۔"

نواب کے جانے کے بعد کنیز ہکابکا کھڑی تھی وہ عرفان رسول کو نہیں جانتی تھی۔مجھ سے پوچھنے لگی کہ عرفان رسول کون ہے... اور یہ نواب صاحب مجھ سے اس قسم کا کام کیوں لے رہے ہیں۔"

"تم تو اس طرح کہہ رہی ہو کہ تم بڑی ستی ساوتری اور پردے کی پابند مسلمان عورت ہو۔" میں نے بری طرح جھنجلا کر کہا تو کنیز کاچہرہ اتر گیا... اور وہ بے دردی کے ساتھ اپنے ہونٹ کاٹنے لگی' تب مجھے اپنے الفاظ اور لہجے کی بدصورتی کااحساس ہوااور میں نے اس سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"سوری کنیز مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا' تم میرے ساتھ میرے روم میں آؤ' وہیں بیٹھ کر میں تمہیں عرفان رسول کے بارے میں بتاؤں گا... اور بہرحال یہ کام بھی کرنا ہی ہے... ہماری مجبوری ہے' ہم چاہیں یا نہ چاہیں۔"

کنیز نے میری بات کے جواب میں کچھ نہیں کہااور خاموشی سے میرے ساتھ چلنے لگی۔میں کنیز کو لے کر اپنے کمرے میں آگیا اور اطمینان سے بیٹھ کر اسے عرفان رسول کی ساری کہانی سنائی۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اس شریف آدمی نے نواب صاحب کاکیابگاڑا ہے۔" کنیز نے ساری بات سننے کے بعد کہا۔

"وہ کیا اس کا کچھ بگاڑ سکتا ہے' بگاڑنا تو یہ چاہتا ہے اس کا... اس کی اس طرح کی تصاویر حاصل کرکے وہ اس کو بلیک میل کرے گااور اپنی کوئی بات منوائے گا۔میری سمجھ میں تو یہی کچھ آرہا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" کنیز بولی اور پھر دیر تک خاموش بیٹھی رہی تب میں نے کہا۔

"کیابات ہے کنیز تم ابھی تک میری غصے میں کہی گئی بات پر ناراض ہو... آئی ایم رئیلی سوری یار... بس غصے اور جھنجلاہٹ میں منہ سے ایسے الفاظ نکل گئے۔" میں نے ایک بار پھر معذرت کی اور اپنی شرمندگی کا اظہار کیا۔

"ایک بات بالکل سچ بتانا شہروز..." اس نے آہستہ سے کہا میں نے دیکھا کہ اس کے سانولے چہرے پر سرخی چھائی ہوئی ہے۔

"کیا...؟پوچھو!" میں نے کہا۔

"تم مجھے بہت گری ہوئی رذیل اور حقیر لڑکی سمجھتے ہو ناں!" اس کی جھیل جیسی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔

"ایسی بات نہیں ہے کنیز...!" میری سمجھ میں اس کی بات کا جواب نہیں آیا تو میں نے اسے یقین دلانے والے انداز میں کہا۔"تم نے خود ہی تو مجھے اپنے کام کے بارے میں بتایا تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ آغا کے پاس بھی تمہاری بہت سی ایسی ہی تصاویر ہیں گلزار اور دلبر کے ہمراہ... اور ان ہی تصاویر کی وجہ سے تم آج تک بلیک میل ہو کر ان کا ہر ناجائز کام کررہی ہو...وہ تو تمہیں بہت سے لوگوں کے خلوت کدے میں اپنے کام نکلوانے کے لیے بھیجتا

رہتا ہے... تم نے جب نواب کے کام کو سن کر پریشانی کا اظہار کیا تو میرے منہ سے غصے میں وہ الفاظ نکل گئے... جس سے تمہیں اتنا دکھ پہنچا... کیونکہ سچی بات تو یہ ہے کہ میں خود یہ کام نہیں کرنا چاہتا... لیکن میری مجبوری ہے کہ مجھے یہ کام اسی طرح کرنا ہوگا جس طرح نواب چاہتا ہے... اور تمہیں بھی کرنا ہے..." میں نے دھیمے لہجے میں اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ اثبات میں گردن ہلانے لگی، مجھے اس لمحے اس کے چہرے پر بہت اداسی اور دل گرفتگی دکھائی دی، وہ مجھے پہلے ہی اپنی کہانی سناچکی تھی اس لیے میں سمجھ رہا تھا کہ اس وقت اس کے دل کی کیا حالت ہو رہی ہے، بنیادی طور پر وہ ایک شریف لڑکی تھی اور ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔مگراس دل نادان کے ہاتھوں وہ تباہی اور ذلت کے اس گہرے گڑھے میں گرچکی تھی لیکن اندر سے آج بھی وہ ایسی تھی، بے شک ان درندوں نے اسے بھرے بازار میں برہنہ کرکے اسے اس قسم کے برے کاموں میں ملوث کردیا تھا، اور چاہ کر بھی وہ پاکیزگی کا وہ لبادہ نہیں اوڑھ سکتی تھی جو اس کے جسم سے نوچ لیا

گیا تھا' نہ وہ اب اپنے گھر واپس جا سکتی تھی۔سوائے موت کے اس کے لیے کوئی دوسرا دروازہ نہیں کھلا تھا۔

میں تھوڑی دیر تک تو اسے سمجھاتا رہا' رفتہ رفتہ وہ دوبارہ سے وہی کنیز بن گئی' پھر میں اور وہ بیٹھ کر اپنے کام کی تکمیل کے لیے پلاننگ کرنے لگے۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں عرفان رسول کے گھر کے اطراف کا ایک چکر لگا لینا چاہیے 'تاکہ ہمیں اندازہ ہوسکے کہ اس کے گھر میں آدھی رات کو کس طرح باحفاظت داخل ہوا جاسکتا ہے اور یہ بھی دیکھ لیں کہ اس کے بنگلے پر سیکورٹی کا کیا اور کتنا انتظام ہے' اور ہمیں اندر داخل ہونے کے لیے کتنی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے۔" میں نے کنیز سے کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے تو پھر چلو!" وہ میرے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی' میں نے کار کی چابی اٹھائی اور کنیز کے ہمراہ باہر نکل آیا۔میں سمجھ رہا تھا کہ بہت سی ان دیکھی آنکھیں ہمیں دیکھ رہی ہیں لیکن مجھے ان کی کوئی فکر نہیں تھی۔کیونکہ اب میں یہ بات جان چکا تھا اور محتاط رہتا تھا اور ویسے بھی اس وقت تو میں نواب ہی کے کام سے باہر جا رہا تھا۔

راستے میں کنیز کافی ریلیکس تھی اس نے مجھے نواب کے بارے میں مزید انفارمیشن دیتے ہوئے بتایا۔

"اب تک تو تم نواب کے بارے میں اتنا جان چکے ہوگے کہ یہ لوگوں میں ایک روحانی شخصیت کے طور پر مشہور ہے' اس کے گاؤں کے سیدھے سادے لوگوں کے علاوہ اس ملک کے بڑے بڑے شہروں کے بہت سے پڑھے لکھے اور دولت مند لوگ بھی اس کے پاس اپنی حاجتیں لے کر آتے ہیں۔اور یہ ایک پیر فقیر کی طرح ان کی حاجتیں سنتا ہے اور پھر ان کے کام ہمارے اور تمہارے ذریعے کرواتا ہے۔اور پھر ان سے بڑے تگڑے نذرانے وصول کرتا ہے' اور وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اس پیر کی دعا ہے۔"

"تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے ان لوگوں میں شامل ہوئے کئی سال بیت گئے ہیں۔میرا دماغ جاگ رہا ہے آنکھیں اور کان کھلے ہیں بس صرف زبان بند ہے' میں یہ بات بھی اچھی طرح سے جانتی ہوں کہ اگر ان لوگوں کو ذرا بھی اس بات کی بھنک پڑ گئی کہ ہم میں سے کوئی ان کے اس بہروپ کو سمجھ گیا ہے تو وہ دن ہماری زندگی کا

آخری دن ہو گا بس ہم ویسا ہی کیے جا رہے ہیں جیسا یہ چاہتے ہیں‘ اب اس عرفان رسول ہی کو لے لو‘ بظاہر اس کی اور نواب کی ہمیں کوئی دشمنی دکھائی نہیں دیتی لیکن نواب کیوں اس کو بلیک میل کرنے کے لیے یہ کام کروا رہا ہے‘ یقینا اس سے کسی نے عرفان رسول سے کوئی کام نکلوانے کے لیے کہا ہو گا اور اس نے منع کر دیا ہو گا‘ اب نواب کو اپنی بات منوانے کا سب سے آسان طریقہ یہی دکھائی دیا ہو گا اور سب سے بڑی دکھ کی بات تو یہ ہے کہ عرفان رسول کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گا کہ یہ کام نواب کروا رہا ہے۔“

”اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم ایک ڈان کے پالتو غنڈے یا پالتو کتے ہیں۔“ میں نے سامنے نگاہیں جمائے ہوئے اپنے دانتوں کو غصے کی شدت سے بھینچتے ہوئے کہا۔

”بالکل ایسی ہی بات ہے۔“ کنیز نے نارمل لہجے میں کہا تو میں اس کی شکل دیکھنے لگا‘ میرا دماغ ایک بار پھر گرم ہونے لگا‘ لیکن جلد ہی میں نے اپنے غصے پر قابو پا لیا‘ میں یہ بات جانتا تھا کہ غصہ

انسان کی عقل کو خبط کر دیتا ہے اور انسان کچھ سوچنے اور سمجھنے کے قابل نہیں رہتا۔

باتیں کرتے کرتے ہم گلشن کے علاقے میں پہنچ گئے‘ دوپہر کا وقت تھا اور گرمی کے دن تھے‘ یہ رہائشی علاقہ تھا۔ اور یہاں لائن سے بنگلے قطاروں میں بنے ہوئے تھے‘ اس وقت یہاں لوگوں کی چہل پہل نہ ہونے کے برابر تھی۔

میں نے ذہن میں عرفان رسول کے بنگلے کا نمبر دہرایا اور کار کی رفتار سلو کر لی‘ میں بنگلوں کے باہر نصب نیم پلیٹ پڑھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا‘ عرفان رسول کا بنگلہ اس لائن کے بالکل آخر میں تھا‘ اس کے سامنے کی جانب ایک چوڑی سڑک بنی تھی اور سڑک کے دوسری جانب بھی بنگلے تھے‘ میں نے کار کو گھمایا اور کنیز کو بتایا کہ یہی ہمارا مطلوبہ بنگلہ ہے‘ میں چوڑی روڈ سے گھوم کر بنگلے کے پچھلی جانب گیا‘ یہاں ایک پلاٹ خالی تھا اور اس کی صرف چار دیواری بنی ہوئی تھی۔ خالی پلاٹ دیکھ کر میں خاصا مطمئن ہوا‘ سائڈ سے عرفان رسول کے بنگلے کی باؤنڈری وال دکھائی دے رہی تھی‘ اس پر لوہے کی گرل لگی

ہوئی تھی۔بنگلے کا مین گیٹ سامنے چوڑی سڑک کی جانب تھا' البتہ گلی کی جانب بھی ایک چھوٹا گیٹ تھا۔

میں نے گاڑی سے ایک لمبا چکر کاٹا اور گاڑی گھما کر دوبارہ اسی روڈ پر لے آیا' ویسے تو مجھے بنگلے کے گیٹ کے باہر کوئی چوکیدار یا گارڈ دکھائی نہیں دیا 'ہوسکتا ہے کہ گارڈ یا چوکیدار اندر ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی گارڈ یا چوکیدار نہ ہو۔بہت سے لوگ اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

میں نے عرفان رسول کے بنگلے سے کافی آگے جا کر کار روک لی اور کنیز سے کہا۔"تم ایسا کرو کہ عرفان رسول کے بنگلے کی کال بیل بجاؤ اور دیکھو کہ اندر سے کون باہر نکلتا ہے' جو بھی گیٹ کھولے تم کسی اور کا نام لے کر پوچھنا کہ وہ گھر پر ہیں۔وہ یقیناً انکار کرے گا' پھر تم اسی فرضی نام کے شخص کا ایڈریس پوچھنا شروع کر دینا اور جتنی دیر تم وہاں رکو گی' اندر کا جائزہ لینے کی کوشش کرنا...آیا اندر مزید گارڈ تو موجود نہیں ہیں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے' تم فکر نہ کرو میں اپنا کام بہت خوش اسلوبی سے انجام دوں گی۔"کنیز نے کہا اور کار سے اتر کر پیچھے عرفان رسول کے بنگلے کی

جانب چل دی' میں بیک مرر میں کنیز کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔یہ کنیز جو اس وقت جا رہی تھی وہ کوئی اور ہی کنیز تھی۔اس کی چال بہت بے باک تھی' اس کی ٹائٹ جینز اور کھلے گلے کی چھوٹی سی ٹی شرٹ نے اسے ایسا بنا دیا تھا کہ کوئی بھی مرد ایک نگاہ ڈالنے کے بعد دوبارہ اس کی جانب دیکھنے پر مجبور ہو جائے۔اور بدنظر لوگوں کی تو نگاہوں کا محور ہی بن جائے۔اس نے بڑی بے باکی کے ساتھ ایک ٹانگ اٹھا کر باہر بنی ہوئی کیاری کی منڈیر پر رکھی ایک ہاتھ کمر پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے کال بیل کا برقی بٹن پش کیا۔

ذرا ہی دیر بعد گیٹ کھلا اور ایک شخص باہر آیا۔شکل سے وہ مجھے کوئی ملازم ہی دکھائی دے رہا تھا۔

کنیز اس سے باتیں کرنے لگی' وہ شخص بڑی ندیدی نگاہوں سے کنیز کی جانب دیکھ رہا تھا' کنیز نے اپنے گلے پر ہاتھ رکھا اور اس سے کچھ کہا تو وہ کنیز کو اندر آنے کا اشارہ کرنے لگا' میں کنیز کی اس ہوشیاری پر حیران رہ گیا کہ اس نے بڑی چالاکی سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو بنگلے کے اندر داخل کر لیا۔

گیٹ ایک بار پھر بند ہو گیا' اب میں سوائے کنیز کے انتظار کے اور کیا کر سکتا تھا' تقریباً سات آٹھ منٹ کے بعد کنیز باہر آئی اور اٹھلا اٹھلا کر دوسری جانب چل دی' وہ شخص گیٹ پر کھڑا کنیز کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا' پھر گیٹ بند کر کے اندر چلا گیا تو کنیز تیز تیز قدموں سے کار کی جانب آئی اور بیٹھتے ہوئے بولی۔

”اب جلدی سے یہاں سے چلو... کام بن گیا ہے' ابھی بتاتی ہوں۔“ اس نے تیز چل کر آنے کی وجہ سے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا تو میں پہلے سے ہی اسٹارٹ گاڑی کے ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھاتا چلا گیا۔

اس علاقے سے گاڑی نکال لانے کے بعد میں نے کار کی رفتار نارمل کر دی' اتنی دیر میں کنیز بھی ریلیکس ہو چکی تھی۔ وہ بولی۔

”میں نے بیل بجائی تو ایک ملازم باہر نکلا تو میں نے اس سے پوچھا کہ شبیر صاحب گھر پر ہیں' ان سے کہنا کہ چندا آئی ہے' انہوں نے مجھے ایک ضروری کام سے بلوایا ہے۔“ یہ کہہ کر میں نے اسے ہلکے سے آنکھ ماردی۔ میرے اس انداز کو دیکھ کر وہ بوکھلا گیا اور ہکلاتے ہوئے بولا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”شش... شبیر صاحب... لے ... لیکن وہ یہاں نہیں رہتے... آپ غلط گھر پر آگئی ہیں۔“

اس کی نگاہیں میرے کھلے گریبان میں الجھ رہی تھیں۔ میں نے اس کے ہاتھوں کی لرزش کو بھی بھانپ لیا۔ اس لیے ایک قدم آگے بڑھا کر مزید اس کے قریب ہوئی اور اپنی آنکھیں بند کر کے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

”اوہ گاڈ...! اب میں انہیں کہاں تلاش کروں... کیا واقعی یہ شبیر صاحب کا بنگلہ نہیں ہے۔“

”جی... جی ہاں... میں سچ کہہ رہا ہوں۔ یہ شبیر صاحب کا بنگلہ نہیں ہے... انہوں نے آپ کو کیا نمبر بتایا تھا۔“ اس نے مجھے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ارے یہی تو مجھ سے بھول ہو گئی کہ میں نے ان سے بنگلے کا نمبر نہیں پوچھا انہوں نے بس اتنا بتایا تھا کہ لائن کا آخری بنگلہ ان کا ہے اور باہر کیاری میں گلاب کے ڈھیر سارے پودے لگے

ہیں۔میں سمجھی کہ یہی بنگلہ ہے۔" میں نے تھوک نگلتے ہوئے یہ ظاہر کیا کہ پیاس سے میرا حلق خشک ہو رہا ہے۔

"یہاں تو سب گھروں کے باہر کیاریوں میں گلاب لگے ہوئے ہیں۔یہ تو کوئی نشانی نہ ہوئی۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا یہاں کون رہتا ہے...؟" میں نے تھکے تھکے لہجے میں پوچھا۔

"یہ تو جی عرفان رسول صاحب کا بنگلہ ہے" اس نے فخریہ لہجے میں کہا۔

"اچھا اچھا وہ عرفان رسول صاحب...انہیں تو میں جانتی ہوں۔کیا ان کی بیگم اندر ہیں؟" میں نے خوش ہونے کی اداکاری کی۔

"نہیں جی وہ تو نہیں ہیں۔اپنی بیٹی کے اسکول کے داخلے کے لیے گئی ہیں۔ صاحب بھی نہیں ہیں۔"اس نے کہا۔

"اچھا...! میں نے ایک گہری سانس لی..."شبیر صاحب کا گھر تو ملا نہیں، دھوپ میں گھوم گھوم کر خواری ہو گئی۔اب میں اپنے گھر واپس چلتی ہوں..." میں نے ایک قدم پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔پھر بولی۔

"پیاس سے حلق خشک ہو رہا ہے، ایک گلاس پانی ملے گا۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

...☆☆☆...

"ہاں ہاں جی... ابھی لو ٹھنڈا پانی۔" اس نے خوش ہو کر کہا اور پلٹنے لگا تو میں نے کہا۔

"سنیے جی... کیا باہر فقیروں کی طرح کھڑے کھڑے پانی پلائیں گے۔میں اندر آکر پانی پی لوں...!"

"اوہ معاف کرنا جی... آپ آؤ اندر آجاؤ...!" اس نے گیٹ کھول کر مجھے اندر بلایا تو میں گیٹ کے نزدیک کھڑی ہو گئی۔اور وہ چھوٹا سا لان عبور کر کے اندر چلا گیا۔میں نے جتنی دیر میں وہ پانی لے کر آتا اتنی دیر میں سارا جائزہ لے لیا۔وہاں نہ تو کوئی چوکیدار تھا اور نہ ہی کوئی گارڈ... میں اسی جگہ کھڑی رہی جہاں وہ مجھے چھوڑ کر گیا تھا۔

دو منٹ میں ہی وہ ہاتھ میں ٹھنڈے پانی کی بوتل اور گلاس لے آیا اور بوتل سے پانی انڈیل کر گلاس میری جانب بڑھایا، میں نے گلاس تھامتے ہوئے اپنی انگلیاں اس کی انگلیوں سے ٹچ کر دیں تو وہ دانت نکال کر کھڑا ہو گیا۔

میں نے غٹاغٹ کرکے ایک ہی سانس میں سارا گلاس خالی کرکے دوبارہ خالی گلاس اس کی جانب بڑھایااور پانی مانگا۔دوسرا گلاس ہاتھ میں لے کرمیں بولی۔

"آپ یہاں ملازم ہیں...؟"

"ہاں جی!" اس نے دانت نکالے۔

"واقعی ...!" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں جی' میں ملازم ہوں۔کیا آپ مجھے صاحب سمجھ رہی ہیں۔" اس نے ایک بار پھر دانت نکالے۔

"تم حقیقت میں صاحب ہی لگتے ہو... ملازم نہیں۔اتنے خوب صورت جو ہو..." میں نے خمار آلود نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اپنی اپنی قسمت ہے جی...ورنہ میری ماں تو...!"

"تم اکیلے ملازم ہو یااور بھی ہیں...میرا مطلب ہے کہ اگر تم اکیلے ہو توسارا کام تمہیں ہی کرنا پڑتا ہوگا۔بہت تھک جاتے ہوگے... بیوی خدمت کرتی ہوگی..." میں نے پانی کاایک گھونٹ لیتے ہوئے اس کے لیے افسوس کااظہار کیا۔

"نہیں جی میں اکیلے توسارا کام نہیں کرتا... پروین آتی ہے ناں... میں تو بس باہر سے سوداسلف لاتا ہوں... گیٹ کا خیال رکھتا ہوں اور رات کو بھی ادھر ہی ہوتا ہوں" اس نے جلدی سے کہا۔

"شکر ہے...! میں نے گلاس خالی کرکے اس کی جانب بڑھاتے ہوئے دوبارہ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ ٹچ کردیا' جواب میں اس نے پھر دانتوں کی نمائش کردی... ورنہ مجھے تمہارے لیے بہت افسوس ہوتا...ویسے مجھے تم بہت ہی اچھے لگے ہو... تمہارے جیسے حسین آدمی کے لیے یہ نوکری نہیں ہے' میں تمہارے لیے کوئی دوسری اچھی نوکری تلاش کروں گی اور پھر تمہیں بتاؤں گی... کیا نام بتایا تھا تم نے...!" میں‌نے میٹھے لہجے میں کہا۔

"بہت بہت شکریہ جی...میرا نام رشید ہے جی... آپ دوبارہ ضرور آنا میں انتظار کروں گا۔" اس احمق نے انتہائی ممنونیت بھرے لہجے میں کہا۔

"ہاں ایک دو دن میں ادھر دوبارہ آؤں گی تو تمہیں بتاؤں گی...پانی پلانے کاشکریہ... تم بہت اچھے ہو۔"میں نے کہااورلہراتی اور بل کھاتی ہوئی باہر نکل آئی۔"

”گڈ...!“ میں نے خوش ہو کر تحسین آمیز نگاہوں سے اسے دیکھا۔”تم نے تو واقعی کمال کردیا‘ ساری معلومات لے آئیں۔اوراس احمق آدمی نے تمہیں ساری انفارمیشن دے بھی دیں۔“

”یہ چھوٹے لوگ ہوتے ہیں ناں ملازم ٹائپ‘ انہیں لوگوں سے اس طرح کی تعریف سننے کے لیے نہیں ملتی اور اگر کوئی ان سے اس طرح سے بات کرے تو یہ بہت جلد بے وقوف بن جاتے ہیں۔خیر چھوڑو تم اس قصے کو‘ اب بتاؤ کیا کرنا ہے اور کس طرح سے کرنا ہے۔کیونکہ یہ تو پتا چل گیا ہے کہ رشید کے علاوہ اور کوئی دوسرا بندہ وہاں رات میں موجود نہیں ہوتا‘ یا پھر رات میں عرفان رسول ہوتا ہوگا... یوں سمجھ لو کہ رات میں اس گھر میں عرفان رسول اس کی بیوی اور بچی کے علاوہ رشید نامی یہ شخص ہوتا ہوگا یا پھر زیادہ سے زیادہ ملازمہ پروین ہوتی ہوگی... یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کام کاج کرکے اپنے گھر چلی جاتی ہو۔“ میں نے کہا۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو‘ اس کامطلب ہے کہ ہمیں کام کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔“ کنیز نے کہا۔

اور ہم کلفٹن نواب کی کوٹھی میں واپس آگئے۔دوپہر کا کھانا کھایا... ہم دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے‘ تب ہی نواب کی کال میرے سیل فون پر آئی... اس نے مجھے اور کنیز کو بلوایا تھا‘ میں اور کنیز فوراً ہی اٹھ کر چل دیئے۔ہم اس کے کمرے کی جانب جارہے تھے کہ ہمیں وہ سامنے سے آتا ہوا دکھائی دیا‘ اس کے پیچھے اس کا محافظ گارڈ تھا‘ ہم رک گئے تو نواب نے قریب آکر پوچھا۔

”ہاں بھئی تم لوگ تیار ہو... آج رات ہی کام ہوجائے گا۔“

”جی سر...! ہم ابھی تھوڑی دیر قبل اس کے بنگلے کا چکر لگا کر دیکھ کر آئے ہیں اور کنیز نے ساری معلومات بھی کرلی ہیں۔“ میں نے تابعدار غلام کی طرح سر جھکا کر جواب دیا۔

”مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی۔میں ذرا جارہاہوں...ہوسکتا ہے کہ رات گئے واپسی ہو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رات میں بھی واپسی نہ ہو‘ بہرحال تم سے ملاقات اب کل صبح ہی ہوگی۔میں تمہارے منہ سے صرف کامیابی کی خوش خبری سننا چاہتا ہوں اور ہاں کنیز تم سے قزلباش رابطے میں رہے گا... تم

رات ہی کو کام ختم کرکے واپس چلی جانا... ادھر دوبارہ آنے کی ضرورت نہیں ہے۔” نواب نے کنیز کو مخاطب کرکے کہا تو اس نے سر جھکا کر ”او کے“ کہا۔

”ابھی کیمرہ تمہیں مل جائے گا... کوئی اور بات...!“ نواب نے چلتے چلتے کہا۔

”نو سر... ایوری تھنگ اوکے!“ میں نے کہا تو نواب تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا۔باہر اس کا باڈی گارڈ دستہ اورایک پولیس کی موبائل ہر وقت موجود رہتی تھی۔کوٹھی کے اندر اس کی بلٹ پروف لینڈ کروزر تیار کھڑی تھی۔نواب کے گاڑی میں بیٹھتے ہی وہ حرکت میں آگئی۔اور وہ چلا گیا... مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں اور کس لیے گیا ہے۔

ہم اپنے روم میں پہنچے تو ایک نیوڈبہ پیک ڈیجیٹل کیمرہ میز پر رکھا تھا' جو میری غیر موجودگی میں کوئی رکھ کر گیا تھا۔

میں نے ڈبہ اٹھا کر پیکنگ سے باہر نکالا اور اس کا فنگشن اچھی طرح سمجھا... اور پھر کنیز کی ایک دو تصویریں لے کر ڈیلیٹ کر دیں۔

ہم نے پروگرام ڈسکس کیا' میں نے کنیز کو ہر بات سمجھادی کہ اسے کیااور کس وقت کرنا ہے' اس نے اپنی ذمہ داری اچھی طرح سے سمجھ لی۔

”شہروز کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم عرفان رسول کے گھر پہنچ جائیں اور وہ گھر پر نہ ملے تو پھر... ہماری تو ساری محنت اکارت چلی جائے گی۔“ کنیز نے اچانک کہا۔

”اس کا بہت آسان ساحل ہے' ہم رات آٹھ بجے سے اس کے گھر سے دور ایسی جگہ پر موجود رہیں گے جہاں سے اس کے بنگلے پر نظر رکھ سکیں... وہ گھر واپس آئے گا تو ہمیں معلوم ہوجائے گا...!“ میں نے کہا۔

”اور اگر ہم نے اسے واپس آتے ہوئے نہ دیکھا تو ہم کیا سمجھیں کہ وہ آج رات گھر ہی واپس نہیں آیا یا پھر ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی وہ گھر واپس آچکا ہے۔“ کنیز نے بڑی عقل مندی کی بات کی اور میں نے اسے سراہا اور کہا۔

”میرا خیال ہے کہ اس کے گھر کی نگرانی والا آئیڈیا ڈراپ کرتے ہیں اور اس کے بنگلے کا فون نمبر معلوم کرکے کال کرتے ہیں۔عرفان رسول کی آواز سن کر لائن کاٹ دیں گے۔“ میں نے کہا۔

"ایسا بھی کرسکتے ہیں۔" کنیز نے کہا۔"تم ایسا کرو کہ آغا کو فون کرکے کہو کہ تمہیں عرفان رسول کے گھر کانمبر چاہیے۔وہ تمہیں نمبر حاصل کرکے دے دے گا۔"

میرے پاس آغا قزلباش کا وہ نمبر موجود تھا جو اس نے مجھے خصوصی رابطے کے لیے دیا تھا۔میں نے فون کیا تووہ میرا نمبر پہچان کر سمجھ گیا کہ میرا فون ہے بولا۔

"ہاں شہروز بولو... خیریت ہے..."

"مجھے عرفان رسول کے گھر کافون نمبر چاہیے کیا آپ معلوم کرواسکتے ہیں...؟" میں نے کچھ بھی کہے بنا سوال کردیا۔

"ابھی تھوڑی دیر میں تمہارے پاس ایس ایم ایس آجائے گا۔" اس نے کہااور فون بند کردیا۔

اور واقعی اگلے دس منٹ کے بعد عرفان رسول کانہ صرف گھر کانمبر بلکہ اس کے ذاتی سیل فون کانمبر بھی بذریعہ ایس ایم ایس میرے موبائل پر موجود تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اب میں مطمئن تھا... شام کو کنیز نے مجھ سے پھر دل لگی کی باتیں شروع کردیں' تب میں نے اسے بتایا کہ وہ مجھ سے کسی بھی قسم کی توقع نہ رکھے... میری زندگی میں عورت کی گنجائش ہی نہیں ہے

میں تو صرف ایک عورت کووقتی تسکین کی ضرورت سمجھتا ہوں... یہ پیار محبت عشق ... میری لغت میں نہیں ہے۔

میری بات سن کر وہ خاموش ہوگئی اور بولی۔"لگتا ہے محبت میں زبردست چوٹ کھائی ہے۔"

"شٹ اپ! آئی ہیٹ لو... میں نے کہا ناں کہ میری زندگی میں عورت کی اس سے زیادہ جگہ نہیں ہے۔" میں نے سخت ترش لہجے میں کہا تووہ کندھے اچکا کررہ گئی۔

پھر ہمارے درمیان زیادہ بات چیت ہی نہیں ہوئی' ہم زیادہ تر بیٹھے ٹی وی دیکھتے رہے۔کنیز کاموڈ خراب ہوگیا تھا۔مجھے احساس تھا کہ میں کل سے دوبار اسے ہرٹ کرچکاہوں۔لیکن ایسا کرنا ضروری تھا۔وہ زبردستی اپنی محبت مجھ پر مسلط کرنا چاہ رہی تھی... اور اس لفظ محبت کو سن کر مجھے کچھ ہونے لگتاتھا۔

چینل گھماتے ہوئے نیوز چینل لگ گیا تو میں نے نیوز اینکر سرمئی کو دیکھا‘ اس کا لائیوشو آرہاتھا۔ تب مجھے خیال آیا کہ مجھے اس سے بھی ملاقات کرنی ہے‘ سوچا کہ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد اس سے بات کروں گا۔

اتنے میں روم کا دروازہ کھلا اور راکھی کی جھلک دکھائی دی... وہ پورا دروازہ کھول کر اندر آئی اور کنیز کو طنزیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

”اوہو... لگتا ہے تمہاری نئی دوست ہے... یااس کے لیے تم نے نواب صاحب سے اجازت لے لی تھی۔“

”تم غلط سمجھ رہی ہو راکھی... یہ میری دوست نہیں ہے‘ بلکہ اسے نواب صاحب نے خود بلوایا ہے‘ اسے میرے ساتھ ایک مشن پر آج رات جانا ہے...“ میں نے نرمی سے کہا۔

”آئی سی ...“ اس نے ہونٹ سکیڑے ...” کس مشن پر...؟“

”یہ تو تم نواب صاحب ہی سے پوچھ لو۔“ میں نے کہا۔

”کیوں کیا میں تمہارے ساتھ اس مشن پر نہیں جاسکتی تھی...“ اس نے کنیز کو اپنی نگاہوں کی زد میں لیے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”یہ بھی تم نواب صاحب ہی سے پوچھ لو...“ اس مرتبہ کنیز نے جواب دیا۔

”راکھی پلیز اس وقت تم یہاں سے جاؤ... ہم بعد میں بات کریں گے۔“ میں نے ان دونوں کے درمیان جلیسی کی فضا بڑھتے ہوئے دیکھی تو راکھی سے کہا اوراس کاہاتھ تھام کر خود ہی کمرے سے باہر لے آیا اور غصیلے لہجے میں کہا۔

”کہیں تم پاگل تو نہیں ہوگئی ہو... وہ نواب کی بندی ہے...اگر اس نے تمہارا نام لے کر نواب سے تمہاری شکایت کردی تو تمہیں اندازہ ہے کہ وہ کیا کرے گا۔“

”پتا ہے...!“ اس نے جلے ہوئے لہجے میں کہا۔”پتا نہیں کیوں میں تمہارے قریب کسی اور عورت کو برداشت نہیں کرسکتی۔“

”پیار جو کرتی ہومجھ سے...!“ میں نے شوخ لہجے میں کہا۔”اچھا اب تم جاؤ... اور ایساویسا کچھ مت سوچو... میرے لیے جو راکھی ہے وہ کوئی اور نہیں‘ سمجھیں۔“

اور وہ مطمئن وہاں سے پلٹ گئی‘ تو میں کمرے میں واپس آگیا۔

”کون تھیں یہ محترمہ...؟“ کنیز نے ٹی وی آف کرتے ہوئے پوچھا۔

"ارے یار یہ نواب کی خاص بندی ہے۔اسی کوٹھی میں رہتی ہے۔"

"اور تمہارے بستر پر بھی...!" اس نے تیز نگاہوں سے مجھے گھورتے ہوئے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اب جو تمہارا دل چاہے وہ سمجھ لو..." میں نے موڈ آف کرکے کہااور آنکھیں موند کر بیڈ پر لیٹ گیا تووہ میرے اوپر جھک آئی... دیر تک اپنی محبت کا ثبوت پیش کرتی رہی۔لیکن میری جانب سے کوئی پیش رفت نہ پاکر پیچھے ہٹ گئی اور بولی۔

"اچھا بابا آئی ایم سوری... اب تو اپنا موڈ ٹھیک کرلو... اگر ایسے ہی رہوگے تو ہم کام کیا خاک کریں گے۔"

"وعدہ کرو... اب کوئی فضول بات نہیں کروگی... " میں نے آنکھیں کھول کر کہا تو اس نے مسکراتے ہوئے سرہلایا اور میں نے دوستی کرنے کے ثبوت کے طورپراسے اپنی بانہوں میں بھرلیا... مجھے احساس ہوا کہ میں پٹری سے اترنے لگا ہوں اور کنیز پر بھی بے خودی طاری ہونے لگی ہے تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔اور ذرا دیر کومیں کمرے سے باہر نکل گیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

رات کو ہم نے بہت ہلکا ڈنرلیا... ہمیں جاگناتھا اور چاق وچوبند رہناتھا' رات کے دوبج گئے تھے ہم نے اپنا ضروری سامان لیااور ہم جانے کے لیے تیار ہوگئے۔

باہر ایک تبدیل شدہ نمبر پلیٹ کی گاڑی تیار تھی... یہ کام میں نے شام کو ہی کرلیاتھا۔بظاہر دیکھنے میں ٹیکسی نظر آنے والی مزدا میں 'میں اور کنیز سوار ہوئے اور ہم گلشن اقبال کی جانب روانہ ہوگئے۔

راستے میں ٹریفک بہت کم تھا' لیکن پھر بھی ہم نے تیز رفتاری کامظاہرہ نہیں کیا' نکلنے سے پہلے میں نے ایک نئی سم سے عرفان رسول کے گھر کانمبر ملایااور عرفان رسول سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی... فون کسی عورت نے ریسیو کیا تھا... وہ نیند سے جاگی تھی...اس نے میرا نام پوچھااور یہ بھی کہ میں کہاں سے بات کررہاہوں... میں نے ایک فرضی نام لے کر کہا کہ ایک ایمرجنسی ہوگئی ہے' آپ انہیں بلادیں۔تو اس نے کہا کہ وہ سو رہے ہیں میں انہیں جگاتی ہوں' آپ ہولڈ کریں اورمیرا کام بن گیا۔مجھے معلوم ہوگیا کہ عرفان رسول گھر پر ہے اور سورہا

ہے اور اس شریف آدمی کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ ابھی تھوڑی دیر بعد اس پر کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے۔

فون ہولڈ کروا کر جب وہ عورت چلی گئی تو میں نے لائن کاٹ دی اور فوراً سم نکال کر اسے توڑ کر ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔

ہم تقریباً ڈھائی بجے رات عرفان رسول کے بنگلے کے باہر موجود تھے۔ہم نے گیٹ کے قریب چکر لگا کر دیکھا' بنگلے کے گیٹ پر موجود گیند کی شکل میں دو لائٹیں آن تھیں۔اندر اندھیرا تھا۔

میں گاڑی چلاتا ہوا تھوڑا آگے لے گیااور ایک بنگلے کی دیوار کے ساتھ لگا کر کھڑا کردیا' میں اور کنیز اپنا سامان سنبھال کر گاڑی سے اتر آئے' اس گرمی میں بھی میں نے موٹے کپڑے کی جیکٹ پہن رکھی تھی' باہر ہوا بالکل نہیں چل رہی تھی' اس لیے اے سی گاڑی سے باہر نکلتے ہی ہم پسینے میں نہا گئے۔

جیکٹ کی جیبوں میں میرا سامان موجود تھا' کنیز کی جینز کی بیلٹ میں بھی پستول تھا اور میرے پاس بھی پستول موجود تھا۔بے ہوشی کی دوا... باریک نائیلون کی ڈوری... اور کیمرہ...!

میں اور کنیز بنگلے کی پچھلی دیوار کی جانب گئے' میں اور کنیز پہلے خالی پلاٹ کی چار دیواری کے اندر کودے' ابھی کنیز دیوار پر ہی موجود تھی کہ ہمیں رات کو گلیوں میں گشت کرنے والے چوکیدار کی سیٹی اور اس کی سائیکل کی آواز سنائی دی۔

”کنیز جلدی اندر کودو...!“ میں نے تیز سرگوشی میں کہا تو کنیز تیزی سے اندر کود گئی... اور اس طرح کودنے سے ایک زور کی آواز پیدا ہوئی اور اس کے منہ سے تیز سسکی نکل گئی' اتنے میں شاید چوکیدار نے کنیز کے کودنے کی دھپ کی آواز کو سن لیا' رات کے سناٹے میں وہ آواز بہتر طریقے سے سنی گئی۔

چوکیدار خالی پلاٹ کے گیٹ کے قریب آکر کھڑا ہو گیا اور ٹارچ کی روشنی گیٹ پر ڈالتے ہوئے بولا۔

”اوئے کون کودا اے ادر... خانہ خراب چور کا بچہ... ابی تم باہر نکل... ام ابی دیکھتی اے...!“

میں اور کنیز دم سادھے خاموش تھے۔ کنیز زمین پر گری ہوئی تھی اور میں اسے اٹھانے کے لیے جھکا تو جھکا ہی رہا... کہ اب مزید ذرا سی بھی آواز اس کے شک کو یقین میں بدل دے گی۔

”اوے خانہ خراب کا بچہ... کون اے... باہر نکلو...“ پٹھان چوکیدار باہر کھڑا ہمیں للکار رہا تھا۔

کنیز نے گھبرا کر میرا ہاتھ دبایا تو میں نے جواباً تسلی کے لیے اس کا ہاتھ دبایا...

”ابی ادر کوئی آواز نہیں آتا اے... پر ابی ام اپنا تسلی ضرور کرے گی... خوچہ کوئی اور ہوا... اور رات کو چوری موری کیا تو ام اپنے رب کو کیا منہ دکھائے گی...!“ پٹھان چوکیدار نے کہااور پھر ہمیں ایسا لگا جیسے وہ گیٹ پر چڑھ رہا ہے...!

میں اور کنیز دم سادھے عجیب سی کنڈیشن میں تھے۔ کنیز نیچے گری ہوئی تھی اور میں جھک کر اسے اٹھا رہا تھا‘ پٹھان چوکیدار تو پہلے اپنے ہاتھ میں تھامی ہوئی ٹارچ روشن کرکے گیٹ کے اوپر لائٹ ڈال کر اندر دیکھنے کی ناکام

کوشش کرتا رہا تھا‘ ساتھ ہی ساتھ وہ بڑبڑا بھی رہاتھا پھر مجھے ایسا لگا جیسے وہ گیٹ پر اوپر چڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔اس بات کااحساس ہوتے ہی کہ پٹھان چوکیدار گیٹ کے اوپر چڑھ کراندر ٹارچ کی روشنی ڈال کر کسی متوقع چور کو تلاش کرے گا یا پھراپنے احمق پنے میں اس خالی پلاٹ کے اندر کود جائے گا۔دونوں ہی صورتوں میں ہمارے لیے خطرہ تھا‘ اگر چوکیدار نے ہمیں دیکھ لیا تو وہ شور مچامچا کے سارے لوگوں کو جگادے گا اور ہم احمق چوروں کی طرح پھنس جائیں گے۔

اس سے پہلے کہ چوکیدار کی نگاہ ہمارے اوپر پڑے اور وہ شور مچا کر لوگوں کو اکٹھا کرے مجھے اس سے پہلے ہی کچھ کرنا ہوگا‘ میں فوراً سیدھا ہوگیا‘ میرا دماغ تیزی کے ساتھ کام کرنے لگا‘ میں سیدھا ہوااور گیٹ کے ساتھ لگ کر کھڑا ہوگیا۔میں نے سوچ لیاتھا کہ فوری طور پر مجھے کیا کرنا ہے۔

چوکیدار کی گردن جیسے ہی گیٹ کے اوپر آئی‘ میں الرٹ ہوگیا‘ وہ آدھے دھڑکے ساتھ گیٹ کے اوپر تھا‘ روشن کی ہوئی ٹارچ اس نے اپنے دانتوں میں دبائی ہوئی تھی اور اپنے دونوں ہاتھوں سے گیٹ کو پکڑا ہوا تھا‘ بس اب

کچھ ہی لمحوں میں وہ گیٹ پر جم کر کھڑا ہونے والا تھا' اور ہاتھ سے ٹارچ کو تھام کر خالی پلاٹ میں چاروں جانب اس کی روشنی ڈال کر ہمیں باآسانی تلاش کر سکتا تھا۔

میں نے نہایت سرعت کے ساتھ اچھل کر اس کی کمر کے گرد دونوں ہاتھ ڈالے اور اسے اندر کھینچ لیا۔"اوئے خانہ خراب کا بچہ... اوئے... او... آغوں..."

پٹھان چوکیدار اس اچانک حملے سے بری طرح گھبرا گیا اوراس کے منہ سے عجیب عجیب آوازیں نکلنے لگیں۔وہ اوندھے منہ زمین پر گرا تھا' میں نے تیزی سے اس کے دونوں ہاتھ پیچھے کرکے اس کی پشت پر جکڑ لیے اور اپنا گھٹنا اس کی گردن پر رکھ دیا۔

اسی اثناء میں کنیز بھی اٹھ کھڑی ہوئی اوراس نے پٹھان کے دونوں ہاتھ جکڑ لیے اور میں نے اس کے ہاتھ چھوڑ کر اس کی کنپٹیوں پر اپنی انگلیوں کا مخصوص دباؤ ڈالا۔چوکیدار لمحہ بھرمیں انٹاغفیل ہوگیا۔میں نے تیزی کے ساتھ

اس کے ہاتھ باریک ڈوری سے باندھے اور اس کے منہ میں ساتھ لایا ہوا کپڑا پھاڑ کر اس کے منہ میں ٹھونس دیا۔

"ویسے بھی یہ اب دو گھنٹوں سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا' اب ہمیں زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے۔" چوکیدار سے فارغ ہونے کے بعد میں نے کنیز سے کہا۔

"واہ شمروز تم نے کمال ہی کردیا' تم بہت ہوشیار ہو۔" کنیز نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔

"یار تعریفیں بعدمیں کرلینا شکر کروبال بال بچ گئے۔اگر یہ ہمیں دیکھ لیتا تو چور سمجھ کر ہماری گردنیں دبالیتا۔" میں نے کہااور عرفان رسول کے بنگلے کی باؤنڈری وال کی جانب متوجہ ہوگیا۔

"ایسا کرتا ہوں کہ پہلے تمہیں دیوار پر چڑھنے میں مدد دیتاہوں پھر میں تو آہی جاؤں گا۔" میں نے کہا تو کنیز تیار ہوگئی' میں نے کمر سے پکڑ کر اسے اچھالا تواس نے دیوار کے سرے کو مضبوطی سے تھام لیا' پھر میں نے اس کے دونوں پاؤں اپنے کندھوں پر رکھے' اس طرح وہ باآسانی دیوار پرچڑھ

گئی اور سرعت اندر کود گئی۔اس کے کودنے سے بہت معمولی سی دھمک سنائی دی، لیکن وہ آواز ایسی نہیں تھی کہ کسی کو اپنی جانب متوجہ کر سکتی، پھرمیں نے اچھل کر اپنے دونوں ہاتھ دیوار کے سرے پر جمائے اور دودسری جمپ میں،میں دیوار کے اوپر تھا، پھرمیں بھی اندر کود گیا۔

ہم بنگلے کی سائڈ گیلری میں تھے،بنگلوں میں تین اطراف سے تین سے چار فٹ کی گیلری بنی ہوئی ہے، تاکہ کھڑکیوں میں سے ہوا اندر آنے کا راستہ رہے، میں نے کنیز کو وہیں رکے رہنے کا اشارہ کیا اور دبے قدموں گیلری میں آگے کی جانب بڑھنے لگا۔جلد ہی میں سرے پر پہنچ گیا میں نے گردن نکال کرباہر کاجائزہ لیا، باہر بالکل سناٹا پھیلا ہواتھا، میں مزید آگے بڑھااور چلتا ہوا بنگلے کے گیٹ کے سامنے پہنچ گیا۔

یہاں ایک عدد گاڑی کھڑی تھی۔اور سامنے چھوٹے سے لان میں چارپائی بچھائے کوئی سو رہاتھا، میں سمجھ گیا کہ یہ وہی شخص ہے، وہ ملازم جس کو بے وقوف بنا کر کنیز ساری معلومات لے کر آئی تھی۔

میں تیزی سے واپس پلٹااور کنیز کوبتایا، کنیز نے میرے خیال سے اتفاق کیاکہ یہ وہی شخص ہوسکتا ہے وہ مجھے بتارہاتھا کہ وہ رات کو گیٹ پر ہوتا ہے۔

”پھر کیا کرنا چاہیے، کیونکہ میں دیکھ آیا ہوں کہ اندر کمروں کی جانب جانے کا کوئی راستہ کھلا ہوا نہیں ہے، ایک بڑادروازہ ہے جو یقینا اندر سے بند ہوگا۔“ میں نے کنیز سے کہا۔

”میراخیال ہے کہ ہمیں اس شخص کو قابو کرنا ہوگا، اوراس کی مدد سے کسی بھی طرح یہ دروازہ کھلوانا ہوگا۔یہی طریقہ ہے، اس کے علاوہ تمہارے ذہن میں اگر کچھ اور آرہا ہوتو بتاؤ۔“ کنیز نے سرگوشی میں کہا۔

”نہیں! تمہارا خیال بالکل ٹھیک ہے، میں ابھی اس کو قابو میں کرتا ہوں۔“ میں نے کنیز کو وہیں دروازے کے پاس رکنے کااشارہ کیا اور دبے پاؤں اس ملازم کی جانب بڑھا جو بے خبر پڑا سو رہا تھا۔

میں نے اپنا پستول ہاتھ میں لیااور اس کے قریب جاکر پستول اس کی پیشانی سے ٹکا کر دو دفعہ بجائی۔

پیشانی پر چوٹ پڑنے سے وہ جاگ گیا' اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولنا چاہا مگر اسے احساس ہو گیا کہ پستول اس کی پیشانی پر لگی ہے تو اس کی آنکھیں مارے خوف کے پھٹ گئیں اور منہ کھل گیا۔

میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور دانتوں کو پیستے ہوئے تیز سرگوشی میں کہا۔

"اگر منہ سے ذرا بھی آواز نکالی تو گولی تیرے بھیجے میں اتر کر سوراخ کر دے گی۔"

وہ گھگھیا کر میرے آگے دونوں ہاتھ جوڑنے لگا۔ "خاموش...!" میں نے آنکھیں نکال کر غرائے ہوئے لہجے میں سرگوشی کی۔

"کک...کون...کون ہو تم... اور...کک ... کیا ... کیا چاہتے...ہو...!" اس نے خوفزدہ لہجے میں بمشکل کہا۔

"ہمیں تیرے صاحب سے ملنا ہے' دروازہ اندر سے بند ہے۔یہ بتا تو کسی طرح یہ دروازہ کھلوا سکتا ہے۔" میں نے دبنگ لہجے میں سرگوشی کی۔

"تت... تم...ڈاکو ہو...؟" اس نے بجائے جواب دینے کے سوال کیا۔

"اب اگر تو نے کوئی سوال کیا تو میرا ہاتھ نہیں رکے گا۔مرنا چاہتا ہے سیدھی طرح میرے سوال کا جواب دے گا۔"

"مم... میں... کیسے... میں کیسے کھلوا سکتا ہوں... اتنی رات... ہو... ہو گئی ہے... صاحب... سو... سو رہے ہوں گے۔" اس نے کسمساتے ہوئے کہا۔

"یہ بات تو میں بھی جانتا ہوں احمق انسان... کہ وہ سو رہے ہوں گے۔یہ بتا کہ کبھی اس طرح ہوا ہے کہ اچانک رات میں کوئی ایمرجنسی ہو گئی ہو اور تو نے اسے جگایا ہو۔" میں نے پستول کی نال اس کی پیشانی پر گڑا کر کہا تو مارے خوف کے اس نے اپنا بستر ہی گیلا کر دیا' میرے نتھنوں نے اس گندی اسمیل کو محسوس کر کے غصے میں اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔وہ اتنا خوف زدہ تھا کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں یہ بے ہوش ہی نہ ہو جائے۔

"نن... نہیں...! ہاں... ہاں...ایک بار ایسا ہوا تھا۔" اس نے پہلے انکار پھر خوف سے ہاں میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"وہ...وہ صاحب کا ادارہ ہے ناں 'مسکن' وہاں سے ایک آدمی آیا تھا...ایک لڑکی وہاں سے بھاگ گئی تھی' تب میں نے صاحب کو جگایا تھا۔"

"کس طرح؟ کیا طریقہ استعمال کیا تھا؟" میں غرایا۔

"موبائل پر... میں نے موبائل پر فون کرکے صاحب کو جگایا تھا۔" اس نے کہا۔

یہ سنتے ہی میں نے اس کی پیشانی سے پستول ہٹالیااور ایک قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا' میں نے پستول کا رخ اس کی جانب کیاہواتھااس سے کہا تم ایک بار پھر اپنے صاحب کو فون کرواوراسے وہی بات بتاؤ کہ ایک لڑکی نے "مسکن" میں خودکشی کرلی ہے۔اس لیے ایک بندہ انہیں لینے کے لیے آیا ہے لیکن پہلے اپنے حواس درست کرو۔اگر تم نے ٹھیک اسی طرح سے کہا جیسا میں کہہ رہا ہوں تو میں تمہیں کچھ بھی نہیں کہوں گا۔ورنہ دوسری صورت میں' میرے پستول کی صرف ایک گولی تمہارا کام تمام کردے گی ...!" میں نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

وہ تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گیااور تکیے کے نیچے سے موبائل نکال کر نمبر ملانے لگا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"رکو...!" میں نے کہا تو وہ ایک بار پھر خوف زدہ نگاہوں سے میری جانب دیکھنے لگا۔"اگر تم نے ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی اور کسی اور کو فون ملایا تو سمجھ...تمہارا کام تو تمام ہو گیا۔"

"نہیں نہیں میں ایسا کچھ نہیں کروں گا..."نمبر ملا کر کال کابٹن پش کرنے سے پہلے اس نے میری جانب موبائل بڑھایااور بولا۔"آپ خود دیکھ لیں کہ یہ نمبر صاحب ہی کا ہے۔"

میں نے ایک نگاہ نمبر پرڈالی اور پہچان لیا وہ نمبر عرفان رسول ہی کا تھا۔"یہ بتاؤ عرفان رسول کا کمرہ اوپر والی منزل پر ہے یانیچے ہے۔" میں نے پوچھا۔

"اوپرہے جی۔"اس نے مردہ لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے بات کرو۔لیکن کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش مت کرنا۔" میں نے ایک بار پھر اسے تنبیہہ کی تووہ زور زور سے سرہلانے لگا۔

میں نے اوپر نگاہ ڈالی سامنے ہی مجھے کھڑکی دکھائی دی' ہوسکتا ہے کہ عرفان رسول کھڑکی سے جھانک کر اپنے ملازم کے بیان کی تصدیق کرے کہ کون

ہے‘ تو میں اس طرح سے پوزیشن لے کر کھڑا ہو گیا کہ اس کی نگاہ مجھ پر اس طرح سے پڑے کہ اسے نہ تو میری شکل دکھائی دے اور نہ ہی پستول۔

اس نے نمبر ملایا تو فوراً ہی عرفان رسول نے فون ریسو کرلیا۔میں یہ دیکھ کر بری طرح چونک گیا‘ سوال یہ میرے ذہن میں پیدا ہوا‘ کیاعرفان رسول جاگ رہا تھا جو اس نے پہلی ہی بیل پرفون ریسیو کرلیا۔اگروہ سو رہا تھا تو فون کی کئی گھنٹیاں بجنے کے بعد اسے اٹھانا چاہیے تھا۔بہرحال میں پوری طرح الرٹ ہو کر اس کی بات سننے لگا‘ رشید نے دوسری جانب سے فون ریسیو ہوتے ہی کہا۔

”جناب مسکن سے ایک بندہ آیا ہے اورہ بتارہا ہے کہ وہاں کسی لڑکی نے خودکشی کرلی ہے‘ وہ آپ کو لینے کے لیے آیا ہے...!“

دوسری جانب سے شاید اس نے آنے والے کانام پوچھا تھا تو اس نے جواب دیا۔

”صاحب میں نے اس کانام نہیں پوچھا‘ لیکن میں شکل سے اسے پہچانتا ہوں‘ وہ ادھر ہی ہوتا ہے۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

پھروہ خاموش ہو کر دوسری جانب سے ہونے والی باتیں سننے لگا۔پھر ”جی اچھا“ کہہ کر فون بند کردیااور بولا۔”یہ کتنا عجیب اتفاق ہے کہ ابھی صاحب کے پاس مسکن ہی سے فون آیا ہے‘ اور وہاں کسی لڑکی نے حقیقت میں ہی خودکشی کی ہے‘ ابھی وہاں سے فون آیا تھا تو صاحب جاگ گئے تھے۔وہ نیچے آرہے ہیں۔“

رشید نے جیسے ہی مجھے عرفان رسول کے نیچے آنے کی اطلاع دی‘ میں نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے فون چھین لیا‘ اوراس کامنہ دبا کر اور اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ایک ہاتھ میں جکڑ کر تیزی سے گیلری کی جانب بڑھا‘ جہاں کنیز کھڑی تھی۔

کنیز نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے میری جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر تیزی سے رشید کے دونوں ہاتھ پیچھے کرکے باندھے اور کپڑا پھاڑ کر اس کے منہ میں ٹھونس دیا‘ پھراسے لٹا کر اس کے دونوں پاؤں بھی باندھ دیئے۔

ہمیں اس کام کو کرنے میں بمشکل دو منٹ لگے ہوں گے۔میں اور کنیز رشید کو پچھلی گیلری میں گھسیٹ کر ڈال آئے اور تیزی سے بند دروازے کے ساتھ دیوار سے چپک کر کھڑے ہوگئے' ہم دونوں نے اپنے اپنے پستول اپنے ہاتھوں میں سنبھال لیے تھے۔

مجھے قدموں کی آہٹ سنائی دی' وہ تیزی کے ساتھ قریب آرہا تھا' پھر آٹومیٹک لاک کھلنے کی آواز آئی' اور ایک پستہ قامت شخص ایک دم باہر نکل آیا' اور رشید کانام لے کر اسے آواز دی۔

میں تیزی سے آگے بڑھااورمیں نے پستول اس کی کنپٹی پر لگادی' دوسری جانب سے کنیز پستول تانے ہوئے اس کے سامنے آگئی۔

ہمیں یوں اچانک اپنے سامنے دیکھ کر وہ بھونچکا سا رہ گیا۔چند لمحے تو وہ آنکھیں پھاڑے ہمیں دیکھتا رہا' پھر بولا۔

”کون ہو تم لوگ...؟ کیا ہمیں لوٹنے کے لیے آئے ہو...؟ رشید کہاں ہے؟“

”کوئی سوال جواب نہیں عرفان رسول بناء کوئی آواز نکالے ہمارے ساتھ اپنے بیڈروم میں اوپر چلو۔“

”دیکھو تم لوگ تسلی رکھو' میرے گھر میں جو بھی روپیہ پیسہ ہے وہ میں تم لوگوں کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہوں۔تم یہ پستول ہٹالو۔میں دل کامریض ہوں۔میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔“ اس نے کہا۔

”تم غلط سمجھ رہے ہو عرفان رسول' ہمیں تمہارے روپے پیسے سے کوئی غرض نہیں ہے' ہم تمہیں لوٹنے نہیں آئے ہیں' بس تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔یہ بتاؤ کہ تمہاری بیوی اور بچی کہاں ہے کیا وہ تمہارے بیڈروم میں ہیں۔“ میں نے کہا۔

”ہاں وہ تو وہیں ہیں' لیکن اس کے لیے اوپر جانے کی کیا ضرورت ہے' ہم یہاں ڈرائنگ روم میں بھی اطمینان سے بیٹھ کر بات کرسکتے ہیں۔“ اس نے کہا۔

”نہیں ہم وہ باتیں یہاں نہیں کرسکتے 'اس کے لیے تمہارا بیڈروم میں ہونا ضروری ہے۔“ میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟ اس نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ 'پھر کچھ سوچا اور بولا۔

"دیکھو تمہیں جو بھی بات یا ڈیل کرنی ہے مجھ سے کرو۔ میری بیوی اور بیٹی سے تمہارا کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔"

"خاموشی سے ہمارے ساتھ اوپر چلو۔" میں نے پستول کی نال اس کی کنپٹی پر زور سے گاڑتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔ 'اگر تم خاموش رہے تو سب ٹھیک رہے گا' ورنہ میرے پستول کی گولی کسی رشتے کو نہیں پہچانتی نہ تمہاری بیوی کو اور نہ ہی تمہاری بیٹی کو۔" میں نے دھیمے مگر غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

اس نے ایک گہری اور طویل سانس لی اور ہارے ہوئے لہجے میں بولا۔

"چلو..."

میں نے ایک ہاتھ سے پستول اس کی کنپٹی پر لگائی ہوئی تھی اور دوسرے ہاتھ سے اس کے دونوں ہاتھ پیچھے کرکے مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے' جب کہ کنیز نے بدستور اس پر پستول تانا ہوا تھا اوروہ ہوشیاری سے چاروں جانب دیکھتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ہم سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچے ' اس کے کمرے میں داخل ہونا ہی چاہتے تھے کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھلااور ایک جوان اور حسین صورت لڑکی باہر نکلی' لیکن اس کی نگاہ جیسے ہی ہمارے اوپر پڑی' اس کے قدم وہیں جم گئے او روہ منہ اور آنکھیں پھاڑے ہماری جانب تکنے لگی۔

کنیز نے تیزی سے آگے بڑھ کر عرفان رسول کی بیوی کے ساتھ وہی کیا جو میں نے عرفان رسول کے ساتھ کیا ہوا تھا' اس نے اس کے ہاتھوں کو جکڑا اور پستول اس کی کنپٹی پر لگادی' پھراپنی کہنی سے دروازے کا ہینڈل گھمایااور لات مار کر دروازہ کھول دیا۔

اندر کمرے میں نیلگوں روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اے سی کی ٹھنڈک سارے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔

ہم اندر داخل ہوگئے اور لات مار کر دوبارہ دروازہ بند کردیا' اندر کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے تھے' فرش پر نرم قالین تھا' ایک صوفہ سیٹ بھی اس وسیع بیڈروم میں تھااور سامنے جہازی سائز کے بیڈ پر ایک ننھی بچی جس کی عمر ڈھائی تین سال ہوگی' بے خبر سو رہی تھی۔

میں نے اور کنیز نے دونوں میاں بیوی کو صوفے پر پھینک دیااور ہم دونوں پستول تان کر کھڑے ہوگئے۔

”دیکھو میں تمہیں الماری کی چابیاں دے دیتاہوں۔ تمہیں جو چاہیے وہ لے لو اور چلے جاؤ، ہم پولیس کو بھی کمپلین نہیں کریں گے۔“ خوف کے مارے زرد پڑتی ہوئی عرفان رسول کی بیوی بولی۔

میری نگاہیں تیزی کے ساتھ سارے کمرے کاجائزہ لے رہی تھیں۔ہمارے پاس ٹائم کم تھا، ویسے بھی ”مسکن“ سے عرفان رسول کے پاس فون آچکاتھا، ہوسکتا تھا کہ فون دوبارہ آئے یا پھر حقیقت میں کوئی اسے لینے کے لیے آ ہی جائے۔

میری نگاہ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھے دو موبائل فونز پر پڑی۔میں نے جھٹ دونوں فون اٹھا لیے اور نہیں آف کرکے جیب میں ڈال دیا، پھر میں نے وہیں پر پی ٹی سی ایل فون کا سیٹ بھی رکھا ہوا دیکھا، میں نے اس کا بھی تار کھینچ کر فون سے کنکشن جدا کردیا، اب رہی اس کی بیٹی، وہ اچانک جاگ کر ہمارے رنگ میں بھنگ ڈال سکتی تھی، اس لیے اس کا بے ہوش ہونا ضروری تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کنیز کو ان دونوں کی جانب سے الرٹ رہنے کااشارہ کیا اور جیب سے کلوروفارم کی شیشی نکال کر بہت خفیف مقدار میں بچی کو کلوروفارم سنگھادیا، پھر اس سوئی ہوئی بچی کو صوفے سے اٹھا کر بیڈ کے سائڈ میں لٹادیا۔

”تم یہ کیا کررہے ہو؟میری بچی۔!“ جیسے ہی میں نے بچی کو کلوروفارم سنگھایا تودونوں میاں بیوی ایک ساتھ بول اٹھے بلکہ اس کی بیوی تو اپنی جگہ سے اٹھ بھی گئی۔

لیکن الرٹ کھڑی کنیز نے پستول کا دستہ زور سے اس کے سر پرمارااور غرائی ہوئی بلی کی طرح بولی۔”خاموشی سے بیٹھ کتیا، نہیں تو تیری اس پلی کو ایک ہی فائر میں فارغ کردوں گی۔“

”تم لوگ آخر چاہتے کیا ہو؟“بیوی اور بچی کا یہ حال دیکھ کر عرفان رسول رونے والے انداز میں بولا۔

”ابھی پتہ چل جاتا ہے تم اپنے کپڑے اتارو۔“ میں نے ایک خبیثانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کیامطلب ...؟" وہ اپنی جگہ کسمسایا۔

"مطلب بھی سمجھ میں آجائے گا۔تم دونوں میری بات غور سے سنو، میں جو کہہ رہاہوں تم خاموشی سے ویسا کرتے چلے جاؤ۔ہمارا کام ختم ہوجائے گا اور ہم یہاں سے خاموشی سے چلے جائیں گے، ورنہ دوسری صورت میں تمہیں نہ صرف اپنی جان سے بلکہ اپنی بیوی اور بیٹی کی جانوں کو بھی گنوانا ہوگا۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"بتاؤ تم کیا چاہتے ہو، میں سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں۔" عرفان رسول نے تڑپ کر کہا۔

"ویری گڈ۔تم تو بہت سمجھدار انسان ہو!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا تووہ میری شکل دیکھنے لگا، جب کہ اس کی بیوی صوفے پر آنکھیں بند کیے پڑی تھی۔ شاید کنیز کی زور دار ضرب کی وجہ سے بے ہوش ہوگئی تھی۔

"اب تم یہاں اس بیڈ پر آجاؤ اور اپنا اوپری جسم ننگا کردو!"

"کس لیے؟" اس نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی پتہ چل جائے گا،چلوفٹافٹ ادھر آجاؤ!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا تووہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا لیکن پہلے اپنی بیوی کو دیکھنے لگا تو میں نے ڈپٹ کر اسے آگے آنے کے لیے کہا تووہ بیڈ پر آکر بیٹھ گیا۔

اس کے وہاں سے ہٹتے ہی کنیز تیزی سے اس کی بیوی کی جانب مڑی اورایک ہاتھ میں پستول تانے اس نے دوسرے ہاتھ سے اسے ہلا جلا کر دیکھا۔وہ بے ہوش تھی، پھر میرے کہنے پر کنیز نے اس کی بیوی کے بھی ہاتھ پاؤں باندھے اور اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا، اور عرفان رسول بے بسی کی تصویر بنا یہ سب دیکھتا رہا، اس کی آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں، چہرے کی رنگت زرد ہو رہی تھی۔مجھے ڈر ہوا کہ کہیں یہ بھی بے ہوش نہ ہوجائے۔

"دیکھو عرفان رسول ہمیں تمہاری کچھ حسین اور رنگین تصاویر اس حسینہ کے ساتھ بنانی ہیں۔تم خاموشی سے وہ تصاویر بنوالو اگر تم شرافت سے نہ مانے تو تمہاری اس حسین اور جوان بیوی کی برہنہ تصاویر میں اپنے ساتھ بنواؤں گااور اس طرح کہ اس میں تمہاری بیوی کا چہرہ اور جسم نمایاں ہوگا، اور میرا چہرہ دکھائی نہیں دے گا۔ایک دو تصاویر اس طرح لی جائیں گی کہ اس میں تمہاری

برہنہ بیوی میری بانہوں میں ہوگی اور تم بھی قریب بیٹھے یہ عجیب سین دیکھ رہے ہوگے۔

اب فیصلہ تمہارا ہے' تم اپنی تصاویر بنوانا پسند کروگے یا اپنی بیوی کی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ تم کس کے کہنے پر کررہے ہو' دیکھو میں تمہارے ساتھ ایک ڈیل کرنا چاہتا ہوں' تمہیں جس کسی نے بھی یہ کام کرنے کے لیے میرے پاس بھیجا ہے اور تمہیں جتنی بھی رقم دی ہے' میں تمہیں اس سے دگنی چوگنی رقم دوں گا۔تم مجھے اس کانام بتادواور رقم لے کر چلے جاؤ۔" عرفان رسول نے چاپلوسی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"بیکار کی باتوں میں وقت مت ضائع کرو عرفان رسول۔میرا دماغ بہت جلدی خراب ہوجاتا ہے 'پھر میں الٹی سیدھی حرکتیں کرنے لگتا ہوں' کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا دماغ خراب ہوجائے اور تمہاری بیوی اور بیٹی میرے ہاتھوں سے ضائع ہوجائیں بولو' کیا چاہتے ہو؟" میں نے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

وہ چند لمحے تذبذب کاشکار رہا' پھرروہانسا ہو کر اپنے نائٹ ڈریس کی شرٹ اتارنے لگا۔

"گڈ!" یاد ہے تمہاری بیوی اور تمہاری بیٹی میرے نشانے کی زد پر رہیں گی۔"یہ کہہ کر میں اس کی بیٹی کے بالکل نزدیک چلا گیا۔

پھر کنیز نے اپنی پستول مجھے تھمائی اور اپنی ٹی شرٹ اتار دی۔اب وہ صرف ایک مختصر سے زیر جامہ میں تھی۔عرفان رسول نے کنیز کو دیکھاتو نگاہیں جھکالیں۔

"ارے یار شرمانا نہیں۔"میں نے دوستانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے طنزیہ کہا۔
"ذرا جذبات اپنے چہرے پر لاؤ اور اس حسینہ کو فوراً اپنی بانہوں میں جکڑ لو' ذرا فری ہوجاؤ'بس یوں سمجھو یہ تمہاری بیوی ہے۔"

اور میرااشارہ پاتے ہی کنیز عرفان رسول سے لپٹ گئی۔

اور میرا کیمرہ کھٹاکھٹ چلنے لگا۔دس سے پندرہ پوز لینے کے بعد میں نے کیمرہ بند کرکے جیب میں رکھا اور کنیز اچھل کر بیڈ سے میرے نزدیک آکر کھڑی

ہو گئی۔ پہلے اس نے اپنا مکمل لباس پہنا پھر دونوں پستول ہاتھوں میں تھام کر کھڑی ہو گئی۔

میں نے عرفان رسول کے بھی ہاتھ پاؤں باندھے اور اس کے منہ میں بھی کپڑا ٹھونس دیا۔ اب یہ لوگ کس طرح آزادی حاصل کریں گے' اس سے مجھے کوئی غرض نہیں تھی' ہاں البتہ ان کی بیٹی ہوش میں آکر ان کی کوئی مدد کر سکتی تھی۔

بہرحال ہم نے لائٹیں آف کیں اور تیزی کے ساتھ نیچے اتر آئے' اس مرتبہ ہم سیدھے راستے سے یعنی گیٹ کھول کر باہر نکلے اور سیدھے اپنی کار کی جانب بڑھے۔

ہماری تقدیر اچھی تھی کہ ہمارا کام بناء کسی رکاوٹ کے پورا ہو گیا' اور میں نے نہایت تیز رفتاری کے ساتھ کار کو بھگانا شروع کردیا' ہم دونوں بالکل خاموش بیٹھے تھے۔

جیسے ہی ہم مین روڈ پر آئے' وہاں کھڑی ایک گاڑی نے ہمارا پیچھا کرنا شروع کردیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

''شہروز ایک گاڑی ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔'' کنیز نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''محسوس تو میں بھی کر رہا ہوں' لیکن یہ کون ہوسکتا ہے اور کیوں ہمارا پیچھا کر رہا ہے۔'' میں نے بیک مرر میں دیکھتے ہوئے کہا۔

میں محسوس کر رہا تھا کہ پیچھے والی گاڑی کا ڈرائیور بہت مشاق ہے' حالانکہ میں بہت تیز ڈرائیونگ کر رہا تھا لیکن وہ مجھ سے بھی زیادہ فاسٹ ڈرائیونگ کر رہا تھا اور میری اور اس کی گاڑی کا فاصلہ بتدریج کم ہو رہا تھا' بالاخر وہ تیزی کے ساتھ مجھ سے آگے نکلا اور اپنی گاڑی کو تیزی سے آڑا کر کے میرے آگے لے آیا' میں نے فوراً تیزی کے ساتھ بریک لگایا۔ اگر مجھے لمحہ بھر دیر ہو جاتی تو میری گاڑی سیدھی اس کی گاڑی سے ٹکرا جاتی۔

جیسے ہی میری گاڑی رکی' سامنے والی گاڑی کے دروازے دھڑا دھڑا کھلے اور اس میں سے آدمی باہر نکل آئے اور میں حیرانی سے ان اترنے والے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔

...☆☆☆...

مجھے یہ بات جان کر بے حد خوش تھی کہ امی کو حشام اور اس کی فیملی پسند آئی ہے' امی بھی دل سے خوش تھیں اور حشام کے ڈیڈی سے انھوں نے اپنے ماضی کے حوالے سے ڈھیر ساری باتیں کی تھیں' میں نے امی کو پہلے ہی خبردار کردیا تھا کہ وہ کسی کو بھی یہ بات نہیں بتائیں گی کہ مجھے پالنے اور پرورش کرنے والی مشہور زمانہ طوائف " سرمئی بائی" تھیں۔امی اس دنیا سے جاچکی تھیں' ان کاباب بند ہوچکا تھا' اس لیے ان کاذکر کرنا فضول تھا۔کون اس بات کومانے گا کہ ایک طوائف نے جب اپنے پیشے سے توبہ کی تو اس نے کتنی پاکیزہ اور اللہ کی اطاعت میں اپنی زندگی گزاری۔حشام کے ڈیڈی بھی اس حوالے سے سرمئی بائی کوجانتے تھے کہ ان کے نواب سطوت یعنی میرے باپ سے اپنی جوانی میں تعلقات رہ چکے تھے۔

وہ رات میری زندگی کی خوب صورت ترین راتوں میں سے ایک رات تھی' جہاں حشام موجود نہیں تھا لیکن اس کا تصور موجود تھا' وہ ساری رات میرے تصورات کی دنیا میں میرے ساتھ موجود رہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میرا حشام' اپنی پوری دلکشی اور سادگی کے ساتھ میرے دل میں گھس بیٹھا تھا' نہ جانے اس نے میرے دل تک آنے کے لیے کون سا چور دروازہ استعمال کیا کہ مجھے پتہ ہی نہ چلا۔میں اسے اپنے دل کی تمام تر چاہتوں اور شدتوں کے ساتھ تکے جارہی تھی' میرے دل کی دھڑکنیں خودبخود تیز ہونے لگیں اورمیری رگوں میں خون کی روانی تیز تر ہوتی چلی گئی' رات کی تنہائی اور حشام کا حسین ساتھ اس خوب صورت ماحول کا میرے اوپر اثر ہونے لگا اس نے جب بہت پیار اور نرمی سے مجھے اپنی بانہوں میں لیا تو ایک عجیب طرح کا سکون اورطمانیت کااحساس میرے رگ

وپے میں سرائیت کرنے لگا۔ایک پراثر ٹھنڈک میرے وجود میں اترنے لگی۔ اس نے نرمی سے میرے لبوں کوچھوا اور خوابناک لہجے میں بولا۔

"کتنے نرم اور گداز ہیں تمہارے لب بناء کہے ہی مے پلاتے جام... کیا مجھے اجازت ہے کہ ان چھلکتے جاموں سے میں بھی اپنے خشک ہونٹ تر کرلوں اورمیں بے خودی میں مسکرادی اور وہ سرشار انداز میں میرے اوپر جھک آیا۔

یکایک میرے سیل فون کی بیل گنگنانے لگی اور میں ایک جھٹکے سے اس حسین اور خوابناک ماحول سے باہر نکل آئی‘ میرا دل چاہا کہ اس سیل فون کو دیوار پر دے ماروں کہ اس نے میرا اتنا حسین تصور توڑ دیا لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے حشام کا خیال آگیا کہ اس وقت حشام ہی کی کال ہو سکتی ہے۔میں نے لرزتے ہوئے ہاتھوں اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سیل فون اٹھایا اور نمبر دیکھا تو وہ رمضانی صاحب کا فون تھا۔رمضانی صاحب کا نمبر دیکھ کر مجھے غصہ آگیا کہ انہیں اس وقت مجھ سے کیا کام پڑ گیا‘ نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے فون ریسیو کرنا پڑا۔

”السلام وعلیکم سر!“ میں نے بے دلی سے کہا۔

”سوری بے بی میں نے تمہیں اس وقت سوتے ہوئے ڈسٹرب کیا!“ خلاف توقع انہوں نے بڑی شرافت سے کہا۔

”کوئی بات نہیں سر! آپ کہیے کیا بات ہے؟“ میں نے بھی ان کی معذرت کو دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

”بات دراصل یہ ہے کہ تمہیں ابھی اور اسی وقت آنا ہوگا۔ایک بہت بڑی واردات ہو گئی ہے‘ میں اگر چاہتا تو تمہیں اس وقت نہ جگاتا اس واردات کی رپورٹنگ کے لیے دوسرے رپورٹر ہیں ...لیکن تمہاری محنت اور جانفشانی کے باعث میں تمہیں آگے لاناچاہتا ہوں اوراس معاملے کی رپورٹنگ میں تمہارے حوالے کررہا ہوں۔مجھے امید ہے کہ تم اس سارے معاملے کی کھوج لگاؤ گی‘ کیونکہ تم بال کی کھال نکالنے میں ماہر ہو...!“ رمضانی صاحب نے مجھے مسکہ لگایا تو میں ہنس پڑی۔

”لیکن سر یہ تو بتائیے کہ واردات کہاں ہوئی ہے؟“ میں نے اصل سوال کیا۔

”ایک سماجی لیڈر ہیں عرفان رسول صاحب نہایت شریف اور خدا ترس انسان ہیں۔ان کی ایک این جی او ہے اور بے سہارا خواتین اور بچوں کے لیے ایک ادارہ ”مسکن“ کے نام سے موجود ہے‘ وہ ان کے سربراہ بھی ہیں اوران کی سرپرستی میں یہ ارارہ چل رہا ہے۔موصوف اس ادارے کو چلانے کے لیے عام لوگوں سے چندہ بھی نہیں مانگتے‘ کوئی خود سے کچھ دے دے تو لے بھی لیتے

ہیں۔ویسے ان کی خاصی زمینیں پنجاب اور سندھ میں ہیں' وہ اپنی آمدنی کا زیادہ تر روپیہ ان اداروں میں خرچ کرتے ہیں۔"

رمضانی صاحب بجائے مجھے واردات کے متعلق بتانے کے کسی عرفان رسول صاحب کی خوبیاں گنوانے لگے' اس لیے میں نے اکتا کر کہا۔

"سر آپ مجھے ہونے والی اس واردات کے بارے میں کچھ بتانے والے تھے۔"

"ہاں میں اس جانب آرہا ہوں' لیکن پہلے تمہیں اس شخص کے بارے میں بتانا ضروری سمجھا کہ جن کے ادارے میں یہ واردات ہوئی ہے۔" رمضانی صاحب نے اس وقت بھی خلاف توقع بجائے جھنجلانے کے نرمی سے کہا ورنہ ایسے وقت میں جب وہ بات کررہے ہوں اور کوئی انہیں ٹوک دے تو وہ بری طرح جھنجلا جاتے تھے اور ان کا موڈ فوراً خراب ہوجاتا تھا۔

"سوری سر! آپ فرمائیے۔" میں نے جھٹ کہا۔

"ہاں تو میں بتارہاتھا کہ آج رات بلکہ ابھی تھوڑی دیر قبل اس کے ادارے "مسکن" میں چند غنڈوں نے حملہ کیااور وہاں موجود چند لڑکیوں کو اٹھا کر لے گئے کچھ آدمیوں 'گارڈز اور ملازمین کو زخمی کیا ہے۔پتہ یہ چلا ہے کہ ان

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں سے دوافراد جاں بحق بھی ہوگئے ہیں۔ادھر جب عرفان رسول صاحب سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو ایک مرتبہ تو بات ہوگئی لیکن دوسری مرتبہ ان کا سیل فون آف جارہاتھا۔نہ گھر کا فون لگ رہاتھا' وہاں جاکر دیکھا تو عجیب صورت حال تھی' وہ' ان کی فیملی اور گھر کا واحد ملازم بندھے ہوئے پڑے تھے۔سنا یہ بھی ہے کہ ان کے کچھ آدمیوں نے ایک عورت اور ایک مرد کو ان کے گھر سے نکلتے بھی دیکھا ہے۔عرفان صاحب کچھ بھی بتانے سے قاصر ہیں' کیونکہ انہیں دل کا شدید دورہ پڑا ہے او روہ ہاسپٹل میں ہیں۔اب تو صبح ہی ہونے والی ہے'تم ایسا کرو کہ نارتھ ناظم آباد میں موجود" مسکن" پہنچو' میں یہاں سے کچھ اور بندوں کو روانہ کررہا ہوں۔راشد' عزیز اور ریحان وہاں جارہے ہیں' تم راستے میں ان لوگوں سے رابطے میں رہنا۔ہری اپ۔" رمضانی صاحب نے ساری تفصیلات سے مجھے آگاہ کیا۔

"سر وہ حشام نہیں جارہا۔میں اسے بھی لے لوں..." میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"ارے بھئی بلالو اسے بھی، مجھے پتہ ہے تمہارا کھانا حشام کے بغیر ہضم ہی نہیں ہوتا۔" اس مرتبہ وہ تھوڑے جھنجلائے... حسب عادت۔

"تھینک یو سر! میں ابھی حشام کو کال کرتی ہوں۔" میں نے شکریہ ادا کر کے فون رکھ دیا۔

پھر فوراً ہی حشام کو فون ملایا۔وہ گہری نیند میں تھا۔میری آواز سن کر پوری طرح بیدار ہو گیا۔

"کک... کیا ہوا سرمئی... سب خیریت ہے ناں؟" اس نے گھبرا کر کہا تو میں نے چند لفظوں میں ساری صورت حال اسے سمجھاتے ہوئے آنے کے لیے کہا۔

"ٹھیک ہے میں آتا ہوں، لیکن تم آدھی رات کو اکیلی مت نکلنا، میں آرہا ہوں تمہیں پک کرنے کے لیے۔اسی لیے اتنے دنوں سے فضول بکواس کیے جارہا ہوں کہ ڈرائیور رکھ لو یہ رمضانی

صاحب بھی ناں... نہ وقت دیکھتے ہیں نہ موقع، بس فون کردیتے ہیں کہ فوراً پہنچو۔" حشام نے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"تم ہو،نا ڈرائیور پھر کسی اور کو رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔رہی بات آدھی رات کو نکلنے کی تو جناب آپ نے وہ والی کہاوت نہیں سنی۔نوکری کی تے نخرہ کی اور میرے حضور اس وقت آدھی رات نہیں ہے، چھ بجنے والے ہیں۔ویسے تمہارا ڈرائیور والا آئیڈیا برا نہیں ہے میں سوچوں گی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہااور فون بند کر دیا۔

مجھے پتا تھا کہ امی اور اماں دونوں اس وقت جاگ چکی ہوں گی اور میں نے بھی یہ رات سوتے جاگتے ہوئے گزاری ہے۔کھلی اور بند آنکھوں میں صرف حشام صاحب ہی براجمان تھے،مجھے اب وہ ساری باتیں سوچ کر خود سے ہی شرم آنے لگی اور پھر خیال آیا کہ اگر حشام کو میری سوچ کے بارے میں پتہ چلا تو وہ کیا سوچے گا۔دھت تیرے کی، میں نے خود ہی اپنی سر پر چپت لگایا اور الماری سے کپڑے نکال کر باتھ روم کی جانب بھاگی۔

میں چینج کر کے آئی تو امی چائے کے ساتھ موجود تھیں۔"ارے امی آپ چائے لے آئیں۔آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں جاگ گئی ہوں۔" میں نے خوش ہو کر پہلے امی کا منہ چوما اور جھٹ چائے کی پیالی لبوں سے لگالی۔

"تمہارے روم کی لائٹ آن دیکھی تو میں سمجھ گئی کہ تم جاگ رہی ہو' خیریت تو ہے آپ اتنی جلدی جارہی ہو۔" انہوں نے پوچھا۔

"جی امی! پھر میں نے بالوں میں برش کرنے کے دوران چند لفظوں میں انہیں ہونے والی سنگین واردات کے بارے میں بتایااور کہا آپ ٹی وی آن کرکے نیوز چینل دیکھیں' میں نکلتی ہوں۔واپسی کا کچھ پتہ نہیں ہے آپ پریشان نہ ہوجائیے گا۔میں آپ سے بات کرتی رہوں گی۔" میں نے پرس اور گاڑی کی چابی اٹھائی اور تیزی سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"ارے بیٹا کچھ منہ میں ڈالتی تو جاؤ۔نہار منہ گھر سے نہیں نکلتے!" امی نے آواز لگائی۔

"نہار منہ کہاں امی چائے تو پی ہے۔اچھا اللہ حافظ۔" میں نے چلتے چلتے کہا اور انہیں اللہ حافظ کہہ کر گاڑی کو باہر نکالا۔امی گیٹ پر کھڑی ہاتھ ہلاتی رہیں۔

مجھے یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا' میری زندگی میں ایک ساتھ بہت کچھ اچھا ہوگیا تھا۔امی مل گئیں

میری برسوں کی پیاس کو تسکین مل گئی۔حشام کا پیار بھرا ساتھ تھا۔وہ بہت پیار کرنے والا اور خیال کرنے والا تھا۔مجھے اور کیا چاہیے۔

میں تیز رفتاری سے ڈرائیو کررہی تھی۔دن نکل آیا تھا' سورج نے زمین پر اپنی کرنوں کا نور بکھیرا ہوا تھا' ریڈ سگنل ملتے ہی میں نے سیل فون پر راشد سے رابطہ کیا۔راشد میرا کیمرہ مین تھا۔وہ لوگ سارے سامان سمیت چینل کی وین میں پہنچ رہے تھے' میں اور حشام چونکہ اپنے اپنے گھروں سے آرہے تھے اس لیے اپنی گاڑیوں میں تھے۔

سخی حسن پر ہم مل گئے۔راشد نے مشورہ دیا کہ میں اپنی گاڑی یہیں پیٹرول پمپ پر کھڑی کردوں اور ان کے ساتھ وین میں آجاؤں۔میں نے ایسا ہی کیا۔وہاں موجود منیجر کومیں نے اپنا کارڈ دکھا کر اپنی گاڑی پارک کرنے کی اجازت مانگی جو اس نے مرعوب ہو کر جھٹ دے دی۔

جب ہم "مسکن" پہنچے تو ہم سے پہلے بہت سے نیوز چینلز کی ٹیمیں وہاں پہنچ چکی تھیں' لیکن وہاں پولیس کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی' جو کسی کو بھی اندر جانے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ایمبولینس کے شور... لوگوں کا اژدھام...

ہم نے ایک پولیس والے سے بات کرنے کی کوشش کو تووہ بولا۔"وہ جی ابھی ایس پی صاحب اندر ہیں وہ باہر تشریف لائیں گے توان سے معلومات حاصل کرلیجیے گا۔" وہ اپنی جان چھڑا کر چلا گیا۔

ہم وہاں موجود لوگوں سے بات کرنے لگے کہ آپ میں سے کسی نے دیکھا کہ یہاں کیا ہوا ہے' وہ کون لوگ تھے لیکن کسی نے بھی ہماری بات کا خاطر خواہ جواب نہیں دیا' آج کل وہ دور آگیا ہے کہ کوئی بھی اس قسم کے معاملات میں نہیں بولتا کوئی کسی کولوٹ رہا ہو'یا جان سے مار رہا ہو۔اغوا ہو یا آبروریزی۔لوگ دیکھتے ہوئے چپ چاپ آنکھیں اور کان بند کرکے گزر جاتے ہیں۔

کافی انتظار کے بعد ایس پی صاحب باہر نکلے اور انہوں نے سارے میڈیا والوں سے بات کی۔

"بات یہ ہے جناب کہ رات کو ساڑھے تین بجے یہاں چند افرادزبردستی گھس آئے۔انہوں نے فائرنگ کی بندوں کو زخمی کیا' مارا۔دو افراد جاں بحق ہوئے ہیں۔چار افراد شدید زخمی ہیں۔وہ چار لڑکیوں کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے ہیں

اور جاتے جاتے باآواز بلند ایک پیغام بھی دے گئے ہیں کہ "عرفان رسول کو بتادینا کہ تم سے ایک لڑکی مانگی تھی اور تم نے نہیں دی۔ہم چار لے جارہے ہیں۔" انہوں نے بہت غنڈہ گردی مچائی ہے۔اب یہ بات تو عرفان رسول صاحب ہی بتاسکتے ہیں کہ ایسی فرمائش ان سے کس نے کی تھی۔فی الحال تو انہیں سریس قسم کا ہارٹ اٹیک آیا ہے او روہ آئی سی یو میں ہیں لیکن ان کے ساتھ بھی کچھ برا ہوا ہے' کیونکہ ان کے بنگلے میں بھی وہ خود ان کی بیگم اورملازم رسیوں سے بندھے ہوئے ملے ہیں۔ان کی بیگم بھی شاک کی کیفیت میں ہیں اور کوئی بیان نہیں دے رہی ہیں۔دیکھیں ابھی تو بہت انوسٹی گیشن باقی ہے' سارے معاملات آہستہ آہستہ کھلتے گے تو کوئی واضح صورت حال سامنے آئے گی پھر ہم بھی کارروائی کریں گے آپ لوگ بھی اپنی طرف سے خبریں مت بنائیے گا۔ابھی کچھ بھی واضح نہیں ہے۔شکریہ۔" ایس پی نے جانا چاہا تو اس پر سوالات کی بوچھاڑ ہوگئی۔

”سر یہ بتائیں کہ اغواء کی جانے والی لڑکیاں کون سی ہیں؟ کیا اندر موجود خواتین نے اس بارے میں کچھ بتایا۔ان آنے والے غنڈوں نے کسی خاص لڑکی کا نام لیا تھا۔

”جی ہاں انہوں نے آتے ہی ایک لڑکی شمائلہ کانام لے کر پوچھا تھا کہ تم میں شمائلہ کون ہے؟ پھر شمائلہ کے سامنے آنے پر انہوں نے اس کاہاتھ پکڑ کر کھینچااور اس کے علاوہ تین اور جوان لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔اس سے پہلے وہ فائرنگ کرکے بندوں کو زخمی کرکے اپنا راستہ صاف کرچکے تھے۔“ ایس پی نے جواب دیا اور مزید سوالوں کے جوابات دیئے بغیر اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

ہم چاہتے تھے کہ اندر مسکن کی ویڈیو بنائیں یا وہاں موجود خواتین سے بات کریں لیکن پولیس نے ہمیں اندر جانے ہی نہیں دیا۔

ہم نے یہ بھی پوچھا کہ عرفان رسول صاحب کس ہاسپٹل میں ہیں تو ہمیں اس بارے میں بھی نہیں بتایا گیا۔

ہمیں انہیں تلاش کرنا تھا‘ ان کی بیگم ہاسپٹل میں ان کے پاس تھیں‘ اگر ہم ان سے مل لیتے تو ہمیں خاصی معلومات مل سکتی تھیں۔

بس پھر تو ہمارے کافی سارے ساتھی کراچی کے ہسپتالوں کو چھانتے رہے لیکن کہیں اطلاع نہیں ملی‘ ایک مشہور نجی ہاسپٹل میں آئی سی یو سے باہر پولیس کا پہرہ تھا‘ وہاں کسی غیر مطالقہ فرد کوجانے نہیں دیا جارہاتھا۔

میں نے دور سے دیکھا باہر کرسی پر ایک جواں سالہ لڑکی ایک ڈھائی تین سالہ بچی کو سینے سے لگائے بیٹھی تھی۔خوف ووحشت اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

میں نے حشام سے کہا۔”حشام مجھے لگتا ہے کہ عرفان رسول صاحب یہیں ایڈمٹ ہیں‘ یہاں پولیس کسی کو آگے جانے نہیں دے رہی ہے۔او روہ دیکھو سامنے اس لڑکی کو۔لگتا ہے یہی ان کی بیگم ہیں۔“

”لیکن یہ تو جوان لڑکی ہے‘ اور عرفان رسول صاحب تو پچاس پچپن کے ہیں۔“ عزیز نے اعتراض کیا۔

”بھئی میں نے سنا تھا کہ ان کی یہ دوسری بیوی ہے۔یہی ہے بس...“ میں نے ضدی لہجے میں کہا۔

پھر ہم پولیس والوں سے بحث کرنے لگے کہ ہمیں پانچ منٹ کے لیے مسز عرفان رسول سے بات کرنے کی اجازت دے دیں لیکن انہوں نے صاف منع کرتے ہوئے کہا۔

”بی بی آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں‘ ہمارے لیے بہت سخت آرڈر ہیں۔ابھی آپ پولیس کو اپنا کام کرنے دیں۔تاکہ مجرموں پر ہاتھ ڈالا جاسکے۔جب تک پولیس اپنا کام مکمل نہیں کرلیتی‘ ان لوگوں سے کسی کو ملنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔“

”اچھا عرفان رسول صاحب کی حالت اب کیسی ہے وہ خطرے سے توباہر ہیں ناں۔“ میں نے پوچھا۔

”نہیں ابھی ان کی حالت اچھی نہیں ہے اندر پولیس موجود ہے‘ وہ بیان دینے کے قابل ہوں گے تو سب سے پہلے پولیس ان کابیان لے گی۔“ اس نے کہا۔

”اچھاان کی بیگم کیا بتارہی ہیں کہ رات کو کیا ہوا تھا۔کون ان کے بنگلے پر آیا تھا۔“ میں نے پوچھا۔

”ان سے بھی جی‘ہمارے افسران نے بات کی ہے۔ہمیں معاف کردو۔ہمیں کچھ نہیں معلوم‘ اب یہاں سے جاؤ کیوں ہماری نوکری کے پیچھے پڑی ہو۔“ پولیس والے نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

اور ہم نے جتنی خبر ملی وہ اپنے نیوز چینل کو دے دی اور پھر میں نے سخی حسن کے پیٹرول پمپ سے اپنی گاڑی لی اور نیوز چینل واپس آگئے۔

سارا دن اس بھاگ دوڑ کی نذر ہوگیا۔میں صبح سے بھوکی تھی‘ رات کا کھانا کھایا ہوا تھا اور رات بھر کی جاگی ہوئی بھی۔اس لیے کافی حالت ڈاؤن ہونے لگی۔

ہم لوگوں نے کھانا منگوایا اور مل کر کھایا‘ پھر چائے پیتے ہوئے ہم آپس میں عرفان رسول کے بارے میں ڈسکس کرتے رہے۔اسی وقت میں نے گھر فون کرکے امی سے بات کی اور انہیں تسلی دی کہ میں اپنے نیوز چینل کے دفتر واپس آگئی ہوں۔یہاں سے سیدھی گھر آجاؤں گی۔

میں اور حشام اٹھ کر اپنے روم میں آ گئے۔ تب ہی اچانک انکل وہاں آ گئے‘ انہوں نے بتایا کہ انہیں رمضانی صاحب سے کسی ضروری کام کے سلسلے میں ملاقات کرنی تھی وہ اس لیے یہاں آئے تھے تو ہمارے روم میں بھی آ گئے‘ میں نے انکل کے لیے چائے منگوائی‘ باتوں کے دوران عرفان رسول کا ذکر نکل آیا تو انکل نے کہا کہ تم گھر چلو تمہیں اس کے بارے میں ضروری انفارمیشن دیتا ہوں۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں‘ میں فوراً تیار ہو گئی۔ گھر فون کر کے بتایا‘ رمضانی صاحب کو اطلاع دی اور میں انکل اور حشام اپنی اپنی گاڑیوں میں حشام کے گھر روانہ ہوئے۔

میں یہ سوچتے ہوئے بہت ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی کہ انکل سے مجھے اپنی رپورٹ بنانے میں کافی ہیلپ مل سکتی ہے‘ ہم ایک دوسرے کے آگے پیچھے ہی پہنچ گئے‘ آنٹی غیر متوقع طور پر مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور ضد کرنے لگیں کہ اب آئی ہو تو ڈنر کر کے جانا۔ میں نے لاکھ بہانے بنائے کہ امی گھر پر انتظار کر رہی ہوں گی لیکن آنٹی کے ساتھ انکل اور حشام بھی شامل ہو گئے تو مجھے ہار ماننی ہی پڑی‘ آنٹی نے یہ کہہ کر مجھے مزید تسلی دے دی کہ میں

روشن آراء کو فون کر دیتی ہوں‘ تم اطمینان سے بیٹھ کر اپنے انکل سے باتیں کرو۔ میں فون کرنے کے بعد ڈنر کا انتظام کرتی ہوں۔ حالانکہ یہاں دو ملازم بھی تھے لیکن کچن کے سارے انتظامات آنٹی نے اپنے ہاتھ میں لے رکھے تھے وہ کافی سلیقہ مند اور وضع دار تھیں۔ وہ تھیں ہی ایسی کہ خود بخود ان کا ادب کرنے کا دل چاہے۔

میں اور حشام انکل کے ساتھ ان کی اسٹڈی میں تھے‘ تب انکل بولے۔ ”بیٹا میں عرفان رسول کو بذات خود اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عہد جوانی میں بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ آج سے دس بارہ سال قبل تک عرفان رسول کوئی اچھا انسان نہیں تھا اور سب سے اہم بات تمہیں بتاؤں کہ عرفان رسول تمہارے والد نواب سطوت۔۔۔!“

”انکل پلیز اس شخص کو آپ میرا والد کہہ کر مخاطب نہ کریں!“ میں نے انکل کی بات درمیان میں کاٹ کر کہا۔

"کیا فرق پڑتا ہے بیٹا جی! آپ اسے اپنا والد تسلیم کرو یا نہ کرو' وہ رہے گا تو تمہارا باپ ہی۔ ہاں اگر تمہیں پسند نہیں ہے تو یہ اور بات ہے۔ چلو اچھا ہے میں بھی کھل کر تم سے بات کر سکتا ہوں۔" انکل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بالکل انکل! آپ نواب سطوت کے اندر موجود ہر برائی کا ذکر میرے آگے بلا کھٹکے کر سکتے ہیں' مجھے قطعی برا نہیں لگے گا۔" میں نے کہا تو انکل چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئے پھر ذرا توقف کے بعد بولے۔

"ہاں تو میں بتا رہا تھا کہ دس بارہ سال قبل جب خود عرفان رسول ایک اچھا انسان نہیں تھا' اس کی دوستی نواب سطوت سے تھی اور وہ ان کی عیاشیوں میں ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔

پھر عرفان رسول کی زندگی میں اللہ کی جانب سے ایک ایسا حادثہ پیش آیا کہ اس کا سب کچھ تباہ ہو گیا۔ اس کی بیوی مر گئی۔ بیٹی اپاہج ہو گئی اور کچھ عرصے کے بعد انتقال کر گئی۔ بیٹا دراصل اللہ اگر کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کسی آزمائش میں ڈال دیتا ہے اور اس آزمائش میں مبتلا ہو کر اس کا

دل پلٹ جاتا ہے' عرفان رسول کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ کب اللہ نے اس کا دل پلٹ دیا اور وہ نیکی کی راہوں پر چل نکلا۔

اس نے اپنی ساری دولت غریبوں اور بے سہارا لوگوں کو سہارا دینے اور ان کی فلاح و بہبود پر لگا دی۔ ابھی کچھ عرصے قبل اس نے ایک شادی بھی کی ہے اس کی یہ دوسری بیوی ایک جوان لڑکی ہے' عرفان رسول اس سے دوگنی عمر کا ہے یا شاید اس سے بھی چند سال زیادہ ہی ہو گا۔

یہ لڑکی بے سہارا تھی اور اس نے خود عرفان رسول سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا تھا' عرفان کو بھی ایک ساتھی کی ضرورت تھی اس لیے اس نے دوبارہ سے گھر بسا لیا' اس کی یہ دوسری بیوی اچھی ہے' دونوں خوش گوار زندگی گزار رہے تھے۔

کچھ عرصے سے نواب سطوت دوبارہ عرفان رسول سے تعلق بنانے کی کوشش کر رہا تھا' یہ بات خود مجھے عرفان نے بتائی تھی۔

عرفان سے میری دو تین ماہ سے ملاقات نہیں ہوئی کہ نواب سطوت اور ان کے درمیان تعلقات بحال ہوئے یا نہیں لیکن رات جو کچھ بھی ہوا ہے اس

سلسلے میں میری چھٹی حس مجھے بتارہی ہے کہ اس میں نواب سطوت کا ہی ہاتھ ہوسکتا ہیڈ“

”کیامطلب؟“ میں یکایک اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور انکل کی چیئر کے پاس جاکر کھڑی ہوگئی۔”آپ کے کہنے کامطلب یہ ہے کہ لڑکیوں کا اغواء نواب سطوت نے کروایا ہے اور وہ شمائلہ نامی لڑکی اسی کی ڈیمانڈ تھی۔“

”اطمینان سے بیٹھ جاؤ بیٹا!میں تمہیں ساری بات تفصیل سے بتاتاہوں کہ میں ایسا کیوں سوچ رہا ہوں۔“ انکل نے مسکراتے ہوئے کہا تومیں دوبارہ اپنی کرسی پربیٹھ گئی‘ تو انکل نے پھر سے کہنا شروع کیا۔

”میرے علم میں یہ بات بھی آئی ہے کہ کچھ عرصہ قبل نواب سطوت نے عرفان کو اس کے ادارے ”مسکن“ کے لیے ایک خطیر رقم چندے کے طور پر دی تھی اوراس نے ”مسکن“ کا دورہ بھی کیا تھا۔وہ ٹھہرا ایک بدنگاہ اور عیاش انسان ، مسکن کے دورے میں یقینا اس نے شمائلہ نامی لڑکی کو دیکھا ہوگا اور عرفان سے اس کے حصول کی ڈیمانڈ کی ہوگی اور عرفان نے ظاہر ہے ناگواری سے انکار کردیا ہوگا۔میں نے یہ بھی سنا ہے کہ عرفان نے غصے میں آکر نواب

سطوت کو اس کا چیک واپس کردیاتھا اور کہا تھا۔”میں نے ان بچیوں کو باعزت تحفظ دیا ہے‘ناکہ تم جیسے عیاش مردوں کی تسکین کے سامان کے طور پر انہیں رکھا ہوا ہے‘ تمہیں اگر پیسے کا لالچ دے کر لڑکی حاصل کرنی ہے تو ایسے بہت سے بازار کھلے ہیں وہاں سے بہت کم رقم خرچ کرکے تم کوئی بھی لڑکی حاصل کرسکتے ہو‘ آئندہ نہ تو مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنا اور نہ ہی ایسی کوئی توقع رکھنا۔“

اور نواب سطوت جیسا انسان اپنی اتنی بڑی بے عزتی کیسے برداشت کرسکتا تھا۔ اس نے اپنے غنڈوں کو بھیج کر نہ صرف شمائلہ کو اٹھوالیا بلکہ اس کے ساتھ تین لڑکیوں کو اور اٹھالیا۔یہاں تک تو بات سمجھ میں آرہی ہے‘ لیکن عرفان کے بنگلے پر کیا ہوا۔وہ کون لوگ تھے جو اس کے بنگلے پر آئے اور انہیں باندھ کرچلے گئے۔یہ ڈکیتی کی واردات بھی نہیں لگتی‘ کیونکہ ان کے گھر سے کوئی شے نہ تو غائب ہوئی ہے اور نہ ہی کسی شے کو ہاتھ لگایا گیا ہے‘ سوائے اس کے کہ ان دونوں میاں بیوی اور ملازم کے موبائل فونز وہ اپنے ساتھ لے

گئے اور گھر کے فون کے تار بھی نکال دیئے‘ آخر وہ کیا کرنے آئے تھے اور کیا کرکے چلے گئے...

اور ہاں ایک اور اہم خبر ہے...شاید تمہیں اس کے بارے میں ابھی پتہ نہیں چلا ہے‘ حالانکہ سارے نیوز چینل پر یہ خبر نشر ہو رہی ہے کہ شاہراہ فیصل پر دو گروپوں کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ ہوا اور دو تین آدمی جو ”مسکن“ کے ملازم تھے وہ اس واردات کے بعد وہاں سے کسی نہ کسی طرح اپنی جان بچا کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے‘ فون کا رابطہ نہ ہونے پر وہ عرفان کے بنگلے پر خود

گئے تب انہوں نے ایک عورت اور ایک مرد کو اس کے بنگلے سے نکل کر فرار ہوتے ہوئے دیکھا‘ انہوں نے اندرجاکر ایک آدمی کو وہاں چھوڑا اور خود اس کار کا پیچھا کیا۔اور بالآخر انہیں پکڑ لیا۔اسی اثناء میں ایک اور کار وہاں پہنچی‘ جنہوں نے فائرنگ شروع کردی‘ دوسری آنے والی کار کے افراد اس عورت اور مرد کو وہاں سے نکال لے جانا چاہتے تھے۔فائرنگ میں دو تین افراد ہلاک بھی ہوئے ہیں اور کچھ زخمی بھی ہوئے ہیں۔

بعد میں عرفان کے بنگلے میں جو شخص گیا تھااس نے ساری صورت حال دیکھ کر پولیس کو اطلاع کی‘عرفان اور اس کی بیوی اور بچی بے ہوش تھے‘ جبکہ ملازم ہوش میں تھا‘ اس نے بھی یہی بیان دیا ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت یہاں آئے تھے اوراسے جان سے ماردینے کی دھمکی دینے کے بعد ایک جھوٹا فون عرفان کو کروایا تھا کہ وہ گھبرا کر دروازہ کھول دے۔ملازم نے یہ بھی بیان دیا ہے کہ وہ لڑکی ایک دن قبل کسی شبیر نامی شخص کا پتہ ڈھونڈتے ہوئے آئی تھی۔“

اتنا کچھ بتا کر انکل خاموش ہوگئے اور ہم تینوں سوچ میں گم ہوگئے۔تب میں نے کہا۔

”انکل مجھے تووہ دونوں افراد وہ مرد اور عورت نواب سطوت کے بندے ہی لگ رہے ہیں لیکن یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ انہوں نے عرفان صاحب کے بنگلے میں آدھی رات کو آکر کیا کیا‘ پھران کے ہاتھ پاؤں باندھ کر چلے گئے‘ ور بچارے عرفان صاحب انہیں تو سیریس ہارٹ اٹیک ہی ہوگیا۔اللہ کرے وہ جلد ہی ٹھیک ہوجائیں۔اس سارے راز سے تو وہی پردہ اٹھاسکتے ہیں۔“ میں

نے عرفان صاحب کے لیے اپنے دل میں ترحم آمیز جذبات لیے ہوئے کہا۔

"ویسے انکل آپ ان کی بیوی سے تو بات کریں وہ بھی بتا سکتی ہیں۔" میں نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔

"ابھی تو بیٹا ان سے بھی ملنا مشکل ہے، وہ بھی پولیس کسٹڈی میں ہیں اور کسی کو بھی ان سے ملنے نہیں دیا جارہا۔" انکل نے کہا پھر وہ کچھ دیر سوچتے رہے اور بولے۔

"تمہاری بات میں مجھے وزن نظر آرہا ہے کہ "مسکن" پر حملہ کرنے والے افراد، عرفان کے بنگلے پر آنے والے افراد اور پھر شاہراہ فیصل پر عرفان کے بندوں سے تصادم کرنے والے افراد کا آپس میں تعلق ہے۔ خیر اللہ سے دعا کرو کہ عرفان کی حالت جلد بہتر ہوجائے اور وہ خطرے سے باہر آجائے اور پولیس کا چکر ختم ہو تو میں عرفان سے ایک ملاقات کروں گا اور اس سے ساری صورت حال معلوم کروں گا۔ مجھے امید ہے وہ مجھے ضرور بتادے گا۔" انکل نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

عرفان صاب کا موضوع ختم ہوا تو ہم دوسرے سیاسی ایشوز پر بات کرنے لگے، آنٹی نے ایک دو چکر لگائے ذرا دیر ہمارے ساتھ بیٹھیں اور بور ہو کر یہ کہتی ہوئی چلی گئیں "توبہ ہے آپ تو میری بیٹی کو گھیر کر بیٹھ گئے اور وہی سیاسی موضوع، ہمیں اس سے کیا کہ حکومت میں لوگ کیا کیا دھاندلیاں کررہے ہیں، ہمیں تو اپنے گھر کی سکھ شانتی سے مطلب ہے۔"

"آپ نہیں سمجھیں گی بیگم صاحبہ! دیکھا بیٹا تم نے ہمیں کتنی بور بیگم ملی ہیں۔" انکل نے آنٹی کو جواباً چھیڑا تو وہ جاتے جاتے پلٹیں اور یہ کہہ کر چھپاک سے نکل گئیں۔ "بور میں ہوں یا آپ... اب میری بیٹی کو بھی بور کررہے ہیں۔" اور میں اور انکل زور سے ہنس پڑے۔

"ویسے انکل دس از ناٹ فیئر آپ کو آنٹی کو بھی ٹائم دینا چاہیے، کچھ ان کی دلچسپی کی گفتگو بھی ان سے کیا کریں۔ وہ بچاری بھی کیا کریں، سارا دن گھر میں تنہا ہوتی ہیں، آپ لوگوں کا انتظار کرتی ہیں، اور آپ لوگ گھر آکر پھر اپنے موضوعات لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔" میں نے انکل سے کہا۔

"کیا کریں بیٹا ہمارا شعبہ ہی ایسا ہے' برسوں بیت گئے اس دشت کی سیاحی میں' اس نے تمہیں دل سے بیٹی مانا ہے' سوچتی ہوگی کہ تم گھر آؤ گی تو اس سے باتیں کروگی تو اس کا دل بہلے گا اور تمہارے آتے ہی میں تمہیں لے کر بیٹھ جاتا ہوں۔ویسے وہ خود ایک بہترین عورت اور بیوی ہے اس نے مجھ جیسے خشک انسان کے ساتھ بہت صبر سے گزارہ کیا ہے۔" انکل کے لہجے میں آنٹی کے لیے بہت عزت واحترام اور پیار چھپا تھا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں انکل مجھے آنٹی کے پاس جانا چاہیے۔" میں یہ کہہ کر اٹھنے لگی ،مجھے بھی اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ آنٹی مجھے اتنے پیار ومحبت سے اپنے گھر انوائیٹ کرتی ہیں کہ میں ان کے ساتھ بیٹھوں گی ان سے باتیں کروں گی اور میں انکل کے ساتھ بیٹھ کر اپنی دلچسپی کی باتیں شروع کردیتی ہوں۔اب میں بھی کیا کہتی' ہم ایک ہی شعبے جرنلزم سے تعلق رکھتے تھے۔

"ارے نہیں سرمئی بیٹا 'تم ذرا دیر کو میرے پاس رکو مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" انکل نے کہا تو میں رک گئی جب کہ حشام انہیں چونک کر دیکھنے لگا' پھر وہ حشام سے بولے۔

"حشام بیٹا جاؤ تم جا کر دیکھو ڈنر ریڈی ہوا یا نہیں' اپنی امی کی تھوڑی ہیلپ کرو' برتن وغیرہ ٹیبل پر لگواؤ۔"

انکل کی بات پر میں نے اورحشام نے حیران ہو کر انکل کو دیکھا کہ آخر ایسی کون سی بات انہیں مجھ سے کرنی ہے جو وہ حشام کی موجودگی میں نہیں کرسکتے' کیونکہ جس طرح بہانہ کرکے وہ حشام کو بھیج رہے تھے' ہم سمجھ گئے تھے۔

حشام خاموشی سے اٹھ کر چلاگیا تو میں انکل کی جانب متوجہ ہوگئی اور کہا۔"کہیئے انکل!آپ مجھ سے کیا بات کرنا چاہ رہے تھے۔"

انکل چند لمحے خاموش رہے' جیسے وہ مجھ سے بات کرنے کے لیے الفاظ کا چناؤ کررہے ہوں۔نہ جانے کیوں میرا دل بری طرح دھڑکنے لگا کہ انکل مجھ سے کیا بات کرنے کے لیے اتنی سوچ بچار کررہے ہیں' پھر انکل اپنی جگہ سے

کھڑے ہوئے اور میرے نزدیک آگئے تو میں بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔ چند لمحوں تک ان کی جانب دیکھا' وہ میری ہی جانب دیکھ رہے تھے' تو میں نے گھبرا کر نگاہیں جھکالیں۔ تب وہ بولے۔

"سرمئی بیٹا یہ حقیقت ہے کہ ہماری ایک حشام کے علاوہ کوئی اور اولاد نہیں ہے' تمہیں پتہ ہے مجھے شروع ہی سے ایک بیٹی کی خواہش تھی' مجھے بیٹیاں ہمیشہ سے اچھی لگتی تھیں شاید اس لیے کہ میں بھی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا' بہن نہ بھائی کوئی بھی نہیں' پھر جب تم ہمارے گھر آئیں تو میرے دل نے تمہیں دل سے اپنی بیٹی مان لیا۔ تمہاری آنٹی بھی تم سے بہت پیار کرتی ہیں۔ ہمارا دل چاہتا ہے اور ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنے گھر میں رکھ لیں لیکن یہ ممکن نہیں ہے...!"

انکل نے جب آخری فقرہ ادا کیا تو میں نے چونک کر ان کی جانب دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"وہ اس لیے ممکن نہیں ہے کہ تمہارا اپنا گھر ہے ماں ہیں' بھلا کوئی کسی کی بیٹی کو یوں اٹھا کر اپنے گھر تو نہیں رکھ لیتا۔ ہاں اس کی ایک قانونی صورت

ہوسکتی ہے اور وہ یہ کہ ہم بہو کی صورت میں تم سے رشتہ بنائیں اور بیٹی بنا کر اپنے گھر لے آئیں اور ایسی بیٹی جس کے گھر سے جانے کی کبھی کوئی فکر نہ ہو...!"

انکل بول رہے تھے اور میرا دل ہزار میل فی گھنٹہ کے حساب سے دھڑک رہا تھا' حیا کی لالی خود بخود میرے گالوں پر بکھر گئی۔

"اب جب میں نے دل سے تمہیں اپنی بیٹی مانا ہے تو میرا فرض ہے کہ تمہاری امی سے تمہیں مانگنے سے پہلے میں تمہاری مرضی معلوم کروں کہ تمہیں میرا نالائق حشام اپنی زندگی کے ساتھی کے طور پر قبول ہوگا یانہیں۔"

"حشام نالائق تو نہیں ہیں۔" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا تو انکل ہنس پڑے اور بولے۔

"تو کیا میں یہ سمجھوں کہ تمہیں اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن بیٹا اگر تم اس رشتے کو ناپسند بھی کروگی، تب مجھے دکھ تو ہوگا' لیکن تم ہمیشہ میری ایسی ہی بیٹی رہوگی جیسی اب ہو۔"

"آپ نے بیٹی کہا ہے اور میرے بزرگ بن کر میرے بارے میں سوچ رہے ہیں تو جو آپ کا فیصلہ ہو گا وہ مجھے منظور ہو گا اب آپ خود سوچ لیں مجھ سے کیا پوچھ رہے ہیں۔" میں نے سر اور نگاہیں جھکا کر کہا تو انکل نے خوشی سے لرزتا ہوا ہاتھ میرے سات پر رکھا اور بولے۔

"ہمیشہ خوش رہو! اللہ تمہیں بہت خوشیاں عطا کرے۔"

میں چند لمحوں تک کھڑی اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو سنبھالتی رہی پھر اسٹڈی سے باہر نکل آئی۔سیدھی واش بیسن پر گئی اور اپنے سرخ چہرے پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے۔مجھے کچھ سکون ملا تو میں کچن کی جانب چلی گئی۔آنٹی حشام سے مسلسل بول رہی تھیں۔انہیں انکل پر غصہ آرہا تھا کہ انہوں نے ابھی تک مجھے نہیں چھوڑا ہے۔

"میں آگئی ہوں آنٹی جان!" میں نے پیار سے پیچھے سے جا کر آنٹی کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا اور اپنا سر ان کے کندھے پر ٹکا دیا۔

"ارے آگئیں تم' فارغ کر دیا تمہارے انکل نے۔" جواباً انہوں نے مصنوعی خفگی بھرے لہجے میں کہا اور میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"سوری آنٹی! مجھے معلوم ہے آپ کو غصہ آرہا ہے لیکن انکل سے مجھے بہت ضروری ڈسکشن کرنی تھی۔لیجیے کان پکڑ لیے۔اب سے آئندہ پہلے آپ سے ڈھیر ساری باتیں کروں گی بعد میں انکل کے پاس جاؤں گی۔" میں نے شرارت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے اپنے کان پکڑے تو انہوں نے محبت سے میرے ہاتھ تھام کر انہیں چوم لیا۔

"دہائی ہے دہائی ہے عالی جاہ' جب سے ان محترمہ کا ہمارے گھر آنا جانا ہوا ہے۔اس بندہ ناچیز کو لوگوں نے گھاس ڈالنا بند کر دیا ہے۔" حشام نے یہ دیکھا تو شرارت سے بولا۔

"باہر لان میں ڈھیر ساری گھاس ہے جتنی دل چاہے چر لیجیے۔" میں نے کہا تو وہ آنکھیں نکال کر مجھے مکا دکھانے لگا۔میں بھی تیزی سے اس کے قریب گئی اور آہستہ سے کہا۔

"تمہیں یاد ہے ناں میں سر توڑ دیا کرتی ہوں۔"

اور اس سے پہلے کہ حشام کچھ کہتا انکل باہر آگئے اور سیدھے ڈائننگ ٹیبل پر جا بیٹھے اور بولے۔"بیگم یہ بتائیے کہ آپ نے سویٹ ڈش میں کیا بنایا ہے۔"

"آپ کو سوئٹ ڈش سے کیا مطلب؟ اگر بنی ہے تو سرمئی بیٹی کے لیے۔آپ بھول رہے ہیں کہ آپ کاشوگر لیول آج کل ہائی ہے اور ڈاکٹر نے سختی سے سوئیٹ لینے کی ممانعت کی ہے۔"آنٹی نے ٹیبل کے قریب آکر کہا۔

اتنے میں ہم سب اپنی اپنی چیئر پر آکر بیٹھ گئے تھے۔تب انکل نے معنی خیز نگاہوں سے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھئی آج کسی ڈاکٹر کی نہیں سنی جائے گی' خوب جی بھر کے منہ میٹھا کریں گے۔ہماری بیٹی سرمئی نے ہاں کردی ہے۔"

"کیا مطلب؟ کس لیے؟"حشام نے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

"بھئی میری نگاہ میں ایک بہت اچھا رشتہ تھا میں نے اس سلسلے میں سرمئی بیٹی سے رائے مانگی اوراس نے ہاں کردی۔" انکل نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا تو آنٹی ہکابکا انکل کامنہ دیکھنے لگیں اور حشام نے غصے سے کھڑے ہو کر کرسی کو لات ماری اور اٹھ کر تیزی سے جانے لگا' تب انکل باآواز بلند بولے۔"ہاں بھئی میری نگاہ میں میرے حشام سے بہتر رشتہ اور کسی کاہوسکتا تھا۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

یہ سنتے ہی حشام کے تیزی سے چلتے ہوئے قدموں کو بریک لگ گئے' اس نے وہیں سے مڑ کر حیرت سے انکل کو دیکھا اور جب انکل کی کھلی ہوئی بانہیں دیکھیں تو دوڑتا ہوا آیا اور ان کے سینے سے لگ گیا۔

کھانے کے دوران انکل نے مجھ سے کہا کہ انہوں نے میرے لیے ایک ڈرائیور سے کہہ دیا ہے' ایک دوروز میں وہ آجائے گا۔تمہارا یوں رات کو اکیلے نکلنا مناسب نہیں ہے' ویسے بھی حالات کا کچھ بھروسہ نہیں ہوتا کبھی بھی اور کہیں بھی خراب ہوجاتے ہیں اور میں نے سعادت مندی سے ان کی بات مان لی۔

چلتے وقت آنٹی نے کہا کہ وہ اسی ہفتے میری امی سے ملنے کے لیے آئیں گی ہمیشہ کی طرح حشام میری گاڑی کے پیچھے اپنی گاڑی لے کر گھر تک آیا گھر پر اس نے اپنی گاڑی روک کرمجھ سے کہا۔

"سرمئی تم خوش ہوناں۔" اور جواب میں میں نے مسکراتے ہوئے سرہلادیا۔

...☆☆☆...

اس کار سے تین افراد اتر کر آئے ان کے ہاتھوں میں پستول تھے جو انہوں نے ہم پر تانی ہوئی تھیں، وہ بولے۔"کون ہو تم لوگ اور آدھی رات کو اس بنگلے میں کیا کررہے تھے؟"

"کس بنگلے پر تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے ہم تو اپنے گھر سے ہاسپٹل جارہے ہیں میری بیوی کی اچانک طبیعت خراب ہوگئی ہے۔" میں نے بات نہ بڑھانے کے لیے یہ بہانہ گھڑا۔

"بکواس نہ کرو باہر نکلو تیری تو؟ عرفان رسول کے بنگلے میں کیا کرنے گئے تھے!"

ان میں سے ایک شخص نے جو سب سے زیادہ توانا دکھائی دے رہا تھا۔اس نے ایک قدم آگے آکر کہااور میری سائیڈ کا دروازہ کھولنے لگا۔اتنی دیر میں، میں نے بھی اپنا پستول ہاتھ میں لے لیا۔کنیز بھی ذرا دیر کو حواس باختہ ہوگئی لیکن اس نے مجھے پستول نکالتے ہوئے دیکھا تو اس نے بھی اپنا پستول ہاتھ میں لے لیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں نے سوچ لیاتھا کہ اگر ان لوگوں نے زبردستی ہمیں روکنے کی کوشش کی تو ہم انہیں یہیں ٹھنڈا کردیں گے۔نہ جانے کون لوگ تھے یہ اورانہیں کیسے معلوم ہوا کہ ہم عرفان رسول کے بنگلے میں تھے۔

اوراس سے پہلے کہ مزید کچھ ہوتا، کہیں سے اچانک ایک اور کار آگئی اوراس میں سے فائرنگ ہونے لگی۔

ان لوگوں کی جانب سے ہونے والی فائرنگ میں ان کاایک بندہ زخمی ہوگیا۔وہ تیزی سے اپنی کار کے پیچھے ہوگئے اور وہاں سے پوزیشن سنبھال کر فائر کرنے لگے۔میں اور کنیز سامنے بیٹھے تھے، ہمیں بھی کسی بھی وقت کوئی بھی گولی لگ سکتی تھی۔میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اچانک یہ ایک اورکار کہاں سے آگئی اوراس میں کون لوگ سوار ہیں اور کیوں ان لوگوں پر فائرنگ کررہے ہیں۔بہرحال یہ جو لوگ بھی تھے، میرے لیے رحمت ہی تھے۔

"کنیز ہمیں بھی کار سے اتر کر کار کے پیچھے پوزیشن سنبھال لینی چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم ان کی گولی کانشانہ بن جائیں۔" میں نے سرعت سے اپنی

جانب کادروازہ کھولتے ہوئے کہا اور تیزی سے نیچے جھکتے ہوئے زمین کی جانب لوٹ لگائی اور پھر زمین پر کرالنگ کرتا ہوا کار کے پیچھے جانے لگا۔

اچانک ہی ایک فائر ہوا اور مجھے کنیز کی چیخ سنائی دی۔میں لمحہ بھر کو رکا لیکن پھر تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔کار کے پیچھے جاکر میں اٹھ کربیٹھ گیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔میں نے کار کے دوسری جانب جھانکا۔کنیز زمین پر گری ہوئی تھی' اوراس کی مزید کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔میں سمجھ گیا کہ کنیز ان میں سے کسی کی گولی کانشانہ بن گئی ہے۔

پھر زبردست فائرنگ سنائی دینے لگی۔میں نے اس فائرنگ میں حصہ نہیں لیا۔میں صرف ان کا جائزہ لے رہاتھا' پھر فائرنگ کی آوازیں رک گئی۔پھر کسی کے تیز اور بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز میری جانب آئی تو میں الرٹ ہوگیا۔

پھر کوئی شخص میرے نزدیک آیاتو میں نے پستول تان لی وہ شخص ہاتھ اوپر کرتا ہوا بولا۔"دس آر فرینڈز۔"

"کون ہو تم لوگ!" میں نے پستول نیچے کرتے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"بیکار سوچوں میں وقت ضائع مت کرو' تم ٹھیک تو ہو'ناں" اس نے تیزی سے کہا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں لیکن وہ زخمی ہے۔" میں نے کہا۔

"اسے تم چھوڑو اور خود یہاں سے فوراً نکلو۔ہم بھی جارہے ہیں۔اتنی فائرنگ ہوئی ہے یہاں کسی بھی وقت پولیس آسکتی ہے۔" اس نے کہا۔

"لیکن وہ!" میں نے زخمی کنیز کی جانب اشارہ کیا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو۔بس تم یہاں سے نکلو، اسے ہم دیکھتے ہیں۔" اس نے کہا تو میں نے اس بات کا احساس ہوتے ہی کہ واقعی پولیس یہاں کسی بھی وقت آسکتی ہے۔تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھااور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی' پھرمیں تیزی سے ڈرائیونگ کرتاہوا کلفٹن پہنچ گیا۔

اندرجاکر میں نے جیکٹ اتار کر کرسی پرڈالی اور بیڈ پر سیدھا سیدھا لیٹ گیا ۔میں تو بہت مطمئن آرہا تھا کہ میرا کام خاصی آسانی سے ہوگیا لیکن راستے میں جو کچھ ہوا وہ میری سمجھ سے باہر تھا' پھر میں بیٹھ کر سوچنے لگا اور حالات کی کڑیاں ملانے لگا۔میں اس معاملے سے جڑی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اپنے

ذہن میں لانے لگا کہ یہ سب کیا معاملہ تھا۔پہلے کچھ لوگوں نے ہمیں روکا۔سمجھ میں یہ آیا کہ ان لوگوں کا تعلق عرفان رسول سے ہوسکتا ہے‘سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے ہمیں کب اور کہاں سے دیکھا‘ کیونکہ باہر آکر میں نے سب جانب دیکھا تھا‘ تو مجھے اردگرد کوئی بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔پھر وہ لوگ میرے پیچھے کہاں سے آگئے۔یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ علاقے کے گارڈز ہوں اور انہوں نے ہمیں عرفان رسول کے گھر سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا ہو لیکن اگر انہوں نے ہمیں وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھ بھی لیا تھا تو انہیں ہم پر یہ شک کیسے ہوا کہ ہم اس گھر سے کچھ ٹھیک کرکے نہیں نکلے ہیں۔وہ ہمیں یہ سوچ کر بھی نظر انداز کرسکتے تھے کہ ہم ان کے کوئی ملنے والے یا رشتہ دار ہوسکتے ہیں اوران سے مل کر اپنے گھر جارہے ہیں لیکن ایسا نہیں ہوااور وہ پورے یقین کے ساتھ ہمارے پیچھے آئے تھے اور ہمیں روکا تھا۔وہ اسلحہ بردار تھے۔انہوں نے گارڈز کی وردیاں بھی نہیں پہنی ہوئی تھیں۔یقینا ایسا کچھ تھا جو اس وقت میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا اور پھروہ دوسرے لوگ جو ہمیں ان سے بچانے کے لیے آئے تھے‘ کنیز کو کس کی گولی لگی یہ بھی مجھے نہیں معلوم

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تھا۔نہ جانے کیوں میرا دل کہہ رہاتھا کہ کنیز اب اس دنیا میں نہیں رہی ...اچانک مجھے نواب کی بات کا خیال آیا‘ اس نے کہا تھا کہ کنیز کو کلفٹن والی کوٹھی میں واپس نہیں آنا ہے‘ اسے لینے کے لیے کچھ لوگ ہوں گے اور وہ ان کے ساتھ چلی جائے ‘ اور یہ بات میرے بھی ذہن سے نکل گئی اور کنیز کے بھی...

دوسری آنے والی پارٹی یقینا وہی تھی جسے نواب نے کنیز کولینے کے لیے بھیجا تھا۔ہماری کار کو نکلتا ہوادیکھ کر وہ بھی ہمارے پیچھے ہی آرہے تھے اور پھر انہوں نے مجھے اور کنیز کو ان لوگوں سے بچانا چاہا‘ لیکن کنیز گولی کانشانہ بن گئی۔

اور پھر ایک اور بات میرے دماغ میں آئی اور میں بیڈ سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور ساری بات میری سمجھ میں آگئی کہ کنیز کس کی گولی کانشانہ بنی اور ان لوگوں نے مجھ سے یہ کیوں کہا کہ تم جاؤ ہم کنیز کو دیکھ لیں گے یقینا کنیز کو نواب کے لوگوں نے نشانہ بنایا ہوگا اور نواب نے اسی لیے کنیز کو کوٹھی آنے سے منع کردیا ہوگا کہ اس کام کے بعد نواب سارے ثبوت مٹا دینا

چاہتا ہوگا' وہ ان تصاویر کے ذریعے عرفان رسول کو باآسانی بلیک میل کرسکتا تھا اور نواب یہ بات بھی اچھی طرح سے جانتا ہے کہ عرفان رسول پولیس کو کبھی بھی یہ شرمناک بات نہیں بتائے گا اور اگر اس نے ہمت کر بھی لی تو ہو کہیں سے بھی کنیز کو برآمد نہیں کرسکیں گے۔

نواب اتنا ہی کمینہ انسان ہوسکتا ہے۔اپنے مفاد کے لیے وہ کسی کی بھی عزت اور جان سے کھیل سکتا ہے۔اسے ہر حال میں اپنا مفاد عزیز ہے۔مجھے اس نے اس لیے بچایا ہے کہ ابھی اسے میری مزید ضرورت ہے' جس دن اسے اس بات کا احساس ہوجائے گا کہ میں بھی اب اس کے کسی کام کا نہیں رہا وہ مجھے بھی کتے کی موت مروادے گا اور میں نے بھی فیصلہ کرلیا کہ میں وہ وقت آنے سے پہلے اس کو موت کی نیند سلادوں گا۔ایک اس ابن ابلیس کے مرجانے سے خلق خدا کا بھلا ہی ہوگا۔

وہ کل رات ہی کو یہاں سے کہیں چلا گیا تھا۔پتہ نہیں واپس آیا یانہیں پھر مجھے خیال آیا کہ باہر نہ تو اس کے گارڈز موجود تھے اور نہ ہی اس کی لینڈ کروزر...وہ یقینا واپس نہیں آیا ہے۔اس وقت میرے علم میں نہیں تھا کہ

اس وقت جب میں عرفان رسول کے بنگلے پر اس کی شرمناک اور حیا سوز تصاویر کنیز کے ساتھ بنا رہا تھا اس شہر کراچی میں اور کیا کیا ستم ہو گیا ہے۔

میں نے جیکٹ کی جیب کی زپ کھول کر ڈیجیٹل کیمرہ نکالااور عرفان رسول کی تصاویر دیکھیں' ساری تصاویر بالکل صاف اور واضح تھیں' ہر تصویر میں عرفان رسول کا چہرہ بالکل واضح تھا' البتہ کنیز کا چہرہ اتنا واضح نہیں تھا البتہ ان کے جسم کے خطوط واضح تھے۔

میں نے کیمرہ سنبھال کر رکھا۔دروازہ اندر سے لاک کیا اور بیڈ پر لیٹ کے سو گیا۔

گیارہ بجے کے قریب میری آنکھ کھلی تو سر کافی بھاری ہو رہاتھا' میں تھوڑی دیر تک تو بستر پر لیٹا رہا پھر رات کے سارے واقعات ایک ایک کرکے میری آنکھوں کے سامنے آنے لگے' میں نے یہ سوچ کر کہ ہوسکتا ہے کہ نیوز میں کوئی خبر آرہی ہو' ریموٹ اٹھا کر لیٹے لیٹے ٹی وی آن کردیا۔

نیوز چینل پر جو خبر نشر ہو رہی تھی اسے سن کر میرا دماغ بھک سے اڑ گیا اور نواب کے لیے میرے منہ سے گالیوں کاطوفان امڈ پڑا۔

میں سمجھ گیا کہ عرفان رسول کے "مسکن" پر ہونے والا حملہ نواب کے آدمیوں کے علاوہ کسی اور کا نہیں ہوسکتا۔یقینا عرفان رسول کے پاس "مسکن" سے فون آچکا تھا جب ہی وہ بلاسوچے سمجھے تیزی سے نیچے آگیا اور میرے چنگل میں پھنس گیا۔

نواب جیسے عیار شیطان نے بہت سوچ سمجھ کر پلان بنایا تھا ' اس کے خفیہ بندے ہمیں مسلسل واچ کررہے تھے اوراس کاسارا پلان کامیاب رہا۔

نواب کی جانب سے ابھی تک میرا بلاوا نہیں آیا تھا۔پتہ نہیں وہ شیطان واپس آیا یانہیں۔میں نے ٹی وی آف کردیا اور لیٹ گیا۔یکایک مجھے اپنے آپ پر شدید شرمندگی ہونے لگی میں کتنا برا انسان ہوں' میں نے شیطان کا ساتھ دیا' میرا شمار بھی اس کے ٹولے میں ہوگا۔قیامت کے دن میں اپنے رب کو کیا منہ دکھاؤں گا... میں نے ایسا کیوں کیا۔کیوں کیا؟میں ندامت اور شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیاتھا۔مجھے اماں اور بابا کا پڑھایا ہوا وہ سارا سبق یاد آنے لگا جوساری زندگی وہ مجھے پڑھاتے رہے تھے'ایمان داری اور شرافت

کا سبق اور میں نے اندھے جذبات کاشکار ہو کر کتنی جلدی وہ سب بھلادیا۔

کیاانسان اتنا ہی کمزور ہے؟

میرے ذہن میں رہ رہ کر یہ سوال ابھر رہاتھا'پھر بابا کی ایک بات یاد آئی انہوں نے ایک بار مجھ سے کہا تھا۔

"بیٹا انسان بہت کمزور ہے لیکن طاقت ور وہی شخص ہوتا ہے جس کے دل میں ایمان ہوتا ہے اور ایمان دار شخص کی کوئی کمزوری نہیں ہوتی کیونکہ شیطان انسان کو اس کے کمزور ترین حصوں سے گرفت میں لیتا ہے' اوراسی لیے میرے بچے تم کسی بھی چیز کو کبھی بھی اپنی کمزوری بننے مت دینا۔نہ مال نہ اولاد اور نہ ہی ماں باپ یابہن بھائی' صرف اللہ کی رضااور اس کی خوشنودی تمہارے سامنے رہنی چاہیے۔"

پھرمجھے یاد آیا کہ میرے اندر غصہ تھا' انتقام تھا۔میں غصے اور انتقام میں اندھا ہوگیا اور یہ انتقام ہی تو تھا جس نے مجھے ان لوگوں کے ساتھ ملادیا' جو سوائے یعنی صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے تھے۔میں کیا تھااور کیابن گیاتھا۔

میرے بابا نے تو مجھے مسیحا بنایا تھا اور میں قاتل بن کر رہ گیا نہ صرف قاتل بنا بلکہ زانی بھی بن گیا۔

میں نے اللہ سے انصاف کیوں نہ مانگا کیوں نہ اس پر بھروسہ کرکے سب کچھ اسی پر چھوڑ دیا۔اللہ پر سب کچھ چھوڑ دینا۔بے غیرتی نہیں ہے اس کے آگے اپنی مجبوری اور بے بسی کااظہار ہے' اب میں کیا کروں۔کس طرح اس دلدل سے باہر نکلوں' اب تو میں نے یہ گھٹیا کام کرلیا ہے'لیکن میں نواب کو اس کے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔میں اس کے ساتھ رہ کر اس کی جڑیں کاٹوں گا۔اوراس کام کے لیے مجھے سرمئی کاخیال آیا۔

ہاں وہ یقینا اس کام میں میری مدد کرے گی۔میں فی الحال تو یہ کیمرہ نواب کے حوالے کردوں گا' اور اس پر قطعی یہ ظاہر نہیں کروں گا کہ میں اس کا پلان سمجھ گیا ہوں یا مجھے "مسکن" کے حوالے سے کسی خبر کا علم بھی ہے۔کنیز کے بارے میں البتہ پریشانی کا اظہار ضرور کروں گا کہ پتہ نہیں وہ کیسی ہوگی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

یکایک مجھے اپنے جسم پر لگی ہوئی ڈھیر ساری گندگی اور نجاست کا احساس ہونے لگا مجھے اتنی زیادہ بدبو کااحساس ہوا کہ میرے دماغ کی رگیں پھٹنے لگیں۔یہ گندگی سے لوگوں کے بہتے ہوئے خون کی زناکاری کی۔

میں بھاگتا ہوا باتھ روم کی جانب گیااور شاور کھول کر اس کے نیچے کھڑا ہوگیا۔میں اپنے آپ سے کہہ رہاتھا کہ یہ پانی اس گندگی کو دھونے کے لیے ناکافی ہے۔اس پانی سے یہ گندگی دور نہیں ہوگی اور نہ میں یہ ناپاک اور گندہ جسم لے کر اپنے رب کے حضور حاضر ہوسکتاہوں۔

پھرمیں کیا کروں!

میں گھٹنوں کے بل باتھ روم کے فرش پر بیٹھ گیااور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔اوپر سے میرے سر پر پانی گررہاتھااور میں گھٹنوں میں منہ دیئے آنسو بہارہاتھا۔

پھرمیرے دل سے آواز ابھری۔

"یہی ندامت کے اشک'یہ ندامت اور شرمندگی سے لبریز نمکین پانی ہی میری نجاست کو دھوسکتا ہے۔

شاہ زمان یہی پانی تمہیں اللہ کے آگے سجدے میں رکھ کر بہانا ہوگا' اتنا کہ ان اشکوں کے سیلاب میں تمہارا سارے کا سارا وجود تنکا بن کر بہہ جائے۔

اللہ رحیم و کریم ہے 'غفور الرحیم ہے' عفورورحیم ہے اس نے اپنے بندوں کے لیے توبہ کے دروازے کھلے رکھے ہیں' تم ایک بار اس دروازے سے اندر داخل ہو کر دیکھو شاہ زمان تمہارا ربّ سچے دل سے کی گئی تمہاری توبہ کو قبول کرکے کیسے تمہیں اپنی رحمتوں کی پناہوں میں لے لے گا۔اسے اپنے بندوں کے پلٹ آنے اوررجو کرنے والے بندوں کاانتظار ان کی آخری سانس تک رہتا ہے۔

کوئی تھا جومیرے اندر بول رہاتھا اور میں سن رہاتھا پھرمیں نے اپنا بھیگا ہوا لباس اتار پھینکااور میں نے اس لمحے ایک اہم فیصلہ کرڈالا...

میں غسل کرکے باہر آیا تو کوئی میرا دروازہ زور زور سے بجارہاتھا' میں نے اپنے جسم کے گرد تولیہ لپیٹاہواتھا' میں نے جلدی سے دروازہ کھولا تو سلمان کھڑا تھا' مجھے دیکھ کربولا۔

"اوہو...سوری...تم نہارہے تھے۔"

"ہاں کیا ہوا ... کیابات ہے؟" میں نے دروازے سے ہٹتے ہوئے کہا۔

"نواب صاحب ابھی ابھی آئے ہیں اور تمہیں یاد فرمارہے ہیں۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔

"تواس طرح کیوں بول رہے ہو۔" میں نے اسے سرگوشی میں بولتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"وہ کچھ پریشان سے دکھائی دے رہے ہیں اور آتے ہی تمہیں بلوالیا۔" اس نے کہا۔

"میں کپڑے بدل کر آرہا ہوں ...اور ہاں تم ذرا میرے لیے چائے اور ناشتے کا کہہ دو۔" میں نے کہا۔

"یہ بتاؤ نواب صاحب کا کام تو ہوگیا ناں۔" اس نے پھرسرگوشی میں پوچھا۔

"کون سا کام؟" میں نے الماری سے کپڑے نکالتے ہوئے پوچھا۔

"وہی جو تم رات کو کرنے گئے تھے۔" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تم میری اتنی خبرمت رکھا کرو' ورنہ تمہاری نواب صاحب سے شکایت کردوں گا۔" میں نے اس کی جانب پلٹ کر نروٹھے لہجے میں کہا۔

"ارے یار میں تو مذاق کررہاتھا تم تو براہی مان گئے۔" اس نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"میرااور تمہارا اس قسم کا کوئی مذاق نہیں ہے' اپنے کام سے کام رکھو سمجھے۔" میں نے تنبیہہ کے انداز میں کہا۔

"ارے یار تم تو بڑے روکھے ہو رہے ہو۔" اس نے عجیب سامنہ بنا کر کہا۔

"اچھا باہر جاؤ مجھے کپڑے چینج کرنے ہیں۔" میں نے کہا تووہ مجھے عجیب سے انداز میں دیکھتا ہوا اور یہ کہتا ہوا چلا گیا۔"وقت وقت کی بات ہے بھئی آج تمہارا ستارہ اونچا ہے۔"

جب تک میرا سلمان سے مطلب رہا میں اس سے خوشامد سے ملی' لیکن اب مجھے اس کی خوشامد کی ضرورت نہیں تھی۔وہ بہت فری ہونے لگا تھا' اس لیے میں نے اس انداز اور لہجے میں اس سے بات کی۔

سلمان سے میں نے چائے اور ناشتے کے لیے کہاتھا' میرے اس برے رویے اور انداز کے باوجود اس نے یقینا ناشتے کے لیے کہہ دیا ہوگا' میں ڈریس اپ ہو کر تیار ہواتھا کہ دروازے پر دستک سنائی دی۔"آجاؤ...!" میں نے کہا تو

ایک ملازم ناشتے کی ٹرالی لیے اندر آگیا۔اگر یہ نہ آتاتومیں اسی وقت نواب سے ملنے کے لیے نکل جاتا' لیکن اب ناشتہ آہی گیاتھا تو میں نے سوچا کہ کیوں نہ پہلے ناشتا کرلیا جائے' رات کا کھانا میں نے بہت لائٹ لیاتھا' یعنی صرف سلاد پر ہی گزارہ کیا تھا' میں نے ٹرالی اپنی جانب کھسکائی' کیتلی سے چائے نکالی اور بوائل انڈوں کی سفیدی کھائی'ایک سلائس بالکل سادہ چائے کے ساتھ لے لیا' یہی میرا ناشتہ ہوتاتھا' بچپن میں اماں کے ہاتھ کے پراٹھے ناشتے میں کھائے تھے' لیکن جب سے تعلیم کے لیے پنڈی شفٹ ہواتھا' میرا یہی ناشتہ تھا۔

میں جانتاتھا کہ میری یہ تاخیر نواب کو بہت گراں گزر رہی ہوگی لیکن مجھے اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔اچھا ہے غصہ کرے اپنا بلڈ پریشر بڑھائے۔زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ وہ میرے اوپر ناراض ہوگااس کے ناراض ہونے پر میرا تو کچھ نقصان نہیں ہے' غصہ میری کمزوری تھی اور آج سے میں نے یہی فیصلہ کیا تھاکہ شیطان کے اس ہتھیار کو اپنے اوپر آزمانے کا موقع نہیں دوں گا۔

اطمینان سے ناشتہ کرنے کے بعد میں ٹہلتا ہوا اپنے اردگرد کا جائزہ لیتا ہوا نواب کے کمرے کی جانب چل دیا۔ساری راہ داریاں سنسان پڑی تھیں‘ نواب کی موجودگی میں ہر کوئی الرٹ ہی رہتا تھا‘ اس لیے مجھے باہر سوائے گارڈز کے کوئی اور دکھائی نہیں دیا‘ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے میں اپنی جیکٹ پہننا نہیں بھولا تھا۔جس کی جیب میں ڈیجیٹل کیمرہ موجود تھا۔میں چاہتا تو کیمرہ ہاتھ میں لے کر بھی جاسکتا تھا لیکن میں نے دانستہ طور پر ایسا نہیں کیا‘ کیمرہ جیکٹ کی جیب میں ہی رہنے دیا اور خالی ہاتھوں کے ساتھ نواب سے ملنے گیا۔

نواب کی فطرت کو جس حد تک بھی میں جان سکا تھا‘ اس سے میرا اندازہ تھا کہ وہ مجھ سے کیا سوال کرے گا اور میں نے خود ہی سے اس کا بہترین جواب بھی تلاش کرلیا تھا‘ میں نواب کا اعتماد اس حد تک جیتنا چاہتا تھا کہ وہ حقیقت میں مجھ پر آنکھیں بند کرکے اعتبار کرے اور یہی صورت تھی کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہوسکتا تھا۔

میں نے نواب کے بند کمرے کے دروازے پر اپنے مخصوص انداز میں انگلی سے ناک کی‘ وہ میری دستک پہچانتا تھا‘ اس لیے اس کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔

”کم آن شہروز...“

میں آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا...وہ لیپ ٹاپ پر کچھ دیکھ رہا تھا‘ یا کام کررہا تھا‘ میری جانب دیکھے بنا اس نے لیپ ٹاپ پر نگاہیں جماتے ہوئے مجھے بیٹھنے کے لیے کہا تو میں خاموشی سے بیٹھ گیا۔وہ دو تین منٹ تک لیپ ٹاپ پر مصروف رہا۔پھر اسے بند کرکے میری جانب متوجہ ہوا اور بولا۔

”ہاں شہروز کیا خبر ہے؟“

”خبر آپ کی توقع کے عین مطابق ہے سر!“ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”واقعی۔“ اس نے پرمسرت لہجے میں کہا۔

"آپ نے مجھ پر اعتماد کرکے یہ کام میرے سپرد کیا تھا' تو پھر بھلا ایسے کیسے ہوسکتا تھا کہ آپ کی حسب منشاء کا کام نہ ہو اور آپ نے یقینا اب تک مجھے اتنا تو جان لیا ہوگا کہ چاہے شہروز کی جان چلی جائے شہروز اپنے وعدے سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔" میں نے بہت متانت سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے سر ہلانے لگا۔

"یہ بتاؤ تمہیں کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟" اس نے اپنی تیز اور عقابی نگاہیں میری آنکھوں میں گاڑ کر پوچھا۔

"کام میں تو مسئلہ نہیں ہوا لیکن واپسی میں تھوڑا سا مسئلہ ہو گیا تھا' کچھ لوگوں سے مارا ماری ہوگئی اور کنیز زخمی ہوگئی... پھر شاید وہ اپنے ہی بندے تھے جنہوں نے مجھے وہاں سے نکل جانے کے لیے کہا' اس لیے میں کنیز کو زخمی حالت میں چھوڑ کر وہاں سے خیریت سے واپس آگیا۔"

"اوہ ! اچھا۔" اس نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔ "تمہیں کچھ اندازہ ہوا کہ وہ کون لوگ ہوسکتے ہیں جنہوں نے تمہارا راستہ روک کر تم سے پوچھ گچھ کرنے کی کوشش کی۔" اس نے بڑی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

معصومیت اور فکرمندی کے لہجے میں پوچھا۔

جب وہ مجھے احمق سمجھ کر بے وقوف بنا رہا تھا تو میں کیوں پیچھے رہتا' اس لیے میں نے بھی بڑی سادگی سے جواب دیا۔

"میرے خیال میں وہ اس علاقے کے گارڈز تھے اور شاید ایسی جگہ کھڑے تھے جہاں میری ان پر نگاہ نہیں پڑی اور ان لوگوں نے ہمیں دیکھ لیا' حالانکہ میں نے باہر آتے ہوئے چاروں جانب دیکھ کر ہی گیٹ سے باہر قدم نکالے تھے۔"

"ہوں! ایسا ہوسکتا ہے۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے گردن ہلائی پھر بولا۔

"لاؤ ذرا دکھاؤ تو سہی' ہم بھی تمہاری کارگزاری دیکھیں...!" اس نے کہا تو میں نے کھڑے ہو کر جیکٹ کی جیب کی زپ کھولی اور اس میں سے کیمرہ نکال کر اس کی جانب بڑھا دیا۔

اس نے میرے ہاتھ سے کیمرہ لیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "اتنی احتیاط کی کیا ضرورت تھی' تم تو کوٹھی میں ہو... ہاتھ میں بھی کیمرہ لے کر آسکتے تھے۔"

"بالکل لاسکتا تھا۔" میں نے اس مرتبہ اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھتے ہوئے پراعتماد لہجے میں جواب دیا۔"میں آپ سے ملنے کے لیے آیا تھا' میرے پاس کوئی کیمرہ نہیں تھا' میں نے آپ کو کچھ بھی نہیں دیا۔میں یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھتا ہوں کہ ہمیں دیکھنے والی ہر آنکھ دوستی کی آنکھ نہیں ہوتی کون کس وقت کسی لالچ میں آکر پینترہ بدل جائے ہمیں کیا معلوم اس کا حل صرف اور صرف حددرجہ احتیاط ہے سر' اس بند کمرے میں صرف میں اور آپ' تیسری وہ کنیز تھی۔ارے ہاں اس کا کچھ پتہ چلا اس کا کیا حال ہے۔" آخری جملہ میں نے اس طرح ادا کیا جیسے اچانک مجھے کنیز کا خیال آگیا۔

"بس یوں سمجھو کہ اس کے گواہ اب صرف تم ہو' کنیز اس دنیا میں نہیں رہی۔اس وقت اس کی لاش پولیس کے مردہ خانے میں موجود ہے اور ایک دو دن میں لاوارث سمجھ کر دفنادی جائے گی۔"

نواب کے چہرے اور آنکھوں سے اس وقت اس کے اندر کی تمام تر خباثت اور مکاری پوری طرح عیاں تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"چلیں یہ تو اور بھی اچھا ہو گیا۔" میں نے اطمینان کااظہار کرتے ہوئے کہا۔ حالانکہ اندر سے میرا دل اس کی اس موت پر افسردہ تھا۔

"تم کیا سمجھتے ہو کہ کنیز کی موت ہمارے حق میں بہتر ثابت ہوگی۔" نواب نے میری آنکھوں کے ذریعے میرے اندر جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"بالکل سر!" میں نے اعتماد سے کہا۔

"تو تم نے اسے اپنے ہاتھوں ہی کیوں نہ ہلاک کردیا۔" اس نے پوچھا۔

"آپ نے مجھے اس کام کاحکم نہیں دیا تھا۔" میں نے نگاہیں اور سر جھکا کر کسی تابعدار غلام کی طرح کہا۔

وہ میرے جواب سے بہت خوش ہوا اور ایک ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ "بیٹھو!"

میں بیٹھ گیا تووہ کیمرہ آن کرکے تصاویر دیکھنے لگا۔تصویریں دیکھ کر تو اس کی باچھیں کھل گئیں اوراس نے میرے قریب آکر میرے کندھے پر تھپکی دی اور بولا۔"ویل ڈن شہروز!"

"تھینک یو سر!" میں نے نیاز مندی سے سر جھکا کر کہا۔

"یار تم منہ سے انعام مانگو... جو مانگو گے ملے گا۔" اس نے ترنگ میں کہا۔

"میرا انعام تو ابھی آپ نے دے دیا ہے سر... آپ کے منہ سے نکلے ہوئے "ویل ڈن" کے الفاظ ہی میرا سب سے بڑا انعام ہیں... اس کے علاوہ مجھے کسی اور شے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے کہا تو وہ مزید ہنسنے لگا۔ پھر میز کی دراز کھینچی اس میں سے چیک بک نکالی اور اس کو لکھ کر میری جانب بڑھا دیا اور بولا۔ "یہ رکھ لو۔ انسان کی ہزاروں ضروریات ہوتی ہیں اور کچھ بولو۔"

"تھینک یو سر! یہ بھی آپ کی عنایت اور نوازش ہے ورنہ میں تو سر تاپا آپ کا خادم ہوں۔" میں نے چیک لے کر جیب میں بناء دیکھے رکھتے ہوئے اسے دل میں گالی دی۔

"تم مجھے بہت پسند ہو شہروز! یقین جانو میں دوسرے لوگوں پر بہت کم اعتماد کرتا ہوں اور انہیں پسند کرتا ہوں اور تمہاری تو میں دل سے قدر کرتا ہوں۔ ویسے آج کیا مصروفیات ہیں تمہاری؟" اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"جو آپ کا حکم ہو سر!" میں نے کہا۔

"یار جوان آدمی ہو۔ ذرا اپنا دل بہلاؤ کام تو ہوگا تو تمہیں ہی یاد کریں گے۔" اس نے دوستانہ لہجے میں کہا تو میں سر جھکا کر مسکرانے لگا۔

"اچھا یہ بتاؤ آج تک کوئی دل کو بھائی بھی' یا دل یوں ہی کورا ہے۔" اس نے کہا۔

"نہیں سر! میری لائف میں ان خرافات کا ٹائم نہیں ہے۔ میں کسی ایک سے دل لگانے کا قائل نہیں ہوں بس وقتی ضرورت کے طور پر جو اچھی لگ جائے اور بس اتنی ہی دیر کے لیے۔ اس کے بعد میں اس چہرے ہی کو بھلا دیتا ہوں۔" میں نے بے پروا لہجے میں کہا۔

"گڈ! مجھے تمہاری یہ ادا بھی پسند آئی۔" بھنورا صفت نواب نے میرا جواب سن کر خوش ہوتے ہوئے کہا۔ پھر بولا۔

"میری دسترس میں کچھ انمول ہیرے ہیں تمہیں بھی دوں گا۔"

نواب کی بات سن کر میں نے ندیدوں کی طرح دانت نکال دیئے۔ نواب ہنس پڑا اور بولا۔

”تمہارے ذمے ایک اور کام لگا رہا ہوں۔تم ایسا کرو کہ میری ای میلز چیک کرو۔جو ضروری ہوں ان کے بارے میں مجھے بتاؤ اور مجھ سے پوچھ کر جواب میل کر دو اس کے علاوہ ابھی تک میری بیٹی کی موت کے تعزیتی میلز بھی آرہی ہیں تم ان کے شکریے کے جوابات دے دو۔“

”ٹھیک ہے سر! میں یہ کام کرلیتا ہوں ، لیکن یہ کام اپنے کمرے میں کروں یا یہیں بیٹھ کر۔“ میں نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے تم یہیں یہ میلز دیکھو پھر مجھے بتانا اوراس سلسلے میں بھی میں تم پر اعتماد کررہا ہوں۔“

اس نے تیز نگاہوں سے میری جانب دیکھتے ہوئے تنبیہ کے انداز میں کہا۔

”آپ کا خادم ہوں سر!آپ بے فکر رہیں۔“ میں نے سر جھکا کر کہا' پھراس کا آئی ٹی ایڈریس پوچھااور میلز دیکھنے لگا۔

میں لیپ ٹاپ پر میلز دیکھ رہا تھااور نواب اتنی دیر میں اپنے روم میں موجود الماری میں گھسا کچھ کرتا رہا' شاید وہ الماری کے کسی خفیہ خانے میں کیمرے کو محفوظ کررہاتھا' اس کام سے فارغ ہو کر وہ بیڈ پر لیٹ گیااور بولا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”کل رات بھر جاگتا رہا ہوں' سر بھاری ہو رہا ہے اور لگتا ہے بی پی بھی بڑھا ہوا ہے۔“

”رات بھر جاگنے والی بات پر میں نے کچھ نہیں کہا البتہ بی پی کے بارے میں فکرمندی کااظہار کیا اور اٹھ کر اس کے قریب چلا گیا۔اس کی نبض چیک کی اور کہا۔

”آپ کی نبض تیز چل رہی ہے۔آپ زیادہ اسٹریپس مت لیا کریں۔اسٹریپس آپ کی صحت کے لیے بہت خطرناک ہے مجھے لگتا ہے کہ آپ کا بی پی کافی زیادہ ہائی ہے۔آپ نے میڈیسن لی۔“ میں نے اسے فکراور تشویش میں مزید مبتلا کردیا۔

”ہاں لی تھی۔“ اس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا پھر میں نے اس کی دوائیں چیک کیں' دوائیں تووہ ٹھیک لے رہاتھا' میں نے اطمینان کااظہار کیااور ایک بار پھر لیپ ٹاپ کی جانب متوجہ ہوگیا۔

میں نے اس کی میلز پڑھنا شروع کیں تومجھے اندازہ ہوا کہ لوگ اس سے کتنے اور کس طرح کے کام نکلواتے ہیں۔بہت سی میلز ایسی تھیں اوران لوگوں کی

جانب سے تھیں کہ میں ان کے نام اور کام پڑھ کر بری طرح چونک گیا۔ لیکن میں نے اپنے چہرے سے اس بات کا اندازہ نہیں ہونے دیا۔

ہر میل اور ہر مسئلے کے آخر میں میل کرنے والے نے لکھا تھا۔ ”سائیں آپ کی دعا سے ہمارا یہ کام ہوجائے تو بندہ دل سے ممنون ہوگا اور نذرانہ لے کر خود آپ کے در پر حاضری دوں گا۔“

میں نواب کے بارے میں اب بہت اچھی طرح سے جان چکا تھا' کہ لوگوں کے کام کس طرح ”پیر سائیں“ کی ”دعاؤں“ سے نکلتے ہیں' ان دعاؤں کو پورا کرنے کے لیے ہم جیسے موکل جو پیر سائیں کے پاس موجود ہیں۔ وہ لوگ جو نواب صاحب کو پیر سائیں سمجھ کر اعتماد کرتے ہیں وہ اپنے کام ہونے پر بڑے بڑے نذرانے اس کی نذر کرتے ہیں اوران کے دلوں میں اس کا اعتماد مزید بڑھ جاتا ہے۔

لاتعداد میلز اس کی بیٹی کی موت کی تعزیت کے لیے تھیں۔ اس کا یہ ای میل ایڈریس عام تھا اور کوئی بھی اپنے مسئلے کے حل کے لیے پیر سائیں سے میل کے ذریعے رابطہ کرسکتا تھا۔

میں تقریباً دو ڈھائی گھنٹوں تک لیپ ٹاپ پر مصروف رہا اور جوابات دیتا رہا' بہت سی اہم میلز اسے پڑھ کر سنائیں اور کچھ خاص لوگوں کی خاص میلز کو میں نواب کے کہنے پر Save کرتا رہا' باقی تعزیتی میلز ڈیلیٹ کردیں۔

اس کام سے فارغ ہوا تو نواب نے کہا۔ ”میرا خیال ہے شہروز کہ تم کچھ دنوں کے لیے میری کوٹھی سے کہیں اور شفٹ ہوجاؤ اور باہر مت نکلنا اور کوئی نہیں تو عرفان رسول اس کی بیوی اور ملازم تمہاری صورت سے آشنا ہوچکے ہیں۔ ویسے تو مجھے یقین ہے کہ کوئی مسئلہ نہیں ہوگا لیکن احتیاط کے لیے کہہ رہا ہوں۔“

”بہت بہتر ہے سر! یہاں ملیر میں' میری ایک رشتے کی خالہ موجود ہیں اگر آپ اجازت دیں تو میں وہاں چلا جاؤں' کچھ دن رہ کر واپس آجاؤں گا۔“ میں نے کہا۔

”کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہارا وہاں جانا بہتر رہے گا۔“ اس نے پوچھا۔

”جی ہاں سر! وہ ایک غریب خاتون ہیں' بیمار بھی ہیں۔ کوئی اولاد نہیں ہے۔ اچھا ہے کچھ پیسوں سے ان کی مدد کردوں گا تو وہ خوش ہوجائیں گی۔ دوچار دن میں'

میں واپس آجاؤں گا۔ویسے بھی میں چہرے پر تھوڑا میک اپ کرکے ٹیکسی یا رکشے سے ان کے گھر جاؤں گا تاکہ انہیں مجھ پر کسی بھی قسم کا کوئی شک وشبہ نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے چلے جاؤ لیکن اپنا فون آن رکھنا' میں کسی بھی وقت تم سے رابطہ کرسکتا ہوں۔" نواب صاحب نے کہا تو میں اس کے روم سے باہر نکل آیا۔

دروازے کے باہر ہی الرٹ اسلحہ بردار گارڈ ٹہل رہا تھا اور اس راہ داری میں بھی مزید دو گارڈ چہل قدمی میں مصروف تھے۔

اف موت کا یہ خوف بظاہر دبنگ اور اندر سے نہایت خوف زدہ' میں مٹی کے شیر نواب کے اوپر دل ہی دل میں ہنستا ہوا اپنے کمرے میں آگیا۔

دروازہ لاک کرکے میں نے سرمئی کا سیل فون نمبر ملایامیری دوسری بیل پر اس نے فون ریسیو کرلیا اور خوش دلی سے مجھ سے بات کی۔

میں نے سرمئی سے کہا کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں اور اس سلسلے میں اس کے گھر آنا چاہتا ہوں تاکہ آنٹی سے بھی ملاقات ہوجائے... ان سے بھی مجھے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں تو اس نے کہا کہ کیا ضروری بات کرنی ہے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تو میں نے کہا کہ ان کے شوہر کے بارے میں بہت سی باتیں میرے علم میں آئی ہیں وہ انہیں بتاناچاہتا ہوں۔اگر آپ مناسب سمجھیں تو اپنا ایڈریس مجھے سمجھادیں۔تو اس نے ذرا سی ہچکچاہٹ کے بعد مجھے اپنا ایڈریس سمجھادیااور کہا کہ میں شام چار بجے اس کے گھر پہنچوں کیونکہ اس وقت وہ اپنے نیوز چینل پر ہے' میں نے بہت شکریہ ادا کرکے فون بند کردیااوراس کا نمبر ڈیلیٹ کردیا۔

میں نواب کا دیا ہوا چیک بینک میں جمع کرانا چاہتا تھا' اس لیے بڑے اطمینان سے کوٹھی سے نکلا میں نے کوٹھی میں کھڑی گاڑیوں میں سے کوئی گاڑی نہیں لی اور ایک ٹیکسی کرکے بینک پہنچا اور چیک جمع کروایا۔کچھ رقم نکلوائی بھی۔
میں وہ رقم آنٹی کودینا چاہتا تھا' سرمئی کے گھر میں نے انہیں اس کا زبردستی کامہمان بنایا تھااور پھر میں اپنے معاملات میں اس طرح پھنسا کہ ان کی خبر بھی نہ لی۔

نواب کی ای میلز چیک کرتے ہوئے اوران کے جوابات دیتے ہوئے میرے ذہن میں نواب کی اسٹریس کو بڑھانے کا زبردست آئیڈیا آیا تھا جو میں ان سے

شیئرز کرنا چاہتا تھا' سرمئی بھی بنیادی طور پر ایک اچھی لڑکی تھی' اس لیے اس نے مجھ سے آنٹی کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔

بینک سے باہر نکل کرمیں ایک ریسٹورنٹ میں گیااور کھانا کھایا' دراصل میں ٹائم پاس کررہاتھا۔ تین بجتے ہی میں ریسٹورنٹ سے نکلا... اور پھر دو ٹیکسیاں کرکے شاہ فیصل کالونی جاپہنچا۔میں ٹیکسی سے اس کے گھر سے خاصا دور اتراتھا' پھر شمع شاپنگ سینٹر میں گھس گیا... یہ سب میں اس لیے بھی کررہاتھا کہ اگر نواب کا کوئی بندہ مجھے واچ کربھی رہا ہوگا تو اسے میری حرکات مشکوک نہیں لگیں گی۔

میں پیدل ہی بے پروا انداز میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے من موجی انداز میں چلا جارہاتھا' اس وقت مجھے کوئی ایسا شخص دکھائی نہیں دیا جومجھے واچ کررہا ہو۔

جس وقت میں نے سرمئی کے گیٹ پر پہنچ کر کال بیل پر انگلی رکھی' ساڑھے چار کا ٹائم ہو رہا تھا' میں نے سرسری انداز میں اس گھر کاجائزہ لیا' وہ دوسو گز کاایک دو منزلہ مکان تھا' آگے ایک چھوٹا سا گارڈن تھا'جس میں امردو' آم اور جامن کے پیڑ لگے ہوئے تھے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

بیل بجانے کے بعد میں اطمینان سے کھڑا ہوگیا۔تب ہی باہر لگے انٹر کام کے اسپیکر پرایک نسوانی آواز سنائی دی۔"کون ہے؟"

"شہروز!" میں نے چاروں جانب گردن گھماتے ہوئے اسپیکر کے قریب ہو کر جواب دیا۔

"ون منٹ پلیز..." اس نے جواب دیا'اب میں سمجھا کہ یہ سرمئی کی آواز تھی' پھر چند لمحوں کے بعد قدموں کی آواز آئی اور گیٹ کھل گیا۔میرے سامنے ایک بائیس تئیس سال کا لڑکا کھڑا تھا۔

"اندر تشریف لے آئیے۔" اس نے تیزی سے کہا اور مجھے گیٹ سے ہٹ کر اندر آنے کاراستہ دیا تومیں اندر داخل ہوگیااوراس سے پوچھا۔

"سرمئی صاحبہ تشریف رکھتی ہیں؟"

"جی ہاں باجی موجود ہیں۔" اس نے کہا تو میں سمجھ گیا کہ وہ کوئی ملازم لڑکا ہے' اس نے مجھے اندر ڈرائنگ روم میں لاربٹھادیا اور خود اندر چلا گیا۔

ذرادیر کے انتظار کے بعد کمرے میں آنٹی اور سرمئی ایک ساتھ داخل ہوئیں تو میں احتراماً اپنی کرسی سے کھڑا ہوگیا اور انہیں سلام کیا۔انہوں نے بہت

شفقت سے میرے سلام کا جواب دیااور میرے سر پر ہاتھ پھیرا... سرمئی نے مجھے سلام کیا۔

میں نے آنٹی کو دیکھ اان کی صحت پہلے سے بہت شاندار دکھائی دے رہی تھی اور وہ بہت مطمئن دکھائی دے رہی تھیں۔اچانک ہی مجھے ایک احساس ہوااور میں چونک پڑا۔

مجھے آنٹی او ر سرمئی کی شکل میں اتنی زیادہ مماثلت دکھائی دی کہ مجھے ایسا لگا جیسے سرمئی کی شکل میں، میں آنٹی کی جوانی دیکھ رہا ہوں۔

دونوں نے میرے چہرے پر پھیلی حیرت اور استعجاب کو محسوس کرلیا، تب سرمئی بولی۔

”شہروز صاحب میں آپ کی بہت شکرگزار ہوں کہ انجانے میں ، آپ نے میرے اوپر ایک اتنابڑا احسان کیا ہے کہ اگر میں آپ کا یہ احسان اتارنا بھی چاہوں تو کبھی نہیں اتارسکوں گی۔“

”مطلب...!“ میں نے سرمئی کے الفاظ سے بہت کچھ سمجھ لیااور چاہتاتھا کہ وہ خود اپنے منہ سے مجھے وہ خوش گوار حقیقت بتائے۔

”مطلب یہ کہ آپ نے جن خاتون کوامانتاً میری پناہ میں دیاتھا، وہ میری گمشدہ ماں نکلیں۔اگرآپ اس روز مجھے نہ ملتے اور امی کو میرے حوالے نہ کرتے تو شاید زندگی بھر میں ان کے لیے ترستی رہتی اور کبھی تلاش نہ کرپاتی۔

”واقعی...“ میں نے یہ جان کر کہ سرمئی آنٹی کی وہ بیٹی ہے جسے وہ برسوں پہلے کسی کے حوالے کر آئی تھیں اور اب تو اس کے ملنے کی آس بھی نہیں تھی، میرے ذریعے انہیں مل جائے گی، بے پناہ دلی مسرت ہوئی، شاید قدرت کو ہی ان کا یہ ملاپ منظور تھا اوراس نے مجھے ذریعہ بنا دیا اورشاید اب وقت آگیاتھا کہ اس موذی سانپ کا سر کچل دیا جائے ، جس نے ایک نیک نامی کا لبادہ شیطانی چہرے پر اوڑھا ہوا تھا۔

”آپ دونوں کو یہ ملاپ بہت بہت مبارک ہو۔میں بیان نہیں کرسکتا کہ مجھے یہ جان کر کتنی مسرت ہوئی ہے کہ آپ کو آپ کی بیٹی مل گئی۔“ میں نے کہا اور آنٹی کے لیے لایا ہوا تحفہ ان کی نذر کیا۔

پھر ہمارے درمیان بہت سی باتیں ہوئیں۔میں نے سرمئی سے کہا۔”اس کامطلب تو یہ ہے کہ نواب سطوت آپ کے والد ہیں۔“

"ہوں گے، لیکن میں انہیں اپنا باپ کہہ کر باپ جیسے پیارے اور پاکیزہ رشتے کی توہین نہیں کرسکتی۔" سرمئی نے انتہائی نفرت انگیز لہجے میں کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔" میں نے سرمئی کے جذبے کو سراہااور کہا۔"میں ایک بہت اہم بات آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کو معلوم ہے کہ میرا باس کون ہے؟ میں نواب کے لیے ناجائز کام کرتاہوں اوراس کی کلفٹن والی کوٹھی میں رہتا ہوں۔" میرا یہ انکشاف سن کردونوں بری طرح چونک گئیں۔ذرا دیر کے لیے کمرے میں سناٹا سا چھاگیا۔پھراس سناٹے کو آنٹی نے توڑا۔

"پھر توبیٹا تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔تم نے یہاں آکر بہت بڑا رسک لیا ہے اور ہمیں بھی خطرے سے دوچار کردیا ہے۔" آنٹی نے گہری فکر اور تشویش سے کہا۔

"ہاں مجھے بھی اس بات کااحساس اب ہو رہا ہے، ویسے آپ بے فکر رہیں، آپ کے لیے کوئی خطرے کی بات نہیں ہے، میں نواب کو یہ بتا کے آیا ہوں کہ میں اپنی ایک رشتے کی خالہ سے ملنے کے لیے جارہا ہوں اور رات ایک واردات

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کے بعد نواب نے مجھے خود چند دنوں کے لیے روپوش رہنے کے لیے کہا ہے۔"

"واردات...کون سی واردات۔؟" سرمئی نے چونک کر کہا تو میں نے اسے سب کچھ بتانے کا فیصلہ کرلیا۔

اورپھر میں نے عرفان رسول کے بنگلے پر اوراس کے ادارے "مسکن" پر ہونے والے حملے کی ساری روداد اسے سنادی۔

وہ پوری توجہ اور دلچسپی سے میری بات سنتی رہی اور بولی۔"اس کامطلب ہے کہ عرفان صاحب کے بنگلے پر آپ نے واردات کی تھی لیکن یہ بتائیں کہ وہاں آپ کس لیے گئے تھے اورآپ کے ساتھ وہ لڑکی کون تھی ؟"

میں آنٹی کے سامنے سرمئی کے سوال کا جواب نہیں دینا چاہتاتھا اس لیے خاموش رہا توسرمئی نے بے چینی سے کہا۔

"کیا بات ہے شہروز صاحب آپ خاموش کیوں ہوگئے؟ بتائیں ناں،یہ تو ایک معمہ ہے اور مجھے اس کا جواب جاننے کی بہت بے چینی ہے۔"

"وہ دراصل میں آنٹی کے سامنے وہ بات نہیں کرسکتا۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ڈونٹ وری! آپ امی کے سامنے ہربات بلاجھجک کرسکتے ہیں، انہیں بھی ہربات کا علم ہونا چاہیے۔" سرمئی نے کہاتومیں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں ساری بات بتادی...

"اوہ آئی سی ... یعنی بلیک میلنگ...!" سرمئی کی سمجھ میں ساری بات آگئی اوراس نے پرجوش انداز میں کہا۔

پھرہم نے دیر تک بیٹھ کر اس سارے معاملے کاتجزیہ کیااور پھر ساری بات ہماری سمجھ میں آگئی۔ پھرمیں نے کچھ ای میلز کا بھی ذکر کیا جومیں نے تھوڑی دیر قبل پڑھیں تھیں۔ سرمئی بہت زیادہ ایکسائیڈ ہو رہی تھی، وہ سب باتیں جووہ جاننا چاہتی تھی اسے میرے ذریعے ان باتوں کا علم ہورہاتھا۔میں نے سرمئی سے یہ بھی کہا کہ میں ایک دو دن آپ کے گھر قیام کرنا چاہتاہوں، اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو، اس نے بہت خوش دلی سے مجھے آفر کردی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

پتہ نہیں کیوں اس پیاری سی لڑکی کو دیکھ کر مجھے بار بار اپنی بہن فائزہ کی یاد آرہی تھی، میرا شدت سے دل چاہ رہاتھا کہ میں اسے فائزہ کہہ کر پکاروں۔لیکن میں اپنی اس خواہش کو اپنے دل میں دبا کربیٹھ گیا۔

رات کے کھانے کے بعد ہم دوبارہ بیٹھے تو سرمئی نے مجھ سے کہا۔"شہروز بھائی اگرمیں آپ سے ایک بات پوچھوں تو آپ براتونہیں مانیں گے۔"

"نہیں بالکل نہیں...تم بالکل میرے لیے چھوٹی بہنوں کی طرح ہو، تمہارے دل میں جو بھی سوال آرہا ہے تم بلاکھٹکے مجھ سے کرسکتی ہو۔" میں نے صاف دلی سے کہا تو اس نے پوچھا۔

"آپ نواب سطوت جیسے انسان کے چنگل میں کیسے پھنس گئے۔کیوں کہ بظاہر تو آپ ایسے دکھائی نہیں دیتے کہ آپ وہ سارے کرائمز اپنے دل کی خوشی سے کریں، یا وہ کیا مجبوری تھی جو آپ کو یہ سب کچھ کرنے پر مجبور کررہی ہے۔"

سرمئی کی بات سن کرمیں سوچنے لگا کہ اس کی بات کا کیا جواب دوں، چند لمحوں کے توقف کے بعد میں نے کہا۔

"میر ااصل نام شہروز نہیں‘ بلکہ ڈاکٹر شاہ زمان ہے۔"

"ڈاکٹر!" اس نے شدید استعجاب سے دہرایا۔

"ہاں ڈاکٹر! میں نے ایم بی بی ایس کی ڈگری لی ہے اور میں پنڈی کے ہاسپٹل میں جاب کرتا تھا۔ نتھیا گلی میں میرا گھر تھا‘ جہاں اماں تھیں بابا تھے‘ ارمان تھا اور میری ننھی اور گڑیا سی بہن فائزہ تھی۔" اتنا کہہ کر میں رک گیا۔ ان سب کی یاد اتنی شدت سے آئی کہ میری آنکھیں بھیگ گئیں اور آواز بھرا گئی۔

"پھر... پھر..." وہ ایکسائمنٹ میں مزید میرے قریب کھسک آئی۔

پھر میں نے شروع سے اپنی ساری داستان اس کے گوش گزار کردی۔ وہ سارے حالات وواقعات پوری سچائی کے ساتھ بیان کردیئے ‘ صرف غیر ضروری باتیں حذف کردیں‘ جیسے نتھیا گلی میں شیرافضل کی بیٹی شہزادی کا قصہ میں گول کر گیا۔

میں خاموش ہوا تو آنٹی اور سرمئی دونوں کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ ماحول میں بہت گمبھیر سنجیدگی چھا گئی۔

"شہروز بھائی! نہیں شاہ زمان بھائی! میں آپ کو شہروز نہیں شاہ زمان کہوں گی... آج سے آپ مجھے فائزہ سمجھ سکتے ہیں۔" سرمئی نے کہا۔

"تمہیں پتہ ہے سرمئی تمہیں دیکھ کر میرا شدت سے دل چاہا تھا کہ میں تمہیں فائزہ کہہ کر پکاروں‘ لیکن میں دل میں ہی اپنی یہ خواہش دبا کر رہ گیا لیکن اب تم نے اجازت دی ہے تو میں اللہ کو گواہ بنا کر تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تم میرے لیے میری مرحومہ بہن فائزہ سے بھی بڑھ کر قابل عزت واحترام ہو۔" میں نے اٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بہت شکریہ بھائی! میری زندگی میں ایک بھائی کی کمی تھی جو آپ نے پوری کردی۔" اس نے خوشی سے چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ کہا پھر بولی۔

"اب آپ کا کیاارادہ ہے‘ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

پھر میں نے اسے اپنے ارادوں کے بارے میں بتایااوراس خیال کا بھی اظہار کیا جو ای میل دیکھ کر میرے ذہن میں آیا تھا‘ میرا آئیڈیا سن کروہ خوشی سے اچھل پڑی۔ آنٹی کو بھی میرا آئیڈیا بہت پسند آیا۔

رات بہت زیادہ ہوگئی تھی اور ہم باتوں میں مصروف تھے' دو مرتبہ سرمئی کے سیل فون پر کال آئی اور وہ اسے اٹینڈ کرکے جلد ہی میرے پاس لوٹ آئی' پھر بولی۔

"شاہ زمان بھائی میں کل آپ کو کسی سے ملوانا چاہتی ہوں' آپ ملیں گے۔؟"

"کون ہے گڑیا۔؟" میں نے محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ہے کوئی !" اس نے ایک شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور مجھے کچھ کچھ اندازہ ہوگیا کہ وہ کون ہوسکتا ہے' اس لیے مسکرا کر خاموش رہا۔

آدھی رات کے قریب ہم سونے کے لیے لیٹے اس دن آنٹی سرمئی کے کمرے میں لیٹیں اور اپنا روم انہوں نے میرے لیے خالی کردیا' میں ان دونوں افراد یعنی شمسو بابا اور اماں حمیدہ سے بھی ملاجن کی سرمئی کی زندگی میں ایک خاص اہمیت تھی۔

اگلے دن صبح نوبجے سرمئی اپنے نیوز چینل چلی گئی' میں نے اسے سختی سے منع کیا تھا کہ ابھی وہ عرفان رسول کے حوالے سے کسی بات کا کسی سے بھی ذکر نہ کرے۔سرمئی ہی کے ذریعے مجھے معلوم ہوا کہ عرفان رسول کے "مسکن"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

پر حملہ بھی نواب سطوت ہی کی کارستانی ہے۔اب مجھے یہ معلوم کرنا تھا کہ یہ اس نے اپنے لیے کیاتھا یا اپنے کسی کے لیے "دعا" کی تھی۔اتنے بڑے کام کامعاوضہ بھی یقینا اسے بہت تگڑا ملا ہوگا۔سرمئی نے مجھے عرفان رسول کی تشویش ناک حالت کے بارے میں بھی بتایا' اوراس سلسلے میں' میں بے حد شرمندگی اور ندامت محسوس کررہاتھا اور میں نے دل سے دعا کی کہ وہ جلدازجلد صحت یاب ہوجائیں۔

سارا دن میں نے روشن آنٹی کے ساتھ گزارہ۔وہ مجھ سے اور میں ان سے اپنے دل کی باتیں کرتے رہے۔ہم دونوں ایک دوسرے کو تسلی دے رہے تھے' کیونکہ ہمارا دشمن ایک تھا' اور اس دشمن کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے ہمارا عزم بھی ایک ہی تھا۔

شام کو سرمئی آگئی' میں نے اس سے پوچھا کہ کچھ عرفان رسول کی خبر ملی کہ اب ان کا کیاحال ہے تو اس نے یہ خوش خبری سنائی کہ "ہاں خبرملی ہے کہ اب ان کی حالت خطرے سے باہر ہے او روہ ہوش میں آگئے ہیں۔لیکن

ڈاکٹرز نے ابھی بھی پولیس کو ان سے ملنے نہیں دیا ہے۔شاید اس کام میں بھی مزید ایک یا دو دن لگ جائیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے وہ پولیس کو بتادیں گے کہ ان کے ساتھ کیا ہوا تھا؟" میں نے سرمئی سے پوچھا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے کہ وہ اس بات کا چرچا بالکل نہیں کریں گے، کیونکہ یہ ایک بہت ہی شرمناک بات ہے۔اور پھر بقول آپ کے کہ جب آپ ان کی تصاویر لے رہے تھے تو ان کی بیگم بھی بے ہوش تھیں۔تو یہ بات سوائے ان کے یا آپ لوگوں کے کسی کو بھی نہیں معلوم۔اب نواب سطوت کسی طرح سے انہیں بلیک میل کرے گا یہ بات بھی وہ کسی سے شیئر نہیں کریں گے لیکن میرا خیال ہے۔"اس نے گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے کہا۔"شاید انکل کو وہ یہ راز بتادیں۔"

"انکل! یہ کون ہیں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"آپ نے سینئر صحافی جناب طلال واحدی صاب کانام سنا ہے۔" اس نے مجھ سے سوال کیا۔

"ہاں شاید... ایک دومرتبہ میں نے ٹی وی پر ان کا حالات حاضرہ پر تبصرہ سنا ہے۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔

"انہوں نے مجھے بیٹی بنایا ہوا ہے اور میرے ان سے گھریلو ٹرمز ہیں۔بلکہ آج رات میں نے حشام اور انکل کو تم سے ملوانے کے لیے گھر پر بلایا ہے۔" اس نے کہا۔

"میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا کہ میرے بارے میں کسی کو بھی نہ بتانا تو پھر بھی تم نے ..." میں نے قدرے خفگی بھرے لہجے میں کہا۔

"ارے نہیں شاہ زمان بھائی ان کی جانب سے آپ قطعی بے فکر رہیں۔انکل اور حشام تو وہ ہستی ہیں کہ جن سے میں ہر بات شیئر کرتی ہوں، آپ کے علاوہ صرف ان لوگوں ہی کو معلوم ہے کہ نواب سطوت میرا باپ...!" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

اور شام کو حشام کی پوری فیملی مجھ سے ملنے کے لیے آئی، ان کی بیگم تو روشن آنٹی کے ساتھ اندر چلی گئیں، اور ڈرائنگ روم میں، میں طلال واحدی صاحب اور حشام اور سرمئی وہاں بیٹھے رہ گئے، اس سے پہلے چونکہ روشن آرا مجھے یہ

بات بتاچکی تھیں کہ سرمئی کوانہوں نے "سرمئی بائی" کے حوالے کیا تھا اس لیے، سرمئی نے مجھے منع کردیاتھاکہ میں طلال واحدی اور حشام کے آگے اس بات کا قطعی ذکر نہ کروں۔مجھے سرمئی کی ذات کے متعلق گفتگو کرنی بھی نہیں تھی۔ہماری گفتگو کا موضوع تو نواب سطوت کی ذات تھی۔

طلال واحدی اور حشام مجھ سے کرید کرید کر نواب کے متعلق ساری باتیں پوچھتے رہے اورمیں انہیں جوابات دیتا رہا، اب نواب سطوت کی ذات ہمارے سامنے پوری طرح عیاں ہوگئی تھی۔

اس دوران نواب کا فون میرے پاس نہیں آیا، تقریباً دو تین دن کے قیام کے بعد میں وہاں سے چلا آیا لیکن وہاں سے چلتے ہوئے میں نے سرمئی کو خاص ہدایت کی کہ ای میل والا کام وہ اس وقت کرے جو وقت اور ٹائم میں اسے بتاؤں... کیونکہ میں یہ چاہتاتھا کہ سرمئی کی ای میل والا کام وہ اسو قت کرے جو وقت اور ٹائم میں اسے بتاؤں... کیونکہ میں یہ چاہتاتھا کہ سرمئی کی ای میل روشن آراء کی جانب سے اس وقت نواب کو ملے جب میں اس کے پاس موجود ہوں تاکہ اس کاری ایکشن اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں۔

بعدمیں مجھے روشن آنٹی نے حشام اور سرمئی کے بارے میں بھی بتایا کہ ہوسکتا ہے کہ مستقبل قریب میں وہ ان دونوں کی منگنی کردیں۔مجھے یہ خبر سن کر بے حد مسرت ہوئی، میرے خیال میں وہ فیملی اور حشام جیسا لڑکا ہی سرمئی جیسی لڑکی کے لیے موزوں ہوسکتے تھے۔

تین دن سرمئی کے گھر گزارنے کے بعد جب میں کلفٹن میں واقع نواب کی کوٹھی پرپہنچا تو میرا دل ودماغ بہت فریش تھا، اپنی فیملی کو کھو دینے کا دکھ کافی کم ہوگیا تھا، مجھے ایسا محسوس ہو رہاتھا جیسے مجھے میرے کھوئے ہوئے رشتے دوبارہ مل گ ئے ہوں۔طلال واحدی صاحب ،حشام ، روشن آنٹی اورسرمئی۔سب نے مجھے میرے کھوئے ہوئے رشتے دوبارہ لوٹادیئے تھے۔پہلے جومیں خود کو بھری دنیا میں تنہا سمجھ رہا تھا، اب وہ احساس قطعی نہیں تھا، میرے اندر ایک نیا عزم اور نیا ولولہ تھا۔

کوٹھی کے باہر نواب کے سیکیورٹی گارڈ کی موجودگی یہ بتارہی تھی کہ نواب کوٹھی میں موجود ہے۔میں وہاں گیا تو نواب کو اس بات کی فوری اطلاع مل گئی۔

اوراس نے مجھے فوراً ہی بلوالیا۔وہ اپنے کمرِ خاص میں موجود تھا' میں جب اس سے ملنے کے لیے گیاتووہ خاصا تھکا ہوا اور بیمار دکھائی دیا۔

"کیابات ہے سر آپ مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے... کیسی طبیعت ہے؟" میں نے حددرجہ فکرمندی سے پوچھا۔

"ہاں...بی پی کنٹرول میں نہیں آرہا...تم نہیں تھے تو میں نے ڈاکٹر اعتزاز فاروقی کو بلوایا تھا۔وہ تو ضد کررہے تھے کہ میں ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوجاؤں لیکن میں نے منع کردیا کہ جو علاج کرنا ہے یہیں کردو مجھے ہاسپٹل نہیں جانا ہے۔"

"کیا حرج تھا سر چلے جاتے ہاسپٹل' آپ کی صحت تو ٹھیک ہوجاتی۔" میں نے کہا۔

"تم اس بات کو چھوڑو'یہ بتاؤ کہاں رہے ان دنوں۔" وہ ایک دم اپنی پرانی جون میں واپس آگیا۔اس کی تیز نگاہوں کی کاٹ نے مجھے لمحہ بھر میں بتادیا کہ اسے معلوم ہوگیا ہے کہ میں شاہ فیصل کالونی کے کسی گھر میں تھا' اس لیے تھوڑا سچ بولنے کا فیصلہ کرلیااور کہا۔

"میں نے اپنی خالہ کو بہت تلاش کیا ' ایک دو لوگوں سے ان کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ میرے ایک اور رشتہ دار انہیں اپنے گھر شاہ فیصل کالونی میں لے کر آگئی ہیں۔تو میں وہیں چلا گیا تھا' جاتے ہوئے ان کے لیے ساڑھی بھی خریدلی' اور کچھ رقم بھی انہیں دے آیا' خوش ہوگئی بے چاری۔" میں نے بتایاتو نواب کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ آگئی اور نواب کی مسکراہٹ دیکھ کرمیرا شک یقین میں بدل گیا کہ نواب کے علم میں تھا کہ میں شاہ فیصل کالونی گیا ہوں لیکن مجھے حیرت اس اپنے تعاقب کرنے والے شخص پر ہو رہی تھی کہ وہ کوئی بہت ہی ہوشیار شخص تھا جس نے مجھے پتہ ہی نہیں لگنے دیا اور میرے پیچھے لگا رہا' بہرحال میں نے نواب کو یہ تھوڑا سا سچ بتا کریقینا مطمئن کردیا تھا۔اب یہ بات مجھے نہیں معلوم تھی کہ میری نگرانی مسلسل ہوئی یانہیں اور یہ بھی کہ نواب کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ گھر مشہور نیوز رپورٹر سرمئی کا ہے۔

پھر میں نے اپنی سوچوں کو سر سے جھٹک دیا کہ کسی بھی مرحلے پر میں نے یہ محسوس کیا کہ نواب کو اس بات کی اطلاع ہے تو کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر یہ بات سرسری انداز میں اسے بتادوں گا۔

"کیا سوچنے لگے؟" اس نے مجھے خاموش بیٹھے سوچ میں گم دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں سر! آپ کی صحت کے بارے میں مجھے بڑی تشویش ہو رہی ہے۔ اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو ایک بات پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں۔" میں نے اپنے چہرے پر فکر و تردد کے آثار لاتے ہوئے کہا۔

"ہوں!" اس نے الجھی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے ہنکاری بھری۔

"میری غیر موجودگی میں کوئی مسئلہ ہوا ہے کوئی خاص پریشانی۔" میں ے کہا۔

"ہنہ! پریشانی اور نواب سطوت کو ابھی کوئی ایسا پیدا ہی نہیں ہوا جو نواب سطوت کو پریشانی میں مبتلا کرے۔ ارے ہم تو بیٹھے ہی لوگوں کی پریشانیاں دور کرنے کے لیے ہیں۔" اس نے نہایت تمسخرانہ لہجے میں ہنہ کہا اور بولا۔

"آپ بجا ارشاد فرما رہے ہیں۔ بے شک ایسا ہی ہے ‘میں نے تو یہ صرف اس لیے کہا تھا کہ آپ کی طبیعت مجھے پہلے سے زیادہ خراب لگ رہی ہے۔" میں نے حد درجہ مودب لہجے میں کہا تو وہ فخریہ انداز میں مسکرانے لگا پھر بولا۔

"تم بھی کیا یاد کروگے‘ ہم تمہیں ایک دن اپنی نشست میں اپنے ساتھ لے جائیں گے‘ پھر تم وہاں ہمارا جلوہ دیکھنا۔"

"نشست!" میں نے حیرت سے یہ لفظ دہرایا۔ "کیسی نشست؟"

"ہم مہینے میں ایک بار یعنی چاند کی تاریخ کی پہلی جمعرات کو نشست لگاتے ہیں ‘وہاں لوگ ہماری باتیں سننے کے لیے اور اپنے مسئلے مسائل کے حل کے لیے ہمارے پاس آتے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"اور یہ جو ای میلز کا سلسلہ ہے وہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ ای میلز ان لوگوں کی ہوتی ہیں‘ جو ہم تک نہیں پہنچ سکتے‘ بیرون ملک یا پاکستان ہی کے دوسرے شہروں کے لوگ ہوتے ہیں‘ وہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنی جگہ سے غیر حاضر ہوتے ہوئے پاکستان میں موجود اپنے مسائل ہمارے

ذریعے حل کرواسکیں۔" اس نے ایک گہری معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

اگلا ایک ہفتہ مزید کوئی خاص کام نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی خاص بات ہوئی۔ میں بھی زیادہ تر یاتونواب کی دیکھ بھال کرتا...اس کی ای میلز چیک کرتااور جو اس کی ہدایت ہوتی ان کے جوابات دے دیتا۔

سرمئی سے البتہ میرا فون پر رابطہ رہا' اس نے مجھے عرفان رسول کے بارے میں بتایا کہ وہ اب کافی بہتر ہے اور اب وہ ہاسپٹل سے اپنے گھر میں شفٹ ہو گیا ہے' البتہ اس نے پولیس کو اس رات والے واقعے کے بارے میں سوائے اس کے کچھ نہیں بتایا کہ وہ خود نہیں جانتا کہ اس کے گھر آنے والے وہ مرد اور عورت اس کے گھر کس لیے آئے تھے۔وہ تو فوراً ہی بے ہوش ہو گیا تھااور جب اس کی بیوی اس کو دیکھنے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھی تو اس نے پستول کا دستہ اس کے سر پر مارا' جس سے وہ بھی بے ہوش ہو گئی۔اس کے بعد ہاسپٹل میں اس کی آنکھ کھلی ہے اس کی بیوی بھی اس کے پاس ہے'

اب گھر جاکر دیکھیں گے کہ گھر کی الماریوں سے کرنسی 'گولڈ یا دوسرے اہم جائیداد کے کاغذات میں سے کوئی چیز غائب تو نہیں ہے۔

اس وقت تو پولیس خاموش ہو گئی۔بعدمیں ان کے گھر شفٹ ہونے کے بعد پولیس نے ایک بار پھر ان سے رابطہ کیا تو ان کی بیوی نے یہ بیان دیا کہ ان کی تجوری سے پیسے اور گولڈ غائب ہے' وہ شاید ان کے گھر ڈکیتی کی نیت سے داخل ہوئے تھے اور ڈاکہ ڈال کر چلے گئے۔

"ہاں وہ شرمناک حقیقت پولیس کو بتا ہی نہیں سکتے تھے انہیں ایسا ہی جواب دینا چاہیے تھا۔" میں نے شرمسار انداز میں کہا پھر سرمئی سے سوال کیا۔

"اور ان کے "مسکن" سے جو لڑکیاں اٹھائی گئی تھیں ان کا کوئی سراغ ملایانہیں۔" تو سرمئی نے جواب دیا۔

"ان کا سراغ کیسے ملے گا' وہ بچاریاں تو ایک بار اس عیاش شخص کے چنگل میں پھنس گئیں تو پھنس گئیں اب تو مر کر ہی جان چھوٹے گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ عرصے کے بعد ان کی نچڑی ہوئی لاشیں پولیس کو کسی گندے نالے یا کسی پارک یا کسی ویران قبرستان سے مل جائیں۔"

"ہماری یہ پولیس بھی ناکارہ ہی ہے وہ ابھی تک ان کا سراغ نہیں لگا سکی۔" میں نے تپ کر کہا۔

"کیا بات کررہے ہیں بھائی!ہماری پولیس اور ناکارہ۔ایسا ہرگز نہیں ہے، پولیس کو اگر سراغ مل بھی گیا ہوگا تو ان کا منہ ڈھیر سارے نوٹوں کے ذریعے بند کردیا ہوگا۔بلکہ مجھے تو اس بات کا پورا یقین ہے کہ پولیس سب جانتی ہے لیکن وہ مجرموں تک پہنچے گی نہیں کیونکہ جب کتے کے آگے ہڈی ڈال دو تو وہ اسے بھنبھوڑنے میں لگ جاتا ہے اور ادھر ادھر نہیں دیکھتا اور نواب جیسے لوگ تو ہماری پولیس کو جیب میں لیے پھرتے ہیں۔" سرمئی کا لہجہ حددرجہ زہرآلود ہو رہا تھا۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو سرمئی، بالکل ایسا ہی ہے۔" میں نے تاسف سے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا پھر کہا۔"تم بتارہی تھیں کہ عرفان رسول طلال انکل کے اچھے دوستوں میں سے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ہیں تووہ گئے ان سے ملنے، میرا مطلب ہے ان کی مزاج پرسی کے لیے!" میں دراصل یہ جاننا چاہ رہا تھا کہ اگر طلال انکل عرفان رسول سے ملنے کے لیے گئے تھے تو کیا عرفان رسول نے انہیں وہ شرمناک بات بتادی۔

"نہیں! ابھی تووہ ان سے ملنے کے لیے نہیں جاسکے ہیں۔کیونکہ ڈاکٹرز نے سختی سے ہدایت کی ہے کہ وہ کسی سے بھی نہ ملیں۔ورنہ ان کی مزاج پرسی کے لیے آنے والے لوگ ان کے لیے باعث زحمت بن سکتے ہیں۔شاید ابھی اللہ تعالیٰ ان سے مزید نیکیوں کے کام کروانا چاہتا ہے اسی لیے اتنے سیریس ہارٹ اٹیک کے بعد بھی ان کی جان بچ گئی لیکن ابھی بھی وہ اتنے ٹھیک نہیں ہوئے ہیں کہ لوگوں سے مل سکیں۔انہیں اتنے زبردست شاک سے باہر نکلنے میں کچھ وقت تو لگے گا اور ان کی سب سے بڑی ٹینشن یہ ہوگی کہ نواب ان کی تصاویر کو لے کر انہیں کس طرح بلیک میل کرے گا، کون سا کام ان سے لے گا، ویسے بھی اب تو انہوں نے اپنے گھر میں سیکیورٹی گارڈز رکھ لیے ہیں۔ اس احمق ملازم کو نکال دیا گیا ہے اورایک معروف سیکیورٹی ایجنسی سے کچھ گارڈز ہائر کیے ہیں۔"

سرمئی نے مجھے ساری تفصیلات سے آگاہ کیا پھر بولی۔"بھائی میں نے اس کام کی پوری تیاری کرلی ہے جو آپ نے بتایا تھا' آپ نے جیسا کہا تھا میں نے ویسا ہی کیا ہے' اب یہ آپ کو بتانا ہے کہ مجھے وہ کب تھرو کرنا ہے۔"

"ہاں اب اس کام کا وقت بھی سمجھو آہی گیا ہے نواب کو ایک زبردست جھٹکا دیتے ہیں۔مجھ سے بڑے تمسخرانہ انداز میں کہہ رہاتھا کہ ایسا ابھی تک کوئی پیدا ہی نہیں ہوا ہے جو مجھے ٹینشن دے سکے۔" میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ب

"بھائی پھر کب ؟" سرمئی نے بے صبر لہجے میں پوچھا۔

"صبر کرو گڑیا!" میں نے رسان بھرے لہجے میں کہا۔کل جب وہ صبح اور دوپہر کو مجھے اپنے روم میں طلب کرے گا تو میں تمہیں کال کرکے بتادوں گا۔میرے کال کرنے کے دس پندرہ منٹ کے بعد تم وہ کام کرنا تاکہ میں اس کے پاس موجود ہوں۔"

"ٹھیک ہے بھائی میں بے صبری سے اس وقت کااور اس کے بعد آپ کی کال کاانتظار کروں گی۔میں یہ جاننے کے لیے بے چین رہوں گی کہ اس

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

انکشاف کے بعد اس کی کیا حالت ہوتی ہے' آپ بھی مجھے زیادہ انتظار مت کروائیے گا۔"سرمئی نے کہا۔

"کال تو میں تمہیں جب کروں گا ناں جب اس کے پاس سے اپنے کمرے میں واپس آجاؤں گا' انتظار تو تمہیں کرناپڑے گا۔" میں نے دھیمے سے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہوں یہ بات بھی ہے۔" اس نے ناچار کہا تو میں نے آنٹی اور حشام کی خیریت پوچھنے کے بعد فون بند کردیااور ساتھ ہی اس کانمبر بھی ڈیلیٹ کرنا نہ بھولا۔

اگلی صبح کاتو میں بھی شدت سے انتظار کررہاتھا کہ نواب مجھے کل بلاتا ہے' لیکن انتظار کرتے کرتے دوپہر ہوگئی۔میں نے جھنجلاہٹ میں دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا' ملازم کھانا لایا تومیں نے یہ کہہ کر واپس کردیا کہ مجھے بھوک نہیں ہے۔

تین بجے کے قریب وہ کال آہی گئی جس کامیں شدت سے انتظار کررہاتھا' نواب نے مجھے فوراً اپنے روم میں بلوایا تھا' میں نے جانے سے پہلے سرمئی کو

کال کی کہ میں نواب کے روم میں جارہا ہوں تم دس پندرہ منٹ بعدوہ کام کرنا۔ سرمئی نے اوکے کہااور میں نواب کے کمرے کی جانب چل دیا۔

میں اندر گیاتووہ اپنی مخصوص شاہانہ کرسی پر براجمان تھا۔مجھے دیکھ کر بڑے پرجوش اور معنی خیز انداز میں بولا۔

”آؤ آؤ شہروز! میں تمہارا ہی انتظار کررہا تھا۔“

”خیریت ہے سر! کوئی خاص کام تھا۔“ میں نے کھڑے کھڑے پوچھا۔

”بیٹھو۔“ اس نے قریبی صوفے کی جانب ہاتھ کااشارہ کرتے ہوئے کہاتو میں بیٹھ گیااور سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔وہ چند لمحوں تک اپنے لبوں پر گہری اور معنی خیز مسکراہٹ سجائے میری جانب دیکھتا رہا پھر ولا۔

”تم تو بڑے چھپے رستم ہو یار! بڑے بڑے کام کرجاتے ہو اور ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا۔“

”کیامطلب سر!“ لمحے میں میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا کہ اللہ جانے اسے کیامعلوم ہوگیا اور یہ کس بات کے بارے میں کہہ رہا ہے‘ کہیں ایسا تو نہیں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کہ اسے روشن آراء اور سرمئی کے بارے میں معلوم ہوگیا ہو اس سے آگے مجھ سے سوچانہ گیاکہ اگر ایسا ہوا ہے تو پھر میرے پاس کیا جواب ہوگا؟

”ارے یار تم تو پریشان ہوگئے‘ میرا مقصد تمہیں پریشان کرنا ہرگز نہیں تھا‘ بس ایک نیوز دینی تھی تمہیں۔“ اس نے نارمل لہجے میں کہا وہ میرے چہرے پر آئی پریشانی کے آثار بھانپ گیاتھا۔

”کیسی نیوز سر!“میں نے فوراً اپنے آپ کونارمل کرکے مسکرا کر کہا۔

”تم باپ بننے والے ہو!“ اس نے خبیثانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہااور اس خبر کو سنتے ہی میں اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا کہ یہ کس کی بات کررہا ہے۔

”اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے‘ میں تو مذاق کررہاتھا‘ تم باپ بننے والے تھے لیکن اب سارا معاملہ ٹھیک ہوگیا ہے۔“

”آپ کیااور کس کی بات کررہے ہیں میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہاہے‘ آپ کھل کے بتائیں گے۔“ میں نے الجھی الجھی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا‘ واقعی میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔کہیں راکھی تو کیوں کہ راکھی کے ساتھ میرے تعلقات!

"اچھامذاق چھوڑو' میں تمہیں بتاتا ہوں۔" اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔"تم نتھیا گلی گئے تھے ناں!" اس نے نتھیا گلی کانام لیا تو میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا اور شہزادی کی شکل فوراً میری آنکھوں کے سامنے آگئی اور میں ساری بات سمجھ گیا ' لیکن انجان بنارہا۔

"جی ہاں میں نتھیا گلی گیا تھا' آپ کو بھی معلوم ہے تو پھر!" میں نے کہا۔

"تم نے بوڑھے پیر کے بھیس میں شیر افضل کی بیٹی شہزادی کے ساتھ جو کھیل کھیلا ہے اس کا بھانڈا پھوٹ گیا ہے۔" اتنا کہہ کر نواب اپنا لیپ ٹاپ کھولنے لگا۔

"میں سمجھا نہیں سر...!" میں نے ایک بار پھر معصوم بننے کی اداکاری کی۔

"اب یہ بات بھی میں ہی تمہیں سمجھاؤں کہ تمہاری کارستانی کے نتیجے میں شہزادی ماں بننے والی تھی۔

یہ ایک ایسا انکشاف تھاجس نے مجھے اندر تک سے ہلا کررکھ دیا تھا' لیکن میں نے فی الحال بات سے انکار کرنا بہتر سمجھا۔

"لیکن سر میں نے تو اس قسم کی کوئی حرکت۔"

"شٹ اپ شہروز۔" اس نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔"کیوں میرے سامنے جھوٹ بول رہے ہو۔غیر مرد کی صورت میں اس کے ساتھ رات کی تنہائی میں تم ہی اس کا جن اتارنے کے لیے اس کے کمرے میں ٹھہرے تھے ناں' تم شاید جانتے نہیں ہو کہ ان حویلیوں میں جوان لڑکیوں کے لیے کتنے کڑے پہرے ہوتے ہیں..." اس نے اپنی تیز نگاہوں کی برچھیاں میرے اندر اتارتے ہوئے گہری سنجیدگی سے کہا تو میں خاموش ہوگیا۔

"وہ سر... وہ میں... میں مجبور ہوگیا تھا سر... وہ خود ہی...اور ویسے بھی سر وہ ایک انتہائی حسین اور جوان لڑکی تھی... وہ تو خود ہی کسی بھوکی بلی کی طرح میرے اوپر جھپٹ پڑی تھی تو پھر میں کیا کرتا..." میں نے گھبرا کر اپنی صفائی پیش کرنی چاہی۔

"کم ان شہروز!مجھے صفائیاں دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے'میں تمہیں اس کام کے لیے سرزنش نہیں کررہا۔جوانی چیز ہی ظالم ہے' ایسا ہوجاتا ہے۔لذیذ کھانا دسترخوان پرچنا ہو تو ایک بھوکا کیوں کر برداشت کرسکتا ہے۔میں تو تمہیں اس بات کی اطلاع دے رہا ہوں۔" اس نے اس طرح کہا جیسے شیرافضل کی

جوان اور کنواری بیٹی میرا حق تھی اور میں نے سوائے اپنا حق وصول کرنے کے اور کچھ نہیں کیا۔

" سر! اب کیا ہوگا؟ کیا شیر افضل کو معلوم ہو گیا ہے کہ وہ شخص میں ہوں۔" میں نے اس طرح نواب کے سامنے اظہار کیا کہ جیسے اب نواب ہی مجھے اس مشکل سے چھٹکارہ دلاسکتا ہے۔

"اب کیا ہوگا کچھ بھی نہیں۔شیر افضل کو یہ تو معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی کنواری بیٹی ماں بننے والی ہے اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ کام اسی پیر کا تھا اور پیر کے بھیس میں کوئی جوان آدمی تھا' اس کی ساری ذمہ داری اس نے اپنی بیوی پر ڈال دی۔شیر افضل اوراس کی بیوی ہکابکا یہ دیکھتے رہ گئے' فوراً ہی شیرافضل نے اپنی بیوی کو بھی گولی مار دیااور قصہ ختم!"

"اوہ! یہ تو بہت برا ہوا' ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔" میں نے شدید صدمے کی کیفیت میں تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

"ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔جو ہوا بالکل ٹھیک ہوا' تمہیں کیوں افسوس ہو رہا ہے' بھول جاؤ ان باتوں کو۔مردوں کی لائف میں اس قسم کے حادثات ہوتے رہتے ہیں۔" نواب نے بے پرواہ لہجے میں کہا پھر بولا۔

"اچھا ساری باتیں چھوڑو' تم ذرا میل بکس کھولو اور آج کی ای میلز چیک کرو۔"

حالانکہ میں بہت بڑے شاک کی کیفیت میں تھا' شہزادی کی من موہنی صورت بار بار میری آنکھوں کے سامنے آرہی تھی لیکن نواب نے جب مجھ سے ای میلز چیک کرنے کے لیے کہاتومیں‌سب کچھ بھول کرلیپ ٹاپ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

ابھی ابھی جو ای میل آئی تھی' میں نے بھیجنے والے کانام پڑھا۔روشن آراء کی جانب سے یہ ای میل آئی تھی' میں نے میل کھولی اور ساری پڑھنے کے بعد مطمئن ہو کر نواب سے کہا۔"سر کسی روشن آراء کی جانب سے یہ میل آئی ہے۔آپ خود اسے ملاحظہ کریں...!"

میں نے ای میل دیکھی اور سمجھ گیا کہ سرمئی نے ای میل بھیج دی ہے پھر میں نے ساری ای میل پڑھی۔وہ ساری تصاویر دیکھیں' یہ وہ چیزیں تھیں جو نواب نے روشن آراء بیگم کو اپنے ہونے والے بیٹے کے لیے دی تھیں۔

میں نے جیسا سرمئی سے کرنے کے لیے کہا تھا سرمئی نے بالکل ویسا ہی کیا تھا یہ ای میل روشن آراء کی جانب سے بھیجی گئی تھی میں نے مطمئن ہو کر نواب سے کہا۔

”سر! یہ ای میل ابھی ابھی آئی ہے اور کسی روشن آراء بیگم کی جانب سے آئی ہے۔اس میں کچھ عجیب عجیب سی باتیں لکھی ہیں آپ اسے خود پڑھ لیں۔“

”کیا...؟ روشن آراء کی جانب سے ای میل' دکھاؤ تو کیا لکھا ہے۔“ اس نے بری طرح چونک کر کہا اور تیزی سے اپنی کرسی سے اٹھ کر میرے برابر میں آکر بیٹھ گیا اور میل پڑھنے لگا' میل کافی بڑی تھی لکھا تھا۔

”نواب سطوت الاسلام کی خدمت میں ان کی باندی روشن آراء کا بہت بہت آداب و تسلیمات! پتا نہیں حضور کو اپنی یہ باندی یاد بھی ہے یا نہیں۔برسوں بیت گئے ہمیں ایک دوسرے سے بچھڑے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں آپ کو چھوڑ کر کبھی نہ آتی اگر... اگر آپ میری ہونے والی اولاد کے لیے اتنی سفاکی کا مظاہر نہ کرتے۔آپ نے کتنی آسانی سے کہہ دیا تھا کہ اگر بیٹی ہوئی تو آپ اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ دیں گے اور یقیناً اسے مارنے کے بعد آپ مجھے بھی مار دیتے کیوں کہ عورت کی حیثیت تو آپ کے لیے پیر کی جوتی سے بھی حقیر اور کم تر ہے۔

میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا کہ میرے بطن میں آپ کا بیٹا پرورش پا رہا ہے اگر میں اس وقت آپ سے یہ جھوٹ نہ بولتی تو آپ اس ننھی اور ادھوری جان کو میری کوکھ میں سلامت ہی نہ رہنے دیتے۔میں نے آپ سے یہ بات بھی چھپائی تھی کہ میری کوکھ میں ایک نہیں دو بچے پرورش پا رہے ہیں۔

ارے اتنا پڑھ کر ہی آپ کا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا ہے۔اتنا غصہ نہ کریں نواب صاحب! اب آپ جوان نہیں رہے بوڑھے ہوگئے ہیں۔

ہاں تو میں بتا رہی تھی کہ میری کوکھ میں دو بچے تھے اس وقت تو میں نے آپ سے جھوٹ بول کر ان معصوموں کی زندگیاں بچالیں لیکن مجھے دن رات

یہی فکر لگی رہتی تھی کہ اگر میرے ہاں بیٹیاں پیدا ہو گئیں اور اگر بیٹا اور بیٹی پیدا ہوئے تو آپ بیٹی کو ماردیں گے۔اپنی بیٹی کی موت کا خوف میرے ذہن میں پنجے گاڑھ کر بیٹھ گیا۔

اور پھر اللہ کی قدرت دیکھیے کہ جب آپ دبئی کے دورے پر گئے تو ایک رات اللہ تعالیٰ میرے بچوں کو دنیا میں لے آیا۔اسپتال میں جان بوجھ کر نہیں گئی تھی، گیٹ پر موجود آپ کے گارڈز کو اس بات کی خبر بھی نہ ہوتی، میرے پاس عشرت موجود تھی۔وہ عشرت جس کی معصوم سولہ سالہ بیٹی آپ کی ہوس کا شکار ہوئی اور آپ کی بیوی نے اس وقت اسے مروا دیا جب اس کی کوکھ میں آپ کے گناہ کا ثمر آگیا۔کتنی وفادار بیوی ہے ناں آپ کی، بھئی کیوں نا مرواتی اسے خوف ہوگا کہ کہیں نواب کا بیٹا نہ ہوجائے اور ایک کم ذات کی کوکھ سے سید زادہ کیسے جنم لے سکتا ہے۔

ہاں تو میں بتارہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات مجھے دو بچے عطا کیے، ایک سید زادہ اور ایک سید زادی۔میں نے عشرت سے کہا کہ اگر میں یہاں رکی تو ایک ظالم باپ اپنی بیٹی کو جان سے مار دے گا اور میں ایک ماں بھلا یہ ظلم

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ہوتا کیسے دیکھ سکتی تھی۔میں چاہتی تو آپ کی گود میں بیٹا دے کر آپ کی آنکھ کا تارا بن سکتی تھی، دن رات عیش کرسکتی تھی لیکن... لیکن میں نے اپنی بیٹی کی جان بچانے کا فیصلہ کیا اور عشرت سے کہلوایا کہ گارڈ سے کہو کہ ہمیں ایمرجنسی میں اسپتال جانا ہے فوراً ٹیکسی لے آؤ جب کہ آپ اسے ہدایت دے کر گئے تھے کہ ایسی کسی صورت میں اسے کسی کو کال کرکے بتانا تھا۔وہ مان نہیں رہا تھا بڑی مشکل سے مانا تھا اور مجھے یقین ہے کہ آپ نے اسے اس قصور کی سزا اس کی جان لے کر دی ہوگی۔آپ ایسا ہی کرسکتے ہیں۔

میں عشرت کے ساتھ اپنے دونوں بچے لے کر نکلی لیکن گھر سے نکل کر میں نے اس سے کہا کہ اب تم کہیں اور چلی جاؤ میرے اور تمہارے راستے جدا ہیں۔

میں برسات کی اس رات میں تنہا بچوں کو لے کر جارہی تھی، اندھیری رات میں کمزوری اور نقاہت دوسرے بارش کے سبب ٹھوکر کھا کر گری اور بے ہوش ہوگئی۔آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو ایک صاف ستھری جگہ پر پایا۔

معلوم ہوا کہ وہ آپ کی منظور نظر اور مشہور زمانہ سرمئی بائی کا کوٹھا ہے۔اس عورت نے میرا اور میرے بچوں کا بہت خیال رکھا اور ایک ماہ اس کے پاس رہنے کے بعد میں تمہارے سید زادے اور تمہاری سید زادی کو اس کے حوالے کرکے یہ سوچ کر نکل آئی کہ اگر ایک ظالم شوہر نے اپنی بھگوڑی بیوی کا سراغ لگالیا تو وہ ہی جان سے جائے گی اس کے بچے تو سلامت رہیں گے۔

تمہیں معلوم بھی ہے سید نواب سطوت کہ تمہاری سید زادی کہاں ہے؟

آج وہ بھی ایک نامی گرمی طوائف ہے اور تمہارا سید زادہ نواب سطوت کا ہونے والا گدی نشین ایک طوائف کے کوٹھے پر دلال ہے۔

اب تم تلاش کرسکتے ہو تو تلاش کرلو۔اپنے بچوں کو، تمہیں ایک ایک طوائف کا در جھانکنا ہوگا اور ہر طوائف میں اپنی بیٹی کا چہرہ تلاش کرنا ہوگا۔سرمئی تو مرگئی لیکن تمہاری بیٹی کو اپنی جگہ دے گئی۔

دونوں بہن بھائی کو اس بات کا علم بھی نہیں ہے کہ وہ آپس میں بہن بھائی ہیں۔تمہاری آسانی کے لیے اتنا بتادیتی ہوں کہ تمہارا بیٹا بالکل تمہاری شکل

ہے۔بالکل تمہاری جوانی...! اسے دیکھ کر یہی خیال آتا ہے کہ نواب سطوت نے عورتوں کی دلالی کا کام شروع کردیا ہے اور تمہاری بیٹی بھی تمہاری ہم شکل ہے۔

مجھے یقین ہے کہ تم اپنی بیٹی کو نہیں تو کم از کم اپنے بیٹے کو ضرور تلاش کرنے کی کوشش کرو گے اور ہاں اب کسی بھی طوائف کو اپنے بستر کی زینت بنانے سے پہلے ایک بار ضرور سوچ لینا کہ کہیں یہ تمہاری بیٹی ہی نا ہو کیوں کہ تمہیں گندگی میں منہ مارنے کی بہت بری عادت ہے۔

کہیں تم یہ تو نہیں سمجھ رہے کہ روشن آراء کا نام لے کر تمہیں کوئی اور یہ سب کچھ بتارہا ہے تو یقین رکھو نواب سطوت کہ یہ میں ہی ہوں روشن آرائ! ابھی تک تمہاری منکوحہ۔اس کا ثبوت ان ساری چیزوں کی تصاویر بھیج رہی ہوں جو تم نے مجھے اپنے بیٹے کے لیے دی تھیں۔اگر کہو تو تمہارا یہ خاندانی تعویز تمہارے بیٹے کے گلے میں ڈال دوں تاکہ سب اسے تمہارے بیٹے کی حیثیت سے پہچان لیں۔اجازت دو نواب سطوت پھر بات ہوگی، اللہ حافظ۔"

نواب جیسے جیسے روشن آراء کی جانب سے آنے والی اس ای میل کو پڑھتا جاتا تھا اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوتا جارہا تھا۔میں بغور اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا اور اس کی بدلتی ہوئی حالت سے لطف اندوز ہورہا تھا میں بخوبی سمجھ رہا تھا کہ ان ساری باتوں کو پڑھ کر اس وقت اس کے دل و دماغ میں کتنی شدید ہلچل مچ رہی ہے' اس کی پیشانی پر ایک موٹی رگ پھول کر ابھر آئی تھی' اس کے نتھنے پھڑک رہے تھے اور جسم پر خفیف سا لرزا طاری تھا۔

جیسے ہی اس نے ای میل پڑھ کر ختم کی' لیپ ٹاپ اٹھایا اور پوری قوت سے فرش پر دے مارا پھر اس کے منہ سے روشن آراء کے لیے فحش گالیوں کا طوفان برآمد ہوگیا۔وہ روشن آراء کو مختلف بے ہودہ خطابات سے نواز رہا تھا۔ نہ جانے کس کس جانور کے ساتھ اس کے ناجائز رشتے جوڑ رہا تھا' مارے طیش کے اس کا چہرہ سرخ ہورہا تھا اور ہونٹوں کے کناروں سے کف بہہ کر باہر آرہاتھا' وہ اپنے آپے میں نہیں تھا پوری طرح جامے سے باہر آچکا تھا۔

اب مجھے اپنی جگہ سے اٹھنا ہی پڑا کیوں کہ میں زیادہ دیر خاموش بیٹھ کر اس کی اس باؤلے ہوجانے والی کیفیت سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا تھا' اس وقت

جتنا نواب غضب ناک اور طیش کی حالت میں تھا اتنا ہی میں سرور اور شادمانی کی کیفیت میں تھا' آج بہت عرصہ کے بعد دل میں بھڑکتی ہوئی آگ پر جیسے ٹھنڈی شبنم کے قطرے گر رہے ہوں۔میں تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور نواب کو اپنے بازوؤں میں تھام لیا۔اس نے اس وقت سارا کمرہ تہس نہس کرنا شروع کردیا تھا۔اس کی اتنی شدید چیخ و پکار سن کر باہر دروازے پر موجود گارڈ تیزی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور میری جانب اپنی گن تان لی۔

"دفع ہوجاؤ الو کے پٹھے! تمہیں کس نے بلایا ہے' کس کی اجازت سے اندر آیا ہے؟" نواب کی توپوں کا رخ گارڈ کی جانب ہو گیا۔

"سوری! میں نے سمجھا کہ..." اس نے سر جھکا کر معذرت کی۔

"کیا سمجھے تم... ہیں... کیا سمجھے تم کہ کسی نے میری عزت اتارنے کی کوشش کی ہے... ہے کسی میں اتنی جرأت جو نواب سطوت کو ہراساں کرسکے... جھوٹ بولتی ہے وہ... الّو کی پٹھی... دیکھو لوں گا میں اسے بھی۔

نواب سطوت ہے میرا نام...“ وہ گارڈ سے کہنے لگا تو میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے باہر جانے کا اشارہ کیا تو وہ سر جھکا کر باہر نکل گیا۔

”ریلیکس ہوجائیں سر! دیکھیں آپ کی حالت اچھی نہیں ہے۔آپ کا بی پی شوٹ کر گیا ہے۔اگر آپ نے اپنے آپ کو ریلیکس نہیں کیا تو آپ کے دماغ کی شریان بھی پھٹ سکتی ہے۔“ میں نے اسے سنبھال کر بیڈ پر لٹایا اور جلدی سے کمرے میں موجود دواؤں کے کیبنٹ کی جانب بڑھ گیا‘ نواب کی یہ ساری دوائیں بیرون ملک سے منگوائی جاتی تھیں اور ہمہ وقت نواب کے کمرے میں ان کا اسٹاک رہتا تھا۔

میں نے کیبنٹ کھولی تو اس میں بلڈ پریشر چیک کرنے کا آلہ دکھائی دیا‘ میں نے فوری طور پر اسے اٹھایا اور نواب کے پاس آیا‘ وہ چت لیٹا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا‘ اپنے سر کو بے چینی سے اِدھر اُدھر پٹخ رہا تھا۔

”تم نے پڑھی تھی وہ ای میل؟ دیکھا تم نے اس الّو کی پٹھی روشن آراء کو۔کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ میرے ساتھ ایسا کرسکتی ہے‘ میرے بیٹے کو... نواب سطوت آف شاداب پور کے پیر سائیں کے ہونے والے گدی نشین کو وہ کسی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

طوائف کے کوٹھے پر رکھ چھوڑے اور نواب کے اعلیٰ خون کو اس کی بیٹی کو لوگوں کے دل بہلانے کا سامان کرے۔میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا‘ وہ ایسا کیسے کرسکتی تھی۔روشن آراء تُو نے سرمئی کے ساتھ مل کر میرے ساتھ اتنا بھیانک کھیل کھیلا۔“ بولتے بولتے وہ بُری طرح ہانپنے لگا۔اس کی آواز بیٹھ گئی‘ ایسا لگ رہا تھا کہ آنسوؤں کا ایک گولہ تھا جو اس کے حلق میں آکر پھنس گیا تھا پھر اس کی آنکھ سے آنسو بہہ نکلے۔

میں نے اس کی بات کو خاموشی سے سنا اور اس کا بلڈ پریشر چیک کیا‘ دو سو کے ہندسے کو بلڈ پریشر بتانے والی سوئی چھو رہی تھی۔

”اوہ مائی گاڈ! اٹس ٹو مچ۔“ میں نے گھبرا کر کہا اور انجکشن نکال کر اس کے بازو میں انجکٹ کردیا اور کہا۔

”آپ تھوڑی دیر خاموش رہیں‘ ابھی طبیعت بہتر ہوجائے گی پھر ہم اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں گے۔“ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"اس نے میرا چین میرا سکون سب لوٹ لیا ہے' میں تو اسے بھول بھی گیا تھا اور اس کے چلے جانے پر میں یہی سمجھا تھا کہ یقینا اس کے ہاں بیٹی کی پیدائش ہوئی ہوگی اور وہ خوف زدہ ہو کر اپنا منہ کالا کر چکی ہے۔"

اتنے سال خاموشی سے گزر گئے تھے جب کچھ عرصہ پہلے مجھے یہ اطلاع ملی تھی کہ روشن آراء ملیر کھوکھراپار کے ایک چھوٹے سے مکان میں رہ رہی ہے۔وہ تنہا ہی ہے کوئی اس کے ساتھ نہیں ہے تب بھی مجھے یہی اطمینان ہوا کہ اس کا بچہ مر گیا ہو گا۔

میں نے تم سے اس لیے کہا تھا کہ اسے یہاں لے کر آؤ میرے پاس لیکن تم میرا یہ کام نہ کرسکے وہ یقینا لودھی کے پاس ہوگی اس کے آدمی اسے اپنے ساتھ لے گئے ہوں گے اور اتنی جرأت اسے لودھی کا ساتھ ہی دے سکتا ہے۔ورنہ جہاں اتنے عرصے وہ خاموش رہی تھی اب بھی رہتی۔" بولتے بولتے نواب ایک بار پھر ہانپنے لگا تو میں نے بہت نرمی اور رسان سے کہا۔

"سر! میں کہہ رہا ہوں پلیز خاموش لیٹے رہیں۔میں نے آپ کو انجکشن دے دیا ہے۔آپ آرام کریں گے تو بی پی نیچے آئے گا۔"

"تم بتاؤ تو شمروز! کیا واقعی اس نے ایسا ہی کیا ہوگا کہ میرے خون کو... سید زادوں کو اس گندگی میں پھینک دیا ہوگا... وہ تو ماں تھی کیا ایک ماں ایسا ظلم اپنے بچوں پر کرسکتی ہے؟" اس نے بہت بے چارگی سے مجھ سے پوچھا۔

"آپ میری بات مان نہیں رہے ہیں' میں آپ کو ایک انجکشن اور دے رہا ہوں' یہ آپ کو ریلیکس کرے گا اور ہلکی سی نیند دے گا تاکہ آپ کے اعصاب پرسکون ہوسکیں۔"

میں دل ہی دل میں مسکراتا ہوا بظاہر سنجیدہ چہرہ بناتے اپنی جگہ سے اٹھا اور دوسرا انجکشن اسے لگایا اور اس انجکشن کا اثر یہ ہوا کہ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا نیند میں چلا گیا۔

نواب نیند میں چلا گیا تو میں سوفے پر بیٹھ گیا اور اس کے بارے میں سوچنے لگا وہ حقیقت میں بہت سخت اعصاب کا مالک تھا' کیوں کہ اتنی عمر میں اگر کسی اور شخص کا بی پی اتنا زیادہ ہائی ہوجائے تو اس کے ساتھ کچھ بھی ہوسکتا تھا لیکن وہ مسلسل بول رہا تھا اور اپنے دل کی ہر بات زبان پر لارہا تھا میں چاہتا

تو فوری طور پر اس کے کمرے سے جاسکتا تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا‘ نیند کی یہ حالت اس کی زیادہ دیر کے لیے نہیں تھی بس آدھے گھنٹے کے بعد اس نے بیدار ہوجانا تھا اور تب تک اس کا بی پی بھی نارمل حالت میں آجاتا۔

میں نے ایک بار پھر اس کا بلڈ پریشر چیک کیا‘ وہ پہلے سے کم ہو گیا تھا‘ میں مطمئن ہو گیا کیوں کہ میں اسے اتنی آسانی سے مرنے نہیں دینے والا تھا ابھی تو یہ پہلا جھٹکا تھا۔ابھی تو بہت سے جھٹکے اسے اور دینے تھے میں حقیقت میں اس کا چین و سکون‘ اس کی نیند‘ اس کا فخر اور غرور و تکبر مٹی میں ملانا چاہتا تھا۔اسے ابھی بہت کچھ سہنا تھا اور زندہ رہنا تھا۔جس طرح میں آج تک سہہ رہا ہوں‘ جس طرح روشن آنٹی نے سہا اور سرمئی نے اپنا بچپن اور جوانی اپنے باپ کا نام ہی جاننے کے لیے کلس کلس کر گزاری۔تم پر بہت لوگوں کے قرض ہیں نواب سطوت! تم کس کس کا قرض اتارو گے۔تمہارے اوپر بے تحاشا لوگوں کے دکھوں کے قرض ہیں اتنے کہ انہیں چکانے کے لیے تمہیں ایسی کئی زندگیاں چاہئیں۔میں اسے چپ چاپ بستر پر پڑے دیکھ رہا تھا

اور سوچ رہا تھا پھر وقت گزاری کے لیے میں نے اس کمرے میں پھیلی چیزوں کو سمیٹنا شروع کردیا۔

...☆☆☆...

شمروز بھائی نے جس طرح کہا تھا میں نے وہی کیا‘ ای میل کا متن میں نے‘ امی نے اور شمروز بھائی نے مل کر سوچا تھا۔ہم چاہتے تھے کہ امی کی جانب سے اسے ایسی باتیں بتائی جائیں کہ وہ پچھتاوے ندامت اور شرمندگی کے بوجھ تلے ہمیشہ دبا رہے۔

بقول امی کے کہ انہوں نے نواب سطوت سے بہت ٹوٹ کر محبت کی تھی‘ اسے اپنانے کے لیے انہوں نے اپنے ایک واحد رشتے دار اپنی بڑی بہن کو بھی ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ان کی بیسٹ فرینڈ اور سوتن نفیسہ نے بھی انہیں نواب سطوت کے بارے میں کھل کے بتایا تھا لیکن وہ امی کے سامنے اتنا اچھا بن کر آتا تھا کہ امی نے ان کی باتوں کا یقین نہ کیا‘ الٹا انہیں ہی قصور وار سمجھا۔وہ سر تاپا اس کے

عشق میں ڈوب چکی تھیں۔

لیکن امی کے اس بے لوث عشق کے صلے میں نواب نے انہیں کیا دیا' وہ اپنی سابقہ جون میں لوٹ آیا' صرف ایک ظالم شوہر ایک نواب جاگیردار بن کر رہ گیا۔اسے اپنے سید زادہ ہونے کا بہت غرور تھا۔

ایسے ہوتے ہیں سید زادے... امی نفرت سے کہتیں... بدکار... ظالم اور شرابی۔ایسے نام نہاد سید زادوں سے تو شریف اور باکردار موچی اور چمار اچھے۔

میں شدت سے منتظر تھی کہ کب شمروز بھائی کی کال آئے اور میں یہ ای میل تھروکروں بالآخر ایک دن شمروز بھائی نے مجھے فون کرکے کہا کہ میں اپنا کام کردوں۔

اس وقت میں اپنے آفس میں ہی تھی اور ایک اہم اسمائمنٹ کے لیے باہر نکلنے ہی والی تھی کہ شمروز بھائی کی کال آگئی اور میں نے جلدی جلدی یہ کام کیا اور اپنا روم لاک کرکے کیمرہ مین راشد اور اپنی ٹیم کے ہمراہ نیو ٹاؤن کے تھانے پہنچ گئی۔

وہاں لوگوں کا بے تحاشا رش تھا' ان دنوں شہر میں دن دیہاڑے ڈاکوؤں کا راج تھا' وہ کسی بھی دکان اور مکان کو دھڑلے سے لوٹ کر فائرنگ کرتے ہوئے فرار ہوجاتے بعض اوقات اگر کوئی مزاحمت کرتا تو بلا جھجک اسے گولی مار دیتے اور ہماری پولیس ہمیشہ کی طرح ناکام رہتی' نا ڈاکو پکڑے جاتے اور نا قاتل۔

اس کے علاوہ شہر میں بھتہ خوری کی وارداتیں بھی زور پکڑ چکی تھیں۔غنڈوں اور بدمعاشوں کے گروہ کا ایک بندہ آتا اور دکان دار کو پرچی دیتا' جس پر رقم کا اماؤنٹ تحریر ہوتا تھا۔دکان دار خاموشی سے یہ رقم ادا کردیتے کیوں کہ وہ یہ بات جانتے تھے کہ اگر انہوں نے بھتے کی یہ رقم ادا نہ کی تو دوسرے دن یا تو رات کو ان کی دکان کو آگ لگادی جائے گی یا پھر ڈاکو دندناتے ہوئے آئیں گے دکان لوٹیں گے اور ساتھ ہی دکان دار کو بھی ہلاک کر جائیں گے۔

یہ کیس بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی یہاں بے تحاشا رش تھا' نوجوانوں میں بڑا اشتعال تھا' اگرچہ چند بزرگ حضرات انہیں روکنے کی کوشش

کر رہے تھے لیکن وہ کسی کے سمجھانے سے سمجھ نہیں رہے تھے‘ میں لوگوں کی بھیڑ کو چیرتے پھاڑتے ان مشتعل نوجوانوں کے قریب چلی گئی۔

ان میں ایک لڑکا جو شکل سے پڑھا لکھا دکھائی دے رہا تھا‘ بزرگوں کے سمجھانے سے مان گیا اور کہنے لگا۔

”دیکھو توڑ پھوڑ کرنے اور جلاؤ گھیراؤ کرنے سے ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ہم پر امن احتجاج کرتے ہیں‘ نماز جنازہ پڑھانے کے بعد ہم جنازے کو دفنانے سے پہلے یہاں دوبارہ لائیں گے اور تھانے کے سامنے جا کر احتجاج کریں گے۔“

”تو کیا ہم میت کی بے حرمتی کریں گے؟“ ایک نوجوان نے بھڑک کر کہا۔

”دیکھو میرے بھائی ! اس میں جمیل بھائی کی بے حرمتی نہیں ہے‘ اس طرح کرنے سے ان کے قاتل پکڑے جائیں گے اور ان کی روح کو سکون ملے گا۔ ورنہ یہ سارے لڑکے اتنے زیادہ مشتعل ہیں کہ وہ یہاں ہنگامہ کریں گے‘ توڑ پھوڑ کریں گے جلاؤ گھیراؤ کریں گے۔“

یہیں قریب میں ایدھی کی ایمبولینس میں دکان دار جمیل کی ڈیڈ باڈی رکھی تھی جو انہوں نے پولیس سے حاصل کی تھی اور ابھی گھر نہیں لے گئے تھے۔

اسی اثناء میں مرحوم جمیل کے گھر اور خاندان کے دیگر افراد بھی وہاں آ گئے‘ وہ میت کو تھانے لے جانے سے انکار کر رہے تھے لیکن وہاں موجود دوسرے مشتعل افراد جن میں مارکیٹ کے دوسرے دکان دار بھی شامل تھے ان کے سخت دباؤ میں آ کر وہ بھی مان گئے۔

ہمارے علاوہ وہاں دیگر نیوز چینل کے بھی نمائندے تھے۔میں نے وہاں موجود ایک نوجوان لڑکے کو جو بہت اچھل رہا تھا‘ اپنے قریب بلایا اور اس سے ساری بات معلوم کرنے کا فیصلہ کیا‘ میں نے اپنے کیمرہ مین کو اشارہ کیا اس نے کیمرہ اسٹارٹ کیا اور میں نے مائک سنبھال لیا اور اس سے بات شروع کی‘ میری لائیو رپورٹ چینل پر نشر ہو رہی تھی۔

اس کے بعد جنازہ اٹھا کر میت گاڑی میں رکھا گیا اور قبرستان کی جانب تدفین کے لیے روانہ ہو گیا لیکن اب بھی بہت سے شرپسند ایسے تھے جو اس ساری صورت حال سے مطمئن نہیں تھے۔

ان کی دیکھا دیکھی بہت سے لوگ کہیں سے آگئے اور انہوں نے تھانے کی عمارت پر ہلّہ بول دیا' پولیس والے اپنی جانیں بچارہے تھے' ایس پی اور جنازہ وہاں سے روانہ ہوچکا تھا اور اب یہ ہنگامہ شروع ہوا تھا۔

پولیس نے لوگوں کو منتشر کرنے کے لیے ہوائی فائرنگ کی۔عجیب افراتفری مچی ہوئی تھی ادھر سے لوگ پتھراؤ کررہے تھے' اُدھر سے پولیس شیلنگ کررہی تھی پھر ان لوگوں میں سے کسی نے فائرنگ

شروع کردی' جس کے نتیجے میں مزید کئی افراد زخمی ہوگئے۔دو افراد زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے موقع پر ہی جاں بحق ہوگئے اور لوگوں نے نعرے لگانے شروع کردیئے کہ پولیس نے براہ راست فائرنگ کرکے بے گناہ احتجاجیوں کو مار دیا ہے۔

شدید پتھراؤ کے نتیجے میں ایک پتھر میری ٹانگ پر آکر لگا اور میں تکلیف کی شدت سے بیٹھ گئی' میرے ٹخنے میں شدید چوٹ آئی تھی' میرے ساتھیوں نے مجھے وہاں سے نکالا اور لاکر گاڑی میں بٹھایا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں نے وہاں سے جانے سے انکار کردیا جب ہی رمضانی صاحب کی کال آگئی کہ تم واپس آجاؤ میں حشام کو وہاں بھیج رہا ہوں' میرا پاؤں سوجنا شروع ہوگیا تھا تکلیف اتنی تھی کہ میں پاؤں زمین پر رکھ نہیں پارہی تھی ناچار کیا کرتی مجھے مجبوراً واپس آنا پڑا۔

نیوز چینل واپس آتے ہوئے ہم نے سڑکوں پر کئی گاڑیاں موٹر سائیکلیں اور دکانوں کو جلتے ہوئے دیکھا۔

میں سوچ رہی تھی کہ سوگواران تو اپنے پیارے کو دفنانے اور فاتحہ پڑھنے کے لیے قبرستان میں ہیں پھر یہ کون لوگ ہیں جو یہ جلاؤ گھیراؤ اور توڑ پھوڑ کررہے ہیں؟ یقیناً ہمارے ملک میں کچھ ایسی نادیدہ قوتیں ہیں جو اس قسم کے حادثات اور واقعات سے فائدہ اٹھا کر ملک کی صورت حال اور اس کا سکون برباد کررہے ہیں آخر ان لوگوں کے پیچھے کن لوگوں کا ہاتھ ہے؟ کون لوگ ہیں یہ؟

کیا ''را'' والے ہیں کیا موساد والے؟ یہودی اور نصرانی قوتیں تو ازل سے مسلمانوں کے پیچھے پڑی ہیں اور آج تک انہوں نے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا۔

پاکستان جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا وہ کیسے اسے اس کی بنیادوں پر کھڑا رہنے دیں گے۔ بھارت نے اپنی فلموں اور ڈراموں کے ذریعے ہماری نوجوان نسل کو تباہ کیا تو یہودی اور نصرانی طاقتوں نے اندرونی طور پر لسانی اور فرقہ پرستی کی بنیاد ڈالی اور ہمیں آپس میں لڑوا کر ختم کرنا چاہا لیکن جب تک اس پاکستان میں ایک بھی سچا مسلمان اور محب وطن پاکستانی موجود ہے یہ ساری طاغوتی قوتیں مل کر بھی اس پاکستان کو تباہ نہیں کرسکتیں۔جیت ہمیشہ حق کی ہوتی ہے اور آج بھی ہوگی' ان شاء اللہ۔

میں آنکھیں بند کیے یہ ساری باتیں سوچ رہی تھی کہ گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی ہم اپنے آفس پر پہنچ چکے تھے۔

میں بہ مشکل گاڑی سے اتری باہر ہی میرے گرد بہت سے ساتھی جمع ہوگئے۔ میری نگاہیں حشام کو تلاش کررہی تھیں پوچھنے پر پتا چلا کہ وہ اسٹاپ پر گیا ہے جہاں یہ ساری ہنگامہ آرائی ہورہی ہے' خبر یہ ملی کہ وہاں لوگوں اور پولیس والوں میں مورچہ بند مقابلہ اور فائرنگ شروع ہوچکی ہے' میں حشام کو لے کر

تھوڑی فکر مند ہوئی لیکن پھر دل ہی دل میں اسے اللہ کی امان میں دے کر مطمئن ہوگئی۔

رمضانی صاحب نے مجھے فوراً اسپتال جانے اور پھر گھر جانے کا آرڈر دے دیا میرے پاؤں میں اتنی تکلیف تھی کہ میں کار خود ڈرائیو نہیں کرسکتی تھی۔

وہاں سے حماد مجھے لے کر اسپتال آیا وہ میری کار ڈرائیو کررہا تھا۔اسپتال میں میرے پاؤں کا ایکسرا ہوا' شکر تھا کہ ہڈی سلامت تھی' بس چوٹ لگنے کے باعث سوجن آگئی تھی' ڈاکٹر نے بینڈج کرکے ڈھیر ساری دوائیں کھانے کے لیے لکھ دیں۔

حماد کے ساتھ میں گھر آئی تو امی مجھے دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔

میں نے اور حماد نے انہیں تسلی دی کہ زیادہ چوٹ نہیں آئی ہے' دو تین دن آرام کروں گی تو ٹھیک ہوجاؤں گی۔

حماد کے لیے امی زبردستی چائے بنالائیں حالاں کہ وہ منع بھی کررہا تھا' وہ چائے پی ہی رہا تھا کہ اس کے سیل فون پر کال آئی۔اس نے فون سنا اور بے ساختہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔

"ارے گولی کہاں لگی ہے؟ کیسا ہے وہ؟" اس نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔

"کیا ہوا حماد! خیریت تو ہے؟" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"حشام کو گولی لگی ہے اور وہ اسپتال میں ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا...؟" میں اپنی تکلیف بھول کر بے ساختہ کھڑی ہوگئی اور ایک روح فرسا خیال کے آتے ہی میں بے ہوش ہو کر حماد کی بانہوں میں جھول گئی۔

...☆☆☆...

ساری چیزوں کو سمیٹنے کے بعد میں پھر صوفے پر بیٹھ گیا' میری نگاہیں نواب کے چہرے پر تھیں میں اس کے بیدار ہونے کا انتظار کررہا تھا' ساتھ ہی میں سرمئی کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا کہ وہ بڑی بے صبری سے میری کال کا انتظار کررہی ہوگی لیکن نواب کی نگاہوں میں اپنے نمبر بڑھانے کے لیے مجھے اس کے کمرے میں ٹھہرنا ہی تھا اس کی دیکھ بھال کرنا تھی' اس کا خیال رکھنا تھا۔

میں نے بے سدھ پڑے نواب کے جسم اور پلکوں پر ہلکی سی جنبش دیکھی تو سمجھ گیا کہ دوا کا اثر ختم ہورہا ہے اور اب یہ اپنی آنکھیں کھول دے گا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے بیڈ کے قریب کھڑا ہوگیا اور ایک بار پھر اس کا بی پی چیک کیا۔اس وقت اس کا بی پی بالکل نارمل تو نہیں تھا تھوڑا سا بڑھا ہوا تھا اور جو کنڈیشن اس کی ہوگئی تھی اس کو دیکھتے ہوئے یہ بھی بہت غنیمت تھا۔

اس نے اپنی آنکھیں پوری طرح سے کھول دیں اور خالی خالی نگاہوں سے میری جانب دیکھنے لگا۔

"اب کیسی طبیعت ہے نواب صاحب! آپ کیسا محسوس کررہے ہیں' طبیعت میں بہتری آئی؟" میں نے جھک کر اس سے نرم لہجے میں پوچھا۔

"مجھے کیا ہوگیا تھا؟" اس نے کھوئی کھوئی سی کیفیت میں سوال کیا۔

"کچھ بھی تو نہیں' بس ذرا سا بی پی بڑھ گیا تھا میں نے آپ کو انجکشن دے دیئے تھے تاکہ آپ بہتر محسوس کریں۔آپ کے سر میں بھاری پن یا چکر تو نہیں محسوس ہورہے ؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں سر میں ہلکا سا بھاری پن ہے۔" اس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہوجائے گا' میں آپ کے لیے جوس منگواتا ہوں۔" میں نے کہا اور اٹھ کر جانے لگا تو اس نے مجھے آواز دی۔

"ٹھہرو شمروز! ادھر آؤ میرے پاس۔"

تو میں دوبارہ اس کے نزدیک چلا گیا۔

"شکریہ!" اس نے انسانیت کے جامے میں رہتے ہوئے ممنونیت سے کہا۔

"کس بات کا شکریہ نواب صاحب! یہ تو میرا فرض ہے۔ آپ کو اندازہ ہی نہیں کہ آپ میرے دل میں کیا مقام رکھتے ہیں اور آپ کا دست شفقت میں اپنے لیے کتنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اللہ نہ کرے کہ آپ کو کچھ ہو' آپ کے لیے تو یہ جان بھی قربان ہے۔" میں نے یہ الفاظ اتنے جذباتی انداز میں کہے کہ نواب جیسا جہاندیدہ اور تیز نگاہ رکھنے والا شخص بھی میری اداکاری کے جھانسے میں آگیا اس نے میرا ہاتھ تھام لیا اور بولا۔

"میری نگاہ التفات یوں ہی تو تمہارے اوپر نہیں ٹھہری تھی۔ میں نے تمہارے اندر چھپے ہوئے ایک وفادار انسان کو پہلی ہی نگاہ میں پہچان لیا تھا۔"

"یہ تو آپ کی ذرّہ نوازی ہے نواب صاحب! ورنہ میں تو ایک حقیر سا بندہ ہوں' جس کے اوپر آپ نے نظر عنایت کی ہے۔" میں نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

"اچھا تم ایسا کرو کہ عنایت حسین کو بلوالو' میرے کھانے پینے کا خیال وہی رکھتا ہے۔" نواب نے ایک نئے شخص کا نام لیا' جس سے اتنے دن اس کوٹھی میں رہنے کے باوجود میں ناواقف تھا۔

"کہاں ملے گا عنایت حسین؟" میں نے پوچھا۔

"میرے موبائل میں اس کا نمبر ہے' تم کال کرکے یہاں بلوالو اور اسے میرے کھانے کی ہدایت دے دو۔ جو تم کہو گے وہ بنالائے گا۔" نواب نے اپنے سیل فون کی جانب اشارہ کیا تو میں نے اس کے سیل فون سے عنایت کا نمبر دیکھ کر اسے کال کرکے کہا کہ وہ نواب صاحب کے روم میں آجائے۔

اگلے تین منٹ بعد ہی عنایت حسین آگیا۔ وہ ایک جوان اور جسیم جسامت کا حامل شخص تھا۔

"آپ نے یاد فرمایا نواب صاحب!" اس نے ہاتھ باندھ کر اور سر جھکا کر کہا۔

"ہاں دیکھو یہ تمہیں میرے کھانے کے نئے شیڈول کے بارے میں بتائیں گے ان کی بات غور سے سنو۔" نواب نے میری جانب اشارہ کیا تو وہ میری جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا پھر میں نے نواب کے لیے اس کے کھانوں کا دن بھر کا چارٹ اس کے حوالے کیا اور فوری طور پر جوس لانے کے لیے کہا۔

"یار تم نے نمک بند کرکے اچھا نہیں کیا' مجھ سے پھیکا کھانا نہیں کھایا جائے گا۔" اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"ایسا ہمیشہ کے لیے نہیں ہے' بس ذرا آپ کی طبیعت ٹھیک ہوجائے پھر آپ اپنی مرضی کا کھانا کھایئے گا۔" میں نے نرم لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا تو نواب بیڈ کے سرہانے تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا' وہ بالکل خاموش تھا اور کچھ سوچ رہا تھا میں نے اسے ڈسٹرب نہیں کیا اور اسے سوچنے دیا' میں جانتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا تھا۔میں خاموشی سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔اس کے نقوش کبھی بگڑنے لگتے' کبھی پیشانی پر ڈھیروں بل آجاتے پھر اس کے

چہرے پر ایک بار سرخی آنی شروع ہوگئی اور وہ تیز تیز سانسیں لینے لگا تب میں بولا۔

"آپ پھر کوئی فضول بات سوچ رہے ہیں' دیکھیں آپ کا بی پی پھر بڑھنے لگے گا۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔" پہلی مرتبہ میں نے اس کے چہرے پر لاچاری کے تاثرات دیکھے۔

اور اس سے پہلے کہ میں کوئی بات کرتا' عنایت حسین جوس لے کر آگیا' میں نے اس کے ہاتھ سے جوس لے کر اسے جانے کا اشارہ کیا اور کہا رات آٹھ بجے نواب صاحب ڈنر کریں گے۔

"نہیں رہنے دو' میرا کھانے کے لیے دل نہیں چاہ رہا۔" نواب نے کہا۔

"کھانا آپ کے لیے ضروری ہے نواب صاحب!" میں نے اسے سمجھایا۔"تم جاؤ اور ٹھیک آٹھ بجے ڈنر لے آنا۔" میں نے عنایت حسین سے کہا تو وہ چلا گیا۔

"تم تو سچ مچ میرے ڈاکٹر بن گئے ہو۔" اس نے زخمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"یہ بھی آپ کی عنایت ہے نواب صاحب! کیوں کہ یہ بات بھی صرف میں ہی جانتا ہوں کہ آپ کی اچانک طبیعت کے بگڑنے کا سبب کیا ہے' کسی اور کو یہ بات تھوڑی بتائی جاسکتی ہے۔" میں نے لگاوٹ کا مظاہرہ کیا۔

"میں تم پر بہت اعتبار کررہا ہوں' مجھے امید ہے تم میرا اعتبار کبھی نہیں توڑو گے۔" اس نے دوبارہ نواب سطوت کے روپ میں آکر تنبیہ کے انداز میں کہا۔

"آپ کا خادم ہوں سر!" میں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو خم دیتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے ایک مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے' اس ذلیل عورت نے میرے ساتھ بہت بڑا کھیل کھیلا ہے' اس نے نواب سطوت کو نیچا دکھانے کی' ہرانے کی کوشش کی ہے۔" نواب نے قہر آلود لہجے میں کہا۔

"اس کائنات کا نظام ہے سر!" میں اتنا کہہ کر رک گیا تو نواب چونک کر میری جانب دیکھنے لگا۔

"ہمیشہ جیتنے والوں کو بھی کبھی نہ کبھی مات ضرور ہوتی ہے' ہم انسان ہیں اور کبھی کبھی تو چیونٹی بھی پاؤں میں دب کر کاٹ لیتی ہے۔روشن آراء بیگم کو بھی آپ نے چیونٹی سمجھ کر اپنے قدموں تلے دبایا تھا' اس نے بھی کاٹ لیا۔" میں نے کہا۔

"تو اب اس کا علاج کس طرح کیا جائے؟" اس نے زچ ہونے کے انداز میں کہا۔

"آپ اپنے چچا زاد بھائی لودھی کے ہاں معلوم کروائیں کہ کیا واقعی روشن آراء بیگم اسی کے پاس ہیں' اگر ایسا ہے تو پھر ہم کوئی ڈیل کرسکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"لیکن میں ان دونوں میں سے کسی سے بھی ڈیل نہیں کروں گا۔مجھے روشن آراء چاہیے زندہ یا مردہ۔میں اسے اپنے قدموں میں دیکھنا چاہتا ہوں۔زندہ یا مردہ دونوں حالتوں میں اپنے ہاتھوں سے اس کے سینے میں چھ گولیاں اتاروں گا۔" نواب نے بگڑ کر کہا۔

"اس سے کیا ہوگا روشن آراء اگر مر بھی گئی تو اس سے آپ کا مسئلہ تو حل نہیں ہوگا۔آپ کا اصل مسئلہ تو اپنے بچوں کی تلاش ہے' انہیں آپ کہاں تلاش کریں گے۔ہاں ایک کام ہوسکتا ہے کہ آپ اس سرمئی بائی کو تلاش کریں۔" میں نے کہا تو وہ میری بات کاٹ کر بولا۔

"لیکن سرمئی کے بارے میں اس نے بتایا ہے کہ وہ تو مرچکی ہے۔"

"آپ بُرا نہ مانیں تو ایک بات پوچھوں۔" میں نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"سرمئی بائی کا کیا چکر ہے؟ وہ کس طرح آپ کے خلاف روشن آراء کے ساتھ مل گئی۔" میں نے پوچھا۔

"بس یار! یہ بھی ہماری جوانی کی ایک بھول تھی۔" اس نے ایک ٹھنڈی اور گہری سانس لیتے ہوئے کہا پھر بولا۔"سرمئی اتنی حسین عورت تھی کہ شاید اپنی ساری لائف میں' میں نے اس سے زیادہ حسین عورت نہیں دیکھی۔اس پر میرا دل آگیا تھا وہ بھی مجھے چاہنے لگی تھی' میں نے اس سے کہا کہ تم محفل سجانا چھوڑدو تو اس نے میری خاطر یہ کام چھوڑ دیا اور خود کو صرف میرے لیے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

وقف کردیا' وہ چاہتی تھی کہ میں اس سے نکاح کرلوں لیکن میں ایسا نہیں چاہتا تھا نکاح اور وہ بھی ایک طوائف سے۔ایسا تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا میں اس کی جوانی سے کھیلنا چاہتا تھا' میں نے اسے بہت لالچ دیئے' بہت مال و متاع دیتا رہا۔باغات اور زمینیں دیں لیکن وہ بغیر نکاح کے اس بات کے لیے تیار نہیں ہوئی۔یہ اس دور کی بات ہے جب روشن آراء سے میں نے نکاح کیا تھا اور اسے لاہور میں ایک بنگلے میں رکھا ہوا تھا۔سرمئی کو ملنے کے لیے میں ایک دوسرے بنگلے میں بلوایا کرتا تھا۔

میں سوچتا تھا کہ میں نے سرمئی کو اتنا کچھ دیا ہے' مزید کچھ اور دوں گا کبھی نہ کبھی تو وہ مانے گی۔" لیکن اتنا کہہ کر وہ ٹھہر گیا اور گہری گہری سانسیں لینے لگا' بالکل ایسے جیسے دور سے پیدل چلتا ہوا آرہا ہو۔

ذرا دیر دم لینے کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوا۔

"لیکن مجھے ایک صاحب نے دبئی بلوایا تھا' میرے بہت اچھے دوست ہیں ان کے شغل بھی ہمارے جیسے تھے' ان کے پاس انڈیا سے ایک لڑکی آئی تھی اس کا پیغام آیا کہ نواب صاحب آجائیں ایک ایسا گوہر نایاب ہاتھ لگا ہے کہ

آپ دیکھیں گے تو پھڑک جائیں گے۔میں نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے اور یہ قیمتی تحفہ آپ کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔

ان دنوں میں سرمئی کے حصول کے لیے ویسے ہی بے تاب ہورہا تھا اور وہ مان نہیں رہی تھی۔بس اس کا فون آیا تو میں بے تاب ہو کر دبئی چلا گیا۔ پندرہ سولہ سالہ رکمنی حقیقت میں گلاب کی ادھ کھلی کلی تھی مگر انتہائی حیرت انگیز بات تھی کہ اس پندرہ سولہ سالہ رکمنی کے اندر اللہ جانے کیسی آگ بھری تھی کہ میں اسے چھو کر سب کچھ بول گیا۔

گیا تو میں چند دنوں کے لیے تھا لیکن رکمنی کا نشہ میرے اوپر اتنا زیادہ چڑھا کہ میں یہ بھی بھول گیا کہ روشن آراء کی ڈیلیوری ڈیٹ بھی آنے والی ہے۔

وہ تو جب میرے پاس روشن آراء کے غیاب کی اطلاع پہنچی تو میں فوراً آ گیا۔ گارڈ کو میں نے سزا کے طور پر مروادیا' عشرت بھی مل گئی لیکن وہ بھی روشن آراء کے بارے میں کچھ نہ بتاسکی۔اس نے اس وقت سچ ہی بولا تھا کہ روشن آراء اور وہ بنگلے سے نکل کر علیحدہ ہوگئے تھے میں نے اسے سزا کے طور پر اپنی حویلی میں قید کروادیا تھا۔وہ بھی چند ماہ بعد ہی مرگئی تھی۔

روشن آراء کی تلاش میں' میں نے سرمئی کو بھی فراموش کردیا اور روشن آراء جو نہ جانے کہاں غائب ہوگئی تھی مجھے اس کا کوئی اتاپتا نہ ملا کاش اس وقت مجھے سرمئی کا خیال آجاتا۔

دونوں نے مل کر مجھ سے انتقام لیا تھا جب سرمئی کا پتا کرایا تو اس کا کوٹھا بھی ویران پڑا تھا اور کسی کو کچھ نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں غائب ہوگئی' تھک کر میں نے روشن آراء اور سرمئی دونوں پر لعنت بھیج دی۔میں تو ان دونوں کو تقریباً بھول ہی گیا تھا۔

حالاں کہ میں پچھلے دس سالوں سے کراچی میں مقیم ہوں لیکن روشن آراء کے بارے میں خیال ہی نہیں آیا کہ وہ بھی کراچی میں ہوسکتی ہے' اتفاق سے کسی کے ذریعے سے میرے ایک آدمی کو اس کے بارے میں خبر ملی کہ وہ کراچی کی ایک نواحی بستی میں موجود ہے' میں نے تمہیں بھیجا بھی لیکن...'' اتنی ڈھیر ساری باتیں کرکے وہ بہت تھکن سی محسوس کرنے لگا۔اے سی کی ٹھنڈک کے باوجود اس کی پیشانی پسینے سے تر ہورہی تھی۔وہ بے حد پریشان ہورہا تھا۔

"میرے ذہن میں تو یہی خیال آرہا ہے کہ آپ کسی قابل اعتبار بندے کو اس کام پر لگادیں کہ وہ کراچی میں یا لاہور میں جتنی بھی ایسی جگہیں ہیں وہاں جا کر آپ کی شکل سے ملتی جلتی شکل کے بندے یا پھر اس لڑکی کی تلاش کریں۔" میں نے کہا۔

"پاگل ہوگئے ہو' میں یہ بات کسی سے بھی نہیں کرسکتا۔کسی کو بھی یہ بات بتانے کا مطلب سمجھتے ہو تم۔اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارنا۔" اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تو پھر..." میں نے کہا۔

"تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ یہ کام تم اپنے ذمہ لے لو۔مجھے یقین ہے تم یہ کام بھی کرلو گے اور یہ راز کسی دوسرے کے علم میں بھی نہیں آئے گا۔" نواب نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"میں سر...؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں تم... میرا یہ کام صرف تم ہی کرسکتے ہو اور مجھے پورا یقین ہے کہ اگر وہ دونوں پاکستان میں موجود ہیں تو تم انہیں تلاش کرلو گے اگر تم انہیں

ڈھونڈ نکالو تو سیدھے میرے پاس لے کر آنا اور شمروز! اگر تم نے یہ کام کردیا تو میں تمہیں اتنا مالا مال کردوں گا کہ جس کا تم اندازہ بھی نہیں لگاسکتے۔"

"ٹھیک ہے نواب صاحب! آپ کی خاطر میں کراچی تو کیا پاکستان کے تمام بالا خانوں کی خاک چھان لوں گا لیکن آپ کو بھی ایک بات کا دھیان رکھنا ہوگا۔" میں نے آخری جملہ اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا...؟" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"آپ کا کہنا ہے کہ آپ مجھ پر اعتبار کرتے ہیں' بھروسہ کرتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے آج اور ابھی اگر میں اپنے کسی بھی کام سے باہر جاؤں گا تو آپ کا کوئی نہ کوئی بندہ میرے پیچھے لگ جائے گا' میں سب جانتا ہوں سر! بعض دفعہ تو مجھے اس بات پر اتنا افسوس بھی ہوتا ہے کہ میں ابھی تک آپ کا اعتماد نہیں جیت سکا ہوں لیکن پھر یہ سوچ کر رہ جاتا ہوں کہ میں ہوں تو آپ کا ایک ادنیٰ خادم ہی ناں اور ہم جیسے بے حیثیت لوگ چیونٹی سے بھی حقیر ہوتے ہیں۔" میں نے گہری اداسی بھرے لہجے میں کہا۔

میری بات سن کر نواب خاموش ہوگیا پھر بولا۔

”اچھا چلو جو ہوا اس کو بھول جاؤ۔ تم یہ بات اچھی طرح سے جانتے ہو کہ میرے دوست کم اور دشمن زیادہ ہیں۔ اس لیے کوئی اپنے آپ کو قابل بھروسہ ثابت کرے اس کے لیے بڑی کسوٹی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن خیر اب سے آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ میں نے تم پر بھروسہ ہی تو کیا ہے جب ہی اتنا بڑا اور اہم کام تمہارے سپرد کررہا ہوں۔ اب تم آزاد ہو اب کوئی تمہارے پیچھے نہیں آئے گا۔“

”یہ بات میں صرف اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اگر میں اس کام میں لگ جاؤں گا تو دوسروں کو ضرور تشویش ہوگی کہ میں یہ کام کیوں اور کس کے لیے کررہا ہوں پھر آپ کی نگاہ میں اپنے نمبر بڑھانے کے لیے وہ اس بات کی کھوج لگائیں گے اور پھر یہ کام خفیہ نہیں رہے گا۔ ورنہ مجھے کوئی اعتراض اور ڈر و خوف نہیں ہے کہ کوئی میری مخبری نہ کرے جو چور ہو وہی ڈرے گا اور نہ تو میں چور ہوں اور نہ ہی دھوکے باز۔ آپ مالک ہیں، جیسا چاہیں کریں۔“ میں نے کہا۔

”ٹھیک ہے تم بے فکر ہو کر اپنا کام کرو، میں تمہارے لیے ایک گاڑی کا کہہ دیتا ہوں اور اخراجات کے لیے جتنی رقم کی ضرورت ہو وہ تم شہباز سے لے سکتے ہو۔ گاڑی کا انتظام بھی وہی کرے گا۔ میں تمہارے کمرے میں شہباز کو بھیج دوں گا۔“ نواب نے کہا۔

”اچھا سر یہ بتائیں کہ اس ای میل کا کوئی جواب دینا ہے کہ نہیں۔“ میں نے کہا۔

”تم ہی بتاؤ جواب دیا جائے یا نہیں اور اگر جواب دیا جائے تو کیا دیا جائے۔“ نواب کو اس وقت دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اپنی ساری عقل و فراست بھول چکا ہے، سرمئی کی اس ای میل نے حقیقت میں اسے چاروں خانے چت کردیا تھا۔

”میرا تو مشورہ یہ ہے کہ سر ہمیں اس ای میل کا کوئی جواب دینا ہی نہیں چاہیے، وہ یہ سمجھیں گی کہ آپ نے ان کی ای میل کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا ہے، اس لیے خود بھی خاموش ہو کر بیٹھ جائیں گی۔ اگر آپ نے جواب دیا تو

اسے وہ اپنی کامیابی تصور کریں گی، ہم اپنا کام خاموشی سے کرتے رہیں گے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟" اپنا مشورہ دینے کے بعد میں نے اس کا خیال پوچھا۔

"بات تو تم نے بالکل ٹھیک کی ہے، اس الو کی پٹھی نے میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی سلب کرلی ہے، واقعی میری خاموشی سے اس کا یہ بڑھا حوصلہ پست ہوجائے گا۔" نواب نے میرے مشورے کو پسند کیا اور سراہا۔

ہمیں پتا ہی نہیں چلا اور آٹھ بج گئے۔عنایت حسین ڈنر ریڈی ہے کی اطلاع لے کر آگیا تو میں نے اس سے اجازت مانگی اور چلتے چلتے اسے تاکید کی کہ اب اس کی ساری ٹینشن میں نے لے لی ہے اور اسے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور یہ بھی کہ وہ ڈنر کرکے دوائیں لے اور آرام سے سو جائے، میں نے اس کی دوائیں ٹیبل پر رکھیں اور اسے یہ اطمینان دلا کر اپنے کمرے میں لوٹ آیا کہ میں کل سے ہی اپنا کام شروع کردوں گا۔

نواب سے رخصت ہوکر میں اپنے کمرے میں آیا لیکن میں شہباز کا انتظار کرنے لگا کہ وہ میرے پاس سے ہو کر چلا جائے تب میں اطمینان سے سرمئی سے بات کروں۔

لیکن شہباز کے آنے سے پہلے میرا ڈنر بھی آگیا۔میں ڈنر کر رہا تھا تو شہباز آگیا اس نے ایک کرولا کی چابی میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا کہ آج سے یہ تمہارے استعمال میں رہے گی، اس کے ساتھ ہی اس نے ایک براؤن کلر کا بھاری لفافہ میرے حوالے کیا کہ اس میں میرے استعمال کے لیے رقم ہے۔

میں نے اس سے دونوں چیزیں لے کر اس کا شکریہ ادا کیا تو اس نے اپنا سیل فون نمبر مجھے دیتے ہوئے کہا کہ نواب صاحب کی ہدایت ہے کہ تمہیں کسی بھی چیز کی ضرورت ہو یا مزید رقم کی ضرورت ہو وہ تم مجھے بتاسکتے ہو۔

میں نے ایک بار پھر اس کا شکریہ ادا کیا تو وہ مسکراتا ہوا میرے روم سے چلا گیا۔میں نے اپنا ڈنر ختم کیا۔

ملازم کھانے کی ٹرالی لے کر چلا گیا تو میں نے چائے کی فرمائش کردی۔ چائے پی کر فارغ ہوا تو میں نے اپنا روم لاک کیا اور پھر سرمئی کا نمبر ملایا۔

سرمئی کا فون مسلسل بج بج کر بند ہورہا تھا اور وہ فون ریسیو نہیں کررہی تھی۔ کئی بار ایسا ہونے کے بعد میں پریشان ہوگیا کہ کیا کروں، سرمئی تو بے قراری سے میرے فون کا انتظار کررہی ہوگی، ایسا کیا ہوا ہے کہ وہ فون ہی نہیں ریسیو کررہی، ایسا بھی نہیں ہوسکتا کہ اس نے اپنا سیل فون کہیں اور رکھ دیا ہو اور خود کہیں اور بیٹھی ہو پھر خیال آیا کہ ہوسکتا ہے کہ وہ ڈرائیو کررہی ہو اور ٹریفک کے شور میں وہ فون کی رنگ ٹون نہیں سن پارہی ہو۔

میں نے فون رکھ دیا اور عشاء کی نماز ادا کرنے کے لیے وضو کرنے لگا، نماز عشاء سے فارغ ہوا تو پھر خیال آیا کہ فون کروں، اس بار بھی ایسا ہی ہوا اور سرمئی نے فون ریسیو نہیں کیا۔ میرے پاس کوئی دوسرا نمبر بھی نہیں تھا مجھے اپنے اوپر غصہ آنے لگا کہ مجھے سرمئی کے گھر کا نمبر بھی لے لینا چاہیے تھا پھر یہ سوچ کر سونے کے لیے لیٹ گیا کہ سرمئی اپنے سیل فون پر میری اتنی مس کالز دیکھے گی تو خود ہی فون کرے

گی۔

میں سونے لیٹا تو اپنے آپ کو ذہنی طور پر بہت ہلکا پھلکا محسوس کررہا تھا، آج میں نے ایک بہت بڑی کامیابی حاصل کرلی تھی۔ ایک نہیں بلکہ دو دو کامیابیاں۔ ایک تو یہ کہ میں نواب کو ایک بہت بڑا دھچکا دینے میں کامیاب رہا تھا، دوسرا اس کا اعتماد جیتنے کا۔ اب میں آزاد تھا، اپنی مرضی سے کہیں بھی جاسکتا تھا لیکن ہزار آزادی کا احساس سہی، مجھے ہر حال میں محتاط رہنا تھا، اس لیے کہ ہم ڈاکٹرز کا مقولہ ہے کہ ”احتیاط علاج سے بہتر ہے۔“

میں نے سونے سے پہلے فیصلہ کیا کہ کل میں سرمئی کے گھر جاکر خیریت معلوم کروں گا اور زبانی طور پر نواب کی ساری کیفیت بتاؤں گا۔ آج مجھے بہت میٹھی اور گہری نیند آرہی تھی۔

رات کا وہ نہ جانے کون سا پہر تھا کہ جب فون کی تیز بیل سے میری آنکھ کھلی۔ میں بہت گہری نیند میں تھا اس لیے ناگواری سے فون اٹھایا اور بمشکل آنکھیں کھول کر اسکرین پر نمبر دیکھا۔

یہ سرمئی کا نمبر تھا، سرمئی کا نمبر دیکھ کر میری ناگواری پل میں دور ہوگئی اور میں نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے یس کا بٹن پش کرتے ہی کہا۔

"سب خیریت ہے ناں سرمئی! تم میرا فون کیوں ریسیو نہیں کر رہی تھیں؟"

"کچھ ٹھیک نہیں ہے شمروز بھائی! آپ نے نیوز نہیں دیکھیں کیا؟" مجھے سرمئی کی آنسوؤں میں بھیگی بھیگی آواز سنائی دی۔

"نہیں! میں نے نیوز نہیں دیکھیں؟ دراصل تمہاری ای میل نے بڑا زبردست کام کردیا ہے، تم سنو گی تو..."

"دفع کریں آپ اس ای میل کو۔" سرمئی نے روتے ہوئے کہا تو میں خاصا پریشان ہوگیا اور کہا۔

"جلد بتاؤ گڑیا! کیا ہوا ہے، تم رو کیوں رہی ہو؟"

"بھائی! حشام کو گولی لگی ہے وہ شدید زخمی ہے اور اسپتال میں ہے۔"

...☆☆☆...

ہوش میں آکر میں نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو سب کے درمیان گھرا ہوا پایا، امی، بابا، اماں اور حماد۔ سب ہی کے چہروں سے پریشانی ہویدا تھی۔ میں چند لمحوں تک خالی ذہن سے ان سب کے چہروں کو دیکھتی رہی، ذہن میں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

جیسے ڈھیر ساری دھند سی چھائی ہوئی تھی۔ تب ہی امی کی نرم اور میٹھی آواز میرے کانوں میں آئی۔

"کیسی ہو میری بچی؟"

اور پھر مجھے سب کچھ یاد آگیا۔ خاموش کھڑے حماد پر نگاہ پڑی تو مجھے حماد کے وہ دل خراش الفاظ یاد آگئے اور میں ایک چیخ مار کر تیزی سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور حماد کی جانب متوحش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"حشام زندہ تو ہے؟"

"اللہ سے خیر کی دعا مانگو، کتنی مرتبہ سمجھایا ہے کہ ہمیشہ منہ سے اچھے الفاظ نکالا کرو، اللہ اسے زندگی دے۔ وہ ٹھیک ہوجائے گا۔" اماں نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ حماد ہنوز خاموش تھا۔

"میں تم سے پوچھ رہی ہوں حماد! تم چپ کیوں ہو جواب کیوں نہیں دیتے؟" میں نے اپنے پاؤں کی تکلیف کی پروا نہ کرتے ہوئے اسے دیوانوں کی مانند جھنجوڑ ڈالا۔

”پتا نہیں وہ کیسا ہے؟ وہاں جاؤں گا تو پتا چلے گا۔فی الحال تو ہم سب تمہارے چکر میں لگ گئے‘ تم تو حشام کے گولی لگنے کی خبر سنتے ہی اس طرح بے ہوش ہو گئیں جیسے...“ حماد نے بے پروا لہجے میں کہا اور آخری الفاظ معنی خیز لہجے میں ادا کیے۔اب مجھے احساس ہوا کہ حماد میرا کولیگ ہے اور میرے کولیگ میں سے کوئی میرے اور حشام کے اس دلی رشتے کے بارے میں نہیں جانتا تھا بلکہ ان سب نے تو مجھے ہمیشہ حشام سے لڑائی جھگڑا کرتے اور اسے ہمیشہ فضول قسم کی دھمکیاں دیتے ہوئے سنا تھا۔

”تو کیا ہوا وہ ہمارا کولیگ ہے‘ ہم ساتھ کام کرتے ہیں۔کسی کے بارے میں بھی ایسی تشویشناک خبر سن کر میرا یہی حال ہوگا۔“

”میرے بارے میں بھی۔“ حماد نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

”تم فضول باتیں چھوڑو‘ میں خود طلال انکل سے بات کرتی ہوں۔“ میں نے اس کا معنی خیز جملہ نظر انداز کرتے ہوئے کہا اور جلدی جلدی طلال انکل کا نمبر ملانے لگی۔

طلال انکل نے میری پہلی ہی بیل پر فون ریسیو کرلیا‘ میرے بولنے سے قبل ہی وہ بول اٹھے۔

”سرمئی بیٹی!“ لہجہ بہت شکستہ اور افسردہ تھا۔

”انکل! حشام کیسا ہے؟ وہ زیادہ زخمی تو نہیں ہے ناں۔اس کو کتنی گولیاں لگی ہیں؟ گولیاں کہاں کہاں لگی ہیں؟“ میں نے بے قرار لہجے میں ڈھیروں سوالات ایک ساتھ کر ڈالے۔

”حشام بہت زخمی ہوا ہے بیٹی! تم بہت دعا کرو کہ اللہ میرے حشام کو بچالے‘ تمہاری آنٹی کا بہت بُرا حال ہے‘ اگر ہوسکے تو تم یہاں آجاؤ۔انہیں تمہارے قرب کی تمہارے ساتھ کی بہت ضرورت ہے۔میں تو خود اتنا پریشان ہوں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ سب کیسے ہوگیا۔حشام اس وقت آپریشن تھیٹر میں ہے‘ ڈاکٹر اس کی جان بچانے کی کوشش کررہے ہیں۔“ انکل نے بہ مشکل یہ چند جملے کہے اور ان کا ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ان کی آواز رندھ گئی اورانہوں نے فون بند کردیا۔

"چلو حماد ابھی چلو... مجھے اسپتال جانا ہے۔" میں نے اپنے پیر کی تکلیف کی پروا کیے بغیر کہا۔

"تم کیسے جاسکتی ہو، تم گھر میں رکو میں اسپتال جارہا ہوں۔ وہاں سے تمہیں فون کرکے بتاتا رہوں گا، ویسے بھی تمہیں ڈاکٹر نے چلنے پھرنے سے منع کیا ہے۔" حماد نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے دوبارہ بٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"بھاڑ میں گیا ڈاکٹر اور میری تکلیف۔ مجھے ابھی اسپتال جانا ہے، دیکھو اگر تم نہیں لے کر جاؤ گے تو میں خود گاڑی ڈرائیو کرکے چلی جاؤں گی۔" میں نے ہیجان خیز لہجے میں کہا۔

"ارے بیٹا! کچھ بتاتی تو جاؤ کہ حشام بیٹا کیسا ہے؟ اے میرے مالک اس بچے پر رحم فرما۔ اسے زندگی عطا کردے میرے مولا!" اماں نے میرا کندھا ہلاتے ہوئے کہا۔

"اماں وہ بہت شدید زخمی ہے، آپ بس ڈھیر ساری دعائیں کریں۔ اس کا آپریشن ہو رہا ہے، آنٹی اکیلی ہیں اور بہت پریشان ہیں۔" میں نے چپل میں بمشکل پاؤں ڈالا اور لنگڑاتی ہوئی باہر کی جانب لپکی۔

"ارے بیٹا اس کے پیچھے جاؤ، کہیں یہ باؤلی اکیلی ہی گاڑی لے کر نہ نکل جائے۔ اے خدایا! کیا قیامت ٹوٹی ہے ان ماں باپ پر۔" اماں بھی رونے لگیں جب کہ امی بس خاموش منہ ہی منہ دعائیں پڑھ رہی تھیں۔

حماد میرے پیچھے پیچھے آیا اور بھاگتا ہوا گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا، میں بھی جلدی سے اس کے ساتھ والی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی اور سر پر دوپٹا لے کر باقاعدہ ہاتھ اٹھا کر حشام کی زندگی کے لیے دعا کرنے لگی جب سے میری طلال انکل سے بات ہوئی تھی تب ہی مجھے اس واقعے کی سنگینی کا احساس ہو گیا تھا۔

میں اتنی بے تابی سے گھر سے نکلی تھی کہ موبائل سوفے پر پڑا رہ گیا اور میں اسپتال چلی گئی۔ انکل نے مجھے اسپتال کا نام بتادیا تھا، اس لیے ہم تیزی

سے ڈرائیونگ کرتے جلد ہی اسپتال پہنچ گئے۔سارے راستے میں دعائیں مانگتی رہی، میں اللہ تعالیٰ سے کہہ رہی تھی۔

"اے میرے پیارے اللہ تعالیٰ! اب میں آپ سے اور کچھ نہیں مانگوں گی، بس آپ حشام کو زندہ رکھیں، وہ ہم سب کی جان ہے۔میری، انکل کی، آنٹی کی۔وہ نہیں رہا تو ہم سب کیسے رہیں گے۔" آج حقیقت میں مجھے احساس ہورہا تھا کہ حشام کی میری زندگی میں کیا اہمیت ہے۔

سارے راستے حماد بالکل خاموشی سے ڈرائیونگ کرتا رہا، وہ جو بھی سوچ رہا ہو میرے اور حشام کے بارے میں مجھے اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔

ہم اسپتال پہنچے تو مجھ سے گاڑی سے پاؤں نیچے نہیں رکھا جارہا تھا، پاؤں میں شدید تکلیف تھی۔میں نے اپنے جبڑوں کو ایک دوسرے کے ساتھ سختی سے بھینچ کر درد کو برداشت کیا اور حماد کے ہاتھ کا سہارا لیتے ہوئے اندر کی جانب قدم بڑھادیئے۔

"ٹھہرو میں تمہارے لیے وہیل چیئر لے آتا ہوں۔تمہیں بہت تکلیف ہورہی ہے۔" حماد نے میرا چہرہ دیکھ کر کہا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے، میں چل لوں گی۔" میں نے جلدی سے کہا۔

اندر پہنچے تو لوگوں کا بے تحاشا رش لگا ہواتھا، آفس کے بہت سے لوگ تھے، رمضانی صاحب بھی موجود تھے، پریس اور میڈیا کے لوگ بھی تھے۔

میں سیدھی آنٹی کی جانب بڑھی وہ مجھے دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ میں نے اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر خود پر نہ جانے کس طرح قابو پایا اور آنٹی کو تسلیاں اور دلاسے دینے لگی۔

"حشام کو اس وقت آپ کے رونے کی نہیں دعاؤں کی ضرورت ہے۔آنسو اگر بہانے ہی ہیں تو اللہ کے آگے التجا کرتے اور گڑگڑاتے ہوئے بہائیں۔ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور اللہ کا کرم ہوگا۔"

آنٹی سے بات کرکے میں لنگڑاتے ہوئے انکل کی جانب بڑھی۔یہاں رمضانی صاحب اور چینل کے دوسرے ساتھی اور پولیس کے آدمی موجود تھے۔

"ارے تمہیں کیا ہوا؟" انکل نے مجھے لنگڑاتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

"ارے بھئی یہ میری غلطی تھی، وہاں اتنی زیادہ ہنگامہ آرائی ہوجائے گی اس کا ہمیں اندازہ نہیں تھا۔پھر سنا کہ وہاں ہونے والے پتھراؤ سے سرمئی زخمی

ہو گئی تو میں نے ان لوگوں کو بلوالیا اور حشام کو دوسری ٹیم کے ہمراہ وہاں بھیج دیا۔" رمضانی صاحب نے وضاحت کی۔

میں انکل کے پاس بیٹھ گئی اور پوچھا۔"انکل حشام کو کتنی گولیاں لگی ہیں اور کہاں؟"

"تین گولیاں لگی ہیں' ایک بازو میں ایک ٹانگ میں اور ایک سینے میں۔ جو پسلی کو توڑتی ہوئی اندر چلی گئی ہے۔ خون بھی کافی بہہ گیا ہے۔" انکل نے آہستہ سے بتایا۔

"حشام کے ساتھ کیمرہ مین کون گیا تھا رمضانی صاحب؟" میں نے انکل کے سامنے سے جھک کر رمضانی صاحب کو مخاطب کیا۔

"جاوید اور شہزاد تھے۔" انہوں نے مختصر جواب دیا۔

"کہاں ہیں وہ دونوں؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی تو یہیں تھے ' تم فون کرلو۔" انہوں نے جواب دیا تو میں نے جاوید کا نمبر یاد کرکے انکل کے موبائل فون سے نمبر ملایا اور کال کا بٹن پش کردیا۔

جاوید نے فوراً ہی کال ریسیو کرلی اور بولا۔"سرمئی تمہیں حشام کا پتا چلا؟"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"تم کہاں ہو اس وقت؟" میں نے پوچھا۔

"میں تو اسپتال میں ہوں' تم اب کیسی ہو؟ تمہیں زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟" اس نے یہ سمجھا کہ میں اپنے گھر سے کال کررہی ہوں۔

"میں یہاں رمضانی صاحب کے پاس بیٹھی ہوں جاوید! مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔ذرا اسپتال کے کینٹین میں آجاؤ گے؟" میں نے کہا۔

"اچھا اچھا تمہیں علم ہو گیا حشام کے زخمی ہونے کا۔اچھا میں آرہا ہوں۔" جاوید نے جلدی سے کہا۔

جاوید ایک معصوم اور بہت سیدھا سا لڑکا تھا' بہت جلدی جلدی بولتا تھا بعض اوقات تو وہ جملہ اتنی تیزی اور روانی سے ادا کرتا تھا کہ سامنے والے کی کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا تھا اور سب اس سے ہنس کر کہتے۔

"اپنی تیز گام کو بریک لگاتے ہوئے بات کرو۔" دبلے پتلے جسم والے جاوید کی نگاہ اور مشاہدہ بہت غضب کا تھا اور اپنی چھوٹی موٹی خامیوں کے باوجود وہ بڑے کام کا بندہ تھا۔ایسے موقعوں پر بہترین عکاسی کرتا تھا۔

میرے دل میں رہ رہ کر بہت سے سوالات اٹھ رہے تھے اور میرے خیال میں میرے ان سوالوں کے تسلی بخش جوابات جاوید ہی دے سکتا تھا اور یہ تو بہت ہی اچھی بات تھی کہ اس وقت جاوید حشام کے ساتھ تھا۔

میں ان لوگوں کو باتیں کرتے ہوئے چھوڑ کر خاموشی سے ان کے درمیان سے اٹھ گئی۔میں نے دوسری جانب جا کر آنٹی پر ایک نگاہ ڈالی وہ بند آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے دعا کررہی تھیں۔دعائیں تو میرا دل بھی ہر لمحہ کررہا تھا لیکن اس سے پہلے مجھے بہت کچھ جاننا ضروری تھا۔پتا نہیں کیوں میرا دل اس واقعے کو اتفاقی حادثہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھا' بس بار بار ایک ہی بات دماغ میں ڈنک مار رہی تھی کہ حشام کو جان بوجھ کر نشانہ بنایا گیا ہے۔اب اس کی وجوہات کیا تھیں' اس کے بارے میں بھی انکل سے بعد میں تفصیلی بات ہوسکتی ہے' انکل طلال ایک سینئر جرنلسٹ تھے' ان کا صحافت کی دنیا میں ایک بڑا نام تھا اور اسی حوالے سے ان کی بہت سے لوگوں سے ٹھیک ٹھاک لگتی تھی' ہوسکتا ہے کہ کسی نے...

میں اپنی تکلیف برداشت کرتی اور لنگڑاتی ہوئی کینٹین کے قریب پہنچ گئی۔دور سے ہی مجھے جاوید کینٹین کے دروازے پر کھڑا دکھائی دے گیا۔اس کی میرے اوپر نگاہ پڑی تو تیزی سے میرے نزدیک آگیا اور بولا۔

"ارے سر مئی! تمہارے پاؤں میں تکلیف تھی تو خود کیوں آئیں مجھے وہیں بلالیا ہوتا جہاں تم بیٹھی تھیں۔"

"بلا تو سکتی تھی جاوید لیکن وہ باتیں میں تم سے سب کے سامنے نہیں کرسکتی تھی۔" میں نے اس کے ہاتھ کا سہارا لیا اور کہا۔"کسی ایسی جگہ بیٹھو جہاں ہم اطمینان سے بیٹھ کر بات کرسکیں۔"

"پھر تو کینٹین میں جانا بے کار ہی ہے کیوں کہ اندر خاصا رش ہے اور شور بھی۔اچھا ایسا کرتے ہیں وہاں جاکر بیٹھتے ہیں۔" اس نے سامنے ایک گیلری کی جانب اشارہ کیا' جہاں آمنے سامنے ان ڈاکٹرز کے روم تھے جو مختلف امراض کے ماہر سمجھے جاتے تھے اور دن میں او پی ڈی کرتے تھے وہاں لائن سے بہت سی کرسیاں رکھی تھیں اور یہ حصہ سنسان پڑا تھا۔

میں اور جاوید ان کرسیوں پر بیٹھ گئے پھر بھی احتیاطاً ہم نے گفتگو کے دوران اپنی آوازیں دھیمی رکھیں۔

"تم مجھے سارا واقعہ سناؤ جاوید کہ کیا ہوا تھا؟ حشام کہاں تھا اور گولیاں اسے کس طرح لگیں؟" میں نے بیٹھتے ہی بے صبری سے جاوید سے سرگوشی میں سوال کیا۔

"یقین جانو سرمئی! مجھے بھی شدید حیرت ہے کہ حشام کو وہ گولیاں کس طرح لگ گئیں کیوں کہ جہاں ہم کھڑے تھے وہ حصہ تو بالکل سیف تھا میں ہاتھ میں کیمرہ سنبھالے ویڈیو بنارہا تھا' لوگوں کا بپھرا ہوا جم غفیر تھا' پولیس میں اور لوگوں کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ ہوا' تو کافی مجمع چھٹ گیا اور بس پھر اچانک ہی حشام کی ایک درد ناک چیخ سنائی دی۔وہ مڑا' سیدھا ہوا اور مزید گولیاں اس کے لگیں۔میں نے اور شہزاد نے حشام کے گرتے ہوئے جسم کو سنبھالا اور اسے اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر وہاں سے بھاگے۔" جاوید نے بتایا۔

"اچھا تو جس وقت حشام کو گولیاں لگیں تم ویڈیو بنارہے تھے۔" میں نے اچانک ایک خیال کے تحت تیزی سے پوچھا۔

"ہاں ہاں' ابھی تو بتایا ہے۔" جاوید نے کہا۔

"تمہیں نہیں لگتا جاوید کہ حشام کو یہ گولیاں اتفاقاً حادثاً نہیں لگیں بلکہ اسے جان بوجھ کر نشانہ بنایا گیا ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔"اس نے پُرسوچ لہجے میں کہا۔"میں حیران ہوں کہ مجھے اس بات کا خیال کیوں نہیں آیا کیوں کہ اتفاقاً اسے گولی لگی لیکن ایک ہی بندے پر متواتر تین فائر... یہ تو سوچی سمجھی اسکیم لگتی ہے۔"

"بالکل یہی بات ہے' اب تم یہ بھی سوچو کہ وہ گولیاں اگر اتفاقاً لگی تھیں تو تمہیں یا وہاں موجود کسی اور شخص کو کیوں نہیں لگیں۔" میں نے مزید جاوید کی بات میں وزن پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو ارے یار! یہ تو بریکنگ نیوز ہے۔" اس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"شش..." میں نے اسے منہ پر انگلی رکھ کر چپ رہنے کے لیے کہا۔"مجھ سے وعدہ کرو' تم ابھی ایسی کوئی بات کسی سے بھی نہیں کرو گے۔جب تک ہم اس سارے معاملے کی کھوج نہیں لگالیتے۔" میں نے التجائیہ لہجے میں کہا۔

"اوکے! میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں، تم بے فکر رہو۔ میں ایسا کچھ نہیں کہوں گا۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ شاید وہ اس سارے واقعہ کو ذہن میں دہرا کر کچھ تلاش کررہا تھا۔ کوئی نکتہ، کوئی انہونی بات، کوئی ایسا شخص جو اس کی نگاہ میں اور کیمرے کی آنکھ میں محفوظ ہو گیا ہو۔

"جاوید...!" میں نے سنسنی خیز لہجے میں اسے پکارا۔

"ہوں... ہاں..." وہ چونک کر بولا۔

"وہ کیمرہ اور وہ ویڈیو کہاں ہے جو تم نے اس وقت بنائی تھی؟" میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیمرہ تو آفس میں ہی چھوڑ آیا۔ ویڈیو بھی اسی میں ہے۔" اس نے کہا۔

"پھر چلو اٹھو، ابھی ہم فوراً اپنے آفس چلتے ہیں، تمہیں وہ ویڈیو فوری طور پر کیمرے سے غائب کرنی ہوگی۔ ہوسکتا ہے اس کے ذریعے ہمارے ہاتھ کوئی بہت بڑا ثبوت لگ جائے اور جیسا ہم سوچ رہے ہیں ویسا ہی ہو۔ جاوید مجھے اس سارے واقعے سے ایک بہت بڑی سازش کی بُو آرہی ہے۔ رمضانی صاحب

اور بہت سے لوگ یہیں موجود ہیں۔ تم سمجھ رہے ہو ناں کہ میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں۔" میں نے کچھ نہ کہتے ہوئے بھی جاوید سے بہت کچھ کہہ دیا۔

"ہاں بالکل چلو۔" وہ جھٹ کھڑا ہو گیا۔

"اچھا تم ایسا کرو کہ میری گاڑی میں جا کر بیٹھو۔ یہ لو چابی، میں انکل سے کہتی ہوں کہ میرے پیر میں بہت تکلیف ہورہی ہے اور میں گھر جارہی ہوں۔ میں نے اپنے ہاتھ میں تھامی ہوئی گاڑی کی چابی جاوید کے حوالے کی، جو گاڑی سے اترنے کے بعد حماد نے میرے حوالے کردی تھی اور خود نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا اور وہاں اتنے لوگوں میں مجھے دکھائی نہیں دیا تھا۔

جاوید وہاں سے فوراً ہی اٹھ کر چلا گیا تو میں بمشکل اپنا پاؤں گھسیٹتی ہوئی انکل کے پاس آئی، آپریشن ابھی جاری تھا وہ ہنوز پریشان بیٹھے تھے اور رمضانی صاحب انکل کو تسلیاں دے رہے تھے۔

"تم کہاں تھیں بیٹی! آنٹی کے پاس...؟" انکل نے پوچھا۔

"جی انکل! میں آنٹی کے پاس تھی' وہ نماز پڑھ رہی ہیں۔انکل میں گھر جارہی ہوں' میرے پیر کی تکلیف ناقابل برداشت ہورہی ہے۔" میں نے کہا تو انکل نے عجیب حیران نگاہوں سے میری جانب

دیکھا اور کچھ نہیں بولے بلکہ رمضانی صاحب بولے۔

"ہاں ہاں سرمئی! تم گھر جاکر آرام کرو۔دعا تو تم گھر پر بھی کرسکتی ہو۔ویسے بھی یہاں اتنے لوگوں کا جمع ہونا ٹھیک نہیں ہے۔"

تو میں رمضانی صاحب کو کوئی جواب دیئے بنا ہی وہاں سے چل دی۔میں سمجھ رہی تھی اس بات کو کہ انکل میرے اس جملے سے شاکڈ سے ہوگئے تھے کہ میں انہیں اور آنٹی اور خاص طور پر حشام کو اس حالت میں چھوڑ کر جارہی ہوں اور مجھے اپنی اتنی ذرا سی تکلیف بھی برداشت نہیں ہورہی جب کہ حشام آپریشن تھیٹر میں موت اور زندگی کی جنگ لڑرہا ہے۔

لیکن یہ وقت نہیں تھا کہ میں انہیں اپنے جذبات سے آگاہ کرتی یا وہ کام بتاتی جس کے لیے میں انہیں اس مشکل گھڑی میں چھوڑ کر جارہی تھی میں نے اپنے دل کو سمجھالیا تھا کہ جو بھی کرنا ہے وہ اللہ اور اس کے بعد ڈاکٹر نے

کرنا ہے لیکن میں جو کام کرنے جارہی تھی وہ اپنی جگہ اہم ہے۔کوئی ان دیکھا ہاتھ' اس ویڈیو کو غائب بھی کرسکتا تھا۔

میں پارکنگ ایریا میں آئی تو اندھیرے میں شیڈ کے نیچے میں نے ایک سائے کو دیکھا جو فون پر کسی سے بات کررہا تھا مجھے آتا دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے ہلا تو میں نے اسے پہچان لیا وہ حماد تھا۔نہ جانے کیوں میں اس وقت اتنی حساس ہورہی تھی' میری ساری حسیں بیدار تھیں خاص طور پر چھٹی حس۔حماد کو اس طرح فون پر باتیں کرتے دیکھ کر میں اس کی جانب سے مشکوک سی ہوگئی اور گاڑی کا دروزہ کھولتے ہوئے میں نے باآواز بلند زور سے کراہتے ہوئے کہا۔

"جلدی گھر چلو جاوید! مجھ سے پاؤں کی تکلیف برداشت نہیں ہورہی ہے۔" اور میں تیزی سے سیٹ پر بیٹھ گئی اور دروازہ بند کردیا۔

"گھر..." جاوید نے حیران کن لہجے میں کہا۔

"تم گاڑی باہر نکالو میں بتاتی ہوں۔" میں نے سرگوشی میں کہا۔

جاوید نے ہیڈ لائیٹس آن کیں تو حماد نے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ لیا لیکن پھر بھی میں نے اسے پہچان لیا وہ سو فیصد حماد ہی تھا۔وہ کیوں مجھ سے اپنے آپ کو چھپا رہا تھا اس نے مجھے دیکھ لیا تھا تو میرے قریب آکر میرا حال بھی پوچھ سکتا تھا۔

"تم اپنے آفس ہی چلو۔" میں نے اسپتال سے گاڑی کے نکلتے ہی کہا۔

"لیکن تم نے گھر کیوں کہا؟" اس نے پوچھا۔

"حماد کی وجہ سے۔" میں نے کہا۔

"حماد کی وجہ سے...؟" اس نے حیرانی سے جملہ دہرایا۔"لیکن حماد کہاں تھا' مجھے تو دکھائی نہیں دیا؟"

"وہ پیچھے کھڑا تھا اور میں نے آتے ہوئے اسے دیکھ لیا تھا وہ فون پر کسی سے بات کررہا تھا اور گھر پر اس نے مجھ سے بہت بے پروا لہجے میں کہا تھا کہ "پتا نہیں وہ زندہ ہے یا مر گیا یہ تو اسپتال جاکر پتا چلے گا۔" جب کہ ایک کولیگ کی حیثیت سے اسے یہ جملہ اور اس انداز سے ادا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو' ہم سب ہی کو اس واقعہ کا بہت افسوس ہوا ہے' دکھ پہنچا ہے' بلکہ جب ڈاکٹرز نے بلڈ کی اپیل کی تو سب کے سب اپنا بلڈ دینے کے لیے تیار ہوگئے اور دیکھ لو کہ اتنا خون جمع ہوگیا کہ ڈاکٹرز نے منع کردیا کہ اب بلڈ کی مزید ضرورت نہیں ہے۔" جاوید نے کہا۔

"ابھی کیا تم جاکر وہ ویڈیو دیکھو گی؟" جاوید نے ونڈ اسکرین سے نگاہیں ہٹا کر میری جانب دیکھتے ہوئے پوچھا

"نہیں!" میں نے قطعی لہجے میں کہا۔"اس کام کے لیے ٹائم نہیں ہے' ہمیں دوبارہ اسپتال پہنچنا ہے' فی الحال تو میں یہ چاہتی ہوں کہ اس سے پہلے کہ وہ ویڈیو کوئی اور دیکھے ہمیں اسے اپنے قبضے میں کرلینا چاہیے۔" میں نے کہا۔

میرا دل ایک بار پھر حشام کی جانب چلا گیا' دل ہی دل میں میں نے نہ جانے کون کون سی منتیں مانگ لی تھیں۔اتنی باتوں کے دوران بھی میرا دل ایک لمحہ کے لیے بھی حشام کی جانب سے غافل نہیں ہوا تھا' دل سے بس ایک ہی دعا نکل رہی تھی کہ یا اللہ میرے حشام کی زندگی لوٹا دے۔

بقیہ راستہ ہم نے خاموشی سے اپنی اپنی سوچوں میں گم طے کیا۔پارکنگ میں گاڑی کھڑی کرکے جاوید تیزی سے اترا اور آگے بڑھ گیا۔میں نے زمین پر پاؤں رکھا تو تکلیف کی شدت سے میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور میں دوبارہ سیٹ پر بیٹھ گئی۔میں اب ایک قدم بھی چل نہیں پارہی تھی پھر مجھے حشام کا خیال آیا کہ وہ کتنی تکلیف میں ہے اس کے جسم پر جب تین گولیاں لگی ہوں گی تو اس کو کتنی

تکلیف ہوئی ہوگی۔میری یہ تکلیف تو اس کی تکلیف کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

بس اسی بات سے مجھے حوصلہ ملا اور میں خود پر بہت ضبط کرکے کھڑی ہوگئی اور پھر جیسے تکلیف کا وہ شدید احساس میرے ذہن سے محو ہوگیا۔

”کیا ہوا سرمئی! آؤ' ناں؟“ جاوید نے آگے جاکر جب مجھے اپنے سامنے نہ پایا تو پیچھے مڑ کر دیکھا تو مجھے گاڑی میں بیٹھا ہوا پایا۔

میں فوراً گاڑی سے اتر آئی اور جاوید کی جانب چل دی۔ہم دونوں بنا کسی سے کوئی بات کیے سیدھے جاوید کے کیبن کی جانب بڑھے' جاوید نے اپنے کیبن میں موجو دچھوٹی سی الماری کالاک کھولا اور کیمرہ نکال کر اس میں موجود ویڈیو کی کیسٹ نکال کر جیب میں رکھ لی' پھر اس میں دوسری کیسٹ لگائی اور ویڈیو کیمرہ دوبارہ سے الماری میں رکھ کر اسے لاک کردیا پھر ہم دونوں اسی خاموشی سے باہر نکل آئے۔

راہداری سے گزرتے ہوئے ہمارا سامنا سلطان سے ہوگیا۔وہ بھی نیوز رپورٹر تھا' اس نے رک کر ہیلو ہائے کیا پھر بولا۔

”سنا ہے تم بھی زخمی ہوگئی تھیں' کہاں چوٹ لگی؟“

”ارے ایسا کچھ خاص نہیں ہے بس ایک چھوٹا سا پتھر مجھے لگا ہے' اس کا اتنا شور مچ گیا۔میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔“ میں نے ہنس کر کہا۔

”اچھا!“ اس نے حیرت کا اظہار کیا۔”میں نے تو یہ سنا تھا کہ تم بہت زیادہ زخمی ہوگئی ہو اور شاید رمضانی صاحب کو بھی کسی نے غلط نیوز دی تھی اسی لیے

انہوں نے تمہیں وہاں سے بلوالیا اور حشام کو زبردستی وہاں بھیج دیا۔" سلطان نے کہا۔

"کیا مطلب اس کا کہ زبردستی بھیج دیا؟" میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"ہاں وہ حشام یہاں کسی ضروری کام میں مصروف تھا اس نے انکار بھی کیا کہ وہ اس وقت کوئی اہم رپورٹ فائنل کررہا ہے، رمضانی صاحب کسی اور کو بھیج دیں لیکن انہوں نے اس کی بات نہیں سنی اور حشام پر زور دیا کہ وہی وہاں جائے، مجبوراً حشام کو ان کی بات ماننی پڑی۔شاید اس کے نصیب میں یہ تکلیف ہی لکھی تھی اور وہ وہاں چلا گیا۔کاش وہ وہاں نہ جاتا۔" سلطان نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا تو ایک لمحہ کے لیے میری اور جاوید کی آنکھیں چار ہوئیں اور پھر ہم نارمل ہوگئے۔

"ارے ہاں وہ جو اپنا حماد ہے ناں اس نے حشام سے کہا "یار تمہاری دوست سرمئی دشمنوں کے نرغے میں ہے وہ شدید زخمی ہوگئی ہے تمہیں فوراً جانا چاہیے اور یہ بات سنتے ہی وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔" سلطان نے ایک اچانک بات یاد آنے پر کہا۔

"اچھا تو اسے حماد نے اس طرح کہا تھا۔" جاوید بولا۔

"ہاں یہ میرے سامنے کی بات ہے۔" سلطان نے کہا۔"بہرحال جو ہوا بہت بُرا ہوا، اللہ تعالیٰ حشام کو زندگی دے، بہت اچھا بندہ ہے۔اپنے کام کا ماہر بھی۔" اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"تمہیں پتا ہے کہ حشام کون سی رپورٹ بنارہا تھا۔اس نے مجھ سے تو ایسی کسی رپورٹ کا ذکر نہیں کیا۔" میں نے حیرانی سے کہا۔

"تم بھی بچوں جیسی باتیں کررہی ہو، ہمارا شعبہ ہی ایسا ہے یہاں بہت سی باتیں اپنوں سے بھی خفیہ رکھنی پڑتی ہیں۔" سلطان نے کہا اور کسی ضروری کام کا کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ میں انکل طلال کو فون کرکے حشام کے بارے میں معلوم کرتی ہوں۔میں نے بیگ میں ہاتھ ڈالا تو میرا موبائل نہیں تھا، میرا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لوں۔گھر پر انکل طلال سے بات کرنے کے بعد میں اتنی حواس باختہ ہوئی کہ موبائل وہیں چھوڑ دیا اور پرس اٹھا کر چلی آئی۔

"کیا ہوا سرمئی! کیا تلاش کررہی ہو؟" جاوید نے پوچھا۔

"ارے میں پریشانی میں اپنا سیل فون گھر پر ہی چھوڑ آئی ہوں۔"

"تو کوئی بات نہیں اگر تمہیں کسی سے بات کرنی ہے تو میرا فون استعمال کرلو۔" جاوید نے اپنا فون جیب سے نکال کر میری جانب بڑھایا۔

پہلے میں نے سوچا کہ جاوید سے کہوں کہ وہ فوراً انکل سے بات کرے لیکن پھر کچھ سوچ کر میں نے جاوید سے فون لے لیا اور انکل طلال کا نمبر ملایا' کافی ساری بیل بجنے کے بعد انکل نے فون ریسیو کیا اور بھرائی ہوئی بھاری آواز میں "ہیلو" کہا۔

"السّلام علیکم انکل! میں سرمئی بول رہی ہوں' حشام کا آپریشن ہو گیا... کیسا ہے وہ؟"

"ہاں سرمئی!" انہوں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔"اللہ کا شکر ہے کہ آپریشن کامیاب رہا ہے۔تمام گولیاں اس کے جسم سے نکال لی گئی ہیں لیکن ابھی چھتیس سے اڑتالیس گھنٹے اس کے لیے بہت اہم ہیں۔ابھی بھی اس کی حالت خطرے سے باہر نہیں ہے۔تم ٹھیک ہو ' تمہارے پاؤں کا درد کیسا ہے' میں نے خبر سب سے پہلے تمہیں سنانی تھی لیکن بار بار فون کرنے کے

باوجود تم نے فون ریسیو نہیں کیا شاید تم سو گئی تھیں۔" انکل کے لہجے میں مجھے ہلکی سی طنز کی بُو محسوس ہوئی۔

"انکل آپ اس وقت کہاں ہیں؟ کوئی آپ کے پاس تو نہیں ہے' مجھے ایک بہت ضروری بات آپ سے کرنی ہے۔" میں نے انکل کے طنزیہ جملے کی پروا نہ کرتے ہوئے کہا' کیوں کہ جس سچویشن میں وہ اس وقت ہیں اور جو غیروں والی حرکت میں نے کی تھی وہ ایسی بات سوچنے میں حق بجانب تھے۔

"میرے پاس اس وقت تمہاری آنٹی بیٹھی ہیں اور ہم شکرانے کے نفل پڑھ رہے تھے' کیوں خیریت ہے تم کون سی اہم بات کرنا چاہ رہی ہو؟ اس وقت تو میرے لیے سب سے زیادہ اہم میرے حشام کی زندگی ہے۔" اس وقت ان کا لہجہ اکھڑ گیا۔

"میری بات توجہ سے سنیں انکل! میں گھر پر نہیں ہوں اور نہ ہی گھر گئی تھی' میرا سیل فون پریشانی میں گھر پر ہی رہ گیا ہے۔میں ایک اہم بات کا کھوج لگانے کی کوشش کررہی ہوں کیوں کہ مجھے یقین ہے کہ حشام کسی اتفاقی

حادثے کا شکار نہیں ہوا ہے بلکہ اس کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا ہے اسے اسٹاپ پر زبردستی بھیجا گیا تھا۔" میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" انہوں نے چونک کر تیزی سے کہا۔

"میں آپ سے تنہائی میں تفصیلی بات کروں گی لیکن ابھی نہیں آپ بھی بالکل خاموش رہیں گے، بس اللہ تعالیٰ حسّام کو اس مشکل سے نکال لے۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"آمین۔" انہوں نے صدق دل سے کہا۔

"کیا آپ کے علم میں ہے کہ حسّام کوئی رپورٹ...؟"

"بس کرو سرمئی! بعد میں بات کرنا، وہ دیکھو سامنے رمضانی صاحب کی گاڑی آرہی ہے، پلیز تم فوراً اپنا سر نیچے کرلو۔ انہیں تمہیں یہاں نہیں دیکھنا چاہیے۔" جاوید نے خود بھی جھکتے ہوئے کہا۔

"اوکے انکل! میں صبح ہوتے ہی اسپتال آؤں گی، آپ کو حسّام کا بہت خیال رکھنا ہوگا۔ ہر ایک سے بہت ہوشیار رہنا ہوگا۔ فی الحال ہم اندھیرے میں ہیں، سوائے روشنی کی ایک دو کرنوں کے۔ میں انہی کی روشنی میں اصل حقائق

جاننے کی کوشش کررہی ہوں۔" میں نے بہت دھیمے لہجے میں کہا، معلوم نہیں انہیں میری بات سمجھ میں آئی بھی یا نہیں۔

میں اور جاوید پوری طرح نیچے سر کیے جھکے ہوئے تھے، رمضانی صاحب کی گاڑی پارکنگ میں آئی اور وہ اتر آئے پھر میرے اور جاوید کے کانوں نے بہت اہم بات سنی۔ رمضانی صاحب کسی سے بات کرتے ہوئے ہمارے قریب سے گزرتے چلے گئے، اس دوسرے شخص کی بات بھی ہم نے سنی اور اسے آواز کے ذریعے شناخت کرلیا۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد جاوید نے وہ وڈیو کی کیسٹ میرے حوالے کی اور کہا۔

"سرمئی! اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے، اسے تم سنبھال کر رکھو۔"

میں نے کیسٹ کو سنبھال کر اپنے بیگ میں رکھ لیا اور جاوید سے کہا کہ جتنی جلدی ہوسکے وہ مجھے میرے گھر پہنچادے پھر میں نے اس سے درخواست کی کہ کیا کل صبح وہ مجھے اسپتال لے جانے کے لیے پک کرسکتا ہے، اس نے خوش دلی سے ہامی بھرلی۔

اور پھر کمزور سے وجود کا بہادر جاوید میری کار کو کسی جیٹ طیارے کی مانند اڑانے لگا، رات کا پتا نہیں کیا وقت ہوا تھا ہم سڑکیں سنسان ہونے کی وجہ سے جلد ہی گھر پہنچ گئے۔

گھر پہنچی تو وہ تینوں جاگ رہے تھے امی ، بابا اور اماں۔تینوں جائے نماز پر بیٹھے دعائیں کررہے تھے۔

میرے اصرار پر جاوید گھر کے اندر آگیا، ہمیں دیکھ کر تینوں بے تابی سے کھڑے ہوگئے اور حشام کی خیریت پوچھنے لگے۔امی نے بھی شکایت کی کہ تمہیں بار بار فون کیا لیکن تم فون کیوں نہیں ریسیو کررہی تھیں ادھر یہ سوچ سوچ کر ہمارا برا حال ہورہا تھا کہ اللہ جانے اُدھر کیا ہوا ہے۔

"امی اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپریشن تو کامیاب رہا ہے لیکن ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ ابھی چھتیس سے اڑتالیس گھنٹے حشام کے لیے بہت اہم ہیں۔امید ہے اللہ کریم کی ذات سے کہ جس نے اتنا کیا ہے آگے بھی وہ سب اچھا کردے گا۔حشام ان شاء اللہ بالکل ٹھیک ہوجائے گا۔جس کے لیے اتنے زیادہ

ہاتھ دعاؤں کے لیے اٹھیں، اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتا۔" میں نے اس یقین اور اعتماد سے کہا جو مجھے اپنے ربّ کی ذات پر تھا۔

"اور ہاں امی میرا موبائل فون میرے پاس نہیں ہے میں جلدی میں یہیں بھول گئی تھی، آپ نے کال کی تو میرے فون کی بیل سنائی نہیں دی آپ کو۔" میں نے کہا۔

"نہیں تو...؟ کہاں چھوڑا تھا تم نے، تلاش کرو جاکر اور ہاں تمہارے پیر کا کیا حال ہے؟" امی نے کہا۔

"میرے پیر کو چھوڑیں یہ ٹھیک ہے بس آپ حشام کے لیے دعا کریں۔" میں یہ کہتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آگئی جہاں جاوید بیٹھا تھا۔

میں نے اسے سوری کیا اور فون تلاش کرنے لگی۔میرا سیل فون سوفے کی گدیوں کے درمیان پھنسا ہوا تھا شاید اسی لیے اس کی بیل کسی کو سنائی نہیں دی، ویسے بھی وہ سب دوسرے کمرے میں تھے۔میں نے فون میں دیکھا بہت ساری مس کالز تھیں، شمروز بھائی، طلال انکل اور گھر کے فون کی۔

"اچھامیں چلتا ہوں صبح آجاؤں گا۔" جاوید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”تم جاؤ گے کیسے' تمہاری بائیک تو اسپتال کے پارکنگ میں کھڑی ہے تم ایسا کرو کہ میری گاڑی لے جاؤ صبح جلدی آجانا۔“ میں نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلادیا اور جانے لگا۔

اتنے میں اماں ٹرے میں چائے لیے ہوئے آگئیں اور بولیں۔

”بیٹا! کب سے پریشان ہورہے ہو' چائے پی لو۔“

جاوید نے میری جانب دیکھا جیسے اجازت مانگ رہا ہو کہ چائے کی آفر قبول کرلوں یا نہیں۔

”اچھا کیا اماں آپ نے کہ چائے بنالائیں۔“ پھر میں نے چونک کر پوچھا۔

”تم نے رات کا کھانا کھایا تھا؟“

”کھانے کا کس کو ہوش تھا' تم میرا چھوڑو انکل اور آنٹی کے بارے میں سوچو۔“ جاوید نے خلوص بھرے لہجے میں کہا۔

”کھانا تو بیٹا ہم میں سے کسی نے بھی نہیں کھایا ہے' کہو تو گرم کرکے لاؤں۔“ اماں نے کہا۔

”نہیں نہیں آنٹی! اس کی ضرورت نہیں ہے' بس چائے کافی ہے۔البتہ صبح لے جانے کے لیے انکل اور آنٹی کے لیے کھانا ضرور دے دیجیے گا۔“ جاوید نے کہا۔

”بیٹا! اب تو ذرا ہی دیر میں فجر ہونے والی ہے' تم اب گھر جاؤ گے پھر آؤں گے' میری مانو تویہیں ذرا دیر کو کمر سیدھی کرلو۔نماز سے فارغ ہوکر تم لوگ چلے جانا۔میں کھانا اور چائے وغیرہ سب تیار رکھوں گی۔ہاں واقعی بچارے ماں باپ کیسے حیران و پریشان بیٹھے ہوں گے۔اکلوتی اولاد ہے وہ ان کی۔اللہ سلامت رکھے۔“ اماں نے کہا تو مجھے ان کی بات ٹھیک لگی اور میرے بہت اصرار پر جاوید وہیں سوفے پر لیٹ گیا اور میں اپنے کمرے میں آگئی۔

اور اندر آتے ہی جیسے ضبط پر باندھے ہوئے بندھن سارے ایک ساتھ ٹوٹ گئے۔

میں دیر تک روتی رہی پھر خیال آیا تو جلدی سے وضو کرکے آئی اور جائے نماز پر کھڑی ہوگئی دو رکعت نماز حاجت پڑھ کر میں نے اپنا سر سجدے

میں رکھ دیا اور رو رو کر اور گڑگڑاتے ہوئے حشام کی صحت و سلامتی کی دعا مانگنے لگی۔

مجھے نہیں پتا کہ کتنا وقت گزر گیا' فجر کی اذانیں جب میرے کانوں میں آئیں تو میں نے سر اٹھایا تو امی کو اپنے قریب بیٹھے ہوئے پایا' مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ وہ کب آکر میرے پاس بیٹھ گئیں' میں سجدے سے اٹھی تو انہوں نے مجھے اپنے سینے سے لگالیا اور محبت سے بھینچ کر بولیں۔

"مجھے یقین ہے اس اللہ کی ذات سے جس نے ایک ظالم شخص سے تمہاری جان بچائی تھی اور آج بھی وہ میری بیٹی کا پیار اس سے جدا نہیں کرے گا' وہ ضرور صحت یاب ہوگا میری جان! اللہ پر پورا بھروسہ رکھو' ان شاء اللہ تم حشام کے ساتھ ایک بہترین اور خوش گوار زندگی گزارو گی۔"

"آپ سچ کہہ رہی ہیں ناں امی!" میں نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور بھیگے بھیگے لہجے میں کہا۔

"بالکل سچ!" انہوں نے محبت بھرے لہجے میں کہا اور میرے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف کرنے لگیں پھر اٹھتے ہوئے بولیں۔

"میں فجر پڑھ کر آتی ہوں' تم بھی پڑھو لو پھر ناشتہ کرکے جانا۔پتا نہیں کب کا کھایا ہوا ہے۔"

میں نماز کے لیے کھڑی ہورہی تھی کہ مجھے شمروز بھائی کا خیال آیا اپنے فون پر میں نے ان کی بھی بہت سی مس کالز دیکھی تھیں۔اس وقت میرے ذہن سے بالکل ہی یہ بات نکل گئی کہ کل میں نے

نواب سطوت کو ایک دھماکہ خیز ای میل بھیجی تھی۔اس لیے سوچا کہ ان کو تو حشام کے بارے میں بتادوں حالاں کہ میں جانتی تھی کہ وہ اس وقت سورہے ہوں گے لیکن ابھی کال نہ کرتی تو سارا دن مجھے ٹائم ہی نہیں ملتا' اسی لیے ان کا نمبر ملایا' انہوں نے کافی دیر کے بعد فون اٹھایا اور ان کی آواز سن کر ایک بار پھر مجھے رونا آگیا۔

شمروز بھائی نے اس ای میل کا ذکر کیا تو مجھے یاد آیا لیکن اس وقت مجھے کسی اور بات میں دلچسپی نہیں تھی' اس لیے ان سے مختصر بات کرکے میں نے فون بند کردیا اور نماز پڑھ کر ڈرائنگ روم میں آگئی۔

جاوید جاگ ہی رہا تھا امی اور آنٹی کے اصرار پر ہم نے تھوڑا سا ناشتہ کیا پھر اماں نے کھانے کا ٹفن اور چائے کے تھرماس کے ساتھ پانی کی بوتل اور گلاس وغیرہ سب ایک باسکٹ میں رکھ کر مجھے دے دیئے۔امی نے تاکید کی کہ اسپتال پہنچ کر میں ان کی آنٹی سے ضرور فون پر بات کرواؤں۔وہ مجبور تھیں اسپتال نہیں جاسکتی تھیں' معاملہ ہی ایسا تھا کہ امی کا پبلک پلیس پر جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

باسکٹ جاوید نے اٹھائی اور ہم باہر آگئے' چلتے ہوئے مجھے احساس ہوا کہ میرا پاؤں کافی سوج گیا ہے۔میں نے ایک نگاہ اپنے سوجے ہوئے پاؤں پر ڈالی اور جلدی سے دوائیں اپنے بیگ میں رکھ لیں' چلتے ہوئے جاوید ہی نے یاد دلایا کہ میں نے وہ ویڈیو کیسٹ تو سنبھال کر رکھ دی ہے تو میں نے ایک بار پھر اپنے سر پر ہاتھ مارا اور تیزی سے اپنے کمرے میں آئی۔

میں نے وہ کیسٹ ایک محفوظ جگہ پر چھپا کر رکھی اور باہر آگئی' جاوید بولا۔

"سرمئی! جب تک ہم اس ویڈیو کو نہایت باریک بینی سے دیکھ نہیں لیتے' تمہیں اس کی بہت حفاظت کرنی ہوگی اور ایک بات بتاؤں تمہیں نہ جانے

کیوں میرا دل کہہ رہا ہے کہ کوئی میرے ویڈیو کیمرے سے کیسٹ ضرور نکالے گا۔اسی لیے میں نے اصل کیسٹ نکال کر اس کی جگہ دوسری کیسٹ لگادی تھی۔"

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو' بس تم مجھے اسپتال چھوڑ کر چلے جانا اور آفس جانے کے بجائے گھر جانا' تھوڑا آرام کرلینا۔میری خاطر اتنی تکلیف اٹھائی ہے' میں تہہ دل سے تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں۔" میں نے ممنونیت کے گہرے احساس کے ساتھ کہا۔

"کتنی غیروں والی بات کردی تم نے ' کیا حشام میرا دوست نہیں ہے۔مجھے بھی وہ اتنا ہی عزیز ہے جتنا تمہیں۔" جاوید نے کہا اور میں نے دل میں سوچا کہ تم نے بالکل غلط کہا تمہیں کیا معلوم کہ حشام کی زندگی میرے کے لیے کتنی ضروری ہے۔میرا تو رواں رواں پور پور اس کی محبت میں گرفتار تھا۔مجھے تو زندگی میں بابا کے بعد ایک مرد کی محبت ملی تھی' پہلا اور آخری آنے والا شخص میری زندگی میں حشام تھا۔بس اب اس کے بعد کوئی اور نہیں۔

صبح کا وقت تھا' سورج نے ابھی زمین پر اپنی کرنیں بکھیرنی شروع کی تھیں۔ اسپتال میں زیادہ رش نہیں تھا' میں اور جاوید باسکٹ اٹھائے سیدھے اس جگہ پہنچے جہاں ہم نے انکل اور آنٹی کو چھوڑا تھا۔

لیکن ہمیں وہ وہاں نہیں ملے' حشام کو آپریشن تھیٹر سے ملحق آئی سی یو میں رکھا ہوا تھا۔انکل اور آنٹی وہیں بیٹھے تھے' آنٹی تسبیح پڑھ رہی تھیں اور انکل قدرے فاصلے پر کھڑے ایک ڈاکٹر سے بات کررہے تھے' میں نے دیکھا کہ ڈاکٹر بہت دھیمے لہجے میں انکل سے کوئی بات کررہا تھا اور انکل خاموشی سے سنتے ہوئے آہستہ آہستہ سر ہلا رہے تھے اور خاصے تشویش کے آثار ان کے چہرے پر تھے۔

میں اور جاوید آنٹی کے پاس بیٹھ گئے' میں نے انہیں گلے لگا کر تسلی دی۔جاوید انکل کے آنے کا انتظار کررہاتھا کہ وہ آئیں تو ان سے مل کر حشام کی خیریت معلوم کرے' وہ رات بھر اپنے گھر نہیں گیا تھا۔

انکل ڈاکٹر کے جانے کے بعد آئے اور خاموشی سے بیٹھ گئے۔میں نے ابھی بولنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ آنٹی بے تابی سے بول اٹھیں۔

"ڈاکٹر آپ کو کیا بتارہا تھا' میرا بچہ اب کیسا ہے؟"

"اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس کی طبیعت بہتر ہے' اللہ مزید کرم کرے گا۔" انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"آپریشن کے بعد حشام کو ہوش آگیا تھا ناں۔" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"ہاں اسے ہوش آیا تو تھا تب ہی تو ڈاکٹر نے آپریشن کو کامیاب قرار دیا تھا اور اس نے ہوش میں آنے پر صرف ایک ہی نام لیا تھا اور ایک ہی جملہ کئی بار دہرایا تھا۔انکل نے میری جانب دیکھتے ہوئے پھیکی اور بے جان مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اچھا انکل میں چلتا ہوں ذرا گھر کا اور آفس کا چکر لگالوں پھر دوبارہ آؤں گا لیکن اگر میری کوئی ضرورت ہو تو میرا نمبر سرمئی کے پاس ہے' آپ بلا تکلف مجھے کال کردیجیے۔میں ان شاء اللہ حاضر ہوجاؤں گا' مجھے حشام کے حوالے سے کسی بھی کام کو کرکے خوشی ہوگی۔" جاوید نے کھڑے ہوکر انکل سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

”جیتے رہو بیٹا! اللہ تم سب کو اپنی امان میں رکھے‘ ذرا حشام کی جانب سے اطمینان ہوجائے تو پھر تم سے اطمینان سے بیٹھ کر بات ہوگی۔“ انکل نے ایک ہاتھ جاوید سے ملایا اور دوسرے ہاتھ سے اس کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

جاوید کے جانے کے بعد صرف میں انکل اور آنٹی کے پاس رہ گئی۔آنٹی کی حالت کافی خراب ہورہی تھی وہ نہ جانے کس طرح اپنے آپ کو سنبھالے کل شام سے بیٹھی تھیں۔ساری رات اسی طرح بیٹھ کر اور دعائیں کرتے ہوئے گزار دی تھی اور انکل مرد ہونے کے باوجود بہت نڈھال دکھائی دے رہے تھے‘ کل رات جب میں انہیں چھوڑ کر گئی تھی تب مجھے انکل اتنے پریشان دکھائی نہیں دیے تھے‘ جتنے اس وقت دکھائی دے رہے تھے‘ پتا نہیں اس کی وجہ ساری رات کا رتجگا اور بے آرامی تھی یا کوئی اور وجہ تھی لیکن پھر وہی میری چھٹی حس مجھ سے کہہ رہی تھی کہ اس کی وجہ بے آرامی نہیں کچھ اور ہے کیوں کہ جب میں آئی تھی تو انکل سے ڈاکٹر دھیمی آواز میں کوئی بات کررہا تھا اور انکل متوحش نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کی بات کو خاموشی سے سن رہے تھے اور اس کے بعد سے وہ مسلسل کسی گہری سوچ میں مبتلا تھے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

بہرحال جو بات بھی ہے وہ میں ابھی انکل سے معلوم کرہی لوں گی‘ فی الحال تو انہیں کچھ کھانے کی ضرورت ہے۔

”انکل آنٹی آپ دونوں نے کل سے کچھ بھی نہیں کھایا ہے‘ چلیں آئیں آپ دونوں پہلے کچھ کھالیں۔“ میں نے باسکٹ اپنی جانب کھسکاتے ہوئے کہا۔

”رہنے دو بیٹا! کچھ بھی کھانے کا دل نہیں چاہ رہا۔“ دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

پھر میں نے اپنے الفاظ میں دونوں کو بہت تسلیاں دیں اور تھوڑا تھوڑا کھلادیا‘ چائے وغیرہ سے فارغ ہوکر میں نے آنٹی سے کہا کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے گھر جاکر آرام کرلیں۔میں یہاں انکل کے پاس موجود ہوں لیکن انہوں نے آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ نفی میں سر ہلادیا کہ جب تک وہ حشام سے خود بات نہیں کرلیتیں یہاں سے نہیں جائیں گی اور انکل کے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تھوڑی دیر کے لیے ہم تینوں بالکل خاموش بیٹھے رہے پھر انکل نے جیب سے سگریٹ نکالا اور اسے سلگا کر بولے۔

”سرمئی بیٹا! ذرا میری بات سنو؟“ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے آنٹی سے قدرے دور ہٹ کر کھڑے ہوگئے۔

”آنٹی میں ابھی آتی ہوں۔اچھا آپ ٹیک لگا کر بیٹھ جائیں اور آنکھیں بند کرلیں شاید تھوڑی سی نیند آجائے۔“ میں نے آنٹی سے کہا۔

”میں ٹھیک ہوں بیٹا! تم جاؤ اور جاکر سن لو وہ کیا کہہ رہے ہیں؟“ آنٹی نے نڈھال انداز میں اپنا سر نشست گاہ سے ٹکالیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی اور وہ کوئی ورد کرنے لگیں۔

میں انکل کے قریب پہنچی تو وہ سر جھکائے سوچ میں گم تھے۔

”جی انکل! آپ مجھ سے کچھ کہہ رہے تھے۔“ میں نے قریب جاکر آہستہ سے کہا تو انہوں نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا‘ ان کی آنکھیں متورم اور سرخ ہورہی تھیں‘ کہنے لگے۔

”سرمئی! تم نے فون پر مجھ سے کیا کہا تھا؟“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تب میں نے دھیرے دھیرے ساری بات انہیں بتادی۔یہ بھی کہ اس وقت کی ویڈیو میرے پاس محفوظ ہے لیکن میں نے ابھی اسے دیکھا نہیں ہے۔“

انکل نے بنا ٹوکے میری ساری بات گہری توجہ اور سنجیدگی سے سنی اور بولے۔

”تمہارا شک بالکل صحیح ہے سرمئی بیٹا!“

”جی!“ میں نے چونک کر کہا۔”آپ کو صرف میری بات پر یقین ہے یا اس یقین کی کوئی اور وجہ بھی ہے۔“

”تمہارا شک اور تجزیہ بھی اپنی جگہ ٹھیک ہے لیکن تمہاری بات کا فوری یقین کرنے کی وجہ اور بھی ہے۔“ انہوں نے کہا۔

”وہ کیا انکل؟“ میں نے تیزی سے سوال کیا۔

”یہاں اسپتال میں بھی ڈاکٹر ذیشان کو خریدنے کی کوشش کی گئی ہے۔“ انہوں نے کہا۔

”کیا مطلب...؟ کون ڈاکٹر ذیشان... وہی جو تھوڑی دیر قبل آپ سے بات کررہے تھے۔“

”ہاں وہی ڈاکٹر ذیشان اور انہوں نے ابھی مجھ سے یہ بات کہی ہے۔“

"کیا... کیا بتایا انہوں نے... کس نے... کس نے ان سے کیا کہا؟" میں نے بے تابی سے کہا اور ایک نگاہ اس دکھیاری ماں پر ڈالی جو ابھی بھی اللہ کی بارگاہ میں اپنے بیٹے کی سلامتی کی بھیک مانگ رہی تھی۔

"ڈاکٹر ذیشان سے میری پرانی واقفیت ہے' انہوں نے ابھی مجھ سے کہا ہے کہ مجھے حشام کے سلسلے میں بہت محتاط رہنا ہوگا اس لیے کہ یہاں بھی اس کی جان کو خطرہ ہے۔کل جس وقت حشام کو زخمی حالت میں اسپتال لایا گیا تھا اس کے تھوڑی دیر کے بعد ایک انجان شخص کا فون ان کے پاس آیا تھا اور اس نے کہا تھاکہ "حشام کو زندہ نہیں رہنا چاہیے' دوران آپریشن آپ اس کا کام تمام کرسکتے ہیں اور

اس کام کے لیے آپ کو منہ مانگی رقم ادا کی جائے گی' بولیں آپ اس معمولی کام کے عوض کتنی رقم چاہتے ہیں؟" ڈاکٹر ذیشان نے اس شخص کی بات کا جواب دیئے بنا ہی فون بند کردیا لیکن فوراً ہی دوبارہ فون آیا اور اس شخص نے یہ دھمکی دی کہ وہ اس وقت اسپتال میں موجود ہے اور اگر ڈاکٹر ذیشان اس کام کو کرنے سے انکار کرے گا تو وہ یہ کام کسی دوسرے سے بھی کرواسکتا

ہے' لیکن اس انکار کی انہیں بہت بھیانک سزا بھگتنا پڑے گی تب ڈاکٹر ذیشان نے جواب دیا کہ وہ ایک ڈاکٹر ہیں اور ڈاکٹر کا کام زندگی بچانا ہے' زندگی لینا نہیں اور یہ بھی سارا اختیار اللہ کے پاس ہے' وہ جو چاہے کرسکتا ہے۔"

اس کے بعد ڈاکٹر ذیشان مسلسل حشام کی نگرانی کررہے ہیں اور خود دیکھ بھال کررہے ہیں۔آئی سی یو میں جن لوگوں کی ڈیوٹیاں ہیں انہیں ابھی تک حشام کے پاس سے لمحہ بھر کے لیے ہٹنے نہیں دیا گیا ہے تاکہ کوئی بھی شخص ان سے رابطہ نہ کرسکے' انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ میں چاہوں تو اس معاملے میں پولیس کو انفارم کرسکتا ہوں تاکہ پوری طرح حشام کی حفاظت کی جاسکے ویسے بھی حشام کی حالت کو دیکھتے ہوئے یہی کہا جاسکتا ہے اب تم ہی بتاؤ کہ کیا کیا جائے' کیا پولیس کو انفارم کیا جائے۔" انکل نے خاصی تشویشناک بات مجھے بتانے کے بعد کہا۔

"جو بات آپ نے بتائی ہے وہ بہت ہی خطرناک ہے۔یہاں اسپتال میں کتنے ہی ڈاکٹرز اور نرسیں ہیں اور ہرکوئی ڈاکٹر ذیشان جیسا نہیں ہوتا' کوئی بھی بک

سکتا ہے ' کچھ بھی ہوسکتا ہے اور رہی بات پولیس کی وہ تو سب سے زیادہ ناقابل اعتبار ہے۔اس لیے اس بات کو تو رہنے دیں' ہمارا ہی کوئی بندہ ایسا ہو جو دن رات حشام کے قریب رہ کر اس کی حفاظت کرے۔آپ کی نگاہ میں ایسا کون ہے؟" میں نے کہا تو انکل سوچ میں پڑگئے پھر اچانک ان کی آنکھوں میں ایک چمک سی آگئی اور انہوں نے اپنا سیل فون نکالا اور کوئی نمبر سوچ سوچ کر ملانے لگے۔

رابطہ ہونے پر انہوں نے کہا۔"کرنل مشتاق بات کررہے ہیں؟" پھر سوری رونگ نمبر کہہ کر لائن ڈس کنکٹ کردی' اسی طرح تین چار رانگ نمبر ملانے کے بعد وہ صحیح نمبر ملانے میں کامیاب ہوگئے شاید ان کے ذہن میں کرنل مشتاق کا صحیح نمبر نہیں آرہا تھا' بہرحال رابطہ ہونے پر انہوں نے کہا۔

"کرنل مشتاق آپ کیسے ہیں؟" دوسری جانب سے چند لمحے خاموشی سے سننے کے بعد وہ بولے۔

"ہاں حشام میرا ہی بیٹا ہے' مجھے اس وقت آپ کی اشد ضرورت ہے' کیا آپ فوری طور پر میرے پاس اسپتال آسکتے ہیں۔آپ آئیں تو بہت گمبھیر صورت

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

حال ہے یہاں... وہی آپ کو بتاؤں گا۔" پھر شاید انہوں نے آنے کی ہامی بھر لی تھی' اس لیے انکل نے شکریہ کہہ کر فون بند کردیا۔

"انکل! کرنل مشتاق کون ہیں اور آپ ان سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"کرنل مشتاق سابق فوجی ہیں' میں ان سے درخواست کروں گا کہ مجھے حشام کی حفاظت کے لیے کمانڈوزدستہ چاہیے۔" انکل نے بتایا تو میں خوش ہوگئی۔

"یہ بالکل ٹھیک ہے انکل! حشام کی حالت ابھی اس قابل نہیں ہے کہ اسے گھر پر یا کہیں اور رکھا جائے' اس لیے مجبوری ہے کہ اسپتال میں ہی حشام کی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام کرنا ہوگا۔"

میں منتظر رہی کہ انکل کچھ بولیں گے لیکن وہ گہری سوچ میں گم تھے۔میں نے انہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا کیوں کہ میں جانتی تھی کہ انکل کی سمجھ میں ساری بات آگئی ہے کہ حشام پر یہ حملہ کیوں ہوا اور شاید وہ یہ بات بھی جانتے ہوں کہ اس کے پیچھے کن لوگوں کا ہاتھ ہے۔"

"انکل جب تک حشام بالکل ٹھیک ہو کر گھر نہیں آجاتا ' ہمیں اس معاملے میں بالکل ہی خاموشی اختیار کرنی ہوگی۔" میں نے کہا تو انکل خاموش ہوگئے۔

تھوڑی دیر بعد میں اور انکل آئی سی یو میں ڈاکٹر کی اجازت سے ایک ایک کرکے حشام کو دیکھ کر آئے' حشام کی آنکھیں بند تھیں۔ناک میں نلکی لگی ہوئی تھی' نہ جانے کون کون سی مشینیں لگی ہوئی تھیں۔اسے اس حالت میں لیٹا دیکھ کر مجھے بہت زور کا چکر آگیا اور میرا سارا جسم خزاں رسیدہ پتے کی طرح لرزنے لگا۔ہر لمحے شوخی اور شرارت لیے مجھے چھیڑنے والا' بحث کے دوران میرے آگے جھٹ ہتھیار ڈالنے والا میرا ہر لمحے خیال رکھنے والا میرا حشام آج کس حالت میں بستر پر پڑا ہے۔لاکھ ضبط کرنے کے باوجود میری آنکھوں سے سیل رواں جاری ہو گیا اور میرے دل کی ہر دھڑکن آتی جاتی ہر سانس اور جسم کا رواں رواں اپنے ربّ کے آگے فریاد کرنے لگا کہ وہ میرے حشام کو صحت اور سلامتی عطا کردے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں بس چند منٹ وہاں کھڑی رہی پھر وہاں ڈیوٹی پر موجود اسٹاف نے مجھے باہر جانے کا اشارہ کیا تو میں باہر نکل آئی۔انکل دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے تھے' ڈھیروں حزن و ملال ان کے چہرے پر تھا۔

باہر آتے ہی جیسے ہی انکل نے میری جانب دیکھا میں بھاگ کر ان کے نزدیک آگئی اور ان کے کندھے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور انکل بنا ایک لفظ کہے میرے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگے۔

آنٹی بھی ضد کررہی تھیں کہ انہیں حشام کو ایک نظر دیکھنا ہے لیکن انکل نے منع کردیا کہ ابھی اس کی کنڈیشن ایسی نہیں ہے کہ تم اسے دیکھ سکو' اس کے جسم پر مشینیں لگی ہوئی ہیں' تم سے وہ منظر برداشت

نہیں ہوگا لیکن وہ بہت ضد کرنے لگیں تب انکل اپنے ساتھ انہیں لے گئے اور پھر ایک منٹ بعد ہی ایک نرس کے سہارے انہیں باہر لے آئے' وہ حشام کو دیکھتے ہی بے ہوش ہوگئی تھیں۔

میں نے اور انکل نے آنٹی کو سنبھالا اور ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر سے ان کا چیک اپ کروایا' ڈاکٹر نے انہیں آرام کا مشورہ دیا اور کہا کہ انہیں گھر لے جائیں ورنہ انہیں بھی اسپتال میں ایڈمٹ کرنا پڑ جائے گا۔

ڈاکٹر کی فوری طور پر ٹریٹمنٹ سے آنٹی کو ہوش تو آگیا تھا لیکن ان کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔تب میں نے انکل سے کہا۔

"انکل اگر آپ اجازت دیں تو میں آنٹی کو گھر لے جاتی ہوں' وہاں امی اور اماں ہیں' دونوں آنٹی کا خیال رکھیں گی۔آپ کے گھر میں کون ان کی دیکھ بھال کرے گا۔"

"بیٹا! جیسا تم مناسب سمجھو کرو۔میں تو یہیں اسپتال میں موجود ہوں' میں نے کرنل مشتاق کو یہیں اسپتال میں ملنے کے لیے بلایا ہے کیوں کہ میں حشام کو اسپتال میں تنہا چھوڑنے کا رسک نہیں لے سکتا۔" انکل نے گہرے اداس اور تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے انکل میں آنٹی کو گھر چھوڑ کر آتی ہوں۔" میں نے کہا۔

"لیکن تم جاؤ گی کیسے' تمہارا پاؤں؟"

"میں ڈرائیو کرلوں گی انکل ڈونٹ وری! مجھے اب کسی بھی قسم کی تکلیف کا احساس نہیں ہورہا۔" میں نے ایک پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"تمہارے لیے بھی میں کرنل مشتاق سے بات کروں گا کہ کوئی ایسا بندہ دو جو باہر آتے اور جاتے ہر لمحے تمہارے ساتھ رہے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ نہ کرے اب حشام کے بعد تم ان لوگوں کا ٹارگٹ ہو۔" فکر مندی سے کہا۔

"میری آپ فکر نہ کریں انکل میں تو..."

"کیا میں تو... ہیں کیا میں تو... یہ تم بچے اپنے آپ کو ماں باپ سے زیادہ بہادر سمجھتے ہو' حشام سے بھی میں نے کتنا کہا تھا کہ اپنا بہت خیال رکھے لیکن اس نے میری ایک بھی نہیں سنی اور ہنس کر ہر بار میری بات ٹال دی۔آج دیکھ لو اس کا خمیازہ ہم سب بھگت رہے ہیں۔" انکل نے غصے سے تیز آواز میں کہا پھر رندھے ہوئے لہجے میں بولے۔"بیٹا! اس دنیا میں ہمارے زندہ رہنے کے لیے تم لوگ ہی تو ہو۔"

"آئی ایم سوری انکل! آپ جیسا مناسب سمجھیں کریں۔" میں نے شرمندگی سے نگاہیں جھکا کر کہا۔

"بیٹا! ہم بہت کمزور ہیں، اب ہمارے بوڑھے جسموں میں کسی آزمائش سے گزرنے کی طاقت نہیں ہے۔" انہوں نے کہا اور ایک دم لڑکھڑا گئے، میں نے انہیں سہارا دے کر کرسی پر بٹھایا تو وہ رو پڑے۔اس لمحے میں نے اپنے آپ کو مضبوط کیا اور کہا۔

"انکل! حشام کو ابھی ہوش آجائے گا۔"

میں آنٹی کو لے کر گھر آگئی، وہ ساری دوائیں میں نے امی کے حوالے کیں اور آنٹی کا بہت خیال رکھنے کی ہدایت کے بعد میں دوبارہ اسپتال آگئی۔

یہاں آئی تو انکل کے پاس ایک بہت ڈیسنٹ پرسنالٹی کے حامل شخص کو بیٹھے ہوئے پایا، پچاس پچپن کے قریب ان کی عمر ہوگی، سر کے سارے بال سفید تھے لیکن جسم بالکل فٹ اور چاق و چوبند دکھائی دے رہا تھا۔

میری نگاہ ان پر پڑی تو میں دور ہی کھڑی ہوگئی اور میں سمجھ گئی کہ یہی کرنل مشتاق ہیں، قریب اس لیے نہیں گئی کہ شاید میری موجودگی وہ پسند نہ کریں اور کھل کر بات نہ کریں لیکن باتیں کرتے کرتے انکل کی نگاہ میرے اوپر پڑی تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے قریب بلایا۔

میں گئی اور میں نے جاتے ہی کرنل مشتاق کو سلام کیا تو انہوں نے کھڑے ہو کر میرے سر پر ہاتھ رکھا اور مسکراتے ہوئے بولے۔

"وعلیکم السّلام ع! جیتی رہو۔"

انکل نے شاید ان سے پہلے ہی میرا تعارف کروادیا تھا اس لیے ان کا تعارف مجھ سے کروایا اور کہا۔

"میں نے کرنل کو ساری سچویشن بتادی ہے اور تمہارے لیے بھی ایک بندے کا بندوبست کردیا ہے اگر تم یہاں بیٹھنا چاہتی ہو تو ذرا دیر کو بیٹھو ہم ڈاکٹر ذیشان سے ایک مختصر سی میٹنگ کرکے ابھی آتے ہیں۔"

"جی انکل! میں بیٹھی ہوں آپ جائیں۔" میں نے کہا اور وہاں رکھے ہوئے صوفوں پر بیٹھ گئی اور حشام کی سلامتی کے لیے "یاسلام" کا ورد کرنے لگی۔

پندرہ بیس منٹ کے بعد انکل اور کرنل مشتاق واپس آگئے۔کرنل مشتاق نے انکل سے ہاتھ ملایا اور چلے گئے۔

بعد میں انکل نے مجھے تفصیل بتائی کہ ڈاکٹر ذیشان کے تعاون سے کمانڈوز کی ڈیوٹیاں ڈاکٹر اور وارڈ بوائے کی حیثیت سے کہاں کہاں لگیں گی۔ایک کمانڈو گارڈ کی حیثیت سے ہر وقت حشام کے ساتھ ہوگا' اس کے علاوہ انکل نے یہ بھی بتایا کہ میرے ساتھ بھی چوبیس گھنٹے ایک کمانڈو رہے گا۔وہ ہی میرے ڈرائیور کی حیثیت سے میری کار ڈرائیو کرے گا اور رات کو بھی میرے گھر پر ہی ٹھہرے گا۔

"تمہارے گھر ٹھہرنے میں کوئی مسئلہ تو نہیں ہوگا کیوں کہ تمہارا اوپر والا پورشن تو خالی ہی پڑا ہے' رات کو وہ وہیں قیام کرے گا۔" انکل نے کہا۔

"جیسی آپ کی خوشی انکل! میں امی کو یہ بات سمجھا کر بتادوں گی۔" میں نے کہا۔

"بیٹا ذرا حشام کی جانب سے بے فکری ہوجائے تو میں ساری بات تم سے تفصیل سے کروں گا کہ میں یہ سب کیوں اور کس لیے کررہا ہوں۔" انکل نے کہا۔

"میں جانتی ہوں انکل!"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"تم کچھ نہیں جانتیں بیٹا!" انکل نے میری بات سن کر تیزی سے کہا۔"بس اتنا جان لو کہ ہم سب بہت بڑے خطرے میں گھرے ہوئے ہیں۔"

"جی...؟" میں نے شدید حیرت سے کہا۔

"جی بیٹا!"

"اچھا انکل! یہ بتائیں کہ کرنل مشتاق کی کیا اپنی ایجنسی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں..." انکل نے کہا پھر وہ مجھے کرنل مشتاق کے بارے میں بتانے لگے۔

"کرنل مشتاق اور میرے والد آپس میں بہت اچھے دوست تھے' میرے والد بھی صحافت کے پیشے سے وابستہ تھے اور کرنل مشتاق کے والد نیوی آفیسر تھے' دونوں میں بے حد دوستی تھی' ہمارے گھروں میں بھی آنا جانا تھا ' اسی حوالے سے ہماری دوستی بھی ہوگئی۔ہم نے اسکول اور کالج تک تعلیم ساتھ ہی حاصل کی۔ایک مزے کی بات تمہیں بتاؤں کہ ہمیں ایک ہی لڑکی سے محبت ہوگئی ہم انٹر میں تھے وہ ہمارے ہی کالج میں پڑھتی تھی' لیکن وہ مجھے چھوڑ کر مشتاق کی جانب مائل ہوگئی۔

بعد میں جب ہم نے ایک دوسرے کو اپنے حال دل سنائے تو ہماری محبت کا مرکز وہی لڑکی نکلی اور تمہیں پتا ہے مشتاق نے کیا کیا...؟" انکل نے بہت محبت اور عقیدت بھرے لہجے میں کہا۔

"نہیں تو... آپ بتائیں؟" میں نے پوری دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"مشتاق نے اسی دن اس لڑکی کو چھوڑ دیا اور اسے صاف صاف کہہ دیا کہ میں تمہارے ساتھ مزید آگے قدم نہیں بڑھاسکتا۔ آج سے میرے اور تمہارے راستے جدا ہیں۔" اس نے یہ سب اس لیے کیا کہ میں بھی اس میں دلچسپی لے رہا تھا اور وہ مشتاق میں پھر ہم دونوں ہی نے اسے اپنی زندگی سے نکال دیا اور ایک دوسرے کے ساتھ وعدہ کیا کہ جیسے ہی کوئی لڑکی پسند آئے گی اسے فوراً ایک دوسرے سے ملوائیں گے اس لیے جب میں نے تمہاری آنٹی کو دیکھا اور پسند کیا تو فوراً ہی مشتاق سے ملوادیا۔

پھر مشتاق نے اپنے والد کی خواہش پر پاکستان آرمی جوائن کرلی اور میں صحافت کے پیشے میں آگیا۔ میرے والد کا نام آج بھی صحافت کی دنیا میں بڑی عزت اور احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے، وہ نہایت بے باک سچے اور نڈر صحافی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تھے اور یہی اوصاف اپنانے کی تعلیم انہوں نے مجھے بھی دی تھی۔ آج وہ دنیا میں موجود نہیں ہیں اللہ انہیں غریق رحمت کرے لیکن ان کے بتائے ہوئے اصول آج بھی میرے ساتھ ہیں اور میں نے یہی تعلیم اپنے بیٹے کو بھی دی تھی کہ بیٹا حق اور سچ کا ساتھ ہمیشہ دینا اور یاد رکھنا حق اور سچ کبھی بکتا نہیں۔"

مشتاق آرمی میں کمانڈو تھا پھر ریٹائرمنٹ کے بعد اس نے اپنی ایک ایجنسی کھول لی، سیکورٹی گارڈز اور بہترین کمانڈوز اس کے پاس تربیت حاصل کرتے ہیں۔

ہماری آج بھی دوستی ویسی ہی قائم ہے لیکن ملاقات اب کم کم ہوتی ہے، سب کی اپنی اپنی مصروفیات ہیں۔

حشام کی سیکیورٹی کا خیال آیا تو میرے ذہن میں فوراً کرنل مشتاق کا نام آگیا۔ میں نے تمہارے بارے میں بھی بتایا ہے کہ تم میری بیٹی ہو اور بہو بننے والی ہو۔ اس لیے اسے تمہاری سیکیورٹی کا بھی خیال رکھنا ہے۔

آج شام تک وہ سارے بندے آجائیں گے جو اپنے اپنے کاموں میں بہت ماہر ہیں، تاکہ پھر میں بھی ذرا دیر کے لیے آرام کرسکوں۔" انکل نے ساری تفصیلات مجھے بتائیں پھر میں نے کہا۔

"انکل! آپ کی شوگر بھی بہت ہائی ہورہی ہوگی۔"

"ہونے دو بیٹا! اب کیا کریں؟" انکل نے بے پروا لہجے میں کہا۔

"آپ نے کوئی دوا بھی نہیں لی ہے، آپ کو ہماری ضرورت ہے تو کیا ہمیں آپ کی ضرورت نہیں ہے۔جتنے ہم آپ کے لیے ضروری ہیں اتنے ہی آپ لوگ بھی ہمارے لیے ضروری ہیں۔آپ مجھے بتائیں کہ کون سی دوائیں لیتے ہیں میں ابھی یہیں میڈیکل اسٹور سے لے آتی ہوں۔" میں نے محبت سے انکل کے ہاتھوں کو تھام کر کہا تو وہ دھیرے سے مسکرادیئے اور دواؤں کے نام بتادیئے۔

میں اسٹور سے دوائیں لے آئی اور انکل کو اپنے ہاتھوں سے دوا کھلائی، آج میں اپنے آفس بھی نہیں گئی تھی اور نا ہی چھٹی کرنے کا کوئی فون کیا تھا، اس

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

لیے سوچا کہ فون کرکے رمضانی صاحب کو بتادیتی ہوں'اس لیے میں نے رمضانی صاحب کا نمبر ملایا اور کہا۔

"سر! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، آپ کو تو معلوم ہے کہ میں ایک دو روز کے لیے چل پھر نہیں سکتی، اس لیے چھٹی مانگ رہی ہوں۔"

"اسپتال میں تو تم بڑی ایکٹیو تھیں، ہم سے یہ کہہ کر گئی تھیں کہ تکلیف بہت ہے گھر جارہی ہوں، پھر یہاں چینل میں جاوید کے ساتھ کیا کرنے آئی تھیں؟" رمضانی صاحب نے طنزیہ لہجے میں کہا تو میں سناٹے میں آگئی پھر اپنے آپ کو سنبھال کر کہا۔

"سر! میں گھر ہی جارہی تھی کہ جاوید کو کوئی کام یاد آگیا اور اس نے کہا کہ ایک منٹ کا کام ہے میں وہ کرلوں پھر تمہارے گھر ڈراپ کردوں گا۔اس میں ایسی کیا بات ہوگئی۔" میں نے بے پروا لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے میں جانتا ہوں کہ تم اس وقت بھی گھر پر نہیں اسپتال میں ہو، خیر تمہاری مرضی کرلو چھٹی جتنے دن چاہے۔" اتنا کہہ کر رمضانی صاحب نے فون پٹخ دیا۔

میں نے ابھی فون بیگ میں رکھا ہی تھا کہ وہ پھر بجنے لگا میں نے فون نکالا اور نمبر دیکھا تو وہ جاوید کا تھا۔میں نے جھٹ ریسیو کا بٹن پش کیا اور یقینا جاوید کے پاس کوئی اہم نیوز ہوگی۔

”ہاں جاوید بولو۔“ میں نے تیزی سے کہا۔

”حشام کیسا ہے؟ اسے ہوش آیا یا نہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”وہ ویسا ہی ہے‘ اسے ابھی ہوش نہیں آیا۔ہاں بولو‘ کوئی خاص بات؟“ میں اس کے منہ سے کوئی اہم خبر سننا چاہ رہی تھی۔

”خاص بات یہ ہے کہ رات کو میری غیر موجودگی میں میری الماری کھولی گئی اور اس میں سے کیمرے میں موجود وڈیو کیسٹ نکال لی گئی ہے لیکن جب ان لوگوں نے وہ کیسٹ دیکھی ہوگی تو انہیں پتا چلا ہوگا کہ یہ تو ان کی مطلوبہ کیسٹ نہیں ہے تو انہوں نے میرے سارے کیبن کی اچھی طرح سے تلاشی لے ڈالی ہے‘ یہاں یہ بات بھی سب کے علم میں ہے کہ میں اور تم رات یہاں آئے تھے۔اب وہ کیسٹ تمہارے پاس ہے اور تمہیں اس کی حفاظت کرنی ہے۔“ جاوید نے اتنی بات کرکے فون بند کردیا۔

پھر میں نے ساری بات انکل کو بتائی تو انہوں نے مشورہ دیا کہ تم وہ کیسٹ کرنل مشتاق کے حوالے کردو۔

”کیوں انکل؟“ میں نے کہا۔

”اس سارے معاملے کو میں اس کے ہینڈ اوور کررہا ہوں۔وہی اس معاملے کا کھوج لگائے گا۔“ انکل نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

انکل مجھے کچھ نہیں بتارہے تھے کہ معاملہ کیا ہے‘ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں ان سے تفصیل سے پوچھوں کہ انکل اور حشام ایسے کون سے پروجیکٹ پر کام کررہے تھے۔کس کے خلاف رپورٹ بنارہے تھے‘ ایسا کون شخص ہے کہ جس کے خلاف انکل کے پاس پکے پکے ثبوت ہیں اور وہ حشام کی جان کے در پے ہوگیا لیکن انکل کی گمبھیر سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے میرے اندر قطعی ہمت نہیں ہورہی تھی کہ میں ان سے مزید کرید کرید کر پوچھوں کیوں کہ انہوں نے کہا تھا کہ حشام کی جانب سے بے فکر ہونے کے بعد وہ مجھے سب کچھ خود بتائیں گے۔

میں سارا دن انکل کے ساتھ رہی' ہم بار بار حشام کو جا کر دیکھتے ڈاکٹر سے اس کے بارے میں معلوم کرتے۔ڈاکٹر نے یہی کہا کہ آپ لوگ دعا کریں کہ یہ جلد ہی ہوش میں جائے' ان کو ہوش آجائیں گا تو ہی اطمینان ہوسکتا ہے ورنہ یہ ڈر ہے کہ کہیں یہ کومے میں نہ چلے جائیں۔

شام کو کرنل مشتاق کے ہمراہ ان کی خاص ٹیم آگئی اور انہوں نے اپنی اپنی ڈیوٹیز سنبھال لیں۔میرے ساتھ انکل مشتاق نے دو افراد کی ڈیوٹی لگائی' ایک گارڈ کی حیثیت سے گھر کے گیٹ کے اند

موجود تھا' دوسرا میرے ساتھ ڈرائیور کی حیثیت سے رہے گا۔

انکل کو مجھے وہ ویڈیو کیسٹ دینی تھی اس لیے انکل میرے ساتھ ان دونوں گارڈز کے ہمراہ میرے گھر آنے کے لیے میری کار میں بیٹھ گئے اور طلال انکل کو بھی انہوں نے زبردستی آرام کرنے کے لیے گھر بھیج دیا۔

گھر آکر میں نے انکل کو بھی اندر بلالیا اور وہ کیسٹ ان کے حوالے کردی۔

انکل فوراً ہی اپنی گاڑی میں جو' ان کا ڈرائیور تھا پیچھے پیچھے لارہا تھا اس میں بیٹھ کر واپس چلے گئے جب کہ ان دونوں نے فوراً ہی اپنی ڈیوٹیز سنبھال لیں۔

ڈرائیور کی حیثیت سے میرے ساتھ رہنے والے لڑکے کا نام آصف تھا جب کہ گیٹ پر ڈیوٹی دینے والے لڑکے کا نام عثمان تھا۔دونوں لمبے چوڑے ڈیل ڈول کے ہینڈسم بندے تھے۔

امی اور اماں حسب عادت پریشان ہورہی تھیں کہ یہ سب کیا ہورہا ہے' میں نے انہیں سمجھایا کہ جو ہورہا ہے اچھا ہی ہورہا ہے۔فی الحال میں تھوڑی دیر کے لیے آرام کرلوں۔

میں بہت زیادہ تھکی ہوئی تھی' لیکن آنٹی کے پاس تھوڑی دیر بیٹھی انہیں بہت تسلی دی تو وہ میری جانب عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگیں تو میں نے پوچھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟"

"مجھے تم دونوں نے کتنا اکیلا کردیا ہے۔" انہوں نے دکھی لہجے میں کہا۔

"کن دونوں نے...؟ یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"طلال نے اور تم نے۔" انہوں نے شکوہ کناں نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آنٹی پلیز..." میں نے احتجاجی لہجے میں کہا۔"آپ کس قسم کی باتیں سوچ رہی ہیں' اللہ نہ کرے کہ آپ کبھی تنہا ہوں۔میں حشام اور انکل سب ہی آپ ہی کے تو ہیں۔" میں نے محبت سے ان کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر کہا۔

"جب ہی تو تم لوگ مجھ سے ہر بات چھپا رہے ہو' کچھ بھی نہیں بتا رہے۔آخر یہ سب کیا ہورہا ہے وہاں اسپتال میں بھی حشام کی حفاظت اور نگرانی کے لیے طلال نے کرنل مشتاق کو فون کیا اور بندے بلوالیے' ادھر تمہارے گھر پر بھی حفاظت کے لیے گارڈز تعینات کردیئے ہیں۔آخر ان سب کی وجہ کیا ہے؟ کیا تمہاری اور حشام کی جانوں کو کسی سے خطرہ ہے' کیا یہ حملہ میرے حشام پر کسی نے جان بوجھ کر کیا ہے' مجھے کچھ تو بتاؤ۔میرا دل بہت زیادہ گھبرا رہا ہے۔بیٹا میری زندگی کا محور تو صرف تم تینوں کی ذات ہے میں کسی ایک کا نقصان بھی برداشت نہیں کرسکتی۔اللہ کرے تم تینوں کو میری باقی ماندہ عمر بھی لگ جائے۔" انہوں نے روتے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ سلامت رکھے اور ہمارے ساتھ رکھے۔دیکھیے گا ان شاء اللہ ہم سب ہمیشہ ساتھ رہیں گے اور خوش رہیں گے۔آپ کچھ مت سوچیں اور صرف دعا کریں۔دیکھیے گا ان شاء اللہ ہمیں جلد ہی حشام کی جانب سے خوش خبری ملے گی۔رہی بات گارڈز کی تو آنٹی ہماری لائف میں ایسا تو ہوتا ہی ہے اور یہ کوئی حشام پہلا فرد نہیں ہے جس کے ساتھ ایسا ہوا ہے اس سے پہلے بھی بہت سے لوگوں کے ساتھ مسائل پیش آئے ہیں۔ہاں یہ حقیقت ہے کہ حشام پر یہ حملہ ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہے' بس یہی بات سوچ کر کہ حشام کو اسپتال میں کوئی نقصان نہ ہو' گارڈز تعینات کیے گئے ہیں۔" میں نے آنٹی کو تسلی دیتے ہوئے کہا تو وہ ایک بار پھر دعاؤں میں مصروف ہو گئیں۔

میں نے نماز عشاء ادا کی اور سونے کے لیے لیٹ گئی۔لیٹتے ہی جھٹ نیند میری آنکھوں میں اتر آئی اور پھر مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔اچانک موبائل کی تیز بیل سے میری آنکھ کھل گئی۔میں نے اسکرین پر نمبر دیکھا طلال انکل کا فون تھا' میں نے جلدی سے فون ریسیو کیا۔

"سرمئی بیٹا! حشام..." انکل نے صرف اتنا کہا اور رو پڑے اور فون میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔

میں بہت گہری نیند میں تھی جب فون کی تیز بیل نے میری نیند میں دخل اندازی کی۔ میں نے کسمسا کر کروٹ بدل لی اور دوبارہ گہری نیند کی وادیوں میں اترنے لگی، بیل بج بج کر خاموش ہو گئی لیکن ایک بار پھر بیل بجنے لگی، وہ مسلسل بج رہی تھی، اچانک نیند میں ہی حشام میری آنکھوں کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے پیار سے مجھے پکارا۔

"سرمئی... سرمئی اٹھو ناں..."

اور میں ہڑبڑا کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ فون کی بیل اب بھی مسلسل بج رہی تھی۔ میں نے آدھی رات کو آنے والے اس فون کو سننے کے لیے فون کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں، تب ہی سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے فون کی روشن اسکرین پر میری نگاہ پڑی تو میں نے جھپٹنے کے انداز میں فون اٹھالیا اور اسکرین پر نمبر دیکھا، وہ طلال انکل کا نمبر تھا، میں نے جھٹ فون کان سے لگایا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جی... جی انکل... حش... حشام کیسا ہے...؟"

"سرمئی بیٹی حشام ...!" میری آواز سن کر انکل نے صرف اتنا کہا اور رو پڑے۔

"کیا ہوا حشام کو...؟" انکل کے رونے سے میں حواس باختہ ہو گئی اور میرے منہ سے چیخ کے انداز میں نکلا۔

"سرمئی بیٹی حشام... حشام کو ہوش آ گیا ہے بیٹی... میرا حشام زندگی کی جانب لوٹ آیا ہے۔ اس نے آنکھیں کھول دیں ہیں بیٹی...!" انکل نے روتے ہوئے کہا۔

"کیا...! حشام کو ہوش آ گیا۔" میں خوشی کے مارے بیڈ سے اتر گئی۔ "لیکن آپ رو کیوں رہے ہیں...؟" میں نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

"بس ایسے ہی ... "وہ جھینپ گئے۔ "یہ تو خوشی کا رونا ہے۔ تم اس وقت میری دلی اور ذہنی کیفیت کا اندازہ بھی نہیں کر سکتیں... حشام سے مل کر اور اس سے بات کر کے میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ میں ہنسوں یا رؤں... اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمارا حشام ہمیں لوٹا دیا ہے۔ وہ تم سے اور تمہاری

آنٹی سے ملنا چاہتا ہے... تم ایسا کرو کہ انہیں بھی یہ خبر سنا دو اورانہیں ساتھ لے کر اسپتال آجاؤ۔ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ حشام اب خطرے سے باہر ہے۔"

اتنا کچھ بتانے کے بعد انکل نے فون بند کردیا اور پھر حقیقت میں مارے خوشی کے میری آنکھیں بھی چھلک پڑیں اور میں ننگے پاؤں ہی کمرے سے نکل کر آنٹی کے کمرے کی جانب دوڑ پڑی۔

میں اندر کمرے میں گئی تو فرش پر جائے نماز بچھائے امی اور آنٹی دونوں محو دعا تھیں۔"آنٹی...امی "میں نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں دوڑتی ہوئی آنٹی کی جانب بڑھی او ران کے گلے لگ کر سسک پڑی۔

"کیا ہوا سرمئی بیٹی ...!" میری اس حرکت سے آنٹی کا سارا جسم خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپنے لگا اور انہوں نے لرزتی ہوئی مدھم آواز میں پوچھا۔

"آنٹی ہمارے حشام کو ہوش آگیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اسے زندگی کی جانب لوٹا دیا ہے۔اس نے انکل سے بات بھی کی ہے۔وہ آپ کو اور مجھے یاد کررہا ہے..." میں نے خوشی سے لرزتی اور آنسوؤں میں بھیگی ہوئی آواز میں کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"یااللہ تیرا شکر ہے...!" آنٹی کے سینے سے ایک گہری سانس نکلی اور انہوں نے اتنا کہااور بے ساختہ سجدے میں گر گئیں۔پھروہ دیر تک سجدے میں سررکھے روتی رہیں ... تب میں نے انہیں کندھوں سے تھام کر اٹھایا اور ایک بار پھر ہم دونوں گلے لگ گئے۔

امی نے بھی گلے لگا کر آنٹی کو مبارک باد دی۔اماں اور بابا بھی ہماری آوازیں سن کر آگئے... سب نے اس خوشی کی خبر پر شکر ادا کیا۔

میں نے گارڈ آصف کو کال کی جو گھر کی اوپر والی منزل میں موجود تھا۔میری پہلی ہی بیل پر اس نے فون ریسیو کرلیااور بولا۔

"یس میم...!"

"آصف آپ ابھی فوراً نیچے آجائیں، ہمیں اسپتال جانا ہے۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"اوکے میم آئی ایم جسٹ کم انگ۔" اس نے بھی اسی تیزی سے جواب دیااور میں نے سلسلہ منقطع کردیا۔

...☆☆☆...

سرمئی کی سسکیاں سن کر میں بری طرح گھبرا گیا اور اس کے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ حشام کو گولیاں لگی ہیں اور وہ بہت زخمی حالت میں اسپتال میں ہے، وہ اتنی زیادہ پریشان تھی کہ اس نے نواب سطوت کے اس ری ایکشن کے بارے میں بھی معلوم نہیں کیا جو روشن آراء کی جانب سے آنے والی ای میل کو دیکھ کر ہوا ہوگا۔

میں نے سرمئی سے مزید تفصیلات معلوم کیں اور اسے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ میں کوشش کروں گا کہ حشام کو دیکھنے کے لیے اسپتال آؤں تو اس نے مجھے سختی کے ساتھ منع کردیا، میرے وجہ پوچھنے پر بھی اس نے فی الحال وجہ نہیں بتائی اور کہا کہ وہ بعد میں مجھ سے تفصیلی بات کرے گی بس مجھ سے دعا کی التجا کی، میں نے بھی کہا کہ یہ کوئی کہنے کی بات ہے، پھر اس نے فون بند کردیا۔

سرمئی سے بات کرنے کے بعد مجھے نیند ہی نہیں آئی، میں بیڈ پر پریشان لیٹا سرمئی اور حشام کے بارے میں سوچتا رہا۔میں جانتا تھا کہ دونوں ایک دوسرے کو دل سے پسند کرتے ہیں اور ساتھ

زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔روشن آراء آنٹی نے بھی ایک ماں کی حیثیت سے حشام کو دیکھااور اپنی بیٹی کی پسند پر اطمینان کا اظہار کیا تھا۔سرمئی کے روپ میں اپنی بہن فائزہ کو دیکھاتھا، ایک بھائی کی حیثیت سے جو ارمان اور جذبات میرے دل میں فائزہ کے لیے تھے وہ اب سرمئی کے لیے میرے دل میں تھے اور میری دلی دعا اور تمنا تھی کہ سرمئی حشام کے ساتھ ایک خوشگوار اور مطمئن زندگی گزارے... لیکن اب حشام موت وزندگی کی کشمکش میں مبتلا تھا اللہ نہ کرے کہ اسے کچھ ہو، ورنہ سرمئی جیسی لڑکی جو زندگی میں ایک بار ہی کسی کو اپنا سب کچھ مانتی ہیں، جی نہیں سکے گی۔

میں بہت سی فکر اور اندیشوں میں گھرا ہوا تھا کہ اذان فجر کی آواز میرے کانوں میں آئی اور میں بے ساختہ فجر کی نماز کی ادائیگی کے لیے بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

نماز کے بعد گڑگڑا کر سچے دل سے حشام کی صحت اور زندگی کی دعا کی، پھر چائے وغیرہ پی کر میں نے ایک بار پھر نواب کے کمرے کا رخ کیا۔میں نے نواب کے کمرے کے بند دروازے پر ہلکی سی دستک دی یہ دیکھنے کے

لیے کہ وہ جاگ گیا ہے یا نہیں' اگر اندر سے اس کا جواب آتا تب ہی میں اندر داخل ہوتا۔

میری دستک سنتے ہی نواب کی دھیمی آواز سنائی دی۔

”آجاؤ شمروز...“ تو میں دروازہ کھول کر یہ سوچتے ہوئے اندر داخل ہو گیا کہ اسے کیسے پتا کہ دروازے پر میں ہوں اور اس بات کا اظہار میں نے اندر پہنچتے ہی کرڈالا۔

”ارے 'نواب صاحب آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں آیا ہوں۔“

”میں تمہاری دستک پہچانتا ہوں اور مجھے یہ بھی پتا تھا کہ صبح ہوتے ہی تم میری خیریت معلوم کرنے کے لیے ضرور آؤ گے...“ وہ تکیے کے سہارے بیڈ پر نیم دراز تھا۔مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

”رات کو تو مجبوراً مجھے جانا پڑا... لیکن یقین جانیں نواب صاحب کہ رات کو مجھے نیند ہی نہیں آئی' بار بار یہ دل چاہ رہاتھا کہ آپ کو آکر دیکھ لوں... لیکن یہ سوچ کر نہیں آیا کہ اگر آپ سو رہے ہوں گے' تو میں خواہ مخواہ آپ کے

آرام میں مخل ہوجاؤں گا۔اب کیسی طبیعت ہے...“ میں نے اس کے قریب جا کر کہا۔

”اب بہت بہتر ہوں...!“ اس نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”آپ' اب بھی مجھے فریش نہیں لگ رہے ہیں۔ٹھہریں میں پہلے آپ کا بی پی چیک کروں گا۔بعد میں دوسری باتیں ہوں گی۔“ یہ کہہ کر میں نے اس کا بی پی چیک کیا' جو کہ اب بھی ہائی ہی تھا' لیکن اتنا تشویشناک نہیں تھا۔

”تھوڑا سا اب بھی بڑھا ہوا ہے۔میرا خیال ہے کہ آپ ابھی تک ذہنی طور پر نارمل نہیں ہوئے ہیں۔میں نے کہا تو ہے کہ آپ اپنی ساری فکریں اور ٹینشن مجھے دے دیں' میں جو ہوں پھر پریشانی کی کیا بات ہے۔“ میں نے مسکراتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کہا تووہ بولا۔

”ایک وقت تھا جب جوانی تھی... بڑی سے بڑی ٹینشن بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ پاتی تھی۔لیکن برا ہو اس بڑھاپے کا... جہاں جسمانی طاقت ڈاؤن ہو... ساری قوتیں ہی ڈاؤن ہوجاتی ہیں۔“ اس نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"اسی کانام زندگی ہے نواب صاحب... یہ وقت تو سب پر ہی آتا ہے۔" میں نے کہا تو وہ سر ہلانے لگا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہا' وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا' میں نے بھی اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ میں یہ بات جانتا تھا کہ وہ کن پریشان کن سوچوں میں گم ہے' بڑھاپا ایک ایسی بلا کانام ہے جو ہر ایک انسان سے جو زندہ ہے' اس کی مرضی کے بغیر اس سے آن لپٹتا ہے' ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے میرا ایسے بہت سے مریضوں سے واسطہ پڑتا تھا جو اپنی گھٹتی ہوئی قوتوں سے خوفزدہ تھے' عورت اور مرد دونوں ہی بڑھاپے کے نام سے خوف زدہ ہوجاتے ہیں۔ عورت کو اپنی خوب صورتی اور حسن کے فنا ہونے کا غم ہوتا ہے تو مرد کے آگے بھی بہت سی سوچیں ہوتی ہیں۔ خاص کر وہ مرد جس نے اپنی جوانی عیاشیوں میں گزاری ہو' اس لیے کسی دانا کا قول ہے کہ "جوانی کی دولت کو احتیاط سے خرچ کرو... کیوں کہ یہ بہت تیزی سے گھٹتی ہے۔"

نواب سطوت بھی اس وقت یہی سوچ رہا ہوگا کہ اس نے اپنی جوانی میں جتنی طاقت حاصل کی تھی' اس کے ماتحت اور اس کو اپنا روحانی پیشوا' ماننے والے

لوگ صرف اس کی آواز اور دبنگ لہجے سے ہی سہم کررہ جاتے تھے' لیکن شاید اب اس کا دم خم ختم ہو رہا تھا' اس کو بڑھاپے اور بیماریوں نے آن گھیرا تھا ' ذرا سی ٹینشن ہی اس کابلڈ پریشر بڑھادیتی تھی' اس کے معائنے کے بعد مجھے اس بات کا بھی اندازہ تھا کہ وہ جلد ہی دل کی بیماری میں بھی مبتلا ہونے والا تھا' وہ نہیں چاہتا تھا کہ عام لوگوں کو اس کی بیماری اور کمزوری کے بارے میں پتا چلے' اس لیے میرے بہت کہنے پر بھی وہ ہاسپٹل نہیں گیا' اسے پراپر چیک اپ کی ضرورت تھی۔

میں نواب کے بارے میں سوچ رہا تھااور وہ نہ جانے کن سوچوں میں گم تھا' کتنے ہی لمحے چپ چاپ گزر گئے' پھر میں اپنی سوچوں کے حصار سے باہر آیا اور اسے مخاطب کیا۔

"کن سوچوں میں گم ہیں نواب صاحب...؟ میں نے آپ سے کہا ہے کہ آپ اپنے ذہن اور اعصاب پر کسی بھی قسم کی کوئی فکر سوار مت کریں۔ آپ ابھی تک نارمل حالت میں نہیں آئے ہیں۔"

"آں... ہاں...!" میرے مخاطب کرنے پر وہ بری طرح چونک پڑا۔ مجھے اس لمحے اس کے چہرے پر ایک عجیب سا خوف دکھائی دیا۔

"کیابات ہے نواب صاحب...!" میں نے بہت ملائم اور محبت بھرے لہجے میں اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔"کیا ٹینشن ہے آپ کو... آپ مجھے بتائیں اور بے فکر ہوجائیں، میں آپ کی تمام فکریں اور پریشانیاں اپنے سر لے لوں گا۔" یہ بات کہتے ہوئے میرے لبوں پر ایک نرم مسکراہٹ تھی۔

"تم ایک بہت ہی اچھے لڑکے ہو شمروز... کاش اللہ تعالی نے مجھے تمہارے جیسا ایک ہی بیٹا عطا کیا ہوتا... اگر وہ مجھے ایک بیٹادے دیتا تو اس کی رحمت کے خزانے میں کیا کمی آجاتی۔" اس نے بہت حسرت بھرے انداز اور تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"آپ اتنی دیر سے یہی بات سوچ جارہے ہیں نواب صاحب... میں اپنے آپ کو آپ کابیٹا کہنے کی گستاخی اور جسارت تو نہیں کرسکتا لیکن اپنے آپ کو آپ کا غلام ضرور تصور کرتا ہوں۔ایک ایسا غلام جو اپنے آقاپر ہر وقت جان نثار

کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔" میں نے دل میں اسے ایک ناقابل اشاعت گالی سے نوازتے ہوئے چہرے پر منافقت کی نرمی اور مسکراہٹ سجاتے ہوئے چاپلوسی سے کہا۔

"میں حیران ہوں شمروز کہ تمہارے اندر ایسی کون سی خوبی پوشیدہ ہے کہ مجھے تم اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہوتے ہو، بالکل میرے کسی اپنے کی طرح... " اس نے میرا ہاتھ ہلکے سے دباتے ہوئے کہا۔

"یہ سب اللہ کی جانب سے ہے۔"میں نے کہا۔

"شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو، میں تم پر بہت ٹرسٹ کرنے لگا ہوں۔ابھی تھوڑی دیر پیشتر بار بار میرے دل میں ایک خیال کچوکے مار رہاتھا کہ میرے بعد میرا وارث کون ہوگا، سات پشتوں سے اس گدی کے اصل وارث ہماری نسل چلی آرہی ہے، لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ میرے بعد میری یہ گدی خودبخود اس الو کے پٹھے، لودھی، کے بیٹے کو مل جائے گی، وہ میرا چچازاد بھائی ہے اور اس کے پاس خاندانی بیوی سے دو بیٹے موجود ہیں، لیکن اب نہ جانے

کیوں تمہاری باتوں سے مجھے ایک اطمینان سا ہوچلا ہے' اب میں کافی حد تک ریلکس ہوں۔"

"کیا ارادہ ہے' کیا ایک شادی اور کررہے ہیں۔" میں نے بڑی جرات کرکے یہ سوال کرڈالا۔

"شادی کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" اس نے مایوسی سے سرہلایا۔

"آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں۔ میرے خیال میں تو ابھی آپ کی عمر اتنی تو نہیں ہوئی ہے کہ آپ ایک بیٹا پیدا نہ کرسکیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"جو بات میں محسوس کرتا ہوں' تم اس سے ناواقف ہو۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"پھر یہ اتنی حسین اور جوان لڑکیاں آپ کے بیڈروم میں کیا کرتی ہیں؟" میں اس کی بات کی گہرائی میں چھپا راز جان گیااور حیرت سے کہا۔

"وہ تو بس یوں ہی دل لگی... خیر چھوڑو تم اس موضوع کو۔" اس نے جھینپ کر کہا اور بات بدلتے ہوئے بولا۔"آج جمعرات ہے ناں۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"جی ہاں آج جمعرات ہے' کیوں آج کوئی خاص کام ہے کیا۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں آج رات مجھے محفل میں جانا ہے' میرا خیال ہے کہ آج تم بھی میرے ساتھ اس محفل میں چلو۔"

"محفل... کیسی محفل؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ہر اسلامی مہینے کی پہلی جمعرات اور جمعے کی درمیانی شب میں ایک محفل ہوتی ہے اور میں لوگوں کے روبرو ان کے مسائل سنتا ہوں اور ان کی داد رسی کرتا ہوں۔ بہت دور دور سے لوگ اس میں شرکت کے لیے آتے ہیں اور اس محفل میں شرکت کے لیے بہت پہلے ہی سے انٹری کارڈ حاصل کرنا پڑتا ہے' اس انٹری کارڈ پر محفل میں آنے والے شخص کا پورا بایوڈیٹا فل کیا جاتا ہے اور پھراسے کمپیوٹر میں فیڈ کردیا جاتا ہے۔" نواب نے جواب دیا۔

"ایسا کس لیے نواب صاحب؟" میں نے پوچھا۔

"بھئی ایک تو احتیاطاً کیا جاتا ہے دوسرے ہمیں لوگوں کے مسائل بھی تو حل کرنے ہوتے ہیں۔" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"بہت خوب!" میں نے متاثر ہونے کی اداکاری کی اور کہا۔ "ٹھیک ہے' نواب صاحب' میں آج رات ضرور چلوں گا۔اب یہ ساری باتیں چھوڑیں ' میں آپ کا ناشتہ بھجواتا ہوں۔"

"تمہیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے' ناصر کو معلوم ہے کہ مجھے کیا کھانا ہے وہ ناشتہ لے آئے گا۔تم آرام کرو... اور ہاں میں نے دوسرا لیپ ٹاپ منگوایا ہے' تم ذرا چیک کرکے بتانا کہ اس کمینی عورت کی کوئی دوسری ای میل تو نہیں آئی۔" اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اس ای میل کی آپ فکر نہ کریں۔میں نے کہا تو تھا کہ جب اسے آپ کی جانب سے کوئی جواب ہی نہیں ملے گا تو خود ہی خاموش ہو کربیٹھ جائے گی' اس کام کو تو آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔"میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"اور ہاں شمروز تم نے مجھ سے وعدہ بھی تو کیا ہے کہ ان لوگوں کو تلاش کروگے۔" اس کااشارہ اپنے نام نہاد بیٹا اور بیٹی کی جانب تھا۔

"مجھے اپنا وعدہ یاد ہے' بس آپ کی صحت کی جانب سے اطمینان حاصل ہوجائے پھر اس کام کاآغاز کرتاہوں۔" میں نے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

پھراس سے اجازت لے کر میں اپنے روم میں آگیا۔سب سے پہلے حشام کی خیریت معلوم کرنے کی غرض سے سرمئی کا فون ملایا... لیکن اس سے رابطہ نہیں ہوپایا' میں نے سوچا کہ ہاسپٹل جاکر خود ہی دیکھ آتاہوں پھر سرمئی کی بات یاد آگئی اس نے مجھے ہاسپٹل آنے سے منع کردیاتھا' خیر ناشتے سے فارغ ہو کر میں اپنی بقیہ رات کی نیند پوری کرنے لگا۔

سو کراٹھا تو ایک بارپھر سرمئی کانمبر ملایا لیکن فون پر وہی ریکارڈنگ سنائی دی کہ فی الحال رابطہ ممکن نہیں ہے' میں پریشان ہونے لگا کہ اللہ خیر کرے کیابات ہے' سرمئی سے بات کیوں نہیں ہوپارہی ہے۔میرے پاس سرمئی کے گھر کانمبر بھی نہیں تھا' پھر سوچا کہ گھر میں چکر لگا کر پتا کروں کیا صورت حال ہے' پھرخیال آیا کہ اگر اس دوران نواب نے مجھے طلب کیا اور میں گھر میں نہ ملا تو وہ مجھ سے ضرور پوچھے گا کہ میں کہاں ہوں'پھر میں کیا جواب دوں گا کیونکہ میں نے تو اس سے یہی کہاتھا کہ جب تک اس کابلڈ پریشر نارمل نہیں ہوجاتا میں گھر پر ہی رکوں گا۔

دوپہر ہو گئی تھی ابھی تک تو نواب نے مجھے طلب نہیں کیا تھا' ہاں رات کو مجھے اس کے ساتھ ضرور جانا تھا' میری تو خواہش ہی یہی تھی کہ میں اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جان لوں ذرا دیکھوں تو وہ اپنے لچھے دار گفتگو اور لہجے سے کس طرح سے نادان لوگوں کو مسحور کرتا ہے' سو میں پوری طرح تیار تھا جانے کے لیے۔

اس وقت دن کے تین بجنے والے تھے'مجھے بھوک کا شدید احساس ہوا' سوچا کہ کچھ کھالیاجائے پھر کمرے سے اس خیال سے نکلنے ہی والا تھا کہ اچانک خیال آیا کہ سرمئی کا نیوز چینل لگا کر دیکھتا ہوں ہوسکتا ہے حشام کے بارے میں کوئی نیوز آرہی ہو' ویسے بھی یہ ٹائم نیوز ہی کا تھا۔میں واپس پلٹا اور ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کردیا' سرمئی کا نیوز چینل ہی لگا ہوا تھا۔میں نیوز سننے لگا' صدر اور وزیراعظم کی بور اور بیکار مصروفیات کی لمبی نیوز کے بعد نیوز کاسٹر نے حشام کا نام لیا تو میں پوری طرح ٹی وی کی جانب متوجہ ہو گیا۔اس نے بتایا کہ''ہمارے نمائندے حشام طلال ہنوز بے ہوشی کی حالت میں ہیں۔ڈاکٹرز نے چھتیس گھنٹے اس کی زندگی کے لیے اہم بتائے ہیں۔اگر اس دوران انہیں ہوش

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

آگیا تو بہتر ہے ورنہ خطرہ ہے کہ وہ لمبے عرصے کے لیے کومے میں بھی جاسکتے ہیں۔

حشام کی نیوز سننے کے بعد میں نے ٹی وی آف کردیا۔اس پیارے اور ہنس مکھ لڑکے کے لیے میرا دل بہت پریشان ہو رہا تھا' دل سے بے ساختہ یہ دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ اسے جلد از جلد ہوش کی دنیا میں واپس لے آئے۔

لیکن یہ دعا مانگتے ہی میرا دل اپنے رب کے حضور شرمسار ہو گیا اور ندامت کے بوجھ تلے دل سے یہی آواز آئی۔

''ڈاکٹر شاہ زمان اب تم ایک نیک اور شریف انسان نہیں رہے جو تمہاری دعائیں معتبر ہوں۔تم اب شمروز بن چکے ہو' قاتل 'زانی اوردھوکے باز... اب تمہاری دعاؤں میں وہ اثر کہاں...! لیکن پھر ایک اور آواز آئی۔

''نہیں شمروز تو تائب ہوچکا ہے' اوراس وقت شمروز کا روپ وہ نہیں ہے جو پہلے تھا۔اللہ اپنے ایسے بندوں سے بہت محبت کرتا ہے' جو اپنے گناہوں پر نادم ہو کر اس کے آگے شرمندگی اور ندامت سے سر جھکاتے ہیں او راپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے اس سے معافی کے خواستگار ہوتے ہیں۔میرا

اللہ میری خلوص دل سے کی گئی اس دعا کو ضرور سنے گا۔میری فائزہ(سرمئی) کو اس کا حشام ضرور ملے گا۔

تھوڑی دیر پہلے لگنے والی شدید بھوک ایک دم ہی ختم ہوگئی۔میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں خود اسپتال پہنچ جاؤں۔حشام کی کیفیت خود اپنی آنکھوں سے دیکھوں اور ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے اس کا علاج کروں... لیکن میں بہت مجبور تھا' میرے قدموں کو ان دیکھی لاتعداد زنجیروں نے جکڑا ہوا تھا۔

میراارادہ تھا کہ میں بہت جلد اپنے آپ کو ان زنجیروں سے آزاد کرلوں گا۔

جس شخص نے مجھے ایک مسیحا سے حیوان بنایا تھا' میں خود کو اس کی کمزوری بنالوں گا... آج اس نے مجھ سے جی بھر فائدہ اٹھایا ہے... کل میرا ہوگا۔

میں ان ہی سوچوں میں گم تھا جب میرے سیل فون پر وائبریشن محسوس ہوئی۔میں نے تیزی سے اس خیال سے فون اٹھایا کہ سرمئی کی کال ہوگی' لیکن وہ نمبر میڈم روزی کا تھا۔حشام کی پریشانی اور نواب کے ساتھ کی مصروفیت نے وقتی طور پر میرے دل سے میڈم روزی کا خیال محو کردیا تھا'پھر مجھے سب کچھ یاد آگیا' ہم نے دوبارہ ملاقات کرنے کے خیال سے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ایک دوسرے کے ساتھ موبائل فون کے نمبروں کا تبادلہ کیا تھا۔میں نے فون ریسیو کیا اور کہا۔"ہیلو میڈم روزی کیسی ہیں آپ...؟"

"میں بالکل فٹ فاٹ...! آپ کیسے ہیں ڈاکٹر شاہ زمان۔آپ نے تو پلٹ کر خبر ہی نہیں لی۔" اس نے چہکتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے' آپ سے ملاقات کی خواہش تو ہے لیکن کچھ مصروفیات تھیں۔ویسے ابھی ہماری پہلی ملاقات کو اتنا عرصہ تو نہیں ہوا کہ آپ نے شکایت کردی...!" میں نے دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے اپنے لہجے کو خوش گوار رکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ... لیکن نہ جانے کیوں مجھے ایسا ہی محسوس ہوا... اس روز کی ہماری ملاقات کچھ تشنگی چھوڑ گئی آپ کو جانا بھی تو تھا۔" اس نے کہا۔

"تشنگی بھی دور ہوجائے گی جب ہم مل بیٹھیں گے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"مطلب...؟"اس نے کہا۔

”مطلب کو چھوڑیں‘ اور سنائیں کیسی ہیں۔ آپ کے بندوں نے آپ کو میری مصروفیات کے بارے میں نہیں بتایا۔“ میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”آپ کی مصروفیات کے بارے میں بھلا کیسے پتا چل سکتا ہے‘ آپ کوٹھی سے باہر ہی نہیں نکلے۔“ اس نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔

”گویا میں یہ سمجھنے میں پوری طرح سے حق بجانب ہوں کہ میری نگرانی آپ سے اس سود مند اور دوستانہ ملاقات کے بعد بھی جاری ہے۔“ میں نے طنزیہ لہجہ اپنایا۔

”آپ تو بہت زیادہ ناراض معلوم ہوتے ہیں۔ بھئی ابھی ہماری باضابطہ دوستی کا آغاز ہوا ہی کہاں ہے... پہلی ملاقات میں ہونے والی دوستی پر اعتبار اتنی جلدی کیسے کیا جاسکتا ہے۔اس

فارمولے سے تو آپ بھی اچھی طرح واقف ہی ہوں گے‘ ظاہر ہے ہماری لائن بھی تو ایک ہی ہے۔“ اس نے نرم لہجے میں کہا۔

”اعتبار کے لیے آپ کو کتنی ملاقاتیں چاہئیں۔“ میں نے کہا ویسے میرا خیال آپ سے یکسر مختلف ہے۔میں پہلی ہی ملاقات میں انسان کے چہرے اور اس

کی گفتگو سے اس کو پہچان لیتا ہوں‘ کیونکہ پہچان وہی سچی ہوتی ہے جو پہلی ملاقات میں ہو‘ بار بار کی ملاقات میں تو انسان کو منافقت کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔“ میں نے صاف گوئی سے کہا۔

”بہت خوب! اس نے توصیفی انداز میں کہا۔”مجھے آپ کی بات پسند آئی‘ تو پھر میرے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟“ اس نے دوبارہ چھک کر کہا۔

”اگر آپ کے بارے میں میرا خیال نیک نہ ہوتا تو اس وقت آپ مجھ سے فون پر اس طرح بات نہ کررہی ہوتیں... اوپر پہنچ کر اپنے رب کو اپنے گناہوں کا حساب دے رہی ہوتیں۔“ میں نے کہا تووہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی اور دیر تک ہنستی رہی پھر بولی۔

”آپ دلچسپ گفتگو کرتے ہیں۔“

”چلیں چھوڑیں ان باتوں کو‘ کام کی بات کریں‘ فون کسی خاص مقصد کے لیے کیا ہے۔“ میں نے ساری بات ختم کرکے اصل بات کی جانب آتے ہوئے کہا۔

”نہیں ایسی کوئی خاص بھی نہیں' بس یہی پوچھنے کے لیے فون کیا تھا کہ ہم دوبارہ کب مل رہے ہیں۔“ اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔

”ہوں...!“ میں نے پرسوچ انداز میں ہنکاری بھری اور چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔

”ایک دو دن رک جائیں' میں خود آپ کو کال کرکے ٹائم اور دن بتاؤں گا۔“

”ڈن!“ اس نے خوش ہو کر کہا پھر بولی۔”اچھا ڈاکٹر صاحب آپ کی ایک شکایت تو میں فوری طور پر دور کردیتی ہوں او روہ یہ کہ آپ کی نگرانی پر مامور اپنے تمام بندوں کو ہٹادیتی ہوں۔“

”نہیں! مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا... آپ دوچاربندوں کو اور میرے پیچھے لگادیں...“ میں نے کہا۔

”ارے بابا اب تو ناراضگی ختم کریں... اوراچھے دوستوں کی طرح اللہ حافظ کریں' میں آپ کی کال کاانتظار کروں گی۔“ اس نے ہنستے ہوئے کہا تو میں نے بھی جواباً ہنستے ہوئے دوستانہ انداز میں اسے اللہ حافظ کہااور فون بند کردیا۔

مزیداردوکتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میڈم روزی سے بات کرکے میں وقتی طور پر پریشانی بھلا کر فریش ہو گیا اور بھوک ایک بار پھر ستانے لگی تو باہر کچن میں چلا گیا اور ناصر سے کھانے کے لیے کہا تو وہ بولا کہ وہ دو تین مرتبہ کھانے کا پوچھنے کے لیے میرے روم کاچکر لگا چکا تھا لیکن میں ہر بار اسے سوتا ہوا ملا' اس نے مجھے کمرے میں جانے کے لیے کہا۔

جتنی دیر میں ناصر کھانا لے کر آیا اتنی دیر میں' میں نے شاور لے لیا اور فریش ہو گیا۔ کھانا کھا کر فارغ ہوا توایک ملازم میرے لیے سفید رنگ کا نیا شلوار سوٹ لے کر آگیا کہ یہ نواب صاحب نے بجھوایا ہے' رات کو مغرب کے بعد ہمیں جانا ہے آپ یہ لباس پہن کرتیار ہوجائیے گا۔

میں نے حیرت سے سفید کاٹن کے اس لباس کو دیکھا اور پھر بیڈ پر رکھ دیا اور سوچنے لگا کہ اس نے سفید شلوار سوٹ ہی کیوں بجھوایا ہے' میں کوئی سا بھی ڈریس پہن کر جاسکتا تھا' پھر سوچا کہ آج' اس کی محفل میں شرکت کرکے مجھے میرے بہت سے سوالوں کے جواب خودبخود مل جائیں گے۔

میرے پاس کرنے کے لیے کوئی بھی کام نہیں تھا' اس لیے لیٹ کر ٹی وی دیکھتا رہا اور مختلف چینل گھماتا رہا۔عرفان رسول کے بارے میں بھی کوئی نیوز نہیں تھی۔بہرحال ٹائم پاس کرنا تھا' شام کی چائے پی تو مغرب کی اذان ہوگئی میں نے دروازہ لاک کیا اور مغرب کی نماز پڑھی... میں اب دوبارہ سے نماز کی پابندی کرنے لگا تھا اور دھیان سے دروازہ لاک کرلیا کرتا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی بھی مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھے اور میرے بارے میں کسی بھی قسم کا کوئی خیال اپنے دل میں لائے' کتنی حیرت اور شرمندگی کی بات تھی کہ مسلمانوں کے درمیان رہتے ہوئے بھی مجھے فرض نماز چھپ کر ادا کرنی پڑرہی تھی۔

اس کی وجہ شاید یہی تھی کہ یہ لوگ اور یہ جگہ برائیوں اور جرائم کا گڑھ تھی اور یہاں اپنے فرائض کی ادائیگی بھی ایک اچنبھے کی بات تھی۔

نماز مغرب سے فارغ ہو کر میں نے نواب کا بھجوایا ہوا لباس پہن لیا۔میں نے خود کو آئینے میں دیکھا تو حیران رہ گیا۔میرے سامنے اس وقت شمروز نہیں ڈاکٹر شاہ زمان کھڑا تھا۔میرے چہرے کی سختی اور پھٹکار جیسے کہیں کھو گئی

تھی۔اپنے آپ کو دوبارہ سے اپنے پہلے روپ میں دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور میں نے اپنے آپ کو مخاطب کرکے کہا۔

"شمروز کیا واقعی تم دوبارہ سے شاہ زمان بن گئے ہو...؟" تو میرے دل سے آواز آئی۔"ہاں۔" لیکن دماغ نے فوراً میرے منہ پر ایک جوتا مارتے ہوئے کہا۔"صاف ستھرا لباس پہن لینے سے آپ گناہوں کے ان سوختہ نشانات کو نہیں چھپاسکتے جو آپ کے کردار کو جلا چکا ہے۔"

پھر میں نے کہا۔"بے شک ایسا ہی ہے لیکن میں جلد اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرکے اپنے دامن کے سارے داغ دھولوں گا اور پھر ایک نیا شاہ زمان پیدا ہوگا' پچھلا شاہ زمان صرف اپنے صاف ستھرے کردار کا مالک تھا لیکن یہ شاہ زمان اس معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں کو ہاتھ سے مٹانے کی جدوجہد کرتے ہوئے اپنی زندگی تمام کردے گا...!"

میں آئینے کے سامنے کھڑا سوچوں میں گم دل ودماغ کی گفتگو میں الجھا ہوا تھا تب ہی کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔

"آجاؤ۔" میں نے آئینے کے سامنے سے ہٹتے ہوئے کہا تو گارڈ رسول بخش اندر آگیااور بولا۔

"آپ کو سرکار سائیں نے یاد کیا ہے۔"

"اچھا تم چلو میں آتا ہوں۔" میں نے واپس آئینے کی جانب مڑتے ہوئے کہااور ایک بار پھر ناقدانہ انداز میں اپنا جائزہ لیا اور مطمئن ہو کر کمرے سے باہر آگیا اور نواب کے کمرے کا رخ کیا۔

میں نے نواب کے کمرے کے بند دروازے پر اپنے مخصوص انداز سے دستک دی تو اس نے مجھے فوراً بلالیا۔میں نے دیکھا وہ خود بھی سفید کرتہ پاجامہ پہن کر تیار بیٹھا تھا' ہاتھ میں سفید پتھروں والی تسبیح تھی۔وہ نہایت پروقار اور گریس فل لگ رہا تھا' اتنی عمر ہونے کے باوجود وہ آج بھی ایک پروقار اور بارعب شخصیت کا مالک تھا۔

"تم بہت خوب صورت دکھائی دے رہے ہو۔" اس نے میری جانب دیکھتے ہوئے توصیفی کلمات مسکرا کر ادا کیے۔

"شکریہ نواب صاحب!" میں نے انکساری سے سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے کہا۔
"ایک بات میں بھی کہنا چاہتا ہوں۔" میں نے لمحوں کے توقف کے بعد کہا تو اس نے ہلکے سے سرہلا کر اجازت دی۔

"میں نے جس دن آپ کو پہلی مرتبہ دیکھا تھامیں تب ہی سے آپ کی پروقار شخصیت کے سحر میں گرفتار ہوں... جو وقار آپ کی شخصیت میں ہے وہ کم کم لوگوں میں دکھائی دیتا ہے' لوگ یوں ہی تو آپ کے دیوانے نہیں ہیں۔" میں نے مسکا لگایا تووہ دھیرے سے ہنس دیا' اور بات کو ٹالتے ہوئے بولا۔"تم تیار ہوناں... بس ابھی تھوڑی دیر میں چلتے ہیں۔"

"میراخیال ہے کہ چلنے سے پہلے میں ایک بار پھر آپ کا چیک اپ کرلیتاہوں۔" میں نے کہا۔

"ارے چھوڑو یار ٹھیک ہی ہوگا... اس وقت میں کسی اور بات کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتا۔" نواب نے بے پروا انداز میں کہا تو میں رک گیا۔

تب ہی نواب کا سیل فون بجنے لگا' اس نے نمبر دیکھا اور فون آن کرکے کان سے لگالیا اور بولا۔"ہاں شبیر بولو کیابات ہے؟"

وہ چند لمحوں تک دوسری جانب سے کی جانے والی بات سنتا رہا' پھر اس کے چہرے پر تذبذب کے آثار دکھائی دیئے۔اس نے چند لمحے سوچ کر کوئی فیصلہ کیا اور بولا۔

"اچھا ٹھیک ہے بھیج دو میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے۔تمہیں پہلے ہی اسے بتادینا چاہیے تھا۔" اس نے ناگوار لہجے میں کہااور فون بند کردیا۔اس کی پیشانی پر ناگواری کی سلوٹیں گہری ہوگئیں۔یہ دیکھتے ہوئے میں نے پوچھا۔

"خیریت تو ہے نواب؟ کون تھافون پر؟"

"سکورٹی گارڈ کے انچارج شبیر کافون تھا'میرا ایک اہم بندہ ہے وہ مجھ سے اس وقت ملنے کے لیے آیا ہے' کہہ رہا ہے کہ بہت ضروری کام ہے۔' نواب نے بدستور ناگوار لہجے میں کہا۔

"بعض اوقات نہ چاہتے ہوئے بھی بہت سے کام کرنے پڑتے ہیں اوران میں ہماری بھلائی چھپی ہوتی ہے' ہوسکتا ہے کہ وہ شخص بھی آپ کے لیے کوئی اہم خبر لایا ہو' مل لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں نے کہا تو نواب کی سمجھ میں میری بات آگئی اور وہ ریلیکس ہوگیا۔میں نے اس شخص سے نواب کے ملنے پر اس لیے بھی زور دیا کہ میں اس شخص کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا' تاکہ میں زیادہ سے زیادہ ان لوگوں کے چہروں سے آشنا ہوسکوں جو نواب کے لیے کام کرتے ہیں۔

تقریباً دو تین منٹ کے بعد دروازے پر دستک ہوئی اور باہر کھڑے ہوئے گارڈ نے بتایا کہ "شبن آیا ہے۔"

نواب کی جانب سے اجازت ملنے پر ایک شخص اندر داخل ہوا' وہ تقریباً پینتیس چالیس سال کی عمر کا ہوگا لمبی چوڑی مضبوط جسامت کامالک تھا' چہرے پر گھنی داڑھی اور مونچھیں تھیں۔اس کی آنکھوں کا رنگ سبز تھا اس کی لمبی اور تیکھی ناک اس کے مضبوط ارادوں کوظاہر کررہی تھی۔آنکھیں چھوٹی تھیں لیکن نہایت تیز... برچھی کی مانند اندر اترتی ہوئی۔چہرہ کسی بھی قسم کے احساس سے عاری بالکل سپاٹ تھا' پہلی ہی نگاہ میں وہ مجھے کوئی ڈاکو دکھائی دیا۔

وہ اندر آیا اور نواب کے آگے ہاتھ باندھ کر سر کو جھکا کر کھڑا ہوگیا۔مگراس سے پہلے اس نے آتے ہی جھک کر پہلے نواب صاحب کے پیروں کو دونوں

ہاتھ لگائے پھر آنکھوں سے لگا کر چومے پھر دونوں ہاتھوں کو جوڑا' نواب نے جب سر کو ہلا کر اشارہ کیا تو وہ دونوں ہاتھ نماز کے انداز میں باندھ کر اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

اس کی اس طرح کی حرکت دیکھ کر میرا پارہ ہائی ہو گیااور میرا شدت سے جی چاہا کہ اپنے ایک زور دار پنچ سے اس کے چہرے کا جغرافیہ بگاڑ دوں۔ بھلا نواب کی ذات اس قابل تھی کہ اس کی اتنی تعظیم کی جاتی' لیکن یہ حکم کے غلام لوگ کیا جانیں۔

"کیسے آنا ہوا شبن...اور ایسی کیا ایمرجنسی تھی کہ تم نے اس کوٹھی تک آنے کی جرات کی..." نواب نے دبنگ اور ناگوار لہجے میں پوچھا۔

"آپ کا غلام ہوں سائیں... اگر میرا آنا ناگوار گزرا ہے تو میں بہت بہت معافی ہاتھ جوڑ کے مانگتا ہوں۔" شبن نے جھٹ آگے بڑھ کر بیڈ پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھے نواب کے پیروں پر اپنا ماتھا رگڑتے ہوئے کہا۔

"اچھا بابا ٹھیک ہے... اب بتا... کیا بات ہے؟" نواب نے شان بے نیازی سے کہا تو وہ سر اٹھا کر الٹے قدموں چلتا ہوا قدرے ہٹ کر دوبارہ سے ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہو گیا۔

"حضور... سرکار... میں قربان' میرا سب کچھ آپ کے صدقے..."اتنا کہہ کر وہ رک گیااور میری جانب دیکھنے لگا۔

میری جانب اس کے دیکھنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ میری موجودگی میں نواب سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔بات شاید زیادہ ہی خفیہ تھی۔

نواب نے میری جانب دیکھا تو میں اٹھ کر باہر جانے لگا' تب ہی نواب کی آواز سنائی دی۔

"شمروز۔" تو میرے بڑھتے ہوئے قدموں کو بریک لگ گئے' اور میں بنا مڑے اس کے اگلے حکم کاانتظار کرنے لگا۔

"ٹھیک ہے بابا تم بات کرو... شمروز اپنا ہی آدمی ہے... اس سے ہمارا پردہ نہیں ہے۔" پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔

"آؤ شمروز تم بیٹھو... تمہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" تو میں خاموشی سے آکر دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا اور بظاہر بے نیاز بن کر اپنے موبائل فون میں مصروف ہوگا۔ نہ جانے میرے دل میں کیا آئی کہ میں نے بیٹھے بیٹھے شبن کی جانب موبائل کے کیمرے کا رخ کرکے بٹن دبادیا اور اس کی تصویر کھینچ لی،فلش آن ہوئی تو نواب نے چونک کر میری جانب دیکھا تو میں نے "سوری" کہااور جھٹ موبائل جیب میں ڈال لیا۔ شبن نواب سے بات کرنے لگا تو میں نے اپنا سر صوفے کی پشت گاہ سے ٹکالیااور آنکھیں بند کرلیں۔ شبن کہہ رہاتھا۔

"سرکار بات خاصی بگڑ گئی ہے... اس جرنلسٹ کی ساتھی لڑکی اور لڑکے نے کیمرے سے اصل کیسٹ نکال لی ہے اور اس کی جگہ خالی کیسٹ لگادی ہے... اب معلوم نہیں وہ کیسٹ کہاں اور کس کے پاس ہے۔اس کے علاوہ اب اسپتال میں بھی اس کا کام تمام کرنا مشکل ہوگیا ہے' اس کے باپ نے اسپیشل فورس اس کی حفاظت کے لیے تعینات کردی ہے' اب آپ ہی بتائیں کہ ہم کیا کریں؟"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"کیابکواس کررہا ہے تو...!" اتنا سنتے ہی نواب غصے میں لال پیلا ہو کر ایک دم بیڈ سے کھڑا ہوگیا۔

"مم... میں سچ کہہ رہا ہوں سرکار...!" شبن منمنایا۔

"اس الو کے پٹھے نے کچھ نہیں کیا جس کو اس کام کااتنا تگڑا معاوضہ دیا گیا تھا کہ وہ ... نواب نے ایک مادر پدر آزاد فحش گالی دیتے ہوئے کہا دس سال میں اتنا پیسہ اپنی اس چینل کی نوکری سے کمائے گا۔"

'بات کی تھی سرکار... بلکہ ہم نے اسے اٹھابھی لیا تھا اپنے ڈیرے پر لے گئے تھے کہ سچ سچ بتاتجھے اس چھوکرے پر رحم تو نہیں آگیا اور تو ہمیں ڈبل کراس کررہا ہے' میں نے گن اس کی کنپٹی پر بھی رکھ دی تھی کہ ہم اپنے ساتھ فراڈ کرنے والے کو بخشتے نہیں ہیں لیکن اس نے رو رو کر اور قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ اس نے کوئی دھوکہ نہیں کیا' دراصل اس چھوکرے کی ساتھی وہ جرنلسٹ لڑکی بڑی تیز نکلی... اور جو کیمرے والا چھوکرا تھا وہ بھی غائب ہے...!"

"وہ لڑکی کون ہے اس کاپتا کیا... اسے اٹھاؤ اور پتا کرو..." نواب نے کہا۔

"مشکل ہے سرکار۔اس کے ساتھ مستقل ایک دو کمانڈو ہوتے ہیں... چھوکرے کے باپ کی پہنچ بہت اوپر تک لگتی ہے۔" شبن نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے تم سب نامرد ہوتے جارہے ہو..." نواب نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔"تم ایک لڑکی کو قابو نہیں کرسکتے۔"

"ایسی بات نہیں ہے سرکار... یہ میڈیا کے لوگ ہیں۔میڈیا پہلے ہی بہت شور مچارہا ہے' اس چھوکرے کو لے کر ویسے بھی ساری صحافی برادری ایک ہوگئی ہے۔اب اگر اس لڑکی پر ہاتھ ڈالا تو بہت ہنگامہ مچے گا' اس کے علاوہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہمارا کوئی ثبوت اس کے ہاتھ لگ گیا ہو' اور وہ ثبوت نہ جانے کس کے پاس ہے؟ اگر اس لڑکی کو کچھ ہوا تو سب کچھ سامنے آجائے گا۔" شبن نے کہا تو نواب سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔

"اچھا وہ لڑکا جو رپورٹ بنا رہا تھا اس کا کیا ہوا وہ تم لوگوں کے ہاتھ لگی یانہیں۔وہ تو بہت اہم چیز ہے وہ ان لوگوں کے ہاتھ نہیں لگنی چاہیے۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"رپورٹ تو ہاتھ نہیں لگی' البتہ اس چھوکرے کا لیپ ٹاپ ضائع کردیا گیا ہے۔"

"کیا تمہیں اس بات کا پورا یقین ہے کہ وہ رپورٹ ضائع ہوچکی ہے...مجھے آخر زیڈ آر مراد کو بھی تو مطمئن کرنا ہے۔" نواب نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"جی ہاں سرکار سوفیصدی پکا یقین ہے۔"شبن ایک بار پھر منمنایا۔

"چلو ایک خبر تو تم نے اچھی سنائی' لیکن اس بات کو اچھی طرح یاد رکھ لے' اگر اس کے برخلاف کوئی بات سامنے آئی تو تجھے میں اپنے ہاتھوں سے کتوں کے آگے ڈالوں گا'تاکہ وہ تیرے اس ہڈحرام جسم کی بوٹیاں نوچ نوچ کر کھالیں۔" نواب کے لہجے میں بھوکے شیر کی سی غراہٹ تھی۔

"حضور... سرکار... آپ مائی باپ ہیں ... غلام ہیں سرکار آپ کے..." یہ کہتے ہوئے شبن ایک بار پھر نواب کے قدموں سے لپٹ گیا اور نواب نے اپنی ٹانگ کو ایک زور کا جھٹکا دیا نواب کے جوتے کی نوک شبن کی نوکیلی ناک پر لگی اور وہ پیچھے گر پڑا۔

"اچھا تو جا... آئندہ یہاں آنے کی غلطی نہ کرنا... جو بات بھی کرنی ہو... رستم زمان سے کرنا۔" نواب نے سخت لہجے میں کہا۔

"جو حکم سرکار..." شبن اپنی ناک سہلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا... اور بولا۔"بات بڑے راز کی تھی سرکار اس لیے میں..."

"بس...!" نواب نے ہاتھ اٹھا کر سخت لہجے میں اسے مزید بولنے سے روک دیا تو پہلے ہی ہمارا موڈ بہت خراب کرچکا ہے' اب زیادہ بک بک کرکے ہمارا دماغ مزید خراب مت کر۔"

"حضور!" شبن نے دونوں ہاتھ جوڑے اور نواب کی تعظیم کے لیے رکوع کی حالت میں آگیا پھر الٹے قدموں چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

میں نواب اور شبن کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو بڑے انہماک اور توجہ سے سن بھی رہاتھا اور ادھ کھلی آنکھوں سے یہ سارامنظر دیکھ بھی رہا تھا۔صحافی لڑکے اوراس کی ساتھی صحافی لڑکی کا ذکر سن کر میرے کان کھڑے ہوگئے تھے اور میرا ذہن بہت تیزی کے ساتھ سوچ کی منزلیں طے کررہاتھا' لیکن اس کے کمرے سے چلے جانے کے بعد بھی میں اسی طرح آنکھیں بند کیے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

بیٹھا رہا' گویا میں نے یہاں ہونے والی گفتگو کو نہ تو سنا اور نہ ہی اس میں کوئی دلچسپی لی' کمرے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔شاید نواب سوچوں میں گم تھا' تقریباً سات آٹھ منٹ کی خاموشی کے بعد میرے کانوں میں نواب کی آواز آئی' اس نے دھیمے لہجے میں میرا نام لے کر پکارا تھا' لیکن میں ہنوز خاموش آنکھیں بند کیے بیٹھا رہا' تب اس نے قدرے تیز آواز میں مجھے پکارا تو میں چونک کر آنکھیں کھول کر اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"سو گئے تھے کیا...!" اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں تو...!" میں نے جان بوجھ کر کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"تم نے سنا... یہاں جو بھی بات چیت ہوئی۔" اس نے پوچھا۔

"ہوئی ہوگی' میں نے تو یہاں کسی کو آتے ہوئے دیکھا اور نہ ہی کچھ سنا... میں تو آپ کے ساتھ محفل میں‌شریک ہونے کے لیے جانے کے لیے آیا ہوں۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"بہت خوب...بہت خوب...!" نواب نے مسکراتے ہوئے میرے جواب کو سراہا' پھر میز پررکھے پانی سے بھرے جگ اور گلاس کی جانب اشارہ کیا

تو میں نے لپک کر گلاس میں پانی بھر کر ادب سے اس کے آگے پیش کر دیا‘ اس نے گلاس خالی کر کے میری جانب بڑھایا تو میں نے گلاس میز پر واپس رکھ دیا۔

”ابھی تو ہمیں جانا ہے‘ تمہیں پھر کسی وقت یہ ساری کہانی سناؤں گا‘ ہو سکتا ہے کہ تم کوئی بہتر مشورہ دے سکو۔“ نواب نے کہا۔

”جیسا آپ مناسب سمجھیں۔“ میں نے تابعداری سے جواب دیا۔

نواب نے اپنی کلائی پر بندھی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور بولا۔”ہمیں اب چلنا چاہیے۔تم ذرا جا کر سیکورٹی کو اطلاع کر دو کہ ہم آ رہے ہیں اور ہاں تم اپنی گاڑی میں ہمارے ساتھ ہی چلو گے۔“

”بہتر نواب صاحب!“میں نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔اس وقت میرا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ میں سرمئی سے ملاقات کروں... اور یہاں ہونے والی ساری گفتگو اسے بتاؤں... نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ساری گفتگو حشام اور سرمئی کے متعلق ہی ہو رہی تھی۔لیکن ہزار چاہنے کے باوجود

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں اپنی اس خواہش پر عمل نہیں کر سکتا تھا‘ اس لیے سوچا کہ رات کو واپس آ کر سرمئی کے موبائل پر ایک مرتبہ پھر بات کرنے کی ٹرائی کروں گا۔

یہ سوچتے ہوئے میں کوٹھی کے کارپورچ والے حصے میں آ گیا اور میں نے وہاں موجود سیکورٹی گارڈز کے انچارج کو بتایا کہ نواب صاحب چلنے کے لیے تیار ہیں۔

پانچ منٹ بعد ہی نواب آ گیا۔نواب اپنی گاڑی میں تنہا اپنے سیکورٹی گارڈز کے ہمراہ بیٹھا تھا‘ اس کے پیچھے ایک پولیس موبائل تھی اور آخر میں میں اپنی گاڑی میں ان کے پیچھے جا رہا تھا‘ گارڈز نے میرے پیچھے آنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔شاید نواب نے انہیں میرے بارے میں مطلع کر دیا تھا۔

تقریباً سوا گھنٹے کے طویل سفر کے بعد سرجانی ٹاؤن کے علاقے میں ہم پہنچ گئے۔یہ علاقہ اس وقت خاصا غیر آباد اور ویران تھا۔دور دور اکا دکا عمارتیں دکھائی دے رہی تھیں۔ہماری گاڑیاں بھی ایک شاندار اور کافی بڑے رقبے پر پھیلی ہوئی ایک عمارت کے احاطے میں داخل ہو گئیں۔

نواب کی گاڑی کافی آگے کی جانب جا کر رکی جبکہ گارڈز نے میری کار کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا۔

میں کار سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ مجھے کہاں جانا ہے‘ اتنے میں نواب کی گاڑی سے ایک گارڈ اتر کر میری جانب آیا اور بولا۔

”تم اس وقت سامنے والے دروازے سے اندر ہال میں داخل ہو جاؤ۔ تمام لوگ وہیں بیٹھے ہیں۔“

میں نے دیکھا کہ نواب وہاں موجود ایک دوسرے دروازے سے اندر داخل ہو گیا تو میں بھی سامنے والے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ میں نے بند دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو دروازہ باآسانی کھل گیا۔

میری آنکھوں کے سامنے ایک وسیع ہال تھا جو تیز روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ یہاں کرسیوں پر بہت سے لوگ بیٹھے تھے‘ کرسیاں دو رویہ قطاروں میں لگی ہوئی تھیں۔ دائیں جانب خواتین بیٹھی تھیں اور بائیں جانب مرد حضرات بیٹھے تھے‘ درمیان میں آنے جانے کے لیے راستہ تھا‘ سامنے ایک بڑا سا اسٹیج تھا۔ جس پر ایک بہت بیش قیمت اور قیمتی نقش و نگار سے آراستہ کرسی بچھی تھی۔ سامنے میز اور ساتھ ہی میز پر قرآن پاک رکھا تھا۔

میں یہ سب کچھ دیکھتا ہوا حیرانی سے سب سے آخری کرسی پر بیٹھ گیا تو وہاں موجود انتظامیہ کا ایک شخص لپک کر میری جانب آیا اور نہایت ادب اور نرم لہجے میں بولا۔

”اگر آپ برا نہ مانیں تو آگے کی خالی کرسی پر تشریف رکھیے اور ہاں جناب اپنا نام اور رہائش کا پتا بتا دیجیے‘ اور فون نمبر بھی...“

میں نے اس کے ہاتھ میں دبا رجسٹر دیکھ لیا تھا‘ اس کے بارے میں نواب مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا۔

میں نے کھڑے ہو کر اپنا نام اور نواب کی کوٹھی کا ایڈریس بتایا تو وہ چونک کر لکھتے لکھتے سر اٹھا کر مجھے دیکھنے لگا پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

”میرے ساتھ تشریف لائیے۔“

میں اس کے ساتھ چل پڑا وہ مجھے اپنے ساتھ سب سے آگے والی رو میں لے گیا اور وہاں موجود چند خالی کرسیوں میں سے ایک پر مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور مسکراتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔

کوٹھی کا نمبر سنتے ہی وہ سمجھ گیا کہ میں نواب کا ہی آدمی ہوں اور اپنی کوئی حاجت لے کر نہیں آیا' اس لیے میرے نام کا اندراج ضروری نہیں ہے۔"

میں وہاں بیٹھ کر انتہائی حیرت زدہ ہو رہا تھا کہ اس ہال میں قریباً پچاس کے قریب افراد موجود تھے' لیکن انتہائی درجے کا نظم وضبط اور خاموشی تھی۔ کسی فرد میں بھی کسی بھی طرح کی کوئی بے چینی نہیں تھی۔ سب بہت صبر اور سکون سے بیٹھے تھے۔

پھر میری نگاہ سامنے میز اور کرسی پر پڑی' میں سمجھ گیا کہ یہ کرسی نواب کے لیے بچھائی گئی ہے اور وہ یہاں آ کر بیٹھے گا' لیکن میز پر قرآن مجید کی موجودگی پر مجھے بہت حیرت تھی' کہ نواب قرآن مجید کا کیا کرے گا...؟ میں نے سوچا کہ چلو آج دیکھتے ہیں کہ وہ بے ایمان شخص کس طرح لوگوں کو اللہ کی اس کتاب کا نام لے کر استعمال کرے گا۔

مجھے وہاں بیٹھے بیٹھے مزید آدھا گھنٹا گزر گیا۔ تب ہی ہال میں موجود سارے اسپیکر آن ہوگئے اور اس میں سے آواز آئی۔

"السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ! آپ تمام حضرات وخواتین کے لیے اطلاعاً عرض ہے کہ محترم عزت مآب نواب سطوت السلام صاحب تشریف لا چکے ہیں۔ چند ہی لمحوں کے بعد وہ آپ کے سامنے ہوں گے... شکریہ!"

اور پھر اسٹیج کے بائیں جانب کا پردہ ہٹا اور وہاں سے نواب اندر آیا' وہ بڑی تمکنت سے پروقار انداز میں چلتا ہوا آیا اور کہا۔

"السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ!"

تمام حاضرین نے نہایت عقیدت واحترام سے جواب دیا' اس کے فوراً ہی بعد ہال میں ... پن ڈراپ خاموشی چھا گئی۔

لمحہ بھر کو تو میں بھی نواب کی پروقار اور پرشکوہ شخصیت او رانداز کے سحر میں گرفتار ہو گیا' مگر جلد ہی میں اس سحر سے باہر نکل آیا' تب ہی نواب نے ایک حیرت انگیز حرکت کی اس نے بسم اللہ کہہ کر میز پر رکھا ہوا قرآن اٹھایا اور چند آیات کی خوب صورت آواز کے ساتھ تلاوت کی پھر اس نے قرآن بند کرکے دوبارہ میز پر رکھ دیا اور بولنے لگا۔

اس کی گفتگو کا متن یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے بندوں کی خدمت کی جائے۔جس طرح بھی ہو ان کے مسائل حل کیے جائیں اور یہ بھی کہ اللہ نے ہر انسان کی ایک تقدیر مقرر کی ہے' انسان کے ساتھ وہی کچھ پیش آتا ہے جو اس کی تقدیر میں ہوتا ہے۔مسائل سے کبھی گھبرانا نہیں چاہیے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسائل کا حل بھی بتایا ہے بعض اوقات وہ دوسرے انسانوں کو ان کے مسائل حل کرنے کا وسیلہ بنادیتا ہے۔بعض اوقات انسان کے مسائل حل بھی نہیں ہوتے' کیونکہ ان کی تقدیر میں ہی ایسا لکھا ہوتا ہے' اس کے لیے اللہ کا حکم ہے کہ وہ صبر کریں' صبر بے شک بہت مشکل اور پتھر کی بڑی بھاری سل ہے جسے اس شخص کو اپنے سینے پراٹھانا پڑتا ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا بدلہ جنت لکھا ہے۔تو میرے بہن اور بھائیوں ' اگر آپ کا کوئی مسئلہ یہ ناچیز کسی بھی طرح حل کرنے سے قاصر رہے تو آپ صبر کریں۔صبر اللہ کا پسندیدہ عمل ہے' اوراس کی جزا آخرت میں جنت کی صورت ملے گی۔دنیا کی زندگی تو ایک دھوکہ ہے' چند روزہ

ہے' ہماری اصل زندگی تو دوسری دنیا میں شروع ہوگی جو کبھی ختم نہیں ہوگی' ہمیشہ باقی رہنے والی ...''

میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس کی تقریر سن رہا تھا' اس کا مدلل انداز اس کا لب ولہجہ میں بیان نہیں کرسکتا... مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے' اس کمینے شخص کی نالج پر... یہ قرآن ہاتھ میں اٹھا کر کس طرح لوگوں کودھوکہ دے رہا ہے' آج مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ لوگ کیوں اس کے ہاتھوں الو بن رہے ہیں۔اگر میں نواب کی اصلیت نہ جانتا تو آج میں بھی اس کے معتقدین میں پوری طرح شامل ہو گیا ہوتا۔

آج بھی ہمارے معاشرے میں ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں جو ہاتھوں میں قرآن اٹھا کر دوسروں کو تو نصیحت کرتے ہیں لیکن خود ان کا عمل صفر ہوتا ہے۔

درس ختم کرکے اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے' سارے حاضرین نے بھی اٹھالیے' پھر اس نے نہایت رقت آمیز دعا کی... اور یوں اس محفل کاایک سیشن ختم ہوا...

نواب نے دعا کے بعد پانی پیا... تو مائک سے ایک بار پھر اعلان ہوا کہ جس شخص کا نام پکارا جائے وہ نواب صاحب کے پاس جا کر اپنا مسئلہ بیان کرے... او ر پانی پردم کروالے۔

پھرایک عورت اور ایک مرد کانام لے لے کر پکارا جانے لگا... لوگ اس کے پاس اسٹیج پر چڑھ کر جاتے اور دوزانو ہو کر اور سر جھکا کر اس کے قدموں میں بیٹھ جاتے... وہ لوگوں کی ساتھ لائی ہوئی پانی کی بوتلوں میں بھی پھونکیں مار رہاتھا۔

میں نے یہ بھی دیکھا کہ بعض لوگ اس ہال میں بائیں جانب بیٹھے ایک شخص کے پاس جارہے تھے، وہ ایک علیحدہ کرسی پر بیٹھا تھا، سامنے میز تھی اور میز پر رجسٹر رکھا تھا، وہ ان سے کوئی بات

کرتے اور خاموشی سے ہال سے نکل جاتے، بعض لوگ اس شخص کے پاس جائے بنا ہی سیدھے ہال سے باہر جارہے تھے۔

نواب نے صرف پندرہ بیس لوگوں سے ملاقات کی، پھر اٹھ کر اس دروازے سے باہر چلا گیا جہاں سے اندر آیا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

نواب کے جانے کے بعد ہال کے اسپیکر سے ایک بار پھر اعلان ہوا اور اس میں کہا گیا کہ بڑے پیر صاحب نواب عصمت السلام کا لنگر لیتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو جائیں۔

سارے لوگ قطار باندھ کر جارہے تھے، کوئی افراتفری نہیں تھی۔ایک شخص نے خاموشی سے اس شخص سے جس نے مجھے یہاں بٹھایا تھا آ کر کہا کہ میں مسلسل تین ہفتوں سے یہاں آرہا ہوں، میری ابھی تک سرکار سے ملاقات کی باری نہیں آئی تو اس نے مسکراتے ہوئے تسلی دی کہ آپ تسلی رکھیں اور آتے رہیں، جب اللہ کا حکم ہوگا تو آپ کی بھی ملاقات ہوجائے گی، بس یہ سمجھ لیں کہ ابھی اللہ کا حکم ہی نہیں ہوا ہے۔وہ شخص سر ہلاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

میں بھی ہال سے باہر نکل آیا، تو میں نے دیکھا کہ ایک بڑے سے ٹوکرے میں بہت سارے شاپرز رکھے ہیں او رایک شخص ہر جانے والے شخص کو اس ٹوکرے سے ایک شاپر نکال کر اسے دے دیتا اور وہ شاپر لے کر سیدھا گیٹ سے باہر چلا جاتا۔

میں اپنی گاڑی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور یہ سارا منظر خاموشی سے دیکھتا رہا۔ میں دل ہی دل میں نواب کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ یہ شخص کتنا شاطر ‘مکار اور دھوکے باز ہے۔اس کے کلف زدہ سفید بے داغ لباس کے اندر کتنی گھناؤنی بدبودار اور داغ دار شخصیت پوشیدہ ہے۔میرے دل سے دعا نکلی۔

”کاش ان عقل کے اندھوں کی آنکھیں اللہ کھول دے... یا پھر کوئی تو ایسا ہو جو اس کا یہ سفید لبادہ اس کے جسم سے نوچ کر اس کا گھناؤنا روپ دنیا کے سامنے لے آئے‘ لیکن یہ بہت ہی مشکل کام تھا۔اس کے بے تحاشا کارندے تھے‘ میں تو یہاں موجود کارندوں کو بھی شمار نہیں کرپارہاتھا تو دوسری جگہوں پر تو اور نہ جانے کتنے اور کہاں کہاں پھیلے ہیں۔

ایک ایک کرکے تمام افراد وہاں سے چلے گئے‘ صرف میں رہ گیا یا پھر یہاں کے کارکنان رہ گئے تھے۔جو سب کے سب خاموشی کے ساتھ اپنے کام انجام دیے جارہے تھے‘ نہ تو مجھ سے کسی نے سوال کیااور نہ ہی میں نے۔

میں کھڑے کھڑے تھک گیا تھا‘ سوچاگاڑی میں بیٹھ کر نواب کے واپس جانے کاانتظار کرلیتا ہوں‘ میں نے گاڑی کا دروازہ کھولااور اندر بیٹھنے لگا تب

وہاں موجود سارے لوگوں نے چونک کر مجھے دیکھا لیکن کسی نے مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا۔وہ شاید یہ سمجھ رہے تھے کہ میں اب واپس جانے کاارادہ کررہا ہوںلیکن جب میں نے گاڑی کواسٹارٹ نہیں کیا تووہ پھر سے اپنے کاموں میں مشغول ہوگئے۔

پتا نہیں نواب کا کیاارادہ ہے‘ وہ کب تک یہاں سے روانہ ہوگا‘ میں نے اکتا کر گھڑی میں ٹائم دیکھا‘ صبح کے تین بج رہے تھے‘ میں نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا‘ بھوک محسوس ہو رہی تھی‘ مجھے کسی نے نہ تو کچھ کھانے کے لیے دیا اور نہ ہی پوچھا‘ نواب بھی نہ جانے کہاں ہے‘ میں یہ سوچ ہی رہاتھا کہ مجھے اپنی جانب ایک ملازم آتا ہوا دکھائی دیا۔میں بھی اس کی جانب متوجہ ہوگیا۔وہ میرے قریب آکر ٹھہر گیااور مودب لہجے میں کہا۔

”آپ اندر تشریف لے چلیے اور عشائیہ تناول فرمالیجیے۔سرکار حض-ور نے یہ پیغام کہلوایا ہے کہ آپ کھانے سے فارغ ہو کر واپس کوٹھی تشریف لے جائیے گا‘ سرکار حضور کل کسی وقت تشریف لے جائیں گے۔“

میں گاڑی سے اتر آیا اوراسی کے پیچھے چل دیا‘ بڑے ہال کا دروازہ بند تھا‘ وہ مجھے ایک دوسرے کمرے میں لے گیا۔یہ ایک آراستہ بیڈروم دکھائی دے رہاتھا۔خاصا بڑا کمرہ تھا‘ یہاں بیڈ کے علاوہ ایک صوفہ سیٹ اور میز بھی موجود تھی۔اس نے کمرے کی لائٹیں پنکھے اور اے سی آن کرکے صوفے کی جانب اشارہ کیا کہ میں یہاں بیٹھ جاؤں‘ مجھے وہاں بٹھا کر وہ باہر چلا گیا اور میں اس کمرے کا جائزہ لینے لگا‘ خاصاپرتعیش کمرہ تھا۔یہ کسی کابیڈروم ہوسکتا ہے میں نے سوچا پھر خیال آیا کہ ہوسکتا ہے کہ نواب رات میں اسی کمرے میں قیام کرتا ہو‘ پھر سوچا کہ نہیں نواب کے بیڈروم میں مجھے یوں نہیں لایا جاتا۔

ملازم یقینا کھانا لانے گیاہوگا‘ کھانے سے پہلے ذرا ہاتھ منہ دھولوں‘ یہ سوچ کرمیری نگاہیں کمرے میں موجود ایک اور دروازے کی جانب اٹھ گئیں اورمیں سمجھ گیا کہ یہی باتھ روم ہوگا‘ اپنے خیال کی تصدیق کے لیے میں اٹھااور دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو میرا خیال صحیح نکلا‘ وہ باتھ روم ہی تھا‘ کمرے کی طرح باتھ روم بھی خاصا بڑااور صاف ستھرا تھا‘ میں بلاتکلف اندر داخل ہوگیا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اور اچھی طرح سے ہاتھ منہ دھویا‘ تب ہی اس ملازم نے باتھ روم کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

”آرہا ہوں۔“ میں نے اندر سے جواب دیا اور اسٹینڈ سے صاف ستھرا تولیہ اتار کر اپنا چہرہ خشک کرنے لگا‘ باہر آیا تووہ میرے انتظار میں کھڑا تھا۔میز پر کھانا چناہواتھا۔

”آئیے کھانا تناول فرمائیے۔“ اس نے مودب لہجے میں کہا تو میں دوبارہ صوفے پر آن بیٹھا اور بسم اللہ پڑھ کر شروع ہوگیا۔

میں کھانا کھا رہاتھااور وہ خاموش کھڑا تھا‘ مجھے اس کے اس طرح سر پرسوار ہونے کی وجہ سے عجیب سی الجھن ہو رہی تھی۔اس لیے بوریت دور کرنے کے لیے اس سے بات چیت شروع کردی۔

”تم کھڑے کیوں ہو‘ آؤ میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔“ میں نے کہا۔

”جزاک اللہ!“ اس نے ایک نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔”آپ تناول فرمائیے ہم بعد نماز مغرب کھاچکے ہیں۔“

میں حیرت سے اس بیس بائیس سال کے لڑکے کو دیکھ رہا تھا کہ رات کے اس وقت بھی وہ کتنا فریش ہے۔

"کیانام ہے تمہارا؟" میں نے پوچھا۔

"بدرالزماں!" اس نے جواب دیا۔

"یہاں کب سے ہو؟ کیا دن رات یہیں رہتے ہو' یا تمہارا علیحدہ سے کوئی اور گھر بھی ہے وہاں چلے جاتے ہو؟" میں نے ایک ساتھ کئی سوالات کرڈالے۔

"میں چودہ پندرہ سال کا تھا جب سے سرکار حضور کی سرپرستی میں ہوں۔بے سہارا اور یتیم تھا' اپنے چچا کے گھر رہتاتھا اور چچی کی مار اور گالیاں کھاتاتھا' ایک بار چچا کے ساتھ یہاں آیا تھا تو سرکار حضور کو مجھ غریب پر رحم آگیا اور انہوں نے مجھے یہاں ملازم رکھ لیا۔جب سے یہیں ہوں۔اب تو سرکار حضور ہی میرا سب کچھ ہیں۔بہت اونچی ہستی ہیں' بڑی دور دور سے لوگ یہاں پریشان حال آتے ہیں اور من کی مرادیں حاصل کرکے خوشی خوشی لوٹ جاتے ہیں۔" اس کے انداز اور لہجے میں نواب کے لیے بے پناہ عقیدت تھی۔

"سرکار حضور یہاں قیام کے دوران کیا کرتے ہیں؟" میں نے بظاہر بے پروالہجے میں پوچھا۔

"عبادت کرتے ہوں گے شاید' ہمیں اس کمرے میں جانے کی اجازت نہیں ہے' بعض اوقات دوسرے شہروں اور ملکوں سے بہت سے مہمان تشریف لاتے ہیں تو سرکار حضور ان سے ملاقاتیں بھی کرتے ہیں۔"

"اچھا تو سرکار حضور "محفل" کے علاوہ بھی یہاں تشریف لاتے ہیں۔" میں نے پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں! جب کوئی باہر سے آتا ہے تو سرکار حضور ان سے ملنے کے لیے تشریف لاتے ہیں۔لوگوں کے بڑے بڑے مسائل حل کرتے ہیں سرکارحضور!" اس نے پرمسرت اور دبے دبے پرجوش لہجے میں کہا تو میں نے اثبات میں سرہلادیا۔

"یہ کمرہ کس کا ہے؟" میں نے گلاس خالی کرکے واپس میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ مہمان خانہ ہے۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

”آج بھی مہمان آئے ہوئے ہیں‘ میرا مطلب ہے...باہر والے!“ میں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

”جی ہاں! دوبئی سے رئیس خان صاحب آئے ہوئے ہیں۔“ اس نے کہا پھر مجھے کھانے سے ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا۔

”آپ کو اور کچھ چاہیے‘ میرا مطلب ہے چائے وغیرہ...!“

”ہاں چائے مل جائے تو...“

”ابھی لیجیے۔“ اس نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیااور میں نواب کے بارے میں سوچنے لگا کہ اس کا نیٹ ورک کتنا وسیع اور مضبوط ہے‘ یہاں سرجانی میں اس بلڈنگ میں اس کا نیٹ ورک بالکل جدا ہے‘ ادھر کوٹھی میں بالکل مختلف ہے اور اس کے گاؤں میں اور کوئی اور شے ہی ہوتا ہوگا۔جو لوگ اس کو سرکارحضور کی حیثیت سے پہچانتے ہیں وہ اس کی دوسری شخصیت کے بارے میں مر کر بھی نہیں سوچ سکتے کہ وہ ایک بہت بڑا مجرم بھی ہوسکتا ہے‘ اس کے ہاتھ نہ جانے کہاں کہاں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ایک لمحہ کو تو مجھے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ایسا لگا جیسے سارے پاکستان کے مجرموں کی سرپرستی یہی ایک شخص کررہا ہے۔ میں سوچوں میں گم تھا تو بدرالزماں گرماگرم چائے لے آیا۔

میں نے اس سے اتنے سارے سوالات کیے لیکن اس نے مجھ سے ایک بھی سوال نہیں پوچھا‘ شاید اس لیے کہ انہیں سوال کرنے کا حق ہی نہیں دیا گیا اور یہ اس کے عادی ہوچکے ہیں‘ اس نے مجھ سے یہ تک نہیں پوچھا کہ میں یہ سوال کیوں کررہا ہوں یا پھر میں کون ہوں‘ کیوں کہ میں نواب کے ساتھ یہاں آیا تھا اوراس کی ہدایات پر مجھے یہ وی آئی پی پروٹوکول دیا جارہاتھا۔

میں چائے پی کر فارغ ہوا تو صبح کے چار بج رہے تھے ‘ اب کوٹھی پہنچنے میں بھی ایک گھنٹہ لگ جائے گا‘ میں جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوااور کہا۔

”اب میں چلتا ہوں‘ سرکار حضور کو بتادینا کہ میں چلا گیا ہوں‘ یا پھر یہ ہوسکتا ہے کہ میں ان سے مل لوں۔“ میں نے جواب طلب نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”معاف کیجیے گا آپ کی یہ خواہش پوری نہیں ہوسکتی... اس وقت سرکار حضور کسی سے نہیں ملتے۔“ اس نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے پھر میں چلتا ہوں۔" میں نے کہا تو اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلادیا۔میں نے چلتے چلتے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھااور کہا۔

"بدرالزماں تم ایک اچھے لڑکے ہو اورمجھے بہت اچھے بھی لگے ہو' امید ہے تم سے آئندہ بھی ملاقات ہوتی رہے گی۔"

"آپ جب جب یہاں تشریف لائیں گے' انشاء اللہ ملاقات ضرور ہوگی۔" اس نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا تم کبھی کہیں باہر نہیں جاتے۔میرا مطلب ہے کہ تم سے باہر کہیں ملاقات...!"

"جی نہیں!" اس نے میری بات پوری ہونے سے پیشتر ہی تیزی سے جواب دیا۔

"کیوں نہیں ؟" میں اس کے اس طرح سے جواب دینے پر چونک پڑااور بے ساختہ پوچھا۔

"باہر کی دنیا سے ہمارا کیا لینا دینا۔ہم تو بس یہیں رہ کر اللہ کے بندوں کی خدمت کررہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔" اس نے نگاہیں جھکا کر آہستہ سے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

جواب دیا' اس کے چہرے پر مستقل کھیلنے والی مسکراہٹ موقوف ہوچکی تھی اور میں لمحہ بھر میں سب کچھ سمجھ گیااور میں نے اسے نفسیاتی طریقے سے گھیرنے کی کوشش کی اور کہا۔

"کیوں کیا تمہیں باہر جانے کی آزادی نہیں ہے؟"

"جی ہاں!" اس نے بدستور اسی انداز اور لہجے میں جواب دیا۔

"یہ تو بڑے دکھ اورافسوس کی بات ہے' جب کہ تمہارا بھی دل چاہتا ہوگاکہ باہر نکلو' باہر کی دنیا دیکھو... گھومو پھرو... زندگی کا لطف اٹھاؤ' اگر دیکھا جائے تو تم تو یہاں ایک طرح کی قیدی کی زندگی گزار رہے ہو' جس طرح جیل کا کوئی قیدی جیل کی چار دیواری کے اندر توچل پھر سکتا ہے لیکن اس چار دیواری سے باہر نہیں نکل سکتا۔" میں نے کہا تو اس کے چہرے پر خوف وہراس کے تاثرات نمایاں ہوگئے اوراس نے خوف زدہ نگاہوں سے چاروں جانب دیکھتے ہوئے اپنا ہاتھ میرے لبوں کی جانب بڑھایا' لیکن رکھا نہیں' پھر سر ہلاتے ہوئے ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے سرگوشی میں بولا۔

"یہاں اس قسم کی باتیں کرنا تو درکنار سوچنا بھی منع ہے۔کیوں اپنے ساتھ مجھے بھی مروانا چاہتے ہیں۔اللہ کے واسطے اب آپ یہاں سے جائیے۔"

"اچھا...اچھا... میں نے ہاتھ اٹھا کر تسلی آمیز لہجے میں کہا۔" تم پریشان مت ہو، میں جارہاہوں، لیکن دوبارہ ضرور آؤں گا اور تم سے ملاقات کروں گا... تمہارے پاس ایک ماہ ہے اچھی طرح سے سوچ لینا، ہوسکتا ہے کہ میں تمہارا نجات دہندہ بن جاؤں اور تمہیں اس قید سے نجات..."

اس نے زچ ہو کر اس بار میرے منہ پر ہاتھ رکھ ہی دیااور بولا۔"اللہ حافظ..."

وہ جھک کر برتن سمیٹنے لگا، گویا اب وہ مجھ سے مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتا، میں کمرے سے باہر نکل آیا، سب جانب سناٹا پھیلا ہوا تھا، شاید تمام لوگ سونے کے لیے چلے گئے تھے، میں بھی تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا باہر کار پورچ کی جانب چلا آیا، یہاں بھی کوئی موجود نہیں تھا سوائے گیٹ کی ڈیوٹی پر موجود دوعدد گارڈز کے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں گاڑی اسٹارٹ کرکے گیٹ پر لے آیا تو گارڈز نے بلاچون وچرا گیٹ کھول دیا۔شاید انہیں یہ بات معلوم تھی کہ میں ابھی واپس جاؤں گا۔نواب کے ساتھ آئے ہوئے گارڈز کی گاڑی خالی تھی، ہوسکتا ہے وہ لوگ اس جگہ پر موجود ہوں جہاں نواب موجود تھا۔البتہ گیٹ کے باہر پولیس کی موبائل موجود تھی، یہ دوسری موبائل تھی، اندر موجود سپاہی بھی دوسرے تھے، ان کی ڈیوٹی بدل گئی ہوگی۔ایک ہی شخص دن رات کی ڈیوٹی نہیں کرسکتا ، پولیس والوں نے بھی مجھے روکنے یابات کرنے کی کوشش نہیں کی۔میں تیزی سے گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا جانے لگا۔

یہاں سارا راستہ بہت سنسان تھا۔نہ تو کوئی آدمی اور نہ ہی کوئی گاڑی روڈ پر دکھائی دی، کافی آگے جانے کے بعد نارتھ کراچی کاعلاقہ شروع ہوگیا۔یہ آبادی بھی نئی نئی بنی شروع ہوئی تھی اور یہاں پر زیادہ تر فلیٹس بنے ہوئے تھے۔

مجھے واپسی کے سفر میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرناپڑا۔میں تیز رفتاری سے سفر کرتا ہوا واپس کلفٹن پہنچ گیا۔راستے میں مجھے ایک خیال یہ بھی آیا تھا کہ میں سرمئی کے گھر چلاجاتا ہوں، ذرا وہاں کے حال احوال تو لوں، لیکن پھر

ٹائم کا خیال کرکے اپنا ارادہ ترک کردیا کہ یہ وقت مناسب نہیں ہے کسی کے گھر جانے کا... مجھے امید تھی کہ سرمئی خود مجھ سے رابطہ کرے گی اور مجھے ساری صورت حال سے آگاہ کرے گی۔

میں کوٹھی پہنچا تو فجر کی اذانیں ختم ہوچکی تھیں۔ مسجدوں کے دروازے کھل چکے تھے اور نمازی مسجدوں کی جانب جارہے تھے' مجھے یونہی خیال آیا کہ کیوں نہ آج میں بھی فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کروں... بہت عرصہ ہوا جماعت سے نماز نہیں ادا کی۔ میں نے گاڑی کا رخ مسجد کی جانب موڑ لیااور مسجد میں آگیا۔یہاں آکر دل میں عجیب سا خیال آیا اورمیرے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔اور میں نے سوچا۔"کیا میرا ناپاک اور غلیظ جسم اس قابل ہے کہ مسجد جیسی پاک جگہ پر جسے لوگ اللہ کا گھر بھی کہتے ہیں' میں قدم رکھ سکوں... میں کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ اندر جاؤں یا نہ جاؤں' تب ہی میرے کانوں میں ایک نرم اور شفیق آواز آئی۔

"چلے آؤ بیٹا' کچھ مت سوچو' یہ اللہ کا گھر ہے' یہاں ہر دل کو سکون اور ہر جسم کو امان ملتی ہے... یہاں تو آتے ہی اپنے گناہوں کو دھونے کے لیے...!"

میں نے چونک کر سر اٹھا کر دیکھا تو ایک باریش بزرگ صورت صاحب کو اپنے سامنے موجود پایا' ان کی سرخ وسفید رنگت تھی...سفید بڑی سی داڑھی تھی اور ان کی پلکیں اور بھویں تک سفید تھیں۔انہوں نے سفید رنگ کا کرتا اور سفید تہہ بند باندھا ہوا تھا' سر پر سفید ٹوپی تھی اور ان کے لمبے اور سفید بال ان کے شانوں پر پھیلے ہوئے تھے' ہاتھ میں چمکتی ہوئی تسبیح تھی۔ان کے چہرے پر ایک عجیب سا نور پھیلا ہوا تھا۔

میں نے ان کی جانب دیکھا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے سرہلایا اور بولے۔

"آؤ بلادھڑک چلے آؤ... تم نے سنا نہیں' اللہ کی پکار... وہی تو ہے جو کہہ رہا ہے' آؤ فلاح اور کامیابی کی جانب۔"

"لیکن میں...!" میں ہکلا کر بولا۔

”میں نے کہا ناں کچھ مت سوچو... بس چلے آؤ... اپنا سر اپنی معبود کے آگے رکھ دو... توبہ کرلو... وہ بڑا معاف کرنے والا...درگزر کرنے والا‘ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے‘بلکہ وہ تو ارحم الرحمین ہے۔ ندامت سے بہتے ہوئے آنسوؤں کو اپنی رحمت کی چادر سے پونچھ کر اپنے دامن رحمت میں پناہ دے دیتا ہے...“ وہ مجھے اپنے ساتھ لیتے ہوئے آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور میں جیسے کسی ان دیکھی ڈور کے ساتھ بندھا ان کے ساتھ کھنچا چلاجارہاتھا۔

اندرنمازیوں نے صف بندی کرلی تھی‘ وہ بھی مجھے اپنے ساتھ لے کر کھڑے ہوگئے‘ اقامت کی گئی تو میں پوری طرح نماز کی جانب متوجہ ہو گیا۔پورے خضوع وخشوع کے ساتھ نماز ادا کی اور خوب رو رو کر اور گڑگڑا کے اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی... حسّام کی صحت اور زندگی کے لیے بھی دعا کی اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ میرے نیک مقاصد میں میری مدد کرے‘ اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ میں نے وضو تو نہیں کیاتھا... میں بنا وضو کے ہی نماز پڑھنے لگا۔اس خیال کے آتے ہی میری محویت ٹوٹ گئی اور میں نے اپنے

اردگرد دیکھا... ساری مسجد خالی تھی... کوئی بھی موجود نہیں تھا۔وہ بزرگ بھی نہیں اور تب ہی میرے کانوں میں اذان فجر کی آواز آئی۔

میں شدید حیران ہوا کہ ابھی تو فجر کی نماز ختم ہوئی ہے پھر یہ کون سی اذان ہو رہی ہے... میں چونک کر اٹھا تو دیکھا کہ موذن اذان دے رہے تھے‘ میں اذان ختم ہونے کاانتظار کرنے لگا وہ اذان دے کر فارغ ہوئے تو باہر آئے ‘ میں نے پوچھا۔”نماز تو ختم ہوچکی ہے‘ اب آپ کون سی اذان دے رہے ہیں؟“

”نہیں بیٹا ابھی نماز کہاں ہوئی ہے‘ ابھی تو اذان ہوئی ہے‘ نمازی آنا شروع ہوں گے تب نماز ہوگی۔شاید آپ نیند میں ہیں ابھی تک...“ انہوں نے کہا اور مجھے حیران وپریشان چھوڑ کر سنتیں پڑھنے لگے۔

میرے ساتھ جو کچھ ہوا ‘ وہ سمجھ سے بالاتر تھا۔وہ بزرگ اور وہ تمام حضرات کون تھے جنہوں نے میرے ساتھ نماز پڑھی تھی اوران بزرگ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ میں مسجد کے اندر آتے ہوئے کیاسوچ رہا ہوں‘ کیوں جھجک رہا ہوں‘ انہوں نے کیسے جانا کہ میں ایک گناہ گار انسان ہوں۔

ان ساری الجھن آمیز باتوں کو سوچتے ہوئے میں وضو خانے کی جانب چل دیا‘ اس وقت بھی میں وضو کے لیے ہی جارہاتھا‘ جب وہ بزرگ سامنے آئے۔

میں نے ان ساری باتوں کو اپنے ذہن سے جھٹکا اور سوچا کہ موذن صاحب شاید ٹھیک ہی کہہ رہے تھے میں نیند کے غلبے میں تھااور شاید وہ سب میں نے خواب میں دیکھاہوگا‘ ساری رات گزر گئی‘ اور بیٹھے بیٹھے ہی گزر گئی‘ ہوسکتا ہے نیند کا جھونکا آگیا ہو۔

میں نے وضو کرکے سنتیں ادا کیں اور جماعت کے انتظار میں بیٹھ گیا۔اقامت ہوئی پھر نماز... نماز کی ادائیگی کے بعدمیں بھی سارے نمازیوں کے ہمراہ مسجد سے نکل آیا اور نواب کی کوٹھی کی جانب چل دیا۔

گاڑی کو اندر پارکنگ میں کھڑا کیااور اندر جاکر سو گیا‘ ایک بات میں نے شدت سے محسوس کی اور وہ یہ کہ مجھے اپنے اندربہت گہرا سکون مل رہا تھا۔ ایسا سکون جو پہلے کبھی نہیں ملا تھا۔میں بہت پرسکون ہو کر گہری نیند سو گیا سارا دن سوتا رہا اور جب بیدار ہوا تو دن کے ڈھائی بج رہے تھے۔

مزیداردوکتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں بہت فریش بیدار ہواتھا۔میں بستر سے اٹھ کھڑا ہوا اور ایک طویل انگڑائی لے کر ساری کسلمندی دور کی ‘ چائے کی طلب شدید ہو رہی تھی‘ میں نے دل میں سوچا کہ کاش کوئی چائے لے آئے‘ اور اسی وقت دروازہ کھلا اور ناصر نے اندر جھانکا‘ پھر مجھے کھڑا دیکھ کر اندر آگیا اور بولا۔

”آپ اٹھ گئے... میں کئی مرتبہ آپ کودیکھ کرجاچکاہوں‘ چائے لے آؤں آپ کے لیے...؟“

”نیکی اور پوچھ پوچھ‘ تم فٹافٹ زبردست سی اسٹرانگ چائے لے آؤ‘ اتنے میں شاور لے لوں۔“

میں نے رات والا سفید شلوار قمیص اتار دیا‘ رات ان ہی کپڑوں میں سو گیاتھااور حسب عادت جینز اور ٹی شرٹ پہن لی‘ ذہن میں رات نواب کی محفل اوراس کی باتیں گردش کرتی رہیں۔ساتھ ہی بدرالزماں کے بارے میں بھی سوچتا رہا‘ بدرالزماں کے بارے میں‘میرے میں ذہن میں ایک پلان تیار ہو رہا تھا کہ کاش میں اپنے اس پلان پر عمل بھی کرسکوں۔گو یہ ایک بہت ہی مشکل کام تھا‘ لیکن ناممکن بھی نہیں تھا‘سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ میں

اپنی مرضی سے جب چاہے اور بار بار اس سے ملاقات نہیں کرسکتا تھا' اوراس سے بار بار ملاقات کیے بغیر میرا کام نہیں ہوسکتا تھا' اسے باہر آنے جانے کی آزادی نہیں تھی اور میں بنا کسی وجہ کے وہاں نہیں جاسکتا تھا' محفل بھی مہینے میں ایک ہی بار ہوتی تھی' یہ ممکن تھا کہ میں اگلی بار پھر نواب کی چاپلوسی کرکے اس کی تقریر کی ڈھیروں تعریفیں کرکے اس کے ساتھ جانے کی خواہش کا اظہار کرسکتا تھا لیکن ایک ملاقات وہ بھی ایک ماہ کے بعد... معاملہ بننا بہت مشکل تھا۔خیر کچھ اور اس کا حل سوچوں گا۔

میں یہ باتیں سوچ ہی رہا تھا کہ ناصر چائے لے کر آگیا اوراس نے مجھ سے ناشتے کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہا کہ ناشتہ چھوڑو میں دوپہر کا کھانا ہی کھالوں گا' تم تھوڑی دیر کے بعد لے کر آجانا۔وہ جانے لگا تو میں نے اسے روکااور کہا۔

”کیا نواب صاحب تشریف لے آئے ہیں؟“

”جی نہیں!ابھی تک تو نہیں آئے۔“ اس نے جواب دیا۔

”اچھا جب نواب صاحب آجائیں تو مجھے ضرور مطلع کردینا۔“ میں نے کہا تووہ سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔

میرا دماغ ایک بار پھر سرجانی ٹاؤن میں واقع نواب کی اس عمارت کی جانب چلا گیا۔گزشتہ دن وہاں نواب کا کوئی دوبئی والا مہمان آیا ہواتھا' نواب اس کے ساتھ مصروف ہوگا... آخر وہ کون ہوگا؟ میرا ذہن اس کے بارے میں سوچنے لگا' مجھے نہ جانے کیوں ایسا لگ رہاتھا کہ وہ شخص کسی بہت ہی اہم اور خاص کام کے سلسلے میں آیا ہے اور رکا ہوا بھی ہے اور نواب بھی اس کے ساتھ مصروف ہے' کاش میں اس شخص کی ایک جھلک دیکھ پاتا اور اس کی تصویر بھی اپنے موبائل کیمرے میں محفوظ کرلیتا' کیا نام تھا اس کا...“ میں نے ذہن پر زور دیا' ہاں یاد آیا' اس کانام رئیس خان تھا۔جیسے میں نے شبن کی تصویر کیمرے میں محفوظ کرلی تھی' اس بات کا خیال آتے ہی میں نے فوراً موبائل نکالااور شبن کی تصویر دیکھی' میں اتنا مصروف رہا کہ تصویر کھینچنے کے بعد اس کو دیکھنا بھی یاد نہیں رہا آیا تصویر صاف اور واضع آئی بھی ہے یا نہیں۔ میں نے تو یوں ہی اس کی تصویر اتاری تھی' لیکن بعد میں شبن اور نواب کے

مابین ہونے والی گفتگو سے مجھے اندازہ ہوا کہ یہ ساری بات حشام اور سرمئی کے متعلق ہو رہی تھی، سرمئی کو یہ تصویر دکھانی بہت ضروری تھا۔

میں نے موبائل آن کیااور تصویر دیکھی تو تصویر واضح اور صاف تھی۔شبن کا سائڈ پوز آیا تھا۔

میں نے بہت پہلے ہی یو ایس بی لاکر ایسے ہی کاموں کے لیے رکھ چھوڑی تھی۔میں نے لیپ ٹاپ پر پہلے تصویر منتقل کی، پھر اسے یو ایس بی میں سیو کرلیا۔ساتھ ہی اس کانام بھی لکھ دیا، بعدمیں موبائل اور لیپ ٹاپ سے اس کی تصویر ڈیلیٹ کردی۔

میں اس کام میں مصروف تھا تب ہی ناصر کھانا لے کرآگیا۔آہٹ ہوتے ہی میں نے لیپ ٹاپ کا رخ گھما کر رکھ دیا۔

"تم کھانا رکھ دو میں کھالوں گا، ابھی ایک ضروری کام کررہاہوں۔" میں نے لیپ ٹاپ پر نگاہیں جمائے ہوئے کہا۔

یو ایس بی میں ،میں نے نواب کی محفل... اس عمارت اور وہاں کے لوگوں کے بارے میں بھی تفصیلات نوٹ کیں۔ بدرالزماں کے بارے میں بھی لکھا اور خاص طور پر رئیس خان کے بارے میں بھی لکھا۔دن تاریخ کے ساتھ۔

اس کام سے فارغ ہو کر میں نے یوایس بی کو اس کمرے میں ایک محفوظ جگہ پررکھ دیا۔ کھانا کھا کرفارغ ہوا تو میڈم روزی کا خیال آیا کہ اس سے ملاقات کرلی جائے، میں اسے اپنے فلیٹ پر بلانا چاہتاتھا یا پھر وہ خود کسی جگہ پر بلانا چاہے، مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا۔

میں موبائل لے کر بستر پر لیٹنے لگا تو سائیڈ ٹیبل پررکھے ڈیٹ کلینڈر پر میری نگاہ پڑگئی اور میں چونک اٹھا۔آج ستمبر کی اٹھارہ تاریخ تھی۔

اس تاریخ کے یاد آتے ہی میرا دل اتھاہ اداسیوں میں گھر گیا۔پچھلے دو تین سالوں سے جب بھی یہ تاریخ آتی ہے میرا دل اسی طرح سے اداس ہوجاتا ہے اور کمرے میں خود کو بند کرکے یا پھر اندھیری رات کی تنہائی میں اس تاریخ کو اپنی یادوں کے جھروکے میں دہرانا نہیں بھولتا۔

وہ بھی ستمبر کی اٹھارہ تاریخ تھی' وہی رات تھی جب میں نے آخری بار مہ وش کو دیکھا تھا۔اسے چھوا تھا' وہ تکلیف دہ منظر آج بھی میری یادداشت میں اپنی پوری جزئیات کے ساتھ موجود ہے۔اس نے بلیک اور پنک کلر کا سوٹ پہنا ہوا تھا' اور یہ کلرز اس پر سجتے بھی خوب تھے۔ویسی ہی ہم رنگ چوڑیاں اس کی کلائیوں میں سجی ہوئی تھیں۔جب سے اسے پتا چلا تھا کہ مجھے کانچ کی نازک اور رنگ برنگی چوڑیاں بہت پسند ہیں اس نے ان سے اپنی گوری گوری کلائیوں کو سجانا شروع کردیا تھا۔

میری پسندیدہ جیسمین کی خوشبو سے اس کا نازک اور دلکش سراپا مہک رہا تھا۔

مجھے آج بھی سب کچھ یاد ہے۔

اس کی جھیل جیسی گہرائی لیے ہوئے آنکھوں میں ہلکورے لیتا ہوا نمکین پانی' اس کے کپکپاتے ہوئے ہونٹ' کانپتے اور لرزتے ہوئے ہاتھ۔

مجھ سے یہ کہتے ہوئے کہ "شاھو تم ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ تمہاری جان کو خطرہ ہے۔" مجھ سے بے خودی سے لپٹ جانا' اس کا پیار کرنا' اس نے کتنے ہی بوسے میرے سینے پر ثبت کیے تھے اور شدت جذبات سے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

مغلوب ہو کر میں نے کتنی ہی بار اس کے ملیح چہرے کو چوما تھا۔اپنی باہوں کے گھیرے میں لیتے ہوئے اسے شدت کے ساتھ اپنے سینے میں بھینچ لیا تھا۔

میں کچھ بھی نہیں بھولا... کچھ بھی تو نہیں۔

وہ آخری ملاقات تھی...!

آج بھی سوچتا ہوں تو ایک سرد آہ میرے سینے سے خارج ہونے لگتی ہے۔

آخری ملاقات! کتنی ظالم ہوتی ہے یہ آخری ملاقات... یہ آخری ملاقات ہماری پیار کی زندگی میں آئی ہی کیوں... کیوں؟

میں نے آخری بار اسے چھوا تھا!

میں نے اس پر ہٹتے ہٹتے آخری نگاہ ڈالی تھی۔آخری بار بوسہ دیا تھا... آج بھی اس آخری بوسے کی حلاوت مجھے اپنے نمکین لبوں پر محسوس ہوتی ہے۔

مجھے پتا نہیں چلا کہ کب میرا چہرہ میرے آنسوؤں سے بھیگ گیا۔بہتے ہوئے دریا کی سرسراہٹ محسوس ہوئی تو میں چونک پڑا اور تڑپ کر کہا۔

"یا رب اگر تجھے میری زندگی میں یہ سب شامل کرنا تھا تو پیار کا پودا میرے دل میں کیوں اگایا تھا۔یامیرے اللہ اگر پیار بنایا تھا تو نصیبوں میں جدائی

کیوں لکھ دی تھی۔ میرے پیار کے نصیب میں بھی جدائی لکھی تھی‘ اس لیے وہ مجھ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا۔

میں سوچنے لگا کہ کبھی زندگی میں کیا میرا آمنا سامنا مہ وش سے ہو گا...؟ اگر ہو گا بھی تو کیا وہ آج بھی میرے نام پر بیٹھی ہو گی... نہیں! اس کے ظالم باپ نے یقینا اس کی شادی اپنے جیسے کسی سرمایہ دار سے ضرور کردی ہو گی... مجھے اسے بھلا دینا چاہیے۔ میں لاکھ چاہنے کے باوجود اسے کیوں نہیں بھلاپاتا... اس لیے ...!" میرے دل سے آواز آئی۔

"یہ پیار بھی بڑی ظالم شے ہے‘ اگر جدا ہوجائے تو بندے کو نہ جینے دیتا ہے اور نہ مرنے... انسان مرغ بسمل کی مانند تڑپتا رہتا ہے۔"

میں مہ وش کی یادوں سے بھی پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں لیکن یہ میرا پیچھا ہی نہیں چھوڑتیں اور تب ہی میرے موبائل فون کی بیل مجھے یادوں کے کانٹوں سے گھسیٹ کر حقیقت کی دنیا میں لے آئی۔

میں نے سیل فون کی روشن اسکرین پر نگاہ ڈالی۔ نواب کی کال تھی‘ میں نے ریسیو کرنے میں لمحہ بھی نہیں لگایا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"السلام علیکم نواب صاحب!" میں نے حسب عادت کہا۔

"تم کہاں ہو؟ کوٹھی پر ہی ہو؟" اس نے میرے سلام کو ہمیشہ کی طرح نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"جی ہاں کوٹھی پر ہوں۔ کوئی کام تھا آپ کو...؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں کام کوئی نہیں تھا‘ بس تمہیں یہ اطلاع دینی تھی کہ میں دوبئی جارہاہوں‘ کسی سے اہم ملاقات کرنی ہے‘ تم فری ہو‘ تو ایسا کرو کہ اپنے اس کام کا آغاز کردو‘ جس کے لیے میں نے تمہیں کہاتھا۔" اس کااشارہ اپنے جڑواں بچوں کی تلاش کی جانب تھا۔

"بہت بہتر! ویسے آپ کب تک تشریف لائیں گے۔" میں نے محتاط انداز میں پوچھا۔

" فی الحال تو یہ کہنا مشکل ہے کہ کب آنا ہو گا‘ ہوسکتا ہے کہ ہفتہ لگ جائے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زیادہ دن لگ جائیں۔"

"ٹھیک ہے نواب صاحب‘ لیکن آپ کو یاد ہے ناں میں نے آپ سے کیا کہاتھا‘ سلمان کو بطور خاص ہدایت کردی جائے کہ میرا پیچھا نہ کیاجاے‘ کیونکہ

آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ انہیں تلاش کرنے مجھے کہاں کہاں جانا پڑے گا۔“ میں نے انکساری سے کہا

”اس کی تم فکر نہ کرو... میں سلمان اور سیکورٹی گارڈ کو ہدایت کر دیتا ہوں کہ تمہیں آزاد چھوڑ دیا جائے‘ تمہاری مرضی ہے کہیں آؤ کہیں جاؤ‘ جب چاہو کوٹھی میں آؤ... اوکے...!“ اس نے جلدی جلدی کہا اور فون بند کر دیا۔

فون بند کر کے میں نے گہرے سکون کا سانس لیا۔مجھے واقعی ایسا لگ رہا تھا جیسے میں واقعی آزاد ہو گیا ہوں... اب سب سے پہلا کام مجھے میڈم روزی سے ملاقات کرنی تھی۔سو سب باتوں کو بھلا کر میں نے اس کا نمبر ملایا‘ رابطہ ہوتے ہی اس نے چہکتی ہوئی آواز میں کہا۔

”زہے نصیب! آخر ڈاکٹر صاحب کو ہماری یاد آ ہی گئی۔“

”روزی پلیز... یہ تم مجھے ڈاکٹر کہہ کر مخاطب نہ کیا کرو‘ ورنہ میں بھی تمہیں میڈ کہہ کر مخاطب کروں گا۔“

”کیوں بھئی! اس میں کیا برائی ہے‘ ڈاکٹری تو ایک معزز پیشہ ہے اور میں تمہیں عزت کے ساتھ پکارتی ہوں۔“ اس نے قدرے حیرانی سے کہا۔

”وہ اس لیے کہ اب میں ڈاکٹر نہیں ہوں‘ شمروز ہوں اور ڈاکٹر اور شمروز میں کوئی بات بھی مشترک نہیں ہے‘ میں فی الحال اس بات کو یاد بھی نہیں رکھنا چاہتا کہ میں ایک ڈاکٹر بھی ہوں‘ اگر یاد رکھا تو میں پوری طرح شمروز نہیں بن سکوں گا‘ آدھا شیر اور آدھا ہرن بن جاؤں گا۔شیر کی خاصیت ہے شکار کرنا اور ہرن بچارا معصوم شکار ہونے والوں میں ہے۔میں جب خود شکار ہوا... تو شیر بن گیا...!“ بات کرتے کرتے میرے لہجے میں خود بخود شیر کی سی غراہٹ اتر آئی۔

”بہت خوب...! اس نے ہنستے ہوئے کہا۔”تو شیر صاحب بتائیں گے کہ کب شرف ملاقات بخش رہے ہیں۔“

”شیر کہہ کر میرا مذاق تو اڑا رہی ہو۔“ میں نے شکوہ کناں لہجے میں کہا۔

”ارے بابا مذاق کر رہی تھی... تم تو بہت جلدی برا مان جاتے ہو۔“ اس نے سیریس ہو کر کہا۔

”میں تو ایسا ہی ہوں پٹھانی دماغ ہے‘ بہت جلدی گرم ہو جاتا ہے۔سوچ لو‘ مجھ سے دوستی نبھاپاؤ گی۔“ میں نے ہلکے سے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آف کورس یار...!" اس نے جھٹ کہا۔

"اچھا تو آج ملتے ہیں۔بتاؤ کہاں ملنا چاہوگی ' میرے فلیٹ پر آرہی ہو یا مجھے اپنے گھر بلا رہی ہو۔" میں نے حتمی لہجے میں کہا۔

"جیسا تم چاہو۔" اس نے پیار بھرے انداز میں کہا۔

"نہیں اس کافیصلہ تم کروگی۔" میں نے ہٹیلے لہجے میں کہا۔

"اچھا پھر ایسا کرو کہ تم میرے فلیٹ پر آجاؤ..." اس نے کہا۔

"ایڈریس بتاؤ۔"

"ڈیفنس میں عنبرین اپارٹمنٹس میں فلیٹ E_17 پر آجاؤ۔میں تمہارے دیدار کی شدت سے متمنی ہوں۔"

"ٹھیک ہے اگلے پندرہ منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔" میں نے کہا اور فون بند کردیا۔

پھر میں نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا اپنی بہت اہم اور ضروری چیزیں اپنی خفیہ جیبوں میں رکھیں اور گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر آگیا۔اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے' میں گارڈز کو دیکھ کر مسکراتا ہوا گاڑی باہر لے آیا اور گاڑی کو

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تھوڑی دیر ادھر ادھر سڑکوں پر گھمانے کے بعد ڈیفنس کی جانب مڑ گیا' گاڑی کو سڑکوں پر ادھر ادھر گھمانے کامیرا مقصد یہ تھا کہ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ واقعی نواب نے مجھے آزاد چھوڑ دیا ہے 'کوئی مشکوک بائیک یامشکوک گاڑی تو میرا پیچھا نہیں کررہی... اور حقیقت میں ایسا ہی تھا۔

راستے میں'میں یہ سوچتا ہوا جارہاتھا کہ نواب کو آخر ایسا کیاکام آن پڑا کہ وہ اتنے دن کے لیے دبئی چلا گیا۔

خیر یہ بات بھی میں اس کے منہ سے اگلواہی لوں گا' نواب اب اپنی خاص باتیں مجھ سے شیئر کرنے لگا تھا۔

عنبرین اپارٹمنٹ کے پارکنگ لاٹ میں'میں نے اپنی کار پارک کی ' اور اتر کر جانے لگا تو لفٹ کے قریب کھڑے ہوئے گارڈ نے مجھے روکااور کہا۔

"کس سے ملنے کے لیے جانا ہے...؟"

"میڈم روزی سے...' کیا انہوں نے تمہیں میرے بارے میں بتایانہیں تھا۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”سوری سر! ایسا ہم سیکورٹی کے پیش نظر کرتے ہیں، ویسے ابھی تک میڈم نے ہمیں اپنے کسی مہمان کے آنے کی اطلاع نہیں دی۔“ اس نے مہذب لہجے میں کہا۔

”تو پھر ٹھیک ہے تم ان سے معلوم کرلو۔“ میں نے کہا تو گارڈ نے انٹر کام کے ذریعے رزی سے بات کی اور ایک بار پھر معذرت کرنے کے بعد مجھے جانے کے لیے کہہ دیا، اور لفٹ کا دروازہ کھول دیا۔

میں لفٹ کے ذریعے عمارت کی دسویں منزل پر پہنچااور مطلوبہ فلیٹ کے باہر لگی بیل پر انگلی رکھ دی۔

چند ہی لمحوں بعد لاک کھلنے کی آواز آئی، میڈم روزی اپنی تمام ترحشر سامانیوں کے ساتھ میرے سامنے کھڑی تھی، اس نے قدرے جھک کر ہاتھ کے اشارے سے مجھے اندر آنے کااشارہ کیا، اور بولی۔

”چشم ماروشن دل ماشاد...!“

اس کے جھکتے ہی میری آنکھوں کے سامنے بجلیاں سی کوند گئیں، کشادہ گریبان والے چھوٹے سے بلاؤز اور تنگ بلیک کلر کی جینز میں وہ سرتاپا

قیامت لگ رہی تھی۔میں ایک ہی لمحہ میں اس کے حسن بلاخیز کے سحر سے باہر نکل آیااور بجائے اندر جانے کے باہر کھڑے کھڑے روٹھے روٹھے لہجے میں کہا۔

”نہیں،پہلے تم کسی گارڈ کو بلوا کرمیری اچھی طرح سے تلاشی لے لو... کہیں ایسا نہ ہو کہ...!“ میں نے خود ہی جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”کیسی باتیں کررہے ہو... آؤ ناں!“ یہ کہہ کر اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ لیا اور یوں اچانک اس طرح جھٹکے سے کھینچنے پر میں اس سے جاٹکرایا۔

”اوہ سوری...!“ میں نے اپنے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کو سنبھال کر کہا۔

”کس بات کے لیے...؟ سوری تو مجھے تم سے کرنی ہے، دراصل تمہارے ابھی آنے کا سن کرمیں اتنا خوش ہوئی کہ نیچے گارڈ کو اطلاع دینا بھول گئی۔بس تمہارے استقبال کی تیاری کرنے لگی۔“ وہ میرا ہاتھ تھام کر اندر لیجاتے ہوئے اور دروازہ لاک کرتے ہوئے بولی۔

”بہت فریش دکھائی دے رہی ہو۔“ میں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس کے سراپا پر ایک بھرپور نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہوں!" اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ "تمہارے آنے کی خوشی میں۔" وہ میرے ساتھ جڑ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ایسا کیا ہے مجھ میں۔" میں نے اپنے آپ کو سمیٹتے ہوئے کہا۔

"تمہیں نہیں پتا...؟" اس نے براہ راست میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"نہیں تو...!" میں نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے تجاہل عارفانہ سے کام لیا' کیونکہ میں اس بات سے اچھی طرح سے واقف تھا کہ خواتین کے لیے میرے اندر مردانہ وجاہت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

"اچھا...!" اس نے شوخ انداز میں حیرت کا اظہار کیا اور حسب عادت قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ پھر بولی۔ "اچھا سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ کیا پیوگے...؟"

"تم کیا پلانا چاہتی ہو؟" میں نے گہرے لہجے میں کہا۔

"میرے پاس وہ سب کچھ ہے جو تم چاہو۔" اس نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔ "وہسکی' شیمپئن' رم بتاؤ ناں..."

"ان میں سے کچھ نہیں' میں صرف اورنج جوس ہی پسند کرتا ہوں او رو ہی پیتا ہوں۔ وہ اگر ہو تو لے آؤ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سچ کہہ رہے ہو!" اس نے حیرت آمیز سنجیدگی سے کہا تو میں نے اثبات میں سر ہلادیا۔

"واقعی مجھے یہ جان کر بہت حیرت ہوئی' اس لائین میں آکر بھی تم نے اپنے آپ کو ان خبیث اشیاء سے پاک رکھا ہوا ہے۔"

"یہ ساری چیزیں جن کا تم نے نام لیا ہے' انسان سے ہوش اور عقل چھین لیتی ہیں اور اپنے کام بہتر طور پر انجام دینے کے لیے انسان کی عقل کے دروازے کھلے رہنے چاہیں۔" میں نے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو' میں جو کبھی ان کے ناموں سے بھی ناواقف تھی' آج سب کے ذائقے چکھ چکی ہوں۔ دن رات کی ٹینشن 'ندامت اور پشیمانی کو دور کرنے کے لیے مجھے کسی نے مشورہ دیا کہ میں ان چیزوں کا سہارا لوں... ان کے نشے میں گم ہو کر انسان ذرا دیر کو سب کچھ بھول جاتا ہے۔ سو آج میں ان چیزوں کی محتاج ہو چکی ہوں۔" روزی نے اداسی اور سنجیدگی سے کہا پھر اٹھ

کر چلی گئی' چند منٹوں بعد واپس آئی تو اس کے ہاتھوں میں ایک ٹرے تھی اوراس میں اورنج جوس سے لبریز دو گلاس تھے ایک اس نے میری جانب بڑھادیا اور دوسرا خود لے کربیٹھ گئی۔

کچھ دیر کے لیے ہمارے درمیان خاموشی چھائی رہی ہم بس چپ چاپ جوس کے سپ لے رہے تھے' اپنے اپنے طور پر اپنی سوچوں میں گم تھے' پھر مجھے خیال آیا کہ میں تو اس کی کہانی سننے کے لیے آیا تھا' اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس کے گینگ کا سربراہ کوئی اور ہے' آخر وہ کون ہے اور یہ نواب کی دشمن کیوں ہے' اس نے اس کا کیا بگاڑا ہے' اس لیے خاموشی کے اس قفل کو میں نے ہی توڑااور کہا۔

"روزی اس روز تم مجھے اپنے بارے میں کچھ بتانے والی تھیں' میں جاننا چاہتا ہوں کہ نواب سے آخر تمہاری دشمنی کس لیے ہے۔' اس نے کس طرح اور کیا نقصان تمہیں پہنچایا ہے اور تمہارے گینگ کا سربراہ کون ہے' میرے بارے میں تو تم سب کچھ جانتی ہی ہو' ورنہ پہلے میں تمہیں اپنے بارے میں بتاتا' بعدمیں تم سے پوچھتا۔"

میری بات سن کر وہ چونک سی گئی اور بولی۔

"روحانہ کومیڈم روزی بنانے والا یہی شیطان ہی تو ہے 'جس طرح تم ڈاکٹر شاہ زمان سے شمروز بن گئے' اسی طرح میں بھی شریف ماں باپ کی شریف بیٹی تھی' میرے ماں باپ کے پاس غربت تھی' لیکن شرافت تھی' غریب کی ساری پونجی عزت ہی تو ہوتی ہے اسے بھی کوئی لٹیرا لوٹ لے تو اس کے پاس تو کچھ بھی نہیں بچتا...!" اس نے گہری اداسی سے کہااور اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"کیا ہوا تھا تمہارے ساتھ...؟ دیکھو تم اداس مت ہو اور خود کواکیلا مت سمجھو میں ہوں ناں تمہارے ساتھ۔" میں نے نرمی سے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا تووہ میرے ہاتھوں پر اپنی پیشانی ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

میں نے تھوڑی دیر اسے رونے دیا' تاکہ اس کے دل کاغبار کچھ ہلکا ہوجائے' اس کی آنکھوں میں یہ آنسو نہ جانے کب سے رکے ہوئے تھے جو ہمدردی کے دو بولوں سے ساری حفاظتی راستے توڑ کر باہر بہہ نکلے۔

خوب روچکنے کے بعد اس کی سسکیاں تھم گئیں اور اس نے اپنا سر اوپر اٹھایا' تو اس کا سارا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔وہ مجھے دیکھ کرایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔"آئی ایم سوری شمروز...!"

"اس میں سوری کی کوئی بات نہیں ہے' میں جانتا ہوں کہ تمہارے یہ آنسو جو تم نے نہ جانے کب سے انہیں روکا ہوا تھا' انہیں کبھی کبھی بہادینا چاہیے' ورنہ اندر کی گھٹن بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور پھر ہم لوگ جن راستوں پر چل نکلے ہیں ' یہاں یہ آنسو بزدلی کی نشانی سمجھے جاتے ہیں۔ہمیں لوگوں کے سامنے خود کو بزدل نہیں بلکہ بہادر ثابت کرنا ہوتا ہے' اپنے دلوں کو پتھروں سے بھی زیادہ سخت بنانا پڑتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو... یہ آنسو واقعی دل کو ہلکا کرنے کا قدرت نے بہترین ذریعہ بنائے ہیں۔سب کے سامنے نہ سہی' رات کی تنہائی اور اندھیرے میں ان ہی کا سہارا لینا چاہیے تھا۔مگر میں نے اپنے آپ کو نشے میں ڈبو کر ختم کرلینا چاہا' میں اندر سے بہت تباہ حال اور خستہ حال ہوچکی ہوں' بری طرح ٹوٹ پھوٹ چکی ہوں۔سارے مثبت جذبات میرے اندر کہیں فنا ہوچکے ہیں اورمیں

اپنے آپ کو تباہ کرنے والوں سے انتقام لینے کی کوشش میں ساری دنیا سے انتقام لینے لگی اوران دنیا والوں میں خود میری اپنی ذات بھی شامل ہے۔" اس نے میرے ہاتھ سے ٹشو پیپر لے کر اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"واقعی اپنی تباہی کے ذمہ داروں سے انتقام لینے کے جوش میں ہم اپنے آپ کو ہی تباہ کربیٹھے حالانکہ ہم اس کے لیے دوسرا راستہ بھی اختیار کرسکتے تھے۔" میں نے کہا۔

"وہ کس طرح ...؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"کسی کواپنا وکیل بنا کر...!" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"ہنہ!" اس نے زہر خند انداز میں کہااور حقارت آمیز مسکراہٹ بھرے لہجے میں بولی۔

"وکیل! اس وقت ہم کس کووکیل کرتے کون لڑتا ہمارا مقدمہ... کون سی عدالت ہمیں انصاف دلواتی ان دولت مندوں کے خلاف... ان لوگوں میں سب کو خریدنے کی طاقت ہوتی ہے۔وکیلوں کو گواہوں کو اور سب سے بڑھ کر جج کو...غریب کو کبھی انصاف نہیں ملتا ہے... سوائے بے عزتی' رسوائی

اور ناانصافی کے۔یہی غریب کامقدر ہے اور اگر بات ہو کسی غریب اور جوان لڑکی کی عزت لٹنے کی... تو سب سے پہلے یہ دنیا والے اسے سنگسار کرتے ہیں۔ پھر پولیس سے لے کر دوسرے لوگوں تک سب اپنے کام اور مدد کرنے کا خراج اس کی عزت سے مانگتے ہیں' بقول ان کے ... "اب تمہارے پاس عزت رہی ہی کہاں ہے' ایک بار لٹے یا بار بار... کیا فرق پڑتا ہے اس سے۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو... بالکل غلط! میرا مطلب نہ دنیاکے ان وکیلوں سے ہے نہ عدالت اور جج سے۔میں جس کی بات کررہا ہوں... وہ سب سے بڑا وکیل بھی ہے اور اپنی عدالت کا جج بھی... اور اس کی عدالت میں کبھی بھی کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوئی۔بس کوتاہی ہم ہی سے ہوتی ہے' ہم اپنامقدمہ اس کی عدالت میں درج نہیں کرواتے...اس کو اپنا وکیل نہیں بناتے اور نہ ہی اس کے منصفانہ فیصلے کا صبر سے انتظار کرتے ہیں۔میں جانتا ہوں کہ صبر کے ساتھ اس کے فیصلے کاانتظار کرنا بہت ہی مشکل کام ہے اس لیے شاید ہم یہ نہیں کرتے۔" میں نے نرم لہجے میں دھیرے دھیرے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"تم کس وکیل کی بات کررہے ہو... میں ایسے کسی وکیل کو نہیں جانتی..." اس نے حیرت سے کہا۔

"جانتی ہو مگر پہچانتی نہیں ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کیامطلب؟ ایسا کون سا وکیل ہے جس کو میں جانتی ہوں لیکن پہچانتی نہیں ہوں۔" اس نے حیرت سے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

"اللہ تعالیٰ...!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اللہ تعالیٰ...!" اس نے آہستہ سے زیرلب دہرایا۔

"ہاں ہمارا رب ہمارا مالک 'ہمارا وکیل ہے' وہ وکیل بھی ہے اور منصف بھی' وہ کبھی بھی کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتا'چاہے وہ غریب ہو یا امیر ...بشرطیکہ وہ اپنا فیصلہ اس پر چھوڑ دیں'لیکن جب ہم جیسے کم عقل بندے خود اپنا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو ہمارا انجام یہی ہوتا ہے جو آج میرا اور تمہارا ہوا ہے۔" میں نے گہری سنجیدگی کے ساتھ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اپنی بات ختم کی۔

"شمروز تمہیں اتنی گہری باتوں کا علم کیسے اور کہاں سے ہوا... اور میں نے کبھی اس انداز سے کیوں نہیں سوچا..." روزی نے تحسین آمیز لہجے میں کہا۔

"احساس اب ہوا ہے جب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے اور ہم اس گندگی کی دلدل میں سر سے پاؤں تک دھنس چکے ہیں۔" میں نے اپنی پیشانی سے ندامت کے قطرے صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ہم غصے اور جذبات میں شیر اور بھیڑیوں کے بھٹ میں جا گھسے یہ سوچ کر کہ ان کو ختم کرلیں گے لیکن یہ ہماری خام خیالی ہی تھی۔انجانے میں ہم نے خودکو ان کا حصہ دار بنالیا۔ابلیس کا سہارا لیا تو اس کے ساتھی بن گئے۔" روزی کے لہجے میں شدید پچھتاوا تھا۔

"ہاں تم نے بالکل ٹھیک کہا' میرا تم سے ملنے کاایک مقصد یہ بھی تھا کہ جو احساس آج مجھے ہوا ہے' اس کا احساس میں تمہیں بھی دلاؤں... کہ اگر اب بھی اپنے آپ کو بچانا چاہتی ہو تو خود کو ان کا شریک کار مت بناؤ'بلکہ اندر کے اندر رہ کر ان کی جڑوں کو کھوکھلا کرو... اپنی ساری جدوجہد اب ان کو مٹانے کے لیے صرف کرو... ہوسکتاہے' معاشرے کی اس گندگی کو صاف

کرنے کی کوششوں کو دیکھتے ہوئے ہمارے رب کوہمارے اوپر رحم آجائے اور وہ ہمیں معاف کردے اور جن کبیرہ گناہوں کاہم ارتکاب کربیٹھے ہیں' وہ انہیں بخش دے۔مجھ سے وعدہ کرو روزی کہ تم میری باتوں پر ٹھنڈے دل سے ضرور غور کروگی... اور جتنا نقصان ان لوگوں نے ہمیں پہنچایا ہے' ہم اس سے زیادہ انہیں پہنچائیں گے... مگر ان کے کام کرکے نہیں...!"

"تم یہ توبتاؤ کہ یہ سب کس طرح سے ہوگا۔" اس نے پوچھا۔

"یہ میں تمہیں بتاؤں گا لیکن اس سے پہلے تمہیں بھی مجھے ان سب کے بارے میں بتانا ہوگا۔سب سے پہلے تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔" میں نے کہا تووہ گہری سوچوں میں ڈوب گئی۔شاید وہ سوچ رہی تھی کہ اپنی کہانی کا آغاز کہاں سے کرے... میں نے بھی اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اس کے بولنے کاانتظار کرنے لگا۔

سوچتے سوچتے وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور کمرے میں ٹہلنے لگی۔اس کے انداز میں بے قراری تھی' قدموں میں لرزش تھی' وہ بے چینی سے اپنے ہاتھوں کی

مٹھیاں کھول اور بند کررہی تھی۔کبھی اس کے لب آپ ہی آپ شدت سے بھنچ جاتے... کبھی وہ اپنے جبڑوں کو سختی کے ساتھ آپس میں پیوست کرلیتی۔

شاید اپنی تباہی کے سارے مناظر ایک ایک کرکے اس کے سامنے آرہے تھے' میں اس کی ساری کیفیت کو اچھی طرح سے سمجھ رہا تھا' کیونکہ بارہا میں بھی اسی قسم کی کیفیات سے گزرتا رہتا ہوں۔جب میرا ماضی منہ پھاڑ کر میرے سامنے آن کھڑا ہوتا ہے۔

پھر رفتہ رفتہ اس کی بے چینی اور بے قراری ایک سکون میں تبدیل ہوگئی اور اس کے اندر ایک سکوت سا چھاگیا پھر وہ مجھ سے قدرے ہٹ کر اسی صوفے پر آن بیٹھی اور اس نے کہنا شروع کیا... اس کی حالت ویسی تھی جیسے وہ خواب کی کیفیت میں بول رہی ہو۔

”میرے والد کانام مظہر حسین تھا... وہ اسٹیل مل میں کام کرتے تھے' زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔مزدوری کرتے تھے۔امی بھی ایک ناخواندہ گھریلو عورت تھیں۔آمدنی کم تھی' لیکن

اولاد... ہم چھ بہن بھائی تھے' سب سے بڑی میں رومانہ مجھ سے چھوٹی فرزانہ... پھر بھائی اظہر اور آخری میں تین چھوٹی بہنیں اور بھی تھیں۔

ابا زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن ان کی خواہش تھی کہ میں اور میرے سارے بہن بھائی خوب اور بہترین تعلیم حاصل کریں۔

امی ابا کم کھلاتے تھے' موٹا جھوٹا پہناتے تھے لیکن ہمارے انگلش میڈیم اسکولوں کی فیس اور اخراجات خوش دلی سے اٹھاتے تھے' بچپن ہی سے ہمارے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی گئی تھی کہ ہمیں دل لگا کر زیادہ سے زیادہ محنت کرنی ہے اور دنیا میں پڑھ لکھ کر ایک اعلیٰ مقام حاصل کرنا ہے۔

ابامیرے سر پر ہاتھ پھیر کر بہت پیار سے کہا کرتے تھے کہ میں اپنی ساری بیٹیوں کو ڈاکٹر بناؤں گا اور اظہرانجینئر بنے گا۔

جب سب بہن بھائی اسکول جانے لگے تو گزارہ کرنا بہت ہی زیادہ مشکل ہوگیا۔اس وقت امی نے ابا کا ہاتھ بٹایا اور گھر میں سلائی کا کام شروع کردیا۔

ابا کی محلے میں بہت عزت تھی' امی بھی پردے دار اور حیا والی خاتون تھیں۔

میں اسکول میں دوسری لڑکیوں کو دیکھتی تھی وہ ہاف ٹائم میں کھانے کے لیے

بہت سے پیسے لے کر آتی تھیں لیکن میرے پاس ایک پائی بھی نہیں ہوتی تھی۔بعض اوقات مجھے بہت بھوک بھی لگتی تھی لیکن میں یہ سوچ کر صبر کرلیتی تھی کہ امی کے پاس پیسے ہوتے ہی نہیں ہیں وہ مجھے کہاں سے دیں۔ میں خوب محنت کروں گی ایک دن ڈاکٹر بن جاؤں گی تو غریبی کے یہ دن ہمیشہ یاد رکھوں گی ' اور غریبوں کا مفت علاج کروں گی۔

میں نے میٹرک بورڈ میں دوسری پوزیشن لی تھی۔اس دن امی اور ابا کے چہرے پر جو خوشی اور مسرت تھی وہ مجھے آج بھی یاد ہے' کتنے لوگ کتنے ہی دن ہمارے گھر مبارک باد دینے کے لیے آتے رہے' سارے لوگ امی ابا کی تعریف زیادہ کررہے تھے کہ انہوں نے اس غربت میں بھی ہماری کتنی شاندار تربیت کی ہے' اور ہمیں تعلیم کے زیور سے بھی آراستہ کیا ہے۔

ڈاکٹر بننے کا جوش اورولولہ میرے اندر پہلے سے بھی زیادہ پیدا ہوگیا۔میں نے شہر کے بہترین کالج میں ایڈمیشن لے لیا' مجھے اب بھی اے ون گریڈ لاناتھا' خاص طور پر پرسنٹیج زیادہ لانی تھی تاکہ میرا میڈیکل کالج میں داخلہ ہوسکے۔

ہم سب بہن بھائی کی عمروں میں سال سال کا فرق تھا' اس لیے کلاسز میں بھی سب ایک ایک سال ترتیب سے تھے۔

فرسٹ ایئر میں مجھے ٹیوشن کی ضرورت ہوئی تو ابا نے کہا جس سے چاہو پڑھ لو' میں پیسے دے دوں گا' لیکن میں جانتی تھی کہ ابا کہاں سے دیں گے' اس لیے کہا کہ میں ٹیوشن پڑھا کر کچھ اپنا خرچہ اٹھا لیتی ہوں لیکن ابا نے منع کردیا کہ تم صرف پڑھو' محنت کرنے کے لیے ابھی میں زندہ ہوں۔

اور ابا نے شام کے اوقات میں ایک اور نوکری تلاش کرلی' اب وہ رات کو بارہ بجے ہی گھر لوٹتے تھے' اور میری ٹیوشن کی فیس خوشی خوشی دیتے تھے۔

وقت تیزی سے گزرتا رہا' میں دن رات پڑھائی میں مصروف رہتی میرا فرسٹ ایئر کلیئر ہوگیا' نمبر بھی بہترین آئے' تب مجھے احساس ہوا کہ ابا اور امی دن رات محنت کرکرکے کتنے کمزور ہوچکے ہیں۔ابا کو دل کی تکلیف ہوگئی تھی اور یہ بات امی اور ابا دونوں نے ہم بہن بھائی سے چھپائی۔ایک رات اچانک ابا کو انجائنا کااٹیک ہوا تب مجھے پتا چلا'

میں نے ابا کو صاف کہہ دیا کہ آپ ہماری خاطر اتنی محنت نہ کریں۔اپنی پڑھائی کا بوجھ میں خود اٹھاؤں گی۔

پھر ابا اور امی کے لاکھ منع کرنے کے باوجود میں نے ٹیوشن پڑھانی شروع کردی، کالج میں میری دوست نے مجھے ایک ہائی کلاس فیملی کے بارے میں بتایا کہ انہیں اپنے دو بچوں کے لیے ٹیوٹر کی ضرورت ہے لیکن گھر جاکر پڑھانا ہوگا، میں نے فیس کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ دونوں کے دو ہزار روپے ملیں گے۔

یہ سن کر میں خوشی سے اچھل پڑی اور کہا کہ مجھے وہاں کی ٹیوشن دلوادو، اور امی ابا سے پوچھے بناء میں ان کی کوٹھی پر چلی گئی اور بات کرلی، انہوں نے مجھ سے میری رہائش اور گھریلو حالات پوچھے جو میں نے سچ سچ بتادیئے تو انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو پک اینڈ ڈراپ کی سہولت بھی دیں گے ہمارا ڈرائیور آپ کو گھر سے لے بھی آئے گااور چھوڑ بھی آئے گا، تاکہ آپ کو زیادہ آنے جانے کی تکلیف اٹھانی نہ پڑے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں نے گھر آکر جب اس ٹیوشن کے بارے میں امی ابا کو بتایا تو انہوں نے سختی کے ساتھ منع کیا لیکن میں نے ان کا کہنا نہیں مانا اور پہلی مرتبہ میری آواز اباکے سامنے اونچی ہوئی۔میں نے کہا۔

”تو پھر کیا کروں... آپ نے اتنے بچوں کی فوج جمع کرنے سے پہلے نہیں سوچا کہ ان کو کہاں سے کھلائیں گے... اچھی تعلیم دلانے کے خواب آنکھوں میں سجالیے، یہ نہیں سوچا کہ پیسہ کہاں سے آئے گا... آج تک میں ایک ایک چیز کو ترستی رہی کلستی رہی، اپنی ہر خواہش کو دل میں مارتی رہی کہ ابا کہاں سے کریں گے... لیکن آج جب مجھے ایک اچھا موقع مل رہا ہے تو آپ کی عزت اور انا آڑے آرہی ہے، آپ کس دنیا میں رہ رہے ہیں ابا... غریب کی کوئی عزت نہیں ہوتی... یہاں عزت ہے تو صرف اس کی جس کے پاس پیسہ ہے چاہے اس نے وہ پیسہ رشوت لے کر حاصل کیا ہو یا اسمگلنگ سے... میں یہ ٹیوشن ضرور پڑھاؤں گی اور کوشش کروں گی کہ ایسے دو چار ٹیوشن اور مل جائیں تاکہ میں اپنے دوسرے بہن بھائیوں کی فیس بھی باآسانی ادا کروں... گھر میں آنے والے یہ دس پندرہ بچے پچاس پچاس روپے میری

ہتھیلی میں رکھتے ہیں۔ان سے کچھ نہیں ہوتا ابا... میں جو کر رہی ہوں مجھے کرنے دیں۔"

"لیکن بیٹا تم دوسروں کے گھروں میں روز روز جاؤ گی تو ہماری کیا عزت رہ جائے گی۔سب تو یہی کہیں گے کہ میں اتنا ناکام شخص تھا کہ اپنی ایک بیٹی کو بھی تعلیم نہیں دلوا سکا اور ویسے بھی جب عورت اپنے گھر کی دہلیز سے باہر قدم رکھتی ہے تو شیطان اس کے ہمراہ ہولیتا ہے' میں اس بات سے بہت ڈرتا ہوں۔" ابا نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔" میری تو قطعی مرضی نہیں ہے۔"

"رہنے دیں ابا ان پرانی اور دقیانوسی باتوں کو... ابھی تو صرف تعلیم کا مسئلہ ہے' آپ پانچ لڑکیوں کو کیسے بیاہیں گے یہ کبھی سوچا ہے آپ نے... ابا میں آپ کا سہارا بننا چاہتی ہوں۔" میں نے آخری جملہ نرم لہجے میں کہا۔

"نہیں چاہیے مجھے سہارا... ابھی میں زندہ ہوں مرجاؤں تو جو دل چاہے کرتی پھرنا۔کم از کم جیتے جی تو مجھے نہ مارو... اگر تم نہ مانیں تو میں اپنی نظروں میں آپ گر جاؤں گا۔" ابا نے کچھ غصے میں کچھ شکستگی کے انداز میں کہا۔

"آپ بے کار کی ضد کر رہے ہیں۔میں یہ ٹیوشن ضرور پڑھاؤں گی اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" میں نے کہا اور ابا کے پاس سے اٹھ کر آ گئی۔

میں نے ٹیوشن پر جانا شروع کر دیا۔بڑی سی سفید گاڑی جسے ایک باوردی ڈرائیور چلا رہا ہوتا تھا روزانہ مجھے لینے اور چھوڑنے آنے لگی تو محلے میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔لوگ آ آ کر امی ابا سے سوال کرنے لگے کہ آخر میں اس گاڑی میں بیٹھ کر روزانہ کہاں جاتی ہوں۔

پھر مسز ہمدانی کے توسط سے مجھے تین ٹیوشنز اور مل گئیں۔اس طرح گھر کی آمدنی میں اضافہ بھی ہو گیا۔میں نے چند نئے جوڑے بھی بنا لیے جو میں پہن کر جاتی تھی۔

لوگوں میں طرح طرح کی باتیں ہونے لگیں' ابا نے مجھ سے بات کرنا بالکل ہی ختم کر دی تھی۔میں بھی اس بات کی زیادہ پروا نہیں کرتی تھی۔

پھر ایک سانحہ ہو گیا... ابا اسٹیل مل گئے اور وہاں سے سیدھے ہاسپٹل پہنچ گئے۔وہ اوپر سے گر پڑے تھے'جس سے انہیں شدید چوٹیں آئیں۔ان کی ایک ٹانگ ایک ہاتھ اور دو پسلیاں ٹوٹ گئیں۔

ایک ماہ اسپتال میں رہنے کے بعد ابا گھر آگئے اور پھر ہمیشہ کے لیے بستر کے ہی ہو کر رہ گئے۔وہ سارا دن بستر پر چپ چاپ لیٹے چھت کو تکتے رہتے تھے، گھر کے سارے اخراجات میں اٹھارہی تھی۔

اسی چکر میں سیکنڈ ایئر کے ایگزام ہوگئے۔میری پڑھائی زیادہ نہیں ہوسکی تھی۔ اس لیے رزلٹ آیا تو میرا اے گریڈ آیا تھا۔میڈیکل کالج میں داخلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

جس دن میرا رزلٹ آیا، ابا بے حد روئے... اس دن انہوں نے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا۔

ہمارے گھر میں اداسی کی فضا طاری تھی، کوئی ایک فرد بھی مبارک باد دینے کے لیے نہیں آیا۔ابا کا مجھے ڈاکٹر بنانے کا خواب شیشے کی مانند ٹوٹ کر چکناچور ہوچکا تھا اور میں نے بھی فیصلہ کرلیا کہ میں آگے تعلیم حاصل نہیں کروں گی بلکہ اپنے بہن اور بھائی کو پڑھاؤں گی۔کیونکہ اب میں نے ابا کی جگہ سنبھال لی تھی۔

میں تندہی سے ابا کا علاج کروارہی تھی، لیکن ابا صحت یاب ہی نہیں ہو رہے تھے یا شاید وہ صحت یاب ہونا ہی نہیں چاہ رہے تھے۔

ابا کی بیماری کو لے کر میں دن رات پریشان رہنے لگی، میری آمدنی کا زیادہ تر حصہ ابا کی دواؤں پر خرچ ہوجاتا تھا۔

اس روز جب شبانہ نے مجھ سے کہا۔"آپا فیس جمع کروا دیں مجھے نوٹس مل گیا ہے۔" تب میں نے دیکھا کہ شبانہ کی فیس جمع کروانے کے لیے تو پیسے ہی نہیں بچے۔تب میں نے کہا۔

"گڑیا اس مرتبہ تو سارے پیسے ابا کی دواؤں پر خرچ ہوگئے، اگلے ماہ پہلے تمہاری دو ماہ کی فیس جمع کروادوں گی، تم اسکول سے ایک ماہ کی مہلت لے لو۔"

تب ہی اظہر نے کہا کہ اسے کچھ کتابیں چاہئیں چھوٹی فرحانہ نے کہا کہ اس کا جوتا پھٹ گیا ہے اسے نیا چاہیے۔

"چپ کرجاؤ سب...!" میں چیخ اٹھی۔" میں کیا کیا کروں 'ان پیسوں میں' اس ماہ کچھ نہیں ہوسکتا۔تم سب کے پیٹ بھرجائیں تو غنیمت جاننا..." پھر میں نے ابا سے کہا۔

"دیکھ لیں ابا' آپ مجھے ٹیوشن پڑھانے سے منع کررہے تھے ناں... آپ اپنا حال دیکھ لیں' اگر میں ٹیوشن نہ پڑھارہی ہوتی تو آج ہم سب فاقوں سے آپ کی نام نہاد عزت میں منہ چھپا کرمرگئے ہوتے۔"

"تجھ سے ایک فرمائش میں بھی کررہا ہوں رومانہ...!" ابا نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔"مجھے کہیں سے زہر کا ایک ٹیکہ لگادے' تاکہ میں یہ سب دیکھنے کے لیے زندہ ہی نہ رہوں۔"

تو میں جھنجلا کر وہاں سے اٹھ آئی' شام کو مسز ہمدانی کے ہاں جب بچوں کو پڑھانے لگی تو گھر میں ہونے والی چخ چخ میرے دماغ میں گونجنے لگی اور میں نے رضوان کو سوال صحیح حل نہ کرنے پر بری طرح ڈانٹ دیا' تب انہوں نے مجھ سے پوچھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"کیا بات ہے رومانہ' آج تم بہت ڈسٹرب دکھائی دے رہی ہو' اگر کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ 'ہوسکتا ہے کہ میں تمہارے کچھ کام آسکوں۔"

دوسال میں میری مسز ہمدانی سے اتنی شناسائی ہوچکی تھی کہ میں اپنے گھر کے مسئلے ان سے ڈسکس کرلیا کرتی تھی تو انہیں میں نے سب کچھ بتادیا' ساری بات سننے کے بعد وہ بولیں۔

"پیسوں کامسئلہ تو میں حل کردوں گی' تم مجھ سے ایڈوانس رقم لے جانا۔اس کے علاوہ ایک اور مشورہ بھی دوں گی کہ تم اپنے مسائل کے حل کے لیے ہمارے روحانی پیشوا ہیں محترم سطوت السلام صاحب... ان کے در پر جاکر کوئی بھی سائل خالی ہاتھ نہیں آتا' تم ایسا کرو کہ ان کی محفل میں شرکت کرو... ان کا دم کیا ہوا پانی اپنے ابا کو پلاؤ وہ بہت جلد ٹھیک ہوجائیں گے... اور یہ لڑائی جھگڑا... اور ٹینشن جو تمہارے گھر میں دن رات رہتی ہے اس کے لیے بھی دعائیں بتائیں گے اور ہاں رزق کی برکت کی بھی دعا ضرور کروالینا۔"

اوراس دن میں مسز ہمدانی سے رقم لے کر گھر گئی اور چھوٹے بہن اور بھائی کے مسئلے حل کردیئے، تب پہلی مرتبہ اپنے لیے میں نے اباور امی کی آنکھوں میں شک کی پرچھائیں دیکھی۔

امی اور ابا میرے بارے میں یہ سوچ رہے تھے کہ میں نے پیسہ کمانے کے لیے غلط راہیں اپنا لی ہیں۔

"کہاں سے لائی ہے تو یہ پیسے ...؟" امی نے شعلے برساتی آنکھوں سے میری جانب دیکھااور تیز آواز اور کرخت لہجے میں بولیں۔

"امی یہ رقم مسز ہمدانی نے بطور ایڈوانس دی ہے۔" میں نے امی کو اتنا چراغ پا دیکھتے ہوئے نرم لہجے اور دھیمی آواز میں کہا۔

'تومجھے یہ بات آج بتا ہی دے کہ یہ مسز ہمدانی آخر ہے کون اور یہ تجھ پر اتنی مہربانیاں کس لیے کرتی ہے، آخر تو ان کی لگتی ہی کیا ہے، ان کے بچوں کو پڑھانے والی ایک معمولی سی ٹیوٹر ہے...یاپھروہ تجھ سے کوئی اور کام بھی لیتی ہیں۔" امی نے پہلے سے بھی زیادہ غصے سے پوچھا۔

"یہ آپ کیسی باتیں کررہی ہیں امی۔آپ اپنی بیٹی کے بارے میں ایسی گندی بات سوچ بھی کیسے سکتی ہیں۔میں آپ کی بیٹی ہوں اور میری پرورش آپ نے کی ہے۔" امی کی بات سن کرمیری آنکھوں میں آنسو آگئے، اور میری آواز بھرا گئی۔

"تومیری بیٹی ہے اسی لیے تو میں تجھے اچھی طرح سے پہچانتی ہوں۔باپ کیا بستر پرپڑا، تجھے تو آزادی مل گئی۔بہت پر لگ گئے ہیں تیرے...اپنے آپ کو بڑی کمانے والی سمجھنے لگی ہے۔کم پیسوں میں تیرا گزارہ نہیں ہوتاتھا۔کیا کہہ رہی تھی تو اس روز اپنے ابا سے کہ تو ہمیشہ اپنی ہرخواہش کو اپنے دل میں مارتی رہی۔اب تو جوان ہوگئی ہے، آزاد اور خودمختار۔جو تیرا جی چاہے گا کرے گی۔شرم نہیں آئی تجھے ،تونے بیمار باپ کو اتنی باتیں سنادیں۔" امی نے مجھے خوب باتیں سنائیں۔اباندر کمرے میں بستر پر لیٹے امی کی ساری باتیں سن رہے تھے، ساتھ ہی وہ بھی کچھ کہہ رہے تھے، جو میری سمجھ میں نہیں آیا۔

چھوٹی بہنوں اور بھائی نے امی کے اشارے پرسارے پیسے مجھے لاکر واپس کردیئے اور کسی نے مجھ سے بات بھی نہیں کی۔میں بھی چپ چاپ منہ لپیٹے

پڑی رہی۔اس دن میں نے کھانا بھی نہیں کھایا اور نہ ہی کسی نے مجھ سے پوچھا۔

میں سارا وقت روتی رہی اور سوچتی رہی کہ یااللہ یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے' میرے اپنے کیوں بے گانے ہو رہے ہیں' میں تو ان سب کی بھلائی کی خاطر اتنی تکالیف برداشت کررہی ہوں۔ابا کا بیٹابن کر ان کاسہارا بننے کی کوشش کررہی ہوں۔پھریہ لوگ کیوں میرے بارے میں غلط سوچ رہے ہیں۔امی ابا کو تو خوش ہونا چاہیے میری حوصلہ افزائی کرنی چاہیے کہ الٹا ان لوگوں نے میری چھوٹی بہنوں اور بھائی کو میرے خلاف کردیا ہے۔اظہر کا کالج میں ایڈمیشن ہوگیاتھا' اسے این ای ڈی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کے لیے انٹر میں ہائی پرسنٹیج لانی ہے' ٹیوشن پڑھنا ہے' میں بھی اسے نہیں پڑھاسکتی تھی کیونکہ میرے سبجیکٹ دوسرے تھے اور اس کے دوسرے۔ان سب کا کیا ہوگا۔یہ کیسے پڑھیں گے' میں نے تو اپنے مستقبل کی اپنے خواب کی جو ایک ڈاکٹر بننے کی صورت میں میری آنکھوں میں سجا تھا' قربانی دی تھی ' میں نے تو یہ سوچاتھا کہ اپنی بہنوں کو ڈاکٹر بناؤں گی' بھائی کو انجینئر بناؤں گی۔میں نے بھی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اگر کام چھوڑ دیا تو سب کچھ ختم ہوجائے گا۔امی کی سلائی کے کام سے اتنی آمدنی تھوڑی ہوتی ہے۔

دوسرے دن مجھے خیال آیا کہ مسز ہمدانی نے مجھے کسی پیر صاحب کا ذکر کیا تھا' مجھے ان کے پاس جانا چاہیے اور ان کی کرامات سے فائدہ اٹھانا چاہیے' یہ سوچ کر میں نے ہاتھ منہ دھویا اور کپڑے تبدیل کیے اور جب مسز ہمدانی کے گھر جانے لگی تو امی نے آواز دی اور کہا۔

''کہاں جارہی ہے؟''

''مسز ہمدانی کے ہاں۔'' میں نے رخ پھیرے بنا رک کر جواب دیا۔

''کیوں آج تیری گاڑی نہیں آئے گی اور یہ تو ٹیوشن کا بھی ٹائم نہیں ہے' پھر تو کہاں جارہی ہے؟'' امی نے تیکھے لہجے میں کہا۔

''امی میں پڑھانے نہیں جارہی' میرا ایک کام ہے' اس کے لیے جارہی ہوں۔ ایک دو گھنٹے میں واپس آجاؤں گی۔'' میں نے کہااور امی کی مزید کوئی اور بات سنے تیزی سے گھر سے نکل آئی اور بس اسٹاپ کی جانب چل دی۔میں نے ڈیفنس جانے والی بس کاانتظار کیا' پھراس میں بیٹھ کر ان کے گھر پہنچ گئی۔

مسز ہمدانی خلاف توقع مجھے دیکھ کر حیران رہ گئیں اور بولیں۔"خیریت تو ہے رومانہ...تم اس وقت..."

"آپ نے کل مجھ سے اپنے کسی پیر صاحب کا ذکر کیا تھا' کیا آپ مجھے وہاں لے جاسکتی ہیں؟" میں نے کہا۔

"اس وقت...!" انہوں نے حیرت سے کہا پھر کچھ سوچنے لگیں اور بولیں۔"اچھا ٹھہرو میں ہمدانی صاحب سے پوچھتی ہوں کہ پیر صاحب سے محفل کے علاوہ بھی ملاقات ہوسکتی ہے یا نہیں۔" اور وہ ڈرائنگ روم سے چلی گئیں۔

مسٹر ہمدانی کے بارے میں مجھے اتنا معلوم تھا کہ وہ بہت بڑے سرکاری افسر ہیں اور پیر صاحب نے ان کے بہت سے مشکل اور اٹکے ہوئے کام نکلوائے ہیں۔میں نے یہ بھی

سوچا تھا کہ کبھی مسز ہمدانی کا اچھا موڈ دیکھ کر ان سے درخواست کروں گی کہ وہ ہمدانی صاحب سے کہہ کر مجھے کہیں نوکری دلوادیں' کیونکہ میں یہ بات اچھی طرح سے جانتی تھی کہ ایک انٹر پاس کو کہاں ملازمت ملے گی ' جبکہ کوئی سفارش بھی نہ ہو۔

تھوڑی دیر بعد مسز ہمدانی آئیں اور بولیں۔"میں نے ہمدانی صاحب کو تمہارے مسئلے کے بارے میں بتایا ہے اور وہ کہہ رہے ہیں کہ میں سرکار حضور سے بات کرلی ہے تم رومانہ کو سرکار حضور کے ڈیفنس فیز فائیو والے بنگلے پر لے جاؤ۔تم تو بہت لکی ہو' دعا کرو کہ تمہیں سرکار حضور ملنے کا ٹائم دے رہے ہیں۔بس ہمیں پانچ منٹ اور انتظار کرنا ہوگا' ہمدانی صاحب مجھے دوبارہ فون کریں گے تب ہم چلیں گے۔"

میں مطمئن ہو کر بیٹھ گئی۔اتنی دیر مسز ہمدانی غائب رہیں' واپس آئیں تو انہوں نے ساڑھی تبدیل کی ہوئی تھی۔ہلکا ہلکا میک اپ اور جیولری بھی پہنی ہوئی تھی' میں انہیں اتنی تیاری کے ساتھ دیکھ کر حیران رہ گئی اور کہا۔

"آپ پیر صاحب کے پاس اتنی تیار ہو کر جاتی ہیں۔"

"کیا کریں بھئی' اپنے اسٹیٹس کا بھی تو خیال رکھنا پڑتا ہے' آخر ہمدانی صاحب کی لوگوں میں ایک عزت ہے اور میں یوں ہی چلی جاؤں۔" انہوں نے تفاخر بھرے لہجے میں کہا تو میں خاموش ہوگئی۔میں اور کہہ بھی کیا سکتی تھی۔

اس وقت دن کاایک بجا تھا جب میں مسز ہمدانی کے ساتھ ان کی کار میں بیٹھ کر پیر صاحب سے ملاقات کے لیے چلی تھی۔سفر مختصر تھا' کیونکہ مسز ہمدانی کی رہائش بھی ڈیفنس ہی میں تھی' راستہ میں مسز ہمدانی نے مجھ سے صرف ایک سوال کیا۔

"رومانہ تم اپنے گھر میں بتا کر آئی ہو کہ تم میرے ساتھ پیر صاحب کے پاس جارہی ہو...؟"

"نہیں!" میں نے قطعی لہجے میں جواب دیا۔

"کیوں؟" انہوں نے پوچھا۔

پھر میں نے انہیں ساری باتیں بتادیں' امی ابو اور بہنوں اور بھائی کے رویے کے بارے میں۔

"میں نے تمہارے حالات کے بارے میں ہمدانی کو بتایا تھا تو انہوں نے مجھ سے بہت پہلے ہی کہا تھا کہ تمہیں سرکار سے ضرور ملنا چاہیے۔پھر سرکار خصور غیر ملکی دورے پر چلے گئے لیکن اب وہ واپس آگئے ہیں۔میں تم سے یہ کہنے ہی والی تھی کہ اتفاق سے خود تم ہی آگئیں۔"

انہوں نے مسکراتے ہوئے نرم سے لہجے میں کہا۔

میں مسز ہمدانی پر بہت اعتماد کرتی تھی' کیونکہ ان کے گھر آتے ہوئے مجھے دو سال ہوگئے تھے او ران دوسالوں میں میرے ساتھ ان کا رویہ بہت مخلصانہ اور مشفقانہ رہاتھا۔گاہے بگاہے جب بھی ضرورت پڑتی وہ مجھے ایڈوانس کے طو ر پر رقم بھی دیتی رہی تھیں۔اس لیے ان کے مشورے پر کسی بھی اجنبی جگہ جاتے ہوئے مجھے ذرا بھی تردد نہ ہوا۔

مسز ہمدانی کے سیل فون پر کسی کا فون آیا تو انہوں نے صرف اتنا کہا"مجھے پتا ہے کیا کرنا ہے' آپ فکر نہ کریں۔سب ٹھیک ہے...!"

میں نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا تووہ بولیں۔"ہمدانی کا فون تھا' تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے۔"

یہ بات آج سے تقریباً دس سال پرانی ہے' اس زمانے میں عام لوگوں کے پاس موبائل فون نہیں ہوتا تھا' صرف پیسے والے لوگ ہی اسے افورڈ کرسکتے تھے' میں بڑی حیرت سے موبائل فون کو دیکھا کرتی تھی' لیکن میرے گھر تو پی ٹی سی ایل فون بھی نہیں تھا۔

ہماری کار جس بنگلے کے سامنے جا کر رکی‘ وہ زیادہ آباد علاقے میں نہیں تھا۔بنگلے دور دور بنے ہوئے تھے‘ کچھ پر تعمیراتی کام جاری تھا‘ میں ہونق ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی‘ پھر پوچھا۔

”پیر صاحب یہاں ہوتے ہیں اتنے ویران علاقے میں۔یہاں لوگ کیسے آتے ہوں گے‘ یہاں عام لوگ تو آ بھی نہیں سکتے۔یہاں تو کوئی بس بھی نہیں آتی۔“

”ارے پگلی‘ یہ پیر صاحب کا آستانہ تھوڑی ہے‘ ان کی رہائش گاہ ہے‘ پیر صاحب نے ہمدانی کو تمہارے لیے خصوصی اجازت دی ہے‘ کیونکہ ہمدانی ان کے خاص مرید ہیں۔“ انہوں نے جواب دیا تو میں تھوڑی سی مطمئن ہو گئی۔

مجھے اس بات کا قطعی احساس نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کتنے اور بے پناہ حسن سے نوازہ ہوا ہے‘ اور جنس مخالف کے لیے میرے اندر بے پناہ کشش بھری ہوئی ہے میری عمر بھی کم تھی اور عقل بھی۔

میں مسز ہمدانی کے ہمراہ کار سے اتر آئی‘ جبکہ ڈرائیور کار سمیت باہر ہی موجود رہا‘ انہوں نے بیل بجائی تو ایک پٹھان چوکیدار نے گیٹ کھولا‘ تو مسز ہمدانی نے اس سے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”نواب صاحب نے بلایا ہے‘ گیٹ کھولو۔“

”نواب صاحب کون...؟“ میں نے حیرت سے سوال کیا۔

”پیر صاحب کا تعلق نواب خاندان سے ہے‘ اس لیے بعض لوگ انہیں نواب صاحب کہتے ہیں لیکن ہمارے تو وہ پیر ہیں اس لیے ہم انہیں سرکار کہتے ہیں۔“

اتنے میں چوکیدار نے بغلی چھوٹا گیٹ کھول دیااور ہم اندر چلے گئے۔اندر بھی سناٹا سا پھیلا ہوا تھا۔اس لمحے نہ جانے کیوں میرا دل ایک دم سے پریشان ہو گیااور میرا دل چاہا کہ یہاں سے نکل کر بھاگ جاؤں لیکن میں ایسا نہیں کر سکتی تھی‘ اس لیے نہ کر سکی۔کاش میں اس روزاپنے دل کا کہا مان لیتی اور آگے نہ بڑھتی بلکہ الٹے قدموں بھاگ جاتی۔

میں مسز ہمدانی کے ہمراہ اندر داخل ہو گئی۔اندر ملازم نے دروازہ کھولااور ہمیں ڈرائنگ روم میں بٹھادیا‘ وہ ملازم مجھے بہت غور سے دیکھ رہا تھا‘ لیکن جب اس کی نگاہیں مسز ہمدانی سے ملیں تو وہ انہیں دیکھ کر مسکرادیا‘ مسز ہمدانی بھی مسکرادیں اور بولیں۔

"سرکار خصور فارغ تو ہیں، کہیں یہ ان کی عبادت کا وقت تو نہیں ہے...!"

"اس وقت تو فارغ ہی ہیں البتہ تھوڑی دیر بعد ان کی عبادت کا وقت شروع ہوجائے گا۔" ملازم نے معنی خیز لہجے میں کہااور اندر چلا گیا۔

بنگلے میں پھیلے ہوئے سناٹے کو دیکھتے ہوئے میں نے پوچھا کہ پیر صاحب کی فیملی نہیں ہے توانہوں نے بتایا کہ سب لوگ گاؤں میں رہتے ہیں۔

اتنے میں وہی ملازم دوگلاسوں میں شربت لے آیا ایک اس نے اٹھا کر میری جانب بڑھادیااور دوسرا مسز ہمدانی کی جانب اور بولا۔"آپ لوگ فریش ہوجائیں سرکار ابھی آتے ہیں۔"

"ارے اس کی کیا ضرورت تھی..." مسز ہمدانی نے تکلف سے کہا۔

"آپ تو جانتی ہیں کہ سرکارکتنے مہمان نواز ہیں۔دور سے آنے والوں کے لیے تو وہ کھانے کااہتمام بھی کرتے ہیں۔" ملازم نے کہااور چلا گیا۔

میں ہاتھ میں گلاس لیے بیٹھی تھی اور سوچ رہی تھی وہ پیر صاحب کتنے اچھے اور اللہ والے ہیں۔ورنہ آج کل کون کسی کا خیال رکھتا ہے۔

"کن سوچوں میں گم ہو، جلدی سے گلاس خالی کرو۔اگر پیر صاحب آگئے اورانہوں نے تمہیں ہاتھ میں گلاس لیے ہوئے دیکھا تو سمجھیں گے کہ تمہیں ان کی میزبانی پسند نہیں آئی، اور ایسا کرنا ان کی شان میں گستاخی ہے۔" مسز ہمدانی نے اپنے گلاس سے گھونٹ بھرتے ہوئے کہااور تیزی سے اپنا گلاس خالی کرنے لگیں، ان کی دیکھا دیکھی میں نے بھی غٹاغٹ وہ گلاس خالی کرلیا اور جلدی جلدی پینے میں اس کے ذائقے پر بھی غور نہیں کیا۔

میں نے گلاس خالی کرکے رکھا، میں کنفیوز ہو رہی تھی، اچانک مجھے چکر آنے لگے، پہلے تو ایک کی جگہ دو مسز ہمدانی دکھائی دیں، پھر وہ ہلنے لگیں، اور پھر میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا...اور پھر مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔

ہوش آنے پر میں نے اپنی آنکھیں کھولیں، ذہن بالکل خالی تھا، البتہ سر بھاری بھاری سا ہو رہا تھا۔میرے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ صبح ہوگئی ہے اورمیں اپنے گھر میں اٹھی ہوں۔سر بھاری ہو رہاتھااس لیے میرا ہاتھ فوراً سر پر چلا گیا۔امی کی تلخ وترش باتیں یاد آنے لگیں میں نے ایک گہری

سانس لے کر آنکھیں دوبارہ بند کرلیں اور ہاتھ اپنے جسم پر پھیرا۔تب مجھے ایک بہت ہی خوفناک احساس ہوا... میں نے گھبرا کر جھٹ آنکھیں کھول دیں۔

لباس کے نام پر میرے جسم پر دھجی بھی موجود نہیں تھی' میں نے بوکھلا کر اپنے چاروں جانب دیکھااور اپنے جسم کو سکیڑ کر اپنے بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹ لیے۔یہ جگہ 'یہ کمرہ میرے لیے بالکل اجنبی تھا' میری آنکھوں سے آنسو سیلاب کی مانند بہہ رہے تھے اور دماغ بالکل ماؤف ہو رہا تھا۔میں نے چاروں سمت نگاہیں دوڑائیں کہ میں اپنے جسم کو کس چیز سے چھپاؤں لیکن مجھے کچھ دکھائی نہیں دیا' اور نہ ہی میرا لباس وہاں موجود تھا۔

کمرے میں میرے علاوہ کوئی اور موجود نہیں تھا' لیکن یہ خیال ہی کتنا جان لیوا تھا کہ میں کسی اجنبی جگہ پر بے لباس موجود ہوں... کیوں ہوں...؟ یہ سب کرنے والا کون ہے...؟ کمرے کا دروازہ بند تھا۔میں تو مسز ہمدانی کے ساتھ ان کے پیر صاحب سے دعا کروانے کے لیے آئی تھی' پھر یہ میرے ساتھ کیا ہوا' مسز ہمدانی نے میرے ساتھ کتنا بڑا دھوکہ کیا' وہ خود کہاں ہیں اورمیری یہ حالت...!

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میرا سر بری طرح چکرا رہا تھا' اچانک میری نگاہ بیڈ شیٹ پر پڑی' میں تیزی سے بیڈ سے اتری اور بیڈ شیٹ اتار کر اپنے گرد لپیٹ لی' صرف میرا چہرہ اس چادر سے باہر تھا۔

اس سے پہلے کہ کوئی اس کمرے میں آئے مجھے دروازہ اندر سے بند کرلینا چاہیے یہ سوچ کر میں چادر سنبھالتی ہوئی بیڈ سے اتری اور دروازے تک آئی' لیکن دروازے

میں کوئی کنڈی نہیں تھی۔لاک بھی چابی والا تھا' میں نے دروازے کے ہینڈ ل پر ہاتھ رکھ کر اسے کھولنا چاہا تو ہینڈل گھوم کررہ گیا۔دروازہ باہرسے لاک تھا۔

میں پھربیڈ پر آکر بیٹھ گئی' اب میرا ذہن تیزی سے کام کررہاتھا' یہ سب مسز ہمدانی کا کیا دھرا ہے' انہوں نے میری کم عقلی سے فائدہ اٹھایااور کسی پیر کے دھوکے میں مجھے کسی غلط جگہ لے آئی ہیں' کیا انہوں نے کسی کے ہاتھ مجھے بیچ دیا ہے 'بہت سی سنی سنائی باتیں میرے ذہن میں گونجنے لگیں۔میں نے

سنا تھا کہ بہت سے لوگ لڑکیوں کو اغوا کر لیتے ہیں پھر انہیں برے لوگوں کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔

ہاں۔ میرے ساتھ کچھ ایسا ہی ہوا ہے لیکن مسز ہمدانی نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا' میں نے ان کا کیا بگاڑا تھا' ان کے پاس خود اتنا پیسہ ہے پھر انہیں پیسے کی کیا ضرورت ہے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ انہوں نے اتنا ڈھیر سارا پیسہ اسی طرح اکٹھا کیا ہوگا...

میرے ذہن میں ساری باتیں آرہی تھیں' انہوں نے راستے میں مجھ سے پوچھا تھا کہ میں اپنے گھر والوں کو بتا کر آئی ہوں یا نہیں تو میں نے انہیں بتایا تھا کہ میں نے کسی کو ان کے گھر آنے کا نہیں بتایا۔

گھر والوں کا خیال آیا تو میں پوری جان سے لرز گئی۔ میں گھر نہیں پہنچوں گی تو سب کیا سوچیں گے' امی ابا تو ویسے ہی میری جانب سے بدگمان ہیں' اب تو رات ہوگئی ہے۔

یااللہ میری مدد فرما۔ مجھ سے ایسا کون سا گناہ ہوگیا جس کی اتنی بھیانک سزا تو نے مجھے دی ہے' کاش میں نے امی ابا کی بات مان لی ہوتی۔ گھر سے باہر

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

قدم نہ نکالا ہوتا۔ مسز ہمدانی کو اپنا خیر خواہ سمجھ کر ان پر اتنا بھروسہ نہ کیا ہوتا تو آج میں اس حال میں نہ ہوتی۔

میں نے بجائے اپنے ماں باپ کے ایک غیر کو اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھا اور مجھے اسی کی سزا ملی ہے' اپنے والدین کی نافرمانی کی سزا۔ میں کیا کر سکتی ہوں۔ سوائے رونے اور آنسو بہانے کے۔

نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ میں رو رہی تھی اور ذہن میں مختلف بھیانک سوچوں نے اپنے پنجے گاڑے ہوئے تھے' باہر بھی بالکل سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میرے علاوہ یہاں دور دور تک کسی انسان کا وجود ہی نہیں ہے' میں یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ آیا یہ وہی بنگلہ ہے جس میں میں آئی تھی' یا بے ہوشی کی حالت میں مجھے کہیں اور لے جایا گیا ہے۔

تب ہی رات کے سناٹے میں میرے کانوں میں گاڑی کے انجن کی گڑگڑاہٹ آئی' پھر وہ آواز بند ہوگئی اور گاڑی کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ حالانکہ میرے سامنے ہی بند کھڑکی موجود تھی جس پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے' لیکن بنا لباس کے میری ہمت ہی نہ ہوئی کہ میں اٹھ کے دیکھتی کہ کون

آیا ہے اور جو کوئی بھی آیا ہے اب وہ یہاں ضرور آئے گا۔میں مارے خوف اور شرم کے تھر تھر کانپ رہی تھی بلکہ ایسے جیسے میں برف زار پر کھڑی ہوں۔

پھر کمرے کے باہر مجھے ایک ساتھ کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں' اور باتیں کرنے کی بھن بھناہٹ سنائی دی۔میں نے چادر کو مزید مضبوطی سے اپنے گرد لپیٹ لیا' میرے جسم کی لرزش میں مزید اضافہ ہو گیا۔

تب دروازے کے لاک میں چابی کی آواز آئی اور لاک کھل گیا۔میں وحشت زدہ ہرنی کی مانند دروازے کی جانب دیکھنے لگی' جیسے شیر اس دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی مجھے چیر پھاڑ دے گا۔دراوزہ کھلا اور ایک وجیہہ اور ڈیشنگ شخص اندر آیا' اس کے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ تھی' اس نے میری جانب دیکھتے ہوئے دروازہ بند کیااور مسکراتا ہوا میرے بیڈ کے نزدیک آگیا۔شکل سے کسی طو ر وہ غنڈہ اور بدمعاش لگ نہیں رہا تھا بلکہ نہایت معقول صورت اور پڑھا لکھا نظر آرہا تھا' وہ بیڈ کے نزدیک آکر کھڑا ہوااور مسکراتے ہوئے بولا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”ارے کیا ہوا...؟ تم اس طرح کانپ رہی ہو جیسے تمہیں بہت سردی لگ رہی ہے' اگرزیادہ سردی لگ رہی ہے تو اٹھ کر اے سی آف کردو۔“ یہ کہتے ہوئے وہ دیوار کے ساتھ رکھی ہوئی کرسی پربیٹھ گیا۔

تب میں نے دیوار پر نگاہ ڈالی اے سی آن تھا لیکن مجھے اس کااحساس ہی نہیں تھا' میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا' بس وحشت زدہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔

”مجھے ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔سنا نہیں تم نے اے سی آف کردو...“ اس نے کہااور میز سے سگار کی ڈبیااٹھا کر سگار نکالااوراسے سلگانے لگا۔سگار سلگا کر اس نے ایک گہرا کش لیااور منہ سے اس کادھواں خارج کرتے ہوئے مجھے دیکھنے لگا۔میں اب بھی خاموش بیٹھی تھی۔

”اٹھ کے اے سی آف کرو...“ اس نے بھاری اور تحکم آمیز لہجے میں آنکھیں نکال کر کہا یک لخت اس کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہوگئے۔تو میں مارے بے بسی کے سر کو نفی میں زور زور سے ہلانے لگی۔

"چلو ٹھیک ہے، تم اے سی آف نہیں کر رہی تو نہ سہی۔ تم کمرے میں تنہا بور ہو گئی ہو گی، یہاں ٹی وی اور وی سی آر موجود ہے اس میں کیسٹ بھی لگی ہے، دل بہلانے کے لیے تم وہی دیکھ لیتیں، تم نے ٹی وی کھولا تھا..." اس نے کہا تو میں نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلادیا۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ شخص کون ہے اور مجھ سے اس قسم کی باتیں کیوں کر رہا ہے، اپنے بارے میں سوچ سوچ کر مارے شرم کے مری جا رہی تھی۔

"اچھا چلو میں تمہیں ایک بہت شاندار اور دلچسپ مووی دکھاتا ہوں، تمہیں یقیناً پسند آئے گی۔" اس نے دوستانہ انداز میں کہا اور میز سے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی اور وی سی آر آن کیا اور چند لمحوں کے بعد ٹی وی پر جو کچھ دکھائی دیا، اسے دیکھ کر تو مجھے اسی لمحے مر جانا چاہیے تھا لیکن میں اتنی ڈھیٹ اور سخت جان تھی کہ وہ سب کچھ جھیل گئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

وہ میری مووی تھی بنا لباس کے۔ میرے ساتھ ایک مرد بھی تھا، جس کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا، اس کے ہاتھ میرے جسم کے مختلف حصوں کا جغرافیہ معلوم کر رہے تھے۔

بس اتنا ہوا کہ میں چکرا کر بیڈ پر گر پڑی اور بے ہوش ہو گئی۔ ہوش آنے پر وہ مہربان دکھائی دینے والا شخص بھیڑیا بن گیا۔ جس نے سر سے پاؤں تک مجھے گندگی میں لتھیڑ دیا۔

اس نے مجھے بتایا کہ مسز ہمدانی نے اپنا ایک کام نکلوانے کے لیے مجھے تحفے کے طور پر اس نام نہاد پیر کو بخشا ہے اور اب میری وہ فحش مووی ان کے پاس موجود ہے۔ اگر میں نے اسے خوش نہیں کیا یا اس کا اور مسز ہمدانی کا نام بھی کسی کے آگے لیا تو میری یہ مووی میرے محلے کے ویڈیو سینٹر میں پہنچا دی جائے گی... آگے کیا ہو گا اس کا انجام مجھے اچھی طرح سے سوچ لینا چاہیے۔

مسلسل ایک ہفتہ میں اس شیطان نواب سطوت کی درندگی کا نشانہ بنتی رہی۔ میں روزانہ اس کے آگے ہاتھ جوڑتی اس کے قدموں میں سر رکھ کر التجائیں کرتی کہ وہ مجھے چھوڑ دے‘ لیکن وہ یہی کہتا رہا ”چھوڑ دوں گا۔دل تو بھر جانے دو۔“ اور ایک دن جب میں نے اس کے آگے بہت التجائیں کیں تو اس نے بڑے اطمینان اور پیار سے کہا۔

”جاؤ...! لیکن کہاں جاؤ گی اپنے گھر...؟“

میں مارے خوشی کے ایک دم کھڑی ہوگئی اور مجھے اس کے الفاظ پر یقین نہیں آیا کہ کیا واقعی وہ اتنی آسانی سے مجھے چھوڑ دے گا اس لیے بے یقینی سے کہا۔

”آپ سچ کہہ رہے ہیں؟“

تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگا اور نیم وا آنکھوں سے میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

”تمہیں تو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں نے تمہیں عزت بخشی ہے‘ کتنے ہی لوگ میری ایک جھلک دیکھنے کے لیے اور مجھ سے ایک ملاقات کرنے کے

مزیدار دو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

لیے مہینوں انتظار کرتے ہیں۔تم ہمیں پسند آگئی تھیں تو ہم نے تمہیں عزت بخش دی اور اب تمہاری خواہش پر تمہیں جانے کی اجازت بھی دے رہے ہیں لیکن...ایک بات تمہارے ذہن سے کبھی نہ نکلنے پائے۔“ اتنا کہہ کر وہ چند لمحوں کے لیے رکا اور میری جانب بغور دیکھنے لگا۔تو میں سہم گئی‘ اس نے اپنی ایک انگلی اٹھائی اور میری جانب اس کا رخ کرکے بولا۔

”تمہاری وہ نادر اور نایاب ویڈیو ہمارے پاس محفوظ ہے‘ اگر تم نے غلطی اور بھولے سے بھی کسی کے آگے میرا ذکر کیا یا مسز ہمدانی کا نام لیا تو پھر تمہاری وہ ویڈیو تمہارے محلے کے اور خاندان کے ہر گھر میں پہنچا دی جائے گی۔لوگ تمہاری بات کا یقین بھی نہیں کریں گے۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمہیں لینے کے دینے پڑ جائیں۔اس لیے تمہارے حق میں بہتر یہی ہوگا کہ تم اپنی زبان بند رکھنا اور ہاں...اگر پھر بھی تم نے جوش میں کچھ بھی کہنے کی کوشش کی تو تمہاری فرزانہ اور شبانہ۔یہی نام ہیں ناں تمہاری چھوٹی بہنوں کے۔وہ ہماری دسترس سے دور نہیں۔میں جانتا ہوں تمہارے گھریلو حالات بہت خراب ہیں‘ والد بیمار ہیں‘ چھوٹا بھائی ابھی فرسٹ ایئر میں پڑھ رہا ہے‘ یہاں سے جاؤ گی تو

تمہیں اتنا مال دے دوں گا کہ تم اپنے گھریلو حالات سنوار سکو گی۔جاب کرنا چاہو گی تو جاب بھی دلوادوں گا اور اگر کبھی یاد آئے تو خوشی خوشی چلی آنا۔نامراد نہیں رہو گی اور ہاں...!" اس نے ایک بار پھر تنبیہہ کا لہجہ اختیار کیا۔"بھولے سے بھی مسز ہمدانی سے رابطہ کرنے کی کوشش مت کرنا۔"

بات ختم کرکے وہ اٹھا اور الماری سے ایک لفافہ نکال کر میرے آگے پھینکتے ہوئے بولا۔"اسے ساتھ لیتی جانا۔باہر گاڑی اور ڈرائیور موجود ہے وہ تمہیں تمہارے گھر کے قریب اتار دے گا۔"یہ کہہ کر وہ سنگ دل شخص تیز قدموں سے کمرے سے نکل گیا۔

نہ جانے کیوں اس کے آگے میری زبان کو تالے لگ جاتے تھے' شاید میں اس سے حددرجہ خوف زدہ تھی۔اس کے کمرے سے نکلتے ہی میں نے زمین پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردیا' میں دیر تک روتی رہی۔خوب رولینے کے بعد میری آنکھوں سے آنسو نکلنے ہی بند ہوگئے۔میں لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اٹھی لفافہ دیکھا تو اس میں ڈھیروں نوٹ تھے' پتہ نہیں کتنے تھے۔میں نے غصے میں آکر لفافہ اٹھا کر پھینک دیا۔اور میرے منہ سے نکلا۔

"کتے تو مجھے میری عزت کا معاوضہ دے کر سمجھ رہا ہے کہ تو مجھ پر بہت بڑا احسان کررہا ہے اور کیا کہہ رہا تھا تو کہ تونے مجھے اپنے قدموں تلے روندھ کر مجھے عزت بخشی ہے' میں چیخ چیخ کر دنیا کو تیرے اور اس کمینی عورت کی حقیقت دکھاؤں گی۔تمہارے اصل چہرے دنیا کے سامنے لاؤں گی۔نواب سطوت دنیا تجھے پیر سائیں سمجھ کر اپنے سر آنکھوں پر بٹھاتی ہے اور تو۔تو تو نرا شیطان ہے۔عزتوں سے کھیلنے والا 'ابن ابلیس...

میں غصے اور جنون میں پتہ نہیں کیا کیا بڑبڑائے جارہی تھی' اور تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی جیسے ابھی جاکر نواب اور مسز ہمدانی کا تیاپانچا کردوں گی لیکن ایک کرخت آواز آئی۔

"ٹھہرو۔" میں نے پلٹ کر دیکھا یہ کس نے کہا لیکن وہاں میرے علاوہ کوئی موجود نہیں تھا' پھر یہ کس کی آواز تھی۔میں نے گھبرا کر کمرے میں چاروں جانب اپنی وحشت زدہ نگاہیں دوڑائیں اور پھر مجھے ادراک ہوا کہ یہ تو میرے اندر کی آواز تھی۔میرے دماغ نے مجھے رکنے کے لیے کہا۔عقل جس کا دوسرا نام بریک ہے' یعنی جب انسان جوش جذبات میں اندھا ہو کر کوئی غلط قدم

اٹھانے لگتا ہے تو عقل بریک کے لیے کہتی ہے' یعنی رک جاؤ۔تم جو کام بھی کرنے جارہے ہو' اس کے بارے میں آگے اور پیچھے کے بارے میں رک کر سوچواور جو شخص بریک لگا لیتا ہے یعنی عقل کی آواز سن لیتا ہے وہ بچ جاتا ہے' ورنہ تیز رفتاری سے زبردست اور خطرناک ایکسیڈنٹ ہو ہی جاتا ہے' پھر کچھ بھی نہیں بچتا' سب کچھ ختم ہوجاتاہے۔

اورجب میں نے اپنے دماغ کی سرزنش کو محسوس کیا تو میرے ذہن میں نواب سطوت عرف پیر سائیں کے خوفناک الفاظ یایوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ زبان کھولنے کی صورت میں خطرناک نتائج کی دھمکی گونجنے لگی۔

وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہاتھا۔میری آواز سنے گا ہی کون... میری اوقات ہی کیا ہے...؟ مارے بے بسی کے ایک بار پھر میری آنکھیں اشک بہانے لگیں۔ میں یہ سوچ رہی تھی کہ گھر پہنچ کر اپنے ایک ہفتے کی غیر حاضری کا میں کیا جواز پیش کروں گی' پھر خیال آیا کہ یہی کہہ دوں گی کہ میں اپنی دوست کے گھر جارہی تھی کہ میرا ایکسیڈنٹ ہوگیا' میں ہاسپٹل میں بے ہوش پڑی تھی۔

یہ سوچ کر میں مطمئن ہوگئی۔میرا خیال تھا کہ گھر والے میرے اس جھوٹ پر یقین کرلیں گے۔چلتے چلتے میری نگاہ نواب سطوت کے دیئے ہوئے لفافے پرپڑی جو میں نے غصے میں پھینک دیا تھا۔یہ سوچ کر واپس اٹھالیا کہ میں یہ رقم اپنے بہن بھائی اور ابا کے علاج پرخرچ کروں گی کہ میں نے اپنے آپ کو بیچ دیا ہے... میرے پاس تو ویسے بھی کچھ نہیں باقی بچا' پھر یہ رقم کیوں چھوڑدوں۔

میرا بیگ 'میرے کپڑے اور چادر سب کچھ اسی کمرے میں موجود تھا' میں نے اپنے کپڑے تبدیل کئے اور لفافہ بیگ میں رکھا چادر اوڑھی اور باہر نکل آئی۔

باہر آکر دیکھا یہ وہ بنگلہ نہیں تھا جس میں میں آئی تھی' پتہ نہیں کون سی جگہ تھی۔بلکہ یہ اس سے بھی زیادہ بڑا بنگلہ تھا' باہر گیٹ پر ایک گارڈ موجود تھا' میں نے اس کے پاس جا کر کہا۔"مجھے اپنے گھر جانا ہے۔"

"باہر گاڑی اور ڈرائیور موجود ہے' گاڑی میں جا کربیٹھ جاؤ' جہاں کہوگی ڈرائیور تمہیں چھوڑ دے گا۔" اس نے جواب دیا۔

"یہ بنگلہ کس کا ہے اور یہ کون سی جگہ ہے؟" میں نے گارڈ سے پوچھا۔

"بی بی تمہیں جانا ہے تو چلی جاؤ... نہیں جانا ہے تو واپس اندر چلی جاؤ... بیکار کے سوالات کر کے اپنا اور میرا وقت برباد مت کرو...' اس نے سخت لہجے میں کہااور اپنا منہ دوسری جانب پھیرلیا۔

"الو کا پٹھا... کمینہ...!" میں نے آنکھیں نکال کر اسے غصے میں کہا' لیکن وہ پتھر بنا کھڑا رہا یوں جیسے اس نے میرے الفاظ سنے ہی نہیں۔

میں سمجھتی تھی کہ یہ سب نواب کے بندے ہیں اس کی ہدایت پر ان کی زبانیں بند ہیں۔اس نے میرے کہے بنا ہی گیٹ کھول دیا اور میں اسے گھورتی ہوئی باہر نکل آئی' باہر ایک گاڑی کھڑی تھی۔ڈرائیور باہر کھڑا تھا' میں اس سے کچھ بھی کہے بناء گاڑی میں بیٹھ گئی۔مجھے بیٹھا دیکھ کر وہ بھی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیااور مڑے بنا بولا۔

"کہاں جانا ہے؟"

جواب میں میں نے اسے اپنے علاقے کا نام بتادیا تو اس نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔راستے میں میں بھی خاموش رہی وہ بھی خاموشی سے گاڑی چلا تارہا' دل میں خیال بھی آیا کہ اس سے کچھ پوچھوں کہ یہ کون

میرے گھر کے نزدیک اسٹاپ آیا تو میں نے اس سے کہا کہ یہاں گاڑی روک دوتو اس نے بریک لگادیا' میں اتر کر خاموشی سے اپنے گھر کی جانب چل دی۔پیچھے مڑ کر دیکھا تو گاڑی تیزی سے واپس جارہی تھی۔

گھر کی جانب جاتے ہوئے میرے قدموں میں لڑکھڑاہٹ تھی اس کی وجہ یہی تھی کہ میں اب وہ رومانہ نہیں تھی جو اس گھر سے گئی تھی۔یہ رومانہ جو جارہی تھی وہ تو ایک لٹی پٹی لڑکی تھی۔

گھر کادراوزہ بند تھا میں نے بیل بجائی تو ذرا دیر بعد دروازہ کھلا اور امی کی شکل دکھائی دی' میرے اوپر نگاہ پڑتے ہی وہ سکتے کی سی کیفیت میں آ گئیں' پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری جانب دیکھنے لگیں۔ان کے لبوں پر لرزش اور آنکھوں میں آنسو تھے' ہم دونوں بالکل ساکت حالت میں کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"امی...!" میں نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں اور لرزتے ہوئے لبوں سے بمشکل کہا تووہ ایک جھرجھری لے کر جیسے ہوش میں آ گئیں۔

میرا دل شدت سے چاہ رہاتھا کہ امی کے گلے لگ جاؤں اور پھوٹ پھوٹ کر اور چیخیں مار مار کر اپنی بربادی اور لٹ جانے کا ماتم کروں۔

"کک...کون ہوتت...تم...؟" امی نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں رومانہ امی... آپ کی بیٹی...!" یہ کہہ کرمیں نے امی کے گلے لگنا چاہا تو امی تیزی سے واپس پلٹ گئیں او راپنا ہاتھ پیچھے کرکے زور زور سے ہلاتے ہوئے بولیں۔

"کون رومانہ... میں کسی رومانہ کو نہیں جانتی... میری کسی بیٹی کانام رومانہ نہیں ہے... جاؤ واپس چلی جاؤ۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہیں امی...پہلے میری بات تو سنیں... میں کہاں تھی، مجھ پہ کیا گزری!؟" میں بھاگ کر امی کے سامنے آ گئی اور بری طرح روتے ہوئے کہا۔

"ہش...!" امی نے کھوئے کھوئے انداز میں منہ پر انگلی رکھ کرمجھے خاموش رہنے کے لیے کہا۔"وہ سو رہے ہیں... انہیں بڑے عرصے کے بعد اتنی اچھی نیند آئی ہے... تو آ گئی انہیں بے چین کرنے کے لیے ...!" امی کاانداز مجھے ایسا لگاجیسے وہ ہوش وحواس کی کیفیت میں نہیں ہیں۔

"ابا...!کہاں ہیں ابا..." یہ کہہ کرمیں کمرے کی جانب بھاگی... لیکن ابا کا خالی بیڈ میرا منہ چڑارہاتھا۔

"اباکہاں گئے...؟" میں نے چیخ کر کہا۔

اور اتنے میں گھر میں موجود میری چھوٹی بہنیں آ گئیں اور وہ سب بجائے میرے سوال کاجواب دینے کے امی کے اردگرد کھڑی ہو گئیں اورانہیں سنبھالنے لگیں۔

"بتاؤناں تم سب خاموش کیوں کھڑی ہو... اباکہاں ہیں...؟" میں نے وحشت زدہ لہجے میں‌پوچھا

اس کے ساتھ ہی دھڑکتی آواز کے ساتھ اظہر اندر آیا اورمیرے منہ پر ایک الٹے ہاتھ کا زوردار تھپڑ مارتے ہوئے بولا۔

"مجھ سے پوچھو کہ ابا کہاں گئے...؟"

وہ شعلہ بار نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا اور میں حیرت سے منہ کھولے اپنے چھوٹے اور لاڈلے بھائی کو دیکھ رہی تھی جس کے لیے میں نے اتنی تکلیفیں اٹھائی تھیں جو مجھ سے چھوٹا تھا' آپی آپی کہہ کر اپنی ہر فرمائش مجھ سے کیا کرتا تھا۔

"ایسے کیا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہو... تم میں ذرا بھی غیرت اور شرم ہوتی تو دوبارہ اس طرف آنے کی جرات نہ کرتیں... ماردیاناں تم نے انہیں... وہ تمہارا نام لیتے لیتے اس دنیا سے چلے گئے... امی اپنے حواسوں میں نہیں رہیں۔عزت گئی... لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل کردیا... آج ہر نگاہ مجھ سے یہ سوال کرتی ہے ... تیری بہن اپنے کسی یار کے ساتھ بھاگی ہے...بتاؤ ہم کیا جواب دیں لوگوں کو... ان جوان بہنوں کو کہاں لے کرجاؤں۔کون ہمیں عزت کی نگاہ سے دیکھے گا... کون ان بہنوں کو بیاہنے کے لیے اس گھر کا رخ کرے گا... آج ہر زبان ایک ہی بات کہہ رہی ہے۔

"وہ تو پہلے ہی آوارگی میں پڑگئی تھی... آخر کار بھاگ ہی گئی..."

اظہر کی زبان سے الفاظ نہیں انگارے نکل رہے تھے۔تیر تھے جو میری روح کو چھیڑے جارہے تھے... اس کے ہر لفظ کے انگارے نے میرے جسم اور روح میں چھالے ڈال دیئے تھے۔

اظہر کا ہر جملہ کوڑا بن کر میری روح کو زخمی کررہاتھا۔"مار دیا تم نے انہیں..."

"تو کیا... تو کیا... ابا نہیں رہے..." میں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہااور نیچے بیٹھتی چلی گئی اور چیخیں مار مار کررونے لگی... میں چیخ چیخ کر ابا...ابا... پکار رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ کہہ رہی تھی ..."ابامجھے معاف کردیں... ابا میں کسی کے ساتھ نہیں بھاگی تھی...ابا واپس آجائیں۔"

میری چیخیں سن کر بہت سے محلے والے جمع ہوگئے... امی بالکل ساکت بیٹھی اجنبی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں جب کہ چھوٹی بہنوں کی نگاہوں میں میرے لیے نفرت اور حقارت تھی۔تب ہی اظہر میرے قریب آیا اگر میرا ہاتھ پکڑ کر جھٹکے سے مجھے کھڑا کرتے ہوئے بولا۔

"بند کرو اپنا یہ ڈرامہ... تم یہاں آئی کیوں ہو مزید ہمارا تماشہ نہ بناؤ۔پہلے کوئی کسر رہ گئی تھی جو تم پوری کرنے کے لیے آئی ہو... جاؤ ہمیشہ کے لیے اسی کے پاس چلی جاؤ جس کے ساتھ تم اب تک تھیں۔ابا نے مرتے وقت تمہیں معاف نہیں کیا تھااور نہ ہی ہم میں سے کوئی تمہیں معاف کرے گا... جاؤ دفع ہوجاؤ یہاں سے ..." اس نے مجھے زور سے دھکا دیاتو میں نیچے گر پڑی۔

میں نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی اور زمین پرپڑے پڑے کہا۔"میرے بھائی پہلے میری بات تو سن لو... مجھے بھی اپنی بے گناہی کے سلسلے میں کچھ بولنے کاموقع دو..."

اظہرنے میری بات نہیں سنی وہ دہاڑتا ہوا گھر میں جھانکنے والوں کی جانب بڑھا اوربولا۔

"دفع ہوجاؤسالوں... یہاں کیا تمہاری ماں ناچ رہی ہے جو تماشہ دیکھ رہے ہو۔"

اس کی ڈانٹ سن کرسب لوگ دروازے سے ہٹ گئے وہ پھر میری جانب پلٹااور سفاک لہجے میں بولا۔

"چلو اٹھو... کھڑی ہو۔" وہ چٹکی بجاتے ہوئے بولا۔"ایک سیکنڈ کے اندر دفع ہوجاؤ۔میں تمہاراغلیظ سایہ بھی اس گھر پر دیکھنا نہیں چاہتا۔"

"اظہر میر اایکسیڈنٹ..." میں اتناہی بولی تھی کہ وہ پھر دہاڑا۔

"زیادہ جھوٹی بکواس کہانیاں سنانے کی کوشش نہ کرو... تم نے کیاسوچاتھا کہ اپنی جھوٹی بکواس کہانی سنا کرہمیں اپنی پارسائی کا یقین دلالوگی... میں میڈیکل اسٹو رپر کھڑا تھا' تب شاہد(محلے کاایک لڑکا) نے مجھے اشارہ کرکے دکھایا کہ وہ دیکھوتمہاری بہن اپنے یار کی بڑی سی کار سے اتر رہی ہے۔ ایکسیڈنٹ ہو گیا...ہاسپٹل والوں نے تمہیں اسپیشل کار میں گھر بھجوایا ہے۔" اس نے گہرے طنزیہ لہجے میں کہا پھر بولا۔"تمہیں کہاں کہاں تلاش نہیں کیا... سارے ہاسپٹل چھان مارے' ایک ایک کلینک دیکھا'سارے رشتہ دار' تمہاری سہیلیاں سب جگہ پتہ کیاتھا لیکن تم کہیں نہیں تھیں' ابا تمہارا غم لے کر اس دنیا سے چلے گئے۔اب ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے... ہمارے لیے تم

اسی روز مر گئی تھیں جس روز ابا مرے تھے، اب جاؤ اور آئندہ کبھی ہمیں اپنی شکل نہ دکھانا۔"

"میں کہیں نہیں جاؤں گی... میں یہیں رہوں گی... یہ میرے ابا کا گھر ہے..." میں روتے ہوئے اٹھی اور تیزی سے اندر کمرے میں آگئی اور اندر سے دروازہ بند کرلیا۔

"دروازہ کھولو... نکلو اس گھر سے... ورنہ میں دروازہ توڑ ڈالوں گا۔" اظہر نے زور زور سے دروازہ پیٹتے ہوئے کہا لیکن میں نے دروازہ نہیں کھولا۔

اظہر تھوڑی دیر تک دروازہ پیٹتا رہا پھر ایک دم خاموشی چھا گئی۔ میں رات تک اندر بند رہی، یہی سوچ کر کہ اظہر کا غصہ ٹھنڈا ہوجائے گا تو وہ میری بات ضرور سنے گا، اس کا ری ایکشن فطری تھا... میری غیر موجودگی میں میرا گھرانہ برباد ہوگیا، ابا چلے گئے امی حواس کھوبیٹھیں، امی ابا کے وہ سارے خواب جو انہوں نے ہمارے لیے دیکھے تھے، سب بکھر گئے۔ مجھے یقین تھا کہ اب اظہر اپنی تعلیم جاری نہیں رکھے گا وہ کمائے گا... کوئی بھی چھوٹے سے چھوٹا کام کرے گا لیکن کمائے گا... بہنوں کی تعلیم کا سلسلہ بھی ختم ہوجائے گا۔ میں تو

ابھی تک اظہر کو بچہ ہی سمجھ رہی تھی لیکن اس ایک ہفتے میں وہ اپنی عمر کی کئی منزلیں ایک ساتھ طے کر گیا تھا، وہ ایک جوان اور غیرت مند بھائی اور بیٹا بن گیا تھا۔ اس نے دنیا والوں کی کیسی کیسی نگاہیں اور زبانیں برداشت کی ہوں گی... مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے اظہر کے اندر ابا کی روح بول رہی ہے۔

میری سمجھ میں اب ہر بات آرہی تھی... محلے والوں نے اس وقت ہی میرے خلاف باتیں بنانی شروع کردی تھیں جب مسز ہمدانی کی کار مجھے لینے اور چھوڑنے کے لیے آتی تھی۔ وہی لوگ گھر آکر امی اور ابا سے میرے متعلق الٹی سیدھی باتیں کرتے تھے اس لیے ابا اور امی میرے ٹیوشن پڑھانے کے اتنے خلاف تھے اور میں نے بھی جوش جذبات میں کچھ بھی نہیں سوچا... اتنی عقل ہی نہیں تھی میں تو ابا کا بیٹا بننا چاہ رہی تھی لیکن یہ بھول گئی کہ میں بیٹی ہوں... بیٹا نہیں بن سکتی اور دنیا مجھے اسی نگاہ سے دیکھ رہی ہے اور میرے گھر نہ لوٹنے کی صورت میں سب کو یہی خیال آیا کہ میں کسی کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی ہوں، میری تلاش شروع ہوئی ہوگی تو سب کو میرے غائب ہونے کا علم ہوا ہوگا اور پھر لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع مل گیا۔

میرے غیرت مند ابا اتنا بڑا صدمہ برداشت نہیں کرسکے اور انہوں نے زمین کی گود میں اپنا منہ چھپالیا۔

میری گمشدگی اور ابا کی موت نے امی پردہرا صدمہ ڈالا اور وہ اپنے حواس کھوبیٹھیں۔اظہر ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا کہ اس گھر کی بیٹی کا کوئی بھی رشتہ مانگنے کے لیے نہیں آتا' جس گھر کی ایک بیٹی آوارہ ہوجائے یا پھر گھر سے ہی بھاگ جائے۔

میں کیا کہہ کر اپنی بے گناہی کا کسی کو یقین دلاؤں' میں کس طرح بتاؤں کہ میرے ساتھ کیا ظلم ہوا ہے... میں اگر اس گھر میں رہی تو کوئی مجھ سے بات نہیں کرے گا میں سب کی نگاہوں سے گر چکی ہوں' پھر محلے والے ضرور آئیں گے' مجھ سے طرح طرح کے سوالات کریں گے۔اور اگر...اوراگر... میرے ساتھ ہوئی اس ہفتے بھر کی بدکاری کا کوئی نتیجہ ظاہر ہوگیا تو پھر میں کیا کروں گی...؟

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

زندگی مجھ پر تنگ ہوچکی ہے' مجھے جینے نہیں دیا جائے گا... میں کیا کروں... میرا اس گھرسے چلے جانا ہی بہتر ہے... لیکن اس پناہ گاہ سے نکل کر میں کہاں جاؤں گی... کیا واپس نواب سطوت کے پاس...!؟

'نہیں نہیں' میں ایسا نہیں کرسکتی... میں جی چکی مجھے جتنا جینا تھا' اب میرا مرجانا ہی بہتر ہے ...'

پھر میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں اپنی زندگی اپنے ہاتھوں ختم کرلوں گی روز روز لٹنے اور ذلت آمیز زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ میں موت کو گلے لگالوں۔

میں نے کمرے میں ادھر ادھر نگاہ دوڑائی کہ میں کس طرح مرسکتی ہوں' پنکھے سے لٹک کر یا اپنے ہاتھ کی رگ کاٹ کے...پھر سوچا کہ اپنی خودکشی کی صورت میں' میں اپنے معصوم بھائی کوایک اور مصیبت میں ڈال دوں گی... میں سمندر میں کود کر جان دے دوں گی... سمندر میں ڈوب کر بہت سے لوگ مرجاتے ہیں میں بھی مرجاؤں گی...

میں نے خودکشی کا مصمم ارادہ کرلیا اور اٹھ کھڑی ہوئی، کمرے میں بند اور سوچوں میں گم مجھے کئی گھنٹے گزر چکے تھے، رات اتر آئی تھی، گھر میں ہنوز سناٹا چھایا ہوا تھا، میرا دروازہ بھی کسی نے نہیں کھٹکھٹایا تھا۔

میں نے پرس اٹھایا اور اس میں سے کرائے کے پیسے نکالنے چاہے، تو صرف پانچ کا نوٹ پڑا تھا، میں ے نواب کا دیا ہوا لفافہ اٹھایا اور اس میں سے پیسے نکال کر گنے... پچیس ہزار روپے تھے، یہ اچھی خاصی بڑی رقم تھی،ہم نے تو کبھی اکٹھی اتنی رقم کے بارے میں دیکھنا تو درکنار سوچا بھی نہیں تھا۔

یہ رقم ہے میری عزت کامعاوضہ... میری اور میرے گھر والوں کی تباہی اور بربادی کا معاوضہ اور ایک ابن ابلیس کی عیاشی کا صدقہ...!

میرا جی چاہا کہ ان تمام نوٹوں کو آگ لگادوں... لیکن میں مرتو رہی ہوں یہ رقم میرے گھر میں کام آئے گی، میں نے سو کا نوٹ نکالا اور باقی رقم الماری میں کپڑوں کی تہہ کے نیچے رکھ دی کہ کبھی نہ کبھی تو کسی کی نگاہ میں یہ لفافہ آجائے گا۔

میں مزید رات گزرنے کاانتظار کرنے لگی۔ پھر آہستہ سے دروازہ کھولا، سب سورہے تھے، ابا کے بیڈ پر امی اور ساری بہنیں مڑی تڑی حالت میں ایک دوسرے سے جڑی اس طرح لیٹی تھیں جیسے وہ کسی سے خوف زدہ ہوں۔ وہیں زمین پر بستر بچھا کر اظہر سو رہا تھا۔ میں تیزی اورخاموشی کے ساتھ صحن میں نکل آئی، ہمارے گھر میں دو ہی کمرے تھے، آگے برآمدہ اور صحن تھا، صحن میں باہر گلی کا دروازہ کھلتا تھا، دروازے میں آٹومیٹک لاک لگا تھا، جوباہر سے چابی سے کھلتا تھا، اور اندر سے بغیر چابی کے لاک دبا کے بند ہوجاتا تھا۔

میں نے نہایت آہستگی سے دروازہ کھولا، لاک دبا کراندر کیا پھر دروازہ بند کردیا، دروازہ لاک ہو گیا تھا۔

میں نے چادر سے اچھی طرح اپنا چہرہ چھپایا اور تیز تیز قدموں سے بس اسٹاپ کی جانب چل دی، وہاں کئی ٹیکسیاں کھڑی تھیں، میں نے ایک ٹیکسی والے سے کلفٹن سی سائڈ چلنے کے لیے کہا تو اس نے حیرت سے مجھے دیکھا پھر اس کے لبوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ آگئی بولا۔ ”بیٹھیں۔“

میں جلدی سے دروازہ کھول کر بیٹھ گئی‘ اس نے سامنے لگا مرر میرے چہرے پر سیٹ کیا اور ٹیکسی اسٹارٹ کر دی... تھوڑا چلنے کے بعد بولا۔

”آپ اکیلی اس وقت سی سائڈ پر کیا کرنے جا رہی ہیں؟“

جواب میں میں خاموش رہی تو اس نے کہا۔

”آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“

”تمہیں اس سے کیا مطلب‘ میں اکیلی جاؤں یا دوکیلی‘ تم ٹیکسی چلاؤ۔“ میں نے جھلا کر جواب دیا۔

”اچھا اچھا میں سمجھ گیا... گاہک کی تلاش ہے... اپنا معاوضہ بتائیں... آج رات مجھے بھی بہت بوریت ہو رہی ہے۔“ اس نے بیک مرر میں میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”بکواس مت کرو‘ تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہے۔ کیا تم نے مجھے ایسی ویسی لڑکی سمجھا ہوا ہے۔“ میں نے سخت لہجے میں کہا۔

”ایسی ویسی نہیں تو... تو کیا شریف زادیاں رات کے اس وقت تنہا سی سائڈ پر تفریح کرنے کے لیے جاتی ہیں۔“ اس نے کہا۔

”بکواس مت کرو‘ ٹیکسی روکو... مجھے اتار دو... مجھے نہیں جانا تمہارے ساتھ۔“ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر زور سے کہا۔

”ناراض کیوں ہوتی ہیں‘ نہ تو نہ سہی۔“ اس نے کندھے اچکا کر کہا اور بدستور ٹیکسی چلاتا رہا۔

اسی وقت مجھے احساس ہوا کہ رات کے اس وقت گھر سے نکل کر میں نے دوسری بڑی غلطی کی ہے۔ یہ ٹیکسی والا بھی مجھے کال گرل سمجھ رہا ہے‘ تب میں نے کہا۔

”تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو‘ رات کے اس وقت تنہا میں سمندر پر گاہک کی تلاش میں نہیں جا رہی بلکہ خودکشی کرنے جا رہی ہوں۔ میں مرجانا چاہتی ہوں۔“

”کیوں...؟“ اس نے کہا اور ایک جھٹکے سے بریک لگا دیئے۔

”بس میں مرنا چاہتی ہوں‘ تمہیں اس سے کیا‘ تم ٹیکسی چلاتے ہو اور تمہارا کام مسافروں کو ان کی منزل تک پہنچانا ہے‘ تم مجھ سے کرایہ لو اور مجھے سی سائڈ پر لے جا کر اتار دو...!“ میں نے کہا۔

"میں ایسا نہیں کرسکتا... تم مجھ سے کہہ رہی ہو کہ تم اپنی زندگی اپنے ہاتھوں ختم کرنا چاہتی ہو اور میں تمہیں یوں آسانی سے مرنے دوں۔" اس نے بغور میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

تب میں نے بھی اس کے چہرے کی جانب دیکھا وہ ایک نوجوان آدمی تھا اس کی عمر اٹھائیس سے تیس سال کے درمیان ہوگی... سانولہ رنگ تھا' آنکھیں بڑی اور روشن تھیں' گھنی مونچھیں تھیں 'بظاہر دیکھنے میں وہ ٹھیک ٹھاک دکھائی دے رہا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو میری جان' کیا نظر لگاؤ گی... میری اماں کہا کرتی تھیں مجھے بچپن میں بہت جلدی نظر لگ جایا کرتی تھی۔" اس نے مجھے اپنی جانب غور سے دیکھتے ہوئے پا کر شوخ اور دوستانہ لہجے میں کہا تو میں نے جلدی سے نگاہیں جھکالیں۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ تم خودکشی کیوں کرنا چاہتی ہو؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"تمہیں کیوں بتاؤں' تم میرے کون ہو۔" میں نے کہا۔

"میں تو انسانیت کے ناتے پوچھ رہا ہوں۔" اس نے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"نہیں مجھے کسی کو کچھ بھی نہیں بتانا... بس تم مجھے سمندر پر لے چلو' ورنہ میں یہیں تمہاری ٹیکسی سے اتر جاتی ہوں اور کسی دوسری سواری سے چلی جاتی ہوں۔" اتنا کہہ کر میں نے دروازہ کھولنے کے لیے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو اس نے تیزی سے میرا ہاتھ پکڑ لیااور میری نقل اتارتے ہوئے بولا۔

"مجھے یہیں اتار دو میں دوسری سواری سے چلی جاتی ہوں۔" میری نگاہ میں تم ایک انتہائی احمق لڑکی ہو۔" اس نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"تم ہوتے کون ہو میرے ساتھ زبردستی کرنے والے... میری مرضی مجھے نہیں جانا تمہارے ساتھ۔" میں نے روہانسے لہجے میں کہا۔

"میں تمہارا کچھ بھی نہیں لگتا' لیکن پھر بھی تمہارے ہی خیال سے کہہ رہا ہوں' رات کے اس وقت ایک جوان اور تنہا لڑکی... تمہیں پتہ ہے رات میں بھیڑیے شکار کی تلاش میں کھلے ہوتے ہیں 'چڑھ جاؤ گی کسی بھیڑیے کے ہتھے... شکر کرو کہ تم میری ٹیکسی میں بیٹھی ہو' میں تو ایک شریف نوجوان ہوں۔" اس نے کہا۔

"کوئی شریف نہیں ہوتا' یہاں سب ہی بھیڑیے ہوتے ہیں۔میں تم پر یقین کیوں کر کروں۔" میں نے تنک لہجے میں کہا۔

"اچھا ایک بات بتاؤ بالکل سچ بتانا... کیا واقعی تم خودکشی کرنے جارہی ہو... یا خودکشی کا نام لے کر خود کومظلوم ثابت کرنا چاہ رہی ہو' سچ سچ بتاؤ تم کون ہو...؟" اس نے گہری سنجیدگی سے پوچھا تو میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں ایک شریف لڑکی ہوں اور سچ مچ خودکشی کرنے جارہی ہوں۔"

"مجھے بتاؤ کہ تم خودکشی کیوں کرنا چاہتی ہو' مجھے بتاؤ ہوسکتا ہے کہ میں تمہاری کوئی مدد کرسکوں۔" اس نے کہا۔

"اگر مدد ہی کرنا چاہتے ہو تو مجھے سمندر میں دھکادے دو' میں جینا نہیں چاہتی' اس دنیا میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔" میں نے روتے ہوئے کہا۔

"ابھی تم نے بتایا ہے کہ تم ایک شریف لڑکی ہو تو کیا کسی نے زبردستی تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔"

اس نے کہا تو میں نے چونک کر اس کی جانب دیکھااور میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا...؟"

"ٹھیک ہے چلو...!" اتنا کہہ کروہ سیدھا ہو کر بیٹھااور ٹیکسی دوبارہ اسٹارٹ کرکے آگے بڑھادی میں سرجھکائے آنسو بہائے جارہی تھی' مجھے نہیں معلوم تھا کہ

آیا وہ مجھے سمندر پر ہی لے جارہا ہے یا کہیں اور... شاید اس وقت میں ایک بہت ہی احمق اور کم عقل لڑکی تھی۔میں نے سراس وقت اٹھایا جب ٹیکسی رکی۔

میں نے دیکھا کہ وہ سمندر کے بجائے کسی محلے میں آیا ہے' یہاں لائن سے قطار میں مکانات بنے تھے۔"یہ تم مجھے کہاں لے آئے ہو..." میں نے متوحش نگاہوں سے اس کی جانب دیکھااور پوچھا۔

"یہ میرا گھر ہے... گھبراؤ مت... تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ میں ایک شریف آدمی ہوں... اتنا بھی شریف نہیں ہوں'تھوڑی

بدمعاشی ہے میرے اندر، لیکن اس قسم کے کام نہ کرتا ہوں اور نہ پسند کرتا ہوں... تم بلا کھٹکے چلی آؤ۔"

اتنا کہہ کر وہ سامنے والے گھر کے دروازے کی جانب بڑھا اور جیب سے چابی نکال کر تالا کھولنے لگا... تالا کھول کر دوبارہ آیا اور بولا۔

"جلدی اترو... مجھے ٹیکسی کو سائڈ میں لگانا ہے، بیچ گلی میں کھڑی ہے۔"

میں یہ سوچ کر اس کے گھر میں چلی گئی کہ اب میں کوئی عفت ماب لڑکی تو رہی نہیں تھی، میرے پاس کھودینے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔

یہ کمرہ تھا جس میں ایک بیڈ، الماری اور کرسیوں کا ایک سیٹ رکھا تھا، میں ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور کمرے کا جائزہ لینے لگی، اس کمرے میں زیادہ سامان نہیں تھا اس لیے اس کا جائزہ لینے میں مجھے زیادہ وقت نہیں لگا، پھر میں اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی، ٹیکسی ڈرائیور، مجھے جس کا نام بھی معلوم نہیں تھا ابھی ٹیکسی سائیڈ میں لگا رہا تھا اور اندر نہیں آیا تھا کمرے کے باہر اندھیرا تھا لیکن کمرے سے باہر جانے والی مدھم روشنی میں، میں نے یہ دیکھ لیا کہ اس کمرے کے برابر میں بھی ایک کمرہ ہے، آگے سارا صحن ہے اور صحن کے

سائڈ میں غسل خانہ اور باورچی خانہ بنا ہوا ہے میں نے کمرے کے دروازے پر کھڑے کھڑے یہ سارا جائزہ لیا، واپس پلٹ رہی تھی تو وہ اندر آگیا۔اس نے اندر آکر کمرے کے باہر کھلنے والا دروازہ بند کیا، کنڈی چڑھائی اور بولا۔

"ارے تم ابھی تک کھڑی کیوں ہو، بیٹھ جاؤ... اور ہاں میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں کہ مجھ سے ڈرنے اور خوف زدہ ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے، تم اطمینان سے بیٹھ جاؤ، ہم کچھ باتیں کریں گے پھر تم برابر والے کمرے میں جا کر سوجانا۔"

میں نے صرف اثبات میں سرہلایا، میں اس وقت اپنی زندگی کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ میں کہاں سے کہاں آگئی، صرف ایک ہفتے میں میری زندگی میں اتنابڑا انقلاب آگیا۔

"پیاس لگی ہے پانی پیوگی...؟" میرے بیٹھتے ہی اس نے پوچھا تو میں نے ایک بار پھر سرہلانے ہی پر اکتفا کیا، سارا دن گزر گیا تھا، میں نے نہ تو پانی پیا تھااور نہ ہی کچھ کھایا تھا، اسے میرے چہرے پر نہ جانے کیا دکھائی دیا، بولا۔

"لگتا ہے تم بھوکی بھی ہو، کچھ کھاؤ گی؟" میں نے پھر سر ہلادیا، میرے بار بار صرف سر ہلانے پر وہ جھنجلا گیا اور بولا۔

"ابے کیا بات ہے اپنی زبان کیا ٹیکسی میں چھوڑ آئی ہو، کہاں رکھی تھی سیٹ کے اوپر یا نیچے کہو تو لادوں...!"

اس کی بات سن کر میرے لبوں پر مسکراہٹ آگئی تو اس نے ایک گہرا سانس لیا اور بولا۔"شکر اللہ کا کہ تم مسکرائیں تو... گڈ گرل... ویسے ایک بات بتاؤں، تمہاری مسکراہٹ بہت خوب صورت ہے۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے کمرے سے باہر چلا گیا۔

اس نے صحن کی لائٹ جلائی اور پھر کچن میں چلا گیا۔میں نے جھانک کر دیکھا کہ وہ کیا کررہا ہے، کچن سے کھٹر پٹر کی آوازیں آرہی تھیں۔ذرا دیر بعد وہ باہر آیا، اس کے ہاتھ میں پلیٹ تھی، اور پلیٹ میں سیب اور کیلے رکھے تھے، پلیٹ میری جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

"دراصل میں تنہا رہتا ہوں ناں اس لیے کھانا کم ہی پکاتا ہوں، کبھی کبھار موڈ ہو تو... ورنہ باہر ہی سے کھالیتا ہوں۔فرج میں یہ پھل پڑے تھے، فی الحال

تو ان پر گزارہ کرو، چائے کا پانی میں نے چولہے پر رکھ دیا ہے تم اتنے میں کھاؤ میں چائے بنا کر لاتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ پھر کچن میں چلا گیا، اور میں بے تابی کے ساتھ سیب اور کیلے کھانے لگی۔

پھر وہ چائے کے دو مگ ایک چھوٹی ٹرے میں رکھ کر لے آیا، اور بولا۔

"تھوڑی بھوک تو مٹ گئی ہوگی، فکر نہ کرو صبح تمہیں حلوہ پوری کاشاندار ناشتہ کراؤں گا، یہاں قریب ہی مٹھائی کی دکان پر حلوہ پوری بنتا ہے۔"

"تم یہاں اکیلے رہتے ہو؟" میں نے پہلا سوال کیا۔

"ہاں فی الحال تو اکیلا ہی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیااورایک مگ اٹھا لیااور دوسرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا کہ وہ میں لے لوں، نہ جانے مجھے

کیا خیال آیا کہ میں نے اس کے ہاتھ میں اٹھائے ہوئے مگ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں یہ لوں گی۔"

"کیوں اس میں کیا خاص بات ہے، تمہیں یہ لینا ہے یہ لے لو۔" اس نے اپنا کپ میری جانب بڑھادیااور ٹرے میں رکھا ہوا دوسرا مگ اٹھا کر اسے پینے لگا' چند لمحے سوچنے کے بعد بولا۔"تمہیں انجانے میں کسی چیز میں نشہ آور چیز پلا کر بے ہوش کیا گیا تھا۔"

میں نے چونک کر اسے دیکھا اور پوچھا۔" تمہیں کیسے پتہ چلا۔"

"تم نے احتیاطاً وہ مگ نہیں لیا جس کا میں نے تمہیں اشارہ کیا۔اس سے میں سمجھ گیا کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہوگا۔"

میں اس کی عقل پر حیران رہ گئی'ویسے بھی وہ عمر میں مجھ سے زیادہ تھااوردن رات اس کا مختلف قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا رہتاہوگا... زمانہ انسان کا سب سے بڑا استاد ہے وہ سب کچھ سکھادیتا ہے۔

"چلو' اب اپنے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتاؤ... لیکن ٹھہرو پہلے میں تمہیں اپنے بارے میں بتاؤں گا۔میرا نام رضوان ہے' میں پنجاب کے ایک گاؤں سے کراچی پیسہ کمانے کے لیے آیا ہواہوں۔گاؤں میں میرا اپنا گھر ہے ایک چھوٹی بہن ' بھائی اور ایک بیوہ ماں ہے' باپ کاانتقال ہوگیاتھا' میں اسکول

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں پڑھ رہا تھا 'گاؤں میں تھوڑی سی زمین تھی' جس پر میرے باباکھیتی باڑی کرتے تھے' پھران کاانتقال سانپ کے ڈسنے سے ہوگیا۔میں چھوٹا تھا' یہ کام نہیں کرسکتاتھا اس لیے میرے چاچا کے مشورے پر اماں نے زمین بٹائی پر دے دی۔میں نے گاؤں کے ہائی اسکول سے میٹرک پاس کرلیاتو چاچا نے اپنے ایک جاننے والے سے کہہ کرمجھے شہر بجھوادیااور اس نے مجھے یہاں ایک ورکشاپ پر کام سیکھنے کے لیے رکھوادیا۔

مجھے تیل اور گریس کا کام کرنا پسند نہیں تھا' میں مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتاتھا اس لیے یہاں شام کے کالج میں ایڈمیشن لے لیا۔

میں نے چار سال ورکشاپ میں کام کیااور گریجویشن مکمل کرلی' پھر موٹرمکینک کا کام چھوڑ کرجاب کی تلاش شروع کی۔لیکن اس سلسلے میں بری طرح ناکامی ہوئی' تنگ آکرمیں نے ٹیکسی قسطوں پر حاصل کی اور ٹیکسی چلانا شروع کردیا۔یہ مکان کرائے کا ہے۔

میں جب گاؤں سے آیا تھا تو نہایت سیدھا اور شریف تھا لیکن یہاں میرا بہت سے ایسے لوگوں سے واسطہ پڑا جو غلط کام کرتے ہیں۔میری کہانی بہت لمبی

ہے' کیا کیا بتاؤں' بس اپنے من کی پوری سچائی کے ساتھ تمہیں بتارہا ہوں کہ میں ہلکا پھلکا ہاتھ ادھر ادھر مارلیتا ہوں... کوئی اور براکام نہیں کیا' نہ شراب کو ہاتھ لگایا اور نہ ہی عورت کو...

اپنی حلال کی کمائی گھر بھیج دیتا ہوں' بہن کی شادی کردی ہے' بھائی لاہور میں پڑھ رہا ہے' ماں گاؤں ہی میں ہے..." اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوااور میری جانب دیکھنے لگا۔

"تم نے ابھی بتایا کہ چھوٹا موٹا ہاتھ مار لیتا ہوں' اس کا کیامطلب ہے...!"

"مطلب پھر کبھی بتاؤں گا۔فی الحال تم اپنے بارے میں بتاؤ کہ خودکشی کیوں کرنے جارہی تھیں۔"اس نے بات کو ٹالتے ہوئے کہا۔

"مجھے افسوس ہوا یہ جان کر کہ گریجویشن کرنے کے بعد بھی تم نے برائی کی راہ اپنائی۔" میں نے کہا۔

"اب تمہاری ہی اس بات سے میں تمہیں سمجھاتا ہوں کہ میں تمہیں کیوں اپنے ساتھ لایا ہوں۔میں توایک لڑکا تھا' اچھا بننا چاہتا تھا لیکن چونکہ تنہا تھا' اس لیے برے لوگوں کی دوستی اور صحبت میں برے کام سیکھ گیا اور تم تو

ایک جوان اور حسین لڑکی ہو... سوچو تمہارا کیا حال ہوتا... تمہیں کچھ اندازہ ہی نہیں ہے کہ اس معاشرے میں قدم قدم پر کتنی برائیاں پھیلی ہیں' ہرجانب گندگی ہی گندگی ہے' لاکھ اپنا دامن بچاؤ چھینٹے پڑہی جاتے ہیں۔ اورتنہا لڑکی کی زندگی کو کوئی قبول کرتاہی نہیں ہے۔" اس نے کہا تو میری سمجھ میں اس کی بات آگئی اور میں تو تھی ہی احمق۔

میں تھوڑی دیر خاموش رہی پھر آہستہ آہستہ اسے اپنی کہانی سنادی۔وہ بڑی خاموشی اور توجہ سے میری بات سن رہا تھا' میں نے اسے نواب سطوت اور مسز ہمدانی کانام نہیں بتایا' اس نے پوچھا بھی لیکن میں نے صاف انکار کردیا کہ میں تمہیں ان کے نام نہیں بتاسکتی۔

"اچھا تو تم اس لیے اپنی جان ختم کرنے جارہی تھیں۔احمق ہوتم..." اس نے میری ساری کہانی سننے کے بعد کہا۔

"توپھر مجھے بتاؤ میں اور کیا کروں۔یہ سوچ کر اپنے گھر واپس آئی تھی کہ ایک وہی تو میری پناہ گاہ ہے 'اولاد لاکھ بری سہی لیکن ماں اس کے لیے اپنی باہیں کھول ہی دیتی ہے' لیکن میری ہی وجہ سے ماں ہی ہوش کی دنیا

کھو بیٹھی، بھائی اور بہنوں کے دلوں میں میرے لیے نفرت اور حقارت تھی اور پھر میں اس بات سے بھی ڈر گئی تھی کہ کہیں اس ظلم وزیادتی کا پھل دنیا کے سامنے آگیا تو پھر میں کیا کروں گی، تب بھی میرے سامنے صرف موت کا دروازہ ہی کھلا ہوگا۔" میں نے کہااور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"تمہاری جگہ اگر میں ہوتا تو ان لوگوں سے اپنا انتقام لیتا۔یوں احمقوں کی طرح موت کو گلے لگانے کا سوچنا بھی نہیں، موت کو بزدل گلے لگاتے ہیں۔ان میں حالات کا مقابلہ کرنے اوران سے لڑنے کی سکت نہیں ہوتی اور بہادر انسان برے سے برے حالات میں بھی ڈٹ جاتا ہے۔" رضوان نے کہا۔

"میں ان لوگوں سے انتقام کیسے لوں... وہ بہت بڑے لوگ ہیں ان کے بہت اونچے تعلقات ہیں اور میں ایک بے حیثیت اور کمزور لڑکی ہوں۔میں بھلا ان سے کیسے انتقام لے سکتی ہوں۔تم یہی دیکھ لو کہ میں نے خوف کے مارے تمہیں ان لوگوں کے نام تک نہیں بتائے کیونکہ انہوں نے مجھے بہت خطرناک نتائج کی دھمکیاں دی تھیں۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

مزیداردوکتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"تم ٹھیک سوچ رہی ہو کہ تم تنہا کچھ نہیں کر سکتیں لیکن میں تمہارا ساتھ دوں گا، تمہیں وہ گر اور طریقے سکھاؤں گا کہ دنیا تمہارے تلوے چاٹے گی۔تمہیں اندازہ نہیں ہے،تمہارے پاس سب سے بھاری اور قیمتی چیز تمہارا حسن اور جوانی ہے اور تم اس کے ذریعے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" میں نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

"میرا مطلب تمہاری جوانی کیش کروانے سے نہیں ہے، تم اس کی صرف جھلک استعمال کرو گی... تمہیں نڈر اور بے خوف ہو کر اس لائن میں قدم رکھنا ہوگا۔اس بات سے بے فکر رہو کہ اب کوئی بھی تمہیں لوٹ کامال سمجھ کر ہڑپ کرنے کے بارے میں سوچ گا بھی۔میں تمہیں بتاؤں گا بھی اور سکھاؤں گا بھی... وہ بھی اس صورت میں اگر تم راضی ہوگی... میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں۔"

"تم کیا بتاؤ اور سکھاؤ گے مجھے..." میں نے معصومیت سے سوال کیا۔

"ابے یار اس وقت توزبردست نیند آنے لگی ہے، ایسا کرو کہ تم برابر والے کمرے میں جاکر سوجاؤاندر سے کنڈی لگالینا... ویسے تو میں شریف آدمی ہوں

اور کبھی عورت نگر کی سیر نہیں کی‘ لیکن اس کمبخت شیطان کا بھی تو کوئی بھروسہ نہیں ہے...“ اس نے سر کھجاتے ہوئے کہا تو مجھے ہنسی آگئی۔

وہ مجھے دوسرے کمرے میں لے آیا‘ یہاں ایک چارپائی پڑی تھی۔بستر طے کیاہوا رکھا تھا‘ کہنے لگا۔”ایک مرتبہ میں اماں کواپنا یہ گھر دکھانے کے لیے لایا تھا تب ہی یہ چارپائی خریدی تھی۔بستر اماں گاؤں سے اپنے ساتھ لائی تھیں جب سے یوں ہی رکھا ہے‘ اچھا اب تم نیند کرو یا جاگو میں تو سونے جارہاہوں۔پیاس لگے تو کچن میں چھوٹا سا فرج موجود ہے‘ وہ آخری کونے میں واش روم ہے...بس یااور معلومات دوں...؟“ اس نے منہ پھاڑ کر جمائی لیتے ہوئے کہا تو میں نے مسکرا کر سرہلادیا۔تووہ کمرے سے نکل گیااور جاتے ہوئے دروازہ بھیڑدیا۔

میں نے بستر کھول کر چارپائی پر بچھایا‘ تو تکیے کے نیچے سے تسبیح نکل آئی‘ تب مجھے یقین آگیا کہ وہ سچ کہہ رہاتھا‘ یہ تسبیح اس کی اماں ہی کی ہوگی‘ جووہ بھول گئی ہیں‘ میں چارپائی پر بیٹھ کر کمرے کاجائزہ لینے لگی‘ کچھ بیکار سامان پڑا تھا‘ دیوار پر کھونٹی پر اس کے میلے کپڑے ٹنگے ہوئے تھے‘ ایک ٹین کا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

صندوق تھا اوراس کمرے سے ملحق ایک چھوٹا سااسٹور بھی بناہوا تھا جس کادروازہ نہیں تھا۔

میں واش روم گئی‘ ضروریات سے فارغ ہو کر میں نے وضو کیا اور آکر نماز پڑھ کراللہ سے رو رو کرخوب دعا مانگی‘ پھر دروازہ اندر سے بند کرکے سونے کے لیے لیٹ گئی۔

دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی تو میری آنکھ کھلی‘ دن کی روشنی کھڑکی سے چھن چھن کر اندر آرہی تھی۔

میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا‘ تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔”صبح بخیر۔“

”آپ اٹھ گئے؟“ میں نے اپنے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹتے ہوئے کہا۔

”ہاں دو گھنٹے ہوگئے‘ صبح سے خالی پیٹ تین کپ چائے پی چکا ہوں۔اس وقت تک تو میں اچھی خاصی کمائی کرلیتا ہوں۔آج تمہاری وجہ سے ٹیکسی لے کر نہیں نکلا‘ میں بھوک سے بے تاب ہو کر حلوہ پوری لے ہی آیا‘ اب لے آیا تو سامنے رکھی تھی‘ اس کی خوشبو چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی‘ دیکھ کیا رہا ہے

احمق... مجھے کھا... اب اکیلے کیسے کھاتا اس لیے مجبوراً تمہیں جگا دیا۔"وہ نان اسٹاپ بولے جارہا تھا۔

"اچھا تم چلو میں آرہی ہوں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور منہ ہاتھ دھو کر اس کے کمرے میں گئی تو وہ انتظار میں بیٹھا تھا۔

میں کرسی پر بیٹھ گئی۔وہ میری جانب غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔"یار تم تو بہت زیادہ خوبصورت ہو..."

"رضوان پلیز مجھ سے ایسی باتیں نہ کریں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"بھئی اس خالق کائنات کی تعریف نہ کروں وہ مصور ہے... بھئی میں تو اللہ کی تعریف کررہا ہوں۔اس نے بھی کیسی کیسی صورتیں بنائی ہیں' تمہیں کیوں برا لگ رہا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے پوری توڑی اور ایک بڑاسا نوالہ منہ میں رکھ لیا۔

تو یہ تھی رضوان کے گھر میں گزری میری پہلی رات۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں نے رضوان کے ساتھ اس کے گھر میں رہنے کا فیصلہ کرلیا' اس نے بہت مہارت کے ساتھ میرا برین واش کیا اور مجھے اپنے ڈھپ میں لے آیا اور قائل کرلیا کہ برے کو اس کے انجام تک پہنچانے کے لیے برائی کو اپنانا ہوگا' اگر ایک چھوٹی برائی اپنا کر بڑی برائی کو ختم کیاجاسکتا ہے تو برائی اپنانے میں کیا ہرج ہے۔

گاہے بگاہے وہ میرے حسن کے قصیدے ضرور پڑھتا رہتا تھا لیکن اس نے کبھی بات کرتے ہوئے میرا ہاتھ بھی پکڑنے کی کوشش نہیں کی' لیکن جب کبھی میں گھبرا کر روپڑتی تو مجھے بچوں کی طرح اپنے سینے سے بھی لگا لیتا تھا' لیکن اس وقت اس کے انداز میں شفقت ہوتی تھی' ہوس نہیں۔

میں اس کی شخصیت کے بارے میں سوچتی تو حیران ہوتی کہ یہ کس قسم کا جوان مرد ہے' میرے بارے میں' میرے حسن کی بے پناہ تعریف کرتے ہوئے کبھی اس کے جذبات نہیں بھڑکے' ایک دن یہی بات میں نے اس سے پوچھی تو وہ اداس لہجے میں بولا۔

"جب دل بجھ جائے تو شہر تمنا کے چراغاں سے روشنی نہیں ہوتی۔"

"کیا مطلب؟" میری سمجھ میں کچھ نہ آیا اور میں نے الجھ کر اس سے پوچھا۔

"یار ایک تو تمہاری سمجھ دانی چھوٹی بہت ہے'میری پیاری دوستی اپنی عقل کے بند دروازوں پر کبھی دستک بھی دے لیا کرو۔"

"کیا ہے' تم ہر وقت مجھے ڈانٹتے کیوں ہو؟" میں نے روہانسی ہو کر کہا۔

"تو کیا کروں...! یار آج کل کی لڑکیاں اتنی تیز طرار ہیں اور تم بونگی کی بونگی رہیں۔" اس نے جھنجلا کر کہا۔

"تو تم کس لیے ہو' تم بنادو ناں مجھے تیز طرار..." میں نے شوخ لہجے میں کہا۔

"یہ بات ہے تو پھر ٹھیک ہے' آج سے تمہارا پہلا سبق شروع... "اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے پرجوش لہجے میں کہا۔

"نہیں نہیں رکو... پہلے اپنے جملے کا مطلب سمجھاؤ' کیا تھا وہ شہر تمنا... چراغاں وغیرہ..."

میں نے ہاتھ کے اشارے سے تیزی سے اسے روکتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ میرا دل ایک مرتبہ ٹوٹ چکا ہے' میں نے کسی کو دل دیا'اس نے توڑ کے ڈسٹ بن میں پھینک دیا' بس بات ختم... میں نے بھی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

عورت کا نام اپنے دل سے کھرچ ڈالا۔" اس نے مزاحیہ انداز میں کہا تو میرا دل دکھ سا گیا اور اس نے اتنی تکلیف دہ بات کتنی آسانی سے ہنسی میں اڑادی۔

"تمہیں کسی سے پیار ہوا تھا؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں یار ہوا تھا' لیکن یہ کہانی اب پرانی ہو چکی ہے' پرانے زخموں کو اگر کریدو تو دوبارہ تکلیف دینے لگتے ہیں۔" اس نے اداس لہجے میں کہا تو میں خاموش ہو گئی۔

پھر اس نے آہستہ آہستہ مجھے مختلف چیزیں سکھانی شروع کیں' بہت سے فن سکھائے' وہ ایک استاد کی طرح میری تربیت کر رہا تھا۔

ایک دن مجھے اپنے گھر والوں کا خیال آیا تو میں نے اس سے کہا کہ وہ اس مکان نمبر کے رہنے والوں کے بارے میں معلومات کرائے' میں نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ یہ میرا گھر ہے' تب اس نے ایک بات کہہ کر مجھے حیران کر دیا۔

"یہ تمہارا گھر ہے ناں...!"

”تمہیں کیسے معلوم...؟“ ہمیشہ کی طرح میں نے احمقانہ سوال کیا۔

”اب بھی تم یہ سوال پوچھوگی... رضوان کو سب پتہ ہوتا ہے۔“ اس نے بے نیازی سے کہا۔

میرے بہت پوچھنے پر اس نے مجھے یہ بتایا تھا کہ اس کا اپنا ایک گروہ ہے اور وہ اپنے گروہ کا ہیڈ ہے، لیکن اس کے گروہ کا کوئی بھی شخص آج تک اس گھر میں نہیں آیا تھا، شاید اس نے منع کردیا تھا۔

”ہاں وہ میرا گھر ہے۔“ میں نے اداس لہجے میں کہا۔ ”بس میں اپنے گھر کے حالات جاننا چاہ رہی تھی، تم معلوم کروادو۔“

”مجھے پتہ ہے۔“ اس نے مجھ سے نگاہیں چرا کر آہستہ سے کہا۔

”کیا پتہ ہے تمہیں...؟“ میں بے تابی سے اٹھ کر اس کے نزدیک چلی گئی۔

”وہ لوگ یہاں سے چلے گئے ہیں۔ یہ مکان بیچ کر، کہاں گئے ہیں یہ نہیں معلوم۔“

”اچھا...!“ میں نے زیرلب کہا اور ایک گہری سانس لی۔

رضوان کی ٹیچنگ جاری تھی، اب مجھ میں تبدیلی آنا شروع ہوگئی تھی، مجھ میں جو تبدیلی آئی تھی اس کی رفتار سست تھی لیکن مستحکم تھی، میری نشوونما کا عمل بتدریج جاری تھا۔ اب میں وہ ڈرپوک، احمق اور مسکین چھوٹی سی لڑکی نہیں رہی تھی، رضوان نے مجھے سارے داؤپیچ سکھادیئے تھے، ہاتھ کی صفائی میں اس نے مجھے طاق کردیا تھا۔

لوگوں کی جیبیں صاف کرنا، دکانوں سے مال اڑانا، رش میں خواتین کے پرس سے رقم اور جیولری اڑانا ہمارا کام تھا۔ میں بن سنور کر شادی ہالوں میں بھی گھس جاتی اور وہاں موجود سونے کے زیورات سے لدی خواتین سے ٹکرا کر ان کی ایک آدھ جیولری باآسانی اڑالیتی اور مزے سے نکل آتی۔ شادی ہال کے باہر رضوان اپنی ٹیکسی کے ساتھ موجود ہوتا۔

ایک دن رضوان کہنے لگا۔ ”یار ان چھوٹی موٹی وارداتوں میں مزہ نہیں آرہا، ہمیں کوئی بڑا ہاتھ مارنا ہوگا۔“

”تم کیا کرنا چاہتے ہو؟“ میں نے پوچھا۔

"یہاں ایک فائیواسٹار ہوٹل میں دوبئی کے ایک جیولر کی بیوی آرہی ہے' وہ خالص ہیروں کا نیکلس پہنے رہتی ہے' اگر تم وہ اڑالو تو ایک ہی جھٹکے میں وارے نیارے ہوجائیں۔"رضوان نے کہا۔

"اچھا کب آرہی ہے وہ...؟" میں نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ ابھی ایک ہفتہ باقی ہے۔

میں تیار ہوگئی' کیونکہ میں بہت جلد ڈھیر ساری دولت اکٹھی کرنا چاہ رہی تھی' مجھے اپنے دشمنوں سے مقابلہ جو کرنا تھا۔

گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ رضوان نے اپنے گروہ کے دوسرے لوگوں سے بھی میری دوستی کروا دی تھی۔وہ سب رضوان کے حکم پر مجھے میڈم روزی کہتے تھے۔

بعد میں مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ رضوان ٹیکسی ڈرائیور نہیں ہے' یہ صحیح تھا کہ اس کا گھر ماں بھائی بہن گاؤں میں تھے' لیکن اس کا تعلق جرائم کی دنیا سے تھا اور لوگ اسے گلو بادشاہ کے نام سے جانتے تھے۔

اس گھر کے علاوہ رضوان کے ایک دواڈے بھی تھے' جہاں اس کے ساتھی تاوان کی غرض سے لوگوں کو اغوا کر کے رکھتے تھے۔

یہ ساری باتیں آہستہ آہستہ مجھے رضوان نے خود بتائی تھیں' اس رات جب میں رضوان کی ٹیکسی میں بیٹھی تھی رضوان وہاں کسی اور ہی کام کے سلسلے میں آیا تھا' میری وجہ سے اس کا کام بھی ادھورہ رہ گیا اورمیرے بارے میں جان کر اسے یہی خیال آیا کہ میں اس کے گروہ میں ایک کارآمد اضافہ ثابت ہوسکتی ہوں' اس نے مجھ پر محنت کی اور مجھے پتھر سے ہیرابنادیا۔

اچانک مجھے بیٹھے بیٹھے خیال آیا تو میں نے کہا۔"رضوان تم تاوان کی غرض سے لوگوں کو اغواء کرتے ہو اور پھر تاوان لے کرچھوڑ دیتے ہو' ایک اغواء میرے لیے بھی کرو...!"

"کس کو...؟" اس نے چونک کر کہا۔

"ڈیفنس فیز فائیو میں ایک شخص ہمدانی رہتا ہے' اس کی دس سالہ بیٹی کو اغواء کرنا ہے اور نہ صرف اغوا کرنا ہے بلکہ اس کی آبروریزی بھی کرنی ہے اور پھر زندہ حالت میں اس کے ماں باپ کے پاس واپس بھیجنا ہے ' پورے ایک

ہفتے کے بعد... بنگلے کی نشاندہی میں کردوں گی۔" میں نے سفاک لہجے میں کہا۔

"اچھا تو وہ شخص یہی ہمدانی تھا جس نے تمہیں تحفے کے طور پر اپنے پیر کے پاس بھیجا تھا۔"ہوشیار اور عقل مند رضوان فوراً سمجھ گیا۔

"بولو کروگے یہ کام...!" میرے لہجے میں خودبخود زخمی اور بھوکی شیرنی کی سی غراہٹ اتر آئی۔

"کوئی مشکل ہی نہیں لیکن جو دوسرا کام تم میرے بندوں سے کروانا چاہ رہی ہو، وہ آج تک میں نے نہیں کروایا۔" رضوان نے کہا۔

"ابھی تک نہیں ہوا تو اب ہوگا... جب میں پاک باز نہیں رہی تو میں کسی کو بھی رہنے نہیں دوں گی... اب سارے دولت مندوں کی بیٹیوں کی آبرو میرے ہاتھوں برباد ہوگی..." میں نے دانت پیستے ہوئے سفاک لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے جیسے ہی کام ہوتا ہے تمہیں اطلاع کرتا ہوں۔"رضوان نے مجھے اطمینان دلایا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

مجھے اور کام نہیں تھا،میں رضوان کے اسی گھر میں رہتی تھی جہاں وہ مجھے پہلی مرتبہ لے کر آیا تھا، پھر کچھ ہی عرصے کے بعد جب سے میں میڈم روزی بنی تھی رضوان مجھے ایک فلیٹ میں لے آیا تھا، یہ فلیٹ کرائے کا تھا۔اس گھر سے لانے کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ایک مضافاتی بستی تھی، غریبوں کا محلہ تھا، اور ایسے میں عورتوں کاایک دوسرے کے گھر خوب آنا جانا رہتا ہے۔

مجھے گھر میں آتے جاتے ایک دوعورتوں نے دیکھا تو انہیں بے چینی ہوئی اور ایک دن جب رضوان گھر میں نہیں تھا تو دوتین عورتیں آ گئیں، اور مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگیں۔یہ بات ان لوگوں نے خود ہی فرض کرلی کہ رضوان مجھے شادی کرکے لایا ہے، کیونکہ ان کی نگاہ میں وہ ایک شریف لڑکا تھااور ایسی ویسی کسی عورت کووہ بھلا گھر کیسے لاسکتا ہے۔

"تم کہاں سے آئی ہو؟ تمہارا گھر بار کہاں ہے؟ ماں باپ زندہ نہیں ہیں کیا؟ کوئی اور رشتہ دار بھی نہیں ہے کیا؟" ایسے ہی اور بھی دوسرے سوالات سے گھبرا کر میں نے ایک ہی جواب دے دیا۔

"ہاں میرا کوئی گھربار ماں باپ اور خاندان نہیں ہے،میں یتیم ہوں، بچپن ہی سے یتیم خانے میں پلی بڑھی ہوں، پھر ایدھی ہوم میں آگئی، رضوان کوشادی کرنا تھی اس لیے اسے میں پسند آگئی۔"

"ارے رضوان کی ماں تو گاؤں ہی میں ہے تو کیا اس نے ماں کے بغیر ہی شادی کرلی۔" ایک تیز طرار سی عورت نے ناک پر انگلی رکھتے ہوئے حیرت کااظہار کیا۔

"نہیں انہوں نے ماں جی کی رضامندی سے ہی شادی کی ہے ، اب ہم گاؤں جانے والے ہیں۔" میں نے کہا۔

پھراس رات میں نے رضوان سے کہا کہ کہیں اور چل کر رہو، کوئی فلیٹ کرائے پر لے لیتے ہیں، وہاں کسی کو کسی سے کوئی مطلب نہیں ہوتا۔

رضوان کی سمجھ میں میری بات آگئی، اور یوں ہم گلشن اقبال کے ایک فلیٹ میں آگئے۔

دوسرے دن رات کو رضوان دیر سے گھر آیا اوراس نے مجھے خوش خبری سنائی کہ اس کے بندوں نے ہمدانی کی بیٹی عرشیہ کو اٹھا لیا ہے، اب کل اس کے باپ سے تاوان کی بات ہوگی۔

"تم لوگوں نے ہاتھ پاؤں بچاکے تو کام کیا ہے ناں... کیونکہ ہمدانی کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔" میں نے خدشے کا اظہار کیا۔

"بے فکر رہو۔سب سے پہلے ہم نے ان کی ملازمہ کو خریدا ہے، وہ اندر کی ساری خبریں ہمیں دیتی رہے گی۔پولیس سے رابطہ تومیرے خیال میں وہ لوگ نہیں کریں گے اور اگر کیا تو بیٹی کی اجڑی ہوئی لاش ہی ملے گی۔" رضوان نے جواب دیا۔

"بالکل ٹھیک، تم انہیں یہ بات اچھی طرح سے سمجھادینا اور پھر میرا کام بھی تو ہونا ہے۔" میں نے سفاک لہجے میں کہا۔حالانکہ عرشیہ نے دوسال مجھ سے ٹیوشن پڑھاتھا، وہ معصوم بچی تھی، لیکن میں بھی تو معصوم تھی، پھراس کے ماں باپ نے مجھے کیوں چارہ بنایا... میں نے کیا بگاڑا تھا، میری زندگی بھی تو تباہ ہوگئی ہے، پھر میں کیوں کسی پر ترس کھاؤں... رضوان نے میرا برین

واش کچھ اس طرح سے کیا تھا کہ میرا دل پتھر کا ہو گیا تھا' مجھے ہر ایک سے جیسے نفرت سی ہو گئی تھی اور خاص طور پر ان پیسے والے بڑے لوگوں سے...

رضوان مجھے ساری خبریں دیتا رہتا تھا' اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ میری ہدایت کے مطابق کام ہو رہا ہے' ان لوگوں نے ایک کروڑ روپے کی ڈیمانڈ کی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا تھا کہ اگر پولیس کو اطلاع دی تو تمہیں تمہاری بیٹی کی کٹی پھٹی لاش کسی گندے نالے میں پڑی مل جائے گی۔مجھے یہ بھی اطلاع ملی کہ ہمدانی کی بیوی کی بہت حالت خراب ہے'وہ سارا دن روتی رہتی ہے اور ہمدانی کی منت کرتی ہے کہ وہ ایک کروڑ روپے تاوان ادا کر کے اپنی بیٹی چھڑا لے۔

اس کے دو ہی بچے تھے ایک بیٹی اور بیٹا... اس دن سے اس نے اپنے بیٹے کو بھی گھر سے باہر نکلنے نہیں دیا تھا' حرام کی کمائی کا بہت روپیہ تھا ان کے پاس 'ایک کروڑ روپے سے بھی ان کے بینک بیلنس میں کوئی فرق پڑنے والا نہیں تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ایک دن میں رضوان کے ساتھ اس جگہ پہنچ گی جہاں عرشیہ کو قید کر کے رکھا گیا تھا۔میں نے کھڑکی سے دیکھا' عرشیہ فرش پر بے سدھ پڑی ہے' جسم پر لباس بھی نہیں تھا۔نہ جانے کیوں اسے اس حالت میں دیکھ کر میرے دل کی بھڑکتی ہوئی آگ میں تھوڑی ٹھنڈ سی پڑ گئی۔

اس کی تباہ حالی بتا رہی تھی کہ اس کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔

"ہو گیا اطمینان!" رضوان نے مجھ سے نگاہیں چراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں!" میرے لبوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ دوڑ گی۔میرا دل چاہا کہ خوب زور زور سے قہقہے لگاؤں۔جشن مناؤں۔"بچی کو مرنا نہیں چاہیے۔اسے زندہ حالت میں اپنے ماں باپ کے پاس پہنچنا چاہیے تاکہ یہ اپنی زبان سے اپنے اوپر ہونے والے ظلم کی داستان اپنے ماں باپ کو سنا سکے اور پھر ہو سکتا ہے کہ انہیں یاد آجائے کہ انہوں نے کسی اور کی بیٹی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا' شاید اپنے گناہ اور جرم کا احساس ہو جائے۔

میں نے رضوان کے چہرے کی جانب دیکھا تو مجھے عجیب سے تاثرات نظر آئے' مجھے غصہ آگیا اور میں نے غصے میں چلاتے ہوئے کہا۔

”تمہیں کیوں اس پر ترس آرہا ہے‘ میرے ساتھ کام کرنا ہے تو رحم نام کی کسی بھی شے کو اپنے اندر سے کھرچ کھرچ کر پھینک دو... اس ظالم او رسنگ دل زمانے سے سب کچھ چھین لو‘ اس کی عزت‘ اس کی خوشیاں‘ اس کا چین وآرام...!“

”ریلیکس ڈیئر... آؤ اب چلتے ہیں۔کل اس کو واپس بھی کرنا ہے اور پھر ہمیں فائیواسٹار ہوٹل میں بھی جانا ہے۔“ رضوان نے مجھے بانہوں میں بھر لیااور میرا سر سہلانے لگا اور میں پرسکون ہوگئی۔ایسا کیا تھا اس شخص کی ذات میں‘ مجھے نہیں پتہ...شاید وہ مجھے اچھا لگنے لگا تھا‘ لیکن میں جانتی تھی کہ اس کے دل میں میرے لیے ایسے پیار ومحبت کے جذبات نہیں ہیں۔

دوسری شام رضوان مسلسل اپنے بندوں کے ساتھ رابطے میں تھا‘ آج تاوان کی رقم لے کر عرشیہ کوان کے حوالے کرناتھا‘ ان لوگوں نے نارتھ کراچی کی ایک زیر تعمیر عمارت میں انہیں بلایا تھا اور انہیں یہ بھی بتادیاتھا کہ بچی بے ہوش ہوگی اوریہ کام احتیاطاً کیا گیا ہے۔

میں لاؤنج میں ٹی وی آن کیے بیٹھی تھی اور بے دلی سے چینل تبدیل کررہی تھی ‘میرا پور ادھیان رضوان کی جانب تھا جو بالکونی میں اپنا موبائل فون ہاتھ میں لیے کھڑا تھا‘ اس کے پاس ایک نہیں دو تین موبائل فون تھے۔مختلف نمبروں پر اس کے میسجز اور کالز آرہی تھیں۔یہ سارے فون اور اس کی سمز ایسے لوگوں کے ناموں پر ایشو کرائی گئی تھیں جو اب اس دنیا ہی میں نہیں تھے۔

اچانک ہی ایک کال آئی‘ اسے سن کر رضوان میری جانب آیا اور بولا۔

”یار روزی ہمارا آج کانائٹ پروگرام کینسل ہوگیا ہے‘ اس لیے آج ہم لوگ ہوٹل نہیں جائیں گے۔“

”کیوں...؟“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”ابھی میرے بندے کافون آیا ہے‘ وہ بتارہا ہے کہ آج وہ عورت نہیں آرہی ‘ شاید اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے‘ اب کل یا پرسوں وہ پارٹی ہوگی۔چلو اچھا ہی ہے‘ ابھی ویسے بھی میرا دماغ سالے اس مسئلے میں الجھا ہوا ہے۔“ اس نے میری جانب دیکھے بنا موبائل فون پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا اور دوبارہ

بالکونی کی جانب چلا گیا۔ تو میں بھی ٹی وی آف کر کے رضوان کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی' اس کے چہرے پر بے پناہ فکر کے تاثرات تھے۔

"کیا بات ہے رضوان سب ٹھیک تو ہے...؟" میں نے اس کے چہرے پر پریشانی ہویدا دیکھی تو پوچھا۔

"کچھ نہیں یار' تم اندر جا کر آرام کرو... پلیز مجھے ڈسٹرب نہ کرو... میرا پورا دھیان ان لوگوں کی جانب ہے وہ لوگ بچی کو لے کر رقم لینے کے لیے جارہے ہیں۔" رضوان نے اپنی پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

دوسری جانب سے وہ لوگ رضوان کے ساتھ مسلسل رابطے میں تھے اور اسے ہر لمحے کی خبر دے رہے تھے۔ رضوان یہیں سے انہیں گائیڈ بھی کر رہا تھا۔

میں نے کندھے اچکائے اور اندر آ گئی۔ اس بات کا مجھے پورا اطمینان تھا کہ ہمدانی نے پولیس کو اس کیس میں شامل نہیں کیا تھا' وہ تنہا پیسے لے کر آرہا تھا اور ان لوگوں کا پلان بھی یہی تھا کہ وہ مختلف جگہوں پر پوزیشن سنبھال کر اسے نگاہ میں رکھے ہوئے تھے' عرشیہ کو ان لوگوں نے بے ہوشی کی حالت میں اس عمارت کے ایک کمرے میں لٹایا ہوا تھا اور ہمدانی کو مسلسل فون پر ایک

جگہ سے دوسری جگہ جانے کا کہہ رہے تھے۔ یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ہمدانی اکیلا ہی ہے' ایک بندہ ایک مزدور کی صورت میں نیچے موجود تھا' جب ہمدانی کی کار اس کے قریب سے گزری تو اس نے دیکھ کر اطمینان کر لیا کہ ہمدانی اکیلا ہے اور کوئی دوسرا فرد اس کی گاڑی میں نہیں ہے۔

بعد میں رضوان نے مجھے مزید تفصیلات بتاتے ہوئے کہا کہ جب اس بات کا اچھی طرح اطمینان ہو گیا کہ ہمدانی تنہا آیا ہے تو اس سے کہا کہ وہ رقم کا بیگ یہاں رکھ کر چپ چاپ چلا جائے' رقم دیکھ کر اطمینان ہو جانے کے بعد تمہیں اس جگہ کا پتہ بتا دیا جائے گا' جہاں تمہاری بیٹی موجود ہے۔ ہمدانی نے گھبرا کر کہا کہ یہ غلط بات ہے' ایک ہاتھ دے دوسرے ہاتھ لے والا معاملہ ہونا چاہیے تب رضوان کے بندے نے کہا کہ سالے تم جیسے حرامیوں سے ہمیں شرافت کی قطعی امید نہیں ہے حالانکہ تم لوگ

شریف کہلاتے ہو' اس کے برعکس ہم بدمعاش ہیں لیکن معاملہ ایمانداری سے کرتے ہیں اور زبان کے کھرے ہیں اس لیے تمہیں ہماری جانب سے کوئی فکر نہیں کرنی چاہیے۔

اور پھر ایسا ہی ہوا' ہمدانی نے رقم والا بیگ اس عمارت میں شٹرنگ کی لکڑیوں کے پاس رکھ دیااور خود تیزی سے وہاں سے چلا گیااور اس سے زیادہ پھرتی سے رضوان کے بندوں نے وہ بیگ اٹھایااور مخالف سمت روانہ ہو گیا۔

رات کے گیارہ بجے وہ بندہ رقم والا بیگ لے کر گھر آگیا اور فون کردیا کہ بچی اس عمارت کی تیسری منزل کے ایک کمرے میں موجود ہے۔

رقم پوری تھی' اس رات ہم نے جشن منایا... میں بہت زیادہ خوش تھی۔وہ سارے لڑکے جنہوں نے میرے دل کی بھڑاس ہمدانی کی بیٹی کی عزت کی دھجیاں بکھیر کر نکالی تھی سب کے منہ چوم لیے۔

رضوان نے سب کے حصے کی رقم انہیں دی' تب میں نے اپنے حصے کی رقم سے انہیں انعام بھی دیا۔رضوان مجھے یہ سب کرتے ہوئے عجیب نگاہوں سے دیکھ رہا تھا' میں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر کہا۔

”مرد کیوں نہیں بنتا ہے' تجھے صرف باتیں کرنی ہی آتی ہیں... حیوان کیوں نہیں بن جاتا...!“ اور پھر نہ جانے اسے کیا ہوا... وہ حیوان بن گیا... اور پہلی بار مجھے ایک انسان کا حیوان بننا بہت اچھا لگا۔

دوسرے دن رضوان کہنے لگا۔”روزی یہ تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ میرا خود سے کیا ہوا عہد خود مجھ سے ہی تڑوادیا۔

”پاگل ہوگئے ہو...ایسے بھی بھلا عہد کیے جاتے ہیں۔یہ تو باندھے ہی توڑنے کے لیے جاتے ہیں۔آج پھر سے ایک عہد کرلو کہ آئندہ میرے علاوہ کسی اورعورت کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤگے۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اور ہاں جب تم سے زیادہ حسین اور جی دار عورت ملے گی تو اس عہد کو توڑ ڈالوں گا۔“ اس نے ایک گہری اور معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”جان سے مار دوں گی' تمہیں بھی اور اسے بھی۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

ابھی ہم دونوں باتیں ہی کررہے تھے کہ کام کرنے والی مائی آگئی... وہ ہمیں میاں بیوی سمجھتی تھی۔اور ہم نے ظاہر بھی یہی کیا تھا۔

ناشتہ لگانے کے بعد وہ بولی۔”بیگم صاحبہ آپ نے آج ٹی وی دیکھا... توبہ توبہ کیسی خبر آئی ہے' میرا تو کلیجہ ہی کانپ کررہ گیا۔“

”کیوں کیا ہوا؟ کیسی خبر؟“ میں نے دلچسپی لیتے ہوئے ٹی وی کا ریموٹ اٹھایا اور ٹی وی آن کردیا۔

"خبروں والا چینل لگائیں جی... ایک دس گیارہ سال کی بچی کو ظالموں نے اغواء کیااور اس کے ساتھ...!" وہ اپنے گال پیٹتے ہوئے بولی۔"بڑا ظلم کیاہے جی... خدا غارت کرے ان ظالموں کو... اس کے ماں باپ کی بہت بری حالت ہے' بار بار ٹی وی پر دکھارہے ہیں۔سنا ہے وہ بہت بڑا آدمی ہے' پولیس اب ان لوگوں کو تلاش کررہی ہے' اللہ کرے پکڑے جائیں اور پولیس انہیں پھانسی چڑھادے..." کریماں کو بڑی ہمدردی ہو رہی تھی ہمدانی اور اس کی بیوی سے وہ اغوا کنندگان کوخوب گالیاں اور کوسنے دے رہی تھی۔

"چل چل جایہاں سے' ایسی دردناک خبریں سنا کرمیرا دل نہ دہلایا کر... اپنا کام ختم کر اور جا۔" میں نے تپ کر کریماں کو ڈانٹا تووہ چپ چاپ کمرے سے نکل گئی۔

میں نے نیوز چینل لگایا' ہمدانی کو دکھایا جارہاتھا' وہ نیوز چینل اور اخباری نمائندوں سے بات کررہاتھا پھر دکھایا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ پولیس اسٹیشن سے باہر آیا تھا' وہ زیر تعمیر عمارت بھی دکھائی جارہی تھی جہاں سے بچی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

بازیاب ہوئی تھی۔البتہ عرشیہ کو نہیں دکھایا گیا صرف اتنا بتایا گیا کہ وہ ہاسپٹل میں ہے۔

پھر ٹی وی کا نیوز کاسٹر اسپیشل رپورٹ میں کہنے لگا کہ ہمارے معاشرے میں آج کسی کی بھی عزت اور جان ومال محفوظ نہیں ہے' لوگ ایسے کاموں کے لیے پولیس سے رجوع نہیں کرتے اور خود اکیلے سارے معاملے سے نمٹتے ہیں اور بعدمیں پولیس کے پاس جاتے ہیں' پولیس اب اندھیرے میں ٹوئیاں ماررہی ہے' اس لیے کہ چالاک ملزمان نے کوئی معمولی سا ثبوت بھی نہیں چھوڑا ہے' بچی بھی کسی کو چہرے سے نہیں پہچانتی کیونکہ جو بھی اس کی پاس آتاتھا اس کے چہرے پر سیاہ نقاب ہوتاتھا' پولیس موبائل نمبر سے بھی مجرموں کو ٹریس کرنے کی کوشش کی تھی وہ بھی بند ملا' دوسرے وہ سمز ایسے اشخاص کے شناختی کارڈ پر ایشو کرائی گئی تھیں جو مردہ ہیں۔اب دیکھتے ہیں پولیس کیا کارنامہ کرکے دکھاتی ہے' آیا وہ مجرموں کو پکڑنے میں کامیاب ہوتی ہے یانہیں۔"

میں نے ہنستے ہوئے ٹی وی بند کیا اور رضوان کے سامنے رونی سی صورت بنا کہ کہا۔

"چہ چہ چہ۔یہ دنیا بڑی خراب ہو چکی ہے' لوگ بہت سنگ دل اور ظالم ہو گئے ہیں۔ محبت امن اور بھائی چارہ محض کتابی اور افسانوی باتیں ہو کر رہ گئی ہیں۔

رضوان نے ایک بار پھر مجھے شوخ نگاہوں سے دیکھا تو میں نے کہا۔"ہائے بچارہ ہمدانی اور اس کی بیوی ...!" اور رضوان نے لپک کر اپنے لبوں سے میرا منہ بند کر دیا اس رات میں بہت سکون سے سوئی۔

دوسرے دن ہمیں اطلاع مل گئی کہ آج رات پارٹی ہے۔اس میں بہت سے ملکی اور غیر ملکی مہمان بھی آ رہے ہیں' یہاں زیادہ تر بزنس مین' بزنس میٹنگ اور ڈیلنگ کے لیے آتے تھے۔ میرے نام اس پارٹی کے لیے جو کارڈ ایشو کروایا گیا تھا' وہ ایک بزنس وومن میڈم روزی کے نام تھا۔جس کے کئی بزنس تھے۔اس کارڈ کو حاصل کرنے کے لیے خاصی بڑی رقم خرچ کرنا پڑی تھی۔مجھے اس پارٹی میں بزنس وومن کی حیثیت سے جانا تھا' رضوان کو میرے ساتھ ہی جانا تھا' اور اسے میرے منیجر کی حیثیت سے جانا تھا۔پارٹی رات گیارہ بجے

شروع ہونی تھی اور آخر رات تک جاری رہنی تھی۔رضوان نے نہ جانے کہاں سے ان لوگوں کی لسٹ بھی حاصل کر لی تھی جو پارٹی میں آ رہے تھے۔بقول اس کے کہ بہت موٹی موٹی اسامیاں آ رہی ہیں۔تمہیں اپنے کام کی تمام تر مہارت سے کام لیتے ہوئے خوب سارا مال سمیٹنا ہے' اس کے علاوہ اگر کسی کو اپنے حسن کے جال میں پھنسا کر اور الو بنا کر مال سمیٹ لو تو کیا ہی بات ہے۔

میں نے دن میں خوب سو کر اچھی طرح اپنی نیند پوری کر لی' شام کو بالکل فریش بیدار ہوئی' میرا لباس اور جیولری پہلے سے تیار تھی۔

بنٹو کرائے کی ایک کار لے آیا تھا' میں نک سک سے تیار ہو کر رضوان کے ساتھ فائیو اسٹار ہوٹل کی جانب چل دی' کار رضوان چلا رہا تھا اور میں بیگم صاحبہ بن کر پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔

ہوٹل پہنچ کر کار سے اترنے سے پہلے میں نے ایک بار پھر غیر ملکی قیمتی پرفیوم کا اپنے جسم پر چھڑکاؤ کیا اور اپنا چھوٹا سا گولڈن پرس ہاتھ میں تھام کر مورنی کی سی چال چلتے ہوئے ہوٹل میں داخل ہو گئی۔

رضوان میرے ساتھ مودب انداز میں چل رہا تھا۔ہال کے بند دروازے کے پاس پہنچ کر رضوان نے گارڈ کو کارڈ دکھایا ' اس دوران میں بے نیازی سے اپنے گلے میں پڑی مصنوعی پتھروں کی بڑی سی مالاسے کھیلتی رہی۔

کارڈ دیکھ کر گارڈ نے جھک کر ہال کا بڑا سا دروازہ کھول دیا اور سینے پر ہاتھ رکھ کر قدرے جھک کر ایک ہاتھ سے اندر جانے کااشارہ کیا۔

"تھینکس...!" میں نے ایک ادا سے مسکرا کر کہااورہائی ہیل کی دھیمی آواز سے ٹھک ٹھک کرتی ہوئی اٹھلاتی اور بل کھاتی ہوئی اندر کی جانب بڑھتی چلی گئی۔

وسیع ہال طرح طرح کے لوگوں سے بھرا ہوا تھا' یہاں مقامی نہیں بہت سے غیر ملکی بھی نظر آرہے تھے۔جن میں اکثریت مڈل ایسٹ کے لوگوں کی تھی۔

ہال میں بہت سے ٹیبل اور چیئر بھی تھیں کچھ لوگ ان چیئر پر بیٹھے ضروری باتوں میں مصروف تھے تو کچھ لوگ سامنے رقص کررہے تھے' کچھ خواتین تنہا رقص کررہی تھیں' تو کچھ لوگ جوڑوں کی شکل میں رقص کررہے تھے' اور بعض لوگ اس نیم روشن ہال میں ان لوگوں کارقص دیکھنے میں محو تھے۔ہال میں اگرچہ تمام میزیں بھری ہوئی تھیں اور مزید کسی کے بیٹھنے کی گنجائش

نہیں تھی تاہم میرے داخل ہونے کے بعد ایک نوجوان جوڑا وہاں سے اٹھ کر ایک دوسری میز کے پاس چلا گیا۔

رضوان نے فوراً اس موقعے سے فائدہ اٹھایا اور لپک کر اس خالی میز پر قبضہ کرلیااور ہمیں وہاں بیٹھنے کی جگہ مل گئی۔

میرے قریب کی میز پر دوافراد بیٹھے تھے ان میں سے ایک عمر رسیدہ تھا اور دوسری ایک نوجوان لڑکی تھی۔دونوں کا تعلق کسی یورپی ملک سے دکھائی دے رہا تھا۔کس ملک سے ہے یہ میں نہیں جان سکی۔لڑکی بہت خوب صورت تھی جس کی آنکھیں براؤن اور بڑی بڑی تھیں۔قد بھی درمیانہ تھا۔سفیدی مائل رنگت تھی۔بحیثیت مجموعی وہ ایک دلکش شخصیت کی مالک دکھائی دے رہی تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ دونوں خاص دلچسپی سے میری جانب دیکھ رہے تھے۔ اس لڑکی نے میری جانب دیکھ کر انگریزی میں اس مرد سے کہا۔

"مجھے لگتا ہے پاکستانی ہے' کیوں نہ اس سے بات چیت کی جائے۔"

مرد نے جواب میں کچھ کہا وہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔کیوں کہ میری توجہ اپنے بائیں جانب والی ٹیبل پر بیٹھے جوان اور خوش کل آدمی پرپڑی جو اپنے ٹھاٹ باٹ سے خاصا مال دار دکھائی دے رہاتھا۔س نے بہترین تراش خراش کا سوٹ پہنا ہوا تھااور اپنی ٹائی میں سونے کا ٹائی بٹن لگایا ہوا تھا جس میں ایک عدد چھوٹا سا ہیرا بھی جڑا ہوا تھا۔

وہ شخص تنہا بیٹھا بیئر سے شغل کررہاتھا‘تب ہی رضوان نے میری جانب جھکتے ہوئے کہا۔

”روزی تمہیں اس شخص کو پھانسنا ہے‘ میرے خیال کے مطابق یہ خاصا دولت مند لگتا ہے۔“

میں نے اس مرد کی جانب سے نگاہیں ہٹالیں اور ڈانسنگ فلور پر مرکوز کردیں اور آہستہ سے ہاں کے انداز میں ہنکاری بھری۔

اسٹیج پرمزید بیس پچیس منٹ تک رقص ہوتا رہا‘ میں اور رضوان مزید لوگوں کوتاڑتے رہے‘ میں نے دیکھا کہ ایک طرح دار اور حسین لڑکی اس کی ٹیبل پر

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

گئی اور جھک کر کوئی بات کی لیکن اس نے مسکراتے ہوئے معذرت کے انداز میں سر کو نفی میں ہلادیا۔

”مشکل بندہ لگتا ہے۔“ اسے ایسا کرتے کن اکھیوں سے دیکھتے ہوئے میں نے زیرلب رضوان سے کہا۔

”تمہارے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے ڈیئر... تم اس حرافہ سے کہیں زیادہ دلکش اور حسین ہو۔‘ رضوان نے دوسری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

رقص ختم ہوگیا۔سارے جوڑے تھک گئے تھے اور نیم تاریک ہال میں ایک دم روشنیاں جل اٹھیں۔اتنی ساری روشنیاں ایک ساتھ جلیں کہ سارا ہال بقعہ نور بن گیا۔

اور میں اس ہال میں جگمگاتے ہوئے ‘دیکھتے ہوئے‘ صاف وشفاف اور روشن چہروں کو دیکھ رہی تھی۔چہرے جن پر مسکراہٹیں تھیں‘ جو اپنے اندر زندگی کاایک خاص مفہوم رکھتے تھے اسی دوران اس جوان آدمی کی نگاہ میرے اوپر آئی اور ٹھہر گئی۔

مجھے اپنے حسن کا اوراس کی قدروقیمت کااچھی طرح سے اندازہ تھا۔آج میں نے غیر معمولی حسین نظر آنے کے لیے سارے ہتھکنڈے استعمال کرلیے تھے۔

حالانکہ حسین نظر آنے کے لیے مجھے میک اپ کی بھی ضرورت نہیں تھی۔میں نے ادھر ادھر نگاہیں گھماتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تو ہماری نگاہیں آپس میں ٹکرا گئیں۔کیونکہ ابھی تک اس کی نگاہیں مجھ ہی پر جمی ہوئی تھیں۔مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا ہو' جواباً ایک نرم اور حوصلہ افزا مسکراہٹ میں نے بھی پاس کردی۔

مجھے خوشی ہوئی کہ مجھے اس کی جانب پیش قدمی نہیں کرنی پڑے گی اور امید کررہی تھی کہ وہ خود اٹھ کر میرے پاس آئے گا۔

دس منٹ کے وقفے کے بعد ہال میں جوڑوں کا رقص پھر شروع ہوگیا۔

موسیقی کی دھن تبدیل ہوگئی ' روشنیاں پھر سے آدھی بجھادی گئیں' بہت سے مرد اور عورتیں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر ہال کے ڈانسنگ فلور کی جانب بڑھنے لگے۔

"ایکسکیوز می!" اچانک وہ اپنی سیٹ سے اٹھااور میرے پاس آکر بولا۔"کیا آپ میرے ساتھ رقص کرنا پسند کریں گی؟"

مجھے رقص وقص کرنا تو خاک آتاتھا' بس یوں ہی کبھی کبھار الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں چلالیتی تھی۔

"وائے ناٹ! مجھے آپ کی خواہش کے احترام میں ایسا کرنااچھا لگے گا..." میں نے بڑے نرم اور شائستہ لہجے میں کہا۔"اور آپ جیسے ہینڈسم اور اسمارٹ مرد کے ساتھ رقص کرنا میرے لیے خوشی کا باعث ہوگا۔لیکن میں آپ کو یہ بتادوں کہ مجھے زیادہ اچھا رقص کرنا نہیں آتا' کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے پاٹنر بنا کر آپ کو مایوسی ہو۔" میں نے سوچا کہ اسے یہ بات صاف بتادوں۔میری بات سن کر وہ مزید مجھ سے متاثر ہوگیااور مسکراتے ہوئے بولا۔

"میں بھی اچھا رقص کرنا نہیں جانتا' بس آپ جیسی حسین خاتون کے ساتھ وقت گزارنے کا یہ تو ایک خوب صورت بہانہ ہے۔"

اس کی بات سن کر میں نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا تووہ میری جانب حیرت سے دیکھنے لگااور بولا۔

"مائی گاڈ لیڈی آپ کی ہنسی بہت دلکش ہے بالکل آپ کی طرح... بالکل ایسا لگا جیسے کوئی نرم جھرنا آہستہ روی کے ساتھ بہہ رہا ہو۔"

"آپ کو تو شاعری بھی آتی ہے مسٹر...؟" میں نے اس کا نام جاننے کے لیے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"خرم!" اس نے میرا سوال سمجھ لیا اور نام بتادیا۔

"اور میں روزی... میڈم روزی کہتے ہیں سب مجھے..." میں نے اپنا تعارف کروایا۔

"آپ نے ابھی مجھ سے کہا کہ مجھے شاعری بھی آتی ہے تو بائی گاڈ میں تو شاعری کی الف ب سے بھی واقف نہیں ہوں۔ وہ تو جب آپ کا جہاں سوز حسن سامنے ہو تو مجھ جیسا بدذوق بھی خودبخود شاعر بن جاتا ہے۔" اس نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا اور میرا ہاتھ تھام کر مجھے کرسی سے اٹھالیا۔

ہم دونوں ڈانسنگ فلور پر چلے گئے اور رقص کرنے والے جوڑوں میں شامل ہوگے۔ خرم کے لباس سے قیمتی پرفیوم کی بہترین مہک اٹھ رہی تھی اوراس خوشبو نے مجھ پر ایک عجیب غنودگی آمیز کیف وسرور سا طاری کردیا، خود اس

کی کیفیت بھی اسی قسم کی تھی۔ لیکن میں نے اپنے آپ کو سنبھال رکھا تھا اورمیں لمحہ بھر کے لیے بھی غافل نہیں ہوئی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

میں نے اپنے پورے جسم کا بوجھ اس کے اوپر ڈال دیا تھا، وہ مزید بے خود ہونے لگا، جذبات اور شراب کی سرخی اس کی آنکھوں سے جھانکنے لگی، وہ خواب ناک لہجے میں

میرے سراپا کی تعریف کررہا تھا اور میں بہکنے کی بہترین اداکاری کررہی تھی۔

میں نے اپنا ہاتھ بہت غیر محسوس طریقے سے اپنی جگہ سے ہٹایا اور انتہائی مشاقی اور ہنرمندی کے ساتھ اس کی کوٹ کی اندرونی جیب کی جانب بڑھا دیا، میں پہلے ہی تاڑ چکی تھی کہ اس کا پرس کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھا ہے۔ میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مسکراتی رہی پھر تیزی کے ساتھ میں نے اس کا پرس اپنے اسکرٹ کی جیب میں منتقل کرلیا اور اپنا ہاتھ دوبارہ اپنی جگہ پرواپس لے آئی۔

پھر میں نے تھک جانے کا اظہار کیا اور واپس اپنی میز تک جانے لگی' میرے اچانک اس طرح چھوڑنے پر وہ حیرانی سے مجھے دیکھنے لگا' پھر یکایک اس نے دوبارہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی جانب کھینچ لیا' اور مخمور لہجے میں بولا۔

”اتنی جلدی تھک گئیں جانے من...! تھوڑی دیر تو اور پلیز...!“

میں اپنا کام ہوجانے کے بعد وہاں سے فوراً کھسک جانا چاہتی تھی لیکن میری نگاہ دوبئی کے شیخ کی اس بیوی پر پڑی جس کا ہیروں کا نیکلس اڑانے کے لیے ہم آج یہاں اس پارٹی میں آئے تھے۔ وہ ایک چالیس بیالیس سال کی عورت تھی اور اپنے سے آدھی عمر کے جوان لڑکے کے ساتھ رقص کررہی تھی۔

میں دوبارہ خرم کے ساتھ رقص کرنے لگی۔ میری نگاہیں شیخ کی بیوی پر جمی ہوئی تھیں۔ اچانک میں نے اپنا رخ تبدیل کیا اور رقص کرتے ہوئے بالکل اس کے قریب پہنچ گئی اور ایک چکر دے کر میں نے خرم کو اس عورت سے ٹکرادیا۔

یہ تصادم چند لمحوں کا تھا اور اس کا نیکلس میرے ہاتھ سے ہوتا ہوا سیدھا میرے اسکرٹ کی جیب میں منتقل ہوچکا تھا۔

خرم اس عورت سے معذرت کرنے لگا اس نے بھی بڑی خوش دلی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ڈونٹ وری۔“ اور اپنے پارٹنر کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

اس عورت کو ابھی تک اپنے نیکلس کی گمشدگی کا احساس نہیں ہوا تھا لیکن اسے یہ احساس کسی بھی وقت ہوسکتا تھا' تب کیا ہوتا؟ وہ شور مچادیتی اور ہال میں ایک بھگدڑ مچ جاتی' عین ممکن تھا کہ سیکورٹی والے ہال کے دروازے بند کردیتے اور تمام لوگوں کی تلاشی لیتے تب وہ نیکلس میرے قبضے سے برآمد ہوسکتا تھا۔

اب میں بے دلی سے رقص کررہی تھی اور اس چپکو سے پیچھا چھڑا کر جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی' اس لیے میں نے ایک بار پھر اپنے چہرے پر تھکن کے آثار ظاہر کرنا شروع کردیئے' لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتی' آرکسٹرا خاموش ہوگیا اور رقص تھم گیا اور سب لوگ اپنی اپنی نشستوں پر واپس جانے لگے۔

میں نے کچھ زیادہ ہی تیزی دکھائی اور رضوان کے پاس پہنچ کر سرگوشی میں کہا۔

”رضوان نکل چلو۔ کام ہو گیا ہے۔“

”واقعی۔“ رضوان کی آنکھوں میں خاصی چمک لہرائی۔

میں نے مڑ کر خرم کا شکریہ ادا کیااور کہا کہ اس کے ساتھ میرا وقت اچھا گزرا۔

”آئیے بیٹھتے ہیں، اب کچھ کاروباری باتیں ہوجائیں، کچھ اپنے کاروبار کے بارے میں بتائیے۔“ اس نے بہت ہی معنی خیز لہجے میں کہا تو میں چونک گئی... اورمیرے دل میں ایک شک سا لہرایا۔

اتنے میں رضوان میرے پاس آیااور بولا۔”میم ہمیں فوراً واپس چلنا ہے، جاپان والا، ڈیلی گیشن ہوٹل میں آپ کا ویٹ کررہا ہے۔“

”اوہ! میں تو بھول ہی گئی...“ میں نے اپنے ماتھے پر ہلکے سے ہاتھ مارااوراس کو...”پھر ملیں گے“ کاالوداعی فضائی بوسہ اچھالتے ہوئے تیزی سے رضوان کے ساتھ ہال کے دروازے کی جانب لپکی، میں نے تیز تیز چلتے ہوئے رضوان سے کہا۔

”ہمارا آج کا کام مکمل ہو گیا ہے اور قبل اس کے کہ ان لوگوں کو اپنی گمشدہ چیزوں کا احساس ہوسکے، ہمیں یہاں سے فوراً نکل جانا چاہیے۔“

میں اور رضوان تیزی سے کاریڈور سے گزررہے تھے تب میں نے خرم کو وہاں کھڑے ہوئے پایا۔ جیسے وہ وہاں میرا ہی انتظار کررہا ہو، اسے وہاں دیکھ کر رضوان اور میں سٹپٹا گئے، لیکن میں نے فوراً ہی اپنے آپ کو سنبھال لیا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

”گڈنائٹ مسٹر خرم... آپ کے ساتھ بہت ہی پرلطف وقت گزرا، میں آپ سے دوبارہ یقینا ملنا چاہوں گی، ہم پھر ملیں گے، اسی جگہ... اب میں چلتی ہوں۔“

”ضرور ملیں گے، تم ضرور جاؤ لیکن جانے سے پہلے میرا ایک کام کرتی جاؤ۔“اس نے مسکرا کر کہا۔

”کام...!“ میرے چہرے پر شک کا گہرا سایہ سا لہرا گیا۔”کون سا کام...؟“

”مہربانی کرکے میرا پرس مجھے واپس کرتی جاؤ...“اس نے اپنا منہ میرے کان کے قریب لاتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔

"کیا...!" یہ جان کر کہ اسے اس بات کا علم ہے کہ میں نے اس کا پرس اڑایا ہے میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی اور میں نے کانپتے ہوئے لبوں سے کہا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مسٹر خرم... یہ کس قسم کا مذاق ہے؟"

"اوں ہوں! میڈم روزی!" اس نے بدستور سرگوشی میں کہا۔"یہ مذاق نہیں ہے۔میں نے تو تم سے صرف اپنا پرس واپس مانگا ہے' جو تم نے رقص کے دوران بڑی مہارت اور ہوشیاری سے میرے کوٹ کی اندرونی جیب سے نکال لیا ہے۔"

رضوان جو اتنی دیر سے چپ چاپ ہماری گفتگو سن رہا تھا' پہلی بار بولا۔

"مسٹر آپ میڈم روزی پر بہت ہی گھٹیا الزام لگا رہے ہیں۔"خوف کی ہلکی سی لہر اس کی آنکھوں میں مجھے دکھائی دی۔

"نہیں دوست!" خرم نے مسکراتے ہوئے رضوان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا۔"میں تمہاری میڈم روزی کی مشاقی اور ہنرمندی کی داد دیتا ہوں' اس مختصر عرصے میں اس نے دو کمالات دکھائے ہیں ایک تو میرا پرس اڑایا ہے اور

دوسرے اس عورت کے گلے سے ہیروں کا نیکلس پار کیا ہے' تمہیں وہ نیکلس مبارک ہو' کیونکہ وہ تمہارا حق ہے تمہاری محنت ہے' لیکن میرا پرس مجھے واپس ملنا چاہیے۔اپنوں پر ہاتھ صاف نہیں کرنا چاہیے۔"وہ مسکرا مسکرا کر بول رہا تھا اور ہمارا یہ حال کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں' ہم نگاہیں جھکائے چپ چاپ کھڑے تھے کہ اس کی اس بات کے جواب میں اب کیا کہیں یا کریں۔

تب ہی چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ بولا۔"ہم ایک ہی لائن کے آدمی ہیں۔" اس نے ایک آنکھ دبا کر معنی خیز لہجے میں کہا۔"اور ایک ہی لائن کے آدمی اپنے ہی آدمیوں پر ہاتھ صاف نہیں کرتے۔"

اتنی دیر میں رضوان اپنے آپ کو پوری طرح سے سنبھال چکا تھا اور اس نے بہتر یہی سمجھا کہ اس کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھا دے اس لیے بولا۔

"آؤ'باہر چلو... جلدی کرو... کم از کم یہاں سے تو نکلو' کہیں باہر چل کر آرام سے بات کرتے ہیں۔"

ہم تینوں تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے اس ہوٹل سے باہر آگئے۔رضوان نے خرم سے کہا کہ فی الحال وہ اپنی کار یہیں چھوڑ دے اور ہمارے ساتھ چلے'

وہ فوراً راضی ہو گیااور ہمارے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔راستے میں ہم نے آپس میں کوئی بات نہیں کی' پھر اس ہوٹل سے بہت دور ایک شاندار سے ریسٹورینٹ کے سامنے رضوان نے کار روک دی' ہم لوگ اس ریستوران میں داخل ہوئے اور ایک پرائیویٹ کیبن میں داخل ہوگئے' تاکہ یہاں بیٹھ کر ہم اطمینان سے بات چیت کرسکیں۔

وہاں بیٹھ کر میں نے سب سے پہلے خاموشی سے خرم کاپرس نکالااور اس کی جانب بڑھادیا۔

”نیکلس کی مالیت میں سے کتنا کمیشن چاہتے ہو؟“ رضوان نے سگریٹ سلگاتے ہوئے سنجیدگی سے خرم سے پوچھا۔

”کمیشن...!“ خرم نے حیرت سے کہا۔”وہ کس لیے ؟ میرا کیا حق بنتا ہے؟“

”اپنی لائن کے آدمی ہو۔“ رضوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔”تم نے ر وزی کو واردات کرتے ہوئے دیکھ لیا اور خاموش رہے تو آخر تمہارا کمیشن بھی تو بنتا ہے۔“

”نہیں دوست!“ خرم نے اتنا کہہ کر سوالیہ نگاہوں سے رضوان کو دیکھا۔

”رضوان !“ رضوان نے اس کی نگاہوں میں مچلتا ہوا سوال سمجھ کر اپنا نام بتایا۔

”ہاں تو بھئی رضوان یہ محنت اور کامیابی تو ر و زی کی ہے' اس کا حق بنتا ہے' میں کوئی کمیشن نہیں لوں گا۔“

اور پھر ذرا سی دیر میں ہم تینوں میں خاصی دوستی ہوگئی اور پھر سچ بتانے کا وعدہ لیتے ہوئے ہم نے ایک دوسرے کو اپنے اپنے بارے میں بتایا' خرم نے بتایا کہ ان کاایک باقاعدہ گروہ ہے' جس کے اور بھی کئی دھندے ہیں۔ ہم نے بھی اپنے بارے میں یہی بتایا' ہم نے ایک دوسرے سے ان کے دھندوں کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔

خرم نے صرف اتنا پوچھا کہ تمہارے گروہ کا باس کوئی اور ہے یاتم باس ہو' تو رضوان نے میری جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ہماری باس تو میڈم روزی ہیں۔ہم توان کے معمولی کارندے ہیں۔“

خرم نے توصیفی نگاہوں سے میری جانب دیکھااور پھر چند لمحوں کے لیے کچھ سوچنے لگا' پھر بولا۔

"تمہارا گروہ میرے خیال میں بہت چھوٹا ہے، جبکہ میرا تعلق ایک بہت بڑے گروہ سے ہے، ہمارا باس کوئی اور ہے، فی الحال میں تمہیں اس کا نام نہیں بتاسکتا، لیکن تم لوگوں کو اپنے ساتھ مل کر کام کرنے کی پیشکش ضرور کرسکتا ہوں۔ہمارا گروہ کافی پھیلا ہوا ہے ، اور ہمارے پاس کافی سورسز بھی ہیں میری یہ مخلصانہ پیشکش ہے کھلے

دل سے ، اس پر غور ضرور کرنا... بلکہ روزی جیسی ماہر عورت تو ہمارے ساتھ کام کرکے کندن بن جائے گی، اس کو تو بہت آگے تک جانا ہے، میں تمہارے بارے میں بات کروں گا، اتنے تم لوگ بھی اچھی طرح سے سوچ لو۔"

پھر ہم لوگوں نے ایک دوسرے کے موبائل فون نمبر وں کا تبادلہ کیااور دوستانہ انداز میں ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا۔

شمروز تم حیران ہو رہے ہوگے کہ ہم نے اتنی جلدی ایک دوسرے پراعتبار کیسے کرلیا تو ڈیئر، میں اپنے طویل تجربے سے ایک بات بخوبی جانتی ہوں اور وہ یہ کہ زیر زمین خفیہ دھندے کرنے والے لوگ عام طور پر دوستوں کے

دوست ہوتے ہیں اور ان پر اعتبار کیا جاسکتا ہے، اور یہ لوگ آپس میں بالعموم دغابازی نہیں کرتے، اور پولیس وغیرہ کی مخبری تو بالکل بھی نہیں کرتے۔

اس رات میں دیر تک خرم اور اس کی پیشکش کے بارے میں غور کرتی رہی اور میرا دل بار بار مجھے اس بات پر اکسا رہاتھا کہ مجھے یعنی ہمیں اس کی پیشکش قبول کرلینی چاہیے۔یہ بات تھی بھی حقیقت پر مبنی کہ جیسا کہ خرم نے کہاتھا کہ ہمارا گروہ بہت چھوٹا ہے، برائی کی اس راہ پر میں بہت آگے تک جانا چاہتی تھی، اس لیے میں نے ایک فیصلہ کرلیااور مطمئن ہو کر سو گئی۔

اوراسی مسئلے کو لے کرمیرے اور رضوان کے درمیان بہت بحث وتکرار ہوئی، میری مرضی یہ تھی کہ ہمیں خرم کی اس دلکش آفر سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیے ، جبکہ اس کے برعکس رضوان اس بات کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھا۔اس کا کہنا تھا کہ بے شک ہمارا گروہ چھوٹا ہے، ہمارا کام بھی محدود پیمانے پر ہوتا ہے اور پھرہم کسی کے ماتحت بھی نہیں ہیں، کوئی ہمارا باس بن کرہم پرحکم چلانے والانہیں ہے، ہم سب مل کر ایک دوسرے کے باہم مشورے

اور رضامندی کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ کسی کے محکوم بنیں۔"

اس بات کی وجہ سے ہمارے اندر ایک کھچاؤ سا پیدا ہو گیا' اس رات رضوان دیر سے گھر لوٹا' اور آکر چپ چاپ لیٹ گیا' اس کے کمرے کی لائٹ بھی آف تھی' میں جاگ رہی تھی' پھر بھی رضوان نے مجھ سے بات نہیں کی۔ میرا دل دکھ گیا۔ میں نے تھوڑی دیر انتظار کیا کہ رضوان اب آئے گا'اب آئے گا' لیکن ایک گھنٹہ گزر گیا اور وہ نہیں آیا' تب میں اپنے دل سے مجبور ہو کر دبے پاؤں اس کے کمرے کی جانب بڑھی' دیکھاتو کمرے کا دروازہ بند تھا۔ میں نے کی ہول سے جھانک کر دیکھا تو گھپ اندھیرے میں مجھے روشنی کی چنگاری سی دکھائی دی۔

رضوان جاگ رہاتھا اور سگریٹ پی رہاتھا۔ میں سمجھ گئی کہ رضوان مجھ سے شدید ناراض ہے'اس لیے وہ مجھ سے بات بھی نہیں کررہا ہے اور نیند نہ آنے کے باوجود وہ کمرے میں اندھیرا کیے تنہا لیٹا سگریٹیں پھونک رہا ہے' میں نے کچھ دیر رک کر سوچا پھر بند دروازے پر دستک دے ڈالی۔ لیکن اس نے کوئی جواب

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

نہیں دیا' میں نے دوبارہ اور پھر بار بار دستک دی' لیکن رضوان ہنوز خاموش تھا'تب میں نے کہا۔

"میں جانتی ہوں رضوان کہ تم جاگ رہے ہو' پلیز دروازہ کھولو' مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ پلیز...!"

"میں سو رہا ہوں مجھے ڈسٹرب مت کرو..." رضوان نے کہا۔

"تم بالکل بھی نہیں سو رہے... دیکھو پلیز دروازہ کھولو..." میں نے لجاجت بھرے لہجے میں کہا تو اس نے دروازہ کھول دیا' اور میری جانب دیکھے بنا پلٹ کر دوبارہ بستر پر لیٹ گیا۔

میں نے کمرے کی لائٹ آن نہیں کی' لاؤنج کی لائٹ آن تھی اور وہاں سے ہلکی ہلکی روشنی اندر آرہی تھی۔ میں اس کے پاس بیڈ پرجاکر بیٹھ گئی اور کہا۔

"ایسی بھی مجھ سے کیا خطا ہوگئی جو تم اتنے زیادہ ناراض ہو' اور میرے ساتھ اس طرح سے پیش آرہے ہو۔"

"میں نے کیا کیا ہے تمہارے ساتھ... کچھ بھی تو نہیں...! میں تمہارا لگتا ہی کیا ہوں... تم آزاد اور خود مختار ہو' اپنی مرضی کی مالک ہو... جہاں جانا چاہو

جاسکتی ہو' جس کے ساتھ کام کرنا چاہو کر سکتی ہو... تمہیں خرم پسند آگیا ہے' تو تم جاؤ... اب میں ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا... میں تمہیں ایک خواب سمجھ کر بھلادوں گا..." وہ کہتا رہااور میں چپ چاپ سنتی رہی' جب اس نے آخری فقرہ کہہ کر کروٹ بدلی تو میرا پارہ ہائی ہو گیا اور میں بیڈ پر چڑھ گئی پھراس کابازو کھینچ کر اسے سیدھا کیا' اور اس کے سینے پر مکوں کی بارش کرتے ہوئے کہا۔

"کیا کہا تم نے... کہ تم مجھے ایک خواب سمجھ کر بھلادوگے... بس اتنی حیثیت تھی تمہاری نگاہ میں میری...ہاں غلطی میری ہی تھی کہ میں نے ہی تمہیں دوسرے تمام مردوں سے مختلف سمجھا تھا۔"

"کیا کررہی ہو... اس طرح سینے پرزور زور سے مکے ماروگی تو میرا دل بند ہوجائے گا... بھئی ایسا نہ کرو... دل پر چوٹ پڑرہی ہے۔" وہ میرے ہاتھوں کو اپنے جکڑ کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"اور جو چوٹ تم نے میرے دل پر ماری ہے اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔تم نے ایسا سوچا بھی کیسے کہ میں تمہیں چھوڑ کر اس خرم کے ساتھ چلی

جاؤں گی۔تم ہی تووہ انسان ہو' میرے محسن ہو جس نے میری زندگی بچائی ہے' اگر اس رات تم مجھے نہ ملتے اور اپنے ساتھ اپنے گھر لاکر پناہ نہ دیتے تو میں یہ سوچ کر کانپ جاتی ہوں کہ آج میراانجام کیا ہوتا۔کل بیشک مجھے اس بات کی عقل نہیں تھی لیکن آج سمجھتی ہوں اور یہ عقل وفکر بھی توتم نے مجھے سکھائی ہے' میرے ہاتھ میں ہنر دیا' میں ایک دبو سی لڑکی تھی' تم نے مجھے زمانے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینے کا سلیقہ سکھایا' میں تمہیں کیسے چھوڑ سکتی ہوں' تم نے مجھے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی' میں تو صرف اس لیے خرم کے ساتھ شامل ہونا چاہ رہی تھی کہ اس کا باس کوئی بہت بڑا آدمی ہے اس کے تعلقات بہت اوپر تک ہیں۔سنا ہے حکومت میں بھی اس کے بندے شامل ہیں۔اس کا تعلق سیاست سے بھی ہے... اور میرا سب سے بڑا دشمن ..." میں نام لیتے لیتے ایک دم رک گئی۔

"ہاں ہاں بولو... تمہارا سب سے بڑا دشمن کون ہے' اب تو اس کانام بتادو... اتنا عرصہ گزر گیا ہمیں ساتھ کام کرتے ہوئے اور تم نے مجھے اس کانام نہیں بتایا۔اور جب تم بتاؤگی نہیں تو میں تمہارا مسئلہ سمجھوں گا کیسے ..." رضوان

نے بے تابی سے پوچھا تو میں ایک گہری سانس لے کر رہ گئی اور سوچا کہ اب تو رضوان کو بتانا ہی ہوگا اور میرے خیال میں اب بتادینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے' اس لیے میں نے کہا۔

"میرا سب سے بڑا دشمن نواب سطوت ہے' عام لوگوں کے لیے پیر سائیں' روحانی پیشواء سجادہ نشین' شاداب پور کا مالک' کتنے ہی سیاسی جماعتوں کے لیڈران اپنی جماعت میں شامل کرنے کے لیے اس کی خوشامد کرتے ہیں۔(یہ ساری معلومات میں نے نواب کے بارے میں ان تین سالوں میں اکٹھی کی تھیں)

"کیا...؟" رضوان کے منہ سے حیرت سے نکلا۔"نواب سطوت' ارے باپ رے باپ... میں بھی اس کے بارے میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک بہت بڑا پیر ہے' لیکن وہ اتنا بدکردار ہے' یہ مجھے نہیں معلوم تھا' ساتھ ہی رضوان نے نواب کو ایک فحش خطاب دے ڈالا۔

"تو اس سے ٹکر لینے کے لیے تو مجھے کسی بڑے کا سہارا ہی چاہیے ناں...بات صرف اتنی سی تھی اور تم نہ جانے کیا سمجھ بیٹھے' مجھے خرم میں کوئی دلچسپی

نہیں ہے' اس کے بڑے گروہ کی بڑی طاقت سے ہے۔" میں نے کہا تو رضوان نے سوری کہتے ہوئے ہمیشہ کی طرح مجھے اپنے گلے سے لگالیا... اور ہمارے دل صاف ہوگئے اوراس وقت میرے موبائل فون کی بیل بہت دھیمی دھیمی مجھے سنائی دی' میرا فون میرے کمرے میں تھا' میں نے جاکر فون اٹھا کر نمبر دیکھا تو خرم کی کال آرہی تھی۔میں نے رضوان کو آکر بتایا کہ خرم کی کال آرہی ہے کیا کروں؟

"ریسیو کرلو اور کیا کروگی...!" رضوان نے براسامنہ بناتے ہوئے کہا تو مجھے ہنسی آگئی۔میں نے ریسیو کا بٹن دبا کر فون کان سے لگایاتووہ بولا۔

"آئی ایم سوری! شاید تم سو رہی تھیں۔چلو سوجاؤ پھر بات کریں گے...!"

"ارے نہیں نہیں میں تو جاگ رہی تھی' فون دراصل دوسرے کمرے میں تھا'ہاں بولو کیا بات ہے...؟" میں نے جلدی سے کہا۔

"میرے پاس اس وقت ٹائم تھا تو سوچا کہ تم لوگوں سے ملاقات کرلوں۔ میں نے باس سے تم لوگوں کے متعلق بات کی ہے' میرے پاس تم لوگوں کے

لیے بہت اچھی آفر ہے۔ میرے خیال میں سن لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

خرم نے کہا تومیں نے اسے ایک منٹ توقف کرنے کے لیے کہا اور رضوان کوساری بات بتاکرپوچھا کہ کیا جواب دوں' تو رضوان نے کہ"اسے بلالو۔"

رضوان کے رویے میں اتنی بڑی تبدیلی دیکھ کرمیں خوشی سے جھوم اٹھی اور خرم سے کہا کہ وہ آجائے ہم اس کاانتظار کررہے ہیں۔

"بیس منٹ کے بعد خرم ہمارے فلیٹ پر موجود تھا' ادھر ادھر کی ایک دو باتیں کرنے کے بعد و ہ اصل موضوع پر آگیا اور پھر۔

وہ بول رہاتھا اورمیں اور خرم آنکھیں پھاڑے سن رہے تھے... ہم دل ہی دل میں قائل ہوچکے تھے کہ ہم اور ہمارا گروہ خرم کے گروہ کے آگے چہ پدی چہ پدی کاشوربہ والا حال ہے۔

اس کے ساتھ ہی خرم نے ایک ایسا نام لیا... جسے سنتے ہی میرے اور رضوان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہم تمہارے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار ہیں...!"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

خرم نے اپنی باتوں کے درمیان جس شخص کا نام لیا تھا اسے سن کر مجھے اپنے جسم سے چنگاریاں سی پھوٹتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں میری اور رضوان کی نگاہیں ایک لمحے کو چار ہوگئیں اور ہم نے نگاہوں ہی نگاہوں میں ایک دوسرے کو پیغام دیا کہ ہمیں خرم کی یہ آفر قبول کرلینی چاہیے۔ہم دل سے تسلیم کرچکے تھے کہ خرم کا گروہ واقعی بہت بڑا ہے۔

"تم سوچ رہے ہو گے شمروز کہ میں بھی کیا الجھی باتیں کر رہی ہوں۔ تو اب میں تمہیں شروع سے بتاتی ہوں کہ خرم نے ہم سے کیا باتیں کیں۔" اس نے بتایا۔

"میں نے تم لوگوں کے مطابق باس سے بات کی تھی تب باس نے تم لوگوں کا سارا بایوڈیٹا معلوم کروایا اور ہمیں تمہارے بارے میں سب کچھ پتا چل گیا۔

"میڈم روزی۔" اس نے میری جانب رخ پھیرتے ہوئے کہا۔"تمہارا اصل نام رومانہ ہے۔تم منظور کالونی میں ایک چھوٹے سے گھر میں اپنے والدین اور پانچ چھوٹی بہنوں اور ایک بھائی کے ساتھ رہتی تھیں۔تمہارے والد مظہر حسین اسٹیل مل میں کام کرتے تھے تم مسٹر ہمدانی کے بچوں کو ٹیوشن پڑھانے

جاتی تھیں پھر مسز ہمدانی ایک دن تمہیں اس عیاش آدمی نواب سطوت کے حوالے کر کے آگئیں۔وہاں سے تم رضوان کے ہاتھ لگ گیئں۔ابھی حال ہی میں ہمدانی کی بیٹی کے اغوا کے سلسلے میں بھی ہمیں تمہارا ہاتھ نظر آرہا ہے اور اس اغوا کے پیچھے صرف اور صرف تمہارا انتقام پوشیدہ ہے۔کیونکہ وہ صرف ایک اغوا برائے تاوان نہیں تھا۔اس بچی کا جو حشر تم نے کروایا ہے وہ کسی اندھے انتقام کو ظاہر کرتا ہے۔شاید تمہیں یہ ابھی معلوم نہیں ہوا ہے کہ ابھی کچھ دیر قبل اس بچی کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔"

عریشہ کی موت کی خبر سن کر رضوان نے چونک کر میری جانب دیکھا تو میں نے بڑے سفاک لہجے میں کہا۔

"یہ تو اچھا نہیں ہوا۔اس کو زندہ رہنا چاہیے تھا تاکہ اس کو دیکھ دیکھ کر ان کا زخم تازہ رہتا۔وہ مر گئی ہے تو کچھ دن بعد انہیں صبر بھی آجائے گا۔"

میری بات سن کر خرم نے بہت غور سے میری جانب دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"اگر ایک بہت طاقت ور شخص کا ساتھ مل جائے اور ساتھ ہی وہ نواب سطوت کا دشمن بھی ہو تب تمہارا فیصلہ کیا ہوگا؟"

اور نواب سطوت کا نام سنتے ہی میرے اور رضوان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا تھا کہ "ہمیں منظور ہے۔" خرم نے مزید تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔

"میرے باس کا نام "نواب جمشید لودھی" ہے اور وہ نواب سطوت کے چچا زاد بھائی ہیں اور وہ جمشید پور کے مالک ہیں۔ان کی آپس کی دشمنی کی بہت سی وجوہات ہیں۔بظاہر کوئی خاص دشمنی نہیں ہے لیکن در پردہ وہ ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں۔باس نے جب تمہارے بارے میں سنا تو فوراً کہا کہ تمہیں بلوایا جائے اب بتاؤ کہ تم لوگ باس سے ملنے کے لیے کب چلو گے میرا خیال ہے کہ کل ہی چلتے ہیں۔" خرم نے بتایا تو میں مزید ہزار جان سے تیار ہوگئی۔

خرم چلا گیا تو میں اور رضوان دیر تک آپس میں تبادلہ خیال کرتے رہے۔ میں نے رضوان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا کہ وہ میری خاطر تیار ہوگیا۔ رضوان نے یہ بھی کہا کہ صرف تمہاری خاطر میں نے ان لوگوں میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ تم نواب سے اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا انتقام

لے سو اور اس کام کی تکمیل کے لیے تمہیں نواب جمشید لودھی کے گروہ میں شامل ہو کر ہی بہترین مواقع مل سکتے ہیں۔

دوسرے دن وقت طے کر کے میں اور رضوان نواب جمشید کی کوٹھی پر اس سے ملنے کے لیے گئے یہ بھی کلفٹن کے علاقے میں ہی تھی۔تین سال کے عرصے میں، میں نے اپنی شخصیت اور حلیے کو اتنا زیادہ تبدیل کرلیا تھا کہ اگر میری بہنیں اور بھائی مجھے دیکھتے تو وہ بھی میڈم روزی کو رومانہ کی حیثیت سے شناخت نہیں کرسکتے تھے۔اپنے گھر سے اس رات چپ چاپ نکل آنے کے بعد سے میرا کسی سے رابطہ ہی نہیں ہوسکا تھا نہ میں نے کسی کی شکل دیکھی تھی اور نہ کسی نے میری۔مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگ اب کہاں رہ رہے ہیں اور نہ میں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی حالانکہ اگر میں چاہتی تو یہ کام میرے لیے کوئی مشکل نہیں تھا۔

لیکن میں نے ایسا اس لیے نہیں کیا کہ اگر مجھے معلوم ہوگیا کہ وہ لوگ کہاں رہ رہے ہیں تو میں اپنی محبت سے مجبور ہو کر کہیں پھر نہ اس گھر پہنچ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

جاؤں۔بس کبھی کبھار جب رات کی تنہائی میں سب کی یاد بہت زیادہ ستاتی تو ان کے لیے دل سے دعائیں کیا کرتی۔

”تم یہ بات تو اچھی طرح سے جانتے ہی ہو گے شمروز کہ اپنوں کی محبت کبھی بھی دل سے جدا نہیں ہوتی۔“

”ہاں! یہ تو تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو، اس وقت بھی نہیں جب آپ کو یہ معلوم ہو کہ وہ سب اب اس دنیا میں نہیں رہے تب بھی۔“ میں نے ایک گہری سانس اپنے اندر اتارتے ہوئے کہا۔”اچھا یہ تو بتاؤ کہ لودھی سے تمہاری پہلی ملاقات کیسی رہی۔“ میں نے دوبارہ اس کی کہانی کی جانب آتے ہوئے کہا۔

”ہاں تو جب ہم نے لودھی سے ملاقات کی تو اس کی شکل و صورت میں مجھے نواب کی ایک جھلک دکھائی دی اور میری آنکھوں کے تاثرات بدلنے لگے۔ اسے دیکھ کر بہت سے درد ناک لمحات مجھے یاد آنے لگے۔

اس نے میری جانب دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا۔”تمہیں سطوت کا خیال آیا ہے نا یقیناً تمہاری بہت سی تلخ یادیں تازہ ہوگئی ہوں گی۔دراصل ہمارا

خون ایک ہی ہے اور ہم ایک دادا کی اولاد ہیں۔اس لیے لازمی ہمارے اندر ایک دوسرے کی شباہت موجود ہے لیکن ایک بات تو طے ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ ہینڈسم اور اسمارٹ ہے اور اسے اپنی لچھے دار گفتگو کے ذریعے لوگوں کو شیشے میں اتارنے کا فن خوب آتا ہے۔تم بے فکر رہو' میں تمہارے دکھ میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہیں انتقام لینے کا بھی پورا پورا موقع فراہم کروں گا۔ مجھے اپنے کام کے لیے تمہارے جیسی حسین اسمارٹ اور ذہین عورت کی ضرورت تھی۔خرم نے تمہاری بہت تعریف کی ہے اور مجھے اس کی نگاہوں پر پورا بھروسا ہے اس کا انتخاب کبھی غلط نہیں ہوتا۔" لودھی کی باتیں سن کر میرے اندر کا تناؤ جو میرے چہرے پر بھی ظاہر ہوگیا تھا۔کافی حد تک کم ہوگیا اس نے مجھ سے ایک بات اور کہی۔

"دیکھو روزی میں تمہیں ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں تمہارے اندر بہت سی خوبیاں ہیں اور بھی مزید ہوں گی جن کا مجھے علم نہیں ہے لیکن ایک کمزوری ہے۔"

اس کی بات سن کر میں چونک پڑی کہ اس نے ذرا سی دیر میں میرے اندر کون سی کمی تلاش کرلی اس لیے پوچھا۔

"کون سی کمی۔"

"تمہیں اپنے چہرے کے تاثرات کو ہمیشہ کنٹرول میں رکھنا ہوگا۔ہماری لائن میں یہ بہت ضروری ہے۔تمہارے جذبات فورا تمہارے چہرے پر ظاہر ہوجاتے ہیں جیسے کہ اس وقت مجھے دیکھ کر تمہیں سطوت کا خیال آگیا اور تمہارے چہرے پر ناگواری کے تاثرات پوری طرح ابھر آئے۔جو میں نے فوراً محسوس کرلیے۔کبھی بھی اپنے دلی جذبات اپنے چہرے سے عیاں نہ کرو۔انہیں اپنے کنٹرول میں رکھو گی تو میرا خیال ہے تم زیادہ کامیاب رہو گی۔جلدی غصے میں مت آؤ چہرے پر ایک نرم مسکراہٹ رکھو۔" اتنا کہہ کر وہ مسکرانے لگا۔

"جی بہت بہتر آپ کا شکریہ کہ آپ نے میری خامی کی نشاندہی کی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"گڈ۔" اس نے جواباً کہا۔

اور میں یوں لودھی کے گروہ میں شامل ہو گئی۔رفتہ رفتہ مجھے اس کے تمام کاروبار کے بارے میں معلوم ہوتا چلا گیا۔میرے اپنے گروہ کے بھی سارے بندے ہمارے ساتھ ادھر ہی شامل ہوگئے۔ہمیں کام کرنے کے لیے ایک وسیع نیٹ ورک مل گیا۔

لودھی کے کاموں کے سلسلے میں، میں دوسرے بہت سے ممالک میں بھی گی اب میری پوزیشن کافی اوپر تک آگئی تھی۔

ایک بات جو میں نے محسوس کی کہ رضوان یہاں آکر زیادہ خوش نہیں تھا کیونکہ خرم زیادہ تر اپنے ہر کام میں مجھے شامل رکھتا تھا اور رضوان کو یہ بات پسند نہیں تھی۔

ایک دن تو باتوں باتوں میں خرم نے مجھ سے یہ راز اگلوا لیا کہ میں رضوان کو دل سے پسند کرتی ہوں اور یہی میری بہت بڑی غلطی تھی کہ میں نے اپنی محبت کا اعتراف خرم کے سامنے کردیا۔

اور پھر ایک واردات میں رضوان پولیس کی گولی کا نشانہ بن گیا۔مجھے اس بات پر شدید حیرت تھی کہ رضوان پولیس کی گولی کا کیسے نشانہ بن گیا۔اس کے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

سینے پر پورا برسٹ لگا تھا اور وہ موقع پر ہی ختم ہو گیا نہ مجھ سے کچھ کہا نہ سنا اور چپ چاپ جس طرح میری زندگی میں آیا تھا اسی طرح خاموشی سے نکل گیا۔

میں نے ہفتوں رضوان کی موت کا سوگ منایا۔ان دنوں خرم نے میری بہت دل جوئی کی اس نے ایک عجیب سی بات کہہ کر مجھے چونکا دیا وہ بولا۔

”تم خوامخواہ اس کی موت کا سوگ منا رہی ہو وہ تمہاری محبت کے قابل تھا ہی کہاں، اسے تو کبھی نہ کبھی اسی طرح مر ہی جانا تھا۔“

”یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو، میں یہ بات اچھی طرح سے جانتی ہوں کہ ”کام“ سے پہلے ہماری ہمیشہ پولیس سے سیٹنگ ہوتی ہے۔پولیس نے کبھی بھی مداخلت نہیں کی تو اس روز کیا ہوا تھا۔“ میں نے اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔”اور اس کام کی پلاننگ بھی تمہاری ہی تھی اور رضوان کو وہاں بھیجنے کا فیصلہ بھی تمہارا ہی تھا۔کیا تم نے اس بات کا خیال نہیں رکھا تھا۔“

”کبھی کبھار سب الٹ بھی ہوجاتا ہے ہمارا واسطہ کچھ ان سر پھرے پولیس والوں سے بھی پڑجاتا ہے جن کے پیٹ میں ایمانداری کے مڑوڑ اٹھتے ہیں۔

ایسا ہی کہ اس روز بھی ہوا ہوگا۔" خرم نے بے پروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔

اور اس رات خرم کے بارے میں یہ ساری باتیں سوچتے ہوئے میں اس نتیجے پر پہنچی کہ رضوان کی موت میں خرم کا درپردہ ہاتھ ہے۔

میں خرم سے کھنچی کھنچی رہنے لگی۔تب ہی ایک دن خرم نے مجھے بتایا کہ ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ سطوت کو ایک کام کے سلسلے میں کہیں جانا ہے اور اس کی گاڑی جس گلی سے گزرے گی وہ علاقہ کافی سنسان ہے اور وہاں پرانی عمارت کے کھنڈر بھی ہیں۔قریب ہی کچی آبادی بھی موجود ہے۔میں نے اس جگہ کا جائزہ لیا ہے اگر تم چاہو تو اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا انتقام لے سکتی ہو۔"

"وہ کس طرح؟" میں نے سب پچھلی باتیں فی الحال بھلا کر دلچسپی سے پوچھا۔

"میں تمہیں آج ہی وہ جگہ دکھا کر لاؤں گا کہ جہاں سے تم بیٹھ کر نشانہ لے سکتی ہو۔سب سے اچھی بات تو یہ ہے کہ سڑک آبادی سے فاصلے پر واقع ہے لیکن ہمارے پاس اس کے سارے

انتظامات موجود ہیں۔یہ بتاؤ تمہیں اپنے نشانے پر بھروسا ہے نا۔" اس نے جواب دیا۔

"خیر میں اپنے بارے میں یہ دعویٰ تو نہیں کرسکتی کہ میں نے نشانے بازی میں مہارت حاصل کر رکھی ہے لیکن پھر بھی اگر میں اپنے دشمن کو سامنے دیکھوں گی تو میری تمام تر صلاحیتیں عروج پر ہوں گی۔اتنا مجھے یقین ہے۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ موجود رہوں گا۔تم فکر نہ کرو۔" اس نے کہا۔

"نہیں۔" میں نے قطعی لہجے میں کہا۔"اس ابن ابلیس کے لیے میں تنہا ہی یہ کام انجام دے لوں گی۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" اس نے کندھے اچکائے۔"پھر کیا خیال ہے آج ہی چلیں۔"

"بالکل! اس کام کے لیے تو میں اینی ٹائم تمہیں تیار ملوں گی۔" اور یہ بات کہتے ہوئے میرا چہرہ سرخ اور آنکھیں خون رنگ ہو گئیں۔ہاتھوں کی مٹھیاں اور جبڑے بھینچ گئے۔

"ریلیکس ڈیئر، تم اپنے آپ کو نارمل رکھو گی تب ہی آسانی سے اپنا ہدف پورا کرسکو گی۔" اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر مسلتے ہوئے کہا اور میں نے اس کی آنکھوں میں کوئی اور ہی رنگ دیکھتے ہوئے تیزی کے ساتھ اپنے ہاتھ کھینچ لیے اور وہ مسکرا دیا۔

پھر میں خرم کے ساتھ اس علاقے کے سروے کے لیے گئی اور اس علاقے کے کئی چکر لگائے میں جانتی تھی کہ نواب سطوت کوئی معمولی آدمی نہیں ہے پولیس اسکواڈ اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہے اور اس کے علاوہ اس کا محافظ دستہ الگ ہوتا ہے۔اس کی جانب صرف ایک ہی فائر سے وہ چوکنا ہو کر پورے علاقے میں پھیل جائے اور اس شخص کو ڈھونڈ نکالے۔

یہاں پر کچی آبادی تھی پتلی پتلی گلیاں تھیں جن میں دونوں طرف مکانات تھے۔ ہم ٹہلتے ہوئے ایک گلی میں جا نکلے۔اس وقت ہم دونوں ہی نے اپنے حلیے تبدیل کرلیے تھے گلی میں ہمیں ایک بہت ہی خستہ حال دو منزلہ مکان نظر آیا۔اس کے دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا۔خرم نے اشارے سے مجھے بتایا کہ یہی وہ مکان ہے جہاں بیٹھ کر تمہیں کارروائی کرنی ہے۔

"لیکن یہ تو آبادی میں ہے اور کام کے بعد یہاں سے نکلنا۔" میں نے ارد گرد دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے میرا ہاتھ تسلی کے انداز میں دبایا اور سامنے دکھائی دینے والی ایک چھوٹی سی مٹھائی والے کی دکان تھی وہ اس کے پاس پہنچا اور بولا۔

"کیوں بھائی یہ جو کونے والا مکان ہے جس میں تالا لگا ہوا ہے کیا یہ کرائے کے لیے خالی ہے۔"

"نہیں بھائی صاحب۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔"یہ کرائے کے لیے نہیں ہے، بہت پہلے اس میں کرائے دار رہتے تھے مگر یہ مکان بہت پرانا ہے اور ٹوٹ پھوٹ بھی گیا ہے اور یہ بھی سنا تھا کہ اس مکان میں بھوت پریت نے قبضہ جمالیا ہے۔اب تو کوئی دن میں بھی اس طرف نہیں آتا۔کرائے دار اسی لیے یہاں سے ڈر کر بھاگ گئے اور مالک لوگ بھی اس کو اب کرائے پر نہیں اٹھائیں گے کیونکہ سب ہی لوگ اس مکان کی حقیقت سے واقف ہوچکے ہیں۔"

"اچھا۔" خرم نے چہرے پر شدید مایوسی کے تاثرات پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"میں تو سمجھا تھا کہ کرائے کے لیے خالی ہوگا۔خیر اگر کوئی اور مکان ہو تمہاری نگاہ میں تو ضرور بتانا۔میں ادھر چکر لگاتا رہوں گا۔"

"ہاں مکان ہے نا' ادھر دو گلی چھوڑ کر بیّن بھائی کا مکان ہے مشہور آدمی ہیں تم کسی سے بھی پوچھ لینا وہ تمہیں ان کا گھر بتادیں گے۔دو منزلہ مکان ہے اچھا بنا ہوا ہے۔اوپر خود رہتے ہیں اور نیچے کی منزل کرائے پر چڑھانا چاہتے ہیں۔آپ ان سے ضرور مل لو۔"

پھر مٹھائی والے نے مزید کئی خوبیاں اس مکان کی گنوادیں۔ایسا لگ رہا تھا کہ وہ مکان کرائے پر دلوانے والا کوئی کمیشن ایجنٹ ہے۔

"اچھی بات ہے بھائی' تمہارا بہت بہت شکریہ۔میں ضرور وہاں جاؤں گا۔" خرم نے اس سے ہاتھ ملایا اور میں ذرا ہٹ کر کھڑی تھی۔میرے پاس آیا اور بولا۔

"تم نے ساری گفتگو سن لی اب تمہارا کیا خیال ہے؟"

"ٹھیک ہے واپس چلو۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"تم نے سنا وہ مٹھائی والا کیا کہہ رہا تھا کہ اس مکان میں بھوت پریت۔"

"بھوت پریت مائی فٹ۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔"میں نے بہت بڑے بڑے انسان نما بھوتوں کا سامنا کیا ہے تو یہ ان دیکھی مخلوق میرا کیا بگاڑے گی۔"

دوسرے دن خرم نے بتایا کہ اگلے دن علی الصبح جب سورج پوری طرح نہیں نکلا ہوگا نواب کی گاڑی اس روڈ سے گزرے گی وہ بہت چالاک اور شاطر آدمی ہے کبھی بھی ایک ہی راستے سے نہیں گزرتا اس مرتبہ اس نے یہ روڈ منتخب کیا ہے۔

"ٹھیک ہے آج رات میں اپنے سامان کے ساتھ اس مکان میں قیام کروں گی اور اپنا کام مکمل کر کے ہی لوٹوں گی۔" میں نے جواب دیا۔

اور پھر آدھی رات کو اپنا بھیس بدل کر میں وہاں موجود تھی۔گلی سنسان پڑی تھی اور ایک مریل سا بلب ایک بجلی کے پول سے لٹکا ہوا تھا۔جس کی زرد اور پر اسرار روشنی میں یہ سارا ماحول ایک دہشت پیدا کر رہا تھا لیکن میرے دل

میں نواب سطوت کو موت کے گھاٹ اتارنے کے علاوہ اور کوئی خیال تک نہیں تھا۔

اس ٹوٹے اور شکستہ مکان میں داخل ہوا میرے لیے کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوا۔ میں نے اس کے دروازے پر لگے تالے پر طبع آزمائی کی کوئی کوشش نہیں کی کیونکہ ایک جانب سے دیوار کا کچھ حصہ ٹوٹا ہوا تھا اور میں اپنے دبلے پتلے جسم کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے سامان سمیت اس کے اندر داخل ہو گئی۔ روشنی کے لیے میرے پاس ٹارچ موجود تھی۔

اندر داخل ہو کر میں نے مکان کا اچھی طرح سے جائزہ لیا جیسا کہ مٹھائی والے نے کہا تھا۔مکان واقعی بہت ہی خستہ حالت میں تھا اور رہنے کے قابل نہیں تھا۔یہ اسی قابل تھا کہ اسے گرا کر دوبارہ سے تعمیر کیا جائے۔

میں خستہ حال سیڑھیوں پر بہت آہستگی سے قدم رکھتی ہوئی اوپر کی منزل پر پہنچ گئی۔اس منزل کی حالت نیچے سے بھی زیادہ خراب تھی۔

مکان کی نچلی منزل میں دو عقبی دروازے تھے۔ایک دروازہ اندر صحن میں کھلتا تھا اور ایک گلی میں مکان کی پچھلی جانب بھی ایک پتلی سی گلی تھی۔جسے عرف عام میں گندی گلی کہا جاتا ہے یہاں بھی ایک دروازہ تھا۔

اوپر کی منزل میں بھی دو کمرے تھے جو سامنے کے رخ پر تھے اور ان میں موجود کھڑکیاں سامنے والی گلی میں کھلتی تھیں۔باقی کمروں کی کھڑکیاں گندی گلی کی سائیڈ میں کھل رہی تھیں۔یہ میرے کام کی نہیں تھیں کیونکہ سڑک سامنے والے حصے پر تھی اور نواب کی گاڑی کو ادھر سے ہی گزرنا تھا۔

کھڑکیوں کی چوکھٹیں اور پٹ وغیرہ بھی ٹوٹے ہوئے تھے اور اس میں لگی لوہے کی گرل بھی زنگ آلود اور خراب ہو رہی تھی۔ایک کھڑکی میں ایک پھٹا پرانا اور بوسیدہ پردہ بھی لٹکا ہوا تھا۔

میں نے اپنے منصوبے پر عمل کرنے کے لیے اس کھڑکی کو منتخب کیا۔یہ بہترین جگہ تھی اور میں یہاں چھپ کر اپنا کام بہت عمدگی سے انجام دے سکتی تھی۔بس مجھے افسوس اور ملال اس بات کا ہو رہا تھا کہ کمینے نواب کو مرنے سے پہلے اس بات کا علم نہیں ہوسکے گا کہ اس کے لیے موت کا پروانہ

لے کر آنے والی وہ دبو اور ڈرپوک لڑکی ہے جس کو اس نے اپنی ہوس اور بربریت کا نشانہ بنایا تھا۔بس خاموشی سے میری چلائی ہوئی گولی کھا کر ہمیشہ کے لیے جہنم واصل ہوجائے گا۔

اچانک مجھے مکان کی چھت پر ہلکی سی آہٹ محسوس ہوئی۔مجھے لگا جیسے چھت پر کوئی موجود ہے۔میں چونک گئی کہ میرے علاوہ کسی اور کو اس کھنڈر نما مکان میں کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔پھر مجھے خیال آیا کہ کہیں خرم نے تو میرے ساتھ کوئی چال نہیں چلی کسی بھی وجہ سے جس طرح اس نے رضوان کو ہلاک کروایا وہ مجھے بھی اپنے راستے سے خاموشی سے ہٹانا نہیں چاہتا۔کیونکہ میں نواب جمشید لودھی کی نگاہیں اس سے زیادہ اہمیت حاصل کر چکی تھی اور شاید یہ بات اسے ہضم نہیں ہو رہی اور اس جگہ بہانے سے بلا کر وہ مجھے اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہو۔

میں پوری طرح الرٹ ہوگئی اور جھٹ پستول ہاتھ میں لے کر تیزی سے ایک ٹوٹے ہوئے دروازے کی اوٹ میں ہوگئی۔تب ہی میرے کانوں میں دو بلیوں کی بڑی خوف ناک آوازیں آنی شروع ہو گئیں۔وہ ایک دوسرے سے لڑ رہی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تھیں اور چھت پر شور مچا رہی تھیں۔ان کی خوف ناک غراہٹوں سے فضا گونج رہی تھی۔اس خوف ناک آواز کے علاوہ باقی چاروں جانب سناٹا ہی تھا۔

تب میں ریلیکس ہوگئی اور اپنے تنے ہوئے اعصاب کو ڈھیلا کرلیا۔بلیوں کے کودنے کی وجہ سے چھت پر پڑا ہوا کاٹھ کباڑ ادھر ادھر ہوا ہوگا جس سے آواز پیدا ہوتی اور میں نے اتنی دیر میں نہ جانے کیا کیا سمجھ لیا۔

میں نے اس کھڑکی کے پاس جا کر اپنی جگہ سنبھال لی اس خالی مکان میں بیٹھنے کے لیے کوئی چیز نہیں تھی۔مگر میں نے بہت تلاش کے بعد ایک ٹوٹا ہوا مونڈھا حاصل کرلیا اور اب میں اس کھڑکی کے پاس اس ٹوٹے ہوئے مونڈھے پر بیٹھی تھی۔

اس خستہ حال پرانے پردے میں جو کھڑکی پر پڑا تھا بہت سوراخ تھے اور یہ میرے لیے بہت سود مند تھے کہ اس پردے کو ہٹائے بغیر ان سوراخوں سے آنکھ لگا کر میں باہر کا سارا منظر باآسانی دیکھ سکتی تھی جب کہ کوئی مجھے باہر سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

میرے پاس اس وقت ایک لمبی نال والی گن تھی جو تین حصوں میں منقسم تھی اور جب اس کے تینوں حصوں کو جوڑ دیا جاتا تو یہ پوری گن تیار ہوجاتی اور استعمال کے بعد پھر اس کے تینوں حصوں کو علیحدہ کر کے کسی بھی تھیلے میں با آسانی ڈالا جاسکتا تھا اور کسی دوسرے دیکھنے والے کو یہ شک بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ اس میں کوئی گن بھی ہوسکتی تھی۔

صبح ہونے میں ابھی ٹائم تھا۔اس لیے میں نے تھیلے سے گن کے حصے نہیں نکالے اور اطمینان سے بیٹھی رہی بلیوں کی آوازیں اب بھی آرہی تھیں مگر دور سے۔شاید وہ لڑتی ہوئی کسی اور چھت پر چلی گئی تھیں۔چاروں جانب پر اسرار سناٹے کا راج تھا۔تب ہی مجھے مٹھائی والے کی کہی ہوئی بات کا خیال آگیا اور بھوت پریت کا تصور کر کے مجھے ہلکا سا خوف بھی محسوس ہوا لیکن جلد ہی اس خوف پر جذبہ انتقام غالب آگیا اور میں مطمئن ہوگئی۔

یہ بات سوچ کر میرے اوپر ابھی سے سرور طاری ہونے لگا تھا کہ اس ابن ابلیس کی زندگی بس تھوڑی دیر کی باقی ہے۔

رفتہ رفتہ رات ڈھلتی جا رہی تھی فکر کا وقت ہونے ہی والا تھا میں نے گھڑی میں ٹائم دیکھا اور تھیلے سے گن نکال کر اسے جوڑ کر پوری گن تیار کرلی۔اس گن کے ساتھ میرے پاس دو چیزیں اور بھی تھیں ایک سائلنسر اور ایک دور بین یہ دونوں کے ساتھ مل کر ایک شاندار اور انتہائی قابل اعتماد اور محفوظ ہتھیار کی شکل اختیار کر گئی تھی۔

ذرا ہی دیر میں فجر کی اذان سنائی دینے لگی۔میں نے سچے دل سے دعا مانگی کہ یا ربّ مجھے آج میرے مقصد میں کامیابی عطا فرما دے۔

فجر کی اذان کے ساتھ ہی سوئے ہوئے لوگ بے دار ہوگئے گھروں کے دروازے کھلنے لگے اور لوگ مسجد کی جانب جانے لگے کئی لوگوں کی گلی سے گزرنے اور باتیں کرنے کی آوازیں آنے لگیں۔

میں پوری طرح تیار تھی میں نے گن کی نال کو پردے کے ایک سوراخ سے باہر نکال دیا نال کا ذرا سا حصہ ہی پردے کے باہر تھا اور میں مکمل طور پر پردے کے پیچھے بیٹھی بخوبی باہر کا نظارہ کر سکتی تھی۔

آخر کار وہ وقت بھی آگیا جب میں نے دور ہی سے چند گاڑیوں کو اس روڈ پر اس جانب تیزی سے آتے ہوئے دیکھا۔

میرے اعصاب پوری طرح تن گئے فیصلہ کن لمحہ آن پہنچا۔میں نے گن سنبھالی اور اپنا نشانہ درست کرنے کے بعد دور بین آنکھوں سے لگالی سارا منظر جیسے ایک لمحے کے لیے سکڑ اور سمٹ کر میرے بالکل قریب آگیا اور لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہوئی گاڑیاں بالکل میرے سامنے آ گئیں۔

پہلے گارڈز کی گاڑی گزری پھر جیسے ہی نواب کی گاڑی سامنے آئی مجھے نواب کا منحوس چہرہ دکھائی دیا۔میری انگلی نے ایک خفیف سی حرکت کی اور ٹریگر دبا دیا۔ایک ہلکی سی چٹ کی آواز کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دی اور پھر میں نے دیکھا کہ ساری گاڑیاں رک گئیں۔میں فوری طور پر اپنی جگہ سے اٹھی اور آن واحد میں گن کو تین الگ الگ حصوں میں تقسیم کرکے اپنے میلے سے تھیلے میں ڈال دیا۔دور بین اور سائلنسر بھی ڈال کر میں نے گلی میں آخر نگاہ ڈالی اور تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی نیچے والی منزل پر آکر گندی گلی کی جانب کھلنے والے دروازے کی کنڈی کھولی اور باہر جھانکا۔

گلی سنسان تھی اور کوئی آدمی نہیں تھا۔یہاں کوڑے اور گندگی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور آوارہ کتے اس کوڑے میں منہ ڈالے اپنا ناشتا تلاش کر رہے تھے۔

میں ایک چھپاکے سے باہر نکلی اور دروازہ بند کردیا مجھے آگے جانے کے لیے ایک کوڑے کے ڈھیر کو کراس کرنا تھا میں نے کتوں کو ہش ہش کر کے وہاں سے بھگایا تو وہ خوف زدہ اور ناگوار نگاہون سے مجھے دیکھتے ہوئے بھاگ گئے اور قدرے دور جا کر رک کر مجھے دیکھنے لگے انہیں لگا ہوگا میں ان کا ناشتا شیئر کرنا چاہتی تھی۔

اس گلی سے تیزی سے نکل میں دوسری اور صاف گلی میں آگئی۔جہاں آمنے سامنے مکان بنے ہوئے تھے۔

اس گلی میں اس وقت کچھ لوگ چل پھر رہے تھے لیکن ان لوگوں نے ایک کمر جھکی سفید بالوں والی اس بوڑھی فقیرنی پر کوئی توجہ نہیں دی جو ایک میلا پرانا کپڑے کا تھیلا ہاتھ میں لیے کھانستی اور زمین پر تھوکتی ہوئی جا رہی تھی۔

گلی سے نکل آنے کی دیر تھی کہ اس بوڑھی فقیرنی کی چال میں ایک دم سے تیزی آگئی اور پھر سڑک پر لوگوں کے بڑھتے ہوئے ہجوم میں وہ بوڑھی عورت غائب ہوگئی جاتے جاتے اس نے صرف یہ دیکھا کہ لوگ اس گاڑی کے گرد جمع ہو رہے ہیں اور گاڑی میں سے تیزی سے خون بہہ کر نیچے سڑک پر ایک پتلی سی دھار کے ساتھ بہہ رہا ہے اور پولیس اور نواب کے ذاتی گارڈز تیزی سے چاروں جانب پھیل رہے ہیں۔

میں نے قریب ہی ایک محفوظ جگہ پر جا کر اپنا حلیہ درست کیا اور جھاڑیوں میں چھپی ایک کار میں بیٹھ کر اطمینان سے روانہ ہوگئی۔

میں سیدھی اپنے فلیٹ پر پہنچی اور خوشی خوشی لمبی تان کر سو گئی جو اطمینان اور سرور مجھے اس وقت حاصل ہو رہا تھا وہ آج سے پہلے کبھی نہیں ملا تھا۔

میں نے بالآخر اپنے دشمن کو ہلاک کر ہی ڈالا۔یہ پر مسرت احساس لیے میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں اور ذرا ہی دیر میں، میں گہری نیند میں چلی گئی۔

ابھی مجھے سوئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ میرے فون کی گھنٹی نے میری نیند میں شدید دخل اندازی کی اور نا چاہتے ہوئے بھی مجھے آنکھیں کھولنا پڑیں۔میری آنکھوں میں اس وقت ان گنت راتوں کے رت جگے تھے۔میں وہ ساری نیند بھی آج ہی پوری کرلینا چاہتی تھی اور اتنے بڑے کام کو انجام دینے میں مدد دینے پر میں خرم کو اس کا منہ چاہا "انعام" بھی دینے والی تھی۔

میں نے بہ مشکل اپنی نیند سے بوجھل آنکھیں کھولیں اور فون کان سے لگا کر بھاری آواز میں کہا۔

"ہوں، کون ہے؟"

"تم سو رہی ہو، ذرا ٹی وی تو آن کرو، تمہارے لیے ایک حیرت انگیز نیوز ہے۔" مجھے خرم کی آواز سنائی دی۔

"ہوں، مجھے معلوم ہے کیا نیوز ہوگی۔اس کا جشن تو میں شام کو مناؤں گی فی الحال مجھے سونے دو۔ڈونٹ ڈسٹرب می اگین، پلیز۔" میں نے ہلکی سی جمائی لیتے ہوئے کہا اور فون رکھ ہی رہی تھی کہ خرم کی آواز دوبارہ سنائی دی۔

”تمہیں معلوم ہی تو نہیں ہے کہ کیا نیوز ہے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ ٹی وی آن کر کے دیکھو' تمہاری ساری نیند لمحہ بھر میں غائب ہوجائے گی۔“

”ہیں' کیا مطلب ہے تمہارا۔ کیسی نیوز؟“ میں پوری طرح ہوش میں آگئی اور ساتھ ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”ٹی وی آن کرو' بے بی...!“ خرم نے طنزیہ لہجے میں کہا اور فون بند کردیا۔

میں نے فون ایک طرف پھینکا اور تیزی سے ٹی وی کھولنے کے لیے اٹھی اور ریموٹ کی تلاش میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ تب وہ مجھے بیڈ پر ہی پڑا دکھائی دے گیا۔

میں نے جھٹ ٹی وی آن کیا اور نیوز چینل لگایا اور جو خبر میں نے دیکھی اور سنی ان سے نے میرا بلڈ پریشر خطرناک حد تک بڑھا دیا اور میں نے نواب سطوت کو ایک خالص مردانہ اور فحش گالی دیتے ہوئے ریموٹ ٹی وی اسکرین پر دے مارا۔

ٹی وی کی اسکرین چیخ گئی اور خاموش ہوگئی۔ میرا دماغ جیسے غصے کی شدت سے اپنے حواس کھو بیٹھا۔

میں نے ساری چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکنا شروع کردیں۔ میں نواب سطوت کو بری بری گالیاں دے رہی تھی۔ چیخ رہی تھی اور پھر میں نے زور زور سے رونا شروع کردیا غصے میں میرا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے آپ ہی کو گولی مار دوں۔

میں نے ٹی وی پر جب نیوز چینل لگایا تو بریکنگ نیوز یہ چل رہی تھی کہ ”مشہور روحانی پیشوا نواب سطوت السلام قاتلانہ حملے میں بال بال بچ گئے کسی نے بہت دور سے سائلنسر لگی گن سے ان کی گاڑی کو نشانہ بنایا مگر یہ عین ان کی خوش قسمتی تھی کہ جس وقت فائر ہوا وہ اپنے پیچھے بیٹھے گن مین سے کچھ کہنے کے لیے مڑے اور قاتل کے نشانے سے ہٹ گئے اور ان کے ساتھ بیٹھے ان کے عزیز دوست رحمان سعید اس ناگہانی گولی کا شکار ہوگئے۔ گولی اس کے سر میں لگی اور سر کو کوئی حصوں میں تقسیم کر گئی۔

نواب سطوت کا کہنا ہے کہ جس طرح اس کے لا تعداد چاہنے اور پیار کرنے والے اس دنیا میں موجود ہیں اسی طرح چند ایک حاسد اور دشمن بھی ہیں لیکن جب تک ان کے اوپر اللہ کی رحمتوں کا سایہ ہے کوئی دشمن ان کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ اس نا معلوم قاتل کے لیے ان کا یہ پیغام ہے کہ ”تم کہاں

اپنے آپ کو میری نفرت میں جھلسا رہے ہو' جب تک میری زندگی ہے کوئی مجھے مار نہیں سکتا کیونکہ لاکھوں مریدین کی دعائیں میرا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔"

"تجھ جیسے ابن ابلیس پر کیسے اللہ کی رحمتوں کا سایہ ہوسکتا ہے۔ کیسے معصوم لوگ کی دعائیں تیرا احاطہ کرسکتی ہیں۔ تو شیطان ہے اور تیرا مددگار بھی شیطان ہی ہے۔ مردود' کمینے...!" چیخ چیخ کر روتے روتے اپنی ناکامی اور نامرادی کے احساس کے ساتھ میں بے دم سی ہو کر بے ہوش ہوگئی۔

نجانے کب مجھے ہوش آیا تو میں اپنے چاروں جانب بکھری ہوئی چیزوں کو حیرت سے دیکھنے لگی پھر مجھے سب کچھ یاد آگیا۔ میری آنکھوں میں ایک بار پھر بے بسی کے آنسو آنے لگے۔

لیکن میں نے انہیں رگڑ کر تیزی سے صاف کر ڈالا اور خود کو سنبھالا۔ "تم اس طرح کی حرکتیں کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو کہ تم ناکام ہو گئیں۔ یہ بالکل ٹھیک بات ہے کہ جب تک اس کی زندگی ہے اسے کوئی نہیں مار سکتا۔ کیونکہ موت تو خود زندگی کی حفاظت کرتی ہے ابھی اس کی موت کا وقت ہی نہیں آیا تھا اس لیے وہ بچ گیا اور جب وقت پورا ہوجائے گا تو اسے کوئی نہیں بچا

پائے گا۔ موت اسی طرح اسے آن دبوچے گی کہ اس کے گارڈ اور پولیس اسکواڈ' کوئی بھی نہیں بچا پائے گا۔ ہاں ابھی اس کی زندگی باقی ہے۔

میری سوچوں میں ایک بار پھر فون کی بیل نے رخنہ اندازی کی میں سمجھ گئی کہ خرم کی کال ہوگی۔

"ہاں بولو۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"تم فون کیوں ریسیو نہیں کر رہی تھیں میں کتنی دیر سے مسلسل تمہیں فون کر رہا تھا اب آخری بار یہ سوچ کر نمبر ملایا کہ شاید اس بار اٹھالو ورنہ اب میں تمہاری ہی جانب آرہا تھا۔" خرم نے کہا۔

"تو پھر آجاؤ۔" میں نے کہا اور فون بند کردیا۔

فون بند کرکے میں کمرہ سمیٹنے لگی اتنے میں بیل بجی میں نے دروازے پر دیکھا تو کام کرنے والی ملازمہ تھی۔

"کہاں مرگئی تھیں اتنی دیر سے کیوں آئی ہو؟" میں اس کی شکل دیکھتے ہی دہاڑی۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو دیر سے کہاں آئی ہوں اپنے ٹائم پر ہی تو آئی ہوں۔" اس نے ڈرے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اچھا زیادہ دماغ مت خراب کرو پہلے مجھے اچھی سی ایک کپ چائے بنا کر پلاؤ' میرا دماغ پھٹ رہا ہے۔" میں نے اس سے کہا تو وہ بجائے کچن میں جانے کے کمرے کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

"اچھا' اب سمجھی کسی بات پر باجی کو بہت زیادہ غصہ آرہا ہے چیزوں پر غصہ نکال رہی تھیں اوپر سے میں کم بخت ماری چلی آئی اور باجی کے غصے کی لپیٹ میں آگئی۔"

"سکینہ۔" اس کی خیال آرائی مجھے مزید چڑا گئی میں دوبارہ زور سے چیخی تو وہ بھاگ کر کچن میں چلی گئی۔

سکینہ کے ہاتھ کی گرم چائے پی کر میرے ہوش کچھ ٹھکانے آئے اور موڈ بھی قدرے بہتر ہوا تو میں نے کچن میں جا کر اس سے سوری کہا۔سکینہ جیسی عورت مجھے کوئی دوسری نہیں مل سکتی تھی وہ میری عادت اور مزاج سے اچھی طرح واقف تھی اور کبھی بھی میرے ڈانٹنے اور ناراض ہونے پر برا نہیں مناتی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تھی۔وہ خدمت گزار بھی بہت تھی۔اس لیے اگر میری جانب سے بلا وجہ کی زیادتی ہو بھی جاتی تو غصہ ٹھنڈا ہونے پر میں اس سے سوری بھی کرلیتی اور وہ جیسے کھل اٹھتی تھی۔ایک مرتبہ اس نے ڈرتے ڈرتے اپنی جانب سے مجھے ایک مشورے سے نوازا وہ رضوان کو میرا شوہر سمجھتی تھی اور خرم کو رضوان کا دوست اس نے جب بعد میں بھی خرم کو میرے فلیٹ میں آتے جاتے دیکھا تو بولی۔

"خرم صاحب بہت اچھے ہیں اور رضوان صاحب کے بعد آپ کا اتنا خیال بھی رکھتے ہیں تو آپ ان سے شادی کیوں نہیں کرلیتیں۔"

اور جواب میں' میں نے جن کڑی نگاہوں سے گھورا تو وہ سہم کر خاموش ہوگئی اور اس کے بعد اس نے مجھ سے کبھی اس قسم کی کوئی بات نہیں کی۔

خرم آیا اور بیٹھ کر مجھے دیکھتے ہوئے مسکراتا رہا اور اس کی اس مسکراہٹ نے میرے تن بدن میں شدید آگ لگا دی۔ اس نے' میں نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔

"اپنے چہرے پر مسلسل کھلنے والی مسکراہٹ کا سبب بتانا پسند کریں گے خرم صاحب۔" تو وہ بولا۔

"میں نے تم سے اسی لیے کہا تھا کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔لیکن تمہیں اپنے اوپر ضرورت سے کچھ زیادہ ہی بھروسا تھا یہ بہت اچھا موقع تھا جو تم نے گنوا دیا اور اب اس حملے کے بعد تو تم نے اس کو مزید الرٹ کردیا وہ اپنی سیکیورٹی مزید بہتر بنالے گا۔"

"تم میرے ساتھ ہوتے تو کیا کرلیتے کیا اس کی گاڑی کے آگے کھڑے ہو کر اس کی گاڑی کو روک لیتے اور مجھ سے کہتے کہ جاؤ نواب کتے کو گولیوں بھون ڈالو۔" میں نے جلے تپے لہجے میں کہا۔

"میں ایسا کچھ بھی نہیں کرتا۔بس میں اور تم مل کر ایک ساتھ فائرنگ کرتے کوئی نہ کوئی گولی تو اس کے بھیجے کو چومتی۔" اس نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"اس کی ابھی زندگی باقی ہے۔اس لیے اگر تم کیا اور بھی بہت سے لوگ مل کر فائرنگ کرتے تب بھی وہ ضرور بچ جاتا۔" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

اور پھر جیسا کہ خرم نے کہا تھا وہی ہوا اس نے بلٹ پروف گاڑی میں سفر کرنا شروع کردیا اور یہ بات کسی کے علم میں بھی نہیں ہوتی کہ وہ کب کہاں جا رہا ہے اور کن راستوں سے سفر کرے گا۔ہم نے بعد میں بھی بہت سے پلان بنائے مگر اس کا کچھ نہیں بگاڑ پائے۔

"اچھا ایک بات تو بتاؤ روزی۔" میں نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا تو وہ میری جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"تمہیں میرے بارے میں کیسے پتا چلا اور نہ صرف پتا چلا بلکہ میرے بارے میں تمہاری ایک ایک معلومات بالکل صحیح تھیں ایسا کون ہے جو مجھے اچھی طرح جانتا اور پہچانتا ہے۔"

میری بات سن کر وہ خاموش رہی۔اس کے چہرے پر مجھے ایک کشمکش کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔

"کیا بات ہے روزی، تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ کیا تم اس شخص کو مجھ سے چھپانا چاہتی ہو اور اس کا نام نہیں بتانا چاہتیں۔" میں نے ہلکے سے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تم نے تو مجھے اپنا دوست کہہ کر کچھ بھی نہ چھپانے کا وعدہ کیا تھا۔"

"بات دراصل یہ ہے شمروز کہ جس نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا ہے اس نے سختی کے ساتھ مجھے منع کیا تھا کہ میں کبھی بھی اس کا نام تمہارے سامنے نہ لوں۔" روزی نے ذرا سے تردد کے بعد کہا۔

"وجہ۔" میں نے تیوریوں پر بل ڈال کر پوچھا۔

وجہ۔" وہ چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی۔ "شاید وہ تمہارا بہت قریبی ہے۔" اس نے چہرہ دوسری جانب گھما کر جواب دیا اس کا لہجہ دھیما تھا۔

"میرا قریبی تھا۔ میرا ایسا قریبی تمہارے پاس کہاں سے آیا میرا نہیں خیال کہ میرا کوئی قریبی دوست رشتہ دار یا پھر جاننے والا تمہارے گینگ میں ہوسکتا ہے۔ کیا نواب کے بندوں میں سے کوئی بندہ تم لوگوں سے آن ملا ہے۔" کیونکہ جس وقت میں ان لوگوں کے پاس آیا تھا کہ میں نے اپنے بارے میں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

انہیں سب کچھ بتا دیا تھا اور کلیم اور کنیز وغیرہ کو میرے بارے میں سب کچھ معلوم تھا وہی لوگ ہوسکتے ہیں۔

"نہیں نواب کے بندوں میں سے کوئی بندہ ہمارے ساتھ ملا ہے بلکہ وہ ہمارا ہی بندہ ہے اور کافی عرصے سے ہمارے ساتھ ہے۔" روزی نے جواب دیا تو میں الجھن میں پڑ گیا۔

"اگر اس نے تمہیں منع بھی کیا ہے تو تم پلیز مجھے اس کا نام بتادو۔ بس وعدہ کرتا ہوں کہ اس کو یہ بات کبھی نہیں بتاؤں گا کہ تم نے مجھے اس کے بارے میں بتایا ہے۔"

"گولی استاد۔" روزی نے میرے تاثرات کا جائزہ لینے کے لیے اپنی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑتے ہوئے کہا۔

"کیا، گولی استاد... تمہارا بندہ ہے۔" مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے میں اس کے بارے میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"ہاں گولی استاد۔" روزی میرے قریب آکر صوفے پر اطمینان سے بیٹھتے ہوئے بولی۔ "اس نے جب تمہیں اپنے گھر سے روانہ کیا تھا تو اس نے تمہیں

میرے آدمیوں کے پاس بھیجا تھا لیکن ٹرین حادثہ کی وجہ سے تم ان تک نہیں پہنچ سکے پھر اس نے تمہیں تلاش کیا تو تمہاری ناقابل شناخت چہرے والی لاش ملی مگر تمہارے شناختی کارڈ اور پرس سے اس نے تمہیں شناخت کیا اور وہ جو کسی اور کی ڈیڈ باڈی تھی تمہاری سمجھ کر دفنا دی۔

کافی عرصہ تک گولی استاد یہی سمجھتا رہا کہ اس کا دوست ڈاکٹر شاہ زمان اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ پھر نتھیا گلی سے اپنا ورکشاپ ختم کر کے وہ کراچی آگیا۔ایسا باس کا حکم تھا۔یہاں اس نے تمہیں ایک بار کار میں ٹریفک سگنل پر دیکھا تھا وہ تمہیں دیکھ کر چونک گیا۔اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بالکل ایک جیسی شکل کے دو افراد کیسے ہوسکتے ہیں لیکن پھر اس نے کسی کو تمہارے تعاقب میں بھیجا تو پتا چلا کہ تم نواب سطوت کی کوٹھی میں گئے ہو۔

بعد میں بہت سوچ بچار کے بعد یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ تم نے اپنی شناخت مٹانے کے لیے ٹرین کے حادثے میں کسی اور مردہ شخص کی جیب میں اپنا پرس اور شناختی کارڈ رکھ دیا تم حقیقت میں مرے نہیں بلکہ زندہ ہو۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اور پھر اس بات کا یقین ہوجانے کے بعد اس نے یہ بات مجھے بتائی اور میں نے تم سے رابطہ کیا۔" روزی اپنی بات ختم کر کے خاموش ہوئی تو میں بے قراری سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔

"روزی مجھے گولی استاد سے ملنا ہے مجھے حیرت ہے کہ خود مجھ سے کیوں نہیں ملا اور نہ صرف وہ مجھ سے ملا نہیں بلکہ اس نے تمہیں بھی سختی کے ساتھ منع کردیا کہ تم مجھے اس کے بارے میں کچھ بھی نہ بتاؤ۔" اس نے ایسا کیوں کیا؟"

"اب یہ بات میں نہیں جانتی کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔" روزی نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔

"روزی کیا تم ابھی اور اسی وقت گولی استاد کو اپنے فلیٹ میں بلا سکتی ہو بس تم اسے یہ مت بتانا کہ میں یہاں موجود ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں بلا تو سکتی ہوں اور وہ آ بھی جائے گا لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔اگر مصروف ہوا تو اس وقت نہیں آسکے گا۔اگر فارغ ہوا تو آجائے گا اچھا ایک منٹ ٹھہرو' میں ٹرائی کرتی ہوں۔" روزی نے اپنا موبائل

فون ہاتھ میں اٹھایا اور گولی استاد کا نمبر پش کرنے لگی۔چند لمحوں کے توقف کے بعد وہ بولی۔

"ہاں گولی میں بات کر رہی ہوں' کیا کر رہے ہو؟"

پھر خاموش رہ کر اس نے دوسری جانب سے سنا پھر بولی۔"اوہو چلو یہ تو بہت اچھی بات ہے کیا تم اس وقت میرے پاس آسکتے ہو۔ہاں میں فلیٹ پر ہی ہوں۔نہیں' نہیں کوئی خاص کام نہیں ہے' اچھا چلو آؤ گے تو بتاؤں گی' نہیں اسے اپنے ساتھ لانے کی ضرورت نہیں تم تنہا ہی آؤ' اوکے۔میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں' صرف دس منٹ ہاں۔" پھر اس نے مسکراتے ہوئے فون بند کردیا اور بولی۔"وہ آرہا ہے یہاں سے قریب ہی موجود تھا۔وہ حیران ہو رہاتھا کہ میں اسے اپنے فلیٹ پر کیوں بلا رہی ہوں اور وہ بھی تنہا۔کیونکہ آج سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا میرے فلیٹ پر صرف خرم آتا ہے اور کوئی نہیں۔"

پھر دس منٹ سے بھی کم وقت میں فلیٹ کی کال بیل بجنے لگی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"شاید وہ آگیا میں دیکھتی ہوں۔" روزی نے کہا اور دروازے کی جانب چلی گئی۔اس نے دروازے کے قریب جا کر اوپر لگے ہوئے چھوٹے سے مانیٹر میں دیکھا گولی استاد کھڑا تھا۔اس نے بلا کھٹکے لاک کھول دیا۔میں فوراً دروازے کے پیچھے ہو گیا۔وہ گولی استاد کو ڈرائنگ روم میں لیے چلی آئی۔

"خیریت ہے میڈم آپ نے اتنی ایمرجنسی میں مجھے یہاں بلایا۔" روزی کے اشارے پر وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"تم بیٹھو میں ابھی آتی ہوں۔" روزی یہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی تو گولی استاد سر جھکائے کسی سوچ میں گم ہو گیا اور میں آہستہ سے دروازے کے پیچھے سے نکل کراس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔آہٹ پر گولی استاد نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا اور حیرت سے مجھے دیکھتے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"شاہ زمان تم' یہاں۔" اس نے کہا اور پھر دروازے کی جانب دیکھا جہاں سے ابھی روزی باہر نکلی تھی۔

"تم مجھے دیکھ کر اس طرح حیران ہو رہے ہو جیسے تمہیں ابھی پتا چلا ہے کہ میں زندہ ہوں۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"نہیں… وہ… میں… دراصل۔" اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے۔وہ ایک لفظ کہتا اور سر جھٹکتا۔

"تم روزی سے اس بارے میں کوئی بات مت کرنا کہ اس نے مجھے تمہارے بارے میں کیوں بتایا اسے میں نے مجبور کیا تھا۔" میں نے کہا۔

"شاہ زمان میرے دوست' سارے گلے شکوے بعد میں کرلینا پہلے ایک بار میرے گلے تو لگ جا۔" وہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر میری جانب بڑھا تو میں نے اپنا ایک ہاتھ تیزی سے آگے کر کے اسے آگے بڑھنے سے روک دیا اور کہا۔

"یہ منافقت کی محبت مجھے مت دکھاؤ گولی استاد' تم تو مجھ سے ملنا ہی نہیں چاہتے تھے حد یہ کہ میرے بارے میں روزی کو ساری انفارمیشن دینے کے بعد تم نے اسے سختی سے منع کردیا کہ وہ کبھی بھی مجھے تمہارے بارے میں نہ بتائے تم نے ایسا کیوں کیا پہلے میرے اس سوال کا جواب دو۔" میرا سوال سن کو گولی استاد کا چہرہ اتر گیا۔ایک تاریکی سی اس کے چہرے پر چھا گئی اور وہ خاموش ہو گیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"بولو گولی استاد۔تم خاموش کیوں ہوگئے۔تم نے جب پہلی بار مجھے دیکھا تھا تو تم اس وقت کیوں نہیں مجھ سے آکر ملے میں نے ایسا کیا قصور کیا تھا۔" میرے لہجے میں خود بخود ڈھیر سارا دکھ اتر آیا۔

"تم جاننا ہی چاہتے ہو تو سنو' اس کی دو وجوہات ہیں۔" اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا اور بولا۔"آؤ اطمینان سے ادھر آکر بیٹھو۔" اس نے خود بیٹھ کر اپنے برابر میں صوفے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو میں صوفے پر بیٹھ گیا اور اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔وہ بولا۔

"ایک شکایت تم نے مجھ سے ابھی کی ہے کہ جب میں نے تمہیں پہلی بار دفعہ دیکھا تو تم سے آکر کیوں نہیں ملا۔تو ایسی ہی شکایت مجھے تم سے بھی ہے کہ تم نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی کہ تم ٹرین ایکسیڈنٹ میں مرے نہیں بلکہ زندہ ہو اور جس شخص کو ڈھیروں آنسوؤں کے ساتھ اپنے ہاتھوں میں نے قبر میں اتارا وہ میرا یار شاہ زمان نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ تمہاری اس جھوٹی جواں مرگی کا مجھے کتنا صدمہ ہوا ہے کتنے ہی دن میں نے تمہارا سوگ منایا ہے اور جب کئی سالوں کے بعد کراچی آکر مجھے

یہ علم ہوا کہ تم نہ صرف زندہ ہو بلکہ ایک بہت بڑے گینگ کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہو اب تم ڈاکٹر شاہ زمان نہیں رہے بلکہ شمروز بن چکے ہو تو مجھے کتنا شاک لگا۔ تم نے اپنے زندہ ہونے کی خبر کو مجھ سے کیوں چھپایا۔“ اس کے ہر ہر لفظ میں شکوہ تھا۔

”اور دوسری وجہ؟“ میں نے اطمینان بھرے لہجے میں پوچھا۔

”دوسری وجہ یہ تھی کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہیں میرے بارے میں یہ علم ہو کہ میرا تعلق بھی جرائم پیشہ افراد کے ساتھ ہے میں تمہاری نگاہوں میں تمہارا وہی گولی استاد رہنا چاہتا تھا۔ بس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں لیکن سچ پوچھوں تو تمہیں تمہاری موجودہ حالت میں دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کیونکہ تم اب وہ ڈاکٹر شاہ زمان نہیں رہے جو اپنا گھر لٹ جانے پر ساری ساری رات روتا رہا تھا۔ تم اب شمروز بن چکے ہو ایک مرد آہن۔ آگے بڑھ اپنا حق چھین لینے والے اب تو گلے لگ جا نا ظالم۔“ اپنی بات ختم کر کے اس نے ایک بار پھر میرے آگے اپنے بازو پھیلا دیے اور ہم بہت پرجوش

طریقے سے ایک دوسرے کے سینے سے لپٹ گئے۔ دیر تک ایک دوسرے کو اپنی بانہوں میں بھینچ کر اپنی محبت کا یقین دلاتے رہے۔

علیحدہ ہوئے تو ہماری آنکھوں میں ڈھیر ساری نمی تھی۔ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ہنس پڑے۔ پھر میں نے اپنے بارے میں ساری سچائی بتا کر اس کا یہ گلہ بھی دور کردیا کہ میں نے اسے اپنے زندہ ہونے کے بارے میں کیوں نہیں بتایا۔ آخر میں یہ کہا کہ جس طرح تم نے شرمندگی کی وجہ سے میرا سامنا نہیں کیا تھا میں نے بھی اسی شرمندگی کی وجہ سے اپنے بارے میں تمہیں نہیں بتایا تھا کہ میں بھی تمہاری نگاہوں میں شاہ زمان کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتا تھا۔ شمروز کی حیثیت سے نہیں۔“

پھر ہم نے آپس میں مزید باتیں کیں ایک دوسرے کے موبائل فون نمبرز کے تبادلے کیے پھر روزی بھی ہمارے ساتھ گفتگو میں شامل ہوگئی اور ہم دوبارہ ملنے کے وعدے پر ایک دوسرے سے رخصت ہوگئے۔

روزی کے گھر سے آنے کے بعد میں نے سوچا کہ سرمئی کے گھر جا کر حشام کی خیریت معلوم کرتا ہوں اور یہ سوچ کر میں نے اپنی گاڑی کا رخ شاہ فیصل کالونی کی جانب موڑ لیا۔

سرمئی کے گھر پر موجود گارڈ کو دیکھ کر میں ٹھٹک گیا پھر خیال آیا کہ یقیناً سرمئی نے ایسا سیکیورٹی کے تحت کیا ہو گا۔بہرحال جانا تو تھا۔میں نے بیل بجائی تو گارڈ نے تیز نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں پوچھا۔

”کس سے ملنا ہے‘ آپ کا نام؟“

”سرمئی صاحبہ سے ملنا ہے ان سے کہو کہ شمروز آیا ہے۔“

”سرمئی صاحبہ گھر پر موجود نہیں ہیں۔“ اس نے اتنا کہہ کر گیٹ بند کردیا۔

”اگر وہ گھر پر نہیں ہیں تو کہاں گئی ہیں؟“ میں نے اس کے گیٹ بند کرنے کی حرکت پر اپنے غصے کو دباتے ہوئے پوچھا۔

”آئی ایم سوری میں اس بارے میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا۔“ اس نے اندر سے جواب دیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”اچھا ان کی امی تو ہوں گی ان سے جا کر کہو کہ شمروز ملنا چاہتا ہے۔“ میں نے کہا تو اس نے گیٹ پر لگے انٹرکوم سے اندر بات کی اور پھر مجھے گیٹ کی جانب آتی ہوئی قدموں کی آہٹ سنائی دی۔پھر چند لمحوں کے توقف کے بعد مجھے روشن آنٹی کی آواز سنائی دی۔

”گیٹ کھول دیجیے عثمان۔“

گیٹ کھلا اور میں اندر گیا سامنے روشن آنٹی کھڑی تھیں۔وہ مجھے حیرانی سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

”خیریت ہے بیٹا‘ تم اس وقت۔“

تب میں نے اپنی گھڑی میں ٹائم دیکھا فجر کی اذان میں تھوڑا ہی وقت باقی تھا۔

”آئی ایم سوری آنٹی مجھے احساس ہی نہیں ہوا کہ اتنا زیادہ وقت ہو گیا ہے۔میں دراصل اس وقت کہیں اور سے آرہا ہوں اس لیے مجھے ٹائم کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔میں حشام کی خیریت معلوم کرنا چاہ رہا تھا۔سرمئی کو کال کر رہا تھا لیکن اس کا فون ہی نہیں مل رہا تھا۔اس لیے خود چلا آیا۔“

"ارے تم ابھی تک یہیں کھڑے ہو آؤ اندر آؤ' اطمینان سے بیٹھو تو ساری بات بتاتی ہوں اور حشام کے بارے میں ابھی اطلاع ملی ہے کہ اسے ہوش آگیا ہے۔سرمئی اسپتال ہی گئی ہے۔وہ مجھے اپنے ساتھ لیے اندر چلی آئیں۔

خ...☆...خ

"آصف پلیز بہت تیز گاڑی چلائیے۔" میں نے بے تاب لہجے میں کہا۔

"آپ اطمینان سے بیٹھیں میں تیز ہی ڈرائیور کر رہا ہوں اور میرے خیال میں اس سے زیادہ تیز رفتاری ہمارے حق میں بہتر ثابت نہیں ہوگی۔" آصف نے لمحہ بھر کے لیے بیک مرر میں نگاہیں اٹھا کر میری جانب دیکھا اور کہا۔

اور نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ گاڑی رینگ رہی ہے۔میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میرے پر لگ جائیں اور میں فضا میں اڑتی ہوئی حشام کے پاس پہنچ جاؤں لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔مجھے بہت صبر سے بیٹھ کر انتظار کرنا تھا۔ میرے تصور میں بار بار حشام کا ہنستا مسکراتا چہرہ آرہا تھا اس کی شوخ چھیڑ چھاڑ آرہی تھی اور میں دل میں بار بار اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہی تھی کہ اس نے میرے حشام کو زندگی لوٹا دی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اللہ اللہ کر کے اسپتال آیا اور میں تیزی سے دروازہ کھول کر اپنے پیر کی چوٹ کی پروا کیے بنا بھاگتی ہوئی اسپتال میں اندر کی جانب بھاگی۔مجھے اپنے پیچھے آصف کی آواز سنائی دی۔وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن میرے پاس ٹائم ہی کہاں تھا کسی کی بھی بات سننے کا میں نے حشام کو سلامت بات کرتے ہوئے دیکھنا چاہ رہی تھی۔

میں لوگوں کی پروا کیے بنا بھاگتی ہوئی آئی سی یو کی جانب آگئی۔میں سمجھ رہی تھی کہ انکل حشام کے پاس ہی بیٹھے ہوں گے لیکن وہ ایک بار پھر مجھے باہر پڑے صوفے پر بیٹھے دکھائی دیے میں نے اپنے ساتھ آنٹی کو لانے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی اور دوڑتی ہوئی چلی آئی۔انکل پر نگاہ پڑی تو میرے بھاگتے ہوئے قدموں میں ایک دم بریک لگ گئے اور سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں میرے ذہن میں ایک خوفناک خیال آیا کہ کہیں انکل نے مجھ سے جھوٹ تو نہیں بولا۔

انکل کی نگاہ جیسے ہی مجھ پر پڑی تو وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور تیزی سے میرے نزدیک آگئے۔

”آ گئیں بیٹی تم۔“ انہوں نے کہا پھر میرے عقب میں اپنی نگاہیں دوڑاتے ہوئے سوال کیا۔

”تمہاری آنٹی کہاں ہیں کیا وہ نہیں آئیں۔“

”آنٹی پیچھے آ رہی ہیں انکل، آپ مجھے یہ بتائیں کہ واقعی حشام کو ہوش آ گیا ہے؟“ میں نے مشکوک نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان سوال کیا۔

”ہاں بیٹی اللہ کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حشام کو ہوش آ گیا ہے اور ڈاکٹروں کے مطابق اس کی زندگی خطرے سے باہر ہے۔ان شاء اللہ وہ بہت جلد صحت یاب ہوجائے گا۔“ انکل نے مسکراتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ بتایا لیکن میرا دل اب بھی مطمئن نہ ہوا تو میں نے کہا۔

”پھر آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں حشام کے پاس کیوں نہیں ہیں۔“

”اس لیے کہ وہ آئی سی یو میں ہے ہم زیادہ دیر وہاں ٹھہر نہیں سکتے اور نہ ہی حشام سے زیادہ باتیں کرسکتے ہیں۔دل تو یہی چاہ رہا ہے کہ اس کے پاس بیٹھے رہیں لیکن ہمیں ڈاکٹرز کی بات کا احترام لازمی کرنا ہے۔وہ اس لیے کہ ہمیں

حشام کی صحت و زندگی عزیز ہے۔“ انکل نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے مجھے تسلی دی اور آہستہ آہستہ سمجھایا۔

”لیکن انکل میں حشام کو ابھی دیکھنا اور ملنا چاہتی ہوں۔“ میں نے تڑپ کر کہا اتنے میں آنٹی بھی ہانپتی کانپتی چلی آئیں۔آصف ان کے ساتھ تھا۔آنٹی کو دیکھ کر انکل تیزی سے آنٹی کی

جانب بڑھے اور پھر میں سب کچھ بھول کر اس منظر کو دیکھنے لگی جو میری آنکھوں کے سامنے تھا۔انکل اور آنٹی نے آمنے سامنے ہو کر ایک دوسرے کے ہاتھ مضبوطی سے تھامے تھے اور دونوں ہنس رہے تھے اور دونوں کی آنکھوں سے تیزی سے آنسو بہہ رہے تھے۔

”مم... میرا بچہ ٹھیک ہے نا۔“ آنٹی نے کپکپاتے ہوئے لہجے میں آنسوؤں سے بھیگی آواز میں کہا۔یہ بات کہتے ہوئے وہ پوری جان سے لرز رہی تھیں۔

”ہاں ہمارا حشام اب بہتر ہے اسے ہوش آ گیا ہے ہم پر اللہ کا ایک اور کرم ہو گیا۔آج ایک بار پھر اس نے تمہاری دعا سن لی ہے۔“ اتنا کہہ کر انکل نے میری اور آصف کی پروا نہ کرتے ہوئے آنٹی کو اپنے سینے سے لگا لیا۔اس

منظر کو دیکھ کر میری آنکھیں بھی بہہ نکلیں۔انکل نے اپنا ایک ہاتھ میری جانب بڑھایا تو میں بھاگتی ہوئی ان کے سینے سے لگ گئی۔

”بس اب رونا نہیں یہ آنسو پونچھ ڈالو ہم حشام سے ملنے جائیں گے لیکن ایک ایک کر کے اور خبردار کوئی اس کے سامنے رویا۔مسکراتے ہوئے جانا اور پھر واپس آجانا۔“ انکل نے ہم دنوں کو اپنے سینے سے علیحدہ کر کے اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا تو ہم دونوں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنے چہروں کو صاف کیا اور مسکرانے لگیں۔

”تم لوگ ادھر ہی رکو میں ڈاکٹر سے بات کر کے آتا ہوں۔“ انکل نے کہا اور ڈاکٹر کے روم کی جانب بڑھ گئے۔

”مس میرے لیے کیا حکم ہے، میں یہیں ٹھہروں یا آپ ساتھ جائیں گی۔“ آصف نے پوچھا۔

”فی الحال آپ جائیے آصف، مجھے جب واپس آنا ہوگا تو میں آپ کو فون کرلوں گی۔“ میں نے کہا تو وہ ”بہت بہتر“ کہہ کر چلا گیا۔

پھر انکل کے ساتھ ڈاکٹر ذیشان بھی باہر آگئے اور مسکراتے ہوئے بولے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”آپ لوگوں کو بہت بہت مبارک ہو، آپ لوگوں کی دعائیں رنگ لے آئیں۔“

”ہم نے صرف دعائیں ہی کی ہیں اصل محنت تو آپ لوگوں کی ہے۔اس لیے بہت بہت شکریہ۔“ میں نے کہا۔

”ایسا مت کہیے اگر دعا اور اللہ کی مدد شامل حال نہ ہو تو انسان لاکھ چاہنے کے باوجود کچھ بھی نہیں کرسکتا۔صحت اور زندگی اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔“ انہوں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ڈاکٹر ذیشان۔“ انکل نے جواب دیا۔

”اینی وے اب یہ بتائیں کہ آپ دونوں سے پہلے کون جائے گا حشام سے ملنے۔“ انہوں نے میری اور آنٹی کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”پہلے آنٹی جائیں گی۔“ میں نے جھٹ کہا میری بات سن کر انکل اور ڈاکٹر ذیشان مسکرانے لگے اور آنٹی نے آگے بڑھ کر میری پیشانی چومتے ہوئے دعا دی۔”خوش رہو۔“

’’بھئی یہ بھی تو کہیں کہ ’’حشام کے ساتھ خوش رہو۔‘‘ میرے منہ سے خود بخود نکل گیا۔

’’ہاں‘ ہاں میری بچی اللہ میرے حشام کو اور تجھے ہمیشہ سلامت رکھے اور تم دونوں ساتھ ساتھ زندگی کی بے پناہ خوشیاں سمیٹو۔‘‘ آنٹی نے کہا تو میں اپنے کہے گئے جملے پر بری طرح شرما گئی۔

ڈاکٹر ذیشان آنٹی کو لے کر آئی سی یو میں چلے گئے اور میں اور انکل تنہا رہ گئے۔میں بے قراری سے ٹہلنے لگی۔انتظار کر رہی تھی کہ آنٹی باہر آئیں تو میں اندر جاؤں۔اچانک مجھے ایک بات کا خیال آیا تو میں نے انکل سے پوچھا۔

’’انکل آپ نے حشام سے کچھ پوچھا۔اس واقعے کے بارے میں کوئی بات کی۔‘‘

’’نہیں بیٹا یہ وقت ابھی اس قسم کی کوئی بھی بات کرنے کا نہیں ہے اور میرا مشورہ ہے کہ تم بھی کوئی بات مت کرنا۔دو چار دن کے بعد جب وہ مزید بہتر ہوجائے گا تو ہم پھر اس سے بات کریں گے۔‘‘ انکل نے کہا۔

’’آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ہمیں ابھی اس موضوع کو قطعی نہیں چھیڑنا چاہیے۔ ویسے آپ مجھے ایک بات بالکل سچ سچ بتائیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ حشام

ایسی کون سی رپورٹ بنا رہا تھاکہ جس کی وجہ سے اس پر یہ حملہ ہوا ہے اور اسے جان سے مار دینے کی کوشش کی گئی ہے۔‘‘

میری بات سن کر انکل خاموش رہے اور میرے چہرے کی جانب دیکھنے لگے۔ پھر آہستہ سے بولے۔’’ہاں میرے علم میں ہے لیکن میں یہ بات نہیں جانتا تھا کہ یہ اتنی اہم بات کسی کے علم میں آجائے گی اور اس کی جان کے لالے پڑ جائیں گے۔‘‘

’’آپ مجھے تو بتائیں اس بارے میں اگر میرے علم میں ساری بات نہیں ہوگی تو ہم حشام کے دشمنوں تک کیسے پہنچیں گے۔‘‘ میں نے کہا۔

’’بتاؤں گا سب کچھ بتاؤں گا ہمیں سر جوڑ کر بیٹھنا ہے اور پھر بات کرنی ہے اور مجھے امید ہے کہ ہم اس دشمن کو بھی ڈھونڈ نکالنے میں ضرور کامیاب ہوجائیں گے بس ذرا احتشام کی جانب سے پوری طرح اطمینان ہوجائے۔انکل نے کہا۔

اور اس سے پہلے کہ میں مزید کوئی اور بات کرتی ڈاکٹر ذیشان اور آنٹی مجھے سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دیے۔آنٹی کے چہرے پر اس وقت جو خوشی اور طمانیت مجھ دکھائی دی اسے دیکھ کر

میرے اندر بھی ڈھیروں اطمینان اتر آیا۔آنٹی سیدھی میرے پاس آئیں اور مسکراتے ہوئے بولیں۔

”جاؤ بیٹی میرا بچہ تمہیں دیکھنے اور تم سے ملنے کے لیے بے تاب ہو رہا ہے۔“

”جی۔“ میں نے ایک شرمگیں مسکراہٹ کے ساتھ سر جھکا کر کہا اور تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

اندر آئی سی یو کی جانب چلتے ہوئے ڈاکٹر ذیشان بولے۔

”بھئی میں تو قائل ہو گیا کہ محبت میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔“

”جی۔“ میں نے رک کر حیرت سے انہیں دیکھا اور کہا۔

”یہی حقیقت ہے مس سرمئی کہ یہ صرف آپ کی محبت کی طاقت ہی تھی جو حشام کو آپ کی دل سے نکلی ہوئی بے تاب دعاؤں نے موت کے منہ سے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اسے چھین لیا۔ویسے میں آپ کو حقیقت بتاؤں کہ ہم تو اس کی زندگی سے تقریباً مایوس ہی ہو چکے تھے یا پھر ہمارا خیال تھا کہ اب شاید حشام کومے میں ہی اپنی زندگی کے دن پورے کرے گا۔“

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”لیکن اب ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ جیت گئیں آپ کا پیار جیت گیا۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تو میں دھیرے سے مسکرا دی۔

ہم شیشے کے ایک بڑے سے دروازے کے ساتھ کھڑے تھے اندر کھڑے ایک گارڈ نے مجھے اور ڈاکٹر ذیشان کو دیکھا تو دروازہ کھول دیا۔ہم اندر داخل ہو گئے یہ ایک بڑی سی راہداری تھی۔سامنے ہی آپریشن تھیٹر تھا اور اس کے ساتھ ہی آئی سی یو وارڈ تھا۔

ڈاکٹر ذیشان نے وہاں رکھی ہوئے ربر کے سلیپر کی جانب اشارہ کیا کہ آپ اپنی چپلیں اتار کر انہیں پہن لیں۔خود انہوں نے بھی سلیپر چینج کر لیے۔اس عمل کے بعد ہم آگے بڑھے۔آئی سی یو کا دروازہ بھی شیشے کا تھا۔یہاں بھی

ایک گارڈ کھڑا تھا اس نے دروازہ کھولا تو ہم اندر داخل ہوگئے۔یہاں چار بیڈ تھے اور یہاں حشام کے علاوہ ایک اور بیڈ پر ایک مریض تھا۔

میری نگاہ سامنے والے بیڈ پر پڑی حشام آنکھیں موندیں لیٹا تھا۔اس کے بازوؤں پر اب بھی سوئیاں لگی تھیں۔ساتھ ہی اسٹینڈ پر ڈرپ لگی تھی۔جس میں سے قطرہ قطرہ دوا نکل کر حشام کے بازو سے ہوتی ہوئی دل میں داخل ہو رہی ہے۔سامنے ہی میز کے گرد کرسیاں ڈالے دو ڈاکٹرز موجود تھے۔اس کے علاوہ دو نرسیں تھیں ایک حشام کے بیڈ کے پاس تھی اور دوسری دوسرے مریض کے پاس تھی۔

”پلیز سرمئی اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا اور زیادہ بات مت کرنا یہ آئی سی یو ہے دوسرا مریض ڈسٹرب ہوگا۔“ ڈاکٹر ذیشان نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

حالانکہ حشام کو اس طرح بیڈ پر لیٹے دیکھ کر میرا دل پھٹا جا رہا تھا آنکھیں ایک بار پھر بہنے کے لیے تیار تھیں لیکن میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بہت آہستگی سے حشام کے بیڈ کے نزدیک چلی گئی اور جیسے ہی میں وہاں پہنچی حشام

نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔اس کے لب دھیرے سے مسکرانے کے انداز میں پھیل گئے پھر اس کے لبوں سے آہستہ سے سرگوشی میں میرا نام پھسل گیا۔

میں بھی دھیرے سے مسکرادی۔میری آنکھوں میں بھی آنسو تھے اور حشام کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔ڈاکٹر ذیشان نے مسکراتے ہوئے حشام کو دیکھا اور آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔میں نے حشام کی انگلیوں میں تھرتھراہٹ دیکھی تو بے ساختہ اپنا لرزتا ہوا ہاتھ اس کی انگلیوں پر رکھ دیا اور بھیگے بھیگے لہجے میں دھیرے سے کہا۔

”کیسے ہو؟“

”دیکھ لو تمہارے بغیر کہیں نہیں جانے والا۔موت کی وادی میں بھی نہیں۔“ اس نے سرگوشی کی۔

”پلیز اب یہ نام مت لینا‘ اللہ تمہیں زندگی اور صحت دے۔“ میں نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا تو حشام نے مسکراتے ہوئے اپنی آنکھیں موندلیں۔

"آؤ اب چلیں، جب ذیشان کو روم میں شفٹ کردیں گے تب باتیں کرنا۔" ڈاکٹر ذیشان نے آہستہ سے کہا۔

"پلیز ڈاکٹر تھوڑی دیر اور...!" میں نے ملتجی انداز میں کہا تو ڈاکٹر ذیشان نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

"میری ڈاکٹر تو یہ ہے اسے میرے پاس ہی رہنے دیں، پلیز۔" حشام نے خاصے اونچے لہجے میں کہا تو وہاں موجود ڈاکٹر تیزی سے اٹھ کر آگئی۔ تیز آواز میں ایک ہی جملہ بول کر حشام کی سانس تیز تیز چلنے لگی۔ بلڈ پریشر بتانے والا آلہ جو اس کے جسم پر لگا تھا اس کا گراف اوپر آنے لگا۔

"ڈاکٹر ذیشان آپ انہیں لے کر باہر جائیں۔ پھر نرس سے اس نے کوئی انجکشن لگانے کے لیے کہا۔

میں ذیشان کی حالت دیکھ کر گھبرا گئی۔ تو ڈاکٹر ذیشان میرا ہاتھ تھام کر مجھے باہر لے آئے باہر آکر میں رونے لگی تو ڈاکٹر ذیشان نے مجھے سمجھایا کہ ابھی حشام بہت زیادہ کمزور ہے۔ اسے آئی سی یو میں رکھا ہوا ہے اس کی کوئی تو وجہ ہے ابھی ایک دو دن مزید لگیں گے تب وہ مزید بہتر ہوگا۔

"پلیز ڈاکٹر مجھے حشام کے پاس ٹھہرنے دیں میں وعدہ کرتی ہوں کہ ایک لفظ بھی نہیں بولوں گی۔" میں نے التجا کی۔

"لیکن وہ تو بولے گا۔ آپ سمجھ کیوں نہیں رہی ہیں۔ کسی بھی قسم کی کوئی جذباتی بات اس کے لیے بہتر نہیں ہے۔" ڈاکٹر ذیشان نے مجھے سمجھایا۔

"کیا حشام کا بی پی بہت بڑھ گیا ہے۔ اب کیا ہوگا؟" میں نے کہا۔

"اللہ خیر کرے گا۔ اسے ہلکی نیند کا انجکشن دینا پڑے گا آپ فکر نہ کریں۔ وہ جلد ٹھیک ہوگا۔"

باتیں کرتے ہوئے ہم نے اپنے سلیپر تبدیل کیے ڈاکٹر ذیشان نے مجھے شیشے کے دروازے کے پار کیا اور خود واپس اندر چلے گئے۔ میں انکل اور آنٹی کی جانب بڑھ گئی۔

میرے چہرے پر فکر مندی کے آثار دیکھے تو دونوں پریشان ہوگئے۔ تب پوچھنے پر میں نے ساری بات بتادی۔

"وہ ایسا ہی جذباتی ہے۔" آنٹی نے محبت سے چور لہجے میں کہا۔

ذرا ہی دیر بعد ڈاکٹر ذیشان واپس آگئے اور بتایا کہ حشام اب بہتر ہے۔اب بہتر یہی ہوگا کہ اب آپ لوگ کل اس سے ملیے گا۔بلکہ میرا تو خیال ہے کہ آپ لوگ گھر جا کر آرام کریں۔ہم یہاں موجود ہیں۔اللہ تعالیٰ مزید بہتر کرے گا۔

انکل نے بھی یہی کہا کہ ہمیں اب گھر جا کر تھوڑا آرام کرنا چاہیے تو میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا کہ ٹھیک ہے انکل میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ آپ کے گھر چلتی ہوں۔

اتنے میں ایک گارڈ بہت تیزی سے ہماری جانب چلتا ہوا آیا اور بولا۔

"جناب بہت سے نیوز چینل والے اور اخباری نمائندے باہر آئے ہوئے ہیں اور وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔آپ بتائیے کہ کیا حکم ہے۔"

"نیوز چینل والے۔" میں نے اچنبھے سے کہا۔"یہ کیوں آئے ہیں۔کیا انہیں اس بات کی خبر ہوگئی ہے کہ حشام کو ہوش آگیا ہے۔میرا تو خیال ہے کہ انہیں واپس بھیج دیتے ہیں۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"نہیں انہیں روکنے کی ضرورت نہیں ہے مجھے معلوم ہے مجھے ان سے کیا بات کرنی ہے۔تم لوگ یہیں رکو میں آتا ہوں۔" انکل نے کہا اور گارڈ کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

"اف میرے اللہ یہ نیوز چینل والے بھی کتوں کی طرح خبروں کی بو سونگھتے پھرتے ہیں۔کہاں کیا ہوگیا ہے یا ہوگیا انہیں سب پتا چل جاتا ہے۔" آنٹی نے اپنا سر پکڑ کر کہا تو میں ہنس دی آخر میرا تعلق بھی تو ایک نیوز چینل ہی سے تھا۔

میں آنٹی کو لے کر صوفے پر بیٹھ گئی تب ہی میرے فون کی بیل بجنے لگی۔ میں نے نمبر دیکھا تو گھر سے فون تھا میں سمجھ گئی کہ امی ہی ہوں گی اس لیے فوراً فون ریسیو کرلیا۔

"جی امی!" میں نے کہا۔

"بیٹا تم تو وہاں جا کر سب کچھ بھول ہی گئیں ایک فون ہی کردیتیں حشام بیٹا کیسا ہے۔" امی نے شکایت کرنے کے بعد پوچھا۔

"حشام بہتر ہے امی، ابھی تو میں ان سے مل کر آئی ہو۔بس آپ کو فون کرنے ہی والی تھی کہ آپ کا فون آگیا اور ہاں امی میں اسپتال سے انکل اور آنٹی کے ساتھ ان کے گھر جاؤں گی۔آنٹی اکیلی ہیں نا۔"

"اللہ کا شکر ہے بیٹا کہ حشام اب بہتری کی جانب آگیا ہے۔ارے ہاں تمہارے جانے کے بعد شمروز آئے تھے حشام کی خیریت پوچھ رہے تھے۔میں نے بتادیا لو تم خود ہی ان سے بات کرلو۔" امی نے کہا تو ذرا سی توقف کے بعد مجھے شمروز بھائی کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو سرمئی حشام اب کیسا ہے؟"

"بہتر ہے بھائی، بس اب اللہ سے دعا ہے کہ وہ جلد از جلد حشام کو بستر سے کھڑا کردے۔"

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔" جواباً شمروز بھائی نے کہا پھر بولے۔"سرمئی کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں حشام کو ایک نگاہ دیکھ لوں اس سے مل لوں۔"

"ابھی ایک دو دن رک جائیں بھائی ڈاکٹر جب حشام کو روم میں شفٹ کردیں گے تب آپ ملنے آجائیے گا لیکن آپ کو اپنی شکل و صورت میں تھوڑی تبدیلی کرنا ہوگی کیونکہ آپ کا یہاں آنا مناسب نہیں ہوگا۔" میں نے کہا۔

"یہ بات تو میں بھی جانتا ہوں سرمئی تم فکر نہ کرو میں اپنے آپ کو مکمل طور پر تبدیل کر کے آؤں گا اور ہاں روشن آنٹی بھی اسپتال آنا چاہ رہی ہیں میرا تو خیال ہے کہ ہم انہیں برقعہ پہنا کر چہرے پر نقاب ڈال کر لا سکتے ہیں۔" شمروز بھائی نے کہا۔

"ٹھیک ہے بھائی اس بارے میں ہم بعد میں سوچیں گے۔" میں نے کہا۔

"اور ہاں سرمئی تمہارے لیے میرے پاس بہت اہم خبریں ہیں اور جہاں تک میں سمجھا ہوں ان خبروں کا تعلق حشام اور تمہاری ذات سے ہے۔میرا خیال ہے کہ میں اس شخص تک پہنچ بھی گیا ہوں جو اس سارے معاملے کا ذمہ دار ہے۔" شمروز بھائی نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جی، آپ کا مطلب ہے کہ آپ اس شخص کو جان گئے ہیں، کون ہے وہ۔" میں نے تیزی سے کہا تو آنٹی نے چونک کر میری جانب دیکھا۔تب مجھے احساس ہوا کہ مجھے یہاں بیٹھ کر یہ بات نہیں کرنی چاہیے۔اس لیے میں فوراً اپنی جگہ سے اٹھی اور آنٹی کے قریب سے اٹھ کر دور چلی گئی۔

"میرے پاس تمہیں دکھانے کے لیے بھی کچھ ہے کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں خود تم سے مل لوں۔" انہوں نے کہا۔

اور اس سے پہلے کہ میں انہیں کوئی جواب دیتی مجھے انکل سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دیے۔تب میں نے سوچا کہ انکل کے مشورے کے بعد ہی میں شمروز بھائی سے کچھ کہہ سکتی ہوں۔اس لیے ان سے کہا۔

"شمروز بھائی میں آپ کو تھوڑی دیر بعد کال کر کے بتاؤں گی۔اس وقت آپ امی کے پاس ہیں نا، آپ وہیں رہیں اور کال کا انتظار کریں۔"

"ٹھیک ہے گڑیا، میں یہیں ہوں۔تم فکر نہ کرو سب ٹھیک ہوجائے گا۔میں تمہاری کال کا انتظار کروں گا۔" شمروز بھائی نے جواب دیا تو میں نے انہیں گڈ بائے کہا اور انکل کی جانب بڑھ گئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"بات ہوگئی، کون کون سے چینل والے تھے کیا بات ہوئی؟" میں نے سوالات شروع کردیے۔

"اطمینان سے بیٹھو سب بتاتا ہوں۔" انکل نے کہا تو میں صوفے پر بیٹھ گئی۔ انکل بھی بیٹھ گئے تب انہوں نے بتایا کہ "میں نے ابھی کسی کو بھی حشام کے ہوش میں آنے کے بارے میں نہیں بتایا ہے۔یہ مشورہ مجھے ڈاکٹر ذیشان نے دیا ہے کہ ابھی ہمیں سب سے اس خبر کو چھپانا ہے جب تک حشام کافی بہتر نہیں ہوجاتا اور اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ ہمارا دشمن مطمئن رہے گا۔"

"وہ دشمن تو۔" میں نے آنٹی کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔تو انکل بھی میری نگاہوں کے زاویے کو دیکھتے ہوئے خاموش رہے اور بولے۔

"سرمئی بیٹا تم اپنی امی کو فون کر کے بتا دو کہ تم ہمارے ساتھ ہی جا رہی ہو اب گھر چلو بڑی زور کی بھوک لگ رہی ہے گھر چل کر ناشتا کریں گے۔"

"جی انکل۔" میں نے کہا۔

آج اتنے دنوں کے بعد ہمیں بھوک کا احساس ہوا تھا۔ورنہ جب سے یہ حادثہ ہوا تھا ہماری بھوک پیاس سب ہی مٹ گئی تھی۔

انکل نے ڈاکٹر ذیشان کو بتا دیا کہ ہم گھر جا رہے ہیں پھر ہم تینوں نیچے کار پارکنگ کی جانب آگئے۔

میں اور آنٹی ایک جانب کھڑے تھے تب انکل گاڑی نکالنے چلے گئے اور اس وقت میں نے اپنی کار کو ایک بار پھر اسپتال کے گیٹ کی جانب آتے ہوئے دیکھا میں سوچنے لگی کہ اس میں کوئی آیا ہے۔

گاڑی میرے قریب آکر رکی لیکن اس میں صرف آصف تھے مجھے وہاں کھڑے دیکھا تو پوچھا۔

”آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں کہیں جا رہی ہیں کیا؟“

”ہاں میں انکل اور آنٹی کے ہمراہ ان کے گھر جا رہی ہوں آپ کیسے آئے ہیں؟“

”میں تو آپ لوگوں کے لیے ناشتا لے کر آیا تھا۔‘

”ارے واہ یہ تو بہت اچھی بات ہے اب ہمیں ناشتا بنانا ہی نہیں پڑے گا ہم گھر جا رہے ہیں وہیں کھا لیں گے۔“ میں نے خوش ہو کر کہا۔

”روشن نے بہت تکلیف کی۔“ آنٹی نے تکلفا کہا۔

”ارے کوئی بات نہیں ہے آنٹی‘ امی تو حشام سے بھی ملنے کے لیے بہت بے چین ہیں‘ حشام روم میں شفٹ ہوجائیں تو انہیں حشام سے ملوانے کے لیے لے آؤں گی۔“ میں نے کہا۔

”وہ یہاں کیسے آسکتی ہیں؟“ آنٹی نے حیران ہو کر کہا۔

”اس کی بھی ایک ترکیب میں نے سوچ لی ہے۔“ میں نے دھیرے سے کہا۔

اتنے میں آصف گاڑی سے ناشتے کا سامان نکال لائے اور انکل بھی پارکنگ سے گاڑی لے آئے تو میرے اشارے پر آصف نے سامان انکل کی گاڑی میں رکھ دیا اور انکل سے کہا

”سر آپ ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ دیں۔میں آپ لوگوں کو لے جاتا ہوں۔آپ تھکے ہوئے ہیں گاڑی کیسے ڈرائیو کریں گے۔“

"میں اگر تھک جاؤں گا تو یہ میری بیٹی ہے نا میرے ساتھ گاڑی یہ ڈرائیو کرے گی اور اب تو ویسے بھی تھکن اتر ہی گئی ہے۔شاید آج نیند بھی آجائے۔" انکل نے خوش دلی سے کہا تو آصف واپس میری گاڑی کی جانب بڑھ گیا اور میں اور آنٹی انکل کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔

گھر پہنچ کر ہم نے امی کا بجھوایا ہوا ناشتا کیا میں نے انکل کو آرام کرنے کے لیے کہا تو وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔البتہ آنٹی میرے اصرار کے باوجود آرام کرنے کے لیے نہیں گئیں اور میرا ہاتھ تھام کر اور مجھے سینے سے لگا کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔وہ مجھے اپنے سینے سے بھینچ بھینچ کر پیار کر رہی تھیں۔جیسے میں نہیں حشام ان کی بانہوں میں ہوں۔

اور میں نے سوچا کہ ماں ایسی ہی ہوتی ہے اسے اپنی اولاد سے تو پیار ہوتا ہی ہے اس کی اولاد جس سے پیار کرتی ہے وہ اس سے بھی پیار کرنے لگتی ہے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"کیا ہوا آنٹی۔" میں نے سر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا تو ان کی آنکھوں میں ڈھیروں آنسو تھے۔ان سے بات نہیں کی گئی تو محض سر ہلا کر رہ گئیں گویا کہہ رہی ہوں۔"کچھ بھی تو نہیں۔"

"آپ پریشان مت ہوں آنٹی حشام ان شاء اللہ بالکل ٹھیک ہوجائیں گے میں ان سے ملی ہوں ان سے بات کی ہے بس چند روز کی بات اور ہے۔" میں نے سیدھے بیٹھ کر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر محبت سے سہلاتے ہوئے تسلی بخش لہجے میں کہا۔

"ہوں۔" انہوں نے اس طرح زور سے کھینچ کر سانس لی جیسے نہ جانے کب سے روک رکھی ہو۔پھر میرے چہرے کی جانب غور سے دیکھنے لگیں ان کی آنکھوں میں دنیا جہاں کی محبت چھپی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں۔" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"تمہیں پتا ہے سر مئی یہ تمہارا ہی نصیب ہے کہ اللہ پاک نے مجھ دکھی ماں کی ممتا کی لاج رکھ لی ہے۔میرے حشام کو مجھے لوٹا دیا ہے ورنہ میں تو بہت ہی

زیادہ بد نصیب ہوں۔اتنی کہ کوئی ماں مجھ جیسی نہ ہوگی۔" انہوں نے اپنے ہاتھ میرے ہاتھوں سے جدا کیے بنا نگاہیں نیچی کر کے کہا۔

"ایسا مت کہیں آنٹی۔" میں نے تیزی سے کہا۔"حشام آپ کے بیٹے ہیں اور آپ ان کی ماں ہیں اور کہتے ہیں کہ ماں کے آنسوؤں اور فریاد سے تو عرش بھی کانپ جاتا ہے اور اللہ پاک کبھی ماں کے اپنی اولاد کے لیے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو خالی نہیں لوٹاتا۔یہ سب آپ کی دعاؤں کا کرشمہ ہی ہے آپ کے دن و رات کے سجدے ہیں کہ آخر اللہ کو ایک ماں پر رحم آہی گیا۔"

"ایسا اللہ پاک ضرور کرتا ہے لیکن ابھی تم نے کہا کہ ایک ماں کے ساتھ اور میں... میں تو...!" اتنا کہہ کر وہ اپنے دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر رونے لگیں اور ان کی یہ بات سن کر میں بری طرح چونک گئی کہ آنٹی نے یہ کہہ دیا۔

"کیا مطلب آنٹی... آ... آپ بھی تو... آپ بھی تو حشام کی... کیا آپ حشام کی ماں نہیں... ہیں۔" میں نے اپنے ذہن میں امڈتے ہوئے اس زہریلے سوال کو بالآخر کر ہی ڈالا۔

"آج میں تمہیں ایک بہت راز کی بات بتا رہی ہوں لیکن اس سے پہلے تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم یہ بات کبھی کسی کے سامنے نہیں کہو گی، حشام سے بھی نہیں میرے مرنے کے بعد بھی نہیں۔" انہوں نے بے ساختہ میرے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے پیالے میں تھام لیا۔ان کی آنکھوں اور لہجے میں ہزاروں التجائیں پوشیدہ تھیں۔

"وعدہ۔" میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی جانب دیکھتے ہوئے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بتائیے نا کیا بات ہے؟"

"وہ بہت راز کی بات یہ ہے کہ میں حشام کی حقیقی ماں نہیں ہوں میں نے اسے جنم نہیں دیا ہے۔میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ میں تاحیات اس راز کی کسی کو بھی خبر نہیں ہونے دوں گی لیکن جب تم حشام کی زندگی میں آئیں اور تم نے اپنے بارے میں ہم سے کوئی بات نہیں چھپائی تو میرا ضمیر مجھے ملامت کرنے لگا کہ اگر میں تم سے اتنی اہم بات چھپا لیتی ہوں تو یہ تمہارے ساتھ سراسر بد دیانتی ہوگی اور ویسے بھی میں تو ایک بد نصیب ماں ہوں لیکن تم

نصیبوں والی ہو' میں دن رات یہی سوچ رہی ہوں کہ اگر میرا حشام زندہ بچ گیا تو یہ تمہارا نصیب ہو گا اور میں تمہیں تمہاری پیدا کرنے والی اور پالنے والی دونوں ماؤں سے بڑھ کر تمہیں پیار دوں گی اور آج جب ہم خوشی خوشی حشام سے مل کر گھر آئے ہیں تو میں اب مزید اس راز کو تم سے چھپا نہیں سکتی اور ذرا دیکھو تو اللہ تعالیٰ نے تم دونوں کو کیسے ایک دوسرے سے ملایا ہے۔" انہوں نے کہا اور پھر خاموش ہو گئیں۔ پھر انہوں نے بہت تھکے تھکے انداز میں بے دم سی ہو کر اپنے آپ کو صوفے کی پشت گاہ کی جانب گرا دیا اور چھت کو گھورنے لگیں میں تھوڑی دیر تک انہیں گم صم بیٹھی اسی حالت میں دیکھتی رہی پھر پوچھا۔

"حشام کے ماں باپ کون تھے یا کہاں ہیں کیا انکل بھی حشام کے والد نہیں ہیں۔" تو انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں اور بولیں۔

"آج میں تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہوں سنو گی میری دکھ بھری داستان۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"جی آنٹی! میرے پاس بہت ٹائم ہے آپ بتائیں۔" میں نے نرم لہجے میں کہا تو وہ بولیں

"میرا تعلق ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تھا ہم دو ہی بہن بھائی تھے بھائی جان ڈاکٹر تھے وہ انگلینڈ اسپیشلائز کے لیے گئے تھے وہیں انہیں ایک انگریز لڑکی "جوزی" پسند آگئی اور بھائی جان نے فون کر کے والدین کو یہ بات بتادی کہ وہ جوزی سے شادی کر رہے ہیں اور انہوں نے وہاں شادی کر لی۔

امی اور بابا جان کو اس بات کا بہت صدمہ ہوا کیونکہ بھائی جان ان کے اکلوتے بیٹے تھے اور بھائی جان کو لے کر امی کے دل میں ہزاروں ارمان تھے جیسے کہ ہر ماں کو ہی ہوتے ہیں۔

میں ان دنوں یونیورسٹی میں پڑھتی تھی۔ وہیں میری ملاقات تمہارے انکل سے ہوئی اور ہم ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے تمہارے طلال انکل کا تعلق ایک مڈل کلاس فیملی سے تھا۔ ان کی صرف دو ہی بہنیں تھیں۔

میں نے امی کو جب اپنی پسند سے آگاہ کیا اور طلال کے بارے میں بتایا تو یہ جان کر کہ طلال کا تعلق ایک مڈل کلاس فیملی سے ہے ہتھے سے ہی اکھڑ

گئیں اور انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ طلال سے تمہاری شادی نہیں ہوسکتی... لیکن...

میرے بابا جان نے طلال سے ملنے کے بعد فیصلہ میرے حق میں دے دیا۔ طلال کے والد بھی ایک صحافی ہی تھے۔بہت نڈر اور بے باک ایک سچے انسان۔اپنے قلم اور پیشے کی لاج نبھانے والے طلال بھی ایسے ہی تھے۔پیسا نہ ہونے کے باوجود بابا جان کو طلال کی ان ہی خوبیوں نے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کردیا۔

میری شادی ہوگئی اور شادی کے ایک ہفتے کے بعد ہی امی کو دل کا اتنا شدید دورہ پڑا کہ وہ جان بر نہ ہوسکیں۔

میں مہینوں بلکہ سالوں اپنے آپ کو امی کا مجرم ٹھہراتی رہی ان کی موت کا ذمہ دار ٹھہراتی رہی۔امی کے انتقال پر بھائی جان تنہا ہی پاکستان آئے تھے۔ تنہائی میں انہوں نے بہت دکھ سے مجھے یہ بات بتائی کہ وہ جوزی سے حقیقی محبت کرتے ہیں اور نہ تو اسے چھوڑنا چاہتے ہیں اور نہ ہی دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”لیکن بھائی جان ایسی کیا بات ہوئی ہے آپ لوگوں کے درمیان جو آپ اس حد تک جا کر سوچ رہے ہیں۔“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”کیا بتاؤں بے بی۔“ بھائی جان نے ندامت اور شرمندگی سے سر جھکا کر کہا۔”جوزی بچے پیدا کرنا نہیں چاہتی جبکہ میری شدید خواہش ہے کہ میرے ہاں بچے پیدا ہوں۔وہ بھی ڈھیر سارے۔اس بات کو لے کر ہمارے درمیان کئی مرتبہ جھگڑا ہوا ہے میں نے اسے ہر طرح سے سمجھا لیا ہے لیکن وہ بس ایک ہی بات کہتی ہے کہ اگر مجھ سے پیار کرتے ہو تو بچے کا نام مت لو۔“

”یہ فیصلہ بھی تو آپ ہی کا تھا۔اب آپ بھگتیں۔“ میں نے کہا اور اٹھ کر آگئی۔میں یہ بات نہیں جانتی تھی کہ قدرت میرا کتنا بڑا امتحان لینے والی ہے۔

میری شادی کو سال ہونے والا تھا اتفاق سے ڈاکٹر نے وہی ڈیٹ دی تھی جو ہماری شادی کی ڈیٹ تھی۔بس چند دن ہی میرے گھر خوشی آنے میں تھے کہ ایک دن بابا جان بھی چپ چاپ اس دنیا سے چلے گئے۔ان کی اچانک موت کا میرے اوپر بہت شدید اثر ہوا اور اسی رات ایک بہت تکلیف دہ عمل سے گزر کر میں نے ایک مردہ بیٹے کو جنم دیا۔

میرے دل پر دہرا صدمہ تھا ایک والد کی جدائی کا اور ایک اپنی پہلی اولاد کا طلال نے اس وقت مجھے بہت جذباتی سہارا دیا۔انہوں نے میرا بہت خیال رکھا اور مجھے تسلیاں دیں کہ شاید یہ سب تمہارے والد کی اچانک موت کے صدمے کی وجہ سے ہوا ہے اور میں برابر طلال سے یہ کہتی رہی کہ نہیں یہ سب میرے اس جرم کی سزا ہے جو میں نے اپنی ماں کا دل دکھا کر پائی ہے وہ میری تم سے شادی کے حق میں نہیں تھیں۔طلال مجھے بار بار سمجھاتے کہ یہ سب تمہارا وہم ہے یا یہ تمہارے اندر کا احساس جرم ہے ورنہ یہ سب تو منجانب اللہ ہے اور ہمارے نصیب میں تھا۔

اور پھر یہ سلسلہ چل پڑا اگلے سال پھر ایسا ہی ہوا اس بار پھر میں نے ایک مردہ بیٹے کو جنم دیا پھر تیسرے سال تیسرا بچہ مردہ' ڈیڑھ سال کے بعد مردہ بیٹی' پھر ایک سال کے بعد ایک اور مردہ بیٹی...

پے در پے صدموں نے مجھے نڈھال کردیا تھا میں برسوں کی بیمار نظر آنے لگی حیرت ہوتی ہے خود پر کہ میں زندہ کیسے رہی مر کیوں نہیں گئی۔

اور ان ہی دنوں بھائی جان کا فون آیا اور انہوں نے مجھے اور طلال کو انگلینڈ بلوایا۔انہوں نے یہ خوش خبری سنائی کہ جوزی ماں بننے والی ہے لیکن اس کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی تم اور طلال دونوں یہاں آجاؤ' میں ٹکٹ بجھوا رہا ہوں۔ان دنوں میری کوکھ میں ایک اور بچہ پرورش پا رہا تھا۔اس لیے میں نے بھائی جان سے صاف انکار کردیا کہ میں سفر نہیں کرسکتی۔میری حالت بھی ایسی ہی ہے۔

تب بھائی جان نے کہا کہ یہاں انگلینڈ میں ایک سے ایک بہترین گائنی کی ڈاکٹرز موجود ہیں۔یہاں آنا تمہارے لیے بھی فائدہ مند ہوگا تم یہاں کے بہترین ڈاکٹرز کی زیر نگرانی میں رہنا تم دیکھنا ان شاء اللہ اس مرتبہ تمہاری گود خالی نہیں رہے گی۔

بھائی جان کا یہ مشورہ سن کر میں سوچ میں پڑ گئی تب طلال نے کہا کہ اس میں سوچنے کی کیا بات ہے ہمیں فورا ہی انگلینڈ روانہ ہوجانا چاہیے۔

ہمارے لیے ویزہ اور ٹکٹ وغیرہ بھائی جان نے بھیجے اور ہم انگلینڈ پہنچ گئے۔ اتفاق سے جتنا ٹائم ڈیلیوری میں میرا باقی تھا اتنا ہی جوزی بھابھی کا تھا۔میں

پہلی مرتبہ بھابھی سے ملی تھی اور پہلی ہی مرتبہ انہیں دیکھا تھا۔بھائی جان نے نہ تو کبھی ان کی کوئی تصویر بھیجی تھی اور نہ ہی جب امی کے انتقال پر آئے تھے تو اپنے ساتھ لائے تھے سچ تو یہ ہے کہ ہمیں ان کی ذات سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی اور نہ ہی انہیں دیکھنے کی چاہ تھی۔

وہ بہت محبت کے ساتھ مجھ سے ملیں ان کا خلوص اور اخلاق دیکھ کر میں حیران رہ گئی۔وہ اردو بول رہی تھیں اور لباس بھی مشرقی ہی تھا یعنی انہوں نے شلوار قمیص پہنا ہوا تھا البتہ ان کی صحت مجھے ڈاؤن لگ رہی تھی۔نکاح سے پہلے ہی وہ مسلمان ہوچکی تھیں۔

میں بھائی جان کے گھر پر رہنے لگی۔بھائی جان کے ہی مشورے پر میں نے اس گائنا لوجسٹ سے اپنا چیک اپ کروایا جس کی زیر نگرانی بھابھی تھیں۔بھابھی نے میرے لیے بہت سی نیک خواہشات کا اظہار کیا اور خلوص دل سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس مرتبہ تمہاری گود بھر جائے۔پھر اپنی بات کہہ کر خاموش ہوگئیں اور پھر معنی خیز لہجے میں بولیں تم دیکھ لینا اس مربتہ جب تم اپنے گھر لوٹو گی تو تمہاری گود خالی نہیں ہوگی ان شاء اللہ۔

میں اس وقت اتنے یقین سے کہی گئی اس بات کی تہہ تک نہ پہنچ سکی کاش میں اس وقت سمجھ جاتی کہ بھابھی یہ بات کیوں کہہ رہی ہیں۔

پورے تین ماہ ہوگئے اور پھر ایک دن اس طرح درد و اذیت میں مبتلا ہوگئی جیسے اس سے پہلے پانچ مرتبہ ہوچکی تھی درد کی ایک تیز لہر اٹھتی اور میں دہری ہوجاتی اور اس وقت بھی دل میں اللہ سے دعا کر رہی تھی کہ اللہ پاک مجھے زندہ بچہ عطا کرے ڈاکٹر بھی آخری وقت تک تسلی دیتی رہی کہ بے فکر رہو تمہارا بے بی بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔

بالآخر میں نے اس درد و اذیت سے نجات حاصل کر ہی لی اور میرے کانوں میں دنیا کی سب سے دل کش آواز یا پھر وہ آواز مجھے دل کش لگی ایک زندہ سلامت بچے کے رونے کی آواز سنی اور اس خوب صورت اور پر سکون احساس کے ساتھ آنکھیں موند لیں کہ اس مرتبہ واقعی اللہ نے مجھے زندہ سلامت بچہ عطا فرمایا ہے ورنہ اس سے پہلے تو ہمیشہ ہمارے کان اس آواز سے ترستے ہی رہے تھے۔

دو دن، صرف دو دن میں نے اپنے بانہوں میں اس بچے کے نرم و نازک وجود کے لمس سے سرشاری کی اور پھر اسے عجیب سے دورے پڑنے لگے اس کا سارا جسم نیلا ہو کر اکڑ جاتا۔ڈاکٹرز نے لاکھ کوششیں کیں لیکن وہ بھی میری منحوس گود سے نکل کر منوں مٹی تلے جا سویا۔

میں تو اپنے حواس کھونے لگی۔نیم پاگل سی ہونے لگی طلال اور بھائی جان کے ساتھ ساتھ جوزی بھابھی بھی میری دل جوئی کر رہی تھیں۔میں نے دیوانگی کی حالت میں انہیں جھنجوڑ ڈالا کہ آپ نے تو کہا تھا کہ اس مرتبہ تمہاری گود خالی نہیں رہے گی یہ دیکھیں میری گود خالی ہے میں نے اپنے دونوں کو پھیلا کر کہا تو انہوں نے مجھے سینے سے لگا لیا اور بہت پر سکون اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولیں۔

”ہاں، ہاں میں ابھی بھی یہی کہہ رہی ہوں کہ تمہاری گود خالی نہیں رہے گی۔“

ان کی بات سن کر مجھ سمیت طلال اور بھائی جان نے بھی انہیں چونک کر دیکھا اور ان کے جملے میں چھپا مطلب کھوجنے لگے۔

پھر بھابھی کی طبیعت خراب ہو گئی تکلیف شروع ہونے کے ساتھ ہی ان کا بی پی خطرناک حد تک بڑھ گیا۔اس موقع پر ڈاکٹر نے بھائی جان سے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تو بھابھی نے انہیں فورا روک دیا۔

”پلیز ڈاکٹر آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔، ان کی آنکھوں اور لہجے میں ہزاروں التجائیں تھیں الجھی الجھی سی ڈاکٹر خاموش رہی۔

”کیا بات ہے ڈاکٹر آپ کچھ کہنا چاہ رہی تھیں۔“ بھائی جان نے بے تابی سے پوچھا۔”آپ نے جوزی سے کیسا وعدہ کیا تھا۔“

”کچھ نہیں۔“ ڈاکٹر نے بے بسی سے سر جھٹک کر جواب دیا پھر بولی۔”ان کا آپریشن کرنا پڑے گا۔“

بھابھی کی ایسی حالت دیکھ کر ذرا دیر کو میں بھی اپنا دکھ بھول گئی۔اسپتال میں ہم تینوں ہی موجود تھے۔جب ایک نرس نے آکر ہمیں خوش خبری سنائی کہ بھائی جان ایک بیٹے کے باپ بن گئے ہیں۔

ابھی ہم ڈھنگ سے خوش بھی نہیں ہو پائے تھے کہ وہی ڈاکٹر آئی اور بولی۔

”آئی ایم سوری مسٹر اسلام شیخ آپ کی وائف کی حالت ٹھیک نہیں ہے اور وہ آپ کو اور مسز طلال کو بلا رہی ہیں۔“

”کک... کیا ہوا جوزی کو...؟“ بھائی جان نے بوکھلا کر کہا۔

”میں بعد میں آپ کو ساری بات بتاؤں گی فی الحال آپ ان سے مل لیں۔“

پھر ہمیں وہ اپنے ہمراہ لے کر اندر گئی بھابھی کے جسم پر بہت سی میشنیں لگی تھیں۔منہ پر آکسیجن ماس بھی لگا تھا۔بھابھی کے اشارے پر ڈاکٹر نے وہ ماسک اتار دیا۔تب بھابھی نے بہت کمزور اور نحیف لہجے میں بھائی جان کو پکارا تو وہ ان پر جھک گئے۔بھابھی بولیں۔

”اسلام میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے تمہیں ایک بچے کی خواہش تھی نا اور تمہاری لاکھ خواہش کے باوجود میں بچہ پیدا کرنا نہیں چاہتی تھی۔وہ اس لیے... اس لیے اسلام کے بچے کو پانے کے بعد تم ہمیشہ کے لیے مجھے کھو دیتے۔“ اتنا کہہ کر بھابھی رکیں اور گہری گہری سانسیں لینے لگیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”ڈاکٹر جوزی کو سنبھالیں پلیز۔“ بھائی جان نے گھبرا کر کہا تو بھابھی نے ہاتھ کے اشارے سے ڈاکٹر کو روک دیا ور کہا۔

مجھے ڈاکٹر نے بچہ پیدا کرنے سے منع کیا تھا لیکن اب مجھ سے تمہاری بے چینی اور بے قراری دیکھی نہیں جاتی تھی میری خواہش ہے کہ میرا بیٹا حشام میں نے اس کا نام حشام رکھ دیا ہے۔“

انہوں نے بہ مشکل مسکرانے کی کوشش کی۔”اس کو... اس کو... ماریہ... کی گود میں دے دو۔“ بہ مشکل اٹک اٹک کر بات کرنے میں ہی ان کی سانس اکھڑنے لگی۔تب ڈاکٹر آگے بڑھی اور آکسیجن ماسک ان کے منہ پر لگانے لگی تب بھابھی نے اپنا ہاتھ اٹھا کر ماسک اپنے منہ سے ہٹا دیا اور گھرے گھرے سانسیں لیتے ہوئے بولیں۔

”ماریہ... میں... میں نے... آپ... اپنا وعدہ... پو... پورا کردیا ہے۔“ وہ اس وقت بہت کھینچ کر سانس لے رہی تھیں تب وہاں موجود ڈاکٹر اور نرسوں نے ہمیں وہاں سے باہر نکلا دیا۔ڈاکٹر انہیں فوری طور پر کئی ٹریٹمنٹ دینے لگی۔

بھائی جان کی حالت بھی خراب ہونے لگی ان کا چہرہ اور آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔طلال انہیں سنبھال رہے تھے اور میری تو جیسے عقل ہی ماؤف ہوگئی تھی کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

اور پھر مجھ پر ایک اہم انکشاف ہوا کہ نہ صرف بھائی جان جوزی بھابھی سے بے انتہا پیار کرتے تھے بھابھی بھی انہیں بے انتہا چاہتی تھیں۔شاید بچہ پیدا کرنے کے عمل سے گزرتے ہوئے شاید ان کی زندگی کو کوئی خطرہ تھا اس لیے ڈاکٹر نے انہیں یہ رسک لینے سے منع کیا تھا لیکن مسلسل انکار کرنے کے بعد بالآخر انہوں نے بھائی جان کی خواہش کے آگے ہتھیار ڈال ہی دیے۔کاش وہ یہ بات بھائی جان کو پہلے ہی بتادیتیں۔بعد میں بھائی جان نے مجھے یہ بھی بتایا کہ جوزی جن کا اسلامی نام بھائی جان نے عائشہ رکھا تھا۔

اور پھر ڈاکٹر نے دس منٹ بعد ہی آکر وہ روح فرسا خبر سنا دی کہ میرے محسن بھائی جان کی محبت عائشہ ہمیشہ کے لیے اس دنیا کو چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔

حشام میری گود میں آیا تو میں اپنے سارے غم بھول گئی لیکن بھائی جان جیسے ساری دنیا کو فراموش کر بیٹھے۔انہوں نے پلٹ کر ایک بار بھی حشام کو نہیں دیکھا نہ گود میں لیا اور نہ ہی پیار کیا۔

بعد میں ڈاکٹر نے ہمیں بتایا کہ عائشہ بھابھی کے ساتھ کوئی ایسا سنگین مسئلہ تھا کہ وہ بچہ پیدا نہیں کر سکتیں۔ایسا کرنے میں ان کی جان کو خطرہ ہے لیکن بھابھی نے بھائی جان کی خواہش کو پورا کرنے کی خاطر اپنی جان کی قربانی دے دی اور اسی بات کو راز رکھنے کا وعدہ انہوں نے ڈاکٹر سے لیا تھا۔

بھائی جان کا اب دنیا سے دل اچاٹ ہو گیا تھا انہوں نے کہا کہ تم لوگ حشام کو لے کر پاکستان چلے جاؤ وہاں سب سے یہی کہنا کہ یہ تمہارا بچہ ہے اور میری بیوی کا انتقال ہو گیا ہے یہ کسی کو نہ بتایا کہ بچے کی پیدائش کے دوران اس کی ڈیتھ ہوئی تھی۔

”بھائی جان آپ بھی ہمارے ساتھ چلیے نا... یہاں تنہا کیسے رہیں گے۔“ میں نے حشام کو سینے سے لگاتے ہوئے روتے ہوئے کہا۔

”نہیں ماریہ“ میں ساری زندگی عائشہ کی یادوں کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔یہ گھر جیسے اس نے اپنے ہاتھوں سے سجایا اور سنوارا تھا یہاں کے گوشے گوشے میں اس کی یادیں بکھری ہوئی ہیں۔یہ سب کچھ بھی مجھ سے چھن گیا تو میں زندہ نہیں رہ پاؤں گا۔“

میں اور طلال جب پاکستان آنے لگے تو میں نے بھائی جان سے بہت کہا کہ ایک بار تو اپنے بچے کو سینے سے لگا کر پیار کرلیں لیکن انہوں نے منہ پھیر لیا اور بولے کہ اگر انہوں نے ایک بار بھی اسے اپنے سینے سے لگالیا تو پھر خود سے جدا کرنا مشکل ہوجائے گا یا پھر یہ بھی ہوسکتا تھا کہ انہیں‌یہ خیال آرہا ہو کہ اس بچے کی خواہش نے ان کی محبت کو ان سے چھین لیا۔

بھائی جان نے ڈاکٹر سے مل کر عائشہ بھابھی کے احترام میں برتھ سرٹیفکیٹ میں والدین کے نام کی جگہ میرا اور حشام کا نام لکھوا دیا تھا اسپتال اور ڈاکٹر کا نام البتہ حقیقی ہی تھا۔میں حشام کو لے کر پاکستان آگئی اور صرف ایک سال کے قلیل عرصے میں بھائی جان بھی بھابھی کے پاس پہنچ گئے دنیا سے جانے سے قبل وہ اپنی تمام جائیداد اور مال و متاع حشام کے نام کر گئے تھے۔ان

کے وکیل کا فون آیا تھا تمام جائیداد کا پاور آف اٹارنی انہوں نے طلال کو مقرر کردیا تھا۔

کچھ عرصہ کے بعد طلال انگلینڈ گئے اور تمام جائیداد بیچ کر واپس آگئے۔جس وقت طلال سے میری شادی ہوئی تھی اس وقت طلال کے پاس کچھ بھی نہیں تھا سوائے ایک چھوٹے سے مکان کے لیکن آج بہت کچھ ہے میرے والدین اور بھائی جان کی جانب سے ملا ہوا۔

تمہیں پتا ہے سرمئی... میری گود ہی منحوس ہے میری کوکھ سے جنم لینے والا میرا کوئی بھی بچہ زندہ دنیا میں نہیں آیا لیکن عائشہ بھابھی کا حشام جس نے میری ممتا کی بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کردیا۔

اور آج جب وہ ماشاء اللہ چھبیس سال کا بھرپور نوجوان ہوچکا ہے تب موت ایک بار پھر اسے مجھ سے چھیننے کے لیے آگئی لیکن اب یہ تمہارا ہے اور تم اس کی ہو میں نے اور طلال نے ایک فیصلہ کرلیا تھا کہ ہم تمہیں ہی اپنی بہو بنائیں گے اور دیکھو میری بد نصیبی نے اسے موت کے منہ میں پہنچادیا لیکن

تمہارا نصیب اسے موت کے منہ سے کھینچ لایا ہے اس لیے تم مجھے بہت پیاری ہو۔

ایک بات اور بتاؤں حشام کے بعد ہم نے آئندہ کسی اور بچے کو پلان ہی نہیں کیا۔میں اسے یہی بتاتی ہوں کہ چھ بچوں کے بعد اللہ نے تمہیں دیا تھا اور میں علاج کی غرض سے تمہاری پیدائش کے وقت انگلینڈ گئی تھی۔"

"آپ کوئی فضول بات مت سوچیں آنٹی... کوئی نہ تو منحوس ہوتا ہے اور نہ ہی بد نصیب، نصیب تو اللہ نے لکھے ہیں۔وہ سب کام اچھے ہی کرتا ہے۔حشام آپ کے بیٹے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔" میں نے ان کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا اور ان کے سینے سے لگ گئی۔

باتیں کرتے ہوئے ہمیشہ احساس ہی نہیں ہوا کہ کتنا سارا وقت گزر گیا ہے شاید کئی گھنٹے گزر گئے تھے۔

تب ہی طلال انکل نیند سے اٹھ کر نیچے لاؤنج میں آگئے اور ہمیں وہاں بیٹھا دیکھ کر حیرانی سے بولے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"ارے تم لوگ ابھی تک یہیں بیٹھی ہو کیا باتیں ہو رہی ہیں۔"

"کچھ نہیں انکل بس ایسے ہی اِدھر اُدھر کی باتیں تھیں میں آنٹی سے حشام کے بچپن کے قصے سن رہی تھی۔" میں نے کہا تو انکل ہنس پڑے اور بولے۔

"بھئی اچھی سی چائے پلواؤ تو میں کچن میں چائے بنانے چلی گئی۔آنٹی نے چائے ہاتھ میں لی اور اپنے کمرے میں چلی گئیں۔وہ بہت مطمئن دکھائی دے رہی تھیں۔

اور میں سوچ رہی تھی اب پتا چلا کہ حشام ایک انگریز ماں کے بیٹے ہیں جب ہی اتنے خوب صورت ہیں میں نے بارہا یہ بات سوچی تھی کہ حشام میں نہ تو طلال انکل کی مشابہت ہے اور نہ ہی آنٹی کی کتنی حیرت کی بات ہے کہ گورے چٹے حشام کو مجھ جیسی سانولی سلونی لڑکی پسند آئی وہ بار بار اس بات کا اظہار کرتا تھا کہ اسے میری جھیل جیسی گہری بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اور کالی گھٹاؤں جیسے بڑے بال پسند ہیں۔وہ منہ بنا کے کہتا۔"مجھے گوری لڑکیاں کبھی پسند نہیں آئیں مجھے تو شام کا سانولا پن پسند ہے برسات کے دنوں کی گہری سانولی شام۔"

اور میں چڑ کر اسے ایک مکا مارتی کہتی۔"صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم "کالی کلوٹی ہو۔" تو مزے سے کہتا۔"اچھا تمہیں یہ نام پسند ہے تو یہ رکھ دیتا ہوں اور میں مزید مکوں سے اس کی پٹائی کرتی اور وہ ایک دم سے میرے دونوں ہاتھ تھام لیتا اور خمار آلود سنجیدگی سے میری آنکھوں میں جھانک کر کہتا۔

"جانم تمہیں اپنے حسن جہاں سوز کا اندازہ ہی نہیں ہے۔میں تو اسی دن تمہاری ان جھیل جیسی آنکھوں میں ڈوب کر فنا ہو گیا تھا جس دن پہلی دفعہ تمہیں دیکھا تھا۔"

اور میں گھبرا کر اپنی نگاہیں نیچی کرلیتی اور اپنے اتھل پتھل ہوتے دل کو سنبھال کر منہ پھیر کر کہتی۔

"بکواس کرنا تو کوئی تم سے سیکھے۔"

"بکواس کی کیا بات ہے یار...! سارے رومانس کا بیڑہ غرق کردیتی ہو کبھی تو پیار سے بات کرلیا کرو۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں چائے کی پیالی ہاتھوں میں تھامے سوچوں میں گم بیٹھی تھی۔تب ہی انکل نے گلا کھنکھار کر مجھے اپنی جانب متوجہ کیا تو میں ہوش کی دنیا میں واپس آگئی۔

انکل بہت غور سے میری جانب دیکھ رہے تھے بولے۔"کیا سوچ رہی تھیں۔"

"کچھ بھی تو نہیں۔" میں نے اس طرح گھبرا کر جلدی سے جواب دیا جیسے انکل نے میری سوچ کو پڑھ لیا ہو۔پھر گھبرا کر کہا۔"وہ انکل... میں یہ سوچ رہی تھی کہ... ہاں... میں یہ سوچ رہی تھی کہ...!"

"حشام گھر کب آئے گا۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے میرا جملہ مکمل کردیا۔

"ہاں یہی تو۔" میں نے بلا سوچے کہا تو انکل زور سے ہنس پڑے ان کی آنکھوں میں اور ہنسی میں شرارت تھی۔میں بری طرح جھینپ گئی تو بولے۔

"میں اس حقیقت سے واقف ہوں کہ تم دونوں ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے ہو۔" میں نے انکل کی بات سن کر سر جھکا لیا میں بھلا اس بات کے جواب میں کیا کہتی اور نہ چاہتے ہوئے بھی غیر ارادی طور پر میرے منہ سے ایک جملہ پھسل پڑا۔

"انکل آپ بھی حشام سے بہت پیار کرتے ہیں؟"

"یس آف کورس ہی مائی سن۔" انہوں نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے فخریہ لہجے میں کہا۔ تو میں انہیں دیکھتی رہ گئی پچھلے دنوں جو حالت میں نے انکل کی دیکھتی تھی اسے دیکھ کر اس بات کو مان ہی نہیں سکتا کہ انکل طلال حشام کے والد نہیں ہے۔

"جی!" میں صرف اتنا کہہ سکی پھر اپنے احمقانہ سوال پر انہیں سوری کہا تو انہوں نے نرم مسکراہٹ کے سات "ڈونٹ وری۔" کہہ دیا۔

اچانک مجھے شمروز بھائی کے ساتھ صبح ہونے والی فون کی گفتگو یاد آگئی تو میں نے کہا۔

"انکل آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنا ہے اس کا تعلق حشام سے ہے کیا ہم اس وقت اس موضوع پر گفتگو کرسکتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے بات تو ہمیں کرنی ہے اس لیے ہم اسٹڈی میں چل کر بیٹھتے ہیں پھر اطمینان سے وہاں گفتگو کریں گے۔"

میں نے بھی انکل کے خیال سے اتفاق کیا اور ہم اوپر اسٹڈی روم میں چلے گئے جانے سے پہلے میں نے ان کے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو وہ سو رہی تھیں۔ان کی جانب سے اطمینان ہوا تو میں انکل کے پیچھے چل دی۔

"ہاں اب بتاؤ تم کیا کہنا چاہ رہی تھیں۔" انکل نے اپنی مخصوص چیئر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

تب میں نے انہیں شروع سے لے کر ساری بات بتادی جاوید کے ساتھ اس کے مووی کیمرے سے اسی روز والی ویڈیو کیسٹ کے نکالنے سے لے کر کرنل مشتاق کے حوالے کرنے تک اور پھر آج صبح شمروز بھائی کے ساتھ ہونے والی گفتگو بھی میں نے انکل کو بتادی۔

شمروز بھائی والی بات سن کر انکل نے بڑے پر جوش لہجے میں کہا۔"بیٹی اسے ابھی اور اسی وقت یہاں بلوالو' اگر اس کے لیے آنا ممکن ہو تو۔"

"ٹھیک ہے انکل میں بھی ان سے بات کرتی ہوں۔" میں نے شمروز بھائی کو کال کر کے پوچھا کہ کیا وہ حشام کے گھر آسکتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ آسکتا ہوں۔بلکہ میں تو خود یہ چاہ رہا تھا کہ طلال صاحب سے مل کر ان سے ساری

بات کروں اور کچھ دکھاؤں بھی' میں نے ساری تیاری کرلی ہے بس تمہیں میرا تھوڑا انتظار کرنا ہوگا۔ایک گھنٹہ لگے گا۔"

"ٹھیک ہے آپ اطمینان سے آجائیں میں اور انکل آپ کا انتظار کر رہے ہیں گھر میں سب ٹھیک ہے نا امی اماں اور بابا وغیرہ۔" جواب میں انہوں نے سب ٹھیک ہے کہا تو میں نے سوچا کہ امی سے ہی دو تین باتیں کرلوں۔پھر امی سے دو چار باتیں کیں پھر فون رکھ دیا' میں فون کر کے فارغ ہوئی تو انکل کسی سے فون پر بات کر رہے تھے۔فون بند کرنے کے بعد انہوں نے بتایا کہ وہ ڈاکٹر ذیشان سے بات کر رہے تھے۔انہوں نے حشام کی خیریت معلوم کی تھی۔

جواب میں ڈاکٹر ذیشان نے بتایا کہ حشام اب ٹھیک ہے۔حشام ان سے ناراض ہو رہا تھا کہ انہوں نے اس کا اصل ڈاکٹر بھگا کر اچھا نہیں کیا۔" آخری جملہ کہہ کر ہنس پڑے۔

"انکل پلیز مجھے تو بتا دیں کہ حشام کس پروجیکٹ پر کام کررہا تھا وہ کس کے خلاف ایسی کون سی رپورٹ بنا رہا تھا کہ اس کے ساتھ یہ سب ہوا۔"

میرا سوال سن کر انکل خاموش ہوگئے اور ایک گمبھیر سنجیدگی نے ان کے چہرے کا احاطہ کرلیا۔

انکل کی اتنی گمبھیر خاموشی دیکھ کر مجھے عجیب سی شرمندگی بھی ہو رہی تھی اور یہ احساس بھی کہ کیا وہ بات ایسی ہے کہ نہ تو حشام نے اس کو مجھ سے شیئر کیا اور نہ ہی اب انکل کچھ بتانا چاہ رہے ہیں۔میں بس خاموشی سے سرجھکائے اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی۔تب انکل نے بہت بھاری لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"سرمئی بیٹا حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بات بہت زیادہ کانفیڈینشل تھی اور اس بات کا علم سوائے میرے اور حشام کے کسی اور کو نہیں تھا تمہیں بھی اسی لیے نہیں بتایا کہ راز جب ہی تک راز رہتا ہے جب تک اپنے سینے میں محفوظ رہے زبان سے اگر ایک دفعہ بات نکل جائے تو وہ پرائی ہوجاتی ہے لیکن میں پہلے دن سے لے کر آج کے دن تک ایک یہی بات سوچ جا رہا ہوں کہ اسی معلقہ شخص کو اس بارے میں علم ہوا تو کس طرح کیا ایسا تو نہیں کہ حشام نے کسی دوسرے فرد سے اس بات کا ذکر کردیا ہو اور بالفرض اگر ایسا

ہے تو وہ شخص یقینا اس شخص کا آلۂ کار ہے۔یہ بات بھی بہت ممکن ہے کہ اس شخص کا تعلق تمہارے نیوز چینل کے ہی کسی فرد سے ہو جس کے ذریعے یہ بات اس شخص تک پہنچ گئی لیکن بس ایک بات اور سوچ رہا ہوں کہ حشام جس شخص کے بارے میں یہ رپورٹ تیار کر رہا تھا۔وہ پاکستان میں ہوتا ہی نہیں ہے بلکہ بہت کم کم ہی آتا ہے۔" وہ بہت پر سوچ انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔

انکل کی اتنی ساری گفتگو کے بعد بھی مجھے اپنے سوال کا جواب نہ مل سکا اور میری الجھن بر قرار رہی۔تب میں نے ایک بار پھر پوچھا۔

"انکل مجھے میرے سوال کا جواب ابھی تک نہیں ملا ہے آخر وہ رپورٹ کیا تھی اور کس کے لیے تھی۔"

"اوہ ہاں۔" انکل نے گہری سوچوں سے باہر نکل کر چونک کر کہا۔"وہ ایک خفیہ رپورٹ تھی اور حشام ایک خفیہ ایجنسی کے ساتھ مل کر اسے مرتب کر رہا تھا۔وہ ملک دشمن عناصر کے خلاف رپورٹ تھی کچھ لوگ انڈیا کی بدنام زمانہ تنظیم "را" کے ساتھ مل کر پاکستان میں ایک بہت بڑی دہشت گردی کا پلان

بنا رہے ہیں۔پاکستان میں ان کے آلہ کار لوگ ہیں۔جنہیں ان لوگوں نے ساتھ ملا رکھا ہے۔یہ بات بھی معلوم ہوئی تھی کہ وہ لوگ ایسی دہشت گردی کا ارادہ رکھتے ہیں جس کے برپا ہونے کے بعد اس کا الزام پاکستانی عوام ایک دوسرے پر ہی لگائیں گے۔"

"اوہ مائی گاڈ۔" حشام اتنی اہم رپورٹ بنا رہا تھا تو انکل آپ کو کم از کم اس کی سیکیورٹی کا خیال تو رکھنا ہی چاہیے تھا۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"ایسا سوچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔میرے خیال میں اس بات کا کسی کو علم ہی نہیں تھا۔" انکل نے کہا تو میرے دماغ میں ایک روشنی کا جھماکا سا ہوا اور میں نے بہت ایکسائٹڈ ہو کر کہا۔

"انکل میں نے پہچان لیا ہے کہ حشام نے چینل پر کس سے اس بات کا ذکر کیا ہوگا۔"

"کس سے؟" انکل بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتی کال بیل بجنے لگی۔

"ارے یہ کال بیل کس نے بجائی ہے۔ گیٹ پر موجود گارڈ کہاں ہے۔" انکل نے حیرت سے کہا۔ کیونکہ جب بھی کوئی ملنے والا آتا ہے وہ کال بیل نہیں بجاتا بلکہ گارڈ انٹر کام پر گھر پر اطلاع دیتا ہے کہ فلاں شخص آیا ہے پھر اندر سے جو بھی جواب اسے ملتا وہ اسی طرح کرتا تھا یا تو آنے والے کو اندر بھیج دیتا یا پھر اگر اس کا مطلوبہ شخص گھر پر نہیں ہوتا تو وہ باہر ہی سے منع کردیتا تھا کال بیل بجنے کا مطلب یہ تھا کہ گیٹ پر گارڈ موجود نہیں ہے۔

انکل تیزی سے اسٹڈی روم کی کھڑکی کی جانب بڑھے جس کا رخ گیٹ کی جانب کھلتا تھا۔ یہ اسٹڈی روم اوپر کی منزل پر تھا۔ انہوں نے کھڑکی کھول کر دیکھا تو گارڈ اپنی جگہ موجود تھا میں بھی

انکل کے پیچھے پیچھے چلی آئی انکل نے گارڈ کو آواز دی۔

"حضور بخش کون ہے؟"

"سر میں انٹر کام بجا رہا تھا کسی نے ریسیو نہیں کیا تو میں نے کال بیل بجا دی۔ ایک صاحب آئے ہیں اور آپ سے ملنا چاہ رہے ہیں۔" حضور بخش نے جواب دیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اور تب ہی شمروز بھائی کی کال میرے موبائل پر آئی میں نے ریسیو کا بٹن پش کیا ہی تھا کہ شمروز بھائی کی آواز سنائی دی۔

"کہاں ہو گڑیا' میں اتنی دیر سے گیٹ پر کھڑا ہوں اندر سے کوئی رسپونس ہی نہیں مل رہا' میں تو پریشان ہی ہو گیا تھا۔"

"سوری شمروز بھائی۔" کہہ کر میں نے فون بند کیا اور کہا۔"انکل شمروز بھائی ہیں۔" تب انکل نے حضور بخش سے کہا کہ انہیں اندر آنے دو اور میں یہ کہتی ہوئی تیزی سے نیچے چلی گئی کہ میں شمروز بھائی کو لے کر آتی ہوں۔

نیچے آئی تو آنٹی بھی بے دار ہوچکی تھی اور ملازمہ نے دوپہر کا کھانا تیار ہونے کی خبر سنائی تو فی الحال میں نے شمروز بھائی کو نیچے ڈرائنگ روم میں ہی بٹھا دیا اور انکل کو نیچے ہی بلوالیا۔

شمروز بھائی نے اپنا حلیہ تبدیل کیا ہوا تھا۔ انہیں ایسا کرنا ہی چاہیے تھا۔ گھر کے اندر آکر بھی انہوں نے ملازموں کی وجہ سے اس حلیے میں رہنا مناسب سمجھا۔

انکل اور شمروز بھائی پہلے بھی ایک مرتبہ مل چکے تھے اس لیے مجھے تعارف کروانے کی زحمت نہیں کرنی پڑی۔ میں نے کہا۔ "پہلے کھانا کھا لیا جائے۔" تو انکل نے میرے خیال کی تائید کی اور ہم نے ایک خوش گوار ماحول میں ہلکی پھلکی گفتگو کے درمیان کھانا کھایا کیونکہ یہاں ملازم گھوم رہے تھے۔ ہم اس وقت بہت زیادہ محتاط تھے اور کوئی رسک لینا نہیں چاہتے تھے حد یہ کہ ہم شمروز بھائی کا نام لے کر بھی انہیں مخاطب نہیں کر رہے تھے کھانے کے بعد چائے پی کر فارغ ہوئے تو انکل نے شمروز بھائی سے کہا۔

"آئیے جناب میں آپ کو اپنی لائبریری دکھاتا ہوں اس کے لیے آپ کو میرے ساتھ اوپر چلنا ہوگا۔"

"انکل میں آؤں۔" میں نے کہا۔

"تم کہاں جا رہی ہو' انہیں جانے دو تم میرے پاس بیٹھو۔" آنٹی نے میرا تھام کر کہا تو میں بے چارگی سے انکل کی جانب دیکھنے لگی۔

انکل میری التجا کو سمجھ گئے اور بولے۔

"ابھی آجاتی ہے ماریہ' دراصل کچھ کتابوں کے بارے میں سرمئی ہی زیادہ جانتی ہے۔ بہت دنوں بعد تو ہماری علمی محفل جمے گی۔ تم تھوڑا اور آرام کرلو۔" پھر انہوں نے مجھے مخاطب کیا اور بولی۔ "آجاؤ بیٹی تم بھی آجاؤ۔" تو میں نے آنٹی کا ہاتھ تھام کر محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"دراصل میں چاہتی ہوں کہ انکل ذہنی طور پر ریلیکس ہوجائیں بس ابھی تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔" تو انہوں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تو میں تیزی سے اوپر بھاگی۔ کیونکہ انکل اور شمروز بھائی اوپر جا چکے تھے۔

انکل کے اشارے پر میں نے اسٹڈی روم کا دروازہ بند کردیا اور ان لوگوں کے پاس آکر بیٹھ گئی تب انکل سے شمروز بھائی سے کہا کہ وہ اب بتائیں کہ وہ کیا بتانا چاہتے ہیں جواب میں شمروز بھائی نے میرے باپ نواب سطوت کے پاس آنے والے اس شخص اور اس سے ہونے والی گفتگو سنا دی۔ ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی بتایا کہ نہ جانے ان دونوں کی گفتگو سن کر مجھے ایسا لگا جیسے یہ لوگ جس جرنلسٹ لڑکے اور لڑکی کا ذکر کر رہے ہیں وہ حشام اور سرمئی ہی ہوسکتے۔ کیونکہ وہ شخص اس بات کا اعتراف کر رہا تھا کہ وہ اس جرنلسٹ کو

موت کے گھاٹ اتارنے میں ناکام رہا ہے۔میری چھٹی حس نے فوراً مجھے ہوشیار کردیا اور میں نے اس شخص کی تصویر اپنے موبائل میں اتارلی۔

”گڈ۔“ شمروز بھائی کی ساری بات سن کر انکل کی آنکھوں میں چمک آگئی اور انہوں نے فورا کہا۔

”تم مجھے وہ تصویر دکھا سکتے ہو۔“

”جی ہاں۔“ یہ کہہ کر شمروز بھائی نے اپنے موبائل میں ہمیں اس شخص کی تصویر دکھائی اس تصویر کو دیکھ کر چونک پڑے اور ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔

”کیا ہوا‘ کیا آپ لوگ اس شخص کو جانتے ہیں۔“ شمروز بھائی نے باری باری میری اور انکل کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا تو انکل نے گہری سنجیدگی میں ڈوبتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔میں خاموشی سے انکل کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی اور انتظار کر رہی تھی کہ آیا انکل بھی اس شخص کو اس حیثیت سے جانتے ہیں جیسا کہ میں اسے جانتی ہوں۔

”کون ہے یہ؟“ شمروز بھائی نے پوچھا تو انکل بولے۔

”میں بہت اچھی طرح سے تو واقف نہیں ہوں لیکن میرا خیال ہے...!“ یہ کہہ کر انکل رک گئے اور اٹھ کر چند قدم چلے وہ کچھ سوچ رہے تھے پھر ہماری جانب مڑتے ہوئے بولے۔

”مجھے بہت سال پہلے اس شخص کی دیکھی ہوئی ایک تصویر یاد آگئی۔یہ شخص چار بندوں کے قتل کے کیس کے سلسلے میں پولیس کو مطلوب تھا پھر یہ کہیں فرار ہوکر روپوش ہوگیا اور پولیس نے تھک کر یہ کیس فائلوں میں بند کر کے داخل دفتر کردیا۔

میں یہ سوچ رہا ہوں اور یہ بات بہت اہم ہے کہ اس شخص کا نواب سطوت سے کیا تعلق ہے کیا یہ شخص نواب سطوت کے لیے کام کرتا ہے اس کا پالتو غنڈہ ہے اور نواب سطوت نے ہی اسے پناہ دی ہوئی ہے اور نواب سطوت ہی کی وجہ سے اس کا کیس دبا دیا گیا۔دوسری اور اہم بات جو میں سمجھ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ کیا نواب سطوت ہی وہ شخص ہے جس کے اشارے پر حشام کو مارنے کی کوشش کی گئی ہے۔“

انکل کی بات سن کر میرا دماغ بھک سے اڑ گیا اور میرے اوپر شدید ہیجانی کیفیت طاری ہوگئی۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں ابھی جا کر اس موذی کا گریبان پکڑوں اور اس سے پوچھوں کہ بتا اے ظالم شخص میں نے اس دنیا میں آکر ایسا کون سا بڑا گناہ کردیا ہے کہ مجھ سے تیری دشمنی کا سلسلہ ختم ہی نہیں ہو رہا ہے۔ ان تمام سوچوں کے ساتھ ایک بہت ہی تکلیف دہ سوال کسی زہریلے ناگ کے پھن کی مانند میرے سامنے سر اٹھا کر کھڑا ہوگیا کہ کیا میرا باپ ہی وہ شخص ہے جس کے ”را“ والوں کے ساتھ تعلقات ہیں اور وہ اتنی دولت ہونے کے باوجود صرف چند سکوں کی خاطر اپنے ملک اور ملک میں بسنے والے کروڑوں لوگوں کی جان اور عزت کا سودا کر بیٹھا ہے۔

شدت جذبات سے میرا چہرہ سرخ ہوگیا اور میرا جسم ہولے ہولے کانپنے لگا۔ انکل نے میری یہ حالت دیکھی تو میرے قریب آئے اور تسلی کے انداز میں میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

”خود پر قابو رکھو بیٹی... ہوسکتا ہے ایسا نہ ہو جیسا میں اندازہ لگا رہا ہوں۔ ابھی ہم حتمی طور پر اس سلسلے میں کسی کا نام نہیں لے سکتے ابھی تو بہت کچھ معلوم ہونا باقی ہے۔“

”معلوم کرنے کے لیے باقی اور کیا رہ گیا ہے انکل... شمروز بھائی کی اس گفتگو سے یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔“ میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تو شمروز بھائی نے انکل کی بات کی تائید کی اور مجھے سمجھانے لگے اچانک ایک خیال بجلی کی مانند میرے دماغ میں آیا اور میں نے اضطراری لہجے میں کہا۔

”انکل کیوں نہ ہم اس ویڈیو کو ایک بار پھر غور سے دیکھیں جس میں اس شخص کا چہرہ آیا ہے جس نے حشام پر فائر کیا ہے اگر یہ دونوں ایک ہی آدمی ہیں پھر تو ساری بات آئینے کی مانند صاف ہوجائے گی۔“

”ہاں یہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن وہ ویڈیو تو کرنل مشتاق کے پاس ہے۔“

انکل نے کہا پھر شمروز بھائی سے کہا۔

”شمروز تم اس شخص کی یہ تصویر مجھے دے دو اور اپنے موبائل سے ڈیلیٹ کردو۔“ پھر انکل نے شمروز بھائی کے موبائل سے وہ تصویر اپنے موبائل میں

منتقل کرلی اور پھر اسے ایک یو ایس بی میں سیف کر کے اپنے موبائل سے بھی ڈیلیٹ کردی اور ہم سے کہا کہ وہ اس تصویر کو کرنل مشتاق کے حوالے کردیں گے۔

بعد میں شمروز بھائی نے ہمیں نواب سطوت کی روحانی محفل کے بارے میں بھی بتایا اور یہ بھی بتایا کہ اس کے پاس کوئی غیر ملکی کسی ضروری کام کے سلسلے میں آیا ہوا ہے جو سرجانی میں قائم اس کے روحانی سینٹر میں ہی قیام پذیر ہے۔یہ بات بھی ممکن ہے کہ حشام پر فائرنگ کروانے والا شخص وہی ہو' نواب سطوت ابھی اپنے روحانی سینٹر میں ہی ہے کلفٹن والی کوٹھی میں واپس نہیں آیا ہے۔وہ شخص کون ہے نہ تو میں نے اسے دیکھا ہے اور نہ ہی میں اس کے بارے میں کچھ بھی جانتا ہوں۔

شمروز بھائی کی بات سن کر ہم ایک دوسرے زاویے سے اس بات کو دیکھنے لگے۔شمروز بھائی نے مزید ہماری راہ نمائی کرتے ہوئے بتایا۔

"نواب سطوت اصل میں لوگوں کا روحانی پیشوا ہے وہ لوگوں کے بڑے بڑے کام بڑی بڑی رقمیں لے کر کرتا ہے۔جو لوگ اسے اپنا روحانی پیشوا مانتے ہیں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

وہ یہ سمجھتے ہیں کہ نواب اپنے روحانی علوم کے ذریعے ان کے یہ کام کرتا ہے۔جبکہ میرے خیال میں حقیقت تو یہ ہے کہ وہ لوگوں کے کام اپنے بندوں کے ذریعے کرواتا ہے۔لوگوں کے کام ہوجاتے ہیں اور ان کے دلوں میں اس کی عقیدت مزید بڑھ جاتی ہے۔"

پھر ہم دیر تک اس موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ساری گفتگو کو سامنے رکھ کر اس کا ہر پہلو سے جائزہ لیتے رہے اور کوئی حقیقی نتیجہ نکالنے کی کوشش کرتے رہے۔بعد میں شمروز بھائی نے مجھے بتایا کہ جب میری بھیجی ہوئی ای میل نواب سطوت نے پڑھی تو اس کا ری ایکشن کیا ہوا تھا اور اس نے شمروز بھائی کے ذمہ کون سی ڈیوٹی لگادی ہے۔یہ سب سن کر میرے دل و دماغ کی تپش کچھ کم ہوئی۔

"اب آپ کہاں جائیں گے بھائی۔" میں نے ساری گفتگو کے اختتام پر ان سے پوچھا۔

"پتا نہیں گڑیا۔" انہوں نے گہری اداسی سے کہا۔"میرا اپنا تو کوئی گھر نہیں ہے لے دے کر ایک ہی ٹھکانہ ہے نواب سطوت کی کوٹھی۔وہیں چلا جاؤں گا'

سوچ رہا ہوں کہ نواب کے نزدیک ہی رہوں تاکہ مزید معلومات مل سکے۔ ابھی تو اس کی محفل میں شرکت کرنے کے بعد اس سے ملاقات ہی نہیں ہوئی ہے۔ ملاقات ہوگی تو اس کی بہت زیادہ تعریف بھی تو کرنا ہے اور اپنی بے پناہ عقیدت اور احترام کا اظہار بھی کرنا ہے۔"

"ہاں یہی مناسب ہے' میرا خیال ہے کہ تمہیں زیادہ سے زیادہ اس کے نزدیک رہ کر بہت سی اہم معلومات حاصل کرنی ہیں اور وہ ہم تک پہنچانی ہیں اس کے بعد جب تم اس کی اجازت لے کر اس کے بچوں کی تلاش میں نکول تو میرے پاس آجانا میں تمہیں کرنل مشتاق کی تحویل میں دے دوں گا۔ میرا خیال ہے کہ تمہارے جیسے بندوں کو کمانڈو کی تربیت لینی چاہیے۔"

"ہاں ہاں یہ بالکل ٹھیک ہے۔" میں نے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا تو شمروز بھائی کی آنکھوں میں انکل کے لیے ڈھیروں تشکر کے جذبات تھے۔

شمروز بھائی جب ہمارے پاس سے اٹھ کر گئے تو رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ فی الحال کلفٹن ہی جا رہے ہیں۔ پھر انہوں نے مجھ سے وعدہ لیا کہ جیسے ہی حشام کو آئی سی یو سے روم میں شفٹ کردیا جائے گا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں انہیں فون کر کے بتادوں گا اور پھر اپنے ساتھ حشام سے ملوانے کے لیے لے جاؤں گی۔

انکل رخصت ہوئے تو میں اور انکل بھی نیچے جانے لگے۔ لیکن پھر انکل کچھ سوچ کر وہیں رک گئے اور مجھ سے کہا کہ نیچے آنٹی کے پاس جاؤں انہیں یہاں کچھ کام ہے میں سمجھ گئی کہ انکل اس شخص کے بارے میں جس کی تصویر انہوں نے شمروز بھائی سے لی تھی مزید چھان بین کریں گے۔ مزید اس کے بارے میں معلومات کریں گے۔ انکل کے اسٹڈی روم سے ملحق ایک بہت بڑا ہال تھا۔ جہاں ان کی لائبریری تھی اور وہاں برسوں پرانے اخبارات اور اہم خبروں کا بہت نادر ذخیرہ تھا۔

نیچے آئی تو آنٹی مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ مجھے دیکھا تو مسکراتے ہوئے تسبیح رکھ دی اور میرے چہرے پر پھونک مار دی اور بولیں۔

"فارغ کردیا تمہارے انکل نے' توبہ ہے میری بیٹی پر قبضہ ہی کرکے بیٹھ جاتے ہیں میں یہ دعا کر رہی تھی کہ اللہ کرے میرا حشام جلد از جلد صحت

یاب ہو کر گھر آجائے اور بس تمہیں اپنے حشام کی دلہن بنا کر اپنے گھر لے آؤں۔شکر ہے اللہ کا کہ تم آگئی ہو' ورنہ تو اس گھر کی تنہائی مجھے ہڑپ ہی کر جائے۔"

"آپ کی ساری دعاؤں کے لیے میں یہ دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ جلدی سے آپ کی ساری دعائیں قبول کرے آمین۔" میں نے شرما کر کہا اور آنٹی کی بانہوں میں منہ چھپا لیا۔

...☆☆☆...

طلال صاحب کے گھر سے میں باہر آیا تو میرے ذہن میں بہت سی سوچیں تھیں اور مجھے اس بات کا کامل یقین تھا کہ حشام کو گولی مارنے کا حکم نواب سطوت ہی کا دیا ہوا تھا اور مجھے اس بات کا بھی یقین تھا کہ یقینا نواب نے یہ کام ضرور کسی کے کہنے پر کیا ہے۔اب وہ شخص کون ہے' کیا یہ شخص وہی ہے جو نواب کے پاس آیا ہے یا پھر کوئی اور ہے۔اپنے اس سوال کا جواب مجھے تلاش کرنا تھا۔

میں چونکہ نواب کی کوٹھی جا رہا تھا اس لیے سوچ رہا تھا کہ کوئی سنسان سی جگہ دیکھ کر گاڑی روک لوں اور اپنے چہرے کے میک اب سے نجات حاصل کر لوں۔

پھر ایک جگہ پیٹرول پمپ سے آگے جھاڑیوں کے پاس مجھے قدرے اندھیری گلی ملی تو میں نے اپنے چہرے پر لگی تمام مصنوعی چیزیں اتار دیں اور اپنی اصل شکل میں آگیا اس وقت میڈم روزی کی کال میرے موبائل فون پر آگئی۔پانچ منٹ اس سے علیک سلیک کی وہ مجھ سے ایک بار پھر ملنا چاہ رہی تھی۔اس نے مجھے بتایا کہ اسے مجھ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔

"فی الحال تو میں مصروف ہوں اگر مناسب سمجھو تو بتا دو۔"

"ہاں تو فارغ ہوجاؤ تب آجانا' وہ بات ایسی نہیں ہے کہ میں تمہیں فون پر بتاؤں' اطمینان سے بیٹھ کر کرنے کی ہے۔" اس نے نارمل انداز میں کہا۔

"پھر بھی کچھ تو بتاؤ۔" میں نے پر تجسس لہجے میں کہا۔

"کہا تو ہے' اطمینان سے کرنے کی ہے اگر صبر نہیں ہو رہا ہے تو ابھی آجاؤ۔" اس نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔"تمہارے ہی متعلق ہے۔"

"اچھا یہ بات ہے تو میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔تم انتظار کرو۔" میں نے کہا۔

"رات کو تو رکو گے نا' میں تیار ہوجاؤں۔" اس نے پھر شرارت سے بھرے لہجے میں کہااور ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

"سچ سچ بتاؤ روزی تم سنجیدگی سے کہہ رہی ہو نا۔"

"تم کس بات کے لیے کہہ رہے ہو کہ میں سنجیدہ ہوں رات کو رکنے کے لیے یا پھر تیار ہونے کے لیے۔" وہ مسلسل شرارت کر رہی تھی۔

"کیا بات ہے روزی۔آج تمہارا موڈ بہت خوش گوار ہے۔بہت شوخ ہو رہی ہو۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا تو وہ سنجیدہ ہوگئی۔

"ارے یار کیا ہمیں خوش ہونے کا بھی حق نہیں ہے جس کو تمہارے جیسے پیارے شخص کی دوستی کا ساتھ مل جائے تو وہ خوش بھی نہ ہو۔"

"اچھا یہ بات ہے۔" میں نے کہا اور ہنس دیا پھر کہا۔"محترمہ میں نے جو بات سنجیدگی سے پوچھی تھی وہ یہ تھی کہ کیا واقعی میرے حوالے سے کوئی اہم بات کرنی ہے۔"

"ہاں' ہاں سب مذاق چھوڑو' مجھے واقعی تم سے ایک اہم بات کرنی ہے تمہیں جب بھی ٹائم ملے میرے پاس آنا۔تب ہم اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں گے۔" اس نے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں ابھی آرہا ہوں۔" میں نے آمادگی ظاہر کی تو وہ ایک بار پھر شرارت سے ہنستے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے میں تیار ہوجاتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے تیار ہوجاؤ' ذرا ہم بھی تو دیکھیں تمہاری تیاریاں۔" میں نے جواباً کہا۔

"سوچ لو' میری تیاریاں بہت خطرناک ہوتی ہیں اور بندے کا استقبال اس سے زیادہ خطرناک۔" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا میں اس کے جملے میں چھپے مطلب کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا اس لیے انجان بنتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے کیا آتشیں اسلحہ کے ساتھ استقبال کرو گی۔"

"ارے جان ہمارے حسن سے زیادہ آتش میں بھی طاقت نہیں ہے یہ تو لمحہ بھی نہیں لگاتا اور بندہ نگاہ ڈالتے ہی خاکستر ہوجاتا ہے۔"

"شٹ اپ۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔"آئی جسٹ کم انگ۔" اور فون بند کردیا۔

پھر میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور ڈیفنس روزی کے فلیٹ کی جانب چل دیا۔ میں کلفٹن تو جا ہی رہا تھا اب میری سوچ کا رخ میڈم روزی کی جانب ہو گیا اور میں سوچنے لگا کہ یقینا کوئی بہت ہی خاص بات ہوگی جو اس نے کال کر کے مجھے بلایا ہے اور میں نے اس کی جانب جانے کا ارادہ اس لیے بھی کرلیا کہ نواب اگر ابھی نہیں آیا تو مجھے فارغ بیٹھ کر اس کا انتظار ہی کرنا تھا۔ اچانک ہی مجھے یاد آیا کہ نواب تو پاکستان میں ہے ہی نہیں وہ تو دبئی چلا گیا ہے اس خیال کے آتے ہی میرے اندر ایک اطمینان اور بے فکری سی اتر ائی۔

میں ان ہی سوچوں کے ساتھ گاڑی اڑاتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ اچانک ٹریفک سگنل ریڈ ہو گیا اور مجھے گاڑی کو بریک لگانے پڑے میں بے خیالی میں اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑانے لگا۔دوسری گاڑیاں بھی میرے دائیں بائیں آکر رکنے لگی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں نے دیکھا کہ ایک گاڑی میرے برابر میں آکر رکی وہ ایک ٹیکسی تھی۔ ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر کوئی خاتون تنہا بیٹھی تھی۔جو کھڑکی جانب منہ کیے باہر دیکھ رہی تھی۔اس خاتون پر میری نگاہ پڑی تو میرے دل کی دھڑکن کئی گناہ بڑھ گئی اور میرا شدت سے جی چاہا کہ اسے پکاروں میں نے اسے آواز دینی چاہی تو آواز میرے حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔وہ کسی گہری سوچ میں گم کھڑکی سے باہر دیکھے جا رہی تھی۔اس کے براؤن بال اڑ اڑ کر اس کے رخساروں کو چوم رہے تھے۔

پھر سگنل کی گرین لائٹ آن ہو گئی اور ٹریفک دوبارہ سے رواں ہو گیا۔وہ ٹیکسی بھی ٹریفک کے اس سیلاب میں بہنے لگی۔میں ایسا گم صم اور ہکا بکا بیٹھا تھا کہ گاڑی کو آگے نہ بڑھا سکا۔پیچھے رکی ہوئی ٹریفک نے زور زور سے ہارن بجا کر جسے گاڑی آگے بڑھانے کا اشارہ دیا تو میں جیسے ہوش میں آگیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

سوچنے سمجھنے کی جیسے ساری صلاحیتیں مفلوج ہو گئی تھیں۔میں بس گاڑی بھگائے جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد مجھے احساس ہوا کہ غیر ارادی طور پر میں اس ٹیکسی کا پیچھا کر رہا ہوں اور پھر اس بات کا احساس ہوتے ہی میں شعوری طور پر اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا ٹیکسی کا رخ کلفٹن کی جانب تھا وہ سی سائیڈ کی جانب جا رہی تھی اور جیسا میں نے سمجھا تھا ویسا ہی ہوا۔

ٹیکسی سمندر کے ساتھ ساتھ ملحق سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ایک مقام پر جب لوگوں کا رش نہ ہونے کے برابر تھا ٹیکسی رک گئی اور وہ اس سے اتر کر نیچے سمندر کی گیلی ریت پر جا کر چہل قدمی کرنے لگی۔

میں کنارے پر کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر میں بھی نیچے اتر کر اس کی جانب چل دیا۔

سمندر کے کنارے پر کھڑا میں بہت دیر تک اسے دیکھتا رہا وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی اور اس کے چہرے پر گہری اداسی اور غم و الم چھایا ہوا تھا۔

پھر میرا دل نہ مانا تو میں بھی باؤنڈری پار کر کے پتھروں سے اترتا ہوا سمندر کی گیلی ریت پر اتر آیا۔میں جیبوں میں ہاتھ ڈالے آہستہ آہستہ اس کی جانب

بڑھتا گیا حد یہ کہ میں اس کے بالکل نزدیک پہنچ گیا اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا لیکن وہ اپنے خیالات کے ہجوم میں کچھ اس طرح گھری ہوئی تھی کہ اس نے میری آہٹ یا میری آمد کو قطعی محسوس نہیں کیا۔

اس نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے ہوئے تھے۔سمندر کی تیز ہَوائیں اس کے بالوں کو اڑا رہی تھیں۔ہیئر کیچر میں مقید اس کے بالوں کو شدید ہَواؤں نے بکھیر دیا تھا زلفیں بار بار اس کے رخساروں کو چوم رہی تھیں لیکن اسے ان کی کوئی پروا نہیں تھی۔میرا شدت سے جی چاہا کہ میں اس کی ان شریر لٹوں کو اپنے ہاتھوں سے سنواروں پہلے جب کبھی اس کی زلفیں اس کے رخساروں کا بوسہ لیتی تھیں تو میں بے ساختہ اپنے ہاتھ سے انہیں اس کے کانوں کے پیچھے کرتے ہوئے کہتا۔

”بھئی یہ کام تو میرا ہے تم کیوں گستاخی کر رہی ہو۔اس حسن کو خراج تحسین پیش کرنا میرے لبوں کا حق ہے۔“

”خبردار جو ایسی گستاخی کی بھی کوشش کی۔“ وہ کھلکھلاتی ہوئی پیچھے ہٹ جاتی۔

"پلیز یار صرف ایک بار۔" میں التجا کرتا۔

"اوں ہو۔" وہ شوخی سے ہنستے ہوئے سرہلاتی۔"پہلے پکا اجازت نامہ حاصل کریں پھر اس سارے حسن کے مالک آپ ہوں گے۔"

"اگر کہو تو ابھی اجازت نامہ حاصل کرلوں لیکن وہ جو تمہارے محترم ابا جان ہیں ناں راجہ صاحب وہی تو میری جان کو ہٹلر بنے ہوئے ہیں۔اب بتاؤ میں کیا کروں۔" میں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں شاہو یہی بات تو میں سوچتی ہوں کہ ڈیڈ کو کس طرح مناؤں ان کی نگاہوں میں بقول ان کے ایک پھٹیچر ڈاکٹر کی کوئی ویلیو نہیں ہے انہیں تو بے پناہ دولت مند لوگ ہی بھاتے ہیں لیکن شاہو میں نے بھی انہیں صاف صاف بتا دیا ہے کہ اگر میں شادی کروں گی تو تم ہی سے' ورنہ اپنی جان دے دوں گی۔" اس نے ہنستے ہنستے گہری سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ لیا اور بے ساختہ میری بانہوں میں سمٹ آئی۔

میری مذاق میں کہی ہوئی بات کو بھی وہ سنجیدگی سے لیتی اور مجھ سے ایک فاصلہ قائم رکھتی۔

لیکن ہماری آخری ملاقات میں وہ خود اپنے ضبط کے سارے بندھن توڑ بیٹھی تھی۔اس نے میرے سینے سے ہٹ کر میرے چہرے کے کئی بوسے لیے تھے اور اس کی زبان پر ایک ہی جملہ تھا۔

"شاہو یہاں سے فوراً کہیں روپوش ہوجاؤ' ڈیڈی تمہاری جان کے دشمن ہو رہے ہیں۔ابھی میں نے خود ان کی اور انکل شیر افضل کی گفتگو سنی ہے وہ تمہیں میرا رشتا کبھی نہیں دیں گے بلکہ بہانے سے موت کا تحفہ دیں گے۔مجھے بھول جانے کی کوشش کرنا یوں سمجھنا ہم کبھی ملے ہی نہیں تھے۔ہم زندگی میں نہیں ملے تو کیا میں یہ سوچ کر جی لوں گی کہ تم جہاں بھی ہو' زندہ تو ہو۔

اور آج اتنے سالوں کے بعد یہاں کراچی میں اسے دیکھ رہا تھا۔وہ تنہا ایک ٹیکسی میں کیوں آئی ہے۔

پھر میں نے اسے پکار ہی لیا۔"مہوش۔"

حالانکہ میں نے بہت دھیمی آواز میں اسے پکارا تھا لیکن میری صدا نے اس کی سماعت میں ہلچل سی مچا دی اور وہ بری طرح چونک پڑی۔اس کی نگاہ جب

میرے اوپر پڑی تو اس کی آنکھوں میں اجنبیت تھی۔آنکھوں سے چھلکتی اجنبیت دیکھ کر مجھے شاک سا لگا لیکن میں فوراً سنبھل گیا چوں کہ میں میک اپ میں تھا اس لیے ان کا انداز درست تھا۔

مہوش یہ میں ہوں تمہارا ڈاکٹر شاہ زماں' اس کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری جانب دیکھ رہی تھی۔اس کے گلاب جیسے لب تھرتھرانے لگے۔جھیل جیسی آنکھوں میں نمکین پانی ہلکورے لینے لگا۔

اس کا کپکپاتا ہوا ہاتھ اٹھا اور میری جانب اشارہ کرتے ہوئے اس نے سرگوشی کی۔

”شاہو...' تت... تم زندہ ہو...؟“

شدت جذبات سے ڈھیر سارے آنسوؤں کا گولہ میرے حلق میں آکر اٹک گیا اور میں محض سر ہلا کے رہ گیا۔

”تم شاہو ہی ہو نا یا میرے اللہ“ اس نے اپنا سر آسمان کی جانب اٹھایا اور بولی۔”تم سچ مچ زندہ ہو' یا میں ہمیشہ کی طرح کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔تم آج بھی میرے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

خوابوں میں آتے ہو اور مجھ سے یہی کہتے ہو کہ مہوش میں زندہ ہوں۔“ اس کے آنسو تیزی سے بہتے ہوئے اس کا چہرہ بھگو رہے تھے۔

”میں زندہ ہوں مہوش' ہاں یہ میری بد نصیبی ہے کہ اپنے پیاروں کو کھو دینے کے بعد بھی میں زندہ ہوں بلکہ ڈھٹائی کے ساتھ جئے جا رہا ہوں۔“ ہم نے ایک دوسرے کے ہاتھوں کو تھام لیا ہم رو بھی رہے تھے اور ہنس بھی رہے تھے۔

”تم یہاں کراچی میں کیسے؟ اور یوں تنہا ایک ٹیکسی میں۔“ میں نے پوچھا۔

”اس کو چھوڑو مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کیا قصہ تھا ٹی وی اور اخبارات میں ٹرین کے حادثے میں مرنے والے جن لوگوں کے نام اور تصاویر دکھائی گئی تھیں ان میں تمہارا نام اور تصویر بھی شامل تھی لیکن اللہ کا شکر ہے کہ میں تمہیں آج ایک بار پھر اپنے سامنے زندہ سلامت دیکھ رہی ہوں۔“ مہوش نے ہیجانی کیفیت میں کہا۔

”یہ طریقہ بھی میں نے ہی اپنایا تھا۔میرے ساتھ ایک بندہ بیٹھا تھا ٹرین کے حادثے میں اس کی ڈیتھ ہوگئی تھی جبکہ مجھے معمولی چوٹیں آئی تھیں میرے

دماغ میں ایک ترکیب آئی اور اپنے دشمنوں کے اطمینان کے لیے میں نے یہ کام کیا کہ اپنا شناختی کارڈ اور پرس اس کی جیب میں رکھ دیا اور اس کی چیزیں اپنے قبضے میں لے لیں۔بس اسے اپنی خوش نصیبی ہی کہوں گا کہ اس شخص کا چہرہ کچل کر مسخ ہو گیا تھا ور نا قابل شناخت تھا اسی لیے میرے ذہن میں ایسا کرنے کا خیال آیا۔" میں نے کہا۔

"تم نے ایسا کرتے ہوئے ایک بار بھی یہ نہیں سوچا کہ جب میں یہ خبر سنوں گی تو میرا کیا حال ہو گا۔" مہوش نے میرے ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

کچھ لوگ ہمارے قریب سے گزرتے ہوئے ہمیں اس طرح کھڑے دیکھ کر ہم پر آوازیں کستے ہوئے چلے گئے تب میں نے سے کہا۔

"مہوش کیا ایسا ممکن ہے کہ ہم کہیں اطمینان سے بیٹھ کر بات کرسکیں۔یہاں اتنے لوگ آجا رہے ہیں اور ہمیں عجیب عجیب سی نگاہوں سے بھی دیکھ رہے ہیں۔"

"ہاں... اس نے ایک بار پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے میرے ہاتھوں کو چھوڑ دیا۔

"کہاں چلیں۔"

"کسی ریسٹورنٹ میں بیٹھتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے وہ جو سامنے دکھائی دے رہا ہے وہیں چل کر بیٹھتے ہیں تم اپنی کار میں جاؤ میں نے ایک ٹیکسی ہائر کی ہے میں اس میں بیٹھ کر آتی ہوں۔"

مہوش نے کہا اور واپسی کے لیے مڑ گئی۔

میں بھی تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اپنی کار تک آیا اور سمندر کے کنارے بنے ایک ریسٹورنٹ میں جا کر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد مجھے مہوش بھی آتی ہوئی دکھائی دی۔رات کا وقت تھا اس وقت ریسٹورنٹ میں کافی رش تھا لیکن پھر بھی ہمیں ایک خالی ٹیبل مل ہی گئی۔

میں نے بیٹھے بیٹھے اسے ہاتھ سے اشارہ کیا تو وہ میری جانب آنے لگی۔میں قدرت کے اس حسین اتفاق پر بے حد خوش تھا کچھ بھی تھا آج میں اپنی

مہوش سے مل لیا تھا۔اسے دیکھ لیا تھا میرے جینے کے لیے اس کا یہ چند لمحوں کا ساتھ ہی کافی تھا۔

اچانک میرے موبائل کی رنگ ٹون سنائی دی میں نے بے زاری سے فون کی روشن اسکرین پر نگاہ ڈالی تو میڈم روزی کا نمبر جگمگا رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ مہوش میری ٹیبل تک آتی میں نے جھٹ آنسر کا بٹن پش کر کے فون کان سے لگالیا۔

”کہاں رہ گئے شمروز... میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔“ روزی نے میرا ہیلو سنے بغیر ہی کہا۔

”روزی میں اس وقت بہت ضروری کام کے سلسلے میں مصروف ہوں فارغ ہو کر خود تم سے رابطہ کروں گا ڈونٹ ڈسٹرب می پلیز گڈ بائے۔“ کہہ کر میں نے اس کا جواب سنے بنا ہی سیل فون کو آف کردیا تاکہ اب کوئی بھی مجھے مزید ڈسٹرب نہ کرسکے۔میں جانتا تھا کہ روزی کو میری یہ حرکت بہت بری لگی ہوگی لیکن مجھے اس کی کوئی پروا نہیں تھی میں اپنی اس مصروفیت کا کوئی بھی بہانہ بنا کر اسے مطمئن کرسکتا تھا اور اسے منا سکتا تھا۔

مہوش آکر بیٹھی تو ویٹر نے مینو کارڈ لا کر ہمارے ہاتھوں میں تھما دیے۔میں نے مہوش سے پوچھا کہ وہ کیا کھائے گی تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا کہ اس کا کچھ بھی کھانے کا دل نہیں چاہ رہا ہے مگر میں نے کہا کہ ہم یہاں آئے ہیں تو کچھ نہ کچھ تو منگوانا ہی ہوگا۔

”ٹھیک ہے پھر اسٹیک کا منگوالو۔“ اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

میں نے ویٹر کو اسٹیکا آرڈر لکھوایا تاکہ ہم اطمینان سے اپنی بات کرسکیں۔

”ہاں اب بتاؤ کہ تم کراچی کس سلسلے میں آئی ہو اور اکیلی کیوں ہو؟“ میں نے پوچھا۔

”تمہارا کیا خیال ہے کہ مجھے دو چار کو ساتھ لانا چاہیے تھا بھئی اکیلی ہوں تو اکیلی ہی آؤں گی۔“

اس نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ زبردستی اپنے لبوں پر سجاتے ہوئے کہا۔

”اکیلی ہو‘ میں کیا سمجھوں تمہاری اس بات کا مطلب‘ ذرا وضاحت کرو۔“ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سوال کیا۔

"کاش مجھے بہت پہلے اس بات کا علم ہوجاتا کہ تم زندہ ہو تو آج حالات مختلف ہوتے۔" اس کے لہجے میں ڈھیروں پچھتاوؤں کے رنگ گھلے ہوئے تھے۔اس نے ٹیبل کی سطح پر اپنا ناخن رگڑتے ہوئے کہا۔

"کون سے حالات...؟ تم بتاؤ تو سہی آخر کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ؟" میں نے بے تاب لہجے میں پوچھا۔

اس نے صرف لمحے بھر کے لیے اپنی لرزتی ہوئی بھیگی پلکیں میری جانب اٹھائیں پھر نیچے گرا لیں۔اس نے کئی مرتبہ بات کرنے کے لیے اپنے لب کھولنے چاہے پھر لبوں کو سختی کے ساتھ ایک دوسرے میں بھینچ لیا۔دو تین مرتبہ اپنے سر کو بھی جھٹکا دیا۔پھر ڈھیروں اپنے اندر رکی ہوئی سانس باہر نکالی پھر بے بسی سے اپنا سر ٹیبل پر یہ کہتے ہوئے رکھ دیا۔

"میں کیا بتاؤں تمہیں، میں کچھ بھی نہیں بتا سکتی۔"

"کیوں میرے صبر کا امتحان لے رہی ہو جو بات بھی ہے پلیز مجھے بتاؤ... مہوش... مہوش... پلیز...!"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں نے ٹیبل پر جھکے اس کے سر کو چھوتے ہوئے کہا تو اس نے سر اوپر اٹھایا۔اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے جنہیں اس نے اپنے ارد گرد کے ماحول کے خیال سے جھٹ ٹشو سے صاف کرلیے پھر بولی۔

"کیا تم مجھے اس قصور کے لیے معاف کرسکو گے کہ میں تمہارے ساتھ بے وفائی کی مرتکب ہوئی ہوں۔" اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا تم نے شادی کرلی ہے؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا تو اس نے نگاہیں جھکا کر اثبات میں سر ہلا دیا اور میرے اندر کہیں اندر سے کوئی چیز ٹوٹ گئی۔میرے اندر بہت سا شور اٹھنے لگا لیکن اس شور کی صدا کسی نے بھی نہیں سنی۔بس ایک میں ہی تھا جو اپنے ہونٹوں کو چباتے ہوئے اپنے ٹوٹے ہوئے دل کی کرچیوں کو سمیٹ رہا تھا میں کچھ بھی نہ کہہ سکا بس اس کی صورت تکتا رہا۔کتنے ہی زہریلے خیالات تھے جو اس کے ملیح چہرے کو دیکھ کر اس کے شوہر کے حوالے سے مجھے آرہے تھے۔

اس کے یہ ملیح رخسار یہ بلوریں کنچے جیسی حسین آنکھیں گلاب جیسے لب اس کی تھوڑی کا یہ حسین ڈمپل... سب کچھ تو میری امانت تھا پھر وہ کون تھا جس نے میری امانت میں خیانت کی۔

اس سے پہلے کہ میں مزید کوئی سوال کرتا ویٹر ہمیں ڈنر سرو کرنے لگا۔ مہوش نے اس کی جانب سے رخ پھیر کر ویٹر کی لائی ہوئی منرل واٹر کی بوتل سے گلاس میں پانی ڈال کر پینے لگی۔

”سر اور کچھ؟“ ویٹر نے مودب ہو کر سوال کیا۔

”نو تھینکس! ضرورت ہوئی تو بتادیں گے۔“ میں نے کہا تو وہ چلا گیا۔

میں نے مہوش کو اشارہ کیا کہ وہ کھانا شروع کرے تو وہ ہاتھوں میں فورک اور نائف اٹھا کر کھیلنے لگی۔

”کون تھا وہ خوش نصیب۔“ میں نے پھر سوال کیا۔

”تمہیں اپنا دشمن اور ڈیڈی کا دوست شیر افضل تو یاد ہی ہوگا اس کا بھتیجا ہے۔“ اس نے جواب دیا۔

”اب کہاں ہے؟“ میں نے سرسراتے لہجے میں پوچھا۔

”یہیں ہے کراچی میں۔“ اس نے مختصر سا جواب دیا۔

”پھر تم اکیلی کیوں گھوم رہی ہو، وہ بھی ٹیکسی میں کیا تمہارے پاس کار نہیں ہے؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”تم یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ میں نے یہ شادی کیوں کی، وہ کیا حالات تھے کہ میں شادی کے لیے مجبور ہوگئی۔“ مہوش نے جھنجلاتے ہوئے کہا اس کی آواز بھی تیز ہوگئی۔

”ریلیکس مہوش، تم اس طرح بات کرو گی تو سارے لوگ ہماری جانب متوجہ ہوجائیں گے۔“ میں نے کہا۔

”میرا دل غم اور شکستگی سے پھٹا جا رہا ہے اور تم اتنے اطمینان سے بیٹھے ہو کیا میری شادی کی خبر سن کر تمہیں ذرا بھی دکھ نہیں ہوا کیا واقعی تم نے مجھے اپنے دل سے اپنی

یادوں سے نکال پھینکا تھا۔“ اس نے دھیرے سے کہا۔

”ایسی بات نہیں ہے مہوش...!“ میں نے دھیرے سے کہا۔”میرے دل میں آج بھی تمہاری ایک ایک بات ایک ایک انداز موجود ہے۔میں نے تمہیں

کبھی بھی فراموش نہیں کیا بس اپنی زندگی میں اتنے درد و الم برداشت کیے ہیں کہ یہ دل درد سہنے کا عادی ہو گیا ہے۔

تمہاری شادی کا سن کر مجھے اس لیے شاک نہیں لگا کہ جب میں تمہاری زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکل آیا تو تمہیں کسی نہ کسی کا ہاتھ تو تھامنا ہی تھا۔میں تمہارے لیے پہلے بھی دعا گو تھا اور آج بھی تمہاری خوشیوں کا متمنی ہوں۔اللہ کرے تمہارا گھر ہمیشہ آباد رہے اور تم ہمیشہ خوش رہو۔“ میں نے بھیگے بھیگے لہجے میں کہا تو وہ بولی۔

”تم آج بھی بالکل ویسے ہو‘ ذرا بھی نہیں بدلے۔“

”اچھا‘ یہ تمہارا خیال ہو گا ویسے میں نے اپنے آپ کو یکسر تبدیل کرلیا ہے۔“ میں نے دھیمی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

”مثلاً کیا تبدیل کرلیا ہے؟“ اس نے میرے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میرے ذکر کو چھوڑو تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ کہ جب میں آخری بار تم سے جدا ہو کر گیا تھا تمہیں یاد ہے راجہ صاحب نے اس دن مجھے ملنے کے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

لیے بلایا تھا اور تم نے مجھے یہ کہہ کر وہاں سے واپس لوٹا دیا تھا کہ میری جان کو خطرہ ہے اگر اس روز تم مجھے اپنی جان کی قسم نہ دیتیں تو میں کبھی بھی راجہ صاحب سے ملے بغیر نہ جاتا۔موت سے تو نہ میں اس وقت ڈرتا تھا اور نہ ہی آج خوف زدہ ہوں اس لیے کہ میرا ایمان ہے جو رات قبر میں آنی ہے وہ آنی ہے‘ زندگی کی اس اٹل حقیقت سے کیسا خوف زدہ ہونا۔جب تک انسان کا وقت پورا نہیں ہوجاتا موت خود زندگی کی حفاظت کرتی ہے۔“ میں نے کہا تو اس کی نگاہیں ایک بار پھر میرے چہرے پر جم گئیں وہ نہ جانے میرے چہرے پر کس چیز کا کھوج لگا رہی تھیں۔

”تم نے ٹھیک کہا ہے شاہو‘مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تم واقعی تبدیل ہوگئے ہو‘ تمہارا چہرا تمہاری آواز اور لہجے میں نہ تو وہ پہلے والی نرمی اور حلاوت ہے اور نہ ہی تمہاری آنکھوں میں بلکہ اس کی جگہ ایک سختی اور کڑواہٹ سی آگئی ہے ایسا کیوں ہوا ہے شاہو۔“ اس نے کہا۔

”وقت ہمیشہ تبدیلی لے کر آتا ہے اور یہ ہمارے حالات ہی ہوتے ہیں جو انسان کو تبدیل کردیتے ہیں۔میرے جو حالات تھے ان سے تم واقف ہی ہو‘

امی' بابا' ارمان اور فائزہ سب مجھ سے جدا ہوگئے۔پھر تمہارا ساتھ بھی چھوٹ گیا۔شاید اسی وجہ سے میرے چہرے پر سختی اور لہجے میں تلخی آگئی ہے۔" میں نے جواب دیا تو وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی اور بولی۔

اور شاید تمہارے ان تمام حالات کی ذمہ دار میری اپنی ذات بھی ہے۔کاش میں تم سے ملی ہی نہ ہوتی۔میں نے تم سے محبت ہی نہ کی ہوتی اور نہ اس بات کو لے کر میرے ڈیڈی تمہارے دشمن ہوتے۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو یہ سب تو میرے نصیب میں لکھا تھا۔میں نے یہ دکھ اٹھانے تھے شاید قدرت نے اسی لیے مجھے زندہ رکھا لیکن ان سب سانحات کا ذمہ دار تو شیر افضل تھا۔تمہارے ڈیڈی تو نہیں۔" میں نے کہا۔

"نہیں یہ بات بعد میں میرے علم میں آگئی تھی کہ تمہارے ساتھ وہ دشمنی شیر افضل نے میرے ڈیڈی کی ایماء پر ہی کی تھی۔وہ تو تمہیں بھی مار دینا چاہتے تھے اگر اس روز میں شیر افضل اور اپنے ڈیڈی کی گفتگو سن نہ لیتی اور تمہیں خبردار نہ کرتی تو آج تم زندہ نہ ہوتے۔"

مزیداردوکتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"تمہارے ڈیڈی کہاں ہیں؟" میں یہ جاننے کے بعد کہ راجہ بھی میری تباہی کا ذمہ دار ہے اپنے لہجے میں چھپی ہوئی شیر کی غراہٹ کو چھپا نہیں سکا۔

"وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ' آئی ایم سوری۔" میں نے اپنے اندر رکی ہوئی سانس باہر نکالتے ہوئے کہا۔

"تمہیں پتا ہے شاہو' تمہارے جانے کے کچھ عرصے کے بعد ان کے اوپر فالج کا شدید اٹیک ہو اور ان کا دایاں حصہ مفلوج ہوگیا۔

جب تم ان سے ملنے کے لیے نہیں آئے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ دیکھ لو مہوش بیٹا میں نے تو شاہ زمان کو تمہارے رشتے کی بات کرنے کے لیے بلایا تھا میں اس کے بھائی اور ماں کے قاتلوں کو سزا دلوانے میں اس کی مدد بھی کرنا چاہتا تھا لیکن اس کو تم سے محبت تھی ہی نہیں اسی لیے وہ نہیں آیا اور کہیں غائب ہوگیا اور تم ہو کہ اس کی محبت کو سینے سے لگا کر بیٹھی ہو۔

ان کی بات سن کر میرا دل زور سے قہقہہ لگانے کو چاہا۔وہ کتنا جھوٹ بول رہے تھے۔جب کہ میری ادنیٰ سے ادنیٰ اور بڑی سے بڑی خواہش کو پورا

کرنے کے لیے وہ ذرا بھی دیر نہیں لگاتے تھے اور میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی کو انہوں نے کس طرح مجھ سے چھین لیا۔ڈیڈی کی ساری دولت میری ہی تو تھی۔زندگی خوشی سے گزارنے کے لیے مجھے تو صرف تمہارا ساتھ اور تمہاری محبت ہی چاہیے تھی اور آج جبکہ میرے پاس بے پناہ دولت ہے لیکن میں خوش نہیں ہوں کاش ڈیڈی کو موت تھوڑی

مہلت اور دے دیتی تو ڈیڈی خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے میں ان کے جھوٹ پر انہیں کچھ بھی تو نہ کہہ سکی بس انہیں دیکھتی رہ گئی۔

اس روز شدت کے ساتھ مجھے اپنی ماما یاد آئیں کاش وہ ہوتیں تو میں ان کے سینے میں منہ چھپا کے اپنے سارے آنسو بہا لیتی۔اپنی محبت کے لٹنے کا ماتم کرلیتی۔

ماں کا محبت بھرا لمس تو مجھے نہیں ملا البتہ اپنے کمرے کی تنہائی میں اندھیرا کر کے میں تمہیں یاد کر کر کے رو لیتی تھی۔تمہارے لیے دعائیں کرتی تھی۔

پھر ایک دن ڈیڈی نے مجھے بلایا اور ٹرین کے حادثے کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔"دیکھو میں کہہ رہا تھا نا کہ وہ تمہیں چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے وہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اس حادثے کا شکار ہونے والی ٹرین میں سوار تھا ٹرین کراچی جارہی تھی شاہ زیب اب زندہ نہیں ہے' مر چکا ہے۔"

اور اس روز میں دھاڑیں مار مار کر روئی۔اتنے آنسو بہائے کہ میری آنکھوں میں بسنے والے آنسوؤں کا سمندر خشک ہوگیا۔میں بھی جیسے مر گئی تھی۔بس سانسوں کا جسم کے ساتھ رشتا باقی تھا۔

اور اس رات ڈیڈی کو فالج کا اٹیک ہوا اور میں تمہارے غم کو سینے سے لگائے لگائے ڈیڈی کی خدمت میں لگ گئی۔

ڈیڈی پندرہ بیس دن اسپتال میں رہنے کے بعد گھر آگئے لیکن اب وہ صرف بستر کے ہو کر رہ گئے تھے۔

وہ چپ چاپ بستر پر لیٹے میری اداس صورت کو تکتے رہتے' فالج کی وجہ سے وہ زیادہ بات نہیں کرسکتے تھے ان کی زبان بھی متاثر ہوئی تھی بڑی مشکل سے بات کرپاتے تھے۔

پتا نہیں میری دن رات کی خدمت نے انہیں کوئی احساس دلایا یا پھر میری صورت دیکھ کر انہیں اس بات کا احساس ہوا' ایک دن انہوں نے روتے ہوئے میرے آگے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے اور مجھ سے معافی مانگنے لگے۔

"آپ کیوں معافی مانگ رہے ہیں ڈیڈی' آپ نے کیا کیا ہے؟" میں نے کہا۔

"میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے' مجھے تمہاری شادی شاہ زمان کے ساتھ کردینی چاہیے تھی تاکہ تم بھی خوش رہتیں اور میں بھی سکون سے مر پاتا۔" انہوں نے کہا۔

"آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں ڈیڈی آپ تو میری شادی شاہ زمان سے کرنا چاہتے تھے۔شاہ زمان ہی بے وفا نکلا اور مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا۔" میں نے ڈیڈی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تو انہوں نے آنکھیں بند کرلیں اور کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ جواب دے بھی کیسے سکتے تھے ان کے اندر اتنی اخلاقی جرأت تھی ہی نہیں کہ اپنی غلطی اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیتے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

پھر ایک دن شیر افضل ہمارے گھر آیا۔وہ کافی دیر تک ڈیڈی کے ساتھ رہا۔ میں جب دوبارہ ڈیڈی کے کمرے میں گئی تو وہ ڈیڈی کو کسی بات پر قائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔مجھے آتا دیکھا تو دونوں خاموش ہوگئے اور ان کی خاموشی سے میں سمجھ گئی کہ میں نے انہیں ان کی کسی اہم گفتگو میں ڈسٹرب کردیا ہے۔اس لیے وہاں سے فوراً ہی چلی آئی فالج ہونے کے بعد ڈیڈی نے عملی طور پر سیاست میں حصہ لینا چھوڑ دیا تھا لیکن اب بھی ڈیڈی کے دوست سردار شیر افضل اور شیر زادہ خٹک اب بھی ڈیڈی کے پاس آتے تھے اور ان سے بہت سے گمبھیر معاملات میں ڈسکس کیا کرتے تھے۔

ان کے جانے کے بعد میں دوبارہ ڈیڈی کے کمرے میں پہنچ گئی اور ڈیڈی سے کہا۔

"ڈیڈی آج تو آپ کافی فریش ہوگئے ہوں گے آپ کے دوست جو آئے تھے اور وہ کافی دیر رکے بھی ہیں۔" ڈیڈی نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے میرا چہرہ تکتے رہے۔

"کیا بات ہے ڈیڈی... آپ اس طرح سے مجھے کیوں دیکھ رہے ہیں۔" میں نے کہا۔

"کچھ نہیں، میں تمہارے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوچ رہا ہوں کہ بیٹیاں کتنی پیاری ہوتی ہیں انہیں پیار سے پالو، ان سے محبت کرو لیکن ایک نہ ایک دن انہیں اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر جانا ہی ہوتا ہے۔" ڈیڈی نے بہ مشکل اٹک اٹک کر کہا۔

"لیکن مجھے دیکھ کر آپ ایسی کوئی بات بھی نہ سوچیں کیونکہ میں تو آپ کو چھوڑ کر کہیں بھی نہیں جانے والی۔" میں نے ان کے گلے میں نیپکن لگانے کے بعد چمچے میں سوپ بھر کر ان کے منہ کے قریب لے جاتے ہوئے کہا تو انہوں نے ہاتھ آگے کر کے مجھے روک دیا۔

"یہ کیا ڈیڈی آپ بھی ناں کبھی کبھی بالکل بچے بن جاتے ہیں اب اگر آپ یہ سوپ نہیں لیں گے تو کمزوری کیسے دور ہوگی، طاقت نہیں آئے گی تو آپ ٹھیک کیسے ہوں گے۔پتا ہے ڈاکٹر سلطان نے مجھے سختی کے ساتھ ہدایت کی ہے کہ آپ کی خوراک کا خاص خیال رکھا جائے۔" میں نے یہ سمجھتے ہوئے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ڈیڈی اس لیے یہ سوپ نہیں لے رہے ہیں کہ انہیں خواہش نہیں ہو رہی ہے ان سے کہا۔

"بعد میں..." انہوں نے کہا "پہلے میری بات سن لو۔"

"اچھا بتائیے ایسی کون سی خاص بات ہے جو بعد میں نہیں ہو سکتی۔" میں نے سوپ کا پیالہ ایک جانب رکھتے ہوئے کہا۔

"ابھی شیر افضل آیا تھا وہ تمہارے رشتے کی بات کر رہا تھا اس کا بھتیجا ہے، پڑھا لکھا ہے، اسٹیبلش ہے میرے خیال میں تو یہ ایک اچھا رشتا ہے تمہارا کیا خیال ہے۔" انہوں نے اٹکتے ہوئے بڑی مشکل سے اتنا بڑا جملہ بولا۔

"آپ انہیں صاف منع کر دیں۔مجھے شادی کرنی ہی نہیں ہے۔نہ ابھی نہ کبھی اور میں تو بس آپ کے پاس رہ کر آپ کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔" شادی کی بات سن کر میرا موڈ آف ہو گیا اور میں نے ڈیڈی کو بڑی رکھائی سے صاف صاف جواب دے دیا۔

"تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو' کہ زندگی بھر شادی ہی نہیں کرو گی' میں ٹھہرا ایک بیمار آدمی... تھوڑے ہی دنوں میں زندگی کی یہ مہلت بھی ختم ہوجائے گی پھر تمہارے سامنے ساری زندگی پڑی ہے کیسے تنہا گزارو گی۔" ڈیڈی نے کہا۔

"اللہ آپ کو بڑی عمر دے ڈیڈی' بس مجھے آپ کے پاس سے کہیں نہیں جانا اور نہ ہی زندگی گزارنے کے لیے مجھے کسی کے بھی ساتھ کی ضرورت نہیں۔" میں نے کہا اور اٹھ کر جانے لگی تو ڈیڈی نے مجھے آواز دی۔

"مے شے بیٹے۔" ڈیڈی جب مجھے زیادہ پیار سے پکارتے تو مے شے بیٹے کہہ کر پکارتے تھے۔نہ چاہتے ہوئے بھی میرے قدم رک گئے اور میں پلٹ کر دوبارہ ان کے پاس آ بیٹھی۔

"خدا کی قسم مے شے بیٹے اگر شاہ زمان زندہ ہوتا تو میں خود تمہارا ہاتھ اس کے ہاتھ میں اپنے دل کی تمام تر خوشی اور رضا مندی سے دیتا لیکن میری جان اب میں اسے کہاں سے لاؤں' بھلے وہ خود تمہاری زندگی سے چلا گیا تھا لیکن اگر وہ زندہ ہوتا اور دنیا کے کسی بھی کونے میں ہوتا میں اسے تمہارے لیے ڈھونڈ لاتا لیکن اب کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔شادی کے لیے اب تمہارے پاس

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

چوائس نہیں ہے۔میری حالت پر رحم کھاؤ اور مجھے مزید شرمندہ مت کرو تمہارے ساتھ زیادتی کر کے میں خود اپنی نگاہوں میں گر گیا ہوں۔دیکھو قدرت نے مجھے میری زیادتی اور گناہوں کی کتنی بڑی سزا دی ہے میں ایک زندہ لاش بن کر رہ گیا ہوں۔اگر تمہیں اسی طرح چھوڑ کر مر گیا تو مرنے کے بعد میری روح بھی بے چین و بے قرار رہے گی مجھ پر احسان کرو اور شادی کرلو۔تاکہ میں سکون سے مر سکوں۔" ڈیڈی نے اتنی بات کی تو ان کا سانس تیز تیز چلنے لگا۔ان کی حالت خراب ہونے لگی۔آنکھیں بند ہو گئیں اور سانس اکھڑنے لگا میں نے گھبرا کر ڈاکٹر کو کال کی۔

ڈاکٹر نے آتے ہی ڈیڈی کو دیکھا اور کہا کہ انہیں ہارٹ اٹیک ہوا ہے فوراً اسپتال لے جانا ہوگا۔

اس ہارٹ اٹیک کے بعد ڈیڈی چند روز اسپتال میں رہ کر گھر تو لوٹ آئے لیکن ڈاکٹر نے سختی سے ہدایت کی کہ انہیں کسی بھی قسم کے ڈپریشن اور ٹینشن سے دور رکھا جائے ورنہ اگر دوسرا اٹیک ہوا تو وہ جان لیوا بھی ہوسکتا ہے۔

گھر آکر ڈیڈی نے دوبارہ مجھ سے رشتے کی بات چھیڑ دی۔میں نے روتے ہوئے ڈیڈی کے سینے پر سر رکھ کر کہا۔

"ڈیڈی شادی تو خوشی کے بندھن کا نام ہے۔لیکن میرا دل اندر سے مردہ ہوچکا ہے۔اس میں خوشی اور مسرت کی ذرا سی بھی رمق باقی نہیں ہے۔یہ تو آپ کی ذات ہے ڈیڈی جس کے سہارے میں زندہ بھی ہوں ورنہ جب میں نے شاہ زمان کے مرنے کی خبر سنی تھی۔میں بھی اپنے آپ کو ختم کرلیتی پلیز مجھے کسی امتحان میں مت ڈالیں میں کسی کو کوئی خوشی نہیں دے سکتی۔" میرے ساتھ ساتھ ڈیڈی بھی رونے لگے۔پھر بولے۔

"میں تمہارے دل کی حالت اور ذہنی کیفیت کو سمجھ رہا ہوں لیکن اپنے باپ ہونے کا کیا کروں تمہیں کس کے سہارے پر چھوڑ کر جاؤں' میں نے شیر افضل سے کہا تھا کہ مہوش نہیں مان رہی ہے تو اس نے مجھے بتایا ہے کہ ڈاکٹرز یہ کہتے ہیں کہ اگر مجھے دوسرا اٹیک ہوا تو میں زندہ نہیں بچوں گا اس لیے میری بیٹی اپنے مرتے ہوئے باپ کی یہ آخری خواہش پوری کردو۔"

"بکواس کرتے ہیں شیر افضل۔" میں نے تڑپ کر غصے سے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"دیکھو بیٹا اگر میرا دوسرا ہاتھ اٹھ سکتا تو میں تیرے آگے اپنے ہاتھ جوڑ دیتا۔ اللہ کے واسطے اپنی ضد چھوڑ دے اور میری بات مان لے۔"

ڈیڈی کے مفلوج بستر پر پڑے جسم اور لاچاری کو دیکھ کر مجھے اپنا دل پھٹتا ہوا محسوس ہوا اور میں نے ان کے ہاتھ کو اپنی آنکھوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے ڈیڈی جیسا آپ چاہتے ہیں ویسا ہی کریں' میں تیار ہوں۔"

"اس سے اگر ملنا چاہتی ہو تو مل لو' میں نے تو اسے دیکھا ہوا ہے اور اس سے ملا بھی ہوں۔" ڈیڈی نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے ڈیڈی' جیسا آپ کہہ رہے ہیں تو ٹھیک ہی ہوگا۔"

میں نے صرف ایک بے بس اور لاچار باپ کی ضد کے آگے ہتھیار ڈالے تھے میرے لیے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کون ہے کیسا ہے' کیونکہ میرے دل کے نہاں خانوں میں آج بھی صرف ایک ہی مورت چھپی ہوئی تھی اور وہ مورت تمہاری تھی شاہو' صرف تمہاری۔پھر ڈیڈی نے شیر افضل کو بلوایا اور اسے میری رضا مندی کی خوش خبری سنا دی۔ایک ہفتے کے قلیل

عرصے میں ایک شام میرا نکاح رئیس خان کے ساتھ کر دیا گیا۔اسی روز ڈیڈی نے وکیل کو بلوا کر اپنی ساری جائیدار میرے نام کردی۔

رئیس خان کو میرے ماضی کی کسی بھی بات کا علم نہیں تھا حالانکہ شیر افضل ساری باتوں سے واقف تھا لیکن شاید اس نے یہ عقل مندی کی کہ رئیس خان کو ان تمام باتوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔

رئیس خان ایک خوب صورت پرسنالٹی کا مالک تھا اس کے پاس بہت دولت تھی لیکن میں اس کے سامنے پتھر بنی رہتی، وہ مجھے خوش رکھنے کی بہت کوشش کرتا لیکن میں کبھی نہ مسکرا سکی۔

میری شادی کو ابھی پندرہ دن ہی ہوئے تھے کہ ایک رات مجھے گھر کے ایک ملازم کا فون آیا اور اس نے بتایا کہ ڈیڈی کی حالت بہت خراب ہے۔رئیس خان کا گھر اسلام آباد میں تھا میں فوراً پنڈی کے اسپتال پہنچی لیکن میرے پہنچنے سے پہلے ہی ڈیڈی مجھے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلے گئے۔

میں ہفتوں گم صم رہی، اب تو رئیس خان کے سامنے مجھے اداس رہنے کا جواز مل گیا تھا۔ڈیڈی کے انتقال کے بعد رئیس خان نے مجھ سے کہا کہ وہ اپنا

بزنس دوبئی میں سیٹ کر رہا ہے اور اس کے لیے بہت زیادہ رقم کی ضرورت ہے ہم تو دبئی شفٹ ہوجائیں گے اس لیے یہاں کی جائیداد کی دیکھ بھال کون کرے گا بہتر یہ ہے کہ ساری جائیدار کو فروخت کر کے دبئی کے بزنس میں لگا دی جائے۔

میں نے اس بات پر ہلکا سا احتجاج کیا لیکن رئیس خان کی ضد کے آگے مجبور ہوگئی اور پھر اس نے ساری جائیداد بیچ دی۔

اور پھر ایک بہت تلخ حقیقت میرے سامنے آئی شیر افضل نے ڈیڈی کو بتایا تھا کہ رئیس خان اس کا بھتیجا ہے جبکہ ایسا نہیں تھا شیر افضل نے رئیس خان کو اپنا بھتیجا بنا کر اس لیے پیش کیا تھا کہ ڈیڈی اس کی اور میری شادی کردیں۔ڈیڈی کی ساری جائیداد کی تنہا میں ہی وارث تھی۔ڈیڈی بیمار تھے اور ان کے صحت یاب ہونے کے چانسز بالکل صفر تھے۔ان کا پروگرام یہ تھا کہ ڈیڈی کے مرنے کے بعد میری جائیداد کو آدھا آدھا تقسیم کرلیں گے۔میرے بارے میں وہ جانتا ہی تھا کہ اس کے دل میں تو جینے کی بھی تمنا نہیں ہے اور

شاید میرے بارے میں رئیس خان کو کچھ بھی نہ بتانے کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی تھی۔

میں نے جب رئیس خان سے بات کی تو اس نے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں اور غراتے ہوئے بولا۔"تم نجانے اپنے کس عاشق کا ہر وقت سوگ مناتی رہتی ہو مجھے یاد نہیں کہ کبھی تم نے مجھ سے مسکرا کر بات کی ہو' خوشی کا اظہار کیا ہو' کبھی اپنی خوشی اور سپردگی سے خود کو میرے حوالے نہیں کیا میں نے تمہارا یہ رویہ بڑی خوش دلی سے برداشت کیا ہے اور تم کو اپنا نام دے رکھا ہے۔ورنہ تمہارے جیسی بیوی کو کوئی بھی مرد ایک دن بھی برداشت نہیں کرتا' تو تم نہ سہی تمہاری جائیداد ہی سہی۔میں اس کو تمہاری زیادتیوں کا ہرجانہ سمجھ کر قبول کرلیتا ہوں اور یہ وعدہ کرتا ہوں کہ چاہے تم آئندہ مجھ سے بات بھی نہ کرو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔میرا دل بہلانے کے لیے ایک سے ایک جوان اور حسین لڑکی موجود ہے پیسے سے ہر چیز خریدی جا سکتی ہے ہاں میں تمہیں کبھی بھی نہیں چھوڑوں گا میرا نام ہمیشہ تمہارے نام کے ساتھ جڑا رہے گا مہوش رئیس خان' اچھا لگتا ہے نا۔

اب تم تنہا رات رات بھر جاگ کر اپنے عاشق کی یادوں سے دل بہلاؤ' میں حسین نازنینوں کے ساتھ اپنی راتیں رنگین کروں گا۔نہ میں تمہارے کام میں دخل دوں گا اور نہ تم میرے کام میں دخل دینا۔"

"کیا عاشق عاشق کی بے ہودہ رٹ لگا رکھی ہے۔کون سا عاشق' کیسا عاشق؟" میں جو اتنی دیر سے چپ چاپ اس کی بکواس سن رہی تھی ایک دم ہی پھٹ پڑی۔

"ریلیکس ڈیئر ریلیکس۔" وہ بہت پر سکون لہجے میں بولا۔"جیسا تمہارا رویہ میرے ساتھ رہا ہے وہ تو چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ تمہارے دل میں کسی اور کی حکمرانی ہے مجھے کیا تم نے دودھ پیتا بچہ سمجھ رکھا ہے۔گھاٹ گھاٹ کاپانی پیا ہے میں نے میری جان... اور عورتوں کے تو میں تمام تاریخ و جغرافیہ سے اچھی طرح سے واقف ہوں اور تم سمجھ رہی تھیں کہ میں تمہیں نہیں پہچان پاؤں گا۔ویسے کیا آج اس راز سے پردہ اٹھاؤں گی کہ تمہاری اس سے شادی کیوں نہیں ہوسکی' کیا وہ تمہیں بے وفائی کا داغ دے کر بھاگ گیا۔"

"شٹ اپ... شٹ اپ...!" میں غصے کی شدت سے بری طرح کانپ رہی تھی۔میں بری طرح روتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔آج جو روپ میں نے رئیس خان کا دیکھا تھا وہ پہلے نہیں دیکھا تھا میری نگاہوں میں وہ ایک سیدھا سادا اور محبت کرنے والا شوہر تھا۔بلکہ بعض اوقات تو مجھے خود پر اور اس کے ساتھ اپنے رویے پر شرمندگی بھی ہوتی تھی اور میں سوچتی کہ کاش میں اس کی محبت کا جواب محبت سے دے سکوں۔

لیکن جب یہ ساری باتیں میرے علم میں آئیں تو مجھے اس سے شدید نفرت ہوگئی اور پھر ایک اور بات سنی' ان دنوں ہمارے دبئی جانے میں چند روز ہی باقی تھے۔

معلوم ہوا کہ شیر افضل کی بڑی نیک اور پارسا بیٹی جس کو اس نے اپنی حویلی میں سات پردوں میں چھپا کر رکھا تھا کنواری ماں بننے والی ہے۔

اس خبر کو سن کر میں بہت روئی اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ یا اللہ گناہ تو باپ کرتے ہیں تو'تو سزا بیٹیوں کو کیوں دیتا ہے میرا باپ گناہگار تھا میں سزا بھگت رہی ہوں۔شیر افضل گناہگار تھا تو سزا اس کی بیٹی کو کیوں ملی' میں

نے یہ بھی سنا کہ ایک روز چپ چاپ اس کی بیٹی مر گئی۔شاید اس نے اپنے ہاتھوں ہی اپنی بیٹی کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہوگا۔زہر دے دیا ہوگا۔سننے میں یہی آیا تھا کہ اس نے زہر کھا کر خود کشی کرلی تھی۔

دبئی آنے کے بعد میں نے خود کو اپنے کمرے تک محدود کرلیا شروع ہی سے میں نے اپنا بیڈ روم علیحدہ کرلیا تھا۔مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ وہ اپنی راتیں دوسری عورتوں کے ساتھ گھر سے باہر گزارتا ہے یا انہیں گھر میں لے کر آتا ہے۔

آہستہ آہستہ میرے اوپر بہت سے راز منکشف ہوگئے وہ یہ کہ رئیس خان کہنے کو تو ایک بزنس مین ہے لیکن درپردہ اس کے کئی دوسرے برے دھندے بھی ہیں۔اس کے پاس نجانے کہاں سے دولت کے انبار لگے جا رہے ہیں۔

مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ پاکستان میں کوئی بہت پہنچا ہوا پیر ہے اور رئیس خان اس کا بہت بڑا معتقد ہے وہ اسے اپنا روحانی باپ سمجھتا ہے۔

پچھلے دنوں رئیس خان بہت زیادہ پریشان تھا۔اس نے کئی مرتبہ اس پیر کو فون بھی کیا پھر شاید اس نے رئیس کو بلوایا یا رئیس نے خود ہی پاکستان آنے کا فیصلہ کرلیا۔

حیرت انگیز طور پراس مرتبہ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ پاکستان اپنے پیر صاحب کی خدمت میں حاضری دینے جا رہا ہے تم بھی چلو' تم اپنے اوپر دم کروالینا تمہارے بے قرار دل کو سکون مل جائے گا۔

اور میرے منع کرنے کے باوجود وہ مجھے اپنے ساتھ پاکستان لے آیا' ابھی چار یا پانچ دن ہی ہوئے ہیں مجھے آئے ہوئے ہم یہاں ایک ہوٹل میں ٹھہرے ہیں۔رئیس خان نے ابھی تک تو مجھے اس پیر سے نہیں ملوایا ہے البتہ خود جاتا رہتا ہے آج بھی وہ وہیں گیا ہوا ہے تو میں تنہائی سے گھبرا کر یہاں نکل آئی۔

اس لیے تم نے مجھے تنہا ٹیکسی میں دیکھا ہے اب تمہیں تمہارے سارے سوالوں کے جوابات مل گئے ہوں گے۔اب تم ہی بتاؤ کہ میں تنہا ہوں یا

نہیں۔" مہوش نے کہا وہ خاموش ہوئی تو میں جو بڑی محویت سے اس کی باتیں سن رہا تھا بری طرح چونک پڑا۔

"آں... ہاں۔" میں نے چونکتے ہوئے کہا۔

"اور تم' تم سناؤ تم بھی اکیلے ہو یا گھر بسا لیا ہے۔" اس نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے' چلو اپنے اس سوال کا جواب بھی تم ہی دو۔" میں نے کہا تو وہ خاموشی رہی

"کیا ہوا مہوش۔یہ کیا بڑا مشکل سوال ہے۔" میں نے اسے خاموش دیکھ کر کہا تو اس نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا اور آہستہ سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"اپنے منہ سے جواب دو مہوش' میں آج تمہارے منہ سے جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے میری محبت اور وفا کو کتنا جانا تھا کتنا سمجھا تھا۔" میں نے اپنے ضبط کیے ہوئے آنسو جو بار بار میرے حلق میں اٹک رہے تھے تھوگ نگلتے ہوئے انہیں اپنے اندر اتارتے ہوئے سوال کیا۔

”میرا پیار مجھ سے کہہ رہا ہے کہ تم نے ابھی تک شادی نہیں کی ہے، تم بھی تنہا ہو۔“ اس نے ایک سسکی لیتے ہوئے کہا تو میں اسے تکتا رہا۔

”تم مرد ہو شاہ زمان، اپنی ذات پر اختیار رکھتے ہو، اپنے فیصلے خود لے سکتے ہو لیکن میں ایک لڑکی ہوں نہ اپنی ذات پر اختیار رکھتی ہوں نہ اپنے فیصلے خود کرسکتی ہوں۔اگر ہم اپنے فیصلے خود کرتی ہیں تو باغی کہلاتی ہیں اور امین ہو، وفادار ہو، لیکن میں تم سے محبت کا دعویٰ کرنے کے باوجود بے وفا نکلی۔ تمہاری امانت کی حفاظت نہ کرسکی۔میرا یہ جسم میرا نہیں رہا اس کا حق دار رئیس خان بن گیا اور اس کی اجازت میں نے اسے خود دی، نکاح نامے پر سائن کر کے۔“ اس نے دکھی لہجے میں کہا۔

”ایسا مت کہو مہوش، مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے ہم پھر سے ایک ہوسکتے ہیں اگر تم چاہو تو۔“ میں نے امید بھری نگاہوں سے اسے دیکھا تو اس نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا اور بولی۔”وہ کبھی بھی مجھے نہیں چھوڑے گا۔“

میں خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ریسٹورنٹ سے تقریباً لوگ جا چکے تھے سارا ہال ہی خالی ہوچکا تھا۔ہماری اسنیک بھی ٹھنڈے ہوئے ویٹر بھی ہماری ٹیبل کی جانب آتا اور چلا جاتا۔اچانک مجھے ایک خیال آیا تو میں نے اس سے پوچھا۔

”رئیس خان کے اس پیر کا نام کیا ہے؟“

”یہ تو مجھے نہیں معلوم۔“ اس نے جواب دیا۔”تم کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”بھئی میں بھی اس سے دل کے سکون کے لیے دم کروالیتا۔“ میں نے بات کو ہنسی میں اڑاتے ہوئے کہا تو وہ بولی۔

”دلوں کو سکون اس طرح تھوڑی ملتے ہیں یہ بے قراری کیا ہوتی ہے یہ لوگ کیا جانیں۔“ اس کے لہجے میں گہری اداسی گھلی تھی۔

تب ہی ویٹر ہماری میز کے پاس آیا اور آہستہ سے بولا۔

”آئی ایم سوری سر، ریسٹورنٹ بند ہونے کا ٹائم ہو گیا ہے۔اگر آپ...!“ اس نے کھانے کی جانب دیکھتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔تب میں نے گھڑی میں ٹائم دیکھا رات کا ایک بجنے والا تھا۔

”ارے بہت دیر ہو گئی ہے مجھے واپس جانا چاہیے کہیں ایسا نہ ہو کہ رئیس آجائے مجھے غائب پا کر نجانے کیا کیا سوچ لے گا اور پھر مجھے اس کی طنزیہ باتیں سننا اور برداشت کرنا پڑیں گی۔“ مہوش بھی ٹائم دیکھ کر ایک دم کھڑی ہو گئی۔

”کھانا تو یوں ہی پڑا رہ گیا۔“ میں نے کہا۔

”تم سے ملاقات ہو گئی آج رات شاید برسوں بعد میں سکون سے سو سکوں یا شاید لمحہ بھر بھی نہ سو سکوں میرے لیے یہی احساس کافی ہے کہ تم زندہ ہو۔“ مہوش نے کہا۔

”میں نے ویٹر کو اشارہ کیا کہ وہ بل لے آئے تو وہ چلا گیا۔“اچھا میں چلتی ہوں۔“ مہوش نے کہا اور آگے قدم بڑھا دیے۔

”مہوش ایک منٹ رکو گی پلیز۔“ میں نے کہا تو وہ رک گئی۔

”اپنا کوئی کونٹیکٹ نمبر تو جاؤ۔“

”میرے پاس موبائل فون نہیں ہے میرا ہے ہی کون جس سے مجھے بات کرنا ہوتی ہے۔“ اس نے کہا۔

”اچھا دبئی والے گھر کا نمبر ہی دے دو‘ کبھی اگر تم سے بات کرنے کا دل چاہا تو...!“ میں نے امید بھرے لہجے میں کہا۔

”نہیں۔“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔”رئیس کو اگر تمہارے بارے میں پتا چلا تو یہ اچھی بات نہیں ہو گی۔“

”میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں بار بار تنگ نہیں کروں گا کبھی نہ کبھی اشد ضرورت کے تحت... اگر تم سے رابطہ کرنا پڑا تو اسی صورت میں۔“ میں نے التجائیہ انداز میں کہا۔

”تم ایسا کرو کہ تم مجھے اپنا نمبر دے دو۔“ اس نے کہا تو میں نے اسے اپنا نمبر دے دیا جسے اس نے اپنے ذہن میں سیف کرلیا۔

اور پھر تیزی سے وہ مجھے خدا حافظ کہہ کر میری جانب دیکھے بنا آگے بڑھ گئی اور میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ویٹر بل لے آیا تو میں نے پیسے ٹیبل پر رکھے اور ”ٹپ دی چینج“ کہہ کر باہر نکل آیا۔

مہوش کے جانے کے بعد میں کافی دیر تک اسی جگہ گم صم کھڑا رہا۔تقدیر بھی ہمارے ساتھ کیسے کیسے کھیل کھیلتی ہے میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات

نہیں آسکتی تھی کہ مہوش کا باپ سنگدل راجہ کبھی اس حال کو بھی پہنچ سکتا ہے اور پھر مجبور ہو کر وہ مجھ سے مہہ وش کی شادی پر بھی تیار ہوسکتا ہے لیکن میں نے خود اپنے اوپر اپنی خوشی بختی کے سارے دروازے ہی بند کر ڈالے تھے اپنی شناخت کو ہی منوں مٹی تلے دبا دیا تھا اپنے جاننے والوں کے لیے تو میں دنیا ہی سے چلا گیا تھا۔

ان دنوں میری ذہنی حالت ایسی تھی کہ میں نے اپنی جان اپنی زندگی کو بھی اپنے اس ناٹک کی اپنے زندہ ہونے کی خبر نہیں دی شاید میں یہ چاہتا تھا کہ وہ مجھے بھول جائے۔

مہوش کے بارے میں سوچتا ہوا میں بے خیالی میں سمندر کی جانب چلا آیا۔ سمندر کی ٹھنڈی یخ ہَوائیں میرے جسم کو چھوتی ہوئی تیزی سے گزر جاتیں۔ یہی ہَوائیں جب سارے جسم کو چھوتی ہیں تو عجیب طرح کا احساس ہوتا ہے اور اگر اندر سے دل کی دنیا خالی ہو تو یہی ہَوائیں جسم و جان کو چھوتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔

میری کیفیت بھی کچھ اسی طرح کی تھی۔مجھے رہ رہ کر پچھتاوا سا ہونے لگا کہ کاش میں نے مہوش کو ہی اعتماد میں لیا ہوتا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا' لیکن آج یوں اچانک اسے اپنے سامنے دیکھ کر اس کی رو داد سن کر میرا دل ایک بار پھر تڑپ اٹھا تھا۔کاش وہ مجھے ملی ہی نہ ہوتی۔میں اپنے خیالوں اور خوابوں میں اپنی مہوش کے ساتھ زندگی گزارتا رہتا لیکن آج...!

لیکن آج جب وہ مجھ سے ملی ہے تو اس نے اپنی زندگی کی جو کہانی مجھے سنائی ہے وہ میرے لیے بہت تکلیف دہ ہے۔کاش وہ اس حال میں مجھے ملتی کہ اس نے اگر گھر بسا ہی لیا ہوتا تو وہ اپنے شوہر کے ساتھ بہت خوش ہے۔

شوہر کا خیال آیا تو میں چونک پڑا۔اب میرا ذہن نئے سرے سے اس کے بارے میں سوچنے لگا۔

نجانے کیوں مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ مہہ وش کا شوہر رئیس اپنے جس پیر کے پاس آیا ہے وہ یہی نواب سطوت ہے۔پھر مجھے یاد آیا کہ جمعرات کو "محفل" کے اختتام کے بعد میں تنہا ہی واپس آیا تھا اور نواب وہیں رہ گیا تھا مجھے یہ

بھی معلوم ہوا تھا کہ نواب کے کوئی مہمان دبئی سے آئے ہوئے ہیں اور وہ ان کے ساتھ مصروف ہے ہوسکتا ہے کہ

وہ مہمان یہی ہو۔

لیکن ایک سوال پھر ذہن میں ابھرا کہ آخر رئیس کا ایسا کون سا کام ہے جس کے لیے وہ نواب کے پاس آیا ہے۔

کہیں ایسا تو نہیں حشام جس خفیہ رپورٹ پر کام کر رہا تھا اس کا تعلق رئیس سے ہی ہو۔لیکن رئیس تو پاکستان میں رہتا ہی نہیں ہے۔

میرا ذہن الجھنے لگا' ابھی تو مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ خفیہ رپورٹ کیا تھی اور کس کے متعلق تھی۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رئیس ہی کے خلاف وہ رپورٹ ہو اور اس نے نواب سے کہا ہو کہ وہ اسے اس مسئلے سے نجات دلائے۔

بہت سے سوالات تھے جو بار بار ابھر کر سامنے آرہے تھے کبھی رئیس کا تعلق حشام والے مسئلے سے لگتا کبھی معاملہ بالکل منفرد دکھائی دیتا۔

میرا سر بری طرح دکھنے لگا تھا۔میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں اس سارے معاملے کی کھوج لگا کر رہوں گا۔

اس شخص کی تصویر میں سرمئی کو دے آیا تھا۔بلکہ طلال واحدی صاحب نے وہ تصویر کرنل مشتاق کو دے دی ہوگی۔پھر ساری بات کھل جائے گی۔

میں نے واپس کے لیے قدم بڑھائے۔میں سمندر کے آگے بنی ہوئی چھوٹی سی باؤنڈری وال پھلانگ کر واپس آیا تو دیکھا میری گاڑی وہاں موجود نہیں تھی۔

میں ٹھٹک گیا اور سوچنے لگا کہ میری گاڑی کہاں چلی گئی میں نے یہیں تو پارک کی تھی پھر خیال آیا کہ سمندر کی ٹھنڈی ریت پر سوچوں کے بھنور میں ڈوبا ہوا میں چلتے چلتے اس جگہ سے بہت دور نکل آیا تھا۔اس لیے آگے پیدل چلنا شروع کردیا۔

اس وقت ساحل پر تقریباً سناٹا ہی تھا رات کا نجانے کون سا پہر تھا میں نے اپنی کلائی پر بندھی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ صبح کے چار بجنے والے تھے گویا ساری رات گزر گئی میں نے ایک گہری سانس لی اور آگے بڑھ گیا۔

دور سے ہی مجھے اپنی گاڑی کھڑی دکھائی دے گئی تو میرے قدموں میں مزید تیزی آگئی میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر چابی نکالی اور فرنٹ ڈور کی جانب بڑھا اور پھر جیسے میرے قدموں کو بریک لگ گیا۔

دروازے کے ساتھ ایک انسانی جسم مڑی تڑی حالت میں پڑا تھا۔

...☆☆☆...

حشام کی طبیعت میں بہتری آرہی تھی ڈاکٹرز نے اسے آئی سی یو سے روم میں شفٹ کردیا تھا۔اس کے کمرے کے باہر بھی بہت سخت سیکیورٹی تھی۔ایک سیکیورٹی گارڈ اس کے روم میں میل نرس کی حیثیت سے ہمہ وقت موجود رہتا تھا۔

میں نے ڈاکٹر ذیشان سے التجا بھی کی کہ وہ مجھے حشام کے ساتھ اس کے روم میں رہنے دیں لیکن انہوں نے ہنستے ہوئے انکار کردیا کہ ہمارے اسپتال کا یہ رول نہیں ہے۔مریض کی دیکھ بھال ہمارا مقرر کردہ اسٹاف ہی کرتا ہے اور مریض جب حشام جیسا ہو تو پھر تو ساری ذمہ داری اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔البتہ انہوں نے اس بات کی اجازت دی کہ میں روزانہ حشام سے ملنے کے

لیے اسپتال آسکتی ہوں۔میرے پاس اس بات کو ماننے کے علاوہ کوئی اور چارا نہیں تھا۔

میں سونے کے لیے اپنے بیڈ روم میں آگئی اور اپنے بستر کو دیکھ کر ایک دم حشام کا خیال آگیا۔وہ اسپتال کے بستر پر ہوگا۔اس نے کتنی تکلیف اٹھائی ہے اور اٹھا رہا ہے۔جب وہ منحوس سیسے کی گولی اس کے جسم میں پیوست ہوئی ہوگی تو اسے کتنی تکلیف ہوئی ہوگی۔پھر آپریشن... دوائیں' انجکشن اس کے بازو انجکشن کی وجہ سے چھلنی ہورہے تھے۔

میں نے دروازہ اندر سے بند کرلیا زیرو پاور کا بلب آن کر کے ساری لائٹس آف کردیں اور امی سے کہہ دیا تھا کہ میں سو رہی ہوں مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔حالانکہ امی بے چاری کیوں مجھے جگاتیں۔بلکہ وہ تو میرے لیے فکر مند ہو رہی تھیں کہ میں مسلسل جاگ رہی ہوں بار بار کہہ بھی رہی تھیں کہ تم اپنا بھی خیال رکھو۔ذرا آئینے میں خود کو دیکھو تمہاری رنگت زرد ہو رہی ہے آنکھوں کے گرد حلقے پڑنے لگے تھے اور ان کی چمک ماند پڑ رہی ہے اور میں نے بے زاری سے جواب دیا کہ امی ایک بار حشام صحت یاب ہو کر

اسپتال سے گھر آجائے تو میں خود بخود ٹھیک ہوجاؤں گی۔حشام کے بارے میں سوچتے سوچتے میں نیند کی گہری وادیوں میں اتر گئی۔

آنکھ کھلی تو سورج کی تیز روشنی چاروں جانب پھیل چکی تھی۔میں نے ٹائم دیکھا میں پورے چودہ گھنٹے تک سوتی رہی تھی۔

اوہ مائی گاڈ میں اتنا زیادہ کیسے سو سکتی ہوں۔ حشام تو میرا انتظار کررہا ہوگا۔

اس خیال کے آتے ہی میں ایک چھلانگ مار کر بستر سے اٹھ گئی۔نیم گرم شاور لیا تو بالکل فریش تھی۔میں نے آج پہننے کے لیے حشام کا پسندیدہ لائٹ پنک کلر کا ڈریس نکالا اور پوری طرح تیار ہو کر باہر آئی۔

اماں اور امی باتوں میں مشغول تھیں۔مجھے تیار دیکھا تو امی مسکرانے لگی اور بولیں۔

”تم سو رہی تھیں اس لیے میں نے تمہیں جگایا نہیں صبح سے دو مرتبہ طلال بھائی کا فون آچکا ہے وہ تمہارا پوچھ رہے تھے۔میں نے بتایا کہ تم سو رہی ہو تو بولے۔اسے سونے
دو اٹھے تو اسپتال بھیج دینا حشام بار بار پوچھ رہا ہے۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”جی امی میں اسپتال جانے کے لیے تیار ہورہی ہوں۔“ میں نے جواب دیا اور چائے مانگی۔میرے منہ سے نکلا ہی تھا کہ اماں چائے لے آئیں۔

میں نے جلدی جلدی چائے حلق میں انڈیلی اور آصف کو آواز لگائی۔

”ارے ناشتہ تو کرتی جاؤ بیٹا۔“ امی نے کہا۔

”ٹھیک ہے امی، بالکل بھی بھوک نہیں ہے۔“ میں نے کہا۔

”ایسے کیسے بھوک نہیں ہے بیٹا، ذرا سوچو تو کب سے ایک لقمہ بھی نہیں کھایا ہے تم نے۔“

امی نے ناراضی بھرے لہجے میں کہا تو مجھے یاد آیا کہ ہاں واقعی میں نے کب سے کھانا ہی نہیں کھایا تب ہی میرے پیٹ نے فریاد کی تو میں ناشتا کرنے لگی۔

آصف گاڑی کے ساتھ ریڈی تھے تو میں گاڑی میں بیٹھ گئی۔آصف بہت شاندار ڈرائیونگ کرتے تھے میں نے خلوص دل سے ان کی ڈرائیونگ کو سراہا تو وہ مسکرانے لگے۔

آصف کوئی عام یا معمولی لڑکے نہیں تھے وہ ایک پڑھے لکھے تھے۔ کمانڈو کی ٹریننگ انہوں نے اپنے ذاتی شوق اور دلچسپی سے حاصل کی تھی اور اس لیے انہوں نے کرنل مشتاق کو جوائن کیا تھا اور ان کے خفیہ انٹیلی جنس کے گروپ میں شامل ہوئے تھے۔ میری کار کا ڈرائیور بننا بھی ان کا کوئی اہم آپریشن کا حصہ تھا۔

"آپ مجھے بھی اپنی طرح ڈرائیونگ کرنا سیکھا دیں۔ میں بہت بری ڈرائیونگ کرتی ہوں۔ حشام کے ساتھ جب بھی بیٹھتی ہوں ہمیشہ اس سے ڈانٹ کھاتی ہوں۔" میں نے آصف سے کہا تو وہ جواباً بیک مرر میں مجھے دیکھتے ہوئے مسکرانے لگے۔

اور پھر میں نے محسوس کیا کہ وہ بار بار مرر میں میری جانب دیکھ رہے ہیں۔ جیسے ہی میری نگاہیں ان کی نگاہوں سے ٹکراتیں ان کے گھنی مونچھوں تلے بھرے بھرے لب دھیرے سے مسکرا دیتے اور میں گھبرا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگتی۔ اچانک وہ بولے۔

"حشام آپ کے بیسٹ فرینڈ ہیں؟"

"جی۔" میں نے مختصر جواب دیا۔

"صرف فرینڈ ہیں یا اس سے بڑھ کر کوئی اور بات بھی ہے؟" اس نے سامنے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

مجھے آصف کا یوں بے تکلفی سے اس قدر ذاتی سوال پوچھنا ناگوار گزرا اور میں نے اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ تھوڑی دیر تو میرے بولنے کا منتظر رہا پھر بولا۔

"آپ کو شاید میرا اس قدر ذاتی سوال کرنا اچھا نہیں لگا اسی لیے آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا... آئی... آئی ایم سوری...!" اس نے کہا میں نے تب بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ میں سرجھکائے چپ چاپ بیٹھی تھی اور ارد گرد کی مجھے کوئی خبر نہیں تھی۔ تب ہی اچانک آصف کے منہ سے نکلا۔

"ہیلو ایاز تم بیک پر ہی ہو نا' میں نے محسوس کیا ہے ایک بلیک کی کرولا میرا پیچھا کر رہی ہے اور...!" اس جملے کے ساتھ ہی میں بری طرح چونک اٹھی اور گھبرا کر آصف سے پوچھا۔

"کیا ہوا آصف؟ کیا کوئی ہمارا تعاقب کر رہا ہے۔"

"آپ ریلیکس رہیں اور ہاں اپنا سر قدرے جھکا کر بیٹھیں میں اس کو جھانسا دے کر نکلنے کی کوشش کرتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"لیکن یہ کون لوگ ہیں اور ہمارا پیچھا کیوں کر رہے ہیں؟" میں نے شیشوں کے پار دیکھنے کی کوشش میں اپنا سر قدرے اونچا کرتے ہوئے پوچھا۔

"پلیز میم میں نے آپ سے درخواست کی ہے کہ اپنا سر نیچے رکھیں اور خاموش بیٹھیں۔" آصف نے بدلے ہوئے لہجے میں تحکمانہ انداز میں کہا تو میں نے اپنا سر جھکا لیا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اب میری سمجھ میں آنے لگا کہ یہ کون لوگ ہوسکتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہوسکتے ہیں جنہوں نے حشام کو نشانہ بنایا تھا۔ شمروز بھائی نے بھی مجھے بتایا تھا کہ میری ذات بھی ان کی نگاہوں میں کھٹک رہی ہے۔

اس وقت ہم کلفٹن کے پل کے اوپر سے گزر رہے تھے۔ پھر آصف نے بہت تیزی کے ساتھ وہ پل عبور کرلیا۔ تب ہی میں نے دو گاڑیوں کو اپنے دائیں اور بائیں تیزی کے ساتھ قریب آتے ہوئے دیکھا۔

ساری گاڑیاں بہت برق رفتاری سے دوڑ رہی تھیں۔ اس وقت سڑک تقریباً ویران ہی تھی۔ اکا دکا گاڑیاں آجا رہی تھیں۔ پھر آصف نے انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ اپنی گاڑی کو ان گاڑیوں سے آگے نکال لیا۔ مجھے حیرانی یہ تھی کہ اتنے قریب آنے کے بعد بھی ان لوگوں نے کوئی فائر نہیں کیا۔ اگر وہ مجھے مارنا چاہتے تو فائر کرسکتے تھے

لیکن شاید وہ لوگ مجھے مارنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ شاید مجھے اغوا کرنا چاہتے تھے مجھے آصف کی آواز سنائی دی وہ کسی سے بات کر رہا تھا۔

"اس وقت صرف تعاقب ہو رہا ہے وہ ہمارے نزدیک بھی آگئے تھے لیکن انہوں نے فائر نہیں کیا پھر چند لمحے دوسری جانب سے بات سننے کے بعد وہ پھر بولا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے اس طرح مجھے معلوم رہے گا کہ تم کیا کر رہے ہو اور تمہاری پوزیشن کیا ہے۔"

ابھی آصف کی کسی سے بات چیت جاری تھی کہ پیچھے سے ہماری کار کی سمت یکے بعد دیگرے دو فائر کیے گئے۔ آصف نے اس بات کی خبر اپنے ساتھی کو

دی پھر کہا۔"ہم تین تلوار سے گزر رہے ہیں ساحل قریب ہی ہے امید ہے میں ان تعاقب کرنے والوں سے جلد پیچھا چھڑا لوں گا۔

دوسری جانب سے آصف کو کوئی اور ہدایت دی گئی تو اس نے "اوکے" کہا اور سامنے ہی دو تلوار کے چوراہے سے آگے پھٹنے والی دو سڑکوں میں سے بائیں جانب جانے والی روڈ پر گاڑی دوڑانے لگے۔

آگے سڑک دور تک صاف تھی۔آصف کسی جیٹ طیارے کی مانند کار کو اڑائے لیے جا رہا تھا کہ پیچھے سے شدید قسم کی فائرنگ کی آوازیں آنے لگیں۔یہ دو طرفہ فائرنگ تھی۔فائرنگ کی آواز سن کر آصف نے خوشی سے سرشار انداز میں اپنے دونوں ہاتھ زور سے اسٹیئرنگ پر مارے اور خوشی میں اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

"یہ فائرنگ کہاں ہو رہی ہے؟" میں نے سر جھکائے جھکائے پوچھا۔

"خطرہ ٹل گیا ہے اب آپ سیدھی ہو کر بیٹھ سکتی ہیں۔" آصف نے مطمئن لہجے میں کہا تو میں سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"پلیز مجھے بتائیے تو آخر یہ سب کیا ہے پیچھے اتنی شدید فائرنگ ہو رہی ہے اور آپ اتنے مطمئن بیٹھے ہیں۔" میں نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔

"ہمارا تعاقب کرنے والوں کو میرے دوسرے ساتھیوں نے سنبھال لیا ہے اس لیے فکر کی کوئی بات نہیں ہے بس میں ابھی تھوڑی ہی دیر میں آپ کو اسپتال پہنچا دیتا ہوں۔" آصف نے اس طرح کہا جیسے کوئی بات ہوئی ہی نہ ہو تب میں نے کہا۔

"آصف کہیں یہ وہ لوگ تو نہیں تھے جنہوں نے حشام کو نقصان پہنچایا ہے۔"

"ہوسکتا ہے' ویسے آپ اپنے دماغ پر اتنا زور نہ ہی دیں تو بہتر ہے۔ہم آپ کے ساتھ ہیں تو پھر کس بات کی فکر ہے آپ کو' آپ تو جائیں اور اپنے فرینڈ کی تیمارداری کریں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور میں اس لڑکے کے آہنی اعصاب کو دیکھ کر حیران ہو رہی تھی کہ اس طرح کی سچویشن میں بھی یہ قطعی پریشان نہیں ہوا اور اب بھی کتنا مطمئن ہے اور مسلسل مسکرا رہا ہے۔

میں پریشان صورت لیے بیٹھی تھی تو وہ بولا۔"اپنے چہرے پر بشاشت لے آئیے آپ تو بیمار کی عیادت کے لیے جا رہی ہیں خود ہی بیمار لگیں گی تو بیمار بچارے کیا کریں گے۔" یہ کہہ کر اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

آصف اتنے دنوں سے میرے ساتھ تھا لیکن آج کھل کر مجھ سے اتنی بات کی تھی۔اس کے چہکنے کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔

وہ نہ جانے کن راستوں سے گاڑی نکال کر لایا مجھے قطعی اندازہ نہ ہوسکا۔میں جب چونکی جب گاڑی نے اسپتال کے گیٹ کے سامنے بریک لگائے۔

"لیجیے جناب اسپتال آگیا تشریف لے جائیے اور ہاں واپسی میں آج میں خود آپ کو یہاں سے لے کر جاؤں گا۔برائے مہربانی تنہا کہیں جانے کی کوشش مت کیجیے گا۔" اس نے گردن موڑ کر میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"طلال انکل کے ساتھ بھی نہیں۔" میں نے معصومیت سے سوال کیا۔

"جی نہیں، ان کے ساتھ بھی نہیں، بھول گئیں کہ ابھی کیا ہوا تھا لگتا ہے کہ وہ لوگ اب حرکت میں آگئے ہیں آپ کو بہت محتاط رہنا ہوگا۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں ایک گھنٹے میں آتی ہوں۔" میں نے کہا اور دروازہ کھولنے لگی تو وہ تیزی سے اتر آیا اور میری جانب کا دروازہ کھول دیا اور پہلی بار میں نے اس کی پرسنالٹی کا جائزہ لیا وہ لمبے قد کا باڈی بلڈنگ والی جسامت اور گوری رنگت کا سرخ و سفید پٹھان تھا۔چہرے پر گھنی مونچھیں اس کی مردانہ وجاہت میں اضافہ کر رہی تھیں۔

"کیا یہ دیکھ رہی ہیں کہ آپ کا باڈی گارڈ آپ کی حفاظت بھی کرسکے گا یا نہیں۔" اس نے مجھے اپنا جائزہ لیتے ہوئے دیکھ کر کہا تو میں کوئی بھی جواب دیے بنا تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

کمرے میں داخلے سے پہلے باہر موجود گارڈز کو میں نے ڈاکٹر ذیشان کا جاری کردہ کارڈ دکھایا تو انہوں نے مجھے اندر جانے دیا۔

اندر بیڈ پر حسام آنکھیں موندے لیٹا تھا میں آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی اس کے سرہانے جا کر کھڑی ہوگئی حالانکہ میں نے معمولی سی بھی آہٹ نہیں ہونے دی تھی۔

پھر بھی حسام کی آنکھ کھل گئی وہ مجھے دیکھ کر دھیرے سے مسکرایا اور بولا۔

"کیسی ہو؟"

"تم بتاؤ کہ تم کیسے ہو؟" میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں، تمہارا انتظار کر رہا تھا پتا چلا کہ تم سو رہی ہو، میں نے سوچا کہ اچھا ہے تم تھوڑا آرام کرلو میں نے کتنا پریشان کیا ہے نا تم سب کو۔" اس نے محبت پاش نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو حشام... تم ہو تو میں ہوں... اگر تمہیں کچھ ہوجاتا تو میں کیسے زندہ رہتی۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"سچ کہہ رہی ہو۔" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

"آخر کب تمہیں اعتبار آئے گا اب اگر ایسی بات کی نا تو میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔" میں نے حسب عادت کہا۔

"اور کتنا توڑو گی پہلے ہی اتنی ساری ٹوٹ پھوٹ ہوچکی ہے رحم کرو مجھ غریب پر۔" حشام نے ہنستے ہوئے کہا پھر اس کے منہ سے ایک تیز سسکی نکل گئی۔ہنسنے سے اس کی ٹانگوں میں تکلیف ہونے لگی تھی۔

"حشام...!" میں نے تڑپ کر کہا۔"کیا کرتے ہو ابھی پہلوان نہیں بنے ہو، اس لیے چپ چاپ لیٹے رہو۔"

پھر مجھے روم میں موجود اس گارڈ کا احساس ہوا تب میں نے اس سے کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے ہمیں اکیلا چھوڑ دے تب وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔

حشام کی صرف ایک سسکی سن کر میرا دل اس طرح تڑپا تھا کہ میں محبت سے کبھی اس کی پٹیوں کو بہت نرمی سے سہلانے لگتی کبھی اس کے بازو اور شانوں کو، پھر نہ جانے مجھے کیا ہوا کہ میں نے جھک کر اپنا چہرہ حشام کے چہرے پر رکھ دیا اور سرگوشی میں کہا۔

"مجھ سے آج ایک وعدہ کرو کہ ہمیشہ صرف مجھ سے محبت کرو گے اور مجھے میرے حصے کی محبت کرنے دو گے۔"

چہرے پر چہرہ تھا سانسوں سے سانسیں الجھ رہی تھیں۔میری ہر سانس کی گرماہٹ اس کے اندر زندگی کی حرارت پہنچا رہی تھی۔زخموں سے چور چور ہونے کے باوجود میری پیار بھری قربت اس پر سحر طاری کرنے لگی۔کمزوری کے باعث اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

وہ بڑی نقاہت سے بولا۔"میں نہیں جانتا سرمئی کہ میں تمہیں کتنا پیار کرتا ہوں لیکن تمہاری محبت کا یہ انداز مجھے نئی زندگی اور نئی مسرتیں دے رہا ہے۔ میں بیان نہیں کرسکتا کہ تم مجھے کتنی اچھی کتنی پیاری لگ رہی ہو۔بس اتنا جان لو کہ جس وقت مجھے گولیاں لگیں اور میں ہوش و حواس سے بے گانہ ہوا تو میری آنکھوں میں صرف تمہارا چہرہ تھا صرف تمہارا ہی تصور تھا۔"

بولتے بولتے اس کی آواز ڈوبنے لگی۔میں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اس کی آنکھیں بند تھیں۔میں بڑے جذب کے عالم میں اسے دیکھنے لگی۔آج میں بہت خوش تھی۔بہت ہی زیادہ میں اسے سر تا پا دیکھ رہی تھی زندہ سلامت' میں ہولے ہولے اس کے جسم کو سہلاتی رہی۔میرے ہاتھ اسے سرور بخش رہے تھے۔پھر میں نے اس کے گھنگھریالے بالوں کی ایک لٹ جو پیشانی پر جھول رہی تھی نرمی سے اسے ہٹا کر اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیے۔

"آپ نے خاصی انرجی میرے اندر انجکٹ کردی ہے۔اب اگر زیادہ ڈوز دیا تو میری طبیعت خراب ہوجائے گی۔" حشام نے آنکھیں موندے موندے مسکرا کر کہا تو میں بری طرح جھینپ گئی اور بے ساختہ کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"حشام کے بچے...!"

"ابھی کہاں...!" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔"ساری گڑ بڑ ہوگئی ورنہ ہم تو کوشش کر رہے ہوتے اب تک۔" اس نے آنکھیں کھول کر شوخ لہجے میں کہا تو میں اس کے جملے کا مطلب سمجھ کر ہنس پڑی اور اس وقت دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور ڈاکٹر ذیشان اندر آگئے اور آتے ہی بولے۔

"باہر عمران کو دیکھ کر ہی میں سمجھ گیا تھا کہ آپ اندر تشریف فرما ہیں۔"

عمران وہ سیکیورٹی گارڈ تھا جو اندر حشام کے ساتھ کمرے میں ہمہ وقت موجود رہتا تھا۔ڈاکٹر ذیشان کا اشارہ اس کی جانب تھا میں اب بھلا ان کی بات کے جواب میں کیا کہتی مسکرا کر سر جھکا لیا پھر ڈاکٹر ذیشان مسکراتے ہوئے حشام کی جانب بڑھے اور بولے۔

"ہاں جوان اب کیا حال ہیں۔" انہوں نے لفظ "اب" پر زور دیتے ہوئے معنی خیز لہجے میں پوچھا تو حشام بولا۔

"آپ دیکھ سکتے ہیں ڈاکٹر صاحب میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ میری اصل ڈاکٹر تو یہ ہے اسے میرے پاس ہی رہنے دیں لیکن آپ نے میری بات نہیں مانی۔"

جواب میں ڈاکٹر ذیشان مسکراتے ہوئے حشام کا چیک اپ کرتے رہے پھر پیچھے ہٹتے ہوئے بولے۔"ہوں اچھا ہے جتنی تیزی سے تمہارا خون تمہاری نسوں میں گردش

کرے گا تمہارا زخم اتنی جلدی ٹھیک ہو گا۔"

ڈاکٹر ذیشان چیک اپ کے بعد چلے گئے تو میں پھر حشام کے نزدیک آ گئی۔ حشام کے پاس آکر میں ذرا دیر پہلے والی ٹینشن بھی بھول گئی تھی لیکن میں یہ بات اسے بتانے والی نہیں تھی کہ ابھی کچھ دیر قبل میرے اوپر بھی قاتلانہ حملہ ہو چکا ہے۔

ابھی میں حشام سے باتیں ہی کر رہی تھی کہ طلال انکل اور آنٹی بھی آ گئے۔ آنٹی بھی بے حد خوش تھیں کیونکہ حشام انہیں پہلے کے مقابلے میں کافی بہتر دکھائی دے رہا تھا۔میں نے حشام اور آنٹی کو باتوں میں مصروف دیکھ کر

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

طلال انکل کو باہر آنے کا اشارہ کیا تو وہ سمجھ گئے اور یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلے گئے کہ وہ ابھی ڈاکٹر ذیشان سے مل کر آتے ہیں۔ذرا دیر بعد میں بھی انکل کو بلانے کے بہانے باہر نکل گئی۔

"کیا بات ہے سرمئی بیٹا تم نے مجھے باہر کیوں بلایا ہے۔کوئی خاص بات ہے کیا؟" انکل نے فکر مندی سے پوچھا تو میں نے انہیں ساری بات بتا دی۔

"اوہ مائی گاڈ!" انہوں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔"اس کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ لوگ تمہارے پیچھے پڑ گئے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ وہ تمہیں اغوا کرنا چاہتے ہیں اور اس سے ان کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ تمہارے ذریعے اس ویڈیو کیسٹ کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔میرا تو خیال ہے بیٹا کہ تمہارا گھر سے نکلنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

"خطرہ تو ہے انکل، لیکن میں ان لوگوں کے ڈر سے گھر میں چھپ کر تھوڑا بیٹھوں گی اور پھر اچانک ہی ایک خیال بجلی کی طرح میرے دماغ میں آیا اور میں نے ہیجان خیز لہجے میں کہا۔

”انکل کہیں ایسا نہ ہو کہ میری غیر موجودگی میں یا پھر میرے ہوتے ہوئے بھی وہ لوگ گھر میں زبردستی گھسنے کی کوشش کریں اور اس ویڈیو کیسٹ کو گھر میں تلاش کریں۔“

”ایسا بہت ممکن ہے۔“ انکل نے کہا پھر چند لمحے سوچنے کے بعد بولے میں ابھی کرنل مشتاق سے رابطہ کر کے انہیں یہ بات بتاتا ہوں۔

اور پھر اسی جگہ کھڑے کھڑے انکل نے کرنل مشتاق کو فون کیا اور ساری بات بتائی۔ پھر کچھ دیر وہ دوسری جانب کی بات سنتے رہے پھر مطمئن انداز میں سر ہلاتے ہوئے فون بند کردیا۔

”انکل! کرنل مشتاق نے کیا کہا؟“ میں نے تیزی سے پوچھا۔

”بیٹا ان لوگون کا نیٹ ورک بہت مضبوط اور مربوط ہے جس وقت یہ معاملہ پیش آیا تھا انہیں اسی وقت اس سارے واقعے کی اطلاع دے دی گئی تھی۔ان کے پیش نظر بھی یہ بات تھی کہ وہ تمہارے گھر پر بھی حملہ کرسکتے ہیں تم فکر نہ کرو گھر کی سیکیورٹی بڑھا دی گئی ہے۔“

”لیکن امی تو پریشان ہوگئی ہوں گی۔“ میں نے فکر مندی سے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”نہیں بیٹا تمہارے گھر میں ڈھیر سارے لوگ اکٹھے نہیں کیے گئے ہیں۔ گھر کے باہر ہی ایسے لوگوں کو تعینات کیا گیا ہے جو ہر ہر لمحے تمہارے گھر پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں اور کسی بھی غیر معمولی صورت حال سے نمٹنے کے لیے پوری طرح تیار ہیں۔تم بالکل بھی کسی بات کی فکر نہ کرو' اب یہ معاملہ کرنل مشتاق نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے ان شاء اللہ سب ٹھیک ہوگا۔“

پھر انہوں نے مزید بتایا کہ کرنل مشتاق کل کسی وقت آئیں گے انہوں نے بھی کچھ پتا لگالیا ہے۔میں نے انہیں جو تصویر بھیجی تھی وہ اس کے بارے میں کچھ بتانے والے ہیں۔

اسپتال میں ملاقات کے لیے آنے والوں کا ٹائم ختم ہوگیا تھا اس لیے ہم سب نے حسّام کو اللہ حافظ کہا اور باہر آگئے باہر آصف الرٹ کھڑا تھا۔انکل نے کچھ دیر رک کر اس سے کچھ باتیں کیں۔جب ہم چلنے لگے تو میں نے چلتے ہوئے انکل سے کہا کہ ”میں چاہتی ہوں جب انکل مشتاق آئیں تو میں بھی موجود ہوں۔“ انکل نے ہامی بھری کہ وہ مجھے ان کے آنے کاوقت بتادیں گے۔

میں گھر کی جانب جا رہی تھی۔تب ہی میرے سیل فون پر جاوید کی کال آئی اور اس نے مجھے ایک ایسی خبر سنائی کہ جسے سن کر میں بری طرح چونک گئی۔

اس نے بتایا کہ رمضان صاحب جو ہمارے چینل کے بیورو چیف ہیں انہیں کچھ نا معلوم لوگوں نے اغوا کیا اور پھر تشدد کا نشانہ بنایا ہے انہیں بعد میں چھوڑ دیا گیا ہے وہ زخمی حالت میں اسپتال میں ایڈمٹ ہیں لاکھ پوچھنے پر بھی وہ ان افراد کے بارے میں کچھ بھی نہ بتا سکے جنہوں نے انہیں اغوا کیا اور تشدد کا نشانہ بنایا۔

”تمہاری کچھ سمجھ میں آرہا ہے جاوید کہ یہ کون لوگ ہوسکتے ہیں۔“ میں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔کیونکہ جو بات میں اور جاوید جانتے تھے وہ کوئی اور نہیں جانتا تھا۔ان فیکٹ میں اپنے ایک خدشے کا اظہار اس روز انکل کے سامنے کرنا چاہ رہی تھی۔شمروز بھائی بھی ہمارے ساتھ تھے لیکن وہ بات ادھوری رہ گئی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”میں کچھ کچھ اس مسئلے کو سمجھ تو رہا ہوں ابھی کوئی حتمی بات نہیں کہہ سکتا۔ پہلے تم بتاؤ تمہارے خیال میں وہ کون لوگ ہوسکتے ہیں۔“ جاوید نے گول مول سا جواب دیا۔

”پہلے مجھے تم یہ بتاؤ کہ حماد کہاں ہے کیا اسے بھی اغوا کیا گیا تھا اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے کیونکہ میرا خیال ہے کہ حماد رمضانی صاحب کا رازداں ہے اور اسے بھی ساری بات معلوم ہے۔“ میں نے پوچھا۔

”حماد کے بارے میں تو مجھے کچھ علم نہیں ہے کیونکہ وہ تو چھٹیوں پر ہے اس بات کا پتا کرنا پڑے گا۔“ جاوید نے جواب دیا۔

”جاوید میرا خیال ہے کہ ہمیں حماد کے ذریعے اس سارے معاملے کا پتا چل سکتا ہے لیکن وہ ہمیں کیوں بتانے لگا؟ پھر میں نے اسے بتایا کہ ابھی تھوری دیر قبل میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔میری بات سن کر وہ خاصا فکر مند ہوگیا اور بولا۔”سرمئی تمہیں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے ابھی تم کہاں ہو؟“

”میں گھر واپس جا رہی ہوں اور تم میری فکر مت کرو میں نے اپنی سیکیورٹی کا پورا پورا بندوبست کیا ہوا ہے؟“ میں نے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے حماد پر ہاتھ ڈالا جائے پھر اس سے سارا کچھ اگلوالیں گے۔" جاوید نے کہا۔

"وہ کس طرح؟" میں نے تیزی سے سوال کیا۔

"اٹھا لیتے ہیں اس کو' ویسے بھی وہ ذرا دبو قسم کا بندہ ہے بہت جلدی سارا کچھ اگل دے گا۔" جاوید نے دھیمی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"جاوید...!" میں نے شدید حیرت سے اس کا نام لیا۔"کیا تم اس قسم کے کام بھی کرتے ہو۔"

"میں نہیں کرتا لیکن ایسے لوگوں سے اچھی دعا سلام ہے جو پیسا لے کر ایسے کام کرلیتے ہیں۔" جاوید نے کہا۔

"نہیں۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔"تم یہ کام رہنے دو میں دیکھتی ہوں کہ اس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے یہ ایک بہت اہم معاملہ ہے اور میں نہیں چاہتی کہ اس سارے معاملے کی بھنک بھی کسی اور کو پڑے' ویسے رمضانی صاحب کس اسپتال میں ہیں۔میں لگے ہاتھوں ان کی خیریت بھی پوچھ لوں۔"

میرا لہجہ خود بخود طنزیہ ہو گیا۔

جواب میں جاوید نے مجھے اس اسپتال کا نام بتایا تو میں نے آصف سے کہا کہ وہ گاڑی کا رخ اس اسپتال کی جانب موڑ لے۔کل کرنل مشتاق انکل طلال کے گھر آنے والے تھے اور وہاں میں بھی ان سے ملاقات کرنے والی تھی اس لیے یہ چاہ رہی تھی کہ میرے پاس کرنل مشتاق کو بتانے کے لیے بہت کچھ ہو۔

میں نے فون بند کیا تو آصف نے بیک مرر میں گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لیا اور گاڑی کا رخ اسپتال کی جانب موڑ لیا۔

اسپتال پہنچی تو رمضان صاحب کے روم کے باہر پولیس کا پہرہ تھا۔انہوں نے مجھے اندر جانے سے روک دیا۔میں نے کہا کہ میں ان کے چینل میں کام کرتی ہوں اور ان کی خیریت دریافت کرنے کے لیے آئی ہوں لیکن انہوں نے صاف جواب دے دیا کہ ہمیں آرڈر ملا ہے کہ رمضان صاحب سے سوائے ان کی فیملی کے کوئی دوسرا فرد نہیں مل سکتا۔

میری اس پولیس مین سے بحث جاری تھی کہ اندر روم سے رمضانی صاحب کی بیٹی باہر آئی وہ مجھے اچھی طرح سے پہچانتی تھی میں تیزی سے اس کی جانب

بڑھی اور رمضانی صاحب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے پولیس مین سے کہا کہ انہیں اندر آنے دو۔بیٹی کی سفارش پر پولیس مین نے کندھے اچکائے اور ناگواری سے بولا۔"بی بی آپ لوگ ہماری ڈیوٹی میں مداخلت کر رہی ہو۔" میں نے اس کو اگنور کیا اور چھپاک سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی۔

رمضانی صاحب بیڈ پر آنکھیں بند کیے لیٹے تھے۔ان کے سر اور ہاتھوں پر پٹیاں بندھی تھیں۔چہرے پر سوجن تھی اور ٹانگوں پر بھی سوجن اور نیل کے نشان تھے۔وہ تقریباً ساٹھ برس کے آدمی تھے اتنی مار نے ان کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔

"رمضانی صاحب!" میں نے ان کے بیڈ کے سرہانے جا کر دھیمی آواز میں انہیں پکارا تو انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔چند لمحوں تک تو وہ میری جانب خالی خالی نظروں سے دیکھتے رہے پھر دوبارہ آنکھیں موند لیں۔مجھے ایسا لگا جیسے وہ مجھ سے نگاہیں چرا رہے ہوں۔

"کیسی طبیعت ہے سر آپ کی؟ یہ اس عمر میں کس سے جھگڑ پڑے آپ؟" میں نے اپنے لہجے میں ذرا سی خوش مزاجی پیدا کرنے کی کوشش کی تو

انہوں نے دوبارہ آنکھیں کھول دیں اور ایک پھیکی سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر آکر دم توڑ گئی۔

"اسی لیے میں آپ سے کہا کرتی تھی کہ غصہ کم کیا کریں' اب کسی کو ڈانٹ دیا ہوگا اور اسی نے اس صورت میں آپ سے انتقام لیا ہے شکر کریں زندہ چھوڑ دیا۔" میں نے اپنی سابقہ عادت کے تحت ان سے اس قسم کی مزاج پرسی کی جیسی مجھے کرنی چاہیے تھی۔

"بہت بول رہی ہو' بول لو' آج تمہارا دن ہے۔" انہوں نے نقاہت بھرے لہجے میں کہا۔

"سوری رمضانی صاحب میں تو مذاق کر رہی تھی۔چلیے سیریس ہوجاتی ہوں بتائیے تو یہ سب کیا ہوا کیسے ہوا اور کس نے کیا؟

"مجھے نہیں پتا' میں ان لوگوں کو قطعی نہیں جانتا۔" رمضانی صاحب نے دوسری جانب منہ پھیر کے جواب دیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے کہ آپ انہیں نہیں جانتے لیکن اگر ان لوگوں نے آپ کو اغوا کیا تھا تو اس کا کوئی نہ کوئی سبب تو ہوگا' کیا وہ کوئی بات آپ سے

معلوم کرنا چاہتے تھے اور آپ کے نہ بتانے پر انہوں نے آپ پر تشدد کیا۔“ میں نے کہا جواب میں رمضانی صاحب کچھ دیر خاموش رہے پھر بولے۔

”تم تو جانتی ہو کہ میرا تعلق نیوز چینل سے ہے بہت سے سیاسی لیڈران اور دوسرے بیورو کریٹس کے بہت سے قیمتی راز ہمارے پاس ہوتے ہیں وہ لوگ مجھ سے ایک سیاسی شخصیت کے بارے میں بہت سے سوالات کر رہے تھے وہ کہہ رہے تھے کہ تمہارے پاس اس کے خلاف کرپشن کے جتنے بھی ثبوت ہیں وہ سب ہمیں دے دو، میں نے انکار کیا کہ میرے پاس ایسے کوئی ثبوت نہیں ہیں تو انہوں نے مجھ پر تشدد شروع کردیا اور جب میں ان کے بے پناہ تشدد کی وجہ سے بے ہوش ہوگیا تو انہوں نے مجھے ایک پارک میں پھینک دیا۔“ رمضانی صاحب اتنی بات کر کے بری طرح ہانپنے لگے۔میں نے ان کی خواہش پر انہیں پانی پلایا تو وہ پھر آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے۔

”سر پھر تو آپ کو اس سیاسی لیڈر سے اپنا انعام وصول کرنا چاہیے۔جن کی پردہ پوشی کرتے ہوئے آپ نے اپنا یہ حال کرلیا۔“ میں نے ہلکے طنزیہ لہجے میں کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”طنز کر رہی ہو مجھ پر؟“ وہ میرے طنز کو محسوس کرتے ہوئے بولے۔

”توبہ کیجیے سر، میری بھلا اتنی جرأت میں تو مذاق کر رہی تھی ویسے وہ کس کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔“ میں نے جلدی سے کہا۔

”ملک شہباز اعوان کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔“ رمضانی صاحب نے کہا۔

”ویسے آپس کی بات ہے سر کیا واقعی ملک شہباز اعوان کے کرپشن کے ثبوت آپ کے پاس ہیں۔“ میں نے قدرے آگے جھکتے ہوئے سرگوشی میں پوچھا۔

”ارے نہیں بھئی۔“ وہ حسب عادت بری طرح جھنجلا گئے۔”میرے پاس کسی کے بھی کوئی ثبوت نہیں ہیں۔اگر ہوتے تو بتا کر اپنی جان چھڑا لیتا یہ درگت نہ بنواتا۔“

”ہاں واقعی!“ میں نے خاصے معنی خیز لہجے میں کہا۔”آپ کسی کے لیے کیوں اپنی جان ہلاکت میں ڈالتے آپ کو تو ہر حال میں صرف اور صرف اپنا مفاد ہی عزیز ہونا چاہیے... ہے نا...!“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ انہوں نے ناگوار لہجے میں کہا۔

”چلیں چھوڑیں اس بات کو، ویسے مجھے ایک بات کا خیال آرہا ہے کہ کہیں ان لوگوں کا تعلق ان لوگوں سے تو نہیں جنہوں نے حشام کو بھی نشانہ بنایا تھا۔ ویسے اللہ رحم کرے آج کل ساری صحافی برادری پر برے دن آئے ہوئے ہیں۔“

میں نے بظاہر بے پروا انداز میں یہ جملہ کہا لیکن میری پوری توجہ رمضانی صاحب پر تھی۔میرا جملہ سن کر لمحہ بھر کو ان کی آنکھیں پھیل گئیں اور چہرے پر ایک تاریک سایہ لہرا کر روپوش ہوگیا اور میرے اس ایک جملے نے سارا کام آسان کردیا میں نے وہ سچ جان لیا جو رمضانی صاحب مجھ سے چھپا رہے تھے۔

”تم نے بول بول کر میرے سر میں درد کردیا ہے اب تم جاؤ اور ہاں ان تمام باتوں کا کسی اور کے سامنے ذکر مت کرنا جو میں نے تم سے کہی ہیں۔ حد یہ کہ میں نے پولیس تک کو یہ باتیں نہیں بتائی ہیں۔اس لیے کہ پولیس والے بال کی کھال نکالتے ہیں اور پھر میرے لیے اور بھی مسائل پیدا ہوجاتے۔“

”آپ بے فکر رہیں سر... آپ نے مجھ پر اعتماد کیا ہے میں ان ساری باتوں کو یہیں چھوڑے جا رہی ہوں یوں سمجھیں ہمارے درمیان کوئی بات ہوئی ہی نہیں...!“ پھر میں نے انہیں تسلی دی اور صحت یابی کی دعا کی اور وہاں سے چلی آئی۔

راستے میں مزید کوئی اور مسئلہ نہیں ہوا میں خیریت سے گھر پہنچ گئی۔گھر کے باہر میں نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی تو مجھے کوئی غیر معمولی بات دکھائی نہیں دی جیسا کہ کرنل مشتاق نے کہا تھا کہ گھر کے باہر مزید سیکیورٹی کا انتظام کردیا ہے لیکن مجھے تو کوئی بھی دکھائی نہیں دیا۔

میں گھر کے اندر داخل ہوگئی۔اماں نے بڑی مزے دار مسالے والی بریانی بنائی ہوئی تھی۔میں نے کھانا کھایا اور کھانے کے دوران حشام کو یاد کرتی رہی کیونکہ اتفاق سے ہم دونوں کو ہی مسالے والی چٹ پٹی بریانی بہت پسند تھی۔ اماں اور امی بھی اس حوالے سے حشام کو یاد کرتی رہیں اماں نے ہنستے ہوئے مجھ سے کہا۔

"ارے بٹیا ہم تو کہتے ہیں کہ تم ہم سے بریانی بنانا سیکھ لو' اپنے حشام میاں کو پسند بھی تو بہت ہے جب ان کا دل چاہے گا بنا کر کھلا دینا۔"

"مجھے اس بکھیڑے میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے جب حشام کا دل چاہے گا ہم آپ کے پاس آجائیں گے آپ بنا کے کھلا دیجیے گا۔"

"ارے لو میں بوڑھی بھلا کب تک جیوں گی۔تم سیکھو' بلکہ میں تو کہتی ہوں اچھے اچھے کھانے بنانا سیکھو' میاں کے دل میں اترنے کا راستا اس کے معدے سے ہو کر جاتا ہے۔" اماں نے کہا تو میں نے ہنستے ہوئے اماں کے گلے میں باہنیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"ارے واہ اماں ابھی سے مرنے کی باتیں شروع کردیں ابھی تو میری شادی آپ کو کرنی ہے پھر میرے بچے کی کرنی ہے' ابھی آپ کی عمر ہی کیا

ہے... نری جوان

ہیں۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میری اس بات پر امی اور اماں کی ہنسی نکل گئی میں بھی ہنسنے لگی۔میں دیر تک اماں کے ساتھ چھیڑ خانی کرتی رہی۔سب ہنستے رہے بابا ہماری ہنسی کی آوازیں سن کر کمرے سے نکل آئے اور ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے بولے۔

"تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے میرے مولا۔تو نے اس گھر میں دوبارہ سے میری بچی کی ہنسی کی آواز سنائی۔اللہ میری بچی کو بے پناہ خوشیاں عطا کرے۔" بابا آبدیدہ ہوگئے تو امی تشکر آمیز نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگیں۔

آج میں واقعی بہت خوش تھی۔حشام سے بہت اچھی گفتگو رہی۔تب ہی میرے سیل فون کی بیل بجی میں نے فون کی اسکرین پر نمبر دیکھا تو وہ طلال انکل کا تھا۔میں فون ہاتھ میں لے کر اپنے کمرے میں آگئی تو انکل نے بتایا کہ کل دوپہر کو کرنل مشتاق آئیں گے۔بلکہ صبح گیارہ سے بارہ بجے تک کا ٹائم اسپتال میں ملنے کا ہے تو میں اور تمہاری آنٹی گیارہ بجے اسپتال پہنچ جائیں گے اگر مناسب سمجھو تو تم بھی آجاؤ پھر ہم ساتھ ہی گھر چلیں گے۔

"ٹھیک ہے انکل' میں ان شاء اللہ کل گیارہ بجے اسپتال پہنچ جاؤں گی کل اتوار تھا اور اتوار کو اسپتال کے ٹائمنگ الگ ہوتے ہیں۔

میرے پاس کرنے کو اور تو کوئی کام نہیں تھا میں گزری ہوئی باتوں کے بارے میں سوچنے لگی۔حماد کے بارے میں' میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس کے بارے میں کرنل مشتاق کو بتاؤں گی وہ خود اس سے سب اگلوالیں گے۔وہ یقیناً یہ بات جانتا ہوگا کہ رمضانی صاحب کے اغوا کار کون لوگ تھے اور حشام کے معاملے میں رمضانی صاحب کا کیا کردار ہے۔

ان ہی باتوں کے بارے میں سوچتے سوچتے میں سوگئی۔رات کا وہ نہ جانے کون سا پہر تھا جب میری آنکھ کھلی۔ابھی میں پوری طرح جاگی بھی نہیں تھی نیند کے خمار میں ڈوبے ہوئے میں نے بائیں جانب کروٹ لی اچانک ہی فائر کی آواز سن کر میری آنکھیں کھل گئیں اور پھر یکے بعد دیگرے فائر کی آوازیں آئیں باہر گلی میں بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں ابھریں پھر دو طرفہ فائرنگ کی زبردست آوازیں آنے لگیں۔میں پوری طرح بے دار ہو کر بیٹھ گئی۔سمجھ میں نہیں رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے چھت پر بھی بھاگنے کی آوازیں آرہی تھیں۔فائرنگ بہت نزدیک ہو رہی تھی۔بلکہ شاید ہمارے گھر سے بھی ہو رہی تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اچانک ہی کسی نے کمرے کا دروازہ زور زور سے پیٹ ڈالا۔ساتھ ہی امی کی گھبرائی ہوئی آواز بھی آئی وہ میرا نام لے کر پکار رہی تھیں۔

میں نے تیزی سے اٹھ کر دروازہ کھولا تو امی پریشان صورت لیے کھڑی تھیں۔ بابا اور اماں بھی لاؤنج میں کھڑے تھے۔

"بیٹا یہ کیا ہو رہا ہے لگتا ہے ہمارے گھر پر فائرنگ ہو رہی ہے اور جواب میں آصف اور عثمانی بھی فائرنگ کر رہے ہیں۔یہ کون لوگ ہوسکتے ہیں۔" امی نے روہانسے لہجے میں میرا بازو تھام کر کہا۔

"آپ گھبرائیں مت امی... سب پتا چل جائے گا۔دروازے وغیرہ تو سارے لاک ہیں نا۔" میں نے امی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"دروازے تو سارے بند ہی ہیں لیکن یہ سب کیا ہو رہا ہے میرا دل بہت گھبرا رہا ہے بیٹا۔اللہ تعالیٰ خیر کرے۔" میں نے امی کے جسم پر لرزش محسوس کی تو انہیں اپنی بانہوں میں سنبھال لیا۔

"میرا خیال ہے میں اوپر آصف سے جا کر پوچھتا ہوں۔"" بابا نے کہا۔

"نہیں بابا آپ اوپر مت جائیے آصف کو فی الحال ڈسٹرب مت کریں جو بھی ہوگا وہ خود بتادیں گے۔" میں نے بابا کو منع کیا۔

"بیٹا کیا تم جانتی ہو کہ یہ کون لوگ ہیں۔" بابا نے نہ جانے کیسے اندازہ لگالیا۔

"جی بابا یہ سارا سلسلہ حشام والے معاملے سے جڑا ہے۔" میں نے کہا۔

"کک... کیا مطلب بیٹا... کیا اب وہ لوگ حشام کے بعد تمہارے پیچھے پڑ گئے ہیں یا اللہ میری بیٹی کی حفاظت کرنا۔" امی نے باقاعدہ رونا شروع کردیا۔

"امی آپ خوامخواہ اتنی پریشان ہو رہی ہیں کچھ نہیں ہوگا کچھ لوگ یوں ہی ہمیں ہراساں کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔دیکھیں اب فائرنگ کی آواز بھی رک گئی ہے۔" میں نے ماحول میں خاموشی کو محسوس کر کے کہا۔

فائرنگ کا سلسلہ رک گیا تھا تب ہی آصف اوپر سے اتر آئے ہم سب کو لاؤنج میں پریشان کھڑے دیکھا تو نزدیک آگئے۔

"آصف بیٹا یہ سب کیا تھا کون لوگ تھے اور کیا چاہتے تھے۔" امی نے تیزی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں آنٹی، نہ جانے کون لوگ تھے اور کیوں آئے تھے وہ گھر میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے تب عثمان نے فائر کردیا پھر انہوں نے مسلسل فائرنگ کی تو ہمیں بھی فائرنگ کرنا پڑی۔میرا خیال ہے ہماری جوابی فائرنگ سے ان کا ایک بندہ بھی زخمی ہوا ہے۔جسے اٹھا کر وہ بزدل بھاگ نکلے ہیں۔اب سب خیر ہے آپ

لوگ سو جائیں۔جب میں اور عثمان ہیں تو آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔" آصف نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن بیٹا پھر بھی پتا بھی تو چلے۔"

ابھی امی کا جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ باہر سے پولیس کی موبائل کا سائرن سنائی دیا اور پھر باہر سے چند لوگوں کی آوازیں آنے لگیں۔

"فائرنگ کی آوازیں سن کر شاید مقامی پولیس متوجہ ہوگئی ہے۔" آصف نے کہا اور اس کے ساتھ ہی گھر کی بیل بجنے کے ساتھ ہی ہمارا گیٹ بھی زور زور سے پیٹا جانے لگا۔

"میں دیکھتا ہوں آپ لوگ اندر ہی رہیں۔لاؤنج کا دروازہ بند کرلیں۔" آصف نے کہا تو بابا بھی آصف کے ساتھ باہر چلے گئے۔

"آصف سنیں آپ پولیس سے کیا کہیں گے کہ کون لوگ تھے۔" میں نے آصف کو جاتے دیکھا تو کہا۔

"بہت سمپل بات' کہہ دیں گے ڈاکو آئے تھے ہمارے گھر کے سیکیورٹی گارڈ نے فائرنگ کی تو وہ بھی فائرنگ کرتے ہوئے فرار ہوگئے۔اس کے آگے ہم کچھ نہیں جانتے۔" آصف نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"ہاں یہی کہنا ٹھیک رہے گا۔آپ جائیے اور عثمان کو بھی یہی بات بتائیے گا۔" میں نے باہر جھانک کر دیکھا ابھی تک عثمان نے گیٹ نہیں کھولا تھا آصف نے چند لمحے رک کر عثمان سے بات کی اور پھر گیٹ کھول دیا۔

عثمان اور آصف نے پولیس والوں کو مطمئن کردیا وہ تھوڑی دیر تک ان لوگوں سے مختلف سوالات کرتے رہے پھر چلے گئے۔

میں نے اس بات کی اطلاع طلال انکل کو دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ میں جانتی تھی کہ آصف نے کرنل مشتاق کو ساری بات بتا دی ہوگی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ اگر کرنل مشتاق کے یہ کمانڈوز آج یہاں نہ ہوتے پھر نہ جانے کیا ہوتا۔آج دن میں بھی میرے اوپر حملہ ہوا اور یہ چند گھنٹوں کے بعد دوسری کارروائی ہے۔

بقیہ ساری رات ہماری جاگتے ہوئے گزری۔صبح ہونے میں ویسے بھی زیادہ دیر نہیں تھی۔امی بہت زیادہ پریشان تھیں۔وہ تو انہیں دن میں ہونے والی کارروائی کے بارے میں پتا نہیں تھا ورنہ تو ان کا نجانے کیا حال ہوتا۔

صبح کی نماز پڑھنے کے بعد میں ذرا دیر کے لیے سو گئی۔صبح دس بجے مجھے اسپتال کے لیے بھی نکلنا تھا۔حشام سے ملاقات کے بعد طلال انکل کے ساتھ ان کے گھر جانا تھا اور کرنل مشتاق سے ملاقات کرنی تھی۔حشام سے ابھی تک اس سارے معاملے کے بارے میں کوئی بھی گفتگو کسی نے بھی نہیں کی تھی کیونکہ ڈاکٹر ذیشان کی ہدایت تھی کہ حشام کے سامنے کوئی بھی ایسی بات نہ کی جائے جس سے اس کے اعصاب پر برا اثر پڑے۔مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ تنہائی میں حشام اس بارے میں کچھ سوچتا ہے یا نہیں۔شاید وہ یہ سمجھ رہا ہوگا کہ میں اس سارے معاملے سے بالکل بے خبر ہوں۔

میں صبح نو بجے بے دار ہو گئی اور گرم پانی سے شاور لے کر لباس تبدیل کر کے باہر آگئی۔میں نے آصف کو کال کر کے بتا دیا تھا کہ صبح دس بجے اسپتال جانا ہے۔

میں نے امی کو بہت پریشان صورت لیے بیٹھے دیکھا۔ان کی آنکھیں متورم تھیں اور لب خشک تھے۔

”کیا ہے امی، آپ کیوں اتنی پریشان ہیں۔آپ سرمئی کی ماں ہیں اور بہادر بیٹی کی ماں کو بھی بہادر ہونا چاہیے۔“ میں نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

”نہیں بیٹا میں بہادر نہیں ہو سکتی۔میں اندر سے بہت کمزور ہوں۔میری جان جس بیٹی کی جان بچانے کے لیے میں نے اپنی زندگی تنہا رہ کر گزار دی۔اپنے آپ سے جدا کرنے کا اتنا کڑا فیصلہ کر لیا میں یوں اسے اب کھونے نہیں دوں گی۔یہ دنیا والے ہمارا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ہمیں چین سے جینے کیوں نہیں دیتے۔ہم کسی سے کچھ کہہ تو نہیں رہے ہیں۔“ امی بے چارگی سے بات کرتے کرتے رو پڑیں تو میں نے امی کو سینے سے لگا لیا اور کہا۔

”امی آپ کی بیٹی ایک مجاہدہ ہے۔برے لوگوں اور برائی کے خلاف جہاد کر رہی ہے اور یہ کام اتنا آسان نہیں ہے امی لیکن اگر آپ کی ڈھیر ساری دعائیں ہمہ وقت میرا احاطہ کیے رہیں گے تو مجھے کبھی بھی کچھ نہیں ہو گا۔آپ صرف اللہ پر بھروسا کریں اور دعا کریں۔“

”میری تو ہر سانس تمہاری سلامتی کے لیے دعائیں کرتی ہیں۔“ میں نے امی کا دھیان بٹانے کے لیے کہا تو وہ چونک کر میری جانب دیکھنے لگیں۔مجھے ان کی آنکھوں میں خوف اور اپنے لیے ڈھیروں فکر دکھائی دی۔

”اللہ پر بھروسا رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے امی، ہمارا ایمان ہے کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اللہ کی جانب سے ہوتا ہے اور اس کے حکم کے بغیر پتا بھی نہیں ہل سکتا۔تو جب آپ لوگوں کی دعائیں ہر دم میرے ساتھ ہیں تو کوئی کیسے مجھے نقصان پہنچا سکتا ہے۔“ میں نے ایک نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو امی کچن کی جانب جانے لگیں۔لیکن اس سے پہلے کہ امی کچن میں جاتیں اماں ناشتے کی ٹرے اٹھائے ہوئے کچن سے باہر آگئیں اور امی اور اماں ایک ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر آگئیں۔میں نے خود بھی ناشتا کیا

اور زبردستی امی کو بھی کرایا۔

”میرا تو خیال ہے بٹیا کہ آج تم رہنے ہی دو۔“ امی نے پھر مجھے باہر جانے سے روکنا چاہا اور میں انہیں جواب دینے ہی والی تھی کہ میرے سیل فون پر طلال انکل کی کال آگئی میں نے فون ریسیو کیا اور کہا۔

”السّلام علیکم انکل۔“

”وعلیکم السّلام جیتی رہو تم اب تک وہیں ہو کیا؟“ انہوں نے پوچھا۔

”جی انکل بس اب نکلنے ہی لگی تھی کیوں خیریت ہے نا؟“

”ہاں یہاں تو خیریت ہی ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ رات تمہاری طرف خاصی گڑبڑ ہوئی ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ آج تم مت آؤ احتیاط اچھی چیز ہوتی ہے۔“

”کیا ہوگیا ہے انکل آپ کو‘ آپ بھی امی کی زبان بولنے لگے۔ کچھ نہیں ہوتا میں بس نکل رہی ہوں آپ کو تو معلوم ہے کہ حشام میرا انتظار کر رہا ہوگا اور اگر میں نہیں گئی تو وہ ہزاروں سوالات کرے گا۔“ میں نے کہا۔

”وہ تو ٹھیک ہے بیٹا لیکن جس طرح کل دو مرتبہ تمہارے اوپر حملہ ہوا ہے اور تمہیں ہراساں کرنے کی کوشش کی گئی ہے میں اس وجہ سے تمہارے لیے فکر مند ہوں۔ بیٹا اب میرا اسٹیمنا جواب دے گیا ہے۔ ابھی تو حشام بھی پوری طرح صحت یاب نہیں ہوا ہے۔ میں تمہارا معمولی سا بھی نقصان برداشت نہیں کرسکتا۔“ انکل کے لہجے میں تشویش تھی۔

”انکل میں کب تک گھر میں قید رہوں گی۔ آج نہیں تو کل مجھے باہر نکلنا ہے انہیں جو کرنا ہے وہ کل کریں گے لیکن اس طرح چھپ کر بیٹھنے سے انہیں اس بات کا احساس ضرور ہوگا کہ میں ان کی ان بزدلانہ کارروائیوں سے خوف زدہ ہوگئی ہوں۔ مقابلہ کرنا ہے تو سامنے میدان میں آکر کریں پتا چل جائے گا کون کتنے پانی میں ہے۔“ میں بول رہی تھی اور امی آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھ رہی تھیں جھٹ بولیں۔

”بھائی صاحب اسے آپ ہی سمجھائیے میری تو کوئی بات سن ہی نہیں رہی ہے۔“

انکل نے امی کا جملہ سن لیا اور بولے۔"مجھے خوشی ہے کہ تم اتنی بہادر ہو اور ہر طرح کے حالات کو فیس کرنا جانتی ہو اور گھبراتی بھی نہیں ہو' لیکن اپنی امی کا خیال کرو۔وہ بہت زیادہ پریشان لگ رہی ہیں۔"

"مائیں تو ایسی ہی ہوتی ہیں آنٹی کا حال نہیں دیکھتے آپ لیکن کم از کم آپ جذبات سے ہٹ کر ٹھنڈے دل و دماغ سے میری بات پر غور کریں تو آپ کو بھی اندازہ ہوگا کہ میری سوچ بالکل ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے بیٹا! میں تم سے اور حسام سے ہار گیا ہوں۔" اس نے بھی اس رپورٹ کو تیار کرنے میں میرا کہنا نہیں مانا تھا اب تم بھی وہی کچھ کہہ رہی ہو جیسا وہ کہتا تھا چلو پھر آجاؤ' اپنا خیال رکھنا۔" انہوں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے بات ختم کی اور فون بند کردیا۔

پھر میں نے اپنا بیگ اور موبائل اٹھایا امی کے گلے لگ کر ان کی پیشانی کو چوما اور یہ کہتی ہوئی باہر آگئی کہ راستے میں آپ کو کال کرتی رہوں گی اور اسپتال پہنچ کر بھی کال کردوں گی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

آصف باہر الرٹ کھڑے تھے مجھے دیکھ کر گاڑی میں بیٹھ گئے اور میرے بیٹھتے ہی کار اسٹارٹ کردی۔راستے میں آصف نے مجھ سے پوچھا کہ میں پریشان تو نہیں ہوں تو میں نے جواب دیا کہ کیا میں آپ کو پریشان دکھائی دے رہی ہوں میرا جواب سن کر اس کے لبوں پر اس کی مخصوص مسکراہٹ آگئی تھوڑا فاصلہ طے ہوجانے کے بعد میں نے امی کو کال کر کے بتایا کہ میں بالکل خیریت سے ہوں آپ فکر مت کریں۔

اچانک ہی چلتے چلتے روڈ پر ہمیں لوگوں کا رش دکھائی دیا۔لوگ نعرے لگا رہے تھے سڑکوں پر ٹائر بھی جلائے ہوئے تھے اور روڈ پر بہت سے پتھر پڑے تھے ادھر سے ٹریفک بند تھا۔

"ارے یہاں کیا ہوگیا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"کچھ نہیں یہ جو سامنے بینک کی عمارت دکھائی دے رہی ہے یہاں دو گھنٹے قبل ڈاکو گھس آئے تھے بینک میں موجود گارڈز نے جب مزاحمت کی تو ڈاکوؤں نے فائرنگ کردی۔جس سے گارڈز کے ساتھ بینک میں موجود عام افراد جو اپنے کام کے سلسلے میں بینک آئے ہوئے تھے ہلاک ہوگئے۔جبکہ بینک سے

صرف سو گز دور پولیس موبائل کھڑی تھی اور ہمیشہ کی طرح پولیس والوں نے ڈاکوؤں کو روکنے یا ان کا تعاقب کرنے کی زحمت نہیں کی۔ ظاہر ہے اس سے لوگ مشتعل ہوگئے انہوں نے پولیس کی گاڑی پر پتھراؤ کیا اور انہیں بھگا دیا اور احتجاجاً روڈ پر ٹائر جلا کر روڈ کو بلاک کردیا۔

"مجھے لوگوں کے رویے پر شدید حیرت ہوئی ہے۔ یہ روڈ پر ٹائر جلا کے روڈ بلاک کرکے یہ کس قسم کا احتجاج کر رہے ہیں۔ دکانیں بند ہیں اس طرح سے تو عام لوگوں کو پریشانی ہو رہی ہے۔ نہ پولیس اور نہ ڈاکوؤں کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ملک اور اس کے لوگ کہاں جا رہے ہیں۔" میں نے کہا۔

"تباہی کی جانب۔" آصف نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔" میں نے کہا تو آصف نے گاڑی کو دوسرے روڈ پر لے لیا۔ پھر ہم لوگوں کے اس قسم کے رویوں کے متعلق باتیں کرتے رہے۔

بقیہ راستا خیریت سے کٹ گیا اور کوئی مسئلہ نہیں ہوا اسپتال پہنچی تو انکل اور کرنل مشتاق پہنچ چکے تھے۔ حشام کے سامنے ہم نے اس سارے معاملے پر کوئی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

بھی گفتگو نہیں کی۔ البتہ انکل نے حشام کی نگاہ بچا کر مجھ سے اشارے سے پوچھا کہ راستے میں تو خیریت رہی میں نے بھی اشارے سے سب خیریت کا جواب دے دیا۔

آنٹی حشام کو اپنے ہاتھوں سے سوپ پلا رہی تھیں مجھے دیکھا تو ہنس کر بولیں۔
"لو بھئی مجھ سے تو یہ نخرے کر رہا ہے تم پلاؤ شاید پی لے۔" میں جھینپ کر آگے بڑھی تو انکل اور کرنل مشتاق ہنس پڑے۔

کرنل مشتاق ذرا دیر بیٹھنے کے بعد چلے گئے۔ البتہ ہم نے گھنٹا پورا کیا میں اس بات پر حیران ہو رہی تھی کہ کرنل مشتاق کو تو ہمارے ساتھ جانا تھا پھر وہ چلے کیوں گئے لیکن حشام کے سامنے میں نے کچھ بھی پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔

لیکن جب ہم باہر آئے تو کرنل مشتاق ہمیں باہر مل گئے۔ پھر وہاں سے ہم تینوں اپنی اپنی گاڑیوں میں ساتھ ساتھ حشام کے گھر کی جانب چل دیے۔

راستا بخیریت گزرا اور ہم اطمینان سے گھر پہنچ گئے۔ گھر پہنچے تو آنٹی نے محبت پاش نگاہوں سے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”اب تم پھر سے اپنے انکل کے ساتھ مصروف مت ہوجانا۔ذرا دیر کو میرے پاس تو بیٹھو۔“

”میری پیاری ممی میں ضرور آپ کے پاس بیٹھوں گی۔ذرا انکل کے ساتھ مجھے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔آپ دیکھ رہی ہیں نا کہ کرنل مشتاق بھی آئے ہیں۔“ میں نے محبت سے آنٹی کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔

”مجھے تمہارا یوں ممی کہنا بہت اچھا لگا اب سے آئندہ تم مجھے ممی ہی کہنا آنٹی مت کہنا آنٹی نے میرے رخسار پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو میں نے ایک شرمگیں مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلادیا اور ان سے الگ ہو کر ان سے اجازت مانگی۔

”اب میں جاؤں ممی؟“

”بھئی تمہیں کرنل مشتاق کی موجودگی میں ایسی کون سی ضروری باتیں کرنی ہیں۔“ آنٹی نے ہلکی سی خفگی بھرے لہجے میں کہا۔

”بات دراصل یہ ہے ممی۔“ میں ان کے نزدیک بیٹھ گئی اور گہری سنجیدگی سے کہا۔

”آپ تو یہ بات جانتی ہیں کہ حشام کے اوپر قاتلانہ حملہ ایک سوچی سمجھی سازش ہے۔وہ گولیاں اسے اتفاقیہ یا حادثی طور پر نہیں لگی ہیں بلکہ اسے جان بوجھ کر اس جگہ بھیجا گیا ہے اور اس کو نشانہ بنایا گیا ہے۔اسپتال میں بھی اس کی جان لینے کی کوشش کی گئی ہے اس کے لیے ڈاکٹر ذیشان کو ایک بہت بڑے اماؤنٹ کی پیش کش بھی کی گئی تھی لیکن وہ ایک بہت اچھے انسان ہیں اور وہ انکل کو ایک بے لاگ صحافی کی حیثیت سے بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔اس لیے انہوں نے انکل کو فوراً خبردار کردیا۔حشام کی بہت زیادہ سیکیورٹی کی ضرورت تھی۔اس لیے انکل نے کرنل مشتاق سے رابطہ کیا انہوں نے حشام کی سیکیورٹی کا بھی فوری بندوبست کیا۔ساتھ ہی میرے گھر بھی سیکیورٹی کے لیے اپنی ایجنسی کے دو بہترین کمانڈوز کو بھیجا۔آصف اور عثمان کوئی عام لڑکے نہیں ہیں وہ کمانڈوز ہیں۔اب ہم مل کر ان لوگوں کا سراغ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس سازش کے پیچھے کون لوگ ہیں۔“ میں نے بہت دھیمے لہجے میں انہیں آہستہ آہستہ سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہائے میرے اللہ۔" آنٹی نے جھٹ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔"یا اللہ تو میرے بچے کو اپنی حفظ و امان میں رکھنا اور دشمنوں کی نگاہ سے ہر لمحے اسے بچائے رکھنا۔" آنٹی نے گلو گیر لہجے میں کہا۔

"آمین ثم آمین۔" میں نے صدق دل سے کہا پھر بولی۔

"آپ پریشان بالکل بھی نہ ہوں۔اللہ سب خیر کرے گا۔آپ صرف دعا کرتی رہیں۔"

"میری تو ہر سانس ہر لمحے اپنے بچے کے لیے اور تمہارے لیے خیر کی دعا کرتی ہے۔" آنٹی نے فکر مند لہجے میں کہا۔

"اب گھر جاؤں...!" میں نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو انہوں نے دھیرے سے سر ہلایا۔تو میں چائے کی ٹرے کچن سے لے کر اوپر چلی گئی چائے ملازمہ نے تیار کرلی تھی۔

اوپر طلال انکل کی اسٹڈی میں پہنچ کر میں نے دونوں کو چائے سرو کی تو کرنل مشتاق خوش ہو کر بولے۔

"بھئی سرمئی بیٹی یہ کام تم نے زبردست کیا ہے۔"

"کون سا کا کام انکل؟" میں نے پوچھا۔

"بھئی یہی چائے پلانے والا۔" کرنل مشتاق نے خوش دلی سے ہنستے ہوئے کہا تو میں اور انکل طلال بھی ہنس پڑے۔

چائے کے دوران ہلکی پھلکی باتیں ہوتی رہیں کرنل مشتاق انکل سے کہہ رہے تھے کہ حشام کے صحت یاب ہوتے ہی وہ فٹافٹ مجھے دلہن بنا کر اپنے گھر لے آئیں یہ سن کر میرے چہرے پر حیاآلود سرخی چھا گئی اور میں نے شرما کر سر جھکا لیا۔

"بالکل ایسا ہی کریں گے ان شاء اللہ ابھی تو ہم باقاعدہ ان کی امی کے سامنے اپنی جھول پھیلائیں گے اور سرمئی بیٹی کو اپنے حشام کے لیے مانگیں گے۔" طلال انکل نے کہا۔

"انکل اب ہم کام کی باتیں کرلیں۔" میں نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"اوہ' ہاں تم ایسا کرو کہ پہلے اسٹڈی روم کا دروازہ بند کر آؤ۔" انکل نے کھلے دروازے کی جانب اشارہ کیا تو میں دروازہ بند کر کے دوبارہ ان کے پاس آکر بیٹھ گئی۔تب انکل نے کرنل مشتاق سے کہا۔

"ہاں بھئی کرنل اب بتاؤ کہ میں نے تمہیں جو تصویر بھیجی تھی تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

"اس تصویر کو دیکھ کر میں تو حیران رہ گیا۔یہ شخص کسی زمانے میں ڈاکو "پرویز جٹ طیارہ" کے نام سے مشہور تھا بعد میں اس گروہ کے قلع قمع ہونے کے بعد یہ دوبارہ منظر پر آیا اور تمہیں یاد ہوگا کہ اس پر چار آدمیوں کے قتل کا الزام تھا اور یہ مفرور ہوگیا تھا پولیس نے اس کو اشتہاری قرار دے دیا تھا لیکن یہ کسی کے ہاتھ نہیں لگا اور اب اس شخص کو اس لڑکے نے کیا نام تھا اس کا۔" کرنل مشتاق نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"شمروز...!" میں نے جھٹ کہا۔

"ہاں شمروز، شمروز نے اسے نواب سطوت کے پاس آکر معذرت کرتے ہوئے دیکھا اور سنا ہے اور ان دونوں کے درمیان ہونے والی جو گفتگو آپ نے مجھے سنائی تھی اس سے تو یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ساری گفتگو حشام اور سرمئی کے بارے میں ہو رہی تھی۔" کرنل مشتاق نے اپنی بات ختم کی اور خاموش ہوگئے۔

"انکل آپ نے ویڈیو میں موجود اس شخص کی تصویر جو فائر کر رہا ہے اور نواب سطوت کے پاس آنے والے اس ڈاکو کی تصویر کو ملایا ہے کیا یہ دونوں ایک ہی شخص ہیں یا الگ الگ ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"وہ دونوں ایک ہی شخص ہیں اور اسی وجہ سے میں اتنے اعتماد سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ حشام پر فائرنگ نواب سطوت ہی کے کہنے پر کی گئی ہے۔" انکل نے معنی خیز لہجے میں کہا اور طلال انکل چونک کر میری جانب دیکھنے لگے اور میرا دل شدت سے یہ چاہ رہا تھا کہ میں ابھی جا کر اپنے باپ نواب سطوت کا گریبان پکڑ لوں اور اس سے کہوں کہ تو انسان نہیں زہریلا ناگ ہے جو اپنے ہی بچوں کو کھا جاتا ہے۔

میرے چہرے کا رنگ متغیر دیکھا تو انکل طلال نے جھٹ بات کو سنبھالا اور بولے۔

"سرمئی تم اس روز مجھے یہ بات بتانے والی تھیں نا کہ تمہیں اپنے چینل پر کسی پر شک ہے۔"

"میں تو بعد میں بتاؤں گی لیکن پہلے آپ بتائیں کہ آپ کو حشام نے کیا بتایا تھا کہ اس کی اس خفیہ رپورٹ بنانے کی خبر اس نے کس کو دی تھی۔" میں نے پوچھا۔

"رمضانی صاحب کو۔" انکل نے سر سراتے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر میری جانب اس طرح دیکھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں اب تم بتاؤ۔

"مجھے بھی رمضانی صاحب اور ایک لڑکا ہے حماد نامی' ان دونوں پر شک ہے۔" پھر میں نے دونوں پر اپنے شک کی وجوہ بھی بیان کر دیں۔

"رمضانی صاحب کو تو سنا ہے کہ کچھ لوگوں نے اغوا کرلیا تھا۔یہ کیا سلسلہ ہے۔" کرنل مشتاق نے پوچھا۔

"نہ جانے کیوں مجھے اس بات کا یقین نہیں ہے کہ کسی نے اسے اغوا بھی کیا اور مار پیٹ کرنے کے بعد اتنی آسانی سے چھوڑ بھی دیا مجھے یہ سب اس کا ڈراما لگ رہا ہے۔" طلال انکل نے کہا تو میں بھی سوچ میں پڑ گئی اچانک ہی کرنل مشتاق بولے۔

"یہ حماد کون ہے اور کہاں ملے گا...؟"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"کیوں خیریت؟" انکل طلال نے چونک کر پوچھا۔

"اگر سر مئی بیٹی کو اس پر شک ہے تو پھر کیوں نہ اسے چند دنوں کے لیے اپنا مہمان بنالیں۔اچھی طرح میزبانی کریں گے اور پھر ساری معلومات لے کر چھوڑ دیں گے۔" انہوں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"سوچ لیں انکل' ایسا کرنا ٹھیک ہوگا۔" میں نے کہا۔

"تم فکر نہ کرو' اس کے غائب ہونے کی کسی کو خبر نہیں ہوگی ہم سارا انتظام کرلیں گے۔" کرنل مشتاق نے مطمئن لہجے میں کہا تو میں نے حماد کے بارے میں جتنا بھی جانتی تھی اتنا انہیں بتا دیا میں ایک بار پھر سوچ میں پڑ گئی۔میں طلال انکل کی بات پر غور کر رہی تھی کہ انہوں نے یہ کیوں کہا کہ رمضانی نے یہ سب ڈراما کیا ہے آخر انہیں یہ ڈراما کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

"کس سوچ میں گم ہو بیٹی' مجھے بس ایک دو دن دو' میں ساری معلومات کر کے تمہیں بتا دوں گا۔" کرنل مشتاق نے کہا۔

"کچھ نہیں۔" میں نے دھیرے سے سر جھٹکا پھر طلال انکل سے پوچھا۔

”انکل اب تو بتادیں کہ حشام کس کے خلاف کون سی رپورٹ بنا رہا تھا۔“ میں نے پوچھا۔

”تو تم یہ بات جان کر ہی رہو گی۔“ طلال انکل نے کہا تو میں سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی تو انکل نے خاصے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”تم اور ہم سب اپنے ملک کے بہت زیادہ ابتر اور بگڑتے ہوئے حالات کی وجہ سے بہت زیادہ فکر مند ہیں۔ملک جل رہا ہے اور حکمراں سب ٹھیک ہے کا نعرہ لگا رہے ہیں۔آج ہمارے ملک کے ہر ادارے کا بیڑہ غرق ہوچکا ہے۔ مہنگائی عروج پر ہے ایک عام آدمی اور سفید پوش کا عزت سے زندگی گزارنا مشکل ترین ہوگیا ہے۔ملک میں آئے دن لسانی فسادات ہوتے رہتے ہیں۔اغوا، قتل، ڈکیتیاں، بم بلاسٹ، ہڑتالیں غرض کہ لوگوں کا جینا محال ہے۔آج اگر کسی ایک صوبے کی زبان بولنے والا مار دیا جاتا ہے تو اس کے بدلے میں چار دوسری زبان بولنے والوں کو مار دیا جاتا ہے۔اس کے قاتل کی گرفتاری کے لیے جلاؤ گھیراؤ اور ہڑتالیں ہوتی ہیں۔شیعہ مار دیا جاتا ہے تو سنی پر الزام لگتا ہے۔غرض کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس ملک میں رہنے والے ایک اللہ

ایک رسول اور ایک قرآن کو ماننے والے ایک دوسرے کے دشمن اس لیے ہوگئے ہیں کہ محض وہ پنجابی بولتا ہے یا سندھی اور پشتو بولتا ہے دوسری جانب صوبائی زبانیں بولنے والے اردو زبان بولنے والوں کے دشمن ہیں۔شیعہ سنی کا جانی دشمن ہے تو سنی شیعہ کا۔

کل یہی ملک تھا اور اس میں رہنے والے بھی یہی لوگ تھے۔ان میں محبت اور بھائی چارہ تھا۔سب ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں بھی شریک ہوتے تھے لیکن آج ایسا کیوں ہو رہا ہے کون ہے ایسا جو اس ملک کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔

جب یہ سوال اپنے آپ سے کیا تو جواب یہی آیا کہ ایک رسول کے ماننے والے ایسا کبھی نہیں کرسکتے، کوئی ہے ابن ابلیس جو ایسا کر رہا ہے۔

عہد نبوی سے ہی، یہودیوں، عیسائیوں اور کفار کو آج تک یہ بات ہضم نہیں ہوتی کہ مسلمان اس دنیا کے نقشے پر ابھریں روز اول سے جو ہمارے ساتھ دشمنیاں نبھا رہے ہیں اور جیسا کہ سب ہی جانتے ہیں کہ پاکستان وہ واحد ملک ہے۔جیسے بہت جدوجہد اور قربانیوں کے بعد انگریزوں اور کافروں سے اسلام

کے نام پر حاصل کیا ہے وہ اپنی جلن اور حسد میں اس کو پھلتا پھولتا اور پنپتا ہوا کیسے دیکھ سکتے ہیں۔

بس پاکستان کو مٹانے کے لیے یہ تینوں اسلام دشمن قوتیں اکٹھی ہو گئیں اور انہوں نے ہمارے اندر سے ہی میر جعفر کو تلاش کرلیا۔اس بات سے مسلمانوں کی تاریخ بھری پڑی ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اندر موجود میر جعفر جیسی فطرت رکھنے والوں نے ہی نقصان پہنچایا ہے۔

آج جبکہ مہنگائی نے پاکستانیوں کے منہ سے روٹی چھین لی ہے تو ان دشمنوں نے اس چیز کا فائدہ اٹھایا اور ایسے ہی کمزور ضمیر لوگوں کو اپنا آلہ کار بنالیا اور ان لوگوں کے اوپر ان کے کسی بڑے کا ہاتھ ہے۔

پاکستان کو ختم کرنے کے لیے ہندوؤں کی بدنام زمانہ تنظیم ”را“ اور یہودیوں کی تنظیم ”موساد“ نے گٹھ جوڑ کرلیا ہے۔

بہت عرصے سے میں اس سلسلے پر کام کر رہا تھا اور میرے ساتھ حشام میری مدد کر رہا تھا۔ہم اپنے ملک میں موجود اس کالی سیاہ ترین بھیڑ کا سراغ لگانے میں کامیاب رہے۔وہ ایک سیاستدان ہے جو پردے کے پیچھے ہے اس

کا بازو ایک دوسرا شخص ہے جو ملک سے باہر ایک بزنس مین کے طور پر رہتا ہے۔

حشام ان سارے لوگوں کے نام جاننے کے بعد ایک بہت مربوط اور مستحکم رپورٹ تیار کر کے اسے منظر عام پر لانا چاہتا تھا اور اس نے یہ بہت بھیانک غلطی کی کہ اپنے نیوز چینل کے بیورو چیف مسٹر رمضانی پر اعتماد کرتے ہوئے اس رپورٹ کے بارے میں بتا دیا۔

ایسا لگتا ہے کہ تمہارے رمضانی صاحب نے یا تو ان میں سے کسی کو بلیک میل کر کے کچھ رقم ہتھیانے کی کوشش کی ہوگی یا پھر ان کا تعلق بھی ان ہی لوگوں سے ہے لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر رمضانی صاحب کا تعلق ان لوگوں سے ہوتا تو ہم سے یہ بات چھپی نہ رہتی۔اس لیے یہی سمجھ میں آرہا ہے کہ رمضانی صاحب نے زرد صحافت اپناتے ہوئے کسی کو بلیک میل کیا ہے اور رہی بات حماد کی تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حماد ان کے ساتھ اس طرح کے کام پہلے بھی کرتا رہا ہو۔“

انکل بول رہے تھے اور میں سکتے کی کیفیت میں یہ سب باتیں سن رہی تھی۔ رمضانی صاحب اندر سے اتنے گھٹیا آدمی نکلیں گے میں یہ بات مر کر بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔

میں نے اسی لمحے اپنے دل میں عہد کیا کہ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر میں رمضانی صاحب کو کبھی نہیں چھوڑوں گی انہوں نے صحافت جیسے معزز پیشے کے ماتھے پر کالک مل دی ہے اور میں انہیں لوگوں کے سامنے اپنے ہی چینل پر بے نقاب کر کے اس کالک کو دھونے کی کوشش کروں گی۔

”انکل آپ کا کیا خیال ہے کیا نواب سطوت بھی ملک کو بیچنے والوں میں شامل ہے۔“ میں نے نفرت انگیز لہجے میں پوچھا۔

”نہیں میرا خیال ہے وہ ان لوگوں میں شامل نہیں ہے اس کے ذریعے حشام کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔“ انکل نے جواب دیا۔

”انکل آپ نے اس سیاست دان کا نام نہیں بتایا۔“ میں نے پوچھا۔

”سردار شیر افضل۔“ انکل نے سرسرائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔”یہ صوبائی اسمبلی کا ممبر ہے اور اس کے ”را“ اور ”موساد“ والوں سے تعلقات ہیں اور اس کے پورے پورے ثبوت ہمارے پاس موجود ہیں۔“

میں ایک بات اور سوچ رہی تھی اس لیے انکل سے کہا۔

”انکل حشام کی وہ رپورٹ تو اس کے لیپ ٹاپ میں تھی اور اس کے لیپ ٹاپ کو تباہ کردیا گیا ہے تو کیا حشام کی ساری محنت اکارت ہوگئی؟“

”ایسا بھی نہیں ہے۔“ انکل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔”وہ رپورٹ میرے پاس یو ایس بی میں محفوظ ہے اور یو ایس بی میرے لاکر میں ہے۔

انکل کا جواب سن کر میں نے سکون کا سانس لیا۔کرنل مشتاق اتنی دیر سے بالکل خاموشی رہ کر میری اور انکل کی گفتگو سن رہے تھے کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔

”اچھا بھئی طلال مجھے اجازت دو، مجھے ایک بہت ضروری ملاقات کرنی ہے۔ ورنہ میں مزید کچھ دیر تم لوگوں کے ساتھ بیٹھتا، ہاں یہ وعدہ ہے کہ ایک دو دن میں تمہیں ایک مکمل رپورٹ پیش کردوں گا۔“

"حماد کے ذریعے۔" میں نے استفساریہ انداز میں کہا تو کرنل مشتاق "یو ویٹ اینڈ واچ" کہہ کر آگے بڑھنے لگے تو میں اور انکل بھی ان کے ساتھ نیچے اتر آئے۔

میں آنٹی کے پاس آئی تو انہوں نے بے تابی سے پوچھا۔"پتا چلا کہ وہ بد بخت بد ذات کون ہے۔"

آنٹی کے اس طرح سوال کرنے پر انکل نے چونک کر میری جانب دیکھا تو میں نے اپنی نگاہیں چرا لیں اور دانستہ یہ ظاہر کیا جیسے میں ان کی نگاہوں میں مچلتے ہوئے اس سوال کو کہ کیا تم نے مماک تمام باتوں سے آگاہ کردیا ہے محسوس ہی نہیں کیا ہے۔

"ابھی نہیں مما ابھی تو ساری تفتیش جاری ہے یہ بھی جلد ہی پتا چل جائے گا ان شاء اللہ۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

"ان شاء اللہ۔" آنٹی نے صدق دل سے کہا پھر بولیں۔"تم کتنی اچھی ہو کہ تم نے مجھے تمام باتوں سے آگاہ کیا ورنہ تمہارے انکل تو مجھے کچھ بھی بتانے

والے نہیں تھے۔" انہوں نے انکل کی جانب شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں بھی تو سنوں کہ کیا بتایا ہے آپ کی لاڈلی بیٹی نے۔" انکل بیٹھتے ہوئے بولے۔

"اب چھوڑیں اس بات کو جب آپ نے مجھے کسی قابل ہی نہیں سمجھا' آپ نے تو مجھے ہمیشہ کم عقل ہی سمجھا۔" آنٹی کی خفگی بدستور جاری تھی۔

"بات کم عقل سمجھنے کی نہیں ہے ماریہ...!" انکل اپنی جگہ سے اٹھ کر آنٹی کے پاس آن بیٹھے اور بہت رسان بھرے لہجے میں انہیں سمجھاتے ہوئے بولے۔

"میں صرف اس قسم کی باتوں کو تم سے شیئر نہیں کرتا کہ تم خوامخواہ پریشان ہو گی اور تم ان باتوں کا کوئی حل بھی تو تمہارے پاس نہیں ہے پھر کیا فائدہ ہوتا تمہیں بتانے کا۔" انکل کے محبت بھرے لہجے نے کام کردکھایا اور آنٹی نے مسکرا کر اپنی خفگی دور کردی۔

آصف موجود تھے اس لیے میں آنٹی اور انکل سے اجازت لے کر گھر آ گئی۔ میں گھر پہنچی تو امی نے مجھے دیکھتے ہی شکر کا سانس لیا۔ اماں نے جھٹ میرے سر سے کچھ پیسے وار کر اتارے میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بھئی میں مان گئی کہ ماؤں کے دل بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ ادھر آنٹی اور ادھر آپ لوگ؟"

"تم کچھ بھی کہو' ہاں بس ہم ایسی ہی ہیں۔" امی نے کہا اور پھر دیر تک ہم بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے میرا شدت سے جی چاہ رہا تھا کہ میں حشام کے پاس چلی جاؤں اور اس سے ڈھیر ساری باتیں کروں۔ اللہ کا شکر تھا کہ حشام تیزی سے صحت یاب ہو رہا تھا۔ میرا دل اب اس نیوز چینل میں کام کرنے کا نہیں چاہ رہا تھا۔ میں سوچنے لگی کہ اس نیوز چینل سے استعفیٰ دے دوں اور دوسرے نیوز چینل کو جوائن کر لوں۔ میرے پاس بہت اچھی آفرز موجود تھیں۔ سیلری بھی زیادہ تھی لیکن میں حشام کی وجہ سے یہاں رکی ہوئی تھی اور اب تو میرا خیال یہی تھا کہ صحت یاب ہونے کے بعد حشام بھی اس چینل کو اللہ حافظ کہہ دے گا۔

میں نے نیوز چینل سے چھٹیاں لی ہوئی تھیں۔ کافی دن ہو گئے تھے اب حشام کی جانب سے بھی اطمینان ہو چلا تھا اس لیے سوچ رہی تھی کہ چینل جوائن کر لوں۔

میں رات دیر تک ایسی ہی سوچوں میں گم بہت سے فیصلے کرتی رہی پھر مطمئن ہو کر سونے کے ارادے سے اپنی آنکھیں موند لیں۔ مجھے خیال آیا کہ حشام رات میں پتا

نہیں سوتا بھی تھا یا نہیں۔ مجھے بار بار کال کرتا تھا میں نیند میں جھنجلا جاتی تو خمار آلود لہجے میں کہتا۔

"کیا کروں جانم جب تمہاری مدھر آواز سنے ذرا دیر ہو جاتی ہے تو میری سانسیں رکنے لگتی ہیں۔"

اور اس کی یہ بات سن کر میرا دل کہتا "تو پھر جلدی سے مجھے اپنے پاس بلا کیوں نہیں لیتے۔" لیکن میں یہ بات اس سے کبھی کہہ نہ سکی۔ وہ جتنا کھل کر

صاف صاف لفظوں میں اپنی محبت کا اظہار کرتا میں اتنا ہی اپنا حال دل اس سے چھپاتی اور جب میں نے اپنا یہ راز اس پر آشکار کیا کہ میں تو نجانے کب سے اس کی محبت میں پور پور ڈوبی ہوئی ہوں تو چند دن بھی ہم نے پیار بھرے نہیں گزارے اور یہ سب ہو گیا۔

میں بہت گہری نیند میں تھی تب میرے موبائل کی بیل نے شدید شور مچا کر مجھے بے دار کردیا میرا دل یک بارگی دھڑک اٹھا۔اس وقت مجھے کس نے فون کردیا چینل سے بھی فون نہیں آسکتا کیونکہ میں چھٹیوں پر ہوں۔میں نے جلدی سے سائیڈ ٹیبل پر رکھے موبائل کی جانب ہاتھ بڑھایا اور اس کی روشن اسکرین پر نگاہ ڈالی۔طلال انکل کا نمبر روشن تھا میں نے تیزی کے ساتھ آنسر کا بٹن پش کیا اور کپکپائے ہوئے لہجے کہا۔

"جی... جی انکل... سب خیریت تو ہے...!"

"خیریت ہی تو نہیں ہے بیٹی۔" انکل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ابھی ابھی میرے پاس اطلاع آئی ہے کہ اسپتال میں حشام پر حملہ ہوا ہے...!"

انکل طلال نے جو دھماکہ خیز نیوز سنائی تھی اسے سن کر مجھے خود پر قابو نہیں رہا اور میں چیخ اٹھی۔

"انکل حشام... انکل حشام تو ٹھیک ہے ناں..." میرا لہجہ آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا۔میں نے پھر پوچھا... "یہ سب آخر ہوا کیسے؟"

"بیٹا! اب سب خیریت ہے اور اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حشام بھی بالکل خیریت سے ہے ان لوگوں نے فائرنگ ضرور کی تھی لیکن میں داد دیتا ہوں کرنل کے کمانڈوز کو کہ انہوں نے خوب مقابلہ کیا ان کے بندے زخمی بھی ہوئے ہیں اور ایک بندہ سر میں گولی لگنے کی وجہ سے فوری طور پر ہلاک بھی ہو گیا ہے۔بعد میں پولیس بھی آگئی انہوں نے لاش اپنے قبضے میں لے لی ہے' کرنل بھی فوری طور پر موقع پر پہنچ گیا' میری تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا کہ ایسا کیسے ہو گیا؟ وہ لوگ حشام کے کمرے تک پہنچ کیسے گئے وہ تو شکر ہے کہ حشام نیند کی دوا کے زیر اثر گہری نیند میں تھا پھر بھی اتنے شورو ہنگامے کی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔اسے تھوڑی بہت بات بتائی ہے لیکن وہ خاصا ڈسٹرب ہے۔"

”انکل آپ اس وقت کہاں ہیں؟“ میں نے حشام کی خیریت کی اطلاع پا کر اللہ کا شکر ادا کرنے کے بعد پوچھا۔

”میں یہاں اسپتال میں موجود ہوں۔“ انکل نے جواب دیا۔

”پھر میں ابھی فوری طور پر آ رہی ہوں۔“ میں نے تیزی سے کہا۔

”نہیں بیٹا تم ابھی مت آؤ‘ ایک تو تمہارا اس وقت گھر سے نکلنا خطرے سے خالی نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ یہاں کسی کو بھی آنے کی اجازت نہیں ہے۔“ انکل نے منع کرتے ہوئے کہا۔

”انکل میری حشام سے بات کرادیں پلیز...“ میں نے کہا کیوں کہ اس سے بات کرکے میں اس کے خیریت سے ہونے کی تسلی کرنا چاہتی تھی۔

”سوری بیٹا! میں تمہاری حشام سے بات نہیں کرواسکتا کیوں کہ اسے ڈاکٹر نے سکون بخش دوا دے کر سلادیا ہے۔جاگنا اور ان باتوں کے بارے میں سوچنا اس کے لیے بہتر نہیں تھا۔“ انکل نے کہا۔

”آپ سچ کہہ رہے ہیں ناں انکل! مجھے بہلا تو نہیں رہے‘ حشام بالکل خیریت سے ہیں ناں۔“ میں نے غیر یقینی لہجے میں پوچھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”بیٹا آپ نے کیسے یہ سوچ لیا کہ میں آپ سے کوئی بات چھپا سکتا ہوں‘ مطمئن رہو اللہ نے کرم کردیا ہے۔کرنل مشتاق کہہ رہے تھے کہ اب وہ حشام کی سیکیورٹی مزید سخت کردیں گے‘ ویسے بھی یہ خبر تمام نیوز چینلز پر نشر ہورہی ہے۔فائرنگ کا یہ واقعہ چھپایا نہیں جاسکتا تھا۔“ انکل نے کہا تو میں نے انہیں اللہ حافظ کہا اور ٹی وی آن کرلیا‘ سارے ہی چینلز پر یہ بریکنگ نیوز چل رہی تھی۔

تب ہی امی میرے کمرے میں چلی آئیں اور میں جو اتنی فکر مند اور دل برداشتہ ہورہی تھی‘ بھاگ کر ان کے سینے سے لگ کر سسک پڑی۔

”اللہ رحم کرے اب کیا ہوگیا؟“ امی نے لرزتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

تب میں نے امی کو آنسوؤں کے درمیان اٹک اٹک کر ساری بات بتادی‘ میرے ساتھ ساتھ امی بھی فکر مند ہو گئیں لیکن مجھے تسلیاں بھی دیتی رہیں۔وہ ساری رات میں نے جاگتے ہوئے گزاری آنکھوں میں آنسو اور زبان پر دعائیں تھیں۔

دوسرے دن صبح ہی سے ساری صحافی برادری سڑکوں پر نکل آئی گورنر ہاؤس کے سامنے مظاہرے ہورہے تھے' ہر ایک سراپا احتجاج بنا ہوا تھا اور ان لوگوں کی گرفتاری پر اصرار کررہا تھا' جو اس ساری صورت حال کے ذمہ دار تھے' حشام کے ساتھ ساتھ رمضان صاحب کے لیے بھی ساری صحافی برادری سراپا احتجاج تھی۔

میں نے طلال انکل سے اس احتجاج میں شرکت کی اجازت مانگی تو انہوں نے مجھے منع کردیا کہ اس طرح تو تمہارے دشمنوں کو تمہیں راستے سے ہٹانے کے لیے راستہ صاف مل جائے گا' بہتر یہی ہے کہ ابھی گھر سے باہر مت نکلو' انہوں نے مجھے اسپتال آنے سے بھی منع کردیا۔

مشکل یہ تھی کہ ابھی حشام کی صحت اس قابل نہیں تھی کہ اسے اسپتال سے کہیں اور شفٹ کیا جاسکتا ابھی زخموں کو خشک ہونے میں ٹائم تھا' کسی بھی جگہ موومنٹ میں اس کے ٹانکے کھل سکتے تھے۔ڈاکٹرز کے مطابق کم از کم پندرہ دن اسے مزید اسپتال میں رہنا تھا اور یہ پندرہ دن مجھے سولی پر گزارنے تھے۔ میرا مسلسل انکل سے فون پر رابطہ تھا انہوں نے مجھے ایک خوش خبری یہ بھی

سنائی کہ کرنل مشتاق نے جیسا کہا تھا وہی کیا ہے' میں سمجھ گئی کہ حماد کو انہوں نے اٹھا کر اپنی گرفت میں لے لیا ہے' ہم نے کوڈ ورڈ میں بات کی پھر انکل بولے۔

''ایک منٹ ہولڈ کرو۔'' اور تقریباً ایک منٹ کے بعد مجھے حشام کی نحیف اور کمزور آواز سنائی دی۔

''ہیلو جان حشام! کہاں ہو؟''

''ہش... حشام... کیسے ہو...؟'' میں لرزتی ہوئی آواز میں بمشکل کہہ سکی۔

''جب ڈاکٹر کو ہی مریض کی پروا نہ ہو تو خود سوچ لو کہ مریض کا کیا حال ہوگا۔'' اس نے روٹھے روٹھے لہجے میں کہا۔

''وہ... وہ... حشام... میں... میں۔''

''کوئی بہانہ مت کرو میری نگاہیں تمہارے لیے مستقل دروازے پر لگی ہوئی ہیں۔تم آج آئیں کیوں نہیں؟'' اس کا روٹھا روٹھا سا لہجہ برقرار تھا۔

"وہ... دراصل حشام خود میری طبیعت خراب ہے' بخار ہو گیا ہے' جیسے ہی طبیعت ٹھیک ہوگی میں فوراً تمہارے پاس آؤں گی پلیز مجھ سے ناراض تو مت ہو۔" میں نے رندھے ہوئے گلے سے کہا۔

"تو کم از کم تم مجھے فون ہی کرتیں' وہ تو میں نے ڈیڈی کی اتنی خوشامد کی تو انہوں نے تم سے بات کروائی۔" وہ ظالم شکوے پر شکوے کیے جارہا تھا اور میں بس بے بسی سے ہونٹ کاٹتی رہی۔

"میں نے فون اس لیے نہیں کیا تھا کہ مجھے تو تمہارے پاس خود آنا تھا لیکن یہ بخار راہ میں رکاوٹ بن گیا ہے۔بستر سے اٹھا ہی نہیں جارہا' بہت چکر آرہے ہیں اگر تم اسی طرح روٹھے رہے تو پھر مجھے آنا ہی پڑے گا چاہے میرا جو بھی حال ہو۔" میں نے ٹکا کہ جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔۔

"واقعی تم بیمار ہو' سچ کہہ رہی ہو؟" اس نے فکر مندی سے تڑپ کر پوچھا

"تمہیں شک کیوں ہے؟" میں نے پھر پوچھا۔

"اللہ تعالیٰ تمہیں میری عمر بھی لگادے' بس تم جلدی سے ٹھیک ہوجاؤ' اپنا خیال رکھنا دوائی وقت پر لینا اور ٹھنڈا پانی مت پینا پلیز... میرے لیے۔" اس

نے ہمیشہ کی طرح ڈھیر ساری نصیحتیں کرنا شروع کردیں' اسے پتا تھا کہ میں ہمیشہ ٹھنڈا پانی پیتی ہوں اور اسی وجہ سے بار بار میرا گلا بھی خراب ہوجاتا تھا اور پھر ٹمپریچر بھی ہوجاتا تھا۔

"اوکے سر! آپ کی ہدایت پر سختی سے عمل کیا جائے گا اور ہاں آئندہ تم مجھ سے کبھی ایسا مت کہنا کہ تمہیں میری عمر لگ جائے' تمہاری عمر لے کر میں جی کر کیا کروں گی' ہمیں جینا ہے تو ایک دوسرے کے ساتھ ایک دوسرے کے لیے۔" میں نے محبت سے چُور لہجے میں کہا۔

اور جواباً مجھے دھیرے سے اس کے چومنے کی آواز سنائی دی۔وہ خمار آلود لہجے میں بولا۔

"میں جلدی سے ٹھیک ہو کر آجاؤں جانو..." میں اس کی اس حرکت سے مارے شرم کے لال ہوگئی اور کہا۔

"یہ کیا حرکت کی ہے تم نے' انکل کہاں ہیں؟"

"وہ مجھے فون دے کر کمرے سے باہر چلے گئے ہیں' اچھا ایک بات تو بتاؤ' وعدہ کرو کہ بالکل سچ سچ بتاؤ گی۔" اس نے یکایک سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"کیا...؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا' پتا نہیں وہ کیا پوچھنے والا تھا۔

"رات یہاں اسپتال میں کیا ہوا تھا؟ میری آنکھ کھلی تو کافی افراتفری مچی ہوئی تھی' فائرنگ بھی ہوئی تھی۔"

"تم نے انکل سے نہیں پوچھا' مجھے تو اس بارے میں کوئی علم ہی نہیں ہے۔" میں نے ایک بار پھر جھوٹ بولا۔

"پوچھا تھا وہ کہہ رہے تھے کہ اسپتال میں چند ڈاکو گھس آئے تھے' کیوں کہ پولیس ایک زخمی ڈاکو کو اسپتال لے کر آئی تھی' وہ لوگ اپنے اس زخمی ڈاکو کو پولیس کی حراست سے چھڑانے کے لیے آئے تھے لیکن بد قسمتی سے ان کا زخمی ساتھی ہی پولیس یا ان کی گولیوں کا نشانہ بن گیا۔" حشام نے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"ایسا ہی ہوا ہوگا' تمہیں ایسا کیوں لگا کہ انکل نے تم سے غلط بیانی کی ہے اور تم مجھ سے اس کی تصدیق کررہے ہو؟" میں نے کہا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے کہا اور تب ہی مجھے انکل کی آواز سنائی دی وہ طلال سے فون مانگ رہے تھے' تب حشام نے مجھے اللہ حافظ کہا اور فون بند کردیا۔

ابھی تک حشام کو اس سارے معاملے کا پتا نہیں تھا یا کم از کم ہم سب تو یہی سمجھ رہے تھے کہ حشام ابھی تک یہی سمجھ رہا ہے کہ اسے اتفاقیہ گولیاں لگی ہیں لیکن حشام کی اس بات سے کہ اس نے انکل کی بات کا یقین کیا ہے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کردیا تھا کہ ہم غلط سمجھ رہے ہیں' حشام کو اصل حالات کا بخوبی علم ہے' ایسا کیسے ہوا یا وہ کس طرح سارے معاملے کی تہہ تک پہنچا' یہ تو وہ خود ہی بتاسکتا تھا۔اس بارے میں بھی مجھے انکل سے بات کرنی تھی۔

اسی رات سارے نیوز چینل پر ایک پروگرام میں انکل کو بھی مدعو کیا گیا اور ان سے حشام کے بارے میں کریدنے کی کوشش کی۔انکل نے بہت محتاط ہوکر گفتگو کی اور اپنے آپ کو اس سارے معاملے سے لاعلم ظاہر کیا' اینکر نے زور دے کر کہا کہ "حشام کو اسپتال میں کیوں جان سے مارنے کی کوشش

کی، آپ بھی ایک منجھے ہوئے صحافی ہیں اور نا ممکن ہے کہ آپ کو پتا نہ ہو کہ کون لوگ ہیں جو حشام کی جان لینا چاہتے ہیں اور کیوں؟"

"حقیقت یہی ہے کہ میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے اور نہ ہی حشام نے مجھ سے کسی بھی قسم کے اندیشے کو ظاہر کیا تھا اور ویسے بھی آپ فی الحال اس موضوع پر کوئی بات نہ کریں اور نہ

ہی میں کرنا چاہتا ہوں اگر کوئی بات ہوگی تو وہ سب کے سامنے آجائے گی۔" انکل نے کہا۔

"اور یہ جو سارے ملک میں صحافی برادری کی جانب سے مظاہرے ہورہے ہیں' ان کے بارے میں آپ کیا کہیں گے۔" اینکر نے پوچھا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ ان مظاہروں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہونے والا' سوائے اپنے اور دوسروں کے وقت کے ضیاع کا۔ارباب اختیار اپنی آنکھیں اور کان بند کیے حکومت چلا رہے ہیں' روز لوگ مررہے ہیں' مارے جارہے ہیں۔آئے دن کے فسادات' ہنگامے لوٹ مار' غرض کہ کیا نہیں ہورہا۔آپ مجھے بتایئے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

حکومت کی جانب سے اس کا کوئی سدباب کیا گیا ہے' نہیں ناں تو بس پھر یہ سب کرنا بے کار ہے۔" انکل نے واشگاف الفاظ میں دلیرانہ لہجے میں کہا۔

اور پھر دیر تک بحث ہوتی رہی اور میں نے اکتا کر ٹی وی آف کردیا' اینکر انکل سے راز اگلوانے میں ناکام رہا تھا۔

...☆☆☆...

میں جیسے اپنی گاڑی کے فرنٹ ڈور کی جانب بڑھا وہاں میں نے ایک انسانی وجود کو مڑی تڑی حالت میں پڑے ہوئے دیکھا' میرے قدموں کی تیزی کو ایک دم بریک لگ گئے اور میں وہیں رک کر اسے غور سے دیکھنے لگا' سب سے پہلا جو خیال میرے ذہن میں آیا وہ یہی تھا کہ کہیں یہ کوئی لاش تو نہیں۔کیوں کہ وہ عجیب انداز میں زمین پر پڑا تھا پھر میں یہ دیکھنے کی کوشش کرنے لگا کہ یہ کوئی مرد ہے یا عورت' یہاں بہت ہلکی روشنی تھی' وہ بھی چاند کی۔میں بہت آہستہ روی سے اس کی جانب بڑھا' مجھے یہ بھی خیال آرہا تھا کہ یہ کہیں بن کہ یہاں نہ لیٹا ہو کہ میں جیسے ہی اس کے نزدیک

پہنچوں گا وہ اچانک اٹھ کر میرے اوپر حملہ کردے گا۔کوئی چور اچکا بھی ہوسکتا ہے۔

آگے بڑھتے ہوئے میں نے ریوالور بھی نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور محتاط اور چوکنے انداز میں آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھنے لگا میں چند قدم چل کر رک جاتا پھر دو قدم آگے بڑھاتا لیکن اس بے حس و بے حرکت وجود میں ذرا بھی جنبش نہیں ہوئی۔

اچانک مجھے اپنے موبائل کا خیال آیا میں نے اس کی ٹارچ آن کی اور اس کی روشنی اس بے حرکت وجود پر ڈالی۔

روشنی میں وہ مجھے صاف دکھائی دینے لگا' وہ ایک مرد تھا' اس کا چہرہ نیچے زمین کی جانب تھا ایک ہاتھ اور ایک ٹانگ اندر کی جانب مڑی ہوئی تھی اور دوسرا ہاتھ اور ٹانگ پھیلے ہوئے تھے' میں بالکل اس کے نزدیک پہنچ گیا اور جھک کر اچھی طرح اس کا جائزہ لیا پھر ایک ہاتھ سے اسے بالکل سیدھا کردیا وہ پچیس چھبیس سال کا جوان لڑکا تھا۔جینز کی پینٹ اور گرے ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی' چہرے پر ہلکی ہلکی داڑھی تھی یا صرف شیو بڑھی ہوئی تھی' میرے

سیدھا کرنے پر بھی وہ یوں ہی بے سدھ پڑا رہا تب میں نے اس کی کلائی پکڑ کر تھامی اور محسوس کیا کہ اس کی نبض چل رہی ہے وہ زندہ تھا اور صرف بے ہوش تھا۔

میں نے بیٹھ کر موبائل فون کی روشنی میں اس کے جسم کا جائزہ لیا لیکن وہ مجھے کہیں سے زخمی دکھائی نہیں دیا لیکن سر کی جانب جب روشنی کا دائرہ آیا تب میں نے اس کی گردن پر خون لگا ہوا دیکھا۔

میں نے سوچا کہ اس کے سر پر چوٹ لگی ہے اور اسی وجہ سے یہ بے ہوش بھی ہے' میں نے اس کے زخم کا جائزہ لیا' ضرب کسی آہنی شے سے لگائی گئی تھی۔

میں اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا پھر خیال آیا کہ نہ جانے یہ شخص کون ہے اور کس نے اسے زخمی کرکے یہاں پھینک دیا ہے' مجھے اس سے کیا یہ مرے یا جیے' مجھے اپنا راستہ ناپنا چاہیے۔

یہی سوچ کر میں اٹھ کھڑا ہوا لیکن فوراً ہی میرے اندر کا ڈاکٹر شاہ زیب بیدار ہوگیا اور میں دوبارہ اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگا' گاڑی سے

پانی کی بوتل نکال کر اس کے منہ پر چھینٹے مارے‘ میری تھوڑی سی کوششوں کے بعد اس کے اندر کسمساہٹ بیدار ہوئی۔

اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں پھر بے ساختہ اس کا ہاتھ اپنے سر پر زخمی مقام پر چلا گیا پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور سسک پڑا‘ وہ مسلسل کراہ رہا تھا۔

”اے مسٹر کون ہو تم اور تمہیں کس نے زخمی کیا؟“ میں نے اسے پکارا تو وہ یوں دیدے پھاڑ پھاڑ کر میری جانب دیکھنے لگا جیسے اسے کچھ دکھائی نہ دے رہا ہو یا پھر اپنے سامنے والے کو پہچاننے کی کوشش کررہا ہو۔

”کون ہو تم اور کس نے تمہیں زخمی کیا ہے؟“ میں نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا تو وہ میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

”آ... آہ... آپ کون ہیں؟“ اس کے منہ سے کراہ نکل گئی اور اس نے الٹا مجھ سے سوال کر ڈالا۔

”بھئی تم میری گاڑی کے پاس بے ہوش پڑے تھے‘ میں نے انسانی ہمدردی کے تحت تمہیں دیکھا اور رک گیا پھر تمہیں ہوش میں لایا‘ تمہارا جائزہ لینے

سے معلوم ہوا کہ تمہارے سر پر زخم ہے‘ تمہیں یقینا کسی سیرے سے زک پہنچائی ہے اب تم اپنے بارے میں بتاؤ۔“ میں نے کہا۔

”آپ کا بہت بہت شکریہ‘ ورنہ آج کے دور میں کون کسی کی مدد کرتا ہے‘ میں اپنے بارے میں کیا بتاؤں یہ سمجھ لیں کہ ستم کا مارا ہوں‘ کوئی ٹھکانہ نہیں ہے ہر جگہ سے ٹھوکریں مار کر نکال دیا جاتا ہوں‘ آج بھی میرے ناکردہ جرم کی سزا ملی ہے۔زندگی تھی شاید اسی لیے آپ نے بچالیا‘ ورنہ شاید یہیں پڑے پڑے مرجاتا۔“ اس نے آہستہ آہستہ کراہتے ہوئے بتایا۔

”خیر تم اتنے زخمی نہیں ہو کہ تمہاری زندگی کو خطرہ ہو‘ سر پر معمولی سا زخم ہے جلد ہی ٹھیک ہوجائے گا۔“ یہ کہہ کر میں اٹھ کر اپنی گاڑی کا دروازہ کھولنے لگا تو اس نے لیٹے لیٹے میرا ایک پاؤں پکڑلیا اور بولا۔

”آپ مجھے اس زخمی حالت میں کیوں چھوڑ کر جارہے ہیں میرے پاس تو نہ کوئی سواری ہے اور نہ کرائے کے پیسے‘ میں یہاں سے کہاں جاؤں گا‘ ویسے

بھی بھوک اور کمزوری سے میرے اندر ایک قدم بھی چلنے کی سکت نہیں ہے۔"

"اوہ! اچھا تمہیں کچھ رقم چاہیے؟" میں نے جیب سے اپنا پرس نکالتے ہوئے کہا اور کچھ رقم نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی۔

"یہاں کون سی بسیں چل رہی ہیں جو میں یہاں سے جاؤں گا پلیز ایک مہربانی اور کریں اور مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر لے چلیں اور آگے کہیں اتار دیجیے گا اوہ... آہ... ہائے..." اس نے کہا اور پھر ہائے ہائے کرنے لگا۔

"کیا مصیبت ہے یار!" میں نے جھنجلا کر کہا۔لوگوں کا حال یہ ہے کہ انگلی پکڑاؤ تو پنجا پکڑ لیتے ہیں۔اماں یہ مثال دیا کرتی تھیں جو اس موقع پر مجھے یاد آگئی۔

"کیا سوچ رہے ہیں جناب! میں اس وقت بہت مجبور ہوں اس لیے آپ کی خوشامد کررہا ہوں، ویسے میں بہت کام کا بندہ ہوں، ہوسکتا ہے کہ کبھی آپ کے بھی کسی کام آجاؤں۔" اس نے کہا تو میں چونک پڑا۔

"کیا مطلب... کون ہو تم؟" میں نے تیزی سے سوال کیا تو وہ ایک بار پھر اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر ہائے ہائے کرنے لگا۔

"ہائے ہائے تم بعد میں اطمینان سے کرتے رہنا پہلے تم سیدھی طرح سے میرے سوال کا جواب دو؟" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سر سے ہٹاتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

"کس سوال کا؟" اس نے بے زار کن لہجے میں کہا۔

"یہی کہ تم کون ہو اور کس نے تمہیں زخمی کس لیے کیا ہے اور وہ بھی اس جگہ پر؟" میں نے اپنی برچھی نما نگاہیں اس کے اندر اتارتے ہوئے کہا۔

"تو آپ اصل بات جانے بغیر میرا یقین نہیں کریں گے۔" اس نے ایک گہرا سانس اندر کھینچتے ہوئے کہا۔

"بولنے سے پہلے ایک بات یاد رکھنا کہ میں کوئی جھوٹی کہانی نہیں صرف سچ جاننا چاہتا ہوں اور یہ بھی بتادوں کہ میں سچ اور جھوٹ میں فرق کرنا جانتا ہوں۔" میرے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ لمحہ بھر کو اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا مگر فوراً ہی وہ نارمل ہوگیا اور بولا۔

”کیا یہیں زمین پر پڑے پڑے اپنی کہانی سنادوں‘ مہربانی کریں اور مجھے سہارا دے کر اپنی گاڑی میں بٹھالیں پھر وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو سب کچھ سچ سچ بتادوں گا۔“ اس نے کہا اور میرے جواب کا انتظار کیے بغیر اپنے ایک ہاتھ کو میرے کاندھے پر رکھ کر اپنے جسم کا پورا وزن ڈال کر اٹھنے کی کوشش کرنے لگا تو ناچار میں نے بھی اسے سہارا دے دیا‘ وہ مزے سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا اور پشت گاہ سے سر ٹکا کر بولا۔

”اپنے تجربے سے میں ایک بات تو سیکھ گیا ہوں کبھی بھی بندہ یہ محبت شوہبت کے چکر میں نہ پڑے‘ سوائے خواری کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔“

”کیوں ایسا کیا ہوگیا تمہارے ساتھ؟“ میں نے پوچھا۔

”یہی محبت اور کیا... میں تو کر بھی نہیں رہا تھا وہی میرے پیچھے پڑی تھی‘ یہ لمبے لمبے لو لیٹر لکھتی تھی‘ میں اسے سمجھاتا کہ بھائی معاف کردے میں بے کار بے روزگار بندہ ہوں کوئی گھر ٹھکانہ بھی نہیں‘ مجھ سے محبت کرکے تجھے کچھ نہیں ملنے والا لیکن وہ تو میری خاطر جان دینے کو تیار ہوگئی۔دھمکی دے ڈالی کہ اگر تُو نے میری محبت کا جواب محبت سے نہ دیا اور مجھ سے شادی نہ کی تو

میں پیٹرول پی کر اپنی جان دے دوں گی‘ میں نے کہا واہ بھئی واہ تیری تو بڑی شان ہے‘ جان بھی دے گی تو پیٹرول پی کے۔ارے کوئی سستی سی چیز پی لے‘ اس پر وہ ناراض ہوگئی اور کہہ گئی کہ کل جب محلے کی مسجد میں میرے جنازے کا اعلان ہوگا تب تجھے میری محبت کا یقین آئے گا۔

اور صاحب پھر پتا ہے کیا ہوا؟“ وہ بہت جذباتی انداز میں سیدھا ہوکر بیٹھ گیا اور بولا۔

”دوسرے دن میں نے اس کے گھر کے دروازے پر ایدھی کی ایمبولینس کو کھڑے دیکھا‘محلے کے بہت سے لوگوں کے ساتھ میں بھی پتا کرنے چلا گیا تو معلوم ہوا کہ ”خوشبو“ نے کیڑے مار دوا پی کے خود کشی کرنے کی کوشش کی ہے‘ میرے تو چھکے چھوٹ گئے۔ابے لے یہ تو سچ مچ مرنے چلی تھی‘ اسے اسپتال لے گئے پھر ڈاکٹروں نے اس کا معدہ صاف کیا وہ زندہ بچ گئی۔“

"تم نے اس سے محبت کیوں نہیں کی، کیا وہ خوب صورت نہیں تھی یا پھر تم کہیں اور...؟" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا، اس کی گفتگو کے متن سے زیادہ اس کا انداز بیان بڑا دلچسپ تھا۔

"کیا بات کردی آپ نے؟" اس نے بُرا مانتے ہوئے کہا۔ "ارے اس کے حسن کے آگے کیا مادھوری اور کیا ریکھا... سب ہی اس کے آگے پانی بھرتی دکھائی دیتی ہیں۔ مجھے تو اس کے خونخوار قسم کے پہلوان نما چار بھائیوں سے ڈر لگتا تھا۔ اگر انہیں ذرا بھی اس بات کی بھنک پڑ جاتی کہ میں نے ان کی لاڈلی اور چہیتی بہن کی جانب آنکھ اٹھا کر دیکھا ہے تو وہ چاروں ہاتھی مجھے منٹوں میں چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیتے اور پھر اپنے اسی خدشے کا اظہار اس کے سامنے کیا تو وہ بُری طرح ہنسنے لگی اور میرا مذاق اڑانے لگی پھر طعنوں پر اُتر آئی کہ تم بہت بزدل ہو اور اس قابل نہیں ہو کہ کسی لڑکی کا ہاتھ پکڑ سکو۔ بس صاحب پھر کیا تھا میں اپنی مردانگی پر یہ طعنہ برداشت نہیں کرسکا اور سینہ تان کر کہا "میری بلّو میں بزدل نہیں ہوں، بس ذرا محتاط ہوں ابھی تو میرے سہرے کے پھول بھی نہیں کھلے، دنیا بھی نہیں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

دیکھی بھری جوانی میں بجائے محبوبہ کے موت کو گلے لگاتے ہوئے کچھ عجیب سا لگتا ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے اگر تو بہادر ہے اور تجھے میرے بھائیوں سے ڈر بھی لگتا ہے تو لے پکڑ میرا ہاتھ اور مجھے بھگا کے لے چل۔" اس نے کہا۔

"اری کہاں بھگا کے لے جاؤں؟" میں نے احتجاجاً کہا۔

"کہیں بھی لے چل دنیا بہت بڑی ہے، ہم دونوں کسی دوسرے شہر چلے جائیں گے اور کسی بنگلے میں نوکری کرلیں گے تو کھانے پکانے کا کام سنبھال لینا اور میں صفائی ستھرائی کا۔" بس ہم نے دنیا والوں کی آنکھوں میں مٹی پھینکی اور بھاگ نکلے۔ ہم نے اسٹیشن پر لاہور کے ٹکٹ لیے، پتا چلا کہ ٹرین تو صبح چھ بجے چلے گی، اتنی دیر ہم کہاں گزارتے، وقت گزاری کے لیے یہاں آگئے۔ مزے سے بیٹھے بھٹہ کھارہے تھے کہ اچانک میرے سر پر ایک زور دار دھماکا ہوا اور آنکھ کھلی تو میں یہاں پڑا تھا اور آپ سامنے تھے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ ان منحوس پہلوانوں کو یہ خبر مل گئی تھی کہ ہم یہاں آگئے ہیں انہوں نے مجھے زخمی کیا، زخمی کیا کیا انہوں نے مجھے یقینا جان سے مارنے کی

کوشش کی ہوگی اور میں ان کے ایک ہی وار میں اتنا غفیل ہوگیا تھا اس لیے وہ مجھے مردہ سمجھ کر یہاں اندھیرے میں پھینک کر میری خوشبو کو لے کر چلے گئے۔“

اس نے اپنی دلچسپ کہانی ختم کی اور میری جانب دیکھنے لگا‘ میرا دل کبھی اس کی کہانی کا یقین کرنے لگتا‘ کبھی لگتا یہ کوئی بہت ہی شاطر آدمی ہے‘ صاف جھوٹ بول رہا ہے۔

”کہانی تو تم نے بہت دلچسپ سنائی ہے لیکن بیٹا مجھے تمہارے ایک لفظ کا بھی یقین نہیں آیا ہے۔“ میں نے کہا۔

”اگر یقین نہیں آیا تو ابھی اسی وقت منظور کالونی کے مکان نمبر... میں چلے جائیں۔“ اس نے مجھے نمبر بتاتے ہوئے کہا ”اور وہاں جاکر خوشبو کو آواز دیدیں جواب میں وہ چاروں پہلوان باہر نکل آئیں گے اور آپ کی اچھی خاصی خاطر تواضع بھی کردیں گے اور اگر ان کی خاطر تواضع سے مطمئن نہ ہوں تو میرا نام لے لیجیے گا۔“

”کیا نام ہے تمہارا؟“ میں نے اپنی مسکراہٹ کو لبوں میں دباتے ہوئے پوچھا۔

”دلارے... پوچھیے گا‘ دلارے کہاں ہے؟ بس پھر وہ آپ کو میرا مکمل پتا بتا دیں گے۔“ اس نے جلے تپے لہجے میں کہا اور میں نے ایک ہلکے سے قہقہے کے ساتھ گاڑی اسٹارٹ کردی اور پھر میں اسے اپنے ساتھ گلشن والے فلیٹ میں لے آیا۔

...☆☆☆...

سفیان نے عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر جائے نماز سمیٹ کر ریک میں رکھی اور اوپر دیوار میں لگے بک شیلف سے وہ چھوٹا سا قرآن کریم کا نسخہ نکال لیا جسے وہ ہر وقت گھر سے باہر جاتے ہوئے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ گھر واپس آتا تو وہ شیلف کی زینت بن جاتا۔ اس نے اپنے بچپن کی اس نعمت کو ہمیشہ کے لیے گرہ میں باندھ لیا تھا جو اس کے استاد قاری منظم نے کی تھی‘ انہوں نے کہا تھا۔

”بیٹا الحمدللہ! آج تم نے سارا قرآن پاک پڑھنا سیکھ لیا ہے‘ لیکن اسے ایک مذہبی فریضہ سمجھ کر بھول مت جانا‘ روز اس کی تلاوت ضرور کرنا اور اگر ہوسکے تو اسے ترجمہ کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کرنا تاکہ تم یہ بات جان

سکو کہ تمہارا اللہ تمہیں کیسا مسلمان دیکھنا چاہتا ہے۔ تمہارے لیے زندگی گزارنے کے لیے اس نے کون کون سے اصول وضع کیے ہیں۔ کیا حرام کیا ہے اور کیا حلال؟ اور وہ کون سے اعمال ہیں جو تمہیں آخرت کی فلاح نصیب کریں گے۔"

گھر سے باہر تو نہیں البتہ جب بھی اس کے پاس وقت ہوتا وہ قرآن پاک ترجمہ کے ساتھ پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش ضرور کرتا۔

اس وقت بھی اس نے قرآن کو ترجمہ کے ساتھ پڑھا اور پھر سونے کے لیے بستر پر لیٹ گیا وہ سوچنے لگا۔

یا اللہ ہماری نوجوان نسل مذہب اور قرآن سے دور ہو کر کہاں پہنچ گئی ہے' اے مالک! کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھٹکتے ہوئے کہیں اتنی دور نکل جائیں کہ واپسی ممکن ہی نہ ہو۔

اپنے ملک کی بگڑتی ہوئی صورت حال سے وہ بے حد پریشان اور دل گرفتہ تھا۔اس کا کہنا تھا کہ ہمیں آپس میں دست و گریباں ہونے اور ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے کے بجائے ان طاغوتی طاقتوں کی گرفت سے نکلنے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کی کوششیں کرنی چاہئیں اور نہ صرف ہمیں ان طاغوتی طاقتوں کی گرفت سے نکلنا ہے بلکہ انہیں نیست و نابود بھی کرنا ہے اور اس میں ہماری بقاء ہے' یہودی اور صیہونی قوتیں اپنے ہر ہر حربے سے ہمیں اسلام سے دور لے جارہی ہیں۔ ایسی ہی باتیں سوچتا ہوا وہ نیند کی وادی میں اتر گیا۔

سفیان کے والد محکمہ پولیس میں حوالدار تھے' ایک پولیس مقابلے میں ان کے بازو میں گولی لگی اور زخم اتنا کاری تھا کہ انہیں اپنے ایک ہاتھ سے محروم ہونا پڑا' اس وقت سفیان کی عمر چھ سال تھی وہ جہلم کے قریب ایک گاؤں میں رہائش پذیر تھے۔

ایک ہاتھ سے محروم ہوجانے کے بعد انہیں محکمہ نے فارغ کردیا لیکن اس بہادر انسان نے کبھی بھی اپنی اس معذوری کا کسی کو احساس نہیں ہونے دیا۔ وہ اپنی آنکھوں میں کبھی نہ مٹنے والی چمک لیے صبح سے شام تک کھیتی باڑی میں مصروف رہتے۔ سفیان سے چھوٹی ایک بہن تھی' نام تو اس کا سفینہ تھا لیکن اس کی کنجی آنکھوں کی وجہ سے سفیان ہمیشہ اسے مانو بلی کہہ کر چھیڑتا رہتا تھا۔

بابا کی ایک ہی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا ان کی جگہ سنبھال لے لیکن ایک ایمان دار پولیس آفیسر کو محکمہ کے لوگ اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ حوالدار رضوان نے دن رات یہی دیکھا تھا کہ یہاں انصاف نہیں ہے' بڑا اور پیسے والا آدمی چاہے کتنے ہی جرائم کرلے' پولیس اپنا حصہ وصول کرکے اسے پلٹ کر دیکھتی بھی نہیں بلکہ ایسے کئی لوگ تھے جو باقاعدہ ماہانہ رقم بھجواتے تھے اور پولیس اطمینان سے ان کی جانب سے آنکھیں بند کرلیتی اور جو غریب ان کی جیب گرم نہ کرسکنے کی سکت رکھتا' اس کی کوئی داد رسی نہ ہوتی بلکہ شکایت لے کر آنے والے کو بغیر کسی وجہ کے کوئی بھی الزام لگا کر لاک اپ میں ڈال دیا جاتا۔ یوں لا محالہ اسے رشوت دے کر اسے برائی کے خلاف جہاد کرنا ہے اور ایسے محکمہ کا انتخاب کرنا ہے جہاں رہ کر اسے بہتر سپورٹ ملے اور وہ کچھ بہتر کام کرسکے۔

وہ دل لگا کر دن رات محنت کرکے تعلیم حاصل کررہا تھا اس نے خفیہ ایجنسی میں ملازمت حاصل کی۔ اسے یاد تھا کہ اسے آنے والی مشکلات' زندگی کے خطرے اور پکڑے جانے کی صورت میں انتہائی تشدد سے ڈرایا گیا کیوں کہ وہ

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

چاہتے تھے کہ اس ادارے کے لیے کام کرنے والا محض ایک وقتی جنون میں مبتلا ہوکر یہاں آیا ہے تو وہ بلیک آوٹ ہوجاتے لیکن جب انہوں نے سفیان کی ثابت قدمی کو دیکھا تو سمجھ لیا کہ وہ وقتی جنون کا شکار نہیں ہے بلکہ اپنے وطن کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کو دل کی گہرائیوں سے تیار ہے۔

پھر اس کا تربیتی پیریڈ شروع ہوگیا' یہ پیریڈ چھ ماہ مقرر کیا گیا تربیت کے دوران بے پناہ جسمانی مشقت' جوڈو کراٹے کے علاوہ اگر دشمن کے نرغے میں پھنس جائے تو کسی طرح خود کو اس جال سے نکالے' کسی بھی مشکل مرحلے پر فوری اور بہترین فیصلہ کرنے کی صلاحیت اور ہر طرح کے ماحول میں خود کو ڈھالنے کی تربیت دی گئی۔

جس دن وہ اپنی کامیابی کا پروانہ لے کر اپنے گاؤں آیا اور سارا گاؤں اس کے بابا کو مبارک باد دینے کے لیے امڈ آیا۔ اسے دیکھ کے بابا کی آنکھوں کی چمک دو چند ہوگئی۔ انہوں نے بے اختیار اسے گلے سے لگالیا اور ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں اور بھرآئے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بیٹا میں چاہتا ہوں کہ جو کام میں اپنے ملک کے لیے نہ کرسکا وہ تم کرو۔"

اندر بڑے سے صحن میں گھنے درخت کی چھاؤں تلے چارپائی پر اس کی بے بے بیٹھی تھیں اور ان کے قریب اپنی کنجی آنکھوں میں ڈھیر ساری چمک لیے سفینہ موجود تھی۔

سفیان تقریباً بھاگتا ہوا بے بے کے نزدیک گیا اور ان کے ممتا بھرے سینے سے لگ گیا۔ماں کے سینے سے لگ کر وہ اپنی ٹریننگ کی ساری سختیاں بھول گیا‘ سفر کی ساری کلفت مٹ گئی۔

”میرا شیر پتر...“ بے بے نے محبت سے کہتے ہوئے اس کا ماتھا چوم لیا۔

بے بے سے فارغ ہوا تو قریب کھڑی سفینہ کے سر پر پیار سے ایک چپت لگاتے ہوئے کہا۔

”ارے! یہ تو سچ مچ مانو بلی بن گئی ہے‘ ہیں ناں بے بے! اس کی شکل گاؤں میں پھرنے والی بلیوں جیسی ہو گئی ہے۔“

”خوں... خوں...“ سفینہ نے بُرا مانتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کے پنجے اس کی جانب بڑھائے اور بولی۔

”بچ کہ رہنا بھیا! بلی پنجہ بہت زور سے مارتی ہے۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”چل اب میرے پُتر نوں زیادہ تنگ نہ کر‘ شربت بنالائیں۔“ بے بے نے پیار بھرے لہجے میں سفینہ کو گھر کا تو سفیان نے جھٹ اسے گلے سے لگالیا اور اس کے سر پر بوسہ دیتے ہوئے بولا۔

”اسے نہ ڈانٹا کر بے بے! ساے پرائے گھر جانا ہے۔“

”میں نے نہیں جانا۔“ سفینہ منہ چڑاتی اور انگوٹھا دکھاتی وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی تو سب کا مشترکہ قہقہہ گونج اٹھا۔

سفیان اپنے گاؤں پندرہ دنوں کے لیے آیا تھا پھر اسے کراچی واپس جانا تھا شام کو ماما عنایت کے تمام گھر والے اس سے ملنے کے لیے آچکے تھے لیکن وہ نہیں آئی تھی‘ جس کی دید کی آس سفیان کی آنکھوں میں تھی۔

وہ غزالہ تھی‘ سفیان کی بچپن کی منگ اور اس کی محبت۔وہ ماما کے گھر آیا تو سامنے ہی غزالہ دکھائی دے گئی۔وہ گلابی رنگ کے سوٹ میں گلاب کی کوئی ادھ کھلی کلی دکھائی دے رہی تھی۔سفیان کی آنکھوں میں تراوٹ اتر آئی‘ ایک تازگی کا احساس ہوا اور یہ احساس اس کے روئیں روئیں میں سما گیا۔

”کیسی ہو غزالہ!“ وہ بے خودی کی کیفیت میں اس کے قریب چلا آیا۔

گلابی دوپٹے کے ہالے میں اس کا چاند چہرہ جگمگا رہا تھا' نگاہیں نیچی کیے اور دوپٹے کے کونے کو اپنی مخروطی اور حنائی انگلیوں میں لپیٹے ہوئے وہ خاموش رہی' تیز تیز چلتی ہوئی سانسیں یہ پیغام دے رہی تھیں کہ اس کے دل کی دنیا اتھل پتھل ہو رہی ہے اور لرزتے ہوئے ہاتھوں کو قابو میں کرنے کے لیے وہ دوپٹے کے پلّو پر ستم آزمائی کر رہی تھی۔ لبوں کے گوشے پھڑپھڑا رہے تھے لیکن زبان حال دل کہنے سے قاصر تھی اس کا سر مزید کچھ اور جھک گیا۔

جواب کا منتظر سفیان دیر تک محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا پھر بہت نرمی آہستگی سے اس نے اپنا ایک ہاتھ غزالہ کے لرزتے ہوئے ہاتھوں پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے ایک انگلی کو آہستہ سے اس کی تھوڑی پر ٹکا کر اس کے جھکے ہوئے سر کو اوپر اٹھایا اور پھر اپنا سوال دہرایا۔

"میں نے پوچھا ہے کیسی ہو؟ مجھے یاد کیا تھا؟"

" اس سوال کا جواب تو آپ خود سے پوچھیں۔" اس نے لمحہ بھر کو اپنی سنہری دبیز پلکوں کی جھالر اوپر اٹھائی اور پھر گرالی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

سفیان کو اس کی آنکھوں میں نمکین پانی ہلکورے لیتا دکھائی دیا۔اس نے اچنبھے سے پوچھا۔

"ارے یہ کیا؟"

"خوشی کے ہیں۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔"اور دکھ کے بھی..."

"کون سے دکھ کے؟" سفیان نے حیرانی سے پوچھا۔

"یہی کہ آپ پندرہ دن بعد پھر چلے جائیں گے لمبے عرصے کے لیے اور پھر میں کیا کروں گی۔" اس کے منہ سے سسکی سی نکل گئی۔

"ابھی تو آیا ہوں غزالہ! ملن کی بات کرو، محبت کی، پیار کی' ابھی جدائی کہاں اور پھر وہ جدائی بھی تو عارضی ہے۔سفینہ کو اس کے گھر بار کا کرتے ہی بے بے تمہیں ہمیشہ کے لیے گھر لے آئیں گی۔" اس نے غزالہ کے لرزتے ہاتھوں پر اپنے گرم ہاتھوں کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔

"اور کتنا انتظار کروں۔" وہ روہانسی ہوگئی۔

"کیوں! بہت جلدی ہے میری باہوں میں آنے کی' میرے سینے میں سمانے کی اور... اور..." اس نے شوخ لہجے میں کہا اور اس سے پہلے کہ وہ اور بے باک ہوتا اچانک اندر کمرے سے مامی سکینہ یہ کہتے ہوئے نکل آئیں۔

"سفیان پتر آیا ہے 'آجا اندر آجا' باہر کیوں کھڑا ہے۔" اور سفیان غزالہ کے سرخ ہوتے چہرے پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے مامی کے ساتھ اندر کمرے میں چلا گیا۔

پتا ہی نہیں چلا کہ وہ پندرہ دن کس طرح پَر لگا کر اڑ گئے اور اس کی واپسی کا دن آگیا۔

وہ ڈھیر ساری دعائیں' کپکپاتے لبوں سے سسکتا ہوا الواع اور غزالہ کے آنسو اپنے رومال میں سمیٹ کر کراچی آگیا۔

کراچی آکر اس نے ہیڈ کوارٹر میں جوائینگ رپورٹ دی' یہاں آکر اسے معلوم ہوا کہ اس کا باس کرنل احتشام ایک بہت سخت مزاج کا انسان ہے' نرم گفتاری کیا ہوتی ہے وہ یہ بات جانتا ہی نہیں ہے۔زیادہ تر لوگ اس کا سامنا

کرنے سے کتراتے تھے خصوصاً ہر بلاک کے آپریشن انچارج کی تو جان پر بن جاتی تھی۔

بہت سی سنی سنائی باتوں کی وجہ سے وہ بھی دل ہی دل میں اس سے خوف کھانے لگا۔

اس روز جب اسے انٹر کام پر کرنل احتشام کے سامنے پیش ہونے کا حکم ملا تو اسے اپنے ہاتھ پیروں سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔اسے یوں لگا جیسے لکڑی کی جس کرسی پر وہ بیٹھا تھا یکایک اس میں مقناطیسی لہر دوڑنے لگی' جس نے اس کے ایک ایک عضو کو اپنی گرفت میں جکڑ لیا ہو' اپنے اندر بہت ہمت پیدا کرنے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا اس نے خود ہی اپنے آپ کو تسلی دی کہ آج نہیں تو کل اسے کرنل کا سامنا کرنا ہی تھا' اس سے ملاقات کیے بغیر اس کا کام کیسے ہوتا۔

چل بیٹا سفیان تیار ہوجا' اس نے اپنے شانے کو تھپتھپایا اور سامنے لگے ہوئے بڑے سے گلاس میں اپنے چہرے کی اڑتی ہوئی رنگت کا نظارہ کیا پھر سامنے

پڑے پانی کے بھرے ہوئے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا اور دو ہی سانسوں میں اپنے اندر انڈیل لیا۔پانی پیتے ہی اسے حواس بجا ہوتے دکھائی دیئے۔

اپنے سر پر کیپ ٹھیک طریقے سے جمائی، ہولسٹر میں رکھے ریوالور کو تھپتھپایا اور اپنے قدموں میں اعتماد پیدا کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آیا جب تک وہ کرنل احتشام کے کمرے کے دروازے پر پہنچا تو خود کو کافی حد تک پرسکون محسوس کررہا تھا۔

دروازے کے باہر موجود دونوں گارڈز کی ریکویسٹ پر اس نے ہولسٹر سے اپنا ریوالور نکال کر ان کے حوالے کردیا اور خود خاصے پُراعتماد انداز میں اندر داخل ہوگیا۔

اندر ایک بہت بڑی ساری میز کے پیچھے رکھی گھومنے والی کرسی پر کرنل احتشام اس کا منتظر تھا۔حیرت انگیز طور پر اس کے لبوں پر ایک خیر مقدمی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

سفیان نے دونوں ایڑیاں بجا کر کرنل احتشام کو زور دار سلوٹ کیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”خوش آمدید مسٹر سفیان!“ کرنل احتشام نے خوش گوار لہجے میں کہا اور سامنے رکھی ہوئی کرسی پر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”تھینک یو سر!“ اس نے نیاز مندی سے سر کو ہلکے سے خم کے ساتھ کہا اور کرسی گھسیٹ کر اس پر بیٹھ گیا۔

”میں تو تمہارا انتظار کررہا تھا تم خود کیوں نہیں آئے مجھ سے ملنے کے لیے۔“ کرنل احتشام نے اس کی جانب جھکتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

”سوری سر!“ اس نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔”بے شک مجھے آنا چاہیے تھا لیکن یہاں آکر میں نے سنا کہ آپ خوامخواہ بلاضرورت کسی سے بھی ملنا پسند نہیں کرتے ہیں، سو اسی لیے آپ کے بلاوے کا منتظر رہا۔“ اس کی تمام تر خود اعتمادی لوٹ آئی تھی، اس لیے اس نے بنا کسی لگی لپٹی کے صاف گوئی سے جواب دیا۔

”ہوں!“ کرنل نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے ایک گہری ہنکاری بھری اور بولا۔

"مجھے تمہاری صاف گوئی پسند آئی جوان! انسان کو ایسا ہی ہونا چاہیے' صاف گو اور کھرا۔ میں بھی ایسا ہی ہوں شاید اسی بناء پر لوگ مجھے زیادہ پسند نہیں کرتے۔" سفیان نے کرنل کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور خاموش رہا' کرنل نے چند لمحے اس کے کسی جواب کا انتظار کیا پھر بولا۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں کام کی بات کرلینی چاہیے۔" اور اس کے ساتھ ہی وہ اسے اس کے پہلے مشن کے بارے میں بتانے لگا۔سفیان بہت توجہ اور غور سے اس کی ساری باتیں اور احکامات سنتا رہا اور گردن ہلاتا رہا۔

کرنل کی بات مکمل ہوئی تو سفیان نے اسے یقین دلایا کہ وہ کرنل کی امیدوں پر پورا اترنے کے لیے اپنی ہر ممکن کوشش کرے گا۔

اس مشن پر کرنل نے اس کے ساتھ چار جوان کی ڈیوٹی لگائی اور ان کے نام اسے بتانے لگا۔سفیان نے کمرے سے نکلنے سے پہلے کرنل کو سلوٹ کیا اور باہر آگیا۔

...☆☆☆...

آگے کے کئی دن سکون سے گزر گئے اور کوئی نیا واقعہ نہیں ہوا۔سوائے اس کے کہ حشام کے روم کی سیکورٹی مزید سخت کردی گئی۔میں بھی بیماری کا بہانہ کرکے حشام سے نہیں ملی اور اسپتال نہیں گئی پھر طلال انکل کا فون آیا کہ کرنل مشتاق آرہے ہے اور میرے گھر آجاؤ تو میں آصف کے ہمراہ طلال انکل کے گھر پہنچ گئی۔

میں وہاں پہنچی تو کرنل مشتاق وہاں پہنچ چکے تھے' حسب معمول دونوں لائبریری میں تھے۔میں نے چند لمحے رک کر آنٹی سے علیک سلیک کی اور ان سے معذرت کرنے کے بعد اوپر طلال انکل کی اسٹڈی میں پہنچ گئی' دروازہ بند تھا میں نے دستک دی تو انکل کی آواز آئی۔

"آجاؤ سرمئی بیٹا...!"

"السّلام علیکم!" میں نے دونوں کو ایک ساتھ سلام کیا تو دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔دونوں کے چہرے مجھے بہت پُرجوش دکھائی دیئے' اندر داخل ہوکر اپنے پیچھے دروازے کو بند کرکے میں پلٹی اور کہا۔

"انکل! آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں آئی ہوں۔"

"میں تمہاری دستک پہچانتا ہوں اور ویسے بھی تمہارے علاوہ اس دروازے پر صرف روشن خان ہی دستک دیتا ہے' وہ بھی اس وقت جب وہ چائے لے کر آتا ہے اور اس کے دستک دینے کا انداز تم سے مختلف ہے۔" انکل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آؤ بیٹھو بھئی' ہم تو بڑی بے قراری سے تمہارا انتظار کر رہے تھے۔" کرنل مشتاق نے کہا۔

"کیوں خیریت ہے سب؟" میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بھئی سب خیریت ہے' بہت سی اہم باتیں تمہیں بتانا ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"اور وہ یقینا حماد سے آپ کو معلوم ہوئی ہوں گی۔" میں نے کہا۔

"تم بہت ذہین ہو۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال میں اس میں ذہین ہونے کی کوئی بات نہیں ہے' حماد کو آپ نے مہمان نوازی کرنے کے لیے تو نہیں اٹھایا تھا' بہت کچھ اگلوایا ہوگا۔" میں نے کہا تو ان کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔

"ہاں تو کیا بتایا اس نے۔" میں نے اطمینان سے کہا۔"لیکن نہیں۔" میں نے تیزی سے کہا تو دونوں چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔"آپ شروع سے مجھے سب کچھ بتائیں کہ اسے کس طرح اور

کہاں سے اٹھایا تھا اور اس نے کس طرح سے سچائی کو اگلا؟"

"اچھا تو تمہیں سب کچھ ہی سننا ہے' میرا خیال ہے اسے رہنے ہی دو' تمہارے لیے یہ باتیں غیر ضروری ہیں اور بلاوجہ انہیں دہرانے میں ٹائم ضائع ہی ہوگا۔" کرنل مشتاق نے کہا۔

"یوں کہیں ناں انکل کہ آپ یہ باتیں ہم سے شیئر نہیں کرنا چاہتے۔" میں نے منہ پھلا کر کہا۔

"ایسا ہی سمجھ لو۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا تو میں نے مزید ضد نہیں کی' میں خاموش رہی تو طلال انکل بولے۔

"ناراض ہو۔"

"نہیں تو انکل!" میں نے جلدی سے کہا پھر کرنل مشتاق سے کہا۔"ہاں تو بتایئے کہ حماد نے کیا بتایا؟"

"پہلے تو اس نے کچھ بھی بتانے سے صاف انکار کردیا' میرا مطلب ہے کہ وہ مکمل طور پر ساری باتوں کے بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کرتا رہا لیکن جب اس کی خاطر تواضع کی گئی تو وہ فر فر بولنے لگا۔" کرنل مشتاق نے کہا۔

"کیا آپ لوگوں نے اسے مارا پیٹا ہے؟" میں نے حیرت سے کہا۔"یہ تو ٹھیک نہیں ہوا' ابھی تو رمضانی صاحب کے بارے میں پتا چلا ہے کہ انہیں اغواء کرلیا گیا تھا اب یہ حماد والا معاملہ لوگوں کے سامنے آئے گا تو کافی گڑ بڑ پیدا ہوسکتی ہے۔"

"ارے نہیں بھئی ایسی کوئی بات نہیں ہے' ہمارے کام کرنے کا طریقہ ذرا مختلف ہے' ہم اپنے ملزموں کو جسمانی نہیں بلکہ ذہنی طور پر ٹارچر کرتے ہیں اور پھر انہیں زیادہ ٹائم اپنے پاس رکھتے بھی نہیں ہیں' ہم نے تو اسے رہا کر بھی دیا اس وقت وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہے۔"

"آپ نے کتنے دن اپنے پاس رکھا تھا؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"دو دن۔" کرنل مشتاق نے مختصر جواب دیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"اور آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ان دو دنوں کی اپنے گھر سے غیر حاضری کا اس نے کیا جواز پیش کیا ہوگا۔" میں نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"جب وہ ہمارے پاس آیا تھا ہم نے اسی وقت اس سے اس کے گھر فون کروادیا تھا کہ وہ اپنے چینل کے کام کے سلسلے میں ایک دو روز کے لیے شہر سے باہر جارہا ہے' اس لیے پریشان نہ ہوا جائے' جیسے ہی کام ختم ہوگا وہ لوٹ آئے گا۔"

"وہ آپ کی بات مان کیسے گیا؟" میں نے پوچھا۔

"شاید تم یہ بات نہیں جانتیں کہ اس کی تین جوان بہنیں اور ایک بیوہ ماں ہے' دو بہنیں مقامی گرلز کالج میں پڑھتی ہیں اور سب سے چھوٹی بہن ایک اسکول میں میٹرک کی طالبہ ہے اور اس کی ماں نے انتہائی مشقت سے انہیں پالا ہے۔اس کا تعلق ایک غریب گھرانے سے ہے' حماد کے جاب کرنے سے پہلے تک تو ان کے گھریلو اور مالی حالات بہت زیادہ خراب تھے لیکن جب سے حماد نے نیوز چینل پر ملازمت کی ہے تو ان کے مالی حالات کافی حد

تک بہتر ہوگئے ہیں۔ایک غیرت مند بھائی کے لیے اس کی جوان بہنوں کو آسانی سے اغواء کرنے کا کہنا ہی کافی ہوتا ہے۔"

"اوہ! تو یہ بات ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اور تم اس بات سے بھی قطعی بے فکر رہو کہ اسے یہ کبھی بھی معلوم ہوسکے گا کہ اسے کن لوگوں نے اغواء کیا تھا اور اغواء کرنے کے بعد اسے کسی جگہ پر رکھا گیا تھا کیوں کہ اسے بے ہوشی کی حالت میں ہم نے سینٹر پر پہنچایا تھا اور ہمارا کوئی بھی بندہ اپنا چہرہ چھپائے بغیر اس کے سامنے نہیں آیا تھا۔" کرنل مشتاق نے بتایا تو میں مطمئن ہوگئی پھر بھی ایک خیال کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا اس لیے پوچھا۔

"کرنل صاحب! کیا آپ کو یقین ہے کہ اب وہ کسی سے بھی اپنے اغواء کی کہانی بیان نہیں کرے گا۔"

"بالکل۔" انہوں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"وہ کیسے؟"

"اسے چھوڑتے وقت اچھی طرح یہ باور کرادیا گیا تھا کہ اس نے اگر اپنی زبان کھولنے کی کوشش کی تو اس کے اسے بہت سنگین نتائج بھگتنے پڑیں گے۔ہم یہ بات جانتے ہیں کہ اس کی ماں اور بہنیں اس کی کمزوری ہیں اور ہم نے اس کی اس کمزوری سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے اور اس کے علاوہ سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ بھی مجرموں میں شامل ہے لیکن اپنے بارے میں اس نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ اسے اپنی بہنوں کی شادی کے لیے ایک ساتھ بہت ساری رقم کی ضرورت تھی اس لیے اس نے ان لوگوں کا ساتھ دیا' دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ..." کرنل مشتاق انکل طلال کی جانب دیکھتے ہوئے کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

"کہیے ناں... آپ رک کیوں گئے؟" میں نے چونک کر انکل اور کرنل مشتاق کی جانب دیکھا وہ معنی خیز نگاہوں سے طلال انکل کی جانب دیکھ رہے تھے گویا پوچھ رہے ہوں کہ آگے کی بات مجھے بتائی جائے یا نہیں۔میں نے یہ بھی دیکھا کہ طلال انکل نے ایک خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنے سر کو آہستگی سے اثبات میں جنبش دی۔

"اس کا کہنا تھا کہ وہ نیوز اینکر سرمئی کو دل ہی دل میں چاہتا تھا لیکن اسے حشام کے علاوہ کوئی اور دکھائی نہیں دیتا تھا۔اس لیے وہ دل سے چاہتا تھا کہ حشام نہ رہے۔"

"کیا...؟" میرے منہ سے نہایت حیرت سے نکلا۔

"ہوں! اس نے یہ بھی بتایا کہ سرمئی کے آگے بات کرتے ہوئے وہ ہمیشہ جھجکتا رہا ہے نہ جانے کیوں جب وہ سامنے آتی تھی تو وہ اپنی ساری خود اعتمادی بھول جاتا تھا۔"

"میری حیرانی کی وجہ بھی یہی ہے کہ مجھے تو وہ ہمیشہ ہی بہت دبو سا انسان دکھائی دیتا تھا' اپنی وے آپ یہ بتائیں کہ اس نے کس کے کہنے پر یہ سب کیا' میرا مطلب ہے کیا کیا؟" میں نے حماد کے عشق سے متاثر ہوئے بغیر کہا۔

"شاید تمہیں اندازہ ہو کہ یہ سب اس نے رمضانی صاحب کے کہنے پر کیا ہے' رمضانی صاحب کس کے اشارے پر کام کررہے ہیں یہ بات اس نے نہیں بتائی لیکن یہ ضرور بتایا کہ رمضانی صاحب کو ان ہی لوگوں نے اٹھایا تھا اور ٹارچر

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کیا تھا کہ ان کا خیال یہ تھا کہ رمضانی صاحب نے تمہیں یا حشام کو ساری انفارمیشن دے دی ہے' جب ہی فوراً ہی اس ریکارڈنگ کی کیسٹ وڈیو کیمرے سے غائب کردی گئی اور تمہارے گھر پر سیکورٹی کا سخت انتظام کردیا گیا ہے۔"

"اچھا یہ بات ہے جب ہی وہ الٹی سیدھی کہانیاں سنارہے تھے۔" میں نے کہا۔

"اچھا اور کیا بتایا اس نے کہ رمضانی صاحب نے اسے کیا بتایا اور کیا کام لیا؟"

"رمضانی صاحب اس کے گھریلو حالات سے اچھی طرح واقف تھے شاید پہلے ہی سے ان کی جان پہچان تھی شاید اس کے والد کے حوالے سے۔"

رمضانی صاحب کو کس حوالے سے یہ اطلاع مل گئی تھی کہ حشام ایک بہت حساس اور اہم رپورٹ بنارہا ہے' اسے کسی بھی طرح راستے سے ہٹانا ہے اور اس کی رپورٹ کو ضائع کرنا ہے۔

اتفاق سے وہ سنہرا موقع انہیں جلد ہی مل گیا' انہیں حکم دیا گیا کہ سرمئی کو موقع سے ہٹا کر حشام کو وہاں بھیج دیا جائے گا کہ فائرنگ کی آڑ میں حشام کا

کام تمام کیا جاسکے۔حماد نے سرمئی کو وہاں سے لانے کی ذمہ داری خود لی اور وہ زخمی سرمئی کو لے کر اس کے گھر گیا' اس کو اس بات کا علم تھا کہ حشام کے ساتھ کچھ بُرا ہونے والا ہے اور اس بات کی اطلاع اسے دے دی گئی کہ حشام فائرنگ کے واقعے میں شدید زخمی ہوگیا ہے اور اس وقت شاید وہ تمہارے ہی گھر تھا پھر وہ تمہیں اپنے ساتھ اسپتال بھی لے کر گیا تھا۔

اسپتال سے اس کے پاس کسی ان نون نمبر سے کال آئی اور اسے پارکنگ میں بلایا تھا' وہ وہاں پہنچا تو اس سے حشام کے بارے میں معلوم کیا گیا پھر اس کی یہ ذمہ داری بھی لگائی کہ وہ جاوید کے ویڈیو کیمرے سے اس سارے واقعے کی ویڈیو کیسٹ بھی فوراً غائب کرکے رمضانی صاحب کے حوالے کردے کیوں کہ انہیں اس بات کا شک تھا کہ ہوسکتا ہے کہ ویڈیو میں حشام کا براہ راست نشانہ لینے والے کی ویڈیو نہ بن گئی ہو' لیکن کیسٹ غائب ہونے کے بعد انہیں یقین ہوگیا کہ کیسٹ کو جان بوجھ کر وہاں سے غائب کیا گیا ہے اور یہ کام سوائے تمہارے اور کوئی نہیں کرسکتا۔کیوں کہ یہ بات رمضانی صاحب اور حماد کو معلوم ہوچکی تھی کہ تم اسپتال سے یہ کہہ کر گئی تھیں کہ پیر میں بہت

زیادہ تکلیف کی وجہ سے تم ریسٹ کرنے گھر جارہی ہو لیکن تم گھر نہیں گئیں بلکہ جاوید کے ساتھ نیوز چینل ذرا دیر کے لیے آئی تھیں۔رمضانی صاحب اظہار ہمدردی کے لیے کافی دیر طلال کے ساتھ بیٹھے رہے یا پھر وہ کسی بُری خبر اور اپنے لیے خوش خبری سننے کے انتظار میں بیٹھے رہے بعد میں تمہارے جانے کے بعد حماد نے انہیں فون کے ذریعے جب ویڈیو کیسٹ غائب کرنے کے حکم کے بارے میں بتایا تو وہ نیوز چینل پہنچ گئے لیکن اللہ کے کرم اور سب کی دعاؤں کے نتیجے میں اللہ نے حشام کی زندگی بخش دی تو ان لوگوں نے ڈاکٹر ذیشان کو خریدنے کی کوشش کی اور یہاں سے بھی ناکام ہونے کے بعد اس پر قاتلانہ حملہ بھی کروایا۔تمہیں بھی وہ لوگ راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں' حالاں کہ حشام کا لیپ ٹاپ تو انہوں نے ضائع کردیا ہے لیکن انہیں یقین ہے کہ حشام کی مرتب کردہ وہ اہم اور حساس رپورٹ یقیناً کہیں اور بھی محفوظ ہوگی۔"

کرنل مشتاق یہ سب بیان کررہے تھے اور میرے ذہن میں پرانی ساری باتیں ایک ایک کرکے آرہی تھیں۔رمضانی صاحب تو اس وقت میری نگاہوں میں

مشکوک ہوگئے تھے جب نیوز چینل سے ویڈیو کیسٹ لے جاتے ہوئے میں نے گاڑی میں بیٹھے ہوئے رمضانی صاحب اور حماد کو ایک ساتھ آتے ہوئے دیکھا تھا اور وہ حشام کے بارے میں بات کرتے ہوئے آرہے تھے کہ دیکھو حشام کا کیا ہوتا ہے' مجھے اس لمحے ایسا لگا تھا کہ جیسے وہ نہیں چاہتے کہ حشام زندہ بچے ' بعد میں میں نے اپنے اس خیال کو اپنا وہم سمجھ کر اپنے ذہن سے جھٹک دیا تھا۔

لیکن آج ساری بات آئینے کی طرح صاف ہوچکی تھی' حشام پر فائر کرنے والے آدمی کو شمروز بھائی نے میرے نام نہاد باپ نواب سطوت کے پاس آتے ہوئے اور معافی مانگتے اور گڑگڑاتے ہوئے دیکھا تھا۔وہ اس بات پر معذرت کررہا تھا کہ وہ اس صحافی لڑکے کو جان سے مارنے میں ناکام رہا ہے۔

''اس ساری کہانی کو سننے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ اس سارے پلان کا ماسٹر مائنڈ نواب سطوت ہے۔'' میں نے انتہائی نفرت انگیز اور زہر خند لہجے میں کہا تو طلال انکل اور کرنل مشتاق چونک کر میری جانب دیکھنے

لگے کچھ لمحے گمبھیر خاموشی کی نذر ہوگئے تب انکل طلال نے اس خاموشی کو توڑا اور بولے۔

''نہیں۔'' انہوں نے پُر خیال انداز میں بھاری لہجے میں کہا تو میں نے حیرت سے ان کی جانب دیکھا انہوں نے اس مرتبہ قطعی لہجے میں کہا۔''نہیں! تمہارا خیال غلط ہے۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟'' میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''ریلیکس بیٹا ریلیکس! '' انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔''میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ نواب سطوت اس سارے معاملے کا ماسٹر مائنڈ ہے' تمہیں یاد ہے میں نے گزشتہ ملاقات میں بھی تم سے یہی کہا تھا کہ یہ پلان نواب سطوت کا نہیں ہے اور نہ ہی ہمارا اصل مجرم نواب سطوت ہے ' اس کے ذریعے تو یہ کام لیا گیا ہے اصل مجرم تو سردار شیر افضل ہے میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا لگتا ہے تم یہ سب بھول گئی ہو۔''انکل کا لہجہ بدستور دھیما اور نرم تھا تب مجھے سب کچھ یاد آگیا۔

جو کچھ حماد کی زبانی ہمیں معلوم ہوا ہے تقریباً ان ساری باتوں پر اپنا اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے پہلے بھی ڈسکس کر چکے تھے۔حماد نے تو صرف ہمارا خیال اور سوچ کی تصدیق کر دی ہے۔تب میں نے شرمندگی سے کہا۔

”انکل آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں پتا نہیں کیسے یہ سب میرے ذہن سے نکل گیا۔“

”میرا خیال ہے کہ تم حشام کو لے کر بہت زیادہ ڈپریس رہنے لگی ہو اور پھر دو تین واقعات اوپر تلے تمہارے ساتھ ایسے ہوگئے شاید اس لیے تمہارا ذہن منتشر ہوگیا‘ میں ایک بار پھر تمہیں یاد دلادوں بیٹا جی کہ ہم لوگ جس لائن میں ہیں وہاں چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی دھیان میں رکھنا پڑتا ہے اگر اہم اہم باتوں کو بھی بھولنے لگے تو کھرے اور کھوٹے کی پہچان کیسے کریں اور ویسے بھی اب تو ماشاء اللہ حشام بہت تیزی کے ساتھ صحت یاب ہورہاہے‘ تم مطمئن رہو وہ جلد گھر آئے گا اور ہم سب ایک بار پھر نئے سرے سے اس اہم کام کو انجام دیں گے۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”ان شاء اللہ!“ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا تو انکل مسکرانے لگے‘ کرنل مشتاق اس دوران بالکل خاموشی سے بیٹھے ہماری گفتگو سنتے رہے تھے‘ بولے۔

”طلال کیا تم مجھے وہ یو ایس بی دے سکتے ہو جس میں تم نے حشام کی بنائی ہوئی وہ رپورٹ سیو کی ہے۔“

”کیوں تم کیا کرو گے؟“ انکل نے پوچھا۔

”کیوں کیا میں تمہارے اس مشن میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں‘ تم شاید بھول رہے ہو کہ میں نے اپنی یہ خفیہ ایجنسی کیوں کھولی ہے اور کمانڈو ٹریننگ کیوں دے رہا ہوں‘ اسی لیے میرے دوست کہ میں اور تم دونوں یہ بات اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ ہمارے اپنے ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے والے ہمارے اندر کے لوگ ہیں اور یہی لوگ ہیں جو اونچی مسندوں پر بیٹھے اپنے ملک کا ملک کی معیشت کا اور عوام کا سودا کررہے ہیں تو پھر ہمارے ملک کی پولیس اتنی جرأت مند تو ہے نہیں کہ ان لوگوں پر ہاتھ ڈال سکے یہ کام بھی ہمیں ہی خفیہ طور پر انجام دینا ہے۔ہمارا مشن ایسے ہی ملک کے غداروں کا قلع قمع کرنا ہے اور حشام کی مرتب کردہ رپورٹ کی روشنی میں ‘ میں ان سب

ملک دشمن عناصر کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔" کرنل مشتاق نے تفصیل سے انکل کو جواب دیا' تو طلال انکل کی آنکھوں میں چمک لہرانے لگی۔"

"کیا آپ مجھے ایک ادنیٰ سی کارکن کی حیثیت سے اپنے گروپ میں شامل کریں گے کرنل صاحب؟" میں نے پرُجوش لہجے میں ان کے قریب جاکر کہا۔

"وائے ناٹ بے بی!" جواباً انہوں نے بھی اسی جوش سے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے میں نیوز چینل کی جاب چھوڑ کر صرف آپ لوگوں کے ساتھ منسلک ہوجاتی ہوں۔" میں نے کہا۔

"نہیں میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہوگا تم اپنی جاب برقرار رکھو یہاں رہ کر تم زیادہ فائدہ حاصل کرسکتی ہو۔میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں طلال!" کرنل مشتاق نے میری جانب سے رخ پھیر کر انکل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کرنل مشتاق ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" انکل نے ان کی تائید کی تو میں نے انہیں بتادیا کہ میں رمضانی صاحب کا چینل چھوڑ رہی ہوں' اس پر بھی انکل

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

نے مجھے منع کیا اور کہا کہ اس کی وجہ بھی تمہیں خود سمجھ میں آجائے گی کہ میں تمہیں کیوں منع کررہا ہوں۔"

"جیسا آپ کہہ رہے ہیں میں ویسا ہی کروں گی' مجھے تو قدم قدم پر آپ دونوں کی راہ نمائی کی ضرورت ہے' آپ نے صحافت کی دنیا میں ساری عمر گزاردی جب کہ میں تو ابھی طفل مکتب ہوں' آپ کے ساتھ رہ کر میں بہت کچھ سیکھوں گی۔" میں نے انکل کے قریب جاکر کہا تو انہوں نے میرے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور شفقت بھرے لہجے میں بولے۔

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے بہادر بیٹا اور ایک بہادر بیٹی عطا کی ہے حالاں کہ میں تو..." اتنا کہہ کر ان کی آواز بھرآ گئی اور وہ خاموش ہوگئے اور میں سمجھ گئی کہ وہ کیا بات کہتے کہتے رک گئے' ان کے دل یقینا یہ خیال آیا ہوگا کہ وہ تو حشام کے حقیقی باپ نہیں ہیں' میں سوچنے لگی کہ بعض رشتے جو ہم خود سے ایک دوسرے کے ساتھ بنالیتے ہیں' کتنی مضبوطی اختیار کرلیتے ہیں' ایسی مضبوطی خون کے رشتوں میں بھی نہیں بن پاتی۔آج ہمارا معاشرہ جس راہ پر چل رہا ہے' وہاں لوگ اپنے حقیقی اور خون کے رشتوں

سے بھی وفادار نہیں ہوتے' اپنے ذرا سے مادی مفاد کی خاطر انہیں کاٹ رہے ہوتے ہیں' اس کے مقابلے میں غیروں کے ساتھ جوڑے گئے پُرخلوص اور دل کے رشتے کتنے مضبوط اور پائیدار ہوتے ہیں' جیسے میرا رشتہ اماں اور بابا کے ساتھ۔طلال انکل کا میرے اور حشام کے ساتھ اور ایک اور نیا رشتہ بھائی کا میرا شمروز بھائی کے ساتھ۔"

شمروز بھائی کا خیال آیا تو میں نے کرنل مشتاق سے کہا کہ آپ شمروز بھائی کو بھی کمانڈو ٹریننگ دیں' وہ بھی ہمارے اس مشن میں ہمارے ساتھ ہیں تب کرنل مشتاق نے مجھ سے شمروز بھائی کے بارے میں پوچھا تو میں نے مختصراً انہیں شمروز بھائی کی کہانی سنادی اور یہ بھی کہ حادثاتی طور پر وہ نواب سطوت کے پاس پہنچ گئے اور اللہ جانے کس طرح نواب سطوت ان پر اتنا زیادہ اعتبار کرنے لگے ہیں۔

کرنل مشتاق شمروز بھائی کی کہانی سے تھوڑے سے متاثر ہوئے اور بولے۔

"اس سے کہنا کہ مجھ سے آکر ملے۔" پھر انہوں نے اپنا ایک کارڈ مجھے دیتے ہوئے کہا کہ یہ میں شمروز بھائی کو دے دوں۔اس کارڈ پر ان کا فون نمبر اور

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

رہائش کا ایڈریس لکھا تھا یہ ایک عام اور سادہ سا کارڈ تھا' جیسے میں نے احتیاط کے ساتھ اپنے پرس میں رکھ لیا۔

...☆☆☆...

میں نے اپنی کار جیسے ہی گلشن اقبال کے اس پلازہ کے سامنے روکی جہاں میرا فلیٹ تھا تو وہ بُری طرح چونک پڑا اور احمقوں کی مانند آنکھیں پھاڑتے ہوئے بولا۔

"آپ یہاں رہتے ہو؟"

"ہاں! لیکن تمہیں اس پر اتنی حیرت کیوں ہورہی ہے؟" میں نے اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔

"یہ تو اتنی بڑی بلڈنگ ہے' پھر تو آپ بہت زیادہ امیر آدمی ہوں گے۔" اس نے ایک بار پھر احمقانہ انداز میں آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے کہا۔

"احمق آدمی یہ ساری بلڈنگ میری نہیں ہے' اس میں بہت سارے فلیٹ ہیں اور ایک چھوٹا سا فلیٹ میرا ہے' وہ بھی ذاتی نہیں ہے میں یہاں کرائے پر

رہتا ہوں۔" میں نے کہا اور گاڑی کا انجن بند کرکے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور اسے بھی اشارہ کیا کہ وہ بھی باہر آجائے۔

وہ میرے پیچھے پیچھے آرہا تھا اور احمقوں کے انداز میں ادھراُدھر گردن گھماتے ہوئے دیکھتا ہوا آرہا تھا' نہ جانے کیوں مجھے اس کا اتنا زیادہ احمقانہ انداز بناوٹی لگ رہا تھا۔وہ تو اس طرح سے ظاہر کررہا تھا کہ ابھی نیا نیا کسی دیہات سے وارد ہوا ہو' ایک ایسا دیہاتی جس کی ساری زندگی کسی دیہات میں گزری ہو اور وہ پہلی مرتبہ شہر آیا ہو۔میں اب صرف یہ سوچ رہا تھا کہ آخر یہ شخص کون ہے اور میری گاڑی کے قریب بے ہوشی کی حالت میں اس کا ملنا اور ضد کرکے میرے ساتھ چلے آنا' ضرور اس میں کوئی راز ہے کیوں کہ اس کے بے سروپا عشق کی کہانی کا میں نے ایک فیصد بھی یقین نہیں کیا تھا۔

میں اسے اپنے ساتھ گلشن اقبال والے اس فلیٹ میں لے کر بھی اسی ارادے سے آیا تھا کہ اطمینان سے اپنے طریقے سے اس کی اصلیت معلوم کروں گا۔

میں سیڑھیوں کے ذریعے تھرڈ فلور پر پہنچا' میں بہت غور سے اس کو واچ کررہا تھا' وہ ایک خاص انداز میں سیڑھیاں طے کررہا تھا' عام افراد سے بالکل

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

الگ انداز تھا اور پھر جیسے اسے کوئی خیال آگیا تو اس نے اپنی چال بدل لی۔اب تو مجھے پورا پورا یقین ہوگیا کہ یہ شخص اصل میں کوئی اور ہی شخصیت رکھتا ہے اب اس کا ارادہ مجھے جاننا تھا۔

میں سیڑھیاں طے کرتا ہوا فلیٹ کے دروازے پر پہنچا اور جیب سے چابی نکال کر دروازے کا لاک کھولا اور اندر داخل ہوگیا۔وہ بھی اندر آگیا تو میں نے دروازہ بند کرکے لاک کردیا۔

فلیٹ کئی روز سے بند تھا اور ویسے بھی میں نے اس کی صفائی ستھرائی کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا اس لیے کافی گردو غبار ساری چیزوں پر پڑا ہوا تھا فرنیچر پر بھی کافی گرد جمع تھی۔

میں اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آیا اور اس سے کہا کہ وہ ایک صوفے پر جاکر سو جائے اور میں دوسرے کمرے میں جہاں بیڈ پڑا تھا جاکر لیٹ گیا۔ میں نے ابھی جوتے بھی نہیں اتارے تھے یوں ہی تھوڑی دیر کے لیے جوتوں سمیت لیٹ گیا تھا یہاں میرے پاس رات کو پہننے کے لیے دوسرا لباس بھی نہیں تھا میں نے اس طرح سوچا ہی نہیں تھا کہ کبھی یہاں رات بھی گزارنی

پڑے گی۔ تیسرے کمرے میں صرف فرش پر قالین بچھا تھا' اس لیے وہ میرے روم میں کھلے دروازے سے اندر آگیا اور بولا۔

"بھائی مجھے اتنے نرم بستر پر سونے کی عادت نہیں ہے اگر آپ اجازت دو تو دوسرے کمرے میں زمین پر سوجاؤں۔"

"سوجاؤ۔" میں نے بے زار کن لہجے میں جواب دیا۔

"بھائی لگتا ہے آپ کافی دنوں کے بعد اپنے گھر لوٹے ہو' کیوں کہ یہاں کافی ساری مٹی پڑی ہے' لگتا ہے کب سے صفائی نہیں ہوئی ہے۔"

"ارے نہیں یار! میں رہتا تو یہیں ہوں لیکن کیوں کہ گھر میں کوئی عورت نہیں ہے اس لیے میں کبھی کبھار مہینے میں ایک بار صفائی کرلیتا ہوں۔ کچن میں برتن وغیرہ بھی زیادہ نہیں ہیں' کھانا بھی ہوٹل سے کھاتا ہوں۔میں نے کہا۔وہ تو شکر ہوا کہ روشن آنٹی کے یہاں رہنے کے خیال سے میں نے کچن میں کچھ برتن لاکر رکھ دیئے تھے ورنہ یہ میری بات کا کبھی یقین نہ کرتا۔

"بھائی آپ فکر نہ کرو' میں سو کے اٹھ کے سارا گھر جھاڑ پونچھ کر اچھی طرح سے چمکادوں گا۔" اس نے میرے خاموش ہوتے ہی پُرجوش لہجے میں کہا۔

"اچھا یار ٹھیک ہے تم زیادہ باتیں نہ کرو' میرے سر میں بہت درد ہورہا ہے' ساری رات گزر گئی مجھے سونے دو اور تم بھی جاکر سو جاؤ۔" میں نے کہا۔

"سر میں درد ہورہا ہے۔ارے بھائی تو مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا' میں بڑا اچھا سر دباتا ہوں' دو منٹ میں سارا درد بھاگ جائے اور آپ کو بڑی اچھی اور گہری نیند آجائے گی۔" اس نے میرے بیڈ کے قریب آتے ہوئے کہا۔

"نہیں رہنے دو' مجھے سر د بوانے کی عادت نہیں ہے' ٹیبلٹ لے لوں گا' اب تم جاکر سوجاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔" مہوش سے ملاقات کے بعد میں ابھی تک ڈسٹرب تھا اور پھر اس کی کہانی سن کر تو میرے اوپر سوچوں اور فکروں کے کئی دروازے کھل گئے تھے اور میں اس بارے میں تنہائی میں بہت کچھ سوچنا چاہتا تھا۔

میں بیڈ سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور جوتے اتارنے لگا تو وہ منہ بناتا ہوا میرے کمرے سے باہر نکل گیا' اس کے باہر جاتے ہی میں نے روم کا دروازہ اندر سے بند کرلیا اور لاک کرکے لائٹ آف کردی اور بیڈ پر لیٹ گیا۔

دلارے کی جاب سے میں بے فکر تھا کہ میں نے دروازہ لاک کردیا ہے' وہ کہیں نہیں جاسکتا اور پھر اپنا کمرہ بھی لاک کردیا تھا' وہ مجھے ڈسٹرب بھی نہیں کرسکتا تھا' صبح اٹھ کر اس سے اچھی طرح بات کرنے کا پروگرام تھا اور پھر مہوش کے بارے میں' میں سوچتے ہوئے گہری نیند میں چلا گیا' رات بھر خواب میں مجھے مہوش دکھائی دیتی رہی۔کبھی وہ مجھے اپنے ساتھ پیار و محبت کے انداز میں دکھائی دیتی تو کبھی مجھے لگتا کہ وہ ایک بھیانک اور طاقت ور جن کی قید میں ہے اور سسکیاں لے لے کر رو رہی ہے' کبھی روتے ہوئے مجھے مدد کے لیے پکار رہی ہے۔

میں پُرسکون ہو کر سو نہ سکا اور ایسے ہی پریشان کن خواب دیکھتا رہا' صبح نو بجے میری آنکھ کھل گئی۔سر میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ایک بہت اسٹرانگ سی چائے کی طلب ہورہی تھی' میں نے واش روم میں جاکر ٹھنڈے پانی سے شاور لیا۔میری آنکھوں میں سرخی جھلک رہی تھی' نہانے سے سر کا بوجھل پن تھوڑا دور ہو گیا تھا' میں دروازہ کھول کر کمرے سے باہر آیا تو باہر کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا ہر شے صاف ستھری تھی اور چمک رہی تھی۔دلارے

مجھے کہیں دکھائی نہیں دیا' میں سیدھا کچن میں آگیا۔چائے کی دلفریب مہک سارے کچن میں پھیلی ہوئی تھی' وہ مجھے کچن میں ہی مل گیا' کچن کی صفائی میں لگا ہوا تھا۔

"دلارے۔" میں نے آواز دی تو اس نے پیچھے مڑ کر مجھے دیکھا اور سلام کے بعد بولا۔

"بھائی آپ اٹھ گئے' آپ نے گھر دیکھا' میں نے سارا صاف کردیا۔اب چائے بنانے کے بعد کچن کی صفائی کررہا تھا۔چائے دوں آپ کو...؟" اس نے فخریہ لہجے میں کہا اور چائے کی پیش کش کی۔

"واقعی تم نے تو کمال کردیا' اتنی جلدی سارا صاف کردیا' کب اٹھے تھے تم؟" میں نے کہا۔

"میں تو صبح سویرے ہی اٹھنے کا عادی ہوں اور ویسے بھی رات بھر بے چینی سی رہی۔میں غریب ضرور ہوں لیکن صاف ستھرا رہتا ہوں' اسی لیے جلدی اٹھ کر کام سے لگ گیا۔" یہ بات کہتے ہوئے اس نے چائے نکال کر مجھے پیش کردی اور ناشتے کے لیے پوچھا۔

"وہ تو بازار سے لانا پڑے گا۔" میں چائے کا کپ لے کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اب میں جو آگیا ہوں آپ کو بازار سے کھانے کی ضرورت نہیں ہے' میں آپ کو اچھے اچھے کھانے بنا کر کھلاؤں گا۔ مجھے بہت طرح کے کھانے بنانے آتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"تم کہیں کام کرتے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"جی بھائی! اُدھر ڈیفنس میں کمال صاحب رہتے ہیں ان کے ہاں ملازم تھا۔ کھانا بناتا تھا۔" اس نے جواب دیا۔

"وہاں سے کام کیوں چھوڑ دیا؟" میں نے اس کی جانب دیکھے بنا بظاہر بے پروائی سے پوچھا۔

"اس بات کو رہنے ہی دیں۔" اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

"پھر بھی۔" میں نے اصرار کیا۔

"ان کی بیٹی جو تھی ناں وہ بڑی حسین تھی' مجھے بڑی اچھی لگتی تھی' بس کبھی کبھار اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے تکتا رہتا تھا' بس مجھ سے یہی خطا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ہوتی تھی۔ اس نے غصے میں میری شکایت اپنے باپ سے کر دی اور اس نے یہ کہہ کر مجھے نوکری سے نکال دیا کہ تو اپنی اوقات دیکھ' میری بیٹی کو گھورتا رہتا ہے' اب بھلا کوئی اس سے یہ پوچھے کہ اس کی جوان جہان اور حسین بیٹی جو سارے جہاں میں ننگے منہ اور ننگے سر پھرتی رہتی تو ہر اوقات اور بے اوقات بندہ اسے دیکھتا ہی ہے اسے دیکھنے کے لیے اس سے اجازت تھوڑی نہ لیتا ہے پر غریب ہونا ہی اس دنیا کا سب سے بڑا جرم ہے' واقعی غریب کی کوئی عزت کوئی اوقات نہیں ہوتی۔" اس نے اداس لہجے میں کہا۔

"ویسے تم خاصے حسن پرست واقع ہوئے ہو۔" میں نے ہلکے سے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بس بھائی!" اس نے شرماتے ہوئے کہا۔ "جوانی بڑی ظالم ہوتی ہے' حسن کس کو اچھا نہیں لگتا۔" پھر بولا۔ "بھائی آپ نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟"

"تمہارے سر کی چوٹ کا کیا حال ہے' زیادہ تکلیف تو نہیں ہے؟" میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"سر میں درد تو ہے لیکن ہلکا ہے' آپ بتا رہے تھے کہ آپ ڈاکٹر ہو تو کوئی دوا دے دینا اس درد کی ' ختم ہوجائے گا۔" اس نے کہا تو میں خاموش رہا اور بولا۔

"بھائی کچھ پیسے دے دیں تاکہ میں ناشتے اور دوپہر کے کھانے کے لیے کچھ سامان لے آؤں۔" میں نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا تو وہ معصوم نگاہوں سے میری جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں ابھی اجنبی ہوں ناں اس لیے آپ ابھی مجھ پر یقین نہیں کرو' بھائی میں چور یا بے ایمان ہر گز نہیں ہوں' ہمیشہ حق حلال کی اور اپنی محنت کی روٹی کھائی ہے' ایسا کرو کہ آپ خود میرے ساتھ چلو اور سامان دلادو۔"

"ایسی بات نہیں ہے دلارے! میں نے کب منع کیا ہے پیسے دینے کے لیے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اپنا پرس نکالا اور ہزار کا نوٹ اسے دیتے ہوئے کہا کہ وہ ضرورت کی چیزیں لے آئے۔

وہ شکریہ کہہ کر پیسے لے کر چلا گیا' پھر فوراً ہی واپس آیا اور بولا۔

"بھائی دروازے کی چابی؟"

"اوہ ہاں! اندر پڑی ہے جا کر اٹھالو۔" میں نے کہا تو وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ چابی اس نے کی ہول میں لگی رہنے دی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آگیا' ڈھیر سارا سامان لے آیا تھا' ایک پرچے پر سارا حساب لکھا ھا' مجھے دے کر بولا۔

"بھائی سارا حساب اس پر لکھاہے' بس تھوڑے سے پیسے بچے ہیں۔"

"ٹھیک ہے وہ تم رکھ لو۔" میں نے کہا تو وہ شکریہ کہہ کر کچن میں چلا گیا۔

وہ میرے لیے ناشتہ بنارہا تھا اور میں اس کے بارے میں سوچ رہا تھا' اس کا رویہ بہت سادہ اور عام سا تھا ایسی کوئی شک و شبے والی بات نہیں تھی مگر نہ جانے کیوں میرا دل مطمئن نہیں ہورہا تھا۔

میں جب ناشتے سے فارغ ہوا تو دن کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے' تب ہی میرے سیل فون پر روزی کی کال آئی' میں نے فون ریسیو کیا تو وہ جھٹ بولی۔

"ہوگئی تمہاری صبح؟"

"بہت دیر ہوئی۔" میں نے بشاشت بھرے لہجے میں کہا۔

"اور میں احمقوں کی طرح رات سے تمہارا انتظار کررہی ہوں اگر آپ اپنی خاص مصروفیات" اس نے خاص مصروفیات پر زور دیتے ہوئے کہا۔"فارغ ہوگئے ہوں تو تشریف لے آیئے' بندی سر تا پا منتظر ہے۔"

"اوہو بھئی بڑا غصہ ہے' ناراض مت ہو' میں اب فارغ ہوں اور ابھی تھوڑی دیر میں تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔" میں نے کہا پھر اپنے سراپا پر نگاہ ڈالی میرے سارے کپڑے مسل سے گئے تھے' پینٹ تو جینز کی تھی لیکن شرٹ مسل گئی تھی' اس لیے کہا۔

"یار میرا حلیہ بہت خراب ہورہا ہے' تمہارے پاس اس حال میں آنا اچھا نہیں لگ رہا' اگر تم کہو تو تھوڑی دیر..."

"اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے' تم ہر حال میں ایک سے ہی لگتے ہو اس لیے حلیے کی فکر نہ کرو اور چلے آؤ۔" اس نے میری بات کاٹ کر تیزی سے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" میں نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ تم ہر حال میں شہزادے ہی لگتے ہو' اگر دیوار پر کوئلے سے بھی تمہاری تصویر بنادی جائے تب بھی کوئلے میں بھی اجلے اور سندر لگو گے۔" اس نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ کہا۔

"شٹ اپ! تم سے تو ہر لحاظ سے کم ہی ہوں۔" میں نے بھی جواباً ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا اب باقی باتیں آمنے سامنے ہوں گی' تم فوراً چل دو' ویسے اس وقت کہاں ہو؟" اس نے پوچھا۔

آکر بتاتا ہوں۔" میں نے کہا اور فون بند کردیا' میں نے چور نگاہوں سے دلارے کی جانب دیکھا کہ وہ میری باتیں سن رہا ہے یا اپنے کام میں مصروف ہے۔

میں سوچنے لگا کہ دلارے کو یہاں چھوڑ کر ذرا دیر کو روزی سے مل کر آجاتا ہوں 'گھر میں کوئی بھی ایسی قیمتی شے موجود نہیں تھی جس کی مجھے فکر ہوتی' اس لیے کچن میں دلارے کے پاس چلا آیا اور اسے آواز دی۔

"دلارے۔" تو اس نے میری آواز پر چونک پر مجھے دیکھا۔وہ پیاز کاٹنے میں مصروف تھا۔

"جی بھائی۔" اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھوں سے بہنے والا پانی صاف کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے ذرا ایک کام سے جانا ہے تم دروازہ اندر سے لاک کرلو۔میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔"

"جلدی آئیے گا بھائی مجھے اکیلے گھر میں ڈر لگتا ہے۔" اس نے معصوم سے لہجے میں کہا۔

"ارے کیسے مرد ہو' اکیلے گھر میں ڈرتے ہو' اکیلے گھر میں کس کا ڈر۔" میں نے دھیرے سے ہنستے ہوئے کہا۔

"جن اور چڑیلوں سے۔" اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"احمق۔" میں نے کہا اور باہر جانے لگا۔وہ میرے پیچھے پیچھے آنے لگا اور یہی کہتا رہا کہ میں جلدی گھر آجاؤں۔

مجھے اپنے فلیٹ میں دلارے کو تنہا چھوڑتے ہوئے کوئی ٹینشن نہیں تھی۔اس فلیٹ میں میرے حوالے سے کوئی بھی چیز نہیں تھی۔پھر بھی بہت سی چیزوں پر میں نگاہ رکھ کے آیا تھا تاکہ واپس آکر میں اس بات کا اندازہ کرسکوں کہ میری غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دلارے میرے روم میں آکر کسی چیز کو چھیڑتا ہے یا الماری کے لاک کو ہاتھ لگاتا ہے یا نہیں۔

میں اپنی کار کو برق رفتاری سے دوڑاتے ہوئے ڈیفنس کے فلیٹ پر پہنچا اور جیسا کہ اس نے کہا تھا وہ اپنے حسن کے تمام تر ہتھیاروں سے لیس بے قراری سے میرا انتظار کر رہی تھی۔

"اب بتاؤ مجھ سے ایسا کون سا ضروری کام آن پڑا جو اتنی بے تابی سے میرا انتظار ہو رہا تھا۔" میں نے صوفے پر خود کو گراتے ہوئے پوچھا۔

"کام تو میں تمہیں بتا ہی دوں گی پہلے تم ایک بات بتاؤ بالکل سچ سچ۔" اس نے گہری نگاہوں سے میری جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا؟" میں نے چونکنے کے انداز میں پوچھا۔

"کل رات کس مہ جبین کے ساتھ تھے؟" اس نے بدستور گہری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے ایسی تو کوئی بات نہیں ہے وہ تو میں...!" میں نے تیز اور اپنے اندر اترتی ہوئی برچھی کی مانند اس کی نگاہوں سے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔

"ہمارے درمیان دوستی کی ابتدا کرتے ہوئے یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ہم کبھی بھی ایک دوسرے سے غلط بیانی نہیں کریں گے پھر تم کیوں ایسا کر رہے ہو' ویسے ضروری نہیں ہے کہ تم مجھے اپنے پرسنل میٹر بتاؤ لیکن جھوٹ نہ بولو۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"تمہیں کیسے اس بات کا علم ہوا کہ میں کل رات کسی لڑکی کے ساتھ تھا کیا تم نے اب بھی میری جاسوسی نہیں چھوڑی۔" میرے لہجے میں خود بخود ناگواری اتر آئی۔

"اب تم بد گمانی کی باتیں کر رہے ہو' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔جب میں نے تم سے کہا تھا کہ اپنے بندوں کو تمہاری نگرانی سے ہٹالوں گی تو اس وقت ہٹا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

لیا تھا۔دراصل کل رات اتفاق سے میری گاڑی تمہاری گاڑی کے پیچھے تھی۔اس وقت تم بدلے ہوئے حلیے میں تھے لیکن میں نے گاڑی کے نمبر سے تمہاری گاڑی کو پہچانا تھا لیکن تمہاری جگہ جب میں نے اس میں کسی اور کو دیکھا تو اس کا پیچھا کرنے لگی۔خوامخواہ تمہاری فکر میں پڑ گئی تھی۔پھر میں نے دیکھا کہ تم نے اپنی گاڑی کو پیٹرول پمپ کے سائیڈ میں ایک جگہ روکا میں یہ سوچ رہی تھی کہ اچانک پیچھے سے آکر تمہیں سرپرائز دوں گی۔لیکن اچانک چلتے چلتے تم کسی ٹیکسی کا پیچھا کرنے لگے اور پیچھا کرتے کرتے تم سی سائیڈ پر جا پہنچے تم نے کچھ دیر اس لڑکی کو ساحل پر کھڑے ہو کر دیکھا پھر پتھروں سے اتر کر تم اس کے پاس چلے گئے اور پھر تم دونوں قریبی ریسٹورنٹ میں جا بیٹھے۔

میں نے ایک بار پھر تمہیں کال کی لیکن تم نے آنے سے معذرت کرلی اور اپنا موبائل آف کرلیا۔پھر میں اپنے فلیٹ پر واپس آگئی اب بتاؤ میں نے کیا غلط کہا ہے۔" وہ پوری تفصیل کے ساتھ ایک ایک بات بالکل سچ بیان کر رہی تھی اور میں شرمندگی سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔میں نے روزی پر بالکل

دھیان نہیں دیا اس کی اصل وجہ مجھے مہہ وش کا اچانک دکھائی دے جانا تھا ورنہ ایسا ہوتا نہیں ہے کہ راستا چلتے ہوئے میں اتنا بے خبر رہا کہ اپنے آگے پیچھے کا کوئی ہوش ہی نہ تھا۔

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو بالکل ایسا ہی ہوا تھا آئی ایم رئیلی سوری۔“ میں نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے معذرت کے کلمات کہے۔

”اٹس اوکے شمروز۔“ اس نے میرے ہتھیار ڈالنے پر نرم لہجے میں کہا۔”ویسے پتا نہیں کیوں مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ اس لڑکی کا تعلق تمہارے ماضی سے ہے ایم آئی رائٹ؟“

میں نے بنا کچھ کہے اثبات میں سر ہلا دیا۔شاید اس لمحے میرے چہرے پر ڈھیروں اداسی چھا گئی ہوگی تب روزی نے بڑی نرمی سے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور بولی۔

”کیا وہ تمہارا گمشدہ پیار تھی؟“

میں نے اس بار بھی صرف گردن ہلانے پر اکتفا کیا۔”تم لوگ علیحدہ کیوں ہوئے تھے؟“ اس نے بدستور نرم لہجے میں پوچھا۔

”چھوڑو نا یار اس موضوع کو کیا ہم کوئی اور بات نہیں کرسکتے۔“ میں نے جھنجلائے ہوئے قدرے تیز لہجے میں کہا کیونکہ روزی کے جملے میرے بڑی مشکلوں سے باندھے ہوئے بندوں کو توڑ رہے تھے۔

”او کے جان‘ ٹیک ایزی‘ ریلیکس ہوجاؤ‘ آئی پرامس یو آئندہ ہم اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔“ اس نے میرے لہجے کا برا ماننے بغیر اس مرتبہ بھی اپنا لہجہ نرم ہی رکھا۔تب مجھے احساس ہوا کہ مجھے اس لہجے میں روزی سے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔اس لیے ایک بار پھر معذرت آمیز لہجے میں اسے سوری کہا۔

”میں جانتی ہوں ہماری زندگی کے کچھ ایسے کمزور پہلو بھی ہوتے ہیں جنہیں ہم کبھی کسی پر ظاہر نہیں کرتے کبھی اپنے ماضی کے ان پنوں کو کسی کے سامنے نہیں کھولتے‘ شاید ماضی کے لمحات میں وہ بہت وقت یا تو بہت حسین گزرا ہوتا ہے یا بہت زیادہ تکلیف سہنا پڑتی ہے۔“ وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھی اور

ساتھ ہی ساتھ میرے ہاتھ کو بھی سہلا رہی تھی۔ پھر اٹھی اور ٹھنڈے جوس کا ایک گلاس لے آئی اور بولی۔

”لو یہ پی لو' شاید اس سے تمہارے اندر کی تپش کچھ کم ہوجائے۔“

”اگر ایسی چیزیں انسان کے اندر کی جلن اور تپش کو کم کردیں تو بات ہی کیا ہے۔“ میں نے اس کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے کہا۔

”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے سنجیدگی سے کہا لیکن پھر فوراً ہی شوخ لہجے میں بولی۔

”دفع کرو جلن اور تپش کو فی الحال تو تمہارا حلق خشک ہو رہا ہوگا اسے تو تر کردو۔“

پھر میری جانب جھکتے ہوئے شوخ لہجے میں میری آنکھوں میں براہ راست جھانکتے ہوئے بولی۔

”کہیں مجھے دیکھ کر تو تمہیں کچھ نہیں ہو رہا ہوسکتا ہے مجھے دیکھ کر تمہارا بی پی ہائی ہوگیا ہو اور تمہارا حلق خشک ہوگیا ہو۔“

اور میں نے جھٹ اس کے سراپا سے اپنی نگاہیں ہٹا لیں اس کے کشادہ گریباں سے جھانکتا ہوا اس کا دو آتشہ حسن کسی بھی زاہد کا ایمان ڈگمگانے کے لیے کافی تھا۔ میں نے دوسری جانب اپنا رخ پھیر کر کہا۔

”شٹ اپ روزی' تم جانتی ہو میں ایسا ہر گز نہیں ہوں۔“

”واقعی۔“ اس نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور سیدھی ہوگئی پھر بولی۔ ”ایک بات سچ سچ بتاؤ گے۔“ تو میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

”حقیقت میں پاک باز ہو یا اپنی محبوبہ سے کیے گئے عہد وفا کو نبھا رہے ہو۔ وہ عہد جو تم نے کبھی اس سے کیا ہوگا کہ جان من میرا دل اور جسم و جاں صرف تمہاری امانت ہے اس پر تمہارے علاوہ کبھی کسی اور کا تصرف نہیں ہوگا۔“

”تمہارا جو دل چاہے سمجھ لو۔“ میں نے گلاس کو لبوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

”یہ تو کوئی جواب نہیں ہوا' میں اپنی مرضی سے کیسے تمہارا جواب سمجھ سکتی ہوں تم ایک جواب دو' نا۔“ اس نے ضدی لہجے میں کہا۔

"بھئی آخر تم چاہتی کیا ہو؟" میں نے قدرے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ابھی ابھی تم نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ ہم اس موضوع پر دوبارہ بات نہیں کریں گے۔"

"اگین سوری۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔"میں تو تمہارا زہد و تقویٰ دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اور طنز کرلو' دو چار باتیں اور کہہ لو لیکن پلیز آئندہ کبھی اس موضوع کو مت چھیڑنا۔" میں نے سخت اور قطعی لہجے میں کہا تو وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور ٹہلنے لگی میں سمجھ گیا کہ اسے میری بات بہت بری لگی ہے لیکن مجھے اس کی قطعی پروا نہیں تھی بری لگتی ہے تو لگا کرے۔اگر میں اسے صاف جواب نہ دیتا تو وہ میرے پیچھے پڑی رہتی۔

بہت سے لمحے خاموشی کی نذر ہوگئے تقریباً پانچ منٹ گزر گئے میں خاموشی سے جوس پیتا رہا اور ٹہلتی رہی تب میں نے ہی اس خاموشی کو توڑا اور اسے مخاطب کیا۔

"واک اگر کرنی ہو تو کسی پارک کا رخ کیا کرو' بلکہ یہیں نزدیک میں نثار شہید پارک ہے روز صبح شام وہاں چلی جایا کرو اور اپنا شوق پورا کرلیا کرو فی الحال تو بیٹھ جاؤ اور وہ کام بتاؤ جس کے لیے مجھے بلایا ہے۔"

اس نے خفگی بھری نگاہوں سے میری جانب دیکھا اور بولی۔"بہت ہی سنگ دل اور بے حس انسان ہو۔"

"اتنی تعریف کرنے پر بندہ آپ کا شکر گزار ہے اب فرمائیے۔" میں نے ایک دوستانہ مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجا کے کہا تو وہ میرے نزدیک آکر بیٹھ گئی اور بولی۔

"مجھے حیرت ہوتی ہے تمہارے اوپر تمہارے جیسے لوگ اب اس دنیا میں کہاں ہوتے ہیں۔"

"تم غلط کہہ رہی ہو' میں تو بہت ہی گناہ گار انسان ہوں تمہارا واسطہ ابھی تک جن لوگوں سے پڑا ہے وہ دوسری قسم کے لوگ ہوں گے لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس دنیا میں بہت اچھے لوگ موجود ہیں میں تو ان کے قدموں کی دھول بھی نہیں ہوں اور شاید بہت زیادہ گناہ ہونے کے باوجود یہ دنیا ابھی

تک قائم ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی نیک کام کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بھلائی اور نیکی

کی جانب بلاتے ہیں خود بھی گناہ کے کاموں سے دور رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی گناہ کے کام کرنے سے روکتے ہیں۔"

"اف اللہ۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔اسلامیات کے ٹیچر آگئے۔سر ذرا رک جایے میں دوپٹا سر پر اوڑھ لوں۔" پھر بولی۔"اوہ! سوری سر میرے پاس دوپٹا تو ہے نہیں اس لیے اسلامیات کی کلاس اب ختم کردیں۔"

میں بہت تاسف بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا کہ یہ لڑکی جب اپنے گھر سے نکلی تھی تو کیسی تھی اور زمانے کی گندگی میں لتھڑ کر کیسی بن گئی ہے۔

"یہ تم کن نگاہوں سے میری جانب دیکھ رہے ہو۔" وہ غصے سے چیخ پڑی اور لمحہ بھر میں اس کی حالت بگڑ گئی۔وہ چیخ چیخ کر کہنے لگی۔"ہاں میں بدکار ہوں' بدکاری کرتی ہوں' لوگوں کو قتل کرواتی ہوں لوگوں کی عزتیں اترواتی ہوں' نفرت ہے مجھے شرافت سے اور شریف لوگوں سے۔جب مجھے کسی نے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

شریف نہیں رہنے دیا تو میں کیوں کسی کے ساتھ رعایت کروں' میں تمہیں بھی شریف نہیں رہنے دوں گی اپنے جیسا بد کار بنا دوں گی بڑی شرافت ہے تمہارے اندر' میں سب سمجھتی ہو سارے ناٹک ہیں تمہیں بھی جب موقع ملے گا تم لمحہ بھی نہیں لگاؤ گے اپنا یہ شرافت کا چولا اتارنے میں۔تو پھر دیر کس بات کی ہے ابھی کیوں نہیں۔"

اس نے ایک جھٹکے سے اپنے جسم پر کسا ہوا چھوٹا سا بلاوز اتار پھینکا۔

میری آنکھوں کے سامنے بجلی سی کوند گئی۔اس پر دیوانگی سی طاری تھی۔ایک جنون کی کیفیت مجھے اس کی آنکھوں میں دکھائی دی۔اس نے اندر کچھ بھی نہیں پہنا ہوا تھا وہ بڑی بے باکی کے ساتھ دونوں ہاتھ اپنی کمر پر رکھے ہانپ رہی تھی۔

"یہ کیا کررہی ہو تم روزی! پاگل تو نہیں ہوگئی ہو پہنو اسے۔" میں نے بوکھلا کر کہا۔

'اب بتاؤ میرے اندر کیا کمی ہے' ہے نا میرا حسن توبہ شکن۔" اس نے اسی طرح کھڑے کھڑے کہا۔

میں اپنی جگہ سے اٹھا اور زمین پر پڑے ہوئے جرسی کے کپڑے کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کو اٹھا لیا جس کے ذریعے اس نے ناکافی ستر پوشی کی ہوئی تھی اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

”تم بری نہیں ایک اچھی لڑکی ہو چلو اس کو پہن لو۔“

اس نے میرے ہاتھ سے بلاؤز لے کر دور پھینک دیا اور پھر اس نے وہ حرکت کی کہ میں بھونچکا سا کھڑا رہ گیا۔اس کے جسم پر بہت ہی مختصر سا زیر جامہ تھا دوسرے ہی لمحے وہ میرے ساتھ لپٹ گئی۔

اس کا نرم اور گداز جسم جب میرے جسم سے ٹکرایا تو مجھے اپنے جسم سے چنگاریاں سی پھوٹتی ہوئی محسوس ہوئیں دماغ کی رگیں پھٹنے لگیں۔وہ بڑی بے تابی سے میرے چہرے اور گردن کے بوسے لے رہی تھی۔میں کمزور پڑنے لگا میری جانب سے ہونے والی معمولی سی مزاحمت بھی دم توڑنے لگی اور میں نے اس کے پھول سے نازک وجود کو اٹھا کر صوفے پر ڈال دیا وہ فخریہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی ایک فتح مندی دکھائی دی مجھے اس کی آنکھوں میں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں اس پر جھکنے لگا تب ہی مہ وش کی شبیہ میری آنکھوں میں لہرا گئی۔جب وہ پہلی مرتبہ میری برتھ ڈے پر مشرقی لباس چوڑی دار پاجامہ اور کرتا اور جالی کا ستاروں بھرا دوپٹا اوڑھ کر آئی تھی۔میری دی ہوئی سرخ اور ہری کانچ کی چوڑیاں اس کی گوری گوری کلائیوں میں سج رہی تھیں اور اس لمحے مجھے اس پر بے انتہا پیار آیا تھا۔تب پہلی مرتبہ میں نے اسے اپنی بانہوں میں تھاما تھا اور اسے چومنا چاہا تھا تب وہ تڑپ کر میری بانہوں سے نکل گئی اور مجھ سے بہت معذرت کرنے کے بعد اس نے کہا تھا۔

”شاہو جب ہمارے پیار میں پاکیزگی ہے اور ہم سچے دل سے ایک دوسرے کے ہو کے اپنی زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو پھر اس پیار کو آلودہ مت کرو‘ لیکن میں بری طرح بہک گیا تھا اس کی خوشامد کرنے لگا کہ میں صرف تمہارے ملیح چہرے کو چومنا چاہتا ہوں تمہارے اس حسین روپ کو خراج تحسین پیش کرنا چاہتا ہوں۔پلیز... پلیز مت روکو تو وہ جھٹ مجھ سے ہٹ کر دور کھڑی ہوگئی تھی اور بولی۔

"شاہو کیا میں یہ سمجھوں کہ تم نے مجھ سے سچی محبت نہیں کی اور تم بھی محض اپنی ہوس کے غلام ہو' تمہارے نزدیک محبت کے اظہار کے لیے اللہ کی اجازت کے بغیر جسموں سے اظہار کرنا کوئی بری بات نہیں ہے۔"

تب میں نے شرمندگی سے اس سے معذرت کی اور وعدہ کیا کہ شادی سے پہلے میں آئندہ کبھی اس سے ایسی کوئی بھی فرمائش نہیں کروں گا۔

جواباً اس نے بھی مجھ سے معذرت کی کہ وہ ایسا کبھی نہیں چاہے گی کہ اس کی محبت کے پاکیزہ لباس پر گندگی کا ایک بھی قطرہ گرے۔

اور اب وہی مہہ وش میرے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"شاہو' میرے شاہو' اگر آج تم نے اپنے آپ کو نہ روکا تو پھر میں دوبارہ تم سے ہمیشہ کے لیے دور چلی جاؤں گی۔ کیونکہ نہ میں بدکار ہوں اور نہ کسی بدکار کو پسند کروں گی۔"

میں گھومتے ہوئے دماغ کے ساتھ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ میری نگاہیں اس کے جسم پر تھیں لیکن ذہن کوسوں فاصلے پر بیٹھی مہہ وش کی جانب تھا۔

وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر مجھے اپنی جانب بلانے لگی۔ میں اس کی جانب جھکا اور پھر کمرے میں "چٹاخ" کی زور دار آواز گونجی اور وہ ہکا بکا میری جانب آنکھیں پھاڑے دیکھنے لگی۔ میں نے آلود لہجے میں کہا۔

"اگر تم نے ایک منٹ کے اندر اٹھ کر اپنا لباس نہیں پہنا تو اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اپنے ان ہاتھوں سے تمہاری یہ خوب صورت گردن دبادوں گا۔"

"یہ... کک... کیا ہوگیا... تت... تمہیں... آ... ابھی تو... سب ٹھیک تھا۔" اس نے ہکلاتے ہوئے بمشکل کہا۔

"تم نے سنا نہیں۔" میں پھر دہاڑا۔

"اوکے۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ مصالحت کے انداز میں اٹھاتے ہوئے کہا اور جھٹ صوفے سے اٹھ کر اپنا لباس پہن لیا۔ اس دوران میں اس کی جانب سے رخ پھیر کے کھڑا رہا۔ پھر اس کے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں پر محسوس ہوئے اور اس نے دھیرے سے کہا۔

"شاہ زمان' ڈاکٹر شاہ زمان... تم واقعی ڈاکٹر شاہ زمان ہو۔"

میں نے اس کے اس جملے پر تڑپ کر پیچھے مڑ کر دیکھا وہ تھوڑی دیر پہلے والی روزی سے یکسر مختلف روزی مجھے دکھائی دی اس نے اپنے دونوں ہاتھ بازو موڑتے ہوئے سینے پر باندھ لیے اور بولی۔

"پتا ہے شاہ زمان اگر یہ تھپڑ تم میرے منہ پر نہ مارتے تو میں تمہیں مار دیتی اور پھر مستقبل میں تمہارے ساتھ بہت برا ہوتا۔"

"کیا مطلب؟" میں نے بگڑتے ہوئے تیور کے ساتھ کہا۔"دعوت بھی خود ہی دیتی ہو اور پھر مستقبل بھی میرا خراب... بہت خوب۔" میں نے طنزیہ انداز میں کہہ کر داد دینے کے لیے تالی بجائی۔

"آؤ آرام سے بیٹھو میں تمہیں ساری بات بتاتی ہوں۔" اس نے رسان بھرے لہجے میں کہا تو میں اس کے پل پل رویے پر حیران ہوتا ہوا بیٹھ گیا اور سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"ابھی تم جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ میں محض تمہارا امتحان لے رہی تھی اب تم یہ کہو گے کہ مجھے کیا ضرورت پڑی کہ میں تمہارا امتحان لے رہی تھی۔بات دراصل یہ ہے شاہ زمان کہ جب سے میری اور تمہاری ملاقات ہوئی ہے اور

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

پھر دوستی میرے دل میں تمہاری عزت قدر اور محبت پیدا ہوگئی ہے۔تم نے بالکل درست کہا تھا کہ میرا حقیقت میں اچھے لوگوں سے واسطہ پڑا ہی نہیں ہے۔شاید اسی لیے میں اس بات پر یقین نہیں کرسکتی کہ مرد ذات میں سوائے ہوس پرستی کے حقیقی شرافت بھی ہوسکتی ہے۔ولی اللہ اور اللہ کے علاوہ اور پھر تم بھی تو ہماری ہی لائن کے ہو۔

بس اسی لیے جب تمہارے بارے میں ایک اہم اطلاع میرے پاس آئی تو میں نے سوچا کہ تمہیں اس کی حقیقت سے آگاہ کردوں اور آنے والی تباہی سے تمہیں بچالوں۔لیکن پھر پتا نہیں کیوں ابھی بھی اور وہ بھی تمہاری شرافت کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ کیوں نہ تمہاری ایک آخری آزمائش اور کرلی جائے ہوسکتا ہے تم میرے اوپر اپنا اعتماد قائم کرنے کے لیے یہ پارسائی کا ڈھونگ رچا رہے ہو کیونکہ اپنے بارے میں اور اپنے ماضی کے بارے میں تو میں ایک ایک بات تمہیں بتا ہی چکی تھی۔

میں نے یہ سوچا تھا کہ اگر تم میری آزمائش میں پورے اترے تو تمہارے جیسے دوست اور تمہاری دوستی کے لیے میں اپنے خون کا آخری قطرے تک

بہا دوں گی اور اگر تم بھی ایک عام مرد کی طرح کمزور اور اپنے نفس کے غلام نکلے تو تمہیں اس اندھیرے گڑھے میں گرنے دوں گی سو مجھے تمہارے جیسے دوست اور تمہاری دوستی پر فخر ہے۔اس لیے میں تم سے کچھ بھی نہیں چھپاؤں گی سب کچھ بتادوں گی۔" اتنا کہہ کر وہ ذرا سانس لینے کو رکی تو میں نے شک آلود نگاہوں سے اسے دیکھا اور کہا۔

"تم سچ کہہ رہی ہو؟"

"اپنی جان کی قسم، بالکل سچ، میرا ارادہ صرف تمہارا امتحان لینے کا تھا اور کچھ نہیں۔" اس نے گلے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"چلو یقین کرلیا لیکن اللہ کے واسطے آئندہ دوبارہ کبھی اتنے کڑے امتحان میں مت ڈالنا یار میں بھی تو انسان ہی ہوں انسان خطا کا پتلا ہے کبھی قدم بہک بھی سکتے ہیں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"چلو وعدہ رہا۔" یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ میرے آگے پھیلا دیا۔جسے میں نے فوراً تھام لیا اور پر جوش طریقے سے دبا کے چھوڑ دیا وہ پھر بولی۔

"اصل میں بات یہ ہے تمہیں میرے پاس نواب جمشید لودھی نے ملاقات کے لیے بلوایا ہے اور اس نے یہ کام میرے سپرد کیا ہے کہ میں تمہیں اس کا یہ پیغام تمہیں پہنچادوں۔"

"ہاں تو پھر... اس میں کیا ہے، تم مجھے فون پر ہی بتا دیتیں میں آجاتا۔" میں نے کہا۔

"بات صرف اتنی نہیں ہے جتنی تم سمجھ رہے ہو۔" اس نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"وہ کیوں مجھ سے ملنا چاہ رہا ہے؟" میں نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

"نواب جمشید کو تمہارے بارے میں ہر بات کا علم ہے اسے یہ بھی معلوم ہے کہ نواب سطوت تمہارا مجرم ہے اور تم اس سے انتقام لینے کے لیے اس کے نزدیک آئے ہو، بس یوں سمجھ لو کہ وہ تمہاری دکھتی رگ سے واقف ہے۔

اس لیے جب وہ تم سے ملاقات کرے گا تو تمہاری عقل و ذہانت اور بہادری کی بہت بہت تعریف کرنے کے بعد تم سے اس بات پر اصرار کرے گا کہ تم جلد از جلد نواب سطوت کو موت کے گھاٹ اتار دو۔وہ تمہیں ہر طرح کی

مدد کی پیش کش کرے گا لیکن پلیز تم اس کے کہنے پر ابھی ایسا بالکل بھی مت کرنا۔" روزی نے ملتجی لہجے میں کہا۔

"لیکن کیوں؟ جبکہ میں تو خود ایسا کرنا چاہتا ہوں اچھا ہے اگر نواب جمشید میری مدد کرے تو مجھے اپنا کام کرنے میں آسانی ہوگی۔" میں نے حیرانی سے روزی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ اس لیے مائی ڈیئر فرینڈ کہ بظاہر آپس میں فرسٹ کزن ایک دادا کی اولاد اور درپردہ ایک دوسرے کے کٹر دشمن نواب جمشید نواب سطوت کے قتل پر آنسو بہانے اور واویلا کرنے پہنچ جائے گا بعد میں وہ ایسے بہت سے گواہ کھڑے کردے گا جو اس بات کی گواہی دیں گے کہ نواب سطوت کو قتل کرنے والا کوئی اور نہیں اس کا اپنا بندہ شمروز ہے اور پھر تمہیں اس کے قتل کے الزام میں پکڑوا کر پھانسی کے تختے پر پہنچا دے گا۔" روزی نے کہا۔

"لیکن نواب جمشید کی میری ساتھ تو کوئی دشمنی نہیں ہے پھر وہ میرے ساتھ ایسا کیوں کرے گا۔" میں نے کہا۔

"تم ایک بات بھول رہے ہو شاہ زمان کہ نواب جمشید کے لیے نواب سطوت کو مارنا کوئی بہت زیادہ مشکل کام نہیں ہے وہ اس کو مروا سکتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرے گا وہ نواب سطوت کے کسی بہت ہی قریبی ساتھی سے یہ کام کروانا چاہتا ہے۔"

"میں ابھی بھی ساری بات سمجھ نہیں رہا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔" میں بری طرح الجھ کر رہ گیا۔

"یہ بات کسی سے چھپی نہیں ہے اور نواب سطوت کے قتل کے بعد بھی چھپی نہیں رہے گی کہ ان دونوں کزنز کی اس بات پر دشمنی تو ہے کہ نواب سطوت کی اولادوں میں صرف بیٹیاں تھیں جبکہ نواب جمشید کے بیٹے ہیں اصولاً تو نواب سطوت کے مرنے کے بعد اس کی گدی اس کی بیٹی کو نہیں بلکہ نواب سطوت کے چچا زاد بھائی نواب جمشید کی اولاد کو ملے گی لیکن نواب سطوت آج بھی جوان دکھائی دیتا ہے اور صحت مند بھی ہے فی الحال تو اس کا مرنے کا دور دور تک کوئی ارادہ نہیں ہے آخر وہ اس گدی پر قبضے کے لیے کب تک انتظار کرے گا اچھا ہی ہوگا جو کوئی قاتل یہ کام آسان کردے۔"

اور اگر نواب سطوت کا قتل ہوگا تو پولیس کا سب سے پہلا شبہ نواب جمشید پر ہی جائے گا کہ اس نے گدی حاصل کرنے کے لیے نواب سطوت کا قتل کروایا ہے۔

تمہارے ذریعے قتل کروا کر وہ سارے ثبوت پولیس کو فراہم کردے گا اور پولیس تمہیں گرفتار کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائے گی۔

حالانکہ میں تو خود دل سے یہ چاہتی ہوں کہ اللہ کی اس دھرتی سے جلد از جلد نواب سطوت کا ناپاک وجود مٹ جائے لیکن اس سازش کے علم میں آجانے کے بعد میں تم سے یہی کہوں گی کہ پلیز فی الحال تم اس کو مارنے کا پروگرام ملتوی کردو' بلکہ اس کی جان کی حفاظت کرو اسے جب میرے بارے میں یہ پتا چلا تھا کہ میں نواب سطوت کو مارنے کی کوشش کی ہے تو وہ مجھ پر بہت ناراض ہوا تھا کہ میں نے اس کی اجازت کے بغیر ایسی کوشش بھی کیوں کی۔

اس کے بعد اتفاق سے گولی نے تمہیں دیکھ لیا اور اس کی زبانی مجھے تمہاری ساری کہانی کا علم ہوگیا پھر تمہارے پیچھے جب میں نے اپنے بندے جاسوسی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کے لیے لگوائے تو یہ پتا چلا کہ تم نواب سطوت کے لیے کام کرتے ہو پھر میں نے تم سے رابطہ کیا۔

تمہارے بارے میں جاننے کے بعد ہی مجھے تم سے ہمدردی ہوگئی تھی کیونکہ میری اور تمہاری کہانی میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ہم دونوں ایک ہی شخص کے ہاتھوں ستائے گئے ہیں ہمارا مجرم ایک ہی ہے۔

میں تمہارے کردار سے متاثر بھی ہوئی تھی اور شاہ زمان انجانے میں... تم سے... محبت کر بیٹھی۔تم بھی کہو گے کہ میں تو رضوان سے محبت کرتی تھی۔

وہ ماضی کی بات تھی بلکہ آج جب میں سنجیدگی سے اس بارے میں سوچتی ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ وہ میری محبت نہیں تھا۔وہ تو صرف میری پناہ گاہ تھا۔ اس کی رسائی بھی تو بغیر نکاح کے میرے جسم تک تھی۔اس نے بھی رات کی تاریکیوں میں اپنے پیار سے جسم کی پکار پر لبیک کہا اور یہ سوچ کر مجھے بار بار لوٹا کہ میرے پاس اب وہ شے باقی ہی کہاں رہی ہے جیسے عزت کہتے ہیں۔

لیکن تم شاہ زمان... تم... سب سے مختلف نکلے۔ان تمام مردوں سے مختلف جن سے آج تک میرا واسطہ پڑا ہے تمہارے جیسے مضبوط کردار کے مرد ہی اس قابل ہوتے ہیں کہ جنہیں چا

جائے۔اپنی جان سے بھی زیادہ۔

میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تمہارا دل تمہارے پاس نہیں ہے وہ تو تم کسی اور کو دے چکے ہو تمہارے کردار کی ایک اور مضبوط گرہ تمہاری وفا بھی ہے وہ جو بھی ہے بہت خوش نصیب ہے جسے تمہارے جیسے مرد کی چاہت نصیب ہوئی ہے اور میں۔

میں تم سے سوائے تمہاری دوستی کے اور کسی چیز کی طلب گار نہیں ہوں۔مجھ سے وعدہ کرو کہ محبت سے اپنی دوستی جیسی قیمتی چیز کبھی نہیں چھینو گے۔“

بات کرتے کرتے اس کی آواز بھرا گئی۔

میں جو بہت دیر سے خاموش بیٹھا اس کی ساری گفتگو سن رہا تھا اس کے اتنے جذباتی ہونے سے کھسک کر اس کے نزدیک آگیا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر مسکراتے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”میں وعدہ کرتا ہوں کہ آج کے بعد تم مجھے ہمیشہ اپنا مخلص دوست پاؤ گی۔“

وہ مسکرائی تو آنکھ میں ڈبڈبانے والا آنسو لڑکھڑاتا ہوا باہر نکل آیا جسے میں نے اپنی انگلی کی پور سے سنبھال کر اپنی ہتھیلی پر رکھا اور مٹھی بند کرتے ہوئے کہا۔

”آج سے تمہارے آنسو میری مٹھی کی قید میں ہیں اب کبھی باہر نہیں نکلیں گے۔“ وہ ایک بار پھر مسکرائی اور دھیرے سے ہنس پڑی تو میں بھی ہنس دیا اور کہا۔

”یار عورت ذات کے پاس یہ ہتھیار بہت ہی مضبوط ہے سخت سے سخت مرد کو بھی منٹوں میں زیر کرلیتی ہے اپنے اس ہتھیار کے ذریعے۔“

”کون سا ہتھیار؟“ اس نے کہا۔

”یہی موٹے موٹے آنسو۔“ میں نے مضحکہ خیز انداز میں ہاتھوں سے موٹے کا اشارہ کیا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔اس کو میں نے کھل کر ہنسنے دیا وہ خاموش ہوئی تو میں نے کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ نواب جمشید کے پاس کب چلنا ہے اور وہ جب اپنے کام کے لیے کہے گا تو اسے کیا جواب دے کر مطمئن کرنا ہے۔"

"میرا خیال ہے میرا تمہارے ساتھ جانا مناسب نہیں ہو گا تم تنہا ہی جانا اور چاہو تو آج رات فون کر کے ملاقات کا ٹائم لے لو اور جب وہ تم سے اپنے کام کے لیے کہے تو تم ہامی بھر لینا اور کہہ دینا کہ تمہیں اس کی مدد کی ضرورت نہیں ہے تم خود موقع کی تلاش میں ہو اور جلد از جلد یہ کام کرنا چاہتے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے روزی کی بات سننے کے بعد کہا۔اس نے بہت مناسب مشورہ دیا تھا۔

پھر تھوڑی دیر ہم اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے میں نے گولی استاد کے بارے میں اس سے معلوم کیا کہ وہ آج کل کہاں ہے مجھ سے دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی میں نے روزی کو یہ بھی بتا دیا کہ میں فی الحال گلشن اقبال والے اس فلیٹ میں ٹھہرا ہوا ہوں جہاں وہ پہلی مرتبہ مجھ سے ملنے کے لیے آئی تھی۔اس کے علاوہ میں نے اسے حشام اور سرمئی کے بارے میں کچھ نہیں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

بتایا۔میری عادت تھی کہ میں ہر شخص سے صرف اتنی ہی باتیں کرتا تھا جو اس کے مطلب کی اور اس کی ذات سے مطابق ہوتی تھیں۔

میں وہاں سے اٹھنے لگا تو روزی نے کہا کہ اگر تھوڑی دیر اور رک جاؤ تو گولی استاد سے بھی ملاقات ہوجائے گی وہ ابھی تھوڑی دیر میں آنے والا ہے۔

میں گھر جانا چاہتا تھا پہلی مرتبہ دلارے ایک اجنبی کو گھر میں چھوڑ کر آیا تھا اور ابھی تو میں اس کی جانب سے مطمئن بھی نہیں ہوا تھا لیکن روزی کی کال پر مجبوراً آنا پڑ گیا۔

پھر دس منٹ بعد گولی استاد کا روزی کے پاس فون آگیا کہ جس کام کے لیے روزی نے اسے بھیجا تھا اس میں مزید ٹائم لگ جائے گا اس لیے وہ دیر سے آئے گا۔تب روزی نے اسے میرے بارے میں بتایا کہ میں روزی کے فلیٹ پر اس کا انتظار کر رہا ہوں تو اس نے جواب دیا کہ اگر شاہ زمان میرا انتظار کرسکتا ہے تو کرے ورنہ وہ مجھ سے ملنے کے لیے خود ہی میرے پاس آجائے گا۔

میں نے روزی سے فون لے کر گولی استاد سے بات کی اور اسے بتایا کہ میں جا رہا ہوں بہتر یہی ہے کہ تم مجھ سے ملنے کے لیے آجانا ملنے کا مقصد محض ملاقات کرنا ہے کوئی خاص کام نہیں ہے پھر میں نے اسے گلشن اقبال والے فلیٹ کا پتا بتا دیا۔

گولی استاد سے بات کرنے کے بعد میں نے روزی سے نواب جمشید سے بات کرنے کے لیے اس کا کنٹریکٹ نمبر مانگا جو روزی نے مجھے دے دیا۔میں نے روزی کو بتایا کہ میں آج رات ہی اسے فون کرکے اس سے ملاقات کا ٹائم لے لوں گا۔ پھر میں نے اسے گڈبائے کہا اور نکل آیا۔

میں جب اپنے فلیٹ پر پہنچا تو دن کے ساڑھے تین بج رہے تھے بیل دینے پر دلارے نے دروازہ کھولا اس کی آنکھیں سوئی سوئی سی لگ رہی تھیں مجھے دیکھ کر بڑا سا منہ کھول کر جمائی لیتے ہوئے بولا۔

”بھائی آپ کہاں چلے گئے تھے میں نے کھانا کب کا تیار کر لیا آپ کا انتظار کرتے کرتے نیند آگئی تھی۔“

”ہاں یار بس دیر ہوگئی کھانا لگاؤ ذرا آج تمہارے ہاتھوں کا بھی ذائقہ چکھ کر دیکھیں۔“

وہ میری بات سن کر کچن کی جانب مڑ گیا اور میں اپنے روم کی جانب جاتے ہوئے دانستہ اپنے کمرے کا دروازہ لاک کر کے گیا تھا حالانکہ کمرے میں کوئی بھی خاص چیز نہیں تھی میں نے جیب سے چابی نکال لی اور لاک کھول کر اندر داخل ہو گیا اور دروازہ بند کر دیا۔

میں اپنی ان نشانیوں کا جائزہ لینا چاہتا تھا جو میں الماری اور دروازوں کے قریب لگا کر گیا تھا کمرے کے دروازے کے لاک پر مجھے اندازہ نہیں ہوا کہ اسے کھولا گیا ہے یا نہیں۔لیکن جیسے ہی میں الماری کی جانب بڑھا ایک دم ٹھٹک گیا یعنی الماری کے لاک کو چھیڑا گیا تھا۔

چند لمحوں کے لیے میں سوچ میں پڑ گیا پھر میرے ذہن میں آیا کہ دروازے کا لاک یقیناً ماسٹر کی کے ذریعے کھولا گیا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے پاس ماسٹر کی کہاں سے آئی۔کیونکہ ساحل پر بے ہوشی کی حالت میں، میں نے اس کی اچھی طرح سے تلاشی لی تھی اور اس کی جیبوں میں

سوائے چند روپے کے اور کچھ برآمد نہیں ہوا تھا حد یہ کہ اس کے پاس موبائل فون بھی نہیں تھا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میری غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یا تو یہ باہر گیا تھا یا پھر باہر سے کوئی اندر آیا تھا۔

میں ایک بات سے پوری طرح مطمئن تھا کہ پوری طرح سے تلاشی لینے کے بعد بھی اس کو یہاں سے کچھ بھی نہیں ملا ہوگا یہ الماری پوری طرح خالی تھی حد یہ کہ اس میں میرے پہننے کے کپڑے بھی نہیں تھے۔

اب مجھے پوری طرح سے یقین ہو چلا تھا کہ دلارے کی اصل شخصیت کچھ اور ہے اس نے یقیناً اپنا نام بھی مجھے غلط بتایا ہے لیکن ایک اہم سوال ابھی بھی دماغ میں گردش کر رہا تھا کہ آخر یہ کون ہے؟ یہ کس لیے میرے گھر تک آگیا ہے اور اس کو کس نے میرے پیچھے لگایا ہے؟

ان تینوں سوالوں کے جوابات مجھے دلارے ہی دے سکتا تھا اور مجھے اس سے ہی ان کے جوابات حاصل کرنا تھے لیکن ابھی نہیں۔میں تھوڑا اور انتظار کرنا چاہتا تھا اس کی حرکات و سکنات کو واچ کرنا چاہتا تھا پھر مجھے بھرپور طریقے سے اس پر ہاتھ تو ڈالنا تھا۔

یہ سب باتیں سوچتے ہوئے میں اچھی طرح ہاتھ منہ دھو چکا تھا۔میں باہر آیا تو وہ کھانا ٹیبل پر لگا چکا تھا اور خود ایک کرسی پر بیٹھا ہوا اونگھ رہا تھا۔

میں سیدھا ٹیبل پر آگیا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔اس نے پالک گوشت بنایا ہوا تھا میں نے ڈش کا ڈھکن اٹھایا تو بہت اچھی خوشبو میرے نتھنوں سے ٹکرائی۔

"تم نے کھانا کھا لیا دلارے؟" میں نے پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے پوچھا تو وہ چونک پڑا۔

"آں... ہاں... کیا کہہ رہے ہیں بھائی؟"

"ارے کیا اب بھی سو رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں رات کو نیند پوری نہیں ہوئی اس لیے شاید نیند آرہی ہے ویسے مجھے دن میں سونے کی عادت نہیں ہے۔" اس نے پھر منہ کھول کر ایک بڑی سی جمائی لی۔

"افوہ بھئی کیا کرتے ہو، منہ پر ہاتھ تو رکھو یہ کیا بدتہذیبی ہے۔" میں نے ناگوار لہجے میں کہا۔

"معاف کردیں بھائی۔" اس نے مسکین سی شکل بنا کے کہا۔

"میں نے پوچھا تھا کہ تم نے کھانا کھالیا؟"

"نہیں ابھی نہیں۔" اس نے نفی میں زور سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آؤ تم بھی کھالو میرے ساتھ۔" میں نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے اس کے بنائے ہوئے کھانے کی تعریف کی تو وہ شرما گیا اور بولا۔

"نہیں بھائی پہلے آپ کھالو' میں بعد میں کھاؤں گا اماں کہتی تھیں کہ پہلے مالک لوگ کھالیں ملازموں کو پھر بعد میں کھانا چاہیے۔"

"ارے یہاں کوئی ملازم اور کوئی مالک نہیں ہے' اللہ کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔" میں نے کہا لیکن وہ اپنی جگہ بیٹھا رہا تب میں نے دوبارہ پوچھا۔

"ابھی تم نے بتایا کہ اماں کہا کرتی تھیں تو کہاں ہیں تمہاری اماں' انہیں بھی یہاں لے کر آجاؤ' اچھا ہے گھر میں ایک بزرگ خاتون آجائیں گی۔"

"دو سال ہوگئے جی' انہیں اللہ نے اپنے پاس بلالیا۔ بس دو سال سے تنہا ہوں۔ میرے بابا تو میرے بچپن میں ہی فوت ہوگئے تھے۔" اس نے اداس لہجے میں کہا۔

میں غور سے اس کی شکل دیکھنے لگا وہ کتنی صفائی سے جھوٹ بول رہا تھا اگر مجھے اس پر شک نہ ہوتا اور میں اسے آزماتا نہیں تو میں بھی اس کی معصومیت پر یقین کرلیتا۔

"اچانک وہ اپنی کلائی پر بندھی پلاسٹک کی گھڑی کی جانب دیکھنے لگا پھر اس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور یہ کہتا ہوا کچن میں چلا گیا کہ

"میں کچن میں ہی کھا لیتا ہوں۔"

میں کھانا کھا ہی رہا تھا کہ میرے سیل فون پر نواب سطوت کی کال آگئی۔ میں نے کچن کی جانب دیکھا تو دلارے مجھے قریب دکھائی نہیں دیا۔ پھر بھی احتیاطاً میں ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا اور دروازہ بند کر کے نواب سطوت کی کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم سر۔" میں نے خوش دلی سے مودب لہجے میں کہا۔

"کیا حال ہیں؟ کہاں ہو؟" اس نے حسب عادت میرے سلام کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں گلشن اقبال اپنے فلیٹ پر آیا ہوا تھا۔" میں نے سچ بولا۔

"وہاں کیا کر رہے ہو؟" اس نے قدرے جھنجلا کر پوچھا۔

"وہ سر... وہ بتایا تو تھا آپ کو یوں ہی دل پشوری کے لیے یہ فلیٹ لے رکھا ہے بس اس لیے آیا تھا بس اب کوٹھی پر جانے ہی والا تھا۔" میں نے ذرا شرمانے ذرا جھینپنے کی اداکاری کی۔

"اوہ اچھا اچھا ٹھیک ہے تم رات آٹھ بجے تک ضرور پہنچ جانا مجھے تم سے ایک ضروری کام ہے۔" اس نے تیزی سے کہا۔

"سر آپ دبئی سے واپس آگئے کیا؟" میں نے پوچھا۔

"دبئی؟" اس نے تعجب آمیز لہجے میں کہا پھر بولا۔"ہاں دبئی سے آج ہی آیا ہوں لیکن اس وقت کوٹھی پر نہیں ہوں بس تم آٹھ بجے تک ضرور پہنچ جانا مجھے بہت ضروری کام ہے۔" اس نے کہا اور فون بند کردیا۔

اس نے جس طرح حیرت سے دبئی کہا تھا اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ دبئی گیا ہی نہیں تھا۔وہ یہیں پاکستان میں سرجانی ٹاؤن میں موجود تھا۔لیکن اس نے مجھ سے یہ جھوٹ کیوں بولا کیا وجہ ہوسکتی ہے۔یہ سوچتے ہوئے میں نے ایک دم دروازہ کھول دیا تو میں نے تیزی سے دلارے کو کچن میں جاتے

ہوئے دیکھا حالانکہ اس نے بہت جلدی کی تھی لیکن پھر بھی میں نے اس کی ایک ہلکی سی جھلک دیکھ لی تھی یعنی وہ آنے والے فون پر میری باتیں کان لگا کر سن رہا تھا۔ابے تو کون ہے؟ میرا دل چاہا میں اس سے پوچھوں لیکن میں اپنی اس خواہش کا گلا گھونٹ کر رہ گیا۔

کھانا ایک بار چھوڑ کر اٹھ جاؤ تو دوبارہ کھایا نہیں جاتا۔اس لیے میں کچن میں چلا آیا میں اسے چائے بنانے کا کہنے ہی والا تھا تب میں نے اسے دیکھا وہ ایک بار پھر اپنی پلاسٹک کی گھڑی کے ساتھ کھیل رہا تھا مجھے دیکھا تو اس پر ہاتھ پھیر کر سیدھا ہوگیا۔

"دلارے کھانا تو تم نے بہت اچھا کھلایا ہے اب ذرا اچھی سی چائے پلا دو۔"

"جی بھائی آپ بیٹھیں بس میں ابھی بنا کر لایا۔صرف پانچ منٹ میں۔" اس نے سعادت مندی سے کہا۔

"یار تمہاری یہ گھڑی بڑی عجیب سی ہے تمہیں گھڑی کا شوق ہے میں تمہیں لادوں گا اچھی سی گھڑی، پلاسٹک کی بالکل بچوں کے کھلونے جیسی؟" میں نے واپس پلٹتے پلٹتے دوبارہ مڑتے ہوئے کہا۔

”نہیں، نہیں بھائی میں اس گھڑی کو نہیں پھینک سکتا یہ بہت قیمتی ہے۔“ اس نے تیزی سے کہا۔

”قیمتی ہے۔“ میں نے تعجب سے کہا۔”ایسا کیا ہے اس گھڑی میں ذرا دکھانا تو۔“

”قیمتی ان معنوں میں ہے بھائی کہ یہ مجھے کسی نے بڑے پیارے سے تحفے میں دی تھی اور اشاروں میں کہا تھا کہ کبھی میرے اس تحفے کو خود سے جدا مت کرنا۔“ اس نے ایک بار پھر پیار سے اس پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”اشاروں میں کہا تھا‘ کیا مطلب‘ میں سمجھا نہیں۔“ میں نے پوچھا۔

”میری زندگی کی یہ بڑی دردناک کہانی ہے۔“ اس نے ایک گہری اور ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

”کیسی کہانی؟“ میں نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

”وہ بڑی ہی خوب صورت تھی بڑی بڑی جھیل جیسی آنکھیں‘ کالی گھٹاؤں جیسے بال‘ گلاب کی پتیوں جیسے ہونٹ‘ وہ میری اماں کے پاس آئی تھی اور چپ چاپ بیٹھ کر اماں کی رام کہانی سنتی رہتی تھی۔میں نے کبھی اسے بولتے نہیں

مزیدار دو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

سنا۔میں دل ہی دل میں سوچتا کہ اس کی آواز بھی بڑی سریلی ہوگی پھر کئی مرتبہ جب اماں کچن میں چلی جاتیں تو میں لپک کر اس کے پاس جا کر بیٹھ جاتا اور اس کے حسن کی تعریف کرتا وہ میری باتیں سنتی رہتی اور مسکراتی رہتی۔

پھر میں اپنے پیار کا اظہار کرتا تو وہ بجائے شرمانے کے مسکرانے لگتی اور پھر ایک دن بہت روح فرسا خبر ملی۔

میں تھک گیا اپنے پیار کا اظہار کرتے کرتے۔تب پتا چلا میری محبوبہ تو گونگی اور بہری ہے۔

”اماں نے یہ بات مجھے بہت دکھ سے بتائی‘ پھر میں نے بھی اپنے کانوں کو ہاتھ لگا لیے اور اس کے عشق سے توبہ کرلی لیکن پھر وہ میرے پیچھے پڑ گئی اب وہ میرے پاس آکر غوں غاں کرنے لگی۔ایک دن یہ پلاسٹک کی گھڑی لے آئی اور بڑے پریم سے میری کلائی پر باندھ دی۔پھر آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے اشاروں میں غوں غاں کرتے کرتے اس نے مجھے سمجھایا کہ یہ اس کے پیار کی نشانی ہے اسے کبھی خود سے جدا مت کرنا۔ورنہ میں مر جاؤں

گی۔مرنے کا اشارہ اس نے بہت خطرناک کیا تھا۔یعنی گلے میں دوپٹا باندھ کر پنکھے سے لٹک جاؤں گی۔

بس بھائی وہ دن ہے اور آج کا دن ہے یہ گھڑی میری کلائی پر ہر وقت موجود رہتی ہے اماں کے انتقال کے بعد میں نے وہ گھر اور علاقہ ہی چھوڑ دیا۔اب جب اپنی اس گونگی بہری محبوبہ کی یاد آتی ہے تو اس کے اس تحفے کو دیکھ کر یاد کرلیتا ہوں۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے بات ختم کی۔

"تو تمہارے وہاں سے جانے کے بعد اس نے خود کشی نہیں کی۔" میں نے پوچھا اور یہ سب باتیں میں اس لیے کر رہا تھا کہ اسے اس بات کا اطمینان رہے کہ میں اس کی اس جھوٹی بکواس پر پوری طرح یقین کر رہا ہوں۔

"پتا نہیں بھائی میں دوبارہ وہاں کبھی گیا ہی نہیں۔" یہ کہہ کر وہ مڑ کر چائے کی کیتلی چولہے پر رکھنے لگا اور میں اپنے کمرے میں آگیا۔تب ہی میرے موبائل فون پر گولی استاد کا فون آیا کہ اس کا روزی میڈم والا کام کمپلیٹ

ہو گیا ہے اگر میں اجازت دوں تو وہ مجھ سے ملنے کے لیے آجائے۔" میں نے چند لمحے سوچا پھر کہا۔"آجاؤ۔" اور فون بند کردیا۔

میں نے دلارے کو آواز دے کر بلایا اور کہا کہ میرے ایک دوست آنے والے ہیں تم چائے ابھی مت لاؤ میں ان ہی کے ساتھ چائے پیوں گا۔"

"ٹھیک ہے بھائی۔" اس نے جواب دیا اور کچن میں چلا گیا۔

اس کے جانے کے چند لمحے کے بعد میں ننگے پاؤں چلتا ہوا خاموشی سے کچن کی جانب گیا اور بہت احتیاط کے ساتھ اندر جھانک کر دیکھا اور تیزی سے واپس پلٹ آیا۔کیونکہ مجھے جو دیکھنا تھا وہ میں دیکھ چکا تھا۔

"دلارے بیٹے تو تو گیا کام سے' تجھے تو دلہا اب میں اور گولی استاد بنائیں گے۔"

میں نے اپنے دانتوں کو پیستے ہوئے کہا اور گولی استاد کا انتظار کرنے لگا۔تب ہی قدموں کی آہٹ ابھری میں نے دیکھا دلارے اندر آرہا تھا نجانے کیوں اس وقت اسے اپنے سامنے دیکھ کر میرے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھر آئے اور اتنے واضح کہ دلارے بھی انہیں محسوس کیے بنا نہ رہ سکا۔

”کیا بات ہے کیوں آئے ہو؟“ میں نے تیزی سے پوچھا۔

”مجھ سے کوئی خطا ہوگئی ہے بھائی؟“ اس نے مسکین سی شکل بناتے ہوئے کہا۔

”یہ سوال تم نے کیوں پوچھا؟“ میں نے کہا۔

”میرے آنے سے آپ کو غصہ جو آگیا۔“ اس نے اسی معصومیت سے کہا۔

”نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے تم بتاؤ کیا کہنے کے لیے آئے تھے۔“ میں نے فوراً ہی اپنے آپ کو نارمل کرلیا۔

”میں تو یہ پوچھنے کے لیے آیا تھا کہ شام کے کھانے کے لیے کیا بناؤں اور وہ جو آپ کے دوست آرہے ہیں تو کیا وہ بھی کھانا کھائیں گے چاول تو پڑے ہیں، گوشت میں لے آیا تھا آپ پسند کرو تو میں بریانی بنادوں۔“ اس نے سادہ سے لہجے میں کہا۔

”نہیں وہ کھانا نہیں کھائے گا بس تم چائے بنا لینا۔“

”اچھا تو پھر آپ مجھے پیسے دے دیں میں بازار سے جا کر کچھ بسکٹ اور سموسے وغیرہ لے آتا ہوں خالی چائے دیتے ہوئے اچھا نہیں لگتا۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”وہ میرا دوست ہے یا تمہارا اور کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔“ میں نے کہا۔

”تکلف کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے آپ کے گھر آنے والا ہر شخص مہمان کا درجہ رکھتا ہے اور اماں کہتی تھیں کہ مہمان نوازی اللہ کو بہت پسند ہے آپ پیسے دیں نا میں بس ابھی فٹافٹ لے کر آتا ہوں“ اس نے بات بالکل ٹھیک کہی تھی لیکن میں جھنجلا پڑا۔

”کیا بات ہے تم باہر جانا چاہتے ہو تو صاف صاف کہو، خوامخواہ کی باتوں پر کیوں وقت ضائع کر رہے ہو۔“ میں نے تیز نگاہوں سے اسے گھورا۔

”یہ بات نہیں ہے، میں تو یوں ہی کہہ رہا تھا آپ تو ناراض ہوگئے ویسے مجھے لگ رہا ہے کہ آپ کچھ پریشان ہیں کیا واقعی کوئی پریشانی کی بات ہے کہیں آپ کے دوست تو کوئی پریشان کردینے والی خبر لے کر نہیں آرہے۔“ اس نے کہا۔

”دلارے۔“ میں نے چیخ کر کہا۔”اپنی حد میں رہو اور فضول میں میرے معاملات میں دخل اندازی کی کوشش نہ کرو ورنہ ابھی گھر سے باہر نکال دوں گا مجھے ضرورت نہیں ہے تمہاری۔“

مجھے حقیقت میں اس پر بے حد غصہ آیا تھا۔

”میرا بولنا اگر آپ کو برا لگتا ہے تو میں آئندہ خاموش رہوں گا لیکن اللہ کے واسطے آپ مجھے یہاں سے مت نکالیں میرے پاس تو کوئی دوسرا ٹھکانہ بھی نہیں ہے۔“ اس نے بھاگ کر میرے قریب آکر میرے پاؤں پکڑ لیے اور رونی صورت بنا لی۔

اور اسی وقت ڈور بیل کی آواز سنائی دی۔تو میں نے اپنے پاؤں کھینچ لیے اور اس سے کہا کہ وہ جا کر دروازہ کھولے۔وہ اس طرح تیزی سے اٹھ کر گیا کہ اگر ایک لمحے کی بھی دیر ہوگئی تو قیامت آجائے گی۔

اور جیسا کہ میں سمجھ رہا تھا ویسا ہی ہوا آنے والا گولی استاد ہی تھا۔وہ دلارے کو دیکھ کر حیران ہوا اور سیدھا میرے پاس آکر بولا۔

”یہ کون ہے؟“

”ملازم ہے، آؤ تم بیٹھو، اس کے بعد تم سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔“ میں نے سرسری انداز میں کہا۔

”اس بات کو تم چھوڑو یہ بتاؤ کہ کیا واقعی یہ محض ایک ملازم ہے یا اپنا ہی بندہ ہے۔“ گولی استاد نے میرے قریب بیٹھتے ہوئے تیزی سے پوچھا۔

”ملازم ہے یار۔“ میں نے جواب دیا۔

”کچھ اتا پتا ہے اس کا کہ یہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے کیونکہ تم کو یہ بات سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم لوگ اس طرح کسی کو بھی ملازم کی حیثیت سے اپنے گھروں میں داخل بھی نہیں ہونے دے سکتے۔کیا پتا کون، کس بھیس میں ہے۔“ گولی استاد نے فکر مند لہجے میں کہا۔

”مجھے تو یہ سی سائیڈ پر بے ہوش پڑا ملا تھا میں اس کو ہوش میں لایا تو اس نے اپنی کہانی سنائی کہ کچھ لوگ اسے زخمی کر کے بھاگ گئے ہیں اور یہ بھی کہ اس کا کوئی گھر اور ٹھکانہ نہیں ہے میں اسے اپنے ساتھ رکھ لوں تو میں اسے اپنے ساتھ لے آیا۔“ میں نے تفصیل سے بتایا۔

میں گولی استاد کو دلارے کے بارے میں اپنے تمام شکوک و شبہات اور میری نگاہوں میں اس کی مخصوص حرکات کے بارے میں بتانے ہی والا تھا کہ کچھ بھی کہنے سے پہلے اچانک ہی ایک خیال آیا اور میں نے منہ پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ننگے پاؤں تیزی سے اٹھ کر کمرے سے باہر آیا مجھے یہ شک تھا کہ دلارے یقیناً کمرے کے باہر کان لگائے کھڑا ہماری باتیں سن رہا ہوگا لیکن وہ وہاں نہیں تھا لیکن پھر بھی میں اپنے اطمینان کی خاطر دبے پاؤں کچن کی جانب بڑھا اور بہت احتیاط سے کچن میں جھانکا اور اندر کا منظر دیکھ کر میں سناٹے میں آگیا۔دلارے فرش پر آلتی مالتی مارے بیٹھا تھا اس کے سامنے سبزی کی ٹرے چھری اور پلیٹ رکھی تھی اور وہ اپنی پلاسٹک کی گھڑی کو اپنے کان سے لگائے ہوئے بہت انہماک سے کچھ سننے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے دلارے کو جب اپنی معمولی سی پلاسٹک کی گھڑی کو کان سے لگاتے ہوئے محویت کے عالم میں دیکھا تو میں گھڑی کی چوتھائی میں سب کچھ سمجھ گیا اور پھر اسی محتاط انداز میں کمرے میں واپس لوٹ آیا۔

اس سے پہلے کہ گولی استاد مجھ سے یہ سوال کرتا کہ میں کہاں گیا تھا میں نے ایک بار پھر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور کہا۔

”یار گولی وہ تمہارا وڈیو کیسٹ تو مجھے کہیں نظر نہیں آرہا ہے چلو میں تمہیں اس کے بدلے ایک اور شاندار سی مووی کا کیسٹ خرید کر دے دیتا ہوں۔“

گولی استاد نے میری یہ فضول سی بات سنی اور اشارے سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے تو میں نے اشارے سے کہا کہ وہ میری بات کے جواب میں کچھ کہے تو گولی استاد بولا۔

”نہیں یار کوئی بات نہیں اگر نہیں مل رہی تو چھوڑو جانے دو۔“

”کیسے جانے دوں‘ وہ تمہاری پسندیدہ مووی تھی چلو نا یار میں ابھی تمہیں دوسری مووی دلوا دیتا ہوں۔“ میں نے کہا تو گولی شاید بہت کچھ سمجھ گیا بولا۔

”اچھا چلو چلتے ہیں مجھے اور بھی موویز خریدنی ہیں چائے آکر بعد میں پی لیں گے۔“

"ہاں ٹھیک ہے چلو چلتے ہیں تم باہر چلو میں ذرا دلارے کو بتا دوں۔" اتنا کہہ کر میں اپنے قدموں کی آہٹ پیدا کرتے ہوئے کچن میں آیا تو وہ سبزی بناتے ہوئے ایک مشہور فلمی گیت دھیرے دھیرے سروں میں گنگنا رہا تھا۔

"دلارے۔" میں نے اسے آواز دی تو اس نے اس طرح چونکنے کی اداکاری کی جیسے بہت محویت سے اپنے کام میں مصروف ہو۔

"جی بھائی۔" وہ چھری چھوڑ کر فوراً کھڑا ہو گیا۔

"دلارے میں اور شہزاد ذرا مووی کی شاپ تک جا رہے ہیں۔تم چائے تیار کرو' ہم ابھی تھوڑی دیر میں آتے ہیں۔" میں نے کہا اور اس کا جواب سنے بنا ہی پلٹ گیا۔

گولی استاد اتنے میں دروازہ کھول کر باہر نکل چکا تھا دلارے میرے پیچھے پیچھے آیا اور میرے باہر نکلتے ہی اس نے دروازہ بند کر لیا۔

"کیا معاملہ ہے یار' مجھے تو کچھ گڑ بڑ لگ رہی ہے۔" گولی استاد نے تجسس آمیز لہجے میں کہا تو سیڑھیاں اترتے ہوئے میں نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میری ان حرکتوں سے گولی استاد بہت بے چین ہو رہا تھا ہم جلدی جلدی سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے نیچے پارکنگ میں آ گئے۔میں نے گولی استاد کی گاڑی میں سفر کرنے کا فیصلہ کیا گاڑی میں بیٹھتے ہی گولی نے بے قرار سے پوچھا۔

"یار اب تو بتا دے کہ کیا معاملہ ہے تو نے تو مجھے اتنے زیادہ تجسس میں مبتلا کر دیا ہے کہ میرا ٹینشن سے برا حال ہو رہا ہے۔"

"بتاتا ہوں یار' سب کچھ بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے اسے دلارے سے ملنے والا سارا واقعہ سنا دیا پھر اس کا زبردستی میرے ساتھ آنا۔چھپ کر میری باتیں سننا' اس کی بار بار تبدیل ہونے والی چال اور خاص طور پر اس کی وہ مشکوک پلاسٹک کی بچوں والی گھڑی کا ذکر کیا۔

"تم نے بالکل ٹھیک کہا تھا کہ ہم لوگ جس لائن میں ہیں یہاں ایسے ہی کسی بھی انجانے شخص کو یوں منہ اٹھا کر اپنے گھر میں داخل ہونے نہیں دے سکتے اور خاص طور پر ملازم کی حیثیت سے اور وہ بھی ایسا ملازم جو دن رات گھر میں ہی رہے۔"

مجھے شک ہے کہ یہ کوئی عام آدمی نہیں ہے' یا تو یہ پولیس کا آدمی ہے یا انٹیلی جنس کا بندہ ہے اور وہ گھڑی کوئی عام گھڑی نہیں ہے اس میں وائرلیس سسٹم موجود ہے اور مجھے یہ بھی شک ہے کہ میری غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر اس نے اس فلیٹ کے ہر کمرے میں ایک ایسا سسٹم لگایا ہے جس کے ذریعے وہاں ہونے والی ہر بات وہ اپنی گھڑی کے ذریعے سن سکتا ہے۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہماری گفتگو کہیں اور بھی سنی جا رہی ہو۔اس کے علاوہ یہ جب چاہتا ہوگا اسی گھڑی کے ذریعے اپنے بندوں سے رابطہ کرلیتا ہوگا۔" میں نے کہا۔

میری باتیں سن کر گولی استاد بہت گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر پر سوچ لہجے میں بولا۔

"مجھے اس بات کا تو مکمل یقین ہے کہ یہ پولیس کا بندہ تو نہیں ہوسکتا۔ہاں انٹیلی جنس کا ضرور ہوسکتا ہے۔اس کا صاف صاف مطلب تو یہ ہے پیارے کہ تو اب چھپا نہیں رہا ہے اور خطرے میں بھی ہے یار یہ انٹیلی جنس والے بندے کو یوں منٹوں میں اٹھا کر غائب کردیتے ہیں کہ کسی کا کہیں پتا نہیں

چلتا۔یہ تو اچھا ہوا کہ تجھے اس پر فوری طور پر شک ہوگیا اور تو نے اس کو واچ بھی کیا۔ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا ہے۔اچھا ہے ہمیں وقت کے وقت پتا چل گیا کیا کہتا ہے ہاتھ ڈال دیں اس پر۔" گولی بہت دھیمی رفتار میں کار ڈرائیور کر رہا تھا۔اس طرح باہر آنے کا ہمارا مقصد یہ اہم گفتگو کرنی تھی۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں تو پھر واپس چلیں؟" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"چلتے ہیں ذرا کچھ ضروری سامان تو لے لیں تاکہ اس سے ہر بات اگلوانے میں کامیابی حاصل کرسکیں۔" گولی استاد نے جواب دیا۔

"لیکن یار اگر یہ انٹیلی جنس کا بندہ ہے تو آسانی سے تو نہیں قبول کرے گا۔" میں نے کہا۔

"جب ہی تو ضروری سامان ساتھ لینے کے لیے کہہ رہا ہوں۔" گولی استاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں ایک بات اور سوچ رہا ہوں یار' اور وہ یہ کہ یہ بھی بہت ممکن ہے کہ اس کے کچھ ساتھی گھر کے باہر موجود ہوں اور میری ہر نقل و حرکت پر

نگاہ رکھتے ہوں کہ میں فلیٹ سے نکل کر کہاں جاتا ہوں' کس سے ملتا ہوں اگر ایسا ہے تو ابھی میں روزی کے گھر سے اس سے مل کر آرہا ہوں اور پھر تم' تم بھی روزی کے گھر سے میرے گھر آئے ہو' یہ اچھا نہیں ہوا یار۔ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا اب یہ معلوم نہیں کہ مجھے کس کے حوالے سے واچ کیا جا رہا ہے نواب سطوت کے یا روزی کے۔" میں نے فکر مند لہجے میں کہا۔

"ڈونٹ وری' یہ سب ہمیں وہی بتائے گا... تمہارا دلارا...!" گولی استاد نے دھیرے سے ہنس کر کہا۔

"حیرت ہے یار تم ہنس رہے ہو اور مجھے بہت کچھ سوچ کر ٹینشن ہو رہی ہے یہ تو بہت کوئک نکلا اس نے بہت تھوڑے وقت میں بہت سارا پتا لگا لیا۔" سوچ سوچ کر میری فکر دوگنی ہورہی تھی۔

"تم بے کار میں پریشان ہو رہے ہو' ہمارا تو آئے دن اس طرح کے کاموں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے اور ہم ان معاملوں سے اچھی طرح سے نمٹنا جانتے ہیں۔ویسے میرا خیال ہے کہ اگر تمہارے پیچھے یہ لوگ پڑے ہیں تو نواب

سطوت کے حوالے سے پڑے ہوں گے۔" گولی استاد نے بے پروا لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے نواب سطوت کا اہم کارندہ سمجھ کر وہ لوگ میرے پیچھے پڑے ہوں گے لیکن انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا ہوگا کہ میرے تعلقات روزی سے بھی ہیں اور یہ ہو نہیں سکتا کہ اتنے با خبر لوگ روزی سے بے خبر ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں نے کہا ہے نا کہ تم فکر نہ کرو' میں سب سنبھال لوں گا لیکن اپنا سامان لینے سے پہلے ہمیں موویز کی شاپ پر بھی جانا ہوگا تاکہ ہمیں واچ کرنے والوں کو یہ اطمینان رہے کہ ہم واقعی موویز لینے ہی گھر سے گئے تھے۔اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو ان کو یہ شک ہوجائے گا کہ ہمیں دلارے پر شک ہوگیا ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب ہم تمہارے فلیٹ پر پہنچیں تو دلارے غائب ہو۔" گولی استاد نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔

گولی استاد نے صدر میں ریمبو سینٹر کی جانب گاڑی موڑ لی اور ہم ایک دو دکانوں پر گھومتے رہے گولی استاد نے ایک دو انگلش موویز بھی خرید لیں پھر

گولی نے کسی کو فون کر کے کچھ "ضروری" سامان منگوایا۔ہم واپس جا رہے تھے تو راستے میں بائیک پر ہمیں ایک شخص ملا اور اس نے ایک شاپر گولی استاد کے حوالے کردیا۔گولی استاد نے دھیمی آواز میں اس سے دو چار باتیں کیں اور ہم اپنے فلیٹ پر واپس آگئے جب ہم فلیٹ پر پہنچے تو سورج اپنا دن بھر کا سفر مکمل کر کے چھپ گیا تھا اور رات کی تاریکی سب جانب پھیل چکی تھی اور میں اس تاریکی کو دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ ایسی ہی تاریکی نے میرے مقدر میرے کردار کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے پتا نہیں میرے نصیب میں اللہ نے صبح کا اجالا لکھا بھی ہے یا نہیں۔

فلیٹ کی بلڈنگ کی پارکنگ میں جب گولی استاد نے گاڑی روکی تو اترنے سے پہلے میں نے روزی کے دیئے ہوئے نواب جمشید کے نمبر پر فون کیا یہ نواب جمشید کا خاص نمبر تھا جس کا ہر ایک کو علم نہیں ہوتا۔

میں نے نمبر ملایا تو کئی گھنٹیوں کے بعد نواب جمشید نے فون ریسیو کیا اور بھاری آواز میں کہا

"ہیلو کون بول رہا ہے؟"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"میں بات کر رہا ہوں سر... شمروز۔مجھے میڈم روزی کے ذریعے پیغام ملا تھا کہ آپ مجھ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں تو کب حاضر ہوجاؤں۔آپ اگر وقت بتادیں گے تو بہتر ہوگا۔"میں نے اپنے لہجے کو مودب رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں شمروز' بچے کیسا ہے تو؟ میں نے روزی سے کہا تھا کہ شمروز سے کہو کہ مجھ سے آکر ملے تم ایسا کرو کہ ہفتے کے دن بعد نماز عشاء مجھ سے آکر ملو' ٹھیک ہے بچے پھر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔" یہ کہنے کے ساتھ ہی اس نے مزید کچھ اور کہے اور سنے فون بند کردیا۔

گولی استاد گاڑی سے اتر کر کھڑا میرا انتظار کر رہا تھا لیکن اس نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ کس کا فون تھا یا میں کس سے باتیں کر رہا تھا۔آج منگل کا دن تھا ہفتہ آنے میں ابھی تین چار دن تھے۔اس لیے میں بے فکر ہوگیا ایک تو یہ بات کرنی ضروری تھی دوسری اہم بات جو میرے ذہن سے وقتی طور پر نکل گئی تھی وہ یہ کہ میرا رات آٹھ بجے تک کلفٹن پہنچنا ضروری تھا نواب سطوت نے مجھے فوری طور پر ضروری کام سے بلوایا تھا۔

اچانک ہی مجھے یاد آیا تو میں نے چلتے چلتے اپنے سر پر ہاتھ مارا اور میرے منہ سے بے ساختہ نکلا ”شٹ۔“

”کیا ہوا؟“ گولی استاد بھی چلتے چلتے رک گیا۔

”یار میرے ذہن میں اس دلارے کے چکر میں بالکل ہی یہ بات نکل گئی کہ مجھے نواب نے رات آٹھ بجے کوٹھی پر بلایا ہے یار میرا وہاں پہنچنا بہت زیادہ ضروری ہے۔“

”تو پھر کیا کریں؟ ہمارا کام تو ایسا ہے کہ اس میں تو کافی ٹائم لگ سکتا ہے۔“ گولی استاد نے کہا۔

”تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ آج اس کام کو ملتوی کرتے ہیں تم اس وقت چلے جاؤ میں یہاں سے اپنی گاڑی میں سیدھا کلفٹن کے لیے نکلتا ہوں اس وقت سوا سات تو بج رہے ہیں۔“ میں نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

”سوچ لو شاہ زمان تمہارا ان حالات میں وہاں جانا مناسب بھی ہوگا۔“ گولی استاد نے کہا۔

”اب یار یہ بات ان لوگوں سے چھپی تو نہیں ہے پھر ٹینشن لینے کا کیا فائدہ جو بھی ہے میرا نواب سے ملنا بہت ضروری ہے۔“ میں نے کہا اور اپنی گاڑی کی جانب قدم بڑھا دیے۔

”تو پھر میں کب آؤں؟“ گولی استاد نے پیچھے سے آواز دے کر پوچھا۔

”کل صبح آجانا وہاں پتا نہیں کتنا وقت لگے بلکہ میں تمہیں فون کر کے بلوالوں گا۔“ میں نے جواباً مڑ کے کہا اور گھڑی میں ٹائم دیکھتا ہوا اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا اور پھر آگے پیچھے ہم پارکنگ سے نکلے گولی استاد دوسری جانب مڑ گیا اور میں دوسری جانب۔یہ اتفاق تھا کہ میں نے گولی استاد سے اس کی رہائش کے متعلق نہیں پوچھا تھا کہ وہ کہاں رہتا ہے یہ ہماری دوسری ملاقات تھی ہم زیادہ باتیں بھی نہیں کرسکے تھے۔شاید اس بارے میں بھی بات ہوجاتی اگر یہ دلارے والا معاملہ ٹینشن نہ پیدا کردیتا۔

میں اپنے انداز میں ڈرائیونگ کرتا ہوا جلد از جلد کوٹھی پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن کراچی کی سڑکوں پر ٹریفک کی بھرمار رہتی ہے اور بار بار ٹریفک جام ہوجاتا ہے۔پتا نہیں کب یہاں کے لوگ ٹریفک کے اصولوں کو

سمجھیں گے۔ ہمیشہ جلد بازی اور دوسرے سے پہلے آگے نکلنے کی وجہ سے گاڑیاں پھنس جاتی ہیں۔اس کے علاوہ وی آئی پی موومنٹ بھی ٹریفک جام کا سبب بناتی ہے۔

ان سارے مسائل سے الجھتے ہوئے میں ٹھیک آٹھ بجے کوٹھی پر پہنچ گیا۔کوٹھی کے گیٹ کے باہر اور اندر پولیس موبائل اور نواب کے پرائیویٹ گارڈ کی گاڑیوں کو دیکھتے ہی میں سمجھ گیا کہ نواب یہاں پہنچ چکا ہے اس لیے میں سیدھا نواب کے کمرے کی جانب چل دیا۔

نواب کے روم کے باہر راہداری میں موجود دونوں گارڈز نے میری جامہ تلاشی لی اور میرے پاس موجود میرا پستول اور خنجر معذرت کے ساتھ اپنے قبضے میں لے لیا اور کہا کہ واپس جاتے ہوئے میں اپنی یہ چیزیں ان سے واپس لے لوں۔میں نے اس بات پر کوئی تعرض نہیں کیا کیونکہ میں اس اصول کو جانتا تھا اور پہلے بھی اس پروسس سے گزر چکا تھا۔

میں نے اپنے مخصوص انداز میں نواب کے روم کے دروازے پر ناک کی تو اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"آجاؤ شمروز۔"

"السلام علیکم سر۔" میں نے اندر پہنچ کر مودب لہجے میں کہا۔

"ہوں' ٹھیک ہے تم نے دیر لگا دی کہاں تھے یار۔" وہ لیپ ٹاپ میں مصروف تھا ہمیشہ کی طرح میرے سلام کا جواب دیے بنا اس نے ہنکاری بھری اور ٹھیک ہے کہہ کر قدرے خفگی بھرے لہجے میں بولا۔

"میں نے بتایا تو تھا سر کہ میں نے گلشن اقبال میں اپنے ذاتی کاموں کے لیے ایک فلیٹ کرائے پر لیا ہوا ہے وہیں تھا۔" میں نے نگاہیں نیچی کر کے قدرے چھپیتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم پچھلے کئی دنوں سے کوٹھی پر نہیں تھے۔" وہ بولا۔

"آپ نے ٹھیک سنا ہے سر' آپ بھی یہاں پر نہیں تھے اور میرا بھی یہاں کوئی نہیں تھا اس لیے میں ادھر ہی تھا۔"

"ٹھیک ہے' میں نہ بھی موجود ہوں لیکن تمہیں پھر بھی یہاں چکر لگاتے رہنا ہے اور ہاں یہ تو بتاؤ کہ تم نے میرے اس کام کا آغاز کیا یا نہیں۔" اس کا

اشارہ اپنے گمشدہ بچوں کی جانب تھا جو حقیقت میں گمشدہ نہیں تھے بلکہ سرے سے بیٹا تو موجود ہی نہیں تھا۔

”میں نے اپنے کام کا بھی آغاز کردیا ہے اور بس آپ یوں سمجھیں کہ گلشن اقبال والے فلیٹ میں اس وجہ سے بھی رکا ہوا ہوں میرے پاس جو لڑکیاں آتی ہیں ان کا تعلق اسی بازار سے تو ہوتا ہے میں اپنے مطلب کی بات بھی ان سے کرلیتا ہوں۔“ میں نے صاف طور سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

”چلو ٹھیک ہے جس طرح بہتر سمجھو اس طرح کرو۔“ اس نے الجھے الجھے لہجے میں کہا پھر کچھ سوچنے لگا۔

”آپ نے مجھے کسی ضروری کام کے لیے فوری طور پر بلایا تھا سر۔“ میں نے اسے سوچوں میں گم دیکھا تو اسے یاد دلایا۔

”اوہ، ہاں۔“ اس نے چونک کر اپنے سر کو زور سے جھٹکا میرے خیال میں اس کے خیال کی رو ایک بار پھر روشن آنٹی کی جانب بہک گئی تھی۔اس نے بیڈ پر اپنے قریب رکھا ہوا لفافہ اٹھایا اور میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”اس لفافے کو تمہیں ایک شخص کو ابھی اور اسی وقت دے کر آنا ہے یاد رہے کہ یہ بہت اہم لفافہ ہے جو بروقت پہنچانا ہے۔“ اس نے تنبیہ کے لہجے میں کہا۔

”بالکل پہنچ جائے گا سر لیکن کس کو اور کہاں پر دینا ہے۔“ میں نے اس لفافے پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے کہا جو سربمہر تھا اور اس پر نہ کسی کا نام تھا لکھا تھا نہ دینے والے کا اور نہ لینے والے کا۔

”وہ بھی بتاتا ہوں۔“ اس نے کہا اور قریب کی نگاہ کا چشمہ اتار کر دور کی نگاہ کا چشمہ لگا لیا اور ساتھ ہی لیپ ٹاپ کا کور بھی نیچے کر کے اسے بند کردیا پھر بولا۔”یہ لفافہ تمہیں قاری ممتاز بیگ کو دینا ہے پھر اس نے مجھے ایک گنجان آبادی والی کچی بستی کا نام بتا کر اس کی مسجد کے امام صاحب کو دینے کے لیے کہا۔

”کیا جس شخص کو یہ لفافہ دینا ہے کیا وہی ممتاز بیگ ہیں۔“ میں نے پوچھا۔

”ہاں یار وہی ہے۔“ نواب نے تیز لہجے میں کہا۔

"کیا یہ لفافہ دیتے وقت آپ کا نام بھی بتانا ہے کہ یہ لفافہ نواب صاحب نے بجھوایا ہے۔" میں نے مزید پوچھا تو وہ جھنجلا سا گیا اور بولا۔

"یار میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم اتنے احمقانہ سوالات کیوں کر رہے ہو ارے بھئی کسی کا بھی نام بتانے کی ضرورت نہیں ہے تم وہاں جا کر کسی سے بھی قاری ممتاز کے بارے میں پوچھ لینا۔ تمہیں یہ ظاہر کرنا ہے کہ تم اس سے ملنے کے لیے آئے ہو اور جب تم اس کے پاس پہنچ جاؤ تو صرف یہ کہنا۔

"گرمیوں کا موسم شروع ہونے والا ہے اور گرمیوں میں تو آم خوب کھائے جاتے ہیں۔جواب میں وہ کہے گا کہ مجھے لنگڑا آم بہت پسند ہے۔"

تم اپنی بات کے جواب میں یہ جملہ سن کر مطمئن ہوجانا اور چپ چاپ یہ لفافہ اس کے حوالے کردینا اور سیدھے میرے پاس چلے آنا... لیکن نہیں تمہیں میرے پاس بلکہ اس کوٹھی پر بھی آنے کی ضرورت نہیں ہے تم وہیں چلے جانا' کیا نام ہے اس کا...!" اس نے ذہن پر زور دینے کے انداز میں کہا۔

"ہاں گلشن اقبال' اپنے فلیٹ پر چاہو تو مجھے فون کر کے انفارم کرسکتے ہو تم صرف ایک جملہ کہنا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں سونے کے لیے جا رہا ہوں۔"

"سر یہ کوئی خاص لفافہ ہے کیونکہ آپ نے کوڈ ورڈ بتائے ہیں کہ ان کے تبادلے کے بعد ہی یہ لفافہ اس بندے کو دیا جائے اور آپ کا کام ہوجانے کی اطلاع بھی کوڈ ورڈ میں دی جائے۔" میں نے کہا۔

"شمروز تمہیں کسی بھی معاملے کی کھوج لگانے کی ضرورت نہیں ہے بس یہ بات یاد رکھو کہ تمہیں اس کام کا علیحدہ سے بھاری معاوضہ دیا جائے گا اور ویسے بھی یہ میرا کام نہیں ہے کسی اور کا ہے۔مجھ سے گزارش کی تھی کسی نے اس لیے میں یہ تمہارے ہاتھوں بجھوا رہا ہوں۔اب تم روانہ ہوجاؤ قاری ممتاز تمہارا انتظار کر رہا ہو گا۔" نواب نے بات ختم کی اور بیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔

"وہ سر' میں وہ اس دن والی محفل کے بارے میں کہنے والا تھا کہ وہ محفل...!"

"یار یہ باتیں بعد میں بھی ہوتی رہیں گی تم اس وقت فوراً جاؤ۔" نواب نے میری پوری بات سنے بغیر درمیان سے کاٹ دی اور تیز لہجے میں کہا۔

"جی بہت بہتر۔" میں نے سہمے ہوئے انداز میں کہا اور نواب کے روم سے باہر نکل آیا باہر آ کر میں نے گارڈ سے اپنی دونوں چیزیں لیں اور انہیں ان کی جگہوں پر سیف کیا اور تیز تیز قدموں سے اپنے روم کی جانب آ گیا۔ میں نے جلدی جلدی اپنی دو چار ضروری چیزیں اور پہننے کے دو تین سوٹ ایک شاپر میں ڈالے اور باہر آ گیا اور سارا سامان لفافے سمیت اپنی کار میں پچھلی سیٹ پر ڈالا اور نواب کے بتائے ہوئے پتے پر چل دیا۔

راستے میں، میں نواب کے بارے میں سوچتا ہوا جا رہا تھا وہ مجھے خاصا پریشان اور ذہنی طور پر الجھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے بھی اس کا لہجہ خاصا اکھڑا ہوا تھا۔

پھر میں اس لفافے کے بارے میں سوچنے لگا کہ آخر اس میں ایسی کون سی چیز ہے جو کسی قاری یا مسجد کے امام کے پاس بھیج جا رہی ہے وہ بھی اتنے خفیہ اور محفوظ طریقے سے کوڈ ورڈ کا تبادلہ تو کسی اہم مشن میں ہوتا ہے۔

پہلے تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں کسی جگہ گاڑی روک کر اس لفافے کو کھول کر چیک کرتا ہوں۔ اس خیال سے میں نے ایک جگہ روڈ کے سائیڈ میں کار روک دی اور ہاتھ بڑھا کر پچھلی سیٹ سے لفافہ اٹھا لیا۔ تب اندازہ ہوا کہ اس کو اس طرح سے سیل کیا گیا ہے کہ ایک بار کھولنے کے بعد اس کو اس انداز سے بند کرنا ممکن نہ ہوگا اور اگر بند کر بھی دیا تو ایک نگاہ ہی میں پتا چل جائے گا کہ اس لفافے کو کھولا گیا ہے۔ یعنی اس لفافے کو کھولنے کا مطلب ہے کہ نواب کے ہاتھوں اپنا سر کھلوانا۔

پھر میرے ذہن میں بہت سے خیالات گردش کرنے لگے۔ ملک میں پھیلی ہوئی بے پناہ دہشت گردی، طالبان کا پروپیگنڈہ، دن دہاڑے انسان جانوں کی ہلاکت، بم بلاسٹ۔

کیا یہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے؟ کیا آج میں بھی اس شیطانیت کا حصہ بننے جا رہا ہوں؟ کیا حقیقت میں یہ لفافہ نواب کو کسی اور نے دیا ہے؟ تو پھر وہ شخص ہے؟ اس لفافے میں ایسی کون سی خفیہ دستاویز ہیں؟

پہلے تو میرا دل چاہا کہ میں یہ لفافہ اس شخص کو دوں ہی نہ۔میں لوٹ کر نواب کے پاس دوبارہ نہیں آؤں گا۔پھر اپنے اس خیال کو میں نے خود ہی رد کردیا اگر آج میں اس قدم سے ہی لوٹ گیا تو آگے کا سارا راستا کیسے معلوم ہوگا مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ یہ لفافہ بھیجنے والا کون ہے اور قاری ممتاز کی اصلیت کیا ہے۔

پھر میں نے اس لفافے کو اسی طریقے سے قاری ممتاز کو پہنچانے کا فیصلہ کرلیا جس طرح مجھ سے کہا گیا تھا۔

میں سیدھا اس بستی میں جا پہنچا جہاں زیادہ تر انتہائی غریب اور کم آمدنی والوں کی رہائش تھی میں سیدھا یہاں کی مسجد تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔نماز عشاء ہوچکی تھی اس لیے مسجد بند تھی۔یہ ایک چھوٹی سی مسجد تھی۔میں نے لفافہ کار میں ہی رہنے دیا اور خود باہر نکل کر کھڑا ہوگیا۔تب ہی مجھے سامنے سے ایک سفید باریش صاحب آتے ہوئے دکھائی دیے میں نے ان کے سامنے پہنچ کر کہا۔

”السّلام علیکم بزرگوار۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”وعلیکم السّلام میاں‘ فرمائیے؟“ انہوں نے رک کر سوالیہ نگاہوں سے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”جناب مجھے قاری ممتاز سے ملاقات کرنی ہے کیا آپ میری رہنمائی فرمائیں گے کہ وہ کہاں ملیں گے۔“ میں نے بہت مہذب لہجے میں کہا۔

”اچھا اچھا آپ قاری صاحب سے ملنے آئے ہیں میاں وہ تو مسجد کے پچھواڑے بنے مدرسے کے حجرے میں ملیں گے۔آپ ادھر ہی چلے جائیں ابھی تو وہ جاگ رہے ہوں گے مدرسے میں موجود بچوں کی درس و تعلیم کا وقت ہے۔“ ان صاحب نے مجھے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔

”بہت شکریہ جناب۔“ میں نے جھک کر ان سے مصافحہ کیا اور پھر کار میں سے لفافہ نکالا اور گھوم کر مسجد کی پچھلی جانب چلا آیا یہاں تقریباً سو گز کی ایک چار دیواری بنی تھی اور اس پر ٹین کی چادر کی چھت پڑی تھی اور لوہے کا گیٹ لگا ہوا تھا جو اس وقت کھلا ہوا تھا۔

میں تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کھلے گیٹ کی جانب بڑھتا گیا قریب جا کر میں نے اندر جھانکا تو چھ سات چودہ پندرہ سال کے لڑکے گول دائرہ بنائے

بیٹھے آپس میں کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے اور ان سے قدرے دور ہٹ کر دیوار سے ٹیک لگائے ایک تیس سالہ شخص جس کے بال کندھوں تک تھے درمیان سے مانگ نکالی ہوئی تھی اور اس کی سیاہ رنگ کی بڑی سی داڑھی تھی مونچھیں صاف تھیں بیٹھا کسی کتاب کے مطالعے میں مشغول تھا۔

میں نے ہلکے سے لوہے کے گیٹ پر دستک دی سناٹے میں میری اس ہلکی سی دستک کی آواز گونج اٹھی۔ان بچوں اور سیاہ داڑھی والے اس شخص نے چونک کر گیٹ کی جانب دیکھا پھر ان لڑکوں میں سے ایک لڑکا اپنی جگہ سے اٹھا اور میرے نزدیک آگیا۔

”بیٹا! مجھے قاری ممتاز صاحب سے ملنا ہے۔“ میں نے اپنا مدعا بیان کیا۔

”آپ تشریف لے آئیے قاری صاحب وہ سامنے بیٹھے ہیں۔“ لڑکے نے مہذب لہجے میں کہا تو میں اندر آگیا۔

آگے دریاں بچھی ہوئی تھیں اس لیے میں نے اپنے جوتے اتار دیے اور اس سیاہ داڑھی والے شخص کی جانب بڑھنے لگا جو اب پوری توجہ سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں نے سلام کر کے اس سے ہاتھ ملایا وہ نو عمر لڑکا مجھے یہاں چھوڑ کر دوبارہ اپنے ساتھیوں کے درمیان جا کر بیٹھ گیا تھا۔

قاری ممتاز نے ہاتھ ملانے کے بعد کہا۔”میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“ اس لمحے مجھے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک دکھائی دی اور میں نے چند لمحے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیا حالانکہ اس نے بہت عاجزی اور انکساری سے مجھ سے ہاتھ ملا کر بات کی تھی لیکن نجانے کیا بات تھی کہ میرا دل اس کے چہرے پر ایمان کے نور کی ہلکی سی جھلک نہ دیکھ پایا۔

”آپ قاری ممتاز بیگ ہیں؟“ میں نے پوچھا۔

”جی ہاں‘ فرمائیے یہاں کس سلسلے میں آنا ہوا۔“ اس نے ایک بار پھر عاجزی اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا اب کوڈ ورڈ دہرانے کا وقت آگیا تھا اس لیے میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”گرمیوں کا موسم شروع ہونے والا ہے اور گرمیوں میں تو آم خوب کھائے جاتے ہیں۔“

میری بات سن کر اس کی آنکھوں کی چمک مزید گہری ہوگئی اور وہ دبے دبے انداز میں مسکرا کر بولا۔

"مجھے لنگڑا آم بہت پسند ہے۔"

یہ شناخت ہوجانے کے بعد کہ مجھے لفافہ اس شخص کے حوالے کرنا تھا میں نے لفافہ اس کی جانب بڑھا دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"اجازت ہے؟" میں نے کہتے ہوئے اس کی جانب ہاتھ ملانے کے لیے بڑھایا۔

تو اس نے میرا بڑھا ہوا ہاتھ جلدی سے تھام لیا اور پھر تیزی سے ایک جانب بڑھ گیا وہیں میں نے ایک اور ٹین کا دروازہ بند دیکھا قاری ممتاز بنا میری جانب دیکھے تیزی سے وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا لیکن فوراً ہی مڑا اور دائرہ بنا کے بیٹھے ہوئے لڑکوں میں سے ایک لڑکے کو آواز دے کر بولا۔

"وقار ان صاحب کے جانے کے بعد گیٹ اندر سے بند کرلینا اب تم لوگ بھی سونے کے لیے لیٹ جاؤ۔"

وقار نامی وہ لڑکا کھڑا ہو گیا۔یہ وہی لڑکا تھا جو مجھے قاری ممتاز کے پاس لایا تھا۔میرے باہر نکلتے ہی وقار نامی لڑکے نے جھٹ گیٹ بند کردیا۔حالانکہ ابھی

زیادہ رات نہیں گزری تھی۔لیکن باہر بالکل سناٹا پھیلا ہوا تھا۔یہ غریبوں کی بستی تھی اور یہاں کے رہنے والے علی الصبح بے دار ہو کر اپنے اپنے کاموں کے لیے نکل جاتے ہیں بچے بھی صبح جلدی بے دار ہونے کے عادی ہوتے ہیں جو بچے وہاں موجود سرکاری اسکولوں میں پڑھتے ہیں اور جو آٹھ دس سال کی عمر تک گلیوں میں کھیلتے رہتے ہیں وہ بھی رات کو جلدی سونے اور جلدی اٹھنے کے عادی ہوتے ہیں۔

میں تھوڑی دیر کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔پھر کسی کو اپنے قریب نہ پا کر واپس اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے میں نے نواب کو فون کیا اور اس کا بتایا ہوا جملہ جو کورڈ ورڈ میں تھا دہرایا اور فون بند کر کے میں گلشن اقبال کی جانب چل دیا۔

آج میں نواب کی کوٹھی سے اپنے پہننے کے کپڑے اور استعمال کی ذاتی اشیا لے آیا تھا۔پھر مجھے دلارے کا خیال آیا میں اور گولی استاد اس سے دو ہاتھ کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ نواب کا ایمرجنسی پیغام ملا کہ مجھ سے ملو تو میں اس کے کام سے چلا گیا۔

اپنے گلشن اقبال والے فلیٹ کی جانب جاتے ہوئے میں ایک بہت اہم بات سوچ رہا تھا اور وہ یہ کہ اس بات کا پتا لگانا بہت ضروری ہے کہ نواب کو کس شخص نے کیا چیز اتنے خفیہ انداز میں بھیجی ہے اور کیوں بھیجی ہے اور پھر نواب کا ایک کچی بستی کی ایک چھوٹی سی مسجد کے امام سے ایسا کون سا تعلق ہے۔

اچانک ہی مجھے خیال آیا کہ نواب کے اس لفافے اور ممتاز نامی قاری کے بارے میں طلال صاحب اور خاص طور پر کرنل مشتاق کے علم میں یہ ساری باتیں لانی بہت ضروری ہے۔

میں نے سوچا کہ ذرا دلارے والے معاملے سے نمٹ جاؤں تو طلال صاحب کے پاس چکر لگاؤں گا حشام بھی یقیناً اب پہلے سے بہتر ہی ہوگا۔

ان ہی باتوں کو سوچتے سوچتے میں اپنی بلڈنگ کے احاطے میں پہنچ گیا۔کار سے اترنے سے قبل ہی میں نے گولی استاد کو فون کیا کہ میں گھر پہنچ گیا ہوں۔تمہیں یاد ہے نا کہ کل آنا ہے اس نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ نواب نے تمہیں کیوں اور کس کام سے بلایا تھا اور نہ ہی میں نے اسے بتانا مناسب

سمجھا۔میں ان ساری باتوں سے نواب جمشید کے بندوں کو الگ ہی رکھنا چاہتا تھا۔کچھ بھی تھا ان سب کا

تعلق بھی ایک لحاظ سے جرائم کی دنیا ہی سے تھا۔گولی استاد نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ کل ضرور مجھ سے رابطہ کرے گا اور میرے پاس آئے گا پھر ہم دونوں مل کر دلارے کی اصلیت خود اس کے منہ سے اگلوائیں گے۔

فون بند کر کے میں نے اپنا تھیلا اٹھایا اس میں وہ اشیاء اور کپڑے تھے جو میں نواب کی کوٹھی سے لایا تھا۔مجھے بھوک بھی زبردست لگ رہی تھی۔سوچ رہا تھا کہ دلارے نے رات کا کھانا بنا لیا ہوگا کھانا کھا کہ میں سو جاؤں گا۔

میں تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اپنے فلیٹ کے دروازے پر پہنچا اور ایک معروف فلمی گیت کی دھن سیٹی پر بجاتے ہوئے میں نے بیل کے بٹن کو دبا دیا۔

چند لمحوں کے بعد قدموں کی آہٹ ابھری اور پھر دلارے کی آواز سنائی دی۔

”کون ہے؟“ اس نے بلند آواز میں پوچھا۔

"دروازہ کھولو دلارے میں ہوں۔" میں نے جواب دیا تو دلارے نے دروازہ کھول دیا۔اس کے چہرے سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ نیند سے اٹھ کر آیا ہو۔

"کیا سو گئے تھے؟" میں یہ پوچھتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

دلارے نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور دروازہ بند کرنے لگا۔میں نے سوچا کہ یہ ابھی تک نیند کے خمار میں ڈوبا ہوا ہے۔

میں نے دو قدم مزید آگے بڑھائے ہوں گے کہ اچانک پیچھے سے میرے سر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔مجھے بہت زور کا چکر آیا میرے ہاتھ سے تھیلا نیچے گر پڑا اور میرے دونوں ہاتھ بے ساختہ اپنے سر کی جانب اٹھ گئے۔میری آنکھوں کے سامنے تارے سے ناچ رہے تھے۔میں نے اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھے رکھے سر کو گھما کر دیکھا تو مجھے دو اشخاص دکھائی دیے اور پھر بس میں اس کے آگے کچھ بھی نہ دیکھ سکا میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔مجھے اپنے قدموں پر کھڑا رہنا مشکل ہو گیا۔دبیز اندھیروں میں گم

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ہونے سے پہلے مجھے بس یہ خیال آیا کہ ان لوگوں نے کسی بھاری اور وزنی شے سے میرے سر کے پچھلے حصے پر وار کیا ہے آخر کون لوگ ہیں یہ؟"

☆.../...☆

سفیان اپنا ایک مشن بہت کامیابی کے ساتھ مکمل کر کے آگیا تھا۔یہ مشن سفیان کے لیے بہت آسان ثابت ہوا تھا۔کرنل احتشام نجانے کیا سمجھ کر سفیان سے بہت چھوٹے چھوٹے کام لے رہے تھے۔جبکہ سفیان کوئی بڑا کارنامہ اپنے ملک کے لیے انجام دینا چاہتا تھا۔وہ بس فارغ بیٹھا انٹیلی جنس کی تازہ رپورٹس دیکھا کرتا تھا اور ہر نئی فائل اس کے سامنے ایسے ایسے حقائق کا انکشاف کرتی کہ اس کا دل شدت سے چاہتا تھا کہ وہ بنا کسی کو بتائے تنہا کسی مشن پر نکل جائے اور اپنے ملک کے لیے کچھ بھی اچھا کرتے ہوئے اپنی جان ختم دے اور پھر ایک دن اس کی مراد بر آئی جب کرنل احتشام نے اسے بتایا کہ اسے نئے اسپیشل یونٹ کے ساتھ منسلک کردیا گیا ہے۔

وہ اس وقت رات کے کھانے اور نماز عشاء سے فارغ ہو کر سونے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ کرنل احتشام کا میسج آگیا انہوں نے اسے فوری طور پر میٹنگ

روم میں حاضری کا حکم دیا تھا اس قسم کے احکامات عموماً ملتے ہیں رہتے تھے اس لیے وہ معمول کے مطابق میٹنگ روم میں پہنچا۔

اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اور دوسرے افراد وہاں پہنچ چکے تھے اور میٹنگ شروع کرنے سے قبل اس کا ہی انتظار ہو رہا تھا۔کرنل احتشام نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"سفیان مائی بوائے تم یقیناً یہی سوچتے ہو گے کہ تمہارے مطابق ابھی تک ہم نے تم سے بچوں والے کام کیوں لیے ہیں تو وہ صرف اس لیے کہ تم کسی بڑے کام کے لیے اچھی طرح سے تیار ہوجاؤ اور ہم بھی تمہاری صلاحیتوں کو پرکھ سکیں۔میں نے آج تک تمہاری ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو دیکھا ہے اور سمجھتا ہوں کہ تم کسی بھی بڑے مشن پر جانے کے لیے پوری طرح سے فٹ ہو، جسمانی طاقت اور قوت برداشت کے علاوہ وقت پڑنے پر اپنی بہترین ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا اور فوری طور پر صحیح فیصلہ کرنا بھی بہت زیادہ ضروری ہوتا ہے اور مجھے خوشی ہے کہ تمہارے اندر یہ دونوں صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔"

"تھینک یو سر، مجھے خوشی ہے کہ آپ نے مجھے کسی قابل سمجھا۔" سفیان نے سر کو خم دے کر کرنل احتشام کا شکریہ ادا کیا۔

"گڈ۔" کرنل احتشام نے مسکراتے ہوئے کہا پھر باقی سب کی جانب متوجہ ہو گئے۔

"ویل بوائز ہماری اطلاع کے مطابق ہندوستان کی سرحد کے قریب ایک گاؤں میں ایک ایسے کیمپ کا سراغ ملا ہے جہاں تخریب کاروں کو ٹریننگ دی جا رہی ہے۔وہ بھارتی شہری ہیں اور آسانی کے ساتھ سرحد پار جا اور آسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ وہاں ان لوگوں نے اسلحہ بھی خاصی تعداد میں جمع کر رکھا ہے۔وہاں جو تخریب کار پوری طرح تیار ہوجاتے ہیں انہیں پاکستان کے مختلف شہروں میں تخریب کاری کے لیے بھیج دیا جاتا ہے آپ لوگوں کا کام انہیں پکڑنا ہے اورکوشش یہ ہونی چاہیے کہ وہ سب لوگ زندہ حالت میں گرفتار کرلیے جائیں لیکن یہ ممکن نہ ہو تو انہیں وہیں مارا بھی جاسکتا ہے اسلحہ کا ذخیرہ بھی تباہ نہیں کرنا ہے سب پر قبضہ کرنا ہے۔"

کرنل احتشام کے منہ سے اتنے اہم مشن کے بارے میں سن کر سفیان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔اسے خوشی اس بات کی تھی کہ وہ اب پہلی مرتبہ ایک اہم مشن پر روانہ کی جانے والی ٹیم میں شامل کیا گیا تھا۔

یہاں سے اسے تنہا جانا تھا اور سرحد کے قدرے فاصلے پر اس کی ایجنسی کے ایک آفس میں دوسرے ساتھی آمد کی آمد کے منتظر تھے۔

سفیان نے پنجاب کے شہر بہاولپور تک جہاز سے سفر کیا۔اس سے آگے ایک تیز رفتار جیپ کے ذریعے وہ اپنی ایجنسی کے آفس میں پہنچ گیا۔

یہاں ایک بار پھر اس کے مشن کے بارے میں اسے بریفنگ دی گئی اور رات کے پچھلے پہر وہ جانے کے لیے پوری طرح سے تیار تھے۔

طاہر جمیل صاحب کمانڈر تھے۔ان کے علاوہ صفدر، ہاشم اور کمال تھے۔اس گاؤں کے تین جانب کھیت اور ایک جانب گھنا جنگل تھا ایک لحاظ سے دشمنوں نے اپنے کام کے لیے ایک بہترین اور محفوظ علاقے کو چنا تھا۔

وہ گاؤں سے بہت دور آگئے وہاں کمانڈر طاہر نے انہیں ضروری ہدایات دیں اور سب پر ایک گہری نگاہ ڈالی اور سب سے آگے چل دیے۔ان کے پیچھے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

صفدر ہاشم اور کمال تھے۔سب سے آخر میں سفیان تھا۔وہ اپنی ترتیب کے مطابق ایک دوسرے سے فاصلہ رکھتے ہوئے قطار کی صورت آگے بڑھ رہے تھے۔ان کی اصطلاح میں وہ ”حساس علاقے“ میں پہنچ چکے تھے۔

کمانڈر طاہر جمیل بہت تجربے کار تھے اور ایجنسی نے بہت سوچ سمجھ کر اس اہم مہم کے لیے ان کو کمانڈ سونپی تھی۔

انہوں نے اندر جانے کے لیے جنگل کا راستا منتخب کیا تھا طاہر جمیل کو ذرا بھی کوئی کھٹکا یا آہٹ محسوس ہوتی تو وہ ایک دم رک جاتے اور سب کو خاموشی سے وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کرتے اور تنہا آگے بڑھتے اور جب ان کی تسلی ہوجاتی کہ سب ٹھیک ہے تو وہ دوبارہ آگے بڑھ جاتے۔وہ لمحہ بہ لمحہ آگے بڑھ رہے تھے آگے ہمارے ہی ملک میں ہمارے دشمن ملک کے لوگ ہمیں ہی صفحہ ہستی سے مٹانے کے منصوبے بنا رہے تھے اور وہ انہیں صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے آئے تھے۔

جنگل کا گھنا پن اب کم ہو گیا تھا چاند کی روشنی درختوں سے چھن چھن کر کہیں کہیں زمین تک آرہی تھی وہ ہر جانب سے ہوشیار اور خبردار تھے۔یہ تو ہو

نہیں سکتا کہ ہمارا دشمن رات کے اس پہر مزے سے چادر اوڑھ کر گہری نیند سو رہا ہو' یقیناً ارد گرد انہوں نے پہرہ لگا رکھا ہوگا انہیں یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ اس گاؤں میں زیادہ تر آبادی ہندوؤں کی تھی۔مسلمانوں کے چند مکانات تھے یا تو انہیں ختم کردیا گیا تھا یا پھر ڈرا دھمکا کر خاموش کردیا گیا تھا۔

ان کے چاروں سمت پر ہول سناٹا پھیلا ہوا تھا۔کبھی کسی مینڈک کے ٹرٹرانے کی آواز سنائی دیتی۔یا پھر تیز ہَوا کے جھونکے سے درختوں کی ٹہنیوں کے ہلنے کی سرسراہٹیں محسوس ہوتی اور وہ ان سرسراہٹوں پر بھی چونک جاتے اور ان کی تیز نگاہیں تیزی کے ساتھ اپنے اطراف کا جائزہ لینے لگتیں۔

یہاں پر چند لمحے رک کر طاہر جمیل نے پہلے سے مرتب کردہ پلان کے مطابق انہیں دو دو کی ٹولیوں میں تقسیم کردیا۔طاہر جمیل نے صفدر کو اپنے ساتھ رکھا اور کمال اور ہاشم کو سفیان کے ساتھ ملادیا۔

اس برساتی نالے کے دونوں کناروں پر بڑے بڑے سرکنڈوں کا طویل سلسلہ دور تک چلا گیا تھا۔یہ نالہ اس وقت بالکل خشک تھا شاید برسات کے دنوں میں پانی کی گزر گاہ بن جاتا ہوگا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کمانڈر طاہر جمیل اور صفدر نالے کے اندر اتر گئے اور وہ سرکنڈوں میں پوزیشن سنبھالے کھڑے تھے۔طاہر جمیل نے اس علاقے کا نقشہ نکالا اور ٹارچ کی روشنی میں اس کا جائزہ لینے لگے۔پھر باہر آکر انہوں نے آگے بڑھنے کے لیے سفیان کی اور اپنی سمتوں کا تعین کیا۔پھر ان کے کندھوں کو مضبوطی سے تھاما اور بھاری لہجے میں اپنے ہاتھوں کا دباؤ ان کے کندھوں پر بڑھاتے ہوئے کہا۔"گڈ لک" اور صفدر کے ہمراہ اندھیرے کا حصہ بن گئے۔سفیان بھی کمال اور ہاشم کے ہمراہ اپنے نشانے کی جانب چل دیا۔

یہاں موجود جا بجا قدرتی جھاڑیوں اور سرکنڈوں نے ان کے لیے بہترین اوٹ کا کام کیا اور وہ اس اوٹ کا سہارا لیتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتے گئے۔مستقل اندھیرے میں رہنے کی وجہ سے اس کی آنکھیں بھی اندھیرے میں دیکھنے کی عادی سی ہوگئی تھیں۔

اس سناٹے میں ہَوا کے دوش پر تیرتی ہوئی کسی کی باتوں کی بہت دھیمی سی بھنبھناہٹ میرے حساس کانوں کو سنائی دی تو وہ مزید محتاط ہوگیا۔

اور پھر اس کی تیز نگاہوں کی گرفت میں وہ شے آگئی جس کو دیکھنے کا وہ متمنی تھا۔یہ دائرے کی شکل میں کھڑے کچھ ٹرک تھے اور ان کے نزدیک ہی دو انسانی ہیولے بھی اسے دکھائی دیے۔

وہ تیزی کے ساتھ زمین کے سینے سے چپک گیا اس کے ساتھ ساتھ اس کے دونوں ساتھی ہاشم اور کمال بھی زمین پر سینے کے بل لیٹ گئے اور کہنیوں کے بل رینگنا شروع کردیا۔اس موقع پر وہ ان خودرو جھاڑیوں کا بہت شکر گزار تھا۔جنہوں نے ان کے وجود کو مکمل طور پر چھپا لیا تھا۔وہ ایک بڑی اور گھنی جھاڑی کے قریب پہنچ گئے۔یہ جھاڑی اوپر سے گھنی تھی لیکن زمین کے ساتھ اس کی موٹی ٹہنیاں تھیں جو اوپر کی جانب اٹھی ہوئی تھی اور زمین میں اندر پناہ لینے کے لیے خاصی گنجائش تھی۔

یہاں سے سفیان نے کمال کو دوسری جانب روانہ کردیا اور ہاشم کو یہیں لیٹ کر ان دونوں افراد کو اپنے نشانے پر لیے رکھنے کا اشارہ کر کے خود آگے بڑھ گیا۔جائزہ لینے پر اسے اندازہ ہوا کہ یہاں یہ افراد ان ٹرکوں کے پہرے پر موجود ہیں اور ان میں سے ایک آگے چکر لگانے کے لیے چلا جاتا ہے یہ

دونوں اشخاص اسلحہ بردار تھے اور پوری طرح سے ہوشیار تھے۔ان ٹرکوں کے پہرے سے اسے اندازہ ہوا کہ ان میں اسلحہ موجود ہوسکتا ہے۔ہوسکتا ہے کہ یہ ٹرک آج ہی بھارت سے یہاں پہنچائے گئے ہوں اور ابھی ان کا اسلحہ ان کے گھروالوں میں منتقل نہیں کیا گیا ہو۔

وہ پیٹ اور کہنیوں کے بل رینگتا ہوا اب اس جگہ پر آکر رک گیا جہاں سے اس نے یہ دیکھا تھا کہ ایک پہرے دار اس جگہ تک آکر واپس پلٹ جاتا ہے۔

ویسے تو قدرت نے اسے سرخ و سفید رنگت سے نواز تھا لیکن اس خصوصی مہم پر روانہ ہونے سے پہلے ہی ہم نے اپنے ہاتھوں اور چہروں پر سیاہی پھیر کر اپنا رنگ سیاہ کرلیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اندھیرے کا با آسانی حصہ بن سکیں۔

وہ اپنے تمام تر ہتھیاروں سے پوری طرح لیس تھا۔نہ صرف ہتھیار' اضافی ایمونیشن اس کے پاس تھا بلکہ خاموشی سے حملہ کر کے دشمن پر قابو پانے

کے محفوظ ہتھیار بھی اس کے پاس تھے۔ایک تیز دھار بہت باریک اور لچکیلا خنجر اور بہت باریک ریشم کی مضبوط ڈور بھی اس کے پاس تھی۔

سفیان کو بہت خاموشی کے ساتھ ایک پہرے دار کو اپنے قابو میں کرنا تھا اور اس کے لیے اس نے ریشمی ڈوری کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔وہ شدت سے اس بات کا منتظر تھا کہ وہ پہرے دار جلدی سے اس کی جانب آئے اور جیسے ہی وہ پلٹنے لگے وہ یہ ریشمی ڈوری اس کے گلے میں ڈال کر اس کو قابو کر لے۔اس کا کمال تو یہ تھا کہ پہرے دار کوئی بھی آواز نکالے بغیر ہی انٹا غفیل ہوجائے ورنہ اگر اس کی آواز نکل گئی تو دوسرا پہرے دار فوراً ہوشیار ہوجائے گا۔

جس وقت وہ اس جگہ پہنچا تھا پہرے دار اپنا چکر مکمل کر کے آگے نکل گیا تھا۔اب وہ اس کے اگلے چکر کا منتظر تھا لیکن وہ بد بخت اپنے ساتھی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور باتیں کرنے لگا۔پھر اس نے اپنے ساتھی سے سگریٹ لی اور اسے سلگا کر کش لگانے لگا۔

انتظار کی شدت سے سفیان کے اعصاب تڑخنے لگے اور وہ سوچنے لگا کہ یہ کس قسم کے پہرے دار ہیں۔اصولاً تو انہیں مسلسل چکر لگاتے رہنا چاہیے لیکن یہ تو

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ایک ہی جگہ کھڑے ہو کر باتیں کر رہے ہیں اور سگریٹ پی رہے ہیں۔شاید اس کی وجہ یہ ہوگی کہ انہیں یہ اطمینان ہوگا کہ یہاں کوئی مائی کا لعل پھٹک نہیں سکتا۔پہرہ بھی خانہ پوری کے لیے تھا۔

اس پہرے دار کی سگریٹ ختم ہوئی تو اس نے باقی بچے ٹوٹے کو زمین پر پھینکا اور جوتے سے مسل کر بجھا دیا اور آگے بڑھنے لگا۔

اس کو آگے بڑھتا ہوا دیکھ کر خون انگارے کی طرح دہکتا ہوا سفیان کی رگوں میں دوڑنے لگا اور دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔اس نے اپنے سارے وجود کی طاقت اپنے ہاتھوں کو دے دی اس کی چیتے کی سی تیز نگاہیں اس متحرک وجود پر چپک گئیں وہ اپنے شکار کو دبوچنے کے لیے بے قرار تھا۔

اس پہرے دار نے آگے سے گھوم کر اپنا چکر پورا کیا اب سفیان کو اس کے قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔وہ دھیرے سروں میں ایک انڈین بے ہودہ سا گانا گنگناتا ہوا بے فکری کی چال چلتا ہوا اِدھر ہی آرہا تھا اس نے یہ

بھی دیکھ لیا کہ اس کی گن کندھے پر لٹکی ہوئی تو ضرور ہے لیکن شاید یہ اس کے کندھے پر فالتو کا بوجھ ہی ہے۔

وہ بالکل سفیان کے نزدیک آچکا تھا اس کے اور سفیان کے درمیان صرف ایک جھاڑی تھی۔سفیان کی نگاہیں زمین پر اٹھتے ہوئے اس کے قدموں پر تھیں اور وہ اس کی پیٹھ موڑتے ہی اس پر جھپٹنے کے لیے تیار تھا۔

جوں ہی وہ سفیان کے نزدیک سے گزرا۔سفیان اب اسے لمحہ بھر کی مہلت دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔اس نے دل ہی دل میں الحمدللہ اللہ اکبر کہا اور ایک ہی جست لگا کر ریشم کی وہ مضبوط اور باریک ڈوری اس کے گلے میں ڈال دی۔اس نے اپنے ہاتھوں کی ساری طاقت ڈوری کو اس کی گردن میں کسنے میں صرف کردی اور جیسا کہ اس نے چاہا تھا وہ ایک منٹ سے بھی کم وقت میں بنا کوئی آواز نکالے اس کے ہاتھوں میں جھول گیا۔سفیان نے ڈوری کو اس کے گلے سے کھینچا اور ایک ہاتھ سے اسے سنبھال کر اپنے کندھے پر لاد کر اس جھاڑی میں ڈال دیا جہاں تھوڑی دیر پہلے وہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔زمین

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

پر ڈال دینے کے بعد سفیان نے اس کی نبض دیکھی جو ساکت ہوچکی تھی۔وہ اب اس کی جانب سے پوری طرح بے فکر ہوگیا۔

سفیان اب دوبارہ زمین پر رینگتا ہوا اس جانب گیا جہاں کمال نے اس دوسرے پہرے دار کو نشانے پر لیے رکھا تھا۔سفیان نے اس کے قریب پہنچ کر انگوٹھے سے کامیابی کا اشارہ کیا تو وہ دوسرے پہرے دار کے لیے لقمہ اجل بن گیا۔

تب ہی کمانڈر طاہر جمیل کا پیغام موصول ہوا کہ اسلحہ سے بھرے ٹرکوں کو فوری طور پر تباہ کرنا ہے۔سفیان کے لیے کمانڈر کے حکم کی اطاعت فرض تھی۔صرف ایک لمحے کے لیے اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ اس طرح کرنے سے تو دشمن مزید ہوشیار ہوجائے گا تو ہم انہیں زندہ گرفتار کس طرح سے کریں گے تب ہی دوسرا میسج موصول ہوا کہ دشمن کا جو بھی بندہ سامنے آئے اسے اڑا دینا ہے۔جو مریں گے کچھ فرار ہونے کی کوشش کریں گے تو موقع دیکھ کر کام کیا جائے۔

سفیان نے کمال کو اشارہ کیا کہ وہ اپنا کام شروع کردے۔وہ اسلحہ سنبھال کر پوزیشن لیے چوکنا بیٹھا تھا۔تقریباً تین چار منٹ بعد ہی وہ واپس آگیا۔اس نے اسلحہ اور بارود سے بھرے ان ٹرکوں پر مخصوص مقامات پر ڈیٹونیٹر لگا دیے تھے۔طاہر جمیل کو اس نے رپورٹ دی تو میسج آیا کہ جیسے ہی ان کی جانب سے گرین لائٹ روشن ہوگی ہمیں لیور دبا دینا ہے۔

کام مکمل ہونے کے بعد وہ وہاں بچھائے گئے تار زمین پر بکھیرتے ہوئے دور ہٹتے جا رہے تھے۔اسے نہیں معلوم کہ طاہر صاحب نے اسلحہ کے اس بہت بڑے ذخیرے کو تباہ کرنے کا فیصلہ کیوں کیا۔شاید انہیں دوسری جانب سے ایسا ہی کہا گیا تھا۔

وہ اس مقام سے کافی دور پیٹ اور کہنیوں کے بل رینگتے ہوئے پہنچ گئے تھے۔ پھر ایک محفوظ مقام پر پہنچنے کے بعد وہ جھاڑیوں میں رک گئے اور تب ہی سفیان کی کلائی پر بندھی ٹرانسمیٹر میں گرین لائٹ آن ہوئی تو اس نے اپنے ساتھی کو حکم دیا۔”ڈاؤن۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اس کا ہاتھ تیزی سے لیور کو دباتے ہوئے نیچے ہوا اور فضا زور دار دھماکوں سے گونجنے لگی۔اس سیاہ اور تاریک رات میں ایمونیشن پھٹنے اور دھماکوں کے ساتھ تیز روشنی کی چمک پیدا ہوئی۔

سفیان اس روشنی اور دھماکوں کو دل کی تمام تر مسرتوں کے ساتھ دیکھ اور سن رہا تھا تب ہی ان کے پیچھے طاہر جمیل اور صفدر بھی پہنچ گئے۔

بھارتیوں میں شدید افراتفری مچ گئی ہوگی۔ان کی سمجھ میں نہیں آرہا ہوگا کہ اچانک یہ سب کیا اور کیسے ہوگیا۔

”جوانو! اب ہمیں آگے جانا ہے ہمیں ان کا جو بندہ بھی راستے میں ملے اسے راستے سے ہٹانا ہے۔ابھی تو خود ان کی سمجھ میں نہیں آرہا ہوگا کہ یہ سب کیوں اور کیسے ہوا‘ ہم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔“

”یہاں سے بائیں جانب ایک بڑی چار دیواری ہے یہ ان کا ہیڈ کوارٹر ہے اور یہیں پر ان کے اسلحہ کے گودام بھی ہیں۔ہمیں انہیں بھی اس طرح تباہ کرنا ہے۔ہمارے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے کوئیک فاسٹ گو‘ پوزیشن پہلے جیسی رہے گی آپ کو اپنی ذمہ داری کا معلوم ہے۔“

کمانڈر طاہر جمیل نے کہا اور آگے بڑھ گئے سفیان بھی ان کے پیچھے چل دیا۔

دھماکے اب بھی ہو رہے تھے فضا میں جیسے ہی تیز روشنی ہوتی تو سارا منظر روشن ہوجاتا اور اسی روشنی میں ہی انہوں نے اس چار دیواری کو بھی دیکھ لیا۔ وہ تیزی کے ساتھ تقریباً رکوع کے بل جھکے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

وہ پانچوں ایک دوسرے سے جدا ہوچکے تھے انہیں اپنے اپنے کاموں کے بارے میں معلوم تھا کہ کیا کرنا ہے وہ جھکی ہوئی پوزیشن میں تیزی سے بغیر آواز پیدا کیے چل رہا تھا۔اچانک جیسے زمین نے اس کے پاؤں پکڑ لیے۔اس نے ایک سائے کو تیزی سے اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا۔وہ بھاگتا ہوا آیا تو سفیان نے اپنی گن پر اپنے ہاتھوں کی گرفت مضبوط کرلی۔

وہ بھاگتا ہوا آیا اور اس کے نزدیک رک گیا اور پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان بولا۔

"شنکر کچھ معلوم ہوا کہ کیا ہوا ہے، تم تو ادھر ہی پہرے پر تھے نا؟"

اور اس کا جملہ مکمل ہوتے ہی ایک اور زور کا دھماکہ ہوا اور تاریکی پر روشنی غالب آگئی اس کی نگاہ سفیان کی جانب اٹھی اور اس کا منہ کھل گیا اس نے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں دیکھ لیں۔اس نے بندوق کی نال اس کے کھلے منہ میں گھسیڑ دی اور ٹریگر دبا دیا وہ مردہ چوہے کی مانند پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ زمین بوس ہوگیا اور وہ آگے بڑھ گیا۔

وہ اندر آئے تو یہاں بہت سے خیمے دکھائی دیے جن میں لوگ سوئے ہوئے تھے دھماکوں کی آوازیں سن کر وہ دیوانہ وار اٹھ کر باہر آئے اور ان کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔

کمانڈر کا حکم تھا کہ اب انہیں تیزی کے ساتھ یہاں سے پیچھے ہٹنا ہے۔سو وہ پیچھے ہٹ رہے تھے۔مزید آگے جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔وہ سب اب پوری طرح بے دار اور الرٹ تھے اور جان چکے تھے کہ ان کی بے خبری میں ان پر شب خون مارا گیا ہے۔

وہ سب تیزی سے پیچھے ہٹ رہے تھے۔واپسی کا یہ سفر بھی ان کے لیے سہل نہیں تھا اور ان کی زندگیوں کے لیے خطرہ تھا۔پہلے وہ لوگ بے خبر تھے لیکن اب اس علاقے میں چپے چپے میں ان کے افراد پھیل چکے تھے۔ہوسکتا ہے جنگل میں بھی ان کے ساتھی موجود ہوں۔

وہ سب جنگل میں ایک دوسرے سے آن ملے تھے اور بہت احتیاط کے ساتھ واپس جا رہے تھے اچانک ہی کمانڈر طاہر چونک کر رک گئے اور انہوں نے انہیں بھی رک جانے کا اشارہ کیا پھر وہ تیزی کے ساتھ زمین پر لیٹ گئے اور ہاتھ کو تیزی کے ساتھ نیچے کر کے انہیں بھی لیٹ جانے کا اشارہ کیا۔

کمانڈر طاہر نے اپنا کان زمین پر لگا دیا۔سفیان نے بھی زمین سے اپنا کان لگا دیا۔زمین کے ارتعاش سے انہیں اندازہ ہوا کہ بہت سے لوگوں کے قدموں کی دھمک سامنے کی جانب سے آ رہی ہے۔اس کا یقیناً یہی مطلب لیا جاسکتا تھا کہ بہت سے لوگ ہمارے تعاقب میں آ رہے ہیں۔

سفیان کے اندازے کے مطابق ان لوگوں نے انہیں چاروں جانب سے گھیرے میں لے لیا تھا۔کیوں کہ قدموں کی آہٹ کی چاروں جانب سے اپنے نزدیک آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

اب ان کی ساری توقعات اپنے ربّ کی ذات اور رات کے اس اندھیرے سے تھی اور یہی دونوں انہیں دشمنوں کے اس گھیرے سے زندہ سلامت یہاں سے نکال سکتے تھے۔

کمانڈر طاہر جو سب سے زیادہ زیرک اور معاملہ فہم تھے اور ہر وقت ان کی قوت فیصلہ بھی بہت مضبوط تھی انہوں نے ایک بار پھر زمین سے کان لگا کر کچھ اندازے لگائے اور کھڑے ہو کر اپنی کلائی پر بندھے قطب نما میں راستا دیکھا پھر ایک جانب چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ بہت الرٹ اور محتاط ہو کر آگے بڑھ رہے تھے۔اس سمت میں چلتے ہوئے وہ اپنے مقام سے کافی دور چلے گئے تھے یعنی سیدھے راستے پر چلتے ہوئے ان کا جو راستا ایک ڈیڑھ فرلانگ کا تھا اس سمت سے واپسی میں تقریباً ڈھائی میل کا ہو گیا تھا لیکن اب کیا ہوسکتا تھا۔اگر انہیں اپنی جانیں سلامتی کے ساتھ واپس لے جانا تھیں تو یہ دو ڈھائی میل کا فاصلہ ہے ان کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔وہ جھکی ہوئی پوزیشن میں احتیاط سے قدم رکھتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔اس طرح کہ چلنے سے ان کے قدموں کی دھمک پیدا نہ ہو۔

اچانک ہی زمین نے جیسے ان کے قدم جکڑ لیے فضا میں ایک دم روشنی کا طوفان سا آگیا جس سے نہ صرف آسمان بلکہ ارد گرد کی ساری فضاروشن ہو گئی۔

دشمن بھی کم چالاک نہیں تھا اس نے ہماری تلاش میں ناکام ہو کر فضا میں روشنی پیدا کرنے والے گولے فائر کرنے شروع کردیے۔

ان ہی روشنی میں اللہ پاک نے انہیں بھی راستا سوجھا دیا۔تب ہی انہیں اپنے نزدیک کھائیاں دکھائی دیں اور کمانڈر طاہر کے اشارے پر سب نے ان کھائیوں میں چھلانگ لگا دی۔جنگلوں میں ایسے چھوٹے چھوٹے خشک ندی نالے' جھاڑیاں اور کھائیاں ان کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں تھیں۔جو ایسے ہی کسی مشکل وقت میں ان کے کام آجاتی ہیں۔

اللہ کے فضل سے وہ ابھی تک ان لوگوں کی نگاہ میں نہیں آئے تھے۔ان کی جانب سے پھینکنے گئے روشنی پیدا کرنے والے یہ گولے ان کے ہی کام آگئے اور ان کی نگاہ میں نہ آسکے۔انہوں نے ان کھائیوں ہی کو اپنا مورچہ بنا لیا اور الرٹ ہوگئے۔ان کا تعاقب کرنے والے ان کے قریب سے قریب آتے جا رہے تھے اور ان کھائیوں میں وہ ان کے قدموں کی دھمک بہت اچھی طرح سے محسوس کر رہے تھے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

سفیان کو دائیں جانب سے دشمن کے آدمیوں کا شور صاف سنائی دے رہا تھا۔لیکن ان میں ابھی تک ایک بندہ بھی اس کے نشانے پر نہیں آیا تھا۔اس کا دل کنپٹیوں میں دھڑکنے لگا۔

لیکن وہ ان کی رینج میں آئے بنا دور ہی سے آگے نکل گئے۔تب سفیان نے سکھ کا سانس لیا۔

سفیان کے ساتھ ہاشم اور کمال تھے جبکہ صفدر اور کمانڈر طاہر کسی دوسری کھائی میں تھے۔

"سفیان دشمن یہاں سے آگے نکل گیا ہے۔میرا خیال ہے ہمیں فوری طور پر یہ جگہ چھوڑ دینی چاہیے اور آگے کا سفر جاری رکھنا چاہیے۔" ہاشم نے سرگوشی میں کہا۔

"ٹھیک ہے آجاؤ لیکن بہت احتیاط سے۔" میں نے کہا اور وہ اس کھائی سے باہر نکل آئے۔پیچھے سے ہمیں ہلکی فائرنگ کی آواز بھی آرہی تھی۔غالباً وہ لوگ اندازے سے فائرنگ کر رہے تھے۔پھر فائرنگ کی آوازیں بھی معدوم ہوگئیں شاید انہیں اپنی بے وقوفی کا احساس ہوگیا ہوگا۔

اب انہوں نے بھاگنے کی رفتار اپنالی' تقریباً ایک فرلانگ بھاگنے کے بعد انہیں رک جانا پڑا۔وہ ابھی تک دشمنوں کے نرغے میں تھے۔رک جانے کی وجہ یہ تھی کہ اچانک فضا میں روشنی کا ایک اور گولہ داغا گیا تھا۔ساری فضا پھر منور ہوگئی۔وہ فوراً زمین پر لیٹ گئے۔

سفیان نے لیٹے لیٹے سر گھما کر اپنے اطراف کا جائزہ لیا تو ایک بار پھر اسے اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوئی اس سے بمشکل بیس گز کے فاصلے پر ایک بنکر سے ایک بندوق کی نال جھانکتی ہوئی دکھائی دی۔

سفیان نے کہنیوں کے بل پیچھے ہٹتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو بھی موو کرنے کا حکم دیا۔وہ اور ہاشم تو پہلے ہٹ رہے تھے لیکن کمال پیچھے نہیں ہٹا۔وہ تیزی سے آگے آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اسے پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔

اس نے گردن موڑ کر سفیان کی جانب دیکھا اسے اس کی آنکھوں میں بجلیاں سی کوندتی ہوئی دکھائی دیں۔

''سوری فیضان میں واپس نہیں جاؤں گا۔'' اس نے سرگوشی میں کہا اور پھر گردن سیدھی کرلی۔

اس کے لہجے میں ایسا نجانے کیا چھپا تھا کہ سفیان کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد سی لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔اس نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ کھینچا گویا یہ اشارہ تھا کہ فوراً پیچھے ہوجاؤ۔لیکن اس نے ایک بار پھر اٹل لہجے میں کہا۔

''تم دونوں آگے جاؤ' میں یہیں رک کر تمہارے زندہ سلامت نکل جانے کے لیے موجود رہوں گا۔''

''تم ایسا کیسے...!'' سفیان صرف اتنا ہی کہہ پایا۔

''اللہ حافظ دوست' فی امان اللہ۔'' اس نے کہا اور رینگتے ہوئے آگے بڑھتے لگا اور جلد ہی اندھیرے کا حصہ بن گیا۔

سفیان کو ایسا لگا جیسے اس کے جسم کا رواں رواں مفلوج ہو کر رہ گیا ہو۔اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا ایک جوان موت کے منہ میں جا رہا ہے۔وہ ان کی جانوں کو بچانے کے لیے خود موت کے منہ میں جا رہا تھا اور وہ اسے آواز دے کر روک بھی نہیں سکتا تھا۔وہ ابھی تک اپنی جگہ بے حس و حرکت پڑا تھا۔تب ہی اس نے کمال کو اس بنکر کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھا۔کمال نے

ایک بار گردن موڑ کر سفیان کی جانب دیکھا اور ہینڈ گرنیڈ کی پن کھینچ کر نکالی اور اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے ہینڈ گرنیڈ کو بنکر کی جانب اچھال دیا۔

اور پھر اچانک ہی اطراف میں‌بنی کئی اور بنکرز سے شعلے اگلنا شروع ہوگئے اور کمال کے جسم کے پرخچے فضا میں منتشر ہوگئے۔

ایسے میں اسے کچھ اور نہیں سوجا تو اس نے بھی دیوانہ وار گرینڈ ان بنکروں کی جانب اچھالنے شروع کردیے۔ہاشم کی گن بھی شعلے اگل رہی تھی اور پھر ایک پورا برسٹ ہاشم کے سینے پر آکر لگا اس نے خطرے کو پوری طرح محسوس کرلیا تھا اور تیزی سے پیچھے ہٹنا شروع کردیا۔

اسے اپنے عقب میں اب بھی فائرنگ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔وہ تیزی سے گرامنگ کرتا ہوا دور بہت دور ہٹتا چلا جا رہا تھا۔تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ اپنے قطب نما میں راستا دیکھ لیتا اب وہ خطرے کی حدود سے باہر آگیا تھا۔اس نے سیدھے ہوکر چلنا شروع کردیا تھا۔

سفیان بڑے بوجھل قدموں اور دکھی دل کے ساتھ واپس جا رہا تھا۔اسے اپنے زندہ سلامت واپس لوٹ جانے کی کوئی خوشی نہیں تھی بلکہ ایک عجیب طرح کی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

شرمندگی نے اسے چاروں جانب سے گھیر لیا تھا۔اس کے دونوں ساتھیوں نے جام شہادت نوش کیا تھا۔زندگی میں بعض مرتبہ ایسے موقع بھی آجاتے ہیں کہ جب ہمیں اپنے زندہ رہ جانے پر افسوس ہوتا ہے اور ہم اپنے ساتھیوں کی موت پر نعرہ تحسین بلند کرتے ہیں اور ان کے لواحقین کو مبارک باد دے رہے ہوتے ہیں۔

وہ بھی اس وقت کچھ ایسے ہی جذبات و احساسات کا شکار تھا۔اس کے قدم آگے بڑھ رہے تھے لیکن زبان پر سورۃ الفاتحہ جاری تھی۔وہ اپنے شہید ساتھیوں کو خراج عقیدت پیش کرتا ہوا تنہا جا رہا تھا کمانڈر طاہر اور صفدر کا اسے کچھ علم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا وہ بھی زندہ ہیں یا انہوں نے بھی اپنا مقصد حیات پا لیا ہے۔

وہ جب واپس پہنچا تو کمانڈر طاہر اس سے پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔صفدر بھی کام آگیا تھا مشن میں۔صرف سفیان اور کمانڈر طاہر ہی بچے تھے۔

کرنل صاحب اور کمانڈر طاہر نے سفیان کو تنہا دیکھا تو سمجھ گئے کہ وہ تنہا کیوں ہے۔انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا بس اس کے کندھے پر آکر ہاتھ رکھا اور بھاری لہجے میں بولے۔

”ویل ڈن سفیان۔“

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور چھلک پڑنے کو بے تاب تھیں۔
کرنل صاحب نے جب اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو بولے۔

”نو... نو... جوان، انہیں چھلکنے مت دینا... شہید ہمیشہ زندہ رہتے ہیں آنسو تو کسی کی موت پر بہائے جاتے ہیں۔وہ خوش نصیب تھے کہ ہمیشہ کے لیے امر ہوگئے۔تو سفیان نے اپنے آنسو اپنے حلق کے اندر اتار دیے۔

تھوڑی دیر بعد اذان کی آواز سنائی دی تو سب نماز کی ادائیگی کے لیے جماعت کے ساتھ کھڑے ہوگئے نماز کے بعد شہید جوانوں کے لیے دعا کرائی۔

دوسرے دن صبح ناشتے سے فارغ ہو کر سفیان نے اپنی کمپنی کے ہیڈ کوارٹر واپس آگیا۔

یہاں ہیڈ کوارٹر میں اس کے دوسرے ساتھی شدت سے اس کے اس نئے مشن کی رو داد سننے کے منتظر تھے۔اس نے اپنے ساتھیوں کو ایک ایک بات بڑی سچائی کے ساتھ بتائی، خاص طور پر ہاشم کی قربانی اور جاں نثاری کا ذکر کرتے ہوئے۔بہت ضبط کے باوجود اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھیں چھلک پڑیں۔

چند دنوں بعد اس کے پاس ہاشم کی والدہ کا فون آیاوہ ہاشم کے بارے میں پوچھ رہی تھیں کہ ان کے بیٹے نے کہاں کہاں زخم کھائے، اسے کتنی گولیاں لگیں وہ کس طرح شہید ہوا۔

ہاشم کی والدہ کا صبر و ضبط دیکھ کر وہ حیران رہ گیا انہیں یہ جان کر بہت اطمینان حاصل ہوا کہ ان کے بہادر بیٹے نے دشمن کو پیٹھ نہیں دکھائی اور اپنے وطن کی حرمت پر قربان ہو گیا۔

ان دنوں وہ بہت پژمردہ سا رہتا تھا۔ہاشم اور کمال کو وہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں بھول پایا۔اسے بار بار یاد آیا کہ انہوں نے کیسے اپنی جانیں قربان

کردیں اور وہ... وہ کیسے بزدلوں کی طرح اپنی جان بچا کر وہاں سے بھاگ آیا۔ہاشم نے شہید ہو کر اسے جینے کی راہ دکھادی تھی۔

آج اس کا عزم اور ولولہ تازہ تھا۔وہ تیزی کے ساتھ کرنل احتشام کے روم کی جانب بڑھ گیا۔

☆.../...☆

وہ دن بھی میری زندگی کے بہت خاص الخاص دنوں میں شامل ہیں کبھی بھی نا بھلانے والے۔میں دن رات ٹینشن کا شکار رہا کرتی تھی۔پہلے سرمئی امی تھیں تو ایک دکھ کبھی بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا کہ آخر میرا باپ کون ہے میں اور امی تنہا کیوں ہیں۔میرا ننھیال اور میرا ددھیال کہاں ہے۔چچا' ماموں' خالہ' پھوپھو' دادی' نانی کوئی بھی کیوں نہیں ہے۔امی نے بھی کبھی اس بات کا کوئی واضح جواب نہیں دیا اور پھر امی کی سخت ہدایات کی وجہ سے میں یونیورسٹی میں حشام سے بہت لیے دیے رہتی تھی لیکن میرا روکھا سوکھا رویہ بھی اسے مجھ سے دور نہ رکھ سکا اور لاکھ خود کو روکنے کے میں نجانے کب اس کی محبت میں پور پور ڈوب گئی۔لیکن اپنے رویے سے کبھی اس کو اس بات کا

احساس ہی نہیں ہونے دیا کہ عشق کی اس آگ میں وہ تنہا نہیں جھلس رہا میں بھی گیلی لکڑی کی مانند سلگ رہی ہوں۔وہ ایک بہترین اور مخلص دوست کی مانند ہمیشہ میرے ساتھ رہا اور پھر ایک دن تلاش کرتے کرتے میں نے اپنے باپ کو پہچان لیا۔میری وہ ماں جنہوں نے مجھے پالا تھا اس دنیا سے چلی گئیں اور جاتے جاتے مجھے اصل حقیقت سے بھی روشناس کر گئیں۔پھر ایک اتفاقی حادثے نے مجھے میری حقیقی ماں سے بھی ملوادیا اور یہ کام حشام نے کیا اور پھر جب حشام نے کھل کر مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کیا تو میں خود کو نہ روک سکی ہم نے ایک دوسرے کے دلوں کے راز جان لیے تھے اور جب ہمارا ملن ہونے میں تھوڑا ہی عرصہ رہ گیا تو یہ مسئلہ ہو گیا مجھے حشام کے لیے اپنے دل میں پلنے والے جذبوں کا اندازہ بہتر طور پر اب ہوا تھا۔ جب حشام کی زندگی خطرے میں گھری تو مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ اگر حشام نہیں رہا تو میں بھی زندہ نہیں رہ سکوں گی۔لیکن اللہ کا کرم ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اسے نئی زندگی عطا کردی۔

بظاہر بستر علالت پر لیٹا ہوا حشام ہمیں اس سارے ہنگامے سے بے خبر محسوس ہوتا تھا لیکن میں نے چند باتوں سے اندازہ لگایا کہ ایسا بالکل بھی نہیں ہے جیسا ہم سمجھ رہے ہیں اسے اپنے ارد گرد موجود تمام خطرات کا اچھی طرح اندازہ ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ کتنا اہم کام کر رہا تھا اور وہ لوگ جن کے خلاف اس کے ہاتھ میں سارے ثبوت تھے اور وہ ثبوت بھی ایسے جو اگر منظر عام پر آگئے تو اس اہم مجرم کو سیدھے تختہ دار تک لے جائیں گے تو وہ شخص اتنی آسانی سے یہ سب کیسے ہونے دے سکتا ہے۔وہ یہ بات بھی جانتا ہے کہ اسے باقاعدہ ایک پلاننگ کے تحت اس جگہ بھیجا گیا اور ٹارگٹڈ ہٹ کیا گیا ہے اور پھر اس کی اتنی سخت سیکیورٹی کا انتظام اور پھر اس رات اسپتال میں ہونے والی فائرنگ جس کے بارے میں اسے یہ بتایا گیا کہ وہ ڈاکوؤں نے اپنے ایک زخمی ساتھی کو پولیس کی حراست سے چھڑانے کے لیے کی تھی محض اسے بہلانے کے لیے ایک کہانی تھی۔

یہ سب باتیں جانتے ہوئے بھی میں جان بوجھ کر اس سے چشم پوشی کر رہی تھی۔میں یہ بھی جانتی تھی کہ صحت یاب ہونے کے بعد بھی حشام خوف زدہ ہو

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کر اپنے کام سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔بلکہ پہلے سے بھی زیادہ تندہی سے اپنے کام میں مصروف ہوجائے گا۔موت کی دہلیز چھو کر واپس آنے کے بعد تو اسے اپنے ربّ کی رحمتوں کا یقین مزید پختہ ہوجائے گا اور اس کے اندر نیا جوش اور ولولہ جنم لے گا۔

بہرحال اب ماشاء اللہ حشام تیزی کے ساتھ صحت یاب ہو رہا تھا۔امی بھی ایک مرتبہ برقع اور حجاب پہن کر حشام سے ملنے کے لیے گئی تھیں۔وہ پہلے سے کافی کمزور تو ہوگیا تھا لیکن اپنی اس جسمانی کمزوری کو ہنس ہنس کر خود ہی مذاق کا نشانہ بناتا رہا۔میں پابندی سے اسے اسپتال ملنے جاتی رہی۔مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں جو چمک آتی تھی وہ کسی سے بھی چھپی نہیں رہتی تھی۔
ڈاکٹر ذیشان تو باقاعدہ مجھے حشام کے سامنے چھیڑتے اور کہتے۔

”بھئی ہم تو نام کے ڈاکٹر ہیں حشام کی اصل ڈاکٹر تو مس سرمئی ہیں جو انہیں تیزی سے صحت یاب کر رہی ہیں۔“ اور جواب میں حشام پیار بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہتا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ میری سانسوں کی ڈور تو سرمئی کی سانسوں کے ساتھ بندھی ہے۔بس یہ سمجھ لیں کہ یہ میرا چارجر ہے۔"

اور میں شرم سے سرخ ہوجاتی۔بستر پر بھی اس کا رومانس ختم نہیں ہوتا تھا کبھی کبھی مجھے اس بات پر فخر ہوتا تھا کہ اللہ نے صرف ایک باپ کی محبت مجھ سے چھینی تھی اس کے علاوہ مجھے کتنے اور مخلص لوگوں کی محبتیں عطا کردیں اور سب سے زیادہ حشام مجھے پیار کرتا ہے۔

کرنل مشتاق اپنے کام میں مصروف تھے وہ اور ان کی ایجنسی کے جوان حشام کی مرتب کردہ رپورٹ کی روشنی میں بہت سے لوگوں پر کام کر رہے تھے۔

کرنل مشتاق نے ایک مرتبہ میرے پوچھنے پر اپنی ایجنسی کے بارے میں یہ بتایا تھا کہ اس کا تعلق پولیس سے قطعی نہیں ہے اللہ جانے ان کے "ہائی کمان" کے ساتھ کیسے تعلقات تھے وہ ملک دشمن عناصر کے خلاف بر سر پیکار تھے اور ان کا قلع قمع کر رہے تھے۔کیونکہ یہاں تو یہی ہوتا آیا ہے کہ حکومت میں شامل لوگ بڑے بزنس مین یا بیوروکریٹ کتنے ہی اونچے پیمانے پر کرپشن کرلیں پولیس ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔حکومت اور عوام کو ان

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

لوگوں نے اپنے گھر کی لونڈی بنا رکھا ہے اور جس کا جو جی چاہ رہا ہے وہ وہی کھیل کھیل رہا ہے۔

شمروز بھائی نے بھی کافی دنوں سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔خدا جانے وہ کہاں مصروف تھے۔میری شدید خواہش تھی کہ کرنل مشتاق شمروز بھائی کو بھی اپنی اس خفیہ ایجنسی میں شامل کرلیں اور انہیں بھی کمانڈو ٹریننگ دیں لیکن ابھی تک نہ تو کرنل مشتاق نے اس سلسلے میں مجھے کوئی مثبت جواب دیا تھا اور نا ہی شمروز بھائی نے کوئی رابطہ کیا تھا۔

اس روز جب میں حشام سے ملنے اسپتال گئی تو میں نے حشام کو بیڈ سے اٹھ کر کمرے میں چہل قدمی کرتی ہوئے دیکھا۔

یہ میرے لیے بہت بڑی خوشی کا مقام تھا۔حشام کے زخم اب کافی بہتر تھے۔ ٹانکے خشک ہو چکے تھے اور ڈاکٹر نے انہیں بیڈ سے اٹھ کر روم میں تھوڑا بہت چلنے کے لیے کہا تھا۔

تھوڑا سا چلنے کے بعد ہی حشام کا سانس تیز تیز چلنے لگا اور اسے پسینہ آگیا تو میں نے اسے سہارا دے کر بیڈ پر بٹھا دیا۔میں نے اس کی کمر کے گرد اپنا

بازو کیا ہوا تھا میں جب اپنا بازو نکالنے لگی تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا۔

”ارے یار تھوڑی دیر تو اپنے مسیحا ہاتھوں کو رہنے دو، تمہیں نہیں پتا مجھے کتنی انرجی مل رہی ہے، ہائے...!“ اس نے ایک سکون بخش سانس اپنے اندر اتارتے ہوئے مطمئن انداز میں آنکھیں موند لیں۔

”باز آجاؤ حشام، میرا ہاتھ چھوڑو، کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا۔“ میں نے گھبرا کر کہا۔

”کیا کہے گا؟“ اس نے نیم باز آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے نہیں پتا۔“ میں نے جھینپ کر کہا تو وہ ہنس پڑا۔

”ایک بات کہوں جان حشام۔“ وہ جب بہت پیار سے مجھے پکارتا تو بجائے میرا نام لینے کے مجھے جان حشام کہتا تھا۔میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

”کبھی کبھی مجھے یقین نہیں آتا کہ تم واقعی مجھ سے اتنا پیار کرنے لگی ہو، ورنہ پہلے تو جب بھی میں کوئی ذو معنی بات کہتا تھا تو تم میرا منہ توڑنے پر اتر

آتی تھیں تم وہ سب ڈرامہ کرتی تھیں نا، میں تمہیں پسند تو تھا نا...!“ اس نے اپنے دوسرے ہاتھ کو میری کمر کے گرد کر کے اپنے قریب کیا اور میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا تو میں سنجیدہ ہوگئی اور اس کے سینے سے سر کو دھیرے سے ٹکا کر کہا۔

”میں تم سے جھوٹ بولنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی حشام، بات اصل میں یہ تھی کہ میری امی نے مجھے شروع ہی سے لڑکوں سے دور رکھا وہ دن رات میرے دل میں ایک ہی بات بٹھاتی رہتی تھیں کہ مرد کی محبت کا کبھی یقین نہیں کرنا چاہیے۔یہ ایک عورت کے لیے سب سے بڑا دھوکا ہوتا ہے۔مرد عورت سے محبت نہیں کرتا۔محض ہوس کا پجاری ہوتا ہے اور اپنی اس ہوس کو وہ محبت کا نام دے کر بھولی بھولی عورت سے اس کا سب کچھ چھین لیتا ہے۔

جب میں یونیورسٹی میں آئی تو مجھے ہر لڑکے کی نگاہ ایسی ہی غلط محسوس ہوتی تھی۔پھر تم نے میری جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا اس وعدے کے ساتھ کہ تم مجھ سے کوئی اور ڈیمانڈ نہیں کرو گے لیکن پتا نہیں حشام کب اور کیسے تم نے

میرے دل و دماغ پر اپنا قبضہ جما لیا۔میں کیا کرتی میں لاکھ اپنے دل میں پلنے والے اس جذبے کو خود سے جھٹلاتی رہتی لیکن میں جتنا اس کو جھٹلاتی یہ اور شدتوں کے ساتھ مجھے تنگ کرتا اور پھر جب تم نے کھل کر مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کیا تو میں بھی برف کی مانند پگھلتی چلی گئی۔محبت وہ منہ زور جذبہ ہے کہ اس کے آگے لاکھ بند باندھ لو یہ سب کچھ توڑ کر اپنے ساتھ محبت کرنے والوں کو بہا کر لے جاتا ہے۔" بات کرتے کرتے میری آنکھیں بھر آئیں اور میرا لہجہ آنسوؤں میں بھیگ گیا۔میں نے حشام کے سینے سے سر اٹھایا تو اس نے کہا۔

"یہی وجہ ہے جان حشام کہ موت بھی مجھے اپنے ساتھ لے جانے میں ناکام رہی۔"

"اللہ تمہیں ہمیشہ سلامت رکھے۔" میں نے محبت سے چور نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرانے لگا پھر میں نے اسے بیڈ پر لیٹا دیا۔

"مجھے تم سے بہت ساری ضروری باتیں کرنی ہیں سرمئی' لیکن ایک بات کا مجھ سے وعدہ کرو کہ میرے ساتھ غلط بیانی سے کام نہیں لو گی۔" وہ خطرناک حد تک سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"کون سی ضروری باتیں؟" میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا میں نے اس سے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔

"ابھی نہیں' دو چار دن کے بعد... کیا تم ایک رات کے لیے میرے پاس اسپتال میں رک سکتی ہو۔" اس نے کہا۔

"رات میں... لیکن کیوں؟ تم وہ باتیں ابھی کرلو نا۔" میں نے کہا۔

"کیوں ڈر لگ رہا ہے۔" اس نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے واہ' میں کیوں ڈروں گی۔پتا نہیں ڈاکٹر ذیشان مجھے اس بات کی اجازت بھی دیں گے یا نہیں۔" میں نے نارمل لہجے میں کہا۔

"ان کی تم فکر نہ کرو' ان سے میں بات کرلوں گا۔بس تم وعدہ کرو ضرور آؤ گی۔" اس نے میرا ہاتھ تھام کر ہلکا سا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

"اچھا بابا ٹھیک ہے، جب تم کہو گے آجاؤں گی، اب خوش۔" میں نے اسے بہلانے کے لیے کہا۔

"تھینک یو۔" اس نے ممنون نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"اچھا یہ بتاؤ تم نے میڈیسن لے لیں۔" میں نے موضوع پلٹ کر کہا۔

"ہاں ٹیبلٹس تو زیادہ نہیں ہیں البتہ انجکشن کئی لگتے ہیں اور اب تو اتنے سارے سوراخ ہوچکے ہیں کہ...!"

"اچھا اچھا بس اب مزید آگے کچھ نہ بولو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرانے لگا۔میں نے میٹھی نگاہوں سے اس کے چہرے کی ہزاروں بلائیں لے ڈالیں ماشاء اللہ وہ کافی فریش لگ رہا تھا۔

اسپتال سے آنے کے بعد میں نے طلال انکل کو فون کیا اور ملنے کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے کہا کہ آج رات آجاؤ ہم ڈنر ساتھ کریں گے۔تمہاری آنٹی بھی تمہیں یاد کر رہی ہیں اور ہاں کرنل مشتاق بھی آرہے ہیں۔شاید انہیں کوئی نئی انفارمیشن ملی ہے کرنل مشتاق کا سن کر میں بے تاب ہوگئی۔

رات کو آٹھ بجے میں آصف کے ہمراہ طلال انکل کے گھر پہنچ گئی۔تھوڑا ٹائم آنٹی کے ساتھ گزارا پھر سب نے ایک ساتھ ڈنر کیا اور پھر ہم سب اوپر طلال انکل کے اسٹڈی روم میں پہنچ گئے۔

"ہاں یار اب بتاؤ تمہارے پاس کیا کیا انفارمیشن ہیں۔" طلال انکل نے پوچھا۔

"سرمئی وہ تمہارا منہ بولا بھائی، کیا نام تھا اس کا... ہاں شمروز کہاں غائب ہے۔کافی دنوں سے اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔تم اس کے بارے میں کہہ رہی تھیں نا کہ میں اسے اپنے ساتھ شامل کرلوں اور کمانڈوٹریننگ دوں۔" کرنل مشتاق نے طلال انکل کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

"جی کرنل صاحب میں ان ہی کے بارے میں آپ سے کہہ رہی تھی لیکن کافی دن ہوگئے ان کا کوئی فون نہیں آیا۔میں نے ایک آدھ بار رابطہ کرنے کی کوشش بھی کی تو فون نہیں مل سکا۔ویسے آپ کو اچانک ان کا خیال کیسے آگیا۔انکل تو آپ سے کوئی اور بات پوچھ رہے تھے۔" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

میرا سوال سن کر کرنل مشتاق خاموش ہوگئے چند لمحے خاموش نگاہوں سے مجھے تکتے رہے اور پھر کرنل مشتاق ہی بولتے رہے اور طلال انکل حیرت سے ان کی باتیں سنتے رہے۔وہ جو کچھ بھی کہہ رہے تھے میرا دل ان باتوں پر یقین نہیں کر رہا تھا۔لیکن مجھے یقین کرنا پڑا کیونکہ وہ پورے ٹھوس ثبوت کے ساتھ اپنی بات بیان کر رہے تھے۔پھر مجھے بہت زور کا چکر آگیا اور میں اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ بظاہر بہت زیادہ اخلاص کا مظاہرہ کرنے والے لوگ ایسا بھی کرسکتے ہیں۔میرے دل میں ان کے لیے نفرت کی ایک شدید لہر اٹھنے لگی۔

☆…/…☆

پتا نہیں میں کتنی دیر ہوش و حواس سے بے گانہ رہا پھر رفتہ رفتہ مجھے ہوش آنے لگا مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میں دبیز بادلوں کے درمیان تیر رہا ہوں۔ہر جانب دھند چھائی ہوئی ہے اور اس دھند میں ڈوب کر ابھر رہا ہوں۔کافی دیر تک ایسی ہی حالت رہی۔پھر میں نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔میرے چاروں جانب گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔مجھے اپنا سر بہت بھاری بھاری

محسوس ہو رہا تھا۔چند لمحوں کے لیے تو میری سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ میں کہاں ہوں اور مجھے ہر جانب اندھیرا کیوں محسوس ہو رہا ہے۔سر میں شدید ٹیس اٹھی تو میرا ہاتھ بے ساختہ اپنے سر کے پچھلے حصے کی جانب چلا گیا تو مجھے اپنے ہاتھ پر خون کی چپچپاہٹ محسوس ہوئی اور تب میں پوری طرح ہوش میں آگیا اور مجھے سب کچھ یاد آگیا کہ میں اپنے فلیٹ میں داخل ہوا تھا۔دروازہ دلارے نے کھولا تھا لیکن جیسے میں چند قدم آگے بڑھا میرے اوپر پیچھے سے کسی نے حملہ کیا اور کوئی آہنی شے میرے سر پر ماری اور میں اس شدید ضرب کی وجہ سے چکراتا ہوا نیچے گر گیا۔نیچے گرنے سے قبل میں نے مڑ کر حملہ آور کو دیکھنا چاہا اور لمحہ بھر کو دیکھ بھی لیا۔وہ دو لوگ تھے پھر مجھے کوئی ہوش نہیں رہا۔

وہ کون لوگ تھے٬ میں نے حیرانی سے سوچا اور دلارے…؟ وہ یقیناً دلارے کے ساتھی تھے۔دلارے پر مجھے پہلے ہی شک تھا میں لیٹا ہوا یہی باتیں سوچ رہا تھا اچانک ایک خیال میرے دل میں آیا کہ میں اس وقت کہاں ہوں۔کہیں ان لوگوں نے مجھے اغوا تو نہیں کرلیا یہ سوچ کر میں نے تیزی سے

اٹھنے کی کوشش کی لیکن مجھے بڑی زور کا چکر آیا اور میں اٹھ نہ سکا۔میں ابھی تک مکمل اندھیرے میں تھا اور اپنے ارد گرد کا ماحول دیکھنے سے قاصر تھا۔

میں نے اپنے ہاتھوں کی مدد سے ٹٹول کر دیکھا تو اپنے آپ کو پکے فرش پر پایا پھر تھوڑی ہمت کرنے کے بعد میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اندھوں کی طرح اپنے دونوں ہاتھ سامنے کی جانب پھیلاتے ہوئے آہستہ آہستہ قدم اٹھانے لگا۔

یکایک میرا گھٹنا لکڑی کی میز سے ٹکرایا تو میں نے جھک کر مزید اِدھر اُدھر ہاتھ مارا تب میرا ہاتھ صوفے سے ٹکرایا اس کے ساتھ ہی ایک خوش گوار احساس ہوا کہ میں اغوا نہیں ہوا اور اپنے ہی گھر میں ہوں۔پھر اندازے سے میں اس دیوار کی جانب گھوما جہاں سوئچ بورڈ لگا ہوا تھا۔میرا ہاتھ سوئچ بورڈ سے ٹکرایا تو میں نے سارے بٹن پش کردیے اور سارا منظر روشن ہو گیا۔

حقیقت میں، میں اپنے ہی فلیٹ کے ڈرائننگ روم کے فرش پر پڑا ہوا تھا مجھے دلارے کا خیال آیا تو میں نے اسے دو تین آوازیں دیں مگر اس کی

جانب سے کوئی جواب نہ پا کر میں نے سارے فلیٹ کی لائٹس آن کیں اسے ہر جگہ دیکھا لیکن وہ گدھے کے سر سے سینگ کی مانند غائب تھا۔

باہر جانے والے دروازے کو میں نے دیکھا دروازہ لاک تھا اور چابی دروازے کے سامنے پڑی تھی۔اسے یقیناً باہر سے دروازہ لاک کرنے کے بعد دروازہ کے نیچے سے اندر سرکا دیا گیا تھا۔

میں نے وال کلاک میں ٹائم دیکھا صبح کے تین بج رہے تھے۔اس کا مطلب تو یہ تھا کہ میں کئی گھنٹے بے ہوش رہا تھا۔اپنی کیفیت سے مجھے یہ بھی اندازہ ہورہا تھا کہ میں صرف سر کی چوٹ کی وجہ سے اتنی گہری بے ہوشی کا شکار نہیں ہوا تھا بلکہ مجھے بعد میں بے ہوشی کی دوا یعنی کلوروفام سنگھا کر بے ہوش کیا گیا تھا۔

میں نے چابی اٹھائی اور دروازے کی اندر سے کنڈی بھی لگا دی اور اپنے بیڈ روم میں آکر بیڈ پر لیٹ گیا۔وہاں وہ شاپر بھی پڑا ہوا تھا جو میں اپنے ساتھ نواب کی کوٹھی سے لایا تھا۔جس میں صرف میرے پہننے کے کپڑے اور ضرورت کی اور دوسری اشیاء تھیں۔ان لوگوں نے نہ صرف میرے بیڈ روم کی

اچھی طرح سے تلاشی لی تھی تکیوں کے غلاف اتار کر تکیوں کو بھی کھول ڈالا تھا۔بیڈ کا گدا بھی اپنی جگہ سے ہٹا ہوا تھا اور شاپر کی بھی ایک ایک چیز باہر نکلی ہوئی تھی۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کون لوگ تھے اور انہیں میرے اس فلیٹ میں کس چیز کی تلاش تھی کہ انہوں نے ایک ایک چیز ادھیڑ ڈالی تھی میرا موبائل فون اور میرا پرس بھی موجود تھا۔

یہ بات تو کنفرم تھی کہ دلارے ایک پلاننگ کے تحت ایک احمق اور مظلوم لڑکا بن کر میرے فلیٹ میں گھسا تھا اور پھر غائب ہو گیا۔

کیا یہ نواب کے بندے تھے؟ میں نے خود سے سوال کیا۔تو جواب نفی میں آیا کہ نواب کو کیا ضرورت پڑی ہے وہ تو خود مجھ سے اپنے خصوصی کام لے رہا ہے۔تو پھر کیا یہ نواب جمشید کے بندے تھے جو میرے بارے میں کھوج لگانا چاہتے تھے لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہیں کسی چیز کی تلاش تھی۔

اگر یہ نواب جمشید کے بندے نہیں تھے تو پھر ایسا تیسرا شخص کون ہے جو میرے بارے میں جاننا چاہ رہا ہے۔

وہ کون ہے؟ یہ سوال اپنی جگہ موجود تھا اور میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کیا کروں، کیا اس بات کا ذکر گولی استاد سے کروں، میں نے سوچا لیکن پھر خیال آیا کہ نہیں مجھے ابھی انتظار کرنا ہے اور دیکھنا ہے یہ جو کوئی بھی ہے دوبارہ میرے سامنے ضرور آئے گا۔

میں نے بیڈ کو صحیح اور صاف ستھرا کیا اور لیٹ گیا سر میں اب بھی بہت تکلیف ہو رہی تھی میں تھوڑی دیر کے بعد اٹھا۔دودھ فرج سے نکال کر گرم کیا اور پین کلر لے کر دوبارہ لیٹ گیا۔میں فی الحال آرام کرنا چاہتا تھا اور بعد میں اس بارے میں سوچنا چاہتا تھا بلکہ سونے سے پہلے میں نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ اب مجھے یہاں نہیں رہنا چاہیے میں کل دوبارہ نواب کی کوٹھی چلا جاؤں گا۔

مجھے رہ رہ کر اپنے اوپر غصہ آرہا تھا کہ دلارے کے معاملے میں مجھ سے چوک کیسے ہو گئی۔گولی استاد نے بالکل ٹھیک کہا تھا کہ ہم جس لائن میں ہیں یہاں

کسی اجنبی کو ملازم بھی نہیں رکھ سکتے۔ کیا پتا کون کس روپ میں ہو اور میں یہ چوٹ کھا چکا تھا۔

اسی قسم کی باتیں سوچتے سوچتے میں غنودگی میں چلا گیا دوسرے دن صبح آنکھ کھلی تو سر کی تکلیف کم محسوس ہوئی میں نے ہاتھ ٹٹول کر سر کے زخم کا جائزہ لیا۔ شکر تھا کہ گہرا زخم نہیں آیا تھا اتنا کہ ٹانکے وغیرہ لگانے کی ضرورت محسوس ہوتی میں نے سوچا کہ ابھی باہر جا کر میڈیکل اسٹور سے دوا لا کر خود لگا لوں گا۔ مگر اس سے پہلے مجھے غسل کرنا تھا اور ناشتا کرنا تھا مجھے بہت زور کی بھوک لگ رہی تھی۔

کپڑے میں ساتھ لے آیا تھا میں نے غسل کیا اور کپڑے تبدیل کیے اس ٹی شرٹ کا کالر اور گلے کا تھوڑا سا حصہ خون لگنے کی وجہ سے خراب ہو گیا تھا۔ میں نے اس ٹی شرٹ کو بھی دھو کر ڈال دیا۔

کچن میں آیا تو ناشتے کا سامان موجود تھا۔ انڈے، ڈبل روٹی اور دودھ سب کچھ فرج میں موجود تھا۔ میں نے آدھا جلا آدھا کچا انڈا بنایا اور پھر صرف سلائس پر بٹر لگا کر کھایا کیونکہ انڈا اس قابل ہی نہیں تھا کہ اسے کھایا جاتا۔ مجھے کبھی

بھی کچن کے کاموں کا اتفاق ہی نہیں ہوا تھا۔ اس لیے ان کاموں میں، میں بالکل ہی صفر تھا۔

ناشتا کر کے فارغ ہی ہوا تھا کہ میرے سیل کی بیل پھر گنگنا اٹھی میں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ گولی استاد کا فون ہوگا فون ہاتھ میں اٹھایا لیکن نمبر پر نگاہ پڑی تو میں چونک پڑا۔ فون کی اسکرین پر نواب سطوت کا پرسنل نمبر تھا۔ میں نے جھٹ فون آن کر کے کان سے لگا لیا۔

”کیسے ہو؟“ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی اس نے پوچھا۔

”بالکل ٹھیک ٹھاک۔“ میں نے اپنے لہجے میں بشاشت پیدا کرتے ہوئے جواب دیا۔

”سب کچھ واقعی ٹھیک ہے، کوئی غیر معمولی بات تو نہیں ہوئی۔“ نواب نے محتاط لہجے میں پوچھا۔

اس کا یہ سوال سن کر میں بری طرح چونک پڑا۔ میرے دل و دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ میں نے سوچا کہ اسے کیسے اس بات کا علم ہوا کہ میرے ساتھ کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہے۔ کہیں یہ سب نواب ہی کا تو کیا

دھرا نہیں ہے۔اس خیال کے آتے ہی میں نے ایک فیصلہ کرنے میں لمحہ بھی نہیں لگایا کہ محترم نواب سطوت صاحب اگر آپ ہوشیار ہیں تو شمروز بھی ڈیڑھ ہوشیار ہے میں نے اپنے لہجے میں حیرانی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

”کیسی غیر معمولی بات سر؟ میرے خیال میں تو سب ٹھیک ٹھاک ہی رہا۔میں نے اپنا کام اچھی طرح سے انجام دیا اور یہاں آکر سو گیا۔بس ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی اٹھا ہوں۔کیا آپ کو میرے حوالے سے کوئی اطلاع ملی ہے... غیر معمولی واقعے کی...!“ میں نے آخری فقرہ معنی خیز لہجے میں ادا کیا۔

”ارے نہیں، نہیں۔“ نواب نے جلدی سے کہا۔”میں تو بس اپنا اطمینان حاصل کرنا چاہ رہا تھا کہ کل سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہا نا تم کہہ رہے ہو تو سب ٹھیک ہی ہوگا۔اب تم ایسا کرو کہ کل کسی وقت بلکہ...!“ اس نے چند لمحے سوچا پھر بولا۔”تم ایسا کرو کہ کل چار بجے شام میرے پاس آجاؤ‘ میں سرجانی ٹاؤن روحانی سینٹر پر ہوں۔وہیں ملاقات ہوگی اور ہم کام کی بات بھی کرلیں گے

اس کے علاوہ

تمہاری اس شاندار کارکردگی کا تمہیں معاوضہ بھی تو دینا ہے۔“

”میرا معاوضہ آپ کا مجھ پر اعتماد ہے سر‘ مجھے روپے پیسے کی ضرورت نہیں ہے۔آپ کا دست شفقت میرے سر پر ہے اتنا ہی کافی ہے مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔“ میں نے اپنے لہجے میں حد درجہ انکساری پیدا کرتے ہوئے اور در حقیقت چاپلوسی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

”گڈ۔“ حسب عادت اس نے خوش ہو کر کہا۔”تمہاری یہی سعادت مندی تو مجھے بہت پسند ہے لیکن پھر بھی شمروز ہر انسان کی اپنی ذاتی بہت سی ضروریات ہوتی ہیں اور انہیں پورا کرنے کے لیے اسے بہرحال رقم کی ضرورت تو پڑتی ہے وہ رقم تمہارا جائز حق بنتا ہے اور وہ میرے پاس تمہاری امانت ہے۔“

”تو پھر ایسا کریں سر...!“ اتنا کہہ کر میں رک گیا۔

”ہاں‘ ہاں بولو شمروز تم رک کیوں گئے۔“ نواب نے کہا۔

”مجھے آپ سے رقم لینا اچھا نہیں لگے گا آپ وہ رقم میرے اکاؤنٹ میں جمع کروادیں۔“ میں شرمندہ لہجے میں کہا۔

"چلو یہ ٹھیک ہے تم ایسا کر کہ اکاؤنٹنٹ ریاض کو اپنا اکاؤنٹ نمبر لکھوا دو آئندہ تمہارے حصے کی جو بھی رقم ہوگی وہ اس اکاؤنٹ میں جمع کروا دی جائے گی اور تمہیں اس کی اطلاع بھی دے دی جائے گی۔" نواب نے کہا اور فون بند کردیا۔

میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ نواب یہ کون سی چال میرے ساتھ چل رہا ہے اگر وہ مجھ سے کام لے رہا ہے تو دوسرے بندوں سے مجھے زد و کوب کیوں کروایا یا پھر یہ بھی ہوسکتا کہ میں نواب کے بارے میں غلط سوچ رہا ہوں کہ وہ بندے نواب کے بھیجے ہوئے تھے ہوسکتا ہے کہ وہ یہ بات جاننا چاہ رہا ہو کہ میرا پیچھا تو کسی نے نہیں کیا یا پھر مجھے آنے اور جانے میں کسی رکاوٹ کا سامنا تو نہیں کرنا پڑا۔

مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ ایک بار پھر مجھے نواب کے اس "روحانی سینٹر" میں جانے کا موقع مل رہا ہے۔میں چاہتا تھا کہ مجھے زیادہ سے زیادہ اس کے روحانی سینٹر میں جانے کا موقع ملے میں وہاں کچھ وقت گزاروں تاکہ وہاں سے نواب کی زندگی سے جڑے کئی اور راز میرے علم میں آجائیں اس شخص نے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اپنے اوپر مختلف شخصیات کے کئی غلاف چڑھا رکھے تھے کئی پردے میں سرکا کر دیکھ چکا تھا۔ایک آدھ پردہ خود اس نے اٹھا دیا تھا۔

یہ سب سوچتے سوچتے مجھے اس کے گاؤں شاداب نگر کا بھی خیال آیا۔وہ جو اس کی آبائی حویلی ہے وہاں اس کی فیملی آباد ہے اس کی خاندانی بیوی ہے اور ایک بیٹی بھی موجود ہے کاش ایسا ہو کہ میں اس کی حویلی میں بھی کسی طرح داخل ہوسکوں۔بظاہر تو یہ کام تقریباً ناممکن دکھائی دیتا ہے لیکن کہتے ہیں نا کہ اگر ہمت کرے انسان تو کوئی کام بھی نا ممکن نہیں ہوتا اگر اللہ چاہے اور اللہ میری نیت اور جذبے سے اچھی طرح سے واقف ہے کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں ایک شیطان جو انسانوں کے بیچ رحمان کا روپ دھار کر بیٹھا ہے میں اسے سب کے سامنے بے نقاب کرسکوں‘ مجھے پوری امید تھی کہ جس کی نیت اچھے کام کی ہو اللہ اس کی مدد ضرور کرتا ہے۔

میں کل شام چار بجے تک کے لیے فارغ ہی تھا۔میرے پاس کرنے کے لیے کوئی خاص کام تو نہیں تھا بس یہ سوچ رہا تھا کہ باہر نکلوں‘ میڈیکل اسٹور سے سر کی چوٹ پر لگانے کے لیے کوئی دوا وغیرہ لے کر آؤں اور اینٹی بایوٹک

بھی لے لوں لیکن باہر نکلنے سے پہلے میں نے سوچا کہ سرمئی کو فون کر کے حشام کی خیریت معلوم کرلوں کتنے دن گزر گئے میں نے سرمئی کو ایک فون بھی نہیں کیا۔وہ بھی کیا سوچتی ہوگی میرے بارے میں کہ بھائی کیسے ہیں اپنی بہن ہی کو بھول گئے۔سرمئی تو وہ لڑکی تھی جس نے میرے دل کے زخموں پر اپنی محبت کا پھایا رکھا تھا؟ اس کو پا کر میں فائزہ کے غم کو بھولنے لگا تھا۔

میں نے سرمئی کا فون ملایا تو بیل ہوتی رہی اور اس نے فون ریسیو نہیں کیا میں فون کاٹنے ہی والا تھا کہ اس نے فون ریسیو کرلیا۔اس کے بے زار سے لہجے میں آواز سنائی دی۔

”ہیلو‘ جی کہیے...!“

میں لمحہ بھر کو عجیب سا ہو گیا کیونکہ پہلے کبھی بھی ایسا نہیں ہوا تھا۔میں جب بھی اسے فون کرتا تھا تو وہ ہمیشہ بہت خوش گوار لہجے میں مجھے سلام کرتی تھی۔خیریت پوچھتی تھی لیکن آج... خیر...!

”کیسی ہو گڑیا‘ تم بھی سوچ رہی ہوں گی کہ کیسا بھائی بنا ہے بہن ہی کو بھول گیا‘ دراصل...!“

”جی مجھے معلوم ہے آپ بہت بزی ہوں گے‘ ویسے بتائیں کیوں فون کیا ہے کوئی کام تھا مجھ سے...!“ اس نے میری بات کاٹ کر سابقہ لہجے میں کہا۔

”کیسی باتیں کر رہی ہو گڑیا‘ مجھے بھلا تم سے کیا کام ہوسکتا ہے۔میں نے حشام کی خیریت معلوم کرنے کے لیے فون کیا تھا‘ کیسا ہے وہ...!“ میرے لہجے میں ہلکے سے دکھ کی آمیزش تھی۔

”وہ ٹھیک ہے کچھ اور پوچھنا ہے آپ کو‘ میں اس وقت بہت مصروف ہوں پھر بات ہوگی اللہ حافظ۔‘ اس نے خشک لہجے میں کہا۔

”لگتا ہے میری گڑیا مجھ سے بہت ناراض ہے۔آئی ایم سوری گڑیا‘ اپنے بھائی کو معاف کردو۔میں انشاء اللہ جلد تمہارے پاس آؤں گا۔“ مجھے لگا وہ مجھ سے بہت زیادہ ناراض ہے۔اس لیے اسے مناتے ہوئے اپنے لہجے میں ڈھیر سارا پیار سمو دیا۔

”نہیں۔“ اس نے تیزی سے کہا۔”اور یہ کیا آپ نے گڑیا‘ گڑیا کی رٹ لگا رکھی ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ میرا نام سرمئی ہے... سرمئی... پلیز مجھے میرے نام سے مخاطب کریں۔“ اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"اچھا سرمئی صاحبہ' اب ناراضگی ختم کریں اور اپنے بھیا کو معاف بھی کردیں۔ دراصل میں تم سے اور طلال انکل اور کرنل مشتاق سے ملنا چاہ رہا تھا کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا پھر سنجیدہ لہجے میں آخری جملہ کہا۔

"کرنل مشتاق اور طلال انکل بہت بزی ہیں فی الحال کسی سے نہیں مل سکتے اور میں بھی مصروف ہوں اس لیے فی الحال آپ زحمت نہ ہی کریں۔"
سرمئی نے ایک بار پھر سخت اور روکھے لہجے میں کہا تو میں نے سوچا کہ سرمئی کے ذریعے ہی یہ بات کرنل مشتاق اور طلال انکل تک پہنچادوں کہ کل رات نواب نے میرے ذریعے ایک لفافہ کچی بستی کی مسجد کے پیش امام قاری ممتاز بیگ تک پہنچایا ہے اور وہ شخص مجھے سو فیصد مشکوک لگا ہے اس لیے کہا۔

"ٹھیک ہے سرمئی میں جانتا ہوں کہ وہ دونوں واقعی بہت مصروف ہوں گے لیکن تم تو میرا پیغام ان تک پہنچا سکتی ہو نا بات دراصل یہ ہے کہ...!"

"سوری۔ میں نے کہا نا کہ میں بھی بہت بزی ہوں' اللہ حافظ۔"

سرمئی نے میری بات سنے بغیر تیزی سے کہا اور فون بند کردیا اور میں حیران اور پریشان فون کو گھور رہا تھا۔ سرمئی کا یہ اکھڑا اکھڑا رویہ میری سمجھ سے بالا تر تھا۔ سرمئی لاکھ مصروف سہی لیکن وہ اس قدر بد اخلاقی کا مظاہرہ میرے ساتھ کس طرح کرسکتی ہے اس کی باتوں اور لہجہ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے بات کرنا ہی نہیں چاہ رہی تھی اور اس کی یہ ناراضی کوئی عام بہن بھائی والی ناراضی نہیں تھی یقیناً کوئی بھید ہے اس کے پیچھے یا کوئی بہت بڑی بد گمانی ہے میری جانب سے' لیکن ہمارے درمیان ایسا کون ہے جو اتنی بد گمانی پیدا کرسکتا ہے آخر بات کیا ہے' میرا دماغ بری طرح چکرا رہا تھا۔ ابھی میں ایک کلیہ کو سمجھ نہیں پایا تھا کہ سرمئی کی بد گمانی اور ناراضی سامنے آگئی۔ یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا میرا سر بری طرح دکھنے لگا اور میں اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گیا۔

بہت ساری چکرا دینے والی سوچیں آئیں تو میرے سر میں شدید درد شروع ہو رہا تھا سر کے زخم میں بھی تکلیف ہونے لگی۔ مجھے جلد از جلد دوا لینی چاہیے۔

پھر میں سیدھا کلفٹن چلا جاؤں گا اور کل تک وہیں رکوں گا مجھے نواب نے اپنے ایسے ہی کسی "خاص کام" سے بلوایا ہے اور میرا وہاں جانا ضروری ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ آج رات بھی میرے ساتھ کوئی اور انہونی ہوجائے اور میں ایک اہم بات جاننے سے محروم رہ جاؤں میں نے سوچا کہ نواب کے اس کام سے فارغ ہو کر سیدھا سرمئی سے جا کر ملوں گا تاکہ معلوم تو ہو کہ وہ میرے ساتھ ایسا رویہ کیوں اپنا رہی ہے اسے کسی وجہ سے میری جانب سے بدگمانی ہوگئی ہے۔میں نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور جیب میں ہاتھ ڈالا تو احساس ہوا پرس بالکل خالی تھا۔سرمئی سے تو میں نے لائن ریڈ پر بات کرلی تھی۔میں دوا کہاں سے لوں گا۔اس لیے میڈیکل اسٹور جانے کا ارادہ ترک کیا اور سیدھا کلفٹن جانے کا سوچا وہاں الماری میں میرے پاس اچھی خاص رقم موجود تھی جو چند دن پہلے ہی نواب نے دی تھی اور میں نے ایسی ہی کسی اشد ضرورت کی وجہ سے بینک میں جمع نہیں کروائی تھی۔

آج صبح گولی استاد کو بھی میرے پاس آنا تھا اور وہ آنے سے پہلے میرے موبائل فون پر فون کر رہا ہوگا تو یقیناً اسے کوئی جواب نہیں ملا ہوگا۔اس بنگلے

کے پی ٹی سی ایل نمبر کا اسے علم نہیں تھا۔پہلے تو میں نے سوچا کہ اسے فون کر کے ساری بات بتادوں۔پھر خود ہی اپنا ارادہ رد کردیا اور چابی اٹھا کر فلیٹ سے باہر آگیا۔میں نے دروازہ لاک کیا اور آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترنے لگا۔سیڑھیاں اترنے سے میرے سر میں دھمک سی پیدا ہو رہی تھی۔

جیسے ہی میں ایک زینہ طے کر کے دوسر زینے کی جانب بڑھا کسی سے میری ٹکر ہوگئی۔وہ ایک سفید داڑھی والے بزرگ تھے۔

"سوری بیٹا۔" بزرگ نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔لیکن میرے قدم ایک دم ہی رک گئے اور میں نے بے ساختہ تیزی سے واپس آکر اس بزرگ کو دیکھنا چاہا لیکن وہ تو کسی جوان آدمی کی مانند تیزی سے دو دو سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اوپر کی جانب جا رہا تھا۔میں اس کی جانب سے پوری طرح مشکوک ہوچکا تھا وہ شخص تھا تو بوڑھا لیکن اس کی زبان سے بے ساختہ جو "سوری بیٹا" ادا ہوا تھا وہ کسی جوان کی کراری آواز اور لہجہ تھا اور پھر اس کا ایک جوان کی طرح تیزی سے سیڑھیاں پھلانگنا۔

میں بھی اسی تیزی کے ساتھ واپس ہوا اور تیزی سے دو دو سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اوپر جانے لگا میں چھت تک سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا لیکن وہ بوڑھا کسی چھلاوے کی مانند غائب ہوچکا تھا۔شاید میں نے اس کے پیچھے جانے کا فیصلہ کرنے میں دیر کردی تھی۔اس شخص کا تعلق یقیناً ان لوگون سے تھا جنہوں نے کل رات میری خاطر تواضع کی تھی اب میں یہاں ایک منٹ کے لیے بھی نہیں رک سکتا تھا۔کیونکہ یہاں میرے لیے خطرہ ہی خطرہ تھا۔یہی بات سوچ کر میں دوبارہ تیزی سے سیڑھیاں اترتا ہوا بلڈنگ کے بیسمنٹ میں آگیا۔

یہاں پارکنگ تھی میں اس وقت اپنے سر کا درد وغیرہ سب بھول چکا تھا اور جلد از جلد کلفٹن نواب کی کوٹھی پہنچ جانا چاہتا تھا۔حقیقت تو یہی تھی کہ وہی کوٹھی میرے لیے محفوظ اور آخری پناہ گاہ تھی۔

روڈ پر گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے میں پوری طرح ہوشیار تھا اور اپنے ارد گرد آگے پیچھے دیکھتا ہوا جا رہا تھا کہ کہیں کوئی کار کوئی بائیک میرا تعاقب تو نہیں کر رہی لیکن ایسا نہیں تھا میں آرام سے کلفٹن والی کوٹھی پر پہنچ گیا اور سب سے پہلے سلمان کو اپنے پاس بلایا۔

میں اپنے کمرے میں لیٹا اس کا انتظار کر رہا تھا تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد وہ آیا اور آتے ہی طنزیہ لہجے میں بولا۔

”اوہ... تو آگئے آپ... اکیلے اکیلے خوب عیش ہو رہے تھے اور مجھ سے کیا گیا اپنا وعدہ بھول گئے تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ...!“

”ارے یار میں کوئی عیش ویش نہیں کر رہا تھا نواب صاحب نے کچھ کام بتائے تھے بس انہیں ہی پایہ تکمیل تک پہنچا رہا تھا کل رات میرے ساتھ ایک چھوٹا سا حادثہ بھی پیش آگیا۔“ میں اس کا مطلب سمجھنے کے بعد بولا۔

”کیا حادثہ؟“ وہ چونک پڑا۔

”کل کچھ لڑکوں نے مجھ سے میرا پرس چھین لیا۔“ میں نے جھوٹ بولا۔

”چھین لیا اور وہ بھی تم سے... حیرت ہے اور تم نے آسانی سے چھیننے دیا ارے کیا چوڑیاں پہن رکھی تھیں ٹپکا دیتے سالوں کو۔“ سلمان نے کہا۔

”اس کا تو موقع ہی نہیں مل سکا میں ایک ریسٹورنٹ سے نکل کر اپنی گاڑی تک جا رہا تھا راستے میں ذرا اندھیرا سا تھا بس پیچھے سے کسی نے کوئی چیز زور

سے میرے سر پر ماری میں چکرا کر نیچے گر پڑا اور شاید بے ہوش بھی ہو گیا تھوڑی دیر بعد ہوش آیا تو پرس میرے پاس سے غائب تھا۔“ میں نے جھوٹی کہانی گھڑ کر سنائی۔

”کون سا ریسٹورنٹ تھا علاقے کا نام بتاؤ، ابھی معلوم کرلیتے ہیں کہ اتنی بڑی جرأت کس سالے نے کی ہے۔“ سلمان نے پر جوش لہجے میں کہا۔

”چھوڑو یار کون سی دولت لٹ گئی ہے لیدر کا پرس ہی تو تھا اور پرس میں بھی زیادہ نہیں دس پندرہ ہزار کی رقم تھی۔“ میں نے کہا۔

”بات دولت کی نہیں، عزت کی ہے یار، میں تو...!“ وہ مزید جوش میں آکر بولا۔لیکن میں نے اس کی بات کاٹ دی اور کہا۔

”تم صرف اتنا کرو کہ میرے سر میں لگی اس چوٹ کے لیے کچھ انتظام کرو میں دوائیں لکھ دیتا ہوں تم وہ منگوا دو اور ہاں مجھے فوری طور پر ایک موبائل فون اور نئی سم بھی چاہیے۔“

”وہ تو میں ابھی منگوا دیتا ہوں لیکن...!“

”لیکن ویکن چھوڑو۔“ میں نے کہا اور اسے دوا لکھ کر دے دی۔

سلمان مجھ سے دوا کر پرچہ لے کر اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ وہ ابھی تھوڑی دیر میں میری مطلوبہ چیزیں لے کر آتا ہے۔

میں بیڈ پر لیٹ کر اپنے ساتھ پیش آنے والے یکے بعد دیگرے گزشتہ حالات پر غور کرتا رہا۔مجھے ان تمام حالات کے علاوہ جو میرے ساتھ پیش آچکے تھے سرمئی کے اس ناروا سلوک کا احساس ہو رہا تھا میرا اللہ ہی اس بات کا گواہ ہے کہ سرمئی کے لیے میرے دل میں کیا جذبات اور احساسات ہیں۔میں ہمیشہ پیار سے اسے گڑیا کہا کرتا تھا اور اس نے بھی کبھی اس بات پر اعتراض نہیں کیا لیکن آج، آج اس نے میرے گڑیا کہنے پر کتنا برا منایا تھا اس بات کا پتا تو مجھے سرمئی سے مل کر ہی لگ سکتا تھا۔میں جلد ہی سرمئی سے ملوں گا میں نے فیصلہ کرلیا۔

مجھے اس طرح لیٹے ہوئے تقریباً آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا۔تب ہی سلمان آگیا اس کے ساتھ ایک شخص اور تھا میرے استفسار پر اس نے بتایا کہ یہ فرحان ہے تمہارے زخم کی ڈریسنگ کر دے گا۔

”ارے یار میں خود کرلیتا۔“ میں نے کہا۔

"تمہارے سر کے پچھلے حصے میں زخم ہے تم کیسے ڈریسنگ کرلیتے جبکہ تم تو اس زخم کو دیکھ بھی نہیں سکتے۔" فرحان نے کہا اور زخم کا معائنہ کرنے لگا اور بولا۔

"زخم بہت زیادہ گہرا نہیں ہے۔"

"مجھے معلوم ہے' میں نے ہاتھ لگا کر اس بات کا اندازہ کرلیا تھا۔" میں نے کہا۔

"اوہو' لگتا ہے ڈاکٹر صاحب ہو۔" فرحان نے طنزیہ لہجے میں کہا تو میں قہقہہ لگا کر ہنس پڑا میرے ساتھ وہ دونوں بھی ہنسنے لگے میں نے مزید کچھ نہیں کہا اور فرحان کو اس کا کام کرنے دیا۔پھر دوائیں دیکھ کر بولا۔

"ارے واہ تم نے تو یہ اینٹی بائیوٹک بھی بالکل ٹھیک منگوائی ہیں تمہیں کیسے پتا کہ زخم کو خشک کرنے کے لیے یہی دوائیں کھائی جاتی ہیں۔" اس مرتبہ اس کے لہجے میں ہلکی سی حیرت کی آمیزش تھی۔

"وہ اس لیے کہ مجھے ایسے زخم عموماً لگتے رہتے ہیں اور میں یہی دوائیں لیتا ہوں۔' 'میں نے کہا۔

"اچھا' اچھا اب میں سمجھا۔" اس نے مطمئن لہجے میں کہا اور چلا گیا۔

"اگر تم کہو تو تمہارے لیے یخنی وغیرہ بنوادوں تمہیں کمزوری محسوس ہو رہی ہوگی خون بھی تو نکلا ہوگا۔" سلمان نے ازراہ ہمدردی کہا۔

"کمزوری۔" میں ہنس پڑا اور کہا "اچھا ٹھیک ہے بنوادو۔"

وہ تمام دن میں نے اپنے کمرے میں گزارا۔سلمان میرے لیے نیا موبائل اور سم بھی لے کر آگیا۔میں نے نواب کو نیا نمبر دے دیا اور سرمئی کے نمبر پر بھی ٹیکسٹ کردیا میں اب اپنا پرانا نمبر استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔

نواب سے ملاقات کل چار بجے کرنی تھی۔میرے پاس آج کی پوری رات تھی۔میں جی بھر کر آرام کرنا چاہتا تھا۔اس لیے سوچ رہا تھا کہ اعصاب کو ریلیکس کرنے والی ٹیبلیٹ بھی لے لیتا ہوں تاکہ رات پرسکون گزر جائے۔میں سونے کی تیاری کر کے بیڈ پر دراز ہو گیا سر میں اب درد برائے نام تھا۔دوا نے کام کر دکھایا تھا رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے کوٹھی میں بھی چہل قدمی معدوم ہوچکی تھی۔سناٹا ہی تھا جب نواب کوٹھی میں موجود ہوتا تھا تو یہاں

تمام گارڈز جاگتے رہتے اور نگرانی کرتے رہتے تھے لیکن جب نواب موجود نہیں ہوتا تھا تو تمام لوگ ریلیکس رہتے تھے۔

میں ابھی ہلکی غنودگی ہی میں تھا تب مجھے ہلکی سی آہٹ محسوس ہوئی میں نے جھٹ آنکھیں کھول دیں اور پوری طرح الرٹ ہو گیا۔

وہ جو کوئی بھی تھا بہت احتیاط اور آہستگی سے اندر آیا تھا اندھیرے میں مجھے صرف اس کا ہیولہ ہی دکھائی دیا۔اس نے اندر آکر دروازہ بہت احتیاط سے بند کردیا۔میں بیڈ پر آنکھیں کھولے لیٹا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ وہ آنے والا میرے ساتھ کیا کرنے والا ہے۔

اس ہیولے پر میری آنکھیں جمی تھیں۔وہ بیڈ کے نزدیک آرہا تھا میں پوری طرح اسے دبوچنے کے لیے تیار تھا۔وہ میرے بیڈ کے نزدیک آکر رکا پھر میرے اوپر جھکنے لگا میں اسپرنگ کی طرح بیڈ سے اچھلا اور اس کو چھاپ لیا اور دوسرے ہی لمحے وہ میرے مضبوط جسم کے نیچے دبا ہوا تھا۔

”کون ہو تم؟ اور چوروں کی طرح میرے کمرے میں کیوں آئے ہو۔“ میں نے کروٹ کے بل لیٹے اس انسانی وجود سے غضبناک لہجے میں پوچھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”ارے بابا چھوڑو مجھے میں راکھی ہوں۔“ اس نے پھنسی پھنسی آواز میں بمشکل کہا تو میں نے جھٹ اس کو چھوڑ دیا اور پیچھے ہٹ گیا پھر تیزی سے میرا ہاتھ سوئچ بورڈ کی جانب بڑھا اور میں نے لائٹ آن کردی۔

ٹیوب لائٹ کی دودھیا روشنی میں، میں نے راکھی کو اپنے بیڈ پر پڑے ہوئے دیکھا۔اس نے رات کو سونے والا لباس پہن رکھا تھا۔وہ اپنے عریاں بازو بری طرح مسل رہی تھی۔

”تم... تم اس وقت...! کیا کرنے آئی ہو اور یہ کیا طریقہ ہے کمرے میں آنے کا؟“ میں نے غصے سے کہا۔

”لیکن اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور بدستور اپنے بازو اور کمر دباتی رہی پھر منہ بناتے ہوئے بولی۔

”تم نے میری ہڈیوں کا سرمہ بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔جنگلی کہیں کے، کتنا فولاد ہے تمہارا جسم۔“ اس نے پیار بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور بیڈ سے اتر کر میرے نزدیک چلی آئی۔ پھر میرے بازو اور سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

"کتنا مزہ آتا ہے جب تمہارے یہ فولادی بازو میرے اس نرم و نازک وجود کو جکڑ لیتے ہیں کتنے ظالم اور بے مروت ہو تم۔ذرا حساب تو لگاؤ کہ کتنے دن ہوگئے ہیں تم سے ملاقات ہوئے اور نا تمہارا قرب ملا' اب تو پیاس کے مارے حلق تڑخنے لگا ہے۔" یہ کہہ کر وہ میرے گرد دونوں بازو پھیلا کر سینے سے لگ گئی اور بوسے لینے لگی۔

"ہوش میں آؤ راکھی یہ تم کیا کر رہی ہو؟" میں نے تیزی کے ساتھ اس کو خود سے جدا کردیا۔

"میں بھلا ہوش میں کیسے رہ سکتی ہوں۔تم جو اتنے دور ہو' پلیز شمروز اتنی بے مروتی تو نہ دکھاؤ' کچھ تو میرا خیال کرو یاد کرو تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ...!"

"بس۔" میں نے سختی کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا۔

"کیا ہوگیا ہے بھئی۔" اس نے حیرت سے کہا۔

"میں نے نیند کی دوا لی ہوئی ہے میں سونا چاہتا ہوں تم اب جاؤ کل صبح بات کریں گے۔" میں نے دروازے کی جانب ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو شمروز۔مجھ سے بگاڑ کر رکھو گے تو نقصان میں رہو گے۔" اس نے ڈھٹائی کے ساتھ میرے بیڈ پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیسا نقصان؟" میں نے بے ساختہ پوچھا۔

"میں کیوں بتاؤں' جب نقصان اٹھا لو گے تو خود ہی پتا چل جائے گا۔" اس نے کہا اور بیڈ پر لیٹ گئی۔کچھ اس طرح کہ اس کی ٹانگیں بیڈ سے نیچے لٹک رہی تھی اور دھڑ بیڈ کے اوپر تھا اس نے بے حیائی کے انداز میں اپنے دونوں بازو سر کے پیچھے کر رکھے تھے۔اس طرح کرنے سے اس کے لباس کے سامنے والے حصے کے بٹن کھلنے لگے تھے۔میں اس کے جسم سے نگاہیں چراتے ہوئے بیڈ کے سائیڈ میں رکھے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا ہے شرافت کے ساتھ اٹھ کر بیٹھو پھر بات کرو۔"

"بس ہوگئے چت۔" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔پھر گردن موڑ کر میری جانب دیکھا اور میرے برابر میں آکر بیٹھ گئی اور میری جانب مسکراتے ہوئے دیکھنے لگی بالکل ایسے جیسے وہ اس ساری سچویشن کو بہت انجوائے کر رہی ہو۔

"اب بتاؤ تم کیا کہہ رہی تھیں۔" میں نے اپنی پیشانی کو دو انگلیوں سے مسلتے ہوئے پوچھا۔

"سوری۔ تمہیں میرا یہاں آنا برا لگا ہے نا تو میں جا رہی ہوں پھر شکایت نہ کرنا کہ راکھی نے دوست ہوتے ہوئے بھی تمہیں اندھیرے میں رکھا۔" اس نے کہا اور اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

"پلیز بیٹھو۔" میں نے نرم لہجے میں مسکرا کر کہا اور اس کا ہاتھ تھام لیا تو وہ فوراً بیٹھ گئی۔ پھر بے تابی سے اپنے دونوں بازو میرے گلے میں حمائل کیے اور من مانی میں مصروف ہوگئی۔ میں دل ہی دل میں لاحول پڑھنے لگا اور دعا کرنے لگا کہ اللہ پاک تو مجھے اس شیطان کی خالہ کے شر سے محفوظ رکھ۔

مجھے اس وقت وہ ایک جنسی بلی کی طرح لگ رہی تھی اس سے پہلے کہ وہ مزید آگے بڑھتی اور میں اپنے ضبط کے امتحان میں فیل ہوجاتا میں نے اسے خود سے جدا کیا اور نرم لہجے میں کہا۔

"یہ سب بعد میں کرلینا پہلے بات تو بتاؤ۔"

میں اس سے اس لیے ضد کر رہا تھا کہ مجھے معلوم تھا کہ وہ اس کوٹھی میں دن رات رہتی ہے اسے نواب سے وابستہ بہت سی باتوں کا علم ہوتا ہے بہت ممکن ہے کہ اس وقت بھی اس کے پاس میرے لیے

کوئی اہم خبر ہو۔

میرے ہٹانے سے وہ صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور گہرے گہرے سانس لینے لگی اور اشارے سے پانی مانگا۔

میں نے اسے فرج سے بوتل نکال کر ٹھنڈا یخ پانی پلایا۔ وہ گلاس ہاتھ میں لے کر گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔ اس کی نگاہیں کسی ایک نقطے پر مرکوز تھیں۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

میں نے اپنے لیے بھی ایک گلاس پانی نکالا اور پینے لگا میں اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی یکلخت ہی وہ مجھے ذرا دیر پہلے والی راکھی سے یکسر مختلف لگنے لگی۔ میں پل پل رنگ بدلتی اس عورت کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اسے سوچ میں ڈوبا رہنے دیا اور اسے ڈسٹرب نہیں کیا گلاس خالی کر کے اس نے صوفے پر لڑھکا دیا اور بولی۔

"بہت ضدی ہو ہمیشہ پہلے اپنی ہی منواتے ہو۔"

"ہوں۔" میں نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہنکاری بھری اور کہا۔"اس لیے کہ مجھے تمہاری دوستی اور چاہت پر مان ہے۔جانتا ہوں کہ تم میرے ساتھ ساری دنیا سے زیادہ مخلص ہو کبھی بھی میرے ساتھ برا ہونے نہیں دو گی۔"

"واقعی، تم سچ کہہ رہے ہو کیا تمہیں میری دوستی اور چاہت کا اتنا پختہ یقین ہے۔"

اس نے خوش ہو کر غیر یقینی لہجے میں کہا۔

"تمہاری جان کی قسم۔" میں نے اس کے قریب بیٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر سہلاتے ہوئے کہا تو اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک لہرانے لگی۔اس لمحے میں نے غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔مجھے اس کی بڑی بڑی آنکھوں کے گرد گہرے سیاہ حلقے دکھائی دیے تب میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا کوئی پریشانی ہے لگتا ہے ساری ساری رات جاگتی رہتی ہو۔تمہاری آنکھوں کے گرد کتنے گہرے سیاہ حلقے بن گئے ہیں۔ان کی وجہ سے تمہاری آنکھوں کی خوب صورتی متاثر ہو رہی ہے۔" میں اسے پوری طرح اپنی مٹھی میں لے چکا تھا۔

"تم ٹھیک سمجھے ہو شمروز، واقعی بات پریشانی کی ہے۔" اس نے بہت دھیمے لہجے میں دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا میں نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا اور اشارے سے اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے وہ دروازے کی جانب کیوں دیکھ رہی ہے تواس نے اشارے ہی میں جواب دیا کہ میں باہر جھانک کر جائزہ لوں کہ کہیں کوئی باہر تو موجود نہیں ہے۔میں تیزی سے اٹھا اور آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر نکلا تو گارڈ اطہر کو جاتے ہوئے دیکھا۔

میں فوری طور پر اندر ہوا اور دروازہ بند کردیا پھر لائٹ آف کر کے راکھی کا ہاتھ تھام کر کمرے کے بیچوں بیچ بچھے اپنے جہازی سائز بیڈ پر لے آیا اور راکھی کے کان میں سرگوشی میں کہا۔

"ہاں میں نے باہر اطہر کو جاتے ہوئے دیکھا تھا آخر بات کیا ہے؟"

"کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ اطہر نواب کا مخبر ہے۔کوٹھی میں کون آیا کون گیا اور کب کیا ہوا اس بات کی پل پل کی خبر یہ نواب کو دیتا ہے۔میں بڑی مشکل سے اس سے نگاہ بچا کر تمہارے پاس آتی ہوں۔اس کو قطعی اس بات کا علم نہیں ہونا چاہیے کہ میں اس وقت تمہارے پاس آئی ہوں۔" راکھی نے سرگوشی میں کہا۔

"تمہیں کس بات کا ڈر ہے۔" میں نے پوچھا۔

"تم یہ بات کیوں بھول رہے ہو کہ کئی سال نواب نے اس کوٹھی میں مجھے اپنی داشتہ بنا کر رکھا ہے لیکن اب اس کا مجھ سے دل بھر چکا ہے وہ اب مجھ منہ نہیں لگاتا لیکن وہ اس بات کو بھی پسند نہیں کرتا کہ میں کسی اور کو منہ لگاؤں' وہ خبیث بڈھا جوان لڑکیوں کے جذبات سے کھیلتا ہے اور انہیں تشنہ چھوڑ کر ان کے تڑپنے اور سسکنے سے لطف اندوز ہوتا ہے۔میرے ساتھ بھی وہ ایسا ہی کرتا تھا۔جب ہی تو میری ایسی حالت ہوگئی ہے۔" راکھی نے بتایا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں سمجھ گیا اب پلیز جلدی سے وہ اہم بات تو بتا دو۔" میں نے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"میں تمہیں نواب کی جانب سے ہوشیار کرنا چاہتی ہوں۔' اس نے سرگوشی کی۔

"کس سلسلے میں۔؟" میں نے پوچھا۔

"کسی بھی سلسلے وہ تم سے بہت خاص کام لینا چاہتا ہے بہت ممکن ہے کہ وہ تم سے کوئی ایسا کام لے جو تم نا کرنا چاہو۔تب وہ تمہیں بلیک میل کرے گا لیکن کس طرح یہ مجھے نہیں معلوم۔" راکھی نے ٹھہر ٹھہر کر دھیمے لہجے میں کہا۔

"بلیک میل تو وہ مجھے کر ہی نہیں سکتا اس لیے کہ اس کی بھی ایک بہت بڑی کمزوری میرے ہاتھ لگی ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ تمہاری بہت بڑی خوش فہمی ہے کہ تم اسے اس کی کسی کمزوری کی وجہ سے بلیک میل کرسکتے ہو اور وہ تمہارے آگے گھٹنے ٹیک دے گا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا اس سے پہلے ہی وہ تمہارے گرد ایسا جال بن چکا ہوگا کہ تم اس کے پھندے سے نکل ہی نہیں سکو گے یا پھر وہ کسی بھی طرح اپنے راستے سے اس طرح ہٹا دے گا کہ سانپ بھی مرجائے گا اور اس کی لاٹھی کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔میرا مطلب ہے کہ وہ تم سے کوئی ایسا کام لے گا کہ اس

کام کے دوران ہی تمہیں پار لگا دے گا۔“ راکھی نے کہا تو نجانے کیوں مجھے راکھی کی بات کا یقین نہیں آیا۔ مجھے لگا کہ نواب میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں کرسکتا۔ میں

نے اسے اس کے کمزور ترین جذباتی لمحات میں دیکھا ہے اور پھر اس دن کے بعد سے نا تو اس نے مجھ سے کبھی یہ دریافت کیا کہ میں نے اپنی تلاش جاری رکھی یا تلاش کہاں تک پہنچی اور نہ ہی میں نے اسے اس بارے میں کوئی بات یاد دلا کر اس کی توجہ اس جانب دلائی۔

”تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ نواب میرے سپرد کون سا کام کرنا چاہتا ہے۔“ میں نے راکھی سے پوچھا اور اسے قطعی یہ نہیں بتایا کہ میں اس کا ایک کام کرچکا ہوں اور دوسرے کام کے لیے اس نے مجھے کل بلایا ہے۔

”شاید۔“ اس نے گول مول جواب دیا۔

”شاید کا کیا مطلب' بات واضح کرو نا' وہ مجھ سے کون سا کام لینا چاہتا ہے اور تم یہ بات کیسے جانتی ہو جبکہ بقول تمہارے کہ نواب نے تمہیں منہ لگانا ہی چھوڑ دیا ہے۔“ میں نے کہا۔

”ہاں ایسا تو ہے لیکن پھر بھی کبھی کبھار وہ اپنا جسم دبوانے کے لیے مجھے اپنے روم میں بلا لیتا ہے ابھی چند روز قبل نواب کے پاس ”کمل راؤ“ کا فون آیا تھا میں اس کا اصل نام جانتی ہو یہاں پاکستان میں وہ اشرف علی کے نام سے مشہور ہے۔ نواب نے دبی زبان میں تمہارا نام لیا تھا اور کہا تھا کہ وہ اس شخص کے ہاتھ کوئی چیز اس کو بھیجے گا۔“

”تمہیں یہ بات کیسے معلوم کہ کمل راؤ پاکستان میں اشرف علی کے نام سے رہ رہا ہے۔“ میں نے تیزی سے پوچھا۔

”اس لیے کہ میں کمل راؤ سے اچھی طرح سے واقف ہوں۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ میرا اصل دیش تو بھارت ہے۔ میں کمل راؤ کے ہاں تو ملازمت کرتی تھی۔ تب ایک بار نواب بھارت آیا تھا اور مجھے پسند کر کے اپنے ساتھ لے آیا۔“ راکھی نے کہا۔

”اچھا یہ بتاؤ کہ یہ کمل راؤ نامی شخص بھارت میں کیا کام کرتا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

"اس کا ریڈی میڈ گارمنٹس کا کاروبار ہے ادھر بھارت میں اس کی کئی گارمنٹس فیکٹریاں تھیں پھر مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ پاکستان آگیا ہے اور مسلمانوں والا نام رکھ کر یہاں کاروبار کر رہا ہے یہاں بھی اس نے گارمنٹس فیکٹریاں لگا رکھی ہیں۔یہ بات مجھے اس وقت معلوم ہوئی تھی جب میں نواب کی منظور نظر تھی۔"

"اچھا' اچھا سمجھ گیا۔" میں نے کہا پھر مجھے راکھی سے کہنا ہی پڑا کہ "اب تم جاؤ مجھے بہت گہری نیند آرہی ہے۔" کیونکہ راکھی کے ہاتھ اندھیرے اور قربت کے باعث ایک بار پھر بہکنے لگے تھے۔

"میں باہر کیسے جاسکتی ہوں تمہیں پتا تو ہے کہ اطہر یہیں تمہارے کمرے کے باہر ٹہل رہا ہے۔" راکھی نے جواب دیا۔

"اچھا' پلیز مجھے سونے دو میرا سر بری طرح چکرا رہا ہے۔" میں نے کہا اور لیٹ گیا۔

"ایسے ہی سونے دوں' تم نے اپنا مطلب تو نکال لیا اور میرا مطلب...!" راکھی نے کہا اور میرے برابر میں لیٹ گئی۔

میں نے یوں ظاہر کیا جیسے میں سو گیا ہوں وہ مجھے دھیرے دھیرے آواز دینے لگی اور میں نے ہلکے ہلکے خراٹے لینے شروع کردیے تب وہ انتہائی حرکتوں پر اتر آئی۔غصے اور جنون میں دیوانی ہونے لگی اور میں دل ہی دل میں اپنے رب کو پکارنے لگا کہ اے میرے رب میں تیرے حضور ان تمام گناہوں سے توبہ کرچکا ہوں تو میری مدد فرما۔الہیٰ میرا نفس بہت کمزور ہے۔میں خود سے نہیں بچ سکتا۔اس شیطانی طوفان کا یہ منہ زور ریلا مجھے اپنے ساتھ بہا لے جائے گا۔اے میرے مالک یا ذوالجلال و اکرام میرے مدد فرما۔

اور پھر میرے ربّ نے کچھ اس طرح میری مدد کی کہ راکھی اپنی تمام تر کوششیں کر کے تھک گئی اور سو گئی اور میں بھی سو گیا۔

صبح میری آنکھ کھلی تو راکھی کمرے سے جا چکی تھی۔میں نے اٹھ کر غسل کیا اور فجر کی قضا نماز ادا کرنے کے بعد شکرانے کے نفل پڑھے۔رات میرے ضبط و نفس کا بہت کڑا امتحان تھا لیکن اللہ نے میری مدد فرمائی اور میں گندگی میں گرنے سے محفوظ رہا۔

میں نے سر کی چوٹ کا جائزہ لیا اس پر خاصی خشکی آگئی تھی میں نے وہ کریم لگائی اور ناشتے کے بعد دوا کھائی۔

میں مسلسل راکھی کی رات والی ان باتوں پر غور کر رہا تھا جو اس نے نواب اور کمل راؤ کے بارے میں بتائی تھیں۔میری کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا تھا کہ نواب مجھ سے کیا کام لینے والا ہے اور کس کے پاس بھیجے گا۔

نواب کے پاس جانے سے پہلے مجھے ایک دو بہت ضروری کام کرنے تھے۔

میں نے اپنے کمرے کی الماری میں موجود ساری رقم نکالی اور گاڑی لے کر ضروری خریداری کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

واپسی میں مجھے تقریباً ڈھائی گھنٹے کا وقت لگا۔شکر تھا کہ مجھے اپنی مطلوبہ تمام اشیاء مل گئی تھیں۔اب میں نواب کے پاس جانے کے لیے پوری طرح سے تیار تھا۔

میں ایک سے ڈیڑھ گھنٹے کا مارجن رکھتے ہوئے کوٹھی سے سرجانی ٹاؤن جانے کے لیے نکلا۔ایک تو فاصلہ زیادہ تھا دوسرے کراچی کا ٹریفک اتنا زیادہ ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ یہاں رہنے والے ہر فردک پاس اپنی گاڑی ہے۔

ٹریفک کے شور ہنگامے سے نجات پا کر میں تقریباً پونے چار بجے سرجانی ٹاؤن نواب کے روحانی سینٹر پہنچ گیا۔وہاں موجود گارڈ حیرت انگیز طور پر مجھے پہچان گیا اور اس نے مجھے کار سمیت اندر آنے دیا بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اس روحانی سینٹر کے اندر جو شخص بھی ایک بار داخل ہوجاتا ہے اس کی تصویر سمیت تمام بایو ڈیٹا یہاں کی انتظامیہ کے پاس محفوظ ہوجاتا ہے نواب نے اس گارڈ کو پہلے ہی میرے بارے میں انفارم کردیا تھا۔اس نے میری تصویر دیکھ لی تھی۔اس لیے مجھے فوراً پہچان لیا اور اندر آنے دیا۔

گاڑی پارک کرنے کے لیے جگہ کی راہ نمائی اندر موجود ایک اور گارڈ نے کی۔

میں گاڑی پارک کر کے اترا تو ایک دوسرا شخص مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے وہیں کھڑا مل گیا اور اپنے ساتھ لے کر عمارت کے اس دوسرے حصے کی جانب لے کر چلا جہاں پہلے میں نہیں گیا تھا بلکہ پہلے جب میں یہاں آیا تھا تو میں نے یہ حصہ دیکھا تک نہیں تھا۔میں تو صرف اس ہال میں گیا تھا جہاں نواب کی روحانی محفل ہوتی تھی یا پھر اس کے نزدیک ایک چھوٹی رہائشی عمارت بنی تھی جہاں میں نے کچھ وقت گزارہ تھا اور کھانا وغیرہ کھایا

تھا۔اس وقت میں جہاں جا رہا تھا وہ یقیناً نواب کا خاص کمرا ہوگا میں خاموشی سے اس کے ہمراہ جا رہا تھا۔

ہم ایک دو منزلہ بنگلے کے اندر داخل ہوگئے یہاں بھی گیٹ پر سخت سیکیورٹی کا انتظام تھا اتنی ساری سیکیورٹی دیکھتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ اس شخص کو اپنی موت کا کس قدر خوف ہے شاید یہ نہیں جانتا کہ جب موت کا فرشتا اس کی روح قبض کرنے آئے گا تو اس کی راہ میں کوئی بھی رکاوٹ مانع نہیں ہوگی۔

مجھے اپنے ساتھ اندر لے جا کر ایک آراستہ ڈرائنگ روم میں بٹھا کر وہ شخص چلا گیا یہ کہہ کر کہ سرکار سائیں خود بلائیں گے آپ یہاں انتظار کریں میں اس حکم کی تعمیل کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔چند ہی لمحوں میں ایک نو عمر خوب صورت لڑکا میرے لیے مشروبات لے کر آیا میں بھی گلاس ہاتھ میں اٹھا کر چسکیاں لینے لگا ڈرنک پیتے ہوئے میں اس آراستہ ڈرائنگ روم کا بھی جائزہ لیتا جا رہا تھا اس کمرے کی ایک ایک چیز خود منہ سے بول رہی تھی کہ وہ کتنی قیمتی اور نایاب ہے بلا شبہ دنیا کا بہترین کلکشن یہاں موجود تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تقریباً دس منٹ بعد ایک دوسرا لڑکا آیا اور کہا کہ ”سرکار سائیں نے یاد فرمایا ہے۔“ میں اس کے ساتھ ہی چل دیا۔چلتے ہوئے میں اپنے دماغ کے کمپیوٹر میں یہاں کا نقشہ فیڈ کرتا جا رہا تھا۔

اس کمرے سے نکل کر ہم ایک راہ داری میں آگئے یہاں لائن میں کچھ کمرے بنے ہوئے تھے اس حصے کو دیکھ کر ایسا لگا جیسے میں پہلے بھی یہاں آچکا ہوں حالانکہ ایسا بالکل بھی نہیں تھا میں تو آج پہلی مرتبہ اس جگہ پر آیا تھا۔پھر خیال آیا کہ نواب کی کلفٹن والی کوٹھی میں جس جگہ نواب کا کمرہ ہے وہ بھی اسی طرح یا اسی نقشے پر بنا ہے۔تب میری سمجھ میں آیا کہ ان دونوں جگہوں کی سیکیورٹی کا کوئی بہت ہی خاص اور ایک جیسا میکنزم ہوگا ورنہ دونوں ایک جیسے بنانے کی کوئی اور وجہ میری سمجھ میں نہیں آرہی۔

ایک کمرہ جس کے باہر دو سیکیورٹی گارڈ اسلحہ اٹھائے کھڑے تھے وہ شخص مجھے وہاں چھوڑ کر چلا گیا تب میں نے اپنے مخصوص انداز میں کمرے کے دروازے پر دستک دی اندر سے نواب کی بھاری آواز سنائی دی۔

”آجاؤ شمروز۔“ تو میں دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

حسب عادت میں نے اندر پہنچ کر اسے سلام کیا اور اس نے حسب عادت اسے اگنور کردیا اور بولا۔

”تمہیں زیادہ انتظار تو نہیں کرنا پڑا۔دراصل میں اپنے ایک مہمان کے ساتھ کچھ ضروری گفتگو میں مصروف تھا۔مہمان کیا یوں سمجھ لو کہ وہ میرے معتقد اور مرید ہیں میرے بیرون ملک سے آئے ہیں ان کے مسائل بھی تو سننے تھے اور پھر انہیں حل بھی کرنا تھا۔“ میں نے نواب کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

”ارے تم کھڑے کیوں ہو بیٹھو‘ نا۔“ مجھے کھڑا دیکھ کر نواب نے جلدی سے کہا اور ایک منقش کرسی کی جانب ہاتھ سے اشارہ کیا تو میں اس پر بیٹھ گیا تو نواب میری جانب مسکرا کر دیکھنے لگا۔جواب میں میں بھی انکساری کے انداز میں مسکرانے لگا۔

”تمہیں پتا ہے شمروز کہ میری یہ جگہ میرے دوسرے بندوں کے علم میں نہیں ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ میرے کام والے بندے کبھی اس جگہ پر نہیں آئے یا میں نے کبھی انھیں اس جگہ نہیں بلوایا تم وہ پہلے فرد ہو

جسے میں نے ملنے کے لیے بلوایا ہے۔یہاں میں اپنے بہت ہی خاص بیرون ملک سے آئے ہوئے لوگوں سے ملاقات کرتا ہوں اور ان کے مسائل سنتا ہوں۔“

”آپ کی ذرہ نوازش ہے ورنہ میں خود کو کسی بھی قابل نہیں سمجھتا۔خود کو آپ کے قدموں کی دھول سمجھتا ہوں۔“ میں نے جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے جھوٹی انکساری سے کام لیا۔

”تم کیا ہو اور کس قابل ہو یہ ہم جانتے ہیں ہم نے تو پہلی ہی ملاقات میں تمہارے اندر موجود ایک نایاب ہیرے کو پہچان لیا تھا۔پرسوں رات تم نے اپنا کام بہت خوبی کے ساتھ انجام دیا ہے ہم تم سے بہت زیادہ خوش ہیں اور اس خوشی میں تمہیں ایک بہترین بلکہ تمہاری پسند کا انعام دینا چاہتے ہیں۔“ نواب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

میں نے چونک کر اس کے چہرے کی جانب دیکھا تو اس کے چہرے پر ایک عجیب سی پر اسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی آنکھوں میں ایک خاص چمک تھی اور وہ اپنی چمک دار آنکھیں میرے اوپر گاڑے ہوئے تھا۔

میں بوکھلا کر اٹھنے لگا تو اس نے اپنے ہاتھ کا دباؤ میرے کندھے پر برقرار رکھا اور بولا۔

''بیٹھے رہو۔'' تو میں بیٹھ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس پسندیدہ انعام کے بارے میں بات کر رہا ہے اور انعام کی بات کرتے ہوئے اس کا لہجہ اور اس کی آنکھوں کی چمک مجھے بہت کچھ سمجھا رہی تھی اور وہ مسلسل میری تعریف کر کے مجھے یہ جتلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ میری ذات پر کتنا اعتماد کرتا ہے اور پھر جب انسان کسی دوسرے پر اعتماد اور بھروسا کرتا ہے تو وہ ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اس کے اعتماد کو توڑا جائے اور نواب سطوت جیسا زیرک اور ہوشیار اور مکار انسان تو اپنے اعتماد کو توڑنے والے شخص کو قطعی معاف نہیں کرسکتا۔

''مجھے امید ہے شمروز کہ آج جو کام میں تمہارے سپرد کروں گا اسے بھی تم مجھ سے کوئی بھی سوال کیے بغیر کہ میں یہ کام تم ہی سے کیوں کروا رہا ہوں کس کے کہنے پر کروا رہا ہوں بلا چوں و چرا انجام دو گے جس طرح تم نے پہلے کام انجام دیا ہے تم نے کوئی تجسس کوئی ہیر پھیر نہیں کی اس سے میں

واقف ہوں اس لیے کہ تمہارے کام کی نگرانی کرنے والی میری بہت سی آنکھیں ہیں۔'' اس نے اپنے مخصوص لب و لہجے میں یہ جملہ ادا کیا اس کے لہجے میں کوئی لوچ اور نرمی نہیں تھی بلکہ خبردار کرنے والا انداز تھا مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد سی لہر اٹھتی محسوس ہوئی۔

''جی۔'' میں بمشکل کہہ سکا۔

''ارے تم تو گھبرا رہے ہو ریلیکس رہو یار' میں تم سے ایسا کوئی بھی کام نہیں لینے والا جو تم با آسانی نہ کرسکو کام کی انجام دہی کے بعد سب کچھ بھول جاؤ گے کہ میں نے یہاں بلالیا تھا ملاقات کی تھی اور کس کام کے لیے کہا تھا مجھے امید ہے تم اپنی یادداشت سے اسے بالکل فراموش کردو گے۔'' اس نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔

میں نے اپنی پیشانی پر آنے والا پسینہ پونچھنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو وہ میرے نزدیک سے ہٹ کر دوسری کرسی پر بیٹھ گیا اور ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی اور بولا۔

''ارے لو' ان باتوں میں میں تمہارے انعام کے بارے میں تو بھول گیا۔''

"کیسا انعام سر۔میرے ذہن میں تو ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس کو پانے کی میں نے خواہش ظاہر کی ہو۔" میں نے خشک حلق کو تھوک نگل کر تر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"راکھی۔" اس نے چڑانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"راکھی۔" میں نے انتہائی اور شدید حیرت سے کہا۔"لیکن سر اسے پانے کی تو میں نے کبھی خواہش نہیں کی۔"

"اچھا۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔"تو پھر تم دونوں رات کے اندھیرے چوری چھپے کیوں ملتے ہو؟"

"چوری چھپے تو نہیں ملتے البتہ کل رات وہ ضرور میرے کمرے میں آئی تھی میری خیریت پوچھنے کے لیے' بات دراصل یہ ہوئی تھی کہ میرا ایک چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا چوٹ زیادہ نہیں تھی اس لیے میں اسپتال نہیں گیا اور سیدھا کوٹھی پر آ گیا۔یہاں سلمان سے میں نے ڈریسنگ کا سامان اور چند دوائیں منگوائی تھیں۔اسے بھی معلوم ہو گیا میرے ایکسیڈنٹ کا میں دوا کھا کر سو گیا تھا اس لیے وہ رات کو دیر سے آئی تھی کہ شاید اب میں جاگ گیا ہوں اور

واقعی میں جاگ رہا تھا کیونکہ ہم اس سے پہلے نتھیا گلی ساتھ گئے تھے اس سے کچھ بے تکلفی ہے اور بس۔"

میں سمجھ گیا تھا کہ اسے اس مخبر گارڈ نے راکھی کی میرے کمرے میں آمد کے بارے میں بتا دیا اس لیے میں نے اس بات کو اس سے چھپانا مناسب نہیں سمجھا۔باقی باتیں میں نے جھوٹ کہی تھیں۔

"لیکن کیا رات بھر وہ تمہارے سرہانے بیٹھ کر تمہاری تیمارداری کرتی رہی تھی میں راکھی سے اچھی طرح سے واقف ہوں اس نے تمہارے نہ چاہنے کے باوجود بھی...!"

"نہیں بخدا ایسی کوئی بات نہیں تھی ہم نے صرف باتیں کی تھیں اور باتوں باتوں کے درمیان میں دوبارہ کب نیند میں چلا گیا مجھے پتا بھی نہیں چلا اور وہ کس وقت میرے روم سے گئی میں اس بات سے بھی لاعلم ہوں۔" میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین نہیں آتا اس بات کا' خیر تم کہتے ہو تو مان لیتا ہوں' ویسے بھی اب وہ میرے کسی کام کی نہیں ہے بس میری ایک عادت ہے جو چیز کبھی

میرے استعمال رہی ہو میں ناکارہ ہونے پر اسے پھینک تو دیتا ہوں لیکن کسی اور کو استعمال کے لیے نہیں دیتا۔ مجھے یقین ہے کہ بھلے تمہیں راکھی میں کوئی انٹرسٹ نہ ہو لیکن اس کتیا کو تم جیسے حسین جوان میں ضرور دلچسپی ہوگی۔"

نواب نے آخری جملہ غراتے ہوئے لہجے میں کہا اور میں سمجھ گیا کہ اب راکھی کی خیر نہیں ہے۔اس نے مجھے تو چھوڑ دیا ہے لیکن اسے ضرور مزا چکھائے گا اور اگر اس نے راکھی کو کوئی سزا دی تو یہ میرے حق

میں اچھا نہیں ہوگا۔ کیونکہ مجھے اس سے بہت مفید معلومات ملتی رہتی تھیں اور آئندہ بھی امید تھی اس لیے وہ راکھی سے اس بارے میں کوئی باز پرس نہ کرلے۔ مجھے نواب کا دل راکھی کی جانب سے صاف کرنا ہوگا یہی سوچ کر میں نے کہا۔

"مجھے آپ کی بات سن کر حیرت ہو رہی ہے سر کیونکہ راکھی نے آج تک مجھ سے اس قسم کے تعلق کو جوڑنے کی کوشش نہیں کی ہم ہمیشہ اچھے

دوستوں کی طرح ملتے ہیں اور اس نے اپنی ہر ملاقات میں مجھ سے آپ کی بے حد تعریف کی ہے وہ آپ کی اس ڈیشنگ پرسنالٹی سے بہت زیادہ متاثر

ہے میرا خیال ہے آپ اس سے کوئی بھی بات نہ کریں ورنہ وہ میرے بارے میں غلط گمان کرے گی اور سوچے گی کہ میں نے آپ سے اس کی کوئی شکایت لگائی ہے۔ ہم اچھے دوست رہیں یہی ہمارے حق میں بہتر ہے کیونکہ کبھی نہ کبھی کسی مشن میں ہمیں ایک دوسرے کی ضرورت تو رہتی ہے۔" میں نے نارمل لہجے میں کہا تو نواب چند لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا اور بولا۔

"اچھا جانے دو راکھی کے ذکر کو' اب ہم اپنے اہم موضوع پر آجاتے ہیں کیا خیال ہے؟" اس نے سر کو جھٹک کر کہا اور بولا۔

"جی سر۔" میں ہمہ تن گوش ہوگیا۔

وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا پھر بولا۔"تم سہیل ہاشمی سے تو واقف ہی ہو گے۔"

"کون سہیل ہاشمی۔" میں نے پوچھا۔

"تم سہیل ہاشمی کو نہیں جانتے۔" اس نے ناگواری سے میری جانب دیکھا پھر بولا۔"یہ صوبائی وزیر ہے اور ایک مذہبی جماعت کا لیڈر بھی ہے۔اب یاد آیا...!"

"اچھا اچھا وہ سہیل ہاشمی‘ جی ہاں نام کی حد تو میں واقف ہوں ٹی وی وغیرہ پر شکل بھی دیکھی ہوئی ہے۔" میں نے یاد آنے پر کہا۔"کیا ان کے پاس مجھے کام کے سلسلے میں بھیج رہے ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے کہا پھر قدرے توقف کے بعد بولا۔"بہت ہی اہم اور خاص کام ہے۔"

"فرمائیے کیا کام ہے میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کی توقع پر پورا اتروں۔" میں نے کہا۔

"کوشش نہیں کام کر کے ہی لوٹنا ہے اور میں ناکامی برداشت نہیں کرتا۔" اس نے ایک دم پٹری سے اتر کر سخت لہجے میں کہا۔

"جی سر۔" میں نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔

"کل رات وہ ایک جلسہ کر رہا ہے یہ کوئی سیاسی جلسہ نہیں ہے ایک مذہبی پروگرام ہے وہاں اس کی تقریر ہے یہ پروگرام ایک پارک میں ہونے والا ہے اس کے ارد گرد سیکیورٹی بہت سخت ہے پولیس بھی بھاری تعداد میں موجود ہوگی۔ تمہیں صرف اتنا کرنا ہے کہ ایک گولی اس کے دماغ میں اس

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

طرح اتارنی ہے کہ وہ دوسری سانس بھی نہ لے سکے اور کسی کو تمہارے بارے میں شک بھی نہ ہو۔" نواب نے اپنی برچھی نما تیز نگاہیں میرے چہرے پر گاڑ کر کہا۔

"گولی مارنی ہے لیکن کیوں؟" میرے منہ سے بے ساختہ یہ جملہ پھسل گیا۔ جس کا مجھے فوراً احساس ہو گیا کہ نواب کو سوالات پسند نہیں ہیں لیکن اب کیا ہوسکتا تھا میں یہ جملہ کہہ چکا تھا میرے سوال کے جواب میں نواب نے مجھے تیز نگاہوں سے گھورا۔چند لمحے خاموشی سے مجھے گھورتا رہا پھر بولا۔

"تم بھول گئے کہ میں نے شروع میں تم سے کیا کہا تھا کہ تم یہ نہیں پوچھو گے کہ کام تم سے کون اور کیوں کروا رہا ہے اور تم اس کام کو کرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے اس کو بھول جاؤ گے۔اگر تم اسی طرح میری ہدایات کو بھولتے رہے تو ہماری اور تمہاری گاڑی زیادہ عرصہ تک ساتھ نہیں چل سکے گی۔" اس نے انتہائی بے مروتی سے کہا اور آکر کرسی پر بیٹھ گیا اس کے چہرے پر خاصے برہمی کے آثار تھے۔

"سسس... سوری سر... آئی ایم رئیلی سوری، آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ میں ایسی غلطی کرنا تو نہیں چاہ رہا تھا بس بے ساختہ یہ جملہ منہ سے پھسل گیا۔ دراصل یہ کام میری توقع کے بالکل خلاف تھا۔" میں نے پر زور طریقے سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"پھر تم یہ کام کر رہے ہو، نا؟" اس نے کہا۔

"میں آپ کا حکم نہیں ٹال سکتا سر۔" میں نے کہا۔

"گڈ۔" اس نے حسب عادت خوش گوار لہجے میں کہا اس کا موڈ لمحہ بھر میں ہی بدل گیا۔

"آپ مجھے جگہ بتا دیجیے میرے پاس کل رات کا ٹائم ہے میں جگہ کا سروے کرلیتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ کس طرح ہاتھ پاؤں بچا کر کام کرنا ہے۔" میں نے کہا تو نواب نے مجھے اس مشہور پارک کا نام بتایا اور ساتھ میں یہ بھی کہ مجھے جن چیزوں کی ضرورت ہے یعنی اسلحہ وغیرہ وہ میں کوٹھی میں جا کر راجو سے لے لوں وہ اس سلسلے میں میری بھرپور مدد کرے گا۔

اس کے فوراً بعد مجھے نواب نے وہاں سے جانے کا حکم دے دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ کام ہوجانے کے بعد اطلاع دینے کی ضرورت نہیں ہے یہ تو ایسی خبر ہوگی جو جنگل میں آگ کی مانند فوراً سارے شہر میں پھیل جائے گی اور ہاں تمہیں کوٹھی آنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنے گلشن اقبال والے فلیٹ میں پہنچ جانا اور سوجانا تمہارے معاوضے کی رقم تمہارے اکاؤنٹ میں جمع کرا دی جائے گی۔

میں سرجانی ٹاؤن سے سیدھا کلفٹن آگیا میرے سر میں شدید درد ہو رہا تھا میں راستے بھر یہی سوچتا ہوا آیا کہ نواب کی اس شریف آدمی سے کیا دشمنی ہے جو اسے قتل کروا رہا ہے میں اسے قطعی مارنا نہیں چاہ رہا تھا اور دل میں دعا کر رہا تھا کہ کاش ایسا کوئی معجزہ ہوجائے کہ یا تو نواب اپنا ارادہ بدل دے یا اللہ تعالیٰ اسے بچالے ایسی کون سی ترکیب ہونی چاہیے کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے یعنی نواب کو مجھ سے کوئی شکایت بھی نہ ہو اور سہیل ہاشمی بھی بچ جائے کاش وہ کل جلسہ نہ کرے یا کم از کم اس جلسہ میں شرکت ہی نہ کرے لیکن اس سے کیا ہوگا۔ نواب کسی دوسرے موقع کا انتظار کرے گا لیکن

اپنے ارادے سے باز نہیں آئے گا۔اچانک ہی ایک خیال بجلی کے کوندے کی مانند میرے دماغ میں آیا میں نے روڈ کے سائیڈ میں گاڑی روکی اور جیب سے موبائل فون نکال کر سرمئی کا نمبر ملایا۔

میں نے سوچا کہ میں اس بات کی خبر سرمئی کو دے دیتا ہوں ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے ذرائع استعمال کر کے سہیل ہاشمی کو خبردار کردے لیکن بار بار کال کرنے کے باوجود سرمئی نے میرا فون اٹینڈ نہیں کیا۔پھر مجھے خیال آیا کہ میں نے اپنی سم بدل لی ہے اس لیے ان نون نمبر دیکھ کر وہ فون ریسیو نہیں کر رہی، پھر میں نے طلال انکل کو فون کیا لیکن ان کا رویہ بھی سرمئی سے مختلف نہیں تھا بار بار کال کرنے پر بھی انہوں نے فون ریسیو نہیں کیا تو میں نے مزید کوشش ترک کردی اور اپنی گاڑی اسٹارٹ کر کے سیدھا کلفٹن پہنچ گیا۔اس کے ساتھ ساتھ میں دل ہی دل میں اللہ سے دعا کر رہا تھا کہ یا اللہ مولانا سہیل ہاشمی کو کوئی ایسا کام پڑ جائے کہ وہ اس جلسہ میں شرکت ہی نہ کریں۔میں یہ گناہ کبیرہ کرنا ہی نہیں چاہتا تھا اور اللہ تعالیٰ ہی مجھے اس گناہ کو کرنے سے باز رکھ سکتا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں کوٹھی پر پہنچا تو میں نے سلمان کو فون کر کے کہا کہ وہ راجو کو میرے روم میں بھیج دے میں نے ایک بار پھر طلال انکل اور سرمئی سے فون پر رابطہ کرنا چاہا لیکن اس مرتبہ حیرت انگیز طور پر دونوں فون مجھے آف ملے ان دونوں کا ہی رویہ میری سمجھ سے بالا تر تھا۔

اگلے پانچ چھ منٹ بعد ہی میرے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور میرے ”یس“ کہنے پر وہ اندر آگیا۔

”مجھے راجو کہتے ہیں سرکار سائیں کا پیغام ملا تھا کہ میں آپ کی مدد کروں جیسا بھی آپ چاہیں میں حاضر ہوں۔“ اس نے اندر آتے ہی اپنا تعارف کروایا اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اسے نواب کا میسج مل چکا ہے۔

میں نے اس شخص کا سر تا پا جائزہ لیا وہ ساڑھے چھ فٹ کا بھاری جسم کا شخص تھا۔جس کی گھنی مونچھیں جو تلوار کی مانند اوپر کی جانب کو مڑی ہوئی تھیں۔لمبی اور پتلی ناک، پتلے پتلے ہونٹ گھنی بھنوؤں کے نیچے چھوٹی چھوٹی آنکھیں تھیں۔رنگت البتہ اس کی سرخ و سپید تھی۔اپنے حلیے سے وہ ایک

کرخت اور سخت دل انسان دکھائی دے رہا تھا لیکن اس نے مجھ سے بہت نرم اور سلجھے ہوئے انداز میں گفتگو کی تھی۔

”مجھے جدید ترین اسلحہ چاہیے۔“ میں نے کہا۔

”مل جائے گا جیسا بھی آپ چاہیں بلکہ مناسب یہ ہوگا کہ آپ میرے ساتھ اسلحہ خانے چلیں اور اپنی پسند سے جو چاہیں منتخب کرلیں۔“ اس نے سر کو ہلکے سے خم دیتے ہوئے کہا۔

”اسلحہ خانہ یہیں اس کوٹھی میں ہے یا کہیں اور جانا ہوگا۔“ میں نے پوچھا۔

”یہیں اسی کوٹھی میں ہے آپ کو کہیں اور جانا نہیں پڑے گا۔ میری ڈیوٹی بھی یہاں کے اسلحہ خانے پر ہے آپ ابھی چلنا چاہیں تو ابھی چلیں ورنہ جب آپ کہیں۔“ اس نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ ابھی رہنے دو میں کل تم سے اپنی مطلوبہ اشیاء لے لوں گا۔“

”جیسا آپ مناسب سمجھیں اب مجھے اجازت ہے۔“ اس نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ میں نے کہا تو وہ مڑ کر جانے لگا۔

”سنو۔“ میں نے اسے آواز دی۔

”جی۔“ وہ رک کر مڑا۔

”ایک بات تو بتاؤ، تمہاری شکل دیکھ کر ایسا لگ رہا ہے جیسے تم کوئی بہت سخت دل اور بد تمیز سے انسان ہو گے لیکن تم نے بہت سلجھے ہوئے اور شائستہ انداز میں گفتگو کی ہے آخر ایسی گفتگو کرنا تم نے کس سے سیکھا۔“ میں نے پوچھا۔

”بات یہ ہے کہ میرا سرکار سائیں نواب صاحب سے رابطہ رہتا ہے اور نواب سرکار سے بات کرنے کے لیے انسان کا لب و لہجہ اور انداز گفتگو بہت صاف ستھرا ہونا چاہیے میں گزشتہ دس سالوں سے نواب صاحب کے ساتھ ہوں شاید اس لیے میں نے بھی تہذیب سیکھ لی ہے اور ویسے بھی میں اپنے سامنے والے بندے کو دیکھ کر بات کرتا ہوں آپ تو ویسے بھی پڑھے لکھے ہیں ڈاکٹر صاحب ہیں۔“ اس نے کہا۔

”تم کو کس نے بتایا کہ میں ڈاکٹر ہوں۔“ میں نے چونک کر پوچھا۔

”سب ہی کو معلوم ہے، لیکن مجھے حیرت ہے کہ آپ اور اس لائن میں۔“

"میرا خیال ہے تمہارا یہ سوال غیر ضروری ہے۔" میں نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"آئی ایم سوری۔" اس نے کہا اور تیزی سے میرے روم سے نکل گیا۔

مجھے سب سے پہلے اس جگہ کا جائزہ لینا تھا جہاں وہ جلسہ ہو رہا تھا اب ایسا تو نہیں ہوسکتا تھا کہ میں پستول اٹھا کر جلسہ میں گھس جاؤں اور قاری سہیل ہاشمی کے سامنے کھڑے ہو کر ان کے سینے میں گولیاں برسادوں۔نا میں انہیں مارنے کے لیے ان کی گاڑی میں بم فٹ کروا سکتا تھا۔مجھے کوئی ایسا طریقہ اپنانا تھا کہ میں اپنا کام بھی کرسکوں اور پکڑا بھی نہ جاؤں۔

میں ایک بار پھر گاڑی لے کر نکل کھڑا ہوا اور سیدھا اس علاقے میں جا پہنچا جس کا پتا مجھے نواب نے بتایا تھا۔

پارک میں کل ہونے والے جلسہ کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔مہمانوں کے لیے پنڈال میں کرسیاں لگائی جا رہی تھیں اور اسٹیج بنایا جا رہا تھا میں نے گھوم پھر کر چاروں جانب سے اس جگہ کا جائزہ لیا اس کے اطراف میں بلند عمارتیں تھیں۔یہاں فلیٹ بنے ہوئے تھے۔میں یہاں سے گھوم کر دو

عمارتوں کے درمیان ایک خالی گلی سے گزر کے مزید پیچھے گیا اور تب ہی میری نگاہ ایک اور عمارت پر پڑی جو زیر تعمیر تھی۔اس کا اسٹرکچر کھڑا تھا۔ میں نے اپنی کار وہاں سے قدرے دور پارک کی اور اتر کر اس زیر تعمیر عمارت کی جانب بڑھ گیا۔

اس عمارت کے اندر جا کر میں دو چیزوں کا جائزہ لینا چاہتا تھا ایک تو یہ کہ اب بھی اس عمارت میں کام ہو رہا ہے یا کام رکا ہوا ہے اگر کام ہو رہا ہوتا تو یہاں مزدور ضرور موجود ہوتے دوسرے شہروں سے آئے ہوئے مزدور پیشہ لوگ عارضی طور پر ان ہی عمارتوں میں اپنے رہنے کا ٹھکانہ بنا لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو تعمیراتی میٹریل موجود ہوتا ہے اس کی حفاظت کے لیے چوکیدار ضرور موجود ہوتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ میں اس عمارت سے اس جلسہ گاہ کا اور خاص طور پر اسٹیج کا جائزہ لینا چاہتا تھا کہ وہاں سے اسٹیج پر موجود مہمان میرے نشانے پر ہوں گے یا نہیں۔

پولیس یا سیکیورٹی کے لوگوں کا خیال اس عمارت کی جانب یوں بھی نہیں جائے گا کیونکہ اس کے آگے فلیٹس کی عمارت بنی ہوئی تھی۔دو بلڈنگوں کے درمیان جو پتلی سی گلی تھی صرف وہیں سے مجھے پارک دکھائی دے سکتا تھا۔

میں محتاط انداز میں قدم اٹھاتا ہوا اس زیر تعمیر عمارت کے اندر داخل ہو گیا۔ اس عمارت کے باہر سے ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہاں تعمیراتی کام فی الحال بند ہوچکا ہے یہاں سناٹا پڑا تھا میں پھر بھی محتاط اور اپنے ارد گرد نگاہ رکھتے ہوئے عمارت میں اندر تک گیا۔بہت تلاش کرنے پر بھی مجھے کوئی بندہ دکھائی نہیں دیا۔پھر میں اوپر کی منزل میں جانے کے لیے زینے کی جانب بڑھ گیا۔سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گیا۔پھر مزید اوپر یہ کئی منزلہ عمارت تھی۔بالآخر چھٹی منزل پر پہنچ کر مجھے اپنا مطلوبہ ہدف صاف دکھائی دینے لگا۔ مگر میرے حساب سے جگہ تھوڑی کھلی ہوئی تھی اور یہاں پر میں کسی کو بھی دکھائی دے سکتا تھا۔میرے سامنے بھی ایک عمارت تھی یہ چوں کہ پچھلا حصہ تھا لیکن یہاں بیڈ روم کی کھڑکیاں کھلتی تھیں اور بہت ممکن تھا کہ کوئی اتفاقیہ طور پر ادھر کی کھڑی کھول کر مجھے دیکھ لے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں نے اس جگہ کو خود ہی مسترد کردیا اچانک ہی میرے دماغ میں میڈم روزی کا خیال آگیا اس نے مجھے بتایا تھا کہ کس طرح ایک مرتبہ اس نے نواب کو جان سے مارنے کے لیے ایسے ہی دو منزلہ مکان کا انتخاب کیا تھا اور دوربین کی مدد سے نشانہ لیا تھا۔اس کے علاوہ وہ ایک بوڑھی عورت کے بھیس میں کپڑے کے ایک تھیلے میں اپنا سامان لے کر آئی تھی۔کیوں نہ میں بھی اس کی ترکیب آزماؤںاس بات کا خیال آتے ہی مجھے لگا کہ میں اپنا کام باآسانی مکمل کرسکتا ہوں۔

میں نے اب نچلی منزل کا رخ کیا آخری یعنی تیسری منزل کے ایک کمرے کی کھڑکی سے میں بخوبی پارک اور پارک میں بنے اسٹیج کو واضح طو رپر دیکھ رہا تھا۔

اس کھڑکی میں صرف چوکھٹ لگی تھی باقی ساری کھڑکی اوپن تھی میں کچھ دیر تک کھڑا ادھر کا جائزہ لیتا رہا پھر مطمئن ہو کر واپس آگیا۔

دوسرے دن میں نے ایک بار پھر راجو کو بلوایا تب راجو نے مجھے اپنا سیل نمبر دیتے ہوئے کہا کہ اب آپ کو جب بھی میری ضرورت ہو آپ مجھے کال کرسکتے ہیں۔بار بار دوسروں کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

میں نے راجو سے کہا کہ مجھے ایک نہایت طاقت ور دور بین کی ضرورت بھی ہے کیا وہ اس کا انتظام کر سکتا ہے جس پر راجو نے کہا کہ وہ بالکل اس کا انتظام کرسکتا ہے اس کے علاوہ ربر کے دستانے اور کچھ میک اپ کا سامان۔یہ تمام چیزیں راجو نے مہیا کرنے کا وعدہ کیا میں راجو کے ساتھ اسلحہ خانے گیا اور زیر زمین اس اسلحہ خانے کو دیکھ کر میرے چودہ طبق روشن ہوگئے یہاں نہایت جدید ترین چھوٹا بڑا ہر طرح کا اسلحہ وافر مقدار میں موجود تھا۔

میں نے یہاں سے ایک لمبی نال کی جدید ساخت کی گن منتخب کی جس کی ایک ہی گولی انسان کا کام تمام کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے اس کو الگ الگ ٹکڑوں میں تقسیم بھی کیا جاسکتا تھا

میں نے کئی مرتبہ اس گن کو کھول کر جوڑا اور پوری طرح مطمئن ہو کر اسے لے لیا اس کے علاوہ سائلنسر بھی لیا جو کہ بے حد ضروری تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

دوپہر تک میں اپنی پوری تیاری سے لیس تھا۔اب بس اس عمارت کے اندر جانے کی ضرورت تھی۔میں کچھ دیر آرام کی غرض سے لیٹ گیا۔میرا ارادہ تھا کہ ایک گھنٹہ لیٹ کر پھر اپنی مہم پر چلا جاؤں گا کمرے کا دروازہ لاک کر کے میں نے ایک آخری مرتبہ پھر سرمئی اور طلال انکل کو کال ملائی لیکن وہی ہوا جیسا پہلے ہو رہا تھا دونوں میں سے کوئی بھی میری کال ریسیو نہیں کر رہا تھا پھر میں نے دونوں کو ایک جیسا ہی میسیج سینڈ کیا کہ مجھے بہت ضروری اطلاع دینی ہے پلیز ریسیو مائی کال۔آخر میں اپنا نام بھی لکھ دیا۔مجھے امید تھی کہ میرا میسیج دیکھ کر تو وہ لوگ ضرور میری کال ریسیو کریں گے۔پھر اسی امید پر بار بار کال کرتا رہا لیکن میری کال ریسیو نہیں کی گئی۔اب تو مجھے اس بات کا پختہ یقین ہوگیا کہ ان لوگوں کو میرے بارے میں کوئی زبردست غلط فہمی ہوگئی ہے اور یہ ساری ناراضی اس غلط فہمی کا نتیجہ ہے مجھے اس وقت اس بات کا قطعی اندازہ نہیں تھا کہ میرے لیے اس غلط فہمی کا نتیجہ بہت ہی بھیانک نکلے گا۔

بہر حال میں نے مایوس اور ناامید ہو کر ساری کالز اور میسج ڈیلیٹ کیے اور جانے کے لیے تیاری کرنے لگا۔

میں نے ایک نہایت مفلوک الحال بوڑھے کا گیٹ اپ کیا ایک میلا اور بوسیدہ سا لباس پہنا اپنے ہاتھ پاؤں اورچہرے پر کالا رنگ کیا اور سر کے بال سفید کرلیے۔ہاتھوں اور چہرے پر جھریاں پیدا کرنے والا لوشن ملا۔

مجھے گن اور دور بین وغیرہ رکھنے کے لیے ایک کپڑے کا میلا سا کپڑے کا تھیلا چاہیے تھا میں نے وہ بھی راجو ہی سے منگوا لیا تھا اس کپڑے کے تھیلے میں، میں نے میلی سی چادر میں اپنا سامان لپیٹ کر رکھ لیا تھا۔

میں تقریباً چار بجے ایک بوڑھے کے روپ نکلا اور اپنے ساتھ ایک بندے کو لیا کہ وہ گاڑی ڈرائیو کرے اس علاقہ میں پہنچ کر عمارت کی پچھلی جانب جہاں گھنی جھاڑیاں تھیں میں نے گاڑی رکوالی اور اتر گیا۔ڈرائیور نے فوراً ہی کار کی چابی میرے حوالے کردی اور وہ وہاں سے چلا گیا۔اس گاڑی کی نمبر پلیٹ اے ایف آر تھی۔اگر یہ کار کسی کی نگاہ میں آ بھی جاتی تو مجھے اس کی کوئی فکر نہیں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تھی۔اس قسم کی کاریں نواب کے گیراج میں موجود تھیں۔جو ہم اس قسم کے مشن میں استعمال کرتے تھے۔

میں اپنا تھیلا سنبھالے کھانستا ہوا آہستہ آہستہ وہاں سے چلا آج اس علاقے میں کافی رونق اور گہما گہمی تھی۔پولیس کی موبائل بھی وہاں گشت کر رہی تھیں میرے قریب سے بھی ایک موبائل گزری اس میں بیٹھے ہوئے پولیس والوں نے مجھے دیکھا بھی لیکن بے ضرر بوڑھا سمجھ کر مجھے نظر انداز کردیا۔اس سے مجھے خاصا اطمینان حاصل ہوا کہ میں کسی طرح بھی مشکوک دکھائی نہیں دے رہا ہوں۔

میں کمر جھکائے ایک ہاتھ جھکی ہوئی کمر پر رکھے پارک کی جانب جا رہا تھا کپڑے کا میلا سا تھیلا میرے دوسرے ہاتھ میں موجود تھا۔میں پارک کے گیٹ پر کھڑے ہو کر اندر کا جائزہ لینے لگا۔ایک شخص جو شاید انتظام وغیرہ دیکھ رہا تھا میرے نزدیک آیا اور بولا۔

"کیا دیکھ رہے ہو بابا' رات کو آنا ابھی جلسہ شروع ہونے میں ٹائم ہے۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر آہستہ سے ہلایا اور سر ہلاتا ہوا وہاں سے آگیا اب میرا رخ اس عمارت کی جانب تھا جہاں سے مجھے کارروائی کرنی تھی۔

مغرب کا وقت ہوچلا تھا عمارت کے ارد گرد روشنی کافی کم ہوگئی تھی کیونکہ یہاں چاروں جانب اونچی اونچی عمارتیں بنی تھیں۔

عمارت میں داخل ہونے کے بعد میں نے ایک بار پھر ساری عمارت کا گھوم پھر کر اچھی طرح سے جائزہ لیا اور پھر کسی کو بھی وہاں نہ پا کر اطمینان سے چلتا ہوا تیسری منزل پر آگیا۔میں نے

حتی الامکان کوشش کی کہ میں کھلی ہوئی کھڑکی کے سامنے نہ جاؤں میں نے مکمل طور پر اندھیرا ہونے کا انتظار کیا۔پھر اتنا اندھیرا ہوا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔تب میں نے اپنے تھیلے سے سیاہ رنگ کی چادر نکالی اور گن اور دوسری اشیا واپس تھیلے میں رکھ دی میں نے وہ سیاہ چادر اچھی طرح سے اوڑھ لی تاکہ میرے سفید بال اور سفید داڑھی مونچھیں چھپ جائیں۔میں نے صرف اپنی آنکھیں کھلی رکھیں اور کھلی کھڑکی کے سامنے گیا پھر میں نے

سامنے موجود فلیٹ کی کھڑکیوں کا جائزہ لیا وہ تمام کھڑکیاں بند تھیں لیکن پھر بھی اس امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا تھا کہ اچانک ہی کوئی کھڑکی کھل جائے اور میرا کسی سے آمنا سامنا ہوجائے فلیٹ کی کھڑکی اور اس کھڑکی جہاں میں موجود تھا زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔

میں نے دوربین اپنے ہاتھوں میں سنبھالی اور آنکھوں سے لگا لی جلسہ گاہ میں موجود اسٹیج بالکل میرے قریب آگیا تھا اور اس پر چلتے پھرتے لوگوں کو میں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔دیکھ کیا میں انہیں اپنے بہت قریب محسوس کر رہا تھا اور شکلوں سے پہچان رہا تھا۔

اسٹیج پر مہمانوں کے لیے کرسیاں اور میزیں لگائی جا رہی تھیں۔کرسیوں سے ہٹ کر ڈائس بنایا گیا تھا۔

میں نے مختلف زاویوں سے ہر کرسی اور ڈائس کا جائزہ لیا ڈائس مکمل طور پر میری رینج میں نہیں آرہا تھا البتہ اسٹیج پر موجود دو کرسیاں جو درمیان میں تھیں مکمل طور پر میری رینج میں تھیں۔اب میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا

کہ سہیل ہاشمی ان ہی دونوں کرسیوں میں سے کسی ایک پر بیٹھے اور مجھے یہیں پر انہیں نشانہ بنانا تھا۔

اس وقت بھی جبکہ میں ایک انسانی زندگی ختم کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھا دل میں مسلسل دعا کر رہا تھا کہ آج کی اس تقریب میں سہیل ہاشمی شرکت نہ کرے اسے کوئی بھی چھوٹا یا بڑا مسئلہ پیش آجائے اور وہ یہاں آنے سے معذرت کرلے لیکن کہتے ہیں نا کہ قضا کا وقت اور جگہ اللہ کے ہاں مقرر ہے سہیل ہاشمی کی بھی قضا یہاں اس کا انتظار کر رہی تھی تو وہ کیوں نہ آتا۔

بہت صبر آزما اور طویل انتظار کے بعد رات دس بجے کے قریب سہیل ہاشمی اپنے دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ اسٹیج پر نمودار ہوا۔

جلسہ گاہ لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔دوسرے مہمان اور مقرر دوسری کرسیوں پر براجمان تھے اور حسن اتفاق درمیان والی دونوں کرسیاں خالی تھیں۔

سہیل ہاشمی اسٹیج پر آیا چند لوگ اس کے ہمراہ اسٹیج پر آئے اور اسے بہت احترام کے ساتھ ایک کرسی پر بٹھا دیا اس کے ساتھ والی خالی کرسی پر ملک کا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ایک مشہور نعت خواں بیٹھا تھا۔سہیل ہاشمی کے کرسی پر بیٹھتے ہی اس کا محافظ گن مین بالکل اس کی پشت پر الرٹ کھڑا ہو گیا۔

میں نے جھٹ اپنی گن تیار کی دستانے تو میں نے آتے ہی پہن لیے تھے۔ میں نے چادر میں خود کو مکمل طور پر چھپایا ہوا تھا دور بین کو رائفل پر سیٹ کیا اور نشانہ باندھا۔یہ دور مار گن تھی جس کی ایک ہی گولی انسانی زندگی کو ختم کرنے کے لیے کافی تھی۔

میں نے سہیل ہاشمی کی پیشانی کا نشانہ لیا لیکن وہ سر کو مسلسل دائیں بائیں گھما کر دیکھ رہا تھا۔کبھی اپنے برابر میں بیٹھے ہوئے شخص کی جانب جھک کر اس کی کوئی بات سننے لگتا میں نے سوچا کہ اس طرح تو میں اس کی پیشانی کا نشانہ ٹھیک طور پر نہیں لے سکتا میرے پاس صرف ایک فائر کرنے کا چانس تھا دوسرے کی مجھے مہلت اس لیے نہیں ملتی کہ ایک ہی فائر سے افراتفری مچ جاتی اور بچ جانے پر سہیل ہاشمی منظر سے فوراً غائب ہوجاتا۔

اب میں نے اس کی گردن اور سینے پر دل کے مقام کا نشانہ باندھا یہ بہت مناسب تھا۔میں نے دل میں سہیل ہاشمی کو مخاطب کر کے اس سے معافی

مانگی اور کہا "الوداع میرے بھائی' تم میرے ہاتھوں شہادت کا رتبہ پا کر جنت میں داخل ہوجاؤ' میرا اللہ مجھے معاف کرے کہ دنیا کو ایک بڑے شیطان سے نجات دلانے کے لیے مجھے تمہاری جان کی قربانی بھی دینی پڑ رہی ہے۔"

اور پھر میں نے دیکھا کہ سہیل ہاشمی اپنی کرسی سے کھڑا ہوگیا شاید وہ ڈائس کی جانب جانے والا تھا۔میں اب لمحہ بھر بھی دیر نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے میں نے کھڑے ہوئے سہیل ہاشمی کے سینے کا نشانہ لیا اور فائر کردیا۔

بے آواز گولی سیدھی اس کے سینے میں پیوست ہوگئی اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار نمودار ہوئے اور آنکھیں پوری طرح پھیل گئیں اور پھر اس کے سینے پر خون کے سرخ نشانات ظاہر ہوگئے اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔

میں فوری طور پر کھڑکی سے ہٹا۔میں نے گن کو سیاہ چادر میں لپیٹا میرے ہاتھ اور میرے دل کی دھڑکن کے ساتھ میری سانسیں بھی بہت تیز چل رہی تھیں۔

اور پھر میں اپنا تھیلا سنبھال کر نہایت تیز رفتاری کے ساتھ سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے آگیا اور تیزی کے ساتھ دوڑتا ہوا اپنی کار تک جا پہنچا۔

میں نے فوری طور پر کار کو اسٹارٹ کیا اور اس جگہ سے دور لے آیا یہاں میں نے وہ پھٹا پرانا کرتا اتارا سفید بالوں کی وگ اور داڑھی مونچھیں اتار کر چلتی گاڑی سے جھاڑیوں میں پھینک دیں۔اب میں اپنی اصل شکل و صورت میں تھا۔رنگت البتہ سیاہ اور چہرہ جھریوں زدہ تھا۔میں نہایت برق رفتاری سے کار ڈرائیو کرتا ہوا گلشن اقبال آگیا۔پارکنگ ایریا میں کار پارک کی اور کار میں بیٹھے بیٹھے ہی میں نے رنگ اور جھریوں کو صاف کرنے والا لوشن اپنے چہرے اور ہاتھوں پر ملا۔ڈھیلا ڈھالا پاجامہ بھی اتار پھینکا سب سامان تھیلے میں ٹھونس لیا اور کار میں موجود دوسرے بڑے سے شاپر میں کپڑے کا تھیلا ڈال لیا۔میں نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا اور مطمئن ہو کر کار سے اتر آیا۔

اب میرا رخ تیزی کے ساتھ اپنے فلیٹ کی جانب تھا میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ کسی بھی شخص سے میرا سامنا نہ ہو۔

لیکن سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ایک شخص مجھے سیڑھیوں پر ٹکرا گیا۔میں نے جھٹ اپنا چہرہ نیچے کرلیا اور اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا تب ہی اس نے مجھے پیچھے سے آواز دی۔

"بھائی صاحب ذرا ایک منٹ رکیں گے۔" اور میرے تیز چلتے ہوئے قدموں کو بریک لگ گئے۔میں نے رک کر بنا مڑے کہا۔

"جی فرمائیے۔"

"دیکھیں میں یہاں قریشی صاحب کا فلیٹ تلاش کر رہا ہوں کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ ان کا فلیٹ نمبر کیا ہے؟"

"جی نہیں یہاں تو کوئی قریشی صاحب نہیں رہتے۔" میں نے اسی طرح جواب دیا۔

"اچھا تو آپ...!"

"سوری جناب مجھے جلدی ہے دراصل مجھے واش روم جانا ہے آپ کسی اور سے پوچھ لیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا اور اسے ہکا بکا چھوڑ کر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

میں نے اوپر والے زینے سے جھانک کر دیکھا وہ ابھی تک اس جگہ کھڑا تھا۔میں فوراً فلیٹ میں داخل ہوجانا چاہتا تھا میں ایک بہت بڑا کام کر کے آیا تھا

اور اللہ کا شکر تھا کہ خیریت سے یہاں تک آگیا تھا۔اب میں فلیٹ میں جا کر غسل کرنا چاہتا تھا تاکہ میک اپ کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہے۔

میں بغیر کسی دخل اندازی کے اپنے فلیٹ کے دروازے پر پہنچ گیا اور لاک کھول کر اندر داخل ہوگیا اور جھٹ دروازہ بند کر کے لاک کردیا۔

میں اندر داخل ہوا تو میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

☆...خ...☆

میرے سیل فون پر مسلسل شمروز بھائی کی کال آرہی تھی لیکن اب میں کرنل مشتاق اور طلال انکل کی ہدایت پر ان کا فون ریسیو نہیں کر رہی تھی۔میں نے بڑے مان سے انہیں اپنا بھائی کہا تھا اور مانا بھی تھا۔مجھے اس بات پر حیرت بھی ہو رہی تھی کہ ہم لوگ کس طرح ان کے ہاتھوں بے وقوف بن گئے۔ہم نے اپنی ہر اہم میٹنگ میں انہیں اپنے ساتھ رکھا وہ تمام اہم اور خفیہ باتیں جو کرنل مشتاق اور طلال انکل اور میرے درمیان ہوئی تھیں شمروز بھائی ان ساری اہم میٹنگز میں ہمارے ساتھ تھے۔مجھے رہ رہ کر احساس ہو رہا تھا کہ ہم نے کتنی بھیانک غلطی کی تھی ان پر اعتبار کر کے مجھے آج ان سے اتنی زیادہ

اور شدید ترین نفرت کا احساس ہو رہا تھا جتنا کہ شاید اپنے باپ نواب سطوت سے بھی نہیں تھا۔

نواب سطوت تو ہمارے سامنے کھلے دشمن کی طرح تھا جبکہ شمروز بھائی نے تو اپنا بن کر ہمارے ساتھ دغا کی تھی بے شک وہ امی کو نواب سے بچا کر لائے تھے مجھے ان ہی کی وجہ سے اپنی حقیقی ماں ملی تھی یہ سب احسانات اپنی جگہ لیکن ان سب باتوں سے الگ میرے ملک کی حرمت اور عفت ہے میں کبھی بھی ایسے کسی شخص کو اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتی جو میرے ملک ہی کا دشمن ہو ہم نے کس طرح حشام والے سارے معاملے کو ان کے ساتھ ڈسکس کیا ہمیں کیا پتا تھا کہ ہم دشمنوں ہی کو اپنے سارے راز دے رہے ہیں۔

اب وہ ساری باتیں جو حشام کی رپورٹ کے حوالے سے ہم نے کی تھیں وہ ساری کی ساری شمروز بھائی کے علم میں تھیں اور اب وہ ساری باتیں ان کے توسط سے نواب سطوت تک بھی پہنچ گئی ہوں گی۔

پھر مجھے یہ بھی خیال آیا کہ شمروز بھائی نے ہی اس ڈاکو کی تصویر کھینچ کر ہم تک پہنچائی تھی جو نواب سطوت کے پاس آیا تھا اور اس بات پر معذرت کر

رہا تھا کہ وہ اپنا مطلوبہ ہدف مکمل نہ کرسکا اور اس کی گفتگو سے ہی حشام بھائی نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ اس کا نشانہ حشام ہی تھا اور بعد میں جب اس شخص کی تصویر کو ویڈیو کیمرے میں موجود اس شخص کی تصویر سے ٹیلی کیا جو حشام پر گولی چلا رہا تھا تو وہ دونوں شخص ایک ہی تھے اور اس شخص کی مدد سے ہی ہم اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ حشام پر حملہ نواب سطوت کے کہنے پر کیا گیا تھا اب یہ بات تو ایک طرف رہی کہ نواب نے حشام کو کیوں اور کس کے کہنے پر مروانا چاہا۔

کبھی میرا دل یہ کہتا کہ اگر شمروز بھائی دشمن کے ٹاؤٹ ہوتے تو وہ اتنی اہم بات ہم تک کیوں پہنچاتے انہوں نے امی کو بھی نواب سطوت کے حوالے نہیں کیا۔

لیکن جب مشتاق انکل کی کہی ہوئی بات سامنے آتی تو دل میں پھر ان کے لیے نفرت کا شدید احساس پیدا ہوتا۔

میرا شدت کے ساتھ دل چاہ رہا تھا کہ میں شمروز بھائی سے ملوں اور ان سے ان الزامات کی وضاحت طلب کروں جو کرنل مشتاق نے ان پر لگائے ہیں

لیکن میں چاہنے کے باوجود ایسا نہیں کرسکتی اس لیے کہ کرنل مشتاق نے مجھے سختی سے منع کردیا تھا کہ میں ان سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق نہ رکھوں اور نہ ہی ان کا فون ریسیو کروں۔

کل رات بھی ایک ان نون نمبر سے مسلسل سیل فون پر کال آرہی تھی جو محتاط ہونے کی وجہ سے میں نے ریسیو نہیں کی۔ویسے بھی میں ان نون نمبر سے آنے والی کوئی بھی کال کبھی ریسیو نہیں کرتی لیکن پھر اس نمبر سے میرے پاس شمروز بھائی کا ایس ایم ایس آیا کہ انہیں مجھ سے کوئی بہت ضروری بات کرنی ہے میں ان کی کال ریسیو کروں لیکن پھر کرنل مشتاق کی ہدایت یاد آگئی۔میں نے اس بات کا ذکر طلال انکل سے کیا تو انہوں نے بھی یہی بتایا کہ شمروز انہیں بھی اسی نمبر سے کال کرتا رہا ہے اور ویسا ہی ایس ایم ایس ان کے پاس بھی آیا تھا۔

میں سوچنے لگی کہ آخر ایسا کون سا کام ہوسکتا ہے میری تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اسی روز رات کو کھانے کی ٹیبل پر امی نے فکر مند لہجے میں شمروز بھائی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ کتنے ہی دن ہوگئے گھر نہیں آیا ہے پتا نہیں کیا بات ہے اللہ کرے وہ خیریت سے ہو کہیں نواب کے سامنے اس کا بھانڈہ نہ پھوٹ گیا ہو' امی ان سے حقیقی بیٹے کی طرح محبت کرنے لگی تھیں۔

میں نے امی کی بات کو ٹال دیا کہ وہ کہیں مصروف ہوں گے۔پتا نہیں یہ بات کہتے ہوئے میرے چہرے پر امی کو کیا نظر آیا کہ وہ حیرت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگیں اور اس سے پہلے کہ امی مجھ سے اس کے بارے میں کچھ پوچھتیں اچانک کھانا کھاتے ہوئے بابا کی طبیعت خراب ہوگئی۔وہ اپنا سینہ ملنے لگے ان کے چہرے پر شدید تکلیف کے آثار نمایاں ہوئے اور سارا جسم پسینے میں بھیگ گیا اور پھر وہ بے ہوش ہوگئے۔

میں نے شدید تشویش کے ساتھ فوراً ایمبولینس کو کال کیا اور بابا کو لے کر اسپتال پہنچی آصف میرے ہمراہ تھے لیکن...!

اس سے پہلے کہ ہم اسپتال پہنچتے بابا میرا ساتھ ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے۔مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے اچانک میرے سر سے ٹھنڈی چھاؤں والی چھت کھینچ لی۔

میرا رو رو کر برا حال ہو گیا۔ جن کی گود میں، میں نے اپنا بچپن بتایا جن کے سینے پر سر رکھ کر پریوں کی کہانیاں سنتے سنتے میں سوتی تھی۔ مجھے انگلی پکڑ کر پہلی مرتبہ بابا مجھے اسکول چھوڑنے گئے۔

وہ میرے باپ سے بڑھ کر میرے لیے باپ تھے ان کی شفقت ان کی محبت ان کا پیار، میرے لیے ان کی فکر ان کی تشویش، میں کس کس بات کو بھلاؤں گی میں تو کچھ بھی نہیں بھلا سکتی۔ وہ میرے کچھ بھی نہیں تھے لیکن پھر بھی میرے سب کچھ تھے آج ایسا لگا جیسے میرا باپ اس دنیا سے اٹھ گیا تھا حقیقی باپ تو سب ہی اپنے بچوں سے پیار کرتے ہیں ان کے لیے دکھ اٹھاتے ہیں لیکن بابا میرے باپ نہ ہوتے ہوئے بھی ہزار باپوں سے زیادہ مجھ سے پیار کرتے تھے ہم دونوں کے درد مشترک تھے میں باپ کے پیار کو ترسی ہوئی تھی تو وہ اولاد کے لیے ترسے ہوئے تھے پھر ہم دونوں ہی نے ایک دوسرے کے دکھ کو سمیٹا ایک دوسرے کے درد کا درماں بنے... آہ...! آج میرے بابا ہمیشہ کے لیے مجھ سے جدا ہو گئے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کیسے دوں گی میں یہ روح فرسا خبر اماں اور امی کو، میں تو انہیں زندگی دلانے کے لیے گھر سے لے کر چلی تھی کیسے اس روح سے خالی بے جان جسم کو لے کر جاؤں گی۔

میرا دماغ پھٹنے لگا اور میں بے دم ہو کر آصف کی بانہوں میں جھول گئی۔
آصف نے ایمبولینس کو واپس گھر چلنے کے لیے کہا۔

مجھے نہیں معلوم کہ گھر پر کیا ہوا میں نے تو بس اماں کو دیکھ کر ایک زور کی چیخ مار کر ان کے بازوؤں میں بے ہوش ہو گئی۔

ہوش آیا تو بابا جان کے آخری سفر کی ساری تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں ڈاکٹر ذیشان جو ایک بہت نامور اور بہت زیادہ مصروف ڈاکٹر تھے میرے پاس بیٹھے تھے ان ہی کی کوششوں سے میں ہوش میں آئی اپنے بابا کا آخری دیدار کیا اور سب بابا کو ان کی آخری آرام گاہ کی جانب لے کر چلے گئے تھے۔

حشام کی امی تین دن تک ہمارے گھر رہیں طلال انکل بھی آتے رہے حشام بار بار مجھے فون کرتا اور تسلیاں دیتا ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس دکھ

کے موقع پر وہ اڑ کر میرے پاس آئے لیکن ابھی وہ اسپتال کے بستر ہی پر تھا ڈاکٹر نے اسے آنے کی قطعی اجازت نہیں دی تھی۔

سوئم کی فاتحہ کے بعد سب لوگ چلے گئے طلال انکل اور آنٹی میرے پاس ہی تھے تب رات میں ڈاکٹر ذیشان آگئے انہوں نے میرا چیک اپ کیا اور آہستہ سے بولے۔

”تمہیں پتا ہے تمہارا مریض تمہاری وجہ سے کتنا زیادہ ڈسٹرب ہے تم اتنی غمزدہ ہو گئیں تو وہ کیسے ٹھیک ہو گا تمہیں اپنے آپ کو سنبھالنا ہو گا۔ تم ایک بہادر لڑکی ہو' ذرا اپنا حال تو دیکھو' دو ہی دن میں تمہارا کیا حال ہو گیا ہے برسوں کی بیمار لگ رہی ہو۔“

”ڈاکٹر ذیشان میرے بابا...!“ میں اتنا کہہ کر بلک پڑی۔

”آئی نو ڈیئر سسٹر' لیکن موت دنیا کی سب سے اٹل حقیقت ہے دنیا میں آنے والے ہر فرد کو ایک نہ ایک دن یہ دنیا چھوڑ کر جانا ہے میری باری بھی آئے گی اور آپ کی بھی ان کو دنیا میں اتنا ہی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

وقت گزارنا تھا انہوں نے اپنا کام اپنی ذمہ داریوں کو یقیناً احسن طریقے سے پورا کیا ہوگا ان کا کام ختم ہو گیا تو اللہ نے انہیں اپنے پاس بلالیا' آپ اب بہادری کے ساتھ اس حقیقت کو تسلیم کر لیں۔ جتنی جلدی اس حقیقت کو تسلیم کر لیں گے اتنی جلدی صبر آجائے گا۔“ ڈاکٹر ذیشان مجھے بہت محبت اور دھیمے لہجے میں سمجھا رہے تھے سب ہی میرے نزدیک بیٹھے تھے تب امی نے مجھے اپنی بانہوں کے گھیرے میں لے لیا اور بولیں۔

”دیکھو بیٹا یہ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اللہ نے انہیں تمہارے بچپن میں اپنے پاس نہیں بلایا انہوں نے تمہاری پرورش کی آج تم اس قابل ہو کہ اپنا اچھا برا سمجھ سکتی ہو۔“ اور پھر باری باری سب ہی نے چند جملے کہے اماں اتنے غم کی کیفیت میں بھی میرے لیے یخنی بنا کر لے آئیں اور گلو گیر لہجے میں بولیں۔

”اسے پی لو میرا بچہ' تم جانتی ہو' نا تمہارے بابا تم سے کتنا پیار کرتے تھے اب تم روئیں اور بیمار ہوئیں تو ان کی روح کو تکلیف ہوگی اور پھر وہ تمہارے خواب میں بھی نہیں آئیں گے۔“

اور میں نے بچوں کی طرح بہل کر یخنی پی دوا بھی کھائی مجھے بہت زیادہ کمزوری ہو رہی تھی سب لوگوں کی بھرپور توجہ کی وجہ سے میں کافی بہتر ہو گئی تھی پورا ہفتہ میں نے گھر میں گزارہ تھا حشام سے ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی اس لیے اس روز جب ڈاکٹر ذیشان گھر پر آئے تو میں ان کے ہمراہ اسپتال جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

میں اسپتال پہنچی تو میں نے حشام کو بڑی شدت کے ساتھ اپنا منتظر پایا۔اس نے بڑے والہانہ انداز میں اپنی دونوں باہیں وا کر کے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور میں بلا کسی شرم اور جھجک کے اس کے پھیلے ہوئے بازوؤں میں سما گئی۔میری اس وقت کی کیفیت ہی دوسری تھی وہ بھی شرارتی موڈ میں نہیں تھا بلکہ اس کو میرے دکھ کا احساس تھا وہ مجھے اپنے سینے میں چھپا کر میرے دکھ کو بانٹنا چاہتا تھا۔اس نے ایک معصوم بچے کی طرح مجھے اپنے سینے میں بھینچ لیا۔وہ پیار سے کبھی میری پشت سہلاتا کبھی میرے سر پر بوسہ دیتا میں دیر تک اس کا گریبان آنسوؤں سے بھگوتی رہی پھر اس نے بڑی نرمی کے

ساتھ مجھے خود سے جدا کیا اور ٹیبل پر رکھے ہوئے گلاس میں پانی بھر کر میرے منہ سے لگا دیا۔

میرے دل کا درد جیسے میرے آنسوؤں کے ساتھ بہہ نکلا تھا۔آج تقریباً دس روز کے بعد میں حشام سے ملی تھی۔وہ کافی بہتر تھا تھوڑی دیر بابا کی باتیں کرنے کے بعد میں نے اس سے اس کا حال پوچھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”تمہیں اندازہ نہیں ہو رہا کہ میں کیسا ہوں۔“

”ہوں۔“ میں نے آہستہ سے سرہلایا۔”ماشاء اللہ تم کافی بہتر لگ رہے ہو۔“

”بہتر نہیں اب میں بالکل ٹھیک ہوں بس ایک دو روز مزید اسپتال میں رہوں گا پھر میں گھر جاسکوں گا۔“ اس نے محبت پاش نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔”اور یہ سب تمہاری محبت تمہاری توجہ اور تمہاری دعاؤں کی وجہ سے ہے۔“

”اللہ کا شکر ہے حشام۔“ میں نے اپنی نگاہوں میں زمانے بھر کی محبت سمو کر جواب دیا۔”اور تمہاری یہ زندگی اور یہ صحت صرف میری دعاؤں کی مرہون منت نہیں ہے بلکہ اس میں دوسرے لوگوں کی محنت توجہ اور دعائیں شامل

ہیں خاص طور پر انکل آنٹی اور ڈاکٹر ذیشان اور خاص طور پر ہم ڈاکٹر ذیشان کے احسانات کو تو کبھی بھی فراموش نہیں کرسکتے۔انہوں نے تمہارے لیے وہ سب کیا ہے جو صرف ایک ڈاکٹر نہیں کرسکتا وہ اس سے بھی بہت بڑھ کر ہے۔" میں رواروی میں بول بیٹھی اور ڈاکٹر ذیشان کے بارے میں بول دیا۔

"میں جانتا ہوں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا؟" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"وہی جو کچھ ہوا ہے اور جو ڈاکٹر ذیشان اور مشتاق انکل نے کہا ہے مجھے سب کچھ پتا ہے لمحہ کی خبر ہے۔" اس کا لہجہ بدستور دھیما اور گہرائی لیے ہوئے تھا۔

"کیسے؟" میں پھر احمقانہ انداز میں بول اٹھی تو وہ ہنس پڑا اور بولا۔

"اس موضوع پر پھر کبھی گفتگو کریں گے۔" پھر میرے چہرے کو اس نے اپنی انگلیوں کی پوروں سے نرمی سے چھوا اور بولا۔

"تم نے یہ اپنا کیا حال بنا لیا ہے دیکھو تو کتنی کمزور اور زرد ہو رہی ہو' خود کو سنبھالو اور اپنا خیال رکھو' پلیز میرے لیے...!" اس نے ملتجانہ انداز میں میری آنکھوں میں جھانکا تو میں محض سر ہلا کر رہ گئی۔

"مجھے دیکھو میں تمہاری خاطر موت کی چوکھٹ چھو کر آگیا۔تمہارے ساتھ جینے کے لیے پیار کی رسمیں نبھانے کے لیے تمہارے اس ایک اظہار محبت نے مجھے زندگی کی جانب کھینچ لیا جو تم نے مجھ سے کیا تھا' میں تم سے بے پناہ کرتا ہوں سرمئی اتنی زیادہ جو لفظوں میں بیان نہیں کی جاسکتی اور شاید تم اس کا تصور بھی نہیں کرسکتیں۔" وہ دھیرے دھیرے بول رہا تھا اور اس کے الفاظ حرارت بن کر میری رگوں میں دوڑ رہے تھے۔

"میں بھی...!" میں نے بے ساختہ کہا اور اپنے گزرتے ہوئے ہاتھ حشام کے ہاتھوں پر رکھ دیے تب ایک بار پھر اس نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا۔

ہم ایک دوسرے میں جیسے پیوست ہوگئے ایک دوسرے کی دل کی دھڑکنوں کے ان نغموں کو سن رہے تھے وہ نغمے جو پیار بھرے دل ایک دوسرے کے

لیے گنگناتے ہیں۔ہمارے جسم ساکت تھے لب خاموش تھے بس دل دھڑک رہے تھے اور دلوں کی یہ دھڑکن ایک دوسرے کو پیغام دے رہے تھی کہ حشام اور سرمئی صرف ایک دوسرے کے لیے ہی تخلیق کیے گئے ہیں حشام کو اللہ نے تخلیق کیا ہزاروں میل دور بیٹھی ایک نو مسلم عورت جو زندگی کے لیے جنگ لڑ رہی تھی تو سرمئی کو تخلیق کیا ایک بے بس اور بے کس ماں کی کوکھ میں اور پھر قدرت نے انہیں ایک دوسرے سے ملوا دیا مائیں دونوں کی چھن گئیں لیکن انہیں پروان چڑھایا ایسی ماؤں نے جنہیں اللہ نے تخلیق جیسی نعمت سے محروم رکھا تھا۔

اچانک ہی کمرے کا دروازہ ایک ہلکی سی آہٹ کے ساتھ کھلا اور ڈاکٹر ذیشان اندر آگئے اور پھر جیسے میں اور حشام ہوش میں آگئے ہم ایک دوسرے سے دور ہٹ گئے حشام کے لبوں پر ایک جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ تھی تو میری نگاہیں مارے شرم کے زمین میں گڑھی جا رہی تھیں۔ڈاکٹر ذیشان کو یہ سب نہیں دیکھنا چاہیے تھا وہ کیا سوچ رہے ہوں گے میرے بارے میں' میرا شرم سے برا حال تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”ہیلو ینگ مین' ہاؤ آر یو؟“ ڈاکٹر ذیشان نے اندر آتے ہی اس طرح حشام کو مخاطب کیا جیسے انہوں نے کچھ دیکھا ہی نہ ہو' انہوں نے اس بات کو یکسر اگنور کردیا شاید انہوں نے میری شرم سے جھکی گردن اور نگاہیں دیکھ لی تھیں۔

”یہ تو آپ زیادہ بہتر بتاسکتے ہیں۔“ حشام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اگر یہ بات ہے تو پھر میں یہ کہوں گا کہ یو آر پرفیکٹ بس پرسوں ہم تمہیں ڈسچارج کر رہے ہیں۔بہت خدمتیں کروالی تم نے بس اب اپنے گھر جاؤ لیکن ہاں ابھی تمہیں ایک نرس کی ضرورت تو رہے گی اور میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ تم اسے ساتھ لے کر جاؤ وہ تمہاری دیکھ بھال اور خدمت کرے گی۔“ ڈاکٹر ذیشان نے پہلے حشام کی طرف پھر میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”جی۔“ حشام نے حیرت سے کہا۔

”کون سی نرس؟“ میرے منہ سے نکلا۔

”ہوں' لگتا ہے اس نرس کا تعارف کروانا ہی پڑے گا۔میں نے اس کے بارے میں طلال صاحب کو بھی آگاہ کردیا ہے وہ اس بات پر راضی بھی ہیں۔“ ڈاکٹر ذیشان نے اپنی مسکراہٹ کو لبوں میں دباتے ہوئے کہا۔

”لیکن ڈاکٹر ذیشان مجھے کسی نرس کی ضرورت نہیں ہے میں اب ٹھیک ہوں۔“ حشام نے گھبرا کر کہا۔

”بالکل ٹھیک ہو لیکن نرس کا تمہارے ساتھ ہونا بہت ضروری ہے۔“ ڈاکٹر ذیشان نے اٹل لہجے میں کہا۔

”لیکن ڈاکٹر۔“ ابھی حشام اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ روم کا دروازہ ایک بار پھر کھلا اور طلال انکل اور آنٹی اندر آگئے۔رسمی سلام دعا کے بعد ڈاکٹر ذیشان طلال انکل سے مخاطب ہو کر بولے۔

”بھئی طلال صاحب آپ کے صاحب زادے تو نرس کو اپنے ساتھ رکھنا ہی نہیں چاہتے۔اب آپ ہی انہیں سمجھائیں کہ وہ نرس ان کے لیے کتنی ضروری ہے۔“

”بھئی سرمئی بیٹی تم ہی حشام کو سمجھاؤ ہم جو بھی کر رہے ہیں اس کی بہتری اور صحت کے لیے کر رہے ہیں۔طلال انکل نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

”مم... میں کیا کہہ سکتی ہوں انکل؟“ میں منمنائی۔

”کہہ کیوں نہیں سکتیں بھئی حشام کو سمجھاؤ۔“ انکل نے کہا تو میں نے حشام کی جانب دیکھا اس کے چہرے پر غصہ اور جھنجلاہٹ نمایاں تھی۔

”ڈاکٹر ذیشان کہہ رہے ہیں تو ٹھیک ہی کہہ رہے ہوں گے۔تم کیوں انکار کر رہے ہو۔“ میں نے مردہ لہجے میں کہا۔

”یار کیا مصیبت ہے میں اس اسپتال کے ماحول سے گھبرا گیا ہوں کم از کم گھر کو تو گھر رہنے دیں نرس کیا کرے گی مجھے دوائیں وغیرہ دے گی نا' وہ میں خود کھالوں گا۔“ اب حشام کا غصہ کسی سے پوشیدہ نہیں رہا۔

”نہیں بھئی وہ صرف دوائیں تھوڑی کھلائے گی بلکہ وہ تمہارا ہاتھ تھام کر تمہیں لان میں واک کروائے گی تمہیں اپنے ہاتھ سے کھانا کھلائے گی تم سے اچھی اچھی باتیں کر کے تمہارا دل بہلائے گی۔“ ڈاکٹر ذیشان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔" حشام نے قطعی لہجے میں کہا۔"مجھے کسی نرس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے بھئی تمہاری مرضی۔" ڈاکٹر ذیشان نے ہار ماننے والے لہجے میں کہا اور ایک گہری سانس لی۔"ورنہ ہم لوگوں نے تو یہ سوچا تھا کہ سر مئی نامی اس نرس کا ساتھ پا کر تمہیں اچھا لگے گا تم اسے اپنے ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تو نہ سہی۔" انہوں نے کندھے اچکائے۔

"جی... ای... ای...!" میرے اور حشام کے منہ سے ایک ساتھ نکلا اور ڈاکٹر ذیشان اور طلال انکل کا قہقہہ فضا میں گونج اٹھا انکل طلال اور آنٹی کب کمرے میں آگئے ہمیں پتا ہی نہ چلا۔آنٹی بھی مسکراتے ہوئے ہماری جانب آئیں اور مجھے اور حشام کو ایک ایک ہاتھ سے تھامتے ہوئے بولیں۔

"بھئی اب بہت تنگ کرلیا آپ دونوں نے میرے بچوں کو' اصل بات میں بتاتی ہوں۔بات دراصل یہ تھی کہ ہم نے یہ پلان بنایا تھا کہ حشام جب اسپتال سے گھر آجائے گا تو ہم تمہیں بھی اپنے ساتھ چند روز کے لیے گھر لے جائیں گے اور اس طرح تمہارا اور حشام دونوں کا دل بہل جائے گا اور اس بات کی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اجازت میں روشن بہن سے پہلے ہی لے چکی ہوں۔انہیں اس پر کوئی اعتراض بھی نہیں ہے۔"

"لیکن وہاں امی اور اماں دونوں اکیلی...!" میں نے کہا۔

"تم ان کی فکر نہ کرو۔انہیں بھی ہم کسی نہ کسی طرح بلکہ اسی طرح برقعہ اور حجاب پہنا کر اپنے گھر لے آیا کریں گے جیسے اسپتال میں حشام سے ملوانے کے لیے لائے تھے۔" طلال انکل نے کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔" حشام نے چہک کر جھٹ کہا تو سب ہنس پڑے۔

اور پھر ٹھیک دو دن کے بعد ڈاکٹر ذیشان نے حشام کو اسپتال سے ڈسچارج کردیا اور پھر کرنل مشتاق کے ایک خصوصی سیکیورٹی اسٹاف کے ہمراہ ہم حشام کے گھر پہنچ گئے۔

☆...خ...☆

سفیان ان دنوں تقریباً فارغ ہی تھا اس مشن کو مکمل کرنے کے بعد ابھی اسے کسی اور مشن پر بھیجا نہیں گیا تھا البتہ کسی نئے مشن کے لیے تیاریاں جاری تھیں۔میٹنگز ہوتی رہتی تھیں۔

روزانہ رات کو جب وہ بستر پر سونے کے لیے لیٹتا تو غزالہ مجسم اس کے سامنے آکھڑی ہوتی۔اسے کبھی غزالہ کی آنکھوں میں اپنے لیے خفگی دکھائی دیتی تو کبھی شکوہ، کبھی وہ سرتا پا انتظار بنی ہوتی۔کبھی غزالہ کی غزالی آنکھوں میں ایک وحشت سی بھری ہوئی اور وہ اس سے کہتی۔

”کب آؤ گے سیفی، کہیں تم اتنی دیر مت کردینا کہ جب تم یہاں آؤ تو مجھے نہ پاؤ۔“

اور غزالہ کی آنکھوں اور لہجے کی یہ وحشت اسے بھی وحشت زدہ کردیتی وہ ہڑبڑا کر اٹھ کے بیٹھ جاتا اور یہ اذیت ناک خیال کسی ناگ کے ڈنک کی مانند اسے چھیدتا رہتا کہ کہیں حقیقت میں ایسا نہ ہو جائے ابھی تو یہ کمٹمنٹ صرف اس کے اورغزالہ کے درمیان تھی ابھی بڑوں تک ان کے دلوں کے فیصلے نہیں پہنچے تھے۔اب اسے رہ رہ کر پچھتاوا ہونے لگا کہ وہاں سے آتے ہوئے اسے یہ بات اشاروں اور کنایوں میں بے بے کے کانوں میں ڈال دینا چاہیے تھی تاکہ اگر ماما اور مامی اسے کسی دوسری جگہ بیاہنے کا سوچتے تو بے بے فوراً انہیں روک لیتیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

پھر اسے یہ سوچ کر تھوڑی تسلی ہوجاتی کہ اس کی چھوٹی بہن سفینہ تو اس کے جذبات اور احساسات سے آگاہ ہے اگر ایسی کوئی بات ہوئی تو وہ ضرور اس کا خیال رکھے گی۔

اس نے سوچا کہ وہ سفینہ سے فون پر اس بات کی ضرور تاکید کردے گا کہ بے بے کے کان میں یہ بات ڈال دے اور اس سے پہلے کہ کوئی اس کی غزالہ کو لے اڑے بے بے کو ماما جی سے اسے سفیان کے لیے مانگ لینا چاہیے۔

اس روز نجانے کیوں بار بار اس کی نیند ٹوٹ جاتی۔نیند سے بے دار ہونے کا سبب بھی غزالہ ہی تھی۔وہ مسلسل اس کے خواب میں آرہی تھی اور اسے بلا رہی تھی۔اس وقت جب وہ بے دار ہوا تب بھی وہ غزالہ کو خواب میں دیکھ رہا تھا۔وہ مسلسل رو رہی تھی اور اس کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ایک نہ دکھائی دینے والی ہستی اسے سفیان سے دور کر رہی تھی۔

وہ ہڑبڑا کر بستر سے اٹھ کر بیٹھ گیا سارا جسم پسینے میں شرابور تھا اور سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں۔اس کا دل کہنے لگا ضرور کوئی بات ہے غزالہ کا اس کا

ہاتھ تھامنے کی کوشش کرنا اور کسی کا اسے کھینچ لینا کسی بھی اچھی بات نہ ہونے کی جانب اشارہ کر رہا تھا۔

اس نے گھڑی میں ٹائم دیکھا فجر کی اذان میں تھوڑی دیر ہی باقی تھی اس نے فوراً بستر چھوڑ دیا اور نماز کی تیاری کرنے لگا۔

اذان ہوئی تو وہ کچن کے احاطے میں موجود مسجد کی جانب چل دیا۔مسجد نمازیوں سے خالی تھی۔جماعت ہونے میں ابھی ٹائم تھا۔وہ ایک جانب بیٹھ کر صدق دل سے اللہ کے حضور دعا کرنے

لگا کہ اللہ کرے ایسا کچھ نہ ہو جیسا وہ سوچ رہا ہے کاش یہ خواب' اس کے لیے صرف ایک پریشان خیال ثابت ہوا۔

اس نے فیصلہ کیا کہ ناشتے سے فارغ ہو کر وہ گھر پر فون کرے گا اور سفینہ سے کہے گا کہ وہ آج ہی بے بے کو ماما جی کے گھر بھیج دے۔حالاں کہ ایسا اس ہی کا کہنا تھا کہ وہ سفینہ کی شادی کے بعد ہی اپنی شادی کرے گا لیکن کیا ہوا ابھی وہ شادی تھوڑی کررہا ہے' ابھی تو وہ صرف منگنی کرے گا۔شادی

وہ سفینہ کی شادی کے بعد ہی کرے گا۔اس نے اپنے آپ کو تسلی دی اور مطمئن ہو گیا۔

نماز فجر سے فارغ ہو کر وہ ایکسر سائز کے لیے گراؤنڈ میں آگیا۔دو گھنٹے کی ہارڈ ایکسرسائز کرنے کے بعد وہ اپنے روم میں آیا اور غسل کے بعد میس میں ناشتے کے لیے چلا گیا۔

ناشتے کے بعد وہ روم میں پہنچا ہی تھا کہ کرنل صاحب کی جانب سے اس کا بلاوا آگیا۔اس نے گھر پر فون کرنے کا خیال موخر کردیا اور کرنل صاحب کے روم کی جانب چل دیا وہاں جاکر معلوم ہوا کہ کرنل احتشام نے میٹنگ ہال میں طلب کیا ہے۔

ہال میں اس سے پہلے ہی چند دوسرے افراد موجود تھے' اس کے وہاں پہنچتے ہی میٹنگ کا باقاعدہ آغاز ہوا' کرنل احتشام نے بتایا کہ ان دنوں پاکستان میں ”ہندوستان کی بدنام زمانہ تنظیم ”را“ اور اسرائیل کی تنظیم ”موساد“ کے ایجنٹ کافی سرگرم ہیں وہ مختلف ناموں حلیوں میں یہاں موجود ہیں اور پاکستان کی سلامتی کے خلاف مل کر کام کررہی ہیں۔کہیں جدا جدا اور کہیں مشترکہ کام

کررہی ہیں بعض ایجنٹ ایسے ہیں جو بیک وقت دونوں کے لیے کام کررہے ہیں۔

ایسے ہی دو ایجنٹ ہماری نگاہ میں آئے ہیں آج رات ہوٹل امپیریل میں وہ دونوں ایک شادی کی تقریب میں شرکت کررہے ہیں' تمہیں ان دونوں کو صفحہ ہستی سے مٹانا ہے لیکن اگر..." کرنل احتشام لمحے بھر کو رکے پھر سب کے چہروں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور دوبارہ گویا ہوئے۔

"اگر تم انہیں زندہ پکڑ سکو تو یہ بہت اچھی بات ہوگی اور اگر یہ تمہارے لیے ممکن نہ ہو تو تمہیں اختیار ہے تم انہیں وہیں ٹھکانے لگاسکتے ہو۔"

پھر کرنل احتشام نے ان دونوں کے نام اور تصاویر سفیان کو دکھائیں پھر سب کو ان کی ڈیوٹیز اچھی طرح سمجھائیں اور پھر میٹنگ برخاست ہوگئی۔

سفیان کو اسی روز اپنے مشن پر روانہ ہونا تھا' مشن کیا اس کے ذمہ دیا گیا وہ سب کچھ بھول گیا۔نہ تو غزالہ یاد رہی اور نہ ہی گھر پر فون کرنا یاد رہا۔

ہوٹل امپیریل کی دوسری منزل کے ایک کمرے میں فیضان اپنی پوری تیاریوں کے ساتھ موجود تھا' اسے بڑی شدت کے ساتھ یہاں ہونے والی شادی کی تقریب اور بارات کا انتظار تھا۔

اس کی اطلاع کے مطابق رات نو بجے بارات کو آنا تھا' وہ کئی مرتبہ نیچے اتر کر باراتیوں کے بیٹھنے والے ہال کا جائزہ لے کر آیا تھا لیکن ابھی تک وہاں کوئی مہمان نہیں آیا تھا۔

اس نے کھڑے ہوکر ہال کا اچھی طرح سے جائزہ لیا' ہوٹل کے ملازمین نے ہال کو تقریب کے لیے بہت سلیقے سے سجایا تھا' دولہا اور دلہن کے بیٹھنے کا اسٹیج بھی فریش پھولوں کی ڈالیوں سے سجایا تھا' سائیڈوں میں پھولوں کے بڑے بوکے رکھے تھے اور درمیان میں مخملیں صوفہ سیٹ رکھا تھا۔

یہ شادی ایک سیاسی لیڈر کی بہن کی شادی تھی۔اس تقریب میں بہت خاص خاص لوگ ہی انوائٹ تھے' یہاں آنے والے مہمانوں کو خصوصی پاس جاری کیے گئے تھے' سفیان کے پاس بھی اس شادی کا خصوصی دعوت نامہ تھا' وہ ہوٹل کے کمرے میں ایک بزنس مین کی حیثیت سے ٹھہرا ہوا تھا جو اس

شادی کی تقریب میں خصوصی طور پر شرکت کے لیے دوسرے شہر سے آیا تھا اس وقت وہ کسی دوسرے شخص کے میک اپ میں تھا' نام بھی جعلی تھا اور شناختی کارڈ بھی جعلی تھا اور یہ ساری چیزیں اسے کرنل احتشام نے مہیا کی تھیں۔

ہال کا اچھی طرح سے جائزہ لینے کے بعد وہ اپنے روم میں دوبارہ آگیا' اس نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے میک اپ کا تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لیا۔وہ جب اس ہوٹل میں آیا تھا تب سیکورٹی نے اس کی مکمل طور پر تلاشی لی تھی' اس کے پاس کسی بھی قسم کا کوئی اسلحہ موجود نہیں تھا۔

ابھی تھوڑی دیر قبل ہی روم کی صفائی کرنے والا عملہ اپنی ٹرالی کے ہمراہ اس کے کمرے میں آیا' انہیں بیڈ شیٹ اور واش روم کا تولیہ وغیرہ تبدیل کرنا تھا اور روم کی صفائی کرنی تھی۔

یہ عملہ جب اس کے کمرے کی صفائی کرکے چلا گیا تب اس کے بیڈ کے نیچے اس کی مطلوبہ اشیاء موجود تھیں۔اس نے تمام ضروری سامان اپنے کوٹ کی جیبوں میں منتقل کرلیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

وہ ٹہلتا ہوا کھڑکی کی جانب آیا تب اس نے دولہا کی سجی سجائی کار کو دیکھا تو اسے اندازہ ہوا کہ بارات آگئی ہے۔

اس نے نیچے جانے سے پہلے ایک بار پھر ریوالور کو چیک کیا اس سے گولیاں نکال کر گراری کو گھما کر چیک کیا' گولیوں کو الٹا پلٹا کر ان کا جائزہ لیا اور پھر ریوالور کو لوڈ کرکے جیب میں رکھ لیا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

اس کا رخ ہوٹل کے گیٹ کی جانب تھا جہاں سے باراتی اندر آرہے تھے' یہاں پر دلہن والوں کی جانب سے کچھ مرد عورتیں اور لڑکیاں بارات کے استقبال کے موجود تھے۔

باراتیوں میں اسے مختلف سیاسی پارٹیوں کے خاص خاص ورکرز اور کچھ لیڈران دکھائی دیئے لیکن اسے فی الحال ان سے کوئی سروکار نہیں تھا' اس کی کوٹ کی جیب میں ہینڈ گرینڈ بھی ہنگامی

صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے موجود تھا۔

اس کی نگاہیں بڑی بے قراری کے ساتھ اپنے شکار کو تلاش کررہی تھیں۔

باراتی اب گاڑیوں سے اتر کر ہوٹل کے گیٹ سے اندر ہال کی جانب

بڑھنا شروع ہوگئے تھے اور پھر اچانک ہی اس کی تیز عقابی نگاہوں نے اسے دیکھ لیا۔وہ ایک بلیک شیشوں والی لینڈ کروزر سے اترا تھا۔

ڈرائیور اسے اتار کر گاڑی کو پارکنگ ایریا کی جانب لے جارہا تھا اور پھر سفیان کی نگاہوں نے جلد ہی تاڑ لیا کہ چند سادہ کپڑوں میں لوگ اس کے باڈی گارڈز کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی سفیان نے اپنے دوسرے ساتھیوں کی جانب دیکھا جو مہمانوں میں شامل تھے ان کی نگاہیں آپس میں چار ہوئیں اور ایک دوسرے کو ایک خاص پیغام دے گئیں۔سب اپنی جگہ الرٹ تھے، سفیان غیر محسوس طریقے سے اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کررہا تھا۔

وہ سیاہ رنگ کی شیروانی میں ملبوس تھا، چہرے پر خشخشی داڑھی، آنکھوں میں کمانی دار چشمہ تھا اور ہاتھ میں بید کی اسٹک تھی۔یہ اخوند زادہ ایاز خان تھا۔
کرنل احتشام کے مطابق یہ شخص "را" کا ایجنٹ تھا اگر یہ باآسانی ان کی گرفت میں نہ آسکے تو اسے وہیں ختم کرنے کا حکم تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اچانک ہی ایسا کچھ ہوا کہ وہاں ایک ہلچل سی مچ گئی، سفیان کا ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا تب ہی ایک فائر کی آواز گونجی اور سفیان کی نگاہوں نے ایک سیاسی لیڈر کے سینے سے خون کا فوارہ ابلتے ہوئے دیکھا۔

فائر کی یہ آواز سفیان کے حواس پر بجلی بن کر گری، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہاں اس کے علاوہ کچھ دوسرے لوگ بھی اپنے شکار کرنے کے لیے آئے ہوں گے۔

اخوندزادہ ایاز خان بھی لمحہ بھر کو حواس باختہ ہوگیا۔جلد ہی اس کی نگاہوں نے بھی اس سیاسی لیڈر کو دیکھ لیا جو سینے پر ہاتھ رکھے تیزی کے ساتھ نیچے کی جانب جھک رہا تھا، یہ دیکھ کر اس نے ایک اطمینان بخش سانس لی۔

صرف چند لمحوں میں سارا کھیل تمام ہوگیا۔سفیان اور اس کے ساتھیوں کی نگاہوں کا ایک بار پھر ٹکراؤ ہوا۔

سفیان کا ہاتھ کوٹ کی جیب میں رینگ گیا اس کا ہاتھ دھواں پیدا کرنے والے ایک چھوٹے سے بم سے ٹکرایا۔

پھر اس کی بجلی کی سی تیز نگاہوں نے اس شخص کو بھی تاڑ لیا جو اپنی جیب میں ریوالور منتقل کرکے تیزی سے باہر کی جانب جارہا تھا۔

سفیان نے بم نکال کر تیزی سے اچھال دیا ہر جانب دھواں دھواں پھیل گیا پھر وہ کسی چیتے کی مانند اڑتا ہوا اپنے دوسرے شکار پر جھپٹ پڑا اور اپنا ریوالور نکال کر اس کی کنپٹی پر لگاتے ہوئے غرایا۔

"ہینڈز اپ۔"

"کون ہو تم؟" دوسرے شخص نے اپنی نگاہیں تیزی سے چاروں جانب گھماتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

لیکن جواب دینے کے بجائے سفیان ایک ہاتھ سے اس کے دونوں ہاتھوں کو پیچھے کی جانب موڑ کر اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔وہ بے دردی کے ساتھ اسے گھسیٹتا ہوا باہر کی جانب جارہا تھا تب ہی ایک سیاہ شیشوں والی شیورلیٹ سامنے آگئی اور سفیان اس شخص سمیت گاڑی کے اندر موجود تھا۔

مزیدار دو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

وہ بری طرح اس کی گرفت میں مچل رہا تھا' تب ہی گاڑی میں موجود دوسرے شخص کے ایک نپے تلے ہاتھ کے وار نے اسے گردن ڈالنے پر مجبور کردیا۔

ہوٹل کے اندر افراتفری مچی ہوئی تھی' چیخ و پکار تھی۔دوسرے نہ جانے کیسے یہاں گیٹ پر ہر جانب دھواں دھواں ہی تھا۔

دھوئیں کے یہ بادل چھٹے تو اخوندزادہ ایاز خان وہاں موجود نہیں تھا اس کے باڈی گارڈز آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے چاروں جانب تلاش کررہے تھے اور وہ سیاسی لیڈر جس کو گولی لگی تھی دم توڑ چکا تھا۔

سفیان بہت تیزی کے ساتھ گاڑی بھگاتے ہوئے ہیڈ کوارٹر میں ان لوگوں کو لے آیا اور وہاں پہنچتے ہی کرنل احتشام کو اطلاع دی۔کرنل احتشام یہ سن کر بے حد خوش ہوئے کہ وہ اس شخص کو زندہ پکڑ لائے ہیں' ساتھ ہی سفیان نے انہیں یہ بھی بتایا کہ ہم نے اس سیاسی لیڈر کے مبینہ قاتل کو بھی پکڑ لیا ہے۔ہوسکتا ہے کہ ہم اس سے بہت سی اہم معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں کیوں کہ میں یہ بات اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اتنے اہم

آدمی کا مرڈر کوئی معمولی بات نہیں ہے اور نہ ہی یہ کام کوئی عام آدمی کرواسکتا ہے۔اس سیاسی لیڈر کی پارٹی اس وقت حکومت میں شامل ہے' اس کے علاوہ انہیں دو دن پہلے بھی ایک صوبائی وزیر کے قتل کی اطلاع مل چکی تھی' آخر یہ کون ہے جوان لوگوں کو قتل کروا رہا ہے۔

کرنل احتشام سفیان کی اس کارکردگی سے بھی بے حد خوش تھے انہوں نے سفیان کو فوراً واپس آنے کا حکم دیا۔سفیان نے ان دونوں بندوں کو اپنے آدمیوں کے حوالے کیا اور اپنی پارٹی کے تمام آدمیوں کے ہمراہ واپس آگیا۔

کرنل احتشام میٹنگ ہال میں ان کے منتظر تھے' ان کے ہمراہ میجر شبیر بھی موجود تھے۔دونوں نے بہت خاموشی اور دلچسپی سے اس کی ساری روداد سنی' سفیان کی بات مکمل ہوئی تو کرنل احتشام نے بڑے فاخرانہ انداز میں سفیان کی جانب دیکھا پھر میجر شبیر سے مخاطب ہوئے۔

"میں نے آپ سے کہا تھاں نا میجر شبیر کہ میں نے اس بندے میں بہت سی کوالٹی دیکھی ہیں' آپ نے دیکھا میرا فیصلہ کتنا صحیح تھا۔اس میں جوش و ولولہ

تو ہے ہی اس کے علاوہ بہادری کے ساتھ ساتھ یہ عقل مند اور معاملہ فہم بھی ہے اور بروقت اپنی قوت فیصلہ سے کام لیتے ہوئے بہترین فیصلہ کرنا بھی اس کی اضافی خوبیوں میں شامل ہے۔"

"ویل ڈن مائی بوائے!" میجر شبیر نے تحسین آمیز لہجے میں کہا اور کہتے ہوئے وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر سفیان کے نزدیک آگئے اور سفیان کی پیٹھ تھپتھپائی۔

ان کو اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا تو سفیان بھی اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور تعظیماً اپنے سر کو ذرا سا خم دے کر جھکادیا' پھر اس نے کہا۔

"میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور کہو۔" کرنل احتشام نے کہا۔

"بات یہ ہے کہ سر کہ یہ کارنامہ اکیلا میرا نہیں ہے اس میں میرے ساتھ میری پوری ٹیم شامل تھی اور یہ سب بھی اتنے ہی ذہین اور چاک و چوبند ہیں جتنی تعریف آپ نے میری کی ہے اگر یہ لوگ بروقت میری نگاہوں کے اشارے نہ سمجھتے اور کام نہ کرتے تو ہم یوں کامیاب نہ ہوتے۔" میری بات

سن کر میجر شبیر نے دھیرے سے تالی بجا کر ایک بار پھر مجھے سراہا پھر بولے۔

”آج تم آرام کرو‘ کل تم ہی ان لوگوں سے پوچھ گچھ کا کام انجام دینا۔ہم یہ بھی تو دیکھیں کہ تم کس طرح ان کے سینے سے راز اگلواؤ گے۔“

جواباً وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر قدرے جھک گیا اور پھر ان سے جانے کی اجازت طلب کی۔سفیان اور اس کی ٹیم کے افراد باہر نکل آئے‘ اس نے فرداً فرداً ان لوگوں سے بات کی اور انہیں سراہا۔

سفیان اپنے روم میں آیا اور غسل کرکے نماز ادا کی‘ ساتھ ہی شکرانے کے نوافل بھی ادا کیے کہ اللہ کریم نے اس کی بھرپور مدد کی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی رہا لیکن ابھی ایک اور سخت مرحلہ باقی تھا ان کے سینے سے بہت سے راز اگلوانے تھے‘ اس کے لیے بھی اللہ سے مدد کی دعا مانگی اور لیٹ گیا‘ ذرا ہی دیر بعد وہ گہری اور پُرسکون نیند سو گیا۔

اگلے دن ناشتے سے فارغ ہوکر سفیان نے کرنل احتشام کو مطلع کیا اور ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا۔سفیان نے روم میں جاکر دونوں کو دیکھا‘ یہ تبادوں کہ ہم نے ان دونوں کو الگ الگ روم میں رکھا ہوا تھا۔

سفیان اخوندزادہ ایاز خان کے کمرے میں گیا تو وہ اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورنے لگا اور بولا۔

”ہمیں کیوں یہاں اس طرح مجرموں کی طرح پکڑ کے لایا گیا ہے آخر میرا قصور کیا ہے‘ میں اس ملک کا ایک باعزت شہری ہوں۔بزنس کرتا ہوں اور میرے بہت اوپر تک تعلقات ہیں‘ تمہارے حق میں یہی بہتر ہوگا کہ مجھے فوراً چھوڑدو ورنہ تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا نہیں کرواسکتا۔“ سفیان نے بہت اطمینان سے اس کی بات سنی اور آگے بڑھ کر ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے منہ پر دے مارا۔

تھپڑ اتنی زور کا تھا کہ ایاز خان الٹ کر پیچھے کی جانب گرپڑا۔تھپڑ کی شدید ضرب سے اس کا رخسار اندر سے پھٹ گیا اور اس کی باچھوں سے خون بہہ نکلا۔وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنی باچھوں سے بہنے والا خون صاف

کرتے ہوئے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا پھر ہکلاتے ہوئے بولا۔

”مم... میرا قصور کیا ہے... کو... کون ہو... تم لوگ... اور مجھے یہاں کیوں اٹھا کر لائے ہو؟“ جواب میں سفیان نے ایک اور زناٹے دار تھپڑ اس کے دوسرے گال پر الٹے ہاتھ کا رسید کیا۔اب تو مزید تیزی سے اس کے منہ سے خون بہنے لگا اور وہ کھاجانے والی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

”فکر مت کرو مہاشے! تمہیں سب پتا چل جائے گا کہ تمہیں یہاں کیوں اور کس لیے لایا گیا ہے بلکہ میرا خیال ہے تمہیں یہ بات بتانے کی بھی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ تم خود اس بات سے اچھی طرح واقف ہو کہ تم کون ہو اور ہم تمہیں کیوں یہاں لائے ہیں۔تم نے کیا سمجھ رکھا تھاکہ ہم نے اپنی آنکھیں بند کررکھی ہیں، دیکھ لو ایسا بالکل بھی نہیں ہے اور تمہارے لاکھ بھروپ بدلنے کے باوجود ہم تمہیں پہچان گئے اور آج تم ہمارے پاس ہو۔“

”لیکن... دیکھیں آپ کو یقینا بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے، آپ کسی اور کے دھوکے میں...“ وہ منمنایا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”شٹ اپ!“ سفیان دہاڑا اور تیزی سے اس کے روم سے باہر نکل آیا۔

ایاز خان کے پاس سے آکر سفیان ایک بار پھر اس فائل کا مطالعہ کرنے لگا جس میں ایاز خان کے بارے میں ساری انفارمیشن موجود تھیں۔فائل کے مطابق ایاز خان جس کا اصل نام راجیش پٹیل تھا۔وہ ”را“ کا ایک بہت زیرک اور شاطر ایجنٹ تھا اور پچھلے سات سال سے پاکستان میں اخوند زادہ ایاز خان کے نام سے ایک بزنس مین کی حیثیت سے رہ رہا تھا۔ایجنسی والے اس کو کافی عرصے سے واچ کررہے تھے، وہ سرخ و سپید رنگت کا اور بھاری تن و توش کا مالک تھا۔دیکھنے میں وہ کسی قبائلی پٹھان کی مانند لگتا تھا، اس کے سائیڈ بزنس کے طور پر غیر ملکی اسلحہ کی ترسیل، منشیات کی اسمگلنگ بھی تھی۔کل جس سیاسی لیڈر کا قتل ہوا تھا اس کے لیے بھی یہ خیال تھا کہ اس میں بھی اخوندزادہ ایاز خان ملوث ہے۔

اب جب کہ وہ ان کے ہاتھ آچکا تھا تو اس سے بہت کچھ اگلوانا تھا، یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ اس کے یہاں کن کن لوگوں سے تعلقات ہیں۔جس طرح یہ ایک مسلمان تاجر کے بھیس میں رہ کر اپنی مذموم کارروائیاں کررہا تھاسی

طرح اس کے دوسرے ساتھی بھی یقینا ہوں گے اس کے علاوہ ایک عورت فیروزہ نامی جو ڈھکے چھپے ایک فحاشی کا اڈہ چلا رہی تھی اور شوقین مزاج امیر زادوں کو لڑکیاں سپلائی کرتی تھی۔اس کے ساتھ بھی ایاز خان کے کافی قریبی مراسم تھے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایاز خان کا تعلق بھی ایک شوقین مزاج اور عیاش مرد کی حیثیت سے فیروزہ کے ساتھ ہو اور یہ بھی بہت ممکن ہے کہ وہ بھی اس کی ساتھی ہو اورپاکستان میں فروغ پانے والی دہشت گردی میں اس کا بھی اتنا ہی حصہ ہو جتنا ایاز خان کا ہے۔

اس سے پہلے بھی کئی کیسز میں یہ بات سامنے آچکی تھی کہ ”را“ کے یہ ایجنٹ حسین اور جوان لڑکیوں کو بڑے بڑے بیورو کریٹس، سیاسی لیڈرز اور کارکنان اور حکومت میں موجود اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگوں کے پاس تحفے کے طور پر بھیجتے ہیں اور پھر وہ ان سے بہت سی اہم معلومات حاصل کرکے ”را“ کے ان ایجنٹس کے حوالے کردیتی ہیں، ملک کی سلامتی اور اسلام دونوں کے لیے یہ فحاشی پھیلانے والی لڑکیاں خاصا اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کرنل احتشام نے اپنی میٹنگ کے دوران یہ بھی بتایا تھا کہ فیروزہ نامی اس عورت کی بھی کڑی نگرانی کی جارہی ہے اور دیکھا جارہا ہے کہ وہ لڑکیاں کہاں اور کن لوگوں کے پاس بھیج رہی ہے۔فوری طور پر اس پر شک کیے جانے کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ اس کی ایک لڑکی آج کل ایک فوجی کیپٹن کے ساتھ دیکھی جارہی ہے۔

ایاز خان کے مطابق یہ ساری باتیں اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے بعد سفیان اس شخص کے کمرے میں گیا جس نے اس سیاسی لیڈر کو فائرنگ کرکے قتل کر ڈالا تھا۔اس کا پستول تو پہلے ہی ان لوگوں نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا اور اس کی گولی کی ساخت کی بھی پڑتال کرلی گئی تھی۔اب صرف اس سیاسی لیڈر کے جسم میں موجود اس گولی کی رپورٹ آنا باقی تھی تاکہ دونوں کو میچ کیا جاسکے اور یہ بات قطعی طور پر کنفرم ہوسکے کہ اس سیاسی لیڈر جس کا نام بہروزملک تھا، اس کا قاتل یہی شخص ہے۔

ویسے تو براہ راست ان لوگوں کا تعلق پولیس سے نہیں تھا اور نہ ہی یہ لوگ ان کے کاموں میں مداخلت کرتے تھے لیکن وہاں بھی ان کے بہت سے خاص

بندے موجود تھے جو بظاہر تو محکمہ پولیس کے ملازم تھے لیکن اصل میں وہ ایجنسی کے بندے تھے۔اس لیے بہروز ملک کی پوسٹ مارٹم رپورٹ حاصل کرنا کچھ بھی مشکل کام نہیں تھا۔

ابھی اس شخص کی گرفتاری سب سے خفیہ اس لیے رکھی گئی تھی کہ یہ دور میڈیا کا دور ہے اور یہاں کوئی بھی بات لمحہ بھر بھی چھپی نہیں رہ سکتی اگر ایاز خان اور اس شخص کی گرفتاری کی خبر عام ہوگئی تو "را" والے پوری طرح الرٹ ہوکر انڈر گراؤنڈ ہوجائیں گے اور اگر ایسا ہوجاتا تو ان کے لیے مزید مشکلات پیدا ہوجاتیں۔

سفیان اس کے کمرے میں آیا تو وہ سر جھکائے بیٹھا تھا اس کے دونوں ہاتھ پشت کے پیچھے ہی لوہے کی ایک زنجیر سے بندھے ہوئے تھے اور زنجیر ایک لوہے کے کڑے سے منسلک تھی جو دیوار میں پیوست تھا اور اس کی دونوں ٹانگیں الگ الگ کرکے باندھی گئی تھیں وہ بھی زنجیر دیوار میں گڑھے ایک لوہے کے کڑے سے منسلک تھیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

سفیان جب اس کے روم میں پہنچا تو اس کے چہرے پر اپنے ملک کے اس دشمن کو دیکھ کر خودبخود سفاکی اور درندگی امڈ آئی۔اس کے جبڑوں کی ہڈیاں ایک دوسرے میں کچھ اتنی سختی کے ساتھ بھینچی ہوئی تھیں کہ وہ اس کے چہرے سے بالکل الگ دکھائی دے رہی تھیں۔اس کے ہاتھ میں ایک بید کی چھڑی تھی جس کے سرے پر لوہے کا ایک خول چڑھا ہوا تھا۔سفیان نے اپنی شعلہ برساتی ہوئی نگاہیں اس شخص پر گاڑی ہوئی تھیں پھر اس نے آواز دے کر جنید کو بلایا۔

جنید کمرے میں آیا تو اس نے ایک ہاتھ میں کاغذ قلم اور دوسرے میں ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈ تھا۔وہ کمرے کے کونے میں رکھی کرسی پر آکر بیٹھ گیا اور قریب ہی رکھی چھوٹی سی میز پر ٹیپ ریکارڈ رکھ کر اسے آن کردیا۔

"تمہارانام؟" سفیان نے اپنی تیز نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں پتا ہوگا۔" اس نے بے زار کن لہجے میں جواب دیا اور لمحہ بھر کو سر اٹھا کر دوبارہ گردن جھکالی۔

"کس کے لیے کام کرتے ہو؟ میرا مطلب ہے کس کے کہنے پر تم نے مہروز ملک کا قتل کیا ہے؟" سفیان اس کے جواب کو بڑے صبر کے ساتھ پیتے ہوئے بولا۔

"یہ بات بھی تمہیں معلوم ہوگی؟" اس نے سفیان کی نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے سابقہ لہجے میں جواب دیا۔

"چلو یہ بتادو کہ کس کے کہنے پر یہ قتل کیا ہے؟" سفیان نے اپنا غصہ دبانے کے لیے اپنے ہونٹوں کو بھینچ کر سوال کیا۔

"اپنی مرضی سے۔" اس نے کندھے اچکا کر جواب دیا پھر تمسخرانہ انداز میں دھیرے سے ہنسا اور بولا "میرا دل چاہ رہا تھا بس میں نے اسے ماردیا... سالا... الو کا پٹھا۔"

"تمہارا دل بھی بہت خوب ہے وہ بڑے عجیب عجیب سے کام کرنے کے لیے تم سے کہتا ہے اور تم کر گزرتے ہو۔" سفیان نے طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ مسکرانے لگا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"تو تم اس طرح نہیں مانو گے میں نے تو یہ سوچا تھا کہ بہت آرام سے سیدھی طرح تم سے بات کروں گا لیکن میری یہ شرافت تمہیں راس نہیں آرہی ہے تو پھر ٹھیک ہے تم اگر ایسا چاہتے ہو تو ایسا ہی سہی حالاں کہ میں کبھی کسی پر سختی نہیں کرتا۔ بہت رحم دل واقع ہوا ہوں تم خود ہی مجھے سختی پر مجبور کررہے ہو۔" سفیان نے بڑے نرم لہجے میں کہا۔

"کیا کرلو گے تم... یہی ناں زیادہ سے زیادہ میری جان لے لو گے۔ تو لے لو میں نفرت کرتا ہوں اپنی زندگی سے۔" اس نے حقارت آمیز لہجے میں کہا تو سفیان چند لمحے کھڑا اس کی شکل دیکھتا رہا پھر اس نے جنید کو اشارہ کیا کہ وہ ٹیپ ریکارڈ کا بٹن آف کردے۔ جنید نے اس کے اشارے پر ٹیپ ریکارڈ کا بٹن آف کردیا اور کاغذ اور قلم میز پر رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"رستم خان کو بلاؤ... کوئیک!" سفیان نے کہا تو جنید تیزی سے روم سے نکل گیا۔ سفیان اس خالی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا جس سے جنید ابھی اٹھ کر گیا تھا۔ اس شخص نے دوبارہ سر اٹھا کر سفیان کی جانب دیکھا اور پھر سر جھکالیا۔

صرف پانچ منٹ بعد ہی جنید رستم خان کے ہمراہ کمرے میں موجود تھا۔رستم خان ایک مضبوط اور بھری جسامت کا لمبا تڑنگا شخص تھا۔چہرے کے نقوش سے سختی چھلک رہی تھی' اس نے آتے ہی سفیان کو سلیوٹ کیا اور زور دار آواز میں بولا۔

"یس سر!"

"آؤ رستم خان! ہمارا ایک مہمان تمہاری میزبانی سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔ ہم تو اسے ہلکی پھلکی غذا دینا چاہتے تھے لیکن یہ بڑی بھاری دعوت اڑانا چاہتا ہے' آؤ اس کی ٹھیک ٹھاک خاطر مدارت کرو۔" سفیان یہ کہتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اس کی نگاہیں اس شخص پر گڑھی ہوئی تھیں۔وہ پھر بولا۔

"اس کے سینے میں جو راز پوشیدہ ہیں یہ انہیں اگلنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے اس چھت پر پنکھے کی طرح الٹا لٹکا دیا جائے تاکہ اس کے سینے میں جو کچھ بھی ہے وہ اس کی ناک کے راستے باہر خود بخود نکل آئے۔" سفیان نے چھت کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

سفیان کی زبان سے یہ حکم سنتے ہی رستم خان بڑی سرعت کے ساتھ حرکت میں آیا اور اس نے جنید کے ساتھ مل کر چھت میں لگے ایک آہنی آنکڑے کے ساتھ لٹکتی ہوئی زنجیر سے الٹا لٹکا دیا۔

الٹا لٹکتے ہی اس کے جسم کا سارا خون سر اور چہرے کی جانب سمٹ آیا' پہلی مرتبہ سفیان کو اس کے چہرے پر خوف کی پرچھائیں لہراتی ہوئی دکھائی دیں۔

اور پھر سفیان کے ہی اشارے پر جیسے اس پر قیامت ٹوٹ پڑی۔وہ بری طرح تڑپنے لگا۔جنید کے ہاتھ میں بجلی کا تار تھا جو وہ لمحہ بھر کو اس لوہے کی زنجیر کے ساتھ ٹچ کردیتا جس سے بندھا وہ شخص الٹا لٹکا ہوا تھا برقی رو چند سیکنڈ میں اس کے جسم سے گزرتی اور اسے ہلا کر رکھ دیتی وہ ذبح کیے ہوئے بکرے کی مانند ڈکارنے لگتا۔

سفیان اطمینان سے کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا اس کی اس چیخ و پکار کا اس پر ذرا بھی اثر نہیں ہورہا تھا۔وہ ایک بار پھر اطمینان بھرے لہجے میں بولا۔

"ارے رستم خان! تم نے بکرا تو لٹکا دیا ہے اس کی کھال نہیں اتارو گے۔"

"کیوں نہیں جناب! کھال بھی اترے گی اور پائے بھی بنیں گے۔" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تو پھر انتظار کس کا ہے' شروع ہوجاؤ۔" سفیان نے کہا تو رستم خان ایک بہت لمبی اور باریک نوک والا چاقو لے کر آگیا' اس شخص نے جب رستم خان کے ہاتھوں میں چاقو دیکھا تو چیخ اٹھا اور بولا۔

"الو کے پٹھے! میں نے بتایا تو تھا کہ میں نے کسی کے بھی کہنے پر اس کو نہیں مارا تھا' میری پرانی دشمنی تھی اس کے ساتھ۔پرانے حساب کتاب نکلتے تھے اس کی طرف۔میں نے موقع دیکھتے

ہی اسے مار ڈالا۔"

اس کی آواز درد اور اذیت کی شدت سے پھٹی جارہی تھی' گردن کی ساری رگیں پھول کر ابھر آئی تھیں' ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے ابھی پھٹ پڑیں گے۔

"رستم خان اپنا کام شروع کرو' ہمارے ہاں بکروں کو پہلے ذبح کیا جاتا ہے ' ان کی جان جب نکل جاتی ہے تب ان کی کھال اتاری جاتی ہے لیکن ہم اس کی جان نکلنے نہیں دیں گے۔اس کی کھال اسی طرح سے اتاریں گے' کھال اتر

جائے تب اس کے دونوں پاؤں گھٹنوں سے کاٹ کر علیحدہ کر دینا۔" سفیان نے کہا اور دوبارہ کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔

رستم خان نے اس کی ننگی کمر پر چاقو کی تیز اور پتلی نوک سے ایک چرکہ لگایا تو وہ تڑپنے اور مچلنے لگا لیکن رستم خان کا ہاتھ نہیں رکا اس نے دوسرا چرکہ لگایا اور ایک چھوٹا سا ٹکڑا کھال کر اتار کر ہاتھ میں لے لیا اور اس کی آنکھوں کے سامنے کرتے ہوئے بولا۔

"اتنے چھوٹے چھوٹے پیس ٹھیک رہیں گے یا سالم ہی کھال اتار لوں۔"

"تم ایسا نہیں کرسکتے' پلیز اس کو روکو۔میری بات کا یقین کرو' میں سچ بول رہا ہوں۔" وہ بُری طرح تڑپنے ور مچلتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے اس کے تکے بھوننے کے لیے ایک جلتی ہوئی انگیٹھی اس کے سر کے نیچے رکھ دو اور اس کے جسم پر جہاں سے کھال اتاری ہے وہاں مسالہ لگادو۔" سفیان نے کہا۔

"نہیں نہیں خدا کے لیے... مم... میں بتاتاہوں... میں سب کچھ بتاتا ہوں' مجھے نیچے اتارو۔" وہ بُری طرح روپڑا۔

"لگتا ہے تمہاری عقل ٹھکانے پر آگئی ہے لیکن یہ بات یاد رکھنا میں صرف سچ سننا چاہتا ہوں اگر تم نے ڈنڈی مارنے کی کوشش کی تو تمہارے جسم کے تکے بھون کر تمہیں ہی کھلائیں گے اور تمہیں مرنے بھی نہیں دیں گے۔" سفیان نے سفاک لہجے میں کہا۔

"مم... میں... وا... وعدہ کرتا ہوں سچ... بالکل سچ بولوں گا۔" اس نے بمشکل کہا اور اس کی آواز بلند ہوگئی۔وہ نیم بے ہوش ہوگیا۔

سفیان کے اشارے پر رستم اور جنید نے اسے نیچے اتارا' اس کی حالت خراب ہورہی تھی۔زمین پر آکر وہ منہ کھول کر گہری گہری سانسیں لینے لگے پھر سفیان کے اشارے پر اسے پہلے کی طرح زنجیروں سے باندھ دیا گیا اور رستم نے خون روکنے والی دوا اس اس کی کمر پر اس جگہ لگادی جہاں سے اس نے کھال اتاری تھی۔

وہ اب پوری طرح بے ہوش ہوچکا تھا' رستم اپنا کام کرکے جاچکا تھا۔جنید نے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے تووہ ہوش میں آنے لگا۔

جنید ایک بار پھر کرسی پر کاغذ قلم سنبھال کر بیٹھ گیا اور سفیان اس کے سامنے جاکر کھڑا ہوگیا اس کا چہرہ ہلدی کی مانند ہورہا تھا اس کا سارا دم خم نکل چکا تھا اور وہ ایک ہارا ہوا انسان دکھائی دے رہا تھا۔

"اب ہوجائے مطلب کی بات ' کیا خیال ہے؟" سفیان نے اس کی آنکھیں کھلی دیکھیں تو کہا۔جواب میں اس نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلادیا۔سفیان نے ایک بار پھر اس سے گزشتہ کیے گئے سوالات دہرائے جن کے اس نے شرافت کے ساتھ جوابات دیتے ہوئے بتایا۔

"میرا نام طارق ہے' میرا تعلق پنجاب سے ہے' یہیں میں پیدا ہوا' پلا بڑھا' تعلیم حاصل کی۔میرے والدین بہت غریب لیکن شریف تھے' ہم آٹھ بہن بھائی تھے۔افسوس ناک بات یہ تھی اور شاید میری بدقسمتی بھی کہ میرے والدین کی آٹھوں اولادوں میں لڑکا صرف ایک میں ہی تھا اور یہ بھی میری بدنصیبی کہ سب سے بڑا تھا۔

ابا شاید اس لالچ میں بچے پیدا کرتے گئے کہ شاید اس بار ایک اور لڑکا پیدا ہوجائے لیکن سات بیٹیاں لائن سے پیدا ہوگئیں۔ابا خود تو ایک گارے مٹی اور

اینٹوں کا بوجھ اٹھانے والے مزدور ہی تھے لیکن مجھے وہ اچھی تعلیم دلوانا چاہتے تھے۔ان کا کہنا تھا کہ اسی منحوس غربت کے باعث میرے والدین نے مجھے تعلیم نہیں دلوائی لیکن میں اپنے بیٹے کی راہ میں اپنی اس غربت کو آڑے نہیں آنے دوں گا۔

میں اسکول جاتا رہا ابا مزدوری کرتے رہے وہ میری تعلیم کا بوجھ بھی اٹھارہے تھے اور سات بہنوں کا بوجھ بھی ان کے سر پر تھا پھر ایک دن ابا گارے کی تگاری اٹھائے ہوئے اونچی سیڑھی سے زمین پر آن گرے اور ہاتھ پاؤں تڑوا کر بستر پر آگئے۔

میں ان دنوں میٹرک میں تھا کیا کرتا' تعلیم چھوڑ دی اور مزدوری کرنے لگا۔ یہیں پر میری ملاقات بشیر سے ہوئی۔وہ ٹھیکیدار کے ساتھ آیا کرتا تھا' اس نے ہی مجھے سگریٹ کی لت لگائی۔کبھی کبھی میری مالی مدد بھی کردیا کرتا تھا اس نے مجھ سے بڑی پکی دوستی گانٹھ لی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں اس کے سامنے اپنی مالی مشکلات کا رونا بھی رویا کرتا تھا بہنیں جوان ہورہی تھیں۔ان کی شادی بھی کرنی تھی۔میری مزدوری کی رقم سے ہمارے پیٹ کی آگ بھی نہیں بجھتی تھی شادیاں

کیسے ہوتیں۔میں دن رات غم و فکر میں ڈوبا رہتا' ایک دن بشیر مجھے اپنے ساتھ دوستوں میں لے گیا اور انہوں نے مجھے چرس سے بھرا ہوا سگریٹ پلادیا' اسے پی کر تو میں فضاؤں میں پرواز کرنے لگا ہر جانب رنگ ہی رنگ دکھائی دینے لگے۔

مجھے بہت مزا آیا' میں گھر اور گھر والوں کی جانب سے دن بدن بے پروا ہوتا چلا گیا۔کئی کئی روز گھر نہیں جاتا' نہ ماں کو پیسے دیتا۔ایک دن کسی نے مجھے اطلاع دی کہ تمہاری ماں مرگئی ہے' میں نشے میں ڈوبا ہوا تھا' اس کی میت کو کاندھا بھی نہ دے سکا۔ہوش آیا تو جیسے آنکھیں کھلتی چلی گئیں۔بہت سی باتیں معلوم ہوئیں' میری بہنیں برے دھندے میں پڑگئی تھیں۔کیا کرتیں جہاں مزدوری کرنے گئیں ان لوگوں نے انہیں مفت کا مال سمجھ کر ہڑپ کرنا چاہا

تو انہوں نے ایک عورت کے کہنے پر اپنے دام لگا لیے ایک بہن نے خود کشی کرلی۔

میرا دل چاہا کہ خود کو گولی مار لوں یا اس بے رحم دنیا کو آگ لگادوں۔ایک بار پھر بشیر میرے کام آیا' وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر اخوند زادہ ایاز خان کے پاس آیا۔اس کے کہنے پر اور اس کی پشت پناہی پر میں نے بہت سے بڑے کام کیے۔غیر قانونی دھندنے کیے' وہ مجھے میرے کاموں کا بڑا بھاری معاوضہ دیا کرتا تھا۔

اس رقم سے میں نے اپنی باقی بچ جانے والی بہنوں کی شادیاں کردیں' دو گھر سے غائب ہوگئی تھیں ایک نے خود کشی کرلی تھی۔باقی چاروں کی میں نے شادیاں کردیں' اب میں فارغ تھا۔آزاد تھا اخوندزادہ ایاز خان کے ساتھ میں نے بڑی عیاشی کی زندگی گزاری ہے۔دنیا کی ہر خوشی اور عیش مجھے نصیب ہوا' تو کیا اس کے کہنے سے میں یہ ایک چھوٹا سا کام نہیں کرسکتا تھا۔اس نے کہا کہ مہروز ملک کا کام تمام کرنا ہے میں نے کہا' "کردیتے ہیں شادی کی اس تقریب میں وہ بھی تو آیا تھا۔" اتنا کہہ کے وہ خاموش ہوگیا۔

"ہوں تو یہ ہے تمہاری کہانی۔" سفیان نے پُرسوچ لہجے میں کہا پھر پوچھا "ایاز خان کے بارے میں تم اور کیا جانتے ہو' کچھ اس کے بارے میں بھی بتاؤ۔"

"کیا بتاؤں میں اس کے بارے میں' ایاز خان ایاز خان ہے۔خشک میوہ کا بزنس کرتا ہے اور مجھ جیسے بے سہارا اور پریشان حال نوجوانوں کے کام آتا ہے۔" اس نے کہا۔

"اچھا طارق مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے ایاز خان کے کہنے پر اور کون کون سے کارنامے انجام دیئے ہیں۔" سفیان نے پوچھا۔

"میں نے مہرو ز ملک سے پہلے بھی بہت سے لوگوں کو ایاز خان کے کہنے پر قتل کیا ہے۔اس کا بہت سا اسلحہ اسمگلنگ ہوکر بھارت سے یہاں آتا ہے۔ میں اس کے کئی کاموں سے غیر قانونی طریقے سے بھارت بھی جاچکا ہوں۔اس کا منشیات کا دھندا بھی ہے لیکن ایک بات میں بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ ایاز خان کے اوپر بھی کچھ لوگ ہیں جن کے کہنے پر وہ یہ سارے کام کرتا ہے۔" طارق نے مزید بتایا۔

"کبھی ایاز خان نے ملک میں بم بلاسٹ بھی کروائے ہیں۔" سفیان نے پوچھا۔

"ہاں کروائے ہیں' خود میں نے بھی دو جگہ بم بلاسٹ کیے ہیں۔ایک شاپنگ مال والا ۲ مئی کا بم بلاسٹ اور دوسرا ایک مذہبی جلوس میں ہونے والا بم بلاسٹ۱۸ ستمبر کو ہوا تھا وہ میں نے ہی کیے تھے۔" طارق نے اطمینان سے جواب دیا۔

"سنا ہے فیروزہ نامی ایک عورت کے ایاز خان سے بڑے قریبی تعلقات ہیں تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو؟" سفیان نے اس کے نزدیک فرش پر پنجوں کے بل بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ وہی حرام زادی کتیا ہے جس نے میری بہنوں کو بُرے دھندے پر لگایا تھا۔" طارق نے نفرت انگیز لہجے میں کہا۔

"پھر تم نے اس سے یا ایاز خان سے اس کی شکایت نہیں کی؟" سفیان نے دلچسپی سے پوچھا۔

"کی تھی' اس کتیا کا یہ کہنا تھا کہ میری بہنیں تو گلی گلی رُل رہی تھیں اس نے انہیں عزت سے روزگار پر لگادیا۔"

"کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ وہ اپنے ساتھ رہنے والی لڑکیوں کو حکومتی عہدوں پر فائز بڑے آدمیوں کے پاس کیوں بھیجتی ہے۔"

"ہاں تاکہ وہ بہت سے قیمتی راز ان کے حوالے کرسکیں' شراب کا جب نشہ سر چڑھ کہ بولے اور سامنے بے حجاب حسن اس کو لالچ دے تو سالا بڑے سے بڑا مرد بھی الو کا پٹھا بن جاتا ہے۔ایک رنڈی کے ہاتھوں میں بھی کٹھ پتلی بن جاتاہے اور پھر ہمیشہ ان تصویروں اور ویڈیوز کے ذریعے بلیک میل ہوتا رہتا ہے۔جس میں وہ مادر پدر آزاد اس لڑکی کے ساتھ داد عیش دے رہا ہوتا ہے۔" اس نے مردوں کو ایک اور ناقابل اشاعت فحش خطاب سے نوازتے ہوئے کہا۔

"کیا تم مجھے ان چند لوگوں کے نام بتاسکتے ہو جو ان کے ہاتھوں بلیک میل ہورہے ہیں اور ہاں بلیک میلنگ کا یہ کام کون انجام دیتا ہے؟" سفیان نے پُرجوش لہجے میں پوچھا۔

”ہاں دوچار سے تو میں بھی واقف ہوں' ایک فوجی میجر ہے نیاز سلطان نام ہے اس کا۔اس کے علاوہ ایک فلمی اداکار ہے' دو بندے پولیس کے محکمے سے ہیں اور ان کو بلیک میل کرنے کا کام ایاز خان خود کرتا ہے۔“

”کیا ایاز خان انہیں یہ بتاتا ہے کہ وہ ایاز ہے؟“

”نہیں! وہ کوئی اور نام استعمال کرتا ہے۔“

”اچھا طارق یہ بتاؤ کہ مہروز ملک کو ایاز خان نے کیوں قتل کروایا آخر ایسی کیا بات تھی؟“ سفیان نے لمحوں کی خاموشی کے بعد سوال کیا۔

”مہروز خان بھی فیروزہ بائی کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس چکا تھا اور پھر کسی طرح اس نے ایاز خان کو پہچان لیا۔اس نے ایاز خان کو دھمکی دی تھی۔ اس لیے ایاز خان نے اسے راستے سے ہٹادیا۔“

”تو کیا وہ ساری تصاویر اور ویڈیو ایاز خان کے پاس محفوظ ہیں؟ اگر ہیں تو کہاں رکھی ہیں؟“ سفیان نے پوچھا۔

”وہ تمام تصاویر اور ویڈیوز ایاز خان کے پاس ہی ہیں لیکن کہاں رکھی ہیں یہ میرے علم میں نہیں ہیں۔“ طارق نے جواب دیا۔

”ایاز خان نے فیروزہ بائی کو بڑی بھاری رقم دی ہوگی ان تصاویر اور ویڈیوز کے عوض۔“ سفیان نے پوچھا۔

”معاوضے کا تو مجھے معلوم نہیں یہ ضرور جانتا ہوں کہ وہ دونوں اس کام میں پارٹنر ہیں۔“

”اچھا یہ بتاؤ کہ ایاز خان کے اور کن کن لوگوں سے قریبی تعلقات ہیں۔اس کے دیرینہ ساتھیوں کے نام اور پتے بتاؤ۔“ سفیان نے سوال کیا تو جواب میں طارق نے چند مزید لوگوں کے نام اور پتے بتادیئے۔

”کیا کبھی فیروزہ بھی غیر قانونی طور پر بارڈر کراس کرکے بھارت گئی ہے؟ یہ بات تمہارے علم میں ہے؟“ سفیان نے پوچھا۔

”اس کا مجھے علم نہیں ہے ہاں ایک اور شخص ہے وہ محکمہ پولس میں ڈی ایس پی ہے' وہ ایاز خان کا بہت گہرا دوست ہے وہ کئی مرتبہ بھارت جاچکا ہے۔“

طارق نے جب اس ڈی ایس پی کا نام بتایا تو سفیان بُری طرح چونک پڑا پھر وہ مزید کرید کرید کر اس سے اس ڈی ایس پی کے بارے میں سوالات کرتا رہا اور طارق جوابات دیتا رہا۔

"ایک آخری سوال... امید ہے کہ تم اس کا بھی پوری سچائی کے ساتھ جواب دو گے۔" سفیان نے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم ایاز خان کی اصلیت سے واقف ہو؟"

جواب میں ٹیپ ریکارڈ کی مانند بجتا ہوا طارق بالکل خاموش ہو گیا۔ سفیان تھوڑی دیر تک تو اس کے بولنے کا منتظر رہا پھر طارق کی جانب سے کوئی جواب نہ پاتے ہوئے بولا۔

"لگتا ہے واقف ہو... کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں میں۔ بولو جواب دو؟"

طارق نے سفیان کا سوال سن کر مزید سر کو جھکالیا تو سفیان نے اس کے نزدیک بیٹھ کر اس کے سر کے بالوں کو پکڑ کر اس کا سر اونچا کرکے سخت لہجے میں پوچھا تو اس نے منہ سے جواب دینے کے بجائے صرف پلکیں جھپک جھپک کر ہاں میں اشارہ دیا تو سفیان نے ایک زور کا جھٹکا دے کر اس کے بالوں کو چھوڑ دیا اور دہاڑنے کے انداز میں بولا۔

"لعنت ہے تیرے مسلمان اور پاکستانی ہونے پر۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی تم اس کا ساتھ دیتے رہے۔"

"اس کی اصلیت کا علم مجھے بہت بعد میں ہوا تھا اور اس وقت میرے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ میرے پاس کوئی چوائس نہیں تھی سوائے اس کے کہ اپنے لبوں کو سی کر ہر حکم بلاچوں و چرا مانتا جاؤں کیوں کہ میرے کیے گئے ہر جرم کا ثبوت اس ڈی ایس پی کے پاس موجود ہیں۔ میری نافرمانی کی سزا میں وہ مجھے زندہ درگور کردیتا اور اس کے علاوہ میری چاروں شادی شدہ بہنیں اور ان کے بچے ان لوگوں کے نشانے پر ہیں۔ میں کیا کرتا میرے آگے کھائی اور پیچھے کنواں تھا۔ میری تقدیر نے مجھے ایاز خان کے در پر لاپھینکا اور میں ایک انسان سے درندہ بن گیا۔ آج آپ کے سامنے سب کچھ سچ سچ اس لیے بھی بتادیا ہے کہ میں خود اب اس زندگی سے عاجز آچکا ہوں، میں تو خود یہ بات بھول ہی گیا ہوں کہ میں ایک مسلمان بھی ہوں اور میری ماں اور باپ شریف لوگ تھے۔ روز قیامت میرے ان گناہوں کو نہ تو اللہ معاف کرے گا اور نہ ہی میں اپنے والدین سے آنکھ ملاسکوں گا۔" اتنا کہہ کر طارق نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردیا۔

سفیان وہاں سے فوراً چلا آیا اور جنید سے اس نے کہا کہ اس کو دوسرے سیل میں منتقل کردو اور اس کی ٹھیک طریقے سے مرہم پٹی کرو۔ کھانے کو بھی کچھ دو لیکن خیال رہے کہ ان کی زنجیریں ڈھیلی نہ ہوں۔ یہ بہت بڑا مجرم ہے اپنے ملک کا اور اس میں بسنے والے کروڑوں پاکستانیوں کا۔

☆...خ...☆

نواب سطوت کی ہدایت پر ایک بار پھر میں اپنا کام انجام دے کر اپنے گلشن اقبال والے فلیٹ پر آگیا لیکن جیسے ہی میں نے فلیٹ کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

میرے فلیٹ کا سارا سامان بکھرا پڑا تھا بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ سارا سامان ادھڑا ہوا پڑا تھا۔ صوفوں کے کور کٹے پھٹے ہوئے تھے، بیڈ کا گدا ادھڑا ہوا تھا۔ فرش سے سارا قالین سمیٹ کر ایک جگہ رکھا ہوا تھا۔ الماری کے پٹ کھلے پڑے تھے اور ان میں موجود کپڑے اور دوسرا سامان باہر پڑا ہوا تھا۔

اور تو اور تلاشی لینے والوں نے کچن اور واش روم کو بھی نہیں چھوڑا تھا میرا دماغ بالکل بھی کام نہیں کررہا تھا کہ آخر یہ کون لوگ ہیں جو میرے پیچھے

پڑگئے ہیں اور میری غیر موجودگی میں اس بُری طرح انہوں نے میرے گھر کی تلاشی لی ہے، انہیں مجھ سے کس چیز کی تلاشی ہے۔

پولیس کے تو نہیں ہوسکتے یہ لوگ، خواہ نواب کے حوالے سے میرے پیچھے پڑے ہوں خواہ روزی کے حوالے سے۔ دونوں ہی حوالوں سے پولیس تو خود ان کے گھر کا پانی بھرتی ہے پھر کون ہوسکتے ہیں یہ لوگ...!

میں اب رات گزاروں تو کیسے گزاروں یہاں تو لیٹنے کے لیے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا ہے۔ بیڈ کے گدے اور صوفے کا تو ستیاناس مارکے رکھ دیا ہے، میں اس وقت نواب کی کوٹھی پر بھی نہیں جاسکتا تھا بلکہ اس وقت تو میرا یہاں سے نکلنا کسی طور بھی مناسب نہیں ہے، میں کہاں لیٹوں... میں یہ باتیں سوچ ہی رہا تھا کہ میرے سیل فون پر گولی استاد کا فون آگیا، میں نے اپنا یہ نیا نمبر اس کو ایس ایم ایس کردیا تھا۔

”کہاں غائب ہے یار تُو!“ گولی استاد نے چھوٹتے ہی سوال کر ڈالا۔

”کہیں نہیں یار! یہیں پر ہوں اپنے فلیٹ پر۔“ میں نے بے زاری سے جواب دیا۔

"کیا بات ہے تُو کچھ پریشان دکھائی دے رہا ہے' یہ بتا سب خیریت ہے ناں؟" اس نے میرے لہجے میں چھپی پریشانی کو محسوس کرلیا۔

"آں... ہاں... پریشان... نہیں تو... بس ایسے ہی۔" میں نے گڑبڑا کر جواب دیا۔

"تُو مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہا۔" اس نے مشکوک لہجے میں کہا۔

"نہیں یار! میں بھلا تجھ سے کیا چھپاؤں گا یوں ہی بس ذرا سر میں درد ہے۔" میں نے کہا۔

"بات صرف سر درد کی نہیں ہے' مجھے تیری شدید پریشانی تیرے لہجے میں چھپی صاف دکھائی دے رہی ہے اور پھر تُو نے مجھے بلایا بھی نہیں۔" گولی استاد نے فکر مند لہجے میں کہا پھر ایک دم بولا۔

"یار وہ تیرا دلارا کہاں ہے' کہیں اس نے تو کوئی گڑبڑ نہیں کردی۔"

"ہاں وہ دلارا! ہاں یار اس کا بھی مسئلہ ہے تُو آئے گا تو تجھے بتاؤں گا۔" میں نے فی الحال جان چھڑانے کے لیے کہا۔

"ایسی بات ہے تو میں ابھی آرہا ہوں تیرے پاس' مجھے اس حرامی پر پہلے ہی شک تھا۔" اس نے اور بھی دو تین خطابات دلارے کو دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں!" تیرے منہ سے تیزی سے نکلا۔"تُو ابھی مت آنا۔"

"کیوں بھی خیریت؟ کسی کو بلا رکھا ہے کیا؟" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تُو جانتا ہے مجھے ان باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے' بات یہ ہے کہ میرے سر میں شدید درد ہورہا ہے اور میں نے نیند کی گولی ابھی ابھی کھائی ہے' اس وقت تو میں پُرسکون ہوکر سونا چاہتا ہوں۔ایسا کرکہ تو کل صبح گیارہ بجے تک آجانا۔" میں نے کہا تو وہ مان گیا اور وعدہ کیا کہ وہ کل صبح گیارہ بجے تک میرے پاس آجائے گا۔

میں نے اگلے دن گیارہ بجے تک کا ٹائم اسے اس لیے دیا تھا کہ میں گیارہ بجے سے پہلے ہی نواب کی کوٹھی پر چلا جاتا۔ابھی میں گولی استاد سے ملنا نہیں چاہتا تھا' میرے ساتھ جو کچھ بھی ہورہا تھا میں اس ساری صورت حال سے بہت پریشان تھا۔اوپر سے نواب بھی مجھ سے اپنے خطرناک کام انجام دلوارہا تھا۔گولی استاد سے میں اپنے غائب ہونے پر معذرت کرسکتا تھا اور یہ بہانہ

بنا سکتا تھا کہ نواب نے مجھے فوری طور پر کوٹھی پر بلالیا تھا۔ مجھے تو آج رات بھی یہاں سوتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا کہ وہ جو لوگ بھی ہیں ان کا میرے اس فلیٹ میں داخل ہونا کوئی بھی مسئلہ نہیں ہے' جس طرح میری غیر موجودگی میں وہ لوگ با آسانی اس کے اندر داخل ہوگئے تو میری موجودگی میں کیوں نہیں داخل ہوسکتے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے میرے اس فلیٹ کی نگرانی پر کچھ

لوگوں کو مقرر کر رکھا ہو پھر مجھے وہ سفید بالوں اور داڑھی والا شخص یاد آیا جو اوپر آتے ہوئے مجھ سے ٹکرایا تھا اور پھر پلک جھپکتے میں غائب بھی ہو گیا تھا' سو فیصد وہ شخص میرے فلیٹ کی نگرانی کررہا تھا۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ رات کو فلیٹ میں آکر میرا کام ہی تمام کردیں' میں نے سوچا اور پھر ایک فیصلہ کیا کہ میں آج کی یہ رات جاگ کر اس فلیٹ میں گزاردوں گا۔ میں موت سے خوف زدہ نہیں تھا لیکن اس طرح مرنا بھی نہیں چاہتا تھا بلکہ اس طرح کیا میں ابھی کسی بھی طرح مرنا نہیں چاہتا تھا' میں نے اللہ سے اپنے لیے زندگی صرف اس لیے مانگی تھی کہ مجھے دشمن انسانیت

نواب سطوت کی اصلی صورت دنیا والوں کو دکھائی تھی ان احمق لوگوں کو جو اپنے ربّ پر بھروسہ کرنے کے بجائے اس بہروپیئے پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کے در پر اپنی فریادیں لے کر آتے ہیں۔

میں نے صوفوں کے درمیان سے ٹیبل ہٹائی اور تہہ کیا ہوا قالین اٹھا کر یہاں لے آیا اور ڈرائنگ روم کے فرش پر بچھالیا' یہاں ٹی وی رکھا ہوا تھا۔ میں نے وہ آن کرلیا اور لیٹ کر نیوز چینل لگالیا' میں اس زاویئے سے لیٹا تھا کہ ڈرائنگ روم کے دروازے سے ہوتی ہوئی میری نگاہ باہر کی جانب کھلنے والے دروازے پر بھی تھی۔

اس وقت تمام نیوز چینلز پر سہیل ہاشمی کے قتل کی خبریں گردش کررہی تھیں' میں نے ایک بار پھر اللہ سے صدق دل سے اپنے اسی گناہ کبیرہ کی معافی مانگی اور سہیل ہاشمی کی مغفرت کی دعا بھی کی۔

میں سوچ رہا کہ نواب کو بھی اطمینان ہوگیا ہوگا کہ میں نے اپنا کام اس کی منشاء کی مطابق بغیر کسی کی نگاہ میں آئے آنجام دیا ہے۔ اب میں کل ہی اس

سے ملاقات کروں گا‘ آج رات تو اس نے کسی بھی قسم کے رابطے سے منع کیا تھا۔

میں ایک بات کی اور دعا کررہا تھا کہ آج رات ان لوگوں میں سے کوئی بھی میرے فلیٹ میں نہ آئے کیوں کہ اس وقت میرے پاس وہ گن موجود تھی‘ جس سے میں نے سہیل ہاشمی کو نشانہ بنایا تھا دور بین بھی تھی میں نے نقلی داڑھی اور سفید بالوں والی وگ تو وہیں جھاڑیوں میں پھینک دی تھی لیکن اس سامان کو اپنے ساتھ لے آیا تھا۔

وہ لوگ پتا نہیں بار بار میرے فلیٹ میں کیا چیز تلاش کرنے کے لیے آرہے ہیں لیکن شکر اللہ کا کہ انہیں ابھی تک میرے اس فلیٹ سے کوئی بھی مشکوک چیز نہیں ملی ہوگی۔ شکر اللہ کا کہ انہیں ابھی تک میرے اس فلیٹ سے کوئی بھی مشکوک چیز نہیں ملی ہوگی۔ کیوں کہ یہاں ایسی کوئی چیز تھی ہی نہیں‘ پہلے پہل یہ فلیٹ میں نے روشن آراء بیگم کے رہنے کے لیے کرائے پر حاصل کیا تھا اور ان ہی کی ضرورت کا ضروری سامان یہاں رکھا تھا لیکن خوش قسمتی سے انہیں یہاں لانے کا موقع ہی نہیں ملا کیوں کہ سرمئی نے

انہیں اپنی ماں کی حقیقت سے پہچان لیا تھا۔ جب سے یہ میرے استعمال میں تھا لیکن اب یہ ضروری ہو گیا تھا کہ میں اس فلیٹ سے چھٹکارہ حاصل کرلوں تاکہ ان لوگوں سے میرا پیچھا چھوٹ جائے۔

میں ایک بار پھر ٹی وی کی جانب متوجہ ہو گیا‘ پولیس چاروں جانب پھیل چکی تھی۔ شہر میں جگہ جگہ ناکہ بندی کردی گئی تھی۔ ہر گاڑی کو تلاشی کے بعد آگے جانے دیا جارہا تھا‘ مجھے پولیس کی اس احمقانہ کارروائیوں پر ہنسی آرہی تھی کہ مجرم تو اپنا کام کرکے فوری طور پر تمہارے حرکت میں آنے سے پہلے ہی اپنے محفوظ مقام پر پہنچ چکا ہے اب تم لوگ صرف وقت ضائع کررہے ہو اور شریف شہریوں کوپریشان کررہے ہو۔

اچانک مجھے خیال آیا کہ کل میں یہ سامان اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتا۔ ہوسکتا ہے کہ کل جب یہاں سے کوٹھی جانے کے لیے نکلوں تو اس وقت بھی گاڑیوں کی تلاشی کا کام جاری ہو پھر میں کیا کروں۔ میری نگرانی کرنے والے لوگوں کو اس بات کا علم ہوگا کہ آج کی رات میں نے یہاں گزاری ہے‘ ہوسکتا ہے کہ میرے جانے کے بعد وہ ایک بار پھر یہاں آئیں۔

کیا کروں، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا میں نے بہت سوچا پھر ایک خیال آیا اور میں نے ایک ادھڑے ہوئے صوفے کے اندر گن اور دور بین چھپا کر رکھ دی کہ جو ہوگا دیکھ جائے گا' کل میرا ارادہ تھا کہ نواب سے ملنے کے بعد میں گولی استاد سے ملوں گا اور اسے ساری بات بتاؤں گا اور اسی کے ساتھ اس فلیٹ میں آکر اس بات کا جائزہ لوں گا' آیا میرے بعد ایک بار پھر یہاں کی تلاشی لی گئی ہے یا نہیں۔گن اور دوربین میں اس کے سامنے نہیں نکال سکتا تھا' کیوں کہ سہیل ہاشمی والے معاملے کو میں اس کے علم میں لانا نہیں چاہتا تھا۔

اور پھر ٹی وی دیکھتے دیکھتے نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی اور میں سو گیا۔ ٹی وی البتہ چلتا رہا اور پھر صبح نو بجے کے قریب میری آنکھ کھلی تو میں ہڑبڑا کر بیدار ہو گیا۔میں نے چونک کر اپنے اردگرد کے ماحول پر نگاہ ڈالی اور سکون کا سانس لیا کہ میں اسی جگہ پر تھا' اس کا مطلب یہ ہوا کہ رات گزر گئی اور وہ لوگ یہاں نہیں آئے' میں نے اٹھنے کا ارداہ کیا اور کسلمندی دور کرنے کے لیے ایک طویل انگڑائی لی اس وقت میرے موبائل کی بیل بجنے لگی۔میں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

نے نمبر دیکھا تو نواب کا نمبر تھا۔میں نے جھٹ فون آن کرکے کان سے لگالیا۔

"السّلام علیکم سر!" میں نے حسب عادت کہا۔

"کہاں ہو؟" اس نے بھی حسب عادت سلام کا جواب گول کرتے ہوئے سوال کیا۔

"فلیٹ پر ہوں۔" میں نے فوری جواب دیا۔

"کوٹھی پر چلے آؤ۔" اس نے کہا اور فون بند کردو۔

"آرہا ہوں۔" میں نے فون بند کرتے ہوئے اسے اسی کی شان کے مطابق گالی سے نوازتے ہوئے زیر لب کہا۔

میں نے اچھی طرح سے غسل کیا کپڑے تبدیل کیے اور ایک کپ گرم چائے بنا کر اپنے اندر انڈیلی حالاں کہ مجھے زبردست بھوک لگ رہی تھی' میں نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا لیکن اس وقت ناشتے کا ٹائم نہیں تھی' وہ میرا انتظار کررہا ہوگا۔

چلنے سے پہلے میں نے ایک بار پھر اس صوفے کا اچھی طرح سے جائزہ لیا جہاں میں نے گن اور دوربین کو چھپایا تھا اور اسے اس کی سابقہ پوزیشن پر کر کے میں اللہ کا نام لے کر فلیٹ سے باہر نکل آیا۔

راستے میں دو جگہ پولیس والوں نے روک کر میری اور گاڑی کی تلاشی لی اور میں نے شکر ادا کیا کہ میں اس سامان کو اپنے ساتھ لے کر نہیں آیا۔میرے پاس کوئی مشکوک چیز نہیں تھی اس لیے مجھے جانے دیا گیا۔

میں جب کوٹھی پر پہنچا تو گارڈ نے فوری طور پر مجھے نواب سے ملنے کے لیے کہا تو میں سیدھا اس کے روم کی جانب چلا گیا۔

اس مرتبہ نواب کے روم کے باہر موجود سیکورٹی گارڈز کو میرے پاس سے کچھ بھی نہیں ملا نہ میرا پستول اور نہ ہی خنجر تو وہ حیرانی سے بولا۔

”کیا بات ہے آپ کا سامان آج آپ کے ساتھ نہیں ہے؟“

”ہاں آج باہر جگہ جگہ پولیس کی ناکہ بندی ہے اور تلاشی ہورہی ہے اس لیے میں اپنی چیزیں یہیں چھوڑ گیا تھا۔“ میں نے سادگی سے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے ہمیں آپ پر پورا اعتماد ہے اور آپ کی تلاشی کی ضرورت بھی نہیں ہے لیکن یہ ہماری ڈیوٹی ہے اس لیے معذرت چاہتے ہیں آپ کو تکلیف دینے کی۔“ اس نے کہا۔

”ڈونٹ وری! ڈیوٹی از ڈیوٹی! تم اچھا کرتے ہو۔“ میں نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور آگے بڑھ کر نواب کے روم کے دروازے پر دستک دے ڈالی۔

”آجاؤ شمروز!“ اندر سے نواب کی چہکتی ہوئی آواز آئی تو میں اندر داخل ہو گیا۔

نواب اپنے بیڈ پر نیم دراز تھا‘ مجھے دیکھتے ہی بے ساختہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔اس کے چہرے پر شدت کی سرخی صاف دکھائی دے رہی تھی اس نے پر مسرت لہجے میں آگے بڑھ کر میرے دونوں کندھوں کو تھاما اور بولا۔

”ویل ڈن شمروز! بہت خوب... تم نے بہترین کام انجام دیا ہے‘ اس طرح کے کاموں کے لیے میں تمہارا انتخاب یوں ہی تو نہیں کرتا۔مجھے تمہارے اوپر پورا اعتماد ہے اور تم ہمیشہ میرے اعتماد پر پورے اترتے ہو اور میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہارے اس شاندار کارنامے پر تمہارے بھرپور معاوضے کے

علاوہ تمہیں ایک بھاری رقم انعام کے طور پر میری جانب سے بھی دی جائے گی اس کے علاوہ اور گر کچھ مانگنا ہے تو مانگو۔ویسے ایک اور سرپرائز انعام تمہارے لیے اور بھی ہے اپنی اہمیت کا اندازہ تم اس بات سے بھی لگا لو کہ میں نے ایسا انعام آج سے پہلے کبھی کسی اور کو نہیں دیا۔"

"میرے لیے آپ کا یہی انعام سب سے بڑا ہے سر کہ آپ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں مجھے اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں چاہیے۔" میں نے انکساری اور عاجزی سے اس کے آگے جھکتے ہوئے کہا۔

"مجھے تمہاری یہی سعادت مندی بہت اچھی لگتی ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو میں بھی مسکرادیا۔

"ارے ہاں شمروز! آج کی رات تم یہیں آرام کرو پھر کل صبح تم میرے ساتھ روحانی سینٹر چلنا' وہاں تمہیں کسی سے ملوانا ہے دراصل وہ میرے مرید بھی ہیں اور میرے بہت اچھے دوست بھی۔وہ بھی تمہارے اس کارنامے سے بہت خوش ہیں اور تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ رکھنا

چاہئیں۔" نواب نے کہا تو میں نے چونک کر اس کی جانب دیکھا اور جلدی سے کہا۔

"نہیں نہیں نواب صاحب میں کسی اور کے ساتھ نہیں جاؤں گا میں صرف آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں' مجھے اپنے قدموں میں پڑا رہنے دیجیے۔"

"اچھا اچھا چلو دیکھیں گے کل کیا بات ہوتی ہے' میں تمہاری مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔تم اگر ان کے ساتھ جانا نہیں چاہو گے تو میں زبردستی تمہیں نہیں بھیجوں گا۔" نواب نے

مجھے اطمینان دلایا اور پھر میں اپنے روم میں آگیا اور آتے ہی سب سے پہلے میں بہت شاندار اور زبردست ناشتے کا آرڈر دیا کیوں کہ اب باقاعدہ میرے پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے تھے۔

ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے ایک بار پھر سرمئی کا فون ٹرائی کیا لیکن اس مرتبہ بھی وہی ہوا جیسے پہلے ہورہا تھا۔سرمئی نے میرا فون ریسیو نہیں کیا اور دوسری بار ٹرائی کرنے پر مجھے سوئچ آف ملا۔میں سرمئی سے ذاتی طور پر ملنا چاہتا تھا لیکن ابھی اس کا موقع نہیں تھا کیوں کہ نواب یہیں موجود تھا اور میں

اس کے کاموں میں مصروف تھا کل پھر یہ مجھے اپنے روحانی سینٹر کسی سے ملوانے کے لیے لے جارہا تھا' اس کا خیال آیا تو میرا دھیان اس انجان شخص کی جانب چلا گیا جو مجھ سے خوش تھا اور مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔

ابھی مجھے اس کا خیال آیا ہی تھا کہ میرا موبائل بجنے لگا میں نے اس خوش فہمی میں کہ یقیناً یہ سرمئی کی کال ہوگی فوراً فون اٹھا کر دیکھا لیکن میری خوش فہمی فوراً ہی رفع ہوگئی اگر اسے مجھ سے بات ہی کرنی ہوتی تو وہ اپنا موبائل سوئچ آف کیوں کرتی' فون گولی استاد کا تھا میں نے فون آن کرکے کان سے لگایا تو گولی استاد کی غصے میں بھنائی ہوئی آواز سنائی دی۔

''کیا انتقال فرماگئے ہو' دروازہ کیوں نہیں کھول رہے' کب سے بیل بجا رہا ہوں۔''

''سوری یار! میں دروازہ اس لیے نہیں کھول رہا ہوں کہ میں فلیٹ میں موجود ہی نہیں ہوں۔'' میں نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب؟'' وہ چیخا۔ ''کہاں ہو؟''

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

''یار صبح ہی صبح نواب کی کال آگئی اور اس نے فوراً مجھے کوٹھی پہنچنے کے لیے کہا اس لیے فوراً آنا پڑا۔''

''اگر ایسی ہی بات تھی تو یار تم ایک فون تو کرسکتے تھے مجھے بتادیتے کہ تم کوٹھی پر جارہے ہو اور میں نہ آؤں' عجیب آدمی ہو تمہیں ذرا میرا خیال نہیں ہے تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ میں تمہاری جانب سے کتنا زیادہ پریشان ہوں اور اپنے کتنے ہی ضروری کام چھوڑ کر تمہارے پاس دوڑا چلا آیا ہوں اور تم مزے سے وہاں بیٹھے ہو۔'' گولی استاد کا پارہ ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا۔ ایسا ہونا بھی چاہیے تھا اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو میرا ری ایکشن بھی یہی ہوتا اس لیے اس کو مناتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھ سکتا ہوں یار! بس نواب کا جب بھی ایمرجنسی میں بلاوے کا فون آتا ہے تو میں ٹینشن میں آجاتا ہوں اور سب کچھ میرے دماغ سے نکل جاتا ہے' ابھی ابھی میں نواب سے مل کر آیا ہوں اور تمہیں فون کرنے ہی والا تھا کہ تمہارا فون آگیا' اچھا چلو مجھے معاف کردو۔ میری وجہ سے تمہیں بہت پریشانی اٹھانی پڑی۔''

"کوئی بات نہیں۔" میرے معذرت کرنے سے گولی استاد کا سارا غصہ صابن کے جھاگ کی مانند بیٹھ گیا اور میں نے کہا۔

"اچھا میں ذرا نواب سے فارغ ہوجاؤں تو خود تمہاری طرف آؤں گا پھر ہم تفصیل سے بیٹھ کر بات کریں گے۔" میں نے اس کی جانب آنے کا کہہ تو دیا پھر مجھے خیال آیا کہ مجھے یہ تو علم ہے ہی نہیں کہ وہ کہاں رہتا ہے اس لیے اس سے اس کا ایڈریس پوچھا جواب میں اس نے مجھے اپنے اپارٹمنٹ کا ایڈریس سمجھادیا اور میں نے اس وعدے پر اس کو خدا حافظ کہا کہ فارغ ہوتے ہی میں اسے کال کروں گا اور اس سے ملوں گا۔

آج جمعہ کا دن تھا اور کل ہفتہ کو نواب جمشید لودھی نے مجھے ملاقات کا ٹائم دیا تھا اور اب نواب سطوت بھی کل مجھے اپنے ساتھ روحانی سینٹر لے جانا چاہتا ہے، میں کیا کروں۔میں کل جمشید لودھی سے بالکل بھی نہیں مل سکتا۔اسی لیے میں نے روزی کو فون کرکے کہا کہ وہ جمشید لودھی کو بتادے کہ میں کل اس سے ملنے کے لیے نہیں آسکتا کیوں کہ میں نواب کے ساتھ ہوں اور اسے

چھوڑ کر آنا ناممکن ہے، روزی نے میرا مسئلہ سمجھ لیا اور کہا کہ کوئی بات نہیں وہ جمشید لودھی کو بتادے گی۔

سارے ضروری فون کرکے مجھے قدرے سکون ملا، میں نے دن کے ساڑھے گیارہ بجے ناشتہ کیا تھا اسلیے اب دوپہر کے کھانے کی کوئی گنجائش نہیں تھی اس لیے میں آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا۔

ذہن میں بہت سے خیالات آرہے تھے میں سوچنے لگا کہ نواب مجھے کس سے ملوانا چاہتا ہے آخر وہ کون ہوسکتا ہے، کیا اسی شخص کے کہنے پر نواب نے سہیل ہاشمی کا مرڈر کروایا ہے اگر ایسا ہے اور وہ مجھے اپنے ساتھ بھی رکھنا چاہتا ہے تو مجھے کچھ دن اس کے ساتھ بھی گزارنے چاہیں تاکہ اس شخص کے بارے میں بھی مجھے معلومات حاصل ہوسکیں۔

میں نے فیصلہ کیا کہ اس شخص سے ملنے کے بعد میں حتمی فیصلہ کروں گا کہ آیا مجھے اس کے ساتھ جانا ہے یا پھر نواب کے ساتھ ہی رہنا ہے۔میں یہ بھی کرسکتا ہوں کہ کچھ عرصہ کے لیے اس شخص کے ساتھ رہ کر اسے اچھی طرح جانچوں اور پھر نواب کے پاس واپس آجاؤں۔

ایسی ہی سوچوں میں گھرے ہوئے میری آنکھ لگ گئی اور پھر گہری نیند میں مجھے ایک اور انسانی وجود کا احساس ہوا جو پوری طرح مجھ پر حاوی تھا اور میری آنکھ کھل گئی...!

آنکھ کھلتے ہی مجھے اپنا وجود کسی اور وجود کے نیچے دبا ہوا محسوس ہوا اور میں نے اس احساس کے بے دار ہوتے ہی اس وجود کو پوری طرح سے جکڑ لیا اور تیزی کے ساتھ کروٹ لے ڈالی۔

میرے کروٹ لیتے ہی وہ وجود میرے نیچے دب گیا اور میں اس پر حاوی ہو گیا۔میں نے اس کے اوپر جھکتے ہوئے غراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”کون ہو تم؟“ جواب میں مجھے گہری گہری سانسیں سنائی دیں اور ایک نسوانی آواز سرسراتی ہوئی میرے کانوں میں آئی۔

”تمہارا انعام۔“

یہ سنتے ہی میں نے تیزی سے اپنا ایک ہاتھ اس کی کمر کے نیچے سے نکالا اور سامنے کے حصے پر پھیرا اور جھٹ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔میرا ہاتھ سوئچ بورڈ کی جانب بڑھا اور لمحہ بھر میں کمرے کا اندھیرا دور ہو کر روشنی میں نہا گیا۔

میری نگاہ اپنے بیڈ کی جانب اٹھی جہاں میں نے ایک نو خیز اور طرح دار لڑکی کو دیکھا۔اس کی چمکیلی پشت میری جانب تھی اور لمبے بال باگوں کی طرح بیڈ پر پھیلے ہوئے تھے۔اس نے بل کھا کر لچکیلی کمر کو گھما کر ایک ادا دلبرائی سے میری جانب دیکھا تو میں نے گھبرا کر جھٹ اپنی آنکھیں بند کر لیں۔میں چند لمحوں تک ساکت کھڑا رہا پھر آنکھوں میں ذرا سی جھری بنا کر اسے دیکھا وہ آہستہ آہستہ بیڈ سے اٹھ رہی تھی۔رات کی اس خاموشی میں مجھے اپنی سانسوں کی آواز یا پھر اس کے کپڑوں کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔وہ بستر سے پھسلنے کے انداز میں اتری اور میرے سامنے آکر کھڑی ہو گئی ایک لمحے کے لیے مجھے ایسا لگا جیسے سفید دودھیا ایک تراشا ہوا مجسمہ میرے سامنے کھڑا ہے اس نے اپنے حسین اور خوب صورت جسم پر ساڑھی پہنی ہوئی تھی۔بلاؤز برائے نام اس کے حسن کو چھپا رہا تھا ساڑھی کا طویل پلو زمین پر بکھرا ہوا تھا۔وہ چند لمحے ساکت کھڑی رہی۔پھر میرے نزدیک آئی اور آہستہ سے اپنا ہاتھ میرے سینے پر مارا۔اسے لگا کہ میں کھڑے کھڑے سو گیا ہوں اس نے ہاتھ مار کر مجھے جگا دیا۔میں نے اپنی آنکھیں پوری طرح کھول دیں۔

پھر اس نے ایک عجیب حرکت کی۔وہ آہستہ آہستہ دائرے کی شکل میں گھومنے لگی اور اسی طرح کرتے ہوئے نجانے کیسے ساڑھی کے بل کھلنے لگے اور ذرا ہی دیر میں ساڑھی اس کے قدموں میں ڈھیر کی صورت بکھری پڑی تھی۔نیچے اس نے منی اسکرٹ ٹائپ کی کوئی شے پہنی ہوئی تھی اس کے نیچے سے اس کی گوری شفاف اور سڈول ٹانگیں نمایاں تھیں۔

اس نے نشیلے انداز میں مسکرا کر میری جانب دیکھا اور ایسا کرتے ہوئے اس کے سفید موتیوں جیسے دانتوں کی لڑی نمایاں ہوگئی۔میں نے دل ہی دل میں اس کی دل کشی کا اعتراف کیا اور خالق کی مدح سرائی کی۔اس کی رنگت دیکھ کر لگ رہا تھا جیسے تخلیق کار نے میدہ اور شہد کی آمیزش سے اس کو بنایا ہے۔

وہ جس طرح اچانک رات کے اس سمے میرے کمرے میں آئی تھی اوپر سے اس کی بے حجابی اور قاتل ادائیں مجھے شدید ترین خطرے کا احساس ہونے لگا۔مجھے لگا جیسے وہ نشہ بھی کیے ہوئے ہے۔آہستہ سے وہ ڈولتے اور لچکتے ہوئے مزید میرے نزدیک آئی اور پھر جیسے مجھ پر چھا گئی۔

میں نے دل ہی دل میں اللہ سے پناہ چاہی۔اس کے ارادے اور حسن و جوانی خطرناک تھی۔اتنی کہ کسی زاہد کی توبہ بھی ٹوٹ جائے میں تو صرف ایک عام سا گناہ گار بندہ تھا۔

اس کا مچلتا' تڑپتا گرم اور گداز بدن کا لمس میرے لیے پل صراط ثابت ہورہا تھا۔میں نے لاکھ توبہ کرلی تھی لیکن بہرحال میں ایک مرد تھا اور میرا متاثر ہونا فطری بات تھی۔میں ذہنی طور پر کتنی ہی مزاحمت کر رہا تھا لیکن میرا جسم رد عمل دکھا رہا تھا لیکن جب معاملہ حد سے بڑھنے لگا تو میں جیسے چونک کر بے دار ہوگیا اور میں نے خود سے لپٹی ہوئی اس حسین ناگن کو ایک جھٹکے کے ساتھ خود سے دور کردیا اور نہایت سخت لہجے میں ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔

”کون ہو تم؟ یہ آدھی رات کو میرے کمرے میں کیا کرنے کے لیے آئی ہو۔ہوش میں آؤ۔“

”میں بہت پیاسی ہوں' تمہارے پاس اپنی پیاس بجھانے کے لیے آئی ہوں ڈارلنگ۔“ اس نے نشیلے اور بہکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے تم اس وقت اپنے حواسوں میں نہیں ہو۔ تم نے شراب پی ہوئی ہے۔"

"شراب؟" اس نے اپنی نشیلی اور مدھر آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور غائب دماغی سے بولی۔

"شراب کیا ہوتی ہے... او... اچھا اب میں سمجھی... ہاں، ہاں پی ہے میں نے...!" وہ کھڑے کھڑے جھوم رہی تھی بلکہ اس سے کھڑا ہونا دوبھر ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا بس اب گر پڑے گی۔ میں نے ایک قدم آگے بڑھ کر اسے سنبھالا تو وہ پھر سے مجھ سے لپٹ گئی۔

اس مرتبہ میں پورے حواسوں میں تھا۔ اس لیے میں نے اس کی برہنہ باہوں کو سختی کے ساتھ پکڑ کر اور کھینچ کر خود سے دور کیا اور الٹے ہاتھ کا ایک تھپڑ اس کے منہ پر مارا۔ میں نے اپنا ہاتھ ہلکا ہی رکھا تھا۔ ورنہ اگر میں اپنی قوت سے اس کے منہ پر تھپڑ مارتا تو اس کے چہرے کا جغرافیہ ہی بگڑ جاتا۔

میرے اس تھپڑ نے کام دکھایا اور وہ جھٹکا کھا کر قدرے ہوش میں آگئی اور زور زور سے پلکیں جھپکنے لگی پھر بولی۔

"تم نے میرے منہ پر تھپڑ مارا، کیوں؟ کیا میری اداؤں اور حسن نے تمہیں گھائل نہیں کیا تم کیسے مرد ہو... اور مرد ہو بھی یا نہیں...!"

"تمہاری نگاہ میں کیا مرد صرف وہی ہوتا ہے جو ایک کمزور عورت کو زور و زبردستی پامال کردے۔ اصل مرد تو دیکھو میرے جیسا ہوتا ہے جو تمہاری جیسی گھٹیا طوائفوں کی اداؤں سے بہکتا نہیں بلکہ انہیں دھتکار دیتا ہے۔" میں نے اس کی بات کے جواب میں بری طرح تپ کر کہا۔

"طوائف کی گالی مت دینا۔" وہ ناگن کی طرح بل کھا کر پھنکاری۔

"اچھا پہلے یہ ساڑھی اٹھاؤ اور اسے اپنے جسم پر لپیٹو، پھر بات کرنا۔" میں نے حقارت آمیز لہجے میں کہا تو وہ مجھے بری طرح گھورتی ہوئی نیچے جھکی اور ساڑھی اٹھا کر فٹافٹ اپنے جسم پر لپیٹ لی اور اس کا پلو اپنے سینے پر پھیلاتے ہوئے بولی۔

"قسم کھا کر کہنا کیا میں تمہیں اچھی نہیں لگی۔"

"بات اچھا یا برا لگنے کی نہیں ہے۔ میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں لیکن بات شروع کرنے سے پہلے آؤ ادھر اطمینان سے بیٹھو۔" میں خود بھی جا کر صوفے

پر بیٹھ گیا اور اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی دوسرے صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔ابھی تک اس کی آنکھوں میں میرے لیے حیرت اور تجسس تھا۔صوفے پر بیٹھ کر وہ میری جانب دیکھنے لگی۔تب میں نے اس سے پوچھا۔

”سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم ہو کون اور یہاں میرے کمرے میں تمہیں کس نے بھیجا ہے؟“

”میں شاذی ہوں اور مجھے نواب سرکار نے بھیجا تھا یہ کہہ کر کہ میں تمہارا انعام ہوں اور تمہیں ہر طرح سے خوش کرنا ہے‘ تمہارا نام شمروز ہے نا‘ کیونکہ بقول ان کے کہ تم اس میدان کے بڑے ماہر کھلاڑی ہو‘ عورتوں کے رسیا ہو لیکن تم تو نہایت خشک اور بور انسان ہو اب بتاؤ میں نواب سرکار کو کیا جواب دوں۔جب وہ مجھ سے پوچھیں گے کہ میں نے اپنا کام ٹھیک طریقے سے انجام دیا یا نہیں۔“

”تم کہہ دینا کہ تم نے اپنا کام بالکل ٹھیک طریقے سے انجام دیا تھا باقی تم مجھ پر چھوڑ دو‘ بات ختم۔“ میں نے کہا تو ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں حیرانی اتر آئی۔

”تم اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو مجھے‘ میں سچ کہہ رہا ہوں تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی تم اطمینان رکھو میں جو کہتا ہوں وہ کرتا بھی ہوں۔“ میں نے اس کی تسلی کے لیے کہا۔

”مجھے یقین ہے تم ایسا ہی کرو گے لیکن میں حیران اس بات پر ہوں کہ نواب سرکار نے تمہارے بارے میں غلط کیوں کہا انہوں نے تو کہا تھا کہ تم...!“

”انہوں نے جو کہا وہ ٹھیک ہی کہا کیونکہ وہ مجھے ایسا ہی سمجھتے ہیں جبکہ میں ایسا بالکل نہیں ہوں۔“ میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

”لیکن وہ تمہیں ایسا کیوں سمجھتے ہیں؟“

”اس لیے کہ میں نے اپنی ذات ایسی ہی بنا کر ان کے سامنے پیش کی ہے۔“ میں نے کہا اور اٹھ کر ٹیبل سے سگریٹ کا پیکٹ اٹھا کر ایک سگریٹ نکال کر سلگالی۔

”کیوں؟“ اس نے شدید حیرت سے کہا۔

”چھوڑو اس بات کو یہ تمہارا درد سر نہیں ہے۔“ میں نے سگریٹ کا ایک طویل کش لیتے ہوئے کہا میں جو کبھی سگریٹ کو ہاتھ تک نہیں لگاتا تھا اور دوسروں کو بھی تمباکو نوشی سے پرہیز کرنے کے لیے کہتا تھا۔اب بے تحاشا سگریٹ پینے لگا تھا۔

”تم ایک نہایت حیرت انگیز مرد ہو' میں نے اپنی لائف میں تمہارے جیسا مرد نہیں دیکھا۔“ اس نے تحسین آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

”نواب صاحب کے ساتھ کب سے ہو؟“ میں نے سگریٹ کا ڈھیر سارا دھواں چھوڑتے ہوئے کہا تو وہ سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑنے لگی۔میں اس کا جائزہ لے رہا تھا۔چند لمحوں کی خاموشی اور اس کی جانب سے اپنے سوال کا جواب نہ آنے پر میں نے دوبارہ کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“

”ایک سال سے۔“ اس نے سر کو جھکائے جھکائے دھیمے لہجے میں کہا۔

”اس سے پہلے کہاں تھیں؟“ میں نے دوسرا سوال داغا۔

”اپنے گھر میں...!“ اس کا سر بدستور جھکا ہوا تھا اور وہ سر جھکائے ہوئے میرے سوالوں کے جوابات دے رہی تھی۔

”گھر کے شریفانہ ماحول سے نکل کر اس جانب آنے کی وجہ؟“ میں نے چونک کر اسے دیکھا اور تیزی سے پوچھا۔

”میری بدقسمتی اور کیا اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کا مطلب کیا ہوتا ہے۔یہ مجھے اب سمجھ میں آیا ہے۔“ اس نے کہا اور پھر مجھے اس کی ہلکی ہلکی سسکیاں سنائی دینے لگیں تو میں اٹھ کر اس کے نزدیک چلا گیا اور اس کا جھکا ہوا سر اٹھا کر دیکھا۔اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔اس نے تیزی سے دوبارہ اپنا سر جھکا لیا۔

”تم اپنی بات کی وضاحت کرو گی۔“ میں دوبارہ اپنی جگہ پر جا بیٹھا اور ختم ہونے والی سگریٹ کو ایش ٹرے میں بجھا کر ڈال دیا۔

"بس کسی لڑکے کے عشق میں مبتلا ہو کر گھر سے بھاگ نکلی۔اس نے کچھ دن خود مفت میں مزے اڑا کر مجھے بیچ ڈالا۔پھر قزلباش نامی شخص کے دربار میں میری حاضری ہوئی اور اس کے بعد میں نواب سرکار کی تحویل میں دے دی گئی۔نواب صاحب بہت خاص خاص لوگوں کے پاس مجھے بھیجتے ہیں۔"

قزلباش کا نام سن کر میں چونک پڑا۔پھر مجھے کنیز یاد آئی۔وہ بھی اسی طرح اس کے پاس لائی گئی تھی اور پھر اپنی تصویروں کے ذریعے ان کے ہاتھوں بلیک میل ہوئی تھی اور بالآخر اپنے بد ترین انجام کو پہنچ گئی اور موت کی گود میں جا سوئی۔

"اس کے پاس تمہاری برہنہ تصاویر بھی ہوں گی جن کی وجہ سے شاید بلیک میل ہو کر تم یہ قبیح کام کرنے پر آمادہ ہوئی ہو۔" میں نے کہا تو اس نے چونک کر تیزی سے سر اٹھایا اور بولی۔

"آپ کو کیسے پتا؟"

"اس قسم کے کیسوں میں ایسا ہی ہوتا ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی عورت اپنی مرضی سے خود کو اتنا زیادہ نہیں گرا سکتی۔اس کے پس منظر میں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

یہی کہانی ہوتی ہے۔میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لڑکیوں کو کب اس بات کی عقل آئے گی کہ ان کے ماں باپ ان کے لیے جو سوچتے ہیں جو کرتے ہیں وہی بہتر اور با عزت ہوتا ہے۔انڈین فلمیں اور ڈرامے دیکھ کر تم لوگ خود کو ان ہیروئنوں کی جگہ سمجھنے لگتی ہو جو کسی نہ کسی لڑکے کی محبت میں مبتلا ہو کر ساری دنیا کو بھول کر اس کے ساتھ اپنے گھر کی دہلیز پار کرلیتی ہے۔تم لوگ یہ کیوں نہیں سمجھتی کہ جو لڑکا تمہیں تمہارے ماں باپ کی عزت روند کر گھر سے بھگا کر لے جا رہا ہے وہ خود تمہاری عزت کبھی نہیں کرے گا اور آخر کار گھر سے بھاگی ہوئی لڑکیوں کا انجام کسی طوائف کا کوٹھا یا کسی پیشہ ور آنٹی کی کوٹھی ہی ہوتا ہے۔" میں نے زہر خند لہجے میں کہا تو وہ دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر بری طرح رونے لگی۔

"اب رونے کا کیا فائدہ تمہیں اندازہ ہے کہ تمہارے گھر سے آنے کے بعد تمہارے ماں باپ کا کیا حال ہوا ہوگا وہ خود کتنا روئے ہوں گے اب تک رو رہے ہوں گے۔" میں نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا تو وہ اور بھی شدت سے

رونے لگی۔ تب ہی ایک بار پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کے قریب جا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا۔

”اچھا اب چپ ہوجاؤ میں نے شاید تمہیں بہت زیادہ سخت الفاظ میں ڈانٹ دیا ہے۔“

”آپ یقین جانیں مجھے ذرا بھی برا نہیں لگا بلکہ میں بہت خوش ہوں کہ اب اس دنیا میں میرے لیے کم از کم ایک مرد تو ہے جس نے میرے وجود پر غلیظ نگاہ نہیں ڈالی بلکہ مجھ سے نفرت کا اظہار کیا ہے۔“ وہ ایک دم سے کھڑی ہو گئی اور بولی۔

”میں نے تم سے نہیں تمہارے اس کام سے نفرت کا اظہار کیا ہے۔“ میں نے کہا۔

”آپ بہت اچھے ہیں کیا آپ مجھے اس گندگی سے نکال سکتے ہیں۔“ اس نے امید بھرے لہجے میں کہا تو میں نے نفی میں سر ہلا دیا تو وہ ایک بار پھر رونے لگی۔

”تم پھر رونے لگیں اچھا یہ بتاؤ کہ تم یہاں سے نکل کر کہاں جاؤ گی ہے کوئی ٹھکانہ تمہارے پاس۔ یہاں سے نکلو گی تو کسی اور کے ہتھے چڑھ جاؤ گی تمہارا انجام یہی ہے جب تک تم بوڑھی نہیں ہوجاتیں اسی طرح پامال ہوتی رہو گی۔“

وہ کچھ دیر روتی رہی پھر خود ہی چپ ہو گئی۔ پھر اس نے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا اور اپنی ساڑھی کے پلو سے اچھی طرح اپنا چہرہ صاف کیا اور بولی۔

”آپ کون ہیں اور اس کوٹھی میں کیوں آئے ہیں۔ آپ اتنے اچھے ہیں تو ان لوگوں کے ساتھ کیوں ہیں؟“

”اگر میں تمہارے سوال کا جواب نہ دوں تو؟“ میں نے کہا

”ہاں ضروری تو نہیں ہے لیکن نہ جانے مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ جیسے میں زبردستی ان لوگوں کے ساتھ مجبوری سے رہ رہی ہوں۔ آپ بھی کسی مجبوری کی وجہ سے یہاں ہیں۔ مگر برے آدمی نہیں ہیں۔“

اس کی بات سن کر میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا۔

”تم نے یہ کیسے اندازہ لگایا کہ میں برا آدمی نہیں ہوں؟“

"اس لیے کہ آپ عورت کی عزت کرنا جانتے ہیں اور حرام کو حرام سمجھتے ہیں۔اس نے جھٹ کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ تم آج تک کس کس کے پاس گئی ہو ابھی تھوڑی دیر قبل تم نے بتایا تھا ناں کہ نواب تمہیں خاص خاص لوگوں کے پاس پہنچتا ہے۔" میں نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے اپنے مطلب کا سوال پوچھا۔

"آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں۔کیا آپ کا تعلق بھی پولیس سے ہے؟" اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے سہمے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"بھی، سے تمہارا کیا مطلب ہے۔کیا تم پولیس والوں کے پاس بھی جاتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"صرف ایک بار ایک آدمی کے پاس گئی تھی۔اس نے بتایا تھا کہ وہ پولیس میں ہے۔" اس نے کہا۔

"نہیں میرا تعلق پولیس سے نہیں ہے اچھا اور بتاؤ اور کن لوگوں کے پاس گئی ہو اور یہ اتنی ادائیں تم کو کس نے سکھائی ہیں یا یہ سارے حربے یعنی مردوں

کو رجھانے والے اور ایک شرابی کی طرح بہکنے کی اداکاری' یہ سب تمہیں کیسے آئیں۔" میں نے پوچھا۔

"آپ یہ سب مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟" اس نے کہا۔

"تم چاہتی ہو' نا کہ تمہیں اس روز روز کے مرنے کے عذاب سے نجات مل جائے تو ایک طریقہ ہے میرے پاس جس کے ذریعے سے تم ان سب چیزوں سے نجات حاصل کرلو گی اور تمہیں محفوظ ٹھکانہ بھی مل جائے گا۔" میں نے اٹھ کر ایک بار پھر سگریٹ نکال کر سلگائی تو وہ بولی۔"آپ سگریٹ بہت پیتے ہیں۔"

"میرے سوال کا جواب دو۔" میں نے ایک بار پھر اس کی بات کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

"آپ مجھ سے پکا والا وعدہ کریں پھر میں آپ کو بہت کچھ بتا سکتی ہوں۔" وہ اٹھ کر میرے نزدیک آگئی اور اپنا سفید اور مخروطی ہاتھ میرے سامنے پھیلا دیا۔

میں نے ایک نگاہ اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر ڈالی اور دوسری اس کے چہرے پر' پھر بے نیازی سے کھڑا ہوا سگریٹ کا ایک زبردست کش لگایا اور سارا دھواں اس کے منہ پر چھوڑتے ہوئے خونخوار لہجے میں کہا۔

"محترمہ شازلی بیگم' اگر تم نے میرے ساتھ چالبازی کرنے کی کوشش کی تو میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ تم اپنے منہ سے موت کی تمنا کرو گی اور میں تمہیں زندہ رکھوں گا۔"

"آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں میں کیا چالبازی کروں گی۔" وہ کسی چڑیا کی مانند سہم گئی۔

"کیونکہ میں تمہاری جیسی عورتوں کی رگ رگ سے واقف ہوں۔" میں نے کہا۔

"لیکن میں کوئی طوائف نہیں ہوں' میری رگوں میں شریف والدین کا خون ہے اور یہ جو میں بھگت رہی ہوں یہ میری غلط سوچ اور ایک غلط قدم کی سزا ہے۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"شازلی تمہارا حقیقی نام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں' میرا نام ماں باپ نے بلقیس بانو رکھا تھا گھر میں سے مجھے بلّو کہتے تھے شازلی نام تو اس خبیث قزلباش نے رکھا تھا۔ آپ جانتے ہیں اسے؟" اس نے کہا تو میں نے صرف ہاں میں سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا۔

"آپ بتائیں نا کس طرح مجھے یہاں سے نجات دلائیں گے اور اس کا وعدہ بھی کریں وہ تو آپ نے مجھ سے کیا ہی نہیں۔" اس نے معصومیت سے پوچھا تو میں نے غور سے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور اس کی آنکھوں میں بھی مجھے وہی معصومیت دکھائی دی جو اس کے چہرے پر تھی۔ انسانی چہروں کی پہچان تھی مجھے' میں دوبارہ صوفے پر جا بیٹھا اور سوچوں میں گھر کر سگریٹ پیتا رہا میرا دماغ تیزی سے چل رہا تھا آخر میں ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔

جتنی دیر میں خاموشی سے بیٹھا سگریٹ پیتا رہا وہ بھی خاموش بیٹھی رہی۔ کبھی سر جھکا لیتی کبھی سر اٹھا کر میری جانب دیکھنے لگتی۔ پھر میں نے کہا۔

"میں تمہیں یہاں سے اس طرح نجات دلاؤں گا کہ نواب سے تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنے لیے مانگ لوں گا۔ پھر میرا ایک فلیٹ ہے تمہیں وہاں چھوڑ دوں

گا میں نواب سے یہی کہوں گا کہ تم میرا انعام ہو اور انعام دے کر واپس نہیں لیا جاتا۔“

”سچ...!“ وہ خوشی سے اچھل پڑی۔”آپ واقعی ایسا کریں گے پکا وعدہ نا۔“

”بالکل پکا والا وعدہ لیکن تمہیں بھی میرے بہت سے سوالوں کے جوابات بالکل ٹھیک دینے ہوں گے لیکن یاد رہے مجھے جھوٹ اور دھوکہ سے شدید نفرت ہے نہ میں کسی کے ساتھ جھوٹ بولتا ہوں اور نہ دھوکا دیتا ہوں اور اپنے ساتھ ہی دونوں کام کرنے والوں کو کبھی نہیں بخشتا۔“ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

”میں اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتی ہوں کہ جو کہوں گی سچ کہوں گی سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گی۔“ اس نے حلف لینے کے انداز میں ایک ہاتھ اٹھا کر پر مسرت لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے اب تم سونا چاہتی ہو تو سوجاؤ جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ' باقی باتیں دوسری ملاقات پر ہوں گی کیونکہ میں اب سونا چاہتا ہوں۔“ میں نے کہا۔

”میں یہیں سوجاتی ہوں صبح چلی جاؤں گی آپ اطمینان سے سوجائیں اب آپ کی نیند خراب نہیں کروں گی۔“ اس نے کہا۔

”کیا تم اسی کوٹھی میں رہتی ہو؟“ میں نے بیڈ پر لیٹتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔“ اس نے جواب دیا اور صوفے پر لیٹ گئی۔

میں تھوڑی دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا پھر سو گیا۔صبح اٹھا تو وہ کمرے سے جا چکی تھی۔

...☆☆☆...

طارق سے بہت سی کار آمد معلومات حاصل کرنے کے بعد سفیان کو اب راجیش پٹیل المعروف اخوندزادہ ایاز خان کے پاس جانا تھا۔یہ بات تو اس کے علم میں آچکی تھی کہ طارق ”را“ کا ایجنٹ نہیں بلکہ ان لوگوں کا محض آلہ کار تھا جبکہ راجیش پٹیل ”را“ کا گھاگ ایجنٹ تھا اور پچھلے دس سال سے وہ پاکستان میں ایک مسلمان بزنس مین اخوند زادہ ایاز خان کے نام سے بزنس کر رہا تھا۔بظاہر دیکھنے میں وہ ایک افغان دکھائی دیتا تھا۔

طارق کی فائل مکمل کرنے کے بعد سفیان نے راجیش پٹیل والے کمرے کا رخ کیا۔جب وہ اس کے کمرے میں پہنچا تو وہ اس کو دیکھ کر چیخنے اور چلانے لگا۔ساتھ ہی وہ اسے خطرناک نتائج کی دھمکیاں بھی دے رہا تھا۔بقول اس کے اس کے بہت اوپر تک تعلقات ہیں اور یہ کہ وہ ایک شریف شہری ہے وغیرہ وغیرہ۔

سفیان پہلے کی طرح اپنے ساتھ جنید کو لے کر گیاجنید نے ایک ٹیپ ریکارڈ آن کر کے ٹیبل پر رکھ دیا اور سفیان ہی کی ہدایت پر کاغذ قلم بھی لے کر بیٹھ گیا۔

سفیان بہت خاموشی اور تحمل سے اس کی دھمکیاں سنتا رہا جب وہ بول بول کر تھک کر خود ہی خاموش ہوا تو سفیان اس کے قریب گیا اور الٹے ہاتھ کا ایک زور دار تھپڑ اس کے منہ پر مارتے ہوئے بولا۔

”کرلی ساری بکواس مسٹر راجیش پٹیل' اسپیشل ایجنٹ آف را' تم کیا سمجھتے ہو کہ تمہیں یوں ہی اٹھا کر لے آئے ہیں۔ہماری تو تمہارے اوپر نہ جانے کب سے نگاہ تھی۔تمہیں بہت دیکھ بھال کر اور پورے اطمینان کے ساتھ یہاں لایا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

گیا ہے۔رہی بات تمہاری دھمکیوں کی تو تم بھول جاؤ کہ اس بات کی کسی کو بھی خبر ہوگی کہ تم کہاں ہو اور وہ جن کی تم دھکمیاں دے رہے ہو بہت جلد وہ لوگ بھی تمہاری طرح ہماری گرفت میں تمہارے ساتھ ہوں گے۔

میری طارق سے گفتگو ہو چکی ہے اس نے تمہارا سارا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا ہے اور کیا نام ہے تمہارے اس دوست ڈی ایس پی بابر جمالی اور وہ تمہاری معشوقہ میڈم فیروزہ جلد ہی انہیں بھی ہم شرف میزبانی بخشیں گے۔

”تو بات یہ ہے مسٹر راجیش پٹیل اب تم فٹافٹ شروع ہوجاؤ اور اپنے سارے روابط کے بارے میں سیدھے طریقے سے بتا دو کہ تمہارے اور کتنے ساتھی ہیں اور وہ کن کن ناموں سے اور کہاں کہاں موجود ہیں۔“

”میری تو سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو کون راجیش پٹیل کون طارق میں تو ان میں سے کسی نام سے بھی واقف نہیں ہوں۔میں تو...!“

”شٹ اپ۔“ سفیان کا ہاتھ ایک بار پھر گھوما اور راجیش پٹیل کے منہ پر جا پڑا سفیان کے زور دار تھپڑ کی وجہ سے راجیش پٹیل پیچھے کی جانب الٹ گیا اس کے دونوں ہاتھوں کو پشت کی جانب زنجیروں سے باندھا گیا تھا اور اسی

طرح اس کی دونوں ٹانگیں الگ الگ مخالف سمتوں میں زنجیروں سے باندھی گئی تھیں۔

پیچھے گرتے ہی راجیش پٹیل کے منہ سے بے ساختہ ہلکی سی چیخ نکل گئی۔اس کے دونوں بازو اس کے بھاری جسم کے نیچے مڑ گئے تھے۔

سفیان نے اسے سر کے بالوں سے پکڑ کر سیدھا کیا تو وہ اپنی سرخ آنکھوں سے سفیان کو گھورنے لگا اور زمین پر زور سے آخ تھو کر کے نفرت انگیز لہجے میں بولا۔

”ہم نے تم سے پہلے تمہارا آدھا ملک چھینا اور تمہارے نوے ہزار فوجیوں کو اپنا قیدی بنایا ہم نے تمہاری کمر توڑ ڈالی تھی اور اب ہم یہ تمہارا بچا کچا پاکستان بھی تم سے چھین لیں گے۔“

غیظ اور غضب سے سفیان کا برا حال ہو گیا۔اس نے سوچا کہ ہمارے اپنوں کی غداری کی وجہ سے 71ء کی شکست نے ہماری ہزار سالہ فتوحات اور حکمرانی کی دہشت کو پاش پاش کردیا ہے جو مسلمانوں نے کی تھی اس کا قومی غیرت کا خون جوش سے ابلنے لگا۔اس کا دل چاہا کہ بناء کوئی بھی بات کہے ابھی اس

ہندو کی اولاد کو جہنم واصل کردے لیکن مصلحت اور حصول مقصد کی خاطر وہ اپنے ابلتے ہوئے خون کو گھونٹ گھونٹ کر کے پی گیا۔

وہ ایک بار پھر شروع ہو گیا۔اس مرتبہ اس نے پاکستانی حکومت ان کے وزراء اور پاکستانی عوام کو نشانہ بنایا استہزائیہ لہجے میں بولا۔

”تم لوگ جمہوریت کا راگ الاپتے ہو لیکن تمہارے ملک میں اس نام کی کوئی شے نہیں ہے۔کوئی قانون نہیں ہے تم لوگ بھوکے ہو، ننگے ہو، چند ٹکڑوں کی خاطر اپنے وطن کا سودا آسانی سے کرلیتے ہو ہم تمہارے ملک میں کامیابی سے قدم جمانے میں اس لیے کامیاب ہوتے ہیں کہ تمہارے اپنے عوام نے ہمارا ساتھ دیا ہے۔“

اس کی یہ باتیں سفیان کے سینے پر خنجر کی طرح پیوست ہو رہی تھیں وہ بول رہا تھا اور سفیان کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اسے آئینہ دکھا رہا ہو۔

آج اتنے سال گزرنے کے بعد بھی پاکستان بھی وہی ہے اور دشمن بھی وہی ہے اور دشمن کے عزائم بھی وہی ہیں۔اس نے پرتھوی اور اگنی میزائل بنایا یہ اس کے جارحانہ عزائم کی عکاسی ہے تو یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے اب

تک اس آدھے پاکستان کو اپنی پناہ میں لے رکھا ہے ورنہ ہم نے تو اپنی بربادی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے اس کا دل ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو دعائیں دینے لگا جنہوں نے پاکستان کی محبت میں اپنی انتھک محنت اور خوف کی پروا کیے بغیر اربوں ڈالر کی پیشکش کو مسترد کر کے پاکستان کو اٹامک پاور بنا دیا۔پاکستان کے نیو کلیئر پاور بننے کی وجہ سے ہی بھارت تلملا رہا ہے۔

”کیا ہوا‘ جھانک لیا اپنے گریبان میں‘ ہمیں پکڑنے سے پہلے اپنے لوگوں سے نمٹو۔“ راجیش پٹیل نے اپنے منہ سے خون تھوکتے ہوئے کہا۔

”ہاں تو اب فٹافٹ اپنے لوگوں کے نام بتاؤ۔“ سفیان نے خون کا گھونٹ پیتے ہوئے پوچھا۔

”میں کسی اور کو نہیں جانتا‘ میرے کسی اور سے رابطے نہیں ہیں۔“ اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔

”تم پر میں فضول میں وقت ضائع کر رہا ہوں تم سے تو رستم خان ہی آکر اپنی زبان میں بات کرے گا۔“ سفیان نے کہا پھر جنید کی جانب مڑتے ہوئے بولا۔

”جنید تم رستم خان کو بلا کر لاؤ اس سے کہنا کہ اپنے ساتھ ہیبت خان کو بھی لیتے آنا۔“

پھر وہ اپنے روم میں آکر بیٹھ گیا۔راجیش پٹیل کی کہی ہوئی باتیں اس کے دماغ میں گردش کر رہی تھیں۔اس نے بالکل ٹھیک کہا تھا اور یہی حقیقت ہے کہ اپنے ملک کے لوگ غداری نہ کریں تو دشمن کے یہ ایجنٹ کبھی بھی ہمارے ملک میں اپنی دکان سجا کر نہ بیٹھتے اور ان غداروں میں اوپری سطح سے لے کر نچلی سطح تک کے ہر شعبے کے لوگ ملوث ہیں۔ایسا ملک کتنی مشکلات کا شکار ہوگا جس کے لوگ خود ہی اسے لوٹ کر کھا رہے ہوں۔

وہ ایک بار پھر راجیش پٹیل کی فائل کا مطالعہ کرنے لگا کچھ باتیں حکام بالا کے علم میں تھیں باقی کے بارے میں اس سے پتا کرنا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد رشم خان نے آکر اطلاع دی کہ وہ شخص اپنی جگہ مضبوطی سے ڈٹا ہوا ہے اور تشدد کے باعث بے ہوش ہوچکا ہے۔

"اسے ہوش میں لاؤ اور اسے مجبور کرو کہ وہ سب کچھ بک دے۔بس اس بات کا خیال رکھنا کہ وہ جان سے نہ مرے۔میں بھی دیکھتا ہوں کہ یہ کب تک فولادی ثابت ہوگا۔" سفیان نے اپنے دانتوں کو پیستے ہوئے کہا۔

اور پھر تھوڑی دیر بعد رستم خان پھر آیا اور اس نے خوش خبری سنائی کہ راجیش پٹیل آپ کو بلا رہا ہے شاید وہ کچھ بتانا چاہ رہا تھا۔

سفیان یہ سن کر رستم کے ساتھ اس سیل میں آیا جہاں راجیش پٹیل کی خاطر داری ہو رہی تھی۔اس وقت جس راجیش پٹیل پر سفیان کی نگاہ پڑی وہ راجیش پٹیل سے یکسر مختلف تھی جو کچھ دیر پہلے بڑی حقارت اور نفرت سے پاکستان اور پاکستانیوں کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔اس کا چہرہ سوجا ہوا تھا ایک آنکھ پھول کر باہر کو ٹپکی پڑ رہی تھی ایک بازو کندھے سے جھول رہا تھا اور پیشانی سے چند انچ کے قریب بال غائب تھے۔جسم پر جگہ جگہ کرنٹ کی وجہ سے سیاہ داغ پڑے تھے۔

"تمہارا دماغ ٹھکانے آیا یا نہیں۔" سفیان نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تو اس نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلادیا۔تکلیف کی شدت سے

اس کے منہ سے بار بار سسکیاں نکل رہی تھیں۔وہ منہ کھول کر بار بار گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔

"اگر تم پہلی مرتبہ ہی سیدھے طریقے سے ساری بات بتا دیتے تو تمہارا یہ حشر نہ ہوتا۔" سفیان نے کہا تو اس نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا پھر سر جھکا لیا۔

"ڈی ایس پی بابر جمالی کے بارے میں کچھ بتاؤ کیا وہ بھی انڈین ہے یا پاکستان میں تمہارا آلہ کار ہے؟" سفیان نے پوچھا۔

"آپ تو کہہ رہے تھے کہ اس کے بارے میں سب جانتے ہیں۔" اس نے اپنے جبڑوں اور آنکھوں کو زور سے میچ کر درد کی اٹھنے والی ایک تیز لہر کو برداشت کرتے ہوئے کہا۔

"تم سے صرف جو پوچھا جائے اس کے جوابات دو' آگے سے کوئی سوال مت کرو۔" سفیان نے سخت لہجے میں کہا۔

"وہ' وہ...!" سفیان کو لگا وہ جواب دینے میں ہچکچا رہا ہے پھر ایک دم بولا۔

"وہ پاکستانی ہے اور ہمارا آلہ کار ہے۔"

سفیان کو اس کا یہ جواب مشکوک لگا اس لیے اس نے کہا۔"لگتا ہے تمہاری خاطر تواضع میں کچھ کمی رہ گئی ہے جنید ذرا رستم کو بلانا تو۔"

"نن... نہیں۔" وہ تیزی سے بولا۔

"پھر میرے ہر سوال کا بالکل ٹھیک جواب دو یاد رکھو راجیش پٹیل ہمارے لیے یہ جاننا بالکل بھی مشکل نہیں ہے کہ وہ ہندو ہے یا مسلمان اور اگر وہ ہندو نکلا تو پھر تم جانتے ہو کہ۔"

"وہ' وہ ہے تو ہندو لیکن پاکستانی ہے اور ہمارے لیے کام کرتا ہے۔" اس نے کہا۔

"میں پوچھ رہا ہوں وہ را کا ایجنٹ ہے یا نہیں۔صرف ہاں یا ناں۔" سفیان نے آگے بڑھ کر اس کے جھومتے ہوئے بازو پر ایک زور کا پنچ رسید کرتے ہوئے کہا۔اس کی ایک زور کی چیخ نکل گئی اور اس کی گردن زور زور سے ہاں میں ہلنے لگی۔

"یعنی وہ بھی را کا ایجنٹ ہے۔" سفیان نے پورا اطمینان کرنا مناسب سمجھا۔

"اچھا ٹھیک ہے اب ذرا اپنی اس معشوقہ فیروزہ کے بارے میں بتاؤ وہ بھی انڈین ہے اور ایجنٹ ہے نا؟" سفیان نے پوچھا۔

"وہ بھی ہماری ساتھی ہے۔" راجیش نے بمشکل کہا۔

"یعنی انڈین ایجنٹ ہے۔" سفیان نے پوچھا اس مرتبہ بھی اس نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

"دونوں کے اصلی نام بتاؤ۔"

"بابر کا نام راہول شرما ہے اور فیروزہ کا نام سونالی ہے۔"

"یہ دونوں کتنے کتنے عرصہ سے یہاں کام کر رہے ہیں؟"

"بابر کو چار سال ہوگئے ہیں اور سونالی کو ساڑھے چار سال ہوگئے ہیں۔"

"اس سے پہلے کون لوگ تمہارا یہاں ساتھ دیتے تھے۔"

"وہ واپس جا چکے ہیں۔ان کے جانے کے بعد یہ لوگ آئے ہیں۔"

"راہول شرما تمہارے لیے کیا کام کرتا ہے؟"

"وہ پولیس کے محکمہ کی ہر انفارمیشن ہمیں دیتا ہے ہمیں اور ہمارے لوگوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے بہت سے کام ہم اس کی پشت پناہی میں انجام دیتے

ہیں اس کے علاوہ اگر ہمیں شک ہوجائے کہ ہمارا کوئی بھی بندہ پولیس کی نگاہوں میں مشکوک ہے تو وہ اپنے محکمہ کی تفتیش کا رخ غلط سمت پر موڑ دیتا ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کبھی کوئی بندہ ہمارے کام کے قابل نہیں رہتا تو راہول شرما اسے گرفتار کر کے یا پھر پولیس مقابلے میں مار کر اپنے نمبر بڑھا لیتا ہے بعض دفعہ اگر ہمارا کوئی بندہ گرفتار ہوجاتا ہے تو راہول شرما کسی اور بندے کا ان کاؤنٹر کر کے ہمارے بندے کو بچا لیتا ہے پھر پولیس کی نگاہوں میں آئے ہوئے اس بندے کو ہم واپس بھیج دیتے ہیں۔"

"سونالی عرف فیروزہ کے بارے میں بتاؤ اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں فحاشی کا اڈہ چلانے کے علاوہ۔"

"سونالی ہماری بہت زیرک ایجنٹ ہے لیکن میرے منظر سے غائب ہوتے ہی وہ محتاط ہوگئی ہوگی اب آپ کے ہاتھ نہیں آئے گی۔"

"یہ بات تو کسی کے بھی علم میں نہیں ہے کہ تم ہمارے پاس ہو' پھر وہ کس طرح ہوشیار ہوگئی ہوگی۔" سفیان نے تیزی سے پوچھا۔

"ہم زیادہ تر ایک دوسرے کے رابطہ میں رہتے ہیں ایک دو گھنٹوں کے وقفے کے بعد ہم ضرور رابطہ کرتے ہیں اور اگر بار بار رابطہ کرنے پر ہمارا رابطہ ایک دوسرے سے نہ ہو تو ہم محتاط ہوجاتے ہیں یہی سوچ کر کہ کہیں کوئی گڑ بڑ ہوگئی ہے ہمیں آپ کے محکمہ پولیس سے تو کوئی خطرہ نہیں ہوتا لیکن ہم پاکستانی ایجنسیوں سے ہمیشہ خائف اور محتاط رہتے ہیں اب پورا ایک دن اور ایک رات گزر چکی ہے اور میرا سونالی سے رابطہ نہیں ہوا ہے اس لیے وہ روپوش ہوگئی ہوگی۔"

"تمہارے خیال میں وہ کہاں گئی ہوگی؟" سفیان نے پوچھا اور اس کے ساتھ ہی جنید کو ایک اشارہ کیا تو جنید فوراً ہی کمرے سے باہر چلا گیا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" اس نے سر کو جھٹک کر جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی سفیان نے اپنے بوٹ کا نوکیلا سرا جس پر فولادی پتری چڑھی ہوئی تھی راجیش پٹیل کے منہ پر زور سے مارا سفیان کی ضرب اتنی شدید تھی کہ وہ بلبلا اٹھا اور بولا۔

"میں بھگوان کی سوگند کھا کر کہتا ہوں کہ اس طرح کے راز ہم ایک دوسرے کو نہیں دیتے اور وہ اس لیے کہ اگر ایک پکڑا جائے تو وہ دوسرے کے بارے میں کچھ نہ بتا سکے۔" راجیش نے

تکلیف کی شدت سے اپنا سر اِدھر اُدھر ہلاتے ہوئے کہا۔ پھر بولا۔"میں نے آپ کے ہر سوال کا جواب دے دیا ہے آپ کو آپ کے خدا کا واسطہ اب تو میری مرہم پٹی کردیں مجھے کوئی پین کلر دے دیں یہ تکلیف اب مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی ہے۔"

"بس ابھی سے گھبرا گئے راجیش پٹیل تمہاری یہ تکلیف تو میرے ان لاکھوں پاکستانیوں کی تکالیف کے آگے کوئی حیثیت نہیں رکھتی جو تم ایک اکیلے نے انہیں پہنچائی ہے اور ابھی ساری تفتیش مکمل نہیں ہوئی ابھی تو تمہیں ہمارے بہت سے سوالوں کے جوابات دینے ہیں۔"یہ کہہ کر سفیان اس کمرے سے باہر نکل آیا۔

اس نے ایک فون ملایا اور بولا۔"ہاں عادل کام ہو گیا؟" پھر دوسری جانب سے چند لمحوں کی خاموشی کے ساتھ بات سنی پھر خوش ہو کر کہا۔"ویری گڈ۔ آج رات ان دونوں کو یہاں پہنچا دو' ویل ڈن۔" فون کرنے کے بعد وہ ایک بار پھر راجیش پٹیل کی فائل کی جانب متوجہ ہو گیا اور اس کے اندر کچھ تحریر کرنے کے بعد وہ کمپیوٹر کی جانب متوجہ ہو گیا۔ تھوڑ دیر اس میں مصروف رہا پھر ایک خفیہ پاس ورڈ ڈال کر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ایک بار پھر راجیش پٹیل کے روم کی جانب جا رہا تھا۔

وہ اندر گیا تو وہ ایک جانب گردن ڈالے نیم بے ہوشی کے عالم میں پڑا تھا۔ سفیان اس کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا اور اس کی صورت دیکھتا رہا اس نے ایک بار پھر اپنے جوتے کی نوک اس کے شولڈر پر ماری تو وہ ہوش میں آ کر چلانے لگا۔

"تم مجھے ایک بار ہی کیوں نہیں مار دیتے یوں تڑپا تڑپا کر مجھے مارنے سے تمہیں کیا مل رہا ہے میں نے تو مسلمانوں کے بارے میں سنا ہے کہ وہ بہت رحم دل ہوتے ہیں اور تمہارے خدا اور رسول کا بھی یہی حکم ہے کہ انسانوں

پر رحم کرو، تم ان کا حکم بھی نہیں مانتے۔“ وہ تکلیف کی شدت سے اپنے حواس کھو رہا تھا اور جو منہ میں آرہا تھا بول رہا تھا۔

”تجھے بہت پتا ہے مسلمانوں کے بارے میں اور ان کے اللہ اور رسول کے احکامات کے بارے میں لیکن شاید تجھے یہ نہیں معلوم کہ ان کا یہ حکم انسانوں کے لیے ہے تجھ جیسے سفاک درندوں کے لیے نہیں تو انسان ہے کہاں، انسان تو وہ ہوتا ہے جو دوسرے انسانوں کا درد اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔“ سفیان نے انتہائی نفرت انگیز لہجے میں کہا تو اس نے کوئی جواب نہیں دیا وہ بہت بے چین ہو رہا تھا۔

”اچھا راجیش تم میرے چند سوالوں کے جوابات اور دے دو پھر میں ایک ڈاکٹر کو تمہارے پاس بھیج دوں گا۔وہ تمہیں انجکشن بھی دے گا اور تمہارے زخموں پر دوا بھی لگا دے گا اور تمہیں نیند کی گولی بھی دے دے گا تاکہ تم کھا کر کچھ دیر سو سکو۔“

سفیان کی بات سن کر راجیش نے متوحش نگاہوں سے اسے دیکھا اسے سفیان کی بات کا یقین نہیں آرہا تھا اس کی آنکھوں میں بے یقینی دیکھی تو سفیان نے کہا۔

”تمہیں میرا یقین کرنا ہوگا راجیش، میں ایسا ہی کروں گا لیکن شرط وہی ہے کہ تمہیں اپنی زبان مکمل طور پر کھولنا ہوگی اور صرف سچ کے لیے اگر تم نے جھوٹ کا سہارا لیا تو آگے تم سمجھ دار ہو۔“ سفیان نے معنی خیز لہجے میں کہا اور اس کے لبوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ آگئی تو راجیش نے سر ہلا دیا۔

”تم نے ملک فیروز کو کیوں مروایا ہے؟“ سفیان نے اس کی زخمی ٹانگ پر اپنا ایک پاؤں رکھتے ہوئے پوچھا۔

سفیان کے پاؤں رکھتے ہی جیسے اس کے جسم میں کرنٹ دوڑ گیا۔درد سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

”جواب دو راجیش، لیکن بالکل سچ۔“ سفیان نے اپنے پاؤں کا دباؤ راجیش کے زخمی پاؤں پر بڑھاتے ہوئے کہا۔

”بتاتا ہو لیکن بھگوان کے لیے اپنا پاؤں ہٹا دو۔“ اس نے بلبلاتے ہوئے کہا تو سفیان نے اپنا پاؤں ہٹا لیا اور اس کی جانب جواب طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

”ملک فیروز بنیادی طور پر عورتوں کا رسیا اور عیاش فطرت آدمی تھا اس کی یہ کمزوری ہمارے ہاتھ آگئی۔ پھر راہول شرما کے تعاون سے ایک نجی محفل میں جس میں ملک فیروز بھی مدعو تھا اور کنفرم خبر تھی کہ وہ آرہا ہے تو ہم نے فیروزہ کو ایک حسین اور جوان لڑکی کے ہمراہ اسی محفل میں بھیج دیا۔ فیروزہ نے وہاں ملک فیروز سے تعلق پیدا کرلیا اس کے ساتھ آئی ہوئی لڑکی کا تعارف اس نے اپنی چھوٹی بہن کہہ کر کروایا اور یہ بھی بتایا کہ ہم آپ کے فین ہیں ہمارے ملک میں آپ جیسے زیرک اور عقل و فہم والے سیاست دان بہت کم ہیں وہ اپنی تعریف پر پھول گیا۔ اس لڑکی ”خوشبو“ کو دیکھ کر اس کی رال ٹپکی جا رہی تھی۔

بعد میں دو ایک دفعہ خوشبو اس کے خلوت کدے میں گئی اور اس کو نشے میں دھت کرنے کے بعد موبائل کیمرے سے برہنہ حالت میں ویڈیو بنالی۔ پھر کئی

اور لڑکیاں بھی اس کے پاس گئیں اور اس کی کئی کمزوریاں ہمارے ہاتھوں میں آگئیں اسی کے ذریعے ہمیں کچھ فوجیوں کے بارے میں بھی معلوم ہوا ہمیں کچھ خفیہ فائلیں درکار تھیں جو اس کے قبضے سے نکالنا تھیں۔

اور پھر ہم نے اسے اس کی وہ تمام ویڈیوز بھیج دیں اور اس سے فائل کا مطالبہ کیا یہ کام میں نے کیا تھا ہمارے منصوبہ کے مطابق خوشبو بھی روتی پیٹتی اس کے پاس گئی اور کہا کہ اسے کسی کا فون آرہا ہے اور پارسل کے ذریعے یہ ویڈیو بھی ملی ہے۔

ملک فیروز پہلے تو چکر گیا پھر اس نے کہا کہ وہ اس معاملے کا کھوج لگائے گا کہ ایسا کون کرسکتا ہے میں نے اسے دھمکی دیتے ہوئے اس سے اس اہم فائل کا مطالبہ کیا لیکن ملک نے کہا کہ وہ انتظار کرے اور پھر ملک ہم تک پہنچ گیا اور ہماری انفارمیشن کے مطابق اگلے روز ہم پر ہاتھ ڈالنا تھا لیکن ہمارا اصول ہے کہ دشمن کو کوئی بھی موقع دیے بغیر اسے ہلاک کردو۔ اسے میرے بارے میں معلوم ہوگیا تھا۔ اتفاق سے جس شادی میں وہ جا رہا تھا میں بھی

مدعو تھا میں نے اس روز اس کو ختم کرنے کا پلان بنا لیا لیکن یہ میری بدقسمتی تھی کہ اس دن میں تمہارے ہتھے چڑھ گیا۔“

”کیا تم نے وہ فائل حاصل کرلی تھی؟“ سفیان نے پوچھا۔

”نہیں۔“ اس نے سر جھکا کر کہا تو سفیان نے ایک بار پھر اپنا پاؤں آگے بڑھایا تو وہ چیخ اٹھا۔”بتایا تو ہے کہ نہیں۔“

سفیان کے کان جیسے اس کی ہر چیخ ہر آہ و فغاں کو سننے کے لیے بہرے ہوچکے تھے۔اس نے اپنا پاؤں اس کے زخمی پاؤں پر رکھا اور زور سے رگڑ ڈالا۔

”ہاں خوشبو اس فائل کو اڑا لانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔“ اس نے ایک زور دار کراہ کے ساتھ جواب دیا۔

”تم کتے کی دم کی طرح ٹیڑھے ہی رہو گے کیوں بار بار اپنے آپ کو اذیت میں مبتلا کر رہے ہو‘ جواب ٹھیک ٹھیک کیوں نہیں دیتے۔“ سفیان نے کہا۔

”اب وہ فائل کہاں ہے؟“

”میرے بیڈ روم کی تجوری میں۔“

”فائل کا کیا کرنا ہے یہیں رہ کر کام کرنا ہے یا پھر اپنے باپ کے پاس بھارت بھیجو گے۔“ سفیان نے دانت پیستے ہوئے پوچھا۔

”وہ انتہائی حساس نوعیت کی فائل ہے اسے آگے بھیجنا ہے۔“

”ابھی تک بھیجی کیوں نہیں تمہارے پاس کیوں ہے؟“

”وہاں سے ایک بندہ آرہا ہے وہ لے کر جائے گا۔“

”کب آرہا ہے‘ کیا نام ہے اس کا حلیہ بتاؤ۔“ سفیان نے چونک کر تیزی سے پوچھا۔

”ابھی نہیں معلوم۔وہ خود میرے پاس آکر اپنے بارے بتاتا۔“

”تمہارا کوئی کوڈ تو ہوگا۔وہ بتاؤ۔“ سفیان نے پوچھا۔

اور وہ بتاتا گیا۔سونالی عرف فیروزہ کے بارے میں بھی سفیان نے راجیش سے کافی ساری معلومات حاصل کرلیں اس کا بھی فائل میں اندراج کیا۔پھر وہ اپنی اب تک کی کارکردگی کی رپورٹ کرنے اپنے ہیڈ آفس روانہ ہوگیا۔

...☆☆☆...

حشام کیا اسپتال سے گھر آیا میں پھر سے جی اٹھی۔ڈاکٹر ذیشان نے مجھے حشام کے ساتھ رہنے کا حکم دیا تھا اس کے زخم خشک ہوچکے تھے جسمانی طور پر ابھی کمزوری باقی تھی۔دوائیں جاری تھیں۔

گھر میں ہی ہم نے ایک چھوٹا سا جشن صحت منایا۔شکرانے کے نوافل ادا کیے امی بھی حشام سے ملنے کے لیے آئی تھیں۔البتہ اماں نہیں آسکی تھیں۔وہ عدت کے دن پورے کر رہی تھیں۔انہوں نے حشام سے فون پر بات کی۔اسے ڈھیروں دعائیں دیں۔حشام نے بھی بابا کے انتقال پر افسوس کا اظہار کیا اور انہیں تسلی دی کہ آپ بابا کے جانے کے بعد خود کو تنہا مت سمجھیے گا ہم سب آپ کے ہیں اور آپ کے ساتھ ہیں۔جواباً اماں نے حشام کو ڈھیر ساری دعائیں دیں۔

حشام کے کمرے میں جب میں اور حشام تنہا رہ گئے تو وہ شوخی سے میرا ہاتھ تھام کر بولا۔

”تم آج رات میرے کمرے میں ہی رہو گی نا۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”جی جناب لیکن ان دنوں میری حیثیت آپ کے لیے ایک نرس کی ہوگی۔“ میں نے بھی شوخی سے کھلکھلاتے ہوئے جواب دیا۔

”سوچ لو پھر میں تمہیں بہت تنگ کروں گا۔“ اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

”مثلاً!۔“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”مثلاً‘ مثلاً یہ کہ نرس مجھے بستر سے اٹھا کر بٹھاؤ‘ مجھ سے اٹھا نہیں جا رہا۔نرس میرے سر میں درد ہو رہا ہے ذرا سر دباد دو۔نرس میرا دل بہت گھبرا رہا ہے کوئی پیار بھری بات کرو‘ وغیرہ وغیرہ۔“

”اچھا تو اسپتال میں آپ نرسوں سے یہ کام لیتے تھے۔“ میں نے مصنوعی غصے کا اظہار کرتے ہوئے آنکھیں نکالیں۔

”ارے ڈاکٹر ذیشان بھی بڑے ظالم تھے۔انہوں نے میرے روم میں کسی نرس کی ڈیوٹی ہی نہیں لگائی۔سارے میل نرس ہی آتے تھے۔کہہ رہے تھے کہ سرمئی نے منع کیا ہے کہ اسپتال کی کوئی بھی نرس اس کمرے میں آنے

نہ پائے۔میں نے کہا ٹھیک ہے ہم تو اپنی سرمئی کی مرضی میں خوش ہیں۔“ حشام نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

ہم باتیں کر رہے تھے کہ خیال آیا کہ حشام کے لیے سوپ کا ٹائم ہو گیا ہے۔ میں نے آنٹی کو منع کردیا تھا کہ آپ تکلیف مت کیجیے گا حشام کے لیے سوپ میں خود بناؤں گی اس لیے حشام کے روکنے کے باوجود میں کمرے سے نکل آئی کچن میں آئی تو آنٹی وہاں پہلے سے موجود تھیں۔میں نے انہیں کہا کہ وہ کیوں کچن میں آئیں میں ہوں نا۔تو وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

”میری جان ابھی تو تم اس گھر میں مہمان ہو‘ ان شاء اللہ میرا حشام جلد ہی صحت یاب ہوجائے گا پھر میں تمہیں حشام کی دلہن بنا کر لے آؤں گی اور یہ سارا گھر تمہارے حوالے کر کے بے فکر ہوجاؤں گی۔“

آنٹی کی بات سن کر میں شرما گئی۔حشام کی ساری شوخ باتیں میرے کانوں میں گونجنے لگیں۔میرے چہرے پر شرم کی لالی دیکھ کر آنٹی ہنس پڑی اور محبت سے میری پیشانی چوم لی۔

اتنے میں طلال انکل بھی کچن میں چلے آئے۔آنٹی کو اور مجھے دیکھا تو بولے۔

”بھئی اگر گرم چائے مل جائے تو بڑی مہربانی ہوگی۔“

”انکل آپ چلیں میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔“ میں نے کہا۔

”نہیں بھئی چائے تو ہم تمہاری آنٹی کے ہاتھ ہی کی پیتے ہیں۔چائے انہیں بنانے دو اور تم میرے ساتھ آؤ۔“ انکل نے مجھے اشارہ کیا تو میں سمجھ گئی کہ وہ مجھ سے کوئی خاص بات کرنا چاہ رہے ہیں۔

”ٹھیک ہے انکل آپ چلیں میں سوپ چولہے پر رکھ کر آرہی ہوں۔“ یہ سوپ مجھے اماں نے بنانا سکھایا تھا بہت لذیذ سوپ بنتا تھا۔

سوپ چولہے پر رکھ کر باہر آئی تو انکل نے اوپر سے آواز دی تو میں اوپر چلی گئی میں سمجھ گئی انکل اپنے اسٹڈی روم میں ہوں گے۔

وہاں کرنل مشتاق بھی موجود تھے۔میں انہیں دیکھ کر حیران رہ گئی۔میں تو سمجھ رہی تھی کہ وہ جا چکے ہوں گے۔مجھے حیران دیکھا تو بولے۔

”مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا تھیں اس لیے ابھی تک یہاں موجود ہوں۔“

"انکل آپ نے حشام کی سیکورٹی کا بندوبست تو اطمینان بخش کردیا ہے نا۔" میں نے پوچھا۔

"اس جانب سے تم بے فکر رہو' اس کا خاطر خواہ انتظام ہے آصف کی ڈیوٹی بھی میں نے یہیں لگادی ہے عثمان البتہ تمہارے گھر پر ہی ہے۔"

"آصف کو آپ نے یہاں کیوں بلوالیا۔" میں نے پوچھا۔

"یہ اس کی خواہش تھی کہ تم جب تک یہاں ہو وہ بھی یہیں رہے گا بھئی تمہاری سیکورٹی اسے سونپی تھی اور پھر وہ تمہارا ڈرائیور بھی تو ہے۔" کرنل انکل نے ہنستے ہوئے کہا تو میں عجیب سی ہوگئی اور چھم سے میرے تصور میں آصف کی گہری اور بہت کچھ کہتی نگاہیں آ گئیں۔بے شک وہ میرا سیکورٹی گارڈ تھا لیکن مجھے اس کی موجودگی میں ایک الجھن سی رہتی تھی۔وہ بہت گہری نگاہوں سے مجھے دیکھتا تھا اور ایک لڑکی ہونے کی حیثیت سے میں اس کی پیغام دیتی نگاہوں کا مفہوم سمجھتے ہوئے بھی انجان بنی رہتی۔میرا خیال ہے کہ اسے اس بات کا اچھی طرح سے اندازہ تھا کہ میں حشام کے لیے کیا سوچتی ہوں۔اس نے اس بارے میں ایک آدھ بار مجھ سے ایک دو سوال بھی کیے

تھے جن کا جواب میں نے اسے نہیں دیا تھا اور اب کرنل انکل یہ بتا رہے ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے صرف میرے لیے یہاں آکر ٹھہر گیا ہے اور میں لاکھ چاہنے کے باوجود انہیں یہ کہہ نہیں سکی کہ آصف کو گھر واپس بھیج دیں۔

"کیا سوچ رہی ہو بیٹا۔" طلال انکل کی آواز میرے کانوں میں آئی تو میں اپنے خیالوں کے حصار سے باہر نکل آئی۔

"کچھ نہیں انکل ایسے ہی بس حشام کے بارے میں سوچ رہی تھی۔میں اس کے لیے سوپ چولہے پر رکھ کر آئی تھی وہ میرا انتظار کر رہا ہوگا۔آپ کوئی ضروری اور اہم بات بتانے والے تھے۔"

میں اپنے تمام تر خیالات جھٹک کر خیالات کی دنیا سے باہر نکل آئی۔

"میں نے ہی تمہیں طلال کے ذریعے بلوایا تھا وہ ضروری بات میں تمہیں بتانا چاہتا تھا۔شمروز کے متعلق۔" کرنل انکل نے کہا تو میں پوری طرح ان کی جانب متوجہ ہوگئی۔

"جی... جی... بتائیے اور کیا اطلاعات ہیں ان کے بارے میں۔"

”شمروز دراصل ہم سب کو ڈبل کراس کر رہا ہے تم تو جانتی ہو کہ میرا تعلق ایک حساس ایجنسی سے ہے اور میں اپنے ارد گرد موجود لوگوں کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔جبکہ شمروز کے بارے

میں تو ہمیں معلوم ہی تھا کہ وہ نواب سطوت کا بندہ ہے اور اس کے لیے کام کرتا ہے۔معاف کرنا تمہیں شاید میری یہ بات اچھی نہ لگے کہ نواب سطوت چونکہ تمہارے والد ہیں اس لیے شاید تم نے اس انداز سے شمروز اور نواب سطوت کے بارے میں نہیں سچا کہ جس طرح میں نے سوچا۔“

کرنل انکل کا یہ جملہ سن کر میں بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گئی۔میں انہیں کچھ کہنا چاہتی تھی۔چیخ چیخ کر بتانا چاہتی تھی کہ نواب سطوت کے لیے میرے دل میں ایک باپ کی حیثیت سے کوئی بھی نرم گوشہ نہیں ہے لیکن میں خاموش رہی اور ان کی بات کے مکمل ہونے کا انتظار کرنے لگی۔وہ کہہ رہے تھے۔

”شمروز جس طرح ڈرامائی انداز میں تم سے آکر ملا حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک خاتون کو جنہیں وہ ان کے دشمنوں سے بچانا چاہتا تھا ایک اجنبی ہوتے

ہوئے تمہیں ہی کیوں اپنے پاس رکھنے کے لیے کہا۔اتنے اہم کام کے لیے وہ ایک اجنبی شخص پر بھروسہ کیسے کرسکتا تھا۔اس کا مطلب صاف ہے کہ وہ پوری پلاننگ کے ساتھ انہیں تمہارے سپرد کر کے گیا تھا پھر تمہارا بھائی بن گیا اور تمہیں اپنی نام نہاد مردہ بہن کا درجہ دے دیا اور تمہارے نزدیک آگیا۔تمہارے دل میں اپنے لیے نرم گوشہ پیدا کردیا اور تمہارے ہی ذریعے اس کی رسائی حشام اور طلال تک ہوگئی۔“

”لیکن انکل اس شخص کی تصویر بھی شمروز بھائی نے ہی ہمیں دی تھیں جس نے حشام پر فائرنگ کی تھی۔“ میں نے کہا۔

”تم خود سوچو اس کمرے میں جہاں نواب سطوت اور وہ شخص موجود تھا شمروز نے اس کی تصویر کس طرح کھینچ لی کیا نواب سطوت کو اور اس شخص کو اس بات کا علم نہیں ہوا ہوگا۔

اور اس کے ساتھ ساتھ وہ نواب سطوت کے بہت زیادہ اہم کام بھی انجام دے رہا ہے۔

میرے دست راست میرے دوست کرنل احتشام نے مجھے شمروز کے بارے میں بتایا ایک مشکوک شخص ہے جس پر ہمیں شبہ ہے کہ وہ بھارتی لابی کے لیے کام کر رہا ہے اس کا نام قاری ممتاز ہے۔وہ شخص ہندو ہے اور مسلمانوں کی مسجد میں امام بن کر بیٹھا ہے۔اس مسجد کا پہلا امام پنجاب کے ایک شہر بھورے والا سے تعلق رکھتا تھا۔اچانک وہ غائب ہوگیا اور اس کی جگہ اس شخص نے آکر مسجد کا چارج سنبھال لیا یہ کہہ کر کہ وہ پنجاب جا کر بیمار ہوگیا ہے اور قاری ممتاز اس کا کزن ہے چند دنوں میں وہ صحت یاب ہو کر واپس آجائے گا تو وہ واپس چلا جائے گا۔"

"تو کیا ہندو ہونے کے باوجود وہ شخص اسلام اور قرآن سے اس حد تک واقف ہے کہ مسجد میں امامت کرسکے؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"مجھے حیرت ہے کہ تم یہ سوال پوچھ رہی ہو ہندوؤں کی بدنام زمانہ تنظیم "را" کے ایجنٹ ہمارے ملک کے تقریباً ہر شعبے میں گھسے ہوئے ہیں۔وہ جس جگہ متعین کیے جاتے ہیں اس کی مکمل تعلیم ان کے پاس ہوتی ہے۔کتنے ہی ہندو جو طالبان کے بھیس میں ہیں اور اسلام کے بنیادی عقائد کو اتنا سخت کر کے

لوگوں کے آگے پیش کرتے ہیں کہ عام مسلمان بھی انہیں انتہا پسند اور برا کہتا ہے۔یہ اس طرح کے جعلی دینی مدرسوں میں معصوم اور بے سہارا بچوں کا ذہن کسی سلیٹ کی طرح صاف کر کے ان کے ذہن میں یہ بٹھاتے ہیں کہ دنیا میں سارے لوگ گناہ کر رہے ہیں اور انہیں ان گناہ گار لوگوں کو مارنا ہے۔چاہے ان کی جان چلی جائے اور اگر اپنی جان کا نذرانہ دے کر دنیا کے ان گناہ گاروں کو مار دیا تو وہ سیدھے جنت میں جائیں گے اور وہ معصوم ذہن خود کش بمبار بن جاتے ہیں ملک میں اس طرح کی دہشت گردی عام ہوچکی ہے۔"

"میں سمجھ گئی انکل، لیکن آپ شمروز بھائی کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے۔" میں نے ایک بار پھر بے چینی سے پہلو بدل کر پوچھا۔

"ہاں تو میں بتا رہا تھا کہ قاری ممتاز پر ہماری ایجنسی کی نگاہ ہے ابھی چند دن قبل شمروز کو قاری ممتاز سے ملاقات کرتے اور اسے ایک لفافہ دیتے ہوئے دیکھا گیا ہے اور وہ، وہ لفافہ قاری ممتاز کو دے کر فوراً آگیا۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں اس کا تو صاف مطلب یہ ہوا کہ شمروز بھائی بھی..." میں بے قراری سے اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔

"کہو اسے بھائی' وہ تمہارا بھائی بننے کے لائق ہی نہیں ہے۔" کرنل انکل نے تیزی سے کہا۔

اس کے علاوہ تمہیں ایک اہم بات اور بتاؤں شمروز کے پیچھے بھی ہم نے اپنے بندے لگا رکھے ہیں۔نواب کی کوٹھی کے علاوہ اس کا ایک ٹھکانہ اور ہے اس نے گلشن اقبال میں ایک فلیٹ کرائے پر لے رکھا ہے۔قاری ممتاز سے مل کر وہ سیدھا اپنے اسی فلیٹ پر گیا تھا اس کے علاوہ اس نے سہیل ہاشمی کا قتل بھی کیا ہے اور اس بات کے تمام ثبوت بھی ہمارے ہاتھ لگ چکے ہیں۔"

کرنل انکل شمروز بھائی کے متعلق بہت کچھ بتا رہے تھے اور میرا سر بری طرح چکرا رہا تھا۔میں شمروز بھائی کے متعلق ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ ملک دشمن عناصر کے ساتھ مل کر اس ملک کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔کاش... اے کاش کرنل انکل کو غلط فہمی ہوئی ہو۔نہ جانے کیوں شمروز

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

بھائی کے لیے میرے دل میں ایک حقیقی بھائی کے جذبات پیدا ہوگئے تھے۔ میں ان سے محبت کرنے لگی تھی اور پھر یکایک میرے دل میں ان کے لیے شدید نفرت کی لہریں اٹھنے لگیں اور میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تب کرنل انکل اٹھ کر میرے قریب آئے اور میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

"بیٹا! ہمیں اپنے ملک کی سلامتی کے لیے مل کر کام کرنا ہے تمہیں محبت اور نفرت کے ہر جذبے کو مٹا کر صرف اپنے ملک کے لیے سوچنا ہے۔یہ ملک ہے تو ہم ہیں ورنہ کچھ بھی نہیں۔"

"جی انکل۔" میں نے فوراً اپنا سر اٹھایا اور اپنے آنسو صاف کر لیے۔

شمروز بھائی کی اصلیت میرے لیے زبردست شاک کی کیفیت تھی۔میں نے دل سے ان کو اپنا بھائی مانا تھا لیکن اب میں کیا کر سکتی تھی جو کچھ بھی کرنا تھا کرنل انکل ہی کو کرنا تھا۔میں خاموشی سے اٹھ کر نیچے آگئی کچن میں جھانک کر دیکھا' آنٹی وہاں موجود نہیں تھیں۔سوپ چولہے پر پک رہا تھا۔یہاں آکر

میں نے جی بھر کر اپنے دل کی بھڑاس آنسوؤں کے ذریعے نکالی اور پھر ایک نئے عزم کے ساتھ اپنے آنسو صاف کیے اور کچن کی سنک میں جا کر اپنا چہرہ دھویا۔دل میں شدت کے ساتھ دعا کی کہ شمروز بھائی کے ذریعے میرے حشام کو کوئی نقصان نہ ہو۔

سوپ تیار ہوچکا تھا میں نے پیالے میں نکالا اور چھوٹی ٹرے میں رکھ کر حشام کے کمرے کی جانب چل دی۔

اس وقت آنٹی اپنے کمرے میں نماز ادا کر رہی تھیں۔میں سوپ لے کر پہنچی تو حشام بے قراری سے میرا منتظر تھا۔مجھے دیکھ کر بچوں کی طرح منہ پھلا لیا کہ میں اتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں اور تم پتا نہیں کن کاموں میں بزی ہو۔

”میں سوپ تیار کر رہی تھی نا۔“ میں نے سوپ کی ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔اس کی نگاہ میرے چہرے پر پڑی تو بری طرح چونک پڑا اور بولا۔

”کیا ہوا ہے سرمئی؟“

”کیا مطلب‘ کیا ہوا ہے کچھ بھی نہیں۔“ میں نے جواب دیا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”یہ تمہاری آنکھیں اور ناک کیوں سرخ ہو رہی ہیں ایسا لگ رہا ہے جیسے روتی رہی ہو۔“ اس نے بغور میرے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے مشکوک لہجے میں کہا۔”کیا کسی نے کچھ کہا ہے؟“

”میں کیوں روؤں گی اللہ نہ کرے۔اب تو اللہ اللہ کر کے خوش ہونے کے دن آئے ہیں اور اس گھر میں جہاں ہر ایک کے دل میں میرے لیے صرف پیار‘ چاہت اور محبت ہے کوئی مجھے کیا کہہ سکتا ہے۔“ میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”اگر کسی نے کچھ نہیں کہا تو تمہارے رونے کی وجہ۔“ اس نے اصرار بھرے لہجے میں پوچھا۔

”میں کیوں روتی پتا نہیں کیوں تمہیں یہ فضول خیال آرہا ہے۔“ میں نے دھیرے سے ہنستے ہوئے سوپ کا پیالہ اس کی جانب بڑھایا پھر بالوں کی ایک شریر لٹ جو بہت دیر سے مجھے تنگ کر رہی تھی اسے ہاتھ کی پشت سے پیچھے کرنے کی کوشش کی تو حشام نے ایک ہاتھ سے سوپ کا پیالہ تھام کر نیچے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے میرا ہاتھ تھام لیا پھر محبت بھری نگاہوں سے

میری جانب دیکھتے ہوئے اپنی انگلی کی پور سے میرے بالوں کی لٹ کو کانوں کے پیچھے کر کے مجھے کھینچ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور بولا۔

”تمہارا چہرہ مجھ سے کہہ رہا ہے، تمہاری یہ جھیل جیسی متوالی آنکھیں کہہ رہی ہیں کہ جھیل سے بہت سا پانی بہا ہے۔مجھے نہیں بتاؤ گی۔“

”ڈانٹو گے تو نہیں۔“ میں نے جھٹ ایک بہانہ سوچ کر کہا۔کیونکہ اصل بات میں فی الحال حشام کو بتانا نہیں چاہتی تھی۔

”نہیں۔“ اس نے ایک محبت بھری دھیمی سی مسکان کے ساتھ کہا۔

”میں کچن میں کھانا بنانے لگی تھی پیاز کاٹی تھی اور وہاں گرمی بھی بہت تھی ان ہی ہاتھوں کو چہرے پر لگا لیا تو مرچیں لگنے لگیں اور خوب آنسو نکلے۔“

”تم کیوں کھانا بنانے لگی تھیں یہ تمہارا کام تھوڑی ہے خالہ زینب کہاں تھیں کیا آج وہ کام کرنے نہیں آئیں۔“ اس نے پوچھا۔

”آئی ہیں بس میں کچن میں فارغ کھڑی تھی سوچا کچھ کام کرلوں۔“ میں نے کہا۔

”ادھر آؤ' بتاؤ کہاں کہاں مرچیں لگی تھیں۔“ اس نے مجھے کھینچ کر خود سے قریب کرلیا اور میرے چہرے پر جھک آیا اس نے نرم اور گرم گرم لب میرے تپتے ہوئے چہرے پر محبت کی ٹھنڈی پھوار برسانے لگے۔میں جیسے محبت کی اس برستی پھوار میں بے خود سی ہونے لگی۔

اچانک ہی میں ہوش کی دنیا میں لوٹ آئی دروازے پر کھٹکا ہوا اور آنٹی اندر آ گئیں۔میں نے جھٹ سوپ کا پیالہ ہاتھ میں اٹھالیا اور حشام کی جانب چمچ بھر کر بڑھایا لیکن اس کی آنکھوں کا خمار دیکھ کر میری نگاہیں جھک گئیں اور چند لمحے کی کیفیت مجھے شرمسار کر گئی۔

”ارے یہ کیا بھئی' اب تم اتنی بھی خدمت مت کرو۔سوپ تو یہ خود پی لے گا۔میری جان تمہیں بھی آرام کی ضرورت ہے دن رات بس حشام کی خدمت میں لگی رہتی ہو' کہیں بیمار نہ پڑجانا۔“ آنٹی نے کہا تو میں نے پیالہ حشام کی جانب بڑھادیا تو حشام میری جانب شوخ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

”ممی آپ اس کو سمجھائیں یہ ایسی ایسی حرکتیں کیوں کرتی ہے۔اس طرح تو میں بستر سے اٹھوں گا ہی نہیں۔“

”کیسی حرکتیں؟“ میں نے بوکھلا کر کہا۔

”یہی تمہاری حد سے زیادہ خدمت گزاری اور کیا۔“ آنٹی نے محبت سے کہا تو میں نے مصنوعی غصے سے حشام کو آنکھیں دکھائیں۔

”میرا خیال ہے بیٹا تم میرے کمرے میں جا کر تھوڑی دیر آرام کرلو۔اتنی دیر میں حشام کے پاس بیٹھتی ہوں۔زینب بی نے بھی کھانا تیار کرلیا ہے۔وہ بھی نماز پڑھ لیں تو کھانا لگا دیتی ہیں کھانا کھا کر تم تھوڑی دیر سوجانا۔پتا نہیں کتنی رات تک جاگتی رہی ہو بے آرامی کی وجہ سے تمہاری آنکھیں لال ہورہی ہیں۔“ آنٹی نے کہا۔

”امی میں نے تو رات کو سرمئی کو نہیں جگایا بلکہ اس کی آنکھوں کی سرخی تو...!“ حشام بولے تو میں نے جھٹ ان کی بات کاٹ کر کہا۔

”چھوڑیں نا آنٹی' میں بالکل ٹھیک ہوں۔مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔نیند آئے گی تو جا کر سوجاؤں گی۔“

”جیتی رہو' خوش رہو۔تمہیں اندازہ نہیں ہے میری جان کہ تمہاری موجودگی میرے لیے کتنی تقویت کا باعث ہے۔حشام کی جانب سے تو میں بالکل بے فکر ہوں۔“ آنٹی نے کہا اور پھراٹھ کر چلی گیئں۔

سوپ پیتے ہوئے حشام مسلسل میری جانب شریر نگاہوں سے دیکھتے رہے اچانک ہی انہیں پھندا سا لگا اور وہ سوپ کا پیالہ رکھ کر کھانسنے اور سینے کو مسلنے لگے۔میں گھبرا کر اٹھی اور حشام کا سینہ سہلاتے ہوئے روہانسے لہجے میں بولی۔

”کیا ہوگیا حشام' گردن اوپر کریں۔“

اور حشام نے جھٹ میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مسکراتے ہوئے بولے۔”گردن اوپر کیوں کروں' تمہیں کیوں نہ دیکھوں۔“

ان کی آنکھوں میں شوخی اور شرارت دیکھ کر میں سمجھ گئی کہ وہ ڈرامہ کر رہے تھے لیکن مجھے ان کا اس وقت کا یہ بے تکا مذاق بالکل بھی اچھا نہیں لگا اور میں نے آنسو بھری آنکھوں اور بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ کیا حرکت کی ہے آپ نے اس طرح کھانسنے سے آپ کے زخموں کے ٹانکوں پر زور پڑ رہا تھا۔اگر اللہ نہ کرے دوبارہ کچھ ایسا ویسا ہوجاتا تو۔" اور میری آنکھوں سے دو آنسو نکل پڑے۔

"ارے یہ کیا؟ میں مذاق کر رہا تھا تمہیں اپنے نزدیک بلانے کے لیے۔" میرے اس طرح رونے سے حشام پریشان ہوگئے اور بیڈ سے اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور بولے۔

"دیکھو میں بالکل ٹھیک ہوں۔میرے زخموں کے ٹانکے ہی بالکل خشک ہیں مجھے خود اپنا بہت خیال ہے۔میں بھی چاہتا ہوں کہ جلد از جلد اپنے سارے رکے ہوئے کام مکمل کرلوں۔پھر بھی پلیز اگر تمہارا دل دکھا ہے تو پلیز مجھے معاف کردو۔" حشام نے میرے آگے اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے معصوم سی شکل بنا کر کہا تو مجھے ہنسی آگئی۔میری کیفیت اس وقت کچھ اس طرح سے تھی کہ آنکھوں میں آنسو بھرے تھے اورلب مسکرا رہے تھے۔حشام چند لمحے مجھے غور سے دیکھتے رہے پھر بولے۔

"اب تم خود ہی فیصلہ کرو اور پوری ایمانداری سے کہو اگر اس جیسا معصوم حسن ہر لمحے آنکھوں کے سامنے ہو تو بندہ کیا کرے۔کس طرح اپنے جذبات پر قابو پائے۔" یہ کہتے ہوئے وہ بیڈ پر جا کر بیٹھ گئے اور میرا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا حشام مسکراتے رہے۔ماحول پھر سے خوش گوار ہو گیا۔تب حشام مجھے یکایک بہت سنجیدہ دکھائی دیے اور بولے۔

"ہنسی مذاق اور دل لگی بہت ہوگئی سر مئی۔میں اب ماشاء اللہ بالکل ٹھیک ہوں۔پرفیکٹ ہوں میں نے تم سے اسپتال میں کہا تھا نا کہ مجھے تم سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔میں نے اسی وجہ سے تم سے اسپتال میں رکنے کے لیے بھی کہا تھا لیکن پھر بابا کی ڈیتھ ہوگئی اور بات وہیں کی وہیں رہ گئی۔آج جب میں بالکل ٹھیک ہوں تو تم سے بہت سی سنجیدہ باتیں کرنا چاہتا ہوں اور یہ امید بھی کرتا ہوں کہ تم میرے ہر سوال کا بالکل سچ سچ جواب دو گی مجھ سے کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہیں کرو گی۔"

حشام کی باتیں سن کر میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور میں سمجھ گئی کہ وہ مجھ سے کون سی باتیں پوچھنے والے ہیں۔میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں

کیا کروں میں نے اس بارے میں طلال انکل سے بھی بات نہیں کی تھی کہ اگر حشام ابھی مجھ سے پوچھیں تو میں کیا جواب دوں۔ ہر بات انہیں بتانی تو تھی لیکن پتا نہیں یہ وقت ان باتوں کے لیے مناسب بھی ہے یا نہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ طلال انکل ابھی حشام کو ہر بات سے آگاہ کرنا مناسب سمجھتے بھی ہیں یا نہیں۔میں خاموش بیٹھی تھی اور حشام غور سے میری جانب دیکھ رہے تھے مجھے سوچوں میں گم دیکھا تو بولے۔

”کیا مجھے سنانے کے لیے کوئی نئی کہانی کوئی نیا بہانہ تراش رہی ہو۔“

”ن... نہیں تو... مجھے کیا معلوم کہ آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں تو پھر یہ جانے بغیر میں کوئی بھی جھوٹ پہلے ہی سے کیسے گھڑ سکتی ہوں اور کیا آپ کو مجھ پر اتنا ہی اعتبار ہے کہ آپ مجھ سے کچھ پوچھیں گے اور میں آپ کے ساتھ غلط بیانی کروں گی۔“ میں نے شکوہ کناں لہجے میں کہا۔

”تو پھر پوچھیں آپ کو کیا پوچھنا ہے۔“ میں نے کہا۔”بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ میں طلال انکل کو بلا کر لاتی ہوں بہتر یہی ہے کہ آپ ان ہی سے پوچھ لیں۔“ میں نے اپنی جان چھڑانی چاہی۔

”اگر مجھے ان سے پوچھنا ہوتا تو پوچھ چکا ہوتا۔میری یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ اگر تم لوگ مجھ سے ہر بات کس لیے چھپا رہے ہو۔“ حشام نے ہلکے سے برہم لہجے میں کہا۔

”آپ اسپتال میں تھے اور ڈاکٹر ذیشان کا یہ کہنا تھا کہ آپ سے کوئی بھی ایسی بات نہ کی جائے جس سے آپ کے ذہن پر زور پڑے۔ہم تو آپ کی زندگی کی دعائیں مانگ رہے تھے حشام اور آپ ہماری اس وقت کی اذیت اور درد کا اندازہ کر ہی نہیں سکتے جو ہم نے گزاری ہے۔ ہمیں ہر شے سے بڑھ کر آپ کی زندگی عزیز تھی۔ ہر بات اور ہر کام کے لیے بہت وقت پڑا ہے زندگی باقی رہے تو سب کچھ ہوجاتا ہے۔“ میں نے ٹھہر ٹھہر کر حشام کو سمجھایا۔

”چلو مان لیتا ہوں کہ تم لوگوں نے جو کچھ بھی کیا ٹھیک کیا لیکن میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ تم لوگوں نے مجھے لا علم رکھا اور میں لا علم رہا۔میں سب کچھ دیکھ بھی رہا تھا اور سمجھ بھی رہا تھا لیکن اس کے باوجود بہت کچھ میری نگاہوں سے اوجھل ہے اب میں بالکل ٹھیک ہوں اور سب کچھ جاننا چاہتا

ہوں۔چلو شاباش اب تم مجھے شروع سے ہر بات بتاؤ۔“ حشام نے کہا اور اس سے پہلے کہ میں منہ کھولتی زینب بھی کمرے میں آگئی اور بولیں۔

”چلیں سرمئی بی بی کھانا لگ گیا ہے آپ کھالیں سب آپ کا ٹیبل پر انتظار کر رہے ہیں۔“

”کرنل صاحب ہیں یا چلے گئے۔“ حشام نے زینب بی سے سوال کیا تو میں نے چونک کر حشام کی جانب دیکھا کہ انہیں اس بات کا علم کیسے ہوا کہ گھر میں کرنل مشتاق موجود ہیں۔انہوں نے حشام سے ملاقات بھی نہیں کی۔

”وہ بھی ہیں صاحب نے انہیں کھانے پر روک لیا تھا۔وہ کھانا کھا کر جائیں گے۔“ زینب بی نے جواب دیا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

”چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔“ حشام نے بیڈ سے دونوں پاؤں نیچے اتارتے ہوئے کہا۔

”نہیں حشام آپ یہیں ٹھہریں کھانا کھانے کے بعد کرنل انکل کو آپ کے روم میں لے آؤں گی۔“ میں نے حشام کو روکتے ہوئے تیزی سے کہا۔

”تو پھر مجھ سے ایک وعدہ کرو کہ ڈیڈیا انکل سے ابھی کوئی بات نہیں کرو گی۔“ حشام نے گہری سنجیدگی سے کہا تو میں نے وعدہ کرلیا اور پریشان ذہن کے ساتھ باہر نکل آئی۔

میں خاموشی سے آکر ان سب کے درمیان بیٹھ گئی۔میرا کھانے میں دل نہیں لگ رہا تھا سب ہی نے یہ بات محسوس کرلی۔لیکن سوائے آنٹی کے کسی نے کچھ نہیں پوچھا۔کھانا ختم ہوا تو آنٹی سبز چائے بنوانے کا کہنے کے لیے اٹھ کر کچن کی جانب چلی گئیں۔تب انکل نے مجھے مخاطب کیا۔

”کیا بات ہے سرمئی بیٹی تم کچھ...!“

”انکل حشام ضد کر رہے ہیں کہ انہیں ہر بات تفصیل سے بتائی جائے میں ان سے وعدہ کر کے آئی ہوں کہ کھانے کے بعد میں آپ لوگوں کو ان کے کمرے میں لے کر آؤں گی۔“ میں نے انکل کا سوال سمجھتے ہوئے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے طلال کہ ہمیں اب حشام کو ساری باتیں بتا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے وہ کوئی عام احمق انسان نہیں ہے جو سب کچھ جان کر بوکھلا جائے گا

اور میں سمجھتا ہوں کہ جتنا بے خبر ہم اسے سمجھ رہے ہیں وہ اتنا بے خبر ہر گز نہیں ہے۔" کرنل انکل نے طلال انکل سے کہا۔

"آپ بالکل ٹھیک سمجھے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ حشام بہت کچھ جانتے ہیں۔" میں نے کہا۔

طلال انکل چند لمحے خاموشی سے سوچتے رہے پھر بولے۔"چلو ٹھیک ہے ہم حشام کے روم میں ہی چائے پیتے ہیں۔ پھر مجھ سے کہا کہ سرمئی تم خود چائے لے کر حشام کے کمرے میں آجانا۔

"یار مجھے ایک ضروری میٹنگ میں شام چار بجے شرکت کرنی ہے۔" کرنل انکل نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔"تم نے مجھے زبردستی کھانے پر روک لیا تھا ورنہ میں جا چکا ہوتا۔"

"ارے آؤ نا یار، ابھی ٹائم ہے تم چلے جانا فی الحال حشام کے پاس چلو۔اگر تم نہیں گئے تو وہ پھر بے کار کا شک و شبہ کرے گا۔" طلال انکل نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا تو کرنل انکل بھی اٹھ گئے اور یہ لوگ حشام کے کمرے کی جانب بڑھ گئے اور میں کچن میں چلی آئی زینب بھی چائے کے ٹی پیک

پیالیوں میں ڈال کر گرم پانی ڈال رہی تھیں۔میں نے جلدی جلدی لیمن کے پیس کاٹ کر پلیٹ میں رکھے اور چائے کی ٹرے سنبھال کر حشام کے روم میں آگئی۔ابھی تک کسی نے بات شروع نہیں کی تھی۔ہم چائے کے ساتھ ساتھ ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے پھر میں نے جب بار بار حشام کی نگاہیں اپنی جانب اٹھتی ہوئی محسوس کیں تو کہا۔

"انکل حشام چاہتے ہیں کہ انہیں شروع سے لے کر آخر تک ہر بات تفصیل سے بتائی جائے۔"

"ہاں، ہاں کیوں نہیں۔" کرنل انکل جلدی سے بولے۔

"بیٹا وہ ڈاکٹر ذیشان۔" طلال انکل نے اتنا ہی کہا تھا کہ حشام نے بے زار کن لہجے میں کہا۔

"میں، میں جانتا ہوں کہ آپ لوگوں کو ڈاکٹر ذیشان نے مجھے کوئی بھی ٹینشن والی بات کرنے سے منع کیا تھا لیکن اب تو میں گھر آگیا ہوں۔بالکل ٹھیک ہوں میں یہ بات جانتا ہوں کہ میرے جسم پر جو گولیاں لگی ہیں وہ اتفاقی حادثہ نہیں تھیں۔بلکہ میں جو انتہائی حساس اور خفیہ رپورٹ تیار کر رہا تھا...!"

اتنا کہہ کر حشام رکے اور بولے۔"سرمئی تمہیں اور انکل آپ کو یقیناً ڈیڈی نے اس رپورٹ کے بارے میں بتا دیا ہوگا صرف اس کام سے مجھے روکنے کے لیے مجھے جان بوجھ کر نشانہ بنایا گیا تھا اور سرمئی مجھے امید ہے کہ تم نے اس بات کا بھی برا نہیں منایا ہوگا کہ میں نے اس رپورٹ کے بارے میں تمہیں نہیں بتایا۔میں نے سوائے ڈیڈی کے کسی کو بھی نہیں بتایا تھا لیکن مجھے بہت سوچنے پر یہ شک ہوتا ہے کہ اس رپورٹ کے بارے میں رمضانی صاحب کو تھوڑا بہت علم تھا اور اس روز انہوں نے جان بوجھ کر صرف مجھے ہی کیوں اس مقام پر بھیجا تھا۔میرا خیال ہے کہ اس روز کی وہ ویڈیو دیکھی جائے تاکہ یہ ثابت ہوسکے کہ مجھے جان بوجھ کر گولیوں کا نشانہ بنایا گیا ہے۔"

حشام خاموش ہوئے تو پھر طلال انکل، کرنل انکل اور میں نے باری باری ساری باتیں حشام کو بتا دیں۔دوران گفتگو شمروز بھائی کا نام بھی آیا تب حشام نے چونک کر سوال کیا کہ شمروز بھائی کافی دنوں سے مجھ سے ملنے کے لیے بھی نہیں آئے تب کرنل انکل نے شمروز بھائی کی ساری باتیں بھی انہیں بتا دیں۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اب تمام باتیں حشام کے علم میں آچکی تھیں۔وہ کچھ دیر خاموشی سے سوچتا رہا پھر بولا۔

"مجھے بہت پہلے ہی نواب سطوت پر شک تھا کہ درپردہ یہ شخص را کے لیے کام کر رہا ہے یا پھر یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ لوگ کسی بھی طرح سے اس شخص کو استعمال کر رہے ہیں۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رمضانی صاحب کو دھمکیاں دیں ہو یا پھر کوئی لالچ۔انسان ہیں بہک گئے ہوں گے لیکن مجھے حماد کے بارے میں سن کر دکھ ہوا مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ بھی رمضانی صاحب کے ساتھ مل کر یہ کام کر رہا ہے۔"

"اب تم نے کیا سوچا ہے کیا کرو گے اپنی رپورٹ کو کمپلیٹ کرو گے؟" کرنل انکل نے پوچھا۔

"ظاہر ہے انکل، میں نے اس رپورٹ کو بنانے میں بہت محنت کی ہے اس کو یوں ہی ادھورا تو نہیں چھوڑا جاسکتا۔لیکن شمروز بھائی جن سے مجھے امید تھی کہ وہ میرے بہت کام آسکتے ہیں لیکن آپ لوگ تو ان کے بارے میں کوئی اور ہی کہانی سنا رہے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ اس دور میں انسان کس پر

بھروسا کرے کسے اچھا سمجھے اور کسے برا۔ویسے انکل شمروز کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے اسے اس طرح آزاد چھوڑ دیا جائے گا اور وہ نواب سطوت کے لیے کام کرتا رہے گا۔بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ آپ لوگ اس سے تعلق توڑ کر بڑی غلطی کر رہے ہیں۔ہم اس سے اس طرح ملتے رہیں گے جیسے پہلے ملتے تھے۔یہ ظاہر ہی نہیں کریں گے کہ ہم اس کی اصلیت جان چکے ہیں اس طرح ہمیں اس کے ذریعے بہت سی کام کی باتیں معلوم ہوسکتی ہیں۔" حشام نے گفتگو کے دوران شمروز بھائی کے نام کے ساتھ لفظ بھائی کو ہٹا دیا۔وہ صرف نام لے کر بات کر رہا تھا۔

"تم یہ بات کیوں بھول رہے ہو کہ وہ ہمیں گمراہ بھی کرسکتا ہے بلکہ وہ ہمارے پاس آیا ہی اس لیے ہے کہ ہمیں غلط گائیڈ لائن مہیا کرے۔" کرنل انکل نے کہا۔

"اب یہ تو ہماری عقلوں پر منحصر ہے کہ ہم اس کی ہر بات پر آنکھیں بند کر کے نہ یقین کریں اپنی عقل اور اپنے ذرائع بھی استعمال کریں اور صحیح بات کی تہہ تک پہنچیں۔" حشام نے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"تو پھر کیا کیا جائے۔" طلال انکل نے کرنل انکل کی جانب دیکھا اور پوچھا۔

"ابھی فی الحال جیسا چل رہا ہے چلنے دو، شمروز آج کل بڑے زور و شور سے نواب کے کام کر رہا ہے ہم پوری طرح اس پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔" کرنل انکل نے کہا اور ایک بار پھر اپنی کلائی پر بندھی ہوئی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اچھا بھئی فی الحال آپ لوگ مجھے اجازت دیں۔میں لیٹ ہو رہا ہوں۔" اور وہ چلے گئے۔تب طلال انکل مجھ سے مخاطب ہوئے اور بولے۔

"میرا خیال ہے سرمئی بیٹا آپ بھی کچھ دیر کے لیے آرام کرلو، میں حشام کے پاس ہوں۔" میں سمجھ گئی کہ انکل حشام سے کچھ اور ضروری باتیں کرنا چاہ رہے ہیں۔جن کے لیے شاید میری غیر موجودگی ضروری ہے۔میں بنا تردد اٹھ کر جانے لگی تو انکل نے پیچھے سے آواز لگائی۔

"اپنی آنٹی کے کمرے میں جانا۔ذرا ان کا بھی دل بہلا دینا۔" مطلب یہ تھا کہ فی الحال آنٹی کو بھی یہاں نہیں آنے دینا ہے۔میں آنٹی کے پاس آگئی اور

ان کے ساتھ بیڈ پر لیٹ کر باتیں کرنے لگی اور پھر خود بخود میری آواز دھیمی ہوتی چلی گئی اور میں نیند میں چلی گئی۔

...☆☆☆...

صبح حسب معمول میری آنکھ فجر کے وقت کھل گئی۔میں نے گھڑی میں ٹائم دیکھا سورج طلوع ہونے میں ابھی تھوڑا ٹائم تھا۔میں وضو کے ارادے سے بستر سے اترا اور اچانک ہی مجھے شازلی کا خیال آگیا میری نگاہ صوفے کی جانب اٹھی جو شازلی کے وجود سے خالی تھا۔

رات کو جو کچھ بھی ہوا مجھے خواب کی مانند معلوم ہو رہا تھا۔بزرگ بالکل ٹھیک کہتے ہیں کہ اگر بندہ دل سے اپنے کسی گناہ کی سچی توبہ کرے تو اللہ پاک آئندہ اسے اس گناہ میں مبتلا ہونے سے ضرور بچاتا ہے اور رات میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا کہ رات کو شازلی جو شیطانی ارادہ لے کر میرے پاس آئی تھی اس سے اللہ ہی نے مجھے بچایا۔ورنہ میں تو ایک گناہ گار بندہ ہی ہوں۔میں نے شازلی کے بارے میں رات ہی فیصلہ کرلیا تھا۔فی الحال آج تو مجھے نواب

کے ساتھ سرجانی جانا تھا۔وہ مجھے کسی سے ملوانا چاہتا تھا پتا نہیں کسی سے اور کس لیے۔

دن کی روشنی ہلکی ہلکی محسوس ہونے لگی تھی لیکن نماز فجر کا ٹائم باقی تھا میں نے فی الحال ہر قسم کے خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا اور وضو کے لیے باتھ روم کی جانب بڑھ گیا۔

نماز کے بعد میں نے پوری توجہ دعا کی جانب لگا دی۔ گڑ گڑا کر اللہ سے اپنے کبیرہ گناہوں کی توبہ کی اور یہ بھی التجا کی کہ اللہ مجھے میرے نیک مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔

یہ حقیقت ہے دلوں کو سکون صرف اللہ کے ذکر ہی سے ملتا ہے۔اس بات کا شدت کے ساتھ اب مجھے احساس ہوتا ہے کسی نے جب ایک عالم سے یہ سوال پوچھا کہ جناب جب ہمارے اوپر مصائب اور مشکلات پے در پے آنا شروع ہوجائیں اور ہم کسی طور ان سے نہ نکل پائیں تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ یہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا دے رہا ہے یا پھر بعض اللہ کے نیک بندوں پر بھی مشکلات اور مصائب کے دروازے کھل جاتے ہیں تو کیا وہ ان

کی آزمائش ہوتی ہے۔عالم نے جواب دیا کہ ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ہم اس بات میں فرق کرسکیں کہ اللہ کا عذاب کیا ہے اور آزمائش کیا ہے تو سائل نے پھر پوچھا کہ حضرت ہم اپنے مصائب اور مشکلات میں گھرنے کے بعد کس طرح یہ معلوم کرسکتے ہیں کہ اللہ ہمیں عذاب یا سزا دے رہا ہے یا ہماری آزمائش کر رہا ہے۔تو عالم نے فرمایا۔اگر بندہ مصائب میں مبتلا ہونے کے بعد اپنے رب کے مزید نزدیک ہوجاتا ہے اللہ سے توبہ کرتا ہے اسی سے مدد مانگتا ہے تو وہ مصائب اس کے لیے آزمائش ہیں اور اگر بندہ مصائب اور مشکلات سے گھبرا کر غیر اللہ یا شیطان کا دامن تھام لیتا ہے تو وہ اس کے لیے عذاب اور سزا ہے۔"

میں نے بھی جب اپنی سابقہ زندگی کا جائزہ لیا تو مجھے یہ دکھائی دیا کہ میں مصائب سے گھبرا گیا اور ان شیطان صفت لوگوں کے دامن میں پناہ ڈھونڈ لی اور یہ سمجھا کہ یہ لوگ میری مدد کریں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں مزید گناہوں کی راہوں پر چل نکلا وہ گناہ کبیرہ جن کا کبھی کرنے کا میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا مبتلا ہوگیا لیکن شاید یہ میری ماں کی کبھی دی ہوئی

میرے لیے دعائیں ہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات کا احساس دلادیا اور میں نے اس کی رحمت کا دامن تھام لیا۔

میرے لیے دونوں ہی طرح کی صورت حال رہی۔عذاب بھی اور اب آزمائش اب میں اللہ سے دعا کرتا رہتا ہوں کہ وہ مجھے بچالے۔

میں نے چادر سمیٹ کر رکھی میرے پاس جائے نماز نہیں تھی اس لیے نماز کے لیے میں نے ایک صاف چادر رکھی ہوئی تھی۔اسے بچھا کر نماز پڑھ لیتا تھا چادر میں نے الماری میں رکھی اور دوبارہ سونے کے لیے لیٹ گیا۔دل اور زبان سے استغفار کا ورد کرتے کرتے نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

دن کے گیارہ بجے میرے فون کی بیل سے آنکھ کھلی۔نمبر دیکھا تو نواب کا تھا۔میں نے نیند کے خمار سے بوجھل بھاری آواز میں ہیلو کہا۔

"رات کا خمار لگتا ہے ابھی تک اترا نہیں سو رہے تھے؟" نواب کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"جی سر۔" میں نے بلا سوچے سمجھے کہہ دیا۔

"کہو میرا تحفہ پسند آیا؟" اس نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"انعام دینے والی جب آپ جیسی ہستی ہوگی تو انعام تو خود بخود قیمتی ہوجاتا ہے۔بہت ہی نایاب ہیرا تھا میں نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔" میں نے پوری طرح اپنے حواسوں میں آتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھی بات ہے تم خوش ہوئے تو ہم بھی خوش ہیں۔" اس نے دھیرے سے ہنستے ہوئے کہا نہ جانے کیا بات تھی کہ مجھے اس کا موڈ بہت ہی خوش گوار لگ رہا تھا۔

"تھینک یو سر۔' میں نے جھینپی جھینپی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"اچھا اب فٹافٹ تم بستر سے اٹھ کر فریش ہوجاؤ ناشتا کرو اور میرے روم میں آجاؤ تمہارے پاس صرف آدھا گھنٹہ ہے میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔" نواب نے جھٹ حکم صادر فرمادیا۔

"اوکے سر۔" میں نے کہا اور فون بند کردیا۔میں نے شاور لیا اور باہر آیا تو میرا ناشتا ٹیبل پر رکھا تھا۔میں نے ڈٹ کر ناشتہ کیا دو بوائل ایگ لیے' سلائس اور دودھ کا گلاس لیا۔پھر میں نواب کے کمرے کی جانب چل دیا۔میں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

نے اپنی تیاری میں صرف پچیس منٹ لیے تھے۔رات کو نہ جانے نواب کس وقت کوٹھی میں آیا تھا تلاش کے مرحلے سے فارغ ہو کر میں نے نواب کے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور اجازت ملنے پر اندر داخل ہو گیا۔میری صورت دیکھتے ہی نواب چہک کر بولا۔

"بہت فریش لگ رہے ہو۔"

اب میں اسے کیا کہتا مسکرا کر سر جھکا لیا حالانکہ میرے چہرے پر اسے جو فریشنیس دکھائی دے رہی تھی وہ میری پر سکون نیند پوری ہونے کی وجہ سے تھی۔

"تو پھر چلیں؟" اس نے پوچھا۔

"آئی ایم ریڈی۔" میں نے کہا اور اس کے ساتھ باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

میں پہلی مرتبہ نواب کے ساتھ اس کے برابر میں اس کی گاڑی میں بیٹھا تھا۔راستے میں نواب اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا اس شخص کے متعلق اس نے کوئی بات نہیں کی جس سے ملوانے کے لیے وہ مجھے لے جا رہا تھا۔

ہم اس کے روحانی مرکز پہنچ گئے گاڑی نے ہمیں اسی خاص جگہ جا کر اتارا جہاں پہلے اس سے جا کر ملا تھا یہ اس وسیع و عریض چار دیواری میں بنا ہوا ایک بنگلہ تھا اور اس بنگلے میں صرف وہی شخص داخل ہوسکتا تھا جس کو نواب اجازت دے۔حد یہ کہ یہاں کے ملازم اور گارڈز بھی بہت خاص تھے اور شاید نواب کے بہت قابل اعتماد بھی۔

ہم یہاں ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے تقریباً پانچ منٹ بعد ہی ایک جوان سا شخص تقریباً میرا ہم عمر روم میں داخل ہوا اور دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر اور سر کو تعظیماً نواب کے آگ جھکا کر اس نے پہلے نواب سے مصافحہ کیا پھر سیدھا ہو کر ایک جانب بیٹھ گیا۔نواب نے میری جانب اشارہ کر کے اس شخص سے کہا۔

”یہی ہے وہ انمول ہیرا شمروز۔جس کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا اور شمروز۔“ یہ کہہ کر وہ میری جانب مڑا اور بولا۔

”یہ ہیں میرے مرید خاص اور دوست بھی کہہ سکتے ہو‘ رئیس خان صاحب۔دبئ میں ان کا بہت بڑا کاروبار ہے لیکن پاکستان ان کا آنا جانا لگا رہتا ہے میں نے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

انہیں تمہارے بارے میں بتایا تو انہیں تم سے ملنے کا اشتیاق ہو گیا میں نے کہا کہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔“

نواب یہ کہہ کر خاموش ہوا تو میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملایا۔وہ بہت غور سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔وہ مجھے اتنی غور سے دیکھ رہا تھا کہ اسے میرا بڑھا ہوا ہاتھ بھی دکھائی نہیں دیا۔

”مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔“ میں نے ذرا سا گلا کھنکار کر اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

”نواب صاحب نے مجھے آپ کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے اور یہ بھی کہ آپ کوالیفائیڈ ڈاکٹر ہیں حیرت ہے۔آپ ڈاکٹری جیسے معزز پیشے کو چھوڑ کر اس جانب کیسے آگئے؟“ اس نے چونک کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور میرا بڑھا ہوا ہاتھ کر گرم جوشی سے تھام کر بولا۔

رئیس خان کے اس جملے پر میں نے نواب کی جانب کن اکھیوں سے دیکھا تو مجھے اس کے چہرے پر ہلکی سی ناگواری کے آثار دکھائی دیے۔

"دراصل نواب صاحب کی سحر انگیز شخصیت میں اتنی زیادہ کشش ہے کہ ہم بھی ان سے دور نہ رہ سکے اور کھنچے چلے آئے خود بخود۔" میں نے نواب کی مسکا پاش کرتے ہوئے دھیرے سے ہنس کر کہا تو نواب کے لب بھی مسکرانے لگے۔

"یہ تو آپ نے بالکل بجا کہا اپنا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔" اس نے کہا پھر مجھے اپنے ساتھ لیتے ہوئے دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد نواب نے کہا۔"شمروز رئیس خان صاحب تم سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں اور انہیں امید ہے کہ جس طرح تم نے بہت احتیاط اور ہوش مندی سے میرے گزشتہ کام انجام دیے ہیں انہیں بھی اسی طرح ہوشیاری سے انجام دو گے بولو کرو گے ان کا کام؟"

نواب نے مسکراتے لبوں لیکن تیز نگاہوں سے میری جانب دیکھ کر کہا۔اس کا لہجہ ایسا تھا کہ وہ مجھ سے میری مرضی پوچھ رہا تھا لیکن در حقیقت وہ مجھے حکم دے رہا تھا اور حکم بھی ایسا جس کی حکم عدولی نا ممکن ہے۔

"آپ حکم کریں نواب صاحب' بندہ تو آپ کا بے دام غلام ہے۔جو آپ کہیں جیسا آپ چاہیں۔"

میں نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا۔اس کے ساتھ ہی دل میں شدت سے اللہ کو پکارا کہ یا اللہ یہ شخص مجھ سے کسی اور شخص کی جان لینے کی بات نہ کرے۔

" دیکھا رئیس خان۔" اس نے فخریہ لہجے میں رئیس خان کو مخاطب کیا۔"میں نے کہا تھا نا کہ شمروز تمہارے کام کے لیے انکار قطعی نہیں کرے گا۔"

"کام کی نوعیت کیا ہے؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔

"یار اپنا ایک ساتھی یا دوست سمجھ لو اشرف علی نام ہے اس کا میرے ساتھ دبئی میں بزنس کرتا تھا پھر کسی کاروباری مسئلے پر ہمارا اختلاف ہوگیا۔وہ مجھ سے ناراض ہوگیا۔اب بزنس الگ کرنے کی بات کر رہا ہے اگر میں نے اس کا پیسا اپنے کاروبار سے نکال دیا تو میرا کافی نقصان ہوجائے گا اور میں چاہتا ہوں کہ وہ ایسا نہ کرے اس لیے میں نے اس سے ناراضی ختم کر کے ساری بات ختم کرنے کا کہا اور یہ بھی کہا کہ وہ بزنس سے علیحدگی اختیار نہ کرے

لیکن اس پر تو علیحدگی کا بھوت سوار ہو گیا ہے۔اب جبکہ وہ سیدھی طرح نہیں مان رہا تو میں نے ذرا دوسرے طریقے سے اسے باز رکھنے کی کوشش کی ہے اس کی کچھ کمزوریاں ہیں میرے پاس۔ تمہیں صرف اتنا کرنا ہے کہ اسے جا کر ایک لفافہ دینا ہے اور اس سے صرف ایک جملہ کہنا ہے کہ ”کمل راؤ آج کل بہت بیمار ہے۔“ جواب میں وہ یقیناً تم سے کہے گا کہ ”کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤ وہ ہارٹ اسپیشلسٹ ہے۔“ بس پھر تم یہ لفافہ اس کے حوالے کر دینا اور فوراً واپس آجانا۔لفافہ کھول کر جب وہ دیکھے گا تو فوراً مجھ سے رابطہ کرے گا۔

تمہارا کام صرف اتنا ہے مجھے امید ہے کہ اپنے گزشتہ کاموں کی طرح تم اس کام کو بھی بھول جاؤ گے۔“

”آپ کو یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں ہے مجھے اچھی طرح سے معلوم ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے آپ بس اتنا بتادیں کہ لفافہ کب اور کس جگہ پہنچانا ہے۔“ میں نے کسی کے قتل کا حکم نہ ملنے پر سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

”یہ کام تمہیں کل رات کرنا ہے ٹھیک رات گیارہ بجے تمہیں وہاں پہنچنا ہے لفافہ اسے دے کر تم اپنے فلیٹ پر چلے جانا لفافہ اشرف علی تک پہنچ گیا ہے یہ مجھے اس کے فون سے ہی پتا چل جائے گا۔“ رئیس خان نے کہا۔

”یہ تو کوئی مشکل کام نہیں ہے آپ کسی اور کے ذریعے بھی یہ لفافہ اشرف علی کو پہنچا سکتے ہیں پھر اس کام کے لیے میرا ہی انتخاب کس لیے؟“ میں نے کہا تو نواب نے مجھے تیز اور ناگوار نگاہوں سے گھورا پھر بولا۔

”شمروز تم بھول رہے ہو کہ میں نے تمہیں کسی بھی قسم کے سوال کرنے سے منع کیا ہے۔“

”سوری سر! بس ایسے ہی یہ میرے منہ سے نکل گیا۔“ میں نے معذرت کی تو نواب اور رئیس خان ایک دوسرے کی جانب معنی خیز نگاہوں سے دیکھنے لگے تب میں نے کہا۔

”اچھا تو پھر وہ لفافہ آپ میرے حوالے کردیں۔میں ان شاء اللہ کل رات گیارہ بجے آپ کے مطلوبہ شخص کو پہنچا دوں گا اور ہاں آپ نے مجھے ایڈریس تو بتایا ہی نہیں۔“ میں نے کہا۔

"وہ لفافہ کل رات تمہیں نواب صاحب دے دیں گے میں تو بس تم سے ملنا چاہ رہا تھا نواب صاحب نے تمہاری اتنی تعریف جو کی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔"اچھا تو پھر مجھے اجازت ہے۔" میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں تم جاسکتے ہو۔پارکنگ ایریا میں محسن نامی ایک شخص ہے اس سے کہنا کہ تمہیں واپس جانا ہے تو وہ تمہیں چھوڑ آئے گا میں ابھی یہیں رکوں گا۔" نواب نے کہا۔

چلنے سے پہلے میں نے ایک بار پھر رئیس خان سے ہاتھ ملایا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔میں باہر آکر چند قدم چلا اچانک میری چھٹی حس نے میرے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک دیا۔میں نے لمحہ بھر میں نگاہیں دوڑائیں اور کمرے کے باہر موجود گارڈز کو دیکھا جو گیلری کے سرے پر موجود تھے گویا جس وقت روم میں نواب اپنے مہمانوں سے محو گفتگو ہو گارڈز بھی دروازے سے دور ہٹ جاتے ہیں۔

میں تیزی سے ساتھ پیچھے ہٹا اور دیوار کے ساتھ لگ کر زمین پر یوں بیٹھ گیا جیسے میرے جوتے میں کوئی پرابلم ہوگئی ہو میرے کان اندر سے آنے والی آوازوں پر لگے تھے۔

نواب اور رئیس خان باتیں کر رہے تھے میرے پاس بہت کم ٹائم تھا گارڈ مجھے پرابلم میں مبتلا دیکھ کر قریب آسکتا تھا اور اگر وہ آکر مجھ سے کوئی سوال کرتا تو نواب اور رئیس خان کو پتا چل جاتا کہ میں دروازے کے باہر موجود تھا اور میں نے ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سن لی ہے۔

میں نے اپنے جسم کے روئیں روئیں کو سماعت بنا دیا۔دونوں کے درمیان انتہائی اہم بات ہوئی تھی اور یہ میرے اللہ کا کرم تھا کہ اس نے مجھے یہ باتیں سنوادیں ورنہ تو مجھے رئیس خان کی بیان کردہ اس جھوٹی کہانی کا یقین آگیا تھا۔

میں ابھی مزید آگے کی باتیں سنتا لیکن گارڈ کی نگاہ میرے اوپر پڑ گئی اور وہ میری جانب آنے لگا تو میں فوراً اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور تیز تیز قدموں سے اس

کی جانب بڑھنے لگا۔میں نے کوشش کی کہ میرے چلنے سے چاپ کی آواز نہ ابھرے۔

گارڈ نے جب مجھے آتا دیکھا تو وہ وہیں رک گیا نزدیک پہنچنے پر بولا کہ۔"کوئی مسئلہ ہے کیا۔" میں نے چلتے ہوئے جواب دیا کہ جوتا پرابلم کر رہا تھا اور اپنی چال میں ذرا سی تبدیلی کرلی۔

پھر میں تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا پارکنگ ایریا میں آگیا اور وہاں موجود ایک شخص سے محسن کے بارے میں پوچھا اس نے جواب دیا کہ وہی محسن ہے تو میں نے کہا کہ نواب صاحب کا حکم

ہے کہ مجھے ان کی کوٹھی پر چھوڑ آؤ۔اس نے کوئی سوال نہیں کیا اور سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ایک کرولا کار لے آیا اور میرے نزدیک لا کر روک دی۔ میں پچھلا دروازہ کھول کر اس میں بیٹھ گیا تو اس نے کار چلا دی اور میں نے اپنا سر سیٹ کی پشت گاہ سے ٹکا کر اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

ابھی کچھ دیر قبل میں نے نواب اور رئیس خان کی گفتگو سنی تھی اس نے میرا دل و دماغ اڑا کر رکھ دیا تھا۔اگر وہ کمبخت گارڈ میری جانب نہ آتا تو میں مزید اہم باتیں سن سکتا تھا۔

اب میری سمجھ میں بہت کچھ آرہا تھا۔اس سے پہلے بھی نواب نے قاری ممتاز تک میرے ذریعے ایک لفافہ پہنچایا تھا اور اس کے ساتھ بھی کوڈ ورڈ کا تبادلہ ہوا تھا اب یہ ایک اور لفافہ مجھے دیا جا رہا ہے جو کسی اشرف علی نامی شخص تک مجھے پہنچانا تھا مجھے اس بات کا علم ہوچکا تھا کہ اشرف علی اس شخص کا اصلی نام نہیں ہے۔کمل راؤ ہی اس شخص کا اصلی نام ہے اور یہی نام کوڈ ورڈ بھی تھا جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے کہ وہ شخص مسلمان نہیں ہے ہندو ہے اور کسی ہندو کے ساتھ اتنے خفیہ انداز میں کسی چیز کا لین دین اور پھر پاکستان میں تو ہر مذہب اور قوم کے لوگ رہتے ہیں۔پھر اس شخص نے اپنی شناخت کیوں چھپائی۔مجھے خیال آیا کہ قاری ممتاز بھی مسلمان نہیں ہوگا۔

یا اللہ یہ کون لوگ ہیں اور ہمارے ملک میں اپنی شناخت چھپا کر خفیہ طور پر رہنے کا ان کا کیا مقصد ہے؟ رئیس خان کون ہے؟ یہ ان کے لیے کس قسم

کے کام کر رہا ہے۔ پھر مجھے شازلی کا خیال آیا پہلی بار اس کے منہ سے میں نے یہ نام سنا تھا نواب نے رئیس خان کا دل بہلانے کے لیے ہی شازلی کو بھیجا تھا۔

میں بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ پرواز کرتے کرتے میری سوچ مہہ وش تک جا پہنچی اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس کا شوہر ایک بزنس مین ہے وہ دبئی سے کراچی اپنے روحانی باپ اور پیر سے ملنے کے لیے آیا ہے مہہ وش کو اس نے ہوٹل میں ٹھہرایا تھا جبکہ وہ خود اس پیر کے پاس گیا ہوا ہے۔

جس وقت مہہ وش مجھے یہ سب بتا رہی تھی اس وقت مجھے ایک لمحہ کو یہ خیال آیا تھا اور میں نے اس سے اس پیر کے بارے میں پوچھا تھا تو اس نے لا علمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔

پھر میں دماغ پر زور دینے لگا کہ مہہ وش نے مجھے اپنے شوہر کے بارے میں بتایا تھا کہ نہیں پھر یاد آیا کہ اس نے اپنے شوہر کا نام بتایا تھا پھر مجھے یاد آگیا... ہاں...!

اور میں ایک دم آنکھیں کھول کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا مہہ وش نے اپنے شوہر کا نام رئیس خان ہی بتایا تھا۔

اوہ مائی گاڈ! میں نے اپنا سر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ مہہ وش اس مشتبہ شخص کی بیوی ہے اس نے اس شک کا اظہار بھی کیا تھا کہ شاید وہ کچھ غیر قانونی کام کرتا ہے۔

میرا شدت سے جی چاہا کہ میں مہہ وش سے ملوں اور اس کے شوہر کے بارے میں مزید معلومات حاصل کروں۔ لیکن مہہ وش نے مجھ سے میرا نمبر تو لے لیا تھا لیکن اپنا نمبر نہیں دیا تھا اور اب تو میرا وہ نمبر بھی میرے پاس نہیں رہا اس کا مطلب تو یہ ہے کہ مہہ وش ایک بار مجھے مل کر دوبارہ مجھ سے گم ہو گئی ہے۔ کم از کم مجھے اتنی امید تو تھی کہ کبھی خود ہی وہ مجھ سے بات ضرور کرے گی لیکن اپنا نمبر مجھے نہ دینے کی احتیاط اس نے کس لیے کی۔ اسے رئیس خان سے کیا خطرہ تھا۔ میرے ذہن میں بہت سے سوالات آرہے تھے لیکن جواب ایک کا بھی میرے پاس نہیں تھا۔

محسن کار ڈرائیو کرنے کے ساتھ ساتھ مسلسل مجھے واچ کر رہا تھا بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

"کیا بات ہے صاحب، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"ہوں۔" میں نے مختصر جواب دیا اور دوبارہ اپنا سر سیٹ کی پشت گاہ سے ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں۔

مجھے پتا ہی نہیں چلا اور نواب کی کوٹھی آگئی کار جب رکی تو میں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور خود کو کوٹھی کے گیٹ پر پا کر کار سے اتر آیا۔

اپنی شناخت کروا کر میں نے گیٹ کھلوایا اور اندر داخل ہو گیا۔میں سیدھا اپنے کمرے میں چلا آیا۔دروازہ بند کیا اور جوتوں سمیت بیڈ پر دراز ہو گیا۔میں نے کمرے کی لائٹ آن نہیں کی کیونکہ میرا یہ ماننا ہے کہ باہر اگر اندھیرا ہو تو اپنے اندر کی آنکھ روشن ہوجاتی ہے اور وہ ہمیں وہ کچھ دکھاتی ہے جو عام طور پر لاکھ روشنی ہونے پر بھی ہم نہیں دیکھ پاتے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میرا دماغ اور دل چیخ چیخ کر مجھ سے کہہ رہا تھا کہ رئیس خان اور نواب دونوں پاکستان میں سرگرم انڈیا کی دہشت گرد تنظیم را کے آلہ کار ہیں اور مجھے لا علم رکھتے ہوئے ان لوگوں نے مجھے بھی اس کام میں ملوث کرلیا ہے۔

میں نے نواب اور رئیس خان کی جو گفتگو سنی تھی وہ یہ تھی۔نواب نے رئیس خان سے پوچھا کہ "کمل راؤ نے اس کام کے عوض کیا دینے کا کہا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ کیا معاوضہ طے ہوا ہے؟"رئیس خان نے جواب دیا۔

"دو کروڑ روپے نقد، اسلام آباد کا ایک ہوٹل اور پچاس ہزار ڈالر۔"

"گڈ۔" نواب نے ایک سرمست قہقہہ لگایا۔"اس میں میرا حصہ کتنا ہوگا۔"

"سر آپ اس میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلیں باقی یہ سوچیں کہ خود میرا کتنا مال خرچ ہوا ہے۔دوسری پارٹی پر بھی میرا ٹھیک ٹھاک پیسا لگ گیا ہے۔بیس لاکھ تو اس الو کی پٹھی نے لیے ہیں۔چالیس پچاس لاکھ اس بندے کے ہیں پھر میرا رسک بھی تو دیکھیں۔" رئیس خان نے کہا۔

"اور میرا کوئی کام نہیں ہے ایک ان نون لیکن قابل اعتبار بندہ تمہیں دیا ہے نہ تو اسے شک ہو گا کہ اس کے ذریعے کیا کام کروایا گیا ہے اور نہ ہی خود اس کی ذات پر کسی کو شک ہو گا۔اگر شمروز کو ان کاغذات کے بارے میں معلوم ہو گیا تو سوچو میں تو پھنس گیا نا گردن تک۔" ویسے تم نے اس شخص کو چالیس پچاس لاکھ روپے کچھ زیادہ نہیں دے دیے میرا خیال ہے کہ اس سے کم میں کام چل جاتا۔" نواب نے کہا۔

"کیا بات کر رہے ہیں نواب صاحب۔اتنے پیسوں میں بھی وہ مشکل سے ہی راضی ہوا ہے۔اس کی ڈیمانڈ تو ایک کروڑ تک کی تھی۔آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ ہم نے اس سے ڈیمانڈ کیا کی تھی کہوٹہ پلانٹ کا نقشہ حاصل کرنا کوئی معمولی بات ہے اور پھر اس کے ساتھ کمل راؤ نے بھی بہت کچھ اور بھی مانگا تھا۔آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ مجھے اس کام کی کتنی ٹینشن ہے۔یہ کام مکمل ہوجائے تو میں واپس دبئی جاؤں۔"

رئیس خان کی بات ختم ہوئی تو نواب کچھ کہنے لگا لیکن میری نگاہ سامنے سے آتے ہوئے گارڈ پر پڑی تو میری توجہ اندر سے آنے والی آواز سے ہٹ گئی اور میں اٹھ کر وہاں سے چل دیا۔

میرے دماغ کی شریانیں جیسے پھٹی جا رہی تھیں۔میں یہ کام ہرگز نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔کسی ایک شخص کی جان لینا اور بات ہے لیکن یہ تو میرے ملک کی سلامتی کی بات ہے۔

میں نے سوچا کہ میں اس کمل راؤ اور قاری ممتاز کا اپنے طور پر کھوج لگاؤں گا اگر یہ کام مجھ سے تنہا نہ ہوسکا تو گولی استاد کو اعتماد میں لینا ہی ہو گا۔وہ بھی لاکھ برا آدمی سہی مجرم سہی لیکن اتنا گرا ہوا نہیں ہے۔

پھر مجھے خیال آیا کہ میں نے کچھ اہم چیزیں لے کر رکھی تھیں۔وہ کس دن کام آئیں گی۔میں نے ایک چھوٹا سا نہایت طاقتور کیمرہ خریدا تھا۔جیسے ہی وہ لفافہ میرے ہاتھ میں آئے گا میں ان تمام دستاویزات کی فوٹو کاپی اپنے پاس محفوظ کرلوں گا۔

مجھے ایک بار پھر سرمئی کا خیال آیا اور میں نے اس کا نمبر ملایا تاکہ اتنی اہم بات اسے بتا سکوں اور وہ کرنل مشتاق کو آگاہ کردے لیکن اس نے ایک بار پھر میرا فون اٹینڈ نہیں کیا اور میں نے غصے میں اپنا فون اٹھا کر زور سے بیڈ پر پٹخ دیا۔میں اس وقت بہت زیادہ مجبور تھا کہ نواب کے اتنے اہم کام انجام دے رہا تھا اور اسی وجہ سے سرمئی کے گھر اس سے ملنے کے لیے نہیں جا سکتا تھا۔سرمئی کے گھر جانا رسکی ہوسکتا تھا۔یہ بہت ممکن تھا کہ ان دنوں نواب نے میرے اوپر پہرہ بٹھا دیا ہو' میں نے بڑی مشکل سے اس پر اعتماد حاصل کرسکا تھا اور اس اہم موقع پر وہ مجھ پر اس قدر اعتماد کرنے لگا تھا۔ میرا ایک بھی غلط قدم یا معمولی سی چوک بھی مجھے بہت بڑے نقصان سے دوچار کرسکتی تھی۔

میں نے گلشن اقبال والا وہ فلیٹ چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔کیونکہ یہ فلیٹ کچھ لوگوں کی نگاہ میں آچکا تھا۔وہ کون تھے میں نہیں جانتا تھا سوائے اس کے کہ میں ان کے لیے ایک مشکوک شخص ہوں۔وہ نہ جانے کس چیز کی تلاش میں

بار بار میرے فلیٹ پر آرہے ہیں۔وہ درست تو نہیں ہوسکتے یقیناً ان کا تعلق میرے نادیدہ دشمنوں سے ہے۔

اس خیال کے آتے ہی میں فوری طور پر اٹھ کھڑا ہوا کہ گلشن اقبال جا کر اس اسٹیٹ ایجنسی والے سے ملوں جس کے تھرو میں نے وہ فلیٹ کرائے پر لیا تھا اور اس فلیٹ کا ایک سال کا کرایہ بھی میں ایڈوانس میں جمع کرواچکا تھا۔ کیونکہ میرے پاس اتنا ٹائم نہیں تھا کہ میں ہر ماہ اس بات کا خیال رکھوں اور پابندی کروں۔

میں اپنی کار میں گلشن اقبال آیا لیکن اسٹیٹ ایجنسی والے کے پاس جانے سے پہلے میں نے سوچا کہ فلیٹ میں موجود اپنا ضروری سامان یعنی گن اور دور بین وغیرہ اپنے قبضہ میں کرلوں۔باقی سامان سمیت میرا ارادہ فلیٹ دینے کا تھا۔ فرنیچر تو اب کسی کباڑیے ہی کو پیش کیا جاسکتا تھا البتہ کچن کا سامان میں دوسرے فلیٹ میں لے جاسکتا تھا۔

میں نے اپنی کار کا رخ اس عمارت کی جانب موڑ دیا جہاں میرا فلیٹ تھا۔اس وقت دوپہر کے ڈھائی بج رہے تھے۔گرمی خاصی تھی اس وقت لوگوں کی چہل

پہل بھی خاصی کم ہوجاتی ہے۔میں تیزی کے ساتھ فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھنے لگا حالانکہ ہمیشہ کی طرح اس وقت میرا ٹکراؤ کسی شخص سے بھی نہیں ہوا لیکن نجانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس بلڈنگ کے ہر فلیٹ سے کچھ نادیدہ نگاہیں مجھے دیکھ رہی ہوں۔

میں نے دروازے کا لاک کھولا اور بہت محتاط انداز میں اندر قدم رکھا اور تیزی سے پیچھے گھوم گیا اپنا پستول میں پہلے ہی نکال کر ہاتھ میں لے چکا تھا۔پیچھے میں اس لیے گھوما کہ اگر کوئی دروازے کے پیچھے چھپا ہوا ہو تو وہ مجھ پر اچانک حملہ نہ کرسکے اور میری نگاہوں میں آجائے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔یہاں کوئی نہیں تھا میں نے احتیاطاً تینوں کمروں کچن اور واش روم کا جائزہ لیا اور مطمئن ہو کر ڈرائنگ روم میں آگیا۔میں بہت غور سے ہر چیز کا جائزہ لے رہا تھا اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میری غیر موجودگی میں کسی نے یہاں قدم رکھا ہے یا نہیں۔

میرا شک ٹھیک تھا ایک پھر میری غیر موجودگی میں کوئی اس فلیٹ میں آیا تھا۔میں جاتے ہوئے کچھ ایسی نشانیاں لگا کے گیا تھا جس کی وجہ سے مجھے یہ اندازہ ہوا۔اس خیال کے آتے ہی کوئی

یہاں آیا تھا۔میں لپک کر اس صوفے کی جانب بڑھا جس کے اندر میں نے گن اور دور بین چھپائی تھی۔

اور صوفے کے اندر ہاتھ ڈالتے ہی میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔صوفہ میری مطلوبہ اشیاء سے خالی تھا میں نے بے تابی سے پھٹے ہوئے صوفے کو مزید پھاڑ ڈالا۔اچھی طرح سے جائزہ لیا اگر وہ چیزیں وہاں ہوتیں تو مجھے ملتیں وہ لے جائی جا چکی تھیں۔

میرے منہ سے بے ساختہ گالیاں نکل گئیں۔میں نے زور سے پھٹے ہوئے صوفے پر لات ماری اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

یہ بہت برا ہوا تھا ان چیزوں کو ان لوگوں کے ہاتھ نہیں لگنا چاہیے تھا۔وہ آخر کون تھے؟

یہ سوال میرے دماغ میں مسلسل کسی ناگ کے ڈنک کی طرح لگ رہا تھا۔ کون دے کا مجھے اس بات کا جواب کس سے پوچھوں۔

اب میرا یہاں مزید رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا میں نے فی الحال اسٹیٹ ایجنسی جانے کا ارادہ موخر کیا اور سیدھا نواب کی کوٹھی پر آگیا یہاں کم از کم میں دوسرے تمام خطرات سے محفوظ تھا۔

رات تک میں اپنے کمرے میں موجود رہا کھانا بھی کمرے میں ہی منگوالیا مجھے پہلی مرتبہ خوف محسوس ہو رہا تھا۔کون تھا جو مسلسل میرے پیچھے لگا تھا۔جس گن کی گولی سے سہیل ہاشمی کا قتل ہوا تھا وہ گن ان کے پاس چلی گئی تھی۔

اس رات میں سکون سے سو نہیں سکا بار بار گھبرا کر میری آنکھ کھل جاتی تھی۔اگلے روز مجھے ایک اور اہم کام انجام دینا تھا۔

میری آنکھ کھل گئی تھی اور میں لیٹا ہوا اس بارے میں سوچ رہا تھا تب ہی میرے روم کا دروازہ آہستہ سے کھلا اور کوئی اندر آگیا میں بے ساختہ اچھل کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”جاگ رہے ہو؟“ میرے کانوں میں نسوانی آواز آئی۔

”کون؟“ میں نے پوچھا۔

”راکھی ہوں۔“ اس نے کہا تو میں نے ایک گہری سانس لی اس وقت راکھی کی آمد مجھے بہت زیادہ کوفت میں مبتلا کر گئی۔

”لائٹ آن کردو راکھی۔“ میں نے آواز پہچان کر کہا۔

”رہنے دو‘ کیا ضرورت ہے یا پھر میری صورت دیکھنے کا دل چاہ رہا ہے۔“ وہ دھیرے سے ہنسی۔

”تم لائٹ آن کرو یار۔“ میں نے بے زاری اور ناگواری سے کہا تو اس نے لائٹ آن کردی اور میرے نزدیک بیڈ پر آکر بیٹھتے ہوئے میرے چہرے کی جانب حیرت سے دیکھتے ہوئے بولی۔

”کیا بات ہے شمروز‘ رات کے اس وقت تمہارا موڈ بہت آف ہے کیا ہوا ہے؟“

”کچھ نہیں تمہارے مطلب کی بات نہیں ہے۔“ میں نے جھنجلا کر جواب دیا راکھی بھی ہندو تھی اور اس کا تعلق بھی بھارت ہی سے تھا میرا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ کم از کم اس کا ہی میں گلا دبا کر اس کو ختم کردوں۔

"اچھا جی اتنی زیادہ غیریت سے جواب دو گے۔" پھر وہ دھیرے سے گنگنائی۔

کبھی تم بھی ہم سے تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

"کیا بکواس ہے راکھی۔" میں نے غصے سے کہا۔"جو بات کرنی ہے کرو اور جاؤ یہاں سے مجھے بہت نیند آرہی ہے۔

"خوامخواہ میرے اوپر اتنا غصہ' اب سمجھی۔" اس نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"جب نئے نوخیز ادھ کھلی کلی تمہاری آغوش کو گرما کر چلی گئی تو ہم میں کہاں سے کشش محسوس ہوگی۔"

"یہ بات نہیں ہے یار۔" میں نے کہا۔

"اچھا قسم کھا کر کہو شازلی کے ساتھ رات نہیں گزاری تھی۔" وہ میرے نزدیک ہو کر بولی۔

"میں نے اسے نہیں بلایا تھا نواب صاحب نے بھیجا تھا اور ویسے بھی اس رات میری طبیعت خراب تھی اس لیے اس کے آنے یا نا آنے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔

"سچ کہہ رہے ہو؟" اس نے مشکوک لہجے میں کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"کیوں' تم کیا میری بیوی ہو جو تمہارے آگے صفائیاں پیش کروں۔" میں نے بدستور بگڑے ہوئے لہجے میں دیا۔

"ہائے کاش ایسا ہوتا لیکن میرے ایسے نصیب کہاں۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"اپنی آمد کا مقصد بیان کرو رکھی اور جاؤ۔" میں نے کہا تو سنجیدہ ہوگئی اور بولی۔

"میں بھگوان کی سوگند کھا کر کہتی ہوں کہ میں تمہیں دل سے پیار کرتی ہوں اور ہمیشہ تمہارے بھلے کے بارے میں سوچتی ہوں۔صرف اتنا خبردار کرنے کے لیے آئی تھی کہ اب تم نواب کی جانب سے بہت ہوشیار رہنا اس نے تمہارے آگے بہت بڑی ہڈی پھینکی ہے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اس کو بھنبھوڑنے میں اتنے مصروف ہوجاؤ کہ تمہارا کام ہوجائے اور تمہیں پتا بھی نہ چلے۔"

"کیا مطلب؟" میں اس کی اس قدر سنجیدگی سے کہی گئی بات سن کر چونک پڑا۔

”مطلب یہ ہے کہ شازلی کی آمد ہی خطرے کی گھنٹی ہے۔وہ شکل سے جتنی معصوم دکھائی دیتی ہے اندر سے اتنی ہی شاطر اور مکار اور فریبی ہے اس سے ہوشیار رہنا اور کبھی اس کے بچھائے ہوئے جال میں دھوکے سے نہ پھنسنا۔“

”مثلاً۔“ میں نے وضاحت چاہی۔

”اچھا چھوڑو‘ بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اس کی جانب سے محتاط رہنا۔دوسرے یہ کہ اب نواب تمہیں اپنے اہم اور بڑے بڑے کاموں کے لیے استعمال کرے گا اور اب تو تم لمحے بھر کے لیے بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں رہ سکتے۔نہ جانے کتنی آنکھیں تمہارا تعاقب کر رہیں ہوں گی۔“

”شازلی کے بارے میں بتاؤ اس سے کس قسم کی احتیاط کرنی ہے اور بقول تمہارے وہ میرے لیے کس قسم کا جال بچھا سکتی ہے۔“ میں نے تیزی سے پوچھا۔

”یہی کہے گی کہ وہ بہت مظلوم لڑکی ہے۔یہ کام کرنا نہیں چاہتی لیکن وہ نواب کی بہت بڑی جاسوس ہے۔“

راکھی نے کہا تو میں سوچنے لگا مجھے سوچوں میں گم دیکھا تو راکھی میرے چہرے کی جانب غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔

”لگتا ہے شازلی نے تمہیں چکر دے دیا ہے۔کچھ الٹا سیدھ کہہ تو نہیں دیا تم نے۔“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔“ میں نے اسے مطمئن کرنے کے لیے کہا۔

راکھی کی یہ باتیں سن کر میرا غصہ اور جھنجلاہٹ ختم ہوچکی تھی۔اس لیے میں نے نرم لہجے میں اس سے معذرت کی تو وہ جھٹ سے میرے سینے سے لگ گئی اور بولی۔

”تمہاری حفاظت میں چاہے میری جان چلی جائے میں وہ بھی دینے سے گریز نہیں کروں گی۔“

”تمہارا بہت شکریہ راکھی‘ میں آئندہ بہت محتاط رہوں گا۔“ میں نے اسے خود سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔

"تمہیں اگر کچھ ہو گیا تو کسی کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ان کے پاس کام کرنے کے لیے دوسرے لوگ آجائیں گے۔لیکن میں اپنا محبوب کھو دوں گی۔" اس نے جذباتی انداز میں میرا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کہا۔

میں نے آہستہ سے اپنی آنکھیں موندیں تو اس نے آگے بڑھ کر میرے چہرے کے بے تحاشا بوسے لے ڈالے۔میں نے اس کے کام میں قطعی مداخلت نہیں کی وہ اس سے آگے نہیں بڑھی اور نم ناک آنکھوں کے ساتھ پیچھے ہٹ گئی۔پھر کھڑی ہو گئی جانے کے ارادے سے مڑ گئی پھر پیچھے پلٹی اور بولی۔

"میری باتیں ہمیشہ یاد رکھنا اور بہت احتیاط کرنا۔" یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

میں نے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کردیا اور لیٹ گیا میرا ذہن ایک بار پھر مختلف سوچوں کی آماجگاہ بن گیا۔

رات دھیرے دھیرے سے گزرتی جا رہی تھی۔حد یہ کہ فجر طلوع ہو گئی اور اذان کی آواز میرے کانوں میں آئی تو میں نماز کی ادائیگی کے لیے کھڑا ہو گا۔

نماز سے فارغ ہو کر گڑ گڑا کر اللہ سے اپنے لیے اور اپنے ملک کی سلامتی اور دشمنوں سے نجات کی دعا کی اور پھر مطمئن ہو کر دوبارہ سونے لیٹ گیا۔

اگلا دن میں نے اپنے کمرے میں ہی گزارا۔میرے دل و دماغ کی حالت بہت عجیب ہو رہی تھی کیونکہ میں یہ بات جان چکا تھا کہ میں کیا کام کرنے کے لیے جا رہا ہوں لیکن پھر بھی میں نے اپنی تیاری مکمل رکھی ہوئی تھی میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ میں ان تمام دستاویزات کی نقل اپنے پاس ضرور رکھوں گا۔

شام کو 7 بجے نواب نے مجھ سے فون پر رابطہ کیا اور پوچھا کہ میں کہاں ہوں تو میں نے جواب دیا کہ میں کل سے کوٹھی پر موجود ہوں۔نواب ابھی تک سرجانی ٹاؤن ہی میں تھا یہ بھی ہوسکتا ہے وہ کہیں اور ہو اس نے کہا کہ میں اس کا انتظار کروں وہ تھوڑی دیر میں آرہا ہے۔

رات کے آٹھ بجے اس نے مجھے اپنے روم میں طلب کیا کہ تم کھانا وغیرہ کھا کر فارغ ہوجاؤ اور نو بجے تک میرے پاس آؤ۔

میری بھوک پیاس سب اڑ چکی تھی۔میرا دل بہت زیادہ گھبرا رہا تھا۔میری چھٹی حس مجھے بار بار یہی کہہ رہی تھی کہ میں چاروں جانب سے خطروں میں گھر چکا ہوں اور اب میرے ساتھ کچھ بہت ہی برا ہونے والا ہے۔لیکن وہ بہت برا کیا ہونے والا ہے یہ میں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

میں نے رات کا کھانا نہیں کھایا' طبیعت ہی نہیں چاہ رہی تھی نو بجے تو میں ایک بار پھر نواب کے کمرے میں پہنچ گیا۔

”آؤ شمروز تم نے کھانا کھالیا؟“ اس نے بہت خوش دلی سے میرا استقبال کیا۔

”نہیں سر' بھوک نہیں تھی۔ویسے بھی جب میں کسی اہم کام کے لیے جاتا ہوں تو کھانے کی جانب دھیان نہیں دیتا۔میری پوری توجہ اپنے کام پر ہی رہتی ہے۔“ میں نے اپنے آپ کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کی لیکن میری مردہ دلی لہجہ میں ظاہر ہوگئی۔

”کیا بات ہے شمروز تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔“ اس نے بغور میرے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ٹھیک ہے بس ذرا سر بھاری ہو رہا ہے۔شاید رات کو ٹھیک طریقے سے سو نہیں سکا۔“ میں نے بے پروا لہجے میں جواب دیا۔

”ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ کام سے پہلے تم کھانا تک نہیں کھاتے پھر رات کو عیاشی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“ نواب نے کٹیلے لہجے میں کہا تو میں چونک پڑا اور میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

”جی سر۔“

”ہاں رات کو راکھی تمہارے کمرے میں کیا کرنے کے لیے گئی تھی؟“ نواب نے سابقہ لہجے میں پوچھا۔

”آپ ہمیشہ یہ کیوں سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی مرد اور عورت رات میں ملے ہیں تو وہ صرف عیاشی کے لیے ملے ہیں۔کوئی اور وجہ بھی تو ہوسکتی ہے۔بتانے والے نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ راکھی کو میں نے پندرہ منٹ بعد ہی اپنے کمرے سے چلتا کردیا تھا۔“ میں بھی اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکا۔اپنے آپ کو نارمل رکھنے کی کوشش کے باوجود غصہ اور تلخی میرے لہجے سے عیاں ہوگئی۔نواب نے حیران نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولا۔

"پندرہ منٹ بھی تو کافی ہوتے ہیں۔"

"نو۔" میں نے تیزی سے کہا "وہ صرف مجھ سے میری خیریت پوچھنے کے لیے آئی تھی اور بس۔"

"وہ الو کی پٹھی صرف رات ہی میں تمہاری خیریت کیوں پوچھنے کے لیے آتی ہے تم تو سارا دن یہیں پر تھے دن میں آجاتی۔" نواب نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آپ کو جو سمجھنا ہے سر وہ سمجھیں۔میں ایک بار پھر یہی کہوں گا کہ جو آپ سمجھ رہے ہیں ایسی کوئی بات ہمارے درمیان نہیں ہے۔" میں نے جھنجلا کر جواب دیا مجھے آج بھی اپنے لہجے پر حیرت ہوتی ہے کہ میں نے اس وقت نواب سے کیسے اس لہجے میں بات کرلی تھی۔

"اچھا چلو چھوڑو اس بات کو ہم بھی کس فضول بحث میں لگ گئے۔اب کچھ کام کے متعلق بات ہوجائے۔" حیرت انگیز طور پر نواب نے میرے لہجے کو نظر انداز کردیا اور نرم لہجے میں کہا۔

"جی فرمائیے۔" میں پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہو گیا۔

پھر نواب نے مجھے اشرف علی کے بارے میں بتایا کہ وہ مجھے کس جگہ ملے گا۔ اس جگہ کا ایڈریس اچھی طرح سے سمجھایا اور کوڈ ورڈ ایک بار پھر دہرایا۔

جس وقت نواب کوڈ ورڈ دہرا رہا تھا میں نے نگاہیں اس کے چہرے پر جما دیں۔مجھے احساس ہی نہیں ہوا کہ میری آنکھوں نے نواب سے کیا کہا کہ وہ دم گڑ بڑا گیا اور بولا۔

"تم اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو میری طرف؟'

"کس طرح سر' میں تو آپ کی بات توجہ سے سن رہا ہوں۔اشرف علی صاحب کے پاس جا کر یہی الفاظ دہرانے ہیں نا اور پھر اس کا جواب موصول ہونے پر آپ کا دیا ہوا لفافہ ان کے حوالے کر کے واپس آجانا ہے۔میں نے تو آپ سے کیوں اور کیا کا کوئی سوال بھی نہیں کیا۔" میں نے نہایت معصومیت سے کہا تو نواب نے کوئی جواب نہیں دیا۔

میں نے نواب کے ہاتھ سے وہ لفافہ لیا جس کو نواب نے ایک بلیک کلر کے بیگ میں رکھ کر میرے حوالے کیا اور بولا۔

"بی کیئر فل۔"

"اوکے سر' آپ فکر نہ کریں میں محتاط رہوں گا اور وہاں سے سیدھا اپنے فلیٹ پر ہی جاؤں گا۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا اور بیگ لے کر نواب کے کمرے سے نکل آیا۔ پیچھے سے نواب نے کہا کہ میری کال ملتے ہی تم کوٹھی سے باہر نکلنا۔ جواباً میں نے مڑ کر اثبات میں سر ہلایا اور آ گیا۔

اپنے روم میں آ کر میں نے بیگ کو کھولنے کی کوشش کی تو وہ نمبروں سے لاک کیا گیا تھا میرے بہت دماغ لڑانے پر بھی اس بیگ کو کھول نہیں پایا اور نواب کی کال آ گئی کہ تم چلے جاؤ۔

مجھے نواب کی چالاکی پر بہت غصہ آرہا تھا میرا سارا پلان دھرا کا دھرا رہ گیا۔ میں یہ کام کسی طور نہیں کرنا چاہ رہا تھا کیا کروں' ان قیمتی اور اہم دستاویزات کو میں کمل راؤ عرف اشرف علی کے حوالے نہیں کرسکتا تھا کیا کروں اور کیا نہ کروں۔

مجھے اس بات کا پورا یقین تھا کہ نواب میری نگرانی کے لیے اپنے بندے میرے پیچھے ضرور بھیجے گا۔ وہ آج مجھ پر پوری طرح اعتماد نہیں کرسکا تھا۔ میرا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

دل چاہ رہا تھا کہ میں یہ دستاویزات لے جا کر کسی اور کے حوالے کردوں۔ کوئی ایسا شخص جو ملک کی سلامتی کے لیے کام کرتا ہو لیکن ایسا کون ہے یہاں تو چپے چپے پر ایسے لوگ بیٹھے ہیں جو چند ٹکوں کی خاطر اپنا دین و ایمان بیچ دیتے ہیں۔ میں کس پر یقین کروں اور کس پر نہ کروں۔

میں اسی گومگو کی کیفیت میں کار ڈرائیور کر رہا تھا ابھی میں پنجاب کالونی تک ہی پہنچا تھا کہ اچانک ایک کار بہت تیزی سے میرے برابر سے گزری اور تیزی سے میرے آگے آ کر گھوم کر آڑی ہو گئی۔ میں نے بہت تیزی کے ساتھ بریک لگائے۔ اگر میں لمحہ بھر بھی دیر لگاتا تو زبردست ایکسیڈنٹ ہوجاتا۔

میرے بریک لگاتے ہی سامنے والی کار سے چند افراد اتر کر میرے پاس آئے اور میری جانب کا دروازہ کھول کر ایک پستول میری کنپٹی پر لگا کر غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"فوراً نیچے اتر آؤ۔"

اس کے ساتھ ہی دوسری جانب کا دروازہ کھول کر ایک دوسرا بندہ اندر آیا اور سب سے پہلے اس نے سیٹ پر رکھا ہوا سیاہ کلر کا بیگ اٹھا کر اپنے قبضہ میں کیا۔

میں اس اچانک صورتِ حال سے گھبرا گیا اور کہا۔"آ... آپ لوگ کون ہیں اور مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔"

"خاموش رہو۔" اس نے مجھے بری طرح ڈانٹ دیا۔"تم خاموشی سے اتر کر ہمارے ساتھ چلو۔جلدی کرو۔" اور اس سے پہلے کہ میں کوئی اور سوال کرتا اس نے بری طرح کھینچ کر مجھے کار سے اتار لیا۔

اس کے ساتھ ہی ایک اور بات ہوئی ہمارے پیچھے ذرا فاصلے پر ایک کار سے ہمارے اوپر فائرنگ کی گئی۔

مجھے پکڑنے والے بندوں نے نہایت پھرتی دکھائی اور اپنے سروں کو نیچے کرتے ہوئے اور ایک ہاتھ سے اس نے میرے سر کو بھی نیچے کیا اور میری کار کی آڑ لیتے ہوئے مجھ سمیت اپنی کار میں بیٹھ گئے کار اسٹارٹ تھی۔ڈرائیور سیٹ پر الرٹ بیٹھا تھا۔اس نے کار کو بھگانے میں ذرا بھی ٹائم نہیں لگایا۔

پیچھے والی کار سے ہماری کار پر مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی۔جواباً وہ لوگ بھی فائرنگ کرنے لگے اور بہت جلد ان کی رینج سے باہر نکل آئے میں دو افراد کے درمیان بری طرح دبا بیٹھا تھا۔انہوں نے میرے دونوں ہاتھوں کو پشت پر مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا اور ایک ہاتھ سے میرا سر نیچے جھکایا ہوا تھا اور پھر ایک تیز خوشبو کا رومال میری ناک سے لگا اور میں اپنے ہوش و حواس سے بے گانہ ہو گیا۔

اس شخص نے مجھے بری طرح کھینچتے ہوئے گاڑی سے باہر نکالا اور نہایت تیزی کے ساتھ میری تلاش لی۔اتنے میں پیچھے آنے والی کار سے فائرنگ شروع ہو گئی۔وہ شخص اپنے سر کو جھکاتے ہوئے مجھے لے کر آگے بڑھا۔اس نے دوسرے ہاتھ سے میرے سر کو سختی کے ساتھ نیچے کیا ہوا تھا۔کار کی آڑ ان کے کام آئی اور وہ اپنی کار کے کھلے ہوئے دروازہ کی جانب بڑھ گئے۔

دوسرا شخص جس کے ہاتھ میں بلیک کلر کا وہ بیگ تھا جو اس نے میری کار کی فرنٹ سیٹ سے اٹھایا تھا۔وہ بھی تیزی سے بھاگتا ہوا دوسری جانب کے کھلے ہوئے دروازے سے گاڑی میں بیٹھ گیا۔اس شخص نے مجھے نہایت

سرعت سے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر دھکیلا اور پھرتی سے خود بھی اندر بیٹھ گیا۔ کار اسٹارٹ تھی اور ڈرائیور الرٹ بیٹھا تھا ایک اور شخص فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا۔

ہمارے بیٹھتے ہی گاڑی تیزی کے ساتھ سیدھی ہوئی اور سڑک پر گویا پرواز کرنے لگی بعد میں دروازے بند ہوئے۔ پیچھے سے مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص جوابی فائرنگ کر رہا تھا پھر ہم فائرنگ کی رینج سے باہر نکل آئے۔

میری جانب بیٹھے ہوئے دونوں اشخاص میں سے ایک نے مجھے قابو کیا ہوا تھا تو دوسرے نے میرے ہاتھ پشت پر باندھے اور میری تلاش لینے لگا۔ میرا پستول اور پنڈلی سے بندھا ہوا خنجر انہوں نے فوراً اپنے قبضے میں لے لیا اور آگے بیٹھے ہوئے شخص کے حوالے کردیا پھر میری گھڑی، موبائل فون اور میرا والٹ سب کچھ انہوں نے اپنے قبضہ میں کرلیا۔

تب اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے کسی سے موبائل پر بات کی اور کہا۔ ”سر ہم نے اس کو گرفتار کر لیا ہے۔“ ذرا وقفے کے بعد پھر بولا۔ ”جی ہاں

ایک بلیک کلر کا بیگ بھی ملا ہے۔“ پھر چند لمحے کچھ سننے کے بعد اس نے ”اوکے“ کہہ کر بات ختم کردی۔

میرا سر انہوں نے سختی کے ساتھ دبا کر میرے گھٹنوں میں دے رکھا تھا۔ میں انہیں دیکھ نہیں سکتا تھا لیکن ان کی آوازیں بخوبی سن سکتا تھا اور پھر ایک کپڑا میری ناک سے لگا کلوروفارم کی تیز بو میرے نتھنوں سے ٹکرائی اور میں دنیا و فیہا سے بے خبر ہو گیا۔

اس سے پہلے میں صرف ایک بات سوچ رہا تھا کہ ”آج میرا گیم ختم ہو گیا۔ میرے پاس اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں خود کو ان لوگوں کے اور حالات کے سپرد کردوں۔ فون پر ہونے والی گفتگو سے لفظ گرفتار سن کر مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ میں ایجنسی والوں کے ہتھے چڑھ گیا ہوں۔ میرا کیا انجام ہونے والا ہے میں جان بھی رہا تھا اور نہیں بھی۔ اس وقت میری حالت کچھ ایسی ہو رہی تھی جیسے کوئی پھانسی پانے والا مجرم خود کو بے بسی سے موت کے حوالے کردیتا ہے کیونکہ اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور چارہ جو نہیں ہوتا لیکن شاید میرا حال اس سے بھی برا ہونے والا تھا پھانسی کی تکلیف

اٹھانے کے بعد بندہ ہر دکھ اور اذیت سے آزاد ہوجاتا ہے لیکن تفتیش کے سلسلے میں میرے اوپر تشدد کے پہاڑ ٹوٹنے والے تھے یہ لوگ بندے کی زبان پر فوری طور پر یقین بھی تو نہیں کرتے۔

مجھے ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو زنجیروں میں قید پایا۔نہ میرے ہاتھ آزاد تھے اور نہ پاؤں۔حد یہ کہ میری گردن میں بھی زنجیر پڑی ہوئی تھی البتہ زنجیریں اتنی بڑی تھیں کہ میں زمین سے اٹھ کر بیٹھ سکتا تھا۔

میں نے بمشکل اپنے جسم کو سمیٹا اور گھسیٹ کر دیوار سے پشت ٹکا کر بیٹھ گیا۔میرے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔بری طرح چکر آرہے تھے اور پیاس سے حلق خشک ہو رہا تھا۔اس کمرے میں چھت کا پنکھا موجود نہیں تھا البتہ پنکھا لٹکانے کا ہک موجود تھا۔بلب موجود تھا لیکن آف تھا۔کیونکہ اب دن نکل آیا تھا اور سورج کی تیز روشنی سے ہلکی ہلکی روشنی اس کمرے میں آرہی تھی۔ گویا میں ساری رات بے ہوش رہا ہوں۔اس وقت کیا ٹائم ہو رہا تھا اس کا مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں ہوسکا۔دوپہر تھی یا شاید سہ پہر۔میری گردن سختی کے ساتھ نیچے جھکے رہنے کی وجہ سے بری طرح درد کر رہی تھی۔یہی حال

ہاتھوں اور ٹانگوں کا تھا۔ہاتھ تو نجانے کتنے گھنٹوں سے پشت کی جانب مڑے ہوئے تھے مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے کندھوں کے جوڑ اب کھل جائیں گے میں جب ہوش میں آیا تھا تو مڑی تڑی حالت میں تھا ٹانگیں بھی مڑنے کی وجہ سے سن ہو رہی تھیں۔ایک حیرت انگیز بات اور میں نے محسوس کی کہ میرا جبڑہ بہت بری طرح سے دکھ رہا تھا۔جہاں تک مجھے یاد آرہا تھا میرے چہرے پر تو کسی بھی قسم کی ضرب نہیں لگی تھی۔پھر جبڑہ کیوں دکھ رہا ہے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس کو دیر تک چیرے ہوئے رکھا گیا ہے۔پھر میں نے اپنے کپڑوں کا جائزہ لیا۔میرے اپنے کپڑے جینز' ٹی شرٹ اور جیکٹ میرے جسم پر نہیں تھی شاید بے ہوشی کی حالت میں میرا لباس تبدیل کیا گیا تھا اس وقت میں ایک پاجامے اور بنیان میں ملبوس تھا۔

مجھے چند انسانی قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔پھر چند افراد اندر آئے تو میں نے ان سے گزارش کی کہ مجھے پیاس لگ رہی ہے۔مجھے پانی دیا جائے لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے میری آواز ان کے کانوں میں نہیں آرہی ہے۔وہ میرے نزدیک آئے اور انہوں نے میرے دونوں پاؤں زنجیر میں لگے کڑوں میں

علیحدہ علیحدہ جکڑ دیے۔اس کے بعد ہاتھوں کی رسیاں یا زنجیریں جو بھی تھیں وہ کھول دیں اور دونوں کلائیاں پیچھے سے آگے کر کے زنجیروں میں لگے ہتھکڑی نما کڑوں میں علیحدہ علیحدہ باندھ دی۔پھر ایک شخص آیا اور اس نے ایک پیالے میں مجھے پینے کے لیے پانی دیا۔

میرے پاؤں اور ہاتھ میں کڑے تھے وہ جن زنجیروں سے بندھے تھے ان کے سرے فرش میں گڑے ہوئے تھے اور میں ٹانگوں کو پھیلا اور فولڈ کرسکتا تھا اور ہاتھوں میں پڑے کڑے دیوار میں گڑی زنجیروں میں لگے ہوئے تھے اور ان میں اتنی گنجائش نہیں تھی کہ میں سر جھکا کر کھا پی سکتا۔

وہ شخص جو میرے لیے پانی لے کر آیا تھا میں نے اس سے پوچھا کہ مجھے اتنا تو بتا دو کہ میں کن لوگوں کی قید میں ہوں اور مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔"

تو وہ بولا۔

"مجھے کچھ نہیں معلوم، ابھی افسر لوگ یہاں آئیں گے تمہیں جو کچھ بھی پوچھنا ہو ان ہی لوگوں سے پوچھنا۔میں تمہارے ساتھ اتنی ہمدردی کرسکتا ہوں کہ تم تائید کردو کہ وہ تم سے جو کچھ بھی پوچھیں اس کا بالکل سچ سچ جواب دینا۔اگر

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تم نے ایسا کیا تو اپنے لیے ہی بہتر کرو گے ورنہ سچ اگلوانے کے لیے ان لوگوں کے پاس بہت بھیانک طریقے ہیں اور جب وہ تم پر وہ طریقے آزمائیں گے تو تم سچ بولنے پر مجبور ہوجاؤ گے لیکن پھر کیا فائدہ اس وقت تک تمہارے جسم کی ہر ہڈی ٹوٹ چکی ہوگی اور اس انداز سے ٹوٹے گی جو ساری زندگی جڑ نہیں سکے گی اور تم ہمیشہ کے لیے معذور ہوجاؤ گے۔نہ کبھی اپنے پاؤں پر چل سکو گے نہ اپنے ہاتھوں سے کچھ کھا پی سکو گے۔اتنا تو ہم نے معلوم کرلیا ہے کہ تم مسلمان ہو جب تمہارے کپڑے تبدیل کیے جا رہے تھے تب ہمیں معلوم ہو گیا تھا دوسرے تمہارے سارے دانتوں کو بھی چیک کرلیا گیا ہے۔تمہارا کوئی بھی دانت یا داڑھ سائینائیڈ نہیں ہے۔مسلمان ہو کر مسلمانوں کے خلاف کام کرتے ہو، نیچ انسان۔" اتنا کہہ کر اس نے ایک زور دار لات میرے منہ پر ماری اور کمرے سے نکل گیا۔

اس کی لات میرے جبڑے پر بہت زور سے لگی تھی۔اس کے جوتے کی نوک میرے رخسار اور ناک کو بھی رگڑتی ہوئی چلی گئی تھی مجھے شدید تکلیف کا

احساس ہوا لیکن میں نے اپنی آہ کو اپنے اندر ہی دبا لیا اور سوچا یہ تو کچھ بھی نہیں آگے اس سے زیادہ بہت کچھ ہونے والا ہے۔

یہ تھوڑا سا وقت جو مجھے ملا تھا میں نے فیصلہ کرلیا کہ اگر یہ لوگ پاکستان آرمی کی ایجنسی والے ہوئے تو میں انہیں ہر بات بالکل سچ سچ بتا دوں گا اور یہ بھی کہہ دوں گا کہ میں نواب کا دوست نہیں اس کا دشمن ہوں اور اس کے راز جاننے کے لیے اس کے لیے کام کر رہا تھا تاکہ زیادہ سے زیادہ معلومات اکٹھی کرسکوں لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ وہ لوگ میری ہر بات سننے کے بعد میری اس بات کا یقین بھی کرلیں کہ میں نواب کا وفادار کتا نہیں ہوں اور "را" کے لیے کام نہیں کر رہا۔میں انہیں قاری ممتاز اور کمل راؤ کے بارے میں بھی بتاؤں گا اور دبئی سے آنے والے بزنس مین رئیس خان کے بارے میں بھی بتاؤں گا۔کاش یہ لوگ میری اس بات کا یقین کرلیں اب مجھے پورا یقین ہوگیا تھا کہ میرے فلیٹ پر آنے والے یہی لوگ تھے پیارے بھی ان ہی کا بندہ تھا۔میں نے اپنے بندھے ہوئے اور لوہے کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہاتھوں اور پیروں پر ایک نگاہ ڈالی اور خود ہی اپنی حالت پر تمسخر سے

ہنس دیا۔"لو بھئی شیر بھی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔اے ڈاکٹر شاہ زمان تو یہ ہے تمہاری آخر... تم نے اور تمہارے ماں باپ سمیت چھوٹے بھائی اور بہن نے تمہارے لیے کیا کیا سپنے سجائے تھے اور تمہارا انجام کیا ہو رہا ہے۔شاید یہی کہ ایک دن تمام اخبارات کی اور نیوز چینلز کی یہی سرخیاں ہوں گی کہ ایک خطرناک دہشت گرد شمروز نامی جو انڈیا کی تنظیم را کے لیے پاکستان میں رہ کر کام کر رہا تھا آج صبح پانچ بجے سینٹرل جیل میں اسے پھانسی دے دی گئی ہے۔گلے میں پھندا فٹ ہوتے ہی اس کا جسم تڑپے گا پھڑکے گا اور اس کی روح پرواز کر جائے گی۔وہ نہ ایک اچھا بیٹا بن سکا نہ اچھا ڈاکٹر اور نہ ہی ایک اچھا محبوب اور پھر چند افراد اس کو گڑھا کھود کر دفن کردیں گے۔اس کی اس جواں مرگی پر ایک آنکھ سے بھی آنسو نہیں ٹپکے گا۔

میری بند آنکھوں میں یہ سارے منظر کسی فلم کی طرح چل رہے تھے میں اپنے آپ کو پھانسی لگنے اور پھر دفن ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

تب ہی تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا کوئی روم میں داخل ہوا۔ تو میں نے آنکھیں کھول دیں۔

آنے والا ایک خوب صورت دراز قد ورزشی جسم کا جوان آدمی تھا۔ گوری رنگت، بادامی آنکھیں اور بھورے بال چہرے پر ہلکی داڑھی اور مونچھیں تھیں لیکن بادامی آنکھوں میں نہایت سختی تھی وہ میرے چہرے پر نگاہیں جمائے ہوئے اور جبڑوں کو بھینچے ہوئے کھڑا تھا۔ چند لمحے مجھے گھورتا رہا پھر وہی شخص جو میرے لیے پانی لے کر آیا تھا ایک کرسی لے آیا تو وہ اس پر بیٹھ گیا پھر بولا۔

”تم رو رہے ہو، حیرت ہے مسٹر شمروز۔ شاید تمہیں یہ سوچ کر رونا آرہا ہے کہ تم اب ایک ایسی مصیبت میں پھنس گئے ہو جس سے نکلنا آسان نہیں ہے لیکن میں تمہیں اس مصیبت سے نکلنے کا ایک موقع ضرور دینا چاہوں گا۔ اگر تم میرے سوالات کے جوابات بالکل ٹھیک اور سچ بتا دو گے۔ ورنہ دوسری صورت میں تمہارا انجام کیا ہوگا اس سے تو تمہیں روشن خان آگاہ کر ہی چکا ہوگا۔“ میں سمجھ گیا کہ پانی لانے والے شخص کا نام روشن خان ہے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”تشدد کرنا میری فطرت نہیں ہے۔ میں ہمیشہ پہلے شرافت کی زبان استعمال کرتا ہوں لیکن اگر کسی کی سمجھ میں یہ زبان نہ آئے تو مجبوراً دوسری زبان استعمال کرنا پڑتی ہے۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم کون سی زبان سمجھتے ہو میں نے یہ اتنی لمبی بات اس لیے کی ہے کہ شکل سے تم مجھے پڑھے لکھے دکھائی دیتے ہو جوان اور خوب صورت بھی ہو، ابھی تمہارے سامنے طویل عمر پڑی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم اتنی جلدی یہ دنیا چھوڑ کر چلے جاؤ کیا تم تیار ہو مجھ سے گفتگو کرنے کے لیے بس اتنا یاد رکھنا کہ تم اب گیم ہار چکے ہو تمہارے سارے پتے شو ہو چکے ہیں۔“ اتنا کہہ کر وہ خاموشی ہو گیا۔

اس آفیسر کی گفتگو اور انداز گفتگو سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ میری بات سنے گا بھی اور سمجھے گا بھی اس کے خاموش ہونے کے بعد میں چند لمحے توقف کے بعد بولا۔

”ایک مجرم جانتے ہوئے بھی آپ نے جس لب و لہجے میں مجھ سے بات کی ہے اس کے لیے میں آپ کا بے حد مشکور ہوں۔ آپ نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا ہے میں نے میڈیکل کی تعلیم حاصل کی ہے اور بطور ڈاکٹر پنڈی کے ایک

اسپتال میں دو سال ڈیوٹی بھی انجام دی ہے۔میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ جو بھی سوال مجھ سے کریں میں اس کا بالکل سچ اور تسلی بخش جواب دوں لیکن اگر میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہ دے سکوں تو آپ پلیز قطعی یہ مطلب مت لیجیے گا کہ میں آپ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہوں۔بس جو بات میرے علم میں نہیں ہوگی میں آپ کو اس کا جواب نہیں دے سکوں گا۔“ میں خاموش ہوا تو اس کے چہرے پر ہلکی سی معنی خیز مسکراہٹ آگئی۔وہ اپنی کرسی سے کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

”بہت خوب۔اچھا چند ابتدائی سوالات کے جوابات دو کہ تمہارا نام‘ قومیت‘ مذہب کیا ہے اور تم کس کے ساتھ کام کرتے ہو؟“

”میں نے تمام سوالات کے بالکل ٹھیک جوابات دے دیے اور آخری سوال کے جواب میں جب نواب سطوت کہا تو اس نے اپنے لبوں کو سختی کے ساتھ بھینچ لیا پھر بولا۔

”تمہیں کچھ اندازہ ہے کہ اس وقت تم کن لوگوں کی قید میں ہو؟“

”ہاں اتنا تو میں سمجھ سکتا ہوں کہ آپ لوگوں کا تعلق کسی ایجنسی سے ہے۔“

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”تمہارے ساتھ اور کون کون لوگ کام کرتے ہیں ان کے نام اور ایڈریس بتاؤ؟“ اس نے سخت لہجے میں کہا۔

”میں کسی کے ساتھ کام نہیں کرتا بس جس کام کو کرنے کے لیے نواب مجھے حکم دیتا تھا میں وہی انجام دیتا تھا۔“

”تم نے وعدہ کیا تھا کہ جھوٹ نہیں بولو گے۔“ اس نے تیزی سے کہا۔

”میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں سر‘ دراصل میں نواب سطوت کا ساتھی نہیں ہوں...!“

”تو پھر تمہارا اصلی باس کون ہے؟“ اس نے میری پوری بات سنے بغیر میرا جملہ درمیان میں سے کاٹ کر تیزی سے پوچھا۔

”میں نے عرض کیا نا سر میرا کوئی باس نہیں ہے اور اگر آپ نواب سطوت کو میرا باس کہنا چاہتے ہیں تو سمجھ لیں کہ میرا باس نواب سطوت ہی ہے۔“ میں نے کہا۔

”ابھی تم نے کہا تھا کہ تم نواب سطوت کے ساتھی نہیں ہو‘ کیا بے کار کی باتیں کر رہے ہو‘ ٹھیک طریقے سے جواب کیوں نہیں دے رہے۔“

"اگر آپ تسلی سے میری بات سنیں تو میں کچھ عرض کروں۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"ہوں۔" وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے میرے مزید نزدیک آ کر بولا تو میں نے شروع سے اسے اپنی کہانی سنانی شروع کر دی لیکن جب میں نے اسے یہ بتایا کہ میں قاری ممتاز کے پاس بھی ایک لفافہ لے کر گیا تھا تو وہ چیخ اٹھا اور میں بولتے بولتے رک گیا۔

"کیا تم اتنے ہی معصوم اور احمق ہو کہ تمہیں اس بات کا اندازہ نہیں ہوا کہ نواب تمہارے ذریعے کس کے پاس کیا چیز بھجوا رہا ہے اور کوئی عام آدمی کبھی اپنی پہچان کوڈ ورڈ کے تبادلے کے ساتھ نہیں کرواتا۔"

"مجھے اندازہ ہوا تھا کہ یہاں تھوڑی بہت نہیں بلکہ کافی ساری گڑ بڑ ہے لیکن میں نواب کے کام اسی لیے کرتا رہا کہ اس طرح مجھے اس کے بارے میں ساری معلومات مل جائیں گی اس کے روابط کن لوگوں سے ہیں اور یہ کیا کرتا ہے میں نے اس بات کی اطلاع ایک نیوز چینل کی اینکر اور مشہور صحافی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

جناب طلال عمر صاحب کو بھی دینی چاہی لیکن میرے بار بار فون کرنے پر بھی ان لوگوں نے فون نہیں اٹھایا۔"

میری بات سن کر وہ بری طرح چونک پڑا اور بولا۔"تم ان لوگوں کو کیسے جانتے ہو کیا ان سے تمہاری پرانی واقفیت ہے۔"

جواب میں' میں ایک بار پھر شروع ہو گیا میں نے ہر ہر بات اسے بتا دی۔ کرنل مشتاق سے ملاقات حشام کے زخمی ہونے والا معاملہ' پھر رئیس بیگ سے ملاقات اور آخر میں کمل راؤ کے پاس جانے والا واقعہ۔

وہ پوری خاموشی اور توجہ سے میری باتیں سنتا رہا پھر تیزی کے ساتھ روم سے نکل گیا پھر تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا اور بولا۔

"تم نے بہت اچھی کہانی گھڑی ہے یہ سب کچھ جھوٹ اور بکواس ہے۔میں نے تمہیں ایک موقع دیا تھا لیکن تم نے یہ سمجھا کہ تمہارے سامنے دنیا کا احمق ترین انسان بیٹھا ہے۔جو تمہاری ہر بات کو سچ مان لے گا۔اپنے دماغ سے اس خیال کو جھٹک دو کہ تم مجھ سے سچائی کو چھپا سکتے ہو' میں تمہیں صرف ایک موقع اور دینا چاہتا ہوں میں آج کی تمام رات تمہیں سوچنے کا

موقع دینا چاہتا ہوں۔کل اگر تم نے دوران تفتیش غلط بیانی کی یا کچھ چھپانے کی کوشش کی تو پھر تمہارے ساتھ جو سلوک کیا جائے گا اس کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔"

"آپ میری بات کا یقین کریں سر، میں خود نواب کا دشمن ہوں اسے جان سے ماردینا چاہتا تھا اس کی وجہ سے میرا پورا گھرانہ تباہ و برباد ہو گیا۔میں آپ کو کس طرح سے یقین دلاؤں۔میرا

جرم صرف یہ ہے کہ میں نے نواب کا کھوج لگانے کے لیے اس کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے اس کا ساتھ دیا تھا لیکن میں اس کا حامی اور دوست نہیں ہوں۔" میں نے احتجاج کے انداز میں کہا۔

"جب اپنی گردن میں پھندا فٹ نظر آتا ہے تو خود انسان مظلوم اور دوسرا ظالم دکھائی دیتا ہے ابھی تمہارے لیے کھانا اور پانی بھیجا جا رہا ہے۔چائے اور سگریٹ کی طلب ہو تو وہ بھی دے دی جائے گی۔واش روم جانا ہو تو وہاں بھی جا سکتے ہو لیکن کل... کل کے بعد تم سے یہ ساری مراعات لے لی جائیں گی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

دیکھو اپنے ملک کے ان دشمنوں کو بچا کے تمہیں کیا حاصل ہو گا۔کیوں ان کی خاطر اپنی زندگی داؤ پر لگا رہے ہو۔سچ سچ سارے لوگوں کے نام اور ٹھکانے بتا دو اور اپنی جان چھڑاؤ۔" اس نے کہا۔

"میں نے آپ کو سب کچھ سچ سچ بتایا ہے۔" میں نے کہا۔

"یار تمہاری سوئی وہیں کیوں اٹکی ہوئی ہے۔" یہ کہہ کر وہ شخص کمرے سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد روشن خان میرے لیے کھانا لے کر آگیا۔ایک پلیٹ میں روٹیاں اور دوسرے میں سالن تھا پھر اس نے میرے ہاتھوں کی زنجیر تھوڑی سی دراز کردی جس کی وجہ سے میں نے با آسانی کھانا کھالیا اس نے چائے اور سگریٹ کا پوچھا تو میں نے اثبات میں سر ہلادیا ذرا دیر بعد وہ یہ دونوں چیزیں بھی لے آیا پھر میری خواہش پر کہ مجھے واش روم جانے کی حاجت ہو رہی ہے تین مسلح افراد اندر آگئے ایک نے میرے ہاتھوں اور پیروں کی زنجیروں کو اس نے اپنے ہاتھ میں رکھا اور مجھے واش روم میں بھیج کر دیوار کی سائیڈ میں کھڑا ہو گیا۔وہ تینوں بھی الرٹ کھڑے رہے پھر مجھے

دوبارہ اسی کمرے میں واپس لے جا کر میرے ہاتھ اور پیروں کی زنجیروں کو زمین اور دیوار میں نصب لوہے کے کڑوں کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔

پیٹ میں خوراک گئی تو میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں اور کبھی کا سنا ہوا وہ محاورہ سچ ثابت ہونے لگا کہ نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے۔

وہ رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب کھٹ پٹ سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے دیکھا کہ کمرے میں اس صبح والے شخص کے علاوہ ایک دوسرا آدمی بھی ہے۔میرے بے دار ہونے کے بعد وہ نیا آنے والا شخص مجھ سے مخاطب ہوا اس کا لہجہ بہت کرخت تھا۔

”تم نے میرے آفیسر کو جو بیان دیا ہے وہ محض بکواس کے علاوہ کچھ نہیں۔ البتہ تمہاری ایک دو باتیں سچ بھی ہیں۔اب یہ ان کی غلطی یا رحم دلی ہے کہ انہوں نے تمہیں حقیقت اگلنے پر مجبور نہیں کیا۔ہم تم جیسے غدار وطن کی ناز برداریاں نہیں کرتے اور نہ انہیں اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ وہ ہمیں احمق تصور کرتے ہوئے سچی جھوٹی کہانیاں سناتے پھریں اور ہم ان فضول کہانیوں پر یقین کرلیں۔اب اس بات کا فیصلہ میں کروں گا کہ تمہارے بیان

میں کتنی صداقت ہے۔اگر تم نے میرے آگے جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو ابھی اور اسی وقت تمہیں تمہارے جھوٹ کی سزا مل جائے گی۔“

”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں سر کہ میں نے جو کچھ پہلے بتایا تھا یا اب بتاؤں گا وہ سب سچ پر مبنی ہوگا۔کیا آپ میری اس بات کا یقین کریں گے کہ میں اپنی اس گرفتاری سے نہ تو پریشان ہوں اور نہ فکر مند ہوں بلکہ میں تو اللہ کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ میں کمل راؤ عرف اشرف علی نامی شخص کے پاس ایٹمی پلانٹ کا نقشہ لے کر نہیں پہنچ پایا۔میں تو دل میں اللہ سے دعا کر رہا تھا کہ کاش کوئی ایسا قابل اعتبار شخص ہو جس پر اعتبار کر کے میں نواب سطوت کے اس سیاہ کرتوت سے اسے آگاہ کرسکوں اور اللہ نے میری دعا سن لی اور آپ لوگوں کو بھیج دیا۔میرے وطن کی حرمت بچ گئی۔میرے پاس ایک یو ایس بی میں نواب کے خلاف اور بھی بہت سے ثبوت ہیں وہ میں آپ کے حوالے کرسکتا ہوں۔“

"ہم گزشتہ ایک سال سے تمہیں واچ کر رہے ہیں۔تم بہت عرصے سے ہماری نگاہوں میں ہو' اچھا یہ بتاؤ کہ صوبائی وزیر مذہبی امور مولانا سہیل ہاشمی کا مرڈر تم نے کیا ہے۔" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" میں نے سر جھکائے دھیمے لہجے میں اقرار جرم کیا۔

"کس طرح؟ اور کس کے کہنے پر؟"

میں نے اس کی بھی تمام تفصیلات اسے بتادیں میری بات سننے کے بعد وہ تلملاتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا اورایک زور دار ٹھوکر اپنے جوتے کی نوک سے میرے سر پر مارتے ہوئے دہاڑا۔

"سارے غیر انسانی کام انجام دیتے رہے' کس کے لیے... کس خدا کو راضی کر رہے تھے... لعنت ہو۔"

میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔پھر وہ جیسے دیوانہ ہو گیا۔اس نے اپنے جوتے کی نوکیلی نوک سے جس پر شاید فولادی پتری چڑھی ہوئی تھی مار مار کر میرا حشر برا کردیا۔اس کے بعد میری آنکھوں میں دھند چھانے لگی۔ میرا دماغ بے جان ہونے لگا۔مسلسل میرے سر پر ضرب پاشی کی گئی۔اسی

وجہ سے درد بڑھتے بڑھتے جیسے ہر احساس مٹ گیا۔شاید میں بے ہوش ہو گیا تھا۔

جب مجھے ہوش آیا تو کمرہ ان لوگون کے وجود سے خالی تھا۔دن نکل آیا تھا آنکھوں کی دھند آہستہ آہستہ ہٹ رہی تھی۔سر کسی پکے ہوئے پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا۔میں نے سر کر ذرا سا ہلایا تو کانوں میں عجیب طرح کی شائیں شائیں کی آوازیں آنے لگیں۔میری نگاہ میرے بنیان پر پڑی جہاں خون کی بوندوں کے نشانات تھے شاید یہ خون میری ناک سے ٹپکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد میرے لیے ناشتہ آیا' چائے اور ڈبل روٹی تھی لیکن میں نے ناشتے کی جانب دیکھا تک نہیں مجھے شدید چکر آرہے تھے۔

"کھا لو' تاکہ میں تمہیں درد کو دور کرنے والی گولیاں دے سکوں' ناشتے کے بعد وہ کھا لینا سر کا درد کم ہوجائے گا کیوں اپنی جان کے دشمن بنے ہوئے ہو صاحب لوگ جو کچھ پوچھ رہے ہیں وہ سب کچھ سچ سچ کیوں نہیں بتا دیتے۔" روشن خان نے کہا تو میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"تم کسے بچانے کی کوشش کر رہے ہو؟" اس نے میرے نزدیک جھکتے ہوئے کہا۔

"میں کس طرح انہیں اپنی سچائی کا یقین دلاؤں کہ میں نے ایک ایک لفظ بالکل سچ سچ کہا ہے۔میں کسی کو بچانے کی کوشش نہیں کر رہا بلکہ دل سے چاہتا ہوں کہ ان دشمن عناصر کو گرفتار کیا جائے اور انہیں سزا دی جائے۔" میں نے کراہتے ہوئے کہا۔

"اچھا تم ناشتہ کر کے یہ گولیاں کھا لینا درد میں کمی آجائے گی۔" اس نے گولیوں کا پیکٹ ٹرے میں رکھااور چلا گیا۔

میں نے بہت ہمت کر کے ناشتا کیا اور گولیاں کھالیں۔میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں انہیں اپنی سچائی کا کس طرح سے یقین دلاؤں' صرف اللہ کی ذات ایسی ہے جو اگر رحم کرے تو انہیں میری بات کا یقین آجائے۔پھر مجھے خیال آیا کہ اللہ مجھ جیسے گناہ گار اور سیاہ کار پر کیوں کر رحم کرے گا۔پھر خود ہی اپنے اس خیال کو رد کردیا کہ اللہ ان گناہ گاروں پر ضرور رحم کرتا ہے جو اس کی جانب پلٹ آتے ہیں اس کے آگے روتے اور گڑ گڑاتے ہیں

اس سے معافی اور مدد مانگتے ہیں بس اس خیال کے آتے ہی میں اس حالت میں زمین پر سجدے کی حالت میں آگیا۔حالانکہ میرے دونوں پاؤں پھیلے ہوئے تھے ہاتھ جدا جدا تھے۔سر زمین تک نہیں پہنچ رہا تھا۔لیکن پھر بھی میں نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھا دیے اور اللہ کے آگے فریاد کرنے لگا۔

"یا الرحیم الرحمین! میں تیرا بے حد گناہ گار بندہ تیری رحمت کا تجھ سے سوال کرتا ہوں۔اے مالک میرے گناہ بہت زیادہ ہیں لیکن تیری بے شمار رحمت ہے جو ہر شے پر چھائی ہوئی ہے اے میرے ربّ تو رحمان ہے' رحیم ہے کریم ہے' غفور ہے' ذوالجلال و اکرام ہے تو دلوں کے بھید سے خوب واقف ہے۔انسان کی نیت اور ارادے کو بھی خوب پہچانتا ہے اے میرے اللہ تو بے حد و بے حساب صفات کا مالک ہے۔تیری ذات و صفات میں کوئی بھی ذرہ برابر بھی شریک نہیں ہے اپنے محبوب ہمارے آقا سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں مجھ پر رحم فرما اللہ اگر تو نے مجھ پر رحم نہ کیا اور مجھے معاف نہ کیا تو میں دنیا اور آخرت میں تباہ ہوجاؤں گا۔

میرے جانے اور ان جانے اگلے اور پچھلے سارے گناہوں کو معاف فرما دے میری مدد فرما مجھ پر اپنا رحم کر... مالک کرم کر... میرا تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں اگر تو نے میری مدد نہیں کی اور مجھ پر اپنا فضل نہ کیا تو میں اور کس کے در پر جاؤں گا۔یا رب رحم فرما' کرم فرما' اے میرے ربّ میرے مالک... رحم فرما۔

میں روتا رہا۔گڑگڑاتا رہا اور پھر میرے بے تحاشا بہتے ہوئے آنسو جیسے تھم گئے۔مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اپنا دست شفقت میری پشت پر رکھ دیا ہو۔میرا چہرہ اور گریبان میرے آنسوؤں سے بھیگ گیا تھا۔

میرے دل کو ایک عجیب طرح کا سکون اور طمانیت محسوس ہو رہی تھی۔آج اور اس لمحے مجھے احساس ہو رہا تھا جیسے میں تنہا نہیں ہوں اللہ کی رحیم و کریم ذات میرے ساتھ ہے۔پھر ایک بار پھر آنکھیں موند کر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

آہٹ پر میں نے آنکھیں کھولیں میرے سامنے ایک نیا آفیسر موجود تھا۔اس نے نسبتاً نرم لہجے میں مجھ سے بات کی۔میں نے اس مرتبہ کہانی کا آغاز اپنے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

گاؤں سے کیا۔وہ چپ چاپ خاموش بیٹھا میری گفتگو سنتا رہا۔ٹیپ ریکارڈ بھی آن رکھا تھا۔درمیان میں اس نے مجھ سے کئی سوالات کیے میں نے ابھی تک نواب کے کہنے پر جتنے کام کیے تھے سب کچھ بتا دیے۔میری گفتگو میں آغا قزلباش کا نام بھی آیا اس آفیسر نے چند اجنبی نام بھی میرے سامنے لیے کہ میں ان سے کسی بھی طور واقف ہوں کبھی ان کو نواب کی کوٹھی میں آتے جاتے دیکھا ہے یا کسی کے منہ سے ان ناموں کو سنا ہے اس پر میں نے لا علمی ظاہر کی۔جواب میں وہ خاموش رہا۔اس نے مجھ سے کرنل مشتاق' طلال انکل' حسّام اور سرمئی کی بابت بھی سوالات کیے جن کے میں نے تسلی بخش جوابات دے دیے مجھ سے تفتیش کرنے کے بعد وہ آفیسر چلا گیا۔

اور اللہ کے فضل و کرم سے اس رات مجھے ان زنجیروں سے آزاد کر کے ایک اور روم میں پہنچا دیا گیا یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جہاں کوئی کھڑکی اور روشن دان موجود نہیں تھا۔صرف ایک دروازہ اندر آنے جانے کے لیے تھا۔ساتھ ہی ایک چھوٹا سا واش روم تھا جس کی چھت بہت اونچی تھی۔

اور ایک فٹ کا روشن دان موجود تھا۔ کمرے میں ایک تین فٹ چوڑائی اور چھ فٹ لمبائی کا بیڈ تھا پنکھا بھی تھا اور بلب بھی۔

یہاں آکر میں نے اللہ کا لاکھ شکر ادا کیا اور روشن خان سے کہا کہ وہ مجھے ایک جائے نماز اور قرآن پاک لا کر دے دے۔ نجانے کیوں اب مجھے اپنی موت کا بھی خوف نہیں رہا تھا۔ میں نے نواب کے بارے میں ساری انفارمیشن دے دی تھی۔ ذہنی طور پر میں بے حد پرسکون تھا۔ اب اگر مجھے میرے جرائم پر موت کی سزا بھی دی جائے گی تو میں خوشی خوشی قبول کرلوں گا۔

روشن خان میری فرمائش پر مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھتا ہوا چلا گیا لیکن تھوڑی دیر بعد وہ میری مطلوبہ چیزیں لے آیا میرے چہرے پر پھیلا اطمینان دیکھ کر وہ حیرت سے بولا۔

”کیا واقعی تم دہشت گردوں کے ساتھی نہیں ہو؟“

”میں نے جرائم کیے ہیں میرے بھائی‘ میں کب ان کا انکار کر رہا ہوں لیکن اس ابن ابلیس کے ساتھ میں اس لیے تھا کہ اس کے ساتھ رہ کر اس کے بارے میں جان سکوں۔ وہ ایک بہروپیا ہے۔ بدمعاش ہے دوسروں کے سامنے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اس نے شرافت کا نقاب پہن رکھا ہے اور لوگ اسے ایک روحانی عامل مانتے ہیں۔ آج اس کے بارے میں سب کچھ بتا کر میں پر سکون ہو گیا ہوں۔ اب چاہے میرے جرائم پر مجھے موت کی سزا ہوجائے میں مطمئن رہوں گا۔“

میں نے یہ الفاظ ادا کیے اور قرآن پاک کو اٹھا کر چوما اور سینے سے لگالیا مجھے اب وضو کر کے قرآن پاک پڑھنا تھا۔

ہم لوگ بھی کتنے عجیب ہیں ماں باپ اپنی ذمہ داری صرف اس حد تک سمجھتے ہیں کہ بچہ بڑا ہوجائے تو اسے کسی مدرسے میں ناظرہ قرآن پاک پڑھنے بٹھا دیا جائے بچہ ناظرہ قرآن پاک پڑھ لیتا ہے تو زیادہ سے زیادہ اسے چھ کلمے اور نماز رٹا دی جاتی ہے اور بس۔ سمجھ لیا جاتاہے کہ انہوں نے ایک مسلمان ہونے کی ذمہ داری پوری کرلی۔ اب قرآن پاک جزدان میں لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے کبھی کوئی مر گیا تو ایصال ثواب کی نیت سے پڑھ لیا۔ کبھی گھر میں خیر و برکت کے لیے قرآن خوانی کروالی۔ یا پھر مسئلے مسائل ہوں تو قرآنی آیات اور سورتوں کو بطور وظیفہ پڑھ لیا۔

اس قرآن پاک میں اللہ کیا احکامات انسان کو دے رہا ہے۔اس نے ہماری زندگیوں کو گزارنے کے لیے کون سا ضابطہ حیات مقرر کیا ہے۔ہم اس سے قطعی نابلد ہیں۔کیونکہ ہم عربی زبان سے ناواقف ہیں۔

میرے اندر بھی بنیادی کمی یا خرابی یہی تھی میرے والدین نے مجھے مدرسے میں صرف ناظرہ قرآن پڑھوایا نماز پڑھوائی باقی میں نہیں جانتا تھا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ ہم انسانوں سے کیا چاہتا ہے اس نے دنیا کیوں بنائی انسانوں کو کیوں پیدا کیا۔

ان باتوں کا خیال مجھے اس ترجمہ والے قرآن پاک کو دیکھ کر آیا اور میں نے ترجمہ کے ساتھ قرآن پاک کو پڑھنا شروع کیا۔

میں نے میڈیکل کی تعلیم حاصل کی۔انسانی مسیحائی کا سوچا تھا لیکن اپنی کم علمی کی بناء پر میں مصیبت پڑنے پر غلط فیصلے کرتا چلا گیا۔قرآن میں میں نے پڑھا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ”مصیبت کے وقت صبر اور نماز سے کام لو۔ کہیں کہہ رہا ہے شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔“ ان باتوں کا شعور تو مجھے جب آتا جب میں نے قرآن کو سمجھ کر پڑھا ہوتا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

لیکن اب کیا ہوسکتا تھا میں شیطان اور اس کے پیرو کاروں کا شکار ہو گیا۔برائی کے رستے پر چل نکلا اور یہ سوچتا رہا کہ میں کچھ اچھا کرنے جا رہا ہوں لیکن میرا انجام بہت بھیانک نکلا۔

پورے تین دن تک میرے پاس کوئی بھی تفتیش کے لیے نہیں آیا مجھے پابندی سے دونوں وقتوں کا کھانا اور صبح کا کھانا ناشتا ملتا رہا۔پتا نہیں وہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچ رہے تھے کون سی میٹنگز کر رہے تھے یہ بھی ممکن تھا کہ میری دی ہوئی معلومات کی روشنی میں وہ دوسری کارروائیوں میں مصروف ہوں۔البتہ میں نے اپنی پوری توجہ نماز اور قرآن کی جانب مبذول کر رکھی تھی۔نماز کے بعد گڑ گڑا کر اللہ کے حضور توبہ کرتا اور پھر قرآن کو ترجمہ کے ساتھ پڑھنے اور سمجھنے میں مصروف ہوجاتا۔

وہ سہ پہر کا وقت تھا میں نماز ظہر سے فارغ ہو کر قرآن پڑھنے کے لیے بیٹھ گیا تھا۔پورے انہماک سے سورۃ آل عمران کا ترجمہ پڑھ رہا تھا تب ہی بہت سارے لوگوں کے تیز تیز چلنے کی آواز آئی پھر میرے روم کا دروازہ کھلا تو میں نے اپنی نگاہیں دروازے پر لگادیں کہ اب کون آیا ہے مجھ سے باز

پرس کرنے کے لیے اور جو لوگ اندر آئے انہیں دیکھ کر میں بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور میرے منہ سے تحیر زدہ لہجے میں نکلا۔

"تم...! آپ...!"

☆...☆...☆

میری آنکھ کھلی تو آنٹی عصر کی نماز پڑھ رہی تھیں۔میں اتنی گہری نیند سوئی تھی کہ مجھے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ یہ کون سا وقت ہے آنٹی کو نماز پڑھتے دیکھا تو سوچا کہ شاید فجر کا وقت ہے۔لیکن کھڑکی سے سورج کی ہلکی سی مدھم روشنی آرہی تھی۔تب یاد آیا کہ عصر کا وقت ہے۔میں دوپہر کے کھانے کے بعد آنٹی کے پاس آکر لیٹی تھی کہ میری آنکھ لگ گئی۔طلال انکل حشام کے کمرے میں تھے اس سے کچھ ضروری باتیں کر رہے تھے اور انہوں نے جان بوجھ کر مجھے وہاں سے بھیج دیا تھا۔

میں بھی وضو کر کے آنٹی کے برابر جائے نماز بچھا کر کھڑی ہو گئی تو وہ مجھے دیکھ کر مسکرانے لگیں۔تسبیح پڑھ رہی تھیں۔اشارے سے مجھے جھکنے کے لیے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کہا۔میں جھکی تو انہوں نے تسبیح سمیٹ کر رکھی اور میرے اوپر دم کیا اور بولیں۔

"تم نماز پڑھو میں تمہارے لیے چائے لے کر آتی ہوں۔"

"آپ رہنے دیں آنٹی، میں لے لوں گی۔انکل اور حشام نے چائے پی لی۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں، پہلے انہوں نے تمہیں بلایا تھا لیکن جب میں نے انہیں بتایا کہ تم سو رہی ہو تو انہوں نے تمہیں جگانے سے منع کر دیا۔" آنٹی نے کہا اور کمرے سے نکل گئیں۔

نماز سے فارغ ہو کر میں کچن میں چلی آئی۔آنٹی چائے لے کر آرہی تھیں۔ میں نے ان کے ہاتھ سے چائے لے لی اور حشام کے کمرے میں چلی آئی۔

وہ آنکھیں موندے بستر پر نیم دراز تھا۔میں نے ہلکا سا کھنکھار کر اپنے آنے کا احساس دلایا تو اس نے آنکھیں کھول دیں اور مسکرانے لگا۔

"آپ نے تو ہمارے بغیر چائے پی لی۔اب ہمیں اکیلے پینا پڑ رہی ہے۔" میں نے کپ کو منہ سے لگا کر ایک سپ لیتے ہوئے کہا۔

"اکیلے کیوں پی رہی ہو، مل کے پیتے ہیں نا، ادھر لاؤ کپ۔" اس نے میرے ہاتھ سے کپ لے کر اسی جگہ اپنے لب لگا دیے جہاں سے میں نے چائے کا گھونٹ لیا تھا۔

"ارے میری جھوٹی چائے ہے۔" میں نے کہا۔

"تو کیا ہوا، کہتے ہیں جھوٹا کھانے سے محبت بڑھتی ہے۔اچھا ہے ہمارا پیار اور بڑھ جائے گا۔" اس نے شرارت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"توبہ ہے حشام تم بھی کس زمانے کی باتیں کر رہے ہو، بالکل بوڑھوں والی یہ سب پرانے وقتوں کی باتیں ہیں جب لوگ اس طرح سوچا کرتے تھے۔" میں نے حشام کے ہاتھ سے کپ لیتے ہوئے کہا۔

"بھئی پیار و محبت کی باتیں اگر ہزاروں سال پرانی ہوں گی نا تب بھی یہیں انہیں اس طرح سے مانوں گا جیسے اس دور میں لوگ مانا کرتے تھے۔"

"پھر تو بڑے پکے عاشق ہوئے جناب، یہ تو ثابت ہو گیا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیوں تمہیں ابھی تک شک ہے کیا؟"

"نہیں جناب پکا یقین ہے۔" میں نے کہا اور کھلکھلا کر ہنس پڑی تو وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔اس کے دیکھنے کے انداز میں نہ جانے کیا تھا کہ میں ہنستے ہنستے چپ ہو گئی اور پوچھا۔

"کیا ہوا؟ ایسے کیوں دیکھ رہے ہو..."

"کیسے دیکھ رہا ہوں؟" اس نے بجائے جواب دینے کے الٹا سوال کر ڈالا۔

"بھئی پتا نہیں، اس کا مطلب تم خود ہی جانو مجھے کچھ عجیب سا لگا۔" میں نے اس کی نگاہوں کی تپش سے بچنے کے لیے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کر دیا۔

"اچھا۔اب تو تمہیں میرا پیار سے دیکھنا بھی عجیب سا لگ رہا ہے۔" حشام نے آگے بڑھ کر میری کلائی پکڑ لی۔

"او ہو، تو جناب پیار سے دیکھ رہے تھے۔" میں نے ایک ادا سے کہا۔

"ایسی ادائیں دکھاؤ گی تو قسم سے مر ہی جاؤں گا۔" اس نے ایک جھٹکے سے مجھے اپنے قریب کر لیا۔

"کیا کرتے ہو حشام، چائے ہے میرے ہاتھ میں۔" میں چائے کو گرنے سے بچاتے ہوئے کہا۔

"ارے یار رکھو اسے اور میری بات سنو۔" اس نے میرے ہاتھ سے کپ لے کر میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"پہلے میری کلائی چھوڑو۔" میں نے کہا۔

"نہ چھوڑوں تو کیا کرلو گی۔" اس کی نگاہوں میں خمار اتر آیا۔

"ارے آنٹی۔" میں نے تیزی سے کہا تو حشام نے جھٹ میری کلائی چھوڑ دی اور میں ہنستے ہوئے دور بھاگ گئی وہ اپنی جگہ بیٹھا مجھے محبت سے دیکھتا رہا۔پھر محبت سے چور لہجے میں بولا۔

"ادھر آؤ' میرے پاس۔"

"کوئی شرارت تو نہیں کرو گے۔" میں نے انگلی اٹھاتے ہوئے کہا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

"نہیں پہلے وعدہ کرو۔" میں نے اٹھلا کر کہا۔

"یار تم کس قسم کے وعدے لے رہی ہو۔میں ایسا کوئی وعدہ نہیں کرسکتا۔وعدہ وہ جو ہمیشہ نبھایا جائے اور میں نے کہانا شادی کے بعد بھی ہاتھ باندھے

تمہارے سامنے مودب کھڑا رہ کر تمہیں دیکھتا رہوں گا۔" اس نے کہا تو ایک مرتبہ پھر مجھے ہنسی آگئی اور میں بے ساختہ ہنستی چلی گئی۔

"ماشاء اللہ۔" وہ مجھے دیکھتے ہوئے بولا۔

"اب کیا ہوا؟" میری ہنسی کو بریک لگ گیا۔

"خدا کی قسم تم ہنستے ہوئے اتنی پیاری لگتی ہو۔اتنی پیاری لگتی ہو کہ میرا دل...!" اتنا کہہ کر وہ چپ ہوگیا اور اس کا مطلب سمجھ کر میرے گالوں پر سرخی اتر آئی اور میں نے حیا آلود نگاہوں

سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا دل کیا...؟"

"قریب آؤ گی تو بتاؤں گا نا۔" وہ پھر شرارت سے بولا تو میں ایک بار پھر ہنس دی تو وہ یکایک سنجیدہ ہوگیا اور بولا۔

"اللہ کرے تم ہمیشہ یوں ہی ہنستی کھلکھلاتی رہو' میں ہمیشہ تمہارے ناز اٹھاتا رہوں۔تمہیں پتا ہے سرمئی میں نے اپنی بیماری کے دنوں میں پل پل

تمہاری سلامتی کی تمہاری خوشیوں کے لیے دعائیں مانگی ہیں۔میں نے اپنے آپ سے وعدہ کیا تھا اور اللہ سے دعا کی تھی کہ میں تمہیں اتنی خوشیاں اتنی ہنسی دوں گا کہ تم اپنے سارے دکھ ساری محرومیاں بھول جاؤ گی لیکن پھر میرے ساتھ یہ حادثہ پیش آگیا۔میں سوچتا تھا کہ پتا نہیں میں زندہ بھی رہ پاؤں گا یا نہیں کیونکہ وہ لوگ جنہوں نے ایک دفعہ مجھے مارنے کی اتنی مکمل سازش کی تھی اور اس کو عملی جامہ بھی پہنا دیا تھا۔وہ مجھے کیونکر زندہ رہنے دیں گے پھر میرے ان وعدوں کا کیا ہوگا۔میرے ان خوابوں کا کیا ہوگا جو ہم نے ایک ساتھ جینے کے دیکھے تھے' کیا میں دنیا سے اپنا عہد پورے کیے بنا ہی چلا جاؤں گا۔کبھی میں سوچتا ہوں کہ تم پتا نہیں مجھے یاد کرو گی بھی یا نہیں یا میرے لیے دن رات تڑپو گی۔"

حشام نے اتنا ہی کہا تھا کہ میں آنسوؤں بھری آنکھوں کے ساتھ بھاگتی ہوئی آئی اور اس کے سینے سے لگ کر بلک پڑی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"ایسی باتیں مت کرو... حشام... مم... مم... میں اور میری ہچکیاں بندھ گئیں۔اس نے اپنی باہیں میری کمر کے گرد حائل کردیں اور بالوں کو چومتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ تمہاری دعائیں ہی تھیں جو مجھے موت کے منہ سے کھینچ لائی ہیں بس میری تم سے ایک التجا ہے بولو' میری التجا مانو گی۔"

جواب میں' میں نے سر ہلایا حشام کی باتیں سن کر میرا دل جیسے پھٹا جا رہا تھا۔

"تم اب کوئی جاب نہیں کرو گی صرف میری بن کر میرے گھر میں رہو گی۔ میرے بچوں کو پالو گی۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو حشام۔" میں نے تیزی سے سر اٹھا کر پوچھا۔

"میں بہت ڈرنے لگا ہوں جان حشام تم چاہے کچھ بھی کہو' چاہے کچھ بھی سمجھو لیکن اب میں تمہاری زندگی کو داؤ پر نہیں لگانا چاہتا۔میں جانتا ہوں کہ جس طرح وہ لوگ میرے دشمن بن گئے ہیں اسی طرح تمہارے بھی دشمن ہیں۔ تمہارے گھر پر حملہ ہوچکا ہے۔وہ تو آصف نے بہت تمہارا خیال رکھا ہے۔ ورنہ تو خدا جانے اب تک کیا ہوچکا ہوتا کیونکہ وہ لوگ یہ بات اچھی طرح سے

جانتے ہیں کہ میرے اوپر فائرنگ کرنے والے شخص کی ویڈیو تمہارے پاس ہے اور یہ بھی ان کا خیال ہوسکتا ہے کہ اس رپورٹ کے بارے میں تمہیں بھی ساری معلومات ہوں گی۔اس کے علاوہ تمہارے اوپر قابو پا کر وہ مجھے بلیک میل بھی کرسکتے ہیں۔یہاں بہت کچھ ممکن ہے میری جان اور تم کیا سمجھتی ہو کہ تمہیں یہاں رکھنے کا فیصلہ یوں ہی کردیا گیا ہے کیا حقیقت میں مجھے ایک نرس کی ضرورت تھی ایسا نہیں ہے میری جان۔میں بالکل ٹھیک ہوں فٹ فاٹ ہوں اور تمہارے لیے بالکل پرفیکٹ ہوں۔چاہو تو ابھی آزمالو۔" آخری جملہ یکایک اس نے اپنا لہجہ بدل کر شوخی سے ادا کیا تو میں نے ایک ہلکا سا مکّا اس کے سینے پر مارا اور وہ ہائے کہہ کر دہرا ہوگیا۔

لیکن اس مرتبہ میں اس کے جھانسے میں نہیں آئی اور اس کے نزدیک نہیں گئی تو وہ خود ہی سیدھا ہو کر بولا۔

"بڑی کٹھور ہوگئی ہو میری ہائے کا بھی تم پر اثر نہیں ہوا۔"

"کٹھور تو میں ہوں اور چونکہ یہ لقب بھی آپ ہی کا دیا ہوا ہے تو میں تبدیل کیسے ہوسکتا ہوں۔ویسے بھی میں اب جان چکی ہوں کہ آپ کی یہ "ہائے" جعلی ہے۔" میں نے کہا۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" اس نے اپنی التجا کی جانب واپس آتے ہوئے کہا۔

"حشام تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ میری زندگی کا مقصد کیا ہے میں عام عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھ کر چولہا ہانڈی نہیں کرسکتی۔صرف بچے نہیں پال سکتی۔میں تمہارے شانہ بشانہ قدم سے قدم ملا کر معاشرے میں دور تک پھیلی ہوئی ان برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے تمہارے ساتھ چلنا چاہتی ہوں۔" میں نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا تو حشام خاموش ہوگیا۔اس نے اپنا سر جھکا لیا اس کے چہرے پر پھیلی گمبھیر سنجیدگی دیکھ کر لمحہ بھر کو میرے قدم ڈگمگا گئے۔وہ جب شوخ ہوتا تھا تو ایک کھلنڈرہ سا لڑکا لگتا تھا اور جب سنجیدہ ہوتا تو خطرناک حد تک سنجیدہ ہوجاتا تھا ایسا سنجیدہ کہ سامنے والے بندے کی بولتی ہی بند ہوجاتی تھی۔

"کیا ہوا حشام۔کیا ناراض ہوگئے ہو؟" میں نے ڈرتے دھیمے لہجے میں کہا۔

"اب تم جاؤ' میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔" اس نے کہا اور تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گیا اور میری جانب سے کروٹ لے لی۔

"نہیں میں جانتی ہوں کہ تم مجھ سے ناراض ہو پلیز حشام میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو' پلیز مجھ سے یوں منہ نہ موڑو۔" میں نے التجا آمیز لہجے میں کہا۔

"مجھے کیا ضرورت پڑی ہے تم سے ناراض ہونے کی تمہاری لائف تمہاری ہی ہے نا' تم جس طرح چاہو گزارو' جو چاہو کرو میرا کیا ہے میں دوبارہ کسی نادیدہ ہاتھ کی گولی کا نشانہ بن جاؤں گا اور اس مرتبہ تمہیں بھی فرصت نہیں ہو گی کہ میری زندگی کے لیے دعا کرو کیونکہ تمہیں تو بڑے بڑے معرکے سر کرنے ہیں بس کہانی ختم ہوجائے گی۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اس نے اس طرح کروٹ لیے لیٹے کہا اور میں اپنی جگہ بیٹھی رہی میرا دماغ سنسنا رہا تھا جسم میں جیسے جان ختم ہو گئی تھی۔

حشام میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہا ہے۔میں کراہ کر رہ گئی۔چاہ رہی تھی کہ اس کی باتوں کے جواب میں کچھ کہوں لیکن ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔میری دماغی کیفیت عجیب طرح کی ہو رہی تھی۔ایک شدید قسم کی کشمکش میرے اندر ہو رہی تھی۔میں اپنے مشن سے بھی پیچھے ہٹنا نہیں چاہ رہی تھی اور حشام کی ناراضی بھی برداشت نہیں کرسکتا تھا حشام اگر میری لائف میں نہیں ہے تو سرمئی کی زندگی بھی باقی نہیں رہے گی۔مجھے تو اپنی سانسوں کی ڈور حشام کی سانسوں کی ڈور کے ساتھ بندھی محسوس ہوتی تھی۔

اور پھر میرے اندر یہ کشمکش اتنی زیادہ بڑھی کہ میں برداشت نہ کرسکی۔میں دونوں میں سے کسی کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتی تھی نہ حشام کو اور نہ ہی اپنی صحافتی ذمہ داریوں کو۔میرا مقصد تھا نواب سطوت جیسے اور دوسرے معاشرے کے ناسوروں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا۔ان میں سرِ فہرست میرا باپ نواب سطوت تھا۔میرا دل چاہتا تھا کہ نواب سطوت میرے ہاتھوں کیفر کردار تک

پہنچے اور تب میں اس کے سامنے جا کر کھڑی ہوجاؤں اور بڑے تفاخر سے کہوں۔

"مجھے غور سے دیکھو میں ہوں سرمئی، روشن آرا اور نواب سطوت کی بیٹی جس کی کوششوں سے آج تم اپنے انجام کو پہنچے ہو۔"

"حشام... حشام... شامی... جا... نو... پلیز مجھ سے ناراض مت ہو۔میں اسے دھیرے دھیرے پکار رہی تھی لیکن مجھے دیا ہوا خطاب وہ اپنے اوپر سجا کر بیٹھ گیا تھا۔کٹھور بن گیا تھا میں اسے سسکتے ہوئے پکار رہی تھی۔یہ وہ الفاظ اور لہجہ تھا جو کبھی میں نے اس کے سامنے نہیں ظاہر کیا تھا آج میں اپنی ساری انا اس کے قدموں میں ڈھیر کر کے اسے پکار رہی تھی لیکن اس نے جواب بھی دیا تو کہا۔

"پلیز جاؤ سرمئی، تمہیں آزادی ہے، چلی جاؤ۔"

اور پھر میرا سر بری طرح چکرانے لگا ایسا لگا جیسے کمرے میں گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا ہو۔ہَوا شائیں شائیں کر کے میرے پاس سے آجا رہی ہو اور

پھر کہیں پے در پے دھماکے ہونے لگے۔میرا جسم بری طرح لرزنے لگا اور میں کرسی سے چکراتی ہوئی نیچے گر پڑی۔

مجھے ہوش آیا تو سب میرے گرد جمع تھے حشام، آنٹی، طلال انکل اور ڈاکٹر ذیشان میں نے آنکھیں کھول کر خالی خالی نگاہوں سے سب کی جانب دیکھا۔میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا تھا کہ میں کیوں بیڈ پر لیٹی ہوں اور سب پریشان اور فکر مند چہرہ لیے میرے گرد جمع ہیں۔سر میں درد ہو رہا تھا اور مجھے بے حد کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔

سب سے پہلے حشام تیزی سے میری جانب بڑھا اور میرے اوپر جھکتے ہوئے بولا۔

"اب کیسا فیل کر رہی ہو سرمئی کسی طبیعت ہے؟"

"مجھے کیا ہوا ہے؟ اف میرا سر، بہت درد ہو رہا ہے۔" میں نے کمزور اور نحیف لہجے میں کہتے ہوئے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیا۔

"کچھ نہیں ہوا ہے تمہیں، لگتا ہے حشام کی خدمتیں کر کر کے تھک گئی ہو اور اب اپنی خدمت کروانے کا دل چاہ رہا ہے۔" ڈاکٹر ذیشان نے نرمی سے حشام

کا بازو پکڑ کر اسے میرے پاس سے ہٹایا اور قریب آکر مسکراتے ہوئے بولے۔

میری نگاہیں حشام کے چہرے پر تھیں۔وہ بے حد پریشان تھا آنکھوں میں مجھے پانی اور فکر مندی دکھائی دے رہی تھی۔

"حشام۔" میں نے دھیرے سے اسے پکارا۔"مجھے اس وقت کسی کی بھی فکر نہیں تھی کہ میرے نزدیک کون کون کھڑا ہے۔

"بولو' میری جان۔" حشام بھی سب کی پروا کیے بغیر تڑپ کر آگے آیا اور بولا۔

"تم مجھ سے ناراض ہو۔" میری آنکھوں میں حشام کا روٹھا روٹھا چہرہ آگیا تو وہ زور زور سے نفی میں سر ہلانے لگا۔

"کوئی بات ہوئی تھی تم دونوں کے درمیان۔" طلال انکل نے پہلے حشام پھر میری جانب دیکھا اور تیزی سے بولے۔

ہم دونوں ہی خاموش تھے اور بس خاموش نگاہوں سے ایک دوسرے کی جانب دیکھ رہے تھے۔تب ہی آنٹی نے کہا۔

"بتاؤ بیٹا چپ کیوں ہو تم نے سرمئی سے کچھ کہا تھا۔" آنٹی نے حشام کی جانب دیکھتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔

"اس کی یہ حالت یوں ہی تو نہیں ہوگئی۔ضرور تم نے کوئی ایسی بات کی ہے جس سے میری بیٹی کو بہت تکلیف پہنچی ہے۔" آنٹی باقاعدہ حشام پر غصہ کرنے لگیں۔

"میرا خیال ہے آنٹی' سرمئی اب ٹھیک ہے بس ذرا کمزوری ہے۔ہمیں ان دونوں کو تنہا چھوڑ دینا چاہیے۔ان کا آپس کا کوئی معاملہ ہے یہ خود ہی سلجھا لیں گے۔" ڈاکٹر ذیشان نے جب

حشام کو شرمندگی سے سر جھکاتے ہوئے دیکھا تو بولے۔

"سوچ لو حشام' اگر سرمئی کو کچھ ہوا تو میں تمہیں کبھی بھی معاف کروں گی۔ تمہیں اس بات کا اندازہ بھی نہیں ہوسکتا کہ جتنے دن تم نے اسپتال میں گزارے ہیں سرمئی نے وہ دن کسی اذیت میں گزارے ہیں اور اتنا پیار کرنے والی تو نصیبوں سے ملتی ہے اور تم نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے اگر

روشن بہن کو یہ سب پتا چلا تو میں کیا جواب دوں گی انہیں، بولو... جواب دو... چپ کیوں کھڑے ہو؟" آنٹی حشام کو ڈانٹ رہی تھیں۔

"ممی بائی گاڈ میں نے سرمئی سے ایسا کچھ نہیں کہا۔یہ تو بس ویسے ہی۔" بالآخر حشام نے ہر جانب سے اٹھنے والی غصیلی نگاہوں اور تیز و تند جملوں سے گھبرا کر زبان کھولی۔

"شاید۔" وہ لمحہ بھر کو رکا پھر بولا۔"شاید نہیں حقیقت میں، میں نے سرمئی کو بہت زیادہ پریشان کیا ہے مسلسل ذہنی اذیت اور پھر بابا کا انتقال ان سب چیزوں نے مل کر اس کو کمزور کردیا ہے اور یہ شدید ذہنی تھکاوٹ کی وجہ سے بے ہوش ہوگئی ہے۔"

"یہ سب تم مجھے مت سمجھاؤ میں تم سے زیادہ اس بات کو جانتی ہوں تمہیں تو کچھ پتا بھی نہیں ہوتا تھا۔اس کی حالت تو میں نے دیکھی ہے لیکن آج کوئی خاص بات ہوئی ہے تم نے کچھ ضرور کہا ہے میں وہی تم سے پوچھ رہی ہوں۔" آنٹی حشام کے پیچھے ہی پڑ گئیں۔تب حشام نے نہایت بے چارگی سے نگاہیں اٹھا کر میری جانب دیکھا تو میرا دل تڑپ اٹھا۔میں یہ بات برداشت

نہیں کرسکتی تھی کہ کوئی بھی میرے حشام کو اتنا کچھ کہے اب چاہے وہ اس کے والدین ہی ہوں۔اس لیے میں نے کہا۔

"آنٹی، آپ بلا وجہ اتنی دیر سے حشام کو ڈانٹ رہی ہیں ان کا میرے بے ہوش ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔انہوں نے تو مجھ سے ایسا کچھ بھی نہیں کہا پتا نہیں کیوں اور کیسے مجھے چکر آگئے لگے شاید میری نیند پوری نہیں ہوئی ہے۔" یہ کہتے ہوئے میں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن سر میں بہت شدید تکلیف ہوئی اور میں دوبارہ بستر پر لیٹ گئی۔

"تم سچ بول رہی ہو، واقعی اس نے کچھ نہیں کیا۔" آنٹی نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔

"بھئی آپ بھی کمال کرتی ہیں خوامخواہ میرے بیٹے کے پیچھے ہی پڑ گئی ہیں۔ جیسے حشام صرف آپ ہی کا بیٹا ہے میرا کچھ نہیں۔" آنٹی کی توپوں کا رخ اب انکل کی جانب ہوگیا۔

”میرا خیال ہے اب مجھے یہاں سے چلے ہی جانا چاہیے۔ورنہ یہ محترمہ میرا پیچھا پکڑ لیں گی۔“ انکل نے ماحول کو خوش گوار بنانے کے لیے مصنوعی طور پر ڈرنے کی اداکاری کی تو سب ہنس پڑے پھر انکل نے ڈاکٹر ذیشان سے کہا۔

”اچھا بھئی ڈاکٹر ذیشان آپ مطمئن ہیں سرمئی کی جانب سے کہ کوئی فکر کی بات نہیں ہے یہ صرف تھکان کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔“

”جی بالکل فی الحال تو میرا یہی خیال ہے لیکن اگر آپ مزید اطمینان چاہتے ہیں تو سرمئی کو کل اسپتال لے آئیے گا ہم کچھ ٹیسٹ لے لیں گے۔“ ڈاکٹر ذیشان نے جواب دیا۔

”انکل میں بالکل ٹھیک ہوں سوری میں نے آپ لوگوں کو بلا وجہ پریشان کردیا اور ڈاکٹر ذیشان آپ کو بھی۔میری وجہ سے ایمرجنسی میں آنا پڑا۔ویسے آپ کو بلایا کس نے تھا۔“ میں نے اس مرتبہ ہمت کی اور اٹھ کر بیٹھ گئی حالانکہ سر میں ابھی بھی درد ہو رہا تھا۔

”ارے نہیں بھئی سوری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔میں صرف ایک ڈاکٹر نہیں، اس فیملی کا دوست بھی ہوں اور ویسے بھی اس وقت اسپتال میں نہیں

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تھا بلکہ گھر پر ہی تھا۔مجھے حشام کا فون آیا تھا یہ بہت گھبرائے ہوئے تھے اور مجھے فوری پہنچنے کے لیے کہا اور مزید کچھ بھی بتائے بغیر فون بند کردیا۔ میں تو یہ سمجھ کر دوڑا چلا آیا کہ اللہ نہ کرے حشام کو تو کچھ نہیں ہوگیا۔“ ڈاکٹر ذیشان نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا۔

”اچھا اگر حشام میرا نام لے کر آپ کو بلاتے تو آپ نہ آتے۔“ میں نے کہا تو وہ ہنس پڑے اور بولے۔

”نہیں بھئی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔مجھے آپ اور حشام دونوں ہی بہت عزیز ہیں پھر کھڑے ہوئے اور بولے۔

”تو پھر میں چلتا ہوں اور طلال صاحب آپ اور آنٹی آپ دونوں بھی چل کر آرام کریں۔جس طرح حشام کی تسلی اور صحت یابی کے لیے سرمئی کا وجود ضروری ہے اسی طرح ان محترمہ کے اصلی ڈاکٹر ہونے کا کردار اب حشام ادا کریں گے ابھی ایک گھنٹے بعد آپ آکر دیکھیے گا یہ بالکل فٹ فاٹ ہوں گی۔“ انہوں نے شوخ نگاہوں سے میری جانب دیکھا تو میں نے جھینپ کر سر جھکا لیا۔

پھر ایک ایک کر کے سب ہی کمرے سے رخصت ہوگئے آنٹی نے جاتے ہوئے مجھ سے پوچھا کہ تمہیں جوس یا دودھ کچھ چاہیے تو میں بجھوادوں۔ تو میں نے منع کردیا کہ دل نہیں چاہ رہا۔ بعد میں لے لوں گی۔ سب کے جانے کے بعد کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ میں حشام کے بیڈ پر بیٹھی تھی اور حشام میرے نزدیک کھڑے تھے۔ میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس جان لیوا خاموشی سے گھبرا کر سر اٹھا کر دیکھا تو حشام ایک ٹک میری جانب دیکھ رہے تھے۔ حشام کی سیاہ آنکھیں میرے اوپر تھیں میں نے ایک لمحہ کو ان آنکھوں میں جھانکا اور گھبرا کر نگاہیں جھکالیں مجھے ان میں بہت کچھ دکھائی دے گیا۔ پیار، عشق اور الفت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر، پشیمانی اور بہت کچھ...!

حشام دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے میری جانب آئے اور میرے نزدیک بیٹھ گئے۔ پھر اپنے دونوں بازو میری جانب بڑھائے اور مجھے بانہوں میں بھر لیا۔ وہ سر تا پا محبت کا اس کے انگ انگ سے مجھے صرف ایک ہی صدا سنائی دے رہی تھی۔ میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں تم میری زندگی ہو۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اس کی آنکھوں سے گرم گرم پانی بہہ نکلا اور میری پیشانی پر ٹپک گیا۔ اس کے لب خاموش تھے لیکن خاموشی کی یہ زبان بہت طاقت ور ہوتی ہے۔ اس کے آنسو شاید پشیمانی کا اظہار تھے یا شاید دکھ کے۔

ہمارے دل بہت تیزی سے دھڑک رہے تھے۔ دھڑکنیں قابو میں نہیں تھیں اور بے تابی سے اتھل پتھل ہوئی دھڑکتے دل کی مدھر لے محبتوں کا اظہار ہی تو ہوتی ہے اور یہ سب کہے جانے والے ہر جملے اور ہر لفظ سے زیادہ متاثر کن ہوتا ہے۔

وہ اور اس کی بے پناہ محبت میرے اندر کچھ اس طرح سے رچ بس گئی تھی کہ وہ کسی طور میری زندگی سے نہیں نکل سکتا تھا۔ حشام تھا تو سرمئی تھی۔ سرمئی تھی تو حشام تھا۔

پھر جب بے تاب دھڑکنوں کو قرار آیا تو وہ لرزتے اور بھاری لہجے میں بولا۔

”تمہیں کیا ہوا تھا؟ کیا میں نے تمہیں دکھ پہنچایا ہے اگر ایسا ہے تو مجھے معاف کردو۔ میں شاید اپنی محبت کو لے کر خود غرض ہوگیا تھا تمہارے لیے فکر مند ہوگیا تھا تم بہت بہادر ہو سرمئی کہ تم نے میرے لیے وہ سب

بڑے صبر سے برداشت کیا لیکن میں۔“ اتنا کہہ کر وہ رک گیا۔آنسوؤں کا گولہ اس کے حلق میں اٹک سا گیا تھا۔اس کی آواز بند ہو گئی۔اس نے تھوک نگلا پھر رندھی ہوئی آواز میں بولا۔

”اگر خدانخواستہ کبھی تمہارے ساتھ ایسا ہوا تو میں کچھ بھی برداشت نہیں کرسکوں گا۔تمہاری محبت میں‘ میں بہت کمزور ہوں۔جی نہیں سکوں گا۔مر جاؤں گا۔میں مرجاؤں گا۔میری جان... تم جان ہو حشام کی‘ زندگی ہو‘ تمہاری ہنسی‘ تمہاری آواز‘ تمہاری سانسوں کی مہک‘ تمہارے جسم کے ہر مسام سے پھوٹنے والے پسینے کی خوشبو میرے لیے آکسیجن کا کام دیتی ہے۔میں اس سے زیادہ اور کیا کہوں آج کے بعد میں کبھی تمہارے اور تمہارے ارادوں کے درمیان نہیں آؤں گا۔تمہارا جو جی چاہتا ہے تم وہ کرو لیکن اگر...!“ اور وہ کچھ نہ کہہ سکا۔اس نے اور شدت کے ساتھ بھینچ کر مجھے اپنے سینے سے سمو لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

حشام کے رونے سے میری روح بھی تڑپ اٹھی۔میں نے مچل کر اس کی بانہوں سے نکلنا چاہا تو اس نے اور شدت سے مجھے اپنے اندر جذب کرلیا۔

”حشام پلیز مجھے چھوڑیں۔“ میں نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا تو اس نے میرے کان پر اپنے لب رکھتے ہوئے کہا۔

”پہلے بتاؤ کہ مجھ سے ناراض تو نہیں ہو۔“

”نہیں۔“ میں نے کہا تو اس نے اپنے بازو میری کمر کے گرد سے ہٹا کر میرا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالوں میں بھر لیا اور محبت کی مہر ثبت کرنے لگا۔جب وہ مزید آگے بڑھا تو میں نے تڑپ کر اسے روک دیا۔

”بس حشام‘ پلیز۔“ میں اس سے کھسک کر دور ہٹ گئی۔

”سوری۔“ اس نے نگاہیں جھکا کر آہستہ سے جواب دیا۔

”حشام مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔“ میں نے کہا تو حشام بری طرح چونک پڑا۔اس کے چہرے پر سراسیمگی سی پھیل گی۔وہ پریشان تھا کہ میں نجانے کیا کہنے والی ہوں۔

”سوری تو میں بھی آپ سے کرنا چاہتی ہوں جو کچھ آپ نے مجھ سے کہا سمجھ لیں وہی سارے الفاظ آپ کے لیے میرے دل میں بھی ہیں۔میں صرف آپ کی خوشی چاہتی ہوں۔جیسا آپ کہیں گے میں ویسا ہی کروں گی آپ اگر یہ

چاہتے ہیں کہ میں صرف ایک اچھی بیوی بن کر آپ کے گھر میں رہوں تو میں ایسا ہی کروں گی۔اپنی پوری خوشی اور ایمانداری کے ساتھ۔" میں نے کہا تو لمحہ بھر میں حشام کا موڈ بدل گیا اور وہ اپنے پرانے شوخ روپ میں آگئے اور بولے۔

"بھئی ابھی تو ہمارا نکاح بھی نہیں ہوا اور تم نے بیویوں والے عہد و پیمان بھی شروع کردیے لگتا ہے مجھ سے زیادہ تم بے چین ہو رہی ہو' ذرا دیکھو تو سہی کتنے مزے سے میرے بیڈ پر قبضہ جمائے بیٹھی ہو اور میں بے چارہ کب سے کھڑا ہوں۔اچھا چلو ایسا کرتے ہیں ہم دونوں یہاں ساتھ ہی سوجاتے ہیں۔" وہ مزے سے بیڈ پر پھیل کر لیٹتے ہوئے بولا۔

"حشام کے بچے میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔" میں چیخ مارتے ہوئے ایک چھلانگ مار کر بیڈ سے نیچے اتر آئی جواب میں حشام کا زور دار قہقہہ بلند ہوا۔

"ماشاء اللہ بڑی پھرتی آگئی ہے کیا چھلانگ لگائی ہے بھئی۔" اس نے کہا تو میں بری طرح شرما گئی۔میں اسے کیسے بتاتی کہ وہ جب جب پیار سے میرے قریب ہوتا ہے تو میری کیا حالت ہوتی ہے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اس کمرے سے شور کی آوازیں سن کر آنٹی دوڑی ہوئی آئیں لیکن جب انہوں نے مجھے اور حشام کو ہنستے ہوئے دیکھا تو مسکرانے لگیں اور بولیں۔

"اللہ کا شکر ہے کہ سب ٹھیک ہے تم دونوں نے تو مجھے بری طرح دہلا دیا تھا نجانے شیطان نے اس ذرا سی دیر میں میرے دل میں کتنے وسوسے پیدا کردیے تھے۔"

"حیرت ہے امی آپ ماں ہو کر بھی حشام کو نہیں پہچان پائیں جب کہ میں چند سالوں میں ہی ان کی رگ رگ سے واقف ہوچکی ہوں۔" میں نے شرارت سے حشام کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو دراصل تمہاری اور میری نگاہ میں فرق ہے۔" آنٹی نے کہا اور فوراً ہی کمرے ہی چلی گئیں۔تم نے دوا لی؟" حشام نے اچانک پوچھا۔

"نہیں' اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔میں بالکل ٹھیک ہوں اور آرام کرنے جارہی ہوں۔" میں نے کہا۔

میں نے گیسٹ روم میں آکر اے سی آن کیا دروازہ اندر سے لاک کیا اور بستر پر لیٹ گئی اور لمحوں ہی میں، میں نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔

ہر جانب فائرنگ ہو رہی ہے خوب افراتفری مچی ہوئی ہے اچانک لائٹ چلی گئی اندھیرا ہو گیا اور اس اندھیرے میں، میں چیخ چیخ کر حشام کو آوازیں دے رہی ہوں۔ نجانے کہاں سے حشام میرے سامنے آگیا اس نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک شخص ہاتھ میں پستول لیے ہوئے سامنے آیا اور اس نے ڈانٹ کر حشام سے کہا کہ وہ میرا ہاتھ چھوڑ دے میں نے دیکھا وہ نواب سطوت تھا۔

”نہیں میں اس کا ہاتھ نہیں چھوڑوں گا۔“ حشام نے مجھے اپنے پیچھے کرلیا اور خود سینہ تان کر سامنے آگیا تب ہی میں نے شمروز بھائی کو دیکھا جو مجھے اور حشام کو نواب سطوت سے بچانے کے لیے سامنے آگئے نواب نے حشام کو مارنا چاہا لیکن وہ گولی شمروز بھائی کو لگ گئی اور وہ زمین پر گر پڑے۔ساری زمین ان کے خون سے تیزی سے رنگین ہو رہی تھ۔

”بھائی... بھائی...!“ میں دیوانہ وار ان کی جانب لپکی حشام مجھے چھوڑ کر نواب کے پیچھے بھاگے لیکن وہ غائب ہوچکا تھا۔ پھر لائٹ آگئی ہر جانب روشنی پھیل گئی اور میں نے دیکھا کہ شمروز بھائی کے ہاتھ میں ایک سرخ رنگ کا زرتار دوپٹا ہے اور شمروز بھائی اسے سینے سے لگائے ہوئے اکھڑے اکھڑے سانس لے رہے ہیں اور پھر ان کی گردن ڈھلک گئی۔

”بھائی... بھائی... ہوش میں آئیں۔“ میں بری طرح چیختے ہوئے رو رہی تھی اور گھبرا کر میری آنکھ کھل گئی۔

میں نے محسوس کیا کہ میں سچ مچ رو رہی تھی اور میرا سارا جسم لرز رہا تھا۔ پسینے سے شرابور تھا۔

اماں سے سنا تھا کہ برا خواب دیکھا تو بائیں جانب تین مرتبہ تعوذ یا لاحول پڑھ لیا کرو۔خواب کے برے اثرات سے محفوظ رہتے ہیں۔

میں نے ایک بہت ہی بھیانک خواب دیکھا تھا۔شمروز بھائی نے مجھے اور حشام کو نواب سطوت کے عتاب سے بچایا تھا اور خود اس کا نشانہ بن گئے تھے لیکن وہ سرخ زرتار دوپٹا کس کا تھا جو مرتے مرتے بھی شمروز بھائی نے اپنے

سینے سے لگا رکھا تھا لیکن شمروز بھائی۔میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا پھر مجھے حشام کا خیال آیا اللہ نہ کرے کہ نواب سطوت حشام کو دوبارہ نقصان پہنچانے کی کوشش کرے مجھے سو فیصد یقین تھا کہ پہلی مرتبہ بھی نواب سطوت ہی نے میرے حشام کے ساتھ دشمنی کی تھی۔

اچانک میرا دل حشام کو دیکھنے کے لیے مچل اٹھا۔میں تیزی سے بستر سے اٹھی لیکن چلتے چلتے رک گئی گھڑی میں ٹائم دیکھا رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔

کیا اس وقت حشام کے روم میں جانا مناسب ہوگا۔میں نے سوچا پھر یہ سوچ کر چل دی کہ پہلے بھی تو میں نے ساری ساری رات حشام کے روم میں جاگ کر گزاری ہے۔میں نے پھر قدم اٹھایا تو دماغ نے رکنے کے لیے کہا۔

"پہلے حشام ایک مریض تھا اور تم اس کی تیماردار' لیکن اب وہ بہتر ہے۔

لیکن دل نے بھٹکا دیا کہ سوئے ہوئے حشام کو ایک نگاہ دیکھ کر اپنے دل کا اطمینان حاصل کر کے چپ چاپ لوٹ آؤں گی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں نے ریموٹ اٹھا کر اے سی آف کیا اور دوپٹا اپنے گرد لپیٹ کر لاک کھول کر باہر نکل آئی اتنی رات ہوگئی تھی انکل اور آنٹی بھی اپنے کمرے میں سو رہے ہوں گے زینب بوا بھی اپنے کوارٹر میں چلی گئی ہوں گی میں آہستہ روی سے قدم اٹھاتی حشام کے روم کی جانب آئی۔

حشام کے روم کا دروازہ پورا بند نہیں تھا۔بلکہ تھوڑا سا کھلا ہوا ہے اور اندر لائٹ جل رہی ہے یہ میں نے دور سے ہی دیکھ لیا۔میں سمجھ گئی کہ حشام ابھی سوئے نہیں ہیں جاگ رہے ہیں۔

میں نے سوچا کہ چپ چاپ یہیں سے پلٹ جاتی ہوں حشام جاگ رہے ہیں لیکن پھر سوچا کہ کمرے میں جھانک کر ایک نگاہ حشام کو دیکھ ہی لوں کہ وہ جاگ کر کیا کر رہے ہیں۔میں دبے قدموں آہستہ آہستہ آگے بڑھی اور جیسے ہی دروازے سے اندر جھانکنے کے لیے آگے بڑھی میرے قدم رک گئے۔

اندر سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔میں نے آواز کی سمت کان لگا دیے آواز دھیمی تھی کوئی بہت محتاط ہو کر بول رہا تھا۔میں نے غور کیا تو میں نے محسوس کیا کہ وہ کرنل مشتاق کی آواز ہے۔

کرنل مشتاق اور رات کے اس وقت حشام کے روم میں میں نے حیرت سے سوچا۔

پہلے سوچا کہ یہیں سے پلٹ جاؤں کیونکہ چھپ کر کسی کی باتیں سننا اور تجسس کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

لیکن جب کرنل مشتاق کے منہ سے شمروز بھائی کا نام سنا تو میں سب کچھ بھول گئی اور پوری توجہ سے اندر ہونے والی گفتگو سننے لگی۔

اندر سے جو آوازیں مجھے آ رہی تھیں ان میں حشام، طلال انکل اور ایک اجنبی آواز شامل تھی۔

میں دم سادھے ان لوگوں کی ساری گفتگو سنتی رہی اور جب ان لوگوں نے اٹھ کر جانے کا اعلان کیا تو میں تیزی سے وہاں سے ہٹ گئی اور اس روم میں آگئی جہاں میں سو رہی تھی۔

میں نے دروازہ ایک بار پھر لاک کیا اور اندھیرے میں کھڑکی کھول کر باہر گیٹ کی جانب دیکھنے لگی۔چند ہی لمحوں بعد میں نے طلال انکل کے ہمراہ انکل کرنل مشتاق اور ایک نوجوان لڑکے کو گیٹ کی جانب جاتے ہوئے دیکھا۔کار

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

پورچ میں بلیک کلر کی سوک کھڑی تھی آصف بھی کار کے پاس کھڑے کار کے اندر بیٹھے ڈرائیونگ سیٹ والے شخص سے باتیں کر رہے تھے۔

وہ لوگ کار کے نزدیک آئے اور انکل سے ہاتھ ملا کر کار میں بیٹھ گئے۔تب ہی میری آنکھوں نے اندھیرے سے نکل کر دو اسلحہ بردار آدمیوں کو آتے دیکھا۔جنہوں نے وہاں کھڑی بائیک کو سنبھال لیا۔

پہلے ایک موٹر سائیکل سوار باہر نکلا پھر بلیک سوک نکلی اس کے پیچھے دوسرا موٹر سائیکل سوار بھی نکل گیا۔

ان سب کے جانے کے بعد گیٹ کو بند کردیا گیا۔اندر دو افراد اسلحہ سنبھالے موجود تھے جبکہ آصف یہاں سے پیچھے کی جانب بنے ہوئے زینے کی جانب بڑھ گئے جو سیدھا ٹاپ فلور تک جاتا تھا۔پھر انکل بھی اندر آگئے۔

سیکیورٹی کا اتنا سخت انتظام ہے یہ بات مجھے آج معلوم ہوئی تھی۔صورت حال سنگین ہے یہ تو مجھے معلوم تھا لیکن اتنی زیادہ سنگین ہے اس کا اندازہ مجھے حشام کے کمرے میں ہونے والی گفتگو کو سن کر ہوا تھا۔

بہت سی اہم باتیں تھیں جن سے مجھے انجان رکھا گیا تھا۔اس وقت میری سمجھ میں بہت کچھ آرہا تھا حشام کا کل شام والا رویہ' اس کا مجھ سے ضد کرنا کہ میں گھر بیٹھ جاؤں اور ہمارے ملک میں کیا کیا ہو رہا ہے حشام کے بارے میں میرے اوپر ایک اور بے حد اہم انکشاف ہوا تھا جس کی آج تک حشام نے مجھے ہَوا بھی لگنے نہیں دی۔بظاہر حشام ایک عام سا صحافی تھا ایک معروف نیوز چینل کا نمائندہ لیکن دراصل اس کا تعلق ملک کے ایک اہم حساس ادارے سے تھا۔

آج مجھ پر یہ بھی انکشاف ہوا تھا کہ حشام اپنے ادارے کے لیے یہ خدمت پچھلے کئی سالوں سے انجام دے رہا تھا۔میری نگاہ میں وہ ایک عام شوخ کھلنڈرا سا محبت کرنے والا انسان تھا لیکن اندر سے وہ فولادی اعصاب اور نہایت عقل و فہم کا مالک تھا۔

شمروز بھائی پر ان لوگوں کی پہلے دن سے ہی نگاہ تھی۔وہ شروع سے ان کے لیے مشتبہ تھے۔ان کے علاوہ خفیہ ایجنسی کی انتہائی اہم رپورٹ جو حشام نے مرتب کی تھی اس میں بہت اہم ملکی شخصیات کو بے نقاب کیا گیا تھا دو کا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

تعلق حکومت میں شامل افراد سے تھا۔جن کے براہ راست تعلقات موساد اور را والوں کے ساتھ تھے۔

نواب سطوت کا نام ان کے ساتھ لازم و ملزوم تھا۔اس کے اعلیٰ سطح تک تعلقات تھے اور وہ ان لوگوں سے پیسہ لے کر ملکی مفاد کے خلاف کام کر رہا تھا شمروز بھائی بھی محض اس کے آلۂ کار تھے۔

مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ شمروز بھائی اس وقت ایجنسی کے قبضے میں ہیں اور ان سے تفتیش کے سلسلے میں جو باتیں معلوم ہوئیں ان کی اچھی طرح چھان بین کرلی گئی ہے انہوں نے اپنے بیان میں ایک لفظ بھی جھوٹ نہیں کہا تھا۔

جن لوگوں کی انہوں نے نشاندہی کی تھی وہاں چھاپے مارے گئے لیکن شمروز بھائی کے اغوا ہوتے ہی سب انڈر گراؤنڈ ہوگئے البتہ ایک اہم شخص جو دبئی سے آیا تھا رئیس خان نامی وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوچکا تھا لیکن اس کے ساتھ آئی ہوئی اس کی بیوی جس کا قیام ایک ہوٹل میں تھا اسے ان لوگوں نے اپنے قبضے میں کرلیا ہے۔

یہ بات بھی کلیئر ہو چکی تھی کہ حشام پر جان لیوا حملہ رئیس خان کی ایماء پر کیا گیا تھا اور اس کام میں نواب سطوت ملوث تھا چند اور اہم لوگ بھی ان کے ہاتھ لگے ہیں جنہوں نے بہت اہم انکشاف کیے تھے۔

یہ بات کسی کے علم میں نہیں تھی کہ حشام کا تعلق خفیہ ایجنسی سے ہے لیکن کسی طرح سے یہ بات نواب سطوت یا رئیس خان کے علم میں آگئی خیال یہ ظاہر کیا جا رہا تھا کہ ہمارے نیوز چینل کے بیورو چیف رمضانی صاحب بھی کسی طور ان کے آلہ کار بن چکے تھے۔شاید حشام کے بارے میں انہوں نے ہی بتایا تھا۔

رمضانی صاحب کو بھی گرفتار کر کے نامعلوم مقام پر منتقل کردیا گیا تھا اور ہمارا نیوز چینل بند کردیا گیا ہے۔

میں تو صرف حشام کے گرد ہی اس کی صحت یابی کو لے کر فکرمندی سے گھومتی رہی اور مجھے کسی بات کا پتا ہی نہیں چلا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

شمروز بھائی کے بارے میں یہ بھی معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو یہ تو یقین ہو گیا تھا کہ شمروز بھائی نواب سطوت کے ساتھ صرف اس لیے تھے کہ وہ اپنے طور پر شاید اسے سزا دینا چاہتے تھے لیکن

وہ گناہ گار تو تھے۔ان کے بارے میں کیا فیصلہ کیا جانا تھا اس کا فیصلہ ابھی نہیں کیا گیا تھا۔وہ ایک طرح کی جیل میں تھے ان کے قبضے میں تھے اور باہر کی دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

نواب سطوت بھی غائب تھا۔دبئی میں بھی اس کو تلاش کیا گیا لیکن وہاں بھی اس کی موجودگی کے شواہد نہیں ملے خیال یہ ظاہر کیا جا رہا تھا کہ رئیس خان اور نواب سطوت ایک ساتھ ہی فرار ہوئے ہیں۔

سرجانی ٹاؤن میں خفیہ ایجنسی کے بندے اس کے روحانی سینٹر گئے تھے لیکن وہاں موجود بندوں نے نواب کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا تھا اور بمشکل روحانی سینٹر کی تلاشی لینے دی البتہ اس کی کوٹھی پر چھاپہ مار کر چند بندوں کو گرفتار کیا گیا ہے وہاں سے کئی خواتین بھی ملی تھیں جن میں تین خواتین غیر مسلم تھیں۔ایک ہندو اور دو خواتین یہودی تھیں۔شمروز بھائی کے روم کی بھی

تلاشی لی گئی اور ان کی چھپائی ہوئی یو ایس بی ان کی نشاندہی پر حاصل کر لی گئی ہے۔

کرنل مشتاق اور وہ اجنبی شخص جس کو انہوں نے فہیم کہہ کر مخاطب کیا تھا حشام اور طلال انکل کو ان باتوں کی رپورٹ دینے کے لیے آئے تھے۔اب تو مجھے طلال انکل پر بھی شک ہونے لگا تھا کہ یقیناً ان کا تعلق بھی اسی ایجنسی سے ہے۔

اسپتال میں طلال انکل نے کرنل مشتاق کو اپنا دوست ظاہر کر کے بلوایا تھا اور مجھ سے ملوایا تھا۔ڈاکٹر ذیشان کو یقیناً اس بارے میں اعتماد میں لیا گیا ہوگا جب ہی انہوں نے اتنے بھرپور طریقے سے تعاون کیا تھا۔

میرے بارے میں ان لوگوں کو یقین تھا کہ میں نیند کی دوا کے زیر اثر گہری نیند سو رہی ہوں آنٹی بھی ان سب معاملات سے بالکل بے خبر تھیں۔اس پورے بنگلے میں اور کوئی موجود نہیں تھا اس لیے وہ لوگ اتنی اہم باتیں اتنے اطمینان سے کر رہے تھے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

مجھے ایک خوش خبری بھی ملی اور وہ یہ کہ حشام اب مکمل طور پر صحت یاب ہے اور یہ بھی کہ وہ اتنے شدید زخمی نہیں ہوئے تھے جتنے ظاہر کیے گئے تھے اور اب بھی یہی ظاہر کیا جا رہا ہے جیسے وہ مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہیں۔

مجھے شاید ان لوگوں نے ایک کمزور اور کم عقل عورت سمجھ کر تمام باتوں سے بے خبر رکھا تھا لیکن میں نے اس بات کا برا نہیں مانا تھا۔میں نے بقیہ رات جاگ کر سوچتے سوچتے گزار دی۔حد یہ کہ اذان فجر ہونے لگی۔میں نے نماز ادا کی اور روم سے باہر نکل آئی۔ابھی رات کی سیاہی کی چادر کو کاٹ کر اجالے کی کرنیں دنیا میں پھیلنی شروع ہوئی تھیں سورج نہیں طلوع ہوا تھا۔صبح کی تازہ اور ٹھنڈی ہَواؤں نے مجھے مکمل طور پر فریش کردیا۔

میں نے نوٹ کیا کہ رات کو گیٹ اور لان میں گشت کرنے والے اسلحہ بردار مجھے اب دکھائی نہیں دے رہے تھے۔شاید وہ صرف رات کے وقت پہرے پر ہوتے ہوں گے۔

اس وقت میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے پندرہ دن یہاں آئے ہوئے ہوگئے ہیں میں آج ہی گھر واپس چلی جاؤں گی کتنے دنوں سے امی اور اماں گھر میں تنہا

ہیں اب مجھے حشام کی کوئی فکر نہیں تھی۔ میں پوری طرح ان کی صحت کی جانب سے مطمئن تھی لیکن اب اہم انکشاف ہونے کے بعد ان کی سلامتی کی جانب سے ایک دوسری فکر لگ گئی تھی لیکن اس سلسلے میں مجھے اپنے رب پر مکمل بھروسا تھا میں دن و رات اللہ سے اپنے حشام کی سلامتی کی دعائیں کرتی رہوں گی نگہبانی کرنے والا تو رب العالمین ہی ہے۔ ہمارا کام تو صرف اس کے آگے ہاتھ پھیلا کر دعا کرنا ہے۔

میں سوچوں میں گم تھی تب آہٹ پر نگاہ اٹھا کر دیکھا تو طلال انکل آرہے تھے وہ بھی نماز سے فارغ ہو کر صبح کی چہل قدمی کے لیے لان کی سبز اور شبنم سے بھیگی گھاس پر آرہے تھے۔

"ارے بیٹا تم اٹھ گئیں؟" انہوں نے خوش گوار حیرت سے پوچھا۔

"جی انکل السلام علیکم۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام جیتی رہو۔" انہوں نے قریب آکر میرے سر پر ہاتھ رکھا اور بولے۔

"رات نیند تو اچھی آئی نا' اب طبیعت کیسی ہے کمزوری تو فیل نہیں ہو رہی؟"

"الحمدللہ۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آج سوچا کہ لان کی صبح کی سیر کرلی جائے۔" میں نے کہا۔

"بہت اچھا کیا۔ صبح جلدی بے دار ہو کر نماز فجر سے فارغ ہو کر صبح کی تازہ ہَوا میں تھوڑی چہل قدمی کر لی جائے تو سارا دن فریش گزرتا ہے۔" انہوں نے میرے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"آپ یقیناً ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن انکل ہم لوگ جس طرح کی زندگی گزار رہے ہیں وہاں ان کاموں کے لیے فرصت ہی کہاں ملتی ہے رات گئے تک کام کرنا دیر سے سونا' کبھی ٹائم پر سو بھی جائیں تو رات میں بار بار مختلف خبروں کی وجہ سے بے آرام رہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صبح دیر تک سوتے ہیں اور پھر اٹھ کر یہ کہتے ہوئے بنا ناشتہ کیے ہی بھاگ پڑتے ہیں کہ دیر ہوگئی کم از کم میری لائف کا روٹین تو اسی طرح کا ہے۔" میں نے کہا۔

"اب دیکھو حشام بھی تمہاری ہی طرح مصروف رہتا تھا لیکن میں نے بچپن ہی سے اس کی یہ عادت بنائی ہے کہ وہ رات کو جتنی بھی دیر میں سوئے یا کتنا ہی کم سوئے لیکن فجر کی نماز کے لیے

ہمیشہ بے دار ہوجاتا ہے اور پھر نماز کے بعد جاگنگ اس کا معمول ہے۔"

"اور آپ کا بھی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں میرا بھی۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے ہی جواب دیا پھر بولے۔

"پہلے میں اور حشام ساتھ ہی نکلتے تھے لیکن جب سے حشام کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا ہے میری لائف پوری کی پوری ڈسٹرب ہوگئی ہے۔ ہر چیز معمول سے ہٹ گئی ہے اور اب جب سے حشام اسپتال سے گھر شفٹ ہوا ہے میں صبح نماز فجر کے بعد صرف اپنے لان میں ہی چہل قدمی کرلیتا ہوں۔"

"تو انکل آپ حشام کو بھی ساتھ لے لیا کریں، وہ تو اب بالکل ٹھیک ہیں۔" میں نے کہا تو انکل نے چونک کر میری جانب دیکھا اور چند لمحوں تک وہ میرے چہرے اور آنکھوں میں نجانے کیا کھوجتے رہے پھر بولے۔

"ہوں، ان شاء اللہ وہ جلد اپنے پرانے معمولات پر آجائے گا۔"

"ان شاء اللہ۔" جواباً میں نے کہا تو وہ سر ہلانے لگے۔ چند منٹ خاموشی کی نذر ہوگئے انکل کسی گہری سوچ میں گم تھے تب ہی میں نے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"انکل میں سوچ رہی ہوں کہ اب تو حشام باکل ٹھیک ہے اور انہیں میری ہیلپ کی ضرورت بھی نہیں ہے میں اب گھر چلی جاتی ہوں اماں اور امی اکیلی ہیں۔"

"کیا بات ہے کیا تم دونوں کے درمیان واقعی کوئی ناراضگی ہوگئی ہے اگر کوئی ایسی بات ہے جو تم مجھ سے شیئر کرسکتی ہو تو ضرور کرو۔ مجھے تم اپنا بہترین مشیر پاؤ گی۔" انہوں نے کہا۔

"ارے نہیں انکل۔" میں ایک دم ہنس پڑی۔ "ایسی واقعی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم میں وقتی طور پر کسی بات پر اختلاف ضرور ہوسکتا ہے لیکن ناراضی نہیں اور آپ میرے اور حشام کے ریلیشن سے اچھی طرح واقف ہیں ہم اگر ناراض ہوگئے تو مرجائیں گے۔" میں نے صاف دلی سے کہا۔

"تم بہت پیاری بیٹی ہو اور مجھے خوشی ہے کہ حشام نے تم جیسی اچھی اور پیاری لڑکی کا انتخاب کیا ہے۔ ٹھیک ہے اگر تم گھر جانا چاہتی ہو تو ضرور جاؤ میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ ویسے ابھی تم نے کہا تھا کہ امی اور اماں اکیلی ہیں تو بیٹا وہ اکیلی کہاں ہیں وہ تو دوکیلی ہیں۔" انکل نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا

تو میں بھی ہنس پڑی۔ آج کتنے عرصہ کے بعد میں نے انکل کو یوں کھل کر ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔انکل چلتے چلتے رک گئے اور میری جانب رخ کر کے میرے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

”میں اور تمہاری آنٹی بہت جلد روشن بہن کے پاس آئیں گے اور تمہیں ان کی اجازت سے اپنے حشام کی دلہن بنا کر ہمیشہ کے لیے اپنے گھر لے آئیں گے۔ تمہیں پتا ہے مجھے تمہاری آنٹی کو اور اس گھر کے در و دیوار کو تمہاری پیاری سی ہنسی تمہاری آواز سے تمہارے چلنے پھرنے کی سرسراہٹوں کی عادت سی ہوگئی ہے۔تم یہاں تھیں تو بہت رونق تھی اور ہم اب اس رونق کو اپنے گھر لانے میں دیر نہیں کریں گے۔“

انکل نے اتنے پیار سے یہ باتیں کیں کہ میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔میرا شدت سے جی چاہا کہ میں انکل کے پرشفقت سینے سے جہاں میرے لیے ایک باپ کی محبت کے جذبات لیے دل دھڑک رہا ہے۔سر رکھ دوں اور اپنی ہر آرزو ہر حسرت کو اپنے آنسوؤں کے ذریعے باہر نکال دوں کہ مجھے ایک باپ مل گیا ہے۔سسر کا بھی تو وہ محترم رشتہ ہے جو کبھی نہیں ٹوٹ سکا۔چاہے

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

عورت بیوہ ہوجائے یا طلاق ہوجائے وہ شخص جو اس کا سسر رہ چکا ہے وہ ہمیشہ کے لیے نامحرم ہو گیا۔

لیکن ابھی انکل میرے سسر نہیں بنے تھے۔اس لیے میں نے ان سے فاصلہ قائم رکھا۔انکل بولتے رہے اور میں سنتی رہی۔روشنی اب پوری طرح پھیل چکی تھی۔سورج نے اپنا رخ روشن زمین کی جانب کرلیا تھا۔تب میں نے آنٹی اور زینب بوا کو آتے ہوئے دیکھا۔زینب بوا نے چائے کی ٹرے تھام رکھی تھی اور آنٹی ان کے پیچھے پیچھے آرہی تھیں۔

”میں نے سرمئی کے روم میں جھانکا وہ وہاں نہیں تھی تو میں سمجھ گئی کہ تم یقیناً لان میں اپنے انکل کے ساتھ ہوگئی۔اس لیے یہیں چائے لے آئی۔“ آنٹی نے نزدیک آکر کہا اور ہم لان میں بچھی کرسیوں پر جا کر بیٹھ گئے۔درمیان کی ٹیبل پر زینب بوا نے ٹرے رکھ دی اور میں چائے مگ میں نکال کر انکل کو دینے لگی۔

زینب بوا ناشتا بنانے کے لیے چلی گئی تب انکل نے میرے جانے کے بارے میں آنٹی کو بتایا تو وہ تھوڑے پس و پیش کے بعد مان گئیں۔میں نے ایک

بات نوٹ کی کہ جیسے انکل خود چاہ رہے تھے کہ میں اب گھر واپس چلی جاؤں وہ ایسا کیوں چاہ رہے تھے۔یہ بات بعد میں میری سمجھ میں آگئی تھی اور مجھے اس سے بھی بڑی حیرت ہوئی جب میں نے اپنے جانے کا ذکر حشام کے سامنے کہا تو وہ بھی بڑی جلدی مان گیا لیکن میں نے اس بات کا برا نہیں منایا اور سمجھ گئی کہ ضرور اس کے پیچھے کوئی بات پوشیدہ ہے۔جس طرح کل رات میں نے کرنل مشتاق کو رات میں یہاں آتے دیکھا اور ان کی باتیں سنیں، ہوسکتا ہے اسی سلسلے میں کچھ اور ہونے والا ہے اور انکل اور حشام نہیں چاہتے کہ میں یہاں موجود رہوں۔انہیں اس بات کا علم نہیں تھا۔میں ان کے بہت سے راز جان چکی ہوں۔

میں نے اپنا سارا سامان پیک کیا اور جانے کے لیے تیار ہوگئی تب آنٹی نے بھی مجھ سے ویسی ہی باتیں کیں جیسی انکل نے صبح لان میں کی تھیں۔

میں کار پورچ میں آئی تو کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر میں نے آصف کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔سلام کی رسمی کارروائی ادا کرنے کے بعد میں پچھلی نشست پر بیٹھ

گئی۔میری نگاہیں اندر کی جانب تھیں۔جہاں حشام کھڑے تھے میں نے اپنا دایاں ہاتھ آہستہ سے اوپر اٹھایا تو جواب میں حشام نے بھی ہاتھ اوپر کیا اور تیزی سے اندر چلے گئے میں نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنا رخ سیدھا کرلیا اور کہا۔

”چلیے آصف۔“ میں نے اپنی آنکھیں موند لیں اور سیٹ کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر سر بھی ٹکا دیا۔لیکن آصف نے گاڑی آگے نہیں بڑھائی تو میں نے اپنی آنکھیں کھول دیں کہ کیا وجہ ہے کہ آصف نے گاڑی آگے نہیں بڑھائی۔تب ہی میری نگاہ بیک مرر پر پڑی۔آصف کی گہری نگاہیں میرے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی یہ تیز اور گہری نگاہیں میرے اندر اتر رہی ہیں۔میں نے گھبرا کر اپنی نگاہیں جھکا لیں اور کچھ نہ کہہ سکی تب آصف کی آواز میرے کان میں آئی وہ مجھ سے پوچھ رہے تھے۔

”کیسی ہیں آپ؟ بہت دنوں بعد دکھائی دی ہیں۔خاصی کمزور لگ رہی ہیں۔ لگتا ہے حشام کی دل سے تیمارداری کی ہے۔“ مجھے ان کے لہجے میں ہلکے سے

طنز کی چبھن محسوس ہوئی اس لیے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے کہا۔

"آپ کیوں ڈرائیو کر رہے ہیں آپ کو یہیں رہنا چاہیے میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاتی۔"

"میں ہی تو ہوں آپ کا ڈرائیور، اتنی جلدی بھول گئیں۔" اس کے لہجے میں ہلکا سا شکوہ اتر آیا۔

"نہیں... وہ... میرا مطلب تھا کہ آپ کی تو یہاں ڈیوٹی لگی ہے نا۔" میں نے گڑبڑا کر کہا۔

"وہ ڈیوٹی بھی پاپا نے لگائی تھی اور یہ ڈیوٹی بھی پاپا نے لگائی ہے اور پھر جو ڈیوٹی بندے کو دل سے پسند ہو اس پر تو وہ خوشی سے سر تسلیم خم کردیتا ہے۔" آصف نے بدستور مجھے اپنی نگاہوں کی گرفت میں لیے ہوئے کہا میری نگاہیں ایک لمحہ کے لیے بیک مرر کی جانب اٹھیں پھر جھک گئیں۔میں ان کے لفظ پاپا کہنے پر چونک گئی کہ ان کا اشارہ کس کی جانب ہے وہ کس کو پاپا کہہ رہے ہیں۔

"پاپا، کون پاپا؟ آپ کس کی بات کر رہے ہیں۔" میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"کرنل مشتاق اور کون وہی تو ہیں میرے پاپا اور انہوں نے پہلے ہی دن سے آپ کی سیکیورٹی کی ذمہ داری مجھے سونپی تھی۔" اس نے بھی اس بات پر حیرت کا اظہار کیا گویا کہہ رہا ہو کہ تعجب ہے تم کو یہی نہیں معلوم کہ میں کون ہوں۔

"آپ مشتاق انکل کے بیٹے ہیں، حیرت ہے مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں میں تو یہ سمجھتی تھی کہ آپ ان کی سیکیورٹی ایجنسی میں شامل ہوں گے۔"

"اگر یہ بات آپ کو پہلے بھی معلوم ہوتی تو اس سے کیا فرق پڑ جاتا آپ کی نگاہوں میں میری حیثیت تبدیل تھوڑی ہوجاتی۔وہی رہتی جو اب ہے جبکہ میں تو...!" وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا اور پھر بڑی تیزی کے ساتھ گیٹ سے باہر نکال لایا اس نے تیزی سے ہی گاڑی کو ٹرن دے کر روڈ کی جانب لایا اور پھر جیسے گاڑی روڈ پر پرواز کرنے لگی۔میں نے

ایک بار پھر بیک مرر کی جانب دیکھا اس نے سختی کے ساتھ اپنے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور نگاہیں ونڈ اسکرین سے باہر روڈ پر جمی ہوئی تھیں۔

یا الٰہی یہ کل سے میرے اوپر کیسے کیسے انکشافات ہو رہے ہیں۔رات حشام کی ذات کے اوپر سے پردے ہٹے تو آج آصف کے بارے میں معلوم ہوا کہ آصف' کرنل مشتاق کے بیٹے ہیں۔آج مجھے شدت سے اس بات کا احساس ہوا کہ کرنل مشتاق نے میری سیکیورٹی کی ذمہ داری کو کتنا اہم سمجھا تھا اور اس کے لیے سب سے زیادہ قابل اعتماد انہیں اپنا بیٹا ہی دکھائی دیا میرے دل میں خود بخود انکل مشتاق اور آصف کے لیے ڈھیر ساری عزت امڈ آئی اور میں نے کہا۔

"آصف میں آپ کی بے حد عزت کرتی ہوں...!"

"صرف عزت...!" اس نے میری بات کاٹ کر تیزی سے کہا اور اتنی ہی تیزی سے ایک دم بریک لگا دیا۔میں جھٹکے سے آگے کی جانب جھک گئی اور میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"اف۔" اس نے دوبارہ گاڑی آگے بڑھا دی اور بولا۔

"نہ کریں عزت' میں آپ سے عزت لے کر کیا کروں گا' ہنہ عزت۔کیا ہوگا اگر آپ مجھے صرف ایک ڈرائیور ہی سمجھیں۔" مجھے اس لمحے اس کے چہرے پر عجیب سا غصہ اور جنون دکھائی دیا۔وہ خطرناک حد تک تیز ڈرائیونگ کر رہا تھا۔میں اسے دیکھ کر خوف زدہ ہوگئی اور کہا۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔میں آپ کو ڈرائیور کیوں سمجھوں گی میں آپ کے بارے میں جانتی ہوں۔" میں نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا جانتی ہیں آپ میرے بارے میں' میرے دل کے بارے میں...!" اس نے پھر اچانک ہی بریک لگا کر گاڑی روکی اور پیچھے مڑ کر بولا۔

میں حقیقت میں سہم گئی تھی میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آج اس کو کیا ہوگیا ہے اس کا رویہ' اس کی باتیں سب مجھے خوف زدہ کر رہی تھیں۔پیچھے روڈ پر ٹریفک ہمارے پیچھے رکنا شروع ہوگیا۔

گاڑیوں نے ہارن بجانے شروع کردیے۔

"پلیز آپ گاڑی چلائیں دیکھیں پیچھے ٹریفک رک رہا ہے۔" میں نے ایک نگاہ گردن موڑ کر پیچھے دیکھا اور کہا۔

"نہیں پہلے آپ جواب دیں کہ آپ کیا جانتی ہیں میرے بارے میں' میرے دل کے بارے میں۔" اس نے کہا اور پھر کسی خیال کے تحت اس نے پھر گاڑی بڑھا دی لیکن اپنی رفتار آہستہ رکھی اس نے گاڑی سائیڈ میں رکھ کر پیچھے سے آنے والی ٹریفک کو راستا دیا۔

آصف کی بات سن کر میں شاکڈ رہ گئی۔یہ آصف نے کس قسم کا سوال کردیا۔ پہلے بھی کئی مرتبہ مجھے ایسا احساس ہوتا رہا تھا لیکن بعد میں' میں نے اس کو اپنا وہم سمجھ کر اپنے ذہن سے جھٹک دیتی تھی۔لیکن آج آصف نے کھل کر اس کا اظہار کردیا تھا۔

ابھی میں آصف کی بات کا جواب نہ دے سکی تھی کہ آصف نے اپنے کان میں لگے چھوٹے سے تار کے ساتھ لگے ایک بٹن کو پش کیا کسی کی بات سنی اور پھر گاڑی ہَوا سے باتیں کرنے لگی۔

اور پھر بقیہ راستا نہ آصف نے مجھ سے کوئی بات کی نہ میں نے اس کی بات کا جواب دیا حد یہ کہ میر گھر آگیا۔ہم جیسے ہی گیٹ پر پہنچے فوراً ہی گیٹ کھل گیا عثمان گیٹ پر الرٹ تھا یا پھر پیچھے سے ان کا رابطہ کسی سے تھا اور

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

انہوں نے گاڑی آتے ہی گیٹ کھول دیا اور ہم بنا رکے اندر پہنچ گئے عثمان نے گیٹ بند کیا یہاں مجھے ایک نیا چہرہ دکھائی دیا جو یقیناً آصف کی جگہ آیا تھا۔

آصف گاڑی سے اتر کر اس نئے شخص کے قریب گئے اور گاڑی کی چابی اس کے حوالے کردی اور خود مجھ سے کوئی بات کیے بنا تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر چلے گئے۔

میں ابھی تک آصف کی باتوں اس کے رویے سے گم صم سی تھی۔تب ہی اماں اور امی دروازہ کھول کر باہر نکل آئیں میں نے اپنا بیگ اٹھایا تو اس دوسرے شخص نے میرے ہاتھ سے بیگ لے کر کہا۔"آپ اندر جائیں میں لے آؤں گا۔"

میں امی اور اماں کی جانب لپکی اور ان سے یوں جا لپٹی جیسے برسوں سے بچھڑی ہوئی تھی۔دونوں نے پیار کیا اور ہم اندر آگئے امی کی آنکھوں میں ڈھیروں پانی تھا۔

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حشام بیٹا اب مکمل طور پر صحت یاب ہے بٹیا اب وہ تمہیں جلد ہی اپنے گھر لے جائیں گے اسی لیے تمہیں یہاں بھیج دیا ہے کہ انہوں نے یہاں آنا ہے۔" اماں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو میں شرما گئی۔ پھر ہم دیر تک بیٹھے باتیں کرتے ہیں اماں کا بس نہیں چل رہا تھا کہ میری کتنی خاطر مدارت کریں۔

ابھی مجھے آئے ہوئے گھنٹہ ہی ہوا تھا کہ حشام کا فون آگیا میں اپنے کمرے میں آگئی میرا کمرہ صاف ستھرا تھا ہر شے اپنی جگہ قرینے اور سلیقے سے رکھی تھی۔

حشام نے مجھے چھیڑتے ہوئے کہا کہ امی کو دیکھ کر مجھے بھلا دیا۔اپنے پہنچنے کی اطلاع بھی نہیں دی تو میں نے جواب دیا کہ میری اطلاع کی کیا ضرورت ہے۔آصف نے ہی آپ کو انفارم کردیا ہوگا۔حشام میری بات سن کر چپ ہوگئے پھر بولے اس نے تو بتا دیا تھا لیکن میں تو اپنی جانم کی سریلی آواز سننا چاہ رہا تھا۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"سن لی آواز' اب مجھے امی سے باتیں کرنے دیں ہم رات میں باتیں کریں گے۔" میں نے شوخ لہجے میں کہا۔

"نہیں بھئی آج رات نہیں۔آج رات تو میں جی بھر کر سونا چاہوں گا۔تم تو مجھے سونے نہیں دیتی تھیں اب میں اپنی نیندیں پوری کرلوں گا۔" حشام نے کہا۔

"اچھا جناب ہم بھی دیکھیں گے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اللہ حافظ جانم۔" حشام نے بھاری لہجے میں کہا۔"دعا کرتی رہنا۔" اور ریسیور چومنے کی آواز آئی اور فون بند ہوگیا۔

حشام کے بوسے کی آواز سن کر میرے رگ و پے میں سنسنی دوڑ گئی اور رخسار تمتمانے لگے۔خود بخود لبوں سے نکلا۔

"میں تمہارا سر....! نہیں نہیں یہ میں کیا کہہ رہی ہوں اللہ تمہیں ہمیشہ سلامت رکھے۔" میں خود ہی اپنے کہے گئے ہمیشہ اس جملے کو جو میں حشام کی شوخی اور شرارتوں کو دیکھ کر کہا کرتی تھی ہمیشہ کے لیے رد کردیا اور سوچا میں آئندہ کبھی یہ جملہ نہیں کہوں گی بلکہ اس کی سلامتی کی دعا کیا کروں گی۔

اور پھر واقعی اس رات میں بار بار حشام کو کال کرتی رہی لیکن اس کا فون مسلسل بند آرہا تھا۔کافی دیر تو میں نے انتظار کیا جب اس کا فون نہ آیا تب میں نے ٹرائی کی۔

میں حیران تھی کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ حشام واقعی فون بند کرکے مزے سے سو جائیں۔یقیناً کوئی اور اہم بات ہے۔بہرحال میں جتنا اب حشام کو جان چکی تھی تو اس کے بعد تو اس کی سلامتی کی دعا کرنا اور بھی ضروری ہوگیا تھا وہ ضرور کسی اہم کام یا اہم میٹنگ میں مصروف ہے جب ہی مجھے اتنی آسانی سے گھر واپس آنے دیا۔

میں ابھی جاگ ہی رہی تھی کہ میرے سیل فون کی بیل بجنے لگی میں نے خوشی سے دھڑکتے دل کے ساتھ فون کی جانب ہاتھ بڑھایاکہ حشام کا فون آگیا لیکن جیسے ہی فون کی روشن اسکرین پر میری نگاہ پڑی تو میں چونک گئی کیونکہ یہاں حشام کا نہیں بلکہ آصف کا نام اور نمبر دکھائی دے رہا تھا۔

یہ اس وقت آصف کیوں مجھے کال کر رہے ہیں۔میں نے حیرانی سے سوچا پہلے تو یہی خیال آیا کہ میں بیل بجنے دیتی ہوں اور فون ریسیو نہیں کرتی پھر خیال

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

آیا کہ ریسیو کرلیتی ہوں لیکن پھر مجھے آصف کی صبح والی باتوں کا خیال آگیا اور میں نے بیل بجنے دی میرا دل کہہ رہا تھا کہ آصف مجھ سے کوئی الٹی سیدھی بات نہ کردے۔

بیل مسلسل بجتی رہی اور پھر بند ہوگئی میں نے شکر ادا کیا اور سونے کے ارادے سے کروٹ لے لی۔آصف یہ سمجھے ہوں گے میں سو گئی ہوں لیکن پانچ منٹ کے وقفے کے بعد دوبارہ بیل بجنے لگی۔اس مرتبہ بھی میں نے فون ریسیو نہیں کیا‘ بیل بج بج کر دوبارہ بند ہوگئی لیکن اس مرتب بنا وقفے کے پھر سے بیل بجنے لگی۔اس مرتبہ مجھے غصہ آگیا سوچا کہ فون ریسیو کر کے آصف کو کھری کھری سنا دیتی ہوں۔لیکن اچانک ہی خیال آیا کہ کہیں کوئی بہت اہم اور ضروری بات نہ ہو۔ورنہ آصف یوں بار بار مجھے کال نہ کرتے اور اس خیال کے آتے ہی میں نے فون اٹھا کر آنسر کا بٹن پش کیا اور دھیرے سے ہیلو کہا۔

’’مجھے پتا ہے کہ آپ جاگ رہی ہیں آپ جان بوجھ کر میرا فون ریسیو نہیں کر رہی تھیں پلیز فون بند مت کیجیے گا آپ کو اس وقت ڈسٹرب کرنے پر میں بہت معذرت چاہتا ہوں۔‘‘ مجھے آصف کی آواز سنائی دی۔

’’کہیے کیا کہنا چاہتے ہیں آپ۔‘‘ میں نے اس کے کہے گئے معذرتی جملوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

’’پہلے یہ بتائیں کہ آپ میرا فون ریسیو کیوں نہیں کر رہی تھیں۔‘‘ اس نے پوچھا۔

’’اس بات کو جانے دیں۔ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔‘‘ میں نے اپنے لہجے میں تھوڑی سی بے زاری پیدا کرتے ہوئے کہا۔

’’کہنا تو بہت کچھ تھا لیکن اب کوئی فائدہ نہیں ہے۔‘‘ اس نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد دوبارہ گویا ہوا۔

’’میں آپ سے سوری کرنا چاہتا تھا۔ آج طلال انکل کے گھر سے واپسی پر میں نے بہت جذباتی ہو کر گفتگو کی مجھے کوئی حق نہیں پہنچتا تھا آپ سے اس طرح گفتگو کرنے کا۔ آئی... آئی ایم رئیلی ویری ویری سوری۔‘‘

’’اٹس فائن‘ نو پرابلم۔‘‘ میں نے دھیرے سے کہا۔

’’آپ واقعی مجھ سے ناراض نہیں ہیں۔‘‘ اس نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔

’’جی۔‘‘ میں نے مختصر جواب دیا۔ ’’اور کوئی بات؟‘‘

’’میں اپنے دل کی تمام تر گہرائیوں کے ساتھ آپ کو یہ دعا دیتا ہوں کہ آپ حشام کے ساتھ ہمیشہ خوش رہیں۔‘‘ اس کے لہجے میں اداسی گھلتی ہوئی محسوس ہوئی۔

’’تھینکس۔‘‘ میں نے کہا اور فوراً فون بند کردیا مبادا وہ مزید کوئی اور بات نہ شروع کردے۔

ایک لڑکی کی حیثیت سے میں بخوبی سمجھ رہی تھی کہ میرے لیے اس کے دل میں کون سے جذبات پنپ رہے ہیں۔ وہ شاید مجھ سے اظہار محبت کردیتا اگر اسے یہ معلوم نہ ہوتا کہ میری اور حشام کی منگنی ہونے والی ہے۔ اب پتا نہیں یہ بات اس کو کس طرح پتا چلی۔ شاید کرنل انکل نے بتائی ہو۔ میں اس بارے میں مزید کچھ اور نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ آصف ایک بہت اچھا نوجوان تھا اور

ان کے لیے میرا دل دکھا تھا لیکن میں کیا کرسکتی تھی اس لیے سونے کے لیے لیٹ گئی اور پھر نجانے کب میری آنکھ لگ گئی۔

☆...☆...☆

سفیان کی را کے ایجنٹ راجیش پٹیل سے تفتیش مکمل ہوچکی تھی۔تب ہی اسے خبر ملی کہ ایک اور مشتبہ شخص جو را کے لیے کام کرتا رہا ہے اور کر رہا ہے پکڑا گیا ہے نام سے ظاہر ہے مسلم ہی لگ رہا تھا۔شمروز نام ہے اس کا۔ بہت جلد شمروز کے بارے میں اسے مکمل فائل مل گئی۔اس کا تعلق ایک سماجی رہنما اور ملک کی مشہور روحانی شخصیت نواب سطوت کے ساتھ ہے۔وہ اس کی کوٹھی میں رہائش پذیر تھا اور شاید اس کے کہنے پر کام کر رہا تھا۔

سفیان اس بات سے بھی واقف تھا کہ ایجنسی کے لوگ کافی دنوں سے اس کے پیچھے لگے تھے اور اسے واچ کر رہے تھے۔اس کے تعلق ایک اور گروہ سے بھی تھا جو ملک میں قتل، اغوا، ڈکیتیاں اور دوسرے جرائم میں ملوث تھا لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس کے فلیٹ کی بار بار تلاشی کے باوجود اس کے کسی جرم میں ملوث ہونے کے کوئی ثبوت نہیں ملے۔حد یہ کہ ایجنسی نے ایک

ایجنٹ اکرم کو اس کے فلیٹ تک بھجوایا مگر اسے بھی کوئی ثبوت نہیں ملا۔ شاید اسے اکرم پر کسی قسم کا شبہ ہوگیا اور وہ محتاط ہوگیا لیکن اکرم نے ایک کام بہت شاندار کیا کہ اس کی جینز کی پینٹ کی ہپ پاکٹ میں اندرونی طور پر ایک بہت چھوٹی اور حساس نوعیت کی چپ لگا دی تھی جس سے انہیں دو طرح کے فائدے حاصل ہوئے ایک تو یہ کہ وہ اس کی ہر گفتگو سن رہے تھے اور دوسری اہم بات یہ کہ وہ جس جگہ پر بھی جا رہا تھا انہیں اس کی لوکیشن کا علم بھی ہوجاتا تھا اور اس اہم کام کے بعد اکرم اس کے گھر سے خاموشی سے نکل آیا۔

اور اس اہم چپ کے ذریعے انہیں اس بات کا علم ہوا کہ شمروز سہیل ہاشمی کو قتل کرنے والا واحد بندہ ہے اور اس کے اور نواب اور رئیس خان کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ ان کے علم میں آگئی۔

شمروز کی گرفتاری کے فوراً بعد انہوں نے اشرف علی نامی اس را کے ایجنٹ جس کا نام کمل راؤ تھا اس جگہ چھاپہ مارا جہاں شمروز کو جانا تھا لیکن اسے شاید اس بات کی اطلاع مل چکی تھی کہ اس

کے پاس آنے والا بندہ ایجنسی والوں نے اٹھالیا ہے۔وہ فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ آسانی سے ہاتھ نہیں آیا۔اس نے ان لوگوں پر فائرنگ کی اور فائرنگ کے اس تبادلے میں وہ شدید زخمی ہو گیا اور سفیان اور اس کی ٹیم نے اسے زخمی حالت میں ہی گرفتار کر کے خفیہ مقام پر منتقل کردیا جہاں اس کی جان بچانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

سفیان کی ٹیم کو ایک اور اہم کامیابی ہوئی تھی کہ وہ سونال عرف فیروزہ کو بھی اٹھانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

سفیان ان دنوں بہت زیادہ مصروف تھا۔اسے کوئی اور بات سوچنے کی فرصت ہی نہیں تھی۔وہ بھول گیا کہ اس نے کیا خواب دیکھا تھا کہ اس کی محبت اس کا پیار غزالہ کوئی اور لے جا رہا ہے۔اس نے سوچا تھا کہ وہ گھر پر فون کر کے سفینہ سے بات کرے گا اور اسے کہے گا کہ بے بے ماما جی کے گھر جا کر اس کے لیے غزالہ کا ہاتھ مانگ لے لیکن اسے فون کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی اور وہ ان کاموں میں پھنس گیا۔ایک کے بعد ایک دہشت گرد ہاتھ

آرہا تھا۔وہ دن اور رات مصروف تھے اور پھر کرنل احتشام کو بھی ہر ہر بات کی رپورٹ فوری طور پر کرنی تھی۔

اس روز وہ شمروز سے بات کر کے اپنے روم میں واپس آیا تو اس کے بارے میں سوچ جا رہا تھا اسے وہ لڑکا جس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں اسے مکاری کے بجائے سچائی دکھائی دے رہی تھی وہ چہرہ پڑھنے کے فن میں ماہر تھا۔اس بات کی انہیں خاصی ٹریننگ دی گئی تھی۔اس کے بارے میں جو انفارمیشن ملی تھی اس کے بارے میں اپنے بیان میں ان سے ایک لفظ بھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔

سفیان کو اس کے بارے میں یہ معلوم کر کے بہت حیرت ہوئی تھی کہ وہ ایک ڈاکٹر ہے اور اس کا تعلق نتھیا گلی سے تھا اور پنڈی کے ایک اسپتال میں وہ پریکٹس کرتا رہا ہے۔شمروز نے اپنے ماضی کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا انہوں نے اس کی بھی معلومات کروالیں تھیں۔

اس نے شمروز سے تفتیش مکمل کر کے اپنی جانب سے رپورٹ بنا کر کرنل احتشام کو بھیج دی تھی اور اس کے بعد کرنل احتشام نے شمروز سے پوچھ گچھ کے لیے دوسرے بندے بھیج دیے تھے۔

مسلسل جاگ جاگ کر اس کے اعصاب شل ہوگئے تھے۔فی الحال اس کے پاس کوئی کام نہیں تھا۔رپورٹ بھیجنے کے بعد فی الحال وہ فارغ تھا۔اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھا کر ایک زوردار انگڑائی لی۔تاکہ اسے اپنے اکڑے ہوئے اعصاب میں کچھ سکون ملے۔اس نے اردلی کو کڑک چائے لانے کا کہا اور کچھ دیر کے لیے بیڈ پر سیدھا لیٹ گیا۔اسے سونے میں کچھ ٹائم تھا۔اس کا ارادہ تھاکہ چائے پی کر وہ نماز عشاء ادا کرے گا۔پھر تھوڑی سی تلاوت کرے گا کتنے ہی دن ہوگئے اس نے قرآن کی تلاوت نہیں کی تھی۔پھر وہ سونے کے لیے لیٹ جائے گا۔اب وقت ملا ہے تو تھوڑی نیند ہی لے لی جائے۔کرنل احتشام کا کیا بھروسہ وہ کسی وقت اسے ایمرجنسی میں کال کرلیں۔

وہ دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنا کر سر کے نیچے رکھ کر چت لیٹا چھت کو گھور رہا تھا کہ موبائل فون کی رنگ ٹون سنائی دی۔

”لو بھئی ابھی سونے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ کرنل احتشام کی کال آگئی۔“ اس نے فون اٹھاتے ہوئے سوچا لیکن اسکرین پر گھر کا نمبر دیکھا تو اس کے لب آپ ہی آپ مسکرا دیے اور اسے خیال آیا کہ کتنے ہی دن ہوگئے اس نے گھر فون نہیں کیا۔اسکرین پر پی ٹی سی ایل کا نمبر دیکھ کر ہی وہ سمجھ گیا کہ فون پر بے بے ہی ہوں گی وہی ہمیشہ گھر کے فون سے اس کے موبائل پر فون کرلیتی تھیں۔ورنہ سفینہ کے پاس تو اپنا موبائل فون تھا۔

”السلام علیکم بے بے... کیسی ہیں آپ۔“ اس نے خوش دلی سے کہا۔

”سدا جیتا رہے مینڈا پتر۔رب سوہنا لمبی حیاتی دے۔“ بے بے کی ممتا سے بھرپور آواز سنائی دی۔

”طبیعت کیسی ہے بے بے باقی گھر میں سب کیسے ہیں؟“ سفیان نے پوچھا۔

”سب ٹھیک ہے پتر میں بھی ٹھیک آں۔“ بے بے نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اور اداسی بھرے لہجے میں کہا۔

”کیا بات ہے بے بے۔مجھے تو آپ آواز سے بالکل ٹھیک نہیں لگ رہیں۔ مجھے بتائیے نا کیا بات ہے آپ کو پتا ہے نا بے بے میں آپ سے کتنی دور

ہوں۔آپ ٹھیک نہیں ہوں گی تو میں اپنا کام تندہی سے کیسے انجام دوں گا۔“ اس نے بے چین ہو کر کہا۔

”تو فکر نہ کر پتر۔ایسی کوئی خاص گل نئیں اے۔بس میں تو ایویں پریشان اور دکھی ہو گئی ہوں۔اصل میں ایک ارمان تھا مدتوں سے میرے دل میں اپنے پتر کے لیے ایک خواب دیکھا تھا وہ سمجھ ٹوٹ گیا۔پر کیا کریں یہ سارے نصیبوں کے کھیل ہیں مرضی ہے سوہنے رب دی۔“ بے بے نے ایک گہری اور ٹھنڈی سانس لی۔

”کیا ہو گیا ہے بے بے‘ اب بتا بھی دے سچ میں بہت پریشان ہو رہا ہوں۔“ سفیان نے کہا اور بے قراری کے عالم میں بیڈ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”پھر میں سوچتی ہوں کہ چل جو ہوا اچھا ہی ہوا ہو گا۔یہ خواہش بھی تو کلی میری اپنی ہی تھی۔تیرے دل کا مینوں کی پتا۔اب جانے تجھے اپنی بے بے کی یہ خواہش اچھی لگتی بھی یا نہ لگتی۔“

”بے بے آخر آپ بتا کیوں نہیں رہیں‘ کون سی خواہش اور مجھے آپ کی کون سی خواہش اچھی نہیں لگتی۔“ سفیان نے زچ ہو کر پوچھا۔

”بات دراصل یہ ہے پتر کہ میری بڑی پرانی خواہش تھی کہ میں غزالہ کو اپنی بہو بناؤں جب تم دونوں چھوٹے تھے اور ساتھ کھیلا کرتے تھے وہ روٹھ جاتی تو اسے منتیں کر کے مناتا تھا۔اس

ویلے تم دونوں مجھے بڑے ہی اچھے لگتے تھے اور اس ویلے میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ غزالہ کو تیری دلہن بنا کر اپنے گھر کے آنگن میں لاؤں گی لیکن...!“ اتنا کہہ کر بے بے خاموش ہو گئی انہوں نے تیز اور پھولی ہوئی سانسوں کے دوران یہ سب کہا پھر ذرا سانس لینے کو رکیں تو سفیان چیخ اٹھا۔

”لیکن کیا بے بے آگے بولیں‘ لیکن کیا ہوا؟“

”بھائی رفیق نے غزالہ کی بات پکی کردی تیرے چاچے کے بیٹے توصیف کے ساتھ اور میں کچھ بھی نہ کہہ سکی۔اگر اس ویلے مجھے ملوم پڑجاتا جب تیرے چاچے نے یہ بات ڈالی تھی تو میں بھائی رفیق سے بات کرتی پھر مجھے تو بلاوا آیا کہ آپاں تسی آجاؤ غزالہ کی بات پکی کر رہا ہوں میں اپنا دل مسوس کر رہ گئی... آہ...!“ بے بے کی آواز بھرا گئی اور سفیان اسے تو ایسا محسوس ہوا جیسے یہ چھت اس کے سر پر آن پڑی ہو۔آسمان پھٹ پڑا ہو۔زلزلہ آگیا ہو

وہ جو آہنی اعصاب کا مالک سمجھا جاتا تھا ایک ذرا کی ذرا میں ٹوٹ پھوٹ گیا۔ بے بے نے یہ کیسی خبر سنادی اس کا پیار اس کا خواب کسی اور نے چھین لیا۔اس کا خواب کتنا سچا تھا کاش وہ اس رات ہی سفینہ کو فون کر کے اپنے دل کی بات بے بے تک پہنچا دیتا تو بے بے چاہے کچھ ہوجاتا یہ رشتہ نہیں ہونے دیتیں۔کیا وہ جی پائے گا غزالہ کے بغیر کیا غزالہ جی پائے گی اس کے بنا۔

”تو چپ کیوں ہو گیا پتر' بول کیوں نہیں رہا۔“ بے بے نے دوسری جانب سے طویل خاموشی کے بعد گھبرا کر پوچھا۔

”کک... کچھ نہیں بے بے... میں سن رہا تھا آپ کی بات... کک... کوئی بات نہیں بے بے... آپ غم نہ کھاؤ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔رب نے غزالہ کو جس کے نصیب میں لکھا تھا وہ اسی کو ملی ہے۔“ اس نے سختی کے ساتھ اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں اور اپنے بھیگے بھیگے لہجے کو نارمل بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”میں جانتی ہو پتر میں سب مانتی ہوں تیرے دل کا حال۔ بھلا میں اپنے پتر کے دل کا حال نہ جانوں گی۔دکھی نہ ہو ماں کی جان۔بس غزالہ تیرے نصیب میں ہی نہ تھی۔یہ خبر تجھے سیفی دینا چاہ رہی تھی پر میں نے کہا اپنے پتر کو میں خود تسلی دے کر یہ خبر سناؤں گی۔“

”میں ٹھیک ہوں بے بے' بس آپ دکھی نہ ہو' آپ خود ہی تو کہہ رہی ہو وہ میرے نصیب میں ہی نہ تھی۔“ سفیان نے کہا۔

”میرے بس میں ہوتا تو سارے جہان کی خوشیاں اپنے سوہنے پتر کے قدموں میں ڈھیر کردیتی۔“ بے بے نے ایک سسکی لی۔

اور اس سے آگے سفیان سے بات ہی نہ ہوسکی اور اس نے فون بند کردیا وہ بے دم سا بستر پر گر گیا۔وہ بار بار اپنے امڈ آنے والے آنسوؤں کو سختی کے ساتھ آنکھوں سے باہر آنے سے روک رہا تھا کہ مرد رویا نہیں کرتے۔حالانکہ مردوں کے سینے میں بھی تو ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جس میں جذبات بھی ہوتے ہیں۔

اردلی چائے لے آیا تو وہ اٹھ کر باتھ روم میں گیا اور وضو کیا اس طرح گویا اس کے سینے میں جلتی ہوئی آگ پر وضو کے پانی کے ٹھنڈے قطروں نے تھوڑا سا سکون دیا پھر وہ بیٹھ کر چائے پینے لگا وہ سوچ رہا تھا۔

کل تک جو غزالہ ہر وقت اس کے دل و دماغ میں رہتی تھی آج وہ غیر ہو گئی ہے۔اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ کسی اور کی امانت کے بارے میں سوچے۔اس کے رب کو یہ سب اچھا نہیں لگے گا۔چائے پی کر وہ عشاء کی نماز کی ادائیگی کے لیے کھڑا ہو گیا اور نماز کی ادائیگی کے بعد گڑ گڑا کر اپنے دل کے سکون کے لیے دعا کرنے لگا۔

وہ سونے کے لیے بستر پر آگیا لیکن نیند اس کی آنکھوں سے روٹھ چکی تھی۔ لاکھ نہ چاہنے کے باوجود غزالہ کا من موہنا چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے آرہا تھا۔وہ ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں اور کپکپاتے ہوئے لبوں کے ساتھ اس سے جیسے کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔سفیان کے سینے سے ایک آہ اور لبوں سے کراہ کی صورت نکلا۔

”تم نے میرا انتظار بھی نہیں کیا۔کیا تم جی سکو گی میرے بغیر۔“

”میں نے تم سے کہا تو تھا کہ کوئی مجھے تم سے چھین کر لے جا رہا ہے تم آجاؤ، تم آتے ہی نہیں، تم نے بہت دیر کردی میں کیا کرتی۔“ اس نے کہا اور سسک پڑی۔

سفیان چند لمحوں تک اس کے ہچکولے لیتے جسم کو دیکھتا رہا۔سسکیوں سے اس کے وجود میں ایک ارتعاش پیدا ہو رہا تھا۔قریب تھا کہ وہ لڑکھڑا کر گر پڑتی۔تبھی سفیان نے لپک کر اس کے نرم و گداز وجود کو اپنی بانہوں میں تھام لیا۔وہ اس کے سینے میں سما گئی۔اس کے بازوؤں کو سختی کے ساتھ اپنی انگلیوں سے گرفت میں لینے کی کوشش کرنے لگی۔وہ جیسے اس کی پسلیوں کا حصار توڑ کر اس کے دل میں گھسی جا رہی تھی۔ہمیشہ کے لیے چھپ جانا چاہتی تھی۔دنیا والوں کی نگاہوں سے کوئی ایسا نہ ہو جو اسے اس کے سفیان سے جدا کردے۔

”مجھے چھپالو، مجھے چھپالو۔“ وہ اس کے سینے میں اپنا آنسوؤں سے تر چہرہ رگڑتے ہوئے کہہ رہی تھی اس کی انگلیاں اور ناخن سفیان کے بازوؤں کی پھڑکتی ہوئی مچھلیوں میں گڑے جا رہے تھے۔

"تم میری ہو تمہیں مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔" اس نے اپنے بازوؤں کا گھیرا اس کے گرد تنگ کردیا اور غزالہ کا وجود آہستہ آہستہ پگھلتا گیا اور وہ پوری کی پوری اس کے اندر سما گئی اور سفیان کے بازو بے جان انداز میں گر گئے۔غزالہ کا وجود ہمیشہ کے لیے اس کے دل میں قید ہو گیا تھا۔وہ خوش بھی تھا اور مطمئن بھی۔

یکایک فون کی رنگ ٹون سے وہ ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھا۔پتا نہیں یہ خواب تھا یا خیال اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ کہیں دور سے اذان فجر سنائی دے رہی تھی۔اس نے فون اٹھایا۔کرنل احتشام تھے۔وہ پوری طرح الرٹ ہو گیا اور آنسر کا بٹن پش کردیا۔

"السلام علیکم سر' یس سر۔" اس نے اپنے سابقہ لہجے میں کہا۔

"اٹھ چکے تھے یا سو رہے تھے؟" انہوں نے سوال کیا۔

"ابھی آپ کی فون بیل سے آنکھ کھلی ہے... حکم۔" اس نے نارمل لہجے میں کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"نماز سے فارغ ہو کر چلے آؤ' ایک اہم میٹنگ ہے کرنل مشتاق اور حشام آئے ہوئے ہیں۔" انہوں نے کہا اور فون بند کردیا۔

☆...☆...☆

اپنے کمرے میں ان لوگوں کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا اور میرے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔

"تم ... آپ...!"

میرے سامنے کرنل مشتاق اور حشام کھڑے تھے۔دونوں کے لبوں پر ایک مسکراہٹ تھی۔پتانہیں چل سکا کہ یہ مسکراہٹ دوستانہ تھی یا طنزیہ یا شاید میرے اتنے حیران کن انداز پر وہ مسکرا رہے ہوں۔

"کیوں مجھے یہاں دیکھ کر حیرانی ہو رہی ہے۔کیونکہ میں تو اسپتال میں ایڈمٹ تھا اور شدید زخمی بھی تھا۔پھر میں اس طرح تمہارے سامنے اور وہ بھی اس جگہ۔" حشام نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے حیرانی ہو بھی رہی ہے اور نہیں بھی۔" میں نے قرآن بند کر کے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"اس بات کی وضاحت کرو گے کہ اگر حیرانی نہیں ہو رہی تو کیوں نہیں۔" حشام نے کہا۔

"اس بات کا ایک جواب تو تم نے خود ہی دے دیا کہ تم تو اسپتال میں ایڈمٹ تھے اور دوسری بات یہ ہے کہ تمہارا اس خفیہ ایجنسی سے کیا تعلق ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ تمہارا تعلق بھی اسی ایجنسی سے ہے وگرنہ تم یہاں کھڑے نہ ہوتے۔" میں نے کہا۔

"تمہارا جو دل چاہے سمجھ سکتے ہو' اس بات کی تمہیں آزادی ہے۔" حشام نے جواب دیا۔

"اچھا اب ساری بات میری سمجھ میں آگئی کہ سرمئی اور طلال انکل میرا کوئی بھی فون ریسیو کیوں نہیں کر رہے تھے۔شاید تم نے ہی انہیں منع کردیا ہوگا کہ کیونکہ میرا تعلق دہشت گردوں سے یا را والوں سے ہے۔اس لیے وہ مجھ سے رابطہ نہ کریں۔جبکہ نواب سطوت نے جب اپنے اصلی اور اہم کام مجھ سے لینے چاہے تو یہ بات بتانے کے لیے میں نے بار بار سرمئی اور طلال انکل کو فون کیے تاکہ وہ یہ بات کرنل مشتاق کو بتادیں کہ میں ایسا کام کرنے جا رہا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ہوں اور یہ کام نواب سطوت مجھ سے لے رہا ہے۔نہ میں سہیل ہاشمی کو قتل کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی میں قاری ممتاز کو اس کا بھیجا ہوا وہ لفافہ پہنچانا چاہتا تھا بلکہ میں تو یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح کرنل مشتاق حرکت میں آکر مجھے ایسا کرنے سے روک دیں اور اس بات کی گواہی تمہیں سرمئی اور طلال انکل سے ہی مل جائے گی کہ میں نے ان ہی تاریخوں میں جب یہ کام انجام دیئے ہیں انہیں کتنی کالیں کی تھیں۔حد یہ کہ سرمئی کو میسجز بھی کیے کہ پلیز مجھ سے رابطہ کرو۔میرا فون ریسیو کرو مجھے بہت اہم باتیں کرنی ہیں۔پھر صرف یہی سوچ کر میں نے نواب کے وہ کام انجام دیے کہ کم از کم مجھے ملک دشمن ان عناصر کے بارے میں علم تو ہوگا لیکن کرنل مشتاق نے جو بندے میرے پیچھے لگا رکھے تھے انہوں نے انہیں یہ پکا یقین دلادیا تھا کہ میرا تعلق اس دہشت گرد تنظیم سے ہے۔"

میں مسلسل بول رہا تھا اور حشام اور کرنل مشتاق پوری خاموشی اور توجہ سے میری باتوں کو سن رہے تھے۔میں جب خاموش ہوا تو کرنل مشتاق نے پہلی مرتبہ لب کشائی کی۔

"ہم نے تمہارے بیان میں کہی بات کی ہر طرح سے تصدیق کرلی ہے اور ہم نے تمہاری ہی وجہ سے دو اہم لوگوں کو گرفتار کیا ہے۔اس بات کی بھی تصدیق ہوچکی ہے کہ جن دنوں تم نے قاری ممتاز سے ملاقات کی اور سہیل ہاشمی کا قتل کیا اس سے پہلے تم مسلسل طلال اور سرمئی کو کال کرتے رہے۔ میں تم سے معذرت چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے میں نے تم پر شک کیا۔اینی وے یہ تو ہمارے کام کا حصہ ہے۔اب تم آزاد ہو لیکن تم آزاد تو ہو لیکن پھر بھی ہم تمہیں آزاد چھوڑ نہیں سکتے اور ہم ایسا کیوں کر رہے ہو میرا خیال ہے کہ اتنی سمجھ تو تمہارے اندر ہے کہ ہم ایسا کیوں کر رہے ہیں۔تم سب کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ کر ہمارے لیے کام کرو گے اور کس طرح کرو گے یہ ہم تمہیں بتائیں گے۔فی الحال آج کے بعد تم اس کمرے میں نہیں رہو گے۔ تمہارے لیے ایک دوسرے بہترین کمرے کا انتظام کر دیا گیا ہے۔تم وہاں رہو، چاہو تو اپنا حلیہ وغیرہ پہلے جیسا کرو میرا مطلب ہے اس ایک ماہ میں تمہارے چہرے پر اچھی خاصی داڑھی بڑھ گئی ہے شیو وغیرہ کا سارا انتظام ہے۔ دوسرا لباس بھی ہے۔"

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے مجرم سے محرم بنا دیا ہے۔میں اپنی خدمات کے لیے ہر طرح سے تیار ہوں اور جس وقت جو بھی کام مجھ سے لینا چاہیں گے مجھے ہمیشہ تیار پائیں گے۔اگر مجھے اپنی جان بھی دینا پڑی تو قسم اپنے پیدا کرنے والے رب کی میں ذرا بھی نہیں ہچکچاؤں گا۔ہوسکتا ہے کہ میرا رب مجھ سے خوش ہوجائے اور میرے وہ کبیرہ گناہ بھی معاف کردے جو نہ چاہتے ہوئے حالات کے ہاتھوں مجبوری میں مجھ سے سرزد ہوئے تھے۔" میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔میرا چہرہ سرخ ہو گیا اور سارا جسم لرزنے لگا کرنل مشتاق نے آگے بڑھ کر میرا کندھا تھپتھپایا اور بولے۔"ریلیکس مائی بوائے۔اللہ یقیناً توبہ قبول کرنے والا اور بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔تم نہاؤ اور فریش ہو کر ذرا ہمارے میٹنگ روم میں آجاؤ تم سے کچھ اہم باتیں کرنی ہیں۔"

"مجھے کہاں جانا ہے؟" میں نے آگے بڑھ کر کلام پاک اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا اور کرنل مشتاق کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

"میں ایک بندے کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔وہ تمہیں تمہارا کمرہ بھی دکھا دے گا اور وہی تمہیں میٹنگ روم میں بھی پہنچا دے گا۔" انہوں نے کہا اور جانے کے لیے مڑ گئے۔تب حشام نے آگے بڑھ کر مجھ سے ہاتھ ملایا اور گلے سے لگایا پھر میرے کان میں دھیرے سے سرگوشی کی۔

"میری سرمئی نے یوں ہی تو تمہیں اپنا بھائی نہیں بنایا تھا، سالے صاحب...!"

اور میرے لبوں پر ایک مسکراہٹ دوڑ گئی۔آج بہت عرصے کے بعد میرے لب مسکرائے تھے۔جواباً میں نے اسے زور سے اپنے سینے میں بھینچا اور پوچھا۔

"تو کیا تم دونوں کی منگنی ہوگئی ہے؟"

"وہ بھی جلد ہی ہوجائے گی ذرا اس مسئلے سے فارغ ہوجائیں۔" وہ مجھ سے علیحدہ ہوتے ہوئے بولا۔تو میں نے فرط محبت سے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اس کی پیشانی کو چوم لیا اور سچے دل سے دعا دی۔"اللہ تم دونوں کو مسرتوں اور خوشیوں سے بھری طویل زندگی عطا کرے۔"

جواباً حشام نے صدق دل سے "آمین۔" کہا۔

کرنل مشتاق کمرے سے باہر جا چکے تھے۔حشام ان کے پیچھے نہیں گیا تو وہ واپس پلٹ آئے اور حشام کو آواز دی تو وہ تیزی سے باہر نکل گیا اور میں نے ایک طویل اطمینان بخش سانس لی۔تب ہی ایک اور لڑکا اندر آیا اور بولا۔

"آئیے میرے ساتھ۔" تو میں اس کے ساتھ چل دیا۔

میں باہر نکلا تو اندازہ ہوا کہ یہ کمرہ کافی الگ تھلگ سا بنا ہوا ہے۔یہ ایک بہت بڑی بلڈنگ تھی اور یہاں اسی طرح کے کئی اور کمرے بنے ہوئے تھے لیکن ذرا دور دور تھے سامنے ایک گراؤنڈ سا تھا۔یہاں جا بجا مجھے سیکیورٹی گارڈز ہاتھ میں اسلحہ لیے الرٹ کھڑے دکھائی دیے۔اس گراؤنڈ کی چار دیواری خاصی اونچی تھی۔اتنی زیادہ کہ ایک انسان کا اس پر بغیر سیڑھی کے پہنچنا ناممکن تھا اور اس پر بھی خاردار تاروں کا جال لگا ہوا تھا۔

اس گراؤنڈ سے گزرتے ہوئے کئی گارڈز سے میرا سامنا ہوا لیکن کسی نے بھی مجھے روکنے یا مجھ سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔وہ میرے نزدیک سے بڑی بے نیازی سے گزرتے چلے گئے۔

اس وسیع گراؤنڈ کو پار کر کے ہم سامنے بنی ہوئی اس وسیع و عریض بلڈنگ میں داخل ہو گئے۔

ایک خاصے کشادہ ہال سے گزرتے ہوئے ہم سیڑھیوں تک گئے پھر اوپر چڑھ کر سامنے ایک لمبی راہ داری میں داخل ہو گئے۔یہاں قطار میں بہت سے کمرے بنے ہوئے تھے۔اس شخص نے ایک کمرے کے پاس رک کر مجھے دیکھا اور دروازے کا ہینڈل پکڑ کر گھمایا تو دروازہ کھل گیا۔وہ اندر داخل ہو گیا تو میں بھی اس کے پیچھے اندر داخل ہو گیا۔

اندر پہنچ کر اس نے ایک اور دروازے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ واش روم ہے یہاں ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔اس کے علاوہ یہ الماری ہے۔اس میں چند ملبوسات ہیں آپ جو پہننا چاہیں وہ پہن لیں۔آپ جب تیار ہوجائیں تو یہ انٹر کام ہے آپ اس کے ذریعے مجھے بتلا سکتے ہیں اور حاضر ہوجاؤں گا اور آپ کو میٹنگ روم میں پہنچادوں گا اور کوئی ضرورت ہو تو بتائیں۔" اس نے بات ختم کر کے پوچھا۔

"نہیں شکریہ۔آپ جاسکتے ہیں۔" میں نے کہا تو وہ سر جھکا کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

میں کمرے کے وسط میں کھڑا تھا میں نے ایک نگاہ اس کمرے پر ڈالی یہ بھی خاصا کشادہ تھا۔فرش پر نفیس قالین تھا کھڑکیوں پر بھاری پردے تھے۔وسیع بیڈ اور ساتھ میں دو کرسیاں اور درمیانی چھوٹی ٹیبل تھی۔

میں نے قرآن پاک ٹیبل پر رکھا اور الماری کھول لی۔یہاں کئی طرح کے لباس ہینگر میں استری شدہ لٹکے ہوئے تھے۔میں نے دیکھا وہ مختلف سائز کے تھے ایک سفید شلوار قمیص میرے سائز کا تھا وہ میں نے نکال لیا۔

میں نجانے کب سے صابن سے نہیں نہایا تھا۔اس قید سلاسل میں اللہ پاک نے میرے دل کا تمام میل صاف کردیا تھا جسم کا میل بھی اتر ہی جائے گا۔میں ہاتھ میں کپڑے لیے واش روم کی جانب بڑھا۔

اندر واش بیسن کے سامنے آئینے میں اپنی صورت دیکھی پہلی ہی نگاہ میں، میں اپنے آپ کو پہچان ہی نہیں سکا۔یہ میں تو نہیں تھا۔آئینے میں دکھائی دینے والے شخص کے چہرے پر گھنی داڑھی تھی۔پیشانی پر نماز کا ہلکا سا نشان دکھائی

رہا تھا۔آنکھیں متورم اور ہونٹ خشک تھے۔سر کے بال بھی خاصے بڑھ گئے تھے۔

میں نے اس وقت فیصلہ کیا کہ میں اپنے چہرے سے یہ داڑھی صاف نہیں کروں گا داڑھی تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔آج سے اس نیت سے میں نے داڑھی رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔

میں نے نیم گرم پانی سے شاور لیا کئی مرتبہ سر پر شیمپو کیا جسم پر صابن ملا تو احساس ہوا کہ جیسے میں اندر سے بہت ہلکا پھلکا ہو گیا ہوں۔

انسان جب اپنے برے اعمال سے توبہ کرلیتا ہے اور اپنے رب کی جانب پلٹ آتا ہے تو اللہ پاک اس کے گناہوں کو اس طرح دھو کر اس کے نامہ اعمال کو صاف ستھرا کردیتے ہیں۔گویا اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔آج میں حقیقت میں اپنے آپ کو اتنا ہی ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

باتھ روم سے باہر آیا تو سب سے پہلے یہی خیال آیا کہ مجھے شکرانے کے نوافل ادا کرنے چاہییے۔پھر خیال آیا کہ میں جائے نماز تو وہیں بھول آیا لیکن کمرے میں نگاہ دوڑائی تو ایک کارنر میں جو دیوار پر شیلف لگا تھا وہاں مجھے

جائے نماز اور قرآن پاک رکھا ہوا دکھائی دے گیا۔میں نے جائے نماز اٹھا کر شکرانے کے نوافل ادا کیے اور انٹر کام پر اس شخص کو بلایا اس نے اپنا نام مجھے تنویر بتایا وہ مجھے ایک ہال میں لے کر پہنچا وہاں سب پہلے سے موجود تھے اور ایک بڑی ٹیبل کے گرد کرسیوں پر بیٹھے تھے۔اندر پہنچ کر میں نے با آواز بلند سلام کیا۔فوراً ہی ایک آواز میں جواب موصول ہوا۔لیکن وہاں موجود ایک شخص کو بیٹھا دیکھ کر میں ٹھٹک گیا اور اپنی جگہ کھڑا رہ گیا۔میرے قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا۔

تنویر مجھے میٹنگ ہال کے دروازے پر چھوڑ کر چلا گیا۔میں نے پورے اعتماد سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔

میرے آنے سے پہلے ہی یہاں سارے لوگ آچکے تھے۔شاید میرا ہی انتظار ہو رہا تھا۔اس کمرے میں ایک طویل و عریض ٹیبل تھی جس کے گرد کرسیاں رکھی تھیں۔ہر کرسی کے سامنے ایک مائک اور اسپیکر رکھا ہوا تھا سامنے دیوار پر ایک بڑی اسکرین لگی ہوئی تھی۔

میں نے اندر پہنچ کر باآواز بلند کہا۔"السلام علیکم!۔" سب نے ہم آواز میرے سلام کا جواب دیا۔

میں آگے بڑھا تب ہی سامنے بیٹھے شخص پر میری نگاہ پڑی تو میں جھجک کر رک گیا۔میرے سامنے میرا وہ تفتیشی افسر بیٹھا تھا جس نے سب سے پہلے مجھ سے تفتیش کا آغاز کیا تھا۔میں جھجک کر رکا تو کرنل احتشام نے کہا۔"آؤ' آؤ شمروز رک کیوں گئے۔"

"ناٹ شمروز آئی ایم ڈاکٹر شاہ زمان۔" میں نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"شیور' شیور۔" انہوں نے خوش دلی سے کہا۔

"میرا اصل نام شاہ زمان ہے جو میرے والدین نے رکھا جو ایک اچھے انسان ایک ڈاکٹر کی پہچان تھا شمروز نام تو مجھے جرم اور برائی کی راہ میں ملا تھا لیکن شکر الحمدللہ آج میں اپنی اصل کی جانب لوٹ آیا ہوں۔آپ سب سے گزارش ہے کہ مجھے شاہ زمان کہہ کر ہی مخاطب کیا جائے۔"

"آئیے ڈاکٹر شاہ زمان آئیے ہم آپ ہی کا انتظار کر رہے تھے کچھ ضروری معلومات آپ سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔" کرنل مشتاق نے کہا اور ایک کرسی کی جانب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

میں بیٹھ گیا تو کرنل مشتاق نے وہاں موجود دوسرے لوگوں سے میرا تعارف کروایا۔سب سے پہلے انہوں نے اسی سخت گیر تفتیشی افسر کی جانب اشارہ کیا اور بولے۔

"یہ سفیان ہیں ان کے ساتھ بیٹھے ہیں بدر الحسن۔ان کے سامنے جو حضرت بیٹھے ہیں یہ کرنل ظفر عالم ہیں ان کے ساتھ جو صاحب تشریف فرما ہیں ان سے تو تم اچھی طرح واقف ہی ہو یہ حشام ہیں۔ہماری ٹیم کا حصہ ہیں۔کرنل احتشام میرے برابر میں ہیں۔"

"آپ سب سے مل کر مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔آج سے میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ شامل ہوں اور اللہ کو حاظر ناظر جان کر یہ عہد کرتا ہوں کہ اپنے ملک کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کروں گا۔"

"گڈ۔" کرنل احتشام نے کہا پھر بولے۔

"اچھا شاہ زمان تم یہ بتاؤ کہ تم اس شخص کو' کیا نام تھا اس کا...!" اس نے ایک لمحہ دماغ پر زور دیا اور بولے۔"ہاں رئیس خان' کیا تم رئیس خان کو پہچان سکتے ہو یا پھر یہ کہ اس سے پہلے تمہاری اس سے کبھی کہیں اور ملاقات ہوئی ہے تم نے... کسی اور روپ میں اس کو دیکھا ہے؟"

"جی نہیں سر' میری اس شخص سے وہ پہلی ملاقات تھی اور اس روز سے پہلے میں نے کبھی بھی اس شخص کو نہیں دیکھا تھا۔البتہ نواب سطوت نے اس کا ذکر ضرور کیا تھا اور وہ بھی اس حوالے سے کہ وہ مجھے کسی سے ملوانا چاہتا ہے کیونکہ جس طرح انہوں نے مجھے سہیل ہاشمی کو قتل کرنے کے لیے کہا تھا میں نے بالکل اسی خاموشی اور رازداری سے وہ کام انجام دیا تھا اور اس سے پہلے کہ پولیس الرٹ ہو کر چاروں جانب گھیرا ڈالتی اور ناکہ بندی کرتی میں اس جگہ سے صاف بچ کر نکل آیا تھا۔اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ دراصل سہیل ہاشمی کا قتل اس شخص رئیس خان کی ایما پر نواب نے میرے ذریعے کروایا تھا۔اب یا تو وہ شخص را کا ایجنٹ ہے یا پھر وہ ان کے لیے کام کر رہا

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

ہے اس کے بارے میں مجھے صرف اتنا پتا چلا تھا کہ اس کا بزنس دبئی میں پھیلا ہوا ہے اور شاید پاکستان میں بھی ہے۔" میں نے کہا۔

وہ شخص تو فوری طور پر منظر سے غائب ہو گیا ہے لیکن ہم نے اس کے ساتھ آئی ہوئی ایک لڑکی کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔جسے اس نے ہوٹل میں ٹھہرایا ہوا تھا۔اس لڑکی نے اپنے بیان میں بتایا ہے کہ وہ اس کا شوہر ہے۔ اس کی بیوی سے ہمیں بہت گراں قدر معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ہم وہ ساری باتیں بھی تم سے شیئر کریں گے لیکن ہم تمہیں ایک اور مشتبہ شخص کو دکھانا چاہتے ہیں تم ہمیں بتاؤ کیا تم نے اس کو کبھی نواب کے ساتھ یا کبھی کسی اور حوالے سے دیکھا ہے یا اسے جانتے ہو۔"

کرنل احتشام تو مجھ سے بہت کچھ پوچھ رہے تھے مگر میرا ذہن صرف اس ایک بات پر اٹک کر رہ گیا تھا کہ انہوں نے اس رئیس خان کی بیوی کو گرفتار کرلیا ہے جو ایک ہوٹل میں مقیم تھی میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

مجھے مہہ وش کے ساتھ ہونے والی ملاقات میں اس کے شوہر کے مطابق ہونے والی گفتگو یاد آنے لگی اس نے یہی بتایا تھا کہ اس کا شوہر یہاں اپنے روحانی پیشوا سے ملنے کے لیے آیا ہے اور اس نے اسے ہوٹل میں ٹھہرا دیا ہے اور خود اس کے پاس ٹھہرا ہوا ہے اسی وقت مجھے یہ خیال آیا تھا کہ کہیں نواب کے پاس دوبئی سے آنے والا مہمان اس کا شوہر تو نہیں۔

لیکن پھر بعد میں مہہ وش سے کوئی رابطہ بھی نہیں ہوا۔اس نے اپنا نمبر دیا نہیں اور میرا لے لیا تھا لیکن میراوہ سیل فون بھی ان لوگوں نے اپنے قبضے میں کرلیا تھا اور مجھے دوسری سم

لینی پڑی...

”کیا سوچ رہے ہو شاہ زمان...؟“ کرنل احتشام نے بہت غور سے میرے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”سر رئیس خان کی بیوی نے اپنا کیا نام بتایا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”مہہ وش۔“ وہ بدستور مجھے کھوجتی ہوئی نگاہوں دیکھتے ہوئے بولے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

”کیا... مہہ وش... سر... سر... وہ بے گناہ ہے... مم... میں اسے جانتا ہوں۔“ میں نے بے ساختہ کھڑے ہو کر اپنی پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔

”جانتے ہو‘ مگر کس طرح؟“ کرنل احتشام نے نہایت پر جوش لہجے میں پوچھا۔

”میں اپنے کالج کے زمانے سے اسے جانتا ہوں‘ اس کی رہائش پنڈی میں تھی اور وہ راجا صاحب کی بیٹی ہے۔راجا صاحب سردار شیر افضل کے قریبی دوستوں میں سے تھا ہماری دوستی رفتہ رفتہ محبت کا روپ دھار چکی تھی۔ہم نے ایک دوسرے کو اپنا جیون ساتھی بنانے کا وعدہ کیا لیکن مہہ وش کے ڈیڈی اپنی اکلوتی بیٹی کا ہاتھ مجھ جیسے معمولی ڈاکٹر کے ہاتھ میں دینا نہیں چاہتے تھے۔انہوں نے سردار شیر افضل کے ساتھ مل کر میرا پورا گھرانہ ختم کردیا اپنے گھر میں‘ صرف میں واحد فرد زندہ بچا ہوں۔جیسا کہ میں سر سفیان کو اپنی داستان میں ساری بات بتا چکا ہوں۔سردار شیر افضل اور راجہ جو میرے جانی دشمن تھے ان سے اپنی جان بچانے کے لیے ہی میں نے اپنی شناخت تبدیل کی تھی تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ میں ٹرین کے حادثے میں مر چکا ہوں۔

بعد میں مہہ وش کی شادی راجہ نے سردار شیر افضل کے بھتیجے سے کردی اور خود ہارٹ اٹیک کے باعث چل بسا۔ بعد میں مہہ وش کو معلوم ہوا کہ رئیس خان سردار شیر افضل کا بھتیجا نہیں ہے بلکہ دونوں میں سرے سے کوئی بھی رشتہ موجود ہی نہیں ہے سوائے لالچ اور حرص و ہوس کا راجہ کی بے تحاشا دولت اور جائیداد کی تنہا وارث مہہ وش ہی تھی۔ سردار شیر افضل نے رئیس خان سے مہہ وش کی شادی اس شرط پر کروائی تھی کہ وہ اس کی آدھی جائیداد اس کے نام کردے گا۔“

”تمہیں یہ سب باتیں کس نے بتائیں؟“ کرنل مشتاق نے چونک کر تیزی سے پوچھا۔

”ابھی کچھ عرصہ قبل اچانک ہی مجھے ایک ٹیکسی میں جاتی ہوئی مہہ وش دکھائی دی تھی۔“ پھر میں نے انہیں مہ وش سے ملاقات کی ساری تفصیل بتا دی۔

بہرحال ہم ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔

”اچھا تو اس رات تم مہہ وش کے ساتھ ریسٹورنٹ میں تھے جس رات تمہیں خالد... میرا مطلب ہے دلارے ملا تھا۔“ کرنل احتشام نے کہا۔

”جی ہاں، لیکن اس رات کے بعد میرا مہہ وش سے دوبارہ کوئی رابطہ نہیں ہوا کیونکہ اس نے اپنا کوئی بھی رابطہ نمبر مجھے نہیں دیا تھا بلکہ مجھ سے میرا نمبر لے لیا تھا۔

”تمہیں یقین ہے کہ رئیس خان کی وہ ساتھی لڑکی تمہاری دوست مہہ وش ہی ہے۔“ کرنل مشتاق نے کہا۔

”نائنٹی پرسنٹ یقین ہے یہ تو میں اسے دیکھ کر ہنڈریڈ پرسنٹ کہہ سکتا ہوں۔“

”یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو ہم اس کا بھی کوئی انتظام کرتے ہیں۔“ کرنل مشتاق کہا۔

”شمروز ایک اور مشتبہ شخص ہماری نگاہ میں ہے لیکن اس کے بارے میں ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے، میں تمہیں اس کے بارے میں بتاتا ہوں تم بتانا کہ تم کسی حوالے سے اس سے واقف ہو یا نہیں، کبھی نواب سطوت نے اس کا تم سے ذکر کیا یا کبھی وہ نواب سطوت کی کوٹھی میں اس سے ملنے کے لیے آیا یا نواب سطوت نے کبھی تمہیں اس کے پاس کسی کام سے بھیجا ہے۔“

حشام نے ٹیبل پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے قدرے آگے کی جانب جھکتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"آپ بتائیں وہ کون ہے' کیسا ہے اگر میں اس سے اس حوالے سے واقف ہوا تو آپ کو ضرور بتاؤں گا۔" میں نے کہا تو حشام اپنے سامنے رکھی ہوئی ایک فائل کھول کر مجھے اس کے بارے میں بتانے لگا اس نے بتایا۔

"اس شخص کی عمر تقریباً چالیس سال کے لگ بھگ ہے۔ویل ڈریس ہے ہمیشہ گلے میں سونے کی موٹی چین اور ہاتھوں میں قیمتی پتھروں کی انگوٹھیاں پہنتا ہے۔رسٹ واچ ڈائمنڈ کی پہنتا ہے۔سگار کا شوق اور ذوق رکھتا ہے اور سگار ایک خاص اور مخصوص اسٹائل سے پیتا ہے۔دولت اور پیسہ بہت ہے اس کے پاس اس کے کئی بزنس ہیں پاکستان سے لے کر دبئی تک پھیلے ہوئے ہیں۔

یہاں کراچی میں بھی اس کے کئی ہوٹل اور سپر مارکیٹیں ہیں۔پاکستان کی فلم انڈسٹری میں بھی اس نے کثیر سرمایہ لگایا ہوا ہے کتنی ہی فلمی ہیروئن اس کے تلوے چاٹتی ہیں۔ڈائریکٹر اور ڈسٹری بیوٹرز بھی اس کی جیب میں رہتے

ہیں۔پولیس اہلکار اور حکومت کے اعلیٰ عہدیداران سے بھی اس کے تعلقات ہیں۔ایک وفاقی وزیر سردار شیر افضل سے تو اس کا خاص یارانہ ہے...!"

"کیانام ہے اس کا؟" میں نے سردار شیر افضل کا نام سنتے ہی تیزی سے پوچھا۔

"وہ حبیب سلطان کے نام سے مشہور ہے۔" حشام نے بتایا اور کھوجتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"حبیب سلطان۔" میں سے آہستہ سے زیر لب دہرایا۔اس حلیے کے بندے کو اپنے ذہن کے حافظے میں تلاش کیا لیکن اس حلیے اور اس نام کے کسی فرد سے میں واقف نہیں تھا۔اس لیے میں نے مایوسی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تم نے نام تو اس طرح چونک کر تیزی سے پوچھا تھا جیسے تم اس شخص سے واقف ہو کہیں تم کچھ چھپانے کی کوشش تو نہیں کر رہے۔" حشام نے مشکوک نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

"میرے چونکنے کی وجہ سردار شیر افضل کا نام تھا۔" میں نے وضاحت کی۔

"اچھا کیا تم مجھے اس شخص کی کوئی تصویر دکھا سکتے ہو۔" میں نے امید بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں ہمارے پاس اس کی کئی تصاویر موجود ہیں۔" حشام نے کہا پھر پروجیکٹر پر متعین ایک صاحب کو اشارہ کیا کہ وہ بڑی اسکرین پر حبیب سلطان کی تصاویر دکھائیں اور چند ہی لمحوں میں اس حلیے کا حامل ایک شخص دکھائی دینے لگا۔مجھے اس شخص کو پہچاننے میں قطعی کوئی دشواری نہیں ہوئی اس لیے میں جذباتی ہو کر کرسی سے کھڑا ہو گیااور کہا۔

"میں اس شخص سے اچھی طرح سے واقف ہوں اس شخص کی دہری شخصیت ہے اور یہ دو مختلف ناموں اور حلیوں سے دو جگہ رہتا ہے۔"

"کون ہے یہ؟" سب کی زبانوں سے بیک وقت نکلا۔

"اس کا اصل نام ہی رئیس خان ہے اور یہ مہہ وش کا شوہر ہے اور اسی سے وہ اہم کاغذات لے کر میں اشرف علی یا کمل راؤ کو دینے کے لیے جا رہا تھا۔ یہ شخص دوبئی میں بھی رہتا ہے اور کراچی میں بھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

اس کی بیوی مہہ وش کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے کہ یہ کہاں دن و رات گزارتا ہے یا کیا کرتا ہے۔دنیا کی نگاہوں اور کاغذات میں وہ اس کی بیوی ضرور ہے لیکن حقیقت میں وہ اس کے دبئی والے محل میں ایک قیدی کی سی زندگی گزار رہی ہے کیونکہ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔اس لیے میری موت کی خبر سننے کے بعد اس کا دنیا سے دل اچاٹ ہو گیا اور اس نے کبھی بھی رئیس خان کو ایک شوہر کی حیثیت سے نہ چاہا نہ تسلیم کیا اس کی بلا سے وہ کیا کرتا ہے۔ کہاں جاتا ہے۔

لیکن میری سمجھ میں ایک بات یہ نہیں آرہی کہ وہ اس مرتبہ مہہ وش کو اپنے ساتھ پاکستان کیوں لے کر آیا ہے۔یقیناً اس کے پیچھے بھی کوئی خاص مقصد ہو گا۔اس نے تو مجھے یہ بتایا تھا کہ وہ اسے یہ کہہ کر پاکستان لایا تھا کہ میرے پیر صاحب میرے روحانی باپ ہیں میں تمہیں ان کی خدمت میں لے جاؤں گا تاکہ تمہاری حالت بہتر ہوسکے۔" میں نے تفصیل سے اس کے بارے میں بتایا۔

"تم ایک بار پھر غور سے اس کو دیکھو اور پھر حتمی بات کرو کہ کیا یہ واقعی رئیس خان ہے۔" حشام نے خاموشی سے ساری بات سننے کے بعد کہا۔

"ہاں مجھے پورا یقین ہے کہ یہی رئیس خان ہے فرق صرف حلیے کا ہے۔مجھے یہ عام اور سادہ لباس میں ملا تھا اور یہاں یہ شہنشاہ بنا ہوا ہے۔" میں نے انتہائی نفرت انگیز لہجے میں کہا۔

"اچھا یہ بتائیں اب آپ لوگوں نے ان دونوں کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔میرا مطلب ہے نواب سطوت اور رئیس خان کے بارے میں اور کیا اب یہ لوگ اپنی جگہ موجود ہیں یا منظر سے غائب ہوگئے ہیں۔" میں نے سوال کیا۔

"نواب سطوت تو اپنی جگہ ڈھٹائی کے ساتھ موجود ہے لیکن رئیس خان غائب ہے اور اس کی جگہ حبیب سلطان موجود ہے اور ان دونوں کے بارے میں ابھی ہم فوری طور پر کوئی بھی ایکشن نہیں لے سکتے اوپر بات کرنی پڑے گی ہم یوں ہی عام آدمی کی طرح ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔" کرنل اختشام نے گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے کہا۔

"اگر آپ مزید تصدیق چاہتے ہیں اس بات کی کہ یہی شخص رئیس خان ہے آپ مہہ وش کو یہ تصاویر دکھا دیں وہ تو اس کی بیوی ہے اس کے ہر انداز اور حرکات سے اچھی طرح واقف ہے۔وہ بھی میری بات کی تصدیق کرے گی۔" میں نے کہا۔

"ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو' ہم یقیناً ایسا کریں گے۔بلکہ بجائے ان تصاویر کے ہم اس کی ایک ویڈیو اسے دکھائیں گے جو ایک نجی محفل میں بنائی گئی تھی۔وہ ایک فلمی اداکارہ کی سالگرہ کی مووی ہے۔" حشام نے کہا۔

اور پھر ہماری یہ میٹنگ اختتام کو پہنچی میں اپنے نئے روم میں آگیا اور حشام وغیرہ بھی شاید چلے گئے ہوں گے ان کے بارے میں مجھے نہیں پتا چلا۔

...☆☆☆...

اپنے دل میں یہ بات سوچ کر کہ حشام یقیناً کسی اہم کام میں مصروف ہے جب ہی اس نے اپنا فون بند کر رکھا ہے میں نے مزید فون نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے فون ٹیبل پر رکھ دیا اور سونے کے ارادے سے لیٹ گئی اور آنکھیں بند کرلیں لیکن آنکھیں بند کرلینے کے باوجود نیند میری آنکھوں میں

آنے کا نام نہیں لے رہی تھی میرا دماغ حشام کی جانب ہی لگا ہوا تھا میں دل ہی دل میں اس کے لیے دعائیں کرنے لگی۔

جب سے مجھے اس بات کا ادراک ہوا تھا کہ حشام نا صرف ایک بے باک صحافی ہے بلکہ وہ انٹیلی جنس کا بندہ بھی ہے میرا دل فخر و غرور سے بھر گیا تھا اس نے مجھ سے اپنا آپ کیوں

چھپایا یہ میں نہیں جانتی حالانکہ اسے ہر ہر بات کی خبر تھی لیکن وہ مجھ سے اسی طرح ہر بات سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا جیسے حقیقت میں وہ بے خبر ہے انکل نے میرے سامنے بھی یہی ظاہر کیا مجھے اس بات کی بھی بے حد خوشی اور تسلی تھی کہ حشام اب مکمل طور پر صحت یاب ہے وہ اتنا زیادہ زخمی ہوا تھا یا نہیں مجھے اس کی کوئی فکر نہیں تھی میں تو بس خوش اور مطمئن تھی کہ وہ مکمل طور پر صحت یاب ہے۔

اپنے نام نہاد باپ نواب سطوت کے لیے میرے دل میں موجود نفرت پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑھ گئی تھی۔وہ اپنے ملک کا دشمن اور غدار ہے اور ایسے لوگوں کے لیے رشتے کوئی بھی معنی نہیں رکھتے۔اگر میں ایک حقیقی بیٹی کی

حیثیت سے اس سے پیار کر بھی رہی ہوتی تب بھی اس کی اصل حقیقت سامنے آنے کے بعد میں اس سے اسی طرح نفرت کرتی۔میرے لیے سب سے زیادہ عزیز میرا ملک اور یہاں بسنے والے لوگ تھے اور جو اس سے دشمنی کرے گا میں سب سے پہلے اس سے دشمنی کروں گی۔

میرے خیالات کی رو ایک بار پھر حشام کی جانب مڑ گئی۔خیالوں میں میری نئی زندگی کے خوش کن لمحات مجھے گدگدانے لگے اور ان ہی خوش کن تصورات کے ساتھ میں نیند کی گہری وادیوں میں اتر گئی۔میرے موبائل پر الارم بجا تو میری آنکھ کھل گئی میں نے ہاتھ بڑھا کر موبائل آف کر دیا اور گہری نیند ہونے کی وجہ سے کروٹ لے لی پھر جیسے کسی نے میرے کان میں سرگوشی کی الصلوۃ خیر المن النوم تو میں تیزی کے ساتھ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

اللہ تعالیٰ میری سرمئی امی کو جنت الفردوس عطا کرے کہ میرے بچپن ہی سے انہوں نے مجھے نماز کی پابندی کی عادت ڈالی تھی میں کہیں بھی ہوتی نماز کی وقت پر ادائیگی کبھی بھی نہ بھولتی تھی۔

نماز کے بعد میں دوبارہ سو گئی امی نے میرے کمرے میں جھانکا پھر مجھے سوتا ہوا دیکھ کر چلی گئیں۔ گہری نیند سے ایک بار پھر میں ڈسٹرب ہو گئی جب حشام کا فون آیا۔

"ہوں۔"میں نے فون کان سے لگا کر بنا نمبر دیکھے نیند سے بوجھل لہجے میں کہا۔

"ہوں۔" جواباً میرے لہجے کی نقل اتارتے ہوئے اس نے شوخ لہجے میں کہا۔"ابھی تک میری جانو کی نیند پوری نہیں ہوئی لگتا ہے اتنے دنوں کی نیند پوری ہو رہی ہے۔"

آواز حشام کی تھی اس لیے میں پوری طرح نیند سے بے دار ہو گئی۔میں اسے یہ بتانا نہیں چاہتی تھی کہ رات کو میں نے اسے فون کیا اور اس کا فون آف پایا اس لیے کہا۔

"ہاں شاید' کیوں کیا ٹائم ہوا ہے۔"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"آنکھیں کھولو جان من صبح کے گیارہ بج رہے ہیں۔" اس نے محبت بھرے لہجے میں کہا اس کے جان من کہنے سے مجھے شرم آگئی پیار میں وہ مجھے نجانے کون کون سے خطابات دینے لگتا تھا۔

"کیا بات ہے مسٹر تم سیدھی طرح میرا نام کیوں نہیں لیتے۔" میں نے اسی طرح کہا۔

"کیوں میں نے ایسا کیا کہہ دیا۔" اس کے لہجے میں ڈھیر ساری شرارت چھپی تھی۔

"مجھے نہیں پتا... تم بہت وہ ہو۔" میں نے کہا۔

"وہ' یعنی ہینڈسم اور اسمارٹ۔" وہ پھر بولا۔

"نہیں وہ۔" میں نے کہا۔

"اچھا تم مجھے اپنا جانو کہنے سے شرما رہی ہو۔" اس نے مجھے چھیڑا۔

"باز آجاؤ حشام ورنہ میں...!" میں اپنا ہمیشہ کہا جانے والا جملہ کہتے کہتے رک گئی۔

"پیار کرلو گی' تو کرلو... کس نے منع کیا ہے۔" اس نے خمار آلود لہجے میں کہا۔

"حشام میں فون بند کر رہی ہوں۔" میں نے اس کی شرارتوں سے تنگ آکر کہا۔

"ارے رے رے' یہ کیا غضب کر رہی ہو' ایسا مت کرنا... اچھا چلو چھوڑو ایک خوش خبری سنو۔" اس نے کہا تو میں مسکرا دی۔

"آج شام کو ممی اور ڈیڈی تمہارے گھر آرہے ہیں ہمارے رشتے کی بات کرنے کے لیے۔بس کچھ دن اور ہیں دوری کے پھر تم ہوگی اور میں...!" اس کے لہجے میں گنگناہٹ اتر آئی۔

"منہ دھو رکھیے جناب' میں شادی کے موڈ میں قطعی نہیں ہوں اور وہ بھی تم سے...!" میں نے اسے چھیڑا کیونکہ بہت دیر سے وہ مجھے تنگ کر رہا تھا اب میری باری تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"پلیز سرمئی ایسا مذاق میں بھی مت کہنا دیکھو میں گولیاں کھا کر بھی زندہ بچ گیا لیکن تمہاری نہ کے بعد میں زندہ نہیں رہ سکوں گا۔" وہ ایک دم سنجیدہ ہوگیا لہجہ بھیگ گیا اور میں تڑپ گئی۔

"کیا ہوگیا ہے حشام میں تو مذاق...!"

"نہیں' مذاق میں بھی نہیں۔" اس نے تیزی سے میری بات کاٹ کر قطعی لہجے میں کہا۔

"اور تم جو مجھے اتنی دیر سے تنگ کر رہے تھے میں نے ایک بات کہہ دی تو سنجیدہ ہی ہوگئے۔" میں نے ہلکی سی ناراضگی بھرے لہجے میں کہا۔

"تو کیا میں نے کوئی ایسی بات کہی جس سے تمہارا دل دکھا ہو۔تم اندازہ ہی نہیں کرسکتی میری جان تم میرے لیے کیا حیثیت رکھتی ہو۔میرے دل کی دھڑکن ہو اور میری آتی جاتی سانس ہو۔" اس نے کہا تو میں نے جھٹ کہا۔

"جناب کو صرف اپنی محبت کی شدت کا احساس ہے سچی محبت تو یہ ہے کہ بندے کو دوسرے کے دل کا بھی پتا ہو کہ وہ کسی کے لیے کیا ہے۔"

"کیا کریں۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔"کبھی کسی نے کھل کر بتایا بھی تو نہیں ہم تو ترستے ہی رہے کہ کوئی ہم سے بھی اپنی بے تابیوں کا ذکر کرے اور کہے جان میں تمہاری بانہوں کے لیے ترس رہی ہوں۔"

"خدا کی قسم حشام تم انتہائی بے شرم انسان ہو۔توبہ توبہ کس قسم کی باتیں کرتے ہو۔" میں نے بوکھلا کر کہا تو حشام کا بلند قہقہہ میری سماعت سے ٹکرایا وہ پھر بولا۔

"ابھی تم نے بے شرمی دیکھی کہاں ہیں بے شرمی تو...!"

"اللہ حافظ۔" میں نے جھٹ اسے اللہ حافظ کہہ کر فون بند کردیا یہ سوچ کر ہی میرا چہرہ دہک اٹھا کہ وہ کیا کہنے والا ہے۔

میں نے فون بند کردیا تو اس نے دوبارہ ملا لیا لیکن بیل ہوتی رہی اور میں نے فون ریسیو نہیں کیا۔مجھے واقعی بے حد شرم آرہی تھی۔"یہ مرد واقعی بڑے بے شرم ہوتے ہیں۔" میں نے زیر لب کہا اور فریش ہونے واش روم چلی گئی۔

میں کمرے سے باہر آئی تو امی اور اماں دونوں بہت خوش گوار موڈ میں دھیرے دھیرے باتیں کر رہی تھیں۔مجھے دیکھا تو مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگیں۔اماں جھٹ اٹھیں اور میرے بلائیں لے ڈالیں۔امی بھی ڈھیروں دعائیں دینے لگیں۔میں سمجھ گئی کہ آنٹی کا فون امی کے پاس آچکا ہے۔لیکن انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"کیا بات ہے کیوں میری بلائیں لی جا رہی ہیں اور امی اتنی دعائیں بھی دے رہی ہیں۔"

"مبارک ہو میرا بچہ' خیر سے آج شام حشام میاں کے والدین تمہارے اور حشام کے رشتے کی بات کرنے آرہے ہیں بلکہ بات کیا ہم تو یہ سوچ رہے ہیں کہ چند خاص لوگوں کو بلالیں اور تمہاری منگنی کا اعلان کردیں۔" اماں نے پر مسرت لہجے میں کہا۔

"اچھا...!" میں شرم سے گلنار چہرہ لیے جھک گئی۔امی نے ہنستے ہوئے ایک بار پھر میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"تو پھر حمیدہ باجی میں حشام کی والدہ سے بات کروں۔" امی نے اماں سے پوچھا۔

"ہاں' میرا خیال تو یہی ہے کہ یہ رشتہ وغیرہ لانے کی بات چھوڑیں۔انہیں بھی معلوم ہے کہ ہم بھی راضی ہیں تو پھر کیوں نہ چھوٹی سی رسم ادا کرلیں۔"

اماں نے جواب دیا تو امی ریسیور اٹھا کر حشام کے گھر کا نمبر ملانے لگیں اور میں کچن کی جانب آگئی۔چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔

شام تک میں اپنے کمرے میں ہی رہی۔امی اور اماں نے کس طرح سے کیا انتظامات کیے مجھے نہیں معلوم البتہ مغرب کی نماز کے بعد امی ہلکا گلابی اور آسمانی کلر کا کامدار سوٹ لے کر آگئیں کہ یہ پہن کر تیار ہوجاؤ۔

اس کلر کمبینیشن کو دیکھ کر میں حیران رہ گئی۔یہ دونوں کلر تو حشام کے پسندیدہ کلرز تھے۔میں نے حیرانی سے امی کو دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"ابھی ان کے گھر کا ڈرائیور یہ سارا سامان دے کر گیا ہے تم تیار ہوجاؤ آج تمہاری منگنی نہیں نکاح ہے۔"

"کیا... نکاح...!" میں نے حیرانی سے کہا۔

"بھئی کیا کریں حشام بیٹا کی یہی ضد تھی۔مجھے تو یہ ٹینشن ہو رہی ہے کہ کہیں موصوف نکاح کے بعد یہ ضد نہ شروع کردیں کہ میں اپنی دلہن کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔" امی بولیں۔

"تو کیا امی آپ مجھے رخصت کردیں گی۔"میں نے بھولپن سے کہا تو امی ہنسنے لگیں اور بولیں۔

"بھئی پھر تو بات ماننی پڑے گی پھر میں تمہیں کس حق سے روکوں گی۔"

"ہائے اللہ امی یہ سب اتنا اچانک۔" میں واقعی ہونق ہوگئی تھی۔حشام سے کچھ بعید نہیں کہ وہ کسی بھی وقت کیا دھماکا کردے۔

'تم تیار ہوجاؤ فٹافٹ' ہاں یہ جیولری ہے اور یہ میک اپ کا سامان۔اگر میری ضرورت ہو تو بلا لینا۔" امی نے کہا۔

"لیکن امی آپ کو تو پتا ہے کہ مجھے میک اپ وغیرہ کرنا نہیں آتا کبھی کیا جو نہیں ہے۔" میں نے بے چارگی سے کہا۔

"تو اس میں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے میں خود اپنے ہاتھوں سے اپنی بیٹی کو تیار کروں گی۔تم کپڑے تبدیل کرلو تو مجھے آواز دے لینا۔" امی نے میرا چہرہ اپنے ہاتھوں کے

پیالے میں تھام کر کہا اور ان کی آواز بھرا گئی اور میں امی کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

امی نے میرا میک اپ کیا جیولری پہنائی اور بے ساختہ ان کے لبوں سے ماشاء اللہ نکل گیا۔امی کی آنکھیں بار بار بھر آرہی تھیں۔امی کمال ہوشیاری سے اپنے آنسو چھپا رہی تھیں۔

ذرا دیر بعد کرنل مشتاق کی وائف اور بیٹی امی کے ساتھ کمرے میں آگئیں۔اس کے بعد مہمانوں کی آمد شروع ہوگئی۔پھر باہر تھوڑی ہلچل مچی پتا چلا کہ طلال انکل وغیرہ بھی آگئے ہیں۔مجھے اپنے آپ پر حیرت ہو رہی تھی کہ میں کس طرح ایک مشرقی لڑکی کی طرح شرم و حیا کا پیکر بنی بیٹھی ہوں۔حشام جس کے ساتھ میری بے انتہا لڑائی ہوتی تھی کس طرح اس کے تصور سے بھی مجھے شرم آرہی تھی۔دل کی دھڑکن تھی کہ قابو میں ہی نہیں آرہی تھی۔

آنٹی اندر آئیں اور انہوں نے مجھے دیکھا تو بے حد تعریف کی۔کچھ دعائیں پڑھ کر میرے چہرے پر پھونک ماری کہ مجھے کسی کی نظر نہ لگ جائے۔

"آنٹی آپ سرمئی پر یہ پڑھ کر دم کریں کہ حشام بھائی کی نظر نہ لگے۔" آصف کی بہن ثمینہ نے کہا تو وہ ہنس پڑیں۔

پھر تھوڑی دیر بعد میرا کمرہ بھر گیا' طلال انکل' مشتاق انکل اور آصف اندر آگئے۔مشتاق انکل میرے وکیل تھے۔ولدیت کے خانے میں مجبوراً نواب سطوت کا نام تحریر کیا گیا آصف کا نام گواہان میں شامل تھا۔

اور پھر ایجاب و قبول کے بعد میرا نکاح حشام کے ساتھ ہوگیا۔اس وقت جو میرے دل کی کیفیت تھی وہ لفظوں میں بیان نہیں کرسکتی۔ہمیشہ کے لیے میں اور حشام شرعی اور قانونی طور پر ایک دوسرے کے ہوگئے تھے۔میرا دل اپنے رب کے آگے سجدہ ریز تھا تو دوسری طرف ایک عجیب سا دکھ اور ملال تھا۔میں یتیم نہیں تھی میرا باپ اس دنیا میں موجود تھا لیکن آج ایک باپ کی حیثیت سے کرنل مشتاق نے میرے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔انہوں نے

حشام کی جانب سے شرکت نہیں کی تھی بلکہ وہ اور ان کی فیملی میری جانب سے شریک ہوئے تھے۔

باہر مبارک سلامت کا شور اٹھا پھر تھوڑی دیر بعد مجھے باہر لے جایا گیا۔لاؤنج میں صوفے تھے لیکن مہمانوں کے لیے مزید کرسیاں لگائی گئی تھی۔یہیں ایک صوفے پر حشام آف وائٹ لباس میں بیٹھے تھے گلے میں سرخ گلابوں کا ہار تھا۔میں نے ایک نگاہ حشام پر ڈالی پھر نگاہیں جھکالیں مجھے حشام کے برابر میں بٹھا دیا گیا۔مہمانوں کو کھانے کے لیے لان میں لے جایا گیا۔لاؤنج میں تھوڑے لوگ رہ گئے تب ہی میری نگاہ آصف پر پڑی وہ ہاتھ میں کیمرہ لیے میری اور حشام کی تصاویر اتار رہا تھا۔

”خدا کی قسم آج تو تم جنت سے اتری ہوئی حور لگ رہی ہو۔میرا دل تو بے قابو ہوا جا رہا ہے۔“ حشام نے میری جانب جھک کر سرگوشی میں کہا تو میں کچھ بھی نہ کہہ سکی‘ اف اللہ کس قدر شرم آرہی تھی۔مجھے یہ سب بہت عجیب لگ رہا تھا اپنا اس طرح بیٹھنا اور اتنی شرم آنا۔

وہ مسلسل میرے کان میں سرگوشیاں کیے جا رہا تھا آصف مسلسل سامنے کھڑے تھا اس کی گہری نگاہیں میرے چہرے ہی کا طواف کر رہی تھیں۔

پھر سب لوگ کھانے سے فارغ ہو کر آگئے کسی نے کہا بھئی ان دونوں کو تو کھانا کھلا دو‘ لیکن حشام نے منع کردیا کہ مجھے بالکل بھی بھوک نہیں ہے۔“ یہ کہو کہ اپنی دلہن کے پاس سے اٹھنے کا دل ہی نہیں چاہ رہا ہے۔“ مسز مشتاق نے کہا تو سب ہنس پڑے۔

”آنٹی یو آر گریٹ۔“ حشام نے چہک کر کہا ”اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ اس کو چھوڑ کر میں کھانا کھانے نہیں گیا تو پھر اکیلا گھر واپس کیسے جا سکتا ہوں۔“

”صبر میرے بچے‘ ابھی تو نکاح ہوا ہے رخصتی بھی ان شاء اللہ جلد ہی کردیں گے۔“ اماں نے آگے بڑھ کر کہا۔

پھر سب میں ایک نئی بحث چھڑ گئی۔وہی ہوا جس کا امی کو ڈر تھا۔حشام ضد پر اڑ گیا کہ میں اکیلا نہیں جاؤ گا۔طلال انکل‘ آنٹی‘ امی‘ اماں اور کرنل مشتاق اسے سمجھانے میں لگ گئے سب لوگوں کی توجہ ان لوگوں کی جانب ہوگئی تو

آصف میرے نزدیک چلا آیا اور صرف میرے پوز کیمرے میں مقید کرنے لگا۔

"آپ اپنا چہرہ پلیز تھوڑا سا اونچا کریں۔" اس نے لرزتے ہاتھوں سے میری تھوڑی کو تھوڑا سا اونچا کیا اور گھٹنوں کے بل میرے پیروں کے پاس بیٹھ گیا اور کیمرے کا لینس چہرے پر سیٹ کرنے لگا۔

مجھے آصف کی یہ حرکت بے حد ناگوار گزری لیکن میں خاموش رہی وہ کیمرے کی آنکھ سے مجھ پر نگاہ جمائے ہوئے تھا۔ پھر بھاری لہجے میں بولا۔

"سرمئی میں نے آپ کو اپنے دل کی تمام تر گہرائیوں سے چاہا تھا لیکن آپ کے دل میں تو پہلے سے حشام موجود تھا۔ اس لیے آج میں پورے خلوص سے آپ کو دعا دیتا ہوں کہ آپ حشام کے ساتھ ہمیشہ خوش رہیں۔" اس کے ساتھ ہی اس نے فلش آن کی اور میری تصویر اتار لی۔

مجھے یہ بات بعد میں پتا چلی کہ آج میرے اس گھر کی سیکیورٹی کا بہت زیادہ خیال رکھا گیا تھا۔ باہر جو لوگ باراتی دکھائی دے رہے تھے حقیقت میں سیکیورٹی ایجنسی کے بندے تھے۔

مجھ سے ایک جملے میں اپنے دل کا حال بیان کر کے آصف میرے پاس سے ہٹ گیا اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں اس نے کیمرہ ایک دوسرے شخص کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ تم تصاویر اتارو میری آنکھ میں کچھ چلا گیا ہے اور وہ وہاں سے چلا گیا اور نجانے کیوں پہلی مرتبہ میرا دل آصف کے لیے دکھی ہوا۔ میں اس کے بارے سوچنے لگی۔ ہوش

اس وقت آیا جب امی نے مجھے اپنی بانہوں کا سہارا دے کر کھڑا کیا اور گلوگیر لہجے میں بولیں۔

"جاؤ میری جان خیر سے اپنے گھر سدھارو۔ ابھی میرا ارادہ تمہاری رخصتی کا نہیں تھا لیکن حشام کی ضد نے مجھے مجبور کردیا ہے۔" اور یہ کہہ کر انہوں نے مجھے گلے لگالیا۔ میری آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے امی اتنے تھوڑے عرصے کے لیے مجھے ملی تھیں۔

یہ سب اتنا اچانک ہوگیا کہ میری کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ صبح تک تو کچھ بھی نہیں تھا اور اب نکاح اور رخصتی، پتا نہیں امی کس طرح قائل ہوگئیں۔ شاید کرنل مشتاق نے امی کو علیحدگی میں لے جا کر کچھ سمجھایا تھا۔

میں بلیک شیشوں والی بلیک سوک میں حشام کے پہلو میں بیٹھی تب مجھے یقین آیا ڈرائیونگ سیٹ ضد کر کے آصف نے ہی سنبھال لی اور میں گاڑیوں کے جلوس میں اپنے حشام کے گھر روانہ ہو گئی۔

...☆☆☆...

میٹنگ سے فارغ ہو کر میں اپنے کمرے میں آیا تو مسلسل مہہ وش کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

راجہ صاحب کی اکلوتی بیٹی اتنی زمین اور جائیداد کی تنہا وارث۔وہ مہہ وش کو اتنا زیادہ چاہتے تھے کہ اس کی ماں کے مرنے کے بعد بھی انہوں نے دوسری شادی نہیں کی۔اس کی ہر آرزو اور ہر خواہش کو پورا کرنا وہ اپنا ایمان سمجھتے تھے لیکن جب اس نے میرا ساتھ مانگا تو وہ ایک سرمایہ دار بن گئے۔اپنی امارت کا غرور ہو گیا اور غرور سے تنی اس گردن نے اپنی بیٹی کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش کے آگے بھی سر نہیں جھکایا اس کا پیار اس سے چھین لیا اور اسے تڑپنے کے لیے چھوڑ دیا۔

مہہ وش نے اچھی بیٹی ہونے کا ثبوت دیا اور مرتے ہوئے باپ کی خواہش پر سر جھکا دیا۔جس کا زندگی بھر کا ساتھ انہوں نے اسے دیا وہ اس نے بنا سوچے سمجھے قبول کرلیا۔

پھر وہ مر گئے اور بیٹی کو ایک ایسی سرد جہنم میں جھلسنے کے لیے چھوڑ گئے کہ جس کی آگ کسی اور کو دکھائی نہیں دیتی بس جلنے والا اس کی تپش کو محسوس کرتا ہے اور مرغ بسمل کی طرح تڑپتا رہتا ہے۔

اور آج اپنے شوہر کے گناہ کی سزا وہ بھگت رہی تھی۔ایجنسی والوں نے اسے قید کر رکھا تھا۔اسے شدید ذہنی اذیت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔وہ اس بارے میں کیا بتائے گی جس کے بارے میں اسے علم ہی نہیں ہے۔وہ تو رئیس خان کے قفس میں اپنی زندگی کے دن پورے کر رہی تھی۔

اللہ کا شکر ہے کہ یہ بات میرے سامنے آگئی اور میں نے انہیں ساری حقیقت بتادی۔اب میری اللہ سے یہ دعا ہے کہ یہ لوگ میری مہہ وش سے ایک ملاقات کروا دیں۔

اس رات میں لمحہ بھر بھی نہ سو سکا نرم و ملائم بستر بھی کانٹوں بھرا محسوس ہو رہا تھا میں بار بار تڑپ کر بستر سے اٹھ کھڑا ہوا اور ٹہلنے لگتا۔مہہ وش کا نجانے کیا حال ہوگا۔میری وہ نرم و نازک گڑیا کہیں زنجیروں میں قید نہ ہو۔ کہیں سچ اگلوانے کے لیے اسے بھی تشدد کا نشانہ نہ بنایا گیا ہو میں یہ سب کچھ سہہ کر آیا تھا میں مرد تھا سب کچھ برداشت کر گیا لیکن میری مہہ وش...! اس نے کس طرح یہ سب سہا ہوگا میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں تمام پابندیاں توڑ کر اس تک جا پہنچوں۔

پھر میں نواب کے بارے میں سوچنے لگا کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہوگا۔یا پھر یہ کہ اب یہ ایجنسی والے اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔اب تو اس کے بارے میں ساری معلومات انہیں مل گئی ہیں اور رئیس خان کا کیا انجام ہوگا۔یہ وہ دیو ہے جس نے میری پری میری شہزادی کو اپنے محل میں قید کر رکھا تھا۔ایسا محل جو سب سے اونچی پہاڑی پر تھا اور جس پر پہنچنا میرے لیے بہت مشکل تھا میں کس طرح اپنی شہزادی کو اس کی قید سے رہائی دلواؤں۔

میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا لگتا تھا دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔بس ایک ہی راستا سجھائی دیا کہ میں اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو کر اس کی منتیں کروں کہ وہ مہہ وش کو اس سے رہائی دلوا دے۔

پھر میں وضو کر کے بارگاہ ایزدی میں کھڑا ہو گیا میرا سارا جسم لرز رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔دو رکعت نفل حاجت پڑھ کر میں سجدہ ریز ہو گیا اور نجانے کب تک اپنے رب سے التجائیں کرتا رہا۔

اگلا دن میرا چپ چاپ گزر گیا۔یہ اس سے اگلا روز تھا جب کرنل احتشام نے مجھے بلوایا انہوں نے مجھے اپنے روم میں بلوایا تھا جو شخص مجھے بلانے کے لیے آیا تھا وہی اپنے ہمراہ مجھے ان کے روم تک لے گیا اور مجھے دروازے پر چھوڑ کر چلا گیا میں نے دروازے پر دستک دی تو اندر سے کرنل احتشام کی بھاری آواز آئی۔

”یس... کم آن۔“

وہ ٹیبل کے پیچھے کرسی پر بیٹھے کسی فائل کی ورق گردانی میں مصروف تھے قریب کی نگاہ کا چشمہ انہوں نے لگایا ہوا تھا مجھے چشمے کے اوپر سے نگاہ اٹھا کر

دیکھا۔ پھر چشمہ اتار کر ٹیبل پر رکھا اور فائل بند کر کے مجھے آنے کا اشارہ کیا میں قریب گیا تو میز کی دوسری جانب پڑی ہوئی کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”بیٹھو۔“ تو میں بیٹھ گیا۔

”کیسے ہو شمروز؟“ انہوں نے دوستانہ مسکراہٹ کے بعد پوچھا۔

”شکر الحمدللہ سر آئی ایم پرفیکٹلی فائن۔“ میں نے بیٹھتے ہوئے سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے کہا۔

”ہوں۔“ انہوں نے ہلکی سی ہنکاری بھری پھر کچھ سوچنے لگے جیسے کچھ کہنے کے لیے الفاظ جمع کر رہے ہوں۔ میں خاموشی سے ان کے بولنے کا منتظر تھا۔ پھر وہ بولے۔

”تم نے رئیس خان کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا صرف اتنا ہی جانتے یا کچھ باقی ہے۔“

”سر آپ کو مجھ سے یہ سوال کرنا ہی نہیں چاہیے تھا کیونکہ میرے علم میں جو کچھ اور جتنا تھا وہ ایک ایک بات میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ میں تو اس بات سے بھی لا علم تھا کہ یہ شخص پاکستان میں ایک دہری شخصیت کے ساتھ پہچانا

جاتا ہے کچھ اسی کے بارے میں مجھے مہہ وش نے بتایا تھا اور کچھ اس سے ایک ملاقات میں، میں نے جانا تھا لیکن جو شخص مجھ سے رئیس خان بن کر ملا تھا وہ اس حبیب سلطان سے یکسر مختلف ہے۔ اس نے بڑی چالاکی سے اپنے رئیس خان کے کردار اور حبیب سلطان کے کردار کو علیحدہ کر رکھا ہے اور شاید اس دہری شخصیت کو اپنانے کی وجہ بھی یہی ہو کہ اگر کبھی یہ رئیس خان کو ہمیشہ کے لیے غائب کر کے صرف حبیب سلطان بن کر آزاد گھومتا پھرے مجھے آپ کا سوال سن کر ایسا لگ رہا ہے جیسے ابھی بھی آپ کو میرے اوپر مکمل بھروسا اور یقین نہیں ہوا ہے۔“ میں نے آخری جملہ دکھی انداز میں کہہ کر سر جھکالیا۔ میری سچائی کا گواہ سوائے میرے اللہ کے کوئی نہیں تھا۔ میں اس وقت اپنے آپ کو بے حد بے بس محسوس کر رہا تھا اور اپنے دل کی سچائی کا یقین نہیں دلا سکتا تھا چاہے کچھ بھی ہوجائے میں مجرم کی حیثیت سے ان کے ہاتھ لگا تھا اور مشتبہ کی حیثیت سے رہوں گا۔

”ارے یار تم تو دل پر لے گئے۔“ انہوں نے اپنی کرسی سے اٹھ کر میرے قریب آتے ہوئے دوستانہ لہجے میں کہا۔

"دراصل ہماری فیلڈ ہی ایسی ہے کیا کریں اپنی عادت سے مجبور ہیں اینی وے میں نے تمہاری اور مہ وش کی ملاقات کا بندوبست کردیا ہے۔"

انہوں نے کہا تو میں نے تیزی سے چونک کر سر اٹھایا اورپر مسرت لہجے میں کہا۔"کیا واقعی سر؟" تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگے۔

"کہاں ہے وہ؟" میں نے بے قراری سے سوال کیا۔

"تمہارے لیے اسے یہیں بلوا لیا ہے بس چند منٹ صبر کرو لیکن...!" اتنا کہہ کر وہ معنی خیز انداز میں مسکرانے لگے۔

"لیکن کیا سر۔" میں بھی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور پوچھا۔

"یہ یاد رہے کہ تمہاری یہ ملاقات اس وقت ہمارے نمائندے کی حیثیت سے ہو رہی ہے اور اسے اس بات کا قطعی پتا نہ چلے تم اس سے جو کچھ بھی اگلوا سکتے ہو اگلواؤ۔یہ بہت ضروری ہے جوان۔" انہوں نے سختی کے ساتھ میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ بے فکر رہیں سر، میرے لیے سب سے زیادہ اہم اپنے وطن کی عزت ہے مجھے یہ بات تو بہرحال معلوم کرنی ہی ہے کہ رئیس خان اسے کس لیے یہاں لایا تھا۔یقیناً کوئی بہت اہم وجہ ہی ہوگی۔"

"گڈ۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا پھر میز پر رکھی ہوئی بیل پر ہاتھ مارا تو باہر سے ایک شخص اندر آگیا تو کرنل احتشام نے اس سے کہا کہ انہیں سیل نمبر تیس میں لے جاؤ۔

میں اس کے ساتھ جا تو رہا تھا لیکن میرا دل ہزار میل فی گھنٹہ کے حساب سے دھڑک رہا تھا۔میں سوچ رہا تھا کہ میں مہہ وش کو نجانے کس حال میں دیکھوں گا۔

میں ایک بار پھر اس وسیع میدان سے گزر رہا تھا جہاں سے میں آیا تھا یہاں کافی سارے کمرے بنے ہوئے تھے ایک کمرے کے دروازے پر جا کر اس نے باہر سے دروازہ کھولا اور مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا۔میں اندر داخل ہوگیا تو اس نے باہر سے دروازہ بند کردیا۔

اندر بہت ہلکی روشنی تھی مجھے مہہ وش دکھائی ہی نہیں دی لیکن مہہ وش کی نگاہ جیسے ہی مجھ پر پڑی وہ ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ اٹھی اور دوڑتی ہوئی آکر میرے سینے سے لگ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردیا۔

خود میرا دل غم و اذیت سے پھٹا جا رہا تھا لیکن میں نے کمال ضبط سے خود کو سنبھال لیا۔بس میرے ہاتھوں کی گرفت خود بخود مہہ وش کے گرد مضبوط ہوتی چلی گئی۔

مہہ وش دیر تک میرے سینے سے لگی روتی رہی میں نے جی بھر کر اسے رونے دیا۔بس آہستہ آہستہ اس کی سسکیاں تھمتی چلی گئیں تو وہ مجھ سے ہٹ کر کھڑی ہوگئی اور اپنے دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے بولی۔

”شاہ زمان یہاں کیسے آگئے؟“

”بس مجھے پتا چل گیا کہ میری مہہ وش مشکل میں ہے اور دیکھو میں آگیا۔“ میں نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔اس وقت مہہ وش کے چہرے پر میری نگاہ پڑی تو میرا دل کٹ کے کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا۔یہ مہہ وش اس مہہ وش سے یکسر مختلف تھی جو میری محبت تھی کہاں وہ گلاب کے پھول جیسا

نرم و ملائم سرخ و سفید چہرہ‘ اس وقت سوکھا ہوا تھا وہ آنکھیں جن میں ہر وقت قندیلیں روشن رہتی تھی۔اس وقت بجھی ہوئی تھیں۔پھول کی پنکھڑیوں جیسے لب تھے جن پر اس وقت سوکھی پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔الجھے ہوئے پراگندہ بال۔میلا اور مسلا ہوا لباس۔

”کیا دیکھ رہے ہو شاہ زمان‘ شاید ہمارے نصیب میں یہ ملاقات لکھی تھی اس لیے میں تمہیں زندہ مل گئی ہوں ورنہ جو اذیت میں نے رئیس کی وجہ سے اٹھائی ہے اس ذلت سے تو بہتر تھا کہ اللہ مجھے موت ہی دے دیتا۔“

”مجھے یہ بتاؤ مہہ وش کہ رئیس خان تمہیں اپنے ساتھ پاکستان کیوں لایا تھا۔جبکہ پچھلی ملاقات میں تو تم نے مجھے یہ بتایا تھا کہ تمہارے اس کے ساتھ تعلقات نہ ہونے کے برابر ہیں۔اس نے تمہیں صرف اس وجہ سے طلاق نہیں دی تھی کہ وہ تمہیں آزاد کرکے تمہاری من پسند زندگی گزارنے کی اجازت نہیں دینا چاہتا تھا۔پھر اسے تمہیں اپنے ساتھ پاکستان لانے کا خیال کیوں آیا؟“ میں مہہ وش کو اپنے ساتھ لیتے ہوئے فرش پر بیٹھ گیا جہاں ایک چٹائی پڑی ہوئی تھی۔

"مجھے نہیں پتا شاہ زمان' میں تو خود حیران تھی۔ بلکہ مجھے پاکستان آنے کی کوئی خوشی بھی نہیں تھی اس لیے کہ میرا یہاں تھا ہی کون' ایک تم تھے جس کا مجھے یہ پتا تھا کہ وہ بھی اب اس دنیا میں نہیں ہے۔اس نے مجھے اس ہوٹل میں ٹھہرا دیا تھا۔یہاں میں تنہا تھی۔ جیسے دبئی میں اپنے کمرے میں تنہا رہتی تھی ویسے ہی یہاں رہ رہی تھی لیکن تم سے ملاقات کے بعد میرے اندر جینے کی امنگ پیدا ہوگئی تھی اور میں نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ اب دبئی جا کر رئیس سے علیحدگی کی بات کروں گی اور اگر وہ مجھے آزاد کردیتا تو تمہارا کانٹیکٹ نمبر تو تھا ہی میرے پاس لیکن اللہ جانے رئیس نے ایسا کون سا کام کیا ہے کہ مجھے ان لوگوں نے ہوٹل سے اٹھا لیا اور یہاں لا کر صرف رئیس کے بارے میں مجھ سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں یہ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ میں رئیس کی ساتھی ہوں۔میں نے بڑی مشکل سے انہیں یہ یقین دلایا ہے کہ میں اس کی بیوی ہوں اور وہ کیا کرتا ہے مجھے اس بارے میں کچھ نہیں پتا لیکن یہ لوگ اس بات کا یقین ہی نہیں کر رہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ نا ممکن ہے کہ ایک

بیوی کو پتا ہی نہ ہو کہ اس کا شوہر کیا کرتا ہے۔مجھے تم یہ بتاؤ۔" اس نے میرا بازو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں مضبوطی سے تھام لیا اور بولی۔

"کیا تمہارا تعلق بھی ان لوگوں سے ہی ہے میں انہیں کیا بتاتی شاہ زمان کہ میرے تعلقات اپنے شوہر سے پہلے دن ہی سے خوش گوار نہیں تھے وہ جب تک میری بے اعتنائیوں کو برداشت کرتا رہا جب تک اس نے میری ساری جائیداد نہیں ہتھیالی جائیداد حاصل کرنے کے بعد اس نے مجھے اپنی اصلیت دکھائی۔آدھی جائیداد تو اس رزیل سردار شیر افضل نے لی ہے اس نے پاپا سے یہ جھوٹ بول کر رئیس سے میری شادی کروائی تھی کہ وہ اس کا بھتیجا ہے مجھے صرف اتنی سن گن تھی کہ یہ دونوں غیر قانونی دھندوں میں ملوث ہیں۔لیکن وہ غیر قانونی کام کیا ہیں اس کا مجھے بالکل نہیں معلوم۔میں اپنے اللہ کی قسم کھاتی ہوں شاہ زمان میں بالکل لا علم ہوں۔"

اتنا کہہ کر اس نے ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کردیا تب میں نے اسے رئیس خان کی دوہری شخصیت اور اس کی وطن دشمنی کی ساری داستان

مختصر الفاظ میں سنائی تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔وہ چند لمحے منہ کھولے میری جانب دیکھتی رہی پھر بھڑک کر بولی۔

"یہ لوگ اسے گرفتار کر کے گولی کیوں نہیں مارتے ایسے غدار وطن کو تو ایک سانس بھی لینے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔"

"ہاں دیکھو اب اس کے بارے میں کیا فیصلہ ہوتا ہے اس پر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان نہیں ہے اگر اس کو گرفتار کیا تو اس کے اوپر جو بڑے بیٹھے ہیں وہ اسے ایک منٹ بھی اندر رہنے نہیں دیں گے۔الٹا ہتک عزت کا دعویٰ کردیں گے۔" میں نے مہہ وش کو بتایا۔

"مجھے یہاں سے باہر نکالو شاہ زمان' میرا یہاں دم گھٹتا ہے میں مر جاؤں گی۔" اس نے کہا۔

"میں بات کروں گا... تم فکر نہ کرو... ان شاء اللہ سب کچھ اچھا ہوگا۔بس تم اللہ سے دعا کرو اور اس کی رحمتوں سے مایوس نہ ہو' جب انسان سب طرف سے مایوس ہوجاتا ہے تو ایک اللہ کی ذات ہی سہارا دیتی ہے۔وہ بہت

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

مہربان ہے۔اپنے بندوں کو کبھی بھی اپنی رحمت سے مایوس نہیں کرتا۔" میں نے اسے سمجھایا اور جانے کے ارادے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ابھی مت جاؤ شاہ زمان تھوڑی دیر تو اور بیٹھو۔اتنے دنوں کے بعد آج تو یہ احساس ہوا ہے کہ میں نے کھل کر سانس لی ہے۔تمہاری صورت میں مجھے ایک روشنی کی کرن دکھائی دی ہے۔ورنہ تو میرے چاروں جانب گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے۔" مہہ وش نے میرا ہاتھ تھام کر کہا۔

"میں نے کہا ہے نا' اللہ پر بھروسہ رکھو... وہ سب ٹھیک کردے گا۔" میں نے اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"تم بہت بدل گئے ہو شاہ زمان تم نے داڑھی رکھ لی ہے، تم پر داڑھی بہت اچھی لگ رہی ہے۔" اس نے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو' میں واقعی بہت بدل گیا ہوں۔جن حالات کا میں شکار رہا ہوں انہوں نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کردیا ہے کہ اگر ہم جیسے مسلمانوں کے پاس اپنے دین اور قرآن کا علم نہ ہو تو ہم اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر جب طاغوتی طاقت کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتے ہیں تو ہمارا کیا انجام

ہوتا ہے۔یہاں اتنے دن ان لوگوں کی قید میں رہ کر میں نے اللہ سے اپنے گناہوں کی توبہ کی اور قرآن پاک کی تفسیر پڑھی اور خود کو اللہ کے قریب کرلیا۔“

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو' تم نے کون سے گناہ کیے ہیں اور تم بھی کیا یہاں قید تھے۔مجھے بتاؤ شاہ زمان تم پر کیا گزری۔تم نے پہلے بھی مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔“ مہہ وش نے شدید حیرانی سے پوچھا۔

”زندگی نے کبھی ہمیں مل کر بیٹھنے کا موقع دیا تو ضرور سناؤں گا۔بس اتنا جان لو کہ میں صراط مستقیم سے بھٹک گیا تھا۔شیطانی راستوں پر چل نکلا تھا دنیا سے انتقام لینے نکلا تھا اپنی

ذات سے ہی انتقام لے لیا۔غلط طریقہ اپنایا' اللہ اور قانون کا مجرم بن گیا۔“ میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

”اوہ مائی گاڈ۔“ مہہ وش نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔”مجھے یقین ہی نہیں آرہا ہے۔“

تب ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور اس شخص کی شکل دکھائی دی جو مجھے یہاں لایا تھا۔وہ بولا آپ کو کرنل صاحب بلا رہے ہیں۔“ تو میں مہہ وش کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ بمشکل چھڑاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آیا۔

کرنل صاحب کے روم میں پہنچا تو وہ ایک اسکرین پر نگاہ جمائے بیٹھے تھے ان کے کمرے میں بڑی سی ٹیبل پر کئی کمپیوٹر رکھے تھے پہلے جب میں یہاں آیا تھا تب یہ آف تھے لیکن اس وقت ایک کمپیوٹر کی اسکرین روشن تھی اور اس پر نگاہ پڑی تو میں بری طرح چونک گیا اس پر مہہ وش کے کمرے کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔مہہ وش گھٹنوں میں منہ دیے سسکیاں لے رہی تھی۔

یعنی میں نے مہہ وش سے جو بھی باتیں کیں وہ کرنل صاحب یہاں بیٹھے ہوئے سب سن رہے تھے اور شاید مجھے یہ بات باور کرانے ہی کے لیے وہ ہر بات سے واقف ہیں انہوں نے اس اسکرین کو آن رہنے دیا پھر میری جانب مسکراتے ہوئے دیکھا اور میز پر موجود کوئی بٹن دبایا تو اسکرین آف ہوگئی۔وہ مجھے معنی خیز انداز میں دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔مجھ سے بولے۔

"مجھے تم سے کچھ بھی پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے تم نے دیکھ ہی لیا اس کمرے میں ہونے والی ہر بات اور ہر منظر میں نے اسی کمرے میں بیٹھے بیٹھے دیکھ لیا ہے۔اب تم بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو مہہ وش کو یہاں سے کہاں بھیجا جائے۔"

"کیا آپ واقعی مہہ وش کو یہاں سے جانے دیں گے۔آپ کو اس کی بے گناہی کا یقین آگیا۔" میں نے غیر یقینی سے پوچھا۔

"ہاں۔" انہوں نے مختصر جواب دیا تو میں سوچنے لگا۔مہہ وش کو یہاں نہیں رکھا جاسکتا تھا۔کیونکہ یہاں صرف مرد رہتے ہیں پھر مجھے سرمئی کا خیال آیا کہ ایک اسی کا گھر میرے لیے قابل اعتبار ہے۔اس لیے میں نے کہا۔

"سر محترمہ سرمئی صاحبہ کا گھر ایسا ہے جہاں میں یہ اعتبار کرسکتا ہوں کہ مہہ وش وہاں با عزت طریقے سے رہ سکتی ہے وہ بھی اگر ان کی اجازت ہو ورنہ پھر جو آپ بہتر سمجھیں۔" میں نے کہا۔

"بھئی سرمئی کا تم نے نام لیا ہے تو وہ تو خود اپنے گھر کی ہوگئی ہے۔تین چار دن ہوئے اس کی شادی حشام کے ساتھ ہوگئی ہے۔" کرنل صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا میری فائزہ کی شادی ہوگئی۔میری گڑیا اپنے گھر چلی گئی۔" میں خوشی سے بے اختیار ہو کر ایک دم اٹھ کھڑا ہوا اور اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے اپنے ہاتھ فضا میں اٹھا دیے۔"اس دن حشام نے بتایا ہی نہیں کہ ان کی شادی ہے۔"

"ارے بس سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ سب ہی حیران تھے اس دن تو منگنی کی رسم ادا ہونی تھی۔حشام نے ضد کی کہ منگنی نہیں نکاح کروں گا۔پھر رات کو رخصتی کی ضد کر بیٹھا۔سو یہ شادی انجام پذیر ہوئی۔"

"اللہ ہمیشہ خوش و خرم اور آباد رکھے دونوں کو' جو ہوا اچھا ہی ہوا۔" میں نے ایک پر سکون اور مطمئن مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”ٹھیک ہے تم جاؤ میں اس سلسلے میں بات کرتا ہوں۔اگر سر مئی کی اجازت ہوئی تو مہہ وش کو وہاں بھیج دیں گے لیکن تم البتہ یہیں رہو گے تمہارا ابھی باہر نکلنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔“ کرنل صاحب نے کہا۔

”بہت بہت شکریہ سر‘ آپ کا یہ احسان ہو گا ہم پر۔“ میں نے کہا اور مطمئن ہو کر باہر نکل آیا۔

...☆☆☆...

میں اپنے بیڈ پر لیٹی سوچوں میں گم تھی ابھی ابھی حشام کی کوئی ضروری کال آئی تھی وہ فون لے کر کمرے سے باہر چلے گئے ہیں۔زندگی حشام کی سنگت میں اتنی حسین اور دلربا ہوجائے گی میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا ابھی میری شادی کو صرف چار ہی دن ہوئے تھے لیکن مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم برسوں سے ساتھ ہیں۔

حشام نے محبتوں کی انتہا کردی ہے میں اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں سوچنے لگی کہ میرا رویہ حشام کے ساتھ کیسا تھا لیکن یہ حشام کی محبت اور استقامت ہی تھی کہ محبت کا یہ گداز جذبہ میرے دل کی سنگلاخ زمین سے

ایک سرکش چشمے کی مانند پھوٹ نکلا۔ہمارے درمیان ایک غیر مرئی سی ڈور تھی جس نے ہماری روحوں کو ایک بے عنوان سے بندھن میں باندھ دیا۔اپنی پچھلی زندگی اور میرا وہ رویہ اب مجھے ایک خواب سا لگ رہا تھا۔

انکل اور آنٹی کی محبت سونے پر سہاگہ تھی آنٹی تو مجھے کمرے سے باہر آنے ہی نہیں دیتی تھیں کہ حشام ابھی گھر پر ہی ہے تم زیادہ سے زیادہ اس کے ساتھ وقت گزارو اور حشام بھی تو...! وہ تو کھانے کے لیے بھی بڑی مشکل سے باہر نکلتے تھے۔کمرے کا دروازہ کھلا اور حشام اندر آئے تو میں سوچوں کے حصار سے باہر نکل آئی۔حشام خاصے سنجیدہ دکھائی دے رہے تھے۔موبائل انہوں نے ٹیبل پر رکھا اور بیڈ سے ٹانگیں لٹکائے ہوئے آدھے بیڈ پر لیٹ گئے۔دونوں ہاتھ سر کے نیچے تھے اور نگاہیں چھت پر تھیں۔

”کس کا فون تھا؟“ میں نے ان کو سنجیدہ دیکھتے ہوئے قدرے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔

”کرنل مشتاق کا۔“ حشام نے اس طرح لیٹے لیٹے بغیر میری جانب دیکھے جواب دیا۔

"کیا کہہ رہے تھے' سب خیریت تو ہے ناں۔" میں مزید تشویش سے حشام کے اوپر جھک کر بولی۔

"سب ٹھیک ہے میری جان' لیکن آج میری خیریت نہیں ہے کیونکہ تم اس گلابی نائٹی میں بہت قیامت لگ رہی ہو۔"حشام نے تیزی سے اٹھ کر مجھے اپنی بانہوں میں لے کر شوخ لہجے میں کہا۔

"توبہ ہے حشام آپ نے تو میری جان ہی نکال دی۔" میں نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"خبردار اس جان کو یوں بات بات پر نکالا اب یہ جان میری امانت ہے۔" حشام نے مجھے زور سے بھینچ ڈالا اور میری ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"کیا کر رہی ہو امی بے دھڑک کمرے میں گھس آئیں گی کہ میں پتا نہیں تمہارا کیا حشر کر رہا ہوں' ویسے بھی وہ میری جانب سے مشکوک ہی رہتی ہیں کہ میں ان کی پیاری بہو کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کر بیٹھوں۔" حشام نے جھٹ مجھے چھوڑ دیا اور معصوم سی شکل بنا کر بولے تو میرا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا اور حشام کی شوخی اور شرارت عروج پر پہنچ گئیں۔

"حشام اگر آپ باز نہیں آئیں گے تو میں آنٹی کے کمرے میں جا کر سو جاؤں گی۔" میں نے دھمکی دی تو سیدھے بیٹھ گئے اور بچوں کی طرح منہ پھلا لیا۔

چند منٹ انہیں منانے میں لگے پھر وہ بولے۔"ابھی تم پوچھ رہی تھیں نا کہ کس کا فون تھا تو کرنل مشتاق نے فون کیا تھا اور وہ کہہ رہے ہیں کہ ایک لڑکی پکڑی گئی تھی اس کی لمبی کہانی ہے کبھی بعد میں سناؤں گا بس اتنا جان لو کہ وہ بے گناہ ثابت ہو رہی ہے لیکن پھر بھی اس کی جانب سے وہ پوری طرح مطمئن نہیں ہیں۔یہاں پاکستان میں اس کا کوئی گھر اور ٹھکانہ نہیں ہے اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ وہ یہاں ہمارے گھر آ کر رہے۔"

"کون ہے وہ؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"وہ محترمہ آپ کے نام نہاد بھائی ڈاکٹر شاہ زمان کی محبت ہیں۔اس کا شوہر را والوں کا آلہ کار نکلا ہے فی الحال تو وہ ہاتھ نہیں آیا۔یہ محترمہ ہاتھ لگی ہیں اب شاہ زمان نے کرنل احتشام سے گزارش کی ہے کہ اس کو سرمئی کے گھر بھیج دیا جائے وہ وہاں محفوظ رہے گی۔یہی بات پوچھنے کے لیے انہوں نے فون کیا تھا اب تم بتاؤ میں انہیں کیا جواب دوں۔" حشام نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"آپ کا کیا خیال ہے وہ بے گناہ ثابت ہو گئے ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"ایک لحاظ سے کہہ سکتے ہیں لیکن وہ گناہ گار تو ہے قاتل بھی ہے ایک عالم دین کا قتل تو ثابت ہو گیا ہے اس کے علاوہ اس نے نواب سطوت کے کہنے پر اور بھی نجانے کتنے گناہ کیے ہوں گے اور وہ را کا آلہ کار بھی بنا یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس سے ملک کی سلامتی کے خلاف کام لیا جا رہا ہے اس نے وہ کام کیا۔تمہیں پتا ہے جس وقت اسے پکڑا گیا تھا اس کے پاس سے کیا برآمد ہوا تھا۔کہوٹہ پلانٹ کا نقشہ، جو وہ را کے ایک ایجنٹ کے حوالے کرنے جا رہا تھا۔اگر وہ یہ کام کر گزرتا تو تم خود سوچو کہ آگے کیا ہوتا۔" حشام انتہائی حد تک سنجیدہ تھے۔

"آپ نے ان سے ملاقات کی تھی نا۔" میرے منہ سے غیر ارادی طور پر نکل گیا تو حشام چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔دیکھتے رہے کچھ بولے نہیں، میں نے نگاہیں جھکا لیں تو حشام بھاری لہجے میں بولے۔

"تمہارے ذہن میں یہ خیال کیسے آیا؟"

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"وہ... وہ... حشام... وہ... میں اس رات آپ کو ...فو... فون کر رہی تھی تو آپ کا فون بند آرہا تھا تو میں سمجھ گئی کہ آپ شمروز بھائی سے ملاقات کے لیے گئے ہیں۔" میں نے گھبرائے ہوئے انداز میں اٹک اٹک کر جواب دیا۔

میرا جواب سن کر حشام خاموش رہے۔چند لمحے سوچتے رہے پھر ایک گہری سانس لی اور بولے۔

"تم تو یہ بات جان چکی ہو کہ میرا تعلق ایک خفیہ ایجنسی سے ہے۔"

"جی۔" میں نے جھوٹ بولنا مناسب نہیں سمجھا بلکہ میں حشام کے سامنے جھوٹ بولنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔شادی شدہ زندگی کامیاب ہی اس وقت ہوتی ہے جب دونوں ایک دوسرے سے کبھی بھی اور کسی بھی حالت میں جھوٹ نہ بولیں۔

"تمہیں کب اس بات کا علم ہوا؟" حشام بدستور سنجیدہ تھے۔

تو میں نے تمام باتیں انہیں بتا دیں تو وہ بولے۔

"تم نے مجھ سے پوچھا کیوں نہیں کہ میں نے تم سے یہ بات کیوں چھپائی۔"

"میں نے سوچا کہ آپ جب مناسب سمجھیں گے مجھے بتادیں گے۔اگر آپ کبھی نہ بتاتے تو میں کبھی آپ سے کہتی بھی نہیں۔" میں نے کہا۔

"اف، میری فرمانبردار بیگم، آئی پراؤڈ آف یو، تم واقعی سمجھدار ہو۔" حشام میری جانب مسکراتے ہوئے بڑھے تو میں نے جھٹ ہاتھ سے انہیں روکتے ہوئے کہا۔

"دور بیٹھ کر بات کریں نہایت سنجیدہ موضوع پر گفتگو ہو رہی ہے۔" تو وہ ہنس پڑے۔

"تو پھر آپ نے کیا فیصلہ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"کرنل احتشام کا مشورہ بھی یہی ہے کہ فی الحال ہم اسے اپنے گھر میں رکھ لیں لیکن یہاں بھی اس کی حیثیت ایک مشتبہ کی ہوگی تمہیں اس پر گہری نگاہ رکھنی ہوگی۔امی سے یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر حشام مجھے رئیس خان کے بارے میں بتانے لگے کہ کس طرح وہ پاکستان میں ایک دوسرا بہروپ بھر کر زندگی گزار رہا ہے۔

"اچھا جانو آج رات مجھے جانا ہوگا کرنل احتشام نے ایک اہم میٹنگ کال کی ہے کچھ اہم فیصلے کرنے ہیں اجازت ہے جناب کی۔" حشام نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا تو میں نے ہنس کر کہا۔

"اجازت ہے۔"

...☆☆☆...

سفیان کئی دنوں سے بے حد مصروف تھا ذرا دیر کے لیے سوتا تھا لیکن دماغ بے دار رہتا تھا۔اس وقت حالات کچھ قابو میں آگئے تھے تو وہ اپنے کمرے میں آگیا۔بستر پر لیٹا تو ایک بار پھر دل میں غزالہ کی یاد نے چٹکی لی۔وہ لاکھ اپنے دل کو سمجھا رہا تھا کہ اب اس کے ہاتھوں میں کسی اور کے نام کی انگوٹھی سج گئی ہے وہ کسی اور کے نام سے اپنی ہتھیلیوں کو حنا کے رنگ سے سجائے گی لیکن وہ اپنے دل کے بے قابو جذبوں کے آگے ان منہ زور دھاروں میں بہے جا رہا تھا آج بھی...!

اس کا دل پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ وہ کسی اور کی کیسے ہوسکتی ہے۔ایک دن پھر اس کا ملیح چہرہ ہنستا مسکراتا ہوا اسے گدگدا کے بے دار کرے گا۔وہ کوئی

بہت چمکیلی صبح ہوگی۔یا کوئی سرمئی سی شام جب وہ کھلکھلاتی ہوئی اچانک سامنے آجائے گی۔یا پھر... یا پھر... وہ کوئی تاریک رات ہوگی وہ چاند کی مانند روشن روشن اسے دکھائی دے گی۔ہوسکتا ہے کہ جب پورے چاند کی چاندنی میں ساری رات بھیگ رہی ہو اور وہ چاند سے اتر آئے۔

ایک دیوانی سی آس ہی تو تھی وہ سوچے جا رہا تھا غزالہ کی یاد کچھ اس طرح سے اسے ستا رہی تھی کہ اسے اپنے دل کی رگیں تناؤ کے باعث چٹختی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔دل کی بے تابی کچھ اس طرح بڑھی کہ اس کے منہ سے ایک کراہ کی صورت میں غزالہ کا نام نکل گیا تو وہ اس کے سامنے آن موجود ہوئی۔

اس کے لب خاموش تھے لیکن اداس آنکھیں دل کا سارا فسانہ بیان کر رہی تھیں۔ہمیشہ کی طرح اس کی کلائیوں میں کانچ کی ست رنگ چوڑیاں تھیں۔وہ اپنے دودھیا ہاتھوں کی حنائی انگلیاں بے دردی کے ساتھ مروڑ رہی تھی۔اس کی چوڑیوں کی مدہم اور مدھر کھنک اسے وہ بھولے بسرے نغمے یاد دلارہی تھی وہ نغمے ان کی تنہائیوں کے ساتھی تھے۔ان کے بولوں میں ملن کی گھڑی کی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

چاپ تھی اور انتظار کی میٹھی میٹھی سی کسک تھی۔کبھی اسے شہنائیوں کی گونج بھی سنائی دیتی۔پھر اس کے گلابی ہونٹ دھیرے سے لرزے، کانپے اور ان میں سے مدہم آواز نکلی وہ کہہ رہی تھی۔

"تم میری مجبوریاں نہیں سمجھ سکتے۔میرے بس میں تو کچھ بھی نہیں رہا۔اپنی بے بسی نے مجھے بہت رلایا ہے سفیان، تمہاری ان گہری نگاہوں نے تو ہمیشہ مجھے ایک ہی پیغام دیا کہ "تم میری ہو؟"

تو پھر آج تم مجھے کسی اور کی اتنی آسانی سے کیسے ہونے دے سکتے ہو، آؤ سفیان آجاؤ... آجاؤ نا... آؤ سفیان۔

اور پھر ایک کرخت آواز گونجی اور لمحہ بھر میں سب کچھ آنکھوں سے اوجھل ہوگیا اب وہاں نہ غزالہ تھی اور نہ ہی اس کی التجا تھی۔بس فون کی کرخت بیل تھی جو مسلسل بجے جا رہی تھی۔

دوسری جانب کرنل احتشام کال پر تھے۔اسے فوری طور پر بلایا گیا تھا۔وہ سب کچھ بھول کر پوری طرح الرٹ ہوگیا۔جلدی جلدی منہ پر پانی کے چھینٹے

مارے تولیہ سے رگڑ کر چہرہ صاف کیا لیکن آنکھوں کی سرخی نہ کم ہوئی پھر بالوں میں برش پھیرا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا میٹنگ روم میں پہنچ گیا۔

وہاں اس سے پہلے ہی کافی سارے لوگ موجود تھے۔حشام بھی آچکا تھا اور اسے آج کافی دنوں کے بعد کرنل جاوید بھی دکھائی دیئے۔سفیان انہیں اس وقت یہاں دیکھ کر حیران تو ہوا لیکن کچھ کہا نہیں اس نے با آواز بلند سلام کیا اور اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھ گیا۔

”میرا خیال ہے سب لوگ آچکے ہیں اب ہم باقاعدہ اپنی میٹنگ کا آغاز کریں گے۔ایک بات بتا دوں یہ بہت اہم میٹنگ ہے اس لیے آپ سب اپنے

دماغوں کو پوری طرح حاضر

رکھیں۔“ کرنل احتشام نے سفیان کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔وہ سمجھ رہے تھے کہ شاید وہ کچی نیند سے بے دار ہو کر آیا ہے۔

”یس سر۔“ سب نے ایک آواز میں کہا۔

”جیسا کہ تمام حالات آپ سب کے سامنے ہیں ہمارے ملک میں بیرونی دہشت گردوں نے کتنی دہشت گردی پھیلا رکھی ہے یہ بات بھی آپ سب کے علم

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

میں ہے کہ بیرونی طور پر اگر ہم دیکھیں تو یہود و نصاریٰ اور مشرکین آپ میں ایک دوسرے کے دشمن دکھائی دیتے ہیں لیکن جب بات اسلام کی آتی ہے تو یہ ساری طاغوتی قوتیں مل کر ایک ہوجاتی ہیں اور یہ بات آج کی نہیں ہے عرب میں جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا نور پھیلانا شروع کیا تھا اس وقت سے یہ تینوں طاغوتی قوتیں اسلام کے خلاف بر سر پیکار ہیں۔ آج بھی جہاں بھی اور جب بھی انہیں اسلام اور اسلامی مملکت زور پکڑتی دکھائی دیتی ہے یہ اس کے خلاف ایک دوسرے کا ساتھ دیتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔

آج پاکستان میں انہیں جب بھی یہ دکھائی دیتا ہے کہ یہاں مسلمان متحد ہو رہے ہیں تو یہ اپنے پھیلائے ہوئے ایجنٹوں کے ذریعے ملک میں بد امنی پھیلانا شروع کردیتے ہیں۔انہوں نے ہمیں معیشت میں نقصان پہنچایا' یہ ان کا سب سے پہلا حربہ تھا کچھ کمزور مسلمان ان کے دکھائے ہوئے ڈالرز اور نوٹوں کے لالچ میں آکر اپنے ملک میں ان کا آلہ کار بن گئے۔

بھارت کی بدنام تنظیم را جس کو بنایا ہی اسلام کے خلاف ہے یہودیوں کی تنظیم موساد درپردہ ایک ہوجاتے ہیں۔پاکستان میں بھی موساد اور را کے بہت سے ایجنٹ ہیں۔ہمارے ملک کے بہت سے شعبوں میں ایک مسلمان اور پاکستانی کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

جیسا کہ ابھی ہم نے را کے بہت سے ایجنٹ اور ان کے آلہ کاروں کو گرفتار کیا ہے۔

امریکا کی ایک تنظیم جس کا ہیڈ ایک یہودی ہے یہ بھی تمام اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے خلاف ان کو سبوتاژ کرنے کی پلاننگ میں مصروف ہے۔تمام تر دہشت گردی کی پلاننگ جو بھی اسلامی ممالک میں ہو رہی ہے وہ اسی کا کارنامہ ہے۔"

اتنا کہہ کر کرنل احتشام سانس لینے کو رکے اور سب کے اوپر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی پھر بولے۔

"یقیناً یہ سب باتیں آپ لوگوں کے علم میں ہیں لیکن وہ کہتے ہیں نا کہ بات کی تمہید باندھنا' آپ سب کو اس لیے بلایا ہے کہ ہم نے یہ جو مجرم پکڑے ہیں

تمام تر ثبوتوں کے ساتھ تو آپ سب کا خیال ہے انہیں حکومت کے حوالے کرنا ہے یا...!"

"جہاں تک اس سارے معاملے کو میں نے دیکھا ہے اور سمجھا ہے بلکہ دیکھ رہا ہوں انہیں جیل بھیجنا بے کار ہے ان پر مقدمہ چلے گا۔یہ جیل میں ہر طرح کی سہولتیں حاصل کر کے مزے سے رہیں گے اور پھر ایک دن...!" حشام نے معنی خیز انداز میں ادھوری بات چھوڑ دی۔اس لیے ان کا قصہ ہمیں ہی پاک کرنا ہوگا۔"

"اور رئیس خان عرف حبیب سلطان کے بارے میں آپ سب کا کیا خیال ہے۔وہ آج صبح پانچ بجے کی فلائٹ سے دبئی واپس جا رہا ہے۔پاکستان میں اس شخص کا اتنا اثر و رسوخ ہے کہ ہم اس پر کوئی بھی الزام ثابت کر بھی دیں تب بھی یہ صاف بچ نکلے گا لیکن کیونکہ یہ گناہ گار ہے تو...!" کرنل احتشام نے پھر بات ادھوری چھوڑ دی۔وہاں بیٹھے سارے ہی لوگ سمجھدار تھے۔ ادھوری بات کا بھی مطلب بخوبی سمجھتے تھے۔مکمل بات یہاں بھی نہیں کہی جاتی اس لیے کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں کرنل احتشام نے سب کے

چہروں پر نگاہ ڈالی۔وہاں موجود ہر شخص کی آنکھیں انہیں یہ پیغام دے رہی تھیں کہ ہم آپ کا مطلب بخوبی سمجھ رہے ہیں اور آپ کے خیال سے متفق بھی ہیں۔

"ٹھیک ہے اس کا فیصلہ تو ہو گیا۔" کرنل مشتاق نے مسکراتے ہوئے کہا اب بات آجاتی ہے ہمارے ملک کے نامی گرامی روحانی پیشوا جناب عزت مآب...!" کرنل مشتاق کے لہجے میں طنز اتر آیا۔ "نواب سطوت صاحب کی، ان کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"ایک منٹ کرنل مشتاق۔" کرنل جاوید نے پہلی مرتبہ لب کشائی کی تو سب ان کی جانب متوجہ ہو گئے۔

"ہم سب ان کے بارے میں یہاں بیٹھ کر فیصلہ نہیں کرسکتے۔اس کے لیے ہمیں وزارت داخلہ سے بات کرنا ہوگی اور ان کا فیصلہ وہیں ہوگا کیونکہ وہ لاکھوں لوگوں کا روحانی پیشوا ہے لاکھوں مریدین ہیں اگر ہم نے اس پر یوں ہاتھ ڈالا تو ملک میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوگا لوگ سڑکوں پر احتجاجاً نکل

آئیں گے۔ہڑتالیں ہوں گی ملک کی املاک کو نقصان پہنچایا جائے گا اور سارا ملک بند ہوجائے گا۔"

"اوکے۔" کرنل احتشام نے بھاری لہجے میں کہا۔ان کے چہرے پر پھیلی ناگواری کسی سے چھپی نہ رہ سکی۔

چند لمحوں تک اس میٹنگ ہال میں خاموشی چھائی رہی پھر کرنل احتشام بولے۔

"آج کے اس آپریشن میں کون کون حصہ لے رہا ہے۔" انہوں نے ایک طائرانہ نگاہ سب پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔پھر کچھ وہاں موجود افراد کا نام لیا کچھ جو اس وقت میٹنگ میں حاضر نہیں تھے انہیں فوری طور پر بلوانے کا آرڈر دیا۔

ان کی اطلاع کے مطابق رئیس خان اپنی کلفٹن والی کوٹھی میں نہیں بلکہ ملیر کینٹ میں اپنے ایک دوست کے گھر موجود تھا اور آج صبح اسے وہیں سے ایئر پورٹ کے لیے روانہ ہونا تھا شاید وہ وہاں اس لیے گیا ہو کہ ملیر کینٹ سے ایئر پورٹ زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔

آدھے گھنٹے کے اندر اس آپریشن میں حصہ لینے والے سب ہی افراد وہاں موجود تھے۔ان سب کو سفیان کمانڈ کر رہا تھا حشام اور آصف کے علاوہ تقریباً پانچ دوسرے افراد تھے۔

سفیان نے آپریشن کا مکمل پلان سب کے سامنے رکھا ہر ایک نے اپنی ڈیوٹی سمجھ لی۔ پھر یہ لوگ ضروری تیاریوں کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوگئے۔

ائرپورٹ کے قبرستان کی دیوار کے ساتھ سب نے دونوں اطراف سے اپنی اپنی پوزیشنز سنبھال لیں۔دو بندے اس موڑ پر موجود تھے جہاں سے ایک سڑک جناح ایوینیو کی جانب مڑتی ہے اس کو جیسے ہی رئیس خان کی گاڑی اس جانب آتی دکھائی دیتی وہ فوراً آگے موجود اپنے ساتھیوں کو اطلاع کردیتا۔ صبح کے چار بجے تھے جب سفیان کے کان میں لگے آلے میں تھرتھراہٹ پیدا ہوئی اور اسے اس بات کا سگنل ملا کہ رئیس خان کی گاڑی جناح ایوینیو پر مڑ چکی ہے۔ اس کے ساتھ ایک گاڑی میں اس کا سیکیورٹی دستہ ہے اور رئیس خان بلیک شیشوں والی گاڑی میں موجود تھے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

رئیس خان کی گاڑی قبرستان کی دیوار کے ساتھ والے روڈ پر آئی اس پر دونوں جانب سے شدید ترین فائرنگ کی گئی۔گارڈ کی گاڑی لڑکھڑائی اور رک گئی۔اسے بھی گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔

رات کے اس پہر جب ساری دنیا خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی۔ شدید فائرنگ کی آوازیں سن کر لوگ ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھے۔لیکن خوف اور دہشت کے ان حالات میں کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ اپنے گھر کے دروازے کھول کر باہر نکلتا۔

رئیس خان کی گاڑی کی باڈی گولیوں کے سوراخوں سے چھلنی ہوچکی تھی اور ساتھ ہی اس کے اندر بیٹھا ہوا رئیس خان اور ڈرائیور ملک عدم روانہ ہوچکا تھا۔

”آپریشن کمپلیٹ۔“ سفیان کی آواز آئی اور پھر وہ سب تیزی کے ساتھ اپنی اپنی طے کردہ جگہوں پر روانہ ہوگئے۔

اس خونی واردات کے بیس منٹ کے بعد سائرن بجاتی ہوئی پولیس کی کئی گاڑیاں موقع واردات پر پہنچ گئیں ساتھ ہی نیوز چینل کے بہت سے نمائندے

اپنے کمرے لے کر پہنچ گئے اور فوری طور پر ہر چینل پر یہ بریکنگ نیوز چلنے لگی۔

"ملک کے مایہ ناز صنعت کار حبیب سلطان ایک قاتلانہ حملے میں جاں بحق ہوگئے وہ دبئی جانے کے لیے ایئر پورٹ جا رہے تھے کہ ائر پورٹ کے قریب قبرستان کے پاس ان کی کار پر اندھا دھند فائرنگ کی گئی۔دہشت گردوں نے انہیں باقاعدہ گھیر کر پلاننگ کے تحت نشانہ بنایا ان کے حفاظتی دستہ کا بھی کوئی فرد زندہ نہیں بچا۔جناب حبیب سلطان... وغیرہ وغیرہ۔

...☆☆☆...

میں فجر کی نماز کی ادائیگی کے لیے اٹھی برابر میں نگاہ پڑی تو حشام کی جگہ خالی تھی۔میں سمجھ گئی کہ وہ ابھی تک واپس نہیں آئے ہیں وضو کر کے جائے نماز بچھا رہی تھی تب حشام کمرے میں داخل ہوئے۔

"اٹھ گئیں تم، سوری ڈیئر مجھے دیر ہوگئی تم پریشان تو نہیں ہوئیں۔" حشام نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے جوتے اتارتے ہوئے کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"مجھے پتا ہی نہیں چلا میں تو گہری نیند سو گئی تھی۔" میں نے حشام کے چہرے پر نگاہ ڈالی جہاں ڈھیر ساری تھکاوٹ نمایاں تھی۔

"چلو اچھی بات ہے تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو ایک کپ اچھی سی چائے پلادو۔" حشام بیڈ پر پاؤں پھیلا کر لیٹتے ہوئے بولے۔

"بس تھوڑی دیر میں لائی۔" میں نے جواب دیا پھر حشام کی جانب مڑتے ہوئے کہا۔

"رات مشتاق انکل مہ وش کو بھی لے کر آ گئے تھے۔"

"مہ وش۔" حشام نے غائب دماغی سے کہا پھر خود ہی انہیں یاد آگیا تو بولے۔"اوہ' اچھا اچھا وہ لڑکی' کس کمرے میں ٹھہرایا ہے اسے؟"

"امی کے برابر والے کمرے میں۔" میں نے جواب دیا۔

"تمہیں یاد تو ہے نا اس کے سلسلے میں' میں نے تمہیں کیا ہدایات دی ہیں۔ کرنل مشتاق نے سخت تاکید کی ہے۔"

"مجھے یاد ہے حشام آپ بالکل بھی فکر نہ کریں۔" میں نے جواب دیا اور نماز کے لیے کھڑی ہوگئی۔نماز سے فارغ ہو کر میں کچن میں جانے لگی تو حشام

آنکھیں بند کیے لیٹے تھے میں نے اس خیال سے کہ کہیں وہ سو تو نہیں گئے تو انہیں دھیرے سے آواز دی میری آواز سن کر وہ چونک اٹھے۔

"نیند آرہی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"نہیں فی الحال ابھی میرا سونے کا پروگرام نہیں ہے تم چائے پلواؤ۔" حشام نے کہا اور ٹی وی کا ریموٹ ہاتھ میں اٹھا لیا اور نیوز چینل لگا لیا۔میں مزید وہاں نہیں رکی اور باہر آگئی۔

حشام کے کہنے پر میں نے اپنے نیوز چینل پر جہاں میں اتنے دنوں سے چھٹیوں پر تھی اپنا استعفیٰ بھیج دیا تھا۔فی الحال اس خبر کو میری اور حشام کی شادی ہوگئی ہے ہم نے نیوز چینل والوں سے پوشیدہ ہی رکھا تھا۔

میں باہر آئی تو آنٹی اور انکل بھی جاگ چکے تھے۔آنٹی باہر تخت پر بیٹھی قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں اور انکل کے ہاتھ میں اخبار تھا۔وہ لان کی جانب سے آرہے تھے کچن میں زینب بی موجود تھیں وہ چائے کی تیاری کر رہی تھیں۔میں نے ان سے دو کپ چائے تیار کرنے کے لیے کہا تو انکل میری جانب چلے آئے انہوں نے حشام کے متعلق پوچھا پھر بولے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"بیٹا میں ایک ضروری بات تم سے کرنا چاہ رہا تھا۔" انکل کی بات سن کر آنٹی نے قرآن پاک بند کردیا پھر میرے نزدیک آئیں اور میرے اوپر پھونک مار دی۔

"کبھی یہ عنایت ہم پر بھی کردیا کریں۔" انکل نے مذاق کیا تو آنٹی مسکرانے لگیں اور وہیں کرسی پر بیٹھ گئیں۔شاید وہ بھی انکل کی بات میں حصہ لینے کے لیے آگئی تھیں۔

"جی انکل آپ کچھ کہہ رہے تھے۔" میں نے کہا۔

"بیٹا میں اور تمہاری آنٹی یہ چاہتے ہیں کہ تم اب روشن بہن اور حمیدہ بہن کو یہیں بلا لو۔تمہارے آنے کے بعد اب دونوں گھر میں بالکل تنہا رہ گئی ہیں اور اب تو کرنل مشتاق نے آصف اور عثمان کو بھی وہاں سے بلوالیا ہے۔میرا مطلب ہے وہاں کوئی سیکیورٹی بھی نہیں ہے۔تمہیں بلیک میل کرنے کے لیے کہیں انہیں کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے اور ویسے بھی ان کا خیال وہاں اب کون رکھے گا۔ہمارا اتنا بڑا گھر ہے وہ یہاں رہیں گی تو تمہاری آنکھوں کے سامنے رہیں گی اور تم بھی ان کی آنکھوں کے سامنے رہو گی اور

ویسے بھی تمہاری آنٹی کو بھی ڈھیر ساری باتیں کرنے کے لیے دو سہیلیاں مل جائیں گی۔"

"تمہارے انکل بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں بیٹی میری بھی شدید خواہش ہے کہ وہ یہاں آجائیں۔تم انہیں فون کردو' وہ تیار رہیں میں گاڑی بھیج دوں گی۔" آنٹی نے کہا۔

میں انکل اور آنٹی کے اس خلوص اور محبت پر حیران رہ گئی۔اس بات کا خیال تو مجھے رہ رہ کر ستا رہا تھا کہ امی اور اماں وہاں تنہا رہ گئیں ہیں۔ دونوں کو بلڈ پریشر اور شوگر کی بیماریاں ہیں کون ان کا خیال رکھے گا۔مارے تشکر کے میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور میں فوری طور پر کوئی جواب نہ دے سکی۔میں اللہ کی دی ہوئی کس کس نعمت کا شکر ادا کروں میں تو نا شکری تھی۔صرف ایک بات کو لے کر اللہ سے شکوہ کرتی رہتی تھی لیکن اس مہربان رب نے صرف ایک رشتے کے عوض اتنے پیار کرنے والے اور خیال کرنے والے لوگ مجھے عطا کردیے جنہیں میری چھوٹی چھوٹی خوشیوں کا کتنا احساس ہے۔میں اللہ کا جتنا شکر بھی ادا کروں کم ہے۔

"کیا سوچنے لگیں بیٹا۔" انکل نے میرا جھکا ہوا سر اور لب خاموش دیکھے تو بولے۔

"انکل... آنٹی...!" میں بس کپکپاتے لبوں اور بھری ہوئی آنکھوں کے ساتھ اتنا ہی کہہ سکی۔

"آج سے تم ہمیں انکل آنٹی نہیں بلکہ حشام کی طرح ڈیڈی اور ممی کہو گی۔" انکل نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"لیکن میں آپ کو ڈیڈی نہیں کہوں گی مجھے ڈیڈی اچھا نہیں لگتا۔" میں نے کہا تو انکل ہنس پڑے اور بولے "بالکل ٹھیک تم آج سے مجھے ابو ہی کہنا۔"

پھر میں نے امی کو بڑی مشکل سے یہاں آنے کے لیے راضی کیا۔انہیں فکر تھی کہ گھر کے سامان کا کیا ہوگا تو میں نے کہا سامان وغیرہ سارا بند کردیں اپنی ضروری چیزیں سمیٹ لیں میں ڈرائیور کو بھیج دوں گی۔

پھر خیال آیا کہ حشام چائے کا انتظار کر رہے ہوں گے میں چائے لے کر گئی تو وہ نیوز چینل لگا کر اس خونی واردات کی تفصیلات دیکھ رہے تھے۔جس میں

دہشت گردوں نے ایک صنعت کار کو اس کے ڈرائیور اور گارڈز سمیت ہلاک کر ڈالا تھا۔

...☆☆☆...

جب یہ بات میرے علم میں آئی کہ حبیب سلطان کو ایئر پورٹ جاتے ہوئے ہلاک کردیا گیا ہے تو میں نے سکون کا سانس لیا اب میری مہہ وش آزاد تھی۔میں نے لمحہ بھر میں اپنی زندگی کے کئی حسین خواب بن لیے۔میں بھی بھاگتے بھاگتے تھک گیا تھا۔اب میرا ارادہ تھا کہ مہہ وش کو اپنے ساتھ لے کر کسی دور افتادہ مقام پر چلا جاؤں گا اور ہم اپنی ایک پیار بھری زندگی کا آغاز کریں گے۔میرے بینک اکاؤنٹ میں اچھی خاصی رقم موجود تھی۔میں کوئی چھوٹا موٹا بزنس شروع کردوں گا۔یا پھر اپنا کلینک کھول لوں گا جس طرح بھی اللہ نے میرے روزگار کا ذریعہ میری تقدیر میں لکھا ہوگا میں ویسے ہی روزی کماؤں گا لیکن ایمانداری کے ساتھ حق حلال کھاؤں گا۔ہمیں اب کسی دشمنی کا خوف نہ ہوگا نہ وہاں کوئی راجہ ہوگا نہ رئیس خان اور شیر افضل۔

مہہ وش مجھ سے میری زندگی کے بارے میں پوچھ رہی تھی کہ اتنے عرصہ میں کیا کرتا رہا کس طرح زندگی گزاری لیکن میرے اندر اتنی ہمت نہیں تھی کہ اپنے منہ سے وہ سب اس کے آگے بیان کردوں۔میں یہاں دن رات فارغ رہتا تھا میرے ذمہ کوئی بھی کام نہیں تھا تو سوچا کہ کیوں نہ اپنی زندگی کے بارے میں سارا کچھ تحریر کردوں۔میں اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی اپنی داستان اپنے جرائم اور گناہوں کا اقرار نامہ اسے دکھاؤں گا۔وہ چاہے تو مجھ سے شادی کرلے نہ چاہے تو ایک مجرم اور گناہ گار سمجھ کر مجھے دھتکار دے۔مجھے اس کا ہر فیصلہ منظور ہوگا اور پھر میں نے اپنی داستان لکھنے کا آغاز کردیا۔

...☆☆☆...

کرنل احتشام سے کرنل جاوید نے کہا کہ انہوں نے وزیر داخلہ سے ٹائم لے لیا ہے۔کل رات نو بجے کا وقت طے ہوا ہے ملاقات کے لیے۔آپ اپنی ٹیم ممبران کے نام بتادیں جو

آپ کے ساتھ ہوں گے تاکہ انہیں انفارم کیا جاسکے۔

کرنل احتشام نے اپنے ساتھ کرنل مشتاق، حشام اور سفیان کو لے جانے کا فیصلہ کیا اور کرنل جاوید کو تینوں نام دے دیے۔

کرنل جاوید اصل میں حکومت کے نامزد کردہ شخص تھے۔اس بات کا علم کرنل احتشام سمیت کسی کو بھی نہیں تھا کہ اصل میں کرنل جاوید حکومت کے آدمی ہیں۔

مقررہ وقت پر چاروں افراد وزیر داخلہ رسول بخش صاحب کے آفس پہنچے اور پھر اس اہم میٹنگ کا آغاز ہوا۔

کرنل احتشام نے کھل کر نواب سطوت کی سرگرمیوں سے آگاہ کیا۔دوران گفتگو اہم شخص شمروز خان کا نام بھی آیا۔جو نواب سطوت کے خلاف اہم گواہ تھا۔جو رنگے ہاتھوں کھوٹہ کے نقشے سمیت پکڑا گیا تھا جو وہ کمل راؤ عرف اشرف علی کو دینے کے لیے جا رہا تھا۔

وزیر داخلہ نے کرنل احتشام کی ساری گفتگو پورے اطمینان سے سنی پھر مسکراتے ہوئے صرف اتنا کہا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"آپ کو حبیب سلطان کے خلاف کارروائی کرنے سے پہلے ہمیں اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔لیکن خیر...!" کرنل احتشام جواب میں خاموش رہے۔

حشام نے بھی اپنی مرتب کردہ رپورٹ وزیر داخلہ کے سامنے پیش کی اور یہ بھی بتایا کہ اس رپورٹ کی تیاری کے سلسلے میں اسے کس قسم کا اور کتنا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔

را کے ایجنٹوں سے تفتیش کے بعد جو رپورٹ سفیان نے مرتب کی تھی وہ بھی وزیر داخلہ کے سامنے پیش کی۔

تمام گفتگو سننے کے بعد رسول بخش نے جواب دیا کہ ہم اس سلسلے میں بہت سوچ سمجھ کر ایک پلان مرتب کریں گے اور سوچ سمجھ کر نواب سطوت پر ہاتھ ڈالیں گے کیونکہ نواب سطوت کوئی عام شخص نہیں ہے اگر اس کے خلاف کوئی کھلی کارروائی کی گئی تو اس کے نتائج ملک کی اندرونی صورت حال کے لیے بہتر نہیں ہوں گے۔"

یہ اہم میٹنگ پورے تین گھنٹے جاری رہی جب یہ لوگ وہاں سے اٹھے تو ذہنی طور پر مطمئن نہیں تھے وزیر داخلہ کی جانب سے انہیں بہت حوصلہ افزا جواب نہیں ملا تھا۔

میٹنگ برخاست ہو گئی۔ آنے والے افراد وہاں سے جا چکے تھے۔اس وقت اپنے دفتر میں صرف رسول بخش تنہا تھے۔اس کے باہر کھڑے سیکیورٹی گارڈ کو بلا کر ہدایت کی کہ مجھے فی الحال ڈسٹرب نہ کیا جائے میں بہت اہم کام میں مصروف ہوں۔ پھر اس نے فون اٹھا کر اہم اور خاص نمبر ڈائل کیا۔یہ وہ فون لائن تھی جس کی گفتگو کہیں اور سنی نہیں جا سکتی تھی۔اس نے نواب سطوت کے خاص نمبر پر ڈائل کیا تھا۔

...☆☆☆...

ان دنوں حشام اور سفیان کی مصروفیات کافی بڑھ گئی تھیں۔ملک دشمن عناصر ان لوگوں کے قبضے میں بمعہ ثبوتوں کے لیکن وزیر داخلہ نجانے کن مصلحتوں کی بنا پر کہہ رہے تھے کہ ابھی یہ بات میڈیا پر ظاہر نہیں ہونی چاہیے۔کیونکہ جو لوگ را کے ایجنٹ اور موساد کے آلہ کار پکڑے گئے تھے وہ سب کے

سب اس ملک میں ایک معزز شہری بن کر زندگی گزار رہے تھے۔دوران تفتیش ان لوگوں کے اور بھی پردہ نشینوں کے چہروں سے نقاب اٹھائے تھے۔ سونالی عرف فیروزہ... خاص طور پر اس بدکردار عورت کے پاس تو بہت ہی اہم شخصیات کی بدکرداریوں کے ثبوت تھے۔وزیر داخلہ اس کے معاملے میں بھی چپ سادھ گئے۔

”اس ملک کے حالات کیوں کر سدھر سکتے ہیں جن کے کرتا دھرتا خود اپنے ملک کو اپنے ذاتی مفاد کی خاطر تھالی میں رکھ کر دوسروں کو پیش کر رہے ہوں۔وہ نام لیتے ہیں اسلام کی اور وطن پرستی کی۔غریبوں کے ہمدرد اور خیر خواہ ہونے کی۔وہ غریب جن کے ووٹ لے کر وہ ایوان اقتدار میں براجمان ہیں آج ان کی مٹی کا سودا کر بیٹھے ہیں۔“

کرنل احتشام بے قراری کے عالم میں ٹہلتے ہوئے شدید غصے کے عالم میں کہہ رہے تھے۔”ہمارے تو ہاتھ باندھ دیے گئے ہیں۔اب بتاؤ ہم کیا کریں۔“ انہوں نے اپنے ایک ہاتھ کی مٹھی دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پر سختی کے ساتھ مارتے ہوئے کہا۔

"سر ان کے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ لوگ ہمارے قبضے میں ہیں۔" سفیان نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"تمہارا مطلب کیا ہے؟" انہوں نے کہا۔

"سر نواب سطوت کے بارے میں تو ہم میڈیا پر چند ثبوت دے سکتے ہیں۔اس کی اصلیت لوگوں کے سامنے آئے گی تو وہ لوگ خود اس سے منحرف ہوجائیں گے۔ہمارا روشنیوں کا شہر کراچی جس میں آج لوٹ مار، قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے کہیں امن و چین نہیں ہے۔ہم جان چکے ہیں کہ اس تمام بد امنی اور قتل و غارت، بم بلاسٹ، ٹارگٹ کلنگ کا ماسٹر مائنڈ کون ہے تو پھر ہم انہیں کیسے زندہ چھوڑ سکتے ہیں۔آج لوگ برملا یہ کہنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ ان تمام کارروائیوں کے پیچھے خود ایجنسیوں کا ہاتھ ہے۔پولیس میں جب راہول شرما عرف بابر جمالی جیسے لوگ ہوں گے تو خود سوچیں کہ پولیس کیسے قابل اعتماد ہوسکتی ہے۔ایسا نہیں ہے کہ محکمہ پولیس کے حمام میں سب ہی ننگے ہیں۔ان میں فرض شناس افسران بھی ہیں لیکن وہ بے چارے ان مفاد پرستوں

اور جرائم کے فروغ میں ملوث افسران کے آگے اپنی نوکری بچانے کے لیے مجبور اور بے بس ہوجاتے ہیں۔

یہاں آئے دن لوگ نامعلوم افراد کی گولیوں کا نشانہ بنتے رہتے ہیں۔بہت سی لاشیں اِدھر اُدھر پڑی مل جاتی ہیں تو پھر ان کو بھی نامعلوم افراد کی گولیوں کا نشانہ بنا کر ان کی لاشیں بھی کسی کچرا کنڈی میں پھینک دیتے ہیں۔ڈھونڈ ہی لے گی پولیس کل سویرے ان تشدد زدہ ناقابل شناخت لاشوں کو اور لاوارث سمجھ کر خیراتی ادارے ان کا کریا کرم
کردیں گے۔" حشام زہر خند لہجے میں بول رہا تھا۔

حشام کی بات سن کر کرنل احتشام اور سفیان کی آنکھوں میں ایک خاص چمک اور لبوں پر ایک پر اسرار مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

"اوکے بوائز۔پھر اس سارے گیم کا جلد ہی دی اینڈ ہوجانا چاہیے۔" کرنل احتشام نے کہا۔

"میرا خیال ہے سر اس کام کو ہیبت خان بہت بہتر طریقے سے انجام دے سکتا ہے۔جس طرح ہم نے اپنی عدالت میں حبیب سلطان کی موت کا فیصلہ

سنایا تھا اسی طرح آج ہماری عدالت ان کی موت کا فیصلہ بھی سناتی ہے۔"

سفیان نے کہا۔

اور پھر دو تین دن پھر پولیس کو لاوارث لاشیں کچرا کنڈیوں میں ملتی رہیں۔ ان کے چہرے ناقابل شناخت تھے۔بہرحال ان کے بارے میں یہ پتا چلا ہے کہ وہ ہندو مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔

حشام نے نواب سطوت کے بارے میں بھی خفیہ ذرائع سے اپنی چند رپورٹس بھجوائیں جن کا میڈیا پر چلتے ہی ہر جانب ہاہا کار مچ گئی۔اس سلسلے میں جب نواب سطوت سے بات کی گئی تو اس نے ٹی وی پر آکر بیان دیا۔

"یہ اس کے خلاف بہت بڑی سازش کی گئی ہے۔کیونکہ بہت سی خفیہ ایجنسیوں کے افراد اس کے پاس آئے اسے بہت بڑے بڑے لالچ دیے گئے لیکن اس کا تعلق پیروں کے خاندان سے ہے اس کی جڑیں اور بنیاد اسی وطن کی مٹی میں ہے۔اس کی اپنی ذاتی جاگیر اور جائیداد اتنی زیادہ ہے کہ وہ اس کو استعمال بھی نہیں کرسکتا بلکہ اس کا ایک روحانی سینٹر خود اس کے اپنے پیسے سے چل رہا ہے۔کیا کوئی فرد ایسا ہے جو میڈیا پر آکر یہ کہہ دے کہ اس نے

نواب سطوت کے روحانی سینٹر کے لیے کبھی کوئی چندہ دیا ہے سیکڑوں نہیں ہزاروں خاندانوں کو نواب سطوت کی ذاتی جیب سے ایک خطیر رقم ماہانہ دی جاتی ہے۔کوئی اس پر کتنے ہی اوچھے الزامات لگائے اس کے کردار پر کتنے ہی گندے چھینٹے اڑاتے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔مجھے تو جان سے مارنے کی دھمکیاں بھی دی جاتی ہیں۔لیکن میں کسی سے نہیں ڈرتا موت اپنے وقت پر آئے گی۔"

میڈیا پر نواب سطوت کے اس انٹرویو کے بعد اگلے دن نواب سطوت اور رسول بخش کی ایک اہم اور خفیہ ملاقات ہوئی اور مزید آگے کا لائحہ عمل طے کیا گیا۔

شاہ زمان کو تو جیسے سب بھول ہی گئے تھے۔اسے چیدہ چیدہ خبریں ملتی رہتی تھیں۔وہ دن رات اپنی سوانح حیات لکھنے میں مصروف تھا۔تب کرنل مشتاق اور کرنل احتشام نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے یہاں سے جانے کی اجازت دے دی جائے۔اسے جب اپنی آزادی کی نوید ملی تو اس نے کہا کہ سر میں کہاں جاؤں' میرا تو کوئی گھر بھی نہیں ہے اور ویسے بھی مجھے ابھی چند دن اور درکار

ہیں میں اپنی زندگی کے حالات لکھ رہا ہوں تاکہ مہہ وش کو میرے بارے میں ساری آگہی ہو اور وہ خود فیصلہ کرسکے کہ آیا وہ میرے جیسے شخص کے ساتھ شادی کے لیے تیار ہے یا نہیں کیونکہ اس نے تو ڈاکٹر شاہ زمان سے محبت کی تھی لیکن آج اس کے سامنے شمروز خان ہے۔جس کے دامن پر خون کے داغ بھی ہیں اور بدکرداری کے بھی۔"

حشام نے شاہ زمان کی داستان مکمل ہونے کے بعد سب سے پہلے اس کی اجازت سے پڑھی اور فیصلہ کیا کہ وہ شاہ زمان کو اپنے گھر لے جائے گا اور خود اپنے ہاتھوں اس کی اور مہہ وش کی شادی کرے گا۔

ابھی شاہ زمان ہیڈ کوارٹر میں تھا کہ وزیر داخلہ کا کرنل احتشام کے پاس فون آیا اور انہوں نے حکم دیا کہ شمروز نامی شخص کو آپ نے کیوں ابھی تک قید کر رکھا ہے۔اس نے وطن عزیز کے لیے بہت اہم کارنامہ سر انجام دیا ہے حکومت کی جانب سے اسے انعام کے لیے فرنشڈ فلیٹ دیا جا رہا ہے جہاں رہ کر وہ اپنی ایک آزاد خود مختار نئی زندگی کا آغاز کرسکتا ہے۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

کرنل احتشام نے یہ خوش خبری شاہ زمان کو سنائی تو اس نے اللہ کے آگے سجدہ شکر ادا کیا۔

پھر ایک سرکاری محکمہ کا بندہ ایک فلیٹ کی چابی ایک سوزوکی کار اور ایک خطیر رقم کا تھیلا لے کر کرنل صاحب کے پاس آیا۔

شاہ زمان بہت زیادہ خوش تھا اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنے فلیٹ میں منتقل ہونے سے پہلے مہہ وش سے ایک ملاقات کرے اور اپنی لفظ لفظ حقائق پر مبنی زندگی کی داستان اسے پیش کرے اور پھر آگے جو بھی فیصلہ مہہ وش کا ہو۔

شاہ زمان حشام کے ہمراہ اس کے گھر گیا۔جہاں دو ماہ کے بعد وہ مہہ وش کو دیکھ رہا تھا اسے یہ دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی کہ مہہ وش کا سابقہ حسن لوٹ آیا تھا۔شاہ زمان نے جب اس کے آگے یہ شرط رکھی کہ تم میری داستان حیات پڑھ کر فیصلہ کرو کہ میں تمہارے قابل ہوں یا نہیں تو اس نے پہلے ہی شاہ زمان کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

وہ آج بے حد خوش تھا اسے اپنی کھوئی ہوئی خوشیاں اور خاندان پھر سے مل گیا تھا۔بہن بھائی اور ماں باپ کے روپ میں حشام کی فیملی تھی اور مہہ وش اس کا پیار اسے دوبارہ مل جائے گا وہ سوچ سوچ کر ہی خوشی سے کانپ رہا تھا۔

وہ رات کو خوشی خوشی اپنے نئے فلیٹ میں شفٹ ہو گیا۔اسے آج اتنی گہری نیند آئی تھی جیسے وہ کبھی ماں کی آغوش میں سر رکھ کر مطمئن ہو کر سوتا تھا۔

...☆☆☆...

وہ اسلامی مہینے کی تیسری جمعرات تھی اس رات نواب سطوت اپنے روحانی سینٹر میں محفل کرتا تھا بہت سے سائل اپنی اپنی مرادیں لے کر آیا کرتے تھے۔

آج کی رات نواب سطوت نے اپنی کارکردگی دکھانے کے لیے میڈیا والوں کو بھی دعوت دی تھی۔

محفل اپنے عروج پر تھی نواب سطوت تصوف پر پر اثر تقریر کر رہا تھا کہ اچانک ہی ایک زور دار دھماکہ ہوا اور ہر جانب چیخ و پکار مچ گئی۔دھویں کے

بادل اور بارود کی بو فضا میں پھیل گئی۔فضا آہ و فغاں سے لرزنے لگی۔جس کا جس جانب منہ اٹھ رہا تھا وہ بھاگ رہا تھا۔

معلوم ہوا کہ نواب سطوت کے روحانی سینٹر پر بم بلاسٹ ہوا ہے۔عمارت کا پچھلا حصہ دھماکے سے زمین پر آ گیا۔اس سمت جتنے لوگ تھے وہ سب لقمہ بن گئے بہت سے زخمی ہوئے۔

ہر زبان پر تھا "سرکار سائیں کیسے ہیں۔" لیکن یہ کسی کو پتا نہیں چل رہا تھا تقریباً چار گھنٹوں کے بعد نواب سرکار سائیں کی خیریت کی اطلاع ملی کہ وہ معمولی زخمی ہوئے ہیں۔اللہ نے اپنے نیک اور خدا ترس انسان کو بچا لیا۔

ساری سرکار حرکت میں آ گئی۔میڈیا ایک بار پھر زخمی نواب سطوت کو ٹی وی پر دکھا رہا تھا کہ نواب صاحب کو مارنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں لیکن وہ کسی کی بھی دھمکیوں میں آنے والے نہیں ہیں۔ماضی میں بھی کئی مرتبہ ان پر قاتلانہ حملے ہوئے ہیں لیکن اللہ انہیں ہمیشہ بچا لیتا ہے۔

ایک بار پھر کلفٹن والی کوٹھی پر رسول بخش خفیہ طور پر پہنچا وہ نواب سطوت کے خاص کمرے میں اس کے ساتھ مے نوشی میں مصروف تھا اور کہہ رہا تھا۔

"دیکھی نواب صاحب آپ نے میری پلاننگ' اب چاہے کوئی آپ کے خلاف کتنے ہی ثبوت اکٹھے کر لائے عوام کی ٹوٹل ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں۔آپ تو خود مظلوم ہیں۔ظلم کے معنی کیا جانیں۔" اور وزیر داخلہ کی تمام باتیں سن کر نواب سطوت مسکراتا ہوا سر ہلاتا رہا پھر گہرے پر اسرار لہجے میں بولا۔

"میرا شکار کہاں ہے؟ شیر کچھار سے نکلا یا نہیں؟"

"آپ کی ہدایت کے مطابق تمام کام ہو گیا ہے۔" رسول بخش نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"بس یار تمہاری یہی سعادت مندی تو مجھے اچھی لگتی ہے میں نے یوں ہی تو تمہیں اس جگہ نہیں لا بٹھایا ہے ایک وہ احمق تھا اس کے سر پر وطن پرستی کا بھوت سوار ہو گیا۔چلو جو ہوا اچھا ہی ہوا' ورنہ میں نے تو اس کے لیے

بہت کچھ سوچ رکھا تھا بڑا اچھا لگتا تھا یار وہ مجھے۔" نواب سطوت نے گہرے نشے میں ڈوبے ہوئے کہا۔

"پھر شیر کا کیا کرنا ہے قید کرنا ہے یا آزاد؟" رسول بخش کا لہجہ کسی خادم کا سا تھا۔

"شیروں کو آزاد ہی کردو تو بہتر ہے۔" نواب سطوت نے اپنی گہری سرخ آنکھیں بمشکل کھول کر کہا اور دھیرے سے ہنس دیا۔

...☆☆☆...

سفیان ابھی میٹنگ سے ہو کر آیا تھا وہ سب حیران تھے کہ نواب سطوت کے روحانی سینٹر پر بم بلاسٹ کس نے کروایا۔

"ہوسکتا ہے کہ را والوں نے یہ کارستانی کی ہو انہوں نے سوچا ہوگا کہ کہیں نواب کے ہاتھ آتے ہی مزید راز نہ فاش ہوجائیں لیکن انہیں کیا پتا کہ...!" سفیان نے غصہ سے کہا۔

بہت سے کام سمٹ گئے تھے۔فی الحال کوئی ٹینشن نہیں تھی وہ شاہ زمان کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اتنے عرصہ کے بعد اسے اس کی محبت مل گئی

ہے۔نصیب میں جن کے ملنا لکھا ہوتا ہے وہ یوں بھی مل جایا کرتے ہیں۔ حشام نے بتایا تھا کہ شاہ زمان اور مہہ وش کی ذات اب تمام شک و شبے سے آزاد ہے وہ اور سرمئی ان دونوں کی جلد ہی شادی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ شاہ زمان کو ایسا لگ رہا ہوگا جیسے جلتے صحرا میں ننگے پاؤں چلنے کے بعد اسے ٹھنڈی اور پرسکون چھاؤں مل گئی ہو' ایک وہ بدنصیب ہے وہ بچپن سے ہی اپنی آنکھوں میں اس کے خواب دیکھتا آیا تھا۔اسے آج بھی یاد تھا کہ جب وہ اور سب بچے مل کر کھیلا کرتے تھے تو وہ اور غزالہ مل کر ایک گھر بنایا کرتے تھے اور غزالہ ہمیشہ اس کی گھروالی بنا کرتی تھی۔ایک مرتبہ محلے کے ایک بچے نے یہ کہہ دیا تھا کہ سفیان تم ہمیشہ غزالہ کو اپنی گھر والی بناتے ہو آج میں غزالہ کا گھروالا بنوں گا اور پینو تمہاری گھروالی تو سفیان کو یہ سن کر بے حد غصہ آیا تھا کہ غزالہ اس کے سوا کسی اور کی گھر والی کیسے بن سکتی ہے اور غصے میں اس نے اس بچے کا مار مار کر بھرکس نکال دیا تھا پھر اس کو ابا نے ایک ٹانگ پر آدھے گھنٹے کھڑے رہنے کی سزا دی تھی اور ایک وقت کا کھانا بند کردیا تھا لیکن اسے اتنی ذرا سی سزا سے کوئی فرق نہیں پڑا

تھا وہ تو یہ سوچ کر خوش تھا کہ اس نے اس لڑکے کو ایسی بات کہنے کی سزا دے دی تھی پھر آئندہ سے ابا اور بے بے نے انہیں ایسے کھیل کھیلنے سے منع کردیا تھا اور یہ بات آج تک اس کے دل و دماغ میں رچ بس گئی تھی کہ غزالہ صرف اس کی ہے اور صرف اس کی گھر والی بنے گی۔

وہ کس طرح یہ سوچ کر جیئے گا کہ اس کی غزالہ کا گھروالا کوئی اور ہو۔وہ کسی اور کے بچوں کی ماں بنے' کوئی اور اس کے غزالہ کے سیب جیسے رخساروں کو چھوئے کوئی اور اس

کے گھنے بالوں کی چھاؤں میں سوئے۔

وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھا۔پھر سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔دماغ کی رگیں پھٹی جا رہی تھیں۔یہ ظالم سوچیں کیوں نہیں اس کا پیچھا چھوڑ دیتیں۔مجھے کیا حق ہے اب اس کے بارے میں سوچنے کا اس نے اپنے بال اپنی مٹھیوں میں سختی کے ساتھ جکڑ لیے۔وہ کسی اور کا نصیب ہے۔دماغ بار بار سرزنش کر رہا تھا۔

نصیب... تقدیر... کیا ہے یہ نصیب... کون لکھتا ہے یہ تقدیر؟ اندر سے آواز آئی... اللہ۔

اگر اللہ تقدیر لکھتا ہے تو کیا وہ تقدیر بدلنے پر قادر نہیں ہے ہاں وہ ہر شے پر قادر ہے۔ قرآن پاک میں پڑھی ہوئی یہ آیت بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہی تھی کہ ان اللہ علی کل شئی قدیر۔

اور تقدیر کو کیا چیز بدل دیتی ہے۔ پھر اندر سے آواز آئی۔ "دعا" دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ یہ اللہ کے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ وہ پر امید ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ آدھی رات کو اللہ بھی اپنا ہاتھ زمین کی جانب پھیلا دیتا ہے کہ کوئی ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اسے عطا کروں۔

وہ ایک نئے عزم اور یقین کے ساتھ اٹھا۔ وضو کیا اور نفل نماز حاجت کی نیت باندھ کر عاجزی اور انکساری سے اپنے آقا' مالک اور معبود کے آگے کھڑا ہو گیا۔

سلام پھیر کر وہ بے ساختہ سجدے میں گر پڑا۔ وہ رو رہا تھا مچل رہا تھا تڑپ رہا تھا اپنے رب سے فریاد کر رہا تھا۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"یا رب اگر غزالہ میرے نصیب میں نہیں ہے تو اس کا خیال بھی میرے دل و دماغ سے نکال دے۔ ورنہ اسے مجھے عطا کر دے۔ تو مجھ سے زیادہ میرے دل کا حال جانتا ہے۔ یا قادر تو ہر شے پر قادر ہے۔ تقدیر لکھی بھی تو نے ہے اور اس کو بدلنے پر بھی تو ہی قادر ہے۔"

نجانے کتنی دیر وہ فریاد کرتا رہا۔ حد یہ کہ اذان فجر کان میں آئی تو وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اتنا رو لینے سے اور اللہ کو اپنا وکیل بنالینے کے بعد اسے قلبی اطمینان حاصل ہوا تھا۔ اس نے پوری توجہ سے اذان سنی اور اذان کا جواب دیا۔ پھر اذان کی دعا کر کے وہ مسجد چلا آیا۔

نماز کے بعد وہ آکر سو گیا۔ پھر فون کی بیل سے اس کی آنکھ کھلی۔ دیکھا تو سفینہ کا فون تھا۔

"ہاں سیفی بولو۔" اس نے نیند کے خمار سے بوجھل لہجے میں کہا۔

"کیا بھائی ابھی تک سو رہے ہو آج تمہیں کوئی کام نہیں ہے۔" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہاں آج فارغ ہوں۔تم سناؤ گھر میں سب خیریت ہے نا بے بے کیسی ہیں؟" وہ کہنی کے بل اٹھ کے بیٹھ گیا۔

"بھائی وہ... وہ بھائی...!" سفینہ بات کرتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔

"کیا بات ہے سفینہ... تم کچھ پریشان ہو۔" اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

"وہ بھائی بات دراصل یہ ہے۔" وہ پھر رک گئی۔

"بتاؤ نا سیفی میں پریشان ہو رہا ہوں۔" وہ پوری طرح سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"اچھا بھائی یہ بتاؤ تم چھٹی لے کر گھر آسکتے ہو کیا؟" اس نے پوچھا۔

"کیوں، گھر میں سب خیریت تو ہے ناں؟"

"بے بے کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور وہ تمہیں بہت یاد کر رہی ہیں۔آج ہوسکے تو تم چھٹی لے کر فوراً گھر آجاؤ۔" سفینہ نے کہا۔

ماں کی بیماری کا سن کر سفیان تڑپ اٹھا اور اس نے سفینہ سے کہا کہ وہ کرنل صاحب سے چھٹی کی بات کرے گا اور آج ہی کرے گا۔اگر چھٹی مل گئی تو وہ کل ہی یہاں سے روانہ ہوجائے گا۔

دوپہر کو سفیان نے کرنل صاحب کے آفس میں جا کر ملاقات کی اور انہیں اپنا مسئلہ بتایا۔

کرنل صاحب چند لمحے تک کچھ سوچتے رہے پھر بولے۔"ٹھیک ہے تم جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ کوئی ایمرجنسی ہوئی تو تمہیں کال کرلی جائے گی۔ویسے بھی تم کافی عرصہ سے اپنے گھر نہیں گئے ہو اور اس وقت تمہاری ماں کو تمہاری شدید ضرورت ہے۔یہاں کے مسئلے مسائل ہم دیکھ لیں گے۔اپنی ماں کی خوب خدمت کرو۔انہیں خوش رکھو۔تمہیں جنت کمانے کا یہ موقع قطعی نہیں کھونا چاہیے۔"

"تھینک یو سر، تھینک یو ویری مچ سر۔" سفیان نے پر مسرت لہجے میں کہا اور اپنے روم میں آگیا۔اپنا ضروری سامان پیک کیا۔پھر بازار آگیا۔سفینہ اور بے بے کے لیے کچھ چیزیں خریدیں اور سفینہ کو فون کر کے اطلاع دے دی کہ وہ کل رات یا صبح تک گھر پہنچ جائے گا۔

سفیان بس کے اڈے پر اترا تو اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ بیگ ہاتھ میں اٹھائے دوڑتا ہوا گھر کی جانب چل دے لیکن اسے فوراً ہی دینو چاچا اپنے تانگے سمیت نظر آئے۔اس نے

نہیں سلام کیا۔یہ وہی دینو چاچا تھے جن کے تانگے میں سوار ہو کر وہ اسکول جایا کرتا تھا اور آج وہ بوڑھے ہوگئے تھے لیکن سفیان کو اچھی طرح سے پہچانتے تھے اور گاؤں کے سارے لوگوں کی طرح اس کی عزت بھی کرتے تھے۔انہوں نے اسے گلے لگا کر درازی عمر کی دعا دی اور زبردستی اپنے تانگے میں بٹھا لیا راستے میں وہ دیگر گاؤں والوں کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔

گھر کے دروازے پر دینو چاچا اسے اتار کر آگے بڑھ گئے تو وہ بے تابی سے دروازے پر پڑے بھاری پردے کو اٹھا کر اندر داخل ہو گیا۔

سامنے ہی نیم کے تلے چارپائی پر بیٹھی اسے بے بے دکھائی دے گئیں۔وہ ساگ بنا رہی تھیں۔

"بے بے!" اس نے دروازے سے ہی پکارا۔

بے بے نے اس کی آواز پر سر اٹھا کر دیکھا اور اپنے دونوں بازو پھیلا دیے۔

"آگیا میرا سوہنا پتر۔رب تینوں لمبی حیاتی دے۔میں ابھی تجھے یاد کر رہی تھی۔" وہ بھاگتا ہوا گیا اور بے بے کی پھیلی ہوئی بانہوں میں سما گیا۔مامتا کی پر سکون آغوش کی گرمی ملی تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔وہ بے ساختہ سسک پڑا۔

"بے بے اب کیسی طبیعت ہے؟"

"شکر ہے سوہنے رب دا... میں ٹھیک آں...!" انہوں نے اسے خود سے علیحدہ کرکے اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میںتھاما ایک محبت بھری نگاہ اس پر ڈالی اور پیشانی کو چوم لیا۔

اتنے میں سفینہ بھی کچن سے نکل آئی اور دونوں ہاتھ سینے پر باندھے مسکراتی ہوئی بھائی کو دیکھنے لگی۔

"کیا ہوگیا تھا بے بے...؟" اس نے پوچھا۔

"لے مینوں کی ہویا... چنگی بھلی آں... بلکہ اب پہلے سے بھی زیادہ چنگی ہوں۔" انہوں نے دھیرے سے ہنس کر کہا۔

"لیکن بے بے سیفی نے تو مجھے فون کیا تھا کہ آپ کی طبیعت خراب ہے اور آپ مجھے یاد کر رہی ہیں۔" سفیان نے کہا۔

"یاد تو اپنے پتر نو کریا سی پر...!" انہوں نے مسکراتے ہوئے سفینہ کو دیکھا تو اس نے جھٹ کانوں کو ہاتھ لگالیے اور سفیان نے محبت سے بہن کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔"بے بے کی بیماری کی خبر دے کر مجھے پریشان کرنا ضروری تھا۔"

"اگر یہ خبر آپ کو نہ دیتی تو آپ اس طرح تھوڑی ناں دوڑے چلے آتے۔" اس نے شرارت سے آنکھیں نچائیں۔

"بس بہت ہو گیا بے بے اب اس کو اس کے سسرال چلتا کریں۔یہ بہت تنگ کرنے لگی ہے۔" سفیان نے کہا تو سفینہ جھٹ بولی۔

"جی نہیں پہلے میں نہیں جاؤں گی پہلے اس گھر میں بھابی صاحبہ آئیں گی۔"

لفظ بھابی سن کو سفیان بالکل خاموش ہو گیا۔اس کو اتنا سنجیدہ دیکھا تو بے بے اور سفینہ ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگیں اور اشاروں سے ایک دوسرے

سے کچھ کہنے لگیں سفیان نے سر اٹھا کر انہیں ایسا کرتے دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا تو بے بے بولی۔

"پتر تجھے ایک اہم بات بتانی تھی۔"

"کوئی پریشانی والی بات ہے۔" سفیان نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔

"پریشانی والی...!" بے بے نے آہستہ سے زیر لب دہرایا۔

"ہمارے لیے تو نہیں ہے البتہ بھائی کے لیے ضرور ہے۔" بے بے نے کہا اور خاموش ہو گئیں۔

"ان کے گھر ایسا کیا ہوا ہے؟" سفیان کی آنکھوں کے سامنے ایک بار پھر غزالہ کا پورا سراپا آگیا۔بے بے تھوڑی دیر سر جھکا کر کچھ دیر سوچتی رہیں پھر بولیں۔

"پتر بات یہ ہے کہ تیرے چاچے کا بیٹا توصیف' جس کی غزالہ کے ساتھ شادی طے ہوچکی تھی اور اگلے دو ماہ بعد شادی تھی۔اس کا زمینوں کے پانی پر ساتھ کے گاؤں کے زمیندار سے جھگڑا ہو گیا۔دونوں جانب سے گولیاں چلیں۔ان کا تو کوئی نقصان نہیں ہوا۔پر توصیف کے ہاتھوں ان کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔

توصیف کے ہاتھوں ایک بندہ تو موقع پر ہی مر گیا اور دوسرا اسپتال جا کر مر گیا۔ان لوگوں نے توصیف کے نام پرچہ کٹوا دیا۔پولیس نے توصیف کو گرفتار کرلیا اور وہ پستول بھی برآمد کرلیا جس کی گولی سے بندے مرے ہیں۔اب توصیف جیل میں ہے تیرے چاچے کے گھر تو ماتم پڑا ہے۔بھائی کے گھر میں بھی سب پریشان ہیں کل رات کو بھائی عنایت آیا تھا تو وہ بتا رہا تھا کہ توصیف جیل سے نہیں چھوٹ رہا۔ضمانت بھی نہیں ہو رہی اس کو سزا لمبی ہوگی یا تو پھانسی یا پھر عمر قید۔بھائی عنایت پریشان ہو رہا تھا کہ اب دھی غزالہ کا کیا ہوگا۔"

سفیان دم بخود یہ ساری کہانی سن رہا تھا۔اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا وہ حیران تھا کہ اللہ تعالیٰ کیا یوں بھی دعائیں سنتا ہے اور اتنی جلدی۔بے شک وہ ہر شے پر قادر ہے۔

تقدیریں بدلنے پر بھی۔

"ماما عنایت تو خوامخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔غزالہ باجی کو کیا فرق پڑتا ہے کوئی ان کا توصیف بھائی سے نکاح تھوڑی نا ہوا تھا اور ویسے بھی غزالہ باجی تو

اتنی پیاری ہیں انہیں کوئی اور بیاہ لے جائے گا... کیوں بھائی...؟" سفینہ نے جھٹ کہا۔

"تیری بات ٹھیک ہے دھیے پر توصیف چاچے کا اکلوتا پتر تھا۔بس مزاج کا ذرا تیز اور اکھڑ تھا۔ٹھنڈے دماغ سے کام لیتا تو ایسی مصیبت میں کیوں پڑتا۔" بے بے نے کہا تو سفینہ بولی۔

"بے بے تم آج ہی ماما عنایت کے گھر جاؤ اور انہیں تسلی دو کہ وہ چاچا کے گھر جا کر غزالہ باجی کی منگنی توڑ دیں۔غزالہ باجی کو ہم اپنے گھر کی بہو بنائیں گے۔"

"نہ دھیے' یہ رشتہ داری کا معاملہ ہے۔ہمیں اتنی جلدی نہیں کرنی چاہیے۔تیرا چاچا کیا سوچے گا ہمارے بارے میں۔" بے بے نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے۔" سفینہ نے سفیان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے شان بے نیازی سے کہا

"تم ماما سے بات تو کرلو۔توصیف بھائی کو اپنے انجام کو پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔ہم پھر اپنی خوشی کرلیں گے۔ادھر ماما کی فکر بھی دور ہوجائے گی۔

اچھا ہی ہو رہا ہے۔توصیف بھائی کے ساتھ۔انہیں غرور بھی بہت تھا اپنی زمینداری کا۔غریب کو تو وہ حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔"

"نہ دھییے نہ، کسی کی تکلیف پر خوش نہیں ہوتے۔رب سوہنا ناراض ہوتا ہے۔ مجھے تو بس تیرے چاچا چاچی کا خیال آرہا ہے۔جوان اولاد کا دکھ رب سوہنا کسی کو نہ دے۔" بے بے نے ایک دکھ بھری ٹھنڈی اور گہری سانس لی اور سفیان بے ساختہ بے بے کی گود میں منہ چھپا کر لیٹ گیا۔اس کی آنکھوں سے تشکر کے آنسو رواں تھے۔

...☆☆☆...

اس رات آہستہ آہستہ حشام نے مجھے شاہ زمان بھائی اور مہہ وش کے متعلق ساری باتیں بتائیں انہوں نے بتایا کہ وہ دونوں کب سے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور مہہ وش کے باپ نے ان کے ساتھ کتنا ظلم کیا ہے اور شاہ زمان بھائی انتقام لینے کی خاطر کس طرح انجانے میں ان لوگوں کا آلہ کار بن گئے۔

"تمہیں پتا ہے سرمئی جب میں نے شاہ زمان کے ہاتھوں خود اس کی لکھی ہوئی کہانی پڑھی اور مجھے شاہ زمان کی محبت کی شدت کا احساس ہوا تو میرا دل تڑپ اٹھا اور میں نے اسی وقت فیصلہ کرلیا کہ میں ان دونوں کو ضرور ملواؤں گا کیونکہ ایک پیار کرنے والا دل ہی کسی دوسرے پیار کرنے والے کے دل کی شدتوں کا احساس کرسکتا ہے وہ واقعی بہت بہادر ہے کہ مہہ وش کی محبت کو کھو کر بھی اتنے عرصہ زندہ رہا۔اگر اللہ نہ کرے میرے ساتھ ایسا ہوا ہوتا تو میں تو ایک دن بھی زندہ نہ رہ پاتا۔مرجاتا تمہارے بغیر۔" حشام نے جذباتی لہجے میں کہا تو میں نے بے ساختہ حشام کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"آپ کو میری عمر بھی لگ جائے اتنی فضول باتیں کیوں کر رہے ہیں۔" میں بے ساختہ حشام کے سینے میں منہ چھپا کر سسک پڑی تو حشام نے مزید شدت سے مجھے اپنے سینے میں بھینچ لیا۔

"میں نے بالکل ٹھیک فیصلہ کیا ہے نا۔" حشام نے میرے بالوں کو چومتے ہوئے کہا پھر بولے۔

"یار تم کون سا شیمپو استعمال کرتی ہو۔اس کی خوشبو سے دیوانہ ہو کر میں تمہارے بالوں کو ہی چومتا رہتا ہوں۔"

"حشام کے بچے۔" میں نے اس کے سینے پر ہلکا سا مکا رسید کرتے ہوئے کہا تو وہ شرارت سے ہنس پڑے اور بولے۔

"آؤ ہم جلدی جلدی کوشش کرتے ہیں تاکہ گھر میں ڈھیر سارے ننھے ننھے بچے شور مچاتے پھریں۔" اس کی آنکھوں کی شرارت اور ان کے خطرناک عزائم کا احساس ہوتے ہی میں بیڈ سے چھلانگ مار کر اتری اور تیزی سے باہر نکل آئی اور حشام کا قہقہہ میرا پیچھا کرتا رہا۔

باہر آئی تو مہہ وش امی کے پاس بیٹھی تھی۔مجھے اس طرح ہنستے ہوئے بھاگ کر آتے دیکھ کر امی معنی خیز انداز میں مسکرانے لگی۔جبکہ مہہ وش نے معصومیت سے پوچھا۔

"کیا ہوا، تم کس بات پر ہنس رہی ہو؟"

"بس تھوڑے دنوں کی بات ہے پھر تم بھی اسی طرح ہنستے ہوئے اپنے کمرے سے باہر آؤ گی تو تمہیں خود اپنے سوال کا جواب مل جائے گا۔" امی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

نے مسکراتے ہوئے سر جھکا کر کہا تو میرا چہرہ شرم سے گلنار ہو گیا تو مہہ وش بھی مسکرانے لگی۔

میرے پوچھنے پر مہہ وش نے مجھے اپنی اور شاہ زمان بھائی کی محبت کی داستان سنائی۔وہ ہماری شادی کا واقعہ سن کر حیران ہوئی اور ہنستی ہوئی بولی۔"حشام بھائی بھی حشام بھائی ہیں۔ان جیسا کوئی دوسرا کہاں۔اللہ آپ دونوں کی محبت کو سلامت رکھے اور کبھی کسی کی نظر نہ لگے۔"

میں نے اس کی اور رئیس خان کی زندگی کی کوئی بات نہیں نکالی کیا فائدہ اس کے زخموں کو کریدنے کا۔حشام بتا رہے تھے کہ ابھی ان کی شادی میں تھوڑا ٹائم لگے گا اس لیے کہ مہہ وش کا نکاح رئیس خان سے ہوا ہے رئیس خان منظر سے غائب ہے یہ بات تو ہم جانتے ہیں کہ حبیب سلطان ہی رئیس خان تھا اور وہ مر چکا ہے مہہ وش بیوہ ہے اب یہ بات ثابت ہے

کہ دراصل حبیب سلطان ہی رئیس خان تھا تاکہ نکاح میں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ ہو۔

اس دوران شاہ زمان بھائی کبھی کبھار ہمارے گھر آجاتے۔بلکہ ایک دن حشام نے فکر مند لہجے میں مجھے بتایا کہ شاہ زمان کے فلیٹ کے ارد گرد کچھ مشکوک لوگ دیکھے جا رہے ہیں اس لیے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ انہیں اپنے گھر میں بلا لوں پھر شادی کے بعد انہیں کراچی سے سعودی عرب بجھوا دیں گے۔

پھر شاہ زمان بھائی ہمارے گھر آگئے۔ان دنوں گھر میں بہت رونق تھی۔امی کا کہنا تھا کہ حشام نے تو ایک ہی دن میں جھٹ پٹ سب کچھ کرلیا کوئی رونق ہی نہیں لگی۔اب ہم شاہ زمان اور مہہ وش کی شادی میں اپنے ارمان نکالیں گے۔

ایک دن حشام نے یہ خوش خبری سنائی کہ یہ بات ثابت اور کنفرم ہوگئی ہے کہ دبئی کا بزنس مین اور کراچی کا صنعت کار حبیب سلطان دراصل ایک ہی شخص تھا جو ہلاک ہوچکا ہے اور اس کی ساری جائیداد کی وارث اس کی بیوی مہہ وش ہے لیکن وہ منظر سے غائب ہے اس کے وکیل نے ٹی وی کے ایک پروگرام میں آکر رئیس خان کی بیوہ مہہ وش سے گزارش کی کہ وہ ان فون پر نمبرز پر رابطہ کرے۔ساتھ ہی اسکرین پر فون نمبرز بھی دکھائے جا رہے تھے۔

لیکن مہہ وش نے صاف انکار کردیا کہ مجھے رئیس خان کی دولت اور جائیداد سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔میں سامنے نہیں آنا چاہتی۔اس دولت اور جائیدار کے اوپر نجانے کتنے لالچی لوگوں کی نگاہیں ہوں گی اور وہ یوں آسانی سے مجھے اس کا مالک نہیں بننے دیں گے میں صرف شاہ زمان کے ساتھ ایک پر سکون زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔

مہہ وش کے اس فیصلے کو سب نے سراہا۔خاص طور پر شاہ زمان بھائی نے۔وہ بھی ایسا نہیں چاہتے تھے۔اب حالات بہت پر سکون تھے۔کوئی مسئلہ نہیں رہا تھا اور نہ ہی ان دونوں کی خوشیوں کی راہ میں کوئی رکاوٹ رہی تھی۔اس لیے جمعہ کا مبارک دن طے ہوگیا کہ ان دونوں کا نکاح کردیا جائے گا۔

شاہ زمان بھائی نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ مہہ وش کو بیاہ کر اپنے فلیٹ میں لے جائیں گے۔ہمیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔وہ لوگ پرائیویسی چاہتے تھے۔

میری دونوں امیاں مل کر مہ وش کے لیے شادی کے جوڑے کی خریداری کر رہی تھیں۔البتہ شاہ زمان بھائی نے شیروانی وغیرہ پہننے سے صاف انکار کردیا ان کا کہنا تھا کہ وہ سفید شلوار قمیص پہنیں گے۔

اس روز جمعہ تھا بعد نماز جمعہ دونوں کا نکاح مسجد میں ہوا پھر سب گھر آگئے امی نے بیوٹیشن کو گھر پر ہی بلوالیا تھا۔

حشام بار بار مجھے چھیڑ رہے تھے کہ تم بھی تو سرخ جوڑا پہن کر اپنا خالص دلہن کا روپ مجھے دکھا دو۔تم تو منگنی کے جوڑے میں دلہن بنی تھی اور میں نے انہیں انگوٹھا دکھاتے ہوئے کہا کہ اب کیا فائدہ وہ خاص وقت تو گزر گیا آپ کو ہی جلدی پڑی...!“

”تو کیا ہوا جان من ہم دوبارہ نئے سرے سے سہاگ رات منائیں گے۔میں تمہاری رونمائی۔“

”چپ ہوجائیں حشام‘ توبہ ہے کتنا بولتے ہیں آپ... سر میں درد کردیا۔ابھی ویسے بھی ڈھیروں کام پڑے ہیں۔“ میں نے چڑ کر کہا۔

”اچھا تمہارے سر میں درد ہو رہا ہے ابھی ٹھیک کرتا ہوں تمہارے سر کا درد۔“ حشام میری جانب بڑھے تو میں ایک چیخ مار کر بھاگی۔”امی بچائیں۔“

”یہ فاؤل ہے سرمئی تم بات بات پر امی کو کیوں آواز لگاتی ہو۔“ وہ اپنی جگہ کھڑے کھڑے بچوں کی طرح منہ پھلا کر بولے۔

”آپ اسی طرح ہی سدھرتے ہیں۔“ میں نے کہا تو وہ سر کھجانے لگے اور بولے۔”کسی نے بالکل سچ کہا ہے شادی کرو اور پھنسو۔“

”ارے بھئی میری تو آج ہی شادی ہوئی ہے اتنا تو نہ ڈراؤ۔“ شاہ زمان بھائی نے اندر آتے ہوئے حشام کی بات سنی تو ہنستے ہوئے کہا۔

”اللہ تعالیٰ تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے اور ڈھیر ساری خوشیاں دے یہ تو میری اور سرمئی کی نوک جھونک چلتی رہتی ہے۔“ حشام نے پر خلوص لہجے میں شاہ زمان بھائی سے کہا تو میں حشام کو دیکھتی رہ گئی۔لمحہ بھر میں حشام کا موڈ بدل جاتا ہے۔کتنا بڑا اداکار ہے یہ شخص۔میں نے سوچا اور ہزار جان سے قربان ہونے والی میری نگاہیں حشام کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔

"حشام ذرا میرے ساتھ آنا تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" شاہ زمان بھائی حشام کو اپنے ساتھ لے گئے تو میں بھی کپڑے چینج کرنے چلی گئی۔تیار ہو کر میں مہہ وش کو دیکھنے کے لیے گئی۔ہم نے خاص خاص لوگوں کو اس شادی میں مدعو کیا تھا مہمان لان میں بیٹھے تھے کھانے کا انتظام بھی وہیں تھا۔

میں مہہ وش کے کمرے میں پہنچی تو بیوٹیشن میک اپ کمپلیٹ کر کے مہہ وش کو دوپٹا اوڑھا رہی تھی۔مہہ وش بلا شبہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔اتنی کہ اس پر نگاہ ہی نہیں ٹھہر رہی تھی میں نے اس کی تعریف کی اور اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگی۔

بیوٹیشن اپنا کام مکمل کر کے جا چکی تھی جیسا کہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ جب دلہن کو دلہا کے نام سے چھیڑا جاتا ہے تو وہ شرماتی ہے مسکراتی ہے لیکن مہہ وش خلاف توقع بہت سنجیدہ تھی وہ بار بار گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

"کیا بات ہے مہہ وش تم پریشان ہو؟" میں نے اس بات کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"پتا نہیں کیا بات ہے سرمئی میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ کچھ برا ہونے والا ہے۔آج میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی کا دن ہے اور میں خوش نہیں ہو پا رہی ہوں۔اللہ کرے کچھ برا نہ ہو۔" بات کرتے کرتے مہہ وش کی آواز بھرا گئی تو میں نے آگے بڑھ کہ اسے اپنے گلے سے لگالیا اور کہا۔

"میں سمجھ سکتی ہوں کہ تمہیں ایسا کیوں لگ رہا ہے سب سے بڑی وجہ تمہاری اداسی کی جو میری سمجھ میں آرہی ہے وہ یہ ہے کہ آج تم کہو یا نہ کہو تم اپنے والدین کو یاد کر رہی ہو اور دوسری بات یہ کہ تم نے اپنی زندگی میں اتنی تلخیاں جھیلی ہیں کہ تمہیں خوشی کے ان لمحات کا یقین نہیں آرہا ہے اور تم خوامخواہ کے وہموں اور وسوسوں کا شکار ہو رہی ہو' میری اچھی بہن۔ہر بری بات اور برے وقت کو ایک برے خواب کی مانند بھلا دو اور آنے والی اس نئی اور خوشیوں بھری زندگی کے بارے میں سوچو وہ زندگی جس کے

خواب تم نے اور شاہ زمان بھائی نے مل کے دیکھے تھے۔انشاء اللہ سب اچھا ہو گا۔تم دونوں کے پاسپورٹ اور ویزے تیار ہیں۔ایک ہفتے کے بعد تم دونوں سعودی عرب چلے جاؤ گے پہلے حرم پاک میں جا کر عمرہ ادا کرنا پھر جدہ آجانا' وہاں ابو کے دوست تمہیں خوش آمدید کہنے کے لیے منتظر ملیں گے۔

اچھا اب مسکراؤ' شاہ زمان بھائی کو پتا چلا کہ ان کی دلہن بجائے خوش ہونے کے اداس ہو رہی ہے تو انہیں کیسا لگے گا۔" میں نے اس کی جھیل جیسی آنکھوں سے بہہ آنے والے نمکین پانی کو اپنی انگلی کی پور سے صاف کیا تو وہ مسکرادی۔اس نے میرے دونوں ہاتھوں کو اپنے لرزتے ہوئے ہاتھوں میں سختی سے تھام لیا اور بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تم نے اور حشام بھائی نے ہمارے لیے جو بھی کیا ہے ہم تاحیات اس کا احسان نہیں اتار سکتے۔بس دل سے ہر لمحے تمہاری خوشیوں کے لیے دعائیں کرتے رہیں گے۔"

"ایسی باتیں کر کے مجھے شرمندہ مت کرو۔ہم نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔تمہیں تمہارے نصیب کی خوشیاں مل رہی ہیں اور ویسے بھی شاہ زمان تو مجھے اپنی

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

بہن فائزہ ہی سمجھتے ہیں۔تو سمجھ لو کہ یہ جو کچھ بھی کیا ہے ایک بہن نے اپنے بھائی کے لیے کیا ہے۔"

میری باتوں اور تسلی سے وہ بہل گئی اور مسکرانے لگی پھر میں نے کہا آؤ میں تمہیں باہر لے چلتی ہوں سب لوگ اتنی پیاری دلہن کو دیکھنا چاہتے ہیں۔

پھر میں نے اسے کھڑا کیا اور اسے کمرے سے باہر لاؤنج میں لے آئی۔ساری خواتین وہیں موجود تھیں۔

پھر شاہ زمان بھائی کو بھی وہیں بلوا لیا۔دونوں کو ساتھ ساتھ صوفے پر بٹھا دیا۔ میں نے اپنے موبائل کے کیمرے پر اس حسین جوڑے کی کئی تصاویر قید کرلیں۔

کھانے سے فارغ ہو کر مہمان چلے گئے۔میں نے شاہ زمان بھائی کو بھی بے چینی سے بار بار پہلو بدلتے ہوئے دیکھا تو سمجھ گئی کہ وہ خود منہ سے نہیں کہہ رہے ہیں کہ وہ اب اپنی دلہن کو اپنے گھر لے کر جانا چاہ رہے ہیں۔

میں نے حشام سے کہا کہ اب ہمیں دلہا دلہن کو روانہ کردینا چاہیے تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے پھر سب نے مہہ وش کو گلے لگا کر ڈھیر ساری دعاؤں کے

ساتھ کار میں بٹھا دیا تو شاہ زمان بھائی نے ضد کی کہ مہہ وش کو آگے بٹھاؤ اپنی کار میں خود ڈرائیو کروں گا۔سب نے سمجھایا کہ ہمارا ڈرائیور آپ کی کار ڈرائیو کرے گا۔تب وہ مشکل سے راضی ہوئے۔

کار روانہ ہو گئی تو ہم لوگ بھی گیٹ بند کر کے اندر آ گئے۔امی نے زبردستی مجھے کمرے میں بھیج دیا کہ تم آرام کرو میں ملازموں کے ساتھ مل کر صفائی کروا لیتی ہوں۔

حشام کو شوخیاں سوجھ رہی تھیں اور میں مہہ وش اور شاہ زمان بھائی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

ابھی انہیں روانہ ہوئے آدھا گھنٹہ ہوا تھا میں تصور کی آنکھ سے دیکھ رہی تھی کہ وہ لوگ اپنے فلیٹ پر پہنچ گئے ہوں گے شاہ زمان بھائی مہہ وش کو لے کر اپنے گھر میں خوشیوں سے بھرا قدم رکھ رہے ہوں گے۔اتنے میں حشام کے فون کی بیل بجنے لگی۔

مزید اردو کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں:
www.pakistanipoint.com

حشام نے جو اس وقت کسی اور موڈ میں تھے۔جھنجلا کر فون کی جانب دیکھا۔ انہیں اس وقت فون کی بیل سخت ناگوار گزر رہی تھی۔انہوں نے نمبر دیکھا ان کے ڈرائیور عبدالستار کا فون تھا۔نمبر دیکھ کر حشام بولے۔

”لو بھئی وہ لوگ پہنچ گئے عبدالستار کا فون ہے میں نے کہا تھا کہ وہاں پہنچ جاؤ تو کال کردینا۔“ انہوں نے ریسیو کا بٹن پش کیا اور بولے۔

”ہاں عبدالستار پہنچ گئے خیریت سے۔“

اور پھر چند لمحے انہوں نے خاموشی سے کچھ سنا ان کی پیشانی پر گہری شکنیں نمودار ہوئیں اور وہ تیزی سے بیڈ سے اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔

”کیا کہہ رہے ہو‘ کہاں... کون سے اسپتال میں...؟“

”کک... کیا ہوا حشام؟“ اسپتال کا نام سنتے ہی میرے ہاتھ پاؤں لرزنے لگے۔

”بہت برا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔عبدالستار بھی زخمی ہے لیکن ہوش میں ہے اور وہ دونوں... وہ دونوں... پتا نہیں زندہ بھی ہیں یا...!“ حشام نے کہا اور تیزی سے اٹھ کر باہر بھاگے اور میرے تو قدموں نے کھڑا رہنے سے ہی انکار

کردیا اور میں نیچے بیٹھتی چلی گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔دل سے بس ایک ہی دعا نکل رہی تھی کہ "یا اللہ ان دونوں کو سلامت رکھنا۔"

پھر میں حشام اور انکل جناح اسپتال کی جانب بھاگے۔وہاں جا کر پتا کرنے پر معلوم ہوا کہ گاڑی میں سوار مرد اور عورت ہلاک ہوچکے ہیں۔صرف ڈرائیور زندہ بچا ہے اور وہ زخمی

ہے۔

عبدالستار کا ایک ہاتھ کلائی سے ٹوٹ گیا تھا سر اور پیروں پر بھی چوٹیں آئی تھیں۔اس کے بیان کے مطابق اچانک ہی ایک ہیوی ٹرک اندرونی سڑک سے نکل کر آگیا اور اس نے سائیڈ سے کار کو ٹکر ماری۔ٹرک کا اگلا حصہ کار میں گھس گیا تھا۔کار میں سے جب ڈیڈ باڈیز کو نکالا گیا تو دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے میں سختی کے ساتھ پیوست تھے۔انہیں علیحدہ نہیں کیا جاسکا ہے۔سینہ اور پیٹ اتنا زیادہ زخمی ہوا ہے کہ سانسوں کی رفتار رک گئی۔چہرے سلامت تھے۔

میں تو ان کے چہرے دیکھ کر ہی حشام کے ہاتھوں میں بے ہوش ہو کر جھول گئی مجھے کچھ بھی ہوش نہیں رہا۔

ہوش آیا تو امی کی باہوں میں تھی سب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ضروری کارروائی کے بعد میتیں ہم گھر لے آئے۔دو ہنسوں کا جوڑا بچھڑ کر ایسے ملا کہ اب انہیں کوئی جدا نہیں کرسکتا تھا۔ان کے چہروں پر سکون تھا۔جس کو میں نے سرخ سہاگ کے جوڑے میں روانہ کیا تھا۔اس وقت سفید کفن میں اس روپ سے زیادہ سج رہی تھی۔

میں بہت عرصہ تک اس صدمے سے نڈھال رہی۔حشام' کرنل مشتاق اور احتشام نے اس بات کی تحقیقات کیں جیسا کہ ہم سمجھ رہے تھے یہ محض ایک حادثہ نہیں تھا بلکہ سوچا سمجھا قتل کا منصوبہ تھا۔جس پر عمل کیا گیا اور ان دونوں کا قاتل کون ہوسکتا ہے یہ بھی ہم سمجھ سکتے تھے۔وہی شخص جس کے جرائم کے مکمل ثبوت کے طور پر میرے بھائی شاہ زمان کی ذات تھی۔

میرے دل میں اس شخص کے لیے نفرت کے جو جذبات تھے ان میں مزید اضافہ ہوچکا تھا۔اب وہ میرے بھائی بھابی کا بھی قاتل تھا اور آج بھی آزاد

ہے۔یوں ہی با عزت بنا ہوا ہے۔اس کے پیچھے بیرونی طاقتوں کا ہاتھ ہے۔وہ کبھی نہیں پکڑا جائے گا۔دنیا کے قانوں میں ان جیسے لوگوں کے لیے کوئی سزا نہیں ہے۔لیکن اللہ کی عدالت اسے ضرور سزا سنائے گی۔اس روز جب وہ اپنا سیاہ نامہ اعمال اپنے بائیں ہاتھ میں تھامے اپنے اس اللہ کے حضور تنہا کھڑا ہو گا اس روز اس کے پیچھے نہ را ہوگی نہ موساد اور نہ بلیک واٹر۔

دس پندرہ دن کے بعد میں نے لرزتے قدموں سے اس کمرے میں قدم رکھا جو مہہ وش کے زیر استعمال تھا۔میں نے الماری کھولی اس میں اس کی استعمال کی چیزوں کے علاوہ مجھے ایک پیڈ ملا یہ وہ پیڈ تھا جس میں شاہ زمان بھائی نے اپنی سوانح حیات لکھی تھی۔

میں اس پیڈ کو لے کر خاموشی سے اپنے کمرے میں آگئی اور بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ اس سوانح حیات کو پڑھتی رہی۔آج شاہ زمان بھائی کی گزری زندگی کا ایک ایک لمحہ ایک ایک سوچ میرے سامنے تھا۔

میں مانتی ہوں ان سے غلطیاں ہوئی تھیں۔گناہ ہوئے تھے لیکن انہیں اپنی غلطیوں اور گناہوں کا شدت سے احساس تھا۔وہ تائب ہوچکے تھے اور یقیناً غفور الرحیم نے انہیں معاف کردیا ہوگا۔وہ سچی توبہ ضرور قبول کرتا ہے۔

آج وہ ہم میں نہیں ہیں لیکن میں انہیں کبھی نہیں بھولتی۔ان کی زندگی میں میرے لیے بہت سبق پوشیدہ ہیں۔

آج چھ سال گزر چکے ہیں اس سانحے کو آج ہی کے دن وہ دونوں اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے اور آج ہی کے دن میں نے اپنا یہ ناول مکمل کیا ہے۔میں تو صرف شاہ زمان بھائی کے اوپر لکھنا چاہ رہی تھی لیکن یہ حشام کی ضد تھی کہ تم اس میں ہماری محبت کی داستان بھی شامل کرو۔کیونکہ اس کہانی میں ایک ایسا مشترکہ دشمن ہے جس نے تمہیں بھی دکھ دیے ہیں اور شاہ زمان کو بھی۔

نواب سطوت آج بھی زندہ ہے وہ اگر مر بھی جائے گا تو کل کسی اور نام سے زندہ ہو کر آجائے گا۔کیونکہ ابلیس قیامت تک کے لیے دنیا میں بھیجا گیا ہے' انسان اور شیطان کا ساتھ قیامت کے دن تک کا ہے۔

ختم شد